سلسلہ مطبوعات ۱

اِسلام اور تربیتِ اولاد

جلدِ اوّل

تالیف

شیخ عبد اللہ ناصِح علوانؒ

ترجمہ

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ

رئیس

مجلس الدعوۃ والتحقیق الاسلامی۔ کراچی

رئیس

جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی ۵ پاکستان

ناشر

مکتبۃ الحبیب

کُتب مارکیٹ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

موبائل: 0333-3422703

نام کتاب: اسلام اور تربیت اولاد

مؤلف: شیخ عبداللہ ناصح علوان

مترجم: مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار

ناشر: دارالتصنیف جامعہ علوم اسلامیہ

کتابت: "دارالکتابت" جامع مسجد باب الرحمت پرانی نمائش، کراچی

تعداد بار اول: ۲۲۰۰۔۱۴۰۸ھ، ۱۹۸۸ء

تعداد بار دوئم: ۱۲۰۰۔۱۴۱۴ھ، ۱۹۹۳ء

تعداد بار سوئم: ۱۲۰۰۔۱۴۱۵ھ، ۱۹۹۵ء

مطبعہ: القادر پرنٹنگ پریس کراچی

قیمت: فی سیٹ=

ملنے کے پتے

۱۔ مکتبہ یوسفیہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

۲۔ القادر پرنٹنگ پریس کراچی نمبر۳

۳۔ مکتبہ بنوریہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر۵

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للہ رب العالمین، والعاقبۃ للمتقین، والصلاۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین، محمد وآلہ وصحبہ اجمعین، وبعد

اسلام اور تربیتِ اولاد کا بھی عجیب لطیفہ ہوا، ایک روز عصر کے بعد حسبِ معمول دار التصنیف میں تصنیف و تالیف میں مشغول تھا کہ برادر محترم جناب ڈاکٹر عبدالوہاب زاہد زید لطفہ تشریف لائے ان کے ہاتھ میں کتاب "تربیۃ الأولاد فی الاسلام" کی دونوں جلدیں تھیں، چند منٹ کی گفتگو کے بعد موصوف نے یہ کتاب راقم الحروف کو ہدیہ کرنا چاہی، بندہ نے بعض وجوہات کی وجہ سے ان سے یہ عرض کر دیا کہ آپ یہ کتاب کسی اور کو دے دیں مجھے نہ مطالعہ کی فرصت ہے نہ میرے پاس وقت ہے، اصرار و انکار کے بعد وہ کتاب یہیں چھوڑ گئے۔

ایک روز عصر کے بعد طبیعت میں انشراح نہ تھا کام کرنے کو دل نہ چاہ رہا تھا اس لیے وہ کتاب اٹھا کر اس کی فہرست پر سرسری نظر ڈالی تو بڑی عمدہ اور اپنے موضوع پر نہایت جامع معلوم ہوئی، اسی وقت مختلف مقامات کا مطالعہ کیا مغرب تک کا وقت اس میں صرف ہو گیا کتاب پڑھ کر اس کی جامعیت افادیت اور اہمیت کا بخوبی اندازہ ہوا، اور یہ خیال دامن گیر ہوا کہ اسے اردو میں منتقل کر دیا جائے، تاکہ اردو داں طبقہ کو بھی اس سے استفادہ کا موقعہ ملے، اور امتِ اسلامیہ کے لیے تربیتِ اولاد میں مددگار و معاون ثابت ہو۔

چند روز بعد جب موصوف آئے ان سے اپنا خیال ظاہر کیا تو وہ بہت خوش ہوئے اور انہوں نے مؤلف کتاب شیخ عبداللہ ناصح علوان کو جدہ خط لکھا، صاحبِ کتاب نے وہاں سے بندہ کو اپنی کتاب ہدیۃً بھیجی اور اس طرح کتاب کی ضخامت و حجم کو ذہن میں رکھے بغیر جذبات کی رو میں بہہ کر اس کے ترجمہ کے لیے عصر و مغرب کے درمیان کا وقت مخصوص کر لیا، لیکن جب یہ کام شروع کیا تو کچھ روز بعد اس کتاب کی طوالت و ضخامت دیکھ کر اپنے اس فیصلہ پر بہت حیران ہوا کہ اتنا بڑا کام میں کس طرح سرانجام دوں گا خصوصاً جب کہ لوگوں کی آمد و رفت، دوسرے مشاغل، ضروریات اور وقت کی بے برکتی بھی آڑے آتی رہتی ہے۔ دو تین ماہ کے بعد ہمت جواب دے گئی اور ترجمہ کا کام رک گیا۔

کچھ وقت گزرنے کے بعد اجر وثواب کے شوق اور جذبۂ افادہ واستفادہ نے پھر اس کام پر ابھارا اور پھر ترجمہ کرنا شروع کر دیا اور اس طرح کئی مرتبہ کام روکنا اور شروع کرنا پڑا، اور ہوتے ہوتے اللہ تعالیٰ کے محض فضل وکرم سے جلد اول پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی، جب جلد اول تمام ہوئی تو ہمت بڑھی اور دوسری جلد سے الحمدللہ جلد ہی فارغ ہوگیا۔

اپنی بے بضاعتی، ادب وزبان سے ناواقفیت، اور قصور وتقصیر کے اعتراف کے ساتھ کتاب ناظرین کی خدمت میں پیش ہے، اس میں جو فروگذاشت یا اغلاط قارئین کے سامنے آئیں اس پر متنبہ فرما کر اجر وثواب میں شریک ہوں، اللہ کے یہاں عظیم اجر کے مستحق بنیں، اور جن صاحبان کو اس سے فائدہ ہو وہ دعائے خیر کر دیں۔

فاضل مصنف کتاب چند ماہ قبل اس دار فانی سے رحلت کر گئے ہیں مترجم کے ساتھ ساتھ ان کو بھی اپنی دعاؤں میں یاد فرمائیں، اور خصوصاً راقم الحروف کے جلیل القدر محسن ومربی والدین کو جن کی حسن تربیت کامل توجہ اور شب وروز کی دعاؤں، جد وجہد اور انتھک محنت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اس قابل بنایا کہ دین کی کچھ خدمت کر سکوں اور میرے مربی وشیخ اور روحانی والد علامۃ العصر حضرت مولانا علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کو جن کی توجہات، عنایات، نظرِ کرم، دعاؤں، سرپرستی اور شفقت ومحبت نے مجھے یہ سلیقہ سکھایا کہ علماء کی مجلس میں بیٹھ سکوں اور طلبہ کے ساتھ رابطہ قائم رکھ سکوں، اور دین کا ادنیٰ خادم بن سکوں اور میرے مربی وشیخ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب مدظلہ جن کی توجہ وصحبت اور تربیت نے میرے لیے خود کو پہچاننے اور اپنے رب کی معرفت وشناسائی کا راستہ ہموار کیا۔ اور برادر معظم مولانا ڈاکٹر محمد احمد قمر زید لطفہ جن کی توجہ، عنایت اور راہنمائی شروع سے ہی قدم قدم پر میرے لیے مشعلِ راہ بنی۔

میں اپنے ان اصحاب ورفقاء کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کی تصحیح میں حصہ لیا، برادرم محترم مولانا عطاء الرحمٰن صاحب اور برادرم مولانا انعام الحق صاحب خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں ان دونوں حضرات نے کتابت کی تصحیح بڑی عرق ریزی واخلاص سے کی اور ساتھ ہی جناب حافظ عبدالستار صاحب وآحدی کا بھی ممنون ہوں جن کی توجہ سے اس معیار کی کتابت ہو سکی، اور حضرت سید نفیس شاہ صاحب مدظلہ کا بھی جنہوں نے اس کے ٹائٹل کو بصد اخلاص ومحبت تحریر فرمایا اور بھائی سید شاہد حسن صاحب کا شکریہ ادا نہ کرنا بھی ناسپاسی ہوگی جن کی جد وجہد ومحنت سے کتاب اتنی عمدگی سے زیور طبع سے آراستہ ہوئی اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جنہوں نے اس کی طباعت، اشاعت اور اصلاح وتصحیح میں حصہ لیا اجر جزیل عطا فرمائے۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ أجمعین۔

محمد حبیب اللہ مختار بن حکیم محمد مختار حسن رحمہ اللہ

۲۶—۶—۱۴۰۸ھ

۱۵—۲—۱۹۸۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ طبعۂ اولیٰ

تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے قرآنِ مجید کے ذریعہ لوگوں کو صحیح تربیت کا راستہ بتلایا اور شریعت اسلامیہ کے احکامات کے ذریعہ تمام مخلوق کو ہدایت، خیر و بھلائی اور اصلاح کے بنیادی اصولوں سے روشناس کرایا۔

اور درود و سلام ہو سرکارِ دو عالم (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر جن کو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے لئے مربی و معلم بنا کر مبعوث فرمایا، اور جن پر ایسی عظیم الشان شریعت نازل فرمائی جو بنی نوعِ انسان کے لئے عزت و کرامت اور بزرگی و شرافت کے دروازے کھولتی ہے اور سیادت و قیادت اور بلندی و استحکام کے مراتبِ عالیہ تک پہنچنے میں بہترین معاون ثابت ہوتی ہے۔ اور اللہ کی رحمت ہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان آل و اولاد اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر جنہوں نے بعد میں آنے والوں کیلئے اولاد کی تربیت اور امتوں کی اصلاح و تعمیر کے سلسلہ میں ایسے شاندار بے نظیر نمونے چھوڑے جو قوموں کے لئے مشعلِ راہ بنے، اور اللہ کی رحمت ہو ان حضرات پر جو ان کے نقشِ قدم پر چلے، اور انکے مبارک راستہ کو قیامت تک اپنے لئے سبیلِ نجات سمجھ کر اس پر چلتے رہیے، حمد و ثناء اور درود و سلام کے بعد:

۱۔ بنی نوعِ انسان پر دینِ اسلام کے جو بے شمار احسانات ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ دینِ اسلام بشریت و انسانیت کے لئے ایک ایسا جامع اور عظیم نظام پیش کرتا ہے جو انسانی نفوس کی تربیت، قوموں اور افراد کی تعمیر اور معاشرے کے درست کرنے اور ان میں شرافت اور ترقی کی راہ ہموار کرنے میں بنیاد کا کام دیتا ہے، جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اسلام بھٹکتی ہوئی گم کردہ راہ انسانیت کو شرک و بت پرستی، جہالت و گمراہی اور انکار کی تاریک وادیوں سے نکال کر توحیدِ باری تعالیٰ اور علم و ہدایت، استحکام و استقرار کے منور اور روشن راستہ پر گامزن کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں بالکل درست اور حق فرماتے ہیں ارشاد ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ	بے شک آئی تمہارے پاس اللہ کی طرف
يَّهْدِىْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ	سے روشنی اور ظاہر کرنے والی کتاب جس سے

سُبُلَ السَّلٰمِ وَ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ	اللہ تعالیٰ ہدایت کرتا ہے سلامتی کی راہیں اس
الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ	شخص کو جو اسکی رضا کا تابع ہوا اور انکو نکالتا ہے اپنے
اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (المائدہ۔۱۵،۱۶)	حکم سے اندھیروں سے روشنی میں انکو چلاتا ہے سیدھی راہ۔

۲۔ اسلامی شریعت کے فضل و کمال اور فخر کیلئے اتنی بات کافی ہے کہ دشمنانِ اسلام بھی اسلام کی ترقی وابدی ہونے اور اس کے فعال اور ہر زمانے وہر جگہ کیلئے صلاحیت رکھنے کے معترف ہیں ہم ان حضرات کیلئے جنہیں اہلِ مغرب کی شہادت پسند ہے۔ ان کے کچھ اقوال اور توصیفی کلمات کے نمونے اور شہادات پیش کرتے ہیں تاکہ آپ سب حضرات یہ جان لیں کہ انصاف پسند غیر مسلم حضرات اسلام کے ابدی پیغام اور بلند وبالا تعلیمات کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔

- جناب غوستاف لوبون جناب لیبری کا مندرجہ ذیل قول نقل کرتے ہیں کہ:

اگر اہلِ عرب صفحۂ تاریخ پر نمودار نہ ہوتے تو جدید یورپی ترقی وتمدن صدیوں مؤخر ہو جاتا۔

- لین پول اپنی کتاب "العرب فی اسبانیا" میں لکھتے ہیں:

ناخواندہ اور غیر تعلیم یافتہ یورپ جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں اور تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ جب کہ اندلس پورے عالم میں علم کا امین اور ثقافت کا علمبردار تھا۔

- ایلیاس ابوشبکہ اپنی کتاب "روابط الفکر والروح بین العرب والفرنجۃ" میں رقمطراز ہیں:

عربی تمدن کا زوال اسپین اور یورپ کے لئے نحوست کا موجب بنا۔ اس لئے کہ اُندلس کو ترقی وخوشحالی عرب کے زیرِ سایہ حاصل ہوئی، چنانچہ جب عرب وہاں سے چلے گئے تو مال ودولت، حُسن وجمال اور تروتازگی و شادابی کی جگہ ویرانی اور تباہی وبربادی نے لے لی۔۔

- سیدیلوت اپنی کتاب "تاریخ العرب" میں تحریر کرتے ہیں:

قرونِ وسطی میں مسلمان علوم وفلسفہ وفنون میں متفرد تھے۔ اور جہاں جہاں یہ حضرات مقیم ہوئے وہاں انہوں نے علوم کی ضیاء پاشی اور نشر واشاعت کی، یورپ میں علم انہی کے واسطہ سے پہنچا اور یہی حضرات اس کی ترقی اور عُروج کا سبب تھے۔

مشہور انگریز فلسفی برنارڈشا کی شہادت تو اکثر پڑھے لکھے حضرات نے سُنی ہو گی آیئے ان کا کلام انکے الفاظ میں سنیئے:

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین نہایت بلند وبالا مرتبہ کا مالک ہے اس لئے کہ اس میں حیران کن صلاحیت ہے اور وہ ہر دَور کے لئے قابلِ عمل ہے، اور یہ ایک ایسا منفرد دین ہے جس میں یہ ملکہ بخوبی پایا جاتا ہے کہ زندگی کے مختلف اطوار وعادات کو قابو کرلے۔ اور میرے نزدیک تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو انسانیت کا محسن اور ہلاکت سے بچانیوالا

لقب دینا فرض ہے، اور اگر ان جیسا کوئی شخص آج کے دور میں اس عالم کی زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لے تو وہ آج کل کی مشکلات ومسائل آسانی سے حل کرلے گا۔

یہ اور ان کے علاوہ اور دوسرے حضرات کے اقوال ہر ذی بصیرت وصاحب فہم کے سامنے اس بات کی مستقل شہادت اور دلیلیں دے رہے ہیں کہ اسلامی نظام ترقی وتمدن اور تہذیب وثقافت اور زندہ تعلیمات پر مشتمل ایک ایسا بے نظیر دین ہے جو ہر زمانے وہر جگہ کے لئے پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ واقعی کمال تو درحقیقت وہ ہے کہ جس کا دوسرے بھی اعتراف کریں اور دشمن بھی اس کی شہادت دیں کسی نے کیا خوب کہا ہے:

شهد الأنام بفضله حتى العدا — والفضل ما شهدت به الأعداء

لوگوں نے اس کے فضل وکمال کی شہادت دی حتیٰ کہ دشمنوں تک نے — اور واقعی کمال تو وہ ہے کہ جس کی شہادت دشمن بھی دیں

۳۔ شریعتِ اسلامیہ چونکہ بندوں کو ان کے خالق ورب سے ملاتی ہے اور ان کی ضروریات کو پورا کرتی ہے مشعلِ راہ کا کام دیتی ہے، اور ہر نئے مسالہ کا حل، ہر دور کے ساتھ چلنے کی صلاحیت رکھتی ہے تو کیا اس کے بنیادی نظریات اور جدید تقاضوں کا پورا کرنا صرف ایک ذہنی وفکری سوچ اور کتابوں میں مدون نظریات تک محدود ہے یا یہ صلاحیت اور اہلیت اور نظریات درحقیقت ایک امت میں موجود ہیں جس کا مشاہدہ آنکھوں سے ہو رہا ہے۔

آیئے جواب کے لئے سید قطبؒ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں وہ کیا جواب دیتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ہی کامیابی کی منزل کو پہنچ گئے تھے جب انہوں نے اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو ایمان ویقین کی ایک ایسی زندہ مثال بنادیا تھا جو کھاتی پیتی اور بازاروں میں چلتی پھرتی تھی، وہ دن جس دن انہوں نے ہر صحابی کو روئے زمین پر چلتا پھرتا زندہ قرآن کریم بنادیا تھا، وہ دن جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر فرد کو اسلام کا مجسم نمونہ بنادیا تھا ان کو دیکھ کر لوگ اسلام کا مشاہدہ کرلیا کرتے تھے۔

صرف تحریرات وتصنیفات کچھ نہیں کرسکتیں نہ صرف قرآن کریم ومصاحف مؤثر ہوسکتے ہیں جب تک کہ اس پر عمل کرنے والے اور عمل سے اس کو ثابت کرنے والے موجود نہ ہوں، اور صرف اساسی تعلیمات اس وقت زندہ نہیں رہ سکتیں جب تک ان کو عمل کے ذریعہ محفوظ نہ کیا جائے، اسی لئے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعظ وتقریر کی بجائے سب سے پہلے آدمیوں کو مثالی بنانے پر توجہ دی، اور بجائے مقفّی ومسجّع تقاریر کے انسانوں کی ضمیر کو درست کیا، اور بجائے فلسفہ کی بنیاد ڈالنے کے امت کی تعمیر کی، نفسِ تصور اور قواعد کو تو قرآنِ کریم نے خود بیان کیا اور اس کی ذمہ داری لی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کام یہ تھا کہ اس تصور اور ان قواعد کو ایسے افراد کے روپ میں ڈھال دیں جو آنکھوں سے نظر آسکیں اور ہاتھ سے محسوس ہوسکیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اسی دن کامیابی کی اعلیٰ منازل تک پہنچ گئے تھے جس دن

انہوں نے اسلامی تصور کو انسانوں کی شکل میں ڈھال دیا اور ان کے اسلام کو عملی جامہ پہنایا، اور ایک قرآن کریم کے دسیوں اور پھر سینکڑوں اور ہزاروں نسخے بنا ڈالے لیکن یہ نسخے وہ نسخے نہ تھے جنہیں روشنائی کے ذریعے کاغذ پر چھاپا جاتا ہے بلکہ آپ نے اس قرآن کریم کو نورانی روشنائی سے دلوں پر کندہ و تحریر فرمادیا تھا، اور اس اسلام کو لوگوں کے عمل اور قول و فعل میں رچا بسا دیا، اور اس کو ان کا اوڑھنا بچھونا بنا دیا، اور وہ حضرات اپنے قول و فعل سے یہ بتانے لگے کہ وہ اسلام جسے حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی جانب سے لائے تھے وہ کیا ہے[1]؟

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ہراول دستے کی تربیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح کی تھی اور ان کے بعد آنے والے حضرات نے کس طرح اس دین کو پیش کیا اور اس پر کیسے عمل کیا؟ اگر اس کی جھلک دیکھنا ہو تو تاریخ کے زرین صفحات کا مطالعہ کیجئے تاکہ ان کے جلیل القدر کارناموں اور مناقب و محامد کا بڑا حصہ نظروں کے سامنے آسکے، کیا دنیا نے ان سے زیادہ معزز و مکرم، رحمدل و محبت والے بلند و بالا اوصاف و اخلاق کے مالک ترقی یافتہ اور اہل علم حضرات کو پہچانا ہے؟

ان حضرات کے فضل و کمال اور عزو شرف کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ۚ وَ الَّذِیْنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ تَرٰىہُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَ رِضْوَانًا ۫ سِیْمَاہُمْ فِیْ وُجُوْہِہِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ﴾۔ (الفتح ۔ ۲۹)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں سخت ہیں کافروں پر، رحمدل و نرم دل ہیں آپس میں تو ان کو دیکھے رکوع اور سجدہ میں تلاش کرتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی خوشی، سجدہ کے اثر سے ان کے چہروں پر نشانی ہے۔

نیز ارشاد باری ہے:

﴿کَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَہْجَعُوْنَ ۝ وَ بِالْاَسْحَارِ ہُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ وَ فِیْۤ اَمْوَالِہِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ ۝﴾ (الذاریات ۔ ۱۷ تا ۱۹)

وہ رات کو تھوڑا سوتے تھے اور صبح کے وقتوں میں استغفار کرتے تھے (معافی مانگتے تھے) اور ان کے مال میں حصہ تھا مانگنے والوں اور محروموں کا۔

اور فرمایا:

﴿وَ الَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِہِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ ہَاجَرَ اِلَیْہِمْ وَ لَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِہِمْ حَاجَۃً مِّمَّاۤ اُوْتُوْا

اور وہ لوگ جو جگہ پکڑ رہے ہیں اس گھر میں اور ایمان میں ان سے پہلے سے، وہ محبت کرتے ہیں جو ان کے پاس وطن چھوڑ کر آئے، اور اپنے دل میں تنگی نہیں پاتے اس

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب "دراسات اسلامیہ" تصنیف سید قطب کی فصل "انتصار محمد بن عبداللہ"۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۔

(الحشر - ۹)

چیز سے جو مہاجرین کو دی جائے، اور ان کو اپنی جان سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان کے اپنے اوپر فاقہ کیوں نہ ہو، اور جو اپنے جی کی لالچ سے بچایا گیا تو وہی لوگ مراد پانے والے اور کامیاب ہیں۔

اور فرمایا:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝۔

(الاحزاب - ۲۳)

کتنے ہی مرد ہیں ایمان والوں میں سے کہ انہوں نے سچ کر دکھلایا اس چیز کو جس کا اللہ تعالیٰ سے عہد کیا پھر کوئی تو ان میں سے اپنا ذمہ اور وقتِ مقررہ پورا کر چکا اور کوئی انہیں کا راہ دیکھ رہا ہے اور نہیں بدلا ایک ذرہ بھی۔

یہ نمونے اور مشتے از خروارے کے طور پر ان حضرات کے مناقب و محامد کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کے بارے میں قرآنِ کریم کے پیش کردہ فرامین کا ایک ہلکا سا سرسری جائزہ ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی بدولت مثالی اور شاندار معاشرہ کے سلسلہ میں منکرین کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا اور فلاسفہ کی ایک دیرینہ تمنا وجود میں آئی ... اور ایسا کیوں نہ ہو جیسا کہ لوگوں نے عملی طور پر بچشمِ خود یہ مشاہدہ کر لیا کہ قاضی دو سال تک منصبِ قضاء پر بیٹھتا ہے لیکن دو آدمی بھی اس کے پاس مقدمہ لیکر نہیں آتے، اور وہ آپس میں کس طرح جھگڑ سکتے تھے جبکہ قرآنِ کریم ان کے درمیان موجود تھا، کیونکر ان میں فتنہ و فساد پھیلتا جبکہ وہ اپنے بھائیوں کے لئے بھی وہی پسند کرتے تھے جو ان کو اپنے لئے پسند ہوتا۔ اور بات بھی یہ تھی کہ وہ ایک دوسرے سے بغض و حسد کیونکر رکھ سکتے تھے اس لئے کہ اسلام ان کو آپس میں بھائی چارگی الفت و محبت کے ساتھ رہنے اور ایثار و قربانی کے جذبہ کے ساتھ زندگی گزارنے کا حکم دے رہا تھا۔

لیجئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی نے ان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں جو تعریفی کلمات ارشاد فرمائے ہیں اور ان کے مناقب کو بیان کیا ہے اور ان کے افعالِ حمیدہ کو اپنانے اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے اور ان کے اخلاقِ کریمانہ کو اپنے اندر جذب کرنے کی دعوت دی ہے اسے غور سے سنیں وہ فرماتے ہیں:

جو شخص کسی کو اپنا مقتدا بنانا چاہے تو اسے چاہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو اپنا مقتدا بنائے اور انکی پیروی کرے اس لئے کہ وہ حضرات اس امت کے نہایت نیک دل افراد تھے اور وسیع عمیق

علم کے مالک تھے، تکلف سے بہت دور تھے، عادات واخلاق میں نہایت صاف ستھرے، اور حالات کے اعتبار سے بہت ممتاز تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ومعیّت اور اپنے دین کے قائم کرنے کے لئے منتخب فرمایا تھا، لہٰذا ان کے مرتبہ کو پہچانو، اور ان کے نقش قدم پر چلو، اس لئے کہ وہی حضرات سیدھے راستہ پر گامزن تھے۔

۴۔ مسلمان قومیں شروع ہی سے ان کے علم وفضل کے چشمہ سے سیرابی اور ان کے مکارم ومحاسن کے نور سے روشنی حاصل کرتی رہیں اور تربیت وتعلیم کے سلسلہ میں انہی کے طریقے کو اپنایا، اور مجد وشرافت کی عمارت تعمیر کرنے میں ان کو اپنا مقتدا وپیشوا بنایا۔۔ تاآنکہ وہ دور آگیا جس میں اسلامی معاشرہ سے اسلامی احکام ختم اور رُوئے زمین سے خلافتِ اسلامیہ کے نشانات زائل ہونے لگے۔ اور دشمنانِ اسلام اس بات میں کامیاب ہوگئے کہ وہ اپنے گندے مقاصد اور ناپسندیدہ اغراض تک پہنچ جائیں۔ اور اپنی اس آرزو کو پالیں جو عرصہ دراز سے ان کے دلوں میں پوشیدہ تھی، اور وہ یہ کہ عالم اسلام کو ایک دوسرے سے لڑنے اور بغض رکھنے والی امتوں اور قوموں میں تقسیم کردیں اور پھر یہ چھوٹی چھوٹی حکومتیں آپس میں لڑتی جھگڑتی رہیں، اور اپنی خواہشاتِ نفسانیہ کی غلام بن جائیں، اور ہاتھ دھو کر دنیا کے پیچھے پڑ جائیں اور اسلام کے بنیادی اصولوں اور اس کے احکام سے دور ہوتے چلے جائیں۔ اور ان کی ساری توجہ دنیاوی خواہشات ولذات کے حصول کی طرف مبذول ہو اور آزادی اور اباحیت کے گڑھوں میں الٹے سیدھے ہاتھ مارتے ہوئے گرتے رہیں،۔ ان کے سامنے نہ کوئی مقصد اور غایت ہو نہ منزل وٹھکانہ، اور وہ اسی طرح وقت گزارتے رہیں نہ عزت وشرافت کے حصول کی کوشش ہو نہ اتحاد اور اپنے معاشرہ کی تعمیر کی۔ دیکھنے میں متحد اور متفق معلوم ہوں لیکن اندر سے الگ الگ اور منتشر ہوں، بظاہر بڑے طاقتور معلوم ہوں لیکن حقیقت میں ان کی مثال سیلاب کے خس وخاشاک کی سی ہو۔ اور اب نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ بہت سے مصلحین اور وعظ ونصیحت اور دعوت وارشاد کرنے والے حضرات اس حالت کو دیکھ کر مایوس سے ہو چلے ہیں، اور ناامیدی کے بادل ان پر چھانے لگے ہیں، اس لئے کہ وہ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ اب اس امت کی اصلاح کا کوئی راستہ نہیں، اور اس کو دوبارہ اپنے اس عظیم منصب تک پہنچانے کی کوئی امید نہ رہی ہے اور ان کی سابقہ عزت وشہرت، فضل وکمال، وحدت واجتماع کو دوبارہ لوٹانا ممکن نہیں۔۔۔ بلکہ ان مصلحین میں سے بعض حضرات یہ کہنے لگے ہیں کہ اب گوشہ نشینی اور یکسوئی اختیار کرنا چاہیئے اس لئے کہ وہ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ اب اخیر زمانہ آگیا ہے، اور اب وہ وقت آگیا ہے جس میں مسلمان شخص کو اپنی بکریاں وغیرہ لے کر پہاڑوں پر ڈیرہ ڈال لینا چاہیئے تاکہ وہاں رہ کر اپنے آپ کو فتنوں سے بچا سکے[1]، اور اسلام وایمان کے ساتھ اپنے رب سے جا ملے۔

---

[1] صحیح بخاری میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (بقیہ حاشیہ اگلے

اصلاح سے مایوسی کا یہ تصور تین وجہ سے وجود میں آتا ہے :

الف : اس دین کے مزاج سے ناواقفیت ۔

ب ، دنیا کی محبت اور موت سے نفرت ۔

ج : اس مقصد کو فراموش کردینا جس کی خاطر مسلمان کو پیدا کیا گیا ہے ۔

الف ۔ جس دن مسلمان اس بات کو سمجھ لیں گے کہ اسلام قوت وطاقت والا دین ہے اور اس سلسلہ میں اس کا شعار اور اعلان یہ ہے :

«وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ». الانفال ۔ ۶۰ — اور تیار کرو ان کی لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کر سکو قوت سے ۔

اور جس روز مسلمان اس بات کو ذہن نشین کرلیں گے کہ اسلام علم والا دین ہے ، اور علوم شرعیہ اور علوم عصریہ دونوں کو شامل ہے اور اس سلسلہ میں اس کا شعار ہے :

«وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا». طٰہٰ ۔۱۱۴ — اور کہہ اے رب میری سمجھ زیادہ کر ۔

اور جس دن یہ سمجھ لیں گے کہ اسلام ایسا دین ہے جس نے روئے زمین پر انسان کو خدا کا خلیفہ اور نائب قرار دیا ہے تاکہ انسان اس دنیا کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں تھامے ، اور اس کے خزانوں کو ظاہر کرے ، اور اس کے اسرار ورموز سے باخبر ہو اور اس سلسلہ میں اس کا اعلان ہے :

«وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ». (الانعام ۱۶۵) — اور اسی نے تم کو نائب کیا ہے زمین میں ۔

اور جس روز اس بات کو سمجھ لیں گے کہ اسلام نے انسان کو باعزت مقام دیا ہے اور اس کو بے شمار مخلوقِ خدا پر فضیلت دی ہے تاکہ اپنی مسئولیات اور ذمہ داریوں کو کمالِ خوبی سے ادا کرے اور جو فرائضِ منصبی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ سے آگے) " قریب ہے کہ ایک ایسا وقت آجائے جس میں انسان کا بہترین مال وہ بکریاں ہوں جن کو لے کر وہ پہاڑ کی چوٹیوں اور بارش برسنے کی جگہوں میں چلا جائے تاکہ اپنے دین کو فتنوں سے بچا سکے " یہ حدیث اس شخص کے لیے ہے کہ جس کو دین بچانا مشکل ہو اور مرتد ہونے پر مجبور کیا جا رہا ہو ، لیکن جب تک کہ مسلمان موجود ہیں اور اسلامی شعائر کو ادا کر رہے ہیں اور اپنے اوپر اسلامی احکام نافذ کر رہے ہیں ۔ اور جب تک تعاون کی گنجائش موجود ہے ۔ اور یہ امید باقی ہے کہ اسلام کی بہار حسبِ سابق دوبارہ لوٹ آئے تو ایسی صورت میں گوشہ نشینی اور یکسوئی اختیار کرنا مسلمانوں کے لیے حرام ہے اس لیے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز کسی واجب کے حصول کا ذریعہ ہو تو وہ چیز خود لازمی اور واجب ہو جاتی ہے اس لیے آج مسلمانوں پر یہ لازم ہے کہ وہ اللہ کے احکامات کو نافذ کریں ، اسلامی حکومت کے قیام کے لیے کوشاں رہیں ورنہ وہ گناہگار ہوں گے ۔

اس کے سپرد ہیں انہیں احسن طریقہ سے ادا کرے اور اس سلسلہ میں وہ یہ اعلان کرتا ہے:

«وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝». (الاسراء-۷۰)	اور ہم نے عزت دی اولادِ آدم کو اور سواری دی ان کو جنگل اور دریا میں ہم نے روزی دی ان کو ستھری چیزوں میں سے اور ان کو بڑھا دیا، ہم نے بڑائی دے کر بہتوں سے جن کو ہم نے پیدا کیا۔

اور جس دن یہ جان لیں گے کہ دینِ اسلام انسان کو اپنی عقل وسمجھ اور حواس کے بارے میں پورا پورا مسئول سمجھتا ہے اگر وہ اپنی عقل وسمجھ اور حواس کو معطل چھوڑ دے اور ان سے کام نہ لے تو اس سے باز پرس ہوگی اور اس سلسلہ میں اس کا واضح اعلان ہے:

«وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝». (الاسراء-۳۶)	اور اس بات کے پیچھے نہ پڑ جس کی تجھ کو خبر نہیں، بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب کی اس سے پوچھ ہوگی۔

اور جس دن یہ بات ذہن نشین کرلیں گے کہ اسلام نے اس پورے عالم کو انسان کے لئے مسخر مانا ہے تاکہ انسان اسے علم کی خدمت اور انسانیت کی بھلائی کے لئے استعمال کرسکے، اور اس سلسلہ میں اس کا شعار یہ ہے:

«وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ؕ». (الجاثیہ-۱۳)	اور تمہارے کام میں لگا دیا جو کچھ کہ ہے آسمانوں اور زمین میں سب کو اپنی طرف سے۔

اور جس روز یہ بات سمجھ لیں گے کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو انسان کو آسمان وزمین کی تخلیق پر اس لئے غور وفکر کی دعوت دیتا ہے تاکہ وہ حقائق تک پہنچ سکے اور اس سلسلہ میں اس کا اعلان ہے:

«قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ». (یونس-۱۰۱)	آپ کہہ دیجئے کہ دیکھو تو آسمانوں اور زمین میں کیا کچھ ہے۔

اور جس روز یہ بات سمجھ لیں گے کہ اسلام عملِ پیہم، جدوجہد اور عزم ونشاط والا دین ہے۔ اور اس سلسلہ میں اس کا شعار یہ ہے:

«هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا	وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے آگے پست کیا اب اس کے کندھوں پر چلو پھرو

مِن رِّزْقِهٖ ۚ وَ اِلَيْهِ النُّشُوْرُ ۔ (الملک۔۱۵) — اور کھاؤ اس کی دی ہوئی کچھ روزی اور اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اور جس روز یہ بات سمجھ لیں گے کہ اسلام نے ناامیدی کو حرام قرار دیا ہے اور مایوسی سے منع کرتا ہے اور اس سلسلہ میں اس کا اعلان یہ ہے:

«اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝» (یوسف۔۸۷) — بے شک ناامید نہیں ہوتے اللہ کے فیض سے مگر وہی لوگ جو کافر ہیں۔

اور جس دن یہ سمجھ لیں گے کہ اسلام عزت وکرامت کا دین ہے، اس لئے یہ ضروری ہے کہ اس کا تاج اپنے سروں پر رکھیں، اور پورے عالم میں اس کا جھنڈا سربلند کریں، اور اس سلسلہ میں اس کا شعار ہے:

«وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝» (المنافقون۔۸) — اور زور تو اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کا ہے، لیکن منافق جانتے نہیں ہیں۔

جس دن مسلمان اپنے دین کے بارے میں یہ سب کچھ سمجھ لیں گے اور لوگ، خصوصاً دعوت الی اللہ کا فریضہ انجام دینے والے، اس دین کے مزاج سے واقف ہوجائیں گے اور اسلام کی حقیقت ذہن نشین کرلیں گے تو نہ ان پر ناامیدی سوار ہوگی اور نہ ان میں مایوسی سرایت کرسکے گی، بلکہ وہ دعوت واصلاح اور تعمیرِ قوم کے میدان میں گھس جائیں گے تاکہ اپنے اسلاف کی طرح پوری دنیا کے اساتذہ، معلم اور امتوں کے ھادی وراہنما بن سکیں، اور زندگی کی تاریخ گھاٹیوں میں روشن مینارے بن جائیں، اور انسانیت ان کے علوم سے سیراب ہو، اور خواہ کتنی ہی صدیاں کیوں نہ گزر جائیں لوگ ان کے علوم ومعارف اور تمدن وتہذیب کے چشموں سے سیرابی حاصل کرتے ہیں اور وہ اسی طرح لوگوں کے مقتدیٰ بنے رہیں یہاں تک کہ دنیا ختم ہوجائے اور قیامت قائم ہوجائے۔

ب۔ جس دن مسلمان، اور بالخصوص علماء اور دعوت وتبلیغ کرنے والے حضرات، دنیا کی محبت سے آزاد... ہوجائیں گے اور دنیا سے دل ہٹالیں گے اور اس کی سرسبزی وشادابی اور سازوسامان سے ضرورت سے زیادہ دل لگانا چھوڑ دیں گے اور اپنا مطمحِ نظر، مبلغِ علم اور منزلِ مقصود اور سب سے بڑی آرزو لوگوں کی ہدایت، معاشرہ کی اصلاح اور روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کے حکم کو نافذ کرنے کو بنالیں گے۔

اور جس روز بزدلی، خوف اور موت کی ناپسندیدگی سے چھٹکارا حاصل کرلیں گے، اور سچے دل سے یہ جان لیں گے کہ رزق خدا کے ہاتھ میں ہے، اور نفع ونقصان پہنچانے والا وہی ہے، اور جو کچھ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ ان سے پھر نہیں سکتا اور جو انہیں نہیں مل سکا وہ اس کو حاصل ہی نہیں کرسکتے، اور یہ کہ اگر ساری مخلوق جمع ہوکر انہیں کچھ فائدہ پہنچانا چاہے تو بھی صرف اتنا ہی کرسکتی ہے جتنا خدا نے ان کے لئے مقرر کر رکھا ہے، اور اگر سب مل کر نقصان پہنچانا

چاہیں تب بھی اتنا ہی نقصان پہنچا سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ پہلے سے لکھ چکے ہیں۔

جس روز مسلمان اس بات پر یقین کرلیں گے، اور کمزوری وبزدلی کے اسباب سے خلاصی حاصل کرلیں گے اس دن وہ دعوت الی اللہ اور تربیت واصلاح کے میدان میں بلاخوف وخطر آگے بڑھتے چلے جائیں گے۔ اور اللہ کے پیغامات واوامر کو بلا کسی خوف وخطر کے دوسروں تک پہنچاتے رہیں گے، بلکہ ان کو اس بات کا پورا یقین ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کی ضرور نصرت فرمائے گا، اور ان کو حکومت دے گا، اور خوف کو امن سے اور ذلت کو عزت میں بدل دیگا، اور اختلاف و پراگندگی اتحاد والفت میں بدل جائے گی، اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے ذرا بھی مشکل نہیں، بشرطیکہ لوگ اپنی نیتیں درست کرلیں، ہمت وعزم کو مضبوط کرلیں، اور خوف، ناامیدی، مایوسی اور دنیا کی محبت سے آزاد ہو جائیں۔

ج۔ جس روز مسلمان اس بات کو سمجھ لیں گے کہ مسلمانوں کو دنیا کی زندگی ایک عظیم الشان مقصد اور اہم ترین غرض کے لئے عطا کی گئی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس مقصد کو اپنے کلام پاک میں ان الفاظ کے ساتھ بیان فرمایا ہے:

((وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ))۔ (الذاریات۔۵۶)

اور میں نے جو جن اور آدمی بنائے سو اپنی بندگی کو۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے جو عبادت وعبودیت چاہتا ہے اور جس کا ہمیں حکم دیتا ہے اور جس پر ابھارتا ہے وہ کیا ہے؟

صاف ظاہر ہے کہ یہ اللہ کے مقرر کردہ دین وشریعت کے سامنے گردن جھکانے اور سر تسلیم خم کرنے اور اس کی کامل ومکمل فرمانبرداری اور اس کے بتلائے ہوئے صراطِ مستقیم پر چلنے کا نام ہے۔

یہ اس امانت کے اٹھانے کا نام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین پر پیش کیا تھا لیکن وہ اس کو نہ اٹھا سکے اور اس سے گھبرا گئے۔

یہ ایک دائمی ابدی اور مستقل ذمہ داری ہے اس بات کی کہ لوگوں کو مخلوق کی عبادت سے نکال کر خالق کی عبادت کی طرف لیجایا جائے اور دنیا کے رسم ورواج کی تنگیوں اور پابندیوں سے شریعت ودین کی پیش کردہ آسانیوں کی طرف دعوت دی جائے اور باطل مذاہب کے ظلم واستبداد سے چھٹکارا دلا کر اسلام کے عدل وانصاف سے فیض یاب کیا جائے۔

یہ اس بات کا نام ہے کہ دوستی اور تعلق اللہ اور اس کے رسول اور مؤمنین سے رکھا جائے۔

اور اس کا تقاضہ یہ ہے کہ ان افکار ونظریات کو چھوڑ دیا جائے جو شریعتِ اسلامیہ کی طرف سے وجود میں نہیں آئے روئے زمین پر موجود مسلمان کی یہ ذمہ داری ہے اور یہی اس کی زندگی وحیات کا باعث اور اصل مقصد، چنانچہ جب مسلمان اپنا تعلق اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں سے جوڑ لیتا ہے تو وہ صحیح معنوں میں اللہ کا بندہ بن جاتا ہے، اور جب

اس امانتِ الٰہیہ کو عزمِ صادق اور سچے دل سے اٹھا لیتا ہے تو وہ اللہ کا بندہ بن جاتا ہے اور جب انسان اللہ تعالیٰ کے پیش کردہ نظامِ ہدایت اور اس کے دینِ متین کی بتلائی ہوئی شریعت کو قبول کر لیتا ہے تو مؤمن حقیقۃً اللہ کا بندہ ہو جاتا ہے اور جب انسان مسلسل جدوجہد اور اس بات کی کوشش میں لگا رہتا ہے کہ لوگوں کو بندوں کی غلامی و عبادت سے نکال کر خدا کے دربارِ عبودیت میں لے آئے اور دنیا کی تنگیوں اور باطل کی تاریکیوں سے دینِ اسلام کی فراخی و نور کی جانب، اور باطل مذاہب کے ظلم سے اسلام کے عدل وانصاف کی طرف لوگوں کو پہنچا دے تو وہ واقعی خدا کا بندہ بن جاتا ہے۔

اور اگر بالفرض ایسا نہ کرے تو وہ ایک بے کار مہمل و ناکارہ بن کر اپنی خواہشات کی غلامی اور باطل کی پیروی میں لگ جاتا ہے اور اس پر ناامیدی جمود اور مایوسی کا غلبہ ہو جاتا ہے، اس کے کام کاج بلا مقصد ہوتے ہیں، الٹے سیدھے ہاتھ پاؤں مارتا ہے، اور بلا سوچے سمجھے قدم اٹھا کر ٹھوکریں کھاتا ہے؛

(أَوَمَن كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَن مَّثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۚ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۲۲﴾) (الانعام ۱۲۲)	بھلا ایک شخص جو کہ مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا اور ہم نے اس کو روشنی دی کہ اب کئی لوگوں میں لئے پھرتا ہے (ایسا شخص) برابر ہو سکتا ہے اس کے جس کا حال یہ ہے کہ اندھیروں میں پڑا ہے وہاں سے نکل نہیں سکتا اسی طرح مزین کر دیئے کافروں کی نگاہ میں ان کے کام۔

اس لئے مسلمانوں کو اپنے مذہب و دین کے مزاج کو سمجھ لینا چاہیئے تاکہ وہ دنیا کی محبت اور موت کی ناپسندیدگی کے مرض سے چھٹکارا حاصل کر سکیں، اور اس مقصدِ عالی کو پہچان سکیں جس کی خاطر ان کو پیدا کیا گیا اور عدم سے وجود بخشا گیا تاکہ از سرِ نو اسلام کے دامن کو مضبوطی سے تھام لیں اور اسلام کی سربلندی کے لئے جدوجہد کریں اور اپنی عظیم الشان عزت وشوکت، طاقت وقوت، اولوالعزمی، اور بے نظیر اتحاد ووحدت کو دوبارہ واپس حاصل کر سکیں، اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ مشکل نہیں۔

۵۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اصلاح کا کیا طریقہ ہے؟ اور صالح اور اچھا معاشرہ وجود میں لانے کے لئے کہاں سے ابتداء کرنا چاہیئے؟ اور اس زمانہ میں والدین اور تربیت کرنے والے حضرات اور مصلحین کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟ یہ تمام سوالات درحقیقت ایک ہی مقصد کے ارد گرد گردش کرتے ہیں اور ان سب کا مقصد بھی ایک ہی ہے۔

ایک مقصد کے ارد گرد اس لئے گردش کرتے ہیں کہ ہر وہ شخص جو اصلاح کو ضروری سمجھتا ہے اور تربیت کی کوشش کرتا ہے وہ اس بات کا کوشاں ہوتا ہے کہ ان تلخ حالات اور غلط ماحول کو بدل ڈالے جس میں اکثر حضرات مبتلا ہیں۔

اور وہ اپنے پورے وسائل بروئے کار لاکر اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ معاشرہ کو بدل دیا جائے تاکہ وہ اس مقام کو پہنچ جائے جو اس کے مناسبِ حال ہے اور زندگی عزت و آبرو کے ساتھ خوشی خوشی گزرتی رہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ ان سب سوالات کی غایت اور مقصد ایک ہی ہے تو وہ اس لئے کہ تربیت واصلاح اور دعوت وارشاد کا کام کرنے والے تمام افراد اپنی تمام تر توانائیوں اور ہمت وعزم کو عمل کے میدان میں اس لئے صرف کرتے ہیں تاکہ باوقار سمجھدار معاشرہ وجود میں آئے، اور ایسی امت پیدا ہو جس کا ایمان قوی، اخلاق عالی و بلند، جسم تندرست و توانا، علوم پختہ اور کامل و مکمل، اور مزاج ونفسیات درست وصحت مند ہو تاکہ وہ اس بات کی مستحق ہو کہ خدا کی نصرت اس کے شامل حال ہو، اور ان میں آپس میں اتحاد و اتفاق پیدا ہو اور ان کی عزت وعظمت کا بول بالا ہو۔

لیکن اس سبب کی بنیاد کیا ہے؟ اور اس کو تطبیق دینے اور عملی جامہ پہنانے اور اس کے نفاذ کے مراحل کیا ہیں؟

اس کا جواب ایک لفظ سے دیا جا سکتا ہے اور وہ ہے لفظِ "تربیت" لیکن اس کلمہ کے مدلولات بہت سے ہیں اور اس کا میدان نہایت وسیع اور اس کا مفہوم بہت عام ہے اس لئے کہ تربیت کا مفہوم اور مطلب یہ بھی ہے کہ افراد کی تربیت ہو، اور یہ بھی کہ خاندان کی تربیت ہو، اور معاشرہ اور انسانیت کی تربیت ہو، اور پھر ان اقسام واصناف میں سے ہر ایک قسم کی تربیت کے تحت بہت سی اقسام داخل ہیں، جن سب کا مقصد اور غرضِ اصلی یہ ہے کہ ایک باوقار عمدہ معاشرہ قائم ہو اور بے نظیر امت پیدا ہو۔

تربیتِ اولاد درحقیقت ایک شاخ ہے اس فرد کی تربیت کی جس کو اسلام اس لئے تیار کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ ایک فعّال اور کام کا عضو بن سکے اور زندگی کی دوڑ میں کام کا انسان ثابت ہو۔

بلکہ یہ حقیقت ہے کہ اگر اولاد کو صحیح اور عمدہ تربیت دے دی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک صالح فرد کے پیدا کرنے کے لئے مضبوط بنیاد ڈال دی گئی، اور اس کو اس قابل کر دیا گیا کہ وہ مسئولیات اور ذمہ داریوں کے بوجھ کو اٹھا سکے اور زندگی کے تقاضوں کو صحیح طور سے پورا کر سکے۔

۶ - محترم قارئِ کرام! آپ کے ہاتھوں میں اس وقت جو کتاب ہے یہ درحقیقت بچوں کو اسلام کے مطابق تربیت دینے کے سلسلے میں ایک صحیح اور کامل و مکمل نظام کی وضاحت اور اظہار کی کوشش ہے۔ اور خدا کی توفیق سے جب آپ اس کتاب کو پڑھ لینگے تو آپ پر یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ اسلامی شریعت کی خصوصیات میں یہ بات شامل ہے کہ یہ دین انسان کی ہر ضرورت کو پورا کرتا ہے، اور پوری زندگی کو شامل و محیط ہے، اس دین نے ان تمام چیزوں کو بیان کر دیا ہے جو انسان کو دین و دُنیا اور آخرت غرض ہر جگہ فائدہ پہنچاتی ہیں، اور ساتھ ہی آپ کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ تربیت کے سلسلہ میں اور بشریت کی اصلاح کے لئے اسلام کا ایک خصوصی نظام ہے۔ چنانچہ جب تربیت کرنیوالے

حضرات اس کے طریقے اور نظام کو اپنالیں گے تو امت میں سکون واطمینان، امن وامان عام ہوگا اور خوف وخطر، افتراق واختلاف رسہ کشی اور دیگر عیوب ختم ہوجائیں گے اور آپ کے سامنے یہ بات کھل کر آجائے گی کہ واقعی اسلام حیات آفرین دین ہے اور یہی انسانیت کا دین ہے، اور یہی تربیت واصلاح اور نظم وضبط کا دین ہے، لہٰذا جب بھی مخلوق اس کے راہ ہدایت کو اختیار کرے گی اور لوگ اس کے صاف ستھرے چشمہ سے سیرابی حاصل کرنا شروع کردیں گے اور حکومتیں اس کی پیش کردہ شریعت واصول وقواعد پر عمدگی سے عمل کرنا شروع کردیں گے تو عالم میں سلامتی پھیل جائے گی اور لوگوں کو بہترین وعمدہ معاشرہ کی نشانیاں کھلی آنکھوں سے نظر آنے لگیں گی اور لوگ اسلام کے سائے تلے امن وامان سے خوش وخرم زندگی گزارنے لگیں گے۔

اور ایسا کیوں نہ ہو اس لئے کہ اسلام اللہ تعالیٰ (جو کہ تمام مخلوق کا رب ہے) کا دین ہے، اور فخر انسانیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ہے، اور ایک ایسی کامل ومکمل شریعت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تمام بشریت کے لئے دستور اور نظام کے طور پر پسند فرمایا ہے۔

۷۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں تحریر شدہ مواد اسلامی کتب خانوں میں بالکل نہ ہونے کے برابر ہے۔ اور جہاں تک میرا مطالعہ ہے تو اب تک کوئی ایسی جامع کتاب نہیں دیکھی جو کامل ومکمل کہی جاسکے اور مستقل طور سے اس موضوع پر لکھی گئی ہو۔ اور اس میں بچہ کی پیدائش سے بالغ ہونے تک کے زمانہ کی تربیت کا طریقہ بیان کیا گیا سوائے علامہ ابن القیم الجوزیہ رحمہ اللہ کی کتاب "تحفۃ المودود فی أحکام المولود" کے کہ اس میں مؤلف کتاب نے مولود بچہ کے سلسلہ میں تحریر کیا ہے اور اس کے احکام ذکر کئے ہیں، اور میں نے اپنی اس کتاب کی قسم اول کی تیسری فصل اور اس کے بعد کے حصہ میں ان سے بہت فائدہ حاصل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف رحمہ اللہ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اجر عظیم دے اور آخرت میں ان کے مرتبہ ومقام کو بڑھائے۔

خدا کو معلوم ہے کہ میں نے کتنی محنت کی ہے اور کتنے مراجع کا مطالعہ کیا ہے تاکہ عربی دان حضرات کے سامنے ایسی جامع کتاب پیش کرسکوں جو بچہ کی تربیت کے متعلق ہو اور پیدائش سے لیکر سمجھ دار وہوشیار ہونے تک، اور اس وقت سے بالغ اور مکلف ہونے تک کے احکامات پر محیط ہو، اور ساتھ ہی اس میں ایسے کامل ومکمل نظام کو بیان کیا گیا ہے جس کا والدین وتربیت کرنے والے حضرات اور اصلاح وتربیت کے ذمہ داروں کے لئے جاننا اور اس پر عمل کرنا بہت ضروری ہے۔ اور خدا کا شکر ہے کہ جو مقصد تحریر تھا کتاب اس کے مطابق ہے چنانچہ اس میں وسائل اور مقاصد اور اہداف واغراض کو تفصیلی طور سے بیان کیا گیا ہے۔

اس سب کے باوجود میں اپنی اس تحریر میں اس کا دعویدار ہرگز نہیں کہ میں کمال ومنتہا کو پہنچ گیا ہوں اور میں نے جو کچھ لکھا ہے اس میں خطا وغلطی سے پاک ہوں، اور جو لکھا ہے وہ نہایت جامع ہے البتہ مجھے خدا کی ذات سے یہ

پوری امید ہے کہ میری یہ ابتداء اسی دور کے اسلامی فکر و درد رکھنے والے حضرات کو اس جانب ضرور متوجہ کرے گی کہ وہ اپنی ہمتوں اور عزائم کو حرکت دیں اور قلم سنبھال لیں تاکہ بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں لکھیں، اور اس سلسلہ میں بحث کو کمال تک پہنچادیں، اور اس تربیت کے وسائل و اغراض بیان کرنے کے سلسلہ میں کثرت سے مقالے اور کتابیں لکھیں تاکہ کچھ عرصہ بعد ہم یہ دیکھ لیں کہ اسلامی کتب خانہ تربیت کے سلسلہ کی کتابوں سے مزین و آراستہ ہے۔ اور اس سلسلہ میں رہنما کتابیں عام ہوں تاکہ ہر وہ شخص جس کو تربیت و اصلاح کی خواہش ہے اس کے پاس مراجع کا اچھا ذخیرہ موجود ہو تاکہ بچوں کو اسلامی تربیت دینے کے لئے عمدہ و اعلیٰ راستہ اختیار کرنا آسان ہو، اور بچوں کو روحانی اخلاقی اور فکری طور پر اسلامی تربیت دی جاسکے، اور جس دن بھی اس میدانِ عمل میں سرگرم حضرات کی توجہ کا محور اسلامی تربیت کے موضوع پر لکھنا ہو جائے گا اور اس طرح اسی سلسلہ میں وہ اپنی ذمہ داری اور مسئولیات سے عہدہ برآ ہوں گے تو واقعی اس دن انہوں نے موجودہ زمانہ کے معاشرہ کے لئے عزت و قوت کے راستہ کو واضح کردیا ہوگا اور بنی نوع انسان کے لئے انہوں نے ان علمی وسائل کو ظاہر کردیا ہوگا جو ایک باکمال معاشرہ کے وجود میں آنے کا سبب بنتے ہیں اور جس کے ذریعہ مثالی قوم وجود میں آتی ہے۔

۸۔ میں نے یہ مناسب سمجھا ہے کہ اس کتاب "تربیۃ الاولاد فی الاسلام" بچوں کی اسلامی تربیت کو تین اقسام پر تقسیم کردوں۔ جن میں سے ہر قسم کے ضمن میں مختلف فصلیں ہوں اور ہر فصل کے تحت مختلف موضوع اور عنوانات مذکور ہوں، اور فصلوں کے عنوانات ہر قسم میں مندرجہ ذیل طریقہ کے ہوں گے:

قسم اول: جس میں چار فصلیں ہیں۔

پہلی فصل: مثالی شادی اور اس کا تربیت سے باہمی تعلق۔

دوسری فصل: بچوں سے متعلق نفسیاتی شعور و احساسات۔

تیسری فصل: بچہ سے متعلق عمومی احکام اور یہ فصل چار مباحث پر مشتمل ہے۔

پہلی بحث: بچہ کی ولادت کے وقت مربی کو کیا کرنا چاہیئے؟

دوسری بحث: بچہ کا نام رکھنا اور اس کے احکام؛

تیسری بحث: بچہ کا عقیقہ اور اس کے متعلق احکام۔

چوتھی بحث: بچہ کا ختنہ اور اس کے متعلق احکام۔

چوتھی فصل: بچوں میں انحراف اور فساد پیدا ہونے کے اسباب اور ان کا علاج۔

قسم ثانی: جس میں ایک ہی بحث ہے جس کا عنوان ہے مربیوں کی نظر میں بڑی بڑی مسئولیات و ذمہ داریاں اور اس کے ضمن میں سات فصلیں ہیں۔

پہلی فصل: ایمانی تربیت کی مسئولیت۔

دُوسری فصل : اخلاقی تربیت کی ذمہ داری۔
تیسری فصل : جسمانی تربیت کی ذمہ داری۔
چوتھی فصل : عقلی تربیت کی ذمہ داری۔
پانچویں فصل : نفسیاتی تربیت کی ذمہ داری۔
چھٹی فصل : معاشرتی و اجتماعی تربیت کی ذمہ داری۔
ساتویں فصل : جنسی تربیت کی ذمہ داری۔

قسم ثالث : اور اس میں تین فصلیں اور ایک خاتمہ ہے :
پہلی فصل : تربیت کے مؤثر وسائل۔
دوسری فصل : بچہ کی تربیت کے سلسلہ میں بنیادی قواعد۔
تیسری فصل : تربیت کے سلسلہ میں چند ضروری تجاویز۔
اور اخیر میں ایک خاتمہ ہے۔

کتاب میں ذکر کردہ تینوں قسموں میں سے ہر قسم کے تحت مندرج فصلوں کا یہ تفصیلی خاکہ ہے اور قارئین کی نظر سے ہر فصل میں نہایت اہم مباحث اور مفید موضوعات گزریں گے جن سب کا مقصد یہ ہے کہ بچوں کے سلسلہ میں صحیح تربیت کا بہترین راستہ واضح کر دیا جائے، اور بچوں کو معاشرہ کا صالح و کار آمد عضو بنایا جائے تاکہ وہ اسلام کا طاقتور لشکر بن سکیں، اور ایسے مثالی نوجوان بن جائیں جن میں قربانی ایثار اور شرافت اعلیٰ پیمانے پر جھلکتی ہو۔

اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے اس عمل کو محض اپنی رضا و خوشنودی کا ذریعہ بنائے، اور روزِ قیامت اس کو قبول فرمائے، اور مخلوق کے لئے اس سلسلہ کو فائدہ کا ذریعہ بنائے، اور ہر وہ شخص جو دنیاوی زندگانی میں سیدھے راستہ اور راہِ ہدایت پر چلنا چاہتا ہے اس کتاب کو اس کیلیے روشنی اور نور کی کرن اور ہدایت و رہنمائی کا ذریعہ بنائے، اللہ ہی وہ ذات ہے جس سے امید قائم کی جاسکے اور وہی قبول کرنے والا ہے۔

مؤلف

عبداللہ ناصح علوان

مقدمہ

عالم کبیر فضیلۃ الشیخ وہبی سلیمان غاوجی البانی

۱۔ جناب شیخ عبداللہ علوان سے میرا تعارف ان کے پہلے رسالہ "الی ورثۃ الانبیاء" کے ذریعہ ہوا اور پھر مزید شناسائی ان کی دیگر کتب ورسائل وغیرہ سے ہوئی جن میں درج ذیل کتابیں ورسائل شامل ہیں۔ "التکافل الاجتماعی فی الاسلام" اور "حتی یعلم الشباب" اور "صلاح الدین الایوبی" وغیرہ۔ جیساکہ ان کو میں ایک عرصہ سے تربیت وتعلیم کے میدان میں ایک ساتھ کام کرنے کی وجہ سے پہچانتا تھا، میں نے ان کو مذکورہ بالا واسطوں سے بھی پہچانا اور ان کے تذکرے بھی سنے، اور اگر مجھ سے یہ سوال کیا جائے کہ شیخ عبداللہ علوان کا مختصر الفاظ میں تعارف کرائیں تو میں یہ کہوں گا کہ: وہ سچے مؤمن اور عالم ہیں۔ وہ زندگی کے لمحات اس طرح گزارتے ہیں کہ ان کی آنکھوں کے سامنے اور ان کے پہلو میں، دل ودماغ اور رگ وپے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ مبارک سرایت کرگیا ہے کہ: جس شخص نے اس حالت میں صبح کی کہ اس نے مسلمانوں کی حالت کی فکر وخیال نہ کیا تو وہ ان میں سے نہیں ہے۔

اسی لئے کبھی تو آپ ان کو علماء کرام سے یہ خطاب کرتے دیکھیں گے کہ وہ اپنے فرضِ منصبی دعوت وارشاد کے فریضہ کو خوش اسلوبی سے ادا کریں، اور اسلام کی دعوت وحکمت کے ساتھ لوگوں میں پیش کریں، چنانچہ وہ علماء سے اپنی کتاب "الی ورثۃ الانبیاء" کے ذریعہ مخاطب ہوتے ہیں، اور کبھی عوام سے مخاطب ہوتے ہیں اور انہیں ٹیلیویژن وغیرہ کے فتنہ سے آگاہ کرتے ہیں۔ اور اس کے گندے اور خطرناک اثرات سے اپنے رسالہ "حکم الاسلام فی التلفزیون" کے ذریعہ سے متنبہ کرتے ہیں اور اسی مضمون کو مزید تفصیل سے اپنی کتاب "حکم الاسلام فی وسائل الاعلام" میں بیان کرتے ہیں، اور کبھی اپنا روئے سخن طلباء کی طرف پھیر دیتے ہیں اور ان کی رہنمائی اور تشفی کے لئے کتاب "شبہات وردود" لکھتے ہیں، اور کبھی نوجوان نسل سے اپنی کتاب "حتی یعلم الشباب" کے ذریعہ مخاطب ہوتے ہیں۔

اور کبھی معاشرہ کی اصلاح و دیکھ بھال کے ذمہ دار حضرات سے اپنی کتاب "التکافل الاجتماعی فی الاسلام" کے ذریعہ خطاب فرماتے ہیں، اور کبھی تاریخ کے زریں ابواب ہمارے سامنے پیش کرکے سلفِ صالحین اور گزرے ہوئے مجاہدین کے کارنامے ذکر کرکے ہماری سابقہ تاریخ دہراکر اس کی عظمت وشان وشوکت یاد دلاتے ہیں۔ اور اسی کے لئے کتاب "صلاح الدین الایوبی" تحریر کرتے ہیں۔

اور کبھی علم و فقہ کے راستہ سے مسلمانوں سے ہم کلام ہوتے ہیں اور ان کی رہنمائی کے لئے "احکام الصیام" اور "احکام الزکاۃ" ... وغیرہ لکھتے ہیں، اور کبھی یہ واضح کرتے ہیں کہ وہ کون ساطریقہ ہے جس کے ذریعہ سے معاشرہ کو راسمالیۃ (سرمایہ دارانہ نظام) کے نقصانات وضرر سے بچایا جاسکے چنانچہ اس سلسلہ میں کتاب "احکام التأمین" لکھتے ہیں اور اس کے نقصانات اور ضرر کو بیان کرتے ہیں، اور اس کے مقابلہ پر اس کے نعم البدل اسلام کے امداد باہمی کے نظام کو بیان کرتے ہیں۔

اور اب ہم دیکھ رہے ہیں کہ ان کے قلم سے ان سب حضرات کے لئے قیمتی کتاب "تربیۃ الأولاد في الإسلام" وجود میں آرہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزاء خیر عطا فرمائے اور مزید توفیق دے اور ان کے علم وعمل اور عمر میں برکت دے۔

۲۔ صاحب کتاب نے اپنی یہ کتاب چار اجزاء میں تقسیم کی ہے۔ اور اس موضوع پر انہوں نے درمیانے سائز کے ۱۳۷۶ صفحات تحریر کئے ہیں جو علم و دانائی اور معرفت کی باتوں کے علاوہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ موصوف کو مستقبل کے معاشرہ کی تربیت کا بہت زیادہ فکر ہے اور اس کی طرف انہوں نے پوری توجہ مبذول کر رکھی ہے۔

★ میرے علم کے مطابق کسی شخص نے اب تک اسلامی نقطۂ نظر سے بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں اتنے مبسوط طریقے سے ایسا قیمتی اور پُر از حقائق مجموعہ تحریر نہیں کیا جیساکہ استاذ عبداللہ علوان نے تحریر کیا ہے۔

★ میرے علم میں کوئی ایسا صاحبِ قلم نہیں ہے جس نے اس موضوع سے متعلق آیاتِ قرآنیہ واحادیثِ مبارکہ اور سلفِ صالحین کے آثار واقوال کا وہ ذخیرہ جو اس سلسلہ کے احکام وآداب اور وصایا پر مشتمل ہو اس تفصیل سے یکجا کیا ہو جس تفصیل سے استاذ عبداللہ علوان نے یکجا کیا ہے۔

★ میرے علم میں سوائے شیخ عبداللہ علوان کے کوئی ایسا مؤلف نہیں جس نے تربیت واصلاح سے متعلق اتنی اہم مباحث میں صرف مسلمانوں کی بنیادی تحریرات پر اکتفا کیا ہو اور ان کے علاوہ دوسرے اہلِ قلم کے اقوال کو سوائے ضرورتِ شدیدہ اور اضطرار کے یا ایسے مواقع پر جہاں کسی خاص وجہ سے ان کے اقوال کا بیان کرنا ضروری ہو اور کسی جگہ ذکر نہیں کیا اور اسکی وجہ صاف ظاہر ہے اور وہ یہ کہ موصوف نے یہ کتاب مسلمانوں کے لئے مسلمانوں کی رہنمائی کے سلسلہ میں لکھی ہے چنانچہ وہ آسان اور مختصر راستہ کو اختیار کرتے ہیں اور اس لئے بھی کہ وہ اسلامی ثقافت جس کا مدار اسلام کے بنیادی اصولوں اور گزرے ہوئے سلفِ صالحین اور موجودہ اکابر کے تجربہ پر ہے اس میں دوسروں کے اقوال ورہنمائی کی قطعاً ضرورت نہیں رہتی۔

★ میرے علم میں کوئی ایسا مصنف نہیں جس نے تربیتِ اولاد کے موضوع پر استاذ شیخ عبداللہ سے زیادہ سوز و درد اور جذبہ وجوش اور پختگی سے قلم اٹھایا ہو۔

۳۔ میرا تو یہ ارادہ تھا کہ اس قیمتی کتاب کے بعض اہم مباحث وعنوانات اور اس کے مفید اور اہم نقاط کی ایک جھلک پیش کروں جو اس میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ تاکہ نمونہ آپ کے سامنے آجائے اور اس کتاب کی حقیقت اور اہمیت کا اظہار ہوسکے، لیکن اس خیال سے کہ قارئین کے لئے پڑھنا تطویل کا ذریعہ بنے گا یہ ارادہ ترک کر دیا تاکہ پڑھنے

والے اپنے مطالعہ سے اس حقیقت کا ادراک کرلیں اور اس کی گہرائی تک پہنچیں۔ بلکہ میں جو لکھنا چاہتا تھا اس سے بھی آگے تک پہنچ جائیں۔

البتہ میں شیخ عبداللہ کے اس کلام کو یہاں نقل کئے دیتا ہوں جو انہوں نے اس کتاب کے اخیر میں "تربیت کے سلسلہ میں ضروری تجاویز" کے عنوان کے تحت تحریر کیا ہے۔

مؤلف کے خیال میں وہ تجاویز مندرجہ ذیل امور میں منحصر ہیں۔

بچہ کو اچھے پیشہ کی رغبت دلانا، بچہ کی فطری صلاحیتوں کا خیال کرنا۔ بچہ کو کھیل وکود کے لئے موقعہ دینا، گھر مسجد اور مدرسہ میں آپس میں باہمی ہم آہنگی وتعاون پیدا کرنا۔ بچہ اور مربی کے درمیان تعلق کو مضبوط کرنا۔ شب وروز تربیتی نظام کے مطابق گزارنا۔ بچہ کے لئے ثقافتی وسائل مہیا کرنا، بچہ کو مستقل مطالعہ کا شوقین بنانا۔ بچہ کو اسلام کی ذمہ داریوں اور مسئولیات کا ہمیشہ احساس دلانا۔ بچہ میں جہاد کی روح کو پھونک دینا۔ مؤلف نے ان تجاویز کی شرح میں ایک سو ستر صفحات تحریر کئے ہیں۔ اب آپ ہی بتلایئے کہ کیا فاضل مؤلف نے تربیتِ اولاد کے سلسلہ میں تربیت کرنے والوں اور اس سلسلہ میں رہنمائی کے طالب حضرات کے لئے مزید کچھ لکھنے کی گنجائش چھوڑی ہے؟

لہٰذا والدین، تربیت کرنے والوں اور تربیت کے میدان میں سرگرمِ عمل حضرات کے لئے نہایت ضروری ہے کہ وہ اس کتاب "تربیۃ الأولاد في الإسلام" کا مطالعہ کریں۔ اور تربیت کے سلسلہ میں اس کتاب سے بھرپور فائدہ اٹھاکر ان لوگوں کی تربیت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں جن کی تربیت ان کے ذمہ ہے اس لئے کہ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ بہت بڑا گناہ ہے کہ انسان جن کا ذمہ دار ورکھوالا ہے انہیں ضائع کردے ان کی تربیت نہ کرے، امام مسلمؒ نے اسے روایت کیا ہے۔

بھلا اس سے بڑھ کر ضائع کرنا اور کیا ہوگا، اور اس سے زیادہ خطرے اور نقصان کی بات کیا ہوگی کہ ان کے دلوں میں انحراف اور زیغ وضلال پیدا ہوجائے اور وہ سیدھے راستہ سے ہٹ جائیں، یا ان کی طرف توجہ اور فکر نہ کرنے کی وجہ سے وہ یونہی بھٹکتے پھریں؟

اس سے بڑھ کر اور کیا بربادی ہوکہ وہ اسلام کی مخالفت شروع کردیں اور اس کے احکامات کو اوپرا سمجھنے لگیں؟

اس سے بڑھ کر ضائع کرنا اور کیا ہوگا کہ بچوں کے دل اور عقلیں اور اخلاق تباہ وبرباد ہوجائیں اور ان کا جسم محض ایک لاشہ بن کر رہ جائے۔ اور ایک بے جان لکڑی کی طرح زندگی گزاریں نہ ان کا کوئی عقیدہ وایمان ہو اور نہ کوئی منزل ومقصود؛

اللہ تعالیٰ شیخ عبداللہ کو خوش وخرم رکھے اور ان حضرات کو بھی جو ان جیسے کارنامے انجام دیتے ہیں، تاکہ ایک ایسا معاشرہ اور قوم وجود میں آئے جسے مثالی قوم کہا جاسکے، اور وہ روئے زمین پر ویسی زندگی گزاریں جیسی زندگی روئے زمین پر پہلے مثالی معاشرہ وقوم کے افراد نے گزاری تھی، اور اللہ تعالیٰ ان کو بھی ویسی ہی توفیق عطا فرمائے جیسی توفیق ان کو دی تھی، وہ مثالی قوم

جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص، برگزیدہ متقی وپارسا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی جماعت، تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی اپنا خلیفہ بنا لے اور اپنے محبوب وپسندیدہ دین کو پھیلانے کی توفیق دے۔ اور ان کے خوف و ڈر کو امن و امان سے بدل دے اور اسلام کے جھنڈے کو ہر حکومت و ملک پر لہرا دے اور ہر جگہ اللہ کے دین کا بول بالا ہو، اور یہ اللہ تعالیٰ پر کچھ بھی مشکل نہیں، اور وہ دن واقعی مسلمانوں کی خوشی کا ہوگا:

﴿وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ بِنَصْرِ اللَّهِ يَنصُرُ مَن يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (الروم: ۴، ۵)	اور اس دن مسلمان خوش ہوں گے اللہ کی مدد سے (اللہ) مدد کرتا ہے جس کی چاہتا ہے اور وہی زبردست رحم والا ہے۔

وہبی سلیمان البانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مصنّف کے قلم سے طبعِ ثانی کا مقدمہ

تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جسکے انعام ہی سے تمام اچھائیاں مکمل ہوتی ہیں، اور درود وسلام ہو اس ذات پر جو لوگوں کو خیر کی تعلیم دینے والی اور انسانیت کو واضح اور کھلے ہوئے حق کے نور اور سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی کرنے والی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ راضی ہوں ان کی آل واولاد اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ سے، وہ حضرات صحابہ وتابعین جنہوں نے اسلام کے پیغام اور قرآنِ کریم کی تعلیمات کو عالم کے گوشہ گوشہ میں پہنچایا۔ اور اللہ تعالیٰ راضی ہوں ان حضرات سے بھی جو ان کے نقشِ قدم پر چلے اور قیامت تک اخلاص سے ان کے راستہ پر چلتے رہیں گے۔

حمد وصلاۃ کے بعد سب سے پہلے تو میں اس اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے مجھے یہ توفیق عطا فرمائی کہ میں کتاب "تربیۃ الأولاد في الإسلام" کی تینوں قسمیں مکمل کرسکوں۔

جیسا کہ اس فن کے ماہرین کا خیال ہے یہ کتاب مطلوب ومقصود کو پورا کرنے، وسائل کو بیان کرنے، اور صحیح راستہ کی جانب رہنمائی کرنے، بنیادی امور کے استیعاب، ذمہ داریوں کی تقسیم وبیان، ضرورت وحاجت کو پورا کرنے، موجودہ زمانہ کی روح کے مطابق ہونے، معاشرہ اور ماحول کے ساتھ مناسبت رکھنے میں بلاشک وشبہ کافی ووافی ہے اور موجودہ دَور کی امتِ مسلمہ کی حالت کے عین مطابق ہے۔

مجھے پورا یقین ہے کہ عربی پڑھنے والے حضرات اس کتاب میں وہ سب کچھ پالیں گے جس کی ان کو تمنا ہے اور جس کی بچوں کی تربیت کیلئے موجودہ زمانہ یا مستقبل میں ان کو حاجت ہوگی، اس کتاب میں ان کو تربیت ورہنمائی کے سلسلہ میں بنیادی مباحث اور عمومی تربیت کے سلسلہ میں آداب وقواعد آسان اسلوب میں پڑھنے کو ملیں گے۔

مجھے یہ بھی امید ہے کہ کتابوں کی دنیا میں تربیت کے سلسلہ میں جو بہت بڑا خلا پایا جاتا تھا میں اپنی اس کتاب کے ذریعہ اس کو پُر کرنے میں کامیاب ہوا ہوں۔ اس لئے کہ اس کتاب کی شکل میں تربیت کرنے والے حضرات کو اسلامی کتب خانے میں ایک ایسی کتاب میسر آجائے گی جو تربیت کے ہر پہلو سے بحث کرتی ہے، اور جس میں بچوں کی تربیت کے ہر پہلو کو سامنے رکھا گیا ہے۔ اور جس کے ذریعے یہ کوشش کی گئی ہے کہ ایسے بنیادی قواعد متعین کردیئے جائیں جو بچہ کی روحانی، عقلی اور جسمانی تربیت کرسکیں، اور اس کی شخصیت کو اخلاقی نفسیاتی اور معاشرتی اعتبار سے صحیح ڈھال سکیں۔

مجھے یہ بھی امید ہے کہ یہ کتاب ہر اس شخص کے لئے روشن مینارہ کا کام دے گی جو اپنی اولاد کو ایسی تربیت دینا چاہے جو عقیدۂ ربانی کی روح، اسلام کے طریقہ، قرآن کے بتائے ہوئے راستہ، سنتِ نبویہ کی پیش کردہ روشن ہدایات، سلفِ صالحین کے طریقہ کے موافق اور شریعتِ اسلامیہ کے منہاجِ ہدایت کے عین مطابق ہو۔

تربیت واصلاح سے منسلک حضرات کے لئے میں ایک خوشخبری یہ بھی پیش کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے اس جدید ایڈیشن میں "تربیت کرنے والے حضرات کی ذمہ داریاں" نامی عنوان کے تحت "جنسی تربیت کی ذمہ داری" کے عنوان سے ایک جدید بحث کا اضافہ کیا ہے، جس کے ذریعہ بچہ کے جنس کی طرف میلان کا علاج کرنے اور اس مرض کے سدباب کی کوشش کی گئی تاکہ اس کو بلوغ سے پہلے کے عرصہ میں گناہ سے روکا جاسکے اور بالغ ہونے کے بعد جب شادی کی منزل میں قدم رکھے تو اسے جنسی تعلقات کے سلسلہ میں جن اصولوں کو اپنانا چاہیئے ان کی طرف بھی رہنمائی کی گئی ہے۔

اس مناسبت سے میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ اپنے ان بھائیوں سے جو تربیت واصلاح سے تعلق رکھتے ہیں یہ درخواست کروں کہ اگر انہیں اس کتاب میں کوئی کمی، کوتاہی یا قابلِ اعتراض بات نظر آئے۔ یا کوئی تجویز و پیش کش ان کے ذہن میں ہو تو مجھے اس سے ضرور مطلع کریں جس پر میں ان کا بے حد شکر گزار ہوں گا اور ممنون ہوں گا۔ اس لئے کہ کمال صرف اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے لئے ہے، غلطی سے انبیاءِ کرام اور رسولِ عظام علیہم الصلاۃ والسلام ہی محفوظ ہوتے ہیں باقی انسان غلطی بھی کرتے ہیں اور ٹھوکر بھی کھاتے ہیں۔ اس لئے مجھے اس سلسلہ میں ضرور مطلع کیا جائے تاکہ اگر صحت وزندگی رہی تو آئندہ طباعت میں اس کی اصلاح کرلی جائے۔

یہ بات نہایت خوش کن اور موجبِ سرور ہے کہ ہماری نوجوان نسل اسلامی کتابوں کے خریدنے اور مطالعہ کرنے اور اس سے استفادہ کرنے کی شوقین ہے، چنانچہ جونہی کتاب "تربیۃ الأولاد فی الإسلام" کی پہلی دوسری اور تیسری قسم بازار میں آئی فوراً ہی نوجوان نسل اور تربیت کرنے والے حضرات نے اس کو خرید لیا۔ جب کہ مجھے یہ گمان بھی نہ تھا کہ اس سرعت سے اس کتاب کے نسخے ختم ہو جائیں گے۔

یہ صورتِ حال اس بات پر صاف دلالت کرتی ہے کہ اب ہمارا مسلم معاشرہ اسلام کی جانب پھر سے بھرپور توجہ کر رہا ہے، اور ان میں دل وجان سے اسلام سے محبت ولگاؤ پیدا ہو رہا ہے۔ جس کا اصل سبب یہ ہے کہ اسلام ہی ایسا مذہب ہے جس کے قوانین ہر ہر چیز کو شامل ومحیط ہیں اور اس کی تعالیم انسان کو نفسیاتی پریشانیوں، اخلاقی بیماریوں، سیاسی گھٹن اور اجتماعی بیماریوں سے نکالنے والی اور نجات دہندہ ہیں:

"قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ﴿۱۵﴾ بے شک تمہارے پاس آئی اللہ کی طرف

يَّهْدِىْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَ يَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔ المائدہ ۱۵، ۱۶

سے روشنی اور ظاہر کرنے والی کتاب جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ہدایت کرتا ہے سلامتی راہیں اس کو جو اس کی رضا کا تابع ہوا اور ان کو نکالتا ہے اندھیروں سے روشنی میں اپنے حکم سے اور ان کو سیدھی راہ چلاتا ہے۔

اور میں یہ محسوس کررہا ہوں کہ اسلام کے ہراول دستے مستقبل کی جانب تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔ تاکہ ہمارے اسلامی معاشرہ میں ایک ایسا اسلامی وسیع وعریض عزت وبزرگی کا روشن مینارہ قائم کردیں جو بڑی بڑی قوموں کی عزت ورفعت کا مقابلہ کرسکے۔

اور حقیقی معنی میں اسلامی حکومت قائم کرنے اور مسلمانوں کی شان وشوکت دوبارہ واپس لوٹانے کے عوامل میں سب سے بڑا عامل یہ ہے کہ اسلام کے لئے کام کرنے والے حضرات اپنی تمام کوششیں اس بات پر صرف کردیں کہ ایک ایسا معاشرہ وجود میں آئے جو قرآن کریم کے تعلیمات کے مطابق مؤمنوں اور مسلمانوں کا معاشرہ ہو۔ اور مسلمانوں کی ایک ایسی کھیپ پیدا ہو جو جہاد کے جذبہ سے سرشار ہو۔ اور خداترس شریف النفس معاشرہ وجود میں آجائے۔ اگر ارباب حل وعقد اور تربیت کرنے والے حضرات صحیح وسائل کو اختیار کرلیں اور مسلمان اپنی منزل مقصود کی جانب پیش قدمی شروع کردیں تو ایسا ہونا کچھ مشکل نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے لئے سب آسان ہے۔

میں مسلمان قوم کے لئے ان کے مراتب ودرجات اور ثقافت وتمدن کے متفاوت ومختلف ہونے کے باوجود اپنی کتاب "تربیۃ الأولاد" کا دوسرا ایڈیشن اضافہ وتنقیحات کے ساتھ پیش کررہا ہوں، امید ہے کہ ان حضرات کو میری اس کتاب میں قوم کی تیاری کے سلسلہ میں مضبوط بنیادیں، تربیت کے سلسلہ میں قیمتی اصول، اور فرد کے تیار کرنے کے لئے شاندار مشورے اور بنیادی باتیں ملیں گی، اور وہ اس بات کو خوب سمجھ لیں گے کہ تربیت واصلاح کے لئے ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ وہ اس اسلامی نظام تربیت واصلاح کو اپنائیں جو کامل ومکمل اور ایسا جامع نظام ہے جس کی رہنمائی اسلام نے کی ہے اور جس کے اصول وقواعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتب فرمائے ہیں۔

اخیر میں قارئین کرام سے میں یہ درخواست کروں گا کہ وہ مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں اور اگر اس کتاب سے کچھ نفع وفائدہ حاصل ہو تو مجھے دعوات صالحہ سے یاد فرمائیں جس پر میں ان کا شکرگزار ہوں گا۔

(یہی درخواست مترجم کتاب بھی محترم قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی ــــ جسارت کرتا ہے)۔

اللہ سے دعا ہے کہ میرے اس کام کو محض اپنی رضا کا ذریعہ بنائے اور اس کو قبول فرمائیں اور مجھے

ہمیشہ ہمیشہ دینِ برحق کی نصرت و امداد اور اسلام کے پیش کردہ ان افکار و نظریات کو کھول کر بیان کرنے کی توفیق دے جو دنیا اور دنیاوی زندگی اور انسان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اللہ ہی سے بہترین امید رکھی جاتی ہے اور وہی قبول کرنے والا ہے۔

مؤلف

عبداللہ ناصح علوان

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

طبعِ ثالث کا اضافہ شدہ مقدمہ

از مؤلف

تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو کہ دو جہان کا رب ہے، اور اعلیٰ ترین درود اور اکمل ترین سلام ہو سرکارِ دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی سب آل واصحاب اور قیامت تک حق کی دعوت دینے والے اور خیر کی طرف رہنمائی کرنے والوں پر، حمد وثنا وصلاۃ وسلام کے بعد۔

مجھے یہ گمان بھی نہ تھا کہ میری کتاب "تربیۃ الاولاد فی الاسلام" اتنی قبولیت حاصل کرلے گی اور اس کی اس طرح مدح سرائی ہوگی، میں جس سے بھی ملا خواہ وہ استاذ ہوں یا علماء یا تربیت کرنے والے اصحابِ قلم وارباب فکر ونظر ہوں یا ادباء اور دعوت واصلاح کے قائدین، اور اسی طرح وہ حضرات جنہوں نے مجھ سے خط وکتابت کے ذریعے رابطہ قائم کیا سب نے اسے خوب سراہا اور دل کھول کر تعریف کی، حقیقت یہ ہے کہ تمام تعریفوں کے مستحق اللہ تعالیٰ ہی ہیں اس لئے کہ وہی ذات ہے جس نے مجھے یہ توفیق اور صلاحیت وقوت دی، اور میرے لئے یہ کام آسان کیا، اور میری اس کی طرف رہنمائی کی، وہی مددگار ہے اس پر بھروسہ کیا جاتا ہے اور تمام اچھائیوں کا دینے والا مرجع وہی ہے۔ اس وقت میں اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن کو دو اہم اضافوں کے ساتھ پیش کررہا ہوں۔

۱۔ مسلمان نوجوان عورتوں کے چہرہ چھپانے کے واجب ہونے کے نہایت واضح وقطعی ادلہ۔

۲۔ جنسی انحراف کے سلسلہ میں نئے پیش آنے والے واقعات اور ان کا جو اثر معاشرہ پر پڑتا ہے اس کو شواہد کے طور پر پیش کرنا۔

مجھے خدائے برتر وقادرِ مطلق سے امید ہے کہ یہ کتاب اپنی تیسرے ایڈیشن میں نہایت خوبصورت طباعت بہترین کاغذ اور شکل وصورت میں وجود میں آئے گی۔ تاکہ یہ ہر اس شخص کے لئے بہترین مددگار اور رہنما ثابت ہو، جو اسلام کے قواعد کے مطابق بچوں کی تربیت کرنا چاہتا ہے جو ایمان واخلاق کی بنیاد پر معاشرہ وقوم کی رہنمائی کرنا چاہتا ہو، حقیقت یہ ہے کہ بحمد اللہ ہمارے مذہب اسلام میں تربیت کے سلسلہ میں بہترین بنیادی رہنما اصول

اور اخلاقی تربیت کے سلسلہ میں شاندار ہدایات موجود ہیں، اسلام امتِ اسلامیہ کی تمام ضروریات کو ہر زمانہ اور ہر جگہ پوری کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس میں وہ سب کچھ موجود ہے جو مستقبل کو شاندار وبہترین اور آنے والی کل کو روشن اور خوش کن بنانے کے لئے ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آج کے مسلم معاشرہ کو وسیع ترین توفیق دے کہ وہ افکار وعقائد میں اسلام کو اپنا رہنما بنائے، اور تربیت وعمل کے میدان میں اس کو اپنا مقصود وہدف بنائے۔ اور عزت ومجد اور شرافت وبزرگی اور وسیع ترین اسلامی اتحاد کے حاصل کرنے کے لئے اسے اپنا نصب العین بنائے، اللہ تعالیٰ ہی بہترین مسئول ہے۔ اور وہی سزاوار ہے قبولیت کا، وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین۔

مؤلف

عبداللہ ناصح علوان

قسم اوّل

- مثالی شادی اور تربیت سے اس کا ربط و تعلق
- بچّوں کے متعلق نفسیاتی شعور
- نومولود سے متعلق عمومی احکام
- بچّوں میں انحراف کے اسباب اور ان کا علاج

پہلی فصل

مثالی شادی اور تربیت سے اسکا ربط و تعلق

اس سے پہلے کہ ہم ان بنیادوں اور قواعد کو ذکر کریں جو دینِ اسلام نے اولاد کی تربیت کے سلسلہ میں مقرر کئے ہیں۔ بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم۔ چاہے مختصر انداز سے ہی سہی۔ شادی کے تین پہلوؤں پر روشنی ڈالیں

الف : شادی انسانی فطرت ہے

ب : شادی مُعاشرتی ضرورت ہے۔

ج : شادی خوب سے خوب تر کے انتخاب اور اختیار کا نام ہے۔

ان گوشوں کا پیش کرنا اس لئے ضروری ہے کہ اس سے یہ واضح ہوگا کہ ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے، اولادِ صالح کے پیدا کرنے، بچہ کے نسب کا اعتراف کرنے، بچہ کے اخلاق کی درستگی و جسم کی تندرستی، بچہ سے والدین کے پیار و محبت، میاں بیوی کا اس کی تربیت کے سلسلہ میں باہمی تعاون، بچہ کی کجی اور بے راہ روی کی اصلاح کرنے اور اس کو دنیاوی زندگی کے لئے ایک نیک صالح انسان بنانے میں تربیت کا کتنا گہرا ربط و تعلق ہے لیجئے ان تینوں گوشوں میں سے ہر ایک پہلو پر کچھ تفصیل ملاحظہ فرمائیے:۔

الف۔ شادی انسانی فطرت ہے

شریعتِ اسلام کی بنیادی تعلیمات میں یہ بات صاف اور واضح نظر آتی ہے کہ اسلام نے رہبانیت و مجرد زندگی گزارنے کی سخت مخالفت کی ہے جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ رہبانیت انسانی فطرت کے خلاف اور اس کی خواہشات و جذبات اور طبیعت و مزاج سے متصادم ہے، چنانچہ امام بیہقی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ مبارک روایت فرماتے ہیں کہ:

«إن الله أبدلنا بالرهبانية الحنيفية السمحة». — اللہ تعالیٰ نے ہمیں رہبانیت کے بدلے آسان و سیدھا دین حنیف عطا فرمایا ہے۔

نیز امام طبرانی و امام بیہقی رحمہما اللہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا یہ فرمانِ مبارک نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((من کان موسرًا لأن ینکح ثم لم ینکح فلیس منّی)).

جو شخص نکاح کر سکتا ہو اور پھر بھی نکاح نہ کرے تو وہ مجھ سے نہیں۔

ان دونوں احادیثِ مبارکہ اور اس جیسی دیگر احادیث سے آپ کو یہ بات صاف معلوم ہو رہی ہوگی کہ اسلامی شریعت مسلمان کے لئے شادی نہ کرنے کو حرام قرار دے رہی ہے اور باوجود قدرت اور اسباب کے موجود ہونے اور وسائل کے پائے جانے کے رہبانیت کی غرض اور عبادت کے لئے فارغ رہنے اور اللہ کی عبادت و قرب کے حصول میں لگے رہنے کی نیت سے شادی نہ کرنے کو ممنوع قرار دے رہی ہے۔

معاشرے کے افراد کی نگرانی و دیکھ بھال اور نفسِ انسانی کے علاج کے سلسلہ میں اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اور موقف پر غور کریں تو ہمیں مزید یقین ہوگا کہ یہ دیکھ بھال و نگرانی اور یہ علاج انسان کی حقیقت کی معرفت پر مبنی تھا اور اس کا مقصد انسانی فطرت کے جذبات و احساسات کی آواز پر لبیک کہنا تھا تاکہ معاشرہ کا کوئی بھی فرد اپنی حدود سے باہر نہ نکلے، اور ایسا قدم ہرگز نہ اٹھائے جو اس کی طاقت و قوت اور دائرہ اختیار سے باہر ہو اس کے بجائے ہر شخص سیدھے راستہ پر طبعی رفتار کے مطابق مناسب و معتدل رفتار سے چلے تاکہ جس راستہ پر اور لوگ چل چکے ہیں اس پر وہ بغیر کسی لغزش کے آسانی سے چلتا رہے، اور جس راستہ پر انسانیت آگے کی جانب رواں دواں رہی ہے وہ الٹے پاؤں نہ لوٹے، اور جس راستہ پر لوگ قوت و طاقت سے چلتے رہے ہیں یہ کمزور نہ پڑ جائے:

﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَاؕ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ (روم ۳۰)

وہی تراشِ ساخت اللہ کی جس نے لوگوں کو تراشا، ڈھالا، اللہ کے بنائے ہوئے کو بدلنا نہیں، یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں۔

اور لیجئے ہم اس سلسلہ میں آپ کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک موقف پیش کرتے ہیں جو انسان کی حقیقت کے سمجھنے اور منفی سوچ رکھنے والی طبائع کے علاج اور اصلاح و تربیت کے سلسلہ میں عظیم الشان موقف کی حیثیت رکھتا ہے، چنانچہ امام بخاری و امام مسلم حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ تین حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے دولت کدہ پر تشریف لائے اور ان سے آپ کی عبادت و مجاہدہ کے بارے میں سوال کیا، اور جب انہیں صورتِ حال بتلائی گئی تو بظاہر ایسا معلوم ہوا کہ انہوں نے اسے کم سمجھا، انہوں نے کہا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ کو بھلا کہاں پہنچ سکتے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بخشا بخشایا بنا کر بھیجا ہے، ایک صاحب ان میں سے گویا ہوئے کہ: میں تو ہمیشہ ساری ساری رات نماز پڑھتا رہوں گا۔ دوسرے صاحب نے ارشاد فرمایا: میں ہمیشہ روزے رکھوں گا اور کبھی افطار نہیں کروں گا، تیسرے صاحب نے کہا:

میں عورتوں سے دُور رہوں گا کبھی شادی نہ کروں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ نے ان سے پوچھا: کیا تم تینوں نے ایسی ایسی بات کہی ہے؟ خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اس کی عبادت کرنے والا اور متقی ہوں لیکن میں پھر بھی روزہ رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور شادی بھی کرتا ہوں، یاد رکھو جس نے میری سنت سے روگردانی کی اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔

ان واضح احادیث ونصوص سے ہر عقل وبصیرت رکھنے والے شخص کے لئے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اسلام شادی کو انسانی فطرت قرار دیتا ہے تاکہ انسان اپنی اس ذمہ داری اور مسئولیت کو محسوس کر سکے اور اس کا بوجھ اٹھا سکے، بچوں کی دیکھ بھال اور تربیت کے سلسلہ میں اس کے ذمہ ہے۔ اور یہ اس وقت ہی ہو سکتا ہے جب وہ اس انسانی فطرت کی آواز پر لبیک کہے اور انسانی مزاج اور طبیعت کی پر شوق آواز کو قبول کرے اور زندگی کے اس راستہ پر چلے۔

ب ۔ شادی معاشرتی ضرورت ہے

یہ بات نہایت واضح ہے کہ اسلام نے نکاح کا جو نظام جاری کیا ہے اس میں بہت سے منافع اور معاشرتی وقومی فائدے ہیں جن میں سے اہم اہم کو ہم ان شاء اللہ تعالیٰ بیان کریں گے اور ان کا تربیت سے جو تعلق ہے اسے واضح کریں گے۔

① بنی نوعِ انسان کا بقاء یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ شادی کے ذریعہ ہی انسانی نسل باقی رہ سکتی ہے۔ اور اسی کے واسطہ سے افراد میں اضافہ اور تسلسل برقرار رہ سکتا ہے اور یہ سلسلہ قیامِ قیامت تک باقی رہ سکتا ہے، نسلِ انسانی کے اس اضافہ اور تسلسل ہی میں بنی نوع انسان کا بقاء ہے اصلاح وتربیت سے تعلق رکھنے والے حضرات نے تربیت کے سلسلہ میں جو قواعد وضوابط متعین کئے ہیں ان کا مقصد وداعیہ بھی یہ ہے کہ انسانی نسل کو اخلاقی اور جسمانی طور پر محفوظ رکھا جائے، قرآنِ کریم نے اس معاشرتی حکمت اور انسانی مصلحت کی جانب ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے:

«وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً» (النحل-۲)

اور اللہ نے پیدا کیں تم میں سے تمہاری ہی قسم سے عورتیں اور تم کو دیئے تمہاری عورتوں سے بیٹے اور پوتے

ایک اور مقام پر ارشاد ربانی ہے:

«يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً» (النساء-۱)

اے لوگو اپنے اس رب سے ڈرتے رہو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔

② نسب کی حفاظت

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے لئے نکاح وشادی کا جو نظام جاری فرمایا ہے یہ ایک ایسا نظام ہے جس کے ذریعہ اولاد اپنے کو اپنے والدین کی طرف منسوب کر کے فخر کرتی ہے اور اس سے اس کو نفسیاتی طور پر سکون اور ذاتی طور پر اپنے اوپر اعتماد وبھروسہ اور انسانی اعتبار سے عزت حاصل ہوتی ہے وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، اگر بالفرض شادی کا یہ نظام الٰہی نہ ہوتا تو معاشرہ میں ایسے بچوں کی بھرمار ہوتی جن کا — نہ کوئی نسب ہوتا نہ عزت وحترام، اور یہ اخلاقِ کریمانہ کے ماتھے پر ایک بدنما داغ ہوتا اور اخلاقی انحطاط اور خطرناک فساد کے پھیلنے کا ذریعہ۔

③ مُعاشرہ کا اخلاقی گراوٹ سے محفوظ رہنا

شادی کے ذریعہ ہی معاشرہ اخلاقی انحطاط وگراوٹ سے بچتا ہے اور افراد معاشرتی افراتفری اور اباحیت سے محفوظ رہتے ہیں، اور اتنی بات تو ہر ذی شعور کے لئے واضح ہے کہ صنفِ نازک کی طرف طبعی میلان کے تقاضے اگر شادی اور حلال طریقے سے پورے ہو جائیں اور جائز راستے سے شہوانی خیالات پورے ہوتے ہیں تو قوم افراد اور جماعت کے لحاظ سے عمدہ ترین آداب وبہترین اخلاق سے آراستہ ہوگی، اور وہ اس لائق ہوگی کہ اپنی ذمہ داری پوری کرسکے اور اپنے آپ کو اس مسئولیت کے بوجھ اٹھانے کے قابل بناسکے جو اللہ تعالیٰ نے اس پر ڈالا ہے، شادی کی اخلاقی حکمت ومنفعت اور معاشرتی فائدہ کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا بالکل بجا اور درست فرمایا ہے، چنانچہ آپ نوجوانوں کی ایک جماعت کو شادی کی رغبت دلاتے ہوئے فرماتے ہیں،

«یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءة فلیتزوج فإنه أغضّ للبصر وأحصن للفرج فمن لم یستطع فعلیه بالصوم فإنه له وجاء»۔	اے نوجوانوں کی جماعت تم میں سے جو شخص نکاح کی قدرت رکھتا ہو اس کو چاہیئے کہ وہ شادی کرلے اس لئے کہ شادی نگاہ کو جھکانے وپست کرنے اور فرج (شرمگاہ) کی بہت زیادہ حفاظت کرنے والی چیز ہے اور جو شادی کی قدرت نہ رکھتا ہو اس کو چاہیئے کہ روزہ رکھے، روزہ اس کے شہوانی خواہشات کو ختم کرنے والا ہے۔
بخاری ومسلم، مشکاۃ (۲-۲۶۷)	

④ معاشرے کا بیماریوں سے محفوظ ہونا

زنا کے نتیجہ میں جو متعدی قسم کے مہلک امراض لوگوں میں پیدا ہوتے ہیں اور بے حیائی کا دور دورہ اور حرام کاری کا بازار گرم ہوتا ہے شادی کی وجہ سے معاشرہ ان امراض سے محفوظ رہتا ہے، ان امراض میں سے آتشک وسوزاک اور سیلان الرحم دلیکوریا اور اس کے علاوہ اور بہت سے خطرناک امراض جو نسل انسانی کو تباہ اور جسم کو کمزور کرتے ہیں اور جن سے وبائیں پھیلتی ہیں اور بچوں کی صحت تباہ ہوتی ہے

۵ رُوحانی اور نفسیاتی اطمینان وسکون

شادی کے ذریعے میاں بیوی میں الفت ومحبت کی رُوح پروان چڑھتی ہے، چنانچہ شوہر جب کام کاج سے فارغ ہوکر اپنے گھر لوٹتا ہے اور بیوی بچوں سے مل بیٹھتا ہے تو وہ ان تمام افکار وپریشانیوں کو بھول جاتا ہے جو دن بھر اس کو پیش آئی تھیں اور دن بھر کی تنگ ودو سے جو تکان اس پر سوار تھی وہ کافور ہوجاتی ہے، بالکل یہی حالت عورت کی بھی ہوتی ہے کہ جب وہ اپنے شوہر سے ملاقات کرتی ہے اور شام کو اپنے رفیقِ حیات کا استقبال کرتی ہے تو دن بھر کی محنت وکام کاج کی صعوبت بھول جاتی ہے۔

اس طرح میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کے زیرِ سایہ نفسیاتی سکون اور باہمی الفت وتعلق محسوس کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے نہایت ہی بلیغ اور عمدہ تعبیر کے ذریعہ اس کا نقشہ کھینچا ہے، ارشاد ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ	اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ بنائے تمہارے
اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً	واسطے تمہاری قسم سے جوڑے کہ ان کے پاس چین سے
وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ	اور تمہارے درمیان میں پیار اور مہربانی پیدا کی، بیشک
يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ (الروم ۲۱)	اس میں بہت پتہ کی باتیں ہیں ان کیلئے جو دھیان کرتے ہیں۔

اس روحانی اور نفسیاتی سکون کی وجہ سے بچوں کی تربیت دیکھ بھال اور نگہداشت کا جو داعیہ پیدا ہوتا ہے، وہ کوئی چھپی ہوئی بات نہیں۔

۶ خاندان کی تعمیر اور بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں میاں بیوی کا باہمی تعاون

شادی ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جس کی وجہ سے زوجین خاندان کی تعمیر اور ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے سلسلہ میں ایکدوسرے سے بھرپور تعاون کرتے ہیں، اور دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے کام کو مکمل کرتا ہے، چنانچہ بیوی وہ ذمہ داریاں سنبھال لیتی ہے جو اس سے متعلق ہیں، اور اس کی طبیعت ومزاج اور جنس سے مطابقت رکھتی ہیں، مثلاً گھر کا نظم ونسق سنبھالنا، کام کاج کرنا، بچوں کی تربیت ودیکھ بھال، اور واقعی کسی نے بالکل درست کہا ہے:

والأم مدرسة إذا أعددتها	أعددت شعباً طيب الأعراق
ماں ایک ایسا مدرسہ ہے کہ اگر تم نے اسے تیار کرلیا	تو ایک ایسی جماعت کو تیار کرلیا جو بہترین جڑوں اور بنیاد والی ہے

اسی طرح مرد اپنے دائرہ کار میں ان کاموں کو سنبھال لیتا ہے جو اس کے مزاج اور جنس سے مطابقت رکھتے ہیں، چنانچہ وہ بیوی بچوں کے لئے محنت مشقت کرتا ہے کماتا ہے، اور اپنے خاندان کو زمانہ کے مصائب اور ایام کے ابتلاءات سے بچاتا ہے، اور اس طرح میاں بیوی میں امداد باہمی کا جذبہ پروان چڑھتا اور تعاون کی روح کمال کو پہنچتی ہے جس کا نتیجہ

خوش کن نکلتا ہے اور جس سے ایسی اولاد وجود میں آتی ہے جو مہذب اور نیک ہوتی ہے، اور ایک ایسا مؤمن معاشرہ وجود میں آتا ہے جو اپنے دلوں میں ایمان کی قوت وعزیمت اور اپنے نفوس میں اسلام کی روح کا حامل ہوتا ہے اور ہر گھر خوش وخرم زندگی گزارتا ہے، اور الفت ومحبت، سکون واطمینان سے دُنیا کی گاڑی چلتی رہتی ہے۔

⑦ ماں باپ ہونے کے جذبہ کا بیدار ہونا

شادی کے ذریعہ ماں باپ میں جذبات ابھرتے ہیں اور ان کے دلوں میں سے اچھے احساسات اور خیالاتِ کریمانہ کے چشمے بہتے ہیں اور ان جذبات واحساسات کے جو خوش کن اور مفید اثرات رونما ہوتے ہیں۔ اور بچوں کی دیکھ بھال کے سلسلے میں جو شاندار نتائج نکلتے ہیں اور بچوں کی ضروریات وحاجات کے لئے تگ ودو اور ان کے لئے پرسکون اور پرکیف زندگی کی تلاش اور روشن مستقبل کی جو جدوجہد وغیرہ ہوتی ہے وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔

یہ وہ اہم معاشرتی فائدے ہیں جو شادی کی وجہ سے حاصل ہوتے ہیں، اور اے محترم قراءِ کرام۔ ان مصالح کا کنبوں کی ترتیب خاندان کی اصلاح، معاشرہ کے بنانے میں میں نے بڑا قریبی تعلق اور رابطہ پایا ہے، اسی لئے ہم جب دیکھتے ہیں کہ اسلامی شریعت نے نکاح کا حکم دیا، اس پر ابھارا، اس کی ترغیب دی ہے تو ہمیں ذرا بھی تعجب نہیں ہوتا اور واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل سچ اور درست فرمایا ارشاد فرماتے ہیں:

«ما استفاد المؤمن بعد تقوى الله عز وجل خيرًا له من زوجة صالحة إن أمرها أطاعته وإن نظر إليها سرّته وإن أقسم عليها أبرّته وإن غاب عنها نصحته في نفسها وماله». ابن ماجہ

مؤمن نے اللہ کے خوف وڈر اور تقویٰ کے بعد کسی چیز سے فائدہ نہیں اٹھایا جو اس کیلئے زیادہ بہتر ہو اس نیک بیوی سے زیادہ جو اس کے حکم کی ایسی پابند ہو، کہ اگر وہ حکم دے تو اس کی فرمانبرداری کرے اور اگر وہ اس کی طرف دیکھے تو وہ اس کو خوش کردے اور اگر وہ اس کے سلسلہ میں کسی بات پر قسم کھالے تو وہ اس کے مطابق کام کرکے) اس کی قسم کو سچا کردے، اور اگر وہ اس کے پاس موجود نہ ہو تو وہ عورت اپنے نفس اور اس کے مال کے بارے میں اس مرد کی خیر خواہی کرے۔

نیز ارشاد فرمایا:

«الدنيا متاع وخير متاعها المرأة الصالحة». صحیح مسلم

دنیا سب کی سب (عیش وعشرت کا) سامان ہے، اور اس کے سارے سامان میں سے بہترین سامان نیک وپارسا عورت ہے۔

ج۔ شادی خوب سے خوب تر کے انتخاب و اختیار کرنیکا نام ہے

اسلام نے اپنے بلند و بالا قوانین اور زندگی کے ہر گوشہ کو محیط و شامل نظام کے ذریعہ نکاح کرنے والے ہر مرد و عورت کے لئے ایسے قواعد و ضوابط مقرر کئے ہیں اور ایسے آداب و اصول بتلائے ہیں کہ اگر لوگ اس کے مطابق عمل کریں اور اس کے بتلائے ہوئے صراط مستقیم کو اپنا لیں تو شادی کامیاب ترین ہو سکتی ہے اور الفت و محبت اور اور اتفاق و اتحاد کا بہترین ذریعہ بن سکتی ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں وجود میں آنے والی اولاد اعلیٰ درجہ کی مؤمن، عمدہ صحت و جسم کی مالک اور اعلیٰ اخلاق و کردار کی حامل، پختہ عقل و سمجھ اور صاف ستھری زندگی کی مالک بن سکتی ہے، آیئے ان احکام و قواعد میں سے اہم آپکے سامنے پیش کریں،

① شادی میں انتخاب کا معیار دین کو بنانا چاہیئے

ہم جب دین کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے مراد اسلام کی صحیح و حقیقی سمجھ، اور عمل و کردار کو اسلام کے بتلائے ہوئے اعلیٰ مناقب و محامد اور برتر و بالا آداب و فضائل کے مطابق ڈھالنا ہے۔ اس طرح شریعت اسلامیہ کے بیان کردہ نظام کو مکمل طریقے سے اپنانا اور اس کے ان ابدی اصولوں اور بنیادی قوانین کی پابندی ۔ جو مرور ایام اور زمانہ کی گردش کے باوجود اپنی حالت پر برقرار ہیں۔

چنانچہ جب دولہا یا دلہن اس معیار و درجہ اور ان شروط پر پورے اتریں گے اور اپنی زندگی کو اس کے مطابق چلاتے ہوں گے تو ان کو دیندار اور با اخلاق کہنا درست ہو گا، اور اگر ان میں سے کوئی ایک بھی اس معیار پر نہ ہو اور اس کی زندگی شریعت کے احکام کے خلاف ہو تو ظاہر بات ہے ایسے شخص کو کج رو، فاسد اخلاق کا مالک اور اسلام سے دور ہی کہا جائے گا، چاہے وہ لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو کتنا ہی متقی اور نیک صالح ظاہر کرے۔ اور بزعم خود یہ سمجھتا رہے کہ وہ مسلمان اور آداب شریعت کا پابند ہے؛

خلیفہ راشد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس جب ایک شخص دوسرے شخص کے بارے میں شہادت دینے آیا تو اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انسان کے پہچاننے، اور اس کی حقیقت پر مطلع ہونے کے سلسلہ میں کتنا عمدہ اور بہترین معیار عدل پیش کیا چنانچہ آپؓ نے اس شخص سے پوچھا:

کیا تم اس شخص کو جانتے ہو؛

اس نے جواب دیا: جی ہاں:

آپؓ نے پوچھا: کیا تم اس کے پڑوسی ہو اور اس کی ہر وقت کی آمد و رفت سے باخبر ہو؛

اس شخص نے جواب دیا: جی نہیں:

آپؓ نے فرمایا: کیا تم نے اس شخص کے ساتھ کبھی سفر کیا ہے جس سے اس کے عادات و اخلاق کا پتہ چلے؛

اس شخص نے کہا: جی نہیں!

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا تمہارے اور اس کے درمیان کبھی روپے پیسہ کا معاملہ ہوا ہے جس سے انسان کے تقویٰ و ورع کا علم ہوتا ہے؟

اس نے جواب دیا: جی نہیں!

حضرت عمرؓ باآواز بلند گویا ہوئے: پھر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اسے مسجد میں نماز پڑھتے یا بیٹھے دیکھا ہوگا کہ کبھی سر اٹھاتا ہے کبھی جھکاتا ہے؟

تو ان صاحب نے فرمایا: جی ہاں یہی بات ہے!

تو حضرت نے ان سے فرمایا، کہ پھر تو تم چلے جاؤ اس لئے کہ تم اس کو پہچانتے ہی نہیں ہو۔ اور اس شخص سے مخاطب ہو کر فرمایا: جاؤ ایسے آدمی کو لاؤ جو تمہیں پہچانتا ہو، ملاحظہ فرمایئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی ظاہری شکل وصورت اور لباس وپوشاک سے قطعاً دھوکہ نہیں کھایا، بلکہ اس کی حقیقت تک اس راستہ سے پہنچے جو اس کی اصل حالت کو ظاہر کرنے والا اور اس کے دین و اخلاق کو صحیح طور سے ظاہر کرنے والا تھا۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ذریعہ جو حدیث روایت کی ہے، اس کے بھی یہی معنی ہیں۔ چنانچہ اس حدیث میں آتا ہے کہ:

«إن الله لا ينظر إلى صوركم وأجسادكم وإنما ينظر إلى قلوبكم وأعمالكم».

اللہ تعالیٰ تمہاری شکل وصورت اور جسم کو نہیں دیکھتے بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتے ہیں۔

اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کے خواہاں حضرات کی اس جانب رہنمائی فرمائی کہ وہ دیندار کا انتخاب کریں تاکہ عورت اپنے شوہر اور بچوں کے حق کو مکمل طریقہ سے ادا کرسکے، اور اسلام کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مطابق گھر کا نظم ونسق چلاسکے۔

امام بخاری ومسلم وغیرہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«تنكح المرأة لأربع: لمالها ولحسبها ولجمالها ولدينها فاظفر بذات الدين تربت يداك».

عورت سے چار باتوں کی وجہ سے شادی کی جاتی ہے یا تو اس کے مال کی وجہ سے، یا حسب ونسب کی وجہ سے، یا جمال وخوبصورتی کی وجہ سے، یا دین کی بناء پر، لہٰذا تم دیندار کو حاصل کرلو (یعنی دین کو ہی اپنا مطمح نظر بناؤ) تمہارے ہاتھ غبار آلود ہوں (عربی میں یہ کلمہ کسی چیز پر ابھارنے اور برانگیختہ کرنے کیلئے استعمال ہوتا ہے)۔

امام طبرانی "معجم اوسط" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من تزوج امرأة لعزها لم يزده الله إلا ذلاً . ومن تزوجها لمالها لم يزده الله إلا فقرًا ، ومن تزوجها لحسبها لم يزده الله إلا دناءة ، ومن تزوج امرأة لم يرد بها إلا أن يغض بصره ويحصن فرجه أو يصل رحمه بارك الله له فيها وبارك لها فيه)).

جو شخص کسی عورت سے اس کی وجاہت کی وجہ سے شادی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اور ذلیل کر دیتے ہیں، اور جو اس سے مال کی خاطر شادی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے فقر کو اور بڑھا دیتے ہیں، اور جو اس کے حسب و نسب کی وجہ سے شادی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اور زیادہ ذلیل و رسوا کر دیتے ہیں، اور جو شخص کسی عورت سے اس لئے شادی کرتا ہے تاکہ اپنی نگاہ کو حرام سے بچا سکے اور فرج کی حفاظت کر سکے یا صلہ رحمی کر سکے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس عورت میں برکت دے دیتے ہیں اور عورت کے لئے مرد کو مبارک بنا دیتے ہیں۔

دوسری جانب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے اولیاء کی اس جانب رہنمائی فرمائی کہ وہ ایسے لڑکے کو تلاش کریں جو دیندار اور با اخلاق ہو تاکہ خاندان کی دیکھ بھال اور بیوی کے حقوق اور بچوں کی تربیت کی ذمہ داری کو مکمل طور سے ادا کر سکے، اور اپنی عزت و ناموس کی حفاظت اور گھر کے اخراجات وغیرہ کو عمدگی سے پورا کر سکے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((إذا جاءكم من ترضون دينه وخلقه فزوجوه إلا تفعلوا تكن فتنة في الأرض وفساد عريض)).

جب تمہارے پاس ایک شخص شادی کے لئے آئے جس کو تم دیندار سمجھتے ہو اور اس کے اخلاق تمہیں پسند ہوں تو تم اس کی شادی کر دو، اگر تم ایسا نہ کرو گے تو روئے زمین پر فتنہ اور زبردست فساد پھیل جائے گا۔

❊ ❊ ❊ ❊

آپ بتلایئے کہ دین اور تربیت اور اخلاق کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا فتنہ ہو سکتا ہے کہ ایک مؤمن لڑکی ایک ایسے شوہر کے جال میں پھنس جائے جو آزاد خیال اور آزاد منش ہو، یا ایسا ملحد ہو جو نہ رشتہ کی پرواہ کرے نہ عہد و پیمان کی، اور جس کے نزدیک غیرت، عزت و آبرو اور شرافت کی کوئی حیثیت نہ ہو؟

اور ایک نیک و شریف عورت کے لئے اس سے بڑھ کر کیا فتنہ ہوگا کہ وہ ایک ایسے آوارہ مغرب زدہ شخص کے نکاح میں آجائے جو اس کو بے پردگی اور بے محابا اختلاط اور شراب نوشی اور رقص و سرود پر مجبور کرے

۔۔۔۔۔۔ اور اس کو اس بات پر زبردستی مجبور کرے کہ وہ دین ومذہب اور اخلاق وشرافت کا دامن چھوڑ دے ؛
کتنی ہی ایسی شریف زادیاں ہیں جن کا خاندان عفت و پاکبازی میں ضرب المثل تھا، لیکن یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ جب وہ شادی کے بعد کسی آزاد خیال گھرانے چلی گئیں یا آزاد خیال شوہر کے نکاح میں آگئیں تو وہ ایسی بدکردار وبے حیا آبرو باختہ عورتیں بن گئیں جن کی نظر میں نہ شرافت وناموس کی کوئی قیمت ہے اور نہ عفت و پاکدامنی کا کوئی مقام ہے !

اور یہ بالکل یقینی بات ہے کہ بچے جب ایک ایسے آزاد خیال، گندے اور بے حیا گھرانے میں نشوونما پائیں گے تو لامحالہ ان میں بھی وہی آزاد خیالی اور دین سے انحراف پیدا ہوگا اور یہ بے حیائی اور آزادی ان میں بھی سرایت کر جائے گی۔

اس لئے دین اور اخلاق کو بنیاد بنانا اور اس کی بنیاد پر رشتہ کا انتخاب کرنا ایک ایسی اہم چیز ہے جو مؤمن عورت کے لئے سکون واطمینان اور بچوں کے لئے اسلامی تربیت اور خاندان کے لئے عزت وشرافت اور بقاء کا ذریعہ ہے۔

۲ اختیار وانتخاب شرافت اور حسب ونسب کی بنیاد پر ہونا چاہیئے

میاں بیوی کے انتخاب کے وقت جن قواعد اور ضوابط کو سامنے رکھنا چاہیئے اسلام نے انہیں متعین کیا ہے، اور ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شریکِ حیات کا انتخاب ایسے خاندان سے ہونا چاہیئے جو اچھے حسب نسب والا اور اخلاق وتقویٰ ونیکی میں معروف ہو اور خاندانی لحاظ سے بہترین ہو، اس لئے کہ لوگوں میں شرافت ورذالت اور تقویٰ وصلاح اور بدکرداری ورذالت کے اعتبار سے بہت فرق ہوتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو کھول کر بیان فرمایا ہے کہ شرافت وغیر شرافت اور اچھے اور برے ہونے کے اعتبار سے لوگوں میں بہت فرق ہوتا ہے. چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے جسے ابوداؤد طیالسی اور ابن منیع اور عسکری روایت کرتے ہیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے :

((الناس معادن فی الخیر والشر خیارھم فی الجاھلیۃ خیارھم فی الاسلام إذا فقھوا))۔	لوگ اچھائی اور برائی کے لحاظ سے معدن اور کان کی طرح ہیں، ان میں سے جو زمانۂ جاہلیت میں بہتر تھے وہ زمانۂ اسلام میں بھی بہتر ہیں، بشرطیکہ وہ دین کی سمجھ پیدا کریں۔

اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر شادی کرنے والے کو اس پر ابھارا ہے کہ انتخاب کی بنیاد خاندانی شرافت، تقویٰ وطہارت پر ہو، چنانچہ بے شمار احادیثِ مبارکہ کے ذخیرہ میں سے ایک گلدستہ آپ کی خدمت میں پیش ہے :

محدث دارقطنی، عسکری اور ابن عدی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«إياكم وخضراء الدمن، قالوا: وما خضراء الدمن يا رسول الله؟ قال: المرأة الحسناء في المنبت السوء». | تم گندگی کے سبزہ سے بچو، (صحابہ رضی اللہ عنہم نے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ گندگی کے سبزہ سے کیا مراد ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ وہ حسین وجمیل عورت جو گندے اور رذیل خاندان میں پیدا ہوئی ہو۔

محدث ابن ماجہ، دارقطنی اور حاکم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«تخيروا لنطفكم وأنكحوا الأكفاء». | اپنے نطفہ اور اولاد کے لئے اچھی عورت کا انتخاب کرو اور کفو (ہم پلہ لوگوں) میں شادی کردو۔

محدث ابن ماجہ اور دیلمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

«تخيروا لنطفكم فإن العرق دساس». | اپنی اولاد کے لئے اچھے خاندان والی عورت کا انتخاب کرو اس لئے کہ خاندان کا اثر سرایت کرجاتا ہے۔

ابن عدی اپنی کتاب "کامل" میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ:

«تزوجوا في الحجر الصالح فإن العرق دساس». | اچھے خاندان میں شادی کرو اس لئے کہ خاندانی اثرات سرایت کرتے ہیں۔

مجموعی طور پر یہ احادیث مبارکہ شادی کے خواہشمندوں کی اس جانب رہنمائی کرتی ہیں کہ وہ ایسی بیویوں کا انتخاب کریں جو نیک وصالح ماحول میں بڑھی پلی ہوں، جنہوں نے ایسے گھر میں پرورش پائی ہو جو شرافت و پاکدامنی کا گہوارہ ہو، اور ایسے والدین کی اولاد ہوں جو خاندانی لحاظ سے شریف اور آباء واجداد کے لحاظ سے مکرم ومحترم ہوں، اور اس میں راز یہ ہے کہ انسان شادی کرے تو اس کی اولاد ایسی ہو جن کی گھٹی میں عزت وشرافت پڑی ہوئی ہو اور جو طبعاً عمدہ خصلتوں کے مالک اور پسندیدہ اسلامی اخلاق کے حامل ہوں، جنہوں نے اخلاق عالیہ اور فضل وکمال فطری طور پر حاصل کیا ہو اور جنہیں مکارم اخلاق اور اچھی خصلتیں اور عادتیں ورثے میں ملی ہوں۔

اسی اصول کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ نے اپنی اولاد کو شادی کے سلسلہ میں شریف زادیوں اور حسب ونسب کی مالک لڑکیوں کے انتخاب کے سلسلہ میں وصیت کی تاکہ گندی اور برے خاندان کی لڑکیوں سے بچیں، لیجئے انکی وصیت کے الفاظ ملاحظہ فرمایئے:

اے میرے بیٹو! نکاح کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے بیج بونے والا، اس لئے انسان کو دیکھنا چاہیئے کہ وہ کہاں بیج ڈال رہا ہے، بری ذات ونسل کی عورت بہت کم شریف ونجیب بچہ جنتی ہے، اس لئے شریف النسل لڑکی کا

انتخاب کرو چاہے اس میں کچھ وقت کیوں نہ لگے۔

اسی انتخاب اور اعلیٰ اخلاق کی حامل بیوی کے اختیار کرنے کو ثابت کرنے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک بیٹے کے اس سوال کے جواب کہ بچہ کا باپ پر کیا حق ہے؛ یہ جواب دیا: کہ اس کی ماں کے انتخاب میں سوچ سمجھ سے کام لے اور اس کا نام اچھا و پسندیدہ رکھے اور اس کو قرآنی تعلیمات سکھائے۔

اور یہ انتخاب جس کی جانب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت مسلمہ کی رہنمائی فرمائی ہے یہ موجودہ دور میں ایک عظیم الشان علمی حقیقت اور تربیت کے سلسلہ میں ایک اہم نظریہ کا درجہ رکھتا ہے، چنانچہ موروثی اثرات کے علم نے یہ بات ثابت کر دکھائی ہے کہ بچہ اپنے ماں باپ کے اخلاقی جسمانی اور عقلی صفات کا پیدائشی طور پر حامل ہوتا ہے، لہٰذا اگر لڑکے یا لڑکی کا انتخاب خاندانی شرافت اور تقویٰ وطہارت کی بنیاد پر ہوگا تو پھر بلاشبہ اولاد بھی پاکدامنی شرافت اور اچھے اوصاف کی مالک ہوگی اور جب بچے میں پیدائشی طور سے اچھے اوصاف واثرات موجود ہوں گے اور اس کو صحیح تربیت مل جائے گی تو ظاہر ہے کہ وہ دینی واخلاقی لحاظ سے کمال کو پہنچا ہوا ہوگا اور تقویٰ وفضل وکمال حسن معاملہ اور مکارم اخلاق میں ضرب المثل ہوگا

شادی کے خواہش مند حضرات اگر یہ چاہتے ہیں کہ ان کی اولاد نیک وصالح پاکباز و پاکدامن اور مؤمن ومتقی ہو تو ان کے لئے یہ ضروری ہے کہ حسن انتخاب کو مدنظر رکھیں اور رفیق حیات کے انتخاب میں خوب جانچ پڑتال سے کام لیں۔

③ شادی کیلئے دُوسرے خاندان کی عورتوں کا انتخاب

بیوی کے انتخاب کے سلسلہ میں اسلام کی حکیمانہ توجیہات میں سے یہ بھی ایک ہدایت ہے کہ اچھے نسب وحسب کی مالک غیر رشتہ دار عورت کو اپنی رشتہ دار اور قریبی عورتوں پر فوقیت دو تاکہ نجیب وشریف اولاد پیدا ہو، اور متعدی امراض اور خاندانی بیماریوں سے محفوظ اور صحت مند جسم کی مالک ہو اور ساتھ ہی تعلقات وخاندان کا دائرہ وسیع ہو اور معاشرتی روابط مضبوط ہوں۔

غیر خاندان کی عورتوں سے شادی کرنے سے اولاد اور خود اپنی صحت درست ہوگی اور جسمانی مضبوطی اور پختگی پیدا ہوگی اور حلقۂ تعارف میں وسعت ہوگی، اس لئے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان کی اور رشتہ دار عورتوں سے شادی سے روکا ہے تو اس میں ذرا بھی تعجب نہیں ہوتا، جس کی وجہ صاف ظاہر ہے اور وہ یہ کہ اولاد کمزور اور ان بیماریوں میں مبتلا نہ ہو جو اس کے آباء واجداد میں موجود تھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں جو ممانعت فرمائی ہے ان میں سے آپ کا درج ذیل فرمان مبارک بھی ہے:

"لا تنكحوا القرابة فإن الولد يخلق ضاويا"۔ رواہ البیہقی کما فی معدن الحقائق ترجمہ کنوز الحقائق (ص ۷۔۸۲)۔

اپنے خاندان ورشتہ داروں میں شادی نہ کرو۔ اس لئے کہ اس صورت میں بچہ نحیف وکمزور اور ناسمجھ پیدا ہوگا۔

نیز ارشاد ہے:

«اغتربوا ولاتضووا»[۱]. سفر کرو اور غیر خاندان میں شادی کرو اور کمزور و ضعیف نہ ہو۔

علم موروثیت (موروثی وخاندانی صفات کے علم) نے اس بات کو ثابت کر دکھایا ہے کہ اپنے خاندان کی عورتوں سے شادی کرنے سے اولاد جسمانی طور پر کمزور اور عقل وسمجھ کے لحاظ سے ضعیف ہوتی ہے، اور اولاد میں گندے اخلاقی اوصاف اور خراب قسم کی معاشرتی خصلتیں وعادات پیدا ہوتی ہیں۔

غور فرمایئے کہ چودہ سو سال پہلے جبکہ علم وفن کی یہ موشگافیاں وجود میں نہ آئی تھیں اور یہ حقیقت آشکارا نہیں ہوئی تھی اس وقت اس حقیقت کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف اور کھلے الفاظ میں امت کے لئے کھول کر بیان کر دیا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ایک کھلا ہوا معجزہ ہے جو آپ کے دیگر معجزاتِ صادقہ اور سچی باتوں کا ایک جزء ہے۔

۴ غیر شادی شدہ عورتوں کو ترجیح دینا

بیوی کے اختیار وانتخاب کے سلسلہ میں دینِ اسلام کی بتلائی ہوئی باتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شادی شدہ عورت کے بجائے غیر شادی شدہ عورت کو ترجیح دی جائے، جس میں بہت سی حکمتیں اور بے شمار فائدے مضمر ہیں، ان فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ خاندان کو ان حالات سے بچایا جائے جو اس کی روزمرّہ کی زندگی بے مزہ کر دیں اور لڑائی جھگڑے کے دام میں گرفتار کر دیں جس کی وجہ سے اس کی گھریلو زندگی پر لڑائی جھگڑوں اور عداوت ودشمنی کے بادل منڈلاتے رہیں، اس کے برخلاف غیر شادی شُدہ لڑکی سے شادی کرنے میں ازدواجی محبت مضبوط وقوی ہوتی ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ غیر شادی شدہ لڑکی طبعًا اس مرد سے محبت کرتی اور مانوس ہوتی ہے جس کے نکاح میں وہ آئی ہے، اور جس سے وہ مرد ہونے کے اعتبار سے پہلے مرتبہ ملی ہے، اور جس کو اس نے مرد ہونے کے ناطے سے پہلی مرتبہ پہچانا ہے، اس کے برخلاف شادی شدہ عورت سے شادی کرنے میں یہ ممکن ہے کہ دوسرے شوہر میں وہ پہلے شوہر کی سی الفت ومحبت اور قلبی تعلق نہ پائے اور اس کا دل دوسرے شوہر سے اس لئے نہ ملے کہ پہلے شوہر کے اخلاق وعادات اور دوسرے شوہر کے معاملات واخلاق وعادات میں فرق ہو۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان معانی اور باریکیوں کو مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ بیان فرمایا جب انہوں نے، جیساکہ امام بخاری روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: اے اللہ کے رسول ذرا بتلایئے کہ اگر آپ کسی ایسی گھاٹی میں پڑاؤ ڈالیں جس میں ایسا درخت

---

[۱] یہ حدیث مجھے ذخیرۂ احادیث میں نہ مل سکی۔ اس لئے گذارش ہے کہ اگر کسی صاحب کو اس کا حوالہ معلوم ہو، تو مجھے مطلع فرماکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

بھی ہو جس کو جانوروں نے چرلیا ہو اور ایسا بھی ہو جس کو کسی نے منہ نہ لگایا ہو تو بتلایئے آپ اپنے اونٹ کو کس درخت سے چرائیں گے ؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا : اس درخت سے جس کو کسی نے منہ نہ مارا ہو، اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا : کہ میں ہی وہ درخت ہوں ؟

ان کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ سعادت بخشی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے علاوہ کسی اور غیر شادی شدہ عورت سے نکاح نہیں فرمایا اور یہ ان کے فضل و منقبت کے لئے بہت کافی ہے۔

غیر شادی شدہ عورتوں سے شادی کرنے کی بعض حکمتوں کی جانب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود رہنمائی فرمائی ہے چنانچہ ابن ماجہ اور بیہقی رحمہما اللہ روایت کرتے ہیں :

«علیکم بالأبکار فإنهن أعذب أفواهاً وأنتق أرحاماً وأقل خباً وأرضی بالیسیر»۔

تم غیر شادی شدہ عورتوں سے شادی کرو اس لئے کہ وہ شیریں دہن اور پاک صاف رحم والی اور کم دھوکہ و فریب دینے والی اور تھوڑے پر قناعت کرنے والی ہوتی ہیں۔

اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ واضح فرمایا کہ غیر شادی . . . شدہ لڑکی سے شادی کرنا محبت پیدا کرتا ہے، اور عفت و پاکدامنی کے پہلو کو مضبوط و قوی کرتا ہے، چنانچہ امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ روایت کرتے ہیں کہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ ذات الرقاع سے واپسی پر، حضرت جابر سے پوچھا :

«یا جابر هل تزوجت بعد ؟»۔ اے جابر کیا تم نے شادی کر لی ہے ؟

انہوں نے عرض کیا : جی ہاں اے اللہ کے رسولؐ !

آپؐ نے پوچھا : «أثیباً أم بکراً ؟» کیا شادی شدہ عورت سے شادی کی ہے یا غیر شادی شدہ سے ؛

میں نے عرض کیا کہ شادی شدہ عورت سے ۔

آپؐ نے فرمایا : «أفلا جاریة تلاعبها وتلاعبك ؟» تم نے (غیر شادی شدہ) لڑکی سے کیوں نہ شادی کی کہ وہ تم سے دل لگی کرتی اور تم اس سے ؟

میں نے عرض کیا : اے اللہ کے رسولؐ جنگِ احد کے موقعہ پر میرے والد شہید ہو گئے اور انہوں نے پس ماندگان میں سات لڑکیاں چھوڑی ہیں، تو میں نے ایسی شادی شدہ عورت سے شادی کرنا مناسب سمجھا کہ جو ان کو اکٹھا رکھ سکے ان کی دیکھ بھال کر سکے ۔

تو آپ نے ارشاد فرمایا : أصبت إن شاء الله، خدا نے چاہا تم نے اچھا ہی کیا ہے ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض خاص حالات میں غیر شادی شدہ کی بنسبت شادی شدہ عورت سے شادی کرنا زیادہ بہتر ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت جابر کے حالات تھے، تاکہ وہ تجربہ کار شادی شدہ عورت بچوں کی دیکھ بھال اور صحیح پرورش کرسکے، اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمانِ مبارک کے مطابق عمل کرے،

((وتعاونوا على البرّ والتقوى)). اور ایک دوسرے کی مدد کرو نیکی اور تقویٰ پر۔

۵ ایسی عورت کا انتخاب کرنا جو خوب بچے جننے والی ہو

عورت کے انتخاب کے وقت جن چیزوں کو مدار بنانا چاہیئے ان میں سے یہ بھی ہے کہ ایسی عورت کا انتخاب کیا جائے جو خوب بچے جننے والی ہو، اور اس کا صحیح اندازہ دو باتوں سے ہوسکتا ہے:

۱۔ عورت کا ایسے امراض سے محفوظ ہونا جو استقرارِ حمل کے منافی ہیں اور اس کے معلوم کرنے کے لئے خصوصی معالجین وغیرہ سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

۲۔ عورت کی ماں اور شادی شدہ بہنوں کے حالات معلوم کرنا اس لئے کہ اگر وہ بچوں والیاں ہیں تو یہ بھی ایسی ہی ہوگی. اس لئے کہ عام طور سے ایسا ہی ہوتا ہے۔

طبی لحاظ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ اگر عورت بچہ جننے والیوں میں سے ہے تو ایسی عورتیں عام طور سے صحت مند اور تندرست و توانا جسم کی مالک ہوتی ہیں، اور جس عورت میں یہ چیز پائی جائے تو وہ گھر کے ذمہ داریاں اور تربیت کے فریضے اور شوہر کے حقوق کو صحیح اور مکمل طور پر ادا کرسکے گی۔

اس جانب اشارہ کرنا بھی نہایت ضروری ہے کہ جو شخص خوب بچے جننے والی عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے اور اولاد کی کثرت اور نسل کے اضافہ کا خواہشمند ہے اسے چاہیئے کہ بچوں اور بیوی کے ان حقوق کو بھی ادا کرے جو اس کے ذمہ ہیں خواہ وہ ذمہ داری نان نفقہ کے قبیل سے ہو یا تربیت و تہذیب اخلاق اور تعلیم کے سلسلہ سے، ورنہ اگر اس میں کوتاہی کی تو اس کوتاہی اور تقصیر پر خدا کے یہاں جواب دہ ہونا پڑے گا، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل درست و بجا ارشاد فرمایا ہے:

((إن الله سائل كل راع عما استرعاه حفظ أم ضيع، حتى يسأل الرجل عن أهل بيته)).
رواه ابن حبان

اللہ تعالیٰ ہر شخص سے اس کے ماتحتوں اور زیرِ کفالت افراد کے بارے میں سوال کرے گا کہ ان کے حقوق کو ادا کیا یا ضائع کردیا، حتیٰ کہ انسان سے اس کے گھر والوں اور اہل وعیال کے بارے میں بھی سوال ہوگا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ جو شخص یہ سمجھتا ہو کہ میں بچوں کے حقوق ادا کرسکوں گا اور اسلام کے مطابق ان کی تربیت

کرسکوں گا تو اس کو چاہیئے کہ شادی کے لئے ایسی عورت منتخب کرے جو خوب بچے جننے والی ہو تاکہ امت محمدیہ جس کو اللہ تعالیٰ نے بہترین امت قرار دیا اس کے افراد کی تعداد کو بڑھا سکے ، یہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی پیروی ہے اس لئے کہ ایک مرتبہ ایک صاحب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گویا ہوئے کہ اے اللہ کے رسول مجھے ایک حسب ونسب ، عزت ومرتبہ اور مالدار عورت سے محبت ہے لیکن اس عورت میں ایک خامی ہے اور وہ یہ کہ وہ بانجھ ہے تو کیا میں اس سے شادی کرلوں ؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع فرمادیا پھر دوبارہ آئے اور یہی بات دہرائی ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وہی جواب دیا ، وہ صاحب پھر تیسری مرتبہ آئے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا :

« تزوجوا الولود الودود فإني مكاثر بكم الأمم »۔
رواہ ابوداؤد والنسائی والحاکم

تم لوگ ایسی عورت سے شادی کرو جو بہت بچے جننے والی اور بہت محبت کرنے والی ہو ، اس لئے کہ میں تمہاری کثرت کی وجہ سے اور امتوں پر فخر کروں گا۔

شادی کے سلسلہ میں یہ بنیادی واہم باتیں ہیں جن کا تربیت کے مسائل سے نہایت گہرا تعلق ہے ، اسی لئے اسلام نے افراد کی تربیت کے سلسلہ میں خاندان کی پہلی کڑی سے دیکھ بھال کی ہے ، اسلام اس کی ابتدا شادی سے کرتا ہے اس لئے کہ یہ فطرت انسانی کی حاجت وضرورت اور زندگی کی شوخیوں کا محور ومرکز ہے ، اور اس لئے بھی کہ اولاد کی نسب کا تعلق والدین سے ہوتا ہے ۔ اور اس کی وجہ سے معاشرہ موذی متعدی قسم کے امراض اور اخلاقی بے راہ روی سے بچ جاتا ہے ، اور شادی کے ذریعہ میاں بیوی باہمی تعاون سے اولاد کی تربیت کرتے ہیں ، اور میاں بیوی کے دلوں میں ماں باپ ہونے کا شعور وجذبہ ٹھاٹھیں مارتا ہے ۔

اور اس لئے بھی کہ شریک حیات کے انتخاب کے سلسلہ میں شادی کی بنیاد نہایت مضبوط ستونوں اور ٹھوس بنیادوں پر ہوتی ہے جس میں سب سے اہم یہ ہے کہ اختیار وانتخاب کا دارومدار دین ، خاندانی شرافت وحسب ونسب اور غیر شادی شدہ کے انتخاب پر ہو ۔

اور جب مسلمان اس بات کو جان لیتا ہے کہ مسلمان خاندان اور نیک اولاد اور مومن معاشرہ کے وجود میں لانے کے لئے ابتداء کہاں سے کرنا چاہیئے تو پھر تو وہ تمام ذمہ داریاں جو اس سلسلہ میں اس پر آتی ہیں اور جن کا وہ مکلف ہے وہ سب اس کی نظر میں آسان اور معمولی معلوم ہوتی ہیں ، اور ایسا کیوں ہوتا ہے ؟ وہ اس لئے کہ اس نے اپنے گھر میں اس عمارت کا سنگ اولین رکھدیا ہوتا ہے جس پر تربیت کی مضبوط عمارت تعمیر کرنا اور اجتماعی اصلاح کے مضبوط ستون قائم کرنا اور باکمال معاشرہ کے جھنڈے گاڑنا ہیں اور وہ اساس نیک وصالح عورت کا وجود ہے ۔

اس لیے بچوں کی اسلامی تربیت کی ابتداء ایک ایسی مثالی شادی سے ہونا چاہیئے جس کا مدار ایسی بنیادی اہم باتوں پر ہو جو تربیت پر اثر انداز ہوں اور معاشرہ کی تیاری اور اصلاح میں نمایاں کارنامہ انجام دے سکیں، عقلمندوں کو اس سے سبق حاصل کر لینا چاہیئے۔

دوسری فصل

بچوں کے سلسلہ میں نفسیاتی شعور واحساسات

نفسیاتی شعور سے مراد وہ محبت وشفقت اور رحمت وعاطفت ہے جو اللہ تعالیٰ نے والدین کے دلوں میں اولاد اور اپنے بچوں سے پیدا کی ہیں، اور اس میں حکمت یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بچیوں اور لڑکیوں کے سلسلہ میں بعض مریض نفوس میں جو پرانے رسم ورواج اور طور طریقے تھے ان کی قباحت ذہن نشین کرادی جائے، اور بچہ ولڑکا نہ ہونے پر صبر پر جو اجر وثواب ملتا ہے اس کے درجہ ومقام کو واضح کردیا جائے نیز یہ بھی بتلا دیا جائے کہ اگر بچے اور اسلام کی مصلحت میں ٹکراؤ ہو جائے تو ایسے موقعہ پر والدین کو کیا کرنا چاہیئے ؟

برادران کرام! ان تمام نفسیاتی احساسات وشعور اور قلبی داعیے اور ان تمام سوالات وافکار کا جواب آپ کو اسی فصل میں مفصل وواضح طور پر مل جائے گا، اللہ ہی سیدھا راستہ دکھانے والے ہیں اور اس کی ذات سے ہم مدد وتوفیق مانگتے ہیں۔

الف - ماں باپ میں بچوں کی محبت فطری طور پر ودلیعت رکھ دیگئی ہے

یہ نہایت واضح اور بدیہی ومشاہد چیز ہے کہ والدین کے دل میں بچوں کی محبت فطری طور سے ہوتی ہے اور بچوں کی دیکھ بھال، حفاظت، ان پر رحمت وشفقت ان کے معاملات وضروریات کا اہتمام کرنا یہ سب چیزیں نفسیاتی طور سے والدین میں موجود اور انکے دلوں میں راسخ اور نفسیات وشعور میں داخل ہوتی ہیں۔

اگر بالفرض یہ طبعی داعیہ نہ ہوتا تو روئے زمین سے انسان کا وجود ختم ہو جاتا، اور نہ والدین بچوں کی دیکھ بھال کی زحمت برداشت کرتے اور نہ ان کی کفالت وسرپرستی کرتے، نہ ان کے کام کاج وضروریات کے لئے دوڑ دھوپ اور محنت ومشقت کرتے، قرآن کریم نے والدین کے ان فطری احساسات وجذبات کی جو تصویر کشی کی ہے ہم جب اسے دیکھتے ہیں تو ذرہ بھی تعجب نہیں ہوتا، چنانچہ کہیں تو قرآن مجید بچوں کو دنیا کی زینت قرار دیتا ہے،

(اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا)(الکہف ۴۶)   مال اور بیٹے دنیا کی زندگی میں رونق ہیں۔

اور کسی جگہ ان کو اللہ جلّ شانہٗ کی ایسی بڑی نعمت قرار دیتا ہے جس پر اس کا شکر کرنا واجب ہے ارشادِ ربانی ہے:

((وَأَمْدَدْنَاكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا)). (الاسراء-٦)	اور تم کو قوت دی مال اور بیٹوں سے اور اس سے تمہارا لشکر زیادہ کردیا.

اور یہی اولاد اگر نیکوکار و متقیوں کے راستہ پر چلنے والی ہو تو ان کو آنکھوں کی ٹھنڈک بتلایا ہے:

((وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا)). (الفرقان-٧٤)	اور وہ لوگ جو کہتے ہیں اے رب ہم کو ہماری عورتوں اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک دے اور ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا بنا دے۔

اس کے علاوہ قرآن کریم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں جو بچوں کے سلسلہ میں والدین کے جذبات و احساسات کی تصویر کشی کرتی ہیں اور اپنے جگر گوشوں اور دل کے ٹکڑوں کے سلسلہ میں ان کے جذبات کی صداقت اور دل کی محبت سے پردہ اٹھاتی ہیں۔

محترم قارئینِ کرام! مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بچوں کی محبت کے سلسلہ میں شعراء کے اشعار کا ایک گلدستہ آپ کی خدمت میں پیش کردیا جائے، یہ اشعار رقت و محبت سے بھرپور اور احساسات و جذبات سے لبریز ہیں والدین کی وہ فطری محبت و شفقت جو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اس لئے ودیعت رکھی ہے کہ وہ بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں اپنی پوری قوت و طاقت صرف کردیں تاکہ وہ دنیا میں نیک صالح انسان بن جائے اس کو مجموعی طور سے یہ اشعار ثابت کرتے ہیں۔

سب سے پہلے ہم اُمیّہ بن ابی الصلت کے ان اشعار کو پیش کرتے ہیں جو انہوں نے اپنے نافرمان بیٹے کے بارے میں کہے ہیں یہ اشعار جو ان منتخب قصائد میں سے ہیں جو رقت و حنان سے لبریز اور بچوں سے والدین کے دلی جذبات کی صحیح عکاسی کرنے والے ہیں۔

غذوتك مولودًا وعلتك يافعًا	تعلّ بما أجني عليك وتنهل
جب تم بچے تھے تو میں نے تمہیں کھلایا پلایا اور جوان ہوئے تو دیکھ بھال کی	تم اس سے فائدہ اٹھاتے جو میں تمہارے لئے جمع کرتا تھا اور اس سے سیرابی حاصل کرتے
إذا ليلة ضافتك بالسقم لم أبت	لسقمك إلا ساهرًا أتململ
اگر تم کسی شب بیمار ہوگئے تو میں نے تمہاری بیماری کی وجہ	سے بے چینی اور جاگتے ہوئے رات گزار دی
كأني أنا المطروق دونك بالذي	طرقت به دوني فعيني تهمل
ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا تمہارے بجائے میں ہی اس بیماری کا شکار ہوا	جو تم کو لاحق ہے اور اس سبب سے میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے تھے

تخاف الردی نفسی علیك وإنها ... لتعلم أن الموت وقت مؤجل

میرا دل تمہاری ہلاکت سے خوفزدہ رہتا تھا حالانکہ اسے ... معلوم ہے کہ موت وقت مقررہ پر ہی آئے گی

فلما بلغت السن والغاية التی ... إليها مدى ماكنت فيك أؤمل

جب تم اس عمر اور زمانہ کو پہنچ گئے جو ... میری امیدوں اور آرزوؤں کا منتہیٰ تھا

جعلت جزائی غلظة وفظاظة ... كأنك أنت المنعم المتفضل

تو تم نے مجھے اس کا یہ صلہ دیا کہ سختی و ترش روئی شروع کر دی ... ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم میرے محسن و کرم فرما ہو

فليتك إذ لم ترع حق أبوتی ... فعلت كما الجار المجاور يفعل

پس اگر تم نے میرے باپ ہونے کے حق کی رعایت نہ کی تو ... اتنا ہی کر لیتے جتنا ایک برابر میں رہنے والا پڑوسی کرتا ہے

فأوليتنی حق الجوار فلم تكن ... علی بمال دون مالك تبخل

تم مجھے وہ حق دے دیتے جو پڑوسی کا ہوتا ہے اور تم مجھ پر ... اپنے مال کے سلسلہ میں بخل نہ کرتے

لیجئے ابوبکر طرسوسی کے یہ اشعار بھی سن لیجئے جو انہوں نے ان کڑوے گھونٹوں کے بارے میں کہے جو اولاد کے فراق میں والدین پیتے ہیں:

لوكان يدری الابن أية غصة ... يتجرع الأبوان عند فراقه

اگر بیٹے کو یہ معلوم ہو جاتا کہ کون سا گھونٹ ... والدین اس کے فراق میں حلق سے نیچے اتارتے ہیں

أم تهيج بوجده حيرانة ... وأب يسح الدمع من آماقه

ماں محبت کی وجہ سے ماتا کی آگ میں سلگتی رہتی ہے ... اور باپ کی آنکھوں سے آنسو جاری رہتے ہیں

يتجرعان لبينه غصص الردی ... ويبوح ما كتماه من أشواقه

اسکے فراق کی وجہ سے ماں باپ تباہی کے گھونٹ پیتے ہیں ... اور اسکی محبت کے وہ آثار ظاہر ہو جاتے ہیں جو انہوں نے چھپائے ہوئے ہیں

لرثى لأم سل من أحشائها ... وبكى لشيخ هام فی آفاقه

تو وہ بیٹا اس ماں کی غمخواری کرتا جسکے پیٹ سے وہ پیدا ہوا ہے ... اور وہ اس بوڑھے باپ پر روتا جو مصائب میں ٹھوکریں کھا رہا ہے

ولبدل الخلق الأبی بعطفه ... وجزاهما بالعطف من أخلاقه

اور والدین کیساتھ اپنی سخت مزاجی اور بد اخلاقی کو نرمی میں تبدیل کر دیتا ... اور ان کے حسن سلوک کا بدلہ اپنے حسن اخلاق سے دیتا

لیجئے چند اشعار اور بھی ملاحظہ فرمائیے جو شاعر نے والدین کے دل میں موجزن اس محبت و شفقت کے

بارے میں کہے ہیں. جس نے باپ کو جام شہادت نوش کرنے سے روک دیا جس کے وہ درپے تھا ۔

لقد زاد الحیاة إلی حباً — بناتی إنهن من الضعاف
زندگی سے میری محبت کو بڑھا دیا ہے — میری بیٹیوں نے جو ایک کمزور مخلوق ہیں

أحاذر أن یرین الفقر بعدی — وأن یشربن رنقاً بعد صاف
میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ میرے بعد وہ فقر و فاقہ میں مبتلا ہوں — اور صاف ستھرا پانی پینے کے بعد وہ مٹیالا و گدلا پانی پیئں

وأن یعرین إن کُسی الجواری — فتنبو العین عن کرم عجاف
اور اس سے کہ اور لڑکیاں لباس پہنیں اور یہ بے لباس ہوں — اور آنکھ اس کریہ منظر کو دیکھنے سے انکار کرتی ہے

ولولا ذاك قد سومت مهری — وفی الرحمن للضعفاء کاف
اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں اپنے گھوڑے کو بیچ چکا ہوتا — اور کمزوروں کی مدد کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے

أبانا من لنا إن غبت عنّا — وصار الناس بعدك فی اختلاف
اے ہمارے اباجان اگر آپ چلے گئے تو ہمارا ساتھ کون دے گا — اور آپ کے بعد لوگ تو منہ پھیر لیں گے اور بدل جائیں گے

اسی طرح کے چند اشعار یہ ہیں ؎

ولولا بنیات کزغب القطا — حططن من بعض إلی بعض
اگر قطا پرندوں کے چوزوں کی طرح میری بچیاں نہ ہوتیں — جو ایک دوسرے میں گھسی جا رہی ہیں !

لکان لی مضطرب واسع — فی الأرض ذات الطول والعرض
تو میرے لئے ایک وسیع میدان ہوتا — اس طویل و عریض سرزمین میں

وإنما أولادنا بیننا — أکبادنا تمشی علی الأرض
در حقیقت ہماری اولاد ہمارے درمیان — ہمارے وہ جگر گوشے ہیں جو زمین پر چل رہے ہیں

لو هبّت الریح علی بعضهم — لامتنعت عینی من الغمض
اگر ان میں سے کسی کے خلاف ہوا چلنے لگے — تو میری آنکھ جھپکنے اور بند ہونے سے رک جاتی ہے
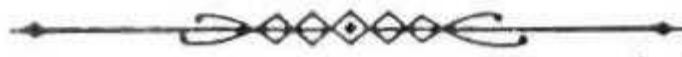
آئیے اخیر میں ان اشعار کو سنیں جو عظیم شاعر استاذ عمر بہاء امیری نے سچی محبت اور تڑپ میں
س وقت کہے ہیں جب ان کے آٹھ بچے "مصیب" سے "حلب" سفر کر گئے اور وہ شعر و شاعری کے
لیے تن تنہا رہ گئے تاکہ عربی ادب کے قدردانوں کے لیے والدین کی بچوں سے محبت کے سلسلہ میں

بہترین اشعار کا تحفہ پیش کریں ؎

أين الضجيج العذب والشغب
کہاں ہے وہ پر کیف شور و شغب
أين التدارس شابه اللعب
کہاں ہے وہ پڑھنا جس میں کھیل کود شامل تھا

أين الطفولة في توقدها
کہاں ہے شوخ و چنچل بچپن!
أين الدمى في الأرض والكتب
کہاں ہیں زمین پر گری ہوئی گڑیاں اور کتابیں

أين التشاكس دونما غرض
کہاں ہے بلا ضرورت ایک دوسرے کی مخالفت
أين التشاكي ماله سبب
کہاں ہے بلا سبب ایک دوسرے کی شکایت

أين التباكي والتضاحك في
کہاں ہے بیک وقت زبردستی کا ہنسنا اور رونا
وقت معاً والحزن والطرب
اور بیک وقت غمگین ہونا اور خوش ہونا

أين التسابق في مجاورتي
کہاں ہے میرے ساتھ بیٹھنے کیلئے ایک دوسرے پر سبقت لیجانا
شغفاً إذا أكلوا وإن شربوا
بڑے محبت و پیار کیوجہ سے چاہے کھانے کا دسترخوان ہو یا پینے کیلئے

يتزاحمون على مجالستي
وہ دھکم پیل کرتے ہیں میرے ساتھ بیٹھنے کیلئے
والقرب مني حيثما انقلبوا
اور میرے قرب کے لیے جہاں بھی وہ چلے جائیں

يتوجهون بسوق فطرتهم
وہ فطری داعیہ کی وجہ سے میری طرف
نحوي إذا رهبوا وإن رغبوا
رخ کرتے ہیں چاہے خوف کی حالت ہو یا خوشی کی

فنشيدهم بابا إذا فرحوا
خوش ہوں تو بھی بابا گنگناتے ہیں
ووعيدهم بابا إذا غضبوا
اور غصے میں ہوں تب بھی ان کے منہ سے بابا نکلتا ہے

وهتافهم بابا إذا ابتعدوا
دور ہوں تو بھی بابا کہہ کر پکارتے ہیں
ونجيهم بابا إذا اقتربوا
اور قریب ہوں تو بھی بابا کہہکر سرگوشی کرتے ہیں

بالأمس كانوا ملء منزلنا
کل تو ان سے گھر بھرا ہوا تھا
واليوم ويح اليوم قد ذهبوا
اور آج۔ ہلاکت ہو آج کے دن کے لیے۔ وہ سب چلے گئے

وكأنما الصمت الذي هبطت
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ خاموشی جس نے انکے
أثقاله في الدار إذ غربوا
جانے کے بعد گھر پر ڈیرہ ڈال دیا ہے

إغفاءة المحموم هدأتها
بخار کے مریض کی بے ہوشی ہے کہ اس کے افاقہ میں
فيها يشيع الهم والتعب
تکان وغم اور بے چینی کا دور دورہ ہوتا ہے

ذهبوا أجل ذهبوا ومسكنهم
وہ سب چلے گئے جی ہاں واقعی چلے گئے لیکن ان کا مسکن

في القلب ما شطوا وما قربوا
دل میں ہے نہ وہ دور ہوئے اور نہ قریب ہوئے

إني أراهم أينما التفتت
میں ان کو دیکھ لیتا ہوں جس طرف بھی میری نفس متوجہ ہو

نفسي وقد سكنوا وقد وثبوا
چاہے وہ پرسکون ہوں یا اچھل کود رہے ہوں

وأحسّ في خلدي تلاعبهم
میں دل ہی دل میں گھر میں ان کے کھیل کود کو محسوس کرتا ہوں

في الدار ليس ينالهم نصب
وہ کھیل رہے ہیں اور تھکتے نہیں

وبريق أعينهم إذا ظفروا
میں کامیابی و کامرانی کی صورت میں ان کی آنکھوں کی چمک دیکھ رہا ہوں

ودموع حرقتهم إذا غلبوا
اور مغلوب ہونے کی صورت میں انکے تکلیف کے آنسو بھی

في كل ركن منهم أثر
گھر کے ہر گوشہ میں ان کے نشانات ہیں

و بكل زاوية لهم صخب
اور ہر جانب ان کے شور و شغب کی آواز ہے

في النا فذات زجاجها حطموا
کھڑکیوں کے شیشے انہوں نے توڑ ڈالے

في الحائط المدهون قد ثقبوا
آئل پینٹ کی ہوئی دیوار میں انہوں نے سوراخ کر ڈالے

في الباب قد كسروا مزالجه
دروازے کی چٹخنیاں توڑ دیے

وعليه قد رسموا وقد كتبوا
اور اس پر نشانات بنا دیے اور لکھ دیا

في الصحن فيه بعض ما أكلوا
پلیٹ میں کچھ حصہ اس مٹھائی کا پڑا ہوا ہے

في علبة الحلوى التي نهبوا
جو مٹھائی کے ڈبے سے انہوں نے چھین جھپٹ کر کھایا تھا

في الشطر من تفاحة قضموا
ایک حصے میں ان کا کاٹا ہوا سیب پڑا ہے

في فضلة الماء التي سكبوا
اس پانی میں جو انہوں نے بہا دیا تھا

إني أراهم حيثما اتجهت
میری نگاہ جس طرف بھی اٹھتی ہے میں انہیں

عيني كأسراب القطا سربوا
قطا کے ان بچوں کی طرح دیکھتا ہوں جو رخصت ہو گئے

بالأمس في "قرنايل" نزلوا
کل وہ "قرنایل" میں ٹھہرے ہوئے تھے

واليوم قد ضمتهم "حلب"
اور آج حلب میں جا ٹھہرے

دمعي الذي كتمته جلدًا
میرے وہ آنسو جو میں نے مضبوطی ظاہر کرنے کیلئے چھپا رکھے تھے
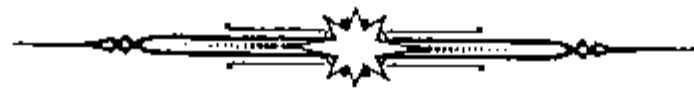
لما تباكوا عند ما ركبوا
جس وقت وہ پا برکاب ہو کر رونے لگے

حتى إذا ساروا وقد نزعوا — من أضلعي قلباً بهم يجب

یہاں تک کہ جب وہ چلے گئے اور نکال لے گئے وہ — دل جو میرے پہلو میں انہی کی وجہ سے دھڑکتا تھا

ألفيتني كالطفل عاطفةً — فإذا به كالغيث ينسكب

تو میں نے اپنے آپ کو بچے جیسی طبیعت والا محسوس کیا — اور وہ آنسو بارش کی طرح برسنے لگے

قد يعجب العذّال من رجل — يبكي، ولو لم أبك فالعجب

بعض اوقات ملامت کرنیوالے اس شخص کو دیکھ کر تعجب کرتے ہیں — جو روتا ہے اور اگر میں نہ روتا تو بڑی تعجب کی بات ہوتی

هيهات ما كل البكا خور — إني وبي عزم الرجال أب

مرد — رونا کمزوری نہیں ہوتا — میں اگرچہ مردوں کا سا عزم رکھتا ہوں لیکن پھر بھی باپ ہی تو ہوں

ان تمام اشعار سے ہمارے سامنے الفت و محبت کی وہ حقیقت کھل کر آجاتی ہے جو اللہ تعالے نے بچوں کے سلسلہ میں ماں باپ کے دل میں ودلیعت رکھی ہے، اور یہ سب کچھ اس لیے ہے تاکہ ماں باپ بچوں کی صحیح تربیت دیکھ بھال اور ضروریات ومصالح کا اہتمام کرسکیں،

«فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ». (الروم ۳۰) — وہی تراش اللہ کی جس پر لوگوں کو تراشا اللہ کے بنائے ہوئے کو بدلنا نہیں ہے۔

ب ۔ بچوں سے محبت اور ان پر شفقت ورحم ایک عطیۂ ربانی ہے

اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے دلوں میں جو قابلِ قدر جذبات وَدلیعت رکھے ہیں ان میں سے بچوں پر رحم اور شفقت و محبت، الفت و پیار بھی ہے، یہ ایک عجیب اور قابلِ قدر جذبہ ہے جو بچوں کی اصلاح و تربیت، دیکھ بھال و پرورش کے سلسلہ میں بڑا اثر رکھتا ہے اور عظیم نتائج کا حامل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو دل رحم سے خالی ہوتا ہے، ایسا شخص ترشروئی سختی اور قساوت جیسی گندی خصلتوں کا مالک ہوتا ہے جن کا اولاد پر نہایت برا اثر پڑتا ہے ان میں بغاوت پیدا ہوتی ہے، انحراف پیدا ہوتا ہے اور ایسے بچے جہالت وشقاوت و بدبختی کے گہرے گڑھوں میں گر جاتے ہیں۔

اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی شریعتِ مطہرہ نے مخلوق کے دلوں میں الفت ومحبت اور رحم کے جذبہ کو راسخ کیا اور بڑوں کو خواہ وہ استاذ ہوں یا ماں باپ، یا کسی شعبہ کے سربراہ و مسئول سب کو ان اوصاف کے اختیار کرنے اور ان سے آراستہ ہونے کی جانب رغبت دلائی اور اس پر ابھارا ہے۔

ملاحظہ فرمایئے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رحم کے موضوع کو کتنی اہمیت دی اور اس وصفِ عالی کو اپنے اندر پیدا کرنے اور اس جذبۂ حسنہ کے ساتھ لوگوں کے متصف ہونے کا آپ کو کتنا خیال تھا،

ابو داؤد اور ترمذی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لیس منّا من لم یرحم صغیرنا ویعرف حق کبیرنا)). وہ شخص ہم میں سے نہیں جو چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کے حق کو نہ پہچانے۔

امام بخاری اپنی کتاب "الادب المفرد" میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کے ساتھ ایک بچہ بھی تھا، وہ اس کو اپنے سے چمٹا رہے تھے، تو آپؐ نے ان سے پوچھا: کیا تمہیں اس بچہ پر رحم آتا ہے؟ انہوں نے جواب میں عرض کیا: جی ہاں، تو آپؐ نے فرمایا:

((فاللہ أرحم بك منك به وھو أرحم الراحمین)). اللہ تعالیٰ تم پر اس سے زیادہ رحم کرنے والا ہے جو تم اس بچہ پر کر رہے ہو اور وہ تو ارحم الراحمین ہے۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اگر کسی صحابی کو اپنے بچوں پر رحم کرتا نہیں دیکھتے تو آپ نہایت شدت سے ان کو تنبیہ کرتے اور ان کی اس جانب رہنمائی فرماتے جو ان کے گھر خاندان اور اولاد کے لئے مفید اور نافع ہوتی، چنانچہ امام بخاری "الادب المفرد" میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتی ہیں کہ ایک بدوی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: کیا آپ لوگ اپنے بچوں کو چومتے ہیں؟ ہم تو نہیں چومتے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أو أملك لك أن نزع اللہ من قلبك الرحمة)). اگر اللہ تمہارے دل سے رحم نکال دے تو میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں۔

امام بخاری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن بن علی کو چوما وہاں حضرت اقرع بن حابس تمیمی رضی اللہ عنہٗ بھی بیٹھے تھے، یہ دیکھ کر کہنے لگے: میرے دس بچے ہیں میں نے تو ان میں سے کسی کو بھی پیار نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جانب (تعجب سے) دیکھا اور فرمایا:

((من لا یَرحم لا یُرحم)). جو رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جائے گا۔

امام بخاری "الادب المفرد" میں حضرت أنس بن مالک رضی اللہ عنہٗ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی، انہوں نے اس کو تین کھجوریں دے دیں تو اس نے دونوں میں سے ہر بچہ کو ایک ایک

کھجور دے دی اور ایک اپنے لئے رکھ لی، دونوں بچوں نے اپنی اپنی کھجور کھالی اور پھر اپنی ماں کی جانب دیکھنے لگے ماں نے اپنی والی کھجور کے دو ٹکڑے کئے اور دونوں میں سے ہر ایک کو آدھا آدھا ٹکڑا دے دیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے یہ واقعہ ذکر کیا، تو آپؐ نے فرمایا:

((وما يعجبك من ذلك، لقد رحمها الله برحمتها صبيّيها)).
تمہیں اس پر تعجب کیوں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے بچوں پر رحم کی وجہ سے اس پر بھی رحم کھایا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی بچے کو جانکنی کی حالت میں روح پرواز کرتے ہوئے دیکھتے تو صدمہ و دکھ اور بچوں پر رحم و شفقت کی وجہ سے آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے تھے، تاکہ امت کو رحم و شفقت کا درجہ و منزلت معلوم ہو۔

امام بخاری و مسلم حضرت أسامۃ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی نے آپ کو پیغام بھیجا کہ میرے بیٹے کی جانکنی اور نزع کی حالت ہے آپ آجائیے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سلام کے ساتھ یہ پیغام بھیجا کہ:

((إن لله ما أخذ وله ما أعطى، وكل شيء عنده بأجل مسمى فلتصبر ولتحتسب)).
اللہ نے جو لیا وہ بھی اس کا ہے اور جو دیا وہ بھی اسی کا ہے اور اس کے یہاں ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے اس لئے صبر کرو اور اجر کی امید رکھو۔

انہوں نے دوبارہ اصرار کے ساتھ پیغام بھیجا کہ ضرور تشریف لائیے۔ تو آپؐ کھڑے ہوگئے ساتھ میں حضرات سعد ابن عبادۃ، معاذ بن جبل، أبی بن کعب، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہ بھی تھے، بچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا تو آپؐ نے اسے گود میں لے لیا، اس کی سانس اکھڑ رہی تھی، آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اے اللہ کے رسول یہ کیا بات ہے؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا:

((هذه رحمة جعلها الله تعالى في قلوب عباده)).
یہ اللہ کی رحمت ہے جو اس نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھدی ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے

((جعلها الله في قلوب من شاء من عباده وإنما يرحم الله من عباده الرحماء)).
اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے دل میں چاہتا ہے اسے ڈال دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں پر رحم کرتا ہے جو دوسروں پر رحم کھاتے ہیں۔

یہ بات ذہن سے نہیں نکالنا چاہیئے کہ رحم کا جذبہ اگر والدین کے دلوں میں جاگزین اور راسخ ہو تو وہ اپنے فرائض ادا کرتے ہیں، اور وہ ان تمام ذمہ داریوں کو پورا کرتے ہیں جو بچوں کی دیکھ بھال نگرانی اور پرورش کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے ان پر لازم کی ہیں۔

ج۔ لڑکیوں کو بُرا سمجھنا زمانۂ جاہلیت کی گندی اور ناپسندیدہ عادت ہے

اسلام کلی مساوات اور عدل کی دعوت دیتا ہے اور بچوں پر رحم وشفقت کے سلسلہ میں اسلام نے مرد وعورت، مذکر ومؤنث اور نر ومادہ میں کوئی تفریق نہیں کی ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمانِ مبارک پر عمل ہو:

((اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى)) (المائدہ: ۸) — عدل کرو یہی بات تقویٰ سے نزدیک ہے۔

اور تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حکم نافذ ہو جو آپ نے اس حدیث کے ذریعہ دیا ہے جسے اصحابِ سنن اور امام احمد وابن حبان رحمہم اللہ نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ روایت کیا ہے:

((اعدلوا بین أبنائکم، اعدلوا بین أبنائکم، اعدلوا بین أبنائکم)). — تم اپنی اولاد کے درمیان عدل ومساوات کرو، تم اپنی اولاد میں عدل سے کام لو، تم اپنی اولاد میں عدل وانصاف سے کام لو۔

چنانچہ قرآنِ کریم کے اس حکم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس رہنمائی کی بموجب تاریخ کی ابتدا اور ہر زمانے میں والدین نے اپنی اولاد کے سلسلہ میں اس بنیادی نقطۂ نظر کو سامنے رکھا جس نے عدل ومساوات، محبت والفت، شفقت ورحم اور برابری کا سبق دیا، تاکہ لڑکے اور لڑکیوں میں کوئی امتیاز اور تفریق نہ برتی جائے۔

اگر کسی اسلامی معاشرہ میں کچھ ایسے والدین نظر آتے ہیں جو لڑکے کی بنسبت لڑکی سے امتیازی سلوک روا رکھتے ہیں تو اس کا سبب وہ گندہ اور فاسد معاشرہ ہے جس سے گھٹی میں انہیں وہ عادات ملی ہیں جن کا دین سے دُور کا بھی واسطہ نہیں بلکہ وہ محض زمانۂ جاہلیت کی عادات ورواج ہیں اور ایسی ناپسندیدہ اور مبغوض رسمیں ہیں جن کی کڑی اس دورِ جاہلیت سے جا ملتی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

((وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۚ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰي هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ)). (النحل - ۵۸ و ۵۹)

اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری ملتی ہے تو اس کا منہ سارے دن سیاہ رہتا ہے اور جی میں گھٹتا رہتا ہے۔ لوگوں سے چھپا پھرتا ہے اس خوشخبری کی برائی کی وجہ سے جو سُنی۔ کیا اس کو رہنے دے ذلت قبول کر کے یا اس کو مٹی میں دبا دے سن لو برا ہے وہ جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔

اس کا اصل سبب ایمان کی کمزوری اور یقین کا عدم استحکام ہے اس لئے کہ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ سے خوش نہیں جو اللہ نے انہیں لڑکی دے کر کیا ہے، ان کو یہ بات خوب ذہن نشین کر لینا چاہئیے کہ وہ اور ان کا خاندان اور تمام مخلوق مل کر بھی اللہ کے فیصلہ کو نہیں بدل سکتے، اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے کیا ان کے کانوں میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمانِ مبارک کی آواز نہیں پڑی جس میں اللہ تعالیٰ نے لڑکوں اور لڑکیوں کے سلسلہ میں اپنی تدبیرِ محکم اور ازلی فیصلے اور مشیئتِ مطلقہ اور اٹل حکم کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

((لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ يَخْلُقُ مَا	اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ کہ ہے آسمانوں اور زمین
يَشَآءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ	میں، جو چاہے ہے پیدا کرتا ہے جس کو چاہے بیٹیاں دیتا ہے اور
لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۝ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّ	جس کو چاہے بیٹے بخشتا ہے یا ان کو جوڑے دیتا ہے
اِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا اِنَّهٗ عَلِيْمٌ	بیٹے اور بیٹیاں، اور جس کو چاہے بانجھ کر دیتا ہے وہ
قَدِيْرٌ ۝)). (شوریٰ ۴۹ و ۵۰)	سب کچھ جانتا کر سکتا ہے۔

تاریخ کی کتابوں میں ایک عجیب واقعہ مذکور ہے کہ عرب کے ابو حمزہ نامی ایک صاحب نے ایک عورت سے شادی کی اور لڑکے کے خواہشمند تھے لیکن ان کے یہاں لڑکی پیدا ہوگئی تو انہوں نے اپنی بیوی کے پاس آنا جانا چھوڑ دیا اور دوسرے مکان میں رہنا شروع کر دیا، ایک سال کے بعد جب اس کے گھر کے پاس سے گزر ہوا تو کیا دیکھا کہ وہ اپنی بچی سے دل لگی کر رہی ہے اور مندرجہ ذیل اشعار پڑھ رہی ہے:

مالأبي حمزة لا يأتينا	يظل في البيت الذي يلينا
ابو حمزہ کو کیا ہو گیا کہ ہمارے پاس نہیں آتے ہیں	ہمارے پڑوس کے مکان میں ہی رہتے ہیں اور
غضبان ألا نلد البنينا	تالله ما ذلك في أيدينا
اس بات سے ناراض ہیں کہ ہم نے لڑکیوں نہ جنا	خدا کی قسم یہ تو ہمارے قبضہ میں نہیں ہے

وإنما نأخذ ما أعطينا
ہم تو وہی قبول کر لیتے ہیں جو ہمیں دیا جائے

بیوی کے ان اشعار نے شوہر کو ایمان ویقین اور اللہ کے فیصلہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کا سبق دیا، یہ اشعار سن کر ابو حمزہ اتنا متاثر ہوئے کہ فوراً اس کے گھر گئے اور بیوی اور بیٹی کا سر چوما اور اللہ نے لڑکی کی شکل میں جو عطیہ عطا فرمایا تھا اس پر خوشی ورضامندی کا اظہار کیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کمزور نفوس اور ضعیف ایمان والوں سے زمانۂ جاہلیت کی ان رسوم کی جڑیں اکھاڑنے اور ان کی بیخ کنی کرنے کے لیے لڑکیوں کا خصوصی تذکرہ کیا، اور والدین اور تربیت کرنے والوں کو ان کے ساتھ اچھا برتاؤ

کرنے، ان کی دیکھ بھال اور انکی ضروریات کا خیال رکھنے کا خاص طور سے نہایت اہتمام سے حکم دیا تاکہ اللہ کی رضامندی اور جنت کے داخلہ کے مستحق بن جائیں، اور ساتھ ہی بچیوں کی صحیح تربیت بھی ہو اور وہ ایسی لڑکیاں بن جائیں جیسی اللہ تعالیٰ چاہتا اور جس کا اسلام حکم دیتا ہے۔

بچیوں کی دیکھ بھال، حسنِ سلوک اور خصوصی توجہ سے متعلق بعض ارشاداتِ نبوی آپ کے سامنے پیش ہیں:

امام مسلم رحمہ اللہ حضرت أنس بن مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من عال جاريتين حتى تبلغا جاء يوم القيامة أنا وهو كهاتين)). وضمّ أصابعه.	جو شخص دو بچیوں کی بالغ ہونے تک کفالت کرے گا تو وہ قیامت میں اس طرح آئے گا کہ میں اور وہ اس طرح ہوں گے۔ اور آپ نے اپنی انگلیوں کو ملا کر اشارہ کرکے بتلایا۔

اور امام احمد رحمہ اللہ اپنی مسند میں حضرت عقبۃ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

((من كانت له ثلاث بنات فصبر عليهن وسقاهن وكساهن من جدته (أي ماله) كنّ له حجابا من النار)).	جس شخص کی تین لڑکیاں ہوں اور وہ ان کو خوش دلی سے برداشت کرے اور اپنے مال سے ان کو کھلائے پلائے اور پہنائے تو وہ لڑکیاں اس شخص کے لیے دوزخ سے بچانے کا ذریعہ بنیں گی۔

حمیدی حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من كان له ثلاث بنات أو ثلاث أخوات أو بنتان أو أختان فأحسن صحبتهن وصبر عليهن، واتقى الله فيهنّ دخل الجنّة)).	جس شخص کی تین لڑکیاں یا تین بہنیں ہوں یا دو لڑکیاں یا دو بہنیں ہوں اور وہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے اور خوش دلی سے انہیں برداشت کرے اور ان کے بارے میں اللہ سے ڈرتا رہے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

اس لئے تربیت کرنے والے حضرات کو چاہیئے کہ ان ارشاداتِ نبویہ اور تعلیماتِ اسلامیہ کو اپنا رہنما بنائیں اور لڑکیوں کا خیال رکھیں اور ان کے اور لڑکوں کے درمیان عدل ومساوات سے کام لیں تاکہ اس جنت کے مستحق بن سکیں جو آسمان وزمین سے بڑی ہے اور اللہ کی اس رضا وخوشنودی کو حاصل کرسکیں جو سب سے بڑی دولت ہے اور روزِ قیامت اللہ جل شانہ کے قرب کو پالیں۔

د - بچہ کی موت پر صبر کا اجر و ثواب

مسلمان جب ایمان کے بلند و عالی درجہ پر پہنچ جاتا اور یقین کی بلندیوں کو چھو لیتا ہے، اور تقدیر الٰہی چاہے انسان کے خلاف ہو یا موافق اس پر یہ ایمان رکھتا ہے کہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے، تو پھر اس کی نگاہ میں حوادثِ زمانہ کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی اور مصائب کا جھیلنا اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ اور اس کو جو مصیبت یا حادثہ پیش آتا ہے اس میں وہ خدا ہی کے در پر جھکتا ہے۔ دل مطمئن ہوتا ہے، اور ضمیر مصیبت پر صبر کر کے راحت محسوس کرتا ہے۔ اور ایسا آدمی قضاء الٰہی کے سامنے سر جھکا دیتا اور اللہ رب العالمین کے ہر فیصلہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے۔

ایمان کے اس درجہ کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ جس کے بچے کا انتقال ہو جائے اور وہ اس حادثہ پر صبر کرے، انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھے، تو اللہ تعالےٰ اس کے لیے جنت میں بیت الحمد تعمیر فرمائیں گے، چنانچہ ترمذی وابن حبان رحمہما اللہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إذا مات ولد العبد قال اللہ عزّ وجلّ لملائکته: قبضتم ولد عبدي؟ فیقولون: نعم، فیقول: قبضتم ثمرة فؤاده؟ فیقولون: نعم، فیقول: ماذا قال عبدي؟ فیقولون: حمدك واسترجع، فیقول: ابنوا لعبدي بیتا في الجنة وسموه بیت الحمد».	جب کسی شخص کے بچے کا انتقال ہو جاتا ہے تو اللہ جل جلالہ فرشتوں سے پوچھتے ہیں: کیا تم نے میرے بندہ کے بچہ کی روح قبض کر لی؟ وہ جواب میں کہتے ہیں: جی ہاں، پوچھتے ہیں، تم نے اس کے دل کے ٹکڑے کی روح قبض کر لی؟ وہ کہتے ہیں، جی ہاں، پوچھتے ہیں: میرے بندہ نے کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں کہ: اس نے آپ کی حمد بیان کی اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا، تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: میرے بندہ کیلئے جنت میں ایک گھر بنا دو اور اس کا نام بیت الحمد رکھ دو۔

اس صبر کے بڑے عظیم فائدے حاصل ہوتے ہیں جنہیں اجر کی امید رکھنے اور صبر کرنے والا ہی حاصل کرتا ہے یہ فائدے انسان کو اس روز حاصل ہوں گے جس دن نہ اولاد کام آئے گی اور نہ مال و دولت۔

ان منافع و فوائد میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ یہ جنت تک پہنچانے اور دوزخ سے بچانے کا ذریعہ ہے چنانچہ امام بخاری ومسلم رحمہما اللہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک

مرتبہ عورتوں سے ارشاد فرمایا:

((ما منكن امرأة يموت لها ثلاثة من الولد إلا كانوا لها حجابا من النار، فقالت امرأة: واثنان؟ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: واثنان)).

تم میں سے کوئی ایسی عورت نہیں کہ جس کے تین بچے وفات پا جائیں مگر یہ کہ وہ بچے اس عورت کے لیے دوزخ سے حجاب بنیں گے، ایک عورت نے کہا: اور اگر دو بچے مر جائیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ دو بھی۔

امام احمد وابن حبان حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

((من مات له ثلاثة من الولد فاحتسبهم دخل الجنة، قال: قلنا: يا رسول الله واثنان؟ قال: واثنان)).

جس کے تین بچے مر جائیں اور وہ اس پر اجر کی اُمید رکھتے ہوئے صبر کرے وہ جنت میں داخل ہوگا. راوی کہتے ہیں: ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! اگر دو مر جائیں، تو آپ نے فرمایا: دو بھی۔

ایک راوی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہتے ہیں: میرا خیال ہے کہ اگر آپ حضرات ایک بچے کے بارے میں پوچھتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کے لیے بھی یہی فرماتے، حضرت جابرؓ نے فرمایا: میرا بھی یہی خیال ہے۔

صبر کے فائدوں میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جو بچہ بچپن ہی میں مر جاتا ہے وہ قیامت میں اپنے والدین کے لیے شفاعت کرے گا، چنانچہ طبرانی عمدہ سند سے حضرت ام حبیبہ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتی ہیں کہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھی کہ وہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے اور آپ نے فرمایا:

((ما من مسلمين يموت لهما ثلاثة من الولد لم يبلغوا الحنث (أي سن البلوغ) إلا جيئ بهم يوم القيامة حتى يوقفوا على باب الجنة فيقال لهم: ادخلوا الجنة، فيقولون: حتى تدخل آباؤنا، فيقال لهم: ادخلوا الجنة أنتم وآباؤكم)).

کوئی بھی دو مسلمان ایسے نہیں ہیں کہ جن کے تین بچے بالغ ہونے سے پہلے مر جائیں مگر یہ کہ ان کو قیامت میں لایا جائے گا اور ان کو جنت کے دروازے پر کھڑا کر دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ تو وہ کہیں گے کہ ہم اس وقت تک جنت میں داخل نہ ہوں گے جب تک ہمارے والدین جنت میں داخل نہ ہو جائیں تو ان سے کہا جائے گا کہ جاؤ تم اور تمہارے والدین سب جنت میں داخل ہو جاؤ۔

امام مسلم اپنی "صحیح" میں ابوحسان سے روایت کرتے ہیں کہ میرے دو بچے وفات پاگئے تو میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ :۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں کوئی حدیث سنی ہو تو اسے سنا کر مرنے والوں کی طرف سے ہمارے دلوں کو کچھ سکون پہنچائیں ، انہوں نے فرمایا : جی ہاں ارشاد ہے:

«صغارهم دعاميص[1] الجنة يلقى أحدهم أباه ـ أو قال : أبويه ـ فيأخذ بناحية ثوبه أو يده ، كما آخذ بصنفة ثوبك هذا فلا يفارقه حتى يدخله الله وإياه الجنة».

چھوٹے بچے جنت کے کیڑے ہیں ۔ وہ اپنے باپ ۔یا والدین فرمایا۔ کے کپڑوں کا کنارہ یا ہاتھ پکڑ لیں گے ، جیسے کہ میں نے تمہارے اس کپڑے کے کنارے کو پکڑا ہے اور پھر وہ اس وقت تک ان کو نہ چھوڑیں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کے والدین کو جنت میں داخل نہ فرمادیں۔

ایمان کی قوت اور جذبۂ ایمانی کی اگر بہترین مثال دیکھنا ہو تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ازواج مطہرات کی سیرت سامنے رکھیے جو اس بات پر کھلی ہوئی دلیل ہے کہ انہوں نے بچوں کے مرنے پر کس قوتِ ایمانی اور رضاء بالقضاء اور صبر کا ثبوت دیا۔ ملاحظہ کیجیے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کا وہ عجیب ، عظیم اور صبر آزما موقف جو انہوں نے امتِ مسلمہ کے لیے پیش کیا ، لیجیے مکمل قصہ بخاری و مسلم کی روایت کے مطابق پیش خدمت ہے :

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ابوطلحہؓ کا ایک بیٹا بیمار تھا ، حضرت ابوطلحہ سفر پر چلے گئے ، بچہ انتقال کر گیا جب ابوطلحہ واپس آئے تو اپنی بیوی ام سلیم سے پوچھا : بچہ کیسا ہے ؛ بچے کی ماں ام سلیم جواب دیتی ہیں : پہلے سے زیادہ پرسکون ہے[2] ۔ پھر ام سلیم نے شوہر کو کھانا کھلایا ۔ اور ان کے لیے اپنے آپ کو خلافِ معمول زیادہ پیراستہ و آراستہ کیا ، شوہر اپنی بیوی سے ہم بستر ہوئے ، جب فارغ ہوچکے اور اپنی دونوں خواہشیں (کھانے اور ہم بستری کی) پوری کر چکے تو ام سلیم نے ان سے کہا : اے ابوطلحہ بتلایئے اگر کوئی جماعت اپنی کوئی چیز کسی کے پاس عاریت رکھائے اور پھر ان سے واپس مانگے تو کیا ان لوگوں کو روکنے کا حق ہے ؟ انہوں نے جواب دیا : ہرگز نہیں ، تو ام سلیم نے اپنے شوہر سے کہا : اپنے بیٹے کی وفات پر صبر کیجیے ۔ بیٹا وفات پاگیا ہے ۔ اللہ سے اجر کی امید رکھیے ، یہ سن کر ابوطلحہ آزردہ خاطر ہوگئے اور فرمانے لگے : تم عجیب عورت ہو ۔ مجھے پہلے خبر نہ کی جب میں تم سے ہم بستر ہوچکا تو اب میرے بیٹے

---

[1] دعموص کی جمع ہے ۔ دعموص کالے رنگ کا ایک کیڑا ہے جو ہمیشہ پانی میں رہتا ہے اور پانی سے جدا کبھی نہیں ہوتا ۔ مراد یہ ہے کہ بچے ہمیشہ جنت میں رہیں گے وہاں سے کبھی نہیں نکالے جائیں گے ۔

[2] ان کی مراد یہ تھی کہ وہ دنیوی تکالیف سے بچ گیا اور اللہ سے جا ملا ہے ۔ حضرت ابوطلحہ یہ سمجھے کہ وہ پہلے سے بہتر ہے ۔

کی وفات کی خبر دے رہی ہو. نبی کریم صلی اللہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے پورا واقعہ ذکر کیا. تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے کچھ نہ فرمایا. اور یہ فرمایا : اللہ تعالیٰ تمہاری گذشتہ رات میں برکت دے، ایک دوسری روایت میں آتا ہے : اے اللہ ان دونوں میں برکت دے، چنانچہ ان کے یہاں ایک بچہ پیدا ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام عبداللہ رکھا، ایک انصاری صحابی کہتے ہیں : میں نے ان عبداللہ کے نو بیٹوں کو دیکھا جو سب کے سب قرآن کے عالِم وقاری تھے. یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کی برکت تھی جو آپ نے ان الفاظ میں دی تھی : اے اللہ ان دونوں میں برکت دے.

حقیقت یہ ہے کہ جب مؤمن کے دل میں خدا کی ذات پر کامل ایمان راسخ ہوجاتا ہے تو اس کی وجہ سے عجیب عجیب کارنامے ظاہر ہوتے ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان کمزوری وضعف کو قوت وطاقت سے، اور بزدلی کو شجاعت و بہادری سے، اور بخل وکنجوسی کو جود وسخاوت سے، اور جزع فزع کو صبر اور اللہ پر اعتماد و بھروسہ سے بدل دیتا ہے.

اس لئے ماں باپ کو چاہیئے کہ اپنے ایمان میں قوت پیدا کریں، اور اگر کوئی مصیبت درپیش ہو تو اس وقت یقین وایمان کے ہتھیار کو استعمال کریں، اگر کسی بچے کا انتقال ہوجائے تو تنگ دل اور آزردہ خاطر نہ ہوں یہ کہیں بے شک ہم سب اللہ ہی کی امانت ہیں اور اسی کی طرف ہم سب کو لوٹ کر جانا ہے. جو خدا نے واپس لے لیا وہ بھی اس کا ہے اور جو اس نے ہمیں دیا ہے وہ بھی اسی کا ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے اس لئے یہ سوچ کر صبر کرنا چاہیئے اور اجر کی امید رکھنا چاہیئے تاکہ جو ذات سب چیزوں کی مالک اور حاکم مطلق ہے اس سے اجر وثواب حاصل ہو.

اے اللہ دنیا کے مصائب ہم پر آسان کردے، اور اپنے فیصلہ اور تقدیر پر ہم کو راضی کردے، اور دنیا و آخرت دونوں میں تو ہی ہمارا والی بن جا، اس لئے کہ اے رب العالمین آپ ہی بہترین والی ومولیٰ ہیں.

۵ - اسلام کے مصالح کو بچہ کی محبت پر فوقیت دینا

چونکہ ماں باپ کے دل میں اپنے جگر گوشوں اور بچوں کی محبت والفت، شفقت ورحمت کے سچے جذبات موجزن رہتے ہیں، اس لئے یہ مدِنظر رہنا چاہیئے کہ یہ جذبات جہاد فی سبیل اللہ اور دعوت وتبلیغ کے لیے سفر سے رکاوٹ نہ بن جائیں، اس لئے کہ اسلام کے مصالح تمام جذبات وضروریات پر مقدم ہیں. اور اسلامی معاشرہ کا قائم کرنا ہر مؤمن کا مقصدِ اصلی اور زندگی کی غرض وغایت ہے. کیوں کہ گم کردہ راہ انسانیت کو سیدھ راستہ دکھانا مسلمان کی سب سے بڑی خواہش ہوتی ہے جس کو حاصل کرنے کے لیے مسلمان سب کچھ قربان کردیتا ہے.

حضرت رسول اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بالکل صحیح اور اسی طرح سمجھا تھا اسی لئے ان کے سامنے سوائے جہاد اور تبلیغ دین اور اسلام کی نشر واشاعت کے اور کوئی مقصد نہ تھا اس لئے اگر ہم تاریخ میں اسلام کے پیغام کو پہنچانے اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے ان کے بڑے بڑے کارناموں اور مجاہدات کو دیکھیں تو اس میں کوئی تعجب نہیں ہوتا، اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس سلسلہ میں انہوں نے اعلیٰ سے اعلیٰ اور قیمتی سے قیمتی ـــ چیزوں حتیٰ کہ اپنی جان تک کو اللہ کے راستہ میں قربان کر دیا تو اس میں کچھ بھی استبعاد نہیں ہوتا۔

لیجئے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے اس قول کو سُنیئے جو انہوں نے مصر کے بادشاہ مقوقس کے سامنے اس وقت فرمایا تھا جب اس نے ان کو روم کی عظیم الشان فوج سے مرعوب کرنا اور مال و دولت کی چمک سے بہکانا چاہا تھا تو اس وقت حضرت عبادہ نے اس سے کہا: اچھی طرح سے سن لو، تم اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو دھوکہ نہ دو۔ تم جو مجھے روم کی عظیم الشان جماعت اور بڑی تعداد سے ڈرانا چاہتے ہو اور یہ سمجھتے ہو کہ ہم اس کا مقابلہ نہ کر سکیں گے، تو تم خوب اچھی طرح سے سمجھ لو کہ جس چیز سے تم ہمیں ڈرا رہے ہو اس کی ہماری نظر میں کچھ وقعت نہیں، اور اگر تم واقعی سچے ہو بھی تب بھی یہ بات ہمیں ہمارے ارادہ وفیصلہ سے نہیں روک سکتی، اس لیے کہ ہم تو تم سے ٹکرا کر دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی کو ضرور حاصل کریں گے۔ یا تو یہ کہ ہم فتح حاصل کر کے دنیاوی مال غنیمت بھی حاصل کرلیں گے، اور اگر بالفرض تم غالب آگئے تو ہم آخرت میں اجر وثواب حاصل کریں گے اور اللہ تعالیٰ تو قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ (بقرہ: ۲۴۹)	بارہا اللہ کے حکم سے تھوڑی جماعت بڑی جماعت پر غالب ہوئی۔ اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

ہم میں سے ہر شخص اللہ تعالیٰ سے صبح وشام شہادت مانگتا ہے اور اس کی تمنا یہ ہے کہ وہ اپنے گھر بار ملک و وطن اور بیوی بچوں کے پاس لوٹ کر نہ جائے، اور ہم میں سے کسی کو بھی اپنے پیچھے چھوڑے ہوئے اہل وعیال کا کوئی غم و فکر نہیں، اس لیے کہ ہم میں سے ہر شخص نے اپنے اہل وعیال اور بیوی بچوں کو خدا کے حوالہ کر دیا ہے۔ ہمیں اگر فکر ہے تو صرف جہاد فی سبیل اللہ اور اعلاء کلمۃ اللہ کی۔ رہا تمہارا یہ کہنا کہ ہم خستہ حالی اور تنگی ترشی کی زندگی بسر کر رہے ہیں، تو یہ بات درست نہیں اس لیے کہ ہم تو خوش حالی کی زندگی بسر کر رہے ہیں، اس لیے کہ بالفرض اگر تمام دنیا بھی ہمارے قبضہ میں آجائے تو ہمیں اس وقت بھی اپنی ذات کے لیے اتنا ہی چاہیے ہوگا جتنا اب ہمارے پاس ہے اس سے زیادہ کی ہمیں ہرگز ضرورت نہ ہوگی۔

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کا یہ موقف جو انہوں نے پیش کیا ان ہزاروں میں سے ایک موقف ہے جو ہمارے بزرگ وبہادر اکابرین نے طویل ترین تاریخ کے مختلف زمانوں میں پیش کئے ہیں، ان حضرات کی یہ بڑی بڑی قربانیاں اور بیوی بچوں اور خاندان وقوم اور ملک ووطن کی محبت پر جہاد اور دعوت الی اللہ کی محبت کو فوقیت دینا، اس کا باعث یہ تھا کہ انہوں

نے قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمانِ مبارک کو سچے دل سے پڑھا اور سمجھا تھا جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ
وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ۨ
اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا
وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ
اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا
حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾)). (التوبہ ۲۴)

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور برادری اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تجارت جس کے بند ہونے سے تم ڈرتے ہو۔ اور وہ حویلیاں جن کو تم پسند کرتے ہو تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہیں. تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیجے اور اللہ راستہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو.

وہ کارنامے جو حسن البنا رحمہ اللہ کے بارے میں زبان زد ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ ان کی یہ عادت تھی کہ وہ عید کے موقع پر دعوت الی اللہ کا کام کرنے والے نوجوانوں کی دیکھ بھال ونگرانی کے لیے نکل جایا کرتے تھے، چنانچہ ایک موقعہ پر ان کا بیٹا سیف الاسلام اتنا شدید بیمار رہا کہ اس کے بچنے کی کوئی اُمید باقی نہ رہی۔ تو ان کی بیوی نے ان سے کہا اگر اس عید پر آپ ہمارے ساتھ رہ جائیں تو کتنا اچھا ہو، ہم بھی پر سکون رہیں گے۔ اور بیمار بیٹا آپ کی نظروں میں رہے گا۔ یہ سن کر انہوں نے اس حالت میں کہ سفری بیگ ان کے ہاتھ میں تھا یہ جواب دیا کہ: اگر اللہ تعالیٰ نے میرے بیٹے کو شفاء عطا فرمادی تو وہ لائقِ حمد وثنا بھی ہے اور قابلِ شکر بھی، اور اگر اللہ نے اس کے لیے موت لکھی ہے تو اس کا دادا قبرستان کا راستہ خوب جانتا ہے یہ کہکر مندرجہ ذیل آیت تلاوت کرتے ہوئے نکل گئے:

((قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ
وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ۨ
اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا
وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ
اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا
حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾)). (التوبہ ۲۴)

آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور برادری اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تجارت جس کے بند ہونے سے تم ڈرتے ہو۔ اور وہ حویلیاں جن کو تم پسند کرتے ہو تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہیں. تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیجے اور اللہ راستہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو.

اللہ اکبر، حقیقت یہ ہے کہ اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے اسی طرح کی قربانی وایثار کی ضرورت ہے۔ اللہ اکبر، دعوت الی اللہ کا کام کرنے والوں کو اسی طرح کا ہونا چاہیے، اگر بالفرض ہمارے سلفِ صالحین اور دعوت الی اللہ کا کام کرنے والوں کے یہی چند کارنامے ہی ہوتے تب بھی یہ رہتی دنیا تک ان کے فخر وشرف کے لیے کافی ووافی تھے۔

اے مومن باپ! اسلام و مذہب، جہاد اور دعوت الی اللہ کی محبت آپ کے دل و دماغ اور اعضاء و جوارح پر چھائی ہونا چاہیے، اور ان چیزوں کی محبت اہل و عیال، بیوی بچوں اور خاندان کی محبت پر مقدم ہونا چاہیے۔ تاکہ آپ مکمل طور پر دعوتِ اسلام کو پھیلانے اور جہاد کے جھنڈے کو بلند کرنے کے لیے تیار رہیں اور آپ بھی ان لوگوں میں شامل ہوجائیں جو اپنے دست و بازو سے اسلام کی عزت و ناموس کا محل تعمیر کرتے ہیں اور اپنے پختہ و قوی عزم و ارادے سے قرآن حکیم کی حکومت قائم کرتے ہیں اور جو امتِ محمدیہ کو اس کی محفوظ و مضبوط عزت اور شرافت و عظمت اور عظیم الشان حکومت دوبارہ واپس لوٹا سکیں، اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان مبارک کو غور سے سُنیے جو آپ نے ان لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا جو اپنے ایمان کے کمال کو پہنچنا اور دلوں کی گہرائیوں میں اس کی حلاوت کو محسوس کرنا اور اپنے وجدان میں اس کی لذت کو موجود پانا چاہتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((ثلاث من كنّ فيه وجد حلاوة الإيمان: أن يكون الله ورسوله أحبّ إليه مما سواهما، وأن يحب المرء لا يحبه إلا لله، وأن يكره أن يعود في الكفر كما يكره أن يقذف في النار))۔

تین باتیں ایسی ہیں کہ وہ جس شخص میں بھی پائی جائیں گی وہ ایمان کی حلاوت پالے گا: یہ کہ اللہ اور اس کا رسول اس کو تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہو، اور یہ کہ اپنے مسلمان بھائی سے اللہ ہی کے لیے محبت کرے، اور یہ کہ کفر کی طرف دوبارہ لوٹنے کو ایسا ناپسند کرے و برا سمجھے جیسا آگ میں ڈالے جانے کو برا سمجھتا ہے۔

امام بخاری ہی روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول آپ مجھے تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہیں۔ سوائے اس جان کے جو میرے پہلو میں ہے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لن يؤمن أحدكم حتى أكون أحبّ إليه من نفسه))۔

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مؤمن نہیں بن سکتا جب تک کہ میں اس کو اس کی جان سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔

یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر اپنی کتاب نازل فرمائی آپ مجھے میری اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اب ٹھیک ہے اے عمرؓ یعنی اب

تمہارا ایمان مکمل ہو گیا۔

صحیح روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لا یؤمن أحدکم حتی یکون هواه تبعاً لما جئت به». تم میں سے کوئی بھی شخص اس وقت تک کامل مؤمن نہیں بن سکتا جب تک اس کی خواہشات اس دین کے تابع نہ ہو جائیں جو میں لے کر آیا ہوں۔

اور امام بخاری ومسلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مبارک روایت کرتے ہیں کہ:

«لا یؤمن أحدکم حتی أکون أحبّ إلیه من ماله وولده والناس أجمعین». تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مؤمن نہیں بن سکتا جب تک اس کے مال واولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ میں اسے محبوب نہ ہو جاؤں۔

۹۔ بچّے کو سزا دینا اور مصلحتُ وتربیت کی خاطر اس سے قطعِ تعلق کرنا

بچہ جب تک چھوٹا ہوتا ہے تو ماں باپ کے زیرِ سایہ زندگی گزارتا ہے۔ اور جب تعلیم وتربیت کی عمر کو پہنچ جاتا ہے اس وقت والدین اور تربیت کرنے والوں کو چاہیے کہ اس کی اصلاح کے تمام وسائل کو استعمال کریں۔ اور اس کی کجی کو درست کرنے اور اس کے جذبات وخواہشات اور عادات واخلاق کی اصلاح کے لیے تمام طریقوں کو اپنائیں اور بروئے کار لائیں، تاکہ بچہ کامل ومکمل اسلامی عادات واخلاق اور بلند وبالا معاشرتی آداب سے آراستہ ہو۔

بچہ کی اصلاح وتربیت کے سلسلہ میں اسلام کا اپنا ایک مخصوص طریقۂ کار ہے۔ چنانچہ اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ اگر بچّے کو پیار ومحبت سے سمجھانا فائدہ دیتا ہو تو مربی کے لیے اس سے قطعِ تعلق واعراض کرنا درست نہیں ہے۔ اور اگر بچہ سے قطعِ تعلق کرنا اور ڈانٹنا ڈپٹنا مفید ہو تو پھر اس کو مارنا پیٹنا درست نہیں۔ ہاں اگر اصلاح وتربیت سمجھانے بجھانے وعظ ونصیحت ڈانٹ ڈپٹ کے تمام طریقے غیر مؤثر ثابت ہوں تو ایسی صورت میں اتنا مارنے کی اجازت ہے جو حدود کے اندر ہو اور ظالمانہ وبے رحمانہ طریقے سے نہ ہو — ممکن ہے اس ذریعہ سے مربی اس کی اصلاح کر سکے اور اس کا کردار وچال چلن درست ہو جائے۔

اصلاح وتربیت کے یہ تمام مراحل سنتِ نبویہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے طرزِ حیات کو سامنے رکھ کر آپ کے سامنے پیش کیے جا رہے ہیں تاکہ تربیت کرنے والے حضرات کو تربیت واصلاح کا اسلامی طریقۂ طرز اور منہج معلوم ہو جائے۔

بچہ کی پیار ومحبت سے تربیت واصلاح اور نرمی سے سمجھانے بجھانے سے متعلق ایک واقعہ امام بخاری و

مسلم حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر نگرانی اور زیر پرورش ایک نوعمر لڑکا تھا۔ کھانے کے برتن میں میرا ہاتھ اِدھر اُدھر گھوما کرتا تھا، یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا:

((یا غلام سمّ اللہ، وکل بیمینک، وکل مما یلیک)). — اے لڑکے اللہ کا نام لے کر کھانا شروع کرو اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنی طرف سے کھاؤ۔

امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی پینے کا مشروب لایا گیا، آپ کے دائیں جانب ایک نوعمر لڑکے تھے اور بائیں جانب عمر رسیدہ حضرات تشریف فرما تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صاحبزادے سے کہا: کیا تم مجھے اس بات کی اجازت دیتے ہو کہ میں ان حضرات کو دے دوں۔

یہ سمجھانے کا پیار بھرا انداز تھا۔ ان صاحب نے کہا: خدا کی قسم میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔ آپ کے دیئے ہوئے مبارک حصہ پر میں کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ان کو تھما دیا۔ یہ صاحب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تھے۔

بچہ سے اعراض اور قطع تعلق کے سلسلہ میں امام بخاری حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکر پھینک کر مارنے سے منع فرمایا ہے اور یہ فرمایا ہے:

((إنه لا يقتل الصيد ولا ينكأ العدو وإنه يفقأ العين ويكسر السن)). — اس طرح کنکر مارنا نہ تو شکار کو مار سکتا ہے اور نہ دشمن کو زخمی کر سکتا ہے البتہ یہ کسی کی آنکھ پھوڑنے یا دانت توڑنے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابن مغفل رضی اللہ عنہ کے کسی عزیز نے جو ابھی بالغ بھی نہ ہوئے تھے۔ اس طرح کنکر پھینکا تو انہوں نے اسے اس سے منع کیا اور یہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکر مارنے سے منع فرمایا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ:

((إنها لا تصيد صيدًا ...)). — اس سے کوئی جانور شکار نہیں ہو سکتا۔

اس شخص نے دوبارہ اسی طرح کنکر پھینکا تو انہوں نے اس سے فرمایا کہ میں تو تمہیں بتلا رہا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے اور تم پھر دوبارہ ایسا ہی کر رہے ہو۔ میں تم سے ہرگز بات نہیں کروں گا۔

بچے کو مارنے سے متعلق ابوداؤد و حاکم حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«مروا أولادكم بالصلاة وهم أبناء سبع سنين، واضربوهم عليها وهم أبناء عشر وفرّقوا بينهم في المضاجع».

تمہارے بچے سات سال کے ہو جائیں تو ان کو نماز پڑھنے کا حکم دو۔ اور دس سال کے ہو جائیں تو نماز پڑھوانے کے لیے ان کو مارو، اور ان کے بستر الگ الگ کر دو۔

تربیت سکھانے کے یہ طریقے اس وقت ہیں جب بچہ نوعمر اور قریب البلوغ کی عمر کا ہو۔ لیکن جب بالغ ہو جائے اور بڑا ہو جائے تو اس وقت تربیت واصلاح کے طریقے کچھ مختلف ہیں۔ اور اگر اس وقت لڑکے کو سمجھانا نصیحت کرنا فائدہ نہ دے تو مربی اور مصلح کو چاہیے کہ جب تک لڑکا اپنی کجی گمراہی اور فسق فجور سے باز نہیں آئے اس وقت تک اس سے قطع تعلق رکھے اور اس سے کسی قسم کا میل جول نہ رکھے۔

اس سلسلہ میں کچھ روایات آپ کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔

طبرانی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«أوثق عرى الإيمان الموالاة في الله والمعاداة في الله والحبّ في الله والبغض في الله».

ایمان کی کڑیوں میں سے مضبوط ترین کڑی اللہ کے لیے دوستی اور اللہ کے لیے دشمنی اور اللہ کے لیے محبت اور اللہ کے لیے بغض ہے۔

امام بخاری "باب ما یجوز من الہجران لمن عصی" اس قطع تعلق کے بیان میں جو نافرمانوں کے ساتھ جائز ہے کے ذیل میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب وہ غزوہ تبوک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ جا سکے اور پیچھے رہ گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ان سے بات چیت کرنے سے روک دیا اور پچاس دن اس طرح گزر گئے، اور روئے زمین ان کے لیے تنگ ہو گئی۔ اور وہ نہایت تنگ دل ہو گئے۔ نہ ان سے کوئی شخص بات کرتا تھا نہ سلام کرتا تھا نہ ان کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا تھا۔ ان کے ساتھ یہ معاملہ اس وقت تک جاری رہا جب تک اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے ذریعہ ان کی توبہ قبول کرنے کی آیت نازل نہ فرما دی۔

صحیح روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعض ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنھن کو زجر و تنبیہ کے لیے ایک ماہ تک چھوڑے رکھا۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے بیٹے سے قطع تعلق کر لیا تھا اور مرتے دم تک اس سے بات نہ کی اس لیے کہ انہوں نے اس کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

ایک حدیث بیان کی تھی جس میں مردوں کو عورتوں کو مسجد میں جانے سے روکنے سے منع کیا گیا تھا۔ انکے بیٹے نے اس حدیث کی بظاہر پیروی نہ کی تو انہوں نے اس سے مرتے دم تک قطعِ تعلق رکھا۔

اولاد کے ساتھ یہ رویہ اس وقت رَوا رکھا جائے گا جب وہ مؤمن و مسلم تو ہوں لیکن ان کے عمل میں سُستی اور کچھ انحراف پیدا ہو جائے۔ لیکن اگر بالفرض کوئی اولاد ملحد ہو جائے یا العیاذ باللہ کافر ہوا اور ملتِ اسلامیہ سے خارج ہو جائے تو اس وقت ایمان کا تقاضہ اور قرآنِ کریم کی تعلیم یہ ہے کہ اس سے مکمل قطعِ تعلق ہو اور اس سے کسی قسم کا لین دین اور میل جول نہ رکھا جائے۔ اور کھلم کھلا اس سے برارت کا اعلان کر دیا جائے ذیل میں اس موضوع سے متعلق چند آیاتِ کریمہ پیش کی جاتی ہیں۔ اللہ تعالٰے ارشاد فرماتے ہیں:

((لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ))۔ (المجادلہ ۲۲)

آپ نہ پائیں گے کسی قوم کو جو یقین رکھتے ہوں اللہ پر اور آخرت کے دن پر کہ دوستی کریں ایسوں سے جو مخالف ہوئے اللہ کے اور اس کے رسول کے خواہ وہ اپنے باپ ہوں یا اپنے بیٹے یا اپنے بھائی یا اپنے گھرانے کے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی زبانی ارشادِ باری ہے:

((وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ۝ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ڭ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنِّىْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ۝))۔ (ہود۔ ۴۵ و ۴۶)

اور پکارا نوح نے اپنے رب کو کہا اے رب میرا بیٹا میرے گھر والوں میں ہے اور بے شک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بڑا حاکم ہے فرمایا: اے نوح وہ تیرے گھر والوں میں نہیں ہے۔ اس کے کام خراب ہیں سو مجھ سے مت پوچھ جو تجھ کو معلوم نہیں ہے۔ میں نصیحت کرتا ہوں تجھ کو، کہ نہ ہو جائے تو جاہلوں میں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی ارشادِ ربانی ہوتا ہے:

((وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۭ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۭ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ۭ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ))۔ (البقرہ ۱۲۴)

اور جب آزمایا ابراہیم کو اس کے رب نے کئی باتوں میں پھر اس نے وہ پوری کیں تب فرمایا کہ میں تجھ کو سب لوگوں کا پیشوا بناؤں گا، بولا اور میری اولاد میں سے بھی فرمایا نہیں پہنچے گا میرا عہد ظالموں کو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے سلسلے میں جو موقف اختیار کیا تھا اس کے سلسلہ میں اللہ

تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

((وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ○)). (التوبہ-۱۱۴)

اور بخشش مانگنا ابراہیم کا اپنے باپ کے واسطے نہ تھا مگر وعدہ کے سبب کہ وہ کر چکا تھا اس سے پھر جب کھل گیا ابراہیم پر کہ وہ دشمن ہے اللہ کا۔ تو اس سے بیزار ہوگیا بے شک ابراہیم بڑا نرم دل تحمل کرنے والا تھا۔

قرآن کریم کی ان آیات اور ان کے علاوہ دوسری آیات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ اگر اولاد یا کوئی عزیز کفر پر مصر ہو تو ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ اس سے تعلق ختم کرلیا جائے۔ اس لئے کہ اسلام کی نظر میں اسلامی اخوت اور دینی رابطہ نسب اور وطن و ملک اور زبان و قومیت و وطنیت اور اقتصادی مصالح کے رابطہ سے زیادہ قوی اور مقدم ہے۔ اور اسلام کا اس سلسلہ میں شعار اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مبارک ہے :

((قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ○)). (التوبہ ۲۴)

آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور برادری اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور سوداگری جس کے بند ہونے کا تم کو ڈر ہے اور حویلیاں جن کو پسند کرتے ہو۔ تم کو زیادہ پیاری ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے تو انتظار کرو یہاں تک کہ بھیجے اللہ اپنا حکم اور اللہ ہدایت نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو۔

اور یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ اسلام نے شروع سے ایسی تعلیم دی ہے جس میں کبھی تبدیلی و تغیر نہیں آسکتا :

((اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ)) (الحجرات - ۱۰)

مسلمان جو ہیں سو بھائی ہیں۔

اور اس کا دائمی و مستقل شعار ہے :

((اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ)).

اللہ کے یہاں تم میں سے سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو۔

کیا اس کے بعد بھی کسی اور چیز کی ضرورت ہے ؟!

بہرحال اس فصل میں ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ ایسا اہم نفسیاتی شعور و احساس اور قلبی جذبہ ہے جو تربیت کرنے والوں میں پیدا ہونا چاہیئے۔ آپ نے خود بھی ملاحظہ کرلیا ہوگا کہ ان احساسات میں سے بعض تو ایسے ہیں جو فطری

طور پر والدین کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے کہ بچوں سے محبت الفت، شفقت ورحمت، انس ومودت، اگر بالفرض یہ فطری داعیہ نہ ہوتا تو نوعِ انسانی کی بقاء ناممکن ہو جاتی۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو والدین بچوں کی پرورش دیکھ بھال کی طرف توجہ ہی نہ کرتے، نہ ان پر خرچ و اخراجات کرتے۔ نہ ان کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ دیتے۔ اور اگر یہ فطری جذبات واحساسات نہ ہوتے تو خاندان ایک مضبوط و محفوظ عمارت کی طرح متفق ومتحد نہ ہوتا۔

آپ نے یہ بھی غور کیا ہوگا کہ ان جذبات میں سے بعض جذبات زمانہ جاہلیت کی پیداوار و آثار ہیں جیسے لڑکیوں کو برا سمجھنا، لیکن آپ نے مشاہدہ کیا ہوگا کہ اسلام نے زمانۂ جاہلیت کی اس مکروہ وناپسندیدہ عادت کی صحیح ایمان اور مضبوط عقیدہ ایمانیہ اور باکمال اسلامی تربیت کے ذریعہ کس طرح اصلاح کی۔ تاکہ والدین بچوں کے ساتھ ایک جیسا برتاؤ رکھیں چاہے وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں، اور دونوں جنسوں میں کسی قسم کا امتیاز و تفریق نہ کر سکیں تاکہ عدل ومساوات اور انصاف کے بنیادی تقاضے پورے ہو سکیں۔

آپ نے یہ بھی مشاہدہ کیا ہوگا کہ احساسات میں سے بعض ایسے ہیں جن کا پایا جانا مصلحۃً ضروری ہے جیسے کہ دعوت الی اللہ اور جہاد کی محبت کو بیوی بچوں اور اہل وعیال کی محبت پر فوقیت دینا۔ آپ نے گذشتہ صفحات میں پڑھ لیا ہوگا کہ اسلام کی مصلحت ذاتی اور انفرادی مصالح پر مقدم ہے۔ اس لیے نصرتِ الٰہی، قوت وطاقت، اور عزوشرف کی بلندیوں کو مسلمان اس وقت تک نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ ان میں اللہ اور اس کے رسول اور جہاد فی سبیل اللہ کی محبت اہل وعیال، خاندان وقبیلہ، ملک ووطن اور مال و دولت کی محبت پر غالب نہ ہو۔

آپ نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ ان شعور واحساسات میں سے بعض کا تربیت واصلاح سے تعلق ہے جیسے کہ بچوں کو نصیحت کرنا، ان کو ڈانٹنا ڈپٹنا، ان کو سزا دینا یا ان سے قطعِ تعلق کرنا۔ آپ نے اس سلسلہ میں مشاہدہ کیا ہوگا کہ اسلام تربیت واصلاح کے سلسلہ میں تدریج سے کام لیتا ہے پہلے سمجھانے بجھانے پھر قطع تعلق اور پھر ہلکی پھلکی مار سے۔ لہٰذا تربیت کرنے والوں کو چاہیے کہ سخت سزا اس وقت تک نہ دیں جب تک ہلکی سزا سے کام چل سکتا ہو۔ بچوں کی تربیت وتعلیم اور اصلاح کے سلسلہ میں اسلام اس طریقہ کو پسند کرتا ہے۔

اس لئے تربیت کرنے والے حضرات اور اصلاح کا بیڑہ اٹھانے ——— والوں کو تربیت کے سلسلہ میں اسلام کا طریقہ ونظام اور اصلاح کے سلسلہ میں اس کے اسلوب کو خوب سمجھ لینا چاہیئے تاکہ قوم کی تربیت کے سلسلہ میں صحیح راستہ اختیار کر سکیں۔ اور معاشرتی اصلاح کے لئے مناسب طریقے کو اپنائیں جو معاشرہ کو فساد وانحراف اور گندگی ومسموم فضا سے نکال کر پاکیزہ کردار، عزت وشرافت اور اخلاق وسیرت کے پاکیزہ نظام کی طرف منتقل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس لئے عمل کرنے والوں کو اس طریقے کو اپنانا چاہیے۔

تیسری فصل

بچہ سے متعلق عمومی احکام

اس فصل میں چار ابحاث ہیں

- بچہ پیدا ہونے پر مربی کو کیا کرنا چاہیے ؟
- بچہ کا نام رکھنا اور اس کے احکام۔
- عقیقہ اور اس کے احکام۔
- ختنہ اور اس کے احکام۔

پہلی بحث

بچہ پیدا ہونے پر مربی کو کیا کرنا چاہیئے؟

دینِ اسلام نے امتِ مسلمہ پر جو احسانات کیئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے بچہ سے متعلق تمام احکامات کو کھول کر بیان کر دیا، اور تربیت کے سلسلہ میں بنیادی اصولوں کو اتنا واضح کر کے پیش کیا ہے کہ جس کی وجہ سے تربیت کرنے والا نہایت سہولت اور آسانی سے بچہ کی صحیح تربیت کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے اس لیے ہر وہ شخص جس کے ذمہ تربیت کی ذمہ داری ہے اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ اپنے فرض کو ان بنیادی اور اساسی قواعد کو سامنے رکھتے ہوئے پورا کرے جو اسلام نے پیش کئے ہیں۔ اور ان بنیادی باتوں اور قواعد کو سامنے رکھے جو مربیٔ اول خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمائے ہیں۔

بچہ کی ولادت پر تربیت کرنے والے کو جو اہم احکام بجالانا چاہییے وہ آپ کی خدمت میں پیش ہیں:

۱۔ بچہ کی پیدائش پر مبارک باد اور پیغام تہنیت پیش کرنا

کسی کے یہاں بچہ ہو تو اس کے مسلمان بھائی کے لیے مستحب یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کی خوشی میں شریک ہو اور اس کو مبارک باد دے اور تہنیت پیش کرے، اور ایسا طریق اختیار کرے جس سے اسے مزید خوشی حاصل ہو۔ ایسا کرنا آپس کے تعلقات کو مستحکم اور روابط کو مضبوط و قوی کرتا ہے، اور اس کے ذریعہ مسلمان خاندانوں میں باہمی الفت و محبت کی فضا قائم ہوتی ہے۔ اگر بالفرض مبارک باد نہ دے سکے تو بہتر یہ ہے کہ اس کے اور نومولود کے لیے دعا کرے۔ اللہ تعالے ——— مسلمان کی دعا مسلمان بھائی کے حق میں قبول فرماتے ہیں۔

امتِ اسلامیہ کی رہنمائی اور تعلیم کے لیے قرآنِ کریم نے مختلف مناسبات سے بچہ کی پیدائش پر مبارک باد و خوش خبری دینے کا تذکرہ کیا ہے۔ اور جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا اس مبارک باد و خوش خبری دینے کا آپس کے معاشرتی روابط و تعلقات پر گہرا اثر پڑتا ہے اور اس کے ذریعہ مسلمانوں کے آپس کے رشتے اور مضبوط ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے میں ارشاد فرماتے ہیں:

((وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ۖ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ۝ فَلَمَّا رَآٰ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۚ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ۝ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۝)) (ہود ۶۹ تا ۷۱)

اور البتہ آچکے ہیں ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر بولے سلام۔ وہ بولے سلام ہے۔ پھر دیر نہ کی کہ لے آئے ایک تلا ہوا بچھڑا۔ پھر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے پر نہیں آتے تو کھٹکے اور دل میں ان سے ڈرے۔ وہ بولے ڈرو مت ہم بھیجے ہوئے آئے ہیں قوم لوط کی طرف۔ اور ان کی بیوی کھڑی تھی وہ ہنس پڑیں، پھر ہم نے ان کو اسحاق کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی۔

حضرت زکریا علیہ السلام کے قصہ میں ارشاد ربانی ہے:

((فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى)) (آل عمران ۳۹)

پھر ان کو آواز دی فرشتوں نے جب وہ کھڑے تھے نماز میں حجرے کے اندر کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے۔

ایک اور آیت میں ہے:

((يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِۨاسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝)) (مریم ۷)

اے زکریا ہم تم کو خوشخبری سناتے ہیں ایک لڑکے کی۔ جس کا نام یحییٰ ہے نہیں کیا ہم نے اس سے پہلے اس نام کا کوئی۔

سیرت کی کتابوں میں اس سلسلہ میں جو واقعات مذکور ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو آپ کی خوشخبری حضرت ثویبہ نے آپ کے چچا ابولہب کو (جو ان کے آقا تھے) دی اور ان سے کہا: گذشتہ رات حضرت عبداللہ کے یہاں بچہ پیدا ہوا ہے۔ ابولہب نے اپنی باندی سے یہ خوشخبری سنی تو اس خوشی میں فوراً اس کو آزاد کردیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اس نیکی کو ضائع نہیں فرمایا بلکہ ان کے مرنے کے بعد ان کو اس کا صلہ یہ دیا کہ ان کو مرنے کے بعد انگوٹھے اور اس کی برابر کی انگلی کے درمیان کی جگہ سے سیراب کیا، جیساکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

سہیلی لکھتے ہیں کہ حضرت عباس نے فرمایا: جب ابولہب کا انتقال ہوگیا تو میں نے ایک سال بعد ان کو بہت بری حالت میں دیکھا اور انہوں نے کہا: تم سے جدا ہونے کے بعد مجھے راحت نہ ملی البتہ ہر پیر کے روز مجھ سے عذاب کچھ کم کردیا جاتا ہے۔ یہ وہی دن تھا جس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تھے اور آپکی پیدائش کی خوشخبری ثویبہ نے اپنے آقا ابولہب کو دی تھی اور آپ کی پیدائش سے ابولہب خوش ہوئے تھے۔

بچہ کی پیدائش پر مبارک باد کس طرح پیش کی جائے: اس سلسلہ میں علامہ ابن القیم الجوزیہ اپنی کتاب "تحفۃ المودود"

میں ابوبکر بن المنذر سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ہم سے حسن بصری کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک صاحب انکے پاس آئے انکے پاس ایک صاحب بیٹھے ہوئے تھے جن کے یہاں بچہ پیدا ہوا تھا تو ان کو دیکھ کر ان صاحب نے کہا: شہسوار آپ کو مبارک ہو۔ حضرت حسن نے یہ سن کر فرمایا: تمہیں کیا پتہ کہ وہ شہسوار ہے یا گدھا۔ ان صاحب نے پوچھا: پھر کیا کہیں؟

انہوں نے جواب دیا: یہ کہو: اللہ نے جو بچہ تمہیں دیا ہے اس میں تمہارے لئے برکت دی جائے، اور اللہ کے شکر کی توفیق نصیب ہو۔ اور وہ نیک پارسا بنے۔ اور صحت ولمبی عمر پائے۔

تہنئت اور مبارک باد ہر بچہ پر دینا چاہیے اس میں لڑکا یا لڑکی میں کوئی تفریق نہ کرنا چاہیے ہم مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے معاشرہ میں اس سنت کو قائم کریں تاکہ آپس کے تعلقات مستحکم ہوں۔ اور مرور ایام کے ساتھ اس میں مزید اضافہ ہوتا جائے، اور مسلمانوں کے گھروں اور خاندانوں پر انس ومحبت اور الفت واخوت سایہ فگن رہے مسلمانوں کی بھلائی اس میں ہے کہ وہ اس راستہ کو اختیار کریں جو ان کو باہمی الفت و وحدت کی جانب لے جانے والا ہو۔ تاکہ صحیح معنوں میں اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن کر رہ سکیں، اور ان کی وحدت اس مضبوط قلعہ کی طرح ہو جس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط بناتا ہے[1]۔

۲۔ بچہ کی پیدائش پر اذان واقامت کہنا

نومولود کے سلسلہ میں جو احکامات اسلام نے صادر کیے ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ نومولود کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی جائے۔ یہ کام پیدائش کے فوراً بعد کرنا چاہیے اس لئے کہ ابوداؤد وترمذی کی روایت میں حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب فاطمہ کے یہاں حسن بن علی پیدا ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کان میں اذان دی۔

بیہقی اور ابن السنی حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جس کے یہاں کوئی بچہ پیدا ہوا اور اس شخص نے اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان اقامت کہی تو اس بچہ کو ام الصبیان[2] کی بیماری نہ ہوگی۔

---

[1] بعض خاندانوں میں رواج ہے کہ وہ بچہ پیدا ہونے پر مختلف قسم کے ہدایا اور ہار پھول پیش کرتے ہیں۔ یہ اچھی بات ہے اسلئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان مبارک: آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دو محبت پیدا ہوگی کے ضمن میں یہ بھی آجاتا ہے۔ اور یہ مسلمانوں میں الفت ومحبت کو بڑھاتا ہے۔ لیکن اس کو رسم نہیں بنانا چاہیئے اور نہ لازم سمجھنا چاہیئے۔ نہ ان طریقوں کو اختیار کرنا چاہیئے جو غیر مسلموں کے ہیں۔ اور ساتھ ہی اسراف وتبذیر سے بھی بچنا چاہیئے۔ [2] یہ ایک قسم کی مہلک بیماری ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس سے مراد جناتی اثرات ہیں۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضرت حسن بن علی پیدا ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دائیں کان میں اذان دی اور بائیں کان میں اقامت کہی ۔

اذان اور اقامت کہنے کا راز ابن قیم الجوزیہ اپنی کتاب "تحفۃ المودود" میں لکھتے ہیں کہ اذان اور اقامت کہنے کا راز یہ ہے کہ انسان کے کان میں سب سے پہلی آواز ایسے کلماتِ عالیہ کی پڑے جو اللہ کی عظمت و کبریائی پر مشتمل ہوں ۔ اور وہ کلمۂ شہادت اس کے کان میں پڑجائے جو اسلام میں داخل ہونے کا ذریعہ ہے ۔ تو یہ گویا ایک قسم کی تلقین ہے کہ جب وہ دنیا میں آرہا ہے تو اس کو اسلام کے شعار کی اطلاع ہوجائے جیسے کہ جب انسان دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو اس کو کلمہ توحید کی تلقین کیجاتی ہے اور اس اذان کا اثر انسان کے دل پر پڑتا ہے اور وہ چاہے محسوس نہ کرے لیکن اس کا اثر اس پر ضرور ہوتا ہے ۔

اذان و اقامت کے اس فائدے کے علاوہ ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اذان کے کلمات سن کر شیطان بھاگ جاتا ہے شیطان پیدائش سے پہلے ہی اس گھات میں تھا لیکن جب اس کے کان میں ایسے کلمات پڑے جو اس کو کمزور کرنے کا باعث ہیں ۔ تو پہلی ملاقات کے موقعہ پر ہی اس نے ایسے کلمات سن لئے جن کو سن کر وہ آگ بگولہ ہوجاتا ہے ۔

اس میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ اس بچہ کو شروع ہی سے اللہ اور اسلام کی طرف اور اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دے دی جائے اور شیطان کی دعوت سے پہلے رحمان کی دعوت دی جائے ۔ اس لئے کہ یہی اللہ کی وہ فطرت ہے جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اور یہ وہ فطرتِ الٰہی اور نظامِ خلقت ہے جس کو شیطان بدلنا چاہتا ہے ۔ اور مولود کو اس سے ہٹانا چاہتا ہے ۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت حکمتیں ہیں جو اس اذان و اقامت میں مشتمل ہیں ۔ اور ابن القیم رحمہ اللہ نے ان حکمتوں کو خوب تفصیل سے بیان کیا ہے جو اس بات کی نہایت واضح ثبوت ہیں ۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچہ کے پیدا ہوتے ہی اور دنیا کی خوشبو سونگھتے ہی اس کے عقیدۂ توحید و ایمان کی حفاظت اور شیطان و خواہشاتِ نفس سے اسکو بچانے کا کتنا اہتمام کیا ہے تاکہ وہ دنیا میں اللہ کا صحیح بندہ بن کر دنیا کی فانی زندگی گزار سکے ۔

۳ ۔ بچہ کی پیدائش پر تحنیک کرنا

نومولود کے سلسلہ میں شریعتِ اسلامیہ نے جو احکامات دیے ہیں ان میں سے تحنیک بھی ہے ، تحنیک کسے کہتے ہیں ؟ اور اس میں حکمت و فائدہ کیا ہے ؟

تحنیک کے معنی ہیں کھجور کو چبا کر بچہ کے تالو پر لگا دینا یعنی جو کھجور چبائی گئی ہے اس کا کچھ حصہ انگلی پر لے کر نومولود کے منہ میں داخل کر دینا اور آہستہ سے انگلی اس کے منہ میں دائیں بائیں پھیرنا تاکہ وہ چبی ہوئی کھجور پورے منہ میں پہنچ جائے اور اگر بالفرض کھجور موجود نہ ہو تو پھر کسی بھی میٹھی چیز سے تحنیک کر دینا چاہیے چاہے مصری ہو یا شیرہ وغیرہ تاکہ سنت پر عمل

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی پیروی ہو جائے۔

اس میں یہ حکمت بھی ہو سکتی ہے کہ اس کے ذریعہ سے منہ کے پٹھوں اور رگوں کو مضبوط کرنا مقصود ہو تاکہ بچہ تالو جبڑے اور زبان سب کو حرکت دے اور ماں کے سینہ سے دودھ پینے اور پستان چوسنے کی استعداد و صلاحیت پیدا ہو جائے اور فطری طریقے کے مطابق دودھ پینا شروع کر دے۔ بہتر یہ ہے کہ تحنیک کسی متقی عالم، نیک صالح بزرگ سے کرائی جائے تاکہ بچہ کو برکت حاصل ہو اور اس کے لئے نیک فال ہو۔

تحنیک کے مستحب ہونے کو فقہاء کرام نے جن احادیث سے ثابت کیا ہے وہ یہ ہیں:

صحیح بخاری و مسلم میں ابو بردۃ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میرے یہاں ایک بچہ پیدا ہوا تو میں اس کو لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ـــــ حاضر ہوا۔ آپ نے اس کا نام ابراہیم رکھا۔ اور ایک کھجور سے اس کی تحنیک کی اور اس کے لئے برکت کی دعا کر کے اسے میرے حوالہ کر دیا۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ابو طلحہ کا بیٹا بیمار تھا۔ ابو طلحہ سفر میں گئے پیچھے بچہ کا انتقال ہو گیا۔ جب ابو طلحہ سفر سے واپس آئے تو بیوی سے پوچھا: بچہ کیسا ہے؟ ام سلیم نے جواب دیا، پہلے سے زیادہ پر سکون ہے۔ یہ کہہ کر شوہر کو کھانا کھلایا، اور رات کو شوہر جب ان سے ہمبستری کر چکے تو ام سلیم (بیوی) نے ان سے کہا کہ: بچہ کا انتقال ہو چکا ہے اس کے دفن کا بندوبست کیجیے صبح کو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے واقعہ ذکر کیا، آپ نے پوچھا کیا تم نے رات ہمبستری کی تھی۔ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں، آپ نے دُعا کی۔ اے اللہ ان دونوں میاں بیوی کے لیے برکت دے دیجیے، چنانچہ اس حمل سے جب بچہ پیدا ہوا تو ابو طلحہ نے مجھ سے کہا: اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جاؤ۔ ساتھ میں چند کھجوریں بھی بھیج دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نومولود کو گود میں لے کر پوچھا: کیا اس کے ساتھ کچھ اور بھی لائے ہو؟ انہوں نے کہا: جی ہاں چند کھجوریں ہیں۔ آپ نے کھجور لے کر چبائی اور اپنے منہ سے نکال کر بچہ کے منہ میں دیدی اور اس کی تحنیک کی اور اس کا نام عبداللہ رکھا۔

خلال کہتے ہیں کہ مجھ سے محمد بن علی نے بیان کیا ہے کہ میں نے امام احمد بن حنبل کی ام ولد (باندی) سے سنا وہ فرماتی تھیں کہ جب مجھے دردِزہ شروع ہوا تو میرے آقا سوئے ہوئے تھے میں نے انہیں اٹھایا اور کہا اے میرے آقا مجھے سخت تکلیف ہے۔ مری جارہی ہوں۔ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ تمہاری تکلیف دور فرمائے۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ میرے یہاں بچہ پیدا ہوا (جس کا نام سعید رکھا گیا) امام احمد نے فرمایا: وہ کھجوریں لے آؤ (ان کے پاس مکہ مکرمہ کی کھجوریں تھیں ان کے بارے میں فرمایا) اور پھر علی کی والدہ سے کہا: یہ کھجور چبا کر اس کی تحنیک کر دو، چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔

۴۔ نومولود کا سر مونڈنا

نومولود کے سلسلہ میں اسلام نے جو احکامات دیے ہیں۔ ان میں سے یہ بھی ہے کہ ساتویں دن اس کے سر کے بال مونڈنے اور ان بالوں کے برابر چاندی کو فقراء و مستحقین پر صدقہ کرنے کو مستحب قرار دیا ہے۔ اس میں دو حکمتیں ہیں:

صحت سے متعلق حکمت صحت وطب کے لحاظ سے یہ فائدہ ہے کہ بچہ کا سر مونڈنے سے اسے قوت حاصل ہوتی ہے اور سر کے مسامات کھل جاتے ہیں اور ساتھ ہی اس سے نگاہ اور سماعت اور سونگھنے کی قوت کو فائدہ پہنچتا ہے[1]۔

معاشرتی وقومی مصلحت وحکمت اور وہ اس طرح کہ اس کے بال کے برابر چاندی صدقہ کرنے سے معاشرہ میں باہمی امداد کا جذبہ پیدا ہوگا اور اس سے حاجت مند کی ضرورت پوری ہوگی اور آپس میں تعاون امداد اور رحم کھانے کی فضا پیدا ہوگی۔

جن احادیث سے فقہاء کرام نے سر مونڈنے اور بالوں کے برابر چاندی صدقہ کرنے کے مستحب ہونے کو ثابت کیا ہے۔ وہ درج ذیل ہیں:

امام مالک اپنی کتاب "مؤطا" میں جعفر بن محمد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حسن وحضرت حسین وحضرت زینب وحضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہم کے سروں کے بال وزن کرا کر اتنی مقدار میں چاندی صدقہ کی۔

ابن اسحاق عبداللہ بن ابی بکر سے روایت کرتے ہیں کہ محمد بن علی بن الحسین نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن کی طرف سے عقیقہ میں بکرا ذبح کیا اور فرمایا: اے فاطمہ۔ ان کا سر منڈوا دو اور بالوں کے برابر چاندی صدقہ کر دینا، انہوں نے بالوں کا وزن کیا جو ایک درہم یا اس سے کچھ کم تھا۔

یحییٰ بن بکیر حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتویں دن حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کا سر مونڈنے کا حکم دیا چنانچہ ان کا سر مونڈ دیا گیا اور بالوں کے وزن کے برابر آپ نے چاندی صدقہ کر دی۔

اس ضمن میں ایک مسئلہ بھی ہے اور وہ یہ بچہ کے سر کے کچھ حصہ کے بال مونڈے اور کچھ چھوڑ دیے جائیں جسے قزع کہا جاتا ہے اس سلسلہ میں صریح ممانعت آتی ہے، امام بخاری ومسلم رحمہما اللہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قزع کی ممانعت فرمائی ہے۔

---

[1] ابن قیم نے اپنی کتاب تحفۃ المودود میں اس کو بیان کیا ہے۔

جس قزع کی ممانعت آتی ہیں اس کی چار قسمیں ہیں:

۱:۔ بچہ کے سر کے بال مختلف جگہ سے مونڈ دیے جائیں کچھ کہیں سے اور کچھ کہیں سے۔

۲:۔ سر کے بیچ کے بال مونڈ دیے جائیں اور چاروں طرف کے چھوڑ دیے جائیں۔

۳:۔ چاروں طرف کے بال مونڈ دیے جائیں اور درمیان کے چھوڑ دیے جائیں۔

۴:۔ آگے کے مونڈے جائیں اور پیچھے کے چھوڑ دیے جائیں۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کے فرمان کے بموجب یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کو عدل وانصاف بہت زیادہ محبوب ہے اسی لیے انسان کو اپنے جسم ونفس کے بارے میں بھی عدل کا حکم دیا گیا اور اس بات سے منع کیا کہ سر کا کچھ حصہ مونڈے اور کچھ چھوڑ دے اس لیے کہ یہ سر پر ظلم ہے کہ اس کے بعض حصہ کو بالکل ننگا کر دیا جائے اور بعض کو چھپا رہنے دیا جائے۔ اس کی نظیر ایک اور بھی ہے اور وہ یہ کہ اس طرح بیٹھنے کی ممانعت ہے کہ انسان کا کچھ حصہ دھوپ میں ہو اور کچھ حصہ سایہ میں اس لیے کہ یہ بدن کے بعض حصہ پر ظلم کے مرادف ہے، اسی طرح وہ حکم بھی ہے جس میں انسان کو ایک پاؤں میں چپل پہن کر چلنے سے منع کیا گیا ہے، بلکہ حکم دیا گیا کہ یا تو دونوں کو اتار دو یا دونوں پاؤں میں پہن لو۔

یہاں ایک اور حکمت بھی ہے اور وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش یہ ہے کہ مسلمان جب معاشرہ میں آئے تو اس کا منظر، شکل وصورت، وضع وقطع مناسب اور درست ہو۔ سر کے بعض حصہ کا مونڈنا اور بعض کا چھوڑ دینا مسلمان کے وقار اور خوبصورتی کے منافی ہے، اور ساتھ ہی اس اسلامی شخصیت کے بھی منافی ہے جسکے ذریعہ ایک مسلمان دوسری ملتوں اور عقائد سے ممتاز اور دیگر مختلف قسم کے ناشائستہ، بیہودہ اور بدکردار لوگوں سے الگ تھلگ ہوتا ہے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ بہت سے والدین اور تربیت کرنے والے ان احکامات سے مکمل طور پر نا آشنا ہیں، بلکہ ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ ان میں سے اکثریت ایسے لوگوں کی ہے کہ جب ان سے ان احکامات وغیرہ کے بارے میں ہم گفتگو کرتے ہیں اور ان منکرات پر نکیر کرتے ہیں تو ان پر حیرت وتعجب کی ایک عجیب سی کیفیت ظاہر ہوتی ہے اس لیے کہ یہ باتیں انہیں معلوم ہی نہیں ہوتیں۔ نہ ان پر عمل کرنے والے اور ان احکامات کو تطبیق دینے والے ان کے سامنے ہوتے ہیں۔ سوائے ان مٹھی بھر گنے چنے لوگوں کے جنہیں اللہ توفیق دے۔

میں اس قسم کے لوگوں کے کان میں یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ اسلام کی نظر میں ناواقفیت کوئی عذر نہیں ہے، اور دینی امور اور بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں جن احکامات اور امور کا جاننا ضروری ہے اس میں کوتاہی اور تقصیر کرنا قیامت میں اس بازپرس سے نہیں بچا سکتا جو انسان سے روز محشر میں اس کے فرائض وذمہ داریوں کے سلسلہ میں ہوگی۔

ابھی جو احکام ہم نے ذکر کیے ہیں۔ یہ اگرچہ مندوبات اور مستحبات کے قبیل سے ہیں لیکن ہمیں چاہیے کہ ہم ان کو کامل مکمل طور پر اپنی اولاد، رشتہ داروں اور متعلقین پر نافذ کریں۔ اور خود بھی عمل کریں اور دوسروں سے بھی عمل کرائیں۔ اس لیے کہ اگر ہم آج

مستحب چیزیں میں تساہل سے کام لیں گے تو یقیناً یہ واجب چیزیں میں بھی تساہل کا ذریعہ بنے گا۔ اور پھر فرض میں بھی سستی اور تساہل ہو گا، اور نتیجہ یہ ہو گا کہ اسلام کے معاملہ میں بھی تساہل برتنے لگیں گے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ صرف نام کے مسلمان صریح کفر کے جال میں پھنس جاتے ہیں۔ اور کھلی گمراہی کے دام میں گرفتار ہو کر دین واسلام سے مکمل طور پر خارج ہو جاتے ہیں

اس لئے تربیت کرنے والے حضرات کو چاہیے کہ ان احکام پر عمل کریں اور اپنی اولاد پر یہ مستحبات ایک ایک کر کے نافذ کریں، تا کہ اللہ کی خوشنودی حاصل ہو۔ اور اسلام پر قول و فعل دونوں لحاظ سے عمل ہو۔ اور اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو دشمنوں پر فتح نصیب کرے۔ اور ان کو وہ عزت و کرامت دوبارہ پھر سے نصیب ہو جو ختم ہو چکی ہے اور ان سے بزدستی غصب کر لی گئی ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔

دوسری بحث

بچہ کا نام رکھنا اور اس سے متعلق احکامات

معاشرہ میں رائج عادات میں سے ایک عادت یہ بھی ہے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو والدین اس کے تعارف کے لیے ایک نام منتخب کرلیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ دوسروں سے ممتاز و متعارف ہوجاتا ہے، اسلام چوں کہ ایک کامل و مکمل شریعت ہے اس لیے اس نے اس عادت کا خیال رکھا اور اس کا اہتمام کیا ہے اور اس سلسلہ میں کچھ احکام مقرر کیئے ہیں جن سے نام کی اہمیت اور اسلام کی اس سے دلچسپی کا اندازہ ہوتا ہے تاکہ امتِ مسلمہ کو مولود سے متعلق احکامات معلوم ہوں اور بچہ کی قدر و منزلت بڑھانے اور اس کی تربیت سے متعلق تمام باتوں کا صحیح علم ہو۔

بچے کا نام رکھنے کے سلسلہ میں اسلام نے جو اہم احکام دیے ہیں ان میں اہم اہم درج ذیل ہیں:

۱۔ بچہ کا نام کب رکھا جائے؟ اصحابِ سنن حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((کل غلام رھین بعقیقتہ تذبح عنہ یوم سابعہ ویسمّی فیہ ویحلق راسہ)).	ہر بچہ اپنے عقیقہ کے ساتھ مرہون ہے جو اس کی طرف سے اس کے پیدا ہونے کے ساتویں دن ذبح کیا جائیگا اور اس کا نام رکھا جائے گا۔ اور اس کا سر مونڈا جائے گا

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نام ساتویں دن رکھنا چاہیے۔ لیکن اس کے علاوہ اور بہت سی صحیح احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نام پیدا ہوتے ہی رکھ دینا چاہیے جن میں سے درج ذیل حدیثیں بھی ہیں:

امام بخاری و مسلم حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب منذر بن أبی أسید پیدا ہوئے تو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی ران پر رکھ لیا۔ ابو أسید وہیں بیٹھے ہوئے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سامنے کسی اور چیز میں مشغول ہوگئے اور بچہ کی طرف سے توجہ ہٹ گئی ابو أسید نے کسی سے کہہ کر اپنے بیٹے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ران پر سے اٹھوالیا، آپ جب متوجہ ہوئے تو پوچھا بچہ کہاں ہے؟ ابو أسید نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ہم نے اسے اٹھالیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: اس کا نام کیا ہے؟ ابو أسید نے اس کا نام بتلایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں بلکہ اس کا نام منذر رکھو۔

صحیح مسلم میں سلیمان بن مغیرہ حضرت ثابت سے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((ولد لی اللیلة غلام فسمیته باسم أبی إبراهیم)). گذشتہ رات میرے یہاں بچہ پیدا ہوا ہے میں نے اس کا نام اپنے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر ابراہیم رکھا ہے۔

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نام کے معاملہ میں وسعت ہے ــــ خواہ اس کا نام پیدا ہوتے ہی رکھ دیا جائے اور خواہ تین دن بعد یا ساتویں دن جس دن اسکا عقیقہ ہو۔ بہر حال اس سے پہلے بھی رکھ سکتے ہیں اور اس کے بعد بھی۔

۲- کون سے نام رکھنا مستحب ہے اور کون سے نام رکھنا مکروہ ہے؟

نام رکھتے وقت والد یا گھر کے بڑے فرد یا مربی کو چاہیے کہ بچہ کے لیے ایسا نام منتخب کرے جو پر معنی، اچھا اور پیارا سا ہو۔ تاکہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے حکم پر عمل اور اس کی پیروی ہو جائے۔ چنانچہ ابو داؤد سندِ حسن کے ساتھ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إنکم تدعون یوم القیامة بأسمائکم وبأسماء آبائکم فأحسنوا أسماءکم)). تم لوگوں کو قیامت میں تمہارے اور تمہارے والدین کے نام سے پکارا جائے گا اس لئے اچھے نام رکھا کرو۔

امام مسلم اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إن أحبّ أسمائکم إلی اللہ عزّ وجلّ عبداللہ وعبدالرحمٰن)). اللہ تعالیٰ کو تمہارے ناموں میں سے جو نام زیادہ محبوب و پسندیدہ ہیں وہ عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔

والدین وغیرہ کو چاہیے کہ بچہ کا ایسا خراب نام نہ رکھیں جس سے اس کی شخصیت متاثر ہو اور وہ مذاق اور استہزاء کا سبب بنے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی:

((کان یغیر الاسم القبیح)). آپ صلی اللہ علیہ وسلم خراب نام بدل دیا کرتے تھے۔ (امام ترمذی نے اس کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے)

امام ترمذی و ابن ماجہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر کی ایک بیٹی کا نام عاصیہ[۱] تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام جمیلہ رکھ دیا۔

---

[۱] اگر اس کو عصیان سے لیا جائے تو اس کے معنی ہیں: نافرمانی کرنے والی۔ ہو سکتا ہے کہ یہ نام اسلام سے قبل زمانۂ جاہلیت میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

امام ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض نام تبدیل کئے ہیں جن میں سے عاصی، عزیز، عتلہ[1]، شیطان، الحکم، غراب اور حباب[2] ہیں، اسی طرح آپ ؐ نے حرب (جنگ) کو تبدیل کر کے سلم (صلح) رکھا، اور المضطجع (لیٹنے والا) کو تبدیل کر کے المنبعث رکھ دیا، اور بنوالزنیۃ کا نام بنوالرشدہ رکھا۔ اسی طرح بنومغویۃ کا نام بنورشدہ رکھا، ابوداؤد کہتے ہیں کہ ان احادیث کی سند میں نے اختصاراً حذف کر دی ہے۔

اسی طرح والدین وغیرہ کو چاہیے کہ بچہ کا ایسا نام نہ رکھیں جن میں بدفالی ہو سکتی ہو یا بدفالی پر دلالت کرتے ہوں تاکہ بچہ اس نام کی بدفالی اور نحوست سے بچ جائے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ حضرت سعید بن المسیب سے روایت کرتے ہیں۔ وہ اپنے والد سے اور وہ اپنے والد سے کہ میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا، تمہارا کیا نام ہے؟ میں نے عرض کیا، حزن[3]، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا نام سہل (آسان) ہے۔ انہوں نے کہا: میں اپنے والد کا رکھا ہوا نام کیسے تبدیل کر دوں، حضرت سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ اس کے بعد سے ہم میں سختی اور ترشروئی پائی جاتی ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ اپنی کتاب "الموطأ" میں یحییٰ بن سعید سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے پوچھا، تمہارا کیا نام ہے۔ اس نے جواب دیا، جمرۃ۔ پوچھا: کس کے بیٹے ہو؟ اس نے کہا: شہاب کا بیٹا ہوں۔ انہوں نے پوچھا کس سے تعلق ہے؟ اس نے کہا: حرقۃ سے۔ انہوں نے پوچھا: کہاں رہتے ہو؟ اس نے کہا: حرۃ النار میں۔ انہوں نے پوچھا کس جگہ؟ اس نے کہا: ذات لظی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا، جلدی گھر پہنچو اس لیے کہ تمہارے اہل وعیال آگ میں جل کر ہلاک ہو گئے ہیں۔ اور واقعی ایسا ہی ہوا جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا[4]۔

والدین وغیرہ کو چاہیے کہ بچے کا نام ان کلمات کے ساتھ نہ رکھیں جو اللہ تعالیٰ کے خصوصی نام ہیں لہٰذا اُحد، صمد، خالق رزاق وغیرہ نام نہیں رکھنا چاہیے اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نام ہیں البتہ عبدالاحد یا عبدالصمد وغیرہ جائز ہے۔

امام ابوداؤد اپنی "سنن" میں فرماتے ہیں کہ جب ہانئ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی قوم کے ساتھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) رکھا گیا ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ عصیان سے نہ ہو بلکہ عیص سے ہو جس کے معنی گھنے درخت کے ہیں۔ اور اگنے اور پیداوار کی جگہ کو بھی کہا جاتا ہے تو ممکن ہے کہ یہ عاص کا مؤنث ہو عاصی کی تانیث نہ ہو لیکن چونکہ عاصیہ کے لفظ سے ذہن بظاہر نافرمانی کرنے والی کی طرف جاتا ہے اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام بدل کر جمیلہ رکھ دیا۔ مرقاۃ

[1] عتلۃ کے معنی سختی اور غلظت کے ہیں۔ [2] حباب سانپ کی ایک قسم کا نام ہے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ حباب شیطان کا نام ہے۔

[3] جس کے معنی سختی اور غلظت و ترشروئی کے آتے ہیں۔ حزن اصل میں سخت زمین کو کہتے ہیں جس کی ضد سہل ہے۔

[4] جمرۃ کے معنی انگارہ اور شہاب کے معنی آگ کا شعلہ یا وہ ستارہ جو ٹوٹ کر گرتا ہے، اور حرقۃ کے معنی جلنا۔ اور حرۃ سنگریزے والی جگہ کو کہتے ہیں اور نار کے معنی آگ کے ہیں۔ اور ذات لظی شعلہ اور لپٹ والی کے معنی میں ہے۔

مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو ان کی قوم والے انہیں ابو الحکم کہا کرتے تھے۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلایا اور ان سے فرمایا: کہ حکم تو اللہ تعالیٰ ہے اور وہی فیصلہ کرنے والا ہے تم یہ بتلاؤ کہ تمہیں ابو الحکم کیوں کہا جاتا ہے؟ تو انہوں نے کہا: بات یہ ہے کہ میری قوم کے افراد میں اگر کسی بات پر اختلاف ہو جائے تو وہ میرے پاس آجاتے ہیں اور میں ان میں فیصلہ کر دیتا ہوں اور دونوں فریق اس سے راضی اور خوش ہو جاتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا یہ تو ٹھیک ہے لوگوں میں اختلاف دور کرنا چاہیے، اچھا یہ بتلاؤ کہ تمہارا کوئی لڑکا ہے؟ انہوں نے کہا میرے تین بچے ہیں! شریح، مسلم اور عبداللہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ ان میں سے بڑا کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا: شریح، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہاری کنیت ابو شریح ہے (تم اسی کنیت سے پکارے جاؤ گے)۔

امام مسلم رحمہ اللہ اپنی کتاب "صحیح" میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((أغيظ رجل على الله يوم القيامة وأخبثه: رجل يسمى ملك الأملاك، لا ملك إلا لله)).

قیامت کے روز اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ خبیث اور قابل غصہ وہ شخص ہوگا جسے شہنشاہ کہا جاتا ہوگا۔ اس لئے کہ شہنشاہ (بادشاہوں کا بادشاہ) اللہ ہی ہے اور حکومت اللہ ہی کے لیے ہے۔

✻

والدین وغیرہ کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ بچہ کا ایسا نام نہ رکھیں جس میں نیک فالی اور تفاؤل اور یمن ہو تاکہ اگر ان کو پکارا جائے اور وہ موجود نہ ہوں تو یہ نہ کہا جائے گا کہ وہ نہیں ہے مثلاً افلح نافع رباح اور یسار وغیرہ چنانچہ امام مسلم وابوداؤد و ترمذی رحمہم اللہ حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

((أحب الكلام إلى الله أربع: سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر. لا تسمين غلامك يسارًا ولا رباحًا ولا نجيحًا ولا أفلح فإنك تقول: أثم هو؟ فلا يكون فيقول: لا. إنما هن أربع فلا تزيدن علي)).

اللہ تعالیٰ کو چار کلمات نہایت محبوب و پسندیدہ ہیں: سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر، تم اپنے بیٹے کا نام یسار اور رباح اور نجیح اور افلح نہ رکھنا۔ اس لئے کہ تم پوچھو گے: کیا وہ یہاں ہے؟[1] اور وہ وہاں نہ ہوگا تو جواب دینے والا کہے گا کہ یہاں نہیں ہے۔[2] یہ چار نام ہیں اس لئے ان چار پر اضافہ کرکے میری طرف نہ منسوب کرنا۔

---

[1] یعنی مثلاً یہ پوچھا جائے گا کہ کیا یہاں یسار (یعنی آسانی) ہے؟

[2] جواب میں جب یہ کہا جائے گا کہ نہیں تو گویا معنی یہ ہوئے کہ یہاں یسر و آسانی نہیں پائی جاتی جو بری بات ہے۔

ابن ماجہ رحمہ اللہ اس حدیث کو مختصراً درج ذیل الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

((نهانا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نسمي رقيقنا أربعة أسماء: أفلح ونافع ورباح ويسار)).

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں غلاموں کے چار نام رکھنے سے منع فرمایا اور وہ افلح ۔ نافع ۔ رباح اور یسار ہیں۔

اسی طرح والدین وغیرہ کے ذمہ یہ بھی فرض ہے کہ وہ اللہ کے علاوہ کسی معبودان باطلہ کے نام پر بچوں کے نام نہ رکھیں. مثلاً عبدالعزی، عبدالکعبۃ، عبدالنبی وغیرہ وغیرہ۔ اس لیے کہ اس طرح کے نام رکھنا بالاتفاق ناجائز ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوۂ حنین میں یہ جو مروی ہے کہ آپ نے فرمایا میں نبی ہوں جھوٹا نہیں ہوں میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ تو حافظ ابن القیم کے فرمان کے بموجب یہ اپنی طرف سے ابتداءً نام رکھنا نہ تھا بلکہ وہ نام بتلانا تھا جس نام سے اس کا مسمی معروف و مشہور تھا اور اس کو اسی نام سے پہچانا جاتا تھا. اور خصوصاً دشمن کے سامنے جہاں دشمن کو چیلنج دینا مقصود تھا جیساکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس غزوۂ حنین کے موقعہ پر ہوا. لہٰذا ایسے موقع پر اس شخص کو اسی نام سے یاد کرنا جس سے وہ معروف ہو حرام نہیں ہے. جیسے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے قبیلوں کے نام مثلاً بنو عبد مناف، بنو عبد شمس، بنو عبد الدار وغیرہ ذکر کیا کرتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان پر کوئی نکیر نہ فرماتے تھے، لہٰذا خلاصہ یہ نکلا کہ اس طرح کے نام رکھنا درست نہیں ہے اگر کسی کا نام اس طرح کا ہو اور اس کے بارے میں کوئی خبر یا اطلاع اس نام سے دے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

والدین وغیرہ کو چاہیے کہ بچے کا ایسا نام نہ رکھیں جس میں عشق و محبت کا پہلو ہو یا گندے اور فحش معنی نکلتے ہوں۔ جیسے ھیام (عشق کا جنون) اور ہیفاء (پتلی کمر والی) اور نہاد (وہ عورت جس کی چھاتیاں ابھرنے لگی ہوں) اور سوسن (ایک خوشبودار گھاس ہے) اور میادہ (جھوم اور لہرا کر ناز نخرے سے چلنے والی) اور ناریمان ———— اور غادۃ (نرم و نازک لچکدار عورت) اور احلام (خواب) یا اس طرح کے اور دیگر نام، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ مسلمان قوم ایک ممتاز شخصیت کی مالک ہو اور وہ اپنی خصوصیات اور ذات سے معروف ہو، اس طرح کے مہمل گندے اور عشقیہ نام رکھنے سے شخصیت اور روح ختم اور پارہ پارہ ہو جاتی ہے اور جب امتِ اسلامیہ انحطاط اور ذلت کے اس مقام تک پہنچ جاتی ہے تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہے اور پھر ہر ڈاکو اور غاصب کے لیے اس کی سرزمین پر قبضہ کرنا اور معزز و قابلِ احترام شخصیات کو ذلیل و رسوا کرنا آسان ہو جاتا ہے، جیساکہ آج ہمارے اور آپ کے سامنے ہو رہا ہے۔ اللہ ہی رحم فرمائے۔ درحقیقت قوت و طاقت کا منبع اور مالک اللہ جل شانہٗ ہی ہے۔

یہ بات جب ہم اپنے سامنے رکھتے ہیں اور پھر یہ دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امتِ مسلمہ کو انبیاء کرام علیہم السلام کے نام اور عبداللہ و عبدالرحمٰن وغیرہ مبارک اور حقیقت پر مشتمل پُرمعنی نام رکھنے کی ترغیب دے گئے ہیں تو کچھ

ـــ بھی تعجب نہیں ہوتا اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ ہے کہ امتِ محمدیہ دوسری امتوں سے زندگی کے ہر شعبہ میں ممتاز و منفرد ہو جائے تاکہ وہ ہمیشہ خیر امت کے لقب کی مستحق رہے۔ اور انسانیت بشریت کی رہنمائی اور نور حق و اسلام کی طرف دعوت دینے کے اپنے فریضے کو مضبوطی سے تھامے رہے۔ اور اس پر خیر و خوبی سے عمل پیرا رہے۔ چنانچہ ابوداؤد اور نسائی رحمہما اللہ حضرت ابو وہب جشمی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

((تسموا بأسماء الأنبياء، وأحب الأسماء إلى الله: عبد الله وعبد الرحمن، وأصدقها: حارث وهمام وأقبحها: حرب ومرة)).

انبیاء کرام علیہم السلام کے نام رکھا کرو۔ اور اللہ تعالی کو ناموں میں سب سے محبوب و پسندیدہ نام عبداللہ و عبدالرحمٰن ہے۔ اور سب سے سچا حارث اور ہمام ہے اور سب سے ناپسند و قبیح حرب و مرۃ ہے (حرب کے معنی جنگ کے ہیں اور مرہ کے معنی سختی اور کڑواہٹ کے)۔

۳۔ بچہ کی کنیت ابو فلاں کر کے رکھنا سنت ہے

بچہ کی تربیت کے سلسلہ میں اسلام نے جو ابتدائی بنیادی تربیتی احکامات دیے ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ مولود کی کنیت ابو فلاں کر کے رکھی جائے۔ اس طرح سے کنیت رکھنے سے نہایت عمدہ نفسیاتی اور عظیم الشان تربیتی فائدے حاصل ہوتے ہیں جو یہ ہیں :

★ بچہ کی نفسیات اور دل میں اکرام و احترام کا شعور بڑھانا چنانچہ شاعر کہتا ہے :

أكنيه حين أناديه لأكرمه ولا ألقبه والسوءة اللقب

میں اسکو جب پکارتا ہوں تو اسکے اکرام کیلیے اسکی کنیت سے پکارتا ہوں لقب سے نہیں اس لئے کہ لقب برائی پر دلالت کرتا ہے

★ معاشرتی طور پر اس کی شخصیت کا ابھارنا، اس لیے کہ وہ محسوس کرے گا کہ وہ بڑوں کے مرتبہ اور قابلِ احترام عمر کو پہنچ گیا ہے۔

★ پیاری اور دلچسپ کنیت سے پکارنے سے اس سے دل لگی بھی ہوتی ہے اور اس کو خوش کرنا بھی مقصود ہوتا ہے

★ تاکہ اس کو اپنے سے بڑوں کو مخاطب کرنے اور اپنے سے چھوٹوں کو پکارنے کا طریقہ معلوم ہو جائے۔

ان اہم فوائد اور عظیم مقاصد کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کی کنیت رکھ دیا کرتے تھے اور اس سے ان کو پکارا کرتے تھے۔ تاکہ تربیت کرنے والوں کی رہنمائی ہو جائے اور انہیں سبق حاصل ہو جائے، اور وہ بھی بچوں کے نام رکھنے اور پکارنے کے سلسلہ میں آپ کے پسندیدہ طریقہ کو اختیار کریں، چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت انس

رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق کے مالک تھے۔ میرا ایک بھائی تھا جس کو ابوعمیر کہا جاتا تھا۔ وہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے فرماتے تھے: اے ابوعمیر نغیر کو کیا ہو گیا (نغیر ایک پرندہ تھا جس سے ابوعمیر کھیلا کرتے تھے) راوی کہتے ہیں میرا خیال ہے کہ ابوعمیر اس وقت چھوٹے سے بچے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ام عبداللہ کنیت رکھنے کی اجازت دی تھی، عبداللہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے تھے حضرت انس کی ابھی اولاد بھی نہیں ہوئی تھی لیکن پھر بھی ان کی کنیت ابوحمزہ تھی، اسی طرح حضرت ابوہریرہ کی کنیت بھی اولاد ہونے سے قبل ہی تھی۔

کنیت رکھنے میں یہ بھی جائز ہے کہ انسان اپنی اولاد کے علاوہ کسی اور نام سے کنیت رکھ لے، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کوئی لڑکا بکر نامی نہ تھا لیکن ان کی کنیت ابوبکر تھی، اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حفص نامی کوئی لڑکا نہ تھا لیکن ان کی کنیت ابوحفص تھی اسی طرح حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا ذر نامی کوئی لڑکا نہ تھا لیکن انکی کنیت ابوذر تھی، اسی طرح حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کا سلیمان نامی کوئی لڑکا نہ تھا لیکن ان کی کنیت ابوسلیمان تھی۔ اور اسطرح کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں

ان سب باتوں کا خلاصہ یہ نکلا کہ بچے کی کنیت رکھنا مستحب ہے یہی حکم بڑوں کی کنیت رکھنے کے سلسلہ میں بھی ہے۔ اور کنیت رکھنے کے لیے نہ اس شخص کے لڑکے کا ہونا ضروری ہے اور نہ اس نام کا لڑکا ہونا ضروری ہے۔

نام اور کنیت رکھنے کے سلسلہ میں چند امور متفرع ہوتے ہیں جو ذیل میں پیش خدمت ہیں:

الف۔ اگر ماں باپ کے درمیان بچے کا نام کے سلسلہ میں اختلاف ہو جائے تو ایسی صورت میں نام رکھنا باپ کا حق ہے۔ اس لیے کہ اس بحث کی ابتداء میں اور اس کے بعد جو احادیث گزری ہیں وہ سب اس پر دلالت کرتی ہیں کہ نام رکھنا باپ کا حق ہے، اور قرآن کریم نے تو اس بات کو صراحۃً بیان کیا ہے کہ بچہ باپ کی طرف منسوب ہوگا نہ کہ ماں کی طرف، چنانچہ اس کو فلاں بن فلاں کہا جائے گا۔ ارشاد باری ہے:

«أُدْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ». (الاحزاب۔ ۵)

لے پالکوں کو ان کے باپ کی طرف نسبت کرکے پکارو اللہ کے یہاں یہی پورا انصاف ہے۔

صحیح مسلم کی حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: گذشتہ رات میرے یہاں بچہ پیدا ہوا ہے اور میں نے اس کا نام اپنے جد امجد کے نام پر

ابراہیم رکھا ہے۔

ب ۔ بچہ کا مذموم اور ناپسندیدہ لقب رکھنا نہ باپ کے لیے جائز ہے نہ کسی اور کے لیے لہٰذا ذیل کے القاب درست نہیں ہیں مثلاً : قصیر (ٹھگنا) اعور (بھینگا) اخرس (گونگا) خنفسار (کالے رنگ کے بدبودار کیڑے کا نام ہے) وغیرہ یا اس جیسے اور القاب اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے ارشاد ہے :

((وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ))۔ (الحجرات ۔ ۱۱) اور ایک دوسرے کو چڑانے کے لیے نام مت رکھو۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ بچے کے نفسیاتی اور معاشرتی انحراف میں یہ لغو اور قبیح القاب بڑا دخل رکھتے ہیں۔ ہم اس بحث پر مزید روشنی ان شاء اللہ تعالیٰ مسؤلیات وذمہ داریوں کے باب کی "نفسیاتی تربیت کی ذمہ داری ومسؤلیت" کی بحث میں ڈالیں گے۔

ج ۔ کیا ابوالقاسم کنیت رکھنا جائز ہے ؛ علماءِ کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ بچوں کا نام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی پر رکھنا درست ہے ۔ اس لیے کہ امام مسلم رحمہ اللہ حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ہم میں سے ایک شخص کے یہاں بچہ پیدا ہوا اس نے اس کا نام محمد رکھ دیا۔ تو اس کی قوم والوں نے اس سے کہا کہ ہم تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں رکھنے دیں گے۔ چنانچہ وہ صاحب بچہ کو پیٹھ پر اٹھا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول میرے یہاں بچہ پیدا ہوا تھا اور میں نے اس کا نام محمد رکھا تھا تو میری قوم کے لوگوں نے کہا کہ ہم تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں رکھنے دیں گے ۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

((تسموا باسمی ولا تکنوا بکنیتی، فإننا أنا قاسم أقسم بینکم))۔ میرا نام رکھ لیا کرو اور میری کنیت نہ رکھا کرو اس لیے کہ میں قاسم (تقسیم کرنے والا) ہوں۔ تمہارے درمیان تقسیم کرتا ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت رکھنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ ائمہ کرام کے اس سلسلہ میں مختلف مذاہب اور متعدد اقوال ہیں. ذیل میں آپ کے سامنے وہ اقوال اور پھر ان میں سے راجح قول ذکر کیا جاتا ہے :

۱ ۔ آپ کی کنیت رکھنا مطلقاً مکروہ ہے. دلیل وہی حدیث ہے جو ابھی ذکر ہوئی ۔ اور اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جسے امام بخاری ومسلم رحمہما اللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

((تسموا باسمی ولا تکنوا بکنیتی))۔ میرا نام رکھ لیا کرو۔ میری کنیت نہ رکھا کرو۔

یہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی رائے ہے۔

۲۔ آپ کی کنیت رکھنا مطلقاً مباح ہے۔ یہ حضرات امام ابوداؤد رحمہ اللہ کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو انہوں نے اپنی "سنن" میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے فرماتی ہیں: ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول میرے یہاں بچہ پیدا ہوا تھا میں نے اس کا نام محمد اور کنیت ابوالقاسم رکھی تھی۔ لیکن مجھے بتایا گیا کہ آپ اس کو ناپسند فرماتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا:

((ما الذی أحل اسمی وحرم کنیتی؟)) کون ہے وہ جس نے میرے نام رکھنے کو جائز اور کنیت رکھنے کو حرام قرار دیا ہو؟

ابن ابی شیبۃ کہتے ہیں کہ ہم سے محمد بن الحسن نے ابوعوانۃ کے ذریعہ انہوں نے مغیرہ کے واسطہ ابراہیم کے ذریعہ بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا: محمد بن اشعث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے اور ان کی کنیت ابوالقاسم تھی۔ اور ابن ابی خیثمہ حضرت زہری سے روایت کرتے ہیں کہ میں ــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے چار صاحبزادوں سے ملا ہوں جن کا نام محمد اور کنیت ابوالقاسم تھی۔ اور وہ یہ ہیں: محمد بن طلحۃ بن عبیداللہ، محمد بن ابی بکر، محمد بن علی بن ابی طالب اور محمد بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس کا نام محمد اور کنیت ابوالقاسم ہو تو انہوں نے جواب دیا: اس سلسلہ میں ممانعت وارد نہیں ہوئی ہے۔ اور میرے خیال میں اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جو جماعت آپ کے نام اور کنیت کے رکھنے کے جائز ہونے کی قائل ہے اس نے ان احادیث کو منسوخ قرار دیا ہے۔ جن میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔

۳۔ کنیت اور نام دونوں کو جمع کرنا جائز نہیں ہے۔ مثلاً کوئی شخص بیک وقت اپنے بیٹے کا نام محمد اور کنیت ابوالقاسم رکھ لے۔ ہاں صرف محمد نام رکھنا یا صرف ابوالقاسم کنیت رکھنا جائز ہے۔ یہ حضرات اپنی تائید میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث پیش کرتے ہیں جسے ابوداؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من تسمی باسمی فلا یتکنی بکنیتی، ومن تکنی بکنیتی فلا یتسمی باسمی))۔ جس شخص نے میرا نام رکھا ہو وہ میری کنیت نہ رکھے اور جس نے میری کنیت رکھی ہو وہ میرا نام نہ رکھے۔

اور یہ روایت بھی دلیل میں پیش کرتے ہیں کہ ابن ابی شیبۃ نے عبدالرحمٰن سے انہوں نے ابوعمرۃ سے انہوں نے اپنے چچا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لا تجمعوا بین اسمی وکنیتی))۔ میرے نام اور کنیت دونوں کو جمع نہ کرو۔

اور ابن ابی خیثمہ روایت کرتے ہیں کہ جب محمد بن طلحۃ پیدا ہوئے تو حضرت طلحۃ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے بچے کا نام محمد رکھا ہے کیا اس کی کنیت ابوالقاسم رکھ دوں ۔ تو آپ نے اس سے منع فرمادیا اور فرمایا کہ دونوں کو جمع مت کرو اس کی کنیت ابوسلیمان ہے ۔

۴۔ آپ کی کنیت رکھنے کی ممانعت آپ کی حیات میں تھی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی کنیت رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے ۔ اور یہ حضرات استدلال میں اس روایت کو پیش کرتے ہیں جو ابوداؤد نے اپنی "سنن" میں منذر سے انہوں نے ابن الحنفیہ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے پوچھا : اگر آپ کے بعد میرے یہاں کوئی بچہ ہو تو میں آپؐ کا والا نام اس کا نام اور کنیت آپؐ کی والی رکھ سکتا ہوں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : جی ہاں ۔

حمید بن زنجویہ "کتاب الادب" میں لکھتے ہیں کہ میں نے ابن ابی ادریس سے پوچھا کہ امام مالک رحمہ اللہ کی اس شخص کے بارے میں کیا رائے تھی جو نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے نام اور کنیت دونوں کو ایک ساتھ رکھ لے ، تو انہوں نے ہمارے ساتھ بیٹھے ہوئے ایک شیخ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا یہ دیکھو یہ محمد بن مالک بیٹھے ہیں ان کے والد نے ان کا نام محمد اور کنیت ابوالقاسم رکھی ہے ۔ اور امام مالک رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ کنیت اور نام دونوں کو بیک وقت ایک ساتھ رکھنے کی ممانعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں اس وجہ سے تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی شخص کو آپ کے نام اور کنیت سے پکارا جائے اور اس کے بجائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم متوجہ ہو جائیں ، لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد چونکہ یہ خدشہ ختم ہو گیا اس لیے اس میں کوئی حرج نہیں ہے ۔

یہ چوتھا قول زیادہ راجح اور معقول معلوم ہوتا ہے ایک تو امام مالک رحمہ اللہ کی اس معقول رائے کی وجہ سے ، اور دوسرے ان احادیث کی وجہ سے جو اس پر صاف دلالت کر رہی ہیں ۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اور کنیت دونوں ایک ساتھ رکھنا جائز ہے اس لیے کہ وہ احادیث جن سے ممانعت معلوم ہوتی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے ساتھ مخصوص ہیں ، تاکہ اس شخص کو پکارتے وقت یہ التباس نہ ہو جائے کہ اس سے وہ شخص مراد ہے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ، لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد چونکہ التباس کا اندیشہ ختم ہو گیا اس لیے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نام اور کنیت دونوں کا جمع کرنا جائز ہے اور اس کی تقویت اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو ہم زہری کی معرفت نقل کر چکے ہیں ۔ کہ ان کی ملاقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے چار ایسے صاحبزادوں سے ہوئی ہے جن میں سے ہر ایک کا نام محمد اور کنیت ابوالقاسم تھی ۔ واللہ اعلم ۔

اس فصل کے ذیل میں مذکورہ ابحاث پڑھ لینے کے بعد ماں باپ اور تربیت کرنے والے حضرات کا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے بچوں کا نام رکھنے کے سلسلہ میں صحیح اور سیدھا راستہ اختیار کریں ، اور ان کے نام ایسے نہ رکھیں جن سے انکی توہین ہوتی ہو اور عزت وکرامت پر بٹہ لگتا ہو اور ان کی شخصیت اور ذات مجروح ہوتی ہو ۔ اور ان کی یہ بھی ذمہ داری ہے

کہ وہ شروع سے ہی بچوں کی ایسی پیاری سی کنیت جو دل کو بھائے۔ اور کانوں کو سننے میں بھلی معلوم ہو، رکھنے میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کریں تاکہ بچے اپنی شخصیت کو محسوس کریں۔ اور ان کے دلوں میں اپنی ذات کی محبت اور کرامت کا احساس پیدا ہو۔ اور وہ شروع سے ہی اپنے ارد گرد رہنے اور اٹھنے بیٹھنے والوں اور ساتھیوں کے ساتھ گفتگو اور خطاب میں ادب و احترام کے عادی بنیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم اپنے اور اپنی قوم کے لیے سابقہ برباد شدہ عزت و کرامت اور مشخص و ممتاز شخصیت اور چھنا ہوا وطن دوبارہ حاصل کرنا چاہیں تو ہم سب اس بات کے محتاج ہیں کہ اس طرح کی فاضل و عمدہ تربیت کی بنیادی باتوں پر عمل پیرا ہوں اور اسلام کے اس عظیم الشان منہج اور طریقے کو اپنائیں۔ اگر اخلاص سے ہم نے ان احکامات کو اپنے اوپر لاگو کرلیا اور قانون، نظام اور تربیت و طرزِ حیات کے طور پر اسلامی شریعت کو اپنے اوپر لازم کرلیا، اور دین کو مضبوطی سے تھام لیا تو اللہ تعالیٰ پہلے کی طرح ہمیں پھر معزز و مکرم بنا دے گا اور اللہ کے لیے یہ کچھ مشکل نہیں ہے۔

تیسری بحث

بچے کا عقیقہ اور اس کے احکام

① عقیقہ کسے کہتے ہیں لغت میں عقیقہ کے معنی کاٹنے کے آتے ہیں، اسی سے والدین کی نافرمانی اور اور قطعِ تعلق کو عقوقِ والدین کہا جاتا ہے اور شاعر کہتا ہے:

بلاد بها عقّ الشباب تمائمی — وأول أرض مسّ جلدی ترابها

وہ شہر ایسا ہے کہ جہاں جوانی نے میرے (بچپن کے) تعویذوں کو کاٹ پھینکا — اور وہ پہلی سرزمین ہے جس کی مٹی میرے جسم پر لگی

شاعر کا مقصد یہ ہے کہ جب وہ نوجوان ہوگیا تو اس کے گلے سے وہ تعویذ کاٹ کر نکال دیئے گئے جو بچپن میں پہنائے جاتے ہیں۔

شریعت کی اصطلاح میں عقیقہ کے معنی ہیں: بچے کے پیدا ہونے کے ساتویں دن بچے کی طرف سے بکرے کا ذبح کرنا۔

② عقیقہ کے مشروع اور جائز ہونے کی دلیل عقیقہ کے مشروع و جائز اور مستحب و سنت ہونے کو ثابت کرنے والی بہت سی مشہور احادیث ہیں جن میں سے بعض پر ہم ذیل میں اکتفا کرتے ہیں:

امام بخاری رحمہ اللہ اپنی "صحیح" میں سلمان بن عامر ضبی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مع الغلام عقيقة فأهريقوا عنه دمًا، وأميطوا عنه الأذى))۔ — بچہ کے پیدا ہونے پر عقیقہ کرنا چاہیئے لہٰذا اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس بچہ سے گندگی وغیرہ کو دور کردو۔

اصحابِ سنن حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((كل غلام رهينة بعقيقته تذبح عنه يوم سابعه، ويسمى فيه، ويحلق رأسه))۔ — ہر بچہ اپنے عقیقہ کا مرہون ہے (یعنی عقیقہ ضرور کرنا چاہیئے) جو اس کی طرف سے اس کی پیدائش کے ساتویں دن ذبح کیا جائے اور اسی دن اس کا نام رکھا جائے گا اور سر مونڈا جائے گا۔

امام احمد و ترمذی رحمہما اللہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((عن الغلام شاتان مکافئتان، وعن الجاریة شاة)). — بچہ کی طرف سے دو برابر کے سے بکرے ذبح کیے جائیں گے اور بچی کی طرف سے ایک بکرا۔

اور امام احمد و ترمذی رحمہما اللہ ہی حضرت ام کرز کعبیہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((عن الغلام شاتان وعن الأنثی واحدة، ولا یضرکم ذکرانا کنّ أو إناثا)). — لڑکے کی طرف سے عقیقے میں دو بکرے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکرا ذبح کیا جائے گا اور عقیقہ کا جانور بکرا ہو یا بکری دونوں درست ہیں۔

امام ترمذی ونسائی وابن ماجہ رحمہم اللہ حضرت حسن رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیقہ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

((کل غلام مرتھن بعقیقتہ تذبح عنہ یوم سابعہ ویحلق رأسہ ویسمی)). — ہر بچہ اپنے عقیقہ کا مرہون ہوتا ہے جو اس کی پیدائش کے ساتویں روز ذبح کیا جائے گا اور اس کا سر مونڈا جائے گا اور نام رکھا جائے گا۔

۳) عقیقہ کے مشروع ہونے کے بارے میں فقہاء کرام کی رائے

عقیقہ کی مشروعیت کے بارے میں ائمہ مجتہدین اور فقہاء کرام کے تین مذہب ہیں:

(۱) **عقیقہ سنت و مستحب ہے**: یہ امام مالک، اہلِ مدینہ، امام شافعی، ان کے اصحاب، امام احمد و اسحاق وابو ثور اور فقہاء و مجتہدین واہلِ علم کی ایک بڑی جماعت کا مذہب ہے اور ان حضرات کا مستدل یہی احادیث ہیں جو ابھی ذکر کی گئیں، یہ حضرات ان حضرات کا جو واجب ہونے کے قائل ہیں چند طریقوں سے جواب دیتے ہیں:

الف۔ اگر عقیقہ واجب ہوتا تو دین کے احکام میں اس کا واجب ہونا کھلا ہوا ظاہر ہوتا۔ اس لئے کہ یہ عام چیز تھی اور تقریباً سب کو ہی پیش آتی تھی۔ اس لیے ایسی چیز اگر بالفرض واجب ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت کے سامنے اس کے وجوب کو کھلے ہوئے واضح الفاظ میں بیان فرما دیتے۔ تاکہ کسی کو کلام یا تاویل کی گنجائش نہ رہتی۔

ب۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں عقیقہ کا تذکرہ فرمایا ہے اس کو عقیقہ کرنے والے کے ارادہ پر معلق کر دیا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

«من ولد له ولد فأحبّ أن ينسك عنه، فليفعل». جس کے یہاں بچہ پیدا ہو اور وہ اس کی طرف سے عقیقہ کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ ایسا کرلے۔

ج۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل عقیقہ کے وجوب پر دلالت نہیں کرتا بلکہ اس سے عقیقہ کا مستحب ہونا معلوم ہوتا ہے۔

(۲) **عقیقہ لازم و واجب ہے**: یہ امام حسن بصری اور لیث بن سعد وغیرہ کا مذہب ہے اور ان حضرات کی دلیل وہ ہے جو حضرت بریدۃ رضی اللہ عنہ سے اسحاق بن راہویہ نے روایت کیا ہے کہ لوگوں کو قیامت میں عقیقہ کے بارے میں اسی طرح پیش کیا جائے گا جس طرح پانچوں نمازوں کے لیے پیشی ہوگی۔ اسی طرح یہ حضرات اس روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں جو حضرت حسن رحمہ اللہ حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«کل غلام مرتھن بعقیقته». ہر بچہ اپنے عقیقہ کا مرہون ہے۔

اور اس کا مطلب یہ ہے کہ بچہ اپنے والد کے لیے اس وقت تک سفارش نہ کرے گا جب تک کہ اس کی طرف سے عقیقہ نہ کیا جائے، اور اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عقیقہ واجب ہے۔

(۳) **عقیقہ مشروع و جائز ہی نہیں**: اور اس کے قائل فقہاءِ حنفیہ ہیں[۱] اور اس سلسلہ میں ان کی دلیل بیہقی کی وہ روایت ہے جسے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لا أحبّ العقوق». میں عقوق کو پسند نہیں کرتا۔

ان حضرات نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت حسن بن علی کی والدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان کی طرف سے دو بکرے ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

«لا تعقّی ولکن احلقی رأسه فتصدقی بوزنه من الورق» أی من الفضة. ثم ولد حسین فصنعت مثل ذلك. تم اس کی طرف سے عقیقہ نہ کرو بلکہ اس کا سر مونڈ کر بالوں کے برابر وزن کی چاندی صدقہ کرو۔ پھر حسین پیدا ہوئے تو ان کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا۔

لیکن اس کے علاوہ جو احادیث پہلے گزری ہیں ان سے عقیقہ کا مسنون و مستحب ہونا معلوم ہوتا ہے اور یہی

---

[۱] مؤلف کا فقہاءِ حنفیہ رحمہم اللہ کی طرف عقیقہ کے مشروع نہ ہونے کی نسبت کرنا صحیح نہیں ہے اس لیے کہ حنفیہ اس کے سنت مؤکدہ اور واجب ہونے کی نفی کرتے ہیں استحباب کے وہ بھی قائل ہیں جیسا کہ شامی (۶-۳۳۶)، وعمدۃ القاری (۹-۱۱۷)، واختلاف الفقہاء (۵-۸۹) وغیرہ کتب میں صراحۃً مذکور ہے۔ مختار

جمہور فقہاء، مجتہدین اور اہلِ علم کا مذہب ہے اور ان حضرات نے ان احادیث کا جن سے فقہاء حنفیہ نے عقیقہ کے غیر مشروع ہونے کو ثابت کیا ہے ان کا جواب یہ دیا ہے کہ جن احادیث سے فقہاء حنفیہ نے استدلال کیا ہے وہ وزنی نہیں ہیں اور ان کو عقیقہ کی مشروعیت سے انکار کرنے کے لیے دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔ اس لیے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو کی وہ حدیث جس میں یہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لا أحب العقوق)). — میں عقوق کو پسند نہیں کرتا۔

اس حدیث کا سیاق اور سببِ ورود یہ بتلاتا ہے کہ عقیقہ سنت و مستحب ہے اس لیے کہ الفاظِ حدیث اس طرح ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں عقوق کو پسند نہیں کرتا، تو گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیقہ کے نام کو ناپسند فرمایا یعنی آپ نے یہ اچھا نہ سمجھا کہ اس ذبح کو عقیقہ کہا جائے[1] چنانچہ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ہم تو آپ سے اس بارے میں دریافت کر رہے ہیں کہ اگر ہم میں سے کسی کے یہاں بچہ کی پیدائش ہو تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من احب منكم أن ينسك عن ولده فليفعل، عن الغلام شاتان مكافئتان وعن الجارية شاة)).

تم میں سے جو شخص اپنے بچہ کی طرف سے جانور ذبح کرنا چاہے تو کرلے۔ لڑکے کی طرف سے دو برابر کے بکرے اور لڑکی کی طرف ایک بکرا ہوگا۔

فقہاء حنفیہ کا حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے استدلال کرنا جس میں آتا ہے: اس کی طرف سے عقیقہ نہ کرو بلکہ اس کا سر مونڈ دو۔۔۔ اس حدیث سے عقیقہ کا مکروہ ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا تھا کہ اپنی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بجائے آپ خود عقیقہ کردیں، اس لیے آپ نے ان سے کہا کہ تم عقیقہ نہ کرو اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن و حسین کی طرف سے خود عقیقہ کر کے حضرت فاطمہ کو اس کی ذمہ داری اور خرچ سے بچالیا تھا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان دونوں کی طرف سے عقیقہ کیا تھا اس بارے میں احادیث کثرت سے آتی ہیں جن میں سے درج ذیل ہم ذکر کر رہے ہیں:

ابوداؤد رحمہ اللہ ایوب رحمہ اللہ سے وہ عکرمہ رحمہ اللہ سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے

---

[1] فقہاءِ کرام کی ایک جماعت نے اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ عقیقہ کے بجائے نسیکہ کا لفظ استعمال کیا جائے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیقہ کے لفظ کو پسند نہیں فرمایا۔ ان کے مقابلہ پر فقہاء کرام کی ایک دوسری جماعت کی رائے یہ ہے کہ لفظ عقیقہ کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے اور وہ بہت سی احادیث جن میں اس ذبیحہ کو عقیقہ سے تعبیر کیا گیا ان سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیقہ کہنا درست ہے دونوں آراء میں تطبیق اس طرح دی جائے گی کہ مسلمانوں کو اصل میں نسیکہ کا لفظ ہی استعمال کرنا چاہیے اور اگر کبھی کبھار وضاحت اور حکم کو بیان کرنے اور مراد و مطلوب ظاہر کرنے کے لیے لفظ عقیقہ استعمال کرلیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس طرح دونوں قسم کی احادیث میں تطبیق ہو جائے گی۔ اور ظاہری تعارض رفع ہو جائے گا۔

ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے ایک ایک مینڈھا عقیقہ میں ذبح کیا۔

جریر بن حازم رحمہ اللہ حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے دو مینڈھے عقیقہ کیے۔

اور یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ حضرت عمرۃ رضی اللہ عنہا سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے ساتویں دن عقیقہ کیا۔

لہٰذا خلاصہ یہ نکلا کہ جمہور ائمہ وفقہاء کے یہاں بچہ کا عقیقہ کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مندوبہ ہے۔ اور باپ اگر صاحبِ استطاعت ہے تو اس کو چاہیے کہ بچہ پیدا ہونے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت کو زندہ کرے تاکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر وثواب کا مستحق ہو۔ اور رشتہ داروں، قرابت داروں، پڑوسیوں اور دوستوں میں الفت ومحبت بڑھے اور معاشرتی رابطہ پروان چڑھے، جس کی صورت یہ عقیقہ ہوگا جس کی خوشی میں یہ حضرات شریک ہوں گے، اور ساتھ ہی باپ معاشرے کے افراد کی معاونت اور غرباء کے ہاتھ بٹانے میں بھی شریک ہوگا اور وہ اس طرح کہ اس عقیقہ کے گوشت میں سے کچھ حصہ حاجت مند فقراء وغرباء ومساکین میں تقسیم کرنے سے انکو بھی فائدہ اٹھانے کا موقعہ دے گا۔ سبحان اللہ اسلام کتنی عظیم الشان نعمتِ الٰہیہ ہے اور معاشرہ میں الفت ومحبت پیدا کرنے اور غریب ومسکین طبقات میں معاشرتی مساوات قائم کرنے کے سلسلہ میں اس کے بنیادی احکامات کتنے اعلیٰ وارفع ہیں۔

④ عقیقہ کا مستحب وقت

حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں جس میں آتا ہے کہ بچہ اپنے عقیقہ کا مرہون ہوتا ہے جو اس کی طرف سے ساتویں دن ذبح کیا جائے گا اور اس بچہ کا نام رکھا جائے گا۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیقہ کا مستحب وقت ساتواں دن ہے اور اس کی مزید تائید وتاکید اس حدیث سے ہوتی ہے جسے عبداللہ بن وہب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے ساتویں دن عقیقہ کیا اور ان کا نام رکھا اور یہ حکم دیا کہ ان کے سر کے بال اتار دیے جائیں، لیکن اس سلسلہ میں دوسرے اور اقوال بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ساتویں دن کی قید ضروری نہیں ہے بلکہ ساتویں دن عقیقہ مستحب ہے اور اگر کوئی چوتھے یا آٹھویں یا دسویں یا اس کے بعد عقیقہ کر دے تو عقیقہ ہو جائے گا؛ ذیل میں مشہور اقوال پیش کیے جاتے ہیں:

- میمونی فرماتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ سے پوچھا: بچہ کا عقیقہ کس دن کیا جائے گا؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ساتویں یا چودھویں یا اکیسویں دن کیا جائے گا۔
- صالح بن احمد فرماتے ہیں کہ میرے والد عقیقہ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ ساتویں دن ذبح کیا جائے گا۔ اگر

ساتویں دن نہ کرسکیں تو پھر چودھویں دن اور اس دن بھی نہ کرسکیں تو پھر اکیسویں دن عقیقہ کیا جائے گا۔

- امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بظاہر ساتویں دن کے ساتھ عقیقہ کو مقید کرنا استحباباً ہے ورنہ اگر چوتھے یا آٹھویں یا دسویں دن یا اس کے بعد بھی کیا جائے تو عقیقہ درست ہو جائے گا۔ ان اقوال کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ اگر والدیا لڑکے کے متعلقین ساتویں دن عقیقہ کرسکیں تو زیادہ افضل ہے۔ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ساتویں دن کیا تھا اور اگر ساتویں روز نہ کرسکیں تو پھر جس دن چاہیں عقیقہ کردیں۔ جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ اس لیے کہ عقیقہ کے مسائل میں وسعت ہے، اور عقیقہ کے جانور کے ذبح کرنے میں آسانی رکھی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ آسانی دینا چاہتے ہیں تنگی میں ڈالنا نہیں چاہتے، دین میں کوئی سختی نہیں کی گئی ہے۔

⑤ کیا لڑکے کا عقیقہ لڑکی کی طرح کیا جائے گا؟

ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں کہ جمہور اہلِ علم اور فقہاء، مجتہدین کی رائے یہ ہے کہ عقیقہ ایسی سنتِ رسول ہے جو کہ مستحب ہے اور یہ عقیقہ لڑکے اور لڑکی دونوں کی طرف سے برابر کی سنتِ مستحبہ ہے۔ چنانچہ وہ حدیث جسے امام احمد وترمذی رحمہما اللہ حضرت ام کرز کعبیہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لڑکے کی طرف سے دو بکرے کیے جائیں گے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکرا۔ اور وہ حدیث جسے ابن ابی شیبۃ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ ہم لڑکے کی طرف سے عقیقہ میں دو بکرے ذبح کریں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکرا۔ اور اس کے علاوہ دوسری وہ احادیث جن کا تذکرہ عقیقہ کی مشروعیت کی دلیلوں کے ذیل ہو چکا ہے۔

لہٰذا مجموعی طور سے ان احادیث سے دو بنیادی باتیں ثابت ہوتی ہیں:

(۱) لڑکے اور لڑکی دونوں کی طرف سے عقیقہ مشروع و ثابت ہے۔

(۲) دونوں میں فرق یہ ہے کہ لڑکے کی طرف سے دو اور لڑکی کی طرف سے ایک بکرا کیا جائے گا۔

احادیث کے ظاہری الفاظ سے لڑکے اور لڑکی کے عقیقہ میں یہی فرق معلوم ہوتا ہے۔ اور یہی مذہب حضرت ابن عباس و عائشہ رضی اللہ عنہما اور اہلِ علم و اہلِ حدیث کی ایک جماعت کا ہے اور امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ لڑکے کے عقیقہ میں بھی ایک بکرا ذبح کیا جائے جیسا کہ لڑکی کے عقیقہ میں ہوتا ہے چنانچہ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ لڑکے اور لڑکی کے عقیقہ میں کتنے جانور ذبح کئے جائیں گے؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا: لڑکے کی طرف سے ایک بکرا ذبح کیا جائے گا اور اور لڑکی کی طرف سے بھی ایک بکرا ذبح کیا جائے گا اور امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے مذہب کی دلیل میں درج ذیل احادیث پیش کی ہیں:

امام ابوداؤد رحمہ اللہ اپنی "سنن" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے ایک مینڈھا عقیقہ میں ذبح کیا۔ اور جعفر بن محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حسن وحسین کی طرف سے ایک ایک مینڈھا عقیقہ میں ذبح کیا تھا۔ اور امام مالک رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنی اولاد کی طرف سے خواہ لڑکا ہو یا لڑکی عقیقہ میں ایک ایک بکرا ذبح کیا کرتے تھے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ جس کے پاس گنجائش ہو اور اللہ نے مال دیا ہو تو وہ لڑکے کی طرف سے دو بکرے کرے اور لڑکی کیطرف سے ایک، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان دونوں میں فرق ثابت ہے۔ اور لڑکے کے لیے دو بکرے مذکور ہیں، لیکن جس کے حالات اس کی اجازت نہ دیتے ہوں کہ وہ دو کر سکے تو وہ لڑکا ہو یا لڑکی دونوں کی طرف سے ایک بکرا بھی کر سکتا ہے۔ اور اس کو اس صورت میں بھی پورا اجر وثواب ملے گا اور وہ سنت پر عمل کرنے والا کہلائے گا۔ واللہ اعلم۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب: ہو سکتا ہے کوئی یہ اعتراض کرے کہ اسلام نے عقیقہ کے سلسلہ میں لڑکے اور لڑکی میں یہ فرق کیوں کیا ہے؟ اور لڑکے کے لیے عقیقہ میں دو بکرے کیوں مقرر کیے ہیں یہ تو لڑکے کو لڑکی پر ترجیح دینے کے مرادف ہوا؟

اس اعتراض کا جواب مختلف طریقوں سے دیا گیا ہے،

(۱) مسلمان اللہ تعالیٰ کے ہر حکم پر لبیک کہتا ہے اور جس بات سے اسے روکا جائے وہ اس سے رک جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

«فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا».

(النساء - ۶۵)

سو قسم ہے آپ کے رب کی وہ اس وقت تک مومن نہ ہوں گے جب تک کہ آپ کو ہی منصف نہ جانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے پھر نہ پائیں اپنے جی میں تنگی آپ کے فیصلہ سے اور قبول کریں خوشی سے۔

اور چونکہ عقیقہ کے سلسلہ میں لڑکے اور لڑکی کے درمیان فرق اور لڑکے کے لیے دو بکرے کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اس لیے مسلمان کا کام یہ ہے کہ اس کو تسلیم کر کے اس پر بلا چون وچرا عمل کرے۔

(۲) لڑکے کی طرف سے دو بکرے کرنے کے حکم میں یہ حکمت بھی ہو سکتی ہے کہ یہ بتلانا مقصود ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر فضیلت عطا فرمائی ہے جس کا سبب وہ جسمانی قوتیں اور ذمہ داریاں اور دیکھ بھال کا بوجھ ہے جو اللہ تعالیٰ نے مرد پر ڈالا ہے۔ اور وہ خصوصیات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مرد کو عطا فرمائی ہیں مثلاً سنجیدگی ووقار اور توازن اور جذبات پر کنٹرول، اور اللہ جل جلالہ نے اپنے اس فرمان میں بالکل بجا ارشاد فرمایا ہے:

«اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ». (النساء۔۳۴)

مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔ اس واسطے کہ اللہ نے بڑائی دی بعض کو بعض پر اور اس واسطے کہ انہوں نے اپنے مال خرچ کیے۔

(۳) بچے کے عقیقہ پر لوگوں کو جمع کر کے اُلفت و محبت کا بیج بونا اور اس کی آبیاری کرنا اور ساتھ ہی غریب و مسکین طبقات اور فقیر خاندانوں کے ساتھ تعاون و امداد کا بھی ایک ذریعہ ہے۔

⑥ عقیقہ کے جانور کی ہڈیوں کا نہ توڑنا

بچہ کے عقیقہ میں جن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے ان میں سے یہ بھی ہے کہ جانور کی ہڈیاں نہیں توڑنا چاہیے چاہے ذبح و گوشت بناتے وقت ہو یا کھاتے وقت، بلکہ ہر ہڈی کو توڑے بغیر اس کے جوڑ سے کاٹنا چاہیے۔ اس لیے کہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ جعفر بن محمد سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جو عقیقہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے حضرت حسن و حسین کی طرف سے کیا تھا اس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دائی کے پاس اس کی ایک ران بھیج دو۔ اور خود کھاؤ اور کھلاؤ لیکن اس کی ہڈی نہ توڑنا، اور ابن جریج حضرت عطاء سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ اعضاء کو الگ الگ کر دیا جائے گا لیکن ہڈی کو توڑا نہیں جائے گا، اور اسی طرح ابن منذر عطاء سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔

ہڈیوں کے نہ توڑنے میں دو حکمتیں معلوم ہوتی ہیں،

۱۔ فقراء اور پڑوسیوں کے سامنے اس عقیقہ اور اس گوشت کے مرتبہ اور حیثیت کو ظاہر کرنا جس کیلئے یہ پسند کیا گیا کہ اس کے بڑے بڑے ٹکڑے پیش کئے جائیں اور ان کی ہڈی کو نہ توڑا جائے نہ اعضاء کو بیچ سے جدا جدا کیا جائے، اور ظاہر بات ہے کہ جن لوگوں کو یہ گوشت ہدیہ کیا جا رہا ہے ایسا کرنا ان لوگوں پر گہرا اثر ڈالے گا اور جود و کرم کا ان پر بڑا اثر چھوڑے گا۔

۲۔ بچہ کے اعضاء کی سلامتی اور صحت و قوت کی نیک فالی لینے کے لیے، اس لیے کہ عقیقہ گویا بچہ کے فدیہ کے قائم مقام ہے۔ واللہ اعلم۔

⑦ عقیقہ سے متعلق دیگر عمومی احکام

عقیقہ سے متعلق کچھ اور احکام بھی ہیں جن کو ملحوظِ خاطر رکھنا اور ان پر عمل کرنا چاہیے اور وہ اس ترتیب سے ہیں:

الف:۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ عقیقہ میں وہ جانور جائز نہیں ہے جو قربانی میں جائز نہیں ہے۔ اور جو جانور قربانی میں جائز ہیں[1] وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ بکرا، بھیڑ، دنبہ ایک سال کا ہونا چاہیے یعنی جو ایک سال پورا کر کے دوسرے سال میں لگ گیا ہو، البتہ اگر چھ مہینے

---

[1] قربانی کے سلسلہ میں مذکورہ احکام امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فقہ کے مطابق ہیں۔

کا دنبہ موٹا تازہ ہو اور سال بھر کے برابر معلوم ہوتا ہو۔ اس طرح کہ اگر اسے سال بھر کے دُنبوں کیساتھ ملا دیا جائے تو اس میں ا
ان میں فرق معلوم نہ ہو تو ایسے چھ ماہ کے۔ دنبے کی قربانی اور عقیقہ درست ہے۔ لیکن بکرا بکری جب تک ایک سا
کے ہو کر دوسرے سال میں داخل نہ ہو گئے ہوں ان کی قربانی وعقیقہ کسی صورت میں درست نہیں ہے۔

۲۔ قربانی کا جانور عیوب سے مبرا اور سالم ہونا چاہیے۔ لہٰذا اندھے، بھینگے ایسے لاغر جانور جن کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو ایسے لنگڑے جانور جو قربان گاہ تک خود چل کر نہ جاسکیں کی قربانی درست نہیں۔ ایسے ہی اس جانور کی قربانی بھی درست نہیں جس کا کان یا دُم یا چکتی کا دو تہائی سے زیادہ حصہ کٹا ہوا ہو، ایسے ہی وہ جانور جس کے اکثر دانت ٹوٹے ہوئے ہوں۔ جس کے پیدائشی کان نہ ہوں یا ایسا دیوانہ ہو جو دیوانگی کی وجہ سے کھاتا پیتا نہ ہو۔ اس کے علاوہ دیگر چھوٹے موٹے عیوب قربانی سے مانع نہیں ہیں مثلاً یہ کہ کان کا پھٹا ہوا ہونا یا سینگ ٹوٹا ہوا ہونا یا ایسا لنگڑا ہونا جس کے ساتھ چل سکتا ہو مثلاً تین پاؤں سے چلتا ہو لیکن چوتھا پاؤں سہارے کے لیے رکھتا ہو۔ یا ایسا دیوانہ ہو کہ کھانے پینے کا ہوش ہو۔ یا یہ کہ کچھ دانت گر گئے ہوں لیکن اکثر باقی ہوں، یا یہ کہ کان یا دم یا چکتی کا ایک تہائی یا اس سے کم کٹا ہوا ہو اور دو تہائی باقی ہو تو ان تمام صورتوں میں قربانی درست ہے۔

۳۔ گائے بھینس کی قربانی اس وقت تک درست نہیں جب تک کہ وہ دو سال پورے کر کے تیسرے سال میں داخل نہ ہو چکی ہو۔ اور اونٹ کی قربانی اس وقت تک درست نہیں جبتک کہ پانچ سال پورے کر کے چھٹے سال میں داخل نہ ہو چکا ہو۔

ب :۔ عقیقہ میں شرکت جائز نہیں ہے[۱]۔ مثلاً یہ کہ سات آدمی ایک اونٹ یا گائے میں شریک ہو جائیں اس لیے کہ اگر اس میں شرکت ہو تو بچے کی طرف سے جو خون بہانا مقصد ہے وہ حاصل نہ ہو گا اور اس طرح یہ جانور بچہ کی طرف سے فدیہ نہ بنے گا۔

ج :۔ یہ درست ہے کہ بکرے کے بجائے اونٹ یا گائے کر دی جائے بشرطیکہ گائے یا اونٹ ایک بچے کی طرف سے ہی ہو۔ اس لیے کہ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنے بچہ کا عقیقہ اونٹ سے کرتے تھے اور حضرت ابو بکرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کا عقیقہ اونٹ سے کیا اور اس سے اہلِ بصرہ کی دعوت کی۔

بعض اہلِ علم یہ کہتے ہیں کہ عقیقہ صرف بکرے سے ادا ہو گا اس لیے کہ احادیث میں اسی کا ذکر ہے گائے وغیرہ کا

---

[۱] حنفیہ کے یہاں اگر ثواب اور قربت کی نیت ہو تو ایک جانور میں شرکت ہو سکتی ہے، جیسے کسی کی نیت قربانی کی ہو اور کسی کی عقیقہ کی۔ اسی طرح ایک گائے یا اونٹ میں سات بچوں کے عقیقے بھی ہو سکتے ہیں تفصیل کے لیے شامی (۵ ــ ۲۲۹) وغیرہ کا مطالعہ کیا جائے۔ مختار

نہیں لیکن جو حضرات اونٹ اور گائے سے عقیقہ کو درست قرار دیتے ہیں وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں.
جسے ابن المنذر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مع الغلام عقیقة فأھریقوا عنه دمًا)). — بچہ کی پیدائش پر عقیقہ کرنا چاہیے لہذا اس کی طرف سے خون بہاؤ.

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مخصوص جانور کے خون بہانے کا تذکرہ نہیں کیا ہے لہذا اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بچہ کی طرف سے عقیقہ میں جو جانور بھی ذبح کیا جائے عقیقہ ہو جائے گا چاہے وہ جانور بکرا بکری ہو یا گائے یا اونٹ ۔

د :- جو حکم قربانی کے گوشت کا ہے وہی عقیقہ کے گوشت کا بھی ہے. لہذا اس کو کھانا اس سے صدقہ کرنا، ہدیہ کرنا سب درست ہے البتہ عقیقہ میں یہ بھی مستحب ہے کہ اس کے گوشت کا کچھ حصہ دائی کو بھی دیا جائے تاکہ وہ بھی خوشی میں شریک ہو جائے، اس لیے کہ امام بیہقی رحمہ اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا تھا کہ:

((زنی شعر الحسین وتصدقی بوزنه فضة وأعطی القابلة رجل العقیقة)). — حسین کے سر کے بالوں کا وزن کرکے ان کے برابر چاندی صدقہ کردو اور دائی کو عقیقہ کے جانور کی ران دیدینا۔

جو شخص عقیقہ کی خوشی میں لوگوں کی دعوت کرنا اور اس کا گوشت پکا کر کھلانا چاہے تو یہ بھی درست ہے اور بہت سے فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے اور اس کا گوشت صدقہ کرنا اور دوستوں وعزیزوں کو ہدیۃً بھیجنا اور دائی کو بھی اس کا کچھ حصہ بھیجنا چاہیے یہ چیزیں امتِ مسلمہ میں اتحاد پیدا کرنے اور آپس میں محبت بڑھانے کا سبب بنتی ہیں. اور اسلام یہ چاہتا ہے کہ امتِ مسلمہ میں اتحاد بڑھے اور وہ ہمیشہ ایک ایسی مضبوط عمارت کی طرح رہے جس کا بعض حصہ بعض کو مضبوط کرتا ہے اور سہارا دیتا ہے۔

ھ :- مستحب یہ ہے کہ عقیقہ بچہ کے نام سے کیا جائے : اس لیے کہ ابن المنذر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

((اذبحوا علی اسمه فقولوا بسم الله اللھم لك وإلیك ھذه عقیقة فلان)). — مولود بچے کے نام سے عقیقہ کا جانور ذبح کرو لہذا یوں کہو: اللہ کے نام سے ذبح کرتا ہوں اے اللہ آپ ہی کے لئے اور آپ ہی کی طرف یہ لوٹ کر جائے گا. (اے اللہ) یہ فلاں کی طرف سے عقیقہ ہے۔

اگر ذبح کرنیوالے نے ذبح کے وقت بچہ کا نام نہ لیا صرف عقیقہ کی نیت کی تب بھی عقیقہ درست

ہوگا اور عقیقہ کا مقصد حاصل ہو جائے گا۔

⑧ عقیقہ کے مشروع ہونے کی حکمت

عقیقہ کی بعض حکمتیں اور فائدے یہ ہیں:

★ بچے کے عالم وجود میں آتے ہی بچے کی طرف سے اللہ کے تقرب کو حاصل کرنے کے لیے فدیہ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

★ بچہ کو مصائب و آفات سے بچانے کے لیے ایک قسم کا فدیہ ہے جیسے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ میں اللہ تعالیٰ نے جانور ذبح کے لیے عطا فرمایا تھا۔

★ بچہ کے والدین کے لیے شفاعت کرنے کا ذریعہ ہے۔

★ شریعتِ اسلام کے ایک جزء کو قائم کر کے خوشی اور سرور کے اظہار کا ذریعہ ہے کہ اللہ نے ایک مؤمن فرد کو وجود بخشا جس کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت میں اپنی امت کی کثرت پر فخر فرمائیں گے۔

★ قوم اور معاشرہ کے افراد میں الفت و محبت کے روابط کو مضبوط کرنے کا ذریعہ ہے۔ کہ سب لوگ بچہ کی پیدائش کی خوشی میں عقیقہ کے کھانے پر جمع ہوں گے۔

★ نومولود کی وجہ سے قوم کے افراد کے لئے آمدنی کی نئی مد کا اضافہ جو امت و قوم میں معاشرتی عدل و انصاف کے بنیادی اصولوں کو مستحکم کرتا ہے اور معاشرہ سے فقر و فاقہ اور مسکنت کے آثار کو مٹانے کا کام دے گا۔ اور اس کے علاوہ اور بہت سے دوسرے فائدے بھی ہیں۔

اسی مناسبت سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قراءِ کرام کے سامنے ——— ان کھانوں کی فہرست پیش کر دی جائے جنہیں اسلام نے خوشی کے مختلف موقعوں اور مختلف مناسبات میں جائز قرار دیا ہے:

۱۔ القریٰ: مہمانوں کی آمد پر خاطر مدارات۔
۲۔ التحفۃ: ملاقات کے لیے آنیوالے کو کھانا کھلانا۔
۳۔ الخرس: بچہ کے پیدا ہونے پر کھانا کھلانا۔
۴۔ المأدبۃ: دعوت کا کھانا۔
۵۔ الولیمۃ: شادی پر لڑکے کی طرف سے دعوت۔
۶۔ العقیقۃ: بچہ کے پیدا ہونیکے ساتویں دن عقیقہ کا کھانا کھلانا۔
۷۔ العذیرۃ: ختنہ کے دن کھانا کھلانا۔
۸۔ الوضیمۃ: کسی کے یہاں انتقال ہو تو اس پر ان کو کھانا بھیجنا۔
۹۔ النقیعۃ: سفر سے آنے کی خوشی میں کھانا کھلانا۔
۱۰۔ الوکیرۃ: عمارت مکمل کرنے کی خوشی میں کھانا کھلانا۔

چوتھی بحث

بچّہ کا ختنہ اور اس کے احکام

① ختنہ کے لغوی اور اصطلاحی معنی

لغت میں ختنہ کے معنی اس کھال کے کاٹنے کے ہیں جو آلۂ تناسل کے سر پر ہوتی ہے۔

اور شریعت کی اصطلاح میں اس گول حصّے اور کنارے کو کہتے ہیں جو سپاری کے اوپر ہوتا ہے یعنی وہ حصہ جو آلۂ تناسل سے کاٹے جانے کے مقام پر ہوتا ہے۔ اسی پر شرعی احکام مرتب ہوتے ہیں. جیسے کہ امام احمد و ترمذی ونسائی رحمہم اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ:

((إذا التقى الختانان فقد وجب الغسل)).

جب دونوں ختنے کی جگہیں مل جائیں (یعنی مرد کی سپاری عورت کے فرج میں چلی جائے) تو غسل واجب ہوگیا۔

اور طبرانی کی روایت میں آتا ہے کہ جب ختنے کی جگہیں مل جائیں اور سپاری (عورت کے فرج میں) چھپ جائے تو چاہے انزال ہو یا نہ ہو غسل واجب ہو جاتا ہے۔

② ختنہ کے مشروع ہونے پر دلالت کرنے والی احادیث

جو احادیث ختنہ کے مشروع اور جائز ہونے پر دلالت کرتی ہیں وہ بہت ہیں جن میں سے ہم درج ذیل پر اکتفا کرتے ہیں:

امام احمد اپنی کتاب "مسند" میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من الفطرة[1]، المضمضة، والاستنشاق، وقص الشارب، والسواك، وتقليم الأظافر، ونتف الإبط، والاستحداد[2]، والاختتان)).

فطرت سلیمہ میں سے یہ چیزیں ہیں: کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، مونچھوں کا کاٹنا، مسواک کرنا، ناخن کاٹنا، بغل کے بال اکھاڑنا، زیر ناف کے بال مونڈنا، اور ختنہ کرنا۔

---

[1] فطرت دو طرح کی ہے ایک وہ فطرتِ ایمانی جس کا تعلق دل سے ہے اور وہ اللہ کی معرفت اور خدا پر ایمان لانے کا نام ہے۔ اور دوسری فطرتِ عملی ہے جو ان مذکورہ بالا باتوں کا نام ہے جن کا تذکرہ اس حدیث میں آیا ہے، فطرتِ ایمانی روح کا تزکیہ کرتی ہے اور دل کو پاک صاف کرتی ہے، اور فطرتِ عملی بدن کو پاک اور ظاہر کو آراستہ کرتی ہے اس لئے ختنہ فطرتِ بدنی کی اساس ہے۔ [2] استحداد کے معنی ہیں ان بالوں کا مونڈنا جو شرمگاہ کے ارد گرد نکل آتے ہیں۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((الفطرة خمس: الختان، والاستحداد، وقص الشارب وتقليم الأظافر، ونتف الإبط)). — پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں: ختنہ کرنا، زیر ناف کے بال مونڈنا، مونچھیں کاٹنا، ناخن کاٹنا، اور بغل کے بال اکھاڑنا۔

③ ختنہ واجب ہے یا سُنّت؟

ختنہ کے بارے میں فقہاء کرام رحمہم اللہ کا اختلاف ہے کہ ختنہ واجب ہے یا سُنّت؟

ختنہ کے سنّت ہونے کے قائل امام حسن بصری امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ اور بعض حنابلہ ہیں اور ان کی دلیل وہ روایت ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((الختان سنة للرجال ومكرمة للنساء)). — ختنہ مردوں کے لیے سنت ہے اور عورتوں کے لیے خوبی اور لذت کا موجب ہے۔

اسی طرح یہ حضرات اس سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں ختنہ کا ذکر دیگر مسنون چیزوں کے ساتھ کیا ہے مثلاً ناخن کاٹنا بغل کے بال اکھاڑنا وغیرہ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ختنہ واجب نہیں بلکہ سنّت ہے۔

یہ حضرات دلیل میں یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ امام حسن بصری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بہت سے حضرات اسلام لائے جن میں کالے گورے۔ رومی فارسی اور حبشی سب ہی تھے لیکن آپ نے ان میں سے کسی کے بارے میں تحقیق نہ کی، اگر بالفرض ختنہ واجب ہوتا تو آپ ان کے مسلمان ہونے کا اس وقت تک اعتبار نہ کرتے جب تک ان کا ختنہ نہ ہوجاتا۔

جو حضرات ختنہ کے واجب ہونے کے قائل ہیں ان میں شعبی، ربیعہ، اوزاعی، یحییٰ بن سعید انصاری، مالک، شافعی، احمد رحمہم اللہ ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ نے تو ختنہ کے بارے میں اتنی تشدید کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جس کا ختنہ نہ ہوا ہو اس کی امامت بھی درست نہیں اور نہ اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔ یہ حضرات وجوبِ ختنہ پر بہت سی احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں سے ہم درج ذیل پر اکتفا کرتے ہیں:

الف ۔ امام احمد وابوداؤد عثیم بن کلیب سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے والد سے اور وہ اپنے والد سے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا میں اسلام لے آیا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((ألق عنك شعر الكفر واختتن)). — تم اپنے حالتِ کفر کے سر کے بال مونڈ دو اور ختنہ کرواؤ۔

ب ۔ حرب اپنے مسائل میں زہری سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من أسلم فليختتن وإن كان كبيرًا)). جو اسلام لائے اس کو چاہیئے کہ ختنہ کرے چاہے وہ بڑا کیوں نہ ہو۔

یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن پھر بھی اس کو شاہد کے طور پر دوسری قوی احادیث کی تقویت کے لیے پیش کیا جا سکتا ہے۔

ج ۔ وکیع سالم سے اور وہ عمرو بن ہرم سے وہ جابر سے وہ یزید سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ غیر مختون شخص کی نماز قبول نہیں ہوتی اور نہ اس کا ذبح کیا ہوا جانور کھایا جائے گا۔

د ۔ بیہقی موسیٰ بن اسمٰعیل سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کے دستے میں صحیفہ میں یہ لکھا ہوا پایا کہ غیر مختون کو حالت اسلام میں اس وقت تک نہیں چھوڑا جائے گا جب تک کہ ختنہ نہ کرے۔

ہ ۔ علامہ خطابی لکھتے ہیں کہ: ختنہ اگرچہ سنتوں کے ذیل میں مذکور ہے لیکن بہت سے علماء اس کے واجب ہونے کے قائل ہیں۔ اس لئے کہ ختنہ دین کا شعار ہے اور اسی کے ذریعہ مسلم و کافر میں فرق ہوتا ہے اور اگر کوئی مختون شخص غیر مختون مقتول لوگوں کے درمیان پایا جائے تو اس کا جنازہ بھی پڑھا جائے گا اور اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دیا جائے گا۔

و ۔ جو فقہاء کرام ختنہ کے وجوب کے قائل ہیں وہ اس کی علت یہ بتلاتے ہیں کہ غیر مختون شخص کی طہارت اور نماز فاسد ہونے کا نشانہ بنی رہتی ہے۔ اس لیے کہ عضو تناسل کی اوپر کی کھال پورے عضو کو چھپا لیتی ہے اور اس کھال میں پیشاب ہوگا لیکن اس کو صاف نہ کیا جا سکے گا۔ اس لیے معلوم ہوا کہ طہارت اور نماز کی درستگی ختنہ پر موقوف ہے۔ اسی وجہ سے بہت سے متقدمین و متأخرین نے غیر مختون شخص کی امامت سے روکا ہے، رہی خود اس کی اپنی نماز تو وہ اس معذور شخص کے حکم میں ہوگا جس کو پیشاب کے قطرے آنے کا مرض ہو۔

ز ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((ثُمَّ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرٰهِيمَ حَنِيفًا)). (النحل - ۱۲۳) پھر ہم نے آپ کے پاس حکم بھیجا کہ چلیے دین ابراہیم پر جو ایک طرف کا تھا۔

معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام امت کو ملت ابراہیمی کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے، اور ختنہ کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت سے ہے۔ اور اسکی دلیل وہ روایت ہے جسے امام بخاری و مسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی سال کی عمر میں ختنہ کیا، ایک روایت میں آتا ہے کہ وہ (یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام) پہلے

وہ شخص تھے جس نے میزبانی کی، اور پہلے وہ شخص تھے جس نے پائجامہ پہنا، اور پہلے وہ شخص تھے جس نے ختنہ کیا۔ اور ان کے بعد ختنہ کا رواج تمام رسولوں اور انکے پیروکاروں میں جاری رہا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔

چنانچہ ترمذی اور امام احمد رحمہما اللہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((أربع من سنن المرسلين: الختان[1] والتعطر والسواك والنكاح)). چار چیزیں رسولوں کی سنت میں سے ہیں: ختنہ کرنا، خوشبو لگانا، مسواک کرنا اور نکاح۔

یہ وہ احادیث ہیں جن سے ختنہ کے واجب ہونے پر استدلال کیا گیا ہے، اور جو حضرات ختنہ کے سنّت ہونے کے قائل ہیں یہ حضرات ان کی دلیلوں کا جواب اس طرح دیتے ہیں:

● جس حدیث سے ختنہ کے سنّت ہونے پر استدلال کیا گیا ہے یعنی وہ حدیث جس میں آتا ہے کہ ختنہ مردوں کے لیے سنت ہے اور عورتوں کے لیے باعث کرامت و موجب لذت ہے اس کے بارے میں علماء حدیث فرماتے ہیں کہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہے، اور جیساکہ فقہاء کے یہاں معروف ہے کہ حدیث ضعیف سے شرعی احکام کے استنباط کے لیے استدلال نہیں کیا جا سکتا، اور اگر بالفرض اس کو صحیح مان بھی لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ختنہ کی سنّت ڈالی اور اس کا حکم دیا۔ لہٰذا وہ واجب ہوگیا اس لیے کہ سنّت کے معنی طریقے کے ہیں. کہا جاتا ہے اس کے لیے میں نے یہ طریقہ نکالا، لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ختنہ مردوں کے لیے سنت ہے یعنی مشروع ہے۔

● رہا یہ کہنا کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ختنہ کو دوسری مسنون چیزوں کیساتھ ذکر کیا ہے جیسے کہ ناخن کاٹنا وغیرہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی اور مسنون چیزوں کی طرح سنت ہے تو یہ استدلال درست نہیں ہے اس لیے کہ اس حدیث میں جو چیزیں مذکور ہیں ان میں سے بعض واجب بھی ہیں جیسے کہ غسل میں کلی کرنا، اور ناک میں پانی ڈالنا، اور ان میں سے بعض مستحب ہیں جیسے کہ مسواک کرنا، رہا ناخن کاٹنا تو یہ اگرچہ سنت ہے لیکن یہ بھی بعض اوقات طہارت کی درستگی اور جواز کے لیے واجب ہوجاتا ہے اور وہ اس صورت میں جب کہ ناخن لمبے ہوں اور ان کے اندر میل جم گیا ہو۔ لہٰذا معلوم یہ ہوا کہ جس حدیث سے یہ حضرات ختنہ کے سنّت ہونے پر استدلال کرتے ہیں اس میں واجب اور مستحب چیزیں بھی مذکور ہیں۔

---

[1] بعض نسخوں میں بجائے ختان کے، حیاء یا حناء (یعنی مہندی لگانا) کا لفظ وارد ہوا ہے۔ اور یہ دونوں غلط ہیں تصحیف ہوئی ہے جیسا کہ ابو الحجاج مزی کہتے ہیں۔ محاملی نے امام ترمذی کے شیخ سے جو حدیث روایت کی ہے اس میں لفظ ختان ہی آتا ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب "تحفۃ المودود" (ص: ۹۳) جس میں اس پر کافی وشافی لکھا گیا ہے۔

● رہا ان حضرات کا حضرت حسن بصری کے اس قول سے استدلال کرنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بہت سے لوگ اسلام لائے لیکن آپ نے ان میں سے کسی کے بارے میں یہ تفتیش وتحقیق نہ کی کہ ختنہ کیا ہوا ہے یا نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ تفتیش کی ضرورت اس لیے محسوس نہ کی کہ ان میں ختنہ کا رواج تھا، اس لیے کہ عربوں کے یہاں ختنہ کیا کرتے تھے اور یہودی بھی ختنہ کرتے تھے، البتہ عیسائیوں میں دو فرقے تھے ایک فرقہ ختنہ کرتا تھا اور ایک فرقہ ختنہ نہ کرتا تھا، اور اسلام قبول کرنے والے تمام افراد چاہے عربوں میں سے ہوں یا یہود ونصاریٰ میں سے، سب یہ جانتے تھے کہ ختنہ اسلامی شعار ہے۔ لہٰذا وہ اسلام لاتے ہی ختنہ کروا لیا کرتے تھے جیسے کہ اسلام لاتے ہی غسل کیا کرتے تھے۔ (ملاحظہ ہو کتاب تحفۃ المودود ص ۱۰۴)۔

ابن قیم کا یہ فرمان کہ وہ لوگ اسلام لاتے ہی ختنہ کر لیا کرتے تھے جیسے کہ فوراً ہی غسل کرتے تھے۔ اس کی تائید عثیم بن کلیب رحمہ اللہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے جو پہلے ذکر ہو چکی ہے کہ ان کے دادا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں اسلام لا چکا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنے سر سے حالتِ کفر کے بال دُور کر دو اور ختنہ کر لو، اسی طرح حضرت زہری رحمہ اللہ والی وہ حدیث جو پہلے گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اسلام قبول کر لے تو اسے چاہیے کہ ختنہ کرے خواہ عمر رسیدہ کیوں نہ ہو۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اس بات کی جانب اُمت کی رہنمائی کیا کرتے تھے جس میں امت کے لیے خیر وبھلائی ہو اور جو اس کو دُوسری امتوں سے ممتاز کر دے لیکن آپ بحث وتفتیش وتحقیق کے مامور نہ تھے اور آپ کا طریقۂ کار یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام قبول کرنے والوں کے ظاہر کو قبول کر لیا کرتے تھے اور ان کے باطن کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا کرتے تھے۔

لہٰذا خلاصہ یہ نکلا کہ ختنہ کرنا فطرتِ سلیمہ کی بنیاد اور اسلام کا شعار اور شریعتِ اسلامیہ کا عنوان ہے اور مردوں کے لیے ختنہ کرانا واجب ہے اور جو شخص اسلام لانے کے بعد فوری ختنہ نہ کرائے اور بالغ ہونے سے پہلے اس کام کو نہ کروا لے تو وہ گناہگار اور معصیت کا مرتکب ہوگا اور حرام اور گناہ میں گرفتار رہے گا۔ اسلیے کہ ختنہ اسلام کے شعائر میں سے ہے۔ اس کے ذریعہ مومن کافر سے ممتاز ہوتا ہے اور ختنہ کی وجہ سے انسان کی صحت اچھی رہتی ہے اور بہت سے مہلک امراض سے بچ جاتا ہے، ختنہ کی حکمت اور اس کے عظیم الشان فوائد کا تذکرہ ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ صفحات میں آئے گا۔

④ کیا عورتوں کے لیے بھی ختنہ ضروری ہے؟

فقہاء کرام اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ کا اس پر اجماع ہے کہ عورتوں کے لیے ختنہ واجب نہیں ہے

بلکہ مستحب ہے البتہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے ایک روایت ہے کہ ختنہ عورتوں اور مردوں دونوں کے لیے واجب ہے اور ان سے دوسری یہ روایت مروی ہے کہ ختنہ مردوں پر واجب ہے عورتوں پر نہیں۔ اور یہ دوسری روایت دوسرے ائمہ مجتہدین اور بڑے بڑے ائمہ رحمہم اللہ کے اجماع کے مطابق ہے کہ عورتوں کے لیے ختنہ واجب نہیں بلکہ مستحب ہے، اور یہ دوسری روایت امت کے تعامل کے مطابق ہے اور یہ سلسلہ امت میں نسل در نسل متوارث چلا آرہا ہے کہ ختنہ عورتوں کے لیے واجب نہیں بلکہ مستحب ہے اور ان حضرات کی دلیل اس سلسلہ میں یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت مسلمہ کے لیے ختنہ کو جاری فرمایا تو آپ مردوں کو ہی یہ حکم دیا کرتے تھے عورتوں کو نہیں فرماتے تھے، چنانچہ کسی روایت میں یہ نہیں آتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عورت کو ختنے کا حکم دیا ہو سوائے حضرت شداد رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے جو پہلے ذکر ہو چکی ہے جس میں مذکور ہے کہ ختنہ مردوں کے لیے سنت ہے، عورتوں کے لیے باعث کرامت ولذت، کہ اس حدیث میں عورتوں کے ختنہ کی جانب اشارہ ملتا ہے۔ اس حدیث کو اگر صحیح بھی مان لیا جائے تو اس سے استحباب ثابت ہوتا ہے وجوب نہیں اس لیے کہ الفاظِ حدیث کہ "عورتوں کے لیے باعث کرامت" ہے قطعی طور پر اس کے صرف مستحب ہونے پر ہی دلالت کرتے ہیں واللہ اعلم۔

ہو سکتا ہے کہ عورتوں کے ختنہ کے مستحب ہونے میں حکمت یہ ہو کہ مردوں کا ختنہ عورتوں کے ختنہ سے مکمل طور پر مختلف ہے، شکل وصورت کے لحاظ سے بھی اور حکم کے اعتبار سے بھی اور فوائد کے لحاظ سے بھی جیسا کہ صاف ظاہر ہے، سبحان اللہ اسلام کی شریعت کیا ہی عظیم الشان ہے اور مرورِ ایام اور اختلافِ زمانہ کے باوجود اس کے ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہنے والے اساسی احکامات کتنے بلند وبرتر ہیں۔

۵ ختنہ کب واجب ہوتا ہے؟ بیشتر اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ بچہ جب بلوغ کے قریب پہنچ جائے تو ختنہ کرنا واجب ہو جاتا ہے اس لیے کہ اب وہ اس عمر کو پہنچ رہا ہے جس میں وہ اللہ کے اوامر اور شرعی احکام کا شرعاً مکلف ومامور ہوگا، لہٰذا اس عمر میں ختنہ ہو جانا چاہیے تاکہ جب وہ بالغ ہو تو مختون ہو تاکہ اس کی عبادت اس درست طریقے کے مطابق ادا ہو جو دین متین اور شریعتِ اسلام نے اس کے لیے مقرر کیا ہے، لیکن سرپرست کے حق میں بہتر یہ ہے کہ بچہ کا ختنہ پیدائش کے شروع دنوں میں ہی کرادے تاکہ جب وہ سمجھدار ہو اور سن شعور کو پہنچے تو اپنے آپ کو مختون پائے اور اس کو یہ فکر اور پریشانی نہ ہو کہ اس عمر میں اس کا ختنہ ہوگا، اس لیے کہ بچہ جب ہوشیار ہوگا اور حقائق ومعاملات کو سمجھنے لگے گا اور اسے پتہ چلے گا کہ اس کا ختنہ ہو چکا ہے تو اس کا دل مطمئن وپرسکون وپرسرور ہوگا۔ پیدائش کے بعد شروع دنوں میں ختنہ کرا دینے کے بہتر ہونے کی دلیل وہ روایت ہے جسے بیہقی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن و حسین کا عقیقہ اور ختنہ ساتویں دن کر دیا تھا.

⑥ **ختنہ کی حکمت و مصلحت** | ختنے میں نہایت عظیم دینی حکمتیں اور صحت و جسم کے فائدے ہیں جن کو علماء نے بیان کیا ہے اور اطباء نے ان پر روشنی ڈالی ہے ان حکمتوں اور فوائد میں سے اہم اور خاص خاص کا ذکر ہم ذیل میں کریں گے ،

ختنہ کی عظیم الشان دینی حکمتیں

● فطرت سلیمہ کی اساس ، اسلام کا شعار ، اور شریعت کا عنوان ہے.

یہ اس ملتِ حنیفیہ کی تکمیل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی جاری فرمایا ، یہ ملتِ حنیفیہ ہی وہ ملت ہے جس نے دلوں کو توحید وایمان پر ڈھالا ، اور یہی وہ ملت ہے جس نے بدن کو فطرت سلیمہ کی خصلتوں سے مزین و آراستہ کیا جن میں ختنہ ، مونچھوں کا مونڈنا ، ناخن کاٹنا اور بغل کے بالوں کا اکھاڑنا داخل ہے ، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

((ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرٰهِيمَ حَنِيفًا)). (النحل ـ ۱۲۳)	پھر ہم نے آپ کے پاس حکم بھیجا کہ چلیے دین ابراہیم پر جو ایک طرف کا تھا.
((صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَنَحْنُ لَهُ عَابِدُونَ)). (البقرہ ۱۳۸)	ہم نے قبول کر لیا رنگ اللہ کا ، اور کس کا رنگ بہتر ہے اللہ کے رنگ سے اور ہم اسی کی بندگی کرتے ہیں .

● ختنہ مسلمان کو دوسرے مذاہب کے پیروکاروں اور متبعین سے ممتاز کر دیتا ہے.

● اس کے ذریعے اللہ کی عبودیت کا اقرار ، اس کے اوامر بجالانا اور اس کے حکم وفیصلہ کے سامنے گردن جھکانا متحقق ہوتا ہے.

ختنہ کے فائدے از روئے صحت

● یہ نظافت ، طہارت اور آراستگی اور ظاہر کے تحسین کا موجب ہے اور اس سے شہوت وخواہشات میں اعتدال پیدا ہوتا ہے .

● یہ صحت سے تعلق رکھنے والی ایک ایسی تدبیر ہے جو انسان کو بہت سے امراض و آفات سے بچاتی ہے چنانچہ ڈاکٹر صبری القبانی اپنی کتاب " ہماری جنسی زندگی " میں رقمطراز ہیں :

ختنہ میں کئی فائدے ہیں جنمیں سے ہم ذیل پر اکتفا کرتے ہیں

۱۔ سپاری کے اوپر کی کھال کاٹنے سے انسان ضرر رساں چکنے مادے سے محفوظ ہو جاتا ہے اور ان ناپسند رطوبات سے چھٹکارا حاصل کرلیتا ہے جن سے انسانی طبیعت نفرت کرتی ہے اور گندگی کے جمع ہونے اور اس جگہ کے بدبودار ہونے سے بچ جاتا ہے۔

۲۔ اس کھال کے کاٹنے سے انسان اس خطرے سے بچ جاتا ہے کہ سپاری عضو کے پھیلاؤ کے وقت اند ہی محبوس اور بند رہے۔

۳۔ ختنہ کی وجہ سے سرطان کے مرض سے کافی حد تک بچاؤ ہو جاتا ہے اور تحقیق سے یہ ثابت ہوا ہے کہ ایسے لوگوں کو سرطان زیادہ ہوتا ہے جن کی سپاری کے اوپر والی کھال تنگ ہوتی ہے البتہ کبھی کبھار یہ بیماری ان افرا میں بھی پیدا ہو جاتی ہے جن کے یہاں ختنہ کا رواج ہے۔

۴۔ بچہ کا ختنہ اگر جلدی کردیا جائے تو اس کے ذریعہ بچوں کو بستر پر پیشاب کرنے کی بیماری سے ایک حد تک بچایا جا سکتا ہے۔

۵۔ جوان لوگوں میں جلق (مشت زنی) کی جو عادت پڑ جاتی ہے اس کا ایک حد تک تدارک ختنے سے ہو جاتا ہے، اور اس کے علاوہ ختنہ میں اور دوسرے بہت سے فائدے بھی ہیں۔

یہ ہیں ختنہ کی مشروعیت کے بعض فائدے اور حکمتیں جنہیں ہر عقل وشعور کا مالک محسوس کر سکتا ہے او ان کو ہر وہ شخص سمجھ سکتا ہے جو اسلام کے محاسن اور شریعت کے اسرار کو جاننا چاہے۔

گذشتہ صفحات میں جو احکام ذکر کیے گئے ہیں خواہ وہ بچہ کی پیدائش پر مبارک باد سے متعلق ہوں یا اس کے کان میں اذان دینے سے، تحنیک سے متعلق ہوں یا عقیقہ اور سر کے بال مونڈنے سے، نام رکھنے کے احکام سے متعلق ہوں یا ختنہ کے واجب ہونے سے یہ تمام احکام تربیت کرنے والوں کے لیے ایک اہم حقیقت ثابت کرتے ہیں اور وہ یہ کہ بچہ کی پیدائش سے ہی اس کی دیکھ بھال رکھی جائے اور جیسے ہی وہ عالم وجود میں آئے اور دنیا کی فضا میں سانس لے تو اس کے ہر معاملہ کو اہمیت کی نظر سے دیکھنا چاہیے۔

بہر حال یہ اہم احکام بچہ کی صحت کے ضامن ہیں اور اس کو طاقت ور بناتے ہیں۔ یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ جب بچہ اپنی آنکھیں کھول کر ماحول کو دیکھے اور معاملات کو سمجھنے کی کوشش کرے اور حقائق تک پہنچنے لگے تو وہ اپنے آپ کو ایسے مسلمان خاندان میں پائے جو اسلام کو اپنے اوپر نافذ کرتے ہوں اور شریعت کے

مطابق عمل پیرا ہوں، اور انہوں نے ان تمام چیزوں کو اختیار کیا ہوا ہو جو دینِ حنیف نے بچے کے سلسلہ میں ان کے ذمہ لگائی ہوں، اور جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسنون قرار دیا ہو۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بچہ جب ان پابندیوں اور ان کے مطابق عمل کو دیکھے گا اور یہ محسوس کرے گا کہ اس کی تربیت کرنے والے ماں باپ نے ان تمام ذمہ داریوں کو ادا کیا ہے تو اس کے دل میں اسلام راسخ ہوگا اور اس میں ایمان بڑھتا جائے گا اور شرافت و اخلاق اس کی طبیعت بن جائیں گے، اور نیکیاں اور اچھے کام اس کی عادت بن جائیں گے۔

اور جیسا کہ آپ نے دیکھ لیا کہ اسلام نے بچہ کی پیدائش ہی سے اس کا اہتمام شروع کر دیا تھا، اسی طرح اسلام بچے کی دیکھ بھال اور اہتمام کا اس وقت اور زیادہ حکم دیتا ہے جب بچہ عقل مند ہو جائے اور زندگی سے آشنا اور چیزوں کے حقائق سے باخبر ہو جائے۔

محترم قارئینِ کرام! آئندہ فصلوں میں آپ ان اہم عمومی ذمہ داریوں اور فرائض کے بارے میں پڑھینگے جو اسلام نے اولاد کے سلسلہ میں تربیت کرنے والوں اور والدین کے ذمہ لگائی ہیں، جن سے آپ کو بخوبی اندازہ ہوگا کہ دینِ اسلام نے بچوں کی تربیت کا کس قدر اہتمام کیا ہے اور والدین وغیرہ کو اپنی ذمہ داریاں اور مسئولیات کو پورا کرنے کا کتنے اہتمام سے حکم دیا ہے ان شاء اللہ آپ کو کافی وافی مباحث پڑھنے کو ملیں گے جن سے صحیح رہنمائی ہوگی اور صراطِ مستقیم اپنانا آسان ہوگا۔

چوتھی فصل

بچّوں میں انحراف پیدا ہونے کے اسباب اور ان کا علاج

تمہید | وہ بڑے عوامل واسباب کیا ہیں جو اس مسموم وزہریلے گندے اور بے حیائی اور حیا سوز مناظر سے پُر معاشرے میں بچوں میں انحراف پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں، اور ان کے اخلاق کو خراب کرکے ان کو تباہی کے کنارے پہنچا دیتے ہیں، اور ان کی تربیت کو بگاڑ دیتے ہیں۔ اور شر وفساد اور زیغ وضلال اور اخلاقی خرابیاں جو ہر طرف سے بچوں کو گھیرے ہوئے اور ہر جانب سے ان کو محیط ہیں اور ہر جگہ ان کے سامنے ہیں ان کے باعث اور اسباب کس قدر کثرت سے پائے جاتے ہیں.

اس لیے اگر تربیت کے ذمہ دار اپنے فرائض نہ سمجھیں گے اور دیانت سے ان کو پورا نہ کریں گے اور ان کو اگر انحراف کی وجوہ واسباب اور اس کا باعث معلوم نہ ہو اور اس کے علاج کے سلسلہ میں وہ صاحبِ بصیرت نہ ہوں اور صحیح راستہ اختیار نہ کریں اور بچوں کو ان خرابیوں سے نہ بچائیں تو ظاہر بات ہے کہ معاشرے میں بچے نہ صرف ناکارہ وناہنجار افراد بنیں گے بلکہ وہ فساد وجرائم کی بنیاد ہوں گے۔

انشاء اللہ ہم اس فصل میں بچوں میں انحراف پیدا ہونے کے اسباب پر تفصیل سے روشنی ڈالیں گے اور یہ بتلائیں گے کہ اس انحراف کا کامیاب وصحیح علاج کیا ہے، تاکہ جو شخص جاننا چاہے وہ یہ جان لے کہ اسلام نے اپنی پرحکمت تشریع اور ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والے قابلِ عمل بنیادی احکامات کے ذریعے معاشرہ کو انحراف سے بچانے اور قوم وافراد کو تباہی وبربادی کے منہ سے نکالنے کے لیے کیا کیا بنیادی احکامات اور حکمت سے بھرپور طریقے بتائے ہیں. لہٰذا اے تربیت کے ذمہ دارو! بچوں میں انحراف پیدا ہونے کے اہم اسباب اور ان کا اسلام کی روشنی میں بہترین علاج آپ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے. تاکہ آپ لوگ تربیت اور اپنے فرائض وواجبات کے معاملہ میں سیدھے راستہ پر دلیل وبرہان کے ساتھ چل سکیں۔

الف : غربت و فقر جو بعض گھروں پر سایہ فگن رہتا ہے

یہ ایک ظاہری بات ہے کہ جب بچہ کو اپنے گھر میں ضرورت کے مطابق روٹی کپڑا نہ ملے گا اور اس کو کوئی ایسا آدمی نہیں ملے گا جو اس کو اتنے پیسے بھی دے دے جن سے وہ ضروریاتِ زندگی کا کچھ حصہ حاصل کر لے، اور جب وہ اپنے ارد گرد نظر دوڑائے تو اسے سوائے فقر و فاقہ، محرومی اور نامرادی کے کچھ اور نظر نہیں آئے تو اس کا لازمی اثر یہ ہوگا کہ وہ گھر چھوڑ کر باہر نکلے گا تاکہ اسباب اختیار کرے اور رزق و روزی حاصل کرنے کی کوشش کرے، تو اس موقعہ پر مجرم اور بدکار ہاتھ اس کو اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں، اور شر اور انحراف کا ہالہ اس کو چاروں طرف سے گھیر لیتا ہے اور اس طرح سے وہ معاشرے میں مجرم بن کر ابھرتا ہے، اور انسانی جانوں اور عزت و آبرو اور مال و دولت کے لیے خطرہ بن جاتا ہے۔

اسلام کی عادلانہ شریعت نے فقر و فاقہ کے دور کرنے کے لیے نہایت مضبوط بنیادیں استوار کی ہیں اور ہر انسان کے لیے عزت و آبرو کی زندگی گذارنے کے مواقع فراہم کیے ہیں، اور ایسے قوانین بنائے جن سے ہر ہر فرد کے لیے روٹی کپڑا اور مکان بقدرِ ضرورت حاصل ہو جائے، اور مسلم معاشرہ کے لیے ایسا عملی نظام و منہج مقرر کیا جس سے فقر و فاقہ کی بیخ کنی ہو جائے، چنانچہ اسلام نے ہر شہری کے لیے کام کاج کے مواقع فراہم کیے، اور معذور و عاجز افراد کے لیے بیت المال سے ماہوار وظیفہ مقرر کیا، اور ایسے قوانین بنائے جن کے ذریعے ایسے شخص کی امداد ہو جو خاندان و افراد کا کفیل ہو اور یتیموں اور بیواؤں اور بوڑھوں کی ایسے طریقہ سے دیکھ بھال ہو سکے جس سے ان کی عزت و کرامت بھی محفوظ رہے اور زندگی بھی پُرسکون و خوشحال گزرتی رہے، اور اس طرح کے دیگر اور طریقے اور وسائل اور احکام وغیرہ جو اگر واقعی وجود میں آجائیں اور ان کو صحیح طور سے نافذ کر دیا جائے تو معاشرہ سے انحراف اور مجرمانہ ذہنیت اور بدکردار افراد پیدا کرنے والے اہم عوامل کا سدِباب ہو جائے۔ اور فقر و فاقہ اور محرومی و غربت کی بنیادیں ختم ہو جائیں[1]۔

ب : ماں باپ کے درمیان لڑائی جھگڑا اور اختلاف

بچے میں انحراف پیدا کرنے والے بنیادی عوامل میں سے ماں باپ کا آپس کا باہمی نزاع و اختلاف بھی ہے کہ جب وہ ایک دوسرے سے ملیں تو ان میں باہمی اختلاف اور نزاع کی باتیں

---

[1] ملاحظہ ہو ہماری کتاب "التکافل الاجتماعی فی الاسلام" جس میں آپ کو اس موضوع پر سیر حاصل بحث ملے گی کہ اسلام نے جہل، فقر و فاقہ اور امراض کی روک تھام کے لیے کیسے اسباب اختیار کیے ہیں۔ اور آپ اس میں ملاحظہ فرمائیں گے کہ اسلام نے ایک ملک کے ہم وطنوں میں اجتماعی عدل کا کیسا زبردست انتظام کیا ہے۔

ہوں، چنانچہ جب بچہ گھر میں آنکھیں کھولتا ہے اور اپنی آنکھوں کے سامنے لڑائی جھگڑا دیکھتا ہے تو لازمی طور سے وہ گھر کی اس تاریک فضا سے دور ہونا چاہتا ہے، اور آفت زدہ خاندان کے دائرہ سے دُور بھاگنا چاہتا ہے تاکہ اپنے من پسند دوستوں کے ساتھ اپنا وقت گزارے، اور فراغت کے اوقات ان کی رفاقت میں بسر کرے، یہ دوست اگر گندے اخلاق والے گھٹیا قسم کے لوگ ہوتے ہیں تو یہ بچہ بھی ان کے ساتھ خراب ہوتا چلا جاتا ہے اور بری عادتیں اور گندے اخلاق اختیار کرلیتا ہے، بلکہ وہ لازمی طور سے منحرف ہو جاتا اور مجرم بن جاتا ہے اور اس طرح ملک وقوم کے لیے خطرہ کی نشانی بن جاتا ہے۔

اسلام نے اپنے پُرحکمت اور ہمیشہ ہمیشہ باقی و برقرار رہنے والے اصول و قواعد کے ذریعے نکاح کے خواہشمند مرد کے لیے بیوی کے انتخاب و اختیار کرنے میں صحیح راستہ متعین کیا، اور اسی طرح لڑکی کے اولیاء و سرپرستوں کی شوہر کے اختیار کرنے میں صحیح اور اعلیٰ ترین رہنمائی فرمائی جس کا بنیادی مقصد ہی یہ ہے کہ میاں بیوی میں الفت ومحبّت اور ایک دوسرے سے مفاہمت اور باہمی تعاون کی فضا پیدا ہو، اور اس کا نتیجہ یہ نکلے کہ میاں بیوی ان ازدواجی پریشانیوں اور لڑائی جھگڑوں سے بچ جائیں جو عام طور سے میاں بیوی میں پیدا ہوجاتے ہیں۔

آپ نے اس کتاب کی پہلی فصل میں ان اہم بنیادی باتوں کو پڑھ لیا ہوگا جنہیں میاں بیوی کے انتخاب کے سلسلہ میں بنیاد واساس بنانا چاہیے، اور درحقیقت یہ وہ اساسی عظیم بنیادیں ہیں جن کا وجود ایک سعید و نیک بخت خاندان کے تیار کرنے اور محبت والفت سے بھرپور مثالی خاندان کے وجود کے لیے ضروری ہے۔

ج : طلاق اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونیوالا فقر و فاقہ

وہ بنیادی عوامل جو عام طور سے بچہ کے انحراف اور خراب ہونے کا ذریعہ بنتے ہیں طلاق اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے حالات ہیں. جس کی وجہ سے دونوں خاندانوں میں اختلاف وافتراق کی بنیاد پڑجاتی ہے۔

وہ متفق علیہ اور مشاہد امور جن میں کوئی بھی دو آدمیوں کا اختلاف نہیں انہیں سے یہ بھی ہے کہ بچہ جب دنیا میں آنکھ کھولتا ہے اور اس پر شفقت کرنے والی ماں اور اس کی نگرانی اور دیکھ بھال کرنے اور ضروریات پورا کرنے والا باپ نہیں ہوتا تو وہ لازمی طور سے جرائم اور برائیوں کی طرف مائل ہوتا ہے. اور اس میں فساد و انحراف نشوونما پاتا رہتا ہے. یہ صورت حال اس وقت اور زیادہ خراب ہوجاتی ہے جب مطلقہ عورت دوسرے خاوند سے شادی کرلیتی ہے تو عام طور سے اولاد خراب اور ضائع ہوجاتی ہے۔

طلاق کے بعد اس پریشانی کو ماں کی غربت اور پیچیدہ بنا دیتی ہے اس لیے کہ ایسی صورت حال میں مطلقہ عورت کام کاج کے لیے گھر سے نکلنے پر مجبور ہوتی ہے، لہٰذا وہ گھر کو چھوڑ کر کام کرنے چلی جاتی ہے اور چھوٹے

بچے بے یار و مددگار ادھر اُدھر پھرتے ہیں، حوادثاتِ ایام اور شب و روز کے فتنے ان کو کھلونا بنا لیتے
ں، نہ کوئی ان کا دیکھ بھال کرنے والا ہوتا ہے نہ نگہداشت کرنے والا، اب آپ ہی بتائیے کہ ایسی اولاد
سے آپ کیا توقع رکھتے ہیں جنہیں نہ باپ کی محبت میسر ہو نہ اس کی نگرانی و نگہداشت ـــــ نہ ماں کا پیار
ا ہو نہ اس کی توجہ اور ہمدردیاں۔

ہم ان سے ایسی صورت حال میں کیا توقع کر سکتے ہیں جب وہ اپنے پاس پیٹ بھر کر روٹی، بدن ڈھانپنے
لو کپڑا اور سر چھپانے اور راحت و آرام کے لیے جھونپڑا بھی نہیں پاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی صورت میں
م ان سے آوارگی اور خراب ہونے کی ہی توقع کر سکتے ہیں، اور جرائم اور آوارگی سے بچنے کی اسی سے اُمید
ر سکتے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور ایسے لوگ درحقیقت کم ہی ملتے ہیں، اور اسلام نے اپنے بنیادی
حکامات میں میاں بیوی میں سے ہر ایک کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے اپنے فرائض و واجبات کو پورا کرے۔ اور
یک دوسرے کے حقوق کو ادا کرے تاکہ ایسی صورت حال پیدا نہ ہو جس کا انجام کار بُرا اور قابلِ ملامت ہو۔

ان حقوق میں سے یہ ہے کہ بیوی اپنے شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری کرے، چنانچہ بزار و طبرانی رحمہما اللہ
روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک مرتبہ چند عورتیں اکٹھا ہوئیں اور انہوں نے اپنی طرف
سے ایک عورت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ بابرکت میں بھیجا تاکہ وہ آپ سے عرض کرے کہ اے اللہ
کے رسولؐ میں عورتوں کی طرف سے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں (پوچھنا یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے مردوں
پر جہاد فرض کیا ہے، اگر وہ فتحیاب ہو جائیں تو ان کو اجر و ثواب ملتا ہے اور اگر وہ شہید ہو جائیں تو وہ اللہ تعالیٰ
کے یہاں زندہ رہتے ہیں انہیں رزق ملتا رہتا ہے۔ اور ہم عورتیں ان کی ضروریات پوری کرتے ہیں،
بتلائیے ہمیں اس اجر و ثواب میں سے کیا ملے گا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان الفاظ میں جواب دیا:

((أبلغي من لقيت من النساء أن طاعة الزوج واعترافاً بحقه يعدل ذلك وقليل منكن من يفعله)).

جن عورتوں سے تم ملو ان کو میری طرف سے یہ پیغام پہنچا دو کہ شوہر کی فرمانبرداری اور اس کے حق کا اعتراف کرنا اس (جہاد فی سبیل اللہ کے اجر و ثواب) کے برابر ہے اور تم میں سے بہت کم ایسی عورتیں ہیں جو ایسا کرتی ہوں گی۔

ان حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ عورت اپنے شوہر کے مال اور اپنے نفس و آبرو کی حفاظت کرے،
اس لیے کہ ابن ماجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ مبارک نقل کرتے ہیں:

((ألا أخبركم بخير ما يكنز

کیا میں تمہیں بہترین وہ چیز نہ بتاؤں جسے انسان

الرجل المرأة الصالحة إذا نظر إليها سرته وإذا أمرها أطاعته وإذا غاب عنها حفظته بماله ونفسها))

جمع کرتا ہے؟ وہ ایسی نیک وصالح عورت ہے کہ جب شوہر اس کی طرف دیکھے تو وہ اس کو خوش کردے اور جب اس کو کسی بات کا حکم دے تو وہ عورت اس کی فرماں برداری واطاعت کرے۔ اور جب وہ موجود نہ ہو تو وہ عورت شوہر کے مال اور اپنی عزت وآبرو کی حفاظت کرے۔

ان حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ اگر شوہر بیوی کو ہمبستری کے لیے بلائے تو وہ انکار نہ کرے، اس لیے کہ بخاری ومسلم کی روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((إذا دعا رجل امرأته إلى فراشه فأبت أن تجيئ إليه فبات غضبان عنها، لعنتها الملائكة حتى تصبح)).

جب مرد اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ اس کے پاس جانے سے انکار کردے اور شوہر اس سے ناراض ہو کر رات گزارے تو صبح تک فرشتے اس عورت پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔

ان حقوق میں سے شوہر کے ذمے بیوی بچوں کے نان نفقہ کی ذمہ داری کا پورا کرنا بھی ہے اس لیے کہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں:

((وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ)). (البقرة - ۲۳۳)

اور لڑکے والے یعنی باپ پر ہے کھانا اور کپڑا ان عورتوں کا دستور کے موافق۔

اور امام مسلم رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اتقوا الله في النساء فإنكم أخذتموهن بأمانة الله واستحللتم فروجهن بكلمة الله ولهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف)).

عورتوں کے سلسلہ میں خدا سے ڈرو اس لیے کہ تم نے انہیں اللہ کے امان کے ذریعہ حاصل کیا ہے اور ان کی شرمگاہوں کو اللہ کے کلمہ کے ذریعہ حلال کیا ہے، تم پر ان کے نان نفقہ اور کپڑے کی دستور کے موافق ذمہ داری ہے۔

انہی حقوق میں سے گھر کے معاملات میں شوہر کا بیوی سے مشورہ کرنا بھی داخل ہے اس لیے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

((آمروا النساء في بناتهن)). رواہ أحمد وأبوداود

عورتوں سے انکی بچیوں کے بارے میں مشورہ کرلیا کرو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ لڑکیوں کی شادی سے قبل انکی ماؤں سے پہلے سے اجازت لے لیا اور مشورہ کرلیا کرو۔

انہی حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ شوہر بیوی کی بعض کمزوریوں اور عیوب سے درگزر کرے، اور خصوصاً اگر اس میں کچھ ایسی خوبیاں اور اوصاف پائے جاتے ہوں جو ان کمزوریوں اور عیوب کی تلافی کرتے ہوں اس لیے کہ امام مسلم رحمہ اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ مبارک روایت کرتے ہیں:

«لا یفرك مؤمن مؤمنة إن کره منها خلقا رضی منها آخر». — کوئی مؤمن کسی مؤمن عورت سے بغض نہ رکھے اس لیے کہ اگر اس کی کوئی بات ناپسند ہوگی تو اس کے بدلے دوسری پسند ہوگی۔

ان حقوق میں سے مرد کا بیوی کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی گزارنا اور اس سے ملاطفت اور دل لگی کرنا بھی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

«وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا». النساء ۱۹ — اور ان عورتوں کے ساتھ اچھی طرح سے رہو پھر اگر وہ تم کو نہ بھائیں تو شاید ایک چیز تم کو پسند نہ آئے اور اللہ نے اس میں بہت خیر و خوبی رکھی ہو۔

اور ابن ماجہ اور حاکم رحمہما اللہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمانِ مبارک نقل کرتے ہیں:

«خیرکم خیرکم لأهله وأنا خیرکم لأهلی». — تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا ہو اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ تم سب سے بہتر ہوں۔

اور امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو وہ کھیل دکھاتے تھے جو مسجد کے میدان کے سامنے ہو رہا ہوتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ہتھیلی دروازہ پر رکھ لیا کرتے تھے اور ہاتھ دراز کر لیا کرتے تھے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنا چہرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاندھے پر رکھ دیا کرتی تھیں، امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

«أکمل المؤمنین إیمانا أحسنهم خلقا وألطفهم بأهله». — مومنوں میں سب سے کامل ایمان والا وہ شخص ہے۔ جو سب سے بہتر اخلاق والا ہو اور اپنے گھر والوں کے ساتھ نرمی اور اچھا برتاؤ کرنے والا ہو۔

امام ابوداؤد و نسائی رحمہما اللہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑا کرتے تھے، ایک مرتبہ وہ آپؐ سے آگے نکل گئیں اور ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے

آگے نکل گئے تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ اس دن کا بدلہ ہو گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے سخت گیر وقوی الارادہ اور فیصلے کے پکے شخص فرمایا کرتے تھے کہ مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ انس اور نرم مزاج ہونے کے اعتبار سے بچہ کی طرح ہونا چاہیئے ہاں جب لوگوں کے ساتھ ہو تو بھرپور آدمی بن جانا چاہیے۔

ان حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار میں گھر کے کام کاج میں مرد کو بیوی کا ہاتھ بٹانا چاہیے چنانچہ طبرانی وغیرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے جب یہ پوچھا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کیا کرتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا: جیسے تم لوگ کرتے ہو یہ چیز ادھر سے اٹھا کر ادھر رکھ دی، بے جگہ چیز جگہ پر رکھ دی۔ گھر والوں کا کام کاج کر دیا، ان کے لیے گوشت کاٹ دیا، گھر کو جھاڑ پونچھ دیا، خادم کا ہاتھ بٹا لیا۔

یہ وہ اہم حقوق ہیں جنہیں اسلام نے میاں بیوی میں سے ہر ایک پر لازم کیا ہے، اور یہ درحقیقت واقعی اور عادلانہ امور ہیں، اور اگر میاں بیوی میں سے ہر ایک ان کو پورا کرے تو بجائے اختلاف و لڑائی کے اتحاد و یگانگت وجود میں آئے گی، اور بغض و ناپسندیدگی کی جگہ الفت و محبت لے لے گی، اور پورا خاندان خوشحالی اور محبت و سکون سے پُربہتر سے بہتر زندگی گزارے گا، اور یہ قطعاً ناممکن ہو گا کہ کوئی بھی ایسی بات ہو جس سے خاندان والوں کی زندگی مکدر ہو، یا جس سے میاں بیوی میں سے ایک کو دوسرے سے ناگواری گزرے یا تکلیف پہنچے۔

اور اگر مرد کی بداخلاقی یا عورت کے اخلاق کی خرابی کی وجہ سے آپس میں اتفاق و اتحاد ناممکن ہو۔ اور ان دونوں کا ایک ساتھ زندگی گزارنا مشکل ہو تو شوہر کو چاہیے کہ طلاق دینے سے پہلے اصلاح کی کوشش کرلے اور اس سلسلہ کی تدابیر اختیار کرلے اور یہ کوششیں اور تدابیر اس طرح سے ہیں:

۱۔ وعظ و نصیحت کرنا اور سمجھانا تاکہ اس آیت کریمہ پر عمل ہو جائے «وذکّر فإن الذکریٰ تنفع المؤمنین» نصیحت کرتے رہیے۔ اس لیے کہ نصیحت کرنا مؤمنوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

۲۔ الگ بستر پر سونا۔ یہ ایک نفسیاتی سزا ہے ہو سکتا ہے کہ اس کے ذریعے سے عورت صحیح راستہ پر آجائے۔

۳۔ تنبیہ کے لیے معمولی سی مار پیٹ، بشرطیکہ یہ معلوم ہو کہ مارنے سے فائدہ ہو گا لیکن شرط یہ ہے کہ زیادہ نہ مارا جائے اور اس طرح نہ مارا جائے جس سے عورت کے جسم پر نشانات پڑ جائیں، اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ ایسی جگہ پر نہ مارا جائے جہاں مارنا نقصان دہ بن سکتا ہو مثلاً چہرہ۔ سینہ اور پیٹ، ان شروط کی رعایت رکھتے ہوئے مارنا بنسبت ایذا و تکلیف پہنچانے کے تنبیہ اور ڈرانے کا سبب بنتا ہے، لیکن یہ بات ملحوظ خاطر

رہے کہ اصل مقتدائے کامل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی کسی عورت کو نہیں مارا، چنانچہ ابن سعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے نہ کبھی کسی عورت کو مارا اور نہ کسی خادم یا اور کسی کو مگر یہ کہ آپ اللہ کے راستہ میں جہاد کر رہے ہوں۔

ابن سعد روایت کرتے ہیں کہ جب ایک عورت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے شوہر کی مارپٹائی کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شوہر سے فرمایا:

«يظل أحدكم يضرب امرأته ضرب العبد ثم يظل يعانقها ولا يستحيي».

تم میں سے ایک شخص اپنی بیوی کو غلام کی طرح مارتا اور پھر اس سے بغل گیر ہوتا ہے اور شرم بھی نہیں آتی۔

۴۔ آخری تدبیر یہ ہے کہ کسی کو حکم بنا لیا جائے: اور وہ اس طرح کہ میاں بیوی کے خاندان والوں کے معتدل مزاج عقل مند سمجھ دار لوگوں کو بیچ میں ڈال لیا جائے جو میاں بیوی کو درپیش مشکلات کا مطالعہ کریں اور پھر ان دونوں میں دوبارہ اتفاق و یگانگت اور اتحاد پیدا کرنے کی عملی تجاویز و حل پیش کریں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ حل اور تجاویز مقصد حاصل کرنے میں مدد دیں اور طلاق سے بچالیں، ان احتیاطی تدابیر کا اختیار کرنا ضروری ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے فرمانِ مبارک پر عمل ہو جائے ارشاد ربانی ہے:

«وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ۝ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝».

النساء: ۳۴ و ۳۵

اور جن عورتوں کی بدخوئی کا تم کو ڈر ہو تو ان کو سمجھاؤ اور سونے میں جدا کر دو اور مارو پھر اگر تمہارا کہا مانیں تو ان پر الزام کی راہ تلاش مت کرو، بے شک اللہ سب سے اوپر بڑا ہے۔ اور اگر تم ڈرو کہ وہ دونوں آپس میں ضد رکھتے ہیں تو بھیجو ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک منصف عورت والوں میں سے اگر یہ دونوں چاہیں گے کہ صلح کرا دیں تو اللہ موافقت کر دے گا ان دونوں میں بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے۔

ان مراحل سے گزرنے اور ان تدابیر پر عمل کرنے کے بعد بھی اگر اتفاق ناممکن ہو تو مرد کو چاہیے کہ عورت کو پاکی کے ایسے زمانے میں ایک طلاق دے جس میں اس سے ہمبستری نہ کی ہو، تاکہ پہلی طلاق دینے کے بعد بھی ازدواجی زندگی دوبارہ لوٹنے کی گنجائش باقی رہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

«فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ

پھر اگر دوسرا خاوند طلاق دے دے تو کچھ گناہ نہیں

يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○))۔ البقرہ - ۲۳۰	ان دونوں پر کہ پھر باہم مل جائیں اگر خیال کریں کہ اللہ کا حکم قائم رکھیں گے اور یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں۔ اللہ ان کو بیان فرماتا ہے جاننے والوں کے لیے۔

جو امور ہم نے بیان کیے ہیں ان سے روزِ روشن کی طرح یہ بات معلوم ہوگئی کہ اسلام نے ایسی اہم تدابیر واحتیاطی اقدامات کو اختیار کیا ہے جو طلاق واقع ہونے کے درمیان حائل ہوسکیں، اس لیے کہ میاں بیوی اور بچوں پر طلاق کے بہت بُرے اثرات مرتب ہوتے ہیں، اسی لیے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طلاق کو ایسی حلال چیز بتایا ہے جو اللہ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے تو ہمیں اس میں ذرا بھی تعجب نہیں ہوتا، چنانچہ ابوداؤد وابن ماجہ رحمہما اللہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((أبغض الحلال إلى الله الطلاق))۔	اللہ تعالیٰ کو حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔

دین اسلام نے طلاق دینے کی صورت میں شوہر پر مطلقہ بیوی کی عدت کے دنوں کا نان نفقہ اور بچوں کا نفقہ لازم کیا ہے تاکہ مطلقہ اور اس کے بچے در در کی ٹھوکریں نہ کھاتے پھریں۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:

((وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًۢا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ○))۔ البقرہ - ۲۳۶	اور ان کو کچھ خرچ دو، مقدور دطاقت والے پر اس کے موافق ہے اور تنگی والے پر اسی کے موافق، جو خرچ کہ قاعدے کے موافق ہے، نیکی کرنے والوں پر لازم ہے۔

اور اگر شوہر فقیر ومسکین ہو اور نان نفقہ دینے پر قادر نہ ہو تو پھر حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں کے نفقہ وخرچ کا بندوبست کرے، اور بچوں کی تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں جن مادی اسباب اور پیسوں کی ضرورت ہو وہ اسوقت تک مہیا کرتی رہے جب تک وہ بچے بڑے اور جوان نہ ہوجائیں، اور ان کو خراب ہونے اور بگڑنے سے بچانے کا یہ ایک راستہ ہے۔ یہ اس امداد ومعاونت کے علاوہ ہے جو اسلام نے ان لوگوں پر لازم کی ہے جو ان کے حالات سے باخبر ہوں، اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ:

«من كان معه فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له، ومن كان معه فضل زاد فليعد به على من لا زاد له».

جس شخص کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہو اس کو چاہیے کہ وہ اس کو دے دے جس کے پاس سواری نہیں۔ اور جس کے پاس ضرورت سے زائد توشہ ہو وہ اس کو دے دے جس کے پاس توشہ نہیں ہے۔

اور ابن ماجہ وطبرانی رحمہما اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک نقل کرتے ہیں:

«في المال حق سوى الزكاة».

مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔

اور طبرانی رحمہ اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

«إن الله فرض على أغنياء المسلمين في أموالهم بقدر الذي يسع فقراءهم، ولن يجهد الفقراء إذا جاعوا وعروا إلا بما يصنع أغنياؤهم وإن الله يحاسبهم حسابًا شديدًا ويعذبهم عذابًا أليمًا».

اللہ تعالیٰ نے مالدار مسلمانوں کے مال میں اتنی مقدار کا نکالنا فرض کیا ہے جو مسکینوں کی ضرورت پوری کردے، اور فقراء بھوک اور بے لباسی کی مصیبت میں گرفتار نہیں ہوتے مگر مال داروں کے کرتوتوں کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ ان مال داروں سے سخت حساب لے گا اور ان کو دردناک عذاب دے گا۔

بزار وطبرانی رحمہما اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا درج ذیل فرمان مبارک روایت کرتے ہیں:

«ما آمن بي من بات شبعان، وجاره جائع إلى جنبه وهو يعلم به».

مجھ پر وہ شخص ایمان نہیں لایا جو خود تو پیٹ بھر کر رات گزارے اور اس کے ساتھ کا پڑوسی بھوکا ہو اور اس کو اس کا علم بھی ہو۔

بچوں کے انحراف اور خراب ہونے کا

د: بچوں اور قریب البلوغ لڑکوں کا فارغ اور بے کار وقت گزارنا

جو چیز عام طور سے ذریعہ بنتی ہے اور بنیادی عوامل میں سے ہے وہ ایسی فراغت اور بیکاری ہے جس سے فائدہ نہیں اٹھایا جاتا۔ اور بچے اور قریب البلوغ لڑکے اس سے خراب ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ بچہ شروع سے ہی کھیل کود کا شوقین ہوتا ہے، لاپرواہی کی جانب مائل اور آزادی اور تفریح کا شوقین و دلدادہ ہوتا ہے، چنانچہ وہ ہر وقت متحرک رہتا ہے۔ کبھی اپنے ہم عمروں کے ساتھ کھیل کود میں مصروف، کبھی بھاگ دوڑ اور گھڑ دوڑ میں، اور کبھی ورزش وغیرہ میں، اور کبھی گیند سے کھیلنے میں، اس لیے تربیت کرنے والوں کو چاہیے کہ بچوں کے اس غنیمت موقعہ سے

فائدہ اٹھائیں اور بالغ ہونے کے قریب کے زمانہ کا خصوصی خیال رکھیں، تاکہ ان کے فارغ وقت کو ایسے کاموں میں لگا سکیں جو ان کے جسم کے لیے مفید اور اعضاء کو طاقت ور اور بدن کو چست و چابک بنانے والے ہوں۔

لہذا اگر ان کے لیے کھلی جگہ میں کھیل کود کے قطعاتِ زمین اور ورزش وصحت اور جسم کو طاقت ور بنانے کے لیے مناسب جگہیں، اور تعلیم و تربیت کے لیے مناسب مواقع، اور تیرنے کے لیے تالاب اور جسم کی تفریح کی جگہیں نہیں بنائی گئیں تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ گندے ساتھیوں اور بداخلاق اور بدقماش لوگوں کے ساتھ ملیں جلیں گے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ان میں بھی ان کی سی عادتیں اور خرابیاں پیدا ہو جائیں گی۔

اسلام نے اپنی عظیم الشان رہنمائیوں اور توجیہات سے بچوں اور قریب البلوغ لڑکوں کی اس فراغت کے زمانہ کا ایسے عملی وسائل واسباب سے علاج کیا ہے جس سے ان کے جسم صحت مند اور بدن طاقت ور اور چست و چابک رہیں اور نشاط برقرار رہے، ان وسائل میں سب سے اہم اور عظیم ذریعہ یہ ہے کہ ان کو عبادات اور خصوصاً نماز کا عادی بنایا جائے جو اسلام کا ستون اور بنیادی رکن ہے اس لیے کہ نماز میں بے شمار روحانی فائدے اور جسمانی منافع اور اخلاقی اور نفسیاتی اثرات پائے جاتے ہیں مناسب ہوگا کہ ہم یہاں نماز کے جسمانی فائدے شمار کرا دیں تاکہ جو شخص اس کی مشروعیت کی وجہ اور اس کی اہمیت کو پہچاننا چاہے وہ جان جائے۔

نماز ایک ایسی لازمی ورزشِ جسمانی ہے جس میں ایک مسلمان اپنے تمام اعضاء اور جوڑوں کو حرکت دیتا ہے اور یہ بات کسی پر بھی مخفی نہیں کہ ان اعضاء کے اس طرح حرکت دینے میں جسم کے پٹھوں رگوں اور دورانِ خون اور تمام اعضاءِ جسمانی کو کتنا فائدہ پہنچتا ہے۔

یہ ایک جبری نظافت وطہارت کا ذریعہ ہے اس لیے کہ نماز سے پہلے وضو ضروری ہے اور وضو سے ظاہری اعضاء کی صفائی، بالوں کی صفائی، منہ ناک اور دانتوں کی صفائی ہوتی ہے، اور اگر غسل واجب کرنے والی کوئی چیز پائی جائے تو اس وقت غسل فرض ہو جاتا ہے اور بعض اوقات مستحب ہوتا ہے اور ساتھ ہی اس میں بدن کپڑے اور جگہ کی پاکیزگی بھی ضروری ہے اور یہ تمام چیزیں نماز کی صحت و درستگی کے لیے شرط ہیں۔

اس میں چلنے کی مشق بھی ہوتی ہے۔ اور وہ اس طرح کہ دن و رات میں پانچ مرتبہ مسجد تک نماز کے لیے چل کر جانا ہوتا ہے۔ اور جانے آنے سے جسم میں جو نشاط اور چستی پیدا ہوتی ہے اور سستی

اور کاہلی دُور ہوتی ہے وہ کسی پر بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ اطباء سے کتنی مرتبہ سنا ہے کہ کھانے کے بعد اگر جسم کو چلنے یا ورزش کے ذریعہ حرکت دی جائے تو سوءِ ہضم اور معدہ کے امراض اور دیگر بیماریاں پیدا نہیں ہوتیں۔

ان سب باتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین اور تربیت کرنے والوں کو یہ حکم دیا ہے کہ بچوں کو سات سال کی عمر سے نماز کا حکم دیں تاکہ وہ عادی ہو جائیں اور اپنے فارغ اوقات نماز کی تعلیم اور اس کی مشق میں گزاریں تو ہمیں اس حکم میں ذرا سا بھی تعجب نہیں ہوتا۔ اس سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ مبارک حاکم و ابوداؤد ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

((مروا أولادكم بالصلاة وهم أبناء سبع سنين واضربوهم عليها وهم أبناء عشر وفرقوا بينهم في المضاجع)).	اپنے بچوں کو نماز کا حکم دیں جب وہ سات سال کے ہو جائیں۔ اور نماز کے لیے ان کو مارو جب وہ دس سال کے ہو جائیں۔ اور اس عمر میں ان کے بستر الگ الگ کر دو۔

یہ فوائد اس کے علاوہ ہیں جو بچہ نماز کی کیفیت وطریقہ اور اس کے افعال، قراءت، رکوع کی تعداد، فرائض وسنن ومستحبات وغیرہ کے سیکھنے میں اپنا فارغ وقت لگائے گا چاہے گھر میں ماں باپ یا مربی سے سیکھے یا مسجد و مدرسہ میں استاذ و معلم سے۔

بچوں کے فارغ وقت کو ضائع ہونے سے بچانے کے سلسلہ میں اسلام نے جو عملی وسائل اختیار کیے ہیں۔ ان میں سے یہ بھی ہے کہ بچوں کو جنگ کے طریقے، شہسواری، تیرنا، چھلانگ لگانا اور کشتی کرنا اور پچھاڑنے کا فن سیکھنے کا حکم دیا، اس طرح بچہ کی اس جانب رہنمائی کی کہ وہ اپنے فارغ وقت کو پُر مقصد اور پُر مغز مطالعے اور صاف ستھری تفریح اور مختلف قسم کی ورزش میں صرف کرے، اور اس کے لیے یہ چیز ضروری ہے کہ بڑے بڑے کھیل کے میدان، اور تقریر و مباحثہ کے لیے ہال، اور مشہور کتب خانے اور عمومی ادارے، اور تیرنے کے لیے صاف ستھرے تالاب مہیا کیے جائیں۔ لیکن ان سب چیزوں میں یہ امر ملحوظِ خاطر رہنا چاہیے کہ یہ چیزیں اسلام کے احکام اور اس کے آداب کے مطابق ہوں۔

ان وسائل کو مہیا کرنے کے سلسلہ میں اسلام نے جو احکامات دیے ہیں اور رہنمائی کی ہے اس سلسلہ میں کچھ احکام آپ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں :

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

«وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ »۔ الانفال ـ ۶۰

اور تیار کرو ان کی لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کر سکو قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے کہ اس سے دھاک پڑے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر۔

نیز ارشاد ربانی ہے :

«قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ »۔ الزمر ـ ۹

آپ کہہ دیجیے کہ کیا برابر ہو سکتے ہیں سمجھ والے اور بے سمجھ۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ : اپنے بچوں کو تیر اندازی اور تیرنا سکھاؤ اور ان کو حکم دو کہ گھوڑ سواری سیکھیں. حاکم اور بیہقی رحمہما اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا :

«اغتنم خمسا قبل خمس ، حياتك قبل موتك ، وصحتك قبل سقمك ، وفراغك قبل شغلك وشبابك قبل هرمك ، وغناك قبل فقرك»۔

پانچ چیزوں کو پانچ سے قبل غنیمت جانو : اپنی زندگی کو اپنی موت سے پہلے ، اور صحت کو بیماری سے پہلے ، اور فراغت کو مشغولیت سے پہلے ، اور جوانی کو بڑھاپے سے پہلے ، اور مالداری کو فقر سے پہلے۔

نسائی اور ترمذی رحمہما اللہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا :

«وارموا واركبوا وأن ترموا أحب إلى من أن تركبوا»۔

اور تم تیر اندازی اور شہسواری سیکھو، اور تم تیر اندازی سیکھو یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ تم شہسواری سیکھو۔

طبرانی اور حاکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا :

«كل شيئ ليس من ذكر الله فهو لغو أو لهو أو سهو إلا أربع خصال :

ہر وہ چیز جو اللہ کے ذکر سے خالی ہے وہ لغو اور کھیل کود اور بھول ہے سوائے چار چیزوں کے :

مشي الرجل بين الغرضين، وتأديبه فرسه، وملاعبته أهله، وتعلمه السباحة))۔

انسان کا نشانہ بازی کے لیے دونوں نشانوں کے درمیان چلنا، اور اپنے گھوڑے کو سدھانا، اپنی بیوی سے دل لگی، اور تیرنا سیکھنا۔

ابن اسحاق اور ابن ہشام رحمہما اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((رحم الله امرأً أراهم اليوم من نفسه قوة))۔

اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو آج دشمنوں کے سامنے اپنے آپ کو طاقتور ظاہر کرے۔

امام بخاری ومسلم رحمہما اللہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اہلِ حبشہ کو مسجد میں اپنے نیزوں سے کھیلتا دیکھا تو ان سے فرمایا:

((دونكم يا بني أرفدة لتعلم اليهود أن في ديننا فسحة))۔

اے بنو ارفدہ تم اسے مضبوطی سے تھام لو تاکہ یہود کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے دین میں آسانی اور گنجائش ہے۔

امام مسلم رحمہ اللہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((المؤمن القوي خير وأحب إلى الله من المؤمن الضعيف، وفي كل خير، احرص على ما ينفعك، واستعن بالله ولا تعجز، فإن أصابك شئ فلا تقل: لو أني فعلت كذا كان كذا. ولكن قل: قدر الله وما شاء فعل، فإن لو تفتح عمل الشيطان))۔

طاقتور مؤمن بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ کو کمزور مؤمن سے زیادہ محبوب ہے، اور دونوں میں سے ہر ایک میں خیر ہے۔ ایسے کاموں کے حریص بنو جو تمہیں فائدہ پہنچانے والے ہوں اور اللہ سے مدد مانگو اور عاجز نہ بنو، اور اگر تمہیں کوئی آفت پہنچے تو یہ نہ کہو کہ اگر میں ایسا کر لیتا تو ایسا ہو جاتا۔ بلکہ یہ کہو اللہ نے یہی فیصلہ کیا تھا اور اللہ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے اس لیے کہ اگر مگر ایسا کرتا یہ کہنا شیطان کے ورغلانے کا راستہ کھول دیتا ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی دیگر بے شمار بہترین توجیہات اور اس سلسلہ کی عمدہ رہنمائی پر مشتمل احادیث ذخیرۂ احادیث میں موجود ہیں۔

اگر تربیت کرنے والے حضرات ان اسلامی احکام کو ملحوظِ خاطر رکھیں تو اولاد کو صحت مند طاقت ور اور اچھا عالم بنا سکتے ہیں۔ اور ان کو انحراف، بداخلاقی اور خراب ہونے سے بچا سکتے ہیں، اور ان کی فرصت کو ایسے کاموں میں مشغول کر سکتے ہیں جو انہیں دین ودنیا اور آخرت میں فائدہ پہنچائیں، اور ان کے معاشرے کو اسلام کا مثالی معاشرہ اور ان کو جانثار لشکر اور صحیح داعی اور باعمل نوجوان بنا سکتے ہیں۔

۵ : بری صحبت اور برے دوست وساتھی

بچوں کو بگاڑنے اور خراب کرنے کا سب سے بڑا سبب بری صحبت اور بدکردار ساتھی ہوتے ہیں۔ اور خاص طور سے اگر بچہ بے وقوف سیدھا سادھا لاابالی اور کمزور عقیدہ والا ہو تو گندی مجلسوں اور بدکرداروں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے جلدی متأثر ہو کر ان کی گندی عادات اور برے اخلاق اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔ بلکہ بری راہ پر نہایت سرعت وتیزی سے ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگتا ہے، اور جرم اور برائیاں اس کی طبیعت اور انحراف وکج روی اس کی پکی عادت بن جاتی ہے اور پھر اس کو راہِ راست پر واپس لانا اور گمراہی کے گڑھے اور ہلاکت کے کنویں سے نکالنا مشکل ہو جاتا ہے۔

اسلام نے اپنی تربیتی توجیہات اور تعلیمات کے ذریعہ والدین اور تربیت کرنے والے حضرات کی توجہ اس طرف مرکوز کر دی کہ وہ اپنی اولاد کی مکمل نگرانی رکھیں، خاص کر اس عمر میں جب وہ ہوشیار ہو جائیں اور بالغ ہونے کی عمر کو پہنچ جائیں تاکہ ان کو معلوم ہو کہ بچے کس کے ساتھ رہتے ہیں اور کس کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں؟ کہاں صبح وشام گزارتے ہیں؟ اور کن کن جگہوں پر ان کا آنا جانا رہتا ہے؛ اس طرح اسلام نے یہ بھی رہنمائی کی کہ اولاد کے لیے نیک اور اچھے ساتھیوں کا انتخاب کیا جائے تاکہ وہ ان سے اچھے اخلاق وآداب اور عادات سیکھیں، اور یہ بھی متنبہ کر دیا کہ انہیں گندے اور بدکردار ساتھیوں سے بچایا جائے تاکہ یہ بھی ان جیسے گمراہ، کج رو اور بداخلاق نہ بنیں۔

بدکردار لوگوں اور گندے اور خراب ساتھیوں سے بچنے کے سلسلہ میں اسلام نے جو تعلیمات پیش کی ہیں اور برے ساتھیوں کی رفاقت سے بچنے کا جو حکم دیا ہے ان میں سے چند درج ذیل ہیں
ارشاد ربانی ہے:

۱۱وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي	اور جس دن گنہگار اپنے ہاتھوں کو کاٹ کر کھلئے
اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ۞ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ	گا اور کہے گا اے کاش کہ میں نے پکڑا ہوتا رسول
لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ۞ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ	کے ساتھ راستہ۔ اے خرابی میری کاش کہ میں

الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِيْ ۗ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْإِنْسَانِ خَذُوْلًا ۝ »۔ الفرقان ۔ ۲۷ تا ۲۹

نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس نے تو مجھے نصیحت سے بہکا دیا اس کے بعد کہ نصیحت مجھے پہنچ چکی تھی، اور شیطان انسان کو وقت پر دغا دینے والا ہے۔

نیز ارشاد ہے:

« قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ أَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ۝ »۔ ق ۔ ۲۷

اس کا ساتھی شیطان بولا اے ہمارے رب میں نے تو اس کو شرارت پر نہیں ڈالا یہ تو خود راہ کو بھولا ہوا دور پڑا تھا۔

اسی طرح ارشاد ہے:

« اَلْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ۝ »۔ الزخرف ۔ ۶۷

جتنے دوست ہیں اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر وہ لوگ جو ڈر والے ہیں۔

امام ترمذی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

« المرء علی دین خلیله، فلینظر أحدکم من یخالل »

انسان اپنے دوست کے مذہب پر ہوتا ہے اس لیے تم میں سے ہر ایک دیکھ لے کہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔

امام بخاری و مسلم روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

« مثل الجلیس الصالح والجلیس السوء کمثل حامل المسك ونافخ الکیر، فحامل المسك إما أن یحذیك، أو تشتری منه، أو تجد منه ریحاً طیبة. ونافخ الکیر إما أن یحرق ثیابك، أو تجد منه ریحاً منتنة »۔

اچھے ساتھی اور برے ساتھی کی مثال ایسی ہے جیسے کہ مشک والا اور بھٹی پھونکنے والا، چنانچہ مشک والا یا تم کو مشک ہدیہ کر دے گا یا تم اس سے خرید لو گے یا تم اس کی اچھی خوشبو سونگھ لو گے، اور بھٹی پھونکنے والا یا تمہارے کپڑے جلا دے گا یا تم اس کی بدبودار بو سونگھو گے۔

اسی طرح امام ترمذی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« المرأ مع من أحب وله ما اکتسب »۔

انسان اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہے اور اس کے لیے وہی ہے جو اس نے کمایا۔

ابن عساکر نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

« إیاك وقرین السوء فإنك

برے ساتھی سے بچو اس لیے کہ تم اسی کے ذریعہ پہچانے

تعرف بہ))۔ جائے گے۔

اس لیے والدین اور تربیت کرنے والے حضرات کو چاہیے کہ وہ ان بہترین توجیہات و رہنمائی باتوں پر عمل کریں، تاکہ ان کی اولاد کی اصلاح ہو۔ اور ان کے اخلاق بلند ہوں، اور معاشرہ میں ان کا مقام بلند ہو، اور وہ امت کے لیے بھلائی کا ذریعہ اور اصلاح کے پیغامبر اور ہدایت کے داعی ہوں اور ان کی اصلاح کی وجہ سے معاشرہ کی بھی اصلاح ہو جائے۔ اور قوم ان کے اچھے کارناموں عالی صفات پر فخر کر سکے۔

۹ : بچہ کے ساتھ والدین کا نامناسب اور بُرا برتاؤ کرنا

علماءِ تربیت کا تقریباً اس پر اتفاق سا ہے کہ والدین اور تربیت کرنے والے حضرات اگر بچے کے ساتھ سخت و ترش رویہ اختیار کریں گے اور مار پیٹ اور ڈانٹ ڈپٹ سے اس کو اَدب سکھائیں گے، اور وہ ہمیشہ ذلت و رسوائی کا نشانہ بنا رہے گا۔ اور اس کی تحقیر تذلیل کی جاتی رہے گی، اور مذاق اڑایا جاتا رہے گا تو اس کا ردِعمل اس کے عادات و اخلاق پر ظاہر ہوگا۔ اور اس کے کام کاج میں خوف و ڈر کی جھلک نمایاں ہوگی۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے نوبت خودکشی یا والدین کے ساتھ لڑائی جھگڑے اور قتل تک پہنچ جائے، یا وہ گھر سے اس لیے بھاگ جائے۔ تاکہ اس ظالمانہ سختی اور مار پیٹ کی اذیت سے بچ جائے۔

جب بچے کی یہ حالت ہوگی تو اگر ایسی صورت میں ہم اس کو معاشرہ میں مجرم شخص بنتے دیکھیں اور اس کی زندگی میں انحراف اور بدکرداری نمایاں پائیں تو اس میں ذرا سا بھی تعجب نہ ہوگا۔ اور اس میں کج روی۔ بدکرداری اور بے حیائی اور ٹیڑھا پن پیدا ہونے میں ذرا بھی حیرت نہ ہوگی۔

اسلام اپنی ان تعلیمات کے ذریعہ جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قابلِ عمل ہیں۔ تربیت کرنے والوں اور رہنمائی و اصلاح کے ذمہ داروں اور خصوصاً ماں باپ کو یہ حکم دیتا ہے کہ وہ بلند اخلاقی، نرم مزاجی شفقت و رحم دلی کا مظاہرہ کریں۔ تاکہ اولاد کی نشوونما صحیح ہو سکے۔ اور ان میں جرأت و استقلال اور خود اعتمادی پیدا ہو۔ اور وہ یہ محسوس کریں کہ وہ قابلِ احترام شخصیت اور عزت و مرتبہ کے مالک ہیں

اسلام نے عالی ظرفی، بلند اخلاق اور شفقت و رحم دلی کے سلسلہ میں جو رہنمائی کی ہے اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

«إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ». النحل۔۹۰
اللہ حکم کرتا ہے انصاف اور بھلائی کرنے کا اور قرابت والوں کو دینے کا۔

نیز ارشادِ ربانی ہے:

« وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ». آل عمران۔۱۳۴
اور وہ لوگ جو غصہ کو دبا لیتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو چاہتا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد باری ہے:

« وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا ». البقرہ۔۸۳
اور سب لوگوں سے نیک بات کہو۔

نیز فرمایا:

« وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ». (آل عمران۔۱۵۹)
اور اگر آپ ہوتے تند خو سخت دل تو متفرق ہو جاتے آپ کے پاس سے۔

امام بخاری رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

«إن الله يحبُّ الرفق في الأمر كله».
اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند فرماتے ہیں۔

امام احمد و بیہقی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ مبارک نقل کرتے ہیں کہ:

«إن أراد الله تعالى بأهل بيت خيرًا أدخل عليهم الرفق، وإن الرفق لو كان خلقًا لما رأى الناس خلقًا أحسن منه، وإن العنف لو كان خلقًا لما رأى الناس خلقًا أقبح منه».
اللہ تعالیٰ جب کسی گھر والوں کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو ان میں نرمی پیدا کرتے ہیں، اور نرمی و رفق اگر بالفرض کوئی مخلوق ہوتی تو ایسی خوبصورت ہوتی کہ لوگوں نے اس سے خوبصورت کوئی اور مخلوق نہ دیکھی ہوتی، اور سختی اگر کسی مخلوق کی شکل میں ہوتی تو ایسی قبیح ہوتی کہ مخلوق نے اس سے زیادہ بدمنظر کوئی مخلوق نہ دیکھی ہوتی۔

ابو الشیخ کتاب الثواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ مبارک نقل کرتے ہیں:

«رحم الله والداً أعان ولده على بره». — اللہ تعالیٰ اس والد پر رحم کرے جو بھلائی میں اپنے بچہ کی معاونت کرے۔

امام ابوداؤد و ترمذی نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

«الراحمون يرحمهم الرحمن ارحموا من في الأرض يرحمكم من في السماء». — رحم کرنے والوں پر رحمان (اللہ تعالیٰ) رحم کرتا ہے تم زمین والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والا رحم کرے گا۔

نرمی، خوش اخلاقی اور اچھے معاملہ کے سلسلہ میں اسلام کی یہ توجیہات ہیں۔ اس لیے والدین کو اس پر عمل کرنا چاہیے اور اس کے مطابق تربیت کرنا چاہیے، اور اگر بچوں کی زندگی بنانا اور ان کو سیدھے راستہ پر چلانا، اور معاشرہ میں باکردار دیکھنا چاہتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ ان ارشادات کے مطابق عمل کریں اور اس راستہ پر چلیں۔

لیکن اگر بچوں کے ساتھ ٹیڑھا طریقہ اختیار کیا گیا اور سختی برتی گئی اور سخت و دردناک سزا دی گئی تو بچوں پر ایک قسم کی زیادتی ہوگی کہ انہیں اس غلط تربیت اور سختی کی زندگی میں جکڑا جائے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ان میں سرکشی، نافرمانی اور انحراف پیدا ہوگا۔ اس لیے کہ والدین نے خود ہی بچوں میں بچپن ہی سے نافرمانی سرکشی اور انحراف کا بیج بو دیا تھا۔

ایک صاحب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنے بیٹے کی نافرمانی کی شکایت لیکر آئے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لڑکے کو بلا کر تنبیہ کی اور والدین کے حقوق ادا نہ کرنے پر اس کو ڈانٹا، تو لڑکے نے کہا: اے امیر المومنین کیا لڑکے کا والد پر کوئی حق نہیں ہوتا ہے؟ انہوں نے فرمایا: کیوں نہیں، اس نے کہا: اے امیر المومنین وہ حق کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا، شادی کرتے وقت اولاد کے لیے اچھی ماں کا انتخاب کرے، بچہ کا اچھا نام رکھے، اور اسے قرآنِ کریم کی تعلیم دے، لڑکے نے کہا: اے امیر المومنین میرے والد نے تو ان میں سے کوئی بھی حق ادا نہیں کیا، اس لیے کہ میری والدہ ایک مجوسی کی حبشی باندی ہیں، اور میرے والد نے میرا نام جعل (سیاہ فام و بدصورت) رکھا ہے، اور انہوں نے مجھے قرآنِ کریم کی کچھ بھی تعلیم نہ دی۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان صاحب کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے کہا: تم تو میرے پاس اپنے بیٹے کی نافرمانی کی شکایت لے کر آئے تھے تم نے تو اس کے نافرمان ہونے سے پہلے خود ہی اسے نافرمان بنا دیا تھا۔ اور تم نے اس کے ساتھ برا معاملہ کیا اس سے پہلے کہ وہ تمہارے ساتھ برا معاملہ کرے۔ اور اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لڑکے کے نافرمان ہونے کی ذمہ داری باپ پر ڈال دی، اس لیے کہ اس نے اس کی

تربیت ہی نہ کی تھی۔

سیرت کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت معاویۃ بن اُبی سفیان رضی اللہ عنہما اپنے بیٹے یزید سے ناراض ہو گئے تو احنف بن قیس کے پاس آدمی بھیجا تاکہ ان سے بچوں کے بارے میں ان کی رائے معلوم کی جائے، تو انہوں نے کہا: بچے ہمارے دلوں کا پھل اور ہماری پشت کا سہارا ہیں، اور ہم ان کے لیے ہموار زمین ہیں اور سایہ فگن آسمان ہیں. لہٰذا اگر وہ تم سے کچھ مانگیں تو دے دیا کرو، اور اگر وہ ناراض ہو جائیں تو انہیں راضی کر لیا کرو، اس لیے کہ وہ اس کے بدلے تمہیں اپنی محبت کا صلہ دیں گے اور اپنی محنت کا پھل دیں گے، ان پر سختی نہ کرنا ورنہ وہ تمہاری زندگی سے تنگ ہو جائیں گے اور تمہارے مرنے کی تمنا کریں گے۔

ان دونوں واقعات سے والدین کو عبرت اور نصیحت حاصل کرنا چاہیے۔ اور ان کے ساتھ ملاطفت اور نرمی برتنا چاہیے اور ان سے اچھا برتاؤ روا رکھنا چاہیے، اور ان کی تربیت و رہنمائی کے سلسلہ میں سیدھا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

ز: بچوں کا جنس اور جرائم پر مشتمل فلموں کا دیکھنا

بچوں کے خراب ہونے کا سب سے بڑا ذریعہ جوان کو بدکرداری اور بداخلاقی کا عادی بناتا ہے، اور مجرمانہ زندگی کی طرف لے جانے کا ذریعہ بنتا ہے وہ ہے سینما اور فلموں اور ٹیلی ویژن پر پولیس کی کارروائی اور حیا سوز مناظر سے پُر فلمیں اور گندے مناظر، اسی طرح وہ رسالے اور کتابیں جو مخرب اخلاق جنسی واقعات و کہانیوں اور شہوت انگیز قصوں پر مشتمل ہوتی ہیں، ان سب کا مقصد اور غرض شہوت کو بھڑکانا اور انحراف اور جرم پر آمادہ اور جری کرنا ہوتا ہے، ان سے تو بڑوں کے اخلاق بھی خراب ہو جاتے ہیں چہ جائیکہ بچے اور بلوغ کی عمر کو پہنچنے والے ناسمجھ لڑکے؟!

یہ ایک بدیہی سی بات ہے کہ بچہ جب سمجھدار ہوتا ہے اور ہوش سنبھالتا ہے تو یہ تصویریں اس کے ذہن پر نقش اور مشاہدات اس کے تصور میں جاگزین ہو جاتے ہیں. اور وہ لازمی طور سے ان کی نقل اور پیروی کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، قریب البلوغ بچے کے لیے اس سے بڑھ کر اور کوئی چیز نقصان دہ نہیں کہ وہ ایسے مناظر دیکھے جو اس کو جرم پر جری کریں اور فساد اور بے حیائی اور اخلاقی خرابی کی طرف متوجہ کریں. اور خاص کر اس وقت جب کہ بچہ بے لگام اور آزاد ہو اس کی نگرانی اور دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں ہو۔

اس بات میں کوئی بھی دو فرد اختلاف نہیں کر سکتے کہ اس جیسی گندی فضاء اور خراب ماحول اور حیاء سوز مناظر کا بچوں اور لڑکوں کی نفوس پر بہت برا اثر پڑتا ہے. اور ایسی صورت میں ان پر نہ والدین کی نصیحت کا اثر ہوتا

ہے نہ تربیت کرنے والے حضرات اور معلم ومدرسین کی توجیہات ورہنمائی کا۔

اسلام نے اپنے تربیتی قواعد کے ذریعہ والدین، تربیت کرنے والوں اور ذمہ داروں کے لیے بچوں کی تربیت ورہنمائی اور ان کے حقوق وفرائض کی ادائیگی کے سلسلہ میں نہایت زبردست اور شاندار نظام اور طریقہ پیش کیا ہے۔

اس نظام کی بنیادی باتوں میں سے یہ ہے کہ بچوں کو ہر ایسی چیز سے پورے طور سے بچایا جائے جو ان کے اور ان کے والدین کے لیے اللہ کے غضب وناراضگی اور جہنم میں داخلہ کا موجب ہو، تاکہ اللہ تعالے کے درج ذیل حکم پر عمل ہو:

((يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا)). (التحریم - ۶)	اے ایمان والو تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل عیال کو آگ سے بچاؤ۔

اس نظام کی بنیادی باتوں میں سے یہ بھی ہے کہ جن کی تربیت ورہنمائی کا ان پر حق ہے وہ اسے محسوس کریں تاکہ مکمل طریقہ اور صحیح طور سے اپنی ذمہ داری کو پورا کرسکیں، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

((الرجل راع فی بیت أهله ومسئول عن رعیته)).	انسان اپنے گھر کا رکھوالا ہے اور اس سے اپنی رعایا کے بارے میں بازپرس ہوگی۔

اس نظام کی بنیادی باتوں میں سے یہ بھی ہے کہ بچوں کو ان تمام چیزوں سے بچائیں جو ان کو نقصان پہنچانے والی اور ان کے عقیدہ کو خراب اور اخلاق کو بگاڑنے والی ہوں، اس لیے کہ امام مالک اور ابن ماجہ رحمہما اللہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کا یہ فرمان مبارک روایت کرتے ہیں:

((لا ضرر ولا ضرار)).	نہ نقصان اٹھانا ہے نہ نقصان پہنچانا ہے۔

اسلام کے ان بنیادی اصولوں اور تربیت سے متعلق اس نظام کی روشنی میں ہر باپ اور مربی ومسئول کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں کو جنسی اور مار دھاڑ اور پولیس کارروائیوں پر مشتمل فلمیں دیکھنے سے روکیں، اور اسی طرح ان کو گندے اور مخرب اخلاق رسالوں، عشق ومحبت سے بھرے ہوئے ناولوں اور کفر والحاد سے بھرپور کتابوں کے خریدنے اور پڑھنے سے باز رکھیں، خلاصہ یہ ہے کہ مسئولین وتربیت کرنے والوں کا یہ فریضہ ہے کہ وہ بچوں کو ان تمام چیزوں سے روکیں جو عقیدہ خراب کرنے والی اور ان کو مجرمانہ زندگی اور بے حیائی اور بداخلاقی کی جانب لے جانے والی ہوں۔

خدا نے چاہا تو اس کتاب تربیۃ الأولاد فی الإسلام کے دوسرے جزء میں جہاں ہم ایمانی تربیت کی ذمہ داری اور

اخلاقی تربیت کی ذمہ داری کے عنوان کے تحت گفتگو کریں گے وہاں ان بنیادی اصولوں اور اہم باتوں پر تفصیلی کلام کریں گے جنہیں اسلام نے بچے کے عقیدے واخلاق کی تربیت کے سلسلہ میں مقرر کیا ہے تاکہ جو شخص چاہے یہ بخوبی جان لے کہ اسلام دینِ حیات اور دینِ فطرت اور اصلاح وتربیت کا دین ہے:

((وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿﴾)). (المائدہ - ۵۰)

اور اللہ سے بہتر کون ہے حکم کرنے والا یقین کرنے والوں کے واسطے۔

ح: معاشرہ میں بے کاری وبیروزگاری کا پھیلنا

بچہ کے خراب ہونے کا بنیادی سبب لوگوں اور معاشرے میں بے کاری وبیروزگاری کا پھیلنا ہے۔ اس لیے کہ جس شخص کی بیوی اور بچے ہوں اور اس کے لیے کام کاج کے مواقع میسر نہ ہوں، نہ ذریعہ آمدنی ہو۔ اور نہ اس کے پاس اتنا مال ودولت اور جائیداد ہو جس سے اپنا اور بیوی بچوں کا پیٹ بھر سکے۔ اور ان کی ضروریات زندگی پوری کر سکے تو ایسی حالت میں پورا خاندان تباہ وبرباد اور تتر بتر ہوگا، اور لازمی طور سے بچے بے راہ روی اور مجرمانہ زندگی کی طرف مائل ہوں گے۔ بلکہ بسا اوقات ایسا بھی ہوگا کہ خاندان کا سربراہ اپنے گھر کے افراد بیوی بچوں کے ساتھ مل کر حرام طریقہ سے مال کمانے کی تدبیریں سوچے گا، اور اس کے لیے ناجائز راستے مثلاً چوری، ڈاکہ، لوٹ مار اور رشوت کو اختیار کرے گا، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ معاشرے میں انارکی پھیلے گی اور قوم تباہ وبرباد ہو جائے گی۔

اسلام نے چونکہ عدل وانصاف پر مبنی احکام جاری کیے ہیں اور افراد اور قوم سب کا خیال رکھا ہے اس لیے اس نے بے روزگاری کی تمام اقسام کا علاج کیا ہے خواہ بیکاری مجبوراً ہو یا سستی اور کاہلی کیوجہ سے۔

چنانچہ اسلام نے اس بیکاری کا جو مجبوراً ہو جس کی وجہ سے وہ شخص باوجود خواہش وتمنا کے کام کاج نہ پائے تو اسکا علاج دو طریقوں سے کیا ہے:

الف - حکومت پر لازم کر دیا کہ وہ لوگوں کے لیے کمائی کے راستے واسباب مہیا کرے۔

ب - معاشرہ اور قوم پر اس وقت تک اس کی امداد لازم کر دی جب تک وہ کام کاج نہ پالے۔

حکومت روزگار کے مواقع مہیا کرنے کی ذمہ دار اس لیے ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک انصاری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے کچھ

سوال کیا. تو آپ نے ان سے پوچھا کیا تمہارے پاس کچھ نہیں ہے؟ اس نے کہا: کیوں نہیں ایک ٹاٹ ہے جس کے کچھ حصہ کو ہم بچھا لیتے ہیں اور کچھ کو اوڑھ لیتے ہیں اور پانی پینے کے لیے ایک برتن ہے. آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جاؤ وہ دونوں چیزیں میرے پاس لے آؤ. وہ ان دونوں چیزوں کو لے آئے، آپ نے دونوں کو ہاتھ میں لے کر فرمایا: یہ دونوں چیزیں کون خریدتا ہے؟ ایک صاحب نے کہا: میں ان کو دو درہم میں خریدتا ہوں، چنانچہ آپ نے وہ دونوں چیزیں ان کو دے دیں اور درہم لے کر انصاری کو دے دیئے اور ان سے کہا: ایک درہم کا کھانا خرید کر گھر پہنچا دو اور دوسرے درہم سے ایک کلہاڑی خرید کر میرے پاس لے آؤ. چنانچہ وہ لے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں خود اپنے دستِ مبارک سے لکڑی لگائی، اور ان سے فرمایا: جاؤ اس سے لکڑی کاٹ کر فروخت کرو، پندرہ دن تک میں تم کو نہ دیکھوں، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا جب وہ دوبارہ آئے تو ان کے پاس دس درہم تھے، ان میں سے کچھ کے کپڑے خرید لیے اور کچھ سے کھانے کا سامان وغیرہ خرید لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((هذا خير لك من أن تجيء والمسألة نكتة في وجهك يوم القيامة)).	یہ (محنت مزدوری) تمہارے لیے اس سے بہتر ہے کہ تم قیامت میں اس حالت میں آؤ کہ تمہارا مانگنا تمہاری پیشانی پر ایک نقطہ کی شکل میں ظاہر ہو.

بے کار شخص جب تک کام کاج نہ پالے اور برسرِ روزگار نہ ہو جائے اس وقت تک لوگوں پر اس کی امداد لازم ہے اس لیے کہ امام مسلم رحمہ اللہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من كان معه فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له، ومن كان معه فضل زاد فليعد به على من لا زاد له)).	جس شخص کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہو اس کو چاہیئے کہ وہ اس شخص کو دے دے جس کے پاس سواری نہیں. اور جس کے پاس ضرورت سے زائد توشہ ہو وہ اس کو دے دے جس کے پاس توشہ نہیں.

بزار و طبرانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((ما آمن بي من بات شبعان وجاره جائع إلى جنبه وهو يعلم به)).	وہ شخص مجھ پر (حقیقت میں) ایمان نہیں لایا کہ جو خود پیٹ بھر کر رات گزارے اور اس کا ساتھ رہنے والا پڑوسی اس کے پڑوس میں بھوکا ہو. اور اس کو یہ معلوم بھی ہو.

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

((أيما رجل مات ضياعا بين أقوام	جو شخص مالداروں کے اردگرد ہوتے ہوئے بھی بھوک
أغنياء فقد برئت منهم ذمة الله	یا عدم توجہ کی وجہ سے مرگیا تو ان مالداروں سے اللہ اور
وذمة رسوله))۔	اس کے رسول کا ذمہ بری ہوگیا۔

فقہ کی کتاب "الاختیار لتعلیل المختار" میں لکھا ہے کہ اگر اس کو کسی نے کھلا پلا دیا اور کچھ دے دیا تو اوروں سے گناہ ساقط ہوجائے گا۔

اسلام نے اس بیروزگاری اور بیکاری کا جو ستی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے یعنی باوجود کام کاج کے مواقع میسر ہونے اور قدرت رکھنے کے پھر کام نہ کرنے والوں کا علاج یہ کیا ہے کہ ایسے لوگوں کی کڑی نگرانی کی ہے۔ اور اگر کسی کے بارے میں حکومت کو یہ معلوم ہوجائے کہ یہ ست ہے اور باوجود قدرت وطاقت کے کام نہیں کرتا تو حکومت اس کو نصیحت کرتی ہے اور اس کی بھلائی اور اس کا اپنا فائدہ اس کے سامنے رکھتی ہے اگر وہ پھر بھی کام پر آمادہ نہ ہو تو حکومت اس کو زبردستی اور طاقت کے ذریعے کام میں لگا دیتی ہے چنانچہ ابن جوزی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کی ایک ایسی جماعت سے ملاقات ہوئی جو کام نہیں کرتے تھے تو انہوں نے ان سے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے کہا: متوکل ہیں اللہ پر بھروسہ کرنے والوں میں سے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: تم جھوٹ کہتے ہو اس لیے کہ متوکل تو اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو زمین میں بیج بو کر اللہ پر توکل کرتا ہے، اور فرمایا: تم میں سے کوئی بھی شخص کمائی اور رزق کی تلاش سے یہ کہہ کر نہ رکے کہ: اے اللہ مجھے رزق دے دے، اس لیے کہ تمہیں معلوم ہے کہ سونا چاندی آسمان سے نہیں برسا کرتے، انہوں نے فقیروں اور غریب لوگوں کو اس بات سے روکا کہ وہ خیرات وصدقات پر بھروسہ کرکے بیٹھ جائیں اور کام کاج نہ کریں۔ فرمایا: اے فقراء کی جماعت اچھائیوں کی طرف سبقت لے جانے کی کوشش کرو اور مسلمانوں پر بوجھ نہ بنو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کلام اور ان کی رہنمائی سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ زکاۃ صرف اس لیے دی جاتی ہے کہ وقتی ضرورت پوری ہوجائے اور کام کاج کا موقعہ تلاش کرنے میں مدد ملے نہ کہ اس لیے کہ انسان ست ہوجائے اور بیٹھ کر کھانے کا عادی بن جائے۔ ہاں اگر بے کاری کا سبب معذوری یا بڑھاپا یا اور کوئی بیماری ہے تو حکومت کا فرض ہے کہ ان لوگوں کے حقوق وضروریات کا خیال رکھے اور ان کے لیے خوشگوار زندگی گزارنے کے مواقع فراہم کرے، اور ان کی صحیح کفالت کرے چاہے وہ معذور یا بوڑھا یا بیمار مسلمان ہو یا غیر مسلم۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ امام ابو یوسف کتاب الخراج میں روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

کا ایک گھر کے پاس سے گزر ہوا وہاں ایک نابینا بوڑھا فقیر کھڑا ہوا مانگ رہا تھا۔ انہوں نے پیچھے سے اس کے کاندھے پر ہاتھ مار کر پوچھا: تم کس مذہب سے تعلق رکھتے ہو؟ اس نے کہا: یہودی ہوں۔ انہوں نے پوچھا: بھیک مانگنے پر کیوں مجبور ہوئے؟ اس نے کہا کہ میں جزیہ (وہ ٹیکس جو غیر مسلموں سے لیا جاتا ہے) اور ضرورت اور عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے مانگ رہا ہوں، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے اپنے گھر لے گئے اور اپنے گھر سے اس کو کچھ مال دے دیا اور پھر بیت المال کے خزانچی کے پاس پیغام بھیجا کہ: اس شخص اور ان جیسے لوگوں کا خیال کیا کرو اس لیے کہ ہم نے یہ تو کوئی انصاف نہیں کیا کہ اگر ہم اس کی جوانی کو تو کھا جائیں (یعنی جوانی میں ان سے جزیہ لیتے رہیں) اور بڑھاپے میں ان کو اس طرح بے یارو مددگار چھوڑ دیں، صدقات فقراء ومساکین کے لیے ہی تو ہیں اور یہ شخص اہل کتاب کے مسکینوں میں سے ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کا ایک اور واقعہ ہے کہ وہ عیسائیوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے جن کو جذام ہو گیا تھا تو آپؓ نے بیت المال سے ان کو اتنا مال دینے کا حکم دیا جس سے ان کی ضروریات پوری ہو سکیں اور علاج ہو سکے اور عزتِ نفس باقی رہے۔

اسلام نے بیروزگاری و بھکاری کا اس طرح سے علاج کیا ہے۔ اور جیسا کہ آپ نے دیکھ لیا کہ یہ کتنا رحمدلانہ حکمت وانصاف والا علاج ہے، اور یہ واضح طور سے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اسلام رحمت وشفقت، انسانیت اور عدل وانصاف کا دین ہے۔ اللہ نے اس دین کو اس لیے نازل فرمایا ہے تاکہ وہ بشریت کے لیے پرسکون رہنمائی کا ذریعہ اور دنیاوی زندگی کی تاریکیوں کے لیے روشنی کا مینارہ بن جائے۔ اس لیے جو لوگ ان حقائق سے ناآشنا ہیں ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ اسلام کیا ہے؟ اور یہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہادی، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا اور اللہ کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر کیوں بھیجا تھا۔

ط : والدین کی بچوں کی تربیت سے کنارہ کشی

بچوں کو خراب کرنے اور ان کے اخلاق کے بگڑنے اور بے راہ روی کا جو سب سے بڑا ذریعہ وسبب بنتا ہے وہ ہے والدین کا بچہ کی تربیت سے کنارہ کش ہونا اور اس کی تربیت کی طرف توجہ نہ دینا۔

ہمیں یہ ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ ہم ماں کے درجہ اور ذمہ داری سے غافل نہ ہوں اس لیے کہ ماں اس امانت کی بڑی ذمہ دار ہے۔ اس کے ذمہ دیکھ بھال اور بچوں کی تربیت اور نگرانی اور رہنمائی کی بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ واقعی کسی نے بہت خوب کہا ہے ؎

الأم مدرسة إذا أعددتها أعددت شعبًا طيب الأعراق

ماں درحقیقت ایک مدرسہ ہے اگرتم نے اسے تیار کرلیا تو تم نے ایک پاک صاف قوم کو تیار کرلیا

اس لیے ذمہ داری اور مسئولیت کے سلسلہ میں باپ کی طرح ماں بھی مسئول اور ذمہ دار ہے۔ بلکہ ماں کی ذمہ داری زیادہ اہم اور زیادہ نازک ہے۔ اس لیے کہ ماں ولادت سے جوان ہونے تک بچہ کے ساتھ رہتی ہے اور وہ اس وقت تک اس کی پرورش کرتی رہتی ہے جب تک کہ وہ جوان ہوکر ذمہ داریاں اٹھانے والا اور معاشرہ کا ذمہ دار شخص نہ بن جائے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئول اور ذمہ دار کی حیثیت سے ماں کا مستقل تذکرہ کیا ہے فرمایا:

((والأم راعية في بيت زوجها ومسئولة عن رعيتها)). ماں اپنے شوہر کے گھر کی رکھوالی ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں بازپرس ہوگی۔

اس کا مقصد ہی یہ ہے کہ اس کو یہ محسوس ہوجائے کہ اسے بچوں کی تربیت اور معاشرہ کی تعمیر کے لیے باپ کا ہاتھ بٹانا اور اس کی معاونت کرنا چاہیے۔ اور اگر بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں ماں اپنے فرائض میں کوتاہی کرے گی۔ اور اپنی سہیلیوں، جان پہچان والوں، مہمانوں اور اِدھر اُدھر آنے جانے میں لگی رہے گی۔ اور باپ بچوں کی تربیت اور دیکھ بھال کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داری محسوس نہیں کرے گا۔ اور اپنا فارغ وقت گھومنے پھرنے اور دوستوں اور ساتھیوں کے ساتھ مجالس میں بیٹھ کر جائیے پانی میں ضائع کردے گا تو پھر لازمی طور سے بچوں کی تربیت یتیموں کی طرح ہوگی اور وہ آوارہ بچوں کی طرح گھومیں پھریں گے اور فساد کا ذریعہ اور لوگوں کے لیے خطرہ کا الارم بن جائیں گے۔

بہت ہی خوب کہا ہے شاعر نے ؎

ليس اليتيم من انتهى أبواه من هم الحياة وخلفاه ذليلا

یتیم وہ نہیں ہے جس کے ماں باپ زندگی کے غم سے آزاد ہوگئے ہوں اور اس کو تنہا چھوڑ گئے ہوں

إن اليتيم هو الذي تلقى له أمًا تخلت أو أبًا مشغولا

یتیم تو وہ ہے کہ جس کی ماں نے! اسے تنہا اکیلا چھوڑ دیا ہو اور اس کا باپ مشغول رہتا ہو

بھلا بتلائیے کہ آپ ایسے بچوں سے کیا توقع رکھیں گے جن کے ماں باپ اولاد کو اس طرح مہمل چھوڑ دیں اور ان کے سلسلہ میں اس طرح تقصیر برتیں اور کوتاہی کریں، لازمی طور سے ایسے بچے مجرم بنتے ہیں۔ بے راہ روی اختیار کرتے ہیں۔ اس لیئے کہ ماں بچے کی تربیت ودیکھ بھال نہیں کرتی، اور باپ اپنی نگرانی اور تربیت کے فریضہ میں کوتاہی برتتا ہے۔

یہ معاملہ اس وقت اور بھی سنگین ہو جاتا ہے جب ماں باپ زیادہ تر اپنا وقت بے راہ روی اور برائیوں میں گزار دیں، اور لذات و شہوات میں غرق ہوں، اور اباحیت اور اخلاقی بے راہ روی اور جنسی آزادی کے دلدادہ ہوں، ایسی صورت میں بچہ میں زیادہ خطرناک انحراف و بے راہ روی پیدا ہوتی ہے۔ اور وہ مجرمانہ زندگی میں بہت زیادہ آگے بڑھ جاتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

ولیس النبت ینبت فی جنان	کمثل النبت ینبت فی الفلاۃ
وہ گھاس جو کہ باغوں میں پیدا ہوتی ہے وہ	اس گھاس کی طرح نہیں ہوسکتی جو جنگلات میں پیدا ہوتی ہے
وھل یرجی لأطفال کمال	إذا ارتضعوا ثدی الناقصات
اور کیا ایسے بچوں سے کسی کمال کی توقع کی جاسکتی ہے	جو ناقص عورتوں کے سینہ سے دودھ پئیں

اسلام نے ذمہ داریوں کے تحمل کے سلسلہ میں بچوں کی تربیت کی بڑی ذمہ داری والدین پر ڈالی ہے۔ اور ان کو اس بات کا پابند کیا ہے کہ وہ بچوں کی ایسی کامل تربیت کریں جس کے نتیجہ میں وہ زندگی کی ذمہ داریوں کو سنبھال سکیں۔ اور تربیت کے سلسلہ میں ان کی تفریط، کوتاہی اور تقصیر پر دردناک عذاب سے ڈرایا ہے:

«یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَیْهَا مَلٰٓىِٕكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ﴿۶﴾»۔	اے ایمان والو بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اس پر تندخو بڑے مضبوط فرشتے (مقرر) ہیں۔ وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے کسی بات میں جو وہ ان کو حکم دیتا ہے۔ اور جو کچھ حکم دیا جاتا ہے۔ اسے (فوراً) بجا لاتے ہیں۔
التحریم-۶	

بچوں کی دیکھ بھال اور تربیت کے اہتمام اور ان کے امور کی نگرانی کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سے زیادہ مرتبہ حکم دیا اور بہت سی مرتبہ وصیت فرمائی ہے۔ آپ کی وصیتوں اور احکامات میں چند ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) «الرجل راع فی أھلہ ومسئول عن رعیتہ، والمرأۃ راعیۃ فی بیت زوجھا ومسئولۃ عن رعیتھا»۔ (رواہ البخاری ومسلم)	مرد اپنے گھر کا نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں بازپرس ہوگی۔ اور عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگہبان ہے اور اس سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں بازپرس ہوگی۔
(۲) «أدبوا أولادکم وأحسنوا أدبھم»۔	اپنے بچوں کو ادب سکھاؤ اور ان کی اچھی

(رواہ ابن ماجہ) تربیت کرو۔

(۳) «علموا أولادكم وأهليكم الخير وأدبوهم»۔ (رواہ عبدالرزاق وسعید بن منصور)
اپنے بچوں کو اور گھر والوں کو خیر کی تعلیم دو۔ اور ان کو ادب سکھاؤ۔

(۴) «مروا أولادكم بامتثال الأوامر، واجتناب النواهي، فذلك وقاية لهم من النار»۔ (رواہ ابن جریر)
اپنی اولاد کو شریعت کے احکامات پر عمل کرنے اور ممنوع چیزوں سے بچنے کا حکم دو۔ اس لیے کہ یہ ان کے لیے جہنم سے بچنے کا ذریعہ ہے۔

(۵) «أدبوا أولادكم على ثلاث خصال، حب نبيكم، وحب آل بيته، وتلاوة القرآن، فإن حملة القرآن في ظل عرش الله، يوم لا ظل إلا ظله»۔ (رواہ الطبرانی)
اپنے بچوں کو تین باتیں سکھلاؤ، اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت، ان کے اہل بیت سے محبت، اور قرآن کریم کی تلاوت اس لیے کہ قرآن کریم کے حاملین اس دن اللہ کے عرش کے سایہ میں ہوں گے جس دن اس کے عرش کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔

تربیت کرنے والوں کی ذمہ داریوں کی تفصیل ہم اس کتاب "تربیۃ الاولاد فی الاسلام" کی دوسری قسم میں بیان کریں گے جو انشاء اللہ قارئین کے لیے تشفی بخش اور سیر حاصل بحث ہوگی۔

ی: یتیم ہونا بچے کی خرابی اور انحراف میں جن بنیادی اسباب کو دخل ہے ان میں سے ایک بنیادی سبب یتیمی ہے جو بچوں کو اس وقت پیش آتی ہے جب وہ زندگی کے بالکل ابتدائی مراحل میں ہوتے ہیں۔ یہ نو عمر بچہ جس کے والد کا انتقال ہو جاتا ہے اگر یہ بچہ سر پر کوئی شفقت کا ہاتھ پھیرنے والا اور رحم کرنے والا دل نہ پائے اور اپنے بڑوں کی جانب سے اسے ہمدردانہ اور اچھا برتاؤ نہ ملے اور اس کے معیار کو بلند کرنے کے لیے کامل و مکمل دیکھ بھال نہ ہو اور ایسی مکمل مدد اس کو نہ ملے جس سے اس کا پیٹ بھرے تو اس کا لازمی اثر یہ ہوگا کہ یہ یتیم بچہ تدریجاً انحراف کی جانب بڑھتا رہے گا اور مجرمانہ زندگی کی جانب آہستہ آہستہ پیش قدمی کرتا رہے گا بلکہ مستقبل میں وہ امت کے شیرازہ کو بکھیرنے اور اس کی عمارت کو ڈھانے اور اس کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے اور قوم کے افراد میں آوارگی اور آزادی اور لاقانونیت اور انتشار پھیلانے کا سبب بنے گا۔

اسلام چونکہ ہمیشہ ہمیشہ رہنے والا دین ہے۔ اس کے قوانین نہایت جامع درست اور ابدی اور رہتی دنیا تک کے لیے ہدایت کا نور ہیں اور اسلام کو ساری عمر اور آئندہ کی تمام امت کی ہدایت کا کام کرنا تھا۔ اس لیے اس نے یتیم کے کفالت کرنے اور دیکھ بھال کرنے والوں اور قرابت داروں کو یہ حکم دیا ہے کہ اس کے

ساتھ اچھا برتاؤ کریں۔ اور اس کی دیکھ بھال اور کفالت کی ذمہ داری پوری کریں۔ اور بذاتِ خود اس کی نگرانی اور تربیت کریں، تاکہ وہ اچھی تربیت حاصل کرے اور اس میں اچھے اخلاق پیدا ہوں، اور نفسیاتی طور پر باکمال فرد بنے، اور وہ یتیم بچہ اپنے کفیل اور ذمہ دار لوگوں میں محبّت و شفقت اور پیار و الفت پورے طور سے محسوس کرے۔

یتیم بچہ کی دیکھ بھال اور اس سے شفقت و محبّت کے سلسلہ میں اسلام نے جو احکامات اور تعلیم دی ہے ان میں سے کچھ ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

«وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ». البقرۃ - ۲۲۰

اور آپ سے پوچھتے ہیں یتیموں کا حکم، کہہ دیجیے سنوارنا ان کے کام کا بہتر ہے اور اگر ان کا خرچ ملالو تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔

نیز ارشاد فرمایا:

«فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ؕ». الضحیٰ - ۹

تو آپ بھی یتیم پر سختی نہ کیجیے۔

نیز ارشاد ربانی ہے:

«اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ؕ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ؕ». الماعون - ۱ و ۲

بھلا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا ہے جو روزِ جزا کو جھٹلاتا ہے سو وہ شخص جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔

نیز ارشاد فرمایا:

«اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ؕ». النساء - ۱۰

جو لوگ کہ کھاتے ہیں یتیموں کا مال ناحق وہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ ہی بھر رہے ہیں اور عنقریب آگ میں داخل ہوں گے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«من وضع يده على رأس يتيم رحمة كتب الله له بكل شعرة مرت على يده حسنة». رواہ احمد و ابن حبان

جو شخص یتیم کے سر پر اپنا شفقت کا ہاتھ پھیرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر اس بال کے بدلے جس پر اس کا ہاتھ پھرتا ہے ایک نیکی لکھ دیتے ہیں۔

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«من قبض يتيما بين المسلمين إلى طعامه وشرابه حتى يغنيه الله تعالى، أوجب الله تعالى له الجنة

جو شخص کسی مسلمان کے یتیم بچے کو اپنے ساتھ کھلاتا پلاتا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو مستغنی کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت لازمی طور سے

أبتة إلا أن يعمل ذنبًا لا يغفر له»۔ (رواہ الترمذی)

واجب کردیتا ہے مگر یہ کہ وہ شخص کوئی ایسا گناہ کرلے جو ناقابلِ مغفرت ہو۔

اور حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ،

«أنا وكافل اليتيم فى الجنة كهاتين. وأشار بأصبعيه السبابة والوسطى»۔ (رواہ الترمذی)

میں اور یتیم بچے کی پرورش وکفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔ اور آپ نے اپنی دو انگلیوں شہادت والی اور درمیان والی کی طرف اشارہ کیا۔

اس کے علاوہ اور دیگر احکاماتِ خداوندی اور ارشاداتِ نبوی جو اس بات کو بتلاتے ہیں کہ یتیم کی پرورش کفالت ودیکھ بھال ہر رشتہ دار کا فرض ہے اور اگر وہ لوگ خود غریب ہوں اور مادی طور پر ان کی کفالت کرنے کے قابل نہ ہوں تو حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ ان کی کفالت کرے اور دیکھ بھال کی ذمہ داری سنبھالے اور ان کی تربیت کرے تاکہ وہ آوارگی اور مہمل پھرنے اور خراب ہونے سے بچیں ۔

بچے کے انحراف اور خراب ہونے کے یہ اہم بنیادی اسباب وعوامل ہیں جو نہایت خطرناک وضرر رساں ہیں جیساکہ آپ نے مشاہدہ کرلیا، اس لیے اگر تربیت کے ذمہ دار حضرات نے ان عوامل کا تدارک اور علاج نہ کیا اور ان اسباب کی بیخ کنی نہ کی ۔ اور اسلام نے اصلاح وتربیت کے لیے جو مفید اور مؤثر علاج مقرر کیا ہے اسے اختیار نہ کیا ۔ تو بچوں کی نشوونما برائیوں میں ہوگی ۔ اور وہ مجرمانہ زندگی کے مطابق بڑھے پلیں گے اور ہر قسم کی برائی اور بے حیائی اور فساد کو اپنائیں گے ، بلکہ وہ معاشرہ کو خراب کرنے اور اس کی بنیادیں کھوکھلی کرنے اور لوگوں کے امن وسکون کے برباد کرنے کا ذریعہ بنیں گے ۔ اور پھر ان کا راہ راست پر لانا اور انہیں حق بات سمجھانا اور اچھائیوں کی طرف لوٹا کر لانا اور ہدایت وخیر کے راستہ کی جانب پھیر دینا نہایت مشکل اور دشوار ہوجائیگا اس لیے والدین اور تربیت کرنے والے حضرات کو چاہیئے کہ اولاد کی تربیت اور ان کی برائیوں اور فساد کے علاج اور ان کے چال چلن کے درست کرنے ، ان کو مہذب وشائستہ بنانے ان کے عقیدہ کو درست کرنے اور ان کو خیر وبھلائی اور اخلاق کے سکھانے کے سلسلہ میں اسلام کے بتلائے ہوئے طریقہ کو اپنائیں اور اس کے بہترین نظام پر عمل پیرا ہوں ، تاکہ ان کی اولاد ارواح کی پاکیزگی ، نفوس کی صفائی ، اور باطن کی طہارت ، اور اللہ کے حکم بجالانے میں فرشتوں کی طرح بن جائے ۔ بلکہ وہ ہر اچھائی ، نیکی —— اور قربانی وجدوجہد اور اخلاق وعملِ صالح میں دوسروں کے لیے بہترین نمونہ بن جائیں گے ۔

میں خاتمہ میں سوائے اس کے اور کچھ نہیں کرسکتا کہ نہایت عاجزی سے اللہ جل جلالہٗ سے دعا کروں

کہ مسلمانوں کو ایسے کاموں کی توفیق دے جو ان کی عزت وسعادت کا ذریعہ بنیں، اور ان کو ایسا ایمانِ کامل نصیب کرے جس کی حلاوت وشیرینی ان کو اپنے دلوں میں محسوس ہو۔ اور ان کو ہمیشہ راہِ راست اور ہدایت پر قائم رکھے جس کی جھلک ان کے اقوال وافعال میں نظر آتی رہے۔ اور ان میں سے ایسی طاقتور ومضبوط امت پیدا فرمائے جو تہذیب کو پروان چڑھائے اور علم کو پھیلائے اور عزت وشرافت کی عمارت تعمیر کرے، اور اپنے طاقتور ونوجوان بازوؤں سے عزت ونصرت اور فتح کے جھنڈے بلند کرے، اور تاریخ کا دھارا موڑ دے، اور اس امت کے لیے اس کی زائل شدہ عزت وکرامت اور چھینی ہوئی شان وشوکت اور عظیم الشان مملکت کو واپس لوٹا دے، اور یہ سب کچھ اللہ کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ بیشک دعاؤں کا قبول کرنا ہی اس کی شان کے لائق ہے۔ اور وہ بہترین مسئول ہے۔ اور ہماری آخری بات یہی ہے کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو تمام عالم کا رب ہے۔

قسمِ ثانی

تربیت کرنے والوں کی ذمہ داریاں:

۱ : ایمانی تربیت کی ذمہ داری

۲ : اخلاقی تربیت کی ذمہ داری

۳ : جسمانی تربیت کی ذمہ داری

۴ : عقلی تربیت کی ذمہ داری

۵ : نفسیاتی تربیت کی ذمہ داری

۶ : مَعاشرتی تربیت کی ذمہ داری

۷ : جنسی تربیت کی ذمہ داری

مقدمہ

وہ ذمہ داریاں جن کا اسلام نے بہت اہتمام کیا اور ان پر ابھارا اور اس کی طرف متوجہ کیا ہے ان میں سے مربیوں کے ذمہ ان لوگوں کی تربیت بھی ہے جن کی تعلیم وتربیت اور رہنمائی وتوجیہ ان کے ذمہ ہے درحقیقت یہ نہایت کٹھن، اہم اور بڑی ذمہ داری ہے۔ اس لیے کہ اس کی ابتدا اس وقت سے ہوتی ہے جب بچہ پیدا ہوتا ہے، اور پھر یہ ذمہ داری بچے کے ہوشیار ہونے، بالغ ہونے کے قریب کے زمانے، اور یہاں تک کہ وہ عاقل بالغ مکلف ہو جائے اس وقت تک جاری رہتی ہے۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تربیت کرنے والا مربی خواہ معلم واستاذ ہو یا ماں باپ یا معاشرہ کا نگران وہ جب بھی اپنی ذمہ داری پوری ادا کرے گا اور ذمہ داریوں اور حقوق کو پوری امانت داری عزم اور اسلام کے مطلوبہ طریقے کے مطابق ادا کرے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے ایک فرد کے اپنی پوری خصوصیات وکمالات کے ساتھ تیار کرنے میں اپنی پوری کوشش صرف کردی اور پھر اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس نے اپنی اس جدوجہد سے ایک نیک صالح ایسا معاشرہ تیار کرلیا جو اپنی تمام خصوصیات اور امتیازات کا حامل ہوگا۔ اور اس طرح۔ خواہ وہ محسوس کرے یا نہ کرے۔ اس نے ایک حقیقی وواقعی مثالی معاشرہ کی تعمیر میں حصہ لیا ہوگا جو اپنی منفرد خصوصیات وامتیازات کے ساتھ متصف ہوگا۔ جس میں صالح افراد کی تیاری اور نیک معاشرہ کو بنانے کی کوشش کی گئی ہوگی اور اصلاح کے سلسلہ میں اسلام کا یہی طریقہ ہے۔

قرآنِ کریم کی وہ آیات اور احادیثِ نبویہ جو تربیت کرنے والوں کو اپنے فرائض وذمہ داریاں پوری کرنیکا حکم دیتی ہیں اور اپنے واجب وفریضے میں کوتاہی سے ڈراتی ہیں۔ اگر ہم ان کو تلاش کریں تو ان کو اس کثرت سے پائیں گے کہ جن کو نہ شمار کیا جاسکے اور نہ ان کا احاطہ واستقصاء ہوسکے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ ہر مربی کو اپنی امانت کی بڑائی اور مسئولیت کی نزاکت اور اہمیت معلوم ہوجائے۔

اس مضمون کی آیات میں سے کچھ ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

(۱) ﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾۔ (طٰہٰ۔ ۱۳۲)

اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیتے رہیے اور خود بھی اس کے پابند رہیے۔

(۲) ((يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا))۔ التحریم ۶
اے ایمان والو بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے۔

(۳) ((فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝))۔ الحجر۔ ۹۲، ۹۳
سو قسم ہے آپ کے رب کی ہم کو پوچھنا ہے ان سب سے جو کچھ وہ کرتے تھے۔

(۴) ((يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ))۔ النساء ۱۱
اللہ تم کو حکم کرتا ہے تمہاری اولاد کے حق میں۔

(۵) ((وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ))۔ البقرہ ۲۳۳
اور بچے والی عورتیں دودھ پلائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس۔

(۶) ((وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ))۔ الممتحنۃ۔ ۱۲
اور اپنی اولاد کو نہ مار ڈالیں۔

(۷) ((وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ۝)) الصّٰفّٰت۔ ۲۴
اور کھڑا رکھو ان کو ان سے پوچھنا ہے۔

اور ان کے علاوہ اور بہت سی دوسری آیات کریمہ ہیں۔

اس سلسلہ میں جو احادیث شریفہ وارد ہوئی ہیں ان میں چند یہ ہیں:

(۱) ((الرجل راع في أهله ومسئول عن رعيته، والمرأة راعية في بيت زوجها ومسئولة عن رعيتها))۔ (بخاری و مسلم)
مرد اپنے گھر کا رکھوالا ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں باز پرس ہوگی، اور عورت اپنے شوہر کے گھر کی رکھوالی ہے۔ اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔

(۲) ((لأن يؤدب الرجل ولده خير من أن يتصدق بصاع))۔ (الترمذی)
انسان اپنے بیٹے کو ادب سکھائے یہ ایک صاع صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔

(۳) ((ما نحل والد ولداً أفضل من أدب حسن))۔ (الترمذی)
کسی باپ نے اپنے بیٹے کو اچھے ادب سے بہتر عطیہ و ہدیہ نہیں دیا۔

(۴) ((علموا أولادكم وأهليكم الخير وأدبوهم)) رواہ عبدالرزاق وسعید بن منصور
اپنی اولاد اور گھر والوں کو خیر سکھلاؤ اور با ادب بناؤ۔

(۵) ((أدبوا أولادكم على ثلاث خصال، حب نبيكم وحب آل بيته، وتلاوة القرآن))۔ (رواہ الطبرانی)
اپنی اولاد کو تین چیزیں سکھلاؤ: اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت۔ اور ان کے اہل بیت کی محبت اور قرآن کریم کی تلاوت۔

(۶) حضرت ابو سلیمان مالک بن الحویرث کہتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم ہم عمر — نوجوان تھے، ہم آپ کے پاس بیس دن ٹھہرے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال گزرا کہ ہم اپنے

گھر جانے کے خواہش مند ہیں، چنانچہ آپ نے ہم سے پوچھا کہ ہم گھر پر کس کس کو چھوڑ کر آئے ہیں؟ — ہم نے آپ کو بتلا دیا۔ آپ نہایت شفیق و رحمدل تھے آپ نے فرمایا:

«ارجعوا إلى أهليكم فعلموهم و مروهم، وصلوا كما رأيتموني أصلي فإذا حضرت الصلاة فليؤذن لكم أحدكم وليؤمكم أكبركم». (البخاری فی الأدب المفرد)

اپنے گھر چلے جاؤ اور گھر والوں کو علم سکھاؤ اور اچھی باتوں کا حکم دو، اور نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے دیکھا ہے، جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک آدمی اذان دے اور جو تم میں بڑا ہو وہ امامت کرائے۔

(۷) «لا تزول قدما عبد يوم القيامة حتى يسئل عن أربع: عن عمره فيما أفناه، وعن شبابه فيما أبلاه، وعن ماله من أين اكتسبه وفيما أنفقه، وعن علمه ما عمل فيه». (رواہ الترمذی)

قیامت کے روز کسی شخص کے پاؤں اپنی جگہ سے اس وقت تک نہ ہٹیں گے جب تک اس سے چار چیزوں کے بارے میں سوال نہ ہو جائے، عمر کے بارے میں کہ کس کام میں خرچ کی، اور جوانی کے بارے میں کہ کس کام میں صرف کی، مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا، اور علم کے بارے میں کہ اس پر کتنا عمل کیا۔

اس کے علاوہ اور بے شمار احادیث ہیں جو اس موضوع سے تعلق رکھتی ہیں۔

قرآنِ کریم کی ان توجیہات اور ارشاداتِ نبویہ کی رہنمائی کی بموجب ہر دور میں تربیت کرنے والے حضرات نے بچوں کی تربیت کا خوب اہتمام کیا ہے، اور ان کی تعلیم و رہنمائی اور کج روی کو دور کرنے کا خیال رکھا، بلکہ والدین اور ذمہ دار لوگ اپنے بچوں وغیرہ کی تعلیم و تربیت کے لیے ایسے اساتذہ و معلمین کا انتخاب کیا کرتے تھے جو علم و ادب کے لحاظ سے بلند و ارفع ہوں، اور ارشاد و توجیہ کے لحاظ سے بہتر ہوں تاکہ وہ بچے کو صحیح عقیدہ و اخلاق سکھائیں اور اسلام کی تعلیم کے فریضہ کو بحسن و خوبی ادا کر سکیں۔

گذشتہ زمانے کے حضرات کے حالات اور لطائف میں سے کچھ چیزیں آپ کے سامنے پیش کی جا رہی ہیں تاکہ بچوں کی تربیت و تعلیم کے سلسلہ میں سلف صالحین نے جو اہتمام کیا تھا وہ عقل و بصیرت والوں کے سامنے آجائے اور انکو یہ معلوم ہو کہ یہ حضرات بچوں کی تعلیم و تربیت کے کتنے حریص تھے اور وہ کس طرح اپنے بچوں کے لیے علم و اخلاق اور اسلوب و طرز کے اعتبار سے ممتاز کامل ترین اساتذہ کا انتخاب کرتے تھے۔

★ جاحظ لکھتے ہیں کہ جب عقبۃ بن اُبی سفیان نے اپنے بیٹوں کو معلم کے حوالہ کیا تو ان سے کہا کہ: میرے بیٹوں کی اصلاح کا مدار آپ کی اپنی ذاتی اصلاح پر ہے۔ اس لیے کہ بچوں کی نگاہیں آپ پر مرکوز ہوں گی، جسے آپ اچھا سمجھیں گے اسے وہ اچھا سمجھیں گے اور جس چیز کو آپ بُرا سمجھیں گے اسے وہ بھی بُرا سمجھیں گے، آپ انہیں حکماء کی سیرت اور ادباء کے اخلاق سکھائیں، اور آپ ان کو مجھ سے ڈرایا کریں، اور میری غیر موجودگی میں انہیں سزا دیا کریں، اور آپ ان کے حق میں اس طبیب کی طرح بن جائیں جو بیماری پہچاننے سے قبل دوا تجویز نہیں کرتا۔ اور آپ میری جانب سے کسی عذر پر اعتماد نہ کریں اس لیے کہ میں آپ کی اہلیت پر بھروسہ کر چکا ہوں۔

★ علامہ ابن خلدون اپنی کتاب "مقدمہ ابن خلدون" میں لکھتے ہیں کہ خلیفہ ہارون الرشید نے جب اپنے بیٹے امین کو استاذ کے حوالے کیا تو ان سے کہا: اے احمر امیر المؤمنین نے اپنی روح اور دل کا ٹکڑا آپ کے حوالہ کر دیا ہے۔ اس لیے آپ اس پر اپنا دستِ شفقت پھیرتے رہیں۔ اور اس کو اپنا مطیع و فرمانبردار بنائے رکھیں، اور اس کے سامنے اس مرتبہ پر رہیں جس مرتبہ پر آپ کو امیر المؤمنین نے رکھا ہے، اس کو قرآن کریم پڑھائیں۔ اور احادیث سکھلائیں، اور اشعار یاد کرائیں، اور سنت و حدیث کی تعلیم دیں، اور بات کرنے کا طریقہ اور موقع محل اور اس کے اثرات اس پر واضح کریں، اور اس کو بلا موقع ہنسنے سے روکیں، اور آپ پر کوئی گھڑی ایسی نہ گزرے کہ آپ اس سے فائدہ اُٹھا کر اس بچے کو مفید بات نہ بتلائیں، لیکن یاد رکھیں اسے غمگین نہ کریں کیوں کہ اس سے اس کا ذہن مرجھا جائے گا، اور اس کے ساتھ چشم پوشی کرنے میں زیادہ غلو نہ کیجیے گا ورنہ وہ فراغت کو اچھا سمجھنے لگے گا اور اس کا عادی بن جائے گا۔ اور جہاں تک ہو سکے اس کی اصلاح اپنے قرب اور نرمی سے کرتے رہیے گا۔ اگر وہ اس طرح سے نہ سمجھے تو پھر آپ اس کے ساتھ سختی اور شدت سے پیش آئیں۔

◙ سلفِ صالحین کی عادت یہ تھی کہ وہ بچوں کی دیکھ بھال کا بہت خیال رکھا کرتے تھے اور ان کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ بچے اور اس کے معلم و استاذ کے درمیان نہایت مضبوط رابطہ رہے۔ چنانچہ اگر کسی وجہ سے استاذ ایک مدت تک بچوں سے نہ ملیں تو ان کو سخت دکھ ہوتا تھا۔ اس لیے کہ انہیں یہ خوف ہوتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بچے ان کی مرضی و منشاء کے خلاف عادتیں اور طریقے اختیار کر لیں، امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ خلیفہ منصور نے بنو امیہ کے ان لوگوں کے پاس جو قید میں بند تھے یہ پیغام بھیجا کہ: قید میں سب سے زیادہ آپ لوگوں کو کس چیز سے تکلیف پہنچی ہے؟ تو ان لوگوں نے کہا: اس بات سے کہ ہم اپنے بچوں کی تربیت نہیں کر سکے۔

◙ خلیفہ عبدالملک بن مروان اپنے بیٹے کے استاذ کو نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہیں: ان بچوں کو سچائی کی اسی طرح تعلیم دینا جس طرح تم ان کو قرآن کی تعلیم دیتے ہو۔ اور ان کو اچھے اخلاق پر آمادہ کرنا۔ اور ان کو بہادری

وشجاعت پر مشتمل اشعار سکھلاتا تاکہ وہ بہادر اور جری بن سکیں، اور ان کے ساتھ معزز لوگوں اور اہلِ علم کو بٹھایا کریں۔ اور بازاری قسم کے لوگوں اور خادموں سے انہیں دور رکھیں، اس لیے کہ یہ لوگ بہت بے ادب ہوا کرتے ہیں۔ اور دوسروں کے سامنے ان کا احترام کریں اور تنہائی میں انہیں خوب تنبیہ کریں، اور جھوٹ پر ان کو پیٹا کریں اس لیے کہ جھوٹ بُرائی کی طرف لے جاتا ہے اور بُرائی جہنم کی طرف لے جاتی ہے۔

◙ حجاج نے اپنے بیٹوں کے معلم سے کہا: ان کو کتابت کی تعلیم سے پہلے تیرنا سکھاؤ۔ اس لیے کہ انہیں ایسے آدمی تو مل جائیں گے جو ان کی طرف سے لکھ دیں لیکن ایسا آدمی نہیں ملے گا جو ان کی طرف سے تیرے۔

◙ ایک حکیم و تجربہ کار شخص نے اپنے بچے کے استاذ سے کہا: آپ انہیں ایک علم سے دوسرے علم اور ایک سبق سے دوسرے سبق میں اس وقت تک مشغول نہ کریں جب تک وہ اسے اچھے طریقے سے یاد نہ کرلیں اس لیے کہ علم کا کان سے بار بار ٹکرانا اور ذہن میں اس کا ہجوم عقل و سمجھ کو پراگندہ کر دیتا ہے۔

◙ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اہلِ شام کو تحریر فرمایا: اپنی اولاد کو تیرنا اور تیر اندازی اور شہسواری سکھلاؤ۔

◙ بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں حکیم ابن سیناؒ نے یہ وصیت کی تھی: مکتب میں بچے کے ساتھ اچھے اخلاق وعادات وطبیعت کے بچے ہونا چاہیے، اس لیے کہ بچہ بچے سے زیادہ حاصل کرنے اور اچکنے والا ہوتا ہے۔ اور بچہ بچے سے ہی زیادہ مانوس ہوا کرتا ہے۔

◙ ہشام بن عبدالملک نے اپنے بیٹے کے استاذ سلیمان کلبی سے کہا: میرا یہ بیٹا میری آنکھوں کا نور ہے اور اس کی تعلیم و تربیت کا ذمہ دار میں نے آپ کو بنایا ہے۔ اس لیے آپ اللہ کے خوف کو اختیار کریں۔ اور امانت کو پورا کریں، اور اس بچے کے سلسلہ میں میں آپ کو سب سے پہلی وصیت یہ کرتا ہوں کہ آپ اس کو کتاب اللہ کی تعلیم دیں، پھر عمدہ و بہترین اشعار یاد کرائیں، پھر اس کو لے کر عرب قبائل میں جائیں۔ اور ان کے بہترین اشعار لے لیں۔ اور حلال و حرام کی بصیرت اس میں پیدا کریں، اور کچھ خطبات و تقاریر اور جنگوں و غزوات کی تفصیل اس کو سمجھا دیں۔

عوام و خواص بچوں کی تربیت اور ان کے لیے بہترین اساتذہ کے انتخاب میں جو اہتمام کیا کرتے تھے اور ان معلمین و اساتذہ کو صحیح توجیہ و ارشاد کے سلسلہ میں جو تذکیر و یاددہانی بار بار کرتے رہتے تھے اور بہترین عملی تربیت کے مبادی و بنیادی اصول سمجھایا کرتے تھے یہ سب اس لیے کہ یہ اساتذہ ان بچوں کے ذمہ دار اور مسئول ہیں، ان پر اعتماد کیا گیا ہے۔ اور اگر یہ حضرات اپنے فرضِ منصبی اور ان کی تعلیم و تربیت میں کوتاہی کریں گے

تو ان کا مؤاخذہ ہوگا۔ اور ان سے حساب لیا جائے گا۔ بہرحال بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں سلف صالحین کے اہتمام کے بے شمار واقعات میں سے یہ چند واقعات تھے جو ہدیۂ ناظرین کر دیے گئے۔

اور چونکہ تربیت کرنے والے ماں باپ اور اساتذہ بچوں کی تربیت کے مسئول اور انکی شخصیت سازی اور انہیں دنیا میں رہنے کے قابل بنانے کے ذمہ دار ہیں، اس لیے کہ یہ ضروری ہے کہ یہ حضرات اپنی مسئولیت اور ذمہ داریوں کی حدود اربعہ کو نہایت وضاحت سے اچھی طرح سمجھ لیں۔ اور اس کے مختلف مراحل اور متعدد جوانب کو پہچان لیں، تاکہ مکمل طریقے اور عمدگی سے اپنی ذمہ داریوں کو نباہ سکیں۔

بے شمار مربیوں کی نظر میں ان ذمہ داریوں میں سے اہم ذمہ داریاں اس طرح سے ہیں:

۱۔ ایمانی تربیت کی ذمہ داری۔
۲۔ اخلاقی تربیت کی ذمہ داری۔
۳۔ جسمانی تربیت کی ذمہ داری۔
۴۔ عقلی تربیت کی ذمہ داری۔
۵۔ نفسیاتی تربیت کی ذمہ داری۔
۶۔ معاشرتی تربیت کی ذمہ داری۔
۷۔ جنسی تربیت کی ذمہ داری۔

ان ساتوں ذمہ داریوں میں سے ہر ایک کے ہر ہر گوشہ میں انشاء اللہ ہم اس حصہ میں مفصل روشنی ڈالیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی سیدھا راستہ دکھلانے والا ہے اسی سے ہم مدد اور توفیق حاصل کرتے ہیں۔

پہلی فصل

۱- ایمانی تربیت کی ذمہ داری

ایمانی تربیت سے مقصود یہ ہے کہ جب سے بچے میں شعور اور سمجھ پیدا ہو اسی وقت سے اس کو ایمان کی بنیادی باتیں اور اصول سمجھائے جائیں، اور سمجھ دار ہونے پر اسے ارکانِ اسلام کا عادی بنایا جائے۔ اور جب تھوڑا اور بڑا ہو جائے تو اسے شریعتِ مطہرہ کے بنیادی اصولوں کی تعلیم دی جائے۔

اصولِ ایمان سے ہماری مراد وہ ایمانی حقائق اور غیبی امور ہیں جو صحیح اور سچی نصوص کے ذریعہ ثابت ہوں جیسے کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ پر ایمان لانا، اور فرشتوں پر ایمان لانا، اور آسمانی کتابوں پر ایمان لانا، اور تمام رسولوں پر ایمان لانا، فرشتوں کے سوال جواب پر ایمان، اور عذابِ قبر اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے اور حساب کتاب اور جنت اور دوزخ اور دیگر تمام غیبی امور پر ایمان لانا۔

اور ارکان اسلام سے ہماری مراد تمام بدنی اور مالی عبادات ہیں جو یہ ہیں: نماز اور روزہ اور زکوٰۃ اور جو طاقت رکھتا ہو اس کے لیے حج۔

اور شریعت کی بنیادی باتوں سے ہماری مراد ہر وہ چیز ہے جو ربانی نظام اور طرز اور اسلامی تعلیمات سے اتصال رکھتی ہو۔ خواہ وہ عقیدہ سے متعلق ہو یا عبادت اور اخلاق اور تشریع و قانون اور نظام اور احکام سے۔

لہٰذا مربی کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ شروع ہی سے ایمانی تربیت کے ان مفہوموں اور اسلامی تعلیمات کی ان بنیادوں پر بچے کی تربیت کرے، تاکہ وہ عقیدہ و عبادت اور منہاج اور نظام کے لحاظ سے اسلام سے مرتبط رہے۔ اور اس تربیت اور رہنمائی کے بعد اسلام کے علاوہ کسی مذہب کو دین اور قرآن کے علاوہ کسی کتاب کو امام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کو قائد و مقتدیٰ و رہنما نہ جانے۔

ایمانی تربیت کے مفہوموں کا یہ عام و محیط ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات اور وصایا سے حاصل کیا گیا ہے جو بچے کو ایمان کے اصول اور اسلام کے ارکان اور شریعت کے احکام تلقین کرنے کے سلسلہ میں وارد ہوئے ہیں۔

اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہم ارشادات اور وصایا ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

۱۔ بچہ کو سب سے پہلے کلمہ لاإلہ إلا اللہ سکھلانے کا حکم

حاکم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«افتحوا علی صبیانکم أول کلمة بلا إلہ إلا اللہ». اپنے بچوں کو سب سے پہلے کلمہ لاالہ الا اللہ سکھلاؤ۔

اس حکم کا راز یہ ہے کہ کلمۂ توحید اور اسلام میں داخل ہونے کا شعار اور ذریعہ سب سے پہلے اس بچے کے کان میں پڑے۔ اور سب سے پہلے اس کی زبان سے یہی کلمہ جاری ہو، اور سب سے پہلے جن کلمات اور الفاظ کو یہ بچہ سمجھے وسیکھے وہ یہی کلمہ ہو۔

اس سے قبل نومولود بچے کے احکام کے سلسلہ میں قائم کردہ فصل میں ہم یہ ذکر کرچکے ہیں کہ نومولود بچے کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہنا مستحب ہے، اور اس عمل سے بچہ کو عقیدہ کی تلقین اور توحید وایمان کی بنیاد بتلانے کا جو اثر پڑتا ہے وہ کوئی مخفی بات نہیں ہے۔

۲۔ بچہ میں عقل وشعور آنے پر سب سے پہلے اسے حلال وحرام کے احکامات سکھلانا چاہیے

ابن جریر اور ابن منذر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:
اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کی نافرمانی سے بچو اور اپنی اولاد کو احکامات پر عمل کرنے اور جن چیزوں سے روکا گیا ہے ان سے بچنے کا حکم کرو۔ اس لیے کہ یہ تمہارے اور ان کے آگ سے بچنے کا ذریعہ ہے۔

اور اس میں راز یہ ہے کہ جب سے بچے کی آنکھ کھلے وہ اللہ کے احکامات پر عمل کرنے والا ہو اور ان کی بجاآوری کا اپنے آپ کو عادی بنائے، اور جن چیزوں سے روکا گیا ہے ان سے بچے، اور ان سے دُور رہنے کی مشق کرے۔ اور بچہ عقل وشعور کے پیدا ہوتے ہی جب حلال وحرام کے احکامات کو سمجھنے لگے گا اور بچپن ہی سے شریعت کے احکام سے اس کا ربط ہوگا تو وہ اسلام کے علاوہ کسی اور دین ومذہب کو شریعت اور منہاج کو نہیں سمجھے گا۔

۳ـــــ سات سال کی عمر ہونے پر بچے کو عبادات کا حکم دینا

اس لیے کہ حاکم اور ابوداؤد حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مروا أولادكم بالصلاة وهم أبناء سبع سنين واضربوهم عليها وهم أبناء عشر. وفرقوا بينهم في المضاجع)).	اپنی اولاد کو سات سال کا ہونے پر نماز کا حکم کرو اور نماز نہ پڑھنے پر ان کو مارو جب وہ دس سال کے ہو جائیں، اور ان کے بچھونے (بستر ے) الگ الگ کر دو

روزہ کو بھی نماز پر قیاس کیا جائے گا۔ لہٰذا جب بچہ روزہ رکھنے کے قابل ہو جائے تو عادت ڈلوانے کے لیے اسے روزہ بھی رکھوانا چاہیے، اور اگر باپ کے پاس گنجائش ہو تو بچے کو حج کا بھی عادی بنانا چاہیے۔

اور اس میں حکمت یہ ہے کہ بچہ شروع ہی سے ان عبادات کے احکام سیکھ لے۔ اور نوعمری ہی سے ان کو ادا کرنے اور ان کے حق پورا کرنے کا عادی بن جائے، اور اسی طرح اللہ کی اطاعت، اس کے حق کو پورا کرنے، اس کا شکریہ ادا کرنے، اور اس کی طرف متوجہ ہونے، اور اس سے التجا کرنے، اور اس کی ذات پر بھروسہ کرنے، اور اس پر کامل اعتماد کرنے، اور ہر پریشانی اور تکلیف کے وقت اسی کی طرف متوجہ ہونے، اور اس کے حکم پر گردن جھکانے کا عادی بن جائے۔ اور ان عبادات سے اسے اپنی روح کی پاکیزگی اور جسم کے لئے صحت اور اخلاق کے لیے صفائی اور اقوال وافعال کی اصلاح معلوم ہونے لگ جائے۔

۴ـــــ بچے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہلِ بیت کی محبت اور قرآنِ کریم کی تلاوت کا عادی بنانا

اس لیے کہ طبرانی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

((أدبوا أولادكم على ثلاث خصال، حب نبيكم، وحب آل بيته وتلاوة القرآن، فإن حملة القرآن في ظل عرش الله يوم لا ظل إلا ظله مع أنبيائه	اپنے بچوں کو تین باتیں سکھلاؤ: اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، اور ان کے اہلِ بیت کی محبت، اور قرآنِ کریم کی تلاوت، اس لیے کہ قرآن کریم یاد کرنے والے اللہ کے عرش کے سایہ میں انبیاء اور منتخب لوگوں کے ساتھ اس روز ہوں گے جس روز

وأصفيائه))۔ اسکے سایے کے علاوہ اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔

اور اس پر یہ بات بھی متفرع ہوتی ہے کہ بچوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات (جنگوں) اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت، اور عظیم مسلمان قائدوں کی سوانح، اور تاریخ میں رقم طراز بہادری کے عظیم کارناموں کی بھی تعلیم دی جائے۔

اور اس کا راز یہ ہے تاکہ بچہ پہلے زمانے کے لوگوں کی پیروی کرے ان کی جدوجہد، بہادری و جہاد کے کارناموں میں ان کے نقشِ قدم پر چلے، اور شعور اور عزت و افتخار کے اعتبار سے ان بچوں کا اپنی اس تاریخ سے تعلق ہو اور روح و منہاج اور طور طریقے اور تلاوت کے اعتبار سے قرآنِ کریم سے مرتبط رہیں۔

مسلمان علماءِ تربیت نے بچوں کو قرآن کریم کی تلاوت، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کی تعلیم، اور مسلمانوں کے عظیم قائدوں کے کارنامے بتلانے اور سکھلانے کے ضروری ہونے کے سلسلہ میں جو کچھ کہا ہے اس کے چند نمونے پیشِ خدمت ہیں:

✿ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ہم اپنے بچوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات اور جنگیں اسی طرح یاد کرایا کرتے تھے جس طرح انہیں قرآنِ کریم کی سورتیں یاد کراتے تھے۔

✿ امام غزالی نے "احیاء العلوم" میں یہ وصیت کی ہے کہ بچے کو قرآنِ کریم اور احادیثِ نبویہ اور نیک لوگوں کے واقعات اور دینی احکام کی تعلیم دی جائے۔

✿ علامہ ابن خلدون نے "مقدمہ ابن خلدون" میں بچوں کو قرآن کریم کی تعلیم دینے اور یاد کرانے کی اہمیت کی جانب اشارہ کیا ہے، اور یہ بتلایا ہے کہ مختلف اسلامی ملکوں میں تمام تدریسی طریقوں اور نظاموں میں قرآنِ کریم کی تعلیم ہی اساس اور بنیاد ہے، اس لیے کہ قرآنِ کریم دین کے شعائر میں سے ہے۔ جس سے عقیدہ مضبوط اور ایمان راسخ ہوتا ہے۔

✿ ابن سینا نے "کتاب السیاستہ" میں یہ نصیحت لکھی ہے کہ جیسے ہی بچہ جسمانی اور عقلی طور سے تعلیم و تعلم کے لائق ہو جائے تو اس کی تعلیم کی ابتداء قرآنِ کریم سے کرنا چاہیے تاکہ اصل لغت اس کی گھٹی میں پڑے، اور ایمان اور اس کی صفات اس کے نفس میں راسخ ہو جائیں۔

✿ تاریخ اور ادب کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ فضل بن زید نے ایک دیہاتی عورت کے بچے کو دیکھا اور بہت متعجب ہوئے۔ اس عورت سے اس بچے کے بارے میں سؤال کیا۔ تو اس عورت نے کہا جب اس بچے کی عمر پانچ سال ہو گئی تو میں نے اسے استاذ کے حوالہ کر دیا، اور اس نے قرآنِ کریم یاد کر لیا، اور تلاوت و تجوید سیکھ لی پھر اسے عمدہ اشعار یاد کرائے اور سکھائے اور اپنی قوم کے قابلِ فخر کارناموں کی تعلیم دی گئی، اور

اس کے آباء واجداد کے کارنامے بتلائے گئے۔ جب وہ بلوغ کی عمر کو پہنچ گیا تو میں نے اسے گھوڑوں پر سوار کرایا اور وہ بہترین مشاق شہسوار بن گیا۔ اور ہتھیار سے لیس ہو کر محلہ کے گھروں کا محافظ بن گیا اور مدد کے لیئے پکارنے والوں کی آواز کی جانب متوجہ رہنے لگا۔

اور جہاں ہم نے یہ تذکرہ کیا تھا کہ پہلے زمانے کے لوگ اپنے بچوں کی تربیت کا نہایت اہتمام کیا کرتے تھے اور اپنے بچوں کو جب اساتذہ کے حوالے کرتے اور ان حضرات کو سب سے پہلے جو مشورہ دیتے اور جس بات کی انہیں نصیحت کرتے وہ یہ تھی کہ ان بچوں کو سب سے پہلے قرآن کریم کی تعلیم دیں، اس کی تلاوت سکھائیں اور اسے انہیں یاد کرائیں، تاکہ ان کی زبان درست ہو۔ اور ان کی ارواح میں پاکیزگی وبلندی اور دلوں میں خشوع وخضوع پیدا ہو اور آنکھوں میں آنسو آئیں۔ اور ان کی نفوس میں ایمان اور یقین راسخ ہو جائے۔

ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا بہت اہتمام کیا ہے کہ بچے کو شروع سے ہی ایمان کے اصول اور بنیادی باتیں بتلائی جائیں اور ارکان اسلام اور شریعت کے احکام سکھلائے جائیں، اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، اور آپ کے اہل بیت، اور آپ کے صحابہ اور قائدین اسلام اور ملکوں کے فتح کرنے والوں، اور قرآن کریم کی تلاوت کی محبت اس کے دل میں پیدا کی جائے تاکہ بچہ کامل ایمان اور مضبوط وراسخ عقیدہ اور اپنے ابتدائی عظیم بہادر قائدوں کے ہراول دستے کی محبت سے سرشار ہو کر بڑھے پلے، اور جب وہ بڑا ہو تو ملحدین کے الحادی دجل ومکر وفریب اور اہل ضلال اور گمراہوں اور کافروں کے پروپگینڈے سے متاثر نہ ہو۔

اس لیے یہ بہت ضروری ہے کہ تربیت کرنے والے حضرات ان بنیادوں کے مطابق اپنے بچوں کی تربیت کریں، اور ان مذکورہ بالا وسائل کو اختیار کریں تاکہ بچوں کے عقیدہ کو زیغ وضلال اور الحاد وانحراف سے بچانے کی ضمانت وگارنٹی مل سکے۔

علماء تربیت واخلاق کے یہاں یہ مسلم امور میں سے ہے کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو فطرۃً توحید اور ایمان باللہ پر پیدا ہوتا ہے اور اصل کے اعتبار سے اس میں طہارت وپاکیزگی اور برائیوں سے دوری ہوتی ہے اور اس کے بعد اس کو اگر گھر میں اچھی اور عمدہ تربیت، اور معاشرہ میں اچھے نیک ساتھی اور صحیح اسلامی تعلیمی ماحول میسر آجائے تو وہ بلاشبہ راسخ الایمان ہوتا ہے اور اعلیٰ اخلاق اور بہترین تربیت میں بڑھتا پلتا ہے۔

یہ حقیقت دراصل وہ ایمانی فطرت ہے جسے قرآن کریم نے مقرر کیا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تاکید کی ہے اور علماء تربیت واخلاق نے اس کی تائید کی ہے:

قرآن کریم نے اسے اس طرح سے مقرر فرمایا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا، لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ)). (الروم - ۳۰)

اللہ کی اس فطرت کا اتباع کرو جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا ہے اللہ کی بنائی ہوئی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں۔

رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کی تاکید کرنا تو وہ اس طرح سے ہے کہ امام بخاری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

((کل مولود یولد علی الفطرة، فأبواه یهودانه أو ینصرانه أو یمجسانه)).

ہر بچہ فطرتِ سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین یا اسے یہودی بناتے ہیں یا نصرانی بناتے ہیں یا مجوسی بناتے ہیں۔

رہا اس سلسلہ میں علماء تربیت واخلاق نے جو کچھ تحریر کیا ہے تو ہم عنقریب اسے وہاں ذکر کریں گے جہاں ہم ایمانی تربیت کی اہمیت اور افراد کے کردار اور قوموں ومعاشروں کی خامیاں وکجی دور کرنے اور ان کی اصلاح پر اس کے اثر کے سلسلہ میں مغرب ومشرق کے علماء کے اقوال کو استشہاد کے طور پر پیش کریں گے اس موقعہ پر ہم صرف اس پر اکتفا کرتے ہیں جسے امام غزالی نے بچے کو اچھی باتوں یا شر وبرائی کی طرف اس کی اپنی قابلیت اور فطرت کے اعتبار سے عادی بنانے کے سلسلہ میں لکھا ہے چنانچہ اس سلسلہ میں انہوں نے جو کچھ فرمایا ہے اس میں سے یہ بھی ہے کہ: بچہ اپنے والدین کے پاس ایک امانت ہوتا ہے، اور اس کا پاکیزہ دل ایک نفیس جوہر اور موتی کی طرح ہے، چنانچہ اگر اسے خیر کا عادی بنایا جائے اور بھلے کام سکھائے جائیں تو وہ انہیں سیکھتا ہوا بڑھتا پلتا ہے اور دنیا وآخرت دونوں میں خوش نصیب رہتا ہے۔ اور اگر اسے برے کاموں کا عادی بنایا جائے۔ اور حیوانات اور جانوروں کی طرح مہمل چھوڑ دیا جائے تو بدبخت بن جاتا ہے اور ہلاک ہو جاتا ہے، اور اس کی حفاظت کا طریقہ یہ ہے کہ اسے علم وادب سکھایا جائے، مہذب بنایا جائے اور اسے اچھے اخلاق سکھائے جائیں۔

اور کسی شاعر کا یہ کتنا عمدہ شعر ہے:

وینشأ ناشئ الفتیان منا علی ما کان عوده أبوه

ہم میں سے نیا نیا جوان انہیں عادات واخلاق پر بڑھتا پلتا ہے جن کا اس کے والدین اسے عادی بناتے ہیں

وما دان الفتی بحجی ولکن یعوده التدین أقربوه

اور عقل کے ذریعہ سے کوئی نوجوان بھی دیندار نہیں بنتا دینداری کا عادی تو اسے اس کے رشتہ دار ہی بناتے ہیں

فطرت کی اس اہمیت اور اثر کو دیکھتے ہوئے ہم اس بات کو خوب اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ بچہ اگر منحرف

گھرانے میں پلے بڑھے گا، اور گمراہ ماحول میں تعلیم حاصل کرے گا، اور برے لوگوں کے ساتھ اٹھے بیٹھے گا، تو بلاشبہ فساد اس کی گھٹی میں پڑے گا۔ اور برے اخلاق اس میں جڑ پکڑیں گے، اور کفر اور گمراہی کے مبادی اور اصولوں کو سیکھے گا، اور پھر جلد ہی نیک بختی سے بدبختی اور ایمان سے الحاد کی طرف اور پھر اسلام سے کفر کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ اور پھر اس کا حق ایمان اور ہدایت کی جانب واپس لوٹنا بہت مشکل ہو جائے گا۔

محترم مربی! اس مناسبت سے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں آپ کے سامنے اپنے معاشرہ کی کچھ حقیقی اور واقعی مثالیں اور گندے اور آزاد ماحول کی کچھ تصویر کشی کر دوں تاکہ آپ کو ان عوامل کا پتہ چل جائے جو بچے کے عقیدہ و اخلاق میں انحراف کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اور ساتھ ہی آپ کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اگر والدین اور سرپرستوں نے اپنی اولاد کی تربیت میں تساہل سے کام لیا تو عام طور سے ایسا ہوتا ہے کہ بچے کجی اور گمراہی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور کفر و الحاد کی بنیادی باتوں کو اپنا لیتے ہیں۔

◎ جو والدین اپنے بچوں کو غیر مسلموں کے اسکولوں اور مشنری تعلیم گاہوں میں تعلیم حاصل کرنے بھیجتے ہیں۔ جہاں بچے عیسائی اساتذوں سے تعلیم و تربیت حاصل کرتے ہیں۔ تو اس کا لازمی اثر یہ ہوتا ہے کہ بچہ کجی اور گمراہی پر بڑھتا پلتا ہے۔ اور کفر و الحاد کی جانب آہستہ آہستہ راغب ہو جاتا ہے، بلکہ اس کے دل میں اسلام کی طرف سے نفرت اور دین اسلام سے بغض راسخ ہو جاتا ہے۔

◎ جو باپ اپنے بچے کی باگ ڈور ایسے ملحد اساتذہ اور گندے مربیوں کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں جو ان بچوں کو کفر کی باتیں سکھاتے ہیں، اور ان کے دل میں گمراہی کے بیج بو دیتے ہیں، تو ظاہر بات ہے کہ بچہ الحادی تربیت اور خطرناک لادینی نظریات میں نشو و نما پائے گا۔

◎ جو باپ اپنے بیٹے کو یہ اجازت دیتا ہے کہ وہ جن ملحدوں اور مادہ پرستوں کی کتابوں کا چاہے مطالعہ کرلے، اور عیسائیوں اور استعمار پسندوں نے اسلام پر جو اعتراضات کیے ہیں ان میں سے جس کا چاہے مطالعہ کرے تو ظاہر ہے کہ ایسا بچہ اپنے دین و عقیدہ کے بارے میں شک میں پڑ جائے گا، اور اپنی تاریخ اور بزرگوں کا مذاق اڑائے گا اور اسلام کے بنیادی اصولوں کے خلاف جنگ کرے گا۔

◎ جو باپ بھی اپنے بیٹے کو کھلی چھٹی دے دے گا۔ اور اسے بالکل آزاد چھوڑ دے گا تاکہ وہ جس گمراہ اور کج رو اور باطل پرست سے چاہے میل جول رکھے، اور گمراہ خیالات اور درآمد شدہ غیر اسلامی افکار میں سے جس رائے اور خیال کو چاہے اپنائے۔ تو ظاہر بات ہے کہ بچہ لازمی طور سے تمام دینی اقدار اور ان اخلاقی بنیادی قواعد کا مذاق اڑائے گا جنہیں دین اسلام اور شریعتوں نے پیش کیا ہے۔

◎ جو باپ اپنے بیٹے کو یہ موقع فراہم کرے گا کہ وہ جن ملحدانہ و کافرانہ ذہن رکھنے والی جماعتوں اور لادینی علمانی

تنظیموں کے ساتھ منسلک ہونا چاہے ہو جائے۔ اور ایسی جماعتوں سے وابستہ ہو جائے جن کا اسلام سے عقیدہ وافکار اور تاریخ کسی لحاظ سے بھی جوڑ نہیں ہے۔ تو بلاشبہ بچہ گمراہ کن عقائد اور کافرانہ وملحدانہ باتوں میں بڑھتے پلنے گا بلکہ وہ درحقیقت ادیان ومذاہب اور دینی واخلاقی اقدار اور مقدسات کا کھلا دشمن ہوگا۔

ولیس النبت ینبت فی جنان	کمثل النبت ینبت فی الفلاۃ
اور نہیں ہے وہ گھاس جو کہ باغوں میں اگتی ہے	اس گھاس کی طرح جو کہ جنگلوں میں اگا کرتی ہے
وھل یرجی لأطفال کمال	إذا ارتضعوا ثدی الناقصات
اور کیا ان بچوں سے کسی کمال کی توقع رکھی جا سکتی ہے	جنہوں نے ناقص عورتوں کا دودھ پیا ہو

اور جب تربیت کرنے والے حضرات کے ذمہ عمومی طور سے اور والدین پر خصوصی طور سے یہ بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ بچے کی نشوونما ایمانی عقیدہ وماحول میں کریں اور ان کا فریضہ یہ ہے کہ ان کو اسلام کی بنیادی باتوں کی تعلیم دیں۔ تو مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس ذمہ داری کی حدود اور اس فریضہ کے ہر گوشے کو اچھی طرح سے سمجھ لیں، تاکہ ہر وہ شخص جس پر تربیت ورہنمائی کی ذمہ آتی ہے وہ اس فریضہ کی اہمیت کو جان لے اور بچے کو اعلیٰ ترین کامل ومکمل ایمانی تربیت دینے کے سلسلہ میں اس پر جو ذمہ داری ہے اسے سمجھ لے۔

اس ذمہ داری اور مسئولیت کی حدود ترتیب وار اس طرح سے ہیں:

۱۔ بچوں کی ایمان باللہ اور اس کی حیران ومعجز کن قدرت اور عجیب وشاندار انداز سے ایجاد اور پیدا کرنے کی جانب اس طرح سے رہنمائی کریں کہ وہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں غور وفکر کرنے لگ جائیں اور اس طرح سے کہ بچہ جب شعور اور سمجھ کی حدود کو پہنچ جائے تو تدریجاً محسوس اشیاء سے عقلی اشیاء اور جزئی سے کلی اشیاء اور بسیط سے مرکب چیزوں کی طرف اس کی رہنمائی کریں۔ تاکہ اس کا نتیجہ یہ نکلے کہ وہ بچے حجت ودلیل اور اطمینان ویقین کے ساتھ ایمان رکھتے ہوں۔ اور جب بچہ شروع سے ہی صحیح ایمان پروریاتیں سیکھے گا اور توحید پر دلالت کرنے والے مضبوط دلائل اس کے ذہن میں موجود ہوں گے تو پھر اس کے پر نور وآباد دل کو تباہی کی کدالیں ویران نہ کر سکیں گی۔ اور مفسد اور گمراہ لوگوں کو اس کی پختہ عقل پر اثر انداز ہونے کا موقعہ نہ ملے گا۔ اور کوئی شخص بھی اس کی سچی پکی مؤمن نفس میں شک وشبہ پیدا نہ کر سکے گا۔ جس کی وجہ صرف یہ ہوگی کہ ایمان اس کے دل میں جگہ پکڑ چکا اور یقین راسخ ہو چکا ہوگا اور وہ دین کے ہر پہلو سے مطمئن ہوگا۔

ادنیٰ سے اعلیٰ اور محسوس سے غیر محسوس عقلی اشیاء کی طرف رہنمائی کا یہ تدریجی طریقہ جس سے انسان کسی چیز کی

حقیقت تک پہنچے یہ قرآنِ کریم کا بتلایا ہوا طریقہ ہے۔ چنانچہ قرآنِ کریم کی روشن آیات میں سے چند آیات آپ کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں:

«هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ
شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝ يُنْۢبِتُ
لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَ
الْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ
وَالنَّهَارَ ۙ وَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ وَالنُّجُوْمُ
مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ
مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ
يَّذَّكَّرُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ
لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا
مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ
مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ۝ وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ
تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝
وَعَلٰمٰتٍ ۭ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝
اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ۭ اَفَلَا
تَذَكَّرُوْنَ ۝ ».

وہی ہے جس نے اتارا تمہارے لیے آسمان سے
پانی اس سے پیتے ہو اور اسی سے درخت ہوتے ہیں
جس میں چراتے ہو۔ اگاتا ہے تمہارے واسطے اس
سے کھیتی اور زیتون اور کھجوریں اور انگور اور ہر قسم کے
میوے۔ اس میں البتہ نشانی ہے ان لوگوں کے لیے
جو غور کرتے ہیں، اور تمہارے کام میں لگا دیا رات اور
دن اور سورج اور چاند کو اور ستارے اس کے حکم
سے کام میں لگے ہیں۔ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں
کے لیے جو سمجھ رکھتے ہیں۔ اور جو رنگ برنگی چیزیں
تمہارے واسطے زمین میں پھیلائیں اس میں ان لوگوں
کے واسطے نشانی ہے جو سوچتے ہیں۔ اور وہی ہے
جس نے کام میں لگا دیا دریا کو کہ کھاؤ اس میں سے
تازہ گوشت اور نکالو اس میں سے زیور جو پہنتے ہو۔
اور دیکھتا ہے تو کشتیوں کو اس میں پانی پھاڑ کر چلتی
ہیں۔ اور اس واسطے کہ تلاش کرو اس کے فضل سے
اور تاکہ تم احسان مانو۔ اور رکھ دیئے زمین پر بوجھ
کہ کبھی جھک پڑے تم کو لے کر اور بنائیں ندیاں اور
راستے تاکہ تم راہ پاؤ، اور بنائیں علامتیں۔ اور ستاروں
سے لوگ راہ پاتے ہیں۔ بھلا جو پیدا کرے برابر ہے
اس کے جو کچھ پیدا نہ کرے کیا تم سوچتے نہیں۔

النحل ۔ ۱۰ تا ۱۷

«اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ
اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ
تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا

بے شک آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں اور
رات اور دن کے بدلتے رہنے میں اور کشتیوں
میں جو کہ لے کر چلتی ہیں دریا میں لوگوں کے کام کی

اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝))۔

البقرہ۔ ۱۶۴

چیزیں اور پانی میں جس کو کہ اتارا اللہ نے آسمان سے پھر جلایا اس سے زمین کو اس کے مرنے کے بعد اور پھیلائے اس میں سب قسم کے جانور اور ہواؤں کے بدلنے میں اور بادل میں جو کہ تابعدار ہے اس کے حکم کا درمیان آسمان وزمین کے۔ بے شک ان سب چیزوں میں نشانیاں ہیں عقل مندوں کے لیے۔

((فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ۝ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ۝ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۝ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ۝))۔

الطارق۔ ۵ تا ۱۰

سو انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ وہ ایک اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پشت اور پسلیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔ وہ (اللہ) اس کے دوبارہ پیدا کرنے پر یقیناً قادر ہے (سو) جس روز (سب) راز فاش ہو جائیں گے تو انسان کو نہ خود قوت ہوگی اور نہ کوئی (اس کا) مددگار ہوگا۔

((فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖۤ ۝ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ۝ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ۝ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۝ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ۝ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ۝ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ۝ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ۝ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۝))۔

عبس۔ ۲۴ تا ۳۲

سو انسان ذرا دیکھے تو اپنے کھانے کی طرف ہم نے خوب پانی برسایا، پھر ہم نے زمین کو خوب پھاڑا پھر ہم نے اگایا اس میں غلہ اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغ اور میوے اور چارے تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے فائدہ کے لیے۔

((اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ۝ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ

کیا تو نے اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس کے ذریعے سے مختلف رنگوں کے پھل نکالے اور پہاڑوں میں بھی گھاٹیاں ہیں کوئی سفید اور کوئی سرخ ان کے رنگ مختلف ہیں۔ اور کوئی بہت گہرے سیاہ اور اسی طرح آدمیوں اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی ایسے ہیں کہ ان کے رنگ مختلف

اللّٰہَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ ۔۔

ـــــــــــ ہیں۔ اور اللہ سے ڈرتے تو بس وہی بندے ہیں جو علم والے ہیں بے شک اللہ زبردست ہے بڑا مغفرت والا ہے۔

الفاطر ۔ ۲۷ و ۲۸

۱۱ اَفَلَمْ یَنْظُرُوْٓا اِلَی السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَیْفَ بَنَیْنٰهَا وَ زَیَّنّٰهَا وَ مَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۞ وَ الْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ وَ اَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِیْجٍ ۞ تَبْصِرَةً وَّ ذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ۞۔۔

ق ۔ ۶ تا ۸

کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اسے کیسا بنایا ہے اور ہم نے اسے آراستہ کیا اور اس میں کوئی رخنہ (تک) نہیں اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس میں پہاڑوں کو جما دیا اور اس میں ہر قسم کی خوشنما چیزیں اگائیں جو ذریعہ ہے بینائی اور دانائی کا ہر رجوع ہونے والے بندے کے لیے۔

اس کے علاوہ بے شمار وہ آیات جو اس موضوع پر دلالت کرتی ہیں۔

۲ ۔ بچوں کی نفوس میں خشوع و خضوع اور تقویٰ اور اللہ رب العالمین کی عبودیت وغلامی کی روح پیدا کرنا :

اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان کی آنکھوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی معجز قدرت کھول کر بیان کی جائے اور اس کی ایسی حکومت کو جو نہایت عظیم اور بڑی ہے اور ہر چیز کو محیط ہے اسے واضح کیا جائے اس کی حکومت ایسی ہے جو ہر چھوٹی بڑی اور زندہ اور جامد کو محیط ہے اس کی قدرت کے مظاہر ملاحظہ کرائے جائیں خواہ اگنے والے پودوں کی شکل میں ہوں یا پیدا ہونے والا درخت یا حسین وجمیل خوشبودار کھلنے والے پھولوں کے رنگ میں، اس طرح کی دیگر کروڑوں اربوں عجیب وغریب طرح طرح کی وہ مخلوقات جس کو اللہ تعالیٰ نے نہایت عجیب وغریب اور حیران کن طریقے سے وجود بخشا ہے، یہ چیزیں مشاہدہ کرکے دل اللہ کے سامنے خشوع وخضوع اختیار کرے گا۔ اور اس کی عظمت وبڑائی کے سامنے لرزنے لگے گا۔ اور ان چیزوں کو دیکھ کر نفس اللہ سے خوف کھائے گا اور پورے طور سے دل کی گہرائیوں سے طاعت میں لذت اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں حلاوت محسوس کرنے لگے گا۔

اور بچے میں خشوع وخضوع پیدا کرنے اور اس میں تقویٰ راسخ کرنے والے وسائل میں سے یہ بھی ہے کہ جب وہ سن شعور کو پہنچ جائے تو اسے نماز میں خشوع کا عادی بنایا جائے اور قرآن کریم سن کر رونے اور غمگین ہونے کی عادت ڈلوائی جائے، اس لیے کہ یہ عارفین کی صفت اور اللہ کے نیک بندوں کا شعار اور سچے مومنوں کی خصوصیت ہے۔ آئیے قرآنِ کریم سنیئے دیکھیے اس میں خشوع وخضوع اختیار کرنے والوں کی عظمت اور اللہ کی طرف رجوع

رنے والے متقیوں کی تعریف کس طرح کی گئی ہے:

((قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝)). المؤمنون ۱، ۲	یقیناً (وہ) مومنین فلاح پاگئے جو اپنی نماز میں خشوع رکھنے والے ہیں.
((اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ)). الزمر ۲۳	اللہ نے بہترین کلام نازل کیا ہے ایک کتاب باہم ملتی جلتی اور بار بار دہرائی ہوئی، اس سے ان لوگوں کی جلد جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں کانپ اٹھتی ہے، پھر ان کی جلد اور ان کے قلب اللہ کے ذکر کے لیے نرم ہو جاتے ہیں. یہ اللہ کی طرف سے آئی ہوئی) ہدایت ہے وہ جسے چاہتا ہے اس کے ذریعہ سے ہدایت کرتا ہے.
((وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ)). الحج ۳۴، ۳۵	اور آپ خوشخبری سنا دیجیے گردن جھکانے والوں کو جن کے دل ڈر جاتے ہیں جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے.
((إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا ۝)). مریم ۵۸	اور جب ان کے سامنے خدائے رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو (زمین پر) گر پڑتے تھے سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے.
((أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَن تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ)). الحدید ۱۶	کیا ایمان والوں کے لیے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی نصیحت اور جو دین حق نازل ہوا ہے اس کے آگے جھک جائیں.

خشوع وخضوع اور اللہ کی طرف توجہ ورغبت اور غم ودرد کی یہ وہ کیفیت تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او ر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور سلف صالحین اور عارفین میں نمایاں طور سے پائی جاتی ہے، چنانچہ ام بخاری ومسلم حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے رسول رم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اقرأ علیّ القرآن)).	مجھے قرآن کریم پڑھ کر سناؤ.

میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا میں آپ کو پڑھ کر سناؤں حالاں کہ قرآن کریم آپ ہی پر تو نازل ہوا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا:

((إنی أحب أن أسمعه من غیری)).	میں یہ چاہتا ہوں کہ اسے کسی دوسرے کی زبانی سنوں.

چنانچہ میں نے آپ کو سورۂ نساء پڑھ کر سنائی اور جب مندرجہ ذیل آیت پر پہنچا:

«فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴿﴾».	پھر کیا حال ہوگا جب بلائیں گے ہر ہر امت میں سے احوال کہنے والا اور بلائیں گے آپ کو ان لوگوں پر احوال بتلانے والا۔
النساء۔۴۱	

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«حسبك الآن»	بس اب اتنا کافی ہے۔

جب میں نے آپ کی طرف دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔

حضرت ابوصالح کہتے ہیں کہ اہل یمن کے کچھ حضرات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور قرآن کریم پڑھ کر رونے لگے، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہماری بھی یہی حالت تھی لیکن پھر ہمارے دل سخت ہوگئے۔

سلف صالحین پر نماز کی حالت میں خشوع وخضوع اور رونے دھونے کی جو کیفیت طاری ہوتی تھی اور قرآن کریم کی تلاوت سن کر ان پر جو گریہ اور آہ وزاری کا دور دورہ ہوتا تھا اس کے واقعات اتنے ہیں جنہیں شمار نہیں کیا جاسکتا، اور اس سلسلہ میں ان حضرات کے عجیب وغریب مشہور ومعروف قصے اخلاق وتربیت کی کتابوں میں کثرت سے نقل کیے گئے ہیں۔

ہوسکتا ہے کہ شروع شروع اور تعلیم وتربیت کے ابتدائی ایام میں مربی حضرات کو بچے میں خشوع وخضوع اور رونے دھونے اور آہ وزاری کی کیفیت پیدا کرنے میں کچھ مشکلات اور دشواری پیش آئے، لیکن کبھی تنبیہ اور کبھی بار بار ٹوکنے اور مشق کرانے اور کبھی دیکھا دیکھی یہ عمل دہرانے سے بچے میں خشوع وخضوع اور درد وغم فطری طور سے سما جائے گا اور یہ اس کی عادت وفطرت میں سے شاندار عادت بن جائے گا۔

کسی شاعر نے کیا اچھا شعر کہا ہے:

قد ينفع الأدب الأولاد في صغر	وليس ينفعهم من بعده أدب
بچپن میں کبھی کبھی ادب سکھانا بچے کو فائدہ پہنچا دیتا ہے	اور یہ عمر گزرنے کے بعد انہیں کسی قسم کا ادب فائدہ نہیں پہنچاتا
إن الغصون إذا عدلتها اعتدلت	ولا تلين ولو لينته الخشب
ٹہنیوں کو اگر آپ سیدھا کرنا چاہیں تو سیدھی ہوجاتی ہیں؛	لیکن جب لکڑی بن جائیں تو اس کو نرم کرنا بھی نرم و لچکدار نہیں بنا سکتا

اس خشوع وخضوع اور آہ وزاری کا عادی بنانے کی اولیاء کے یہاں جو مشق کی جاتی ہے اور ان کے یہاں جو چیز اس کی باعث ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان مبارک ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں

«اقرءوا القرآن وابكوا فإن لم	قرآن کریم پڑھو اور رویا کرو اور اگر رونا نہ آئے تو

تبکوا فتباکوا))۔ طبرانی رونے کی صورت بنالیا کرو۔

بچوں میں یہ کیفیت پیدا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کے تمام تصرفات وحالات میں انہیں دیکھ رہا ہے

اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ بچے کو اس بات کی مشق کرائی جائے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہر وقت دیکھ رہا اور اس کی نگرانی کر رہا ہے۔ اور اس کے ظاہر اور باطن دونوں کو جانتا ہے۔ اور اس کو انسان کی آنکھوں کی خیانت اور دلوں میں چھپی ہوئی باتیں بھی معلوم ہیں۔ بچہ میں یہ کیفیت پیدا کرنا کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے یہ مربی کی سب سے بڑی کوشش اور مقصد اصلی اور بنیادی فکر ہونا چاہیے اور یہ صورت حال اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب بچے کو اس کی ہر حالت وکیفیت میں مشق کرائی جائے۔ وہ جب کوئی کام کر رہا ہو اس وقت بھی اور جب وہ سوچ وبچار میں لگا ہوا اور جب وہ احساس وشعور کی دنیا میں گم ہو اس وقت بھی۔

کام کاج کے وقت اس کو اللہ کے دیکھنے کی مراقبہ کی مشق اس لیے کرائی جائے تاکہ وہ اپنے تمام اقوال وافعال واعمال اور تمام تصرفات میں محض اللہ کی رضا کے لیے اخلاص کے ساتھ کام کرنے والا بنے۔ اور ہر وہ کام جس کا مدار نیت پر ہو اسے کرنے سے پہلے وہ اپنی نیت درست کر کے محض اللہ کی رضا کو اپنا مقصد بنالے، چنانچہ پھر وہ محض اللہ کے لیے ہی ہر کام کرنے والا مخلص بندہ بن جائے گا۔ اور ان لوگوں میں شامل ہوگا جن کو قرآن کریم نے اس آیت میں بیان کیا ہے:

((وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڏ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝))	حالاں کہ انہیں یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی عبادت اس طرح کریں کہ دین کو اسی کے لیے خالص رکھیں یکسو ہو کر اور نماز کی پابندی رکھیں اور زکوٰۃ دیا کریں یہ ہے راہ مضبوط لوگوں کی۔
البینۃ - ۵	

اسی طرح مربی کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ بچے کو یہ باور کرادے کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ اس کا صرف وہی عمل قبول فرمائیں گے جو اس نے صرف اللہ تعالیٰ کے لئے کیا ہو اور جس کام سے اس کا مقصد محض اللہ کی رضا ہو۔ اس لیے کہ ابو داؤد اور نسائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((ان اللہ عزوجل لا یقبل العمل إلا ما كان خالصاً	اللہ تعالیٰ اعمال میں سے صرف وہی عمل قبول کرتے ہیں جو صرف اس کی ذات کے لیے کیا گیا

وابتغی بہ وجہہ))۔ ہو اور اس سے اسی کی رضا مقصود ہو۔

اور اس لیے کہ امام بخاری و مسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ ذیل حدیث روایت کرتے ہیں کہ :

((إنما الأعمال بالنیات وإنما لکل امرئ ما نوی))۔ تمام اعمال کا نیت پر مدار ہے اور ہر شخص کو وہی ملے گا جو اس نے نیت کی ہو۔

غور وفکر کی صورت میں بچے کو اللہ کے مراقبہ اور دیکھنے کا اس لیے عادی بنایا جائے گا تاکہ وہ ان افکار کو سمجھ اور سیکھ لے جو اسے خالقِ عظیم سے قریب کرنے والی ہیں۔ اور جن سے خود اسے بھی نفع پہنچے گا اور دوسرے تمام لوگوں کو بھی، بلکہ یہ نہایت ضروری ہے کہ اسے اس بات کی مشق کرائی جائے کہ اس کی عقل وسمجھ اور دل اور خواہشات سب کے سب ان تعلیمات کے تابع ہوں جنہیں رسولِ اکرم خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں۔ اسی طرح مربی پر یہ بھی لازم ہے کہ بچے میں محاسبہ کی عادت پیدا کرے، اور اس کو ایسا بنا دے کہ وہ اپنا محاسبہ ان برے خیالات اور بے سروپا افکار پر بھی کرے جو اس کے دل میں کبھی کبھار آتے ہوں اور مربی کو چاہیے کہ بچے کو سورۂ بقرہ کی آخری آیات[1] یاد کرا دے اور ساتھ ہی ان آیات میں جو ارشادات اور دعائیں ہیں جن میں اللہ کی طرف توجہ اور اس کی نگرانی کو ملحوظ رکھنے، اور نفس کے محاسبہ، اور آسمانوں اور زمین کے خالق کی طرف متوجہ ہونے، اور اس سے سرگوشی ومناجات کرنے، اور اس سے دعا مانگنے کی جانب جو راہنمائی کی گئی ہے اس کو اس کے سامنے کھول کر واضح طور سے بیان کرے۔

احساس وشعور کی کیفیت میں اللہ کے مراقبہ کا عادی اس لیے بنایا جائے گا تاکہ وہ ہر لطیف احساس کو سیکھ لے، اور ہر پاکیزہ شعور واحساس کو پیدا کرلے، لہٰذا وہ نہ حسد کرے نہ بغض، نہ چغل خوری، اور نہ گندے مال ومتاع سے فائدہ اٹھائے، اور نہ ناجائز وحرام خواہشات کو دل میں جگہ دے، اور جب بھی اسے شیطانی وسوسہ یا نفسِ امارہ کی طرف سے اس طرح کی برائی کا کوئی خیال آئے تو فوراً اس بات کو یاد کرلے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہے اس کی باتیں بھی سن رہا ہے اور اسے دیکھ بھی رہا ہے، لہٰذا یہ یاد کرتے ہی اسے عقل وسمجھ آجائے گی اور بصیرت وفراست سے کام لینے لگے گا، تربیت اور مراقبہ کے اس اسلوب کی جانب مربی اول نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے اس سائل کی رہنمائی کی تھی جس نے آپ سے احسان واخلاص کے بارے میں سوال کیا تھا تو آپ نے فرمایا :

((أن تعبد اللہ کأنک تراہ فإن لم تکن تراہ فإنہ یراک))۔ تم اللہ کی عبادت اس طرح سے کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ اور اگر تم یہ تصور نہیں قائم کرسکتے تو یہ سمجھ لو کہ وہ تو تم کو دیکھ رہا ہے ہی۔

صحیح بخاری

---

[1] وہ آیات : للہ ما فی السماوات والأرض وإن تبدوا ما فی أنفسکم سے شروع ہو کر سورت کے خاتمہ پر ختم ہوتی ہیں۔

اور قرآن کریم نے اس جانب اس آیتِ کریمہ کے ذریعہ اشارہ کیا ہے:

﴿وَ اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝﴾ الاعراف۔۲۰۰ و ۲۰۱	اور اگر ابھارے تجھ کو شیطان کی چھیڑ تو پناہ مانگ اللہ سے وہی ہے سننے والا جاننے والا، جن کے دل میں ڈر ہے جہاں پڑ گیا ان پر شیطان کا گزر چونک گئے پھر اسی وقت ان کو سوجھ آجاتی ہے۔

تعلیم اور مشق کا یہ طریقہ سلفِ صالحین کا طریقہ ہے جس کی وہ اپنی اولاد کو مشق کرایا کرتے تھے اور ان کو اس کا عادی بناتے تھے، لیجیے امام غزالی نے احیاء العلوم میں ایک قصہ لکھا ہے وہ آپ کو سنائے دیتے ہیں:

حضرت سہل بن عبد اللہ تستری فرماتے ہیں کہ جب میں تین سال کا تھا تو رات کو اٹھ جایا کرتا تھا، اور اپنے ماموں حضرت محمد بن سوار کی نماز دیکھا کرتا تھا، ایک روز انہوں نے مجھ سے فرمایا، کیا تم اس اللہ کو یاد نہیں کرتے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے؛ میں نے پوچھا کہ میں اس ذات کو کس طرح یاد کروں؛ تو انہوں نے فرمایا، جب تم اپنے بستر پر لیٹتے ہو تو زبان ہلائے بغیر تین مرتبہ یہ کہا کرو: اللہ معی (اللہ میرے ساتھ ہے) اللہ ناظرالیَّ (اللہ مجھے دیکھ رہا ہے) اللہ شاہدی (اللہ میرے پاس موجود ہے) چند رات میں نے اس پر عمل کیا اور پھر ان سے یہ بات ذکر کردی۔ توانہوں نے فرمایا: اب ہر رات کو سات مرتبہ اسے پڑھا کرو۔

میں نے اس پر عمل شروع کر دیا اور پھر انہیں بتلایا تو انہوں نے فرمایا: یہی کلمات ہر رات کو گیارہ مرتبہ کہا کرو چنانچہ میں نے اسی مقدار میں پڑھنا شروع کر دیے۔ اور ان کلمات کی حلاوت وشیرینی میرے دل میں گھر کر گئی ایک سال کے بعد مجھ سے میرے ماموں نے کہا: میں نے جو کلمات تمہیں سکھلائے تھے انہیں یاد رکھنا اور اس وقت تک ہمیشہ ہمیشہ پڑھتے رہنا جب تک کہ قبر میں نہ چلے جاؤ۔ اس لیے کہ ان سے تمہیں دنیا وآخرت دونوں میں فائدہ ہوگا کئی سالوں تک میں ان کو پڑھتا رہا اور پھر میں نے ان کی حلاوت اپنے باطن میں محسوس کی: پھر ایک روز میرے ماموں نے مجھ سے کہا: اے سہل بتلاؤ جس شخص کے ساتھ اللہ ہو اور اللہ اس کی طرف دیکھ رہا ہو اور اس کے ساتھ موجود ہو تو کیا وہ شخص اس اللہ کی نافرمانی کرسکتا ہے؟ اس لیے تم نافرمانی سے بچنا۔

اس بہترین وشاندار رہنمائی اور مستقل ریاضت اور صحیح ایمانی تربیت کے سبب حضرت سہل رحمہ اللہ کبارِ عارفین اور نیک وصالح حضرات کے امام بن گئے تھے جس کا تمام تر سہرا ان کے ان ماموں کے سر پر ہے جنہوں نے انہیں تربیت دی تعلیم دی اور ان پر یہ حقیقت آشکارا کی، اور بچپن سے ہی ایمان اور اللہ کے حضور اور مراقبہ کا تصور ان کے دل میں پیدا کیا اور ان کو مکارمِ اخلاق کا عادی بنا دیا۔

بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں تربیت کرنے والے حضرات جب اس طریقے کو اختیار کریں گے. اور جب ماں باپ بچوں کو ان قواعد اور اصولوں کے مطابق چلائیں گے تو وہ تھوڑی سی مدت میں ایک ایسی قوم کو تشکیل دینے میں کامیاب ہوجائیں گے جو اللہ پر ایمان رکھتی ہو. اور اپنے دین کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہو. اور اپنی اور اپنے بزرگوں کی تاریخ پر فخر کرتی ہو، اور اسی طرح وہ اس قابل ہوجائیں گے کہ ایک ایسے معاشرہ کو تشکیل دیں جو الحاد اور اخلاقی خرابیوں سے پاک صاف ہو جس میں حقد و حسد اور جرائم نام کو نہ ہوں.

یہ ایمانی تربیت جسے ہم نے تفصیل سے بیان کیا اور اس پر روشنی ڈالی یہ وہ تربیت ہے جس کے لیے مغرب کے علماء تربیت و اخلاق نہایت شدت سے کوشاں ہیں. تاکہ اپنے معاشرہ کو بد دینی و جرائم اور گندے اخلاق و بے حیائی کے کاموں سے نجات دلاسکیں. لیجیے ان کے کچھ اقوال ذیل میں پیش کیے دیتے ہیں :

✿ مغرب کے سب سے بڑے قصہ نویس "دستوفسکی" نے یہ واضح کرنا چاہا ہے کہ انسان جب اللہ کو چھوڑ بیٹھتا ہے تو پھر وہ کس طرح سے شیطان کے ہتھے چڑھ جاتا ہے[1]

✿ مشہور فرانسیسی ادیب ورلیٹیر مادہ پرست شک میں ڈالنے والے ملحدوں کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے ہیں :

تم لوگ اللہ کے وجود میں کیوں شک کرتے ہو اگر اللہ نہ ہوتا تو میری بیوی میرے ساتھ خیانت کرتی اور میرا خادم میرا مال چرالیتا.

✿ امریکہ کے نفسیاتی طبیب ڈاکٹر ہنری لنک اپنی کتاب "عودۃ الایمان" میں لکھتے ہیں :

جو والدین یہ پوچھتے ہیں کہ وہ اپنی اولاد کی اخلاقی تربیت کس طرح کریں اور ان کو کس طرح شائستہ بنائیں. جبکہ خود ان میں وہ دینی اثرات موجود نہیں ہیں جنہوں نے اس سے قبل ان کے اخلاق کو سنوارا تھا. یہ لوگ درحقیقت ایک ایسی مشکل میں پھنس گئے ہیں جس کا کوئی حل نہیں ہے اور اس کے بدلے ان کو کوئی دوسرا ایسا کامل و مکمل نعم البدل نہیں مل سکا جو اس عظیم قوت کی جگہ لے سکے جسے خالق پر ایمان لانا اور لوگوں کے دلوں میں رکھی گئی فطری صلاحیت پیدا کرتا ہے.

✿ مکہ سے شائع ہونے والے رسالے "مجلۃ الحج" اپنے تیئسویں سال کے تیسرے شمارے میں اسٹالن کی بیٹی سوتیلانا کی زبانی لکھا ہے :

اس کے وطن اور اولاد چھوڑنے کا اصلی سبب دین ہے. اس لیے کہ وہ ایک ایسے گھر میں بڑھی پلی تھی جس کے افراد اللہ سے قطعاً بے بہرہ تھے اور اس کا نام ان کی زبان پر نہ قصداً آتا تھا نہ بھولے سے. اور جب وہ سن شعور کو پہنچی اور بڑی ہوئی (تو بغیر کسی خارجی عامل کے) اس نے اپنے اندر ایک قوی احساس یہ پایا کہ اللہ پر ایمان لائے

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب "مباحج الفلسفہ" مصنفہ ول دیوارنت (۲ - ۲۷۶).

بغیر دنیا کی زندگی کوئی معنی نہیں رکھتی، جیسے کہ اللہ پر ایمان لائے بغیر لوگوں میں عدل و انصاف قائم کرنا ناممکن ہے اور اس نے نہایت ٹھنڈے دل سے یہ محسوس کیا کہ انسان کو ایمان کی بالکل اسی طرح ضرورت ہے جس طرح پانی اور ہوا کی ضرورت ہوتی ہے۔

★فلسفی کینٹ نے یہ اعلان کیا کہ تین قسم کے اعتقاد پیدا کیے بغیر اخلاق وجود میں نہیں آسکتے:
خدا کا وجود، روح کے ہمیشہ ہمیشہ رہنے اور مرنے کے بعد حساب کتاب کا یقین رکھنا۔

مذکورہ بالا تصریحات کے بعد خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ بچے کی اصلاح اور اس کی اخلاقی و نفسیاتی تربیت کی بنیاد وحدہٗ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ہے۔

قارئین کرام! دنیا بھر کے علماء تربیت و اخلاق کے مندرجہ بالا بعض اقوال سے آپ نے یہ اندازہ لگا لیا ہوگا کہ ایمان اور اخلاق کے درمیان کتنا گہرا اور مضبوط تعلق ہے اور عقیدہ اور عمل کے درمیان کتنا قوی و مضبوط رابطہ ہے۔ اخلاقی تربیت کی مسئولیت کی بحث میں جہاں ہم اس کا علاج پیش کریں گے وہاں ہم اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالیں گے کہ بچے کے کردار کے درست کرنے اور اس کے اخلاق کو سنوارنے اور اس کی کجی کو دور کرنے میں ایمان کا کتنا عظیم اثر ہوتا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی سیدھا راستہ دکھانے والا ہے اور ہم اسی سے مدد اور توفیق مانگتے اور حاصل کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ والدین اور تربیت کرنے والوں پر ایمانی تربیت کی ذمہ داری ایک بہت بڑی اور اہم ذمہ داری ہے۔ اس لیے کہ یہی ایمانی تربیت اچھائیوں اور فضائل کا منبع اور کمالات کا باعث اور ذریعہ ہے۔ بلکہ بچے کے ایمان میں داخل ہونے کے لیے یہ بنیادی چیز اور اسلام کا ایک پل ہے۔ اور اس تربیت کے بغیر نہ بچہ کسی ذمہ داری کو پورا کرسکتا ہے اور نہ امانت و دیانت سے متصف ہوسکتا ہے اور نہ کسی مقصد و منزل کو پہچان سکتا ہے، اور نہ شریف و باکمال انسانیت کے معنی پیدا کرسکتا ہے اور نہ وہ شاندار کارنامے انجام دے سکتا ہے اور نہ کسی عظیم مقصد تک پہنچ سکتا ہے۔ بلکہ اس کی زندگی حیوانوں کی سی زندگی ہوگی جس کا مقصد صرف اپنا پیٹ بھرنا اور حیوانی خواہشات اور تقاضوں کو پورا کرنا اور دنیاوی لذتوں اور شہوتوں کے پیچھے سرگرداں رہنا ہوگا۔ اور ایسا شخص مجرموں اور گندے قسم کے لوگوں کے ساتھ اٹھے بیٹھے گا۔ اور پھر بالآخر وہ اس کافر جماعت اور اباحیت پسند گمراہ گروہ میں شامل ہوجائے گا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں درج ذیل ارشاد فرمایا ہے:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ.	اور جو کافر ہیں وہ عیش کر رہے ہیں اور کھا (پی) رہے ہیں جس طرح چوپائے کھاتے (پیتے) ہیں اور (آگ) ہی ان کا ٹھکانا ہے۔
محمد۔ ۱۲	

لہٰذا باپ اور مربی کو چاہیے کہ ہر لمحہ اور ہر دقیقہ میں اسے ان دلیلوں اور براہین سے آشنا کرائے جو اللہ کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہوں، اور اس کی ایسی رہنمائی کرے جو ایمان کو مضبوط کرے، اور اس کی ایسے گوشوں کی جانب توجہ پھیرتا رہے جو اس میں عقیدہ کے پہلو کو مضبوط کریں، ایمان کے سلسلہ میں نصیحت کے لیے مختلف مناسبات اور موقعوں سے فائدہ اٹھانے کا یہ انداز و طریقہ مربی اوّل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے، چنانچہ آپ ہمیشہ یہ کوشش فرماتے تھے کہ بچوں کی ہر اس چیز کی طرف رہنمائی کی جائے جو ان کا مرتبہ اور شان بلند کرے اور ان کے دل کی گہرائیوں میں ایمان ویقین راسخ کردے، محترم قارئین کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس رہنمائی اور تربیت کے سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلوب کو واضح کرنے کے لیے ذیل میں آپ کے سامنے ہم کچھ نمونے پیش کرتے ہیں:

امام ترمذی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک روز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

((یا غلام إنی أعلمك کلمات: احفظ الله یحفظك، احفظ الله تجده تجاهك، إذا سألت فاسأل الله، وإذا استعنت فاستعن بالله واعلم أن الأمة لو اجتمعت علی أن ینفعوك بشیئ لم ینفعوك إلا بشیئ قد کتبه الله لك، وإن اجتمعوا علی أن یضروك بشیئ لم یضروك إلا بشیئ قد کتبه الله علیك، رفعت الأقلام وجفت الصحف))۔

صاحبزادے میں تمہیں چند باتیں بتلاتا ہوں، تم اللہ کے حقوق کی حفاظت کرو اللہ تمہاری حفاظت کرے گا، تم حقوق اللہ کا خیال رکھو اللہ کو اپنے سامنے پاؤ گے، اور جب مانگو تو صرف اللہ ہی سے مانگنا، اور جب مدد طلب کرو تو اللہ سے ہی مدد طلب کرو، اور اس بات کو جان لو کہ اگر تمام مخلوق بھی تمہیں کچھ فائدہ پہنچانا چاہے تو تمہیں صرف وہی فائدہ پہنچا سکتی ہے جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے، اور اگر سب مل کر بھی تمہیں کچھ نقصان پہنچانا چاہیں تو تمہیں اتنا ہی نقصان پہنچا سکتے ہیں جتنا اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے قلم اٹھالیے گئے اور صحیفے خشک ہوگئے۔

٭

ترمذی کے علاوہ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ:

((احفظ الله تجده أمامك، تعرّف إلی الله فی الرخاء یعرفك فی الشدة واعلم أن ما أخطأك لم یکن

اللہ کے حقوق کا خیال رکھو خدا کو اپنے سامنے پاؤ گے، خوشحالی میں خدا کو یاد رکھو، خدا تمہیں تنگی و پریشانی میں یاد رکھے گا۔ اور تم یہ جان لو کہ جو چیز تم تک نہیں پہنچی

ليصيبك . وما أصابك لم يكن ليخطئك. واعلم أن النصر مع الصبر، وأن الفرج مع الكرب، وأن مع العسر يسرًا ».

وہ ہرگز بھی تم تک نہیں پہنچ سکتی۔ اور جو تمہیں پہنچ گئی تم اس سے قطعاً بچ نہیں سکتے تھے، اور تم جان لو کہ کامیابی صبر کے ساتھ ہوتی ہے، اور فراخی وکشادگی تکلیف وکرب کے بعد ہوتی ہے۔ اور تنگی کے ساتھ آسانی ہوا کرتی ہے۔

اور اخیر میں تربیت کرنے والوں اور معلمین اور والدین کے لیے میں یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ وہ اپنے شاگردوں اور اولاد کے لیے بہترین کتابوں کا انتخاب کریں جو ان بچوں کو سن شعور کو پہنچتے ہی عقیدۂ توحید سکھائیں، اور میرا خیال یہ ہے کہ یہ تعلیم مختلف مراحل میں ہونا چاہیے۔ جن میں سے ہر مرحلہ بچہ کی عمر اور سمجھ اور پختگی کی مناسبت سے ہونا چاہیے۔

پہلے مرحلہ کے اسباق یہ ہوں

یہ دس سے پندرہ سال تک کی عمر والوں کے لیے ہے،

۱۔ کتاب المعرفۃ مصنفہ عالم ربانی شیخ عبدالکریم رفاعی رحمہ اللہ۔

۲۔ کتاب العقائد للشیخ البنا رحمہ اللہ۔

۳۔ کتاب الجواہر الکلامیۃ مصنفہ شیخ طاہر الجزائری۔

دوسرے مرحلہ کے اسباق

بلوغ کی عمر سے بیس سال کی عمر تک کا عرصہ،

۱۔ اصول العقائد مصنفہ جناب عبداللہ عروانی۔

۲۔ کتاب الوجود الحق مصنفہ ڈاکٹر حسن هویدی۔

۳۔ کتاب شبہات وردود مصنفہ صاحب کتاب ہذا۔

تیسرے مرحلہ کے اسباق!

بیس سال کی عمر کے بعد کا زمانہ،

۱۔ کتاب کبری الیقینیات الکونیۃ مصنفہ ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی۔

۲۔ کتاب اللہ جل جلالہ مصنفہ جناب سعید حوّی۔

۳۔ کتاب قصۃ الایمان مصنفہ جناب ندیم الجسر۔

دوسرے اور تیسرے مرحلہ کی کتابوں کے ساتھ وہ کتابیں بھی شامل کرلینا چاہیے جو عقیدہ اور افکار سے تعلق رکھتی ہیں۔ لہٰذا ہر نوجوان کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان کتابوں کو خریدے اور ان کو پڑھے اور خوب غور سے ان کا مطالعہ کرے۔ اس لیے کہ یہ عقیدہ کو راسخ اور ایمان کو مضبوط کرتی ہیں اور ان کتابوں میں سے اہم یہ ہیں :

الدین فی مواجہۃ العلم مصنفہ جناب شیخ وحیدالدین خان
الاسلام یتحدی " " "
اللہ یتجلی فی عصر العلم مصنفہ علماءِ مغرب کی ایک جماعت
العلم یدعوالی الایمان مصنفہ کریسی موریسون
اللہ والعلم الحدیث مصنفہ عبدالرزاق نوفل
الطب فی محراب الایمان مصنفہ ڈاکٹر خالص کنجو

وغیرہ وغیرہ وہ کتابیں جو ایمان کو قوی اور عقیدہ واسلام کو راسخ کرتی ہیں۔

یہ اس وقت ہے جب بچہ تعلیم کے میدان میں مشغول ہو اور اپنی تعلیم جاری رکھتے ہوئے جامعہ تک پہنچ جائے لیکن اگر بچہ صرف پرائمری تک تعلیم حاصل کرکے عملی زندگی میں کمانے کے لیے قدم رکھے تو اس کے والد کو چاہیے کہ اس کو فارغ اوقات میں سمجھدار باصلاحیت اساتذہ کے ذریعہ عقیدۂ توحید سکھانے کی بھرپور کوشش کرے تاکہ اسے ایمان کی ابتدائی اور بنیادی باتیں معلوم ہوں۔ اور یہ معلمین واساتذہ اس بچے کے دل میں توحیدِ خالص کے بیج بودیں تاکہ اس بچے کو یہ بخوبی معلوم ہو جائے کہ اللہ کی طرف — کس چیز کی نسبت واجب ہے اور کس کی جائز اور کونسے امر کی نسبت اللہ کی طرف کرنا محال وناممکن ہے، اور ایسی صورت میں بچہ خالص ایمانی تربیت میں بڑھے پلے گا۔ اور کسی قسم کے شبہہ سے نہ اس کے قدم ڈگمگائیں گے اور نہ کسی فتنہ اور لالچ کے دام میں گرفتار ہوگا۔

فصلِ ثانی

۲- اخلاقی تربیت کی ذمہ داری

اخلاقی تربیت سے ہماری مراد تمام اخلاقی بنیادی باتوں اور کردار و وجدان سے متعلق فضائل کا وہ مجموعہ ہے. جنہیں حاصل کرنا اور سیکھنا اور اپنے اندر پیدا کرنا بچہ کے لیے ضروری ہے، اور بچپن اور سنِ شعور سے ہی ان کا عادی بنانا لازمی ہے. تاکہ جب وہ مکلف ہو اور جوان بنے اور زندگی کے گہرے سمندر میں قدم رکھے تو یہ تمام فضائل و کمالات اس میں موجود ہوں.

اس میں نہ کوئی شک وشبہ ہے اور نہ اس میں کسی کا اختلاف ہے کہ اخلاق اور کردار سے متعلق فضائل یہ درحقیقت راسخ ایمان اور صحیح دینی تربیت کے ثمرات میں سے ایک ثمرہ ہے.

چنانچہ بچے میں جب نوعمری ہی سے ایمان باللہ پیدا ہوگا اور اللہ کے خوف اور اس کے مراقبہ کی اس کو عادت ہوگی اور اسی پر بھروسہ کرنے اور اسی سے مدد مانگنے اور تمام حالات میں اس کے سامنے گردن جھکانے کا جب وہ عادی ہوگا تو ہر فضیلت اور اچھے کام کو قبول کرنے اور ہر اچھے اعلیٰ اور شریفانہ اخلاق کو اختیار کرنے کا اس میں فطری ملکہ اور وجدانی احساس وشعور پیدا ہوگا. اس لیے کہ جو دینی روک ٹوک اس کے ضمیر میں جاگزین ہوگئی ہے اور اللہ کا حاضر و ناظر ہونا جو اس کے وجدان میں راسخ ہوگیا ہے، اور جو نفسیاتی محاسبہ اس کے تمام تفکرات و احساسات پر غالب آچکا ہے یہ سب کا سب اس بچے اور ان گندی صفات اور رذیل قسم کی عادات اور گناہوں اور جاہلانہ فاسد رسم و رواج کے درمیان حائل بن جائے گا بلکہ خیر کی جانب متوجہ ہونا اس کی طبیعت اور عادت بن جائے گا. اور اچھائیوں اور نیکیوں سے محبت اس کی فطرت اور عادت اور اس کا ممتاز وصف بن جائے گا.

اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ بہت سے دیندار والدین اور بہت سے مرشدوں و پیروں اور تربیت کرنے والوں کا اپنے شاگردوں، مریدوں اور اولاد کے سلسلہ میں یہ عملی تجربہ نہایت کامیاب رہا ہے، چنانچہ یہ تجربہ سلف کی سیرت اور حقیقت و واقع کی دنیا میں صحیح ثابت ہوچکا ہے. اور اس سے پہلے ہم حضرت محمد بن سوار کا وہ موقف ذکر کرچکے ہیں جو انہوں نے اپنے بھانجے سہل تستری کی صحیح ایمانی تربیت اور ان کی اصلاحِ نفس کے لیے

اختیار کیا تھا۔ اور پھر سب نے دیکھ لیا کہ ان کی تربیت کی بدولت ان کے بھانجے کس طرح سے اللہ کے حضور میں حاضر رہتے اور ہمیشہ مراقبہ کی کیفیت میں رہتے اور اللہ کا خوف ان پر غالب رہتا۔ اور ہمیشہ اسی ذات باری پر اعتماد و بھروسہ کرتے تھے۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے حضرت سہل کو بار بار اس کی ترغیب دی تھی کہ وہ ظاہری طور سے بھی اور مخفی طور پر بھی اور کھلم کھلا بھی اور چپکے سے بھی اور تنہائی میں بھی اور مجمعوں میں بھی اللہ معی (اللہ میرے ساتھ ہے) اللہ ناظر الیّ (اللہ مجھے دیکھ رہا ہے) اور اللہ شاہدی (اللہ میرا مشاہدہ کر رہا ہے) کا ورد جاری رکھیں۔
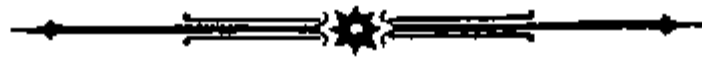
اور جب بچے کی تربیت اسلامی عقیدہ سے بعید اور دینی توجیہات سے عاری ہوگی اور اللہ سے تعلق نہ ہوگا تو بلاشبہ بچہ فسق و فجور اور آزادی میں پروان چڑھے گا، اور الحاد و گمراہی میں بڑھے چلے گا، بلکہ اپنی نفس کو خواہشات کا تابع بنا دے گا۔ اور اپنے مزاج و خواہشات اور گندے شوق کے مطابق نفسِ امارہ کی خواہشات اور شیطان کے وساوس کے پیچھے چلے گا۔

پھر اگر اس کا مزاج پرسکون اور صلح پسند و صلح جو قسم سے ہے تو وہ دنیاوی زندگی میں بے وقوفوں اور غافلوں کی طرح رہے گا۔ زندہ ہوگا لیکن مردہ کی طرح، اور موجود ہوگا لیکن غیر موجود کی طرح۔ کسی کو نہ اس کی زندگی کی خبر ہوگی اور نہ ہی اس کے مرنے سے کوئی خلا پیدا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ شاعر کا بھلا کرے وہ کہتے ہیں:

فذاك الذي إن عاش لم ينتفع به — وإن مات لا تبكي عليه أقاربه

وہ ایسا شخص ہے کہ اگر وہ زندہ ہے تو اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا — اور اگر وہ مر جائے تو اس پر اس کے عزیز و رشتہ دار بھی نہ روئیں

اور اگر اس پر بہیمیت کا پہلو غالب ہوگا تو شہوات و خواہشات اور لذتوں کے پیچھے پیچھے مارا مارا پھرے گا۔ ان کو حاصل کرنے کے لیے ہر ناجائز و ممنوع جگہ میں گھس جائے گا۔ اور اس کی خاطر ہر راستہ اختیار کرلے گا۔ نہ حیا اس کو روکے گی اور نہ ضمیر اس کی سرکوبی کرے گا اور نہ عقل اس کے لیے مانع بنے گی۔ اور وہ وہی بات کہے گا۔ جو شاعر ابونواس نے کہی تھی۔

إنما الدنيا طعام — وشراب وندام

دنیا کھانے پینے — اور شراب اور مے نوشی کی محفلوں کا نام ہے

فإذا فاتك هذا — فعلى الدنيا سلام

لہٰذا اگر تمہیں یہ چیزیں نہ ملیں — تو پھر دنیا کو سلام ہے

اور اگر اس کا مزاج جذباتی قسم کا ہے تو اس کا مقصد دنیا میں غلبہ اور طاقت حاصل کرنا اور لوگوں پر بڑائی جتلانا اور حکم چلانا اور اپنی فوقیت کا اظہار کرنا اور اپنی زبان سے فخر و مباہات کرنا اور اپنے کارناموں پر اترانا ہوگا۔

اور اس سلسلہ میں اسے اس کی بھی پرواہ نہیں ہوگی کہ وہ اس مقصد کے حصول لیے لوگوں کی کھوپڑیوں سے محل بنائے، اور پاک و بری لوگوں کے خون سے اسے منقش و آراستہ کرے۔ اور اس کا شعار وہ ہوگا جو زمانۂ جاہلیت کے شاعر نے کہا تھا:

لنا الدنیا ومن أمسی علیھا	ونبطش حین نبطش قادرینا
دنیا اور جو کچھ اس میں ہے وہ سب کا سب ہمارا ہے	اور جب قدرت پاکر ہم گرفت کرتے ہیں تو ایسی حالت میں گرفت کرتے ہیں
بغاۃ ظالمین وما ظلمنا	ولکنا سنبدأ ظالمینا
کہ ہم ظلم و بغاوت کرتے ہیں حالانکہ ہم پر ظلم نہیں کیا گیا	بلکہ ہم خود ظلم کی ابتدار کرتے ہیں
إذا بلغ الرضیع لنا فطاما	تخرّ له الجبابر ساجدینا
ہمارا بچہ جب دودھ چھڑانے کی عمر کو پہنچتا ہے	تو بڑے بڑے سرکش و جابر اسکے سامنے سجدہ میں گرجاتے ہیں

اور اگر اس پر شیطانی پہلو غالب ہوگا تو وہ مکاریاں کرتا اور تدبیریں سوچتا رہے گا اور دوستوں میں تفریق کرے گا، اور وہ ہلاک کرنے کے لیے بارودی سرنگیں بچھادے گا اور قتل کرنے کے لیے کنووں میں زہر گھول دے گا۔ اور شکار کے لیے پانی کو گدلا کردے گا اور گناہوں کو آراستہ کردے گا اور برائیوں پر ابھارے گا اور لوگوں میں عداوت و بغض پیدا کرے گا اور زبانِ حال سے شاعر کا یہ شعر دہرائے گا:

إذا أنت لم تنفع فضرّ فإنما	یرجّی الفتی کیما یضرّ وینفعا
اگر تم نفع نہ پہنچا سکو تو نقصان ہی پہنچاؤ اس لئے کہ	نوجوان سے امیدیں وابستہ کی جاتی ہیں تاکہ وہ نفع اور نقصان پہنچائے

اور اس طرح سے ان جیسا ہر شخص اپنی نفسِ امارہ کے ساتھ ساتھ پھرتا رہتا ہے۔ جہاں اس کا نفس اس کو لیجاتا ہے وہاں اس کے ساتھ چلا جاتا ہے۔ اور جہاں اس کی منحرف اور کج طبیعت اور مزاج اس کو ہانک کرلے جاتا ہے وہاں پہنچ جاتا ہے، اور اپنی خواہشات کا غلام بن جاتا ہے۔ اور خواہشات و عشق و محبت انسان کو اندھا اور بہرہ کردیتی ہے، اور یہ ایسی چیز ہے جو خدا اور معبود بن بیٹھتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللَّهِ﴾ القصص۔۵۰	اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو شخص محض اپنی نفسانی خواہش پر چلے بغیر اللہ کی طرف سے کسی ہدایت کے۔

ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ ایمانی تربیت ہی ایسی چیز ہے جو منحرف قسم کے مزاج کے مالک لوگوں کی اصلاح کرتی ہے اور فاسد و کج قسم کے لوگوں کو سیدھا اور درست کرتی ہے۔ اور نفسِ انسانی کی اصلاح کرتی ہے۔ اور اس کے بغیر نہ کسی قسم کی اصلاح ممکن ہے اور نہ استقرار و سکون اور نہ اخلاق کی درستگی و اصلاح۔[1]

---

[1] ملاحظہ ہو استاذ قرضاوی کی کتاب "الایمان والحیاۃ" کا صفحہ (۲۱۰) کچھ تھوڑے سے تغیر کے ساتھ۔

ایمان واخلاق کے درمیان اسی مضبوط ربط وتعلق اور عقیدہ اور عمل کے درمیان اسی عظیم ومستحکم رابطہ کی وجہ سے مغرب کے علماء تربیت اور ذمہ دارانِ اصلاحِ معاشرہ اور ان کے علاوہ دوسری بہت سی قوموں کے مصلحین اس جانب متوجہ ومتنبہ ہوگئے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں انہوں نے رہنمائی کرنا شروع کر دی ہے اور انہوں نے اپنے نقطۂ نظر اور رائے یہ ظاہر کی ہے کہ دین کے بغیر نہ تو کامل ومکمل استقرار پایا جا سکتا ہے اور نہ ایمان کے بغیر اصلاح متحقق ہوسکتی ہے اور نہ اخلاق درست ہوسکتے ہیں۔

ان حضرات کی آراء اور تجاویز میں سے بعض ذیل میں پیش کی جاتی ہیں

- جرمنی فلسفی فیختہ کہتے ہیں کہ دین کے بغیر اخلاق عبث وبے کار چیز ہے۔

- ہندوستان کے مشہور لیڈر گاندھی کہتے ہیں کہ دین اور اچھے اخلاق یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں اور یہ انفصال اور جدائی کو قبول نہیں کرتے۔ اور ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتا، یہ دونوں ایسی وحدت واتحاد ہیں جس میں تجزی نہیں ہوسکتی۔ دین اخلاق کے لیے روح کی مانند ہے اور اخلاق روح کے لیے فضا کی طرح ہے۔ بالفاظِ دیگر دین اخلاق کو اس طرح غذا بہم پہنچاتا اور اس کی نشوونما کرتا ہے جیسے کہ پانی کھیتی کو غذا پہنچاتا اور نشوونما کرتا ہے۔

- برطانوی جج مسٹر ڈیننگ ایک سابق برطانوی وزیر کے گندے کرتوتوں اور بداخلاقیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اخلاقی رپورٹ میں لکھتے ہیں: دین کے بغیر اخلاق کا وجود ناممکن ہے اور اخلاق کے بغیر کسی قانون کا پایا جانا ناممکن ہے!! اس لیے کہ دین ایک ایسا منفرد، یکتا اور پاک صاف معصوم مرکز ہے جس سے اچھے اور برے اخلاق کو پہچانا جاتا ہے، اور دین ہی وہ چیز ہے جو ان اعلیٰ کارناموں سے انسان کا رابطہ قائم کر دیتی ہے جس کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھا جاتا ہے اور جس کے لیے جدوجہد کی جاتی ہے۔ اور دین ہی وہ چیز ہے جو افراد کی انانیت کو لگام دیتی ہے اور ان کے خیالات وافکار کو سرکشی سے روکتی اور رسم ورواج کے غلبہ سے بچاتی ہے۔ اور انسان کو اپنے اغراض ومقاصد اور شاندار کارناموں کے سامنے دین ہی جھکاتا ہے۔ اور انسان میں ایک ایسا زندہ وروشن ضمیر تربیت دیتا ہے جس کی بنیاد پر اخلاق کا محل تعمیر ہوتا ہے۔

- اس سے پہلے ہم فلسفی "کینٹ" کا قول ذکر کر چکے ہیں کہ تین قسم کے اعتقاد کے پائے جائے بغیر اخلاق کا وجود نہیں پایا جا سکتا: خدا کے وجود، روح کے ہمیشہ رہنے، اور مرنے کے بعد حساب کتاب

کا اعتقاد رکھنا۔

جو کچھ ہم ذکر کر چکے ہیں اس کو پڑھ کر اس میں کوئی تعجب نہیں ہوتا کہ ہم شریعتِ اسلامیہ کو اخلاقی اعتبار سے بچوں کی تربیت کا زبردست اہتمام کرتے ہوئے دیکھیں۔ اور یہ مشاہدہ کریں کہ بچے میں مکارمِ اخلاق اور فضائل پیدا کرنے اور بہترین اخلاق اور اچھی عادات کا عادی بنانے کے سلسلے میں اسلام کی قیمتی رہنمائی و توجیہات بے شمار ہیں۔

اخلاق و کردار کے لحاظ سے بچے کی تربیت کے سلسلہ میں اہم نصیحتیں اور تجاویز و توجیہات کو ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

امام ترمذی ایوب بن موسیٰ سے اور وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((ما نحل والد ولداً من نحل أفضل من أدب حسن))۔ کسی باپ نے اپنے بیٹے کو عمدہ اور بہترین ادب سے زیادہ اچھا ہدیہ نہیں دیا۔

اور ابن ماجہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((أکرموا أولادکم وأحسنوا أدبهم))۔ اپنے بچوں کا اکرام کرو اور انہیں اچھی تربیت دو۔

اور عبدالرزاق اور سعید بن منصور وغیرہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

((علموا أولادکم وأهليکم الخير وأدبوهم))۔ اپنی اولاد اور گھر والوں کو خیر و بھلائی کی باتیں سکھاؤ اور ان کی اچھی تربیت کرو۔

بیہقی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من حق الولد علی الوالد أن یحسن أدبه ویحسن اسمه))۔ بچہ کا باپ پر یہ حق ہے کہ وہ اس کو اچھی تربیت دے اور اس کا اچھا سا نام رکھے۔

ابن حبان حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((الغلام یعق عنه یوم السابع بچے کا ساتویں دن عقیقہ کیا جائے گا اور اس کا نام

ويسمى ويماط عنه الأذى، فإذا بلغ
ست سنين أدب، وإذا بلغ تسع
سنين عزل عن فراشه، فإذا
بلغ ثلاث عشرة سنة ضرب
على الصلاة والصوم، فإذا بلغ
ست عشرة زوجه أبوه،
ثم أخذ بيده وقال:
قد أدبتك وعلمتك وأنكحتك
أعوذ بالله من فتنتك في الدنيا
وعذابك في الآخرة)).

رکھا جائے گا اور اس کے بال وغیرہ دور کردیے جائیں
گے اور پھر جب چھ سال کا ہو جائے تو اس کی تربیت
کی جائے، اور جب نو سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اس
کا بچھونا الگ کردیا جائے گا۔ اور پھر جب تیرہ سال کا
ہو جائے تو نماز اور روزہ کے لیے اسے مارا جائے گا۔ اور
پھر جب سولہ سال کا ہو جائے تو اس کا باپ اس کی شادی
کرادے اور پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر کہے کہ میں نے تمہیں تعلیم
دی اور ادب سکھایا اور تمہارا نکاح کردیا۔ میں اللہ کے
ذریعہ سے دنیا میں تمہارے فتنہ و آزمائش سے اور
آخرت میں عذاب سے پناہ مانگتا ہوں۔

تربیت سے متعلق ان احادیث کے مجموعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تربیت کرنے والوں اور خصوصاً والدین پر یہ بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اولاد کو خیر سکھائیں اور اخلاق کی بنیادی باتیں ان کی گھٹی میں ڈال دیں۔

اس سلسلہ میں ان حضرات کی مسئولیت وذمہ داری ہر اس چیز کو شامل ہے جو ان کی نفوس کی اصلاح اور کجی کی درستگی سے متعلق ہو۔ اور جو انہیں بری باتوں اور غلط کاموں سے دور رکھے اور دوسروں کے ساتھ حسنِ معاملہ پر آمادہ کرے۔

چنانچہ یہ مربی وذمہ دار حضرات اس امر کے مسئول ہیں کہ بچپن سے ہی بچوں میں سچائی، امانت، استقامت ایثار، پریشانیوں اور مصیبت زدہ لوگوں کی فریادرسی، بڑوں کے احترام، مہمانوں کے اکرام، پڑوسیوں کے ساتھ احسان اور دوسروں کے ساتھ محبت سے پیش آنے کا عادی بنائیں۔

اور یہ حضرات اس کے بھی مسئول ہیں کہ ان کی زبان کو گالم گلوچ، برا بھلا کہنے، گندے کلمات منہ سے نکالنے، اور ان تمام چیزوں سے دُور رکھیں جو اخلاق کی خرابی اور بری تربیت پر دلالت کرتی ہیں۔

اور اس کے بھی مسئول ہیں کہ انہیں گندے اور برے کاموں اور خراب عادتوں اور برے اخلاق اور ان تمام حرکات سے بچائیں جو مروت، شرافت اور عفت کو بٹہ لگانے والی اور ان کی منزلت کو کم کرنیوالی ہیں۔

اور وہ اس بات کے مسئول بھی ہیں کہ ان کو اعلیٰ انسانی احساسات اور بہترینِ اعلیٰ شعور وجذبات کا عادی بنائیں مثلاً یتیموں کے ساتھ احسان کرنا، فقراء کے ساتھ حسنِ سلوک، بیواؤں اور مسکینوں پر شفقت اور ان سے ہمدردی کرنا، اور اس کے علاوہ دوسری بڑی بڑی وہ مسئولیات وذمہ داریاں جو تہذیب سے تعلق رکھتی ہیں

در اخلاق سے مرتبط ہیں۔

بچوں میں پائی جانے والی چار بُری عادتیں :

اسلام کی نظر میں چونکہ بہترین تربیت کا سب سے زیادہ مدار دیکھ بھال اور نگرانی پر ہے۔ اس لیے ماں باپ درمعلموں اور ان تمام حضرات کو جو تربیت و اخلاق کے کام کا اہتمام کرتے ہیں۔ اولاد میں چار باتوں کا خاص خیال رکھنا چاہیئے۔ اور ان کو اس طرف اپنی پوری توجہ مرکوز رکھنا چاہیئے۔ اس لیے یہ چاروں باتیں بہت بری اور اخلاق سے گری ہوئی اور بدترین اوصاف میں سے ہیں۔ اور یہ چاروں باتیں ترتیب وار درج ذیل ہیں :

۱۔ جھوٹ کی عادت۔

۲۔ چوری کی عادت۔

۳۔ گالم گلوچ اور بدزبانی کی عادت۔

۴۔ بے راہ روی و آزادی کی عا...

۱۔ جھوٹ بولنے کی عادت

اسلام کی نظر میں جھوٹ سب سے بری خصلت ہے اس لیے تمام تربیت کے ذمہ داروں کو چاہیے کہ اس کا بہت زیادہ خیال رکھیں اور اس سلسلہ میں خوب محنت کریں۔ تاکہ بچوں کو اس سے باز رکھ سکیں، اور اس کی نفرت ان کے دلوں میں راسخ کردیں، اور جھوٹ اور نفاق کی گندی عادتوں سے دور رہیں۔

جھوٹ کی برائی اور قباحت کے لیے اتنا کافی ہے کہ اسلام نے اسے نفاق کی خصلتوں میں شمار کیا ہے، چنانچہ امام بخاری و مسلم وغیرہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا :

((أربع من كنّ فيه كان منافقًا خالصًا، ومن كان فيه خصلة منهن كان فيه خصلة من النفاق حتى يدعها: إذا ائتمن خان، وإذا حدث كذب، وإذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر)).	جس شخص میں چار باتیں ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا اور جس میں ان میں سے ایک بات ہوگی اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی۔ جب تک کہ وہ اسے چھوڑ نہ دے: جب اس کے پاس امانت رکھائی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ اور جب گفتگو کرے تو جھوٹ بولے۔ اور جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے اور جب جھگڑے تو فحش گوئی کرے۔

اور اس کی قباحت وشناعت اور برائی کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ اس کا مرتکب اور جھوٹ بولنے والا اللہ کی ناراضگی اور عذاب میں گرفتار رہتا ہے، چنانچہ امام مسلم وغیرہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے

ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«ثلاثة لا يكلمهم الله يوم القيامة ولا يزكيهم ولا ينظر إليهم ولهم عذاب أليم: شيخ زان، وملك كذاب، وعائل متكبر».	تین آدمی ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز نہ گفتگو فرمائیں گے اور نہ ان کا تزکیہ کریں گے اور نہ ان کی طرف دیکھیں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا: بوڑھا زانی، اور جھوٹ بولنے والا بادشاہ، اور متکبر فقیر وضرورت مند۔

اور اس کی برائی اور شناعت کے لیے یہ کافی ہے کہ جو شخص جھوٹ کا عادی بن جائے وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں جھوٹوں میں لکھ دیا جاتا ہے، چنانچہ امام بخاری ومسلم وغیرہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إياكم والكذب فإن الكذب يهدي إلى الفجور، وإن الفجور يهدي إلى النار، وما يزال العبد يكذب ويتحرى الكذب حتى يكتب عند الله كذابا».	تم جھوٹ سے بچو اس لیے کہ جھوٹ برائیوں کی طرف لے جاتا ہے اور برائیاں جہنم کی آگ تک لے جاتی ہیں۔ اور انسان جھوٹ بولتا رہتا اور جھوٹ بولنے کی کوشش کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔

اور جھوٹ کی قباحت وشناعت کے اتنی بات ہی کافی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بڑی خیانت شمار کیا ہے۔ چنانچہ ابوداؤد حضرت سفیان بن اُسید حضرمی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

«كبرت خيانةً أن تحدث أخاك حديثاً هو لك مصدق وأنت له به كاذب».	یہ بہت بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے کوئی بات کرو اور وہ اس میں تمہیں سچا سمجھ رہا ہو اور تم اس سے جھوٹ بول رہے ہو۔

لہٰذا جب جھوٹ اور جھوٹ بولنے والوں کی یہ حالت ہے تو پھر تربیت کرنے والوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی اولاد کو جھوٹ سے متنفر کریں، اس سے روکیں اور انکو اس کے برے انجام سے ڈرائیں۔ اور اس کے نقصانات ومضر اثرات ان کے سامنے بیان کریں، تاکہ وہ اس کے دام میں گرفتار نہ ہوں، اور اس کی دلدل میں نہ پھنسیں اور اس کے بیابان میں حیران وپریشان ہو کر ٹھوکریں نہ کھائیں۔

چونکہ مربیوں کی نظر میں بہترین تربیت کا مدار بہترین مقتدیٰ اور اچھے نیکوکار لوگوں پر ہوتا ہے اس لیے ہر

ربی اور مسئول کے لیے یہ ضروری ہے کہ بچوں کو ڈرنے سے چپ کرنے یا کسی کام کی رغبت دلانے یا ان کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے ان سے جھوٹ نہ بولیں، اس لیے کہ اگر وہ خود ایسا کریں گے تو پھر تو اپنے بچوں کو جھوٹ کا عادی بنادیں گے درروہ اس طرح سے کہ وہ بچے ان کی نقل اور اقتداء میں اور ان کی غلط تربیت کی وجہ سے اس گندی عادت اور بدترین اخلاق یعنی جھوٹ جیسی برائی کے دلدادہ ہوجائیں گے. اور اس کے ساتھ ساتھ ان بچوں کو اپنے بڑوں کی ات پر اعتماد و بھروسہ بھی نہیں رہے گا، اور ان کی وعظ و نصیحت سے متاثر بھی نہیں ہوں گے۔

اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ مربی اول مرشد کامل حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولیاء و تربیت کرنے الوں کو اپنے بچوں کے سامنے مذاق میں یا کسی چیز کی رغبت دلانے یا یونہی جھوٹ بولنے سے بھی ڈرایا ہے تاکہ خدا کے یہاں یہ مذاق بھی جھوٹ نہ لکھ دیا جائے چنانچہ ابوداؤد و بیہقی حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت رتے ہیں کہ ایک روز میری والدہ نے مجھے پکارا، اس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے، تو میری والدہ نے کہا: آؤ میں تمہیں یہ دے دوں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

«ما أردت أن تعطيه؟». تم نے اس کو کیا دینا چاہا تھا؟

انہوں نے کہا کہ میں ان کو کھجور دینا چاہتی تھی. تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

«أما إنك لو لم تعطيه شيئاً كتبت عليك كذبة». سن لو اگر تم اسے کچھ بھی نہ دیتی تو تمہارے لیے ایک جھوٹ لکھ دیا جاتا۔

اور امام احمد اور ابن ابی الدنیا حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«من قال لصبي: هاك ثم لم يعطه فهي كذبة». جس شخص نے بچے سے یہ کہا کہ آجاؤ لے لو اور پھر اس کو کچھ نہ دیا تو یہ بھی جھوٹ ہے۔

سلفِ صالحین اپنے بچوں کو سچ بولنے کا عادی بنایا کرتے تھے اور اس سلسلہ میں ان پر کڑی نظر رکھتے تھے س ضمن میں جو عجیب و غریب قصے منقول ہیں ان میں سے درج ذیل قصّہ بھی ہے:

عالم ربانی شیخ عبدالقادر گیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے بچپن سے ہی اپنے تمام معاملات کی بنیاد سچ پر رکھی درروہ اس طرح سے کہ میں علم حاصل کرنے کے لیے مکہ مکرمہ سے بغداد کے ارادہ سے نکلا. میری والدہ نے مجھے خراجات کے لیے چالیس دینار دے دیے اور مجھ سے یہ عہد لیا کہ میں ہمیشہ سچ بولوں گا، جب ہم ہمدان کی سرزمین یں پہنچے تو چوروں کی ایک جماعت نے ہم پر حملہ کردیا اور قافلہ والوں کو روک لیا، ان چوروں میں سے ایک چور میرے پاس آیا اور اس نے مجھ سے کہا: تمہارے پاس کیا چیز ہے؟ میں نے کہا: چالیس دینار، وہ یہ سمجھا کہ

میں اس سے مذاق کررہا ہوں چنانچہ وہ مجھے چھوڑ کر آگے بڑھ گیا، ان میں سے ایک دوسرے آدمی نے مجھے دیکھا تو مجھ سے پوچھا کہ تمہارے پاس کیا ہے تو میرے پاس جو کچھ تھا وہ میں نے اسے بتادیا، چنانچہ وہ مجھے پکڑ کر اپنے سردار کے پاس لے گیا اور اس نے مجھ سے یہی بات پوچھی تو میں نے اسے بھی وہی بات بتلادی۔

اس سردار نے مجھ سے پوچھا کہ تمہیں سچ بولنے پر کس چیز نے مجبور کردیا؟ تو میں نے کہا کہ میں نے اپنی والدہ سے سچ بولنے کا عہد کیا تھا، اس لیے مجھے ڈر تھا کہ میں عہد کی خلاف ورزی نہ کر بیٹھوں، یہ سن کر چوروں کے سردار پر خوف طاری ہوگیا اور وہ چیخنے لگا اور اس نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور کہا کہ تم تو اپنی والدہ سے کیے ہوئے عہد کو توڑنا نہیں چاہتے اور میں اللہ سے کیے ہوئے عہد میں خیانت کرنے سے بھی نہیں ڈرتا!!! اور پھر اس نے قافلہ کا لوٹا ہوا تمام مال واپس کرنے کا حکم دے دیا اور کہا: میں آپ کے ہاتھ پر اللہ سے توبہ کرتا ہوں۔ تو پھر اس کے ساتھیوں نے کہا: چوری کرنے اور ڈاکہ ڈالنے میں آپ ہمارے سردار تھے اور آج توبہ کرنے میں بھی آپ ہمارے سردار ہیں، چنانچہ اس سچ کی برکت سے سب کے سب نے توبہ کرلی۔

۲ - چوری کی عادت

چوری کی عادت بھی جھوٹ کی عادت سے کچھ کم خطرناک نہیں ہے۔ اور چوری کی عادت ان پست ماندہ علاقوں میں زیادہ عام ہے جنہوں نے اپنے آپ کو اسلامی اخلاق سے آراستہ نہیں کیا ہے اور جو ایمانی تربیت سے صحیح فیض یاب نہیں ہوئے ہیں۔

اور یہ ایک بدیہی سی بات ہے کہ اگر بچپن سے ہی بچے میں خدا کا خوف اور اس کے حاضر و ناظر ہونے کا یقین پیدا نہ ہو۔ اور امانت داری اور حقوق ادا کرنے کا عادی نہ بنے، تو بلاشبہ بچہ آہستہ آہستہ دھوکہ بازی، چوری اور خیانت اور دوسروں کا مال ناحق کھانے کا عادی بن جائے گا، بلکہ وہ ایسا بدبخت اور مجرم ہوگا کہ جس سے معاشرہ والے پناہ مانگیں گے اور اس کے برے کاموں سے لوگ امان چاہیں گے۔

اس لیے والدین اور تربیت کرنے والے حضرات پر یہ فرض ہے کہ وہ بچوں کی دل میں اللہ کے حاضر ناظر ہونے کا تصور پیدا کریں اور یہ عقیدہ ان کے نفوس میں راسخ کریں، اور ان میں خدا کا خوف پیدا کریں، اور چوری کے بُرے نتائج اور دھوکہ بازی اور خیانت کے بُرے انجام سے انہیں آگاہ کریں۔ اور ان کو صاف صاف کھول کھول کر یہ بتلادیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجرموں، بدکرداروں راہِ راست سے ہٹنے والوں کے لیے قیامت میں کیا بدترین انجام اور دردناک عذاب تیار کررکھا ہے۔

یہ بات نہایت تکلیف دہ اور افسوس ناک ہے کہ بہت سے ماں باپ اپنے بچوں کے پاس جو ساز و سامان اور دیگر اشیاء اور روپیہ پیسہ دیکھتے ہیں اس کے سلسلہ میں ان کی صحیح نگرانی اور دیکھ بھال نہیں کرتے، اور اولاد کے

صرف یہ کہنے سے کہ انہیں راستہ میں پڑا مل گیا یا انہیں کسی ساتھی یا دوست نے ہدیۃً دیا ہے ان کی بات تسلیم کر لیتے ہیں اور ان کی جھوٹی بات مان لیتے ہیں اور تحقیق و تدقیق کی ذمہ داری پوری کرنے کی اپنے آپ کو بالکل بھی تکلیف نہیں دیتے حالاں کہ یہ ایک طبیعی اور فطری بات ہے کہ بچہ اپنی چوری چھپانے کے لیے اس طرح کے جھوٹے دعوے ہی کرے گا تاکہ اس پر الزام نہ آئے اور وہ رسوائی سے بچ جائے، اور یہ بھی فطری بات ہے کہ جب بچہ یہ دیکھے گا کہ اس کا نگران اور مربی باریک بینی اور تحقیق سے کام نہیں لیتا اور اس کے سلسلہ میں پورا اہتمام نہیں کر رہا ہے تو بچہ مجرمانہ زندگی میں اور زیادہ منہمک ہو جائے گا۔

اور اس سے بھی زیادہ بری بات یہ ہے کہ بچہ اپنے والدین میں سے کسی ایک کو چوری پر آمادہ کرتا یا اس پر جری کرتا ہوا پائے اس صورت میں بلاشبہ وہ بچہ جرم میں پکا ہو جائے گا اور چوری اور مجرمانہ زندگی میں اور زیادہ مستغرق ہو جائے گا ؎

وهل يرجى لأطفال كمال	إذا ارتضعوا ثدي الناقصات
کیا ان بچوں سے کسی فضل و کمال کی امید رکھی جا سکتی ہے	جنہوں نے ناقص عورتوں کے سینہ سے دودھ پیا ہو

ایک شرعی عدالت نے ایک چور پر چوری کی سزا نافذ کرنے کا حکم دے دیا، اور پھر جب سزا پر عمل درآمد کا وقت آگیا تو اس چور نے لوگوں سے باآواز بلند کہا: میرا ہاتھ کاٹنے سے پہلے میری والدہ کی زبان کاٹ دو، اس لیے کہ میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ اپنے پڑوسی کے یہاں سے ایک انڈے کی چوری کی تھی تو میری والدہ نے مجھے نہ تنبیہ کی اور نہ مجھے یہ حکم دیا کہ میں وہ انڈا پڑوسی کو واپس کر دوں، بلکہ وہ چہچہانے لگیں اور اس نے کہا: خدا کا شکر ہے کہ اب میرا بیٹا پورا آدمی بن گیا ہے۔ اگر میری ماں کے پاس جرم پر چہچہانے والی زبان نہ ہوتی تو آج میں معاشرہ میں چور نہ بنتا۔[1]

صحیح تربیت کے کچھ نمونے والدین (ماں باپ) کے لیے پیش کیے جاتے ہیں تاکہ انہیں معلوم ہو کہ سلفِ صالحین نے اپنے بچوں کی اصلاح کرنے اور انہیں حقوق کی ادائیگی کا پابند بنانے اور امانت کے وصف کو لازم پکڑنے اور اٹھتے بیٹھتے اور ظاہراً و باطناً اللہ کا مراقبہ اور اس کے حاضر و ناظر ہونے کے عقیدہ کو مضبوط کرنے کی ان پر کس طرح سے محنت کی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دودھ میں پانی ملانے سے روکنے کے لیے ایک آرڈر جاری کیا، لیکن کیا قانون کی کوئی ایسی آنکھ ہوتی ہے جو ہر خلاف ورزی کرنے والے کو دیکھ سکے اور ہر خائن اور دھوکہ باز و ملاوٹ کرنے والے کے ہاتھ کو پکڑ سکے؟

قانون اس سے قطعاً عاجز ہے، اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کے حاضر و ناظر ہونے کا یقین ہی اس میدان میں

---

[1] ملاحظہ ہو ڈاکٹر مصطفےٰ سباعی رحمہ اللہ کی کتاب "اخلاقنا الاجتماعیۃ" (ص-۱۶۲)۔

اپنا کام دکھاتا ہے، اسی مناسبت سے ماں بیٹی کا وہ مشہور قصہ ذکر کیا جاتا ہے جس میں ماں یہ چاہتی تھی کہ نفع کو بڑھانے کے لیے دودھ میں پانی ملا دیا جائے لیکن سچی مؤمن لڑکی اپنی ماں کو امیر المؤمنین کے اس حکم اور ممانعت کو یاد دلا رہی تھی اور پھر بیٹی ماں کو خاموش کرنے والا یہ جواب دیتی ہے کہ: اگر امیر المؤمنین ہمیں نہیں دیکھ رہے ہیں تو امیر المؤمنین کا رب تو ہمیں دیکھ رہا ہے!!

حضرت عبداللہ بن دینار کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن الخطابؓ کے ساتھ مکہ مکرمہ کی جانب روانہ ہوا۔ ایک چرواہا پہاڑ سے اتر کر ہماری جانب آیا حضرت عمرؓ نے اس کا امتحان لینے کی خاطر فرمایا: اے چرواہے ان بکریوں میں سے ایک بکری میرے ہاتھ بیچ دو۔ اس چرواہے نے کہا کہ میں تو غلام ہوں، حضرت عمرؓ نے اس سے کہا کہ تم اپنے آقا سے یہ کہہ دینا کہ اس بکری کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ چرواہے نے جواب دیا کہ پھر اللہ کو کیا جواب دوں گا وہ تو دیکھ رہا ہے وہ کہاں جائے گا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ رونے لگے اور پھر اس غلام کے ساتھ اس کے آقا کے پاس گئے اور اس کو خرید کر آزاد کر دیا، اور اس سے کہا: تمہیں دنیا میں اس بات نے آزاد کر دیا اور مجھے امید ہے کہ یہی بات تمہیں آخرت میں بھی عذاب سے بچا لے گی۔

۳۔ گالم گلوچ اور بدزبانی کی عادت

رہی گالم گلوچ و فحش گوئی کی عادت تو یہ بھی ان قبیح ترین عادات میں سے ہے جو بچوں میں عام ہے اور جو معاشرے اور ماحول قرآنِ کریم کی ہدایت اور اسلام کی تربیت سے دور ہیں ان میں یہ مرض بہت عام ہے اور اس کا اصل سبب دو بنیادی باتیں ہیں:

۱۔ بُرا نمونہ چنانچہ جب بچہ اپنے ماں باپ کی زبان سے گالم گلوچ سنے گا، اور گندے گندے کلمات اور گالیاں اس کے کان میں پڑیں گی تو لازمی طور سے بچہ بھی ان کلمات کی نقل اتارے گا اور بار بار انہی کلمات کو دہرائے گا اور آخرکار گندے کلمات اور بری باتیں اور جھوٹ ہی اس کے منہ سے نکلے گا۔

۲۔ بُری صحبت چنانچہ جو بچہ سڑکوں اور گلیوں میں آزاد چھوڑ دیا جائے گا اور برے ساتھیوں کے ساتھ رہے گا اور گندے لوگوں کے ساتھ اسے اٹھنے بیٹھنے دیا جائے گا تو ظاہر بات ہے کہ ایسا بچہ ان غلط قسم کے لوگوں سے لعن طعن، گالم گلوچ اور گندی زبان ہی سیکھے گا۔ اور یہ فطری بات ہے کہ بچہ ان جیسے لوگوں سے گندے الفاظ اور قبیح و بدترین عادات و اخلاق ہی سیکھے گا۔ اور بدترین تربیت ہی حاصل کرے گا اور خراب اخلاق اپنے اندر پیدا کرے گا۔

اس لیے ماں باپ اور تربیت کرنے والوں سب پر یہ لازم ہے کہ اولاد کے لیے نہایت پیار بھرا میٹھا انداز، شائستہ زبان اور پیارے اور اچھے الفاظ اور تعبیر سے بہترین نمونہ پیش کریں۔ اور ساتھ ساتھ ان حضرات پر یہ بھی لازم ہے

کہ انہیں گلیوں اور سڑکوں پر کھیلنے اور گندے لوگوں کی صحبت اور بدترین ساتھیوں کی رفاقت سے بچائیں. تاکہ وہ ان لوگوں کی کجی انحراف سے متاثر نہ ہوں، اور ان کی عادات اپنے اندر پیدا نہ کرلیں، اور ان حضرات کا یہ بھی فریضہ ہے کہ بچوں کو زبان کی آفات واثرات ونتائج اور بے ہودہ پن اور فحش گوئی سے جو انسانی شخصیت کو نقصان پہنچتا اور وقار مجروح ہوتا ہے اور معاشرہ کے افراد میں جو بغض وعداوت اور کینہ وحسد پیدا ہوتا ہے اسے ان کے سامنے کھول کر بیان کریں.

اخیر میں تربیت کرنے والوں پر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے بچوں کو وہ احادیث بتلائیں اور سکھائیں جو گالم گلوچ اور فحش گوئی سے منع کرتی ہیں اور فحش گوؤں، گالم گلوچ اور لعن طعن کرنے والوں کیلئے اللہ تعالیٰ نے جو سخت سزا اور دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے وہ بیان کرتی ہیں. تاکہ بچے ان بری عادتوں سے بچیں اور ان احادیث کی رہنمائیوں سے متاثر ہوں اور ان کے وعظ ونصیحت سے سبق حاصل کریں.

لیجیے آپ کے سامنے چند وہ احادیث پیش کی جاتی ہیں جو گالم گلوچ سے روکتی اور برا بھلا کہنے سے منع کرتی ہیں

«سباب المسلم فسوق وقتاله كفر». بخاری ومسلم

مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے.

«إن من أكبر الكبائر أن يلعن الرجل والديه، قيل: يا رسول الله! كيف يلعن الرجل والديه؟ قال: يسبُّ الرجل أبا الرجل فيسبُّ أباه ويسب أمه فيسبُّ أمه». بخاری ومسند احمد

کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ یہ ہے۔ کہ انسان اپنے والدین پر لعنت بھیجے، پوچھا گیا اے اللہ کے رسول کوئی شخص اپنے والدین پر لعنت کس طرح بھیج سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ایک شخص کسی کے والد کو گالی دیتا ہے اور پھر وہ اس کے والد کو گالی دے اور ایک شخص کسی کی ماں کو گالی دے اور پھر وہ اس کی ماں کو گالی دے.

«إن العبد ليتكلم بالكلمة من سخط الله لا يلقي لها بالاً يهوي بها في جهنم». صحیح بخاری

انسان اللہ کو ناراض کرنے والی ایک بات کہدیتا ہے اور اس کی پرواہ بھی نہیں کرتا اور اس کی وجہ سے جہنم میں گر جاتا ہے.

((وهل يكبّ الناس في النار على وجوههم	اور نہیں گراتی لوگوں کو جہنم میں چہرے کے بل مگر وہ باتیں
إلا حصائد ألسنتهم)) سنن اربعہ و مسند احمد	جو وہ اپنی زبان سے نکالتے ہیں۔
((ليس المؤمن بالطعان ولا اللعان	مؤمن نہ طعنہ دینے والا ہوتا ہے اور نہ لعن طعن کرنے والا
ولا الفاحش ولا البذيء))۔ جامع ترمذی	اور نہ فحش گو اور نہ گندی و بے ہودہ باتیں کرنے والا۔

بچہ جب پیارے اور اچھے الفاظ بولتا ہے تو کتنا پیارا لگتا ہے۔ اور اگر اسے صاف ستھرے بہترین انداز سے بات چیت کرنے کا عادی بنا دیا جائے تو وہ کتنا بھلا معلوم ہوگا۔ اور جب وہ لعن طعن گالم گلوچ اور بے ہودہ بات سن کر اس سے تنگ دل ہو اور نفرت کرے تو یہ اس کے لیے بڑی خیر کی بات ہوتی ہے۔ اور ایسی صورت میں ایسا بچہ بلاشبہ گھر کا ایک پھول اور لوگوں میں ممتاز حیثیت کا مالک ہوگا۔

سلفِ صالحین کی اولاد کتنے باادب طریقے سے گفتگو اور کتنے اچھے طریقے سے بات چیت اور پیارے انداز سے کلام کیا کرتی تھی اس کا ایک نمونہ آپ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تاکہ والدین کو یہ معلوم ہو جائے کہ گذشتہ ادوار میں بچے کس طرح گفتگو اور بات چیت کیا کرتے تھے۔

خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے دور میں دیہاتوں میں قحط پڑ گیا چنانچہ مختلف قبائل والے خلیفہ ہشام کے پاس آئے اور ان کے دربار میں حاضری دی، ان حاضری دینے والوں میں درواس بن حبیب بھی تھے جن کی عمر اس وقت صرف چودہ برس تھی لوگ بات کرنے سے رک گئے اور ہشام کا رعب ان پر چھا گیا، ہشام نے جب درواس کو دیکھا تو انہیں چھوٹا اور معمولی سا آدمی سمجھا، اور اپنے دربان سے کہا: جو بھی میرے پاس آنا چاہتا ہے آجاتا ہے حتّٰی کہ بچے بھی ... آجاتے ہیں؛

درواس فوراً سمجھ گئے کہ خلیفہ کا اشارہ ان کی طرف ہے۔ چنانچہ وہ فوراً گویا ہوئے اور کہا: اے امیرالمؤمنین! میرے آپ کے پاس آنے سے آپ کی شان میں تو کوئی فرق نہیں پڑا البتہ مجھے اس سے آپ کی ملاقات کا شرف حاصل ہو گیا۔ اور یہ لوگ آپ کے پاس ایک بات کرنے آئے تھے اور اب اس کو ظاہر کرنے سے درماندہ ہو گئے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ بات بیان کرنے سے ہی معلوم ہوتی ہے اور خاموشی کے ذریعہ اسے لپیٹ دیا جاتا ہے صحیح بات اسی وقت معلوم ہوتی ہے جب اسے بیان کیا جائے۔

ہشام یہ سن کر کہنے لگے؛ کہ پھر تم ہی اسے بیان کر دو نا تمہارا بھلا ہو۔ ہشام اس لڑکے کی بات سے بہت متعجب ہو چکے تھے۔ تو اس لڑکے نے کہا: اے امیرالمؤمنین ہمیں تین سال سے قحط سالی کا سامنا ہے۔ ایک سال کی قحط سالی نے چربی پگھلا ڈالی، اور دوسرے سال کی قحط سالی نے گوشت ختم کر دیا، اور تیسرے سال کی قحط سالی نے ہڈی کا گودہ تک ختم کر ڈالا، اور آپ حضرات کے پاس فالتو مال ہے، اگر یہ مال اللہ کا ہے تو اسے اللہ کے مستحق بندوں

پر تقسیم کردیں۔ اور اگر یہ اللہ کے بندوں کا ہے تو پھر آپ لوگ اس کو ان لوگوں سے کیوں روکے ہوئے ہیں؟ اور اگر یہ مال و دولت آپ حضرات کا اپنا ذاتی ہے تو آپ ان لوگوں پر صدقہ کردیں اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو بہت ثواب دیتا ہے اور احسان کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ اور اے امیر المؤمنین آپ اس بات کو یاد رکھیں کہ والی و حاکم کا رعایا سے ایسا تعلق ہوتا ہے جیسا روح کا جسم سے کہ بغیر روح کے جسم زندہ نہیں رہ سکتا۔

ہشام نے کہا: اس لڑکے نے تینوں میں سے کسی باب میں بھی کوئی عذر باقی نہیں چھوڑا، اور پھر حکم دیا کہ اس کے گاؤں میں ایک لاکھ درہم تقسیم کر دیے جائیں۔ اور درواس کے لیے بھی ایک لاکھ درہم کا حکم دے دیا۔ تو درواس نے کہا اے امیر المؤمنین: جو انعام و مال آپ نے مجھے دیا ہے وہ بھی میری قوم کے مال کی طرف لوٹا دیں اور اس میں شامل کردیں۔ اس لیے کہ مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ امیر المؤمنین نے انہیں جو کچھ دینے کا حکم دیا ہے وہ ان کے لیے کافی نہ ہو۔ ہشام نے کہا: تو پھر اپنی ذات کے لیے کیا چاہتے ہو؟ درواس نے کہا: مجھے عوام الناس اور لوگوں کی حاجت پوری کرنے کے علاوہ اپنی ذاتی کوئی حاجت نہیں ہے۔

۴۔ بے راہ روی و آزادی کی عادت

اس بیسویں صدی میں جو بدترین چیز مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں میں بہت زیادہ پھیل گئی ہے وہ بے حیائی اور آزادی ہے چنانچہ آپ جہاں بھی نگاہ ڈالیں گے آپ بہت سے قریب البلوغ اور نوجوان لڑکوں ——— اور لڑکیوں کو دیکھیں گے کہ وہ اندھی تقلید کے پیچھے بری طریقے سے پڑے ہوئے ہیں، اور گمراہی اور بے حیائی اور آزادی اور بے لگامی کے سیلاب میں بہے چلے جارہے ہیں۔ نہ ان کے لئے کوئی دین کی طرف سے رکاوٹ ہے اور نہ ضمیر کی طرف سے کوئی روک ٹوک ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زندگی ان لوگوں کی نظر میں ایک ختم ہونیوالی عیش و عشرت اور حیوانی شہوت و خواہشات اور حرام و ناجائز لذت سے عبارت ہے چنانچہ اگر انہیں یہ چیزیں نہ ملیں تو پھر ان کی طرف سے دنیا کو سلام ہے۔

بعض کم عقلوں نے یہ سمجھ لیا کہ ترقی کی علامت یہ ہے کہ بیہودہ رقص کیے جائیں اور آزادانہ بے حجابانہ اختلاط ترقی کی نشانی ہے اور اندھی تقلید تجدد پسندی کا معیار ہے۔ اور یہ لوگ جہاد اور مقابلہ کے میدان میں شکست کھانے سے قبل خود اپنے آپ اور اپنی شخصیت و ارادہ سے شکست کھا گئے ہیں۔

چنانچہ آپ ان جیسے لوگوں کو دیکھیں گے کہ ان کا مقصدِ حیات ہی صرف یہ ہے کہ وہ ظاہر کے لحاظ سے ہپی بن جائیں۔ ان کی چال میں لڑکھڑاہٹ اور گفتگو میں فحش گوئی اور بے حجابی جھلکتی ہوگی اور وہ کسی ایسی آزاد اور گری پڑی لڑکی کی تلاش میں سرگرداں ہوں گے جس کے قدموں پر اپنی مردانگی ذبح کر ڈالیں اور اس کی دوستی حاصل کرنے میں اپنی شخصیت کو قتل کر دیں۔ اور اس طرح سے ایک فساد سے دوسرے فساد کی جانب اور ایک بے حیائی

وآزادی سے دوسری بے حیائی کی طرف چلتے رہتے ہیں اور آخر کار ایسے گڑھے میں گر جاتے ہیں جو ان کی تباہی وہلاکت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ مندرجہ ذیل شعر کہنے والے پر رحم فرمائے ؎

کل من أهمل ذاتیته	فهو أولى الناس طرًّا بالفناء
جو شخص اپنی ذات کو مہمل بنادے	تو وہ فنا و تباہ ہونے کا اور تمام لوگوں سے زیادہ مستحق ہے
لن یری فی الدهر شخصیته	کل من قلد عیش الغرباء
زمانے میں وہ شخص اپنی شخصیت کو نہیں دیکھتا	جو مسافروں کی سی زندگی کا عادی بن جائے

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین اولیاء وسرپرستوں اور تربیت کرنیوالوں کے لیے ایک عملی نظام ومنہج اور بچوں کی صحیح اخلاقی تربیت اور دوسروں سے ممتاز اسلامی شخصیت بنانے کے لیے صحیح بنیادی اصول مقرر کیے ہیں. اس نظام ومنہج کی اہم دفعات اور ان بنیادی اصولوں میں سے ممتاز بنیادی اصول درج ذیل ہیں:

۱ــــ اندھی تقلید اور دوسروں کی مشابہت سے بچانا

امام بخاری ومسلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((خالفوا المشرکین حفوا الشارب واعفوا عن اللحی)).	مشرکوں کی مخالفت کرو مونچھیں کاٹو اور داڑھی بڑھاؤ۔

اور ایک روایت میں ہے:

((جزوا الشارب ، وأرخوا اللحی، وخالفوا المجوس)).	مونچھیں کاٹو اور ڈاڑھی بڑھاؤ اور مجوسیوں کی مخالفت کرو.

اور امام ترمذی نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ:

((لیس منا من تشبه بغیرنا لا تشبهوا بالیهود ولا بالنصاری)).	وہ شخص ہم میں سے نہیں جو دوسروں کی مشابہت اختیار کرے۔ یہود اور نصاری کے ساتھ مشابہت اختیار نہ کرو۔

ابوداؤد کی روایت میں ہے:

((من تشبه بقوم	جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے تو وہ

فهو منهم»۔ | انہی میں سے ہے۔

اور امام ترمذی نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں:

«لا یکن أحدکم إمعة یقول، أنا مع الناس إن أحسن الناس أحسنت وإن أساءوا أسأت، ولکن وطنوا أنفسکم إن أحسن الناس أن تحسنوا۔ وإن أساءوا أن تجتنبوا إساءتهم»۔

تم میں سے کوئی شخص ابن الوقت نہ بنے کہ یہ کہے میں لوگوں کے ساتھ ہوں اگر لوگ احسان کریں گے تو تو میں بھی اچھا کروں گا اور اگر وہ برا کریں گے تو میں بھی برا کروں گا، بلکہ اپنے آپ کو سنبھالو اگر لوگ اچھا کریں تو تم بھی اچھا کرو اور اگر وہ برا کریں تو تم ان کے ساتھ برائی کرنے سے بچو۔

محترم قارئینِ کرام! غیر مسلموں کے جو طور طریقے اور عادات و اطوار ہم لیتے یا چھوڑتے ہیں اس میں آپ کو دو باتوں میں فرق کرنا چاہیے:

پہلی بات۔ جواز: اور یہ ہے مفید علم کا حاصل کرنا، اور نفع بخش جدید ترقی سے فائدہ اٹھانا جیسے کہ علم طب، کیمیار انجینئرنگ، فیزیار اور جنگی وسائل اور مادہ سے متعلق حقائق، اور ایٹم اور ذرہ سے متعلق اسرار و رموز، اور اس کے علاوہ ترقی یافتہ دور کی دوسری چیزیں اور نافع علوم، اس لیے کہ یہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ مبارک کے ذیل میں داخل ہیں جسے امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے:

«طلب العلم فریضة علی کل مسلم»۔ | علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

اسی طرح یہ تمام اشیار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ مبارک کے مضمون میں داخل ہیں جسے امام ترمذی اور عسکری اور قضاعی نے نقل کیا ہے کہ:

«الحکمة ضالة کل حکیم فإذا وجدها فهو أحق بها»۔

حکمت و دانائی کی باتیں ہر حکیم کی گم کردہ چیز ہے چنانچہ جب وہ اسے پالے تو وہی اس کا زیادہ مستحق ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل فرمانِ مبارک کے عموم میں یہ اشیار داخل ہیں:

«وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ»۔ الانفال۔ ٦٠

اور تیار کرو ان کی لڑائی کے واسطے جو کچھ قوت سے جمع کر سکو۔

دوسری بات۔ حرمت: اور یہ حکم ان کے طور طریقوں اور نقشِ قدم پر چلنے کے بارے میں ہے۔ چنانچہ ان کے اخلاق و عادات اور رسم و رواج اور دیگر تمام وہ مظاہر جو ہمارے دین سے جدا ہیں اور وہ شکلیں اور کیفیتیں جو ہماری امت و قوم کی خصوصیات اور اخلاق کے منافی ہیں، اس لیے کہ ان چیزوں سے ذات گم اور ختم اور شخصیت فنا ہو جاتی

ہے اور روح اور ارادہ شکست کھا جاتا ہے اور اخلاق و شرافت کا جنازہ نکل جاتا ہے۔

۲ــــ عیش وعشرت میں پڑنے کی ممانعت

صحیح بخاری ومسلم میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فارس میں رہنے والے مسلمانوں کو لکھا تھا کہ تم لوگ عیش وعشرت میں پڑنے اور مشرکوں کا سا لباس پہننے سے بچو۔ اور مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ عیش وعشرت اور عجمیوں کے لباس کو چھوڑ دو۔

امام احمد اور ابونعیم حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

«إياكم والتنعّم فإن عباد الله ليسوا بالمتنعمين».

تم لوگ نازونعمت وعیش وعشرت میں پڑنے سے بچو اس لیے کہ اللہ کے بندے نازونعمت میں نہیں پڑتے۔

نازونعمت سے مراد یہ ہے کہ انسان ضرورت سے زیادہ لذتوں اور طیبات میں منہمک ہو جائے اور عیش وعشرت اور نازونخرے میں پڑا رہے، اور یہ ظاہر بات ہے کہ ہمیشہ راحت میں پڑے رہنے کی عادت سے انسان دعوت وارشاد اور جہاد کے فریضہ سے پیچھے رہ جائے گا، اور آزادی و بے راہ روی کی وادیوں میں پھسلتا رہے گا اور یہ چیز بیماریوں اور امراض کے پھیلنے کا ذریعہ بھی ہے۔

۳ــــ موسیقی باجے اور فحش گانے کے سُننے کی ممانعت

امام احمد بن حنبل اور احمد بن منیع اور الحارث بن أبی أسامۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

«إن الله عزوجل بعثني رحمة وهدى للعالمين، وأمرني أن أمحق المزامير والمعازف والخمور والأوثان التي تعبد في الجاهلية».

اللہ تعالیٰ نے مجھے دونوں جہان کے لیے رحمت اور ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں بانسریوں گانے بجانے کے آلات، شراب اور ان بتوں کو ختم کر ڈالوں جن کی زمانۂ جاہلیت میں پوجا ہوا کرتی تھی۔

* * *

امام بخاری واحمد وابن ماجہ وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

«لیکونن فی أمتی أقوام یستحلون الحر والحریر والخمر والمعازف»

میری امت میں ایسی قومیں آئیں گی جو شرمگاہ، زنا کو اور ریشم کو اور شراب کو اور گانے باجے کو حلال قرار دے دیں گی۔

ابن عساکر اپنی تاریخ میں اور ابن صصری اپنے امالی میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ جو شخص گانے والی کا گانا سننے بیٹھتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالیں گے۔

اور امام ترمذی حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«من استمع إلی صوت غناء لم یؤذن له أن یستمع إلی صوت الروحانیین فی الجنة»۔

جو شخص گانے کی آواز سنتا ہے اسے اس بات کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ جنت میں روحانیین کی آواز سنے۔

اور کسی بھی عقلمند اور صاحب بصیرت پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ ان حرام چیزوں کا سننا بچے کے اخلاق پر اثر انداز ہوتا ہے اور اس کو ڈھیلے پن، برائی گندگی اور منکرات کی طرف لیجاتا ہے اور اس کو شہوات وحیوانی لذتوں کے سمندر میں ڈھکیل دیتا ہے۔

اس مناسبت سے یہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ٹیلی ویژن رکھنے کے بارے میں شرعی حکم اور کچھ تفصیل بھی لکھ دیں تاکہ اس سلسلہ میں والدین کو صحیح رہنمائی حاصل ہو اور اس کی حلت یا حرمت کے بارے میں باخبر رہیں:

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس طرح کے خبر پہنچانے کے وسائل کا ایجاد کرنا خواہ وہ ریڈیو ہو یا ٹیلی ویژن یا ٹیپ ریکارڈر وغیرہ یہ وہ اعلیٰ ترین کارنامے شمار ہوتے ہیں جن تک اس جدید زمانے کی عقلِ انسانی نے رسائی حاصل کی ہے۔ بلکہ موجودہ دور میں مادی ترقی نے جو سب سے بڑی چیزیں ایجاد کی ہے یہ ان میں سے ہیں۔ اور یہ دو دھاری ہتھیار ہے جو خیر وبھلائی کے لیے بھی استعمال ہوسکتا ہے اور شر وبرائی کے لیے بھی۔ اور کوئی بھی دو آدمی اس میں اختلاف نہیں کرسکتے کہ یہ مذکورہ بالا ایجادات اگر خبر کے لیے استعمال کی جائیں اور ان کو علم کے پھیلانے اور عقیدہ اسلامیہ کو مضبوط کرنے اور بہترین اخلاق کو پھیلانے اور قوت پہنچانے اور موجودہ قوم کو ان کے بزرگوں اور ان کی تاریخ کے ساتھ مرتبط کرنے اور امت کی ان امور کی جانب رہنمائی کے لیے استعمال کیا جائے جو اس کے دین و دنیا کے امور کی اصلاح کرے تو ایسی صورت میں اس کے رکھنے اور استعمال کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے اور اس کے سننے کے جائز ہونے کا کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا، لیکن اگر اس کو فساد کی جڑوں کو مضبوط کرنے اور انحراف وکجی کے راسخ

کرنے اور بے حیائی اور بے راہ روی وآزادی کے پھیلانے اور موجودہ قوم کو غیر اسلامی راستے کی جانب پھیرنے کے لیے استعمال کیا جائے تو کوئی بھی عقلمند انصاف پسند اللہ اور قیامت پر ایمان رکھنے والا ان کے استعمال کے حرام ہونے اور اس کے رکھنے کے ناجائز ہونے اور اس کے سننے والے کے گناہگار ہونے میں شک نہیں کر سکتا۔

اور اگر ہم اپنے ملک کے ٹیلی ویژن کے پروگراموں کا موازنہ کریں تو ہمیں یہ معلوم ہو جائے گا کہ ان میں سے اکثر پروگرام ایسے ہیں جن کا مقصد شرافت کا خاتمہ کرنا اور زنا اور بے حیائی کی طرف متوجہ کرنا اور بے پردگی اختلاط اور آزادی اور معاشرتی خرابیوں پر ابھارنا ہے اور بہت کم ایسے پروگرام ہوتے ہیں جن کا مقصد علم ہو اور وہ خیر کی طرف رہنمائی کرنے والے ہوں۔ لہٰذا جب صورتِ حال یہ ہے تو ٹیلیویژن کا رکھنا، اس کا دیکھنا اور اس کے موجودہ پروگراموں کا سننا بہت بڑا گناہ، اور سخت حرام ہے۔

اور اس کی حرمت کے دلائل یہ ہیں

الف: علماء اور ائمۂ مجتہدین کا ہر زمانے میں اس بات پر اجماع رہا ہے کہ اسلامی شریعت کے مقاصد پانچ ہیں: دین کی حفاظت، اور عقل کی حفاظت اور نسب کی حفاظت، اور نفس کی حفاظت ——— اور مال کی حفاظت۔ اور یہ حضرات یہ فرماتے ہیں کہ شریعتِ اسلامیہ میں جو قرآنی آیات اور احادیثِ نبویہ ہیں وہ سب کی سب ان پانچوں بنیادی چیزوں کی حفاظت کی دعوت دیتی ہیں۔ اور اس اعتبار سے کہ آج کل ٹیلی ویژن کے اکثر پروگرام فحش گانوں، گندے و بے حیائی سے پُر ڈراموں، اور بھڑکانے والے پروپیگنڈوں اور گندی فلموں پر مشتمل ہوتے ہیں جن کا مقصد شرافت کو ختم کرنا، عزت وآبرو کو تباہ کرنا اور زنا و بے حیائی پر ابھارنا ہے اس لیے شریعت کی نگاہ میں عزت وآبرو اور نسب کی حفاظت کی خاطر اس کا دیکھنا اور سننا حرام ہے۔ اور اسی لیے اس کا رکھنا بھی ناجائز ہے اس لیے کہ یہ ان کے دیکھنے اور سننے کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔

ب: امام مالک اور ابن ماجہ اور دارقطنی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لا ضرر ولا ضرار)). نہ نقصان اٹھاؤ نہ نقصان پہنچاؤ۔

اور اس لحاظ سے کہ ٹیلیویژن اپنے پروگراموں میں بے حیائی اور آزادی پھیلاتا اور معاشرہ کے مخفی شہوانی اور جنسی جذبات کو بھڑکاتا ہے (جیسا کہ اس کا مشاہدہ عام ہے) اس لیے مسلمان کا اس کو خریدنا اپنے گھر لے جانا حرام ہے تاکہ خاندان کے عقیدے، اخلاق اور صحت کو محفوظ رکھ سکے، اور اس سے جو برائیاں وجود میں آتی ہیں انکی بیخ کنی ہو اور حدیث "لاضرر ولاضرار" پر عمل ہو سکے۔

ج : اکثر وہ تفریحی پروگرام جو ٹیلیویژن کی اسکرین پر پیش کیے جاتے ہیں ان کے ساتھ ساز و باجا اور بے ہودہ گانے اور فحش عریاں ڈانس و رقص ہوتے ہیں۔ اور چوں کہ یہ امور حرام ہیں (جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں) تو ان ادلہ کی روشنی میں یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ ٹیلی ویژن کا رکھنا حرام ہے، اس لیے کہ اس میں پیش کردہ تفریحی پروگراموں میں ساز و آواز اور موسیقی اور بے ہودہ گندے گانے اور عریاں و گندے فحش رقص ہوتے ہیں۔ اس لیے ان پروگراموں کا دیکھنا بھی حرام ہے اس لیے کہ ان کی وجہ سے تربیت و اخلاق کے ستونوں کے گرنے کا بہت زبردست خطرہ ہے[۱]۔

۴ ــــ ہیجڑہ پن اور عورتوں سے مشابہت کی ممانعت

بخاری و مسلم میں حضرت سعید بن المسیب سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ مدینہ منورہ آئے اور ہم سے خطاب کیا اور بالوں کا ایک جوڑا[۲] (وِگ) نکالا اور فرمایا: میں نہیں سمجھتا کہ اسے یہود کے سوا کوئی شخص استعمال کرے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تھی تو آپ نے اسے جھوٹ کا نام دیا۔ مسلم میں یوں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک دن فرمایا؛ تم لوگوں نے برائی کا پہناوا ایجاد کر لیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ سے منع فرمایا ہے۔

امام بخاری و ابوداؤد اور ترمذی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا؛

«لعن الله المخنثين من الرجال والمترجلات من النساء».

اللہ نے ان مردوں پر لعنت بھیجی ہے جو ہیجڑے بنتے ہیں اور ان عورتوں پر بھی جو مرد بنتی ہیں (یعنی مردوں سے مشابہت اختیار کرتی ہیں)۔

اور مسند احمد اور ابوداؤد اور ابن ماجہ میں یہ الفاظ ہیں:

«لعن الله المتشبهات من النساء بالرجال والمتشبهين من الرجال بالنساء».

اللہ کی لعنت ہو ان عورتوں پر جو مردوں سے شابہت اختیار کرتی ہیں، اور ان مردوں پر جو عورتوں سے شابہت اختیار کرتے ہیں۔

اور ابوداؤد اسناد حسن کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا میں نے

---

[۱] علماء کی طرف سے ایک مضمون شائع ہوا تھا جس کا عنوان تھا "ٹیلیویژن رکھنے کے بارے میں اسلام کا حکم" یہ حصہ وہیں سے لیا گیا ہے۔ اور جو صاحب اس موضوع پر اس سے زیادہ تفصیل چاہیں تو وہ ہماری کتاب "حکم الإسلام فی وسائل الاعلام" کا مطالعہ کریں۔ اس میں ان شاء اللہ بہت کافی و شافی تفصیل ملے گی۔

[۲] بالوں کو باہمی ملا کر بعض مرد اور عورتیں اپنے سر پر لگا لیتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نے ریشم کا ایک ٹکڑا اٹھایا اور اپنے دائیں ہاتھ میں تھام لیا اور سونا اٹھا کر بائیں ہاتھ میں پکڑلیا اور فرمایا:

((إن هٰذين حرام على ذكور أمتي)). یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔

اور امام ترمذی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((حرم لباس الحرير والذهب على ذكور أمتي وأحل لإناثهم)). ریشم کا لباس اور سونا میری امت کے مردوں پر حرام کردیا گیا ہے اور عورتوں کے لیے حلال کردیا گیا ہے۔

لہٰذا وگ (یعنی مصنوعی بال یا دوسرے کے بال لگانا اور مردوں کے لیے سونا اور ریشم اور عورتوں کا مردوں سے مشابہت اختیار کرنا اور مردوں کا عورتوں سے مشابہت اختیار کرنا اور عورتوں کا ایسا لباس پہننا جسے پہننے کے باوجود وہ عریاں نظر آتی ہوں تو یہ سب کے سب بھڑے پن اور بے حیائی کے مظاہر ہیں اور مردانگی کو ختم کرنے والے اور شخصیت کو رسوا و ذلیل کرنے والے، اور شرافت و اخلاق کے لیے گہرا زخم ہیں، بلکہ اس کے ذریعہ سے امت کو گندی آزادی اور ناپسندیدہ اختلاط و میل جول اور نابالغوں اور نوجوانوں کو برائی اور بے حیائی اور بداخلاقی کی طرف ڈھکیلنا ہے۔

۵ ـــــ بے پردگی، بن سنور کر نکلنے اور مرد و زن کا اختلاط اور اجنبی عورتوں کی طرف دیکھنے کی ممانعت

اللہ تبارک وتعالیٰ سورۂ احزاب (آیت-۵۹) میں فرماتے ہیں:

((يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا)). الاحزاب - ۵۹

اے نبی آپ کہہ دیجیے اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور (عام) ایمان والوں کی عورتوں سے کہ اپنے اوپر نیچی کرلیا کریں اپنی چادریں تھوڑی سی، اس سے وہ جلد پہچان لی جایا کریں گی اور اس لیے انہیں ستایا نہ جائے گا اور اللہ تو بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے۔

اور سورۂ نور (آیت ۳۰ و ۳۱) میں فرماتے ہیں:

((قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰي جُيُوْبِهِنَّ ۔ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَاۗىِٕهِنَّ)).

سورۂ نور ۔ ۳۰ و ۳۱

آپ ایمان والوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے حق میں زیادہ صفائی کی بات ہے بے شک اللہ کو سب کچھ خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں۔ اور آپ کہہ دیجیے ایمان والیوں سے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت رکھیں اور اپنا سنگار ظاہر نہ ہونے دیں مگر ہاں جو اس میں سے کھلا ہی رہتا ہے۔ اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں اور اپنی زینت ظاہر نہ ہونے دیں مگر ہاں اپنے شوہر اور اپنے باپ پر۔

لیکن کیا شرعاً عورت کو یہ حکم ہے کہ وہ اپنے چہرے کو ڈھانپے؟

اس کے لیے پہلے ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلفِ صالحین میں سے علمائے تفسیر کے وہ اقوال سُننا چاہیے جو ان سے مندرجہ ذیل آیت کی تفسیر کے ضمن میں منقول ہیں:

((يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَاۗءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ)).

سورۂ الاحزاب ۔ ۵۹

اے نبی آپ کہہ دیجیے اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور (عام) ایمان والوں کی عورتوں سے کہ اپنے اوپر نیچی کر لیا کریں اپنی چادر تھوڑی سی۔

ابنِ جریر طبری حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ان کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ:

اللہ تعالیٰ نے مؤمن عورتوں کو یہ حکم دیا ہے کہ جب وہ کسی کام یا ضرورت سے گھر سے نکلیں تو اپنے چہروں کو چادر کے اوپر سے ڈھانپ لیا کریں اور صرف ایک آنکھ کھولیں۔

اور ابن جریر علامہ ابنِ سیرین سے ان کا یہ قول روایت کرتے ہیں کہ: میں نے عبیدۃ بن الحارث حضرمی سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان، ((يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ)) کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے اپنے کپڑے سے اس کا عملی مظاہرہ کر کے دکھلایا۔ اور وہ اس طرح کہ انہوں نے اپنا سر اور چہرہ چھپالیا اور ایک آنکھ پر سے کپڑا ہٹا دیا۔

علامہ ابنِ جریر طبری مندرجہ ذیل آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

((يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَاۗءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ)).

سورۂ الاحزاب ۔ ۵۹

اے نبی آپ کہہ دیجیے اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور (عام) ایمان والوں کی عورتوں سے کہ اپنے اوپر نیچی کر لیا کریں اپنی چادر تھوڑی سی۔

لباس میں ان باندیوں سے مشابہت اختیار نہ کرو جوگھروں سے کام کاج کے لیے اپنے بال اور چہرے کو کھول کر نکلتی ہیں بلکہ انہیں چاہیے کہ چادر اوڑھ لیا کریں تاکہ اگر کوئی فاسق انہیں دیکھے تو یہ سمجھ لے کہ یہ آزاد و شریف عورتیں ہیں اور ان سے کسی قسم کی بات وغیرہ نہ کرے۔

اور علامہ ابوبکر جصاص لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اس بات پر دلالت پائی جاتی ہے کہ اجنبی مردوں سے جوان عورت کو اپنا چہرہ چھپانے، اور باہر نکلنے کے وقت پردہ کرنے اور پاکدامن رہنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ فاسق وبدکرداران کے سلسلہ میں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہ رہیں۔

اور قاضی بیضاوی اللہ تعالیٰ کے فرمانِ مبارک ((يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ)) کی تفسیر میں لکھتے ہیں: یعنی اگر کسی ضرورت سے باہر نکلیں تو اپنے چہرے اور جسم کو چادر سے ڈھانک لیں۔

اور علامہ نیسابوری آیت ((يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ)) کے تحت لکھتے ہیں:

ابتداءِ اسلام میں عورتیں اپنی زمانۂ جاہلیت کی عادت کے مطابق عام کپڑوں میں رہتی تھیں، اور قمیص اور اوڑھنی پہن کر باہر چلی جاتی تھیں خواہ باندی ہو یا آزاد عورت، پھر انہیں چادر کے اوڑھنے اور سر اور چہرے کے ڈھانپنے کا حکم دے دیا گیا۔

ان اقوال سے یہ بات واضح ہوگئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (جو سب کے سب اہل علم و اہلِ تفسیر تھے) سب اس بات پر متفق ہیں کہ مسلمان عورت کو آیت ((يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ)) کے مطابق یہ حکم دیا گیا ہے کہ چادر اوڑھے اور اجنبی مردوں سے اپنے چہرے کو چھپائے۔

اور آئیے دوسرے نمبر پر مسلمان عورت کے چہرے کے چھپانے کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو صحیح احادیث اور صحابیات رضی اللہ عنہن سے جو اقوال مروی ہیں انہیں سنتے ہیں:

ابو داؤد اور ترمذی اور مؤطا امام مالک میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کرنے والی عورت کو حالتِ احرام میں یہ حکم دیا کہ وہ نہ نقاب ڈالے اور نہ دستانے پہنے، ابوداؤد روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو حالتِ احرام میں دستانے پہننے اور نقاب ڈالنے سے منع کیا ہے۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ نبوت میں عورتیں چہرہ ڈھانپنے اور دستانے پہننے کی عادی تھیں، اسی لیے حالتِ احرام میں انہیں اس سے روکا گیا ہے۔ لیکن یہ حکم علی الاطلاق نہیں ہے جیسا کہ آئندہ آنے والی وہ احادیث جنہیں ہم ابھی ذکر کریں گے وہ خود اس بات پر دلالت کر رہی ہیں۔

چنانچہ سنن ابی داؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ قافلے ہمارے پاس سے

گزرتے تھے اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حالتِ احرام میں ہوتے تھے، چنانچہ جب وہ ہمارے پاس سے گزرتے تو ہم میں سے ہر عورت اپنی چادر کو اپنے چہرے پر ڈال لیتی اور جب وہ ہم سے آگے بڑھ جاتے تو ہم چہرہ کھول لیا کرتے تھے۔

موطأ امام مالک میں حضرت فاطمہ بنت المنذر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ ہم حالتِ احرام میں اپنے چہرے کو چھپایا کرتے تھے اور ہم حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھے لیکن چہرہ چھپانے پر وہ ہم پر کوئی اعتراض نہیں کرتی تھیں۔

فتح الباری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ عورت اپنی چادر سر کے اوپر سے اپنے چہرے پر لٹکائے گی۔

صحیح احادیث میں آتا ہے کہ ایک مسلمان باپردہ عورت کسی کام سے بنی قینقاع کے بازار گئیں۔ ایک یہودی نے ان سے چھیڑ چھاڑ کی اور اس بدبخت نے یہ چاہا کہ انہیں چہرہ کھولنے پر مجبور کر دے، لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور مدد کے لیے لوگوں کو پکارنا شروع کر دیا، چنانچہ ایک مسلمان نے اس یہودی پر حملہ کر کے اسے اس کے کرتوت کی سزا کے طور پر قتل کر ڈالا۔

ان صحیح احادیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی بیویاں کسی کام سے اگر باہر نکلتی تھیں تو منہ کو چھپایا کرتی تھیں خواہ حالتِ احرام میں کیوں نہ ہوں اور وہ یہ سمجھتی تھیں کہ پردہ فرض ہے اور شریعتِ مطہرہ نے اس کا حکم دیا ہے۔

اور تیسرے نمبر پر عورت کے چہرہ کھولنے کے موضوع پر ائمۂ مجتہدین کے اقوال سنتے ہیں:

جمہور ائمۂ مجتہدین جن میں امام شافعی واحمد ومالک شامل ہیں یہ حضرات فرماتے ہیں کہ عورت کا چہرہ بھی عورت ہے اور اس کا چھپانا واجب ——— اور اس کا کھولنا حرام ہے، اور ان حضرات کا مستدل وہ ہے جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور سلفِ صالحین سے آیت ﴿ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ﴾ کے سلسلہ میں ثابت ہے اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چہرہ چھپانا ضروری ہے، اور اس کی مزید تاکید ان صحابیات رضی اللہ عنہن کے فعل سے ہوتی ہے جو بعض ضروریات کے لیے چہرہ ڈھانک کر نکلا کرتی تھیں، نقاب ان کے چہرے پر پڑا ہوتا تھا، اور اس طرح ان صحابہ اور تابعین کے اقوال سے بھی ہوتی ہے جو آیت ﴿ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ﴾ کے ذیل میں ابھی گزر چکے ہیں۔ اور اس کا تذکرہ تفصیلی ادلۂ قطعیہ کے ساتھ ہو چکا ہے۔

ائمۂ حنفیہ اور ان کے متبعین کا مذہب یہ ہے کہ عورت کا چہرہ عورت نہیں ہے، اور اگر چہرہ کھولنے سے کوئی فتنہ نہ مرتب ہو تو اس کا کھولنا جائز ہے لیکن اگر کسی فتنہ کا احتمال ہو تو فتنہ کے سدباب اور فساد کو دُور کرنے کے لیے اس کا کھولنا حرام ہو جائے گا۔

ان حضرات نے اپنے مذہب کی تائید میں جو دلائل پیش کیے ہیں ان میں سے زیادہ واضح ظاہر یہ ہیں:

حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث جو حجۃ الوداع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی سواری میں سوار تھے اور ان کے قریب سے کچھ عورتیں احرام کی حالت میں گزریں حضرت فضل ان کی طرف دیکھنے لگے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک حضرت فضل کے چہرے پر رکھ دیا اور پھر حضرت فضل نے اپنا چہرہ دوسری طرف پھیر لیا۔

یہ صحیح حدیث ہے جس کو مسلم ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے، اور اس سے استدلال اس طرح سے ہے کہ اگر عورت کو چہرہ چھپانے کا حکم ہوتا اور اس کا چہرہ عورت ہوتا تو عورتیں اپنا چہرہ نہ کھولتیں اور حضرت فضل ان کی طرف نہ دیکھتے۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی حدیث، ولید سعید بن بشیر سے اور وہ قتادہ سے اور وہ خالد بن دریک سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئیں اور انہوں نے باریک کپڑے پہنے ہوئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے منہ موڑ لیا اور یہ فرمایا کہ:

((یا أسماء إن المرأة إذا بلغت المحیض لم یصلح أن یری منها إلا هذا وهذا وأشار علیه الصلاة والسلام إلی وجهه وکفیه)).	اے اسماء عورت جب بالغ ہونے کے قریب ہو تو یہ درست نہیں ہے کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ ظاہر ہو سوائے اس کے اور اس کے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرے اور ہاتھوں کی طرف اشارہ کیا۔

لیکن جمہور فقہاء ان مذکورہ بالا دونوں حدیثوں کا یہ جواب دیتے ہیں:

۱۔ حضرت فضل بن عباس کی حدیث میں اس بات کی دلالت نہیں پائی جاتی کہ عورت کے لیے اجنبیوں کے سامنے چہرہ کھولنا جائز ہے، اس لئے کہ وہ عورتیں جن کی طرف حضرت فضل نے دیکھا تھا وہ حج کا احرام باندھے ہوئے تھیں، اور محرم عورت کے لیے چہرہ کھولنا جائز ہے اگر چہرہ کھولنے سے فتنہ کا احتمال نہ ہو۔ اس لیے کہ عورت کا احرام یہ ہے کہ وہ اپنے ہاتھ اور چہرہ کو کھلا رکھے، اس لیے کہ حدیث مذکورہ بالا میں یہی حکم دیا گیا ہے فرمایا:

((لا تنتقب المرأة ولا تلبس القفازين)). (محرم) عورت نہ نقاب ڈالے گی اور نہ دستانے پہنے گی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر احرام کی حالت نہ ہو تو عورت نقاب ڈالے گی اور دستانے پہنے گی۔

۲۔ حضرت اسماء کی جس حدیث سے چہرے کھولنے پر استدلال کیا گیا ہے وہ حدیث مرسل ہے یعنی اس کی سند میں انقطاع ہے، حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر (۳، ۲۸۴) میں لکھتے ہیں: ابوداؤد اور ابوحاتم رازی کہتے ہیں کہ وہ (یعنی حضرت اسماء کی حدیث) مرسل ہے، اس لیے کہ خالد بن دریک کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سُننا ثابت نہیں ہے۔

اکثر اہلِ علم حدیث مرسل پر ضعیف ہونے کا حکم لگاتے ہیں، اور اگر حدیث ضعیف ہو تو اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا اور نہ استنباطِ احکام کے سلسلہ میں اس کا اعتبار ہوگا۔

ائمہ مجتہدین نے جو کچھ فرمایا ہے اس سے یہ صاف واضح ہو گیا کہ عورت کا چہرہ بھی ستر کے حکم میں ہے اور اس کا چھپانا واجب اور کھولنا حرام ہے۔ حتیٰ کہ فقہاء حنفیہ جو چہرہ کھو[illegible] کے جواز کے قائل ہیں وہ بھی اس کی اجازت اس وقت د[illegible] ہیں جب فتنہ کا خوف نہ ہو۔

آج ہمارے اس معاشرے میں ہم حیوانوں کی طرح رہ رہے اور زندگی گزار رہے ہیں کیا اس میں کوئی شخص فتنہ و فساد کے پھیلنے سے انکار کر سکتا ہے؟ لہٰذا جب صورت حال یہ ہے تو غیرت مند باپ کو چاہیے کہ اپنی بیوی اور بچیوں کو چہرے پر نقاب ڈالنے کا حکم دے۔ اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی بجا آوری اور پاکباز و پاک دامن صحابیات رضی اللہ عنہن کی پیروی اور محترم ائمہ مجتہدین کے فیصلہ کی اتباع کے لیے ان کو منہ چھپانے کا حکم دے۔

اے تربیت کرنے والو مسلمان اگر قیامت میں ان لوگوں کی رفاقت چاہتا ہے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے جو انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین ہیں، جن کی رفاقت بہت اچھی ہے تو اسے چاہیے کہ اپنے دین اور عزت و آبرو کا خیال رکھے، اس سلسلہ میں محتاط رہے اور ہمیشہ تقویٰ اور ورع کے پہلو پر عمل کرے۔

بناؤ سنگھار اور عورتوں کے محاسن ظاہر نہ کرنے کے حکم کے سلسلہ میں جو آیات و احادیث وارد ہیں وہ یہ ہیں:

امام مسلم اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((صنفان من أهل النار لم أرهما: قوم معهم سياط كأذناب

دوزخ والوں کی دو قسمیں ایسی ہیں جنہیں میں نے نہیں دیکھا، ایک وہ لوگ جن کے ساتھ گائے کی دم کی طرح

البقر يضربون بها الناس، ونساء كاسيات عاريات مائلات مميلات، رؤوسهن كأسنمة البخت، لا يدخلن الجنة ولا يجدن ريحها وإن ريحها ليوجد من مسيرة خمسمائة عام)).

کے کوڑے ہوں گے جن سے وہ لوگوں کو مارتے ہوں گے، اور دوسری وہ عورتیں جو لباس پہن کر بھی ننگی ہوں گی، نازو نخرے سے مٹک مٹک کر چلنے والیاں اپنے ناز و انداز سے مردوں کو اپنی طرف مائل کرنیوالیاں ان کے سر ایسے ہوں گے جیسے بختی اونٹ کے کوہان (یعنی سر پر بالوں کا جوڑا بنا کر رکھیں گی اور وہ اونچا ہو کر کوہان کی طرح معلوم ہوگا) ایسی عورتیں نہ جنت میں داخل ہوں گی اور نہ اس کی خوشبو سونگھیں گی حالاں کہ اس کی خوشبو پانچ سو سال کے فاصلے سے محسوس ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ)). الاحزاب۔۳۳

اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور دکھلاتی نہ پھرو جیسا کہ دستور تھا پہلے جہالت کے وقت میں۔

اور اللہ تعالیٰ سبحانہ ارشاد فرماتے ہیں:

((وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ ۖ وَأَنْ يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَهُنَّ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝)).

النور۔۶۰

اور جو گھروں میں بیٹھ رہی ہیں تمہاری عورتوں میں سے جن کو نکاح کی توقع نہیں رہی ان پر گناہ نہیں کہ اتار رکھیں اپنے کپڑے یہ نہیں کہ دکھاتی پھریں اپنا سنگھار اور اس سے بھی بچیں تو ان کے لیے بہتر ہے۔ اور اللہ سب باتیں سنتا اور جانتا ہے۔

مردوزن کا اختلاط ممنوع ہونے کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل ادلہ وارد ہوئے ہیں:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ۝ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ)) النور۔۳۰،۳۱

کہہ دیجیے ایمان والوں کو نیچی رکھیں ذرا اپنی آنکھیں اور اپنے ستر کی حفاظت کریں یہ انکے حق میں زیادہ صفائی کی بات ہے بیشک اللہ کو سب کچھ خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں اور کہہ دیجیے ایمان والیوں کو نیچی رکھیں ذرا اپنی آنکھیں اور تھامتی رہیں اپنے ستر کو۔

بھلا بتائیے کہ اگر ایک جگہ مرد و زن اکٹھے ہوں تو وہاں نگاہ نیچی رکھنے کا تصور کیا جا سکتا ہے؟ اس لیے اس آیت کے مدلول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ مرد و زن کے اختلاط کی ممانعت کی گئی ہے اور اسے حرام کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک اور آیت میں ارشاد فرماتے ہیں:

«وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ» الأحزاب۔۵۳

اور جب مانگنے جاؤ بیبیوں سے کچھ کام کی چیز تو پردہ کے باہر سے مانگ لو اس میں خوب ستھرائی ہے تمہارے دل اور ان کے دل کو۔

اور امام ترمذی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

«لا يخلون رجل وامرأة إلا كان الشيطان ثالثهما»۔

کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ خلوت و تنہائی اختیار نہیں کرتا مگر یہ کہ شیطان ان کے ساتھ ان کا تیسرا (ساتھی) ہوتا ہے۔

اور بخاری و مسلم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

«إياكم والدخول على النساء فقال رجل: يا رسول الله! أفرأيت الحمو؟ (أي قريب الزوج) قال: الحمو الموت»۔

تم عورتوں کے پاس جانے سے بچو، تو ایک صاحب نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول جیٹھ و دیور (شوہر کی طرف سے عورت کے رشتہ دار) کا کیا حکم ہے؟ تو آپ نے فرمایا دیور تو موت (کی طرح نقصان دہ) ہے۔

بخاری و مسلم ہی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

«لا يخلون أحدكم بامرأة إلا مع ذي محرم»۔

تم میں سے کوئی شخص بھی کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں یکجا نہ ہو سوائے اس رشتہ دار کے جو محرم (جس سے نکاح کرنا حرام) ہو۔

☆

اجنبی عورتوں کی طرف دیکھنے کی حرمت پر دلالت کرنے والی نصوص درج ذیل ہیں:

سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

«قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ»۔

کہہ دیجیے ایمان والوں کو نیچی رکھیں ذرا اپنی آنکھیں اور اپنے ستر کی حفاظت کریں۔

اور سورۂ اسراء میں فرماتے ہیں:

((إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا))۔ الاسراء - ۳۶ — بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب کی اس سے پوچھ ہوگی۔

اور امام مسلم حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے اچانک پڑجانے والی نگاہ کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اصرف بصرك))۔ — اپنی نگاہ کو پھیر لو (ہٹالو)۔

اور ابوداؤد اور ترمذی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آگئے، اور یہ واقعہ پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد کا ہے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا:

((احتجبا منه))۔ — ان سے پردہ کرلو۔

تو ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول کیا یہ نابینا نہیں ہیں؟ یہ تو نہ ہمیں دیکھ سکتے ہیں اور نہ پہچان سکتے ہیں؛ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((أفعمياوان أنتما، ألستما تبصرانه!))۔ — تو کیا تم دونوں بھی نابینا ہو، کیا تم دونوں ان کو دیکھ نہیں سکتی ہو؟

اور امام بخاری و مسلم حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إياكم والجلوس في الطرقات))۔ — تم لوگ راستہ میں بیٹھنے سے بچو۔

لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! مجلسوں میں بیٹھنے کے علاوہ ہمارے پاس اور کوئی چارۂ کار نہیں، وہاں بیٹھ کر ہم آپس میں باتیں کرتے ہیں۔ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((فإذا أبيتم إلا المجلس فأعطوا الطريق حقه))۔ — پھر جب تم انکار کرتے ہو اور بیٹھنا ہی چاہتے ہو تو تم راستہ کا حق ادا کرو۔

لوگوں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول راستہ کا کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا:

((غض البصر وكف الأذى ورد السلام والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر))۔ — نگاہ کا پست رکھنا، اور دوسروں کو تکلیف پہنچانے سے بچنا، اور سلام کا جواب دینا، اور اچھی باتوں کا حکم دینا اور بری باتوں سے روکنا۔

چنانچہ یہ بات بداہۃً معلوم ہے کہ اگر تمام معاشرے اور سب قومیں خواہ وہ بوڑھے ہوں یا نوجوان، مرد ہوں یا

عورتیں، حکام ہو یا محکومین، اگر سب کے سب ان لازوال بنیادی احکامات پر عمل کریں۔ اور ان شاندار رہنمائیوں کے مطابق چلیں، اور ان تمام چیزوں سے دور رہیں جو عزت وشرافت اور اخلاق کو بٹہ لگانے والی ہیں۔ مثلاً بے پردگی، بناؤ سنگھار اور زیب وزینت کا اظہار، اور اختلاطِ مرد وزن، اور اجنبی عورتوں کی طرف دیکھنا، تو اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسے معاشرے اور قومیں پاکیزگی اور شرافت وعزت کے باغوں میں شان سے اکڑ کر چلیں گی، اور امن واستقرار کے سایہ میں مزے کریں گی، اور عزت وبزرگی اور فضل وکمال کی چوٹی پر پہنچ جائیں گی۔ اس لیے کہ وہ اس راستے پر چلے جو اللہ نے ان کے لیے مقرر کر دیا تھا، اور انہوں نے اس نظام کو نافذ کیا جو اسلام نے ان کے لیے طے کیا تھا۔ اللہ جل شانہ بالکل درست فرماتے ہیں:

﴿وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۖ	اور حکم کیا کہ یہ میری سیدھی راہ ہے سو اس پر چلو اور
وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ۚ	اور راستوں پر مت چلو کہ وہ تم کو اللہ کے راستہ سے
ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴾ الانعام ۱۵۳	جدا کر دیں گے یہ حکم کر دیا ہے تم کو تاکہ تم بچتے رہو۔

گذشتہ صدیوں میں امتِ مسلمہ کو یہ سب کچھ ہر دور میں حاصل رہا۔ جس کی وجہ صرف یہ تھی کہ انہوں نے ان قرآنی تعلیمات پر عمل کیا جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کے لیے بشارت دینے اور ڈرانے والا، اور آئندہ آنے والے تمام معاشروں اور قوموں کے لیے ہدایت اور نور بنا کر بھیجا تھا۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نازل کردہ عظیم کلام پاک میں بالکل بجا فرمایا ہے:

﴿إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَ	یہ قرآن وہ راہ بتلاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے اور
يُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ	ان ایمان والوں کو خوشخبری سناتا ہے جو اچھے عمل کرتے ہیں
أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ﴾۔ الاسراء ـ ۹	کہ ان کے لیے بڑا ثواب ہے۔

اے والدین اور مربیو! یہ اہم تربیتی قواعد اور وہ عملی نظام ہے جو اسلام نے بچے کے اخلاق کی حفاظت، اور اس کی شخصیت ممتاز بنانے، اور اس کو حقیقت اور مردانگی اور مکارمِ اخلاق کا عادی بنانے کے لیے مقرر کیا ہے اس لیے آپ لوگوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ آپ لوگ اپنے بچوں کی تربیت ان کے مطابق کریں اور اس کی رہنمائی اور نظام پر عمل کریں۔ تاکہ بچے اخلاق وفضائل اور ذاتی مکارم اور معاشرتی آداب حاصل کرتے ہوئے نشو ونما پائیں، اور لوگوں میں یکتا و منفرد شخصیت کے حامل ہوں۔ اور کیا اسلام کے مقرر کردہ اصولوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے طریقوں کے علاوہ تربیت کے کوئی بنیادی ایسے اصول پائے جاتے ہیں جو بچے کی صحیح شخصیت سازی کر سکیں اور زندگی میں اس پر جو ذمہ داریاں عائد ہونے والی ہیں ان کے لیے اسے تیار کر سکیں؟

کون یہ کہتا ہے کہ عیش و عشرت میں مستغرق ہونا اور خوشحالی میں غرق ہونا بچے کی شخصیت کو نقصان نہیں پہنچاتا؟
اور یہ کون کہتا ہے کہ شہوات ولذات کے پیچھے پیچھے چلنا بچے کی شخصیت کے لیے نقصان دہ نہیں؟
اور کون یہ کہتا ہے کہ گندے وفحش گانے سننا اور بھڑکانے والی موسیقی ورقص وسرود بچے کی شخصیت کو مضرت نہیں پہنچاتا؟
اور کون یہ کہتا ہے کہ بے پردگی زیب وزینت کی نمائش اور اختلاط مرد وزن بچے کی شخصیت کو نقصان نہیں پہنچاتا ہے؟
اور کون یہ کہتا ہے کہ ہجڑاپن اور عورتوں سے مشابہت اختیار کرنا اور فحش گوئی بچے کی شخصیت کو نقصان نہیں پہنچاتا؟

تربیت کے ماہرین اور علماء نفس واخلاق قریب قریب سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ یہ چیزیں حافظہ کو کمزور کرنے، اور شخصیت کو ختم کرنے، اور اخلاق کو بگاڑنے، اور مردانگی کا جنازہ نکالنے، اور بیماریوں کے پھیلانے اور عزت وشرافت وپاک دامنی کے ختم کرنے کے لیے خطرناک ترین دباؤں میں سے ہیں

ڈاکٹر الکس کاریل اپنی کتاب "الإنسان ذلك المجهول" میں لکھتے ہیں کہ:

انسان میں جب جنسی داعیہ حرکت کرتا ہے تو اس کے ساتھ ایک ایسا مادہ جدا ہوجاتا ہے جو خون کے ساتھ مل کر دماغ تک پہنچتا ہے اور اسے مدہوش کردیتا ہے، اور پھر انسان صحیح سوچنے پر قادر نہیں رہتا۔

جارج بالوشی اپنی کتاب "الثورة الجنسية" میں لکھتے ہیں:

۱۹۶۲ء میں کینیڈی نے صراحۃً کہا کہ امریکہ کا مستقبل سخت خطرے میں ہے۔ اس لیے کہ وہاں کے نوجوان بے راہ روی کا شکار ہوگئے ہیں۔ اور شہوات میں ایسے مستغرق اور ڈوبے ہوئے ہیں کہ وہ ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے پر قادر ہی نہیں رہے جن کا بوجھ ان کے کاندھوں پر ہے۔ اور فوج میں بھرتی کے لیے پیش ہونے والے سات نوجوانوں میں سے چھ بھرتی کے نااہل ہوتے ہیں، اس لیے کہ جن غلط حرکتوں میں وہ گرفتار رہے ہیں انہوں نے انکی نفسیاتی اور جسمانی صلاحیت کو خراب کرکے رکھ دیا ہے۔

لبنانی اخبار "الأحد" اپنے شمارہ نمبر ۶۵۰ میں معاشرے کی تربیت کرنے والی مارگریٹ سمتھ کی مندرجہ ذیل گفتگو لکھتا ہے:

اسکول یا کالج کی لڑکی کو صرف اپنی خواہشات اور ان اسباب ووسائل کی فکر ہوتی ہے جو اس کے خیالات و خواہشات میں مددگار ثابت ہوں، ساٹھ فیصد سے زیادہ طالبات امتحان میں ناکام ہوگئیں، اور ناکامی کا اصل سبب یہ تھا کہ وہ تعلیم اور اسباق حتیٰ کہ خود اپنے مستقبل سے بھی زیادہ جنسیات اور جنس کے چکر میں پڑی رہتی تھیں۔

اس لیے تربیت کرنے والے حضرات اور والدین وغیرہ مسئولین کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کو بے راہ روی اور آزادی کے مظاہر ومواقع سے بچائیں اور یہ کوشش کریں کہ ان کی نفوس میں عزت وکرامت اور شخصیت کی اہمیت اور عظیم اخلاق کی حقیقت اور روح جاگزین ہو۔

اخیر میں ہماری یہ ذمہ داری بھی ہے کہ ہم بچے کے اخلاق کی درستگی اور اس کی اصلاح اور شخصیت کے نکھار کے لیے دقیق نگرانی اور اپنی عظیم مسئولیت کے فریضہ سے قطعاً غافل نہ ہوں۔

اور اگر ہم ان اسباب کی تفتیش کرنا چاہیں جو بچے میں اخلاقی بے راہ روی اور کردار میں انحراف پیدا کر دیتے ہیں تو ہمیں یہ معلوم ہوگا کہ اس کا اصل سبب والدین کا بچوں کی نگرانی میں غفلت برتنا اور انکی تربیت ورہنمائی سے دور رہنا اور اس میں کوتاہی برتنا ہے۔

بچوں کے اخلاقی انحراف اور کردار میں آزادی وبے راہ روی کے کچھ اسباب درج ذیل ہیں:

- جو باب اپنے بچوں کو برے ساتھیوں اور بدکرداروں سے ملنے کی کھلی چھٹی دے دے گا کہ وہ جب چاہیں اور جہاں چاہیں ان سے ملیں، اور وہ ان سے نہ باز پرس کرے، اور نہ کوئی نگرانی، تو اس کا لازمی اثر یہ ہوگا کہ بچے ان کی صحبت سے متاثر ہوں گے اور ان کی کجی وانحراف اور برے اخلاق ان بچوں میں بھی پیدا ہوں گے۔
- جو باپ اپنے بچوں کو ایسی عشقیہ فلموں کے دیکھنے کی اجازت دے گا جو آوارگی وبے حیائی وآزادی کی طرف لے جاتی اور ان کا ذریعہ بنتی ہیں یا مار دھاڑ پر مشتمل ایسی فلمیں جو جرم اور انحراف پر ابھارتی ہیں اور بچوں کو تو کیا بڑوں تک کو خراب کر دیتی ہیں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسا باپ چاہے محسوس کرے یا محسوس نہ کرے لیکن وہ اپنی اولاد کو ایک گہرے گڑھے میں دھکیل رہا ہے جو لازمی طور سے ان بچوں کو یقینی ہلاکت اور لازمی تباہی تک پہنچا دے گا۔
- جو باپ اپنی اولاد کو یہ موقعہ فراہم کرے گا کہ وہ ٹیلی ویژن کی اسکرین پر بھڑکانے والے مناظر اور گندے ڈرامے اور بے ہودہ عریاں اشتہارات دیکھیں تو بلاشبہ ایسی صورت میں بچے آوارگی وبے حیائی میں نشو ونما پائیں گے اور آہستہ آہستہ آوارہ وآزاد بنیں گے اور مردانگی اور عظمت اور بہترین اسلامی آداب ان میں ختم ہوتے چلے جائیں گے۔
- جو باپ اپنے بچوں کو فحش رسالوں کے خریدنے اور عشقیہ کہانیوں کے پڑھنے اور ننگی تصاویر جمع کرنے کی اجازت دے گا تو لازمی طور سے اولاد بے حیائی اور گناہ کے راستہ پر چلے گی اور گندی وآزاد زندگی اور فحش وناجائز جنسی تعلقات کا سبق حاصل کرے گی۔

✿ جو باپ اپنی بیوی اور لڑکیوں کو پردہ کرانے کے سلسلہ میں تساہل برتے گا اور ان کی بے پردگی اور زیب و زینت کی نمائش پر چشم پوشی کرے گا اور ان کی دوستیوں اور آزادانہ اختلاط سے تغافل برتے گا اور انہیں یہ موقعہ فراہم کریگا کہ وہ بھڑکیلا لباس پہن کر اور اپنے جسم کو عریاں کر کے باہر نکلیں تو ظاہر بات ہے کہ ایسی لڑکیاں گناہ اور بے حیائی کی زندگی کی عادی بنیں گی، اور تباہی و گمراہی اور فسق و فجور کے جال میں گرفتار ہوں گی، اور ربا اوقات ایسا بھی ہو گا کہ آخر کار وہ عزت و آبرو بھی گنوا بیٹھیں گی، اور شرافت و عزت کو بٹہ لگا لیں گی، اور پاک دامنی کے دامن کو تار تار کر دیں گی لیکن اس وقت نہ ندامت کا فائدہ ہو گا اور نہ رونے پیٹنے سے کچھ حاصل:

أتبكي على لبنى وأنت قتلتها لقد ذهبت لبنى فما أنت صانع؛

کیا تم لبنی کے لیے روتے ہو حالانکہ تم نے خود ہی اسے قتل کیا ہے لبنی تو چلی گئی بتلاؤ اب تم کیا کرو گے ؟

✿ جو باپ اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کے اسکول جانے آنے کی نگرانی نہیں کرتا تو ظاہر ہے کہ اس عدم توجہی کی وجہ سے بچے یہ فائدہ اٹھائیں گے کہ اسکول کے نام سے خراب و بے کار اور گناہ کی جگہوں میں وقت گزاریں گے، اور ہم نے کتنی ہی ایسی لڑکیوں کے بارے میں سنا ہے کہ وہ بے حیائی اور زنا کے جال میں پھنس گئیں، اور ان کی شرافت اور نام و نمود کو بٹہ لگا، لیکن ان کے خاندان والوں کو صورت حال اس وقت معلوم ہوئی جب رسوائی ہو چکی اور جرم و گناہ کی نشانیاں و آثار کھل کر سامنے آگئے؟!

✿ جو باپ اپنے بچوں کی کتابوں کی الماریوں اور بستروں کی طرف توجہ نہیں کرے گا، اور ان کو منہمک و مستغرق دیکھنے کے باوجود ان کی نگرانی نہیں کرے گا تو بلاشبہ ایسی صورت میں اگر اولاد انحراف و کجی کے راستہ پر چل رہی ہوگی تو وہ اپنے اندر یہ داعیہ پائیں گے کہ وہ پسندیدہ ننگی تصویریں خریدیں، اور فحش و گندے رسالے پڑھیں، اور اپنی محبوباؤں کو جس طرح کے خطوط چاہیں لکھیں اور نہ کوئی ان کی دیکھ بھال کرنے والا ہو گا اور نہ سرپرستوں میں کوئی محاسبہ کرنے والا۔

ایسی صورت حال میں ظاہر ہے کہ اولاد تدریجاً آزادی بے راہ روی کی طرف گامزن ہو گی اور نہ ان کے لیے کوئی دینی مانع و رکاوٹ ہو گی اور نہ ان کا ضمیر ان کا حساب کتاب کرے گا، ایسی صورت میں ان کو راہ راست پر لانا ان کی اصلاح اور علاج کرنا مشکل ہو جائے گا۔

وہ بنیادی اخلاقی باتیں جن کا والدین اور تربیت کرنے والے حضرات کو خوب اہتمام کرنا چاہیئے اور ان کا بہت خیال رکھنا چاہیئے اور اپنے بچوں میں وہ پیدا کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے وہ یہ ہیں کہ انہیں حسن اخلاق، نرم مزاجی اور لوگوں کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے کا عادی بنائیں۔

والدین اور سرپرستوں کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چند وہ احادیث پیش کی جاتی ہیں جو مکارم اخلاق اور

خوش خلقی اور اچھے برتاؤ کی طرف رہنمائی کرتی ہیں،

امام احمد اور حاکم اور بیہقی حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إنما بعثت لأتمم مكارم الأخلاق)). — مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔

اور ابن مردویہ سندِ حسن سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حسنِ اخلاق کے بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانِ مبارک تلاوت فرمایا:

((خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝)). الاعراف - ۱۹۹ — درگزر کی عادت بنائیے اور نیک کام کا حکم دیجئے اور جاہلوں سے اعراض کیجیے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((هو أن تصل من قطعك وتعطي من حرمك وتعفو عمن ظلمك)). — وہ یہ ہے کہ تم اس شخص کے ساتھ صلہ رحمی کرو جس نے تمہارے ساتھ قطع رحمی کی، اور تم اس شخص کو دو جس نے تمہیں محروم کیا اور اس سے درگزر کرو جس نے تم پر ظلم کیا ہو

اور ابوداؤد اور ترمذی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((أثقل ما يوضع في الميزان يوم القيامة تقوى الله وحسن الخلق)). — سب سے بھاری وہ چیز جو قیامت کے روز میزان (ترازو) میں رکھی جائے گی وہ اللہ کا خوف (ڈر) اور حسنِ اخلاق ہے۔

اور امام ترمذی حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صاحب نے عرض کیا کہ مجھے کچھ وصیت فرما دیجیے تو آپ نے ارشاد فرمایا:

((اتق الله حيثما كنت)). — تم جہاں بھی ہو اللہ سے ڈرتے رہو۔

انہوں نے کہا کچھ اور نصیحت فرما دیجیے تو آپ نے فرمایا:

((أتبع السيئة بالحسنة تمحها)). — برائی کے بعد اچھائی کر لیا کرو جس سے تم اس (برائی) کو مٹا دو گے۔

انہوں نے عرض کیا اور نصیحت فرما دیجیے، تو آپؐ نے ارشاد فرمایا:

((خالق الناس بخلق حسن)). — لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔

اور ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((أکمل المؤمنین إیمانا أحسنهم أخلاقا)). مؤمنوں میں کامل اخلاق والا وہ شخص ہے جو ان میں بہترین اخلاق کا مالک ہو۔

اور محمد بن نصر مروزی ذکر کرتے ہیں کہ ایک صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول: دین کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: حسنِ اخلاق، وہ صاحب پھر آپ کی دائیں جانب سے آئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول دین کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: حسنِ اخلاق، وہ صاحب پھر آپ کی بائیں جانب سے حاضر ہوئے اور پوچھا کہ دین کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: حسنِ اخلاق، پھر وہ صاحب پیچھے کی جانب سے آئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول دین کیا ہے؟ تو آپ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: کیا تم سمجھتے نہیں ہو، دین یہ ہے کہ تم غصہ اور ناراض نہ ہو۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنے اور حقوق کا خیال رکھنے اور چال چلن کی درستگی اور حسنِ اخلاق وحسنِ معاملہ کے سلسلہ میں جو رہنمائی کی ہے اور ارشادات بیان فرمائے ہیں اس کے ذخیرہ میں سے یہ چند نمونے ہیں۔

اس لیے والدین اور تربیت کرنے والوں کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اپنے اندر یہ اوصاف پیدا کریں۔ اور اپنے آپ کو ان پر قائم رکھیں تاکہ بچوں کے لیے بہترین نمونہ پیش کرسکیں۔ اور جو اہل وعیال بیوی بچے وغیرہ ان کے ساتھ رہتے ہیں ان کے لیے بہترین مقتدیٰ بنیں۔ اور ساتھ ہی اپنی اولاد کو چال چلن کے اسلامی آداب اور حسنِ اخلاق کی تربیت دیں، تاکہ وہ ظلم کرنے والوں سے درگزر سے کام لیں اور قطع تعلق کرنے والوں سے صلہ رحمی کریں، اور جو انہیں نہ دے یہ اسے دیں، اور جو ان کے ساتھ برا سلوک کرے یہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کریں تاکہ لوگوں میں بے نظیر اور دریکتا بنیں، اور یہ زمین پر چلنے والے فرشتے بن جائیں، اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل مبارک فرامین کو نافذ کیا جائے۔

((خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝)). الاعراف - ۱۹۹ درگزر کی عادت ڈالیے اور نیک کام کرنے کا حکم کیجیے اور جاہلوں سے اعراض کیجیے۔

اور فرمایا:

((وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝)). الم سجدہ۔ ۳۴ اور برابر نہیں نیکی اور نہ بدی، جواب میں وہ کہیے جو اس سے بہتر ہو پھر آپ دیکھ لیں گے کہ جس میں اور آپ میں دشمنی تھی گویا وہ دوست ہے قرابت والا۔

اور فرمایا:

«وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ، وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿﴾» آل عمران ۱۳۴

اور دبا لیتے ہیں غصے کو اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے نیکی کرنے والوں کو۔

اور ہم جہاں نفسیاتی اور معاشرتی تربیت کے موضوع پر بحث کریں گے وہاں ہم ان شاء اللہ ان نفسیاتی اور اخلاقی فضائل پر تفصیل سے روشنی ڈالیں گے جن کا بچے میں پیدا ہونا ضروری ہے اور وہاں قراءِ کرام کو تشفی بخش شافی وکافی بحث ملے گی۔

اس لیے اے والدین اور سرپرستو اور مربیو: بچوں کی اخلاقی لحاظ سے تربیت کرنے کے سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اہتمام کیا ہے اسے پڑھنے کے بعد۔

اور یہ جان لینے کے بعد کہ آپ کے بچوں کی کجی کی اصلاح کیلیے اخلاق ایمان راسخ کے ثمرات میں سے ایک ثمرہ ہے۔

اور آپ نے ابھی جو خراب اور گندی عادات پڑھی ہیں جن سے اپنے جگر گوشوں کو دور رکھنا ضروری ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنِ اخلاق اور عمدہ معاملہ کرنے کے سلسلہ میں جو وصیتیں کی ہیں انہیں سن لینے کے بعد۔

اس سب کے بعد آپ لوگوں کے سامنے اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے کہ آپ لوگ عزم مصمم کریں اور ہمت سے کام لیں تاکہ تربیت، تعلیم اور دیکھ بھال کا جو فریضہ آپ پر ہے اسے آپ لوگ مکمل طریقہ سے ادا کرسکیں۔

اور آپ لوگ یہ خوب سمجھ لیں کہ اگر آپ نے اپنی اولاد اور شاگردوں کے حق میں اخلاقی جہت سے کوتاہی کی تو یاد رکھیے کہ جن کا آپ پر حق تربیت ہے وہ بلاشک وشبہ آزادی وبے راہ روی اور بے حیائی میں نشوونما پائیں گے۔ اور فساد اور بداخلاقی کی تربیت پائیں گے۔

اور پھر امن واستقرار کے لیے خطرہ کی گھنٹی اور معاشرہ کی عمارت کے گرانے اور ڈھانے کا ذریعہ بنیں گے بلکہ قوم کے افراد ان کے مجرمانہ اعمال اور اخلاقی اور معاشرتی برائیوں سے پناہ مانگیں گے۔

اس لیے اپنی اولاد کی نگرانی کیجیے اور خدا نے تربیت کی جو ذمہ داری آپ کو سونپی ہے اسے پورا کیجیے، اور اپنے فریضہ کو بحسن وخوبی ادا کیجیے، اور جتنی کوشش اور جدوجہد کرسکتے ہوں اسے بروئے کار لائیے۔ اور اپنی مفوضہ مسئولیت کو اچھی طرح سے پورا کیجیے، اس لیے کہ اگر آپ حضرات نے صحیح طریقے سے امانت ادا کردی تو آپ اپنے بچوں کو گھر میں خوشبودار مہکتا ہوا پھول اور معاشرہ میں پرنور وروشن چاند اور ایسے فرشتے پائیں گے جو پرسکون وآرام سے زمین پر چلتے ہوں گے۔

«وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ» التوبہ - ۱۰۵

اور آپ کہہ دیجیے کہ عمل کیے جاؤ پھر آگے دیکھ لے گا اللہ تمہارے کام کو اور اس کا رسول اور مسلمان۔

فصلِ ثالث

۳— جسمانی تربیت کی ذمہ داری

وہ بڑی ذمہ داریاں جو اسلام نے تربیت کرنے والے والدین اور اساتذہ کو سونپی ہیں ان میں سے جسمانی تربیت کی ذمہ داری بھی ہے تاکہ بچے بہترین جسمانی قوت، سلامتی، چستی ونشاط اور تندرستی وصحت کے مالک ہوں۔

اے مربی حضرات! آپ حضرات کے سامنے وہ عملی طریقہ کار پیش کیا جاتا ہے جو بچوں کی جسمانی تربیت کے سلسلہ میں اسلام نے مقرر کیا ہے۔ تاکہ آپ لوگوں کو اس امانت کی عظمت واہمیت معلوم ہو جائے جو آپ کے کاندھوں پر ڈالی گئی ہے۔ اور آپ اس مسئولیت وذمہ داری کے بنیادی واہم نقاط کو سمجھ لیں جو اسلام نے آپ پر فرض کی ہے:

۱— بیوی بچوں کے خرچ واخراجات کا واجب ہونا

اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

((وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ)). البقرہ-۲۳۳	اور لڑکے والے یعنی باپ پر کھانا اور کپڑا ہے ان عورتوں کا دستور کے موافق۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس فرمانِ مبارک کی وجہ سے جسے امام مسلم نے روایت کیا ہے:

((دينار أنفقته في سبيل الله ودينار أنفقته في رقبة ودينار تصدقت به على مسكين ودينار أنفقته على أهلك، أعظمها أجرًا الذي أنفقته	ایک دینار وہ ہے جسے تم نے اللہ کے راستے میں خرچ کیا، اور ایک دینار وہ ہے جسے تم نے کسی غلام کے آزاد کرنے کے لیے خرچ کیا، اور ایک دینار وہ ہے جس کے ذریعہ تم نے کسی غریب پر صدقہ کیا اور ایک دینار وہ ہے جسے تم نے اپنے گھر والوں پر خرچ کیا۔ ان سب میں زیادہ اجر وثواب والا وہ دینار

علی أهلك)). | ہے جیسے تم نے اپنے گھر والوں پر خرچ کیا ہو۔

اور جس طرح باپ کو اہل وعیال پر خرچ کرنے اور ان پر وسعت وفراخی کرنے پر اجر وثواب ملتا ہے۔ اسی طرح گر وہ ان پر خرچ نہ کرے یا باوجود قدرت کے اہل وعیال پر تنگی کرے تو اسے گناہ بھی ہوگا۔ وہ لوگ جو اپنے اہل وعیال کی حق تلفی کرتے ہیں اور انہیں لاوارث چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اپنے اہل وعیال پر خرچ نہیں کرتے، ان کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے وہ سنیے۔ ابوداؤد وغیرہ اس درج ذیل حدیث کے راوی ہیں:

((کفی بالمرء إثماً أن یضیع من یقوت)). | انسان کے گناہگار ہونے کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ وہ ان لوگوں کو ضائع کر دے جن کی نان نفقہ کی ذمہ داری اس پر ہو۔

اور مسلم کی روایت میں آتا ہے:

((کفی بالمرء إثماً أن یحبس عمن یملك قوته)). | انسان کے گناہگار ہونے کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ وہ ان لوگوں پر خرچہ کرنے سے رک جائے جن کے خرچ کا وہ مالک ہے۔

اہل وعیال پر نفقہ وخرچ واخراجات میں یہ بھی شامل ہے کہ باپ اپنی بیوی بچوں کے لیے صحیح غذا اور قابلِ رہائش مکان اور قابلِ استعمال لباس مہیا کرے، تاکہ وہ لوگ بیمار نہ پڑ جائیں اور ان کے جسم وباؤں اور بیماریوں کا نشانہ نہ بنیں۔

۴ـــ کھانے پینے اور سونے میں طبّی قواعد اور صحت کے لیے ضروری باتوں کا خیال رکھنا

تاکہ یہ چیزیں بچّوں کی عادت اور فطرت بن جائیں، کھانے کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی یہ ہے کہ پیٹ بھرنے سے بچا جائے اور ضرورت سے زیادہ کھانے پینے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ امام احمد وترمذی وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((ما ملأ آدمی وعاءً شرّاً من بطنه بحسب ابن آدم لقیمات یقمن صلبه، فإن کان لا بدّ فاعلاً فثلث لطعامه، وثلث لشرابه، | کسی آدمی نے اپنے پیٹ سے زیادہ برا برتن نہیں بھرا آدمی کے لیے وہ چند لقمے کافی ہیں جو اس کی کمر سیدھی رکھ سکیں، پس اگر انسان زیادہ کھانا ہی چاہے تو یہ کرلے کہ ایک تہائی حصہ کھانے کے لیے رکھے اور ایک تہائی

وثلث لنفسه))۔ — پانی کے لیے اور ایک تہائی حصہ سانس لینے کے لیے خالی رکھے۔

٭ ٭ ٭

پانی کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رہنمائی فرمائی ہے کہ تین سانس یا دو میں پانی پینا چاہیئے اور برتن میں سانس نہیں لینا چاہیئے، اور کھڑے ہو کر پانی نہیں پینا چاہیئے۔

امام ترمذی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

((لا تشربوا واحداً كشرب البعير، ولكن اشربوا مثنى وثلاث، وسموا إذا أنتم شربتم، واحمدوا إذا أنتم رفعتم)). — اونٹ کی طرح ایک سانس میں نہ پیو بلکہ دو یا تین سانسوں میں پانی پیو۔ اور جب پانی پیو تو اللہ کا نام لیا کرو (بسم اللہ پڑھ کر پیو) اور جب پی چکو تو اللہ کی حمد وتعریف بیان کرو (الحمد للہ کہو)۔

٭

اور بخاری ومسلم میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن میں سانس لینے سے منع فرمایا ہے۔

اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ: برتن میں سانس لینے یا اس میں پھونکنے سے منع فرمایا ہے۔

اور امام مسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

((لا يشربن أحدكم قائماً، فمن نسي فليستقئ)). — تم میں سے کوئی شخص کھڑے ہو کر ہرگز پانی نہ پیئے، اور جو بھول کر کھڑے ہو کر پی لے تو اسے چاہیئے کہ قی کرے۔

سونے کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی یہ ہے کہ انسان دائیں کروٹ پر لیٹے، اس لیے کہ بائیں کروٹ پر لیٹنا دل کو نقصان پہنچاتا اور تنفس کو روکتا ہے، امام بخاری ومسلم حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ———— رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

((إذا أتيت مضجعك فتوضأ وضوءك للصلاة، ثم اضطجع على شقك الأيمن وقل: اللهم أسلمت نفسي إليك، ووجهت وجهي إليك، وفوضت أمري إليك وألجأت ظهري إليك، رغبة ورهبة إليك، — جب تم اپنے بستر پر آؤ تو پہلے نماز والا وضو کر لو اور پھر اپنی دائیں کروٹ پر لیٹ جاؤ، اور یہ دعا پڑھو: اے اللہ میں نے اپنی نفس وجان آپ کے سپرد کر دی، اور اپنا چہرہ آپ کی طرف پھیر دیا۔ اور اپنا معاملہ آپ کے سپرد کر دیا۔ اور اپنی پشت آپ کی طرف جھکا دی، آپ

لاملجأ ولامنجأ إلا إليك، آمنت بكتابك الذی أنزلت، ونبيك الذی أرسلت؛ واجعلهن آخر ماتقول))۔

سے امید ورغبت اور آپ کے خوف وڈر کے ساتھ، نہ کوئی پناہ گاہ ہے اور نہ کوئی نجات کی جگہ سوائے آپ کے میں آپ کی اس کتاب پر ایمان لایا جسے آپ نے نازل کیا اور ان نبی پر جنہیں آپ نے بھیجا، اور ان کلمات کو تم اپنی آخری گفتگو بنالو۔

٭

۳ــــ متعدی اور سرایت کرنے والے امراض سے بچنا

اس لیے کہ مندرجہ ذیل احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں؛

امام مسلم وابن ماجہ وغیرہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ثقیف کے وفد میں ایک صاحب جذام کے مرض میں گرفتار تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ؛

((ارجع فقد بايعناك))۔

تم واپس چلے جاؤ اس لیے کہ ہم نے تمہیں بیعت کرلیا ہے۔

٭

اور امام بخاری اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا؛

((فرّ من المجذوم فرارك من الأسد))۔

تم جذامی سے ایسے دور بھاگو جیسا تم شیر سے دور بھاگتے ہو۔

اور بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا؛

((لايورِدنّ ممرض على مصح))۔

کوئی بیمار آدمی تندرست آدمی کے پاس نہ جائے۔

اس لیے مربیوں اور خصوصاً ماؤں کو چاہیئے کہ اگر ان کی اولاد میں سے کوئی بچہ کسی متعدی مرض میں مبتلا ہوجائے تو اسے دوسرے بچوں سے الگ تھلگ اور دور رکھیں، تاکہ مرض نہ پھیلے اور وبا نہ پھوٹ پڑے، دیکھیے بدن کی نشوونما اور صحت کی حفاظت کے سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ رہنمائی کتنی عظیم ہے۔

۴ــــ مرض وبیماری کا علاج اور دوادارو

اس لیے کہ بیماری کو دور کرنے اور شفا حاصل کرنے میں دوا کا بہت اثر ہوتا ہے اور بہت سی احادیث میں علاج ودوادارو کا حکم دیا گیا ہے، جن میں سے ہم مندرجہ ذیل پر اکتفا کرتے ہیں؛

امام مسلم واحمد وغیرہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے

ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

«لکل داء دواء، فإذا أصاب الدواء الداء برأ بإذن الله عز وجل». — ہر بیماری کی ایک دوا ہوتی ہے چنانچہ بیماری کے مطابق دوا پہنچتی ہے تو اللہ کے حکم سے شفا حاصل ہو جاتی ہے۔

مسند احمد اور نسائی وغیرہ میں حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا کچھ دیہاتی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول کیا ہم علاج کیا کریں؟ آپ نے ارشاد فرمایا:

«نعم یا عباد الله تداووا فإن الله عز وجل لم یضع داء إلا وضع له شفاء غیر داء واحد، قالوا: وما هو؟ قال: الهرم». — ہاں اے اللہ کے بندو دوا کیا کرو، اس لیے کہ اللہ جل شانہ نے کوئی بیماری نہیں پیدا کی مگر یہ کہ اس کے لیے دوا بھی اتاری ہے سوائے ایک بیماری کے۔ لوگوں نے پوچھا: وہ بیماری کون سی ہے؟ آپ نے فرمایا: بڑھاپا۔

اور امام احمد و ترمذی وغیرہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! بتلائیے کیا وہ منتر جو ہم پڑھتے ہیں، اور وہ دوا جس سے ہم علاج کرتے ہیں، اور احتیاطی تدابیر جن کے ذریعہ ہم بچاؤ اختیار کرتے ہیں، کیا یہ چیزیں کسی ایسی چیز سے بچا سکتی ہیں جس کا اللہ نے فیصلہ کر دیا ہو؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«هي من قدر الله». — یہ چیزیں بھی اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہی ہیں۔

اس لیے والدین اور مربیوں کو چاہیے کہ بچوں کی بیماری کی صورت میں ان کے علاج معالجہ کا خیال رکھیں اور کسی آفت و بیماری میں گرفتار ہونے پر اس کے تدارک کا اہتمام کریں، اور اس سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائیوں اور ارشادات کے مطابق عمل کریں، اس لیے کہ اسباب اور مسببات کا اختیار کرنا فطری تقاضوں اور اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ہے۔

۵ — نہ نقصان پہنچاؤ اور نہ نقصان اٹھاؤ کے اصول کو نافذ کرنا

اس لیے کہ امام مالک اور ابن ماجہ اور دارقطنی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لا ضرر ولا ضرار». — نہ نقصان اٹھاؤ اور نہ دوسرے کو نقصان پہنچاؤ۔

اس حدیث شریف کو فقہا اور اہل اصول نے ایک شرعی قاعدہ بنالیا ہے جو ان اہم قاعدوں میں سے ایک ہے جسے اسلام نے مقرر کیا ہے۔ اور افراد اور معاشرے کی حفاظت اور لوگوں سے ضرر و تکالیف دور کرنے کے سلسلہ میں اس پر بہت سے امور متفرع ہوتے ہیں۔

اس قاعدہ کی رو سے مربیوں اور خصوصًا ماؤں پر یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے بچوں کو ان طبی تعلیمات اور ہدایات کا پابند بنائیں جو صحت کے لیے ضروری ہیں۔ اور وہ حفاظتی تدابیر سکھائیں جو بچوں کی صحت کی حفاظت کی ضمانت اور جسمانی نشوونما کی گارنٹی ہوں۔ اسی طرح ان کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ بیماریوں اور متعدی امراض سے محفوظ رکھنے کے لیے جن اسپیشل (خصوصی معالجین کی مدد درکار ہو ان سے مدد لیں۔

چونکہ کچے پھل کا کھانا جسم کو نقصان پہنچاتا ہے اور بیماری کا سبب ہے اس لیے مربیوں کا فریضہ ہے کہ وہ بچوں کو اس بات کا عادی بنائیں کہ وہ پکے ہوئے پھل کھائیں۔

اور چونکہ پھلوں اور سبزیوں کو دھوئے بغیر کھانا بیماری کا ذریعہ بنتا ہو اس لیے تربیت کرنے والوں کا فریضہ ہے کہ وہ بچوں کی اس جانب رہنمائی کریں کہ وہ پھل و سبزیاں دھو کر کھایا کریں۔

اور کھانے پر کھانا کھانا (بھرے پیٹ پر کھانا) امراضِ معدہ کا سبب بنتا ہے اور تنفس کے نظام اور نظامِ ہضم کو خراب کردیتا ہے اس لیے مربیوں کو چاہیے کہ وہ اولاد کو اس بات کا عادی بنائیں کہ وہ صرف مخصوص اوقات ہی میں کھانا کھایا کریں۔

اور چونکہ ہاتھ دھوئے بغیر کھانا کھانا مرض پھیلانے کا ذریعہ بنتا ہے۔ اس لیے مربیوں کو چاہیے کہ وہ بچوں کو یہ بتلائیں کہ وہ کھانا کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونے کے اسلامی طریقے پر عمل کریں۔

اور چونکہ برتن یا چمچہ میں گرم کھانے کو پھونک کر ٹھنڈا کرنا جسمانی تکالیف کا سبب بنتا ہے، اس لیے مربیوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے بچوں کو اس مضر و نقصان دہ عادت سے روکیں۔

اور اس طرح سے جب مربی ان طبی تعلیمات و رہنمائیوں پر عمل کریں گے، اور صحت سے متعلق ان ارشادات کا بچوں کو پابند بنائیں گے، تو بلاشک و شبہ اولاد تندرست و توانا صحیح و سالم، طاقتور بدن کی مالک اور چست و چالاک اور مستعد پلے بڑھے گی۔

۶ ــــ بچوں کو ریاضت، ورزش اور شہسواری وغیرہ کا عادی بنانا

اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل فرمانِ مبارک پر عمل ہو:

﴿وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ﴾ (انفال۔۔۔) اور تیار کرو ان سے لڑائی کے لیے جو کچھ جمع کر سکو قوت سے

اور تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کو نافذ کیا جا سکے جسے امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ:

«المؤمن القوی خیر و أحب إلی اللہ من المؤمن الضعیف». — طاقتور مؤمن بہتر اور اللہ کو زیادہ محبوب ہے اس مؤمن کی بنسبت جو کمزور ہو۔

اسی لیے اسلام نے تیرنے اور تیر اندازی اور گھڑ سواری سیکھنے کی دعوت دی ہے اور وہ مندرجہ ذیل ارشاداتِ نبویہ مبارکہ ہیں؛

امام طبرانی سندِ جید کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

«کل شئ لیس من ذکر اللہ فهو لهو أو سهو إلا أربع خصال، مشی الرجل بین الغرضین وتأدیبه فرسه، وملاعبته أهله، وتعلیمه السباحة». — ہر وہ چیز جو اللہ کے ذکر میں سے نہیں ہے وہ کھیل کود یا غفلت ہے سوائے چار چیزوں کے، (تیر اندازی کے لیے) انسان کا دونوں نشانوں کے درمیان چلنا، اور گھوڑے کو سدھانا، اور اپنی بیوی کے ساتھ دل لگی کرنا اور تیرنا سیکھنا۔

اور امام مسلم اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانِ مبارک تلاوت کیا:

«﴿وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ﴾ ثم قال: ألا إن القوة الرمی ألا إن القوة الرمی، ألا إن القوة الرمی». — اور تم تیار کرو ان سے لڑائی کے جو کچھ جمع کر سکو قوت سے، اور پھر آپ نے فرمایا سن لو قوت تیر اندازی ہے سن لو قوت تیر اندازی ہے سن لو قوت تیر اندازی ہے۔

اور بزار و طبرانی سندِ جید کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

«علیکم بالرمی فإنه من خیر لهوکم». — تم تیر اندازی سیکھو اس لیے کہ یہ تمہارے کھیل کود میں سے بہترین کھیل ہے۔

٭ ٭ ٭ ٭

اور امام بخاری اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے تیر اندازی کے حلقوں کے پاس سے گزر رہے تھے تو آپ نے انہیں مزید ابھارا اور فرمایا:

«ارموا وأنا معکم کلکم». — تم لوگ تیر اندازی کرتے رہو میں تم سب کے ساتھ ہوں۔

اور بخاری و مسلم میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ حبشہ کو یہ اجازت دی کہ وہ آپ کی مسجد مبارک میں اپنے نیزوں کے ساتھ کھیلیں اور حضرت عائشہ کو یہ اجازت دی کہ وہ ان کے کھیل کو دیکھیں، اور آپ ان حبشیوں سے یہ کہہ رہے تھے:

«دونکم یا بنی أرفدة[1]». — اے بنو ارفدہ لے لو۔

---

[1] ارفدہ کنیت ہے جس کے ذریعہ سے اہلِ حبشہ کو پکارا کرتے تھے۔

ابھی یہ اہلِ حبشہ مسجد میں اپنے نیزوں کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھیل ہی رہے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور کنکر اُٹھا کر ان کو مارنے لگے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

«دعهم یا عمر»[۱]۔ — اے عمر ان کو چھوڑ دو۔

اصحابِ سنن (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) اور امام احمد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

«لا سبق إلا فی خف أو حافر أو نصل»۔ — ریس اور مسابقت و مقابلہ[۲] سوائے اونٹوں اور گھوڑوں اور تیراندازی کے کسی اور میں جائز نہیں۔

٭ ٭ ٭

اس لیے کہ اس مقابلہ کا جنگ اور جہاد کی تیاری میں بڑا اثر پڑتا ہے۔

۷ــــ بچے کو سادگی اور عیش و عشرت میں نہ پڑنے کا عادی بنانا

تاکہ جب بالغ ہوا اور بڑا ہو جائے تو فریضۂ جہاد کو ادا کر سکے اور دین کی دعوت خوبی اور عمدگی سے دے سکے اور سادگی اور موٹا جھوٹا پہننے کی ترغیب بہت سی احادیث میں وارد ہوئی ہے:

امام احمد اور ابونعیم حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کرتے ہیں کہ:

«إیاکم والتنعم فإن عباد اللہ لیسوا بالمتنعمین»۔ — تم ناز و نعمت میں پڑنے سے بچو اس لیے کہ اللہ کے بندے ناز و نعمت میں نہیں پڑتے۔

اور طبرانی اور ابن شاہین اور ابونعیم حضرت قعقاع بن اُبی حدرد سے مرفوع حدیث روایت کرتے ہیں:

«تمعددوا[۳] واخشوشنوا وانتضلوا»۔ — اپنے جد امجد معد بن عدنان کی نسبت پیدا کرو (سادگی و فصاحت و بلاغت میں) اور سادگی اور معمولی زندگی اختیار کرو اور تیراندازی اختیار کرو۔

٭ ٭ ٭

---

[۱] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ کریمانہ فراخدلی تھی کہ آپ نے اپنی مسجد مبارک میں اس جیسی مشق کرنے کی اجازت دی، تاکہ ہر شخص کو یہ معلوم ہو جائے کہ اسلام کے نقطۂ نظر سے مسجد عبادت اور جہاد، دونوں کی تیاری کے لیے ہے اور مسجد میں افراد کی تربیت اور اسلام کی مصلحت دونوں کے لیے کام ہوتا ہے۔

[۲] وہ مقابلہ اور مسابقت در ریس جائز ہے جس میں انعام یا تو شرکاء ریس کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہو یا دونوں ریس لگانے والوں میں سے صرف ایک کی طرف سے ہو، لیکن اگر گھڑ دوڑ میں دونوں شرکاء کی طرف سے انعام مقرر کیا گیا ہو تو وہ ناجائز اور قمار و جوے میں داخل ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ بالفرض گھڑ دوڑ میں دونوں مقابلہ کرنے والے میں سے ایک دوسرے سے کہے کہ اگر تم مجھ سے سبقت لے گئے تو میں تمہیں اتنا مال یا انعام دوں گا اور اگر میں تم سے آگے بڑھ جاؤں تو تم مجھے اتنا روپیہ یا انعام دینا، یہ صورت ناجائز اور حرام ہے۔

[۳] یعنی اپنے جدِ امجد معد بن عدنان جیسی سادہ زندگی اختیار کرنے والے اور فصیح و بلیغ بننے کی کوشش کرو۔

سادہ زندگی اختیار کرنے اور معمولی لباس استعمال کرنے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے بہترین نمونہ و اعلیٰ ترین مقتدیٰ ہیں. آپ نے کھانے پینے لباس اور رہائش سب میں سادگی کو اختیار کیا تاکہ مسلم معاشرہ اور امت آپ کی اقتدا کرے، اور آپ کی سنت اور طریقہ پر چلے اور ان تمام حوادث کے لیے جو ان کے راستے میں پیش آنے والے ہیں یا ان کے اوپر جو مصیبتیں نازل ہونے والی ہیں ہمیشہ ہمیشہ مکمل تیار اور مستعد اور چاق و چوبند رہیں

یہ بات صاف مشاہد ہے کہ جب امت مسلمہ نعمتوں میں مست اور کھانے پینے میں مستغرق ہو جائے گی. اور ریشم اور دیباج پر سوئے گی. تو مادی ترقی و تمدن اپنی چمک دمک اور ظاہری آب و تاب سے اسے دھوکہ میں ڈال دے گا. اور پھر وہ بہت جلد اپنے مقام سے گر جائے گی اور دشمن کے سامنے گردن جھکا دے گی، اور اس کے نوجوانوں کے دلوں سے صبر اور جہاد فی سبیل اللہ اور اس کے لیے مصائب برداشت کرنے کی روح ماند پڑ جائے گی. اور سقوط اندلس کا جو واقعہ تاریخ کے صفحات میں مذکور ہے یہ کوئی زیادہ دور کی بات نہیں ہے.

۸ — بچے کو حقیقت پسندانہ اور مردانہ زندگی گزارنے کا عادی بنانا اور اس کو لاابالی پن، سستی اور آزادی و بے راہ روی کی زندگی سے بچانا

اس لیے کہ مندرجہ ذیل فرامین نبویہ اس کی جانب رہنمائی کرتے ہیں:

امام مسلم اپنی صحیح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

«احرص علی ما ینفعك واستعن باللہ ولا تعجز». — ایسی چیزوں کے حریص بنو جو تمہیں فائدہ پہنچانے والی ہو اور اللہ سے مدد مانگتے رہو اور عاجز و درماندہ نہ بنو.

طبرانی سند جید کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

«کل شیئ لیس من ذکر اللہ فھو لھو أو سھو إلا أربع خصال: مشی الرجل بین الغرضین وتأدیبہ فرسہ، وملاعبتہ أھلہ وتعلیمہ السباحۃ». — ہر وہ چیز جو اللہ کے ذکر میں سے نہ ہو وہ کھیل کود یا غفلت ہے سوائے چار چیزوں کے: انسان کا (تیر اندازی کے) دو نشانوں کے درمیان چلنا، اور گھوڑے کو سدھانا اور اپنی بیوی سے دل لگی کرنا، اور تیرنا سیکھنا.

اور امام بخاری و مسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مؤمن ولا یسرق السارق حین یسرق وھو مؤمن، ولا یشرب الخمر حین یشربھا وھو مؤمن». — زنا کرنے والا ایمان کی حالت میں زنا نہیں کرتا اور چور ایمان کی حالت میں چوری نہیں کرتا اور شرابی ایمان کی حالت میں شراب نہیں پیتا.

امام نسائی نے اپنی روایت میں یہ الفاظ بھی بڑھائے ہیں :

فإذا فعل ذلك فقد خلع ربقة الإسلام من عنقه »۔

جب وہ ایسا کر لیتا ہے تو اس نے اسلام کا طوق اپنی گردن سے نکال پھینکا ۔

اور امام مسلم وغیرہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« صنفان من أهل النار لم أرهما ، قوم معهم سياط كأذناب البقر يضربون بها الناس ، ونساء كاسيات عاريات ، مميلات مائلات ، رؤوسهن كأسنمة البخت المائلة ، لا يدخلن الجنة ولا يجدن ريحها وإن ريحها ليوجد من مسيرة كذا وكذا »۔

دوزخیوں کی دو قسمیں ایسی ہیں جن کو میں نے نہیں دیکھا : ایک وہ قوم جن کے پاس گائے کی دم کی طرح کے کوڑے ہوں گے جن سے وہ لوگوں کو مارتے ہوں گے ۔ دوسری وہ عورتیں جو کپڑے پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی (مردوں کو) اپنی طرف مائل کرنے والی (اور خود مردوں کی طرف) مائل ہونے والی ہوں گی ۔ ان کے سر ایسے ہوں گے جیسے (خراسانی) بختی اونٹوں کے کوہان نہ وہ جنت میں داخل ہوں گی اور نہ اس کی خوشبو سونگھیں گی حالاں کہ اس کی خوشبو اتنے اتنے فاصلہ سے آتی ہوگی ۔

٭ ٭ ٭

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں کی جانب رہنمائی کی ہے اس کے سمندر ناپیدا کنار سے یہ چند قطرے ہیں اور جیسا کہ آپ نے دیکھا یہ نہایت قیمتی رہنمائی و اعلی توجیہات ہیں جو انسان کو مردانہ اور پُر حقیقت زندگی اپنانے کی دعوت دیتی ہیں ۔ اور بے راہ روی و آزادی سے ڈراتی ہیں ۔ اور یہ بات بداہۃً معلوم ہے کہ بچہ اگر آزادی و بے راہ روی کی زندگی میں نشو و نما پائے گا اور گناہوں اور فسق و فجور میں تربیت پائے گا اور لاپرواہی کا شکار اور کھیل میں پڑنے کا عادی ہوگا تو اس کی شخصیت تباہ ہوجائے گی اور اس کی نفس الجھ کر رہ جائے گی اور اس کا جسم خطرناک امراض اور بیماریوں کا نشانہ بن جائیگا

ان تمام باتوں کی وجہ سے مربیوں اور خاص طور سے ماؤں پر لازم ہے کہ وہ بچپن سے ہی بچوں کی دیکھ بھال رکھیں ، اور ان کی نفوس میں مردانگی اور سادگی اور خودداری اور رفعت اور عظیم اخلاق کی برتری اور اہمیت پیدا کردیں ۔

اسی طرح ان کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ وہ بچوں کو ہر اس چیز سے دور رکھیں جو ان کی مردانگی اور شخصیت کو تباہ اور اخلاق و شرافت کو برباد اور عقل و جسم کو کمزور کردے ، اس لیے کہ اس طرح سے ان کی تفکیر و سوچ درست و صحیح اور

جسم طاقتور اور اخلاق ٹھیک رہیں گے اور ارواح میں بلندی اور مطلوب و مراد کے حاصل کرنے کا ان میں قوی داعیہ ہوگا۔

اے مربیو یہ وہ اہم بنیادی باتیں ہیں جنہیں دین اسلام نے بچوں کی جسمانی تربیت کے سلسلہ میں متعین و بیان کیا ہے۔

اگر آپ لوگوں نے ان کو اہمیت دی اور ان کی طرف پوری توجہ کی تو جس معاشرہ اور قوم کی تربیت و رہنمائی کا کام آپ انجام دے رہے ہیں وہ قوت و صحت نشاط اور زندگی سے مستفید ہوگی، اور اس کے ساتھ ساتھ آپ اس امانت کے حق کو بھی پورا کردیں گے جو آپ کے ذمہ ہے۔ اور اس مسؤلیت کو ادا کردیں گے جو اللہ نے آپ کے ذمہ لگائی ہے۔ اور قیامت میں آپ لوگ اللہ سے سرخروئی کے ساتھ انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین کے مجمع میں مل سکیں گے اور حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات کی رفاقت بہت ہی اعلیٰ و عمدہ ہے۔
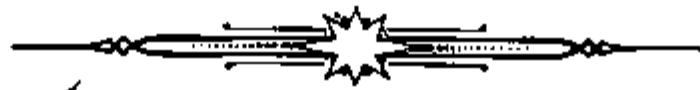
ہمیں بہت سی خطرناک عادتیں بچوں بڑوں اور جوانوں اور قریب البلوغ لڑکوں میں نظر آتی ہیں جن کی طرف مربیوں اور خصوصاً والدین کو توجہ کرنا چاہیئے۔ اور اس کے نقصانات اور خطرناکی کا احساس کرنا چاہیئے۔ اور جن کی تربیت کے یہ مسئول ہیں انہیں ان کی قباحت، ضرر اور نقصانات بتلانا چاہیئے تاکہ وہ ان کے دام میں گرفتار نہ ہوں، اور ان کی آگ میں نہ جلیں، اور اس کی دلدل اور وادیوں میں سرگرداں و پریشان نہ ہوں۔

میرے اندازے کے مطابق بچوں قریب البلوغ لڑکوں اور نوجوانوں میں پائی جانے والی یہ عادات بالعموم مندرجہ ذیل امور میں منحصر ہیں:

۱۔ سگریٹ نوشی کی عادت۔

۲۔ مشت زنی کی عادت۔

۳۔ منشیات اور نشہ آور چیزوں کا استعمال۔

۴۔ زنا اور لواطت کی عادت۔

خدا نے چاہا تو میں ان چاروں میں سے ہر عادت پر تفصیل سے روشنی ڈالوں گا۔

۱۔ سگریٹ نوشی کی عادت

ہمارے موجودہ پر آشوب معاشرہ میں جو چیز وبائی شکل میں بہت زیادہ مشاہدہ میں آتی ہے وہ سگریٹ نوشی کی عادت ہے جو اور تمام عادات سے زیادہ عام اور چھوٹوں بڑوں میں پھیلی ہوئی ہے، چنانچہ انسان جہاں بھی نظر ڈالتا ہے اس مذموم عادت کو معاشرے کے افراد میں باوجود تفاوتِ مراتب کے تمام طبقات میں چھوٹوں بڑوں مردوں عورتوں جوانوں بوڑھوں میں انتہائی عام اور منتشر پاتا

ہے۔ اور اس لعنت سے صرف وہی شخص محفوظ رہا ہے جس نے خواہشات پر قوتِ ارادہ کو، اور جذبات پر عقل کو، اور فساد پر اصلاح کو فوقیت و ترجیح دی ہے۔ اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔

اس لعنت پر مکمل روشنی ڈالنے اور اس کے تمام پہلوؤں پر تفصیل سے کلام کرنے کے لیے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس کے تین نقاط پر گفتگو کریں:

۱ - سگریٹ نوشی سے پیدا ہونے والے نقصانات۔
۲ - سگریٹ نوشی کے بارے میں شریعت کا حکم۔
۳ - سگریٹ نوشی کا علاج۔

سگریٹ نوشی سے جو نقصانات پیدا ہوتے ہیں ان کو ہم دو اہم چیزوں میں محدود کر سکتے ہیں:

الف۔ صحت اور نفسیات سے متعلق نقصانات

اطباء کے فیصلہ کے مطابق یہ بات یقینی اور قطعی طور سے ثابت ہو چکی ہے جس میں ذرہ برابر بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ سگریٹ نوشی مورثِ سل ہے اور پھیپھڑوں میں سرطان پیدا کرتی ہے، حافظہ کو کمزور کرتی اور اشتہا کو کم کرتی ہے، اور چہرہ اور دانتوں کو زرد کرتی اور ضیقِ تنفس کی موجب ہے۔ اور اعصاب میں ہیجان پیدا کرتی ہے۔ اور جسم میں عمومی انحطاط کا ذریعہ ہے۔ اخلاق کو بگاڑتی اور قوتِ ارادی کو کمزور کرتی ہے اور سستی اور کاہلی پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔

سگریٹ نوشی کے صحت پر جو نقصانات مرتب ہوتے ہیں۔ ان کے سلسلہ میں اس فن کے ماہر خصوصی اطباء کی رپورٹیں درج ذیل ہیں:

جرمنی کا مجلہ "اشبیگل" لکھتا ہے کہ امریکہ کے دس اسپیشلسٹ ماری لینڈ امریکہ کے شہر "بیوییزدا" کے ادارۂ تحقیقات میں جمع ہوئے، اور تمباکو نوشی کے جو اثرات لوگوں کی صحت پر پڑتے ہیں اس پر بحث مباحثہ کیا، اور متفقہ طور سے مندرجہ ذیل نقصانات پر سب نے اتفاق کیا:

۱۔ جو مرد سگریٹ نوشی کرتے ہیں ان میں ان لوگوں کی بنسبت جو سگریٹ نوشی نہیں کرتے شرحِ اموات ۶۸ فیصد زیادہ ہے۔

۲۔ جو لوگ تمباکو نوشی کے مرتکب ہیں ان میں مندرجہ ذیل امراض سے مرنے کی تعداد ان لوگوں کی بنسبت زیادہ ہے جو تمباکو نوشی نہیں کرتے: پھیپھڑوں کا سرطان (۸ ر ۱۰) گنا زیادہ، ناک، گلے اور سانس کی نالی میں التہاب اور سوزش اور ان جگہوں کا متورم ہونا اور پھول جانا (۱ ر ۶) گنا زیادہ، گلے کا سرطان (۴ ر ۵) گنا زیادہ، منہ کے اندر سرطان (۱ ر ۴) گنا زیادہ غذا کی نالی کا سرطان (۴ ر ۳) گنا زیادہ، معدے کے امراض (۴ ر ۲) گنا زیادہ، دوسرے باری والے امراض (۶ ر ۲) گنا زیادہ، دل پر چربی وغیرہ کے امراض (۷ ر ۱) گنا زیادہ۔

۳ - اس کا مطلب یہ ہے کہ کان اور دل پر چربی چھاجانے کا مرض (جو ولایاتِ متحدہ امریکہ میں عام طور سے موت کا سبب بن جاتا ہے) تمباکو نوشوں میں بنسبت غیر تمباکو نوشوں کے ستر فیصد زیادہ ہے، اور تھوک کی نالی کی جھلی اور تنفس کے نظام میں سوزش والتہاب پانچ سو فیصد زیادہ ہے، رہا پھیپھڑوں کا سرطان جو سرطان کی دوسری تمام اقسام سے زیادہ منتشر ہونے والا اور عام ہے تو اس کا شکار ہونے کا احتمال تمباکو نوشوں میں بنسبت غیر تمباکو نوشوں کے ہزار فی صد زیادہ ہے[1]۔

سل کے تدارک اور روک تھام کے سلسلہ میں قائم شدہ ملک شام کی ایک کمیٹی نے ایک بیان جاری کیا ہے جس میں لکھا ہے کہ:

سالوں کی تحقیق اور علمی بحث و مباحثہ سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوئی ہیں کہ جب کوئی شخص سگریٹ پیتا ہے تو وہ دھوئیں کو نگلتا ہے اور اسی سے نوے فی صد اس دھوئیں کو اپنے اندر محفوظ کرلیتا ہے. جیسا کہ تمباکو کے جلنے سے جو سیاہی اور کالک بنتی ہے وہ بھی سانس کی نالیوں میں جم جاتی ہے، اور یہ سیاہی کیمیاوی قسم کے مجموعۂ مرکبات کی ایک قسم ہے جن میں سے بعض اقسام سرطان پیدا کرنے کا ذریعہ بنتی ہیں. جب کہ دوسرے باقی ماندہ عناصر واجزاء خراش پیدا کر دیتے ہیں، اور پھیپھڑے کو سل اور دوسرے خطرناک، مہلک جراثیم کے حملہ کے لیے بہترین جگہ بنا دیتے ہیں.

وہ لوگ جو سگریٹ نوشی کرتے ہیں وہ سل اور سرطان کا ان لوگوں کی بنسبت زیادہ نشانہ بنتے ہیں جو سگریٹ نوشی نہیں کرتے، اور ساتھ ہی سگریٹ نوشی کی عادت کی وجہ سے پھیپھڑوں میں دوسرے لاعلاج قسم کے امراض پیدا ہوجاتے ہیں مثلاً حلق کی نالی میں التہاب وسوزش اور پھیپھڑوں کا پھول جانا اور سانس لینا دشوار ہوجانا. اور دق وسل. سگریٹ نوشی امراضِ قلب کا راستہ ہموار کردیتی ہے اس لیے کہ نکوٹین دل کی دھڑکن کو بڑھاتی ہے اور خون کی نالیوں کو نقصان پہنچاتی ہے، چنانچہ بہت سے سگریٹ نوش اپنی زندگی کے خاتمہ کے لیے بہت بڑی قیمت ادا کرتے ہیں. اس لیے آپ کو سگریٹ نوشی سے بچنا چاہیے، اور اپنی صحت کی حفاظت کے لیے اس سے بچنا نہایت ضروری ہے[2]۔

اور اس کے علاوہ دوسرے اور بہت سے بڑے بڑے نقصانات اور خطرناک امراض جو سگریٹ نوشی کی وجہ سے پیدا ہوا کرتے ہیں.

ب۔ مالی نقصانات: یہ یقینی بات ہے کہ ایک محدود آمدنی والا شخص روزانہ سگریٹ نوشی پر اپنی تنخواہ کا چوتھائی حصہ یا

---

[1] ماخوذ از مجلہ "الحضارۃ" بارہویں سال کا عدد - ۳ دہم (ص - ۱۵۸)

[2] مذکورہ مضمون جو "تعاونوا للقضاء علی مرض السل" کے عنوان سے شائع ہوا تھا اس کا صفحہ نمبر ۱۹۱ ملاحظہ ہو۔

اس سے بھی زیادہ خرچ کر ڈالتا ہے. اور اس طرح سے مال کا جو ضیاع اور گھربار کا نقصان اور خاندانوں میں اختلاف ہوتا ہے وہ کوئی مخفی چیز نہیں ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مستقل سگریٹ نوش اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی خوراک سے پیسے بچاتا ہے تاکہ سگریٹ نوشی کر سکے، اور بسا اوقات وہ راہ راست سے بھی ہٹ جاتا ہے مثلاً سگریٹ کے لیے پیسے اکٹھا کرنے اور اسے خریدنے کے لیے وہ رشوت خوری یا چوری جیسی لعنت میں گرفتار ہو جاتا ہے. ایسی صورت میں کیا صحت اخلاق اور معاشرہ کے لیے سگریٹ نوشی کی لعنت سے بڑھ کر بھی کوئی زیادہ نقصان دہ چیز پائی جاتی ہے. لیکن نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اکثر لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے.

سگریٹ نوشی کے بارے میں شریعت کے حکم کے سلسلہ میں خلاصہ کے طور پر یہ ذکر کر دینا کافی ہے کہ

الف : فقہاء وائمہ مجتہدین کے یہاں یہ بات متفق علیہ ہے کہ ہر وہ چیز جو تباہی تک پہنچائے اور ہلاکت میں ڈال دے اس سے بچنا واجب اور اس کو اختیار کرنا حرام ہے. اس لیے کہ امام احمد اور ابن ماجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((لا ضرر ولا ضرار)). نہ خود نقصان اٹھاؤ اور نہ دوسروں کو نقصان پہنچاؤ.

اور اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل عمومی فرمانِ مبارک کی وجہ سے کہ :

((وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ)). البقرہ۔ ۱۹۵ اور اپنی جان کو ہلاکت میں مت ڈالو.

اور فرمایا :

((وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا))۔ النساء۔ ۲۹ اور آپس میں خون نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے.

اور اس لحاظ سے کہ سگریٹ نوشی کا جسمانی لحاظ سے نقصان دہ ہونا ثابت اور صحت کے لیے خطرناک ہونا متحقق ہو چکا ہے (جیسا کہ ابھی گزرا ہے اسلیے اس سے بچنا واجب اور اس کا استعمال کرنا حرام ہے.

ب : صحیح عقل وسمجھ اور ذوقِ سلیم کے مالک حضرات کے یہاں یہ بات مسلم اور طے شدہ ہے کہ سگریٹ خبیث اور گندی چیزوں کے زمرہ میں شامل ہے اس لیے کہ وہ جسم کے لیے مضر ہے اور منہ میں گندی بدبو پیدا کرتی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے پاکیزہ اور اچھی چیزوں کو حلال کیا ہے، اور اس پر خبیث اور گندی چیزوں کو حرام کیا ہے تاکہ اس کے جسم کی حفاظت ہو. اور اخلاق وقوت تفکیر محفوظ رہے. اور معاشرہ میں انسان پسندیدہ اور اچھی شکل وصورت میں جا سکے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

((وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ)). النساء۔۲

اور بدل نہ لو برے مال کو اچھے مال سے ۔

نیز فرمایا :

((وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ)). الاعراف۔۱۵۷

اور حلال کرتا ہے ان کے لیے سب پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پہ ناپاک چیزیں۔

اور فرمایا :

((قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ)). المائدہ۔۱۰۰

آپ کہہ دیجیے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں اگرچہ آپ کو ناپاک کی کثرت بھلی لگے۔

ج : اس کے ساتھ ساتھ تمباکو نوشی عقل میں خلل اور جسم میں فتور پیدا کرتی ہے۔ اور یہ ایک ایسی کھلی ہوئی ظاہر چیز ہے جسے اس کے پینے کا اقدام کرنے والا اور اس کا پینا شروع کرنے والا اور تدریجاً اس کا عادی بننے والا اور خصوصاً اگر زیادہ افراط سے سگریٹ نوشی کرے تو اسے بہت نمایاں محسوس کرتا ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر فتور پیدا کرنے والی چیز کے استعمال سے منع کیا ہے۔ جیساکہ ہر نشہ آور اور مخدر سے بھی روکا ہے، چنانچہ امام احمد اپنی مسند میں اور ابوداؤد اپنی سنن میں سندِ صحیح کے ساتھ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نشہ آور اور فتور پیدا کرنیوالی مخدرات سے منع کیا ہے۔

یہ تمام نصوص اپنے مدلول اور منطوق ومفہوم کے لحاظ سے اس بات کی تاکید کرتی ہیں کہ سگریٹ نوشی حرام ہے اور اس سے بچنا واجب ہے۔ اس لیے کہ اس کا نقصان بہت زیادہ اور اس کی گندگی وخباثت کھلی ہوئی ہے یہ اس کے علاوہ ہے کہ سگریٹ نوشی مال کے ضیاع کا سبب بنتی ہے جس کا اثر افراد خاندان اور معاشرہ سب پر پڑتا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کو ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے جیساکہ صحیح بخاری میں مذکور ہے۔

گذشتہ ادوار میں جن فقہاء نے سگریٹ نوشی کی اباحت یا کراہت کا فتویٰ دیا تھا ان کے لیے یہ بات کچھ عذر بن سکتی ہے کہ اس وقت تک طبی لحاظ سے اس کے مضر ونقصان دہ اثرات ان کے سامنے نہ آئے تھے، اس لیے انہوں نے اس قاعدہ پر مدار رکھ کر کہ ہر چیز میں اصل اباحت ہے اس کے مباح ہونے کا حکم دے دیا، لیکن جب علم طب نے اس کے جسمانی اور نفسیاتی نقصانات کھول کر بیان کر دیے اور خصوصی واسپیشلسٹ اطباء نے وہ مضر اثرات صاف صاف بتلا دیے جو اس کی وجہ سے افراد اور معاشرے پر پڑتے ہیں، تو پھر اب اس کی حرمت یا اباحت میں تردد کی کوئی گنجائش نہیں رہی، بلکہ اس کے استعمال کا حرام ہونا ظاہر ہے اور اس کے عادی بننے پر گناہگار ہونا یقینی ہے۔ واللہ

مذکورہ بیماری کا علاج :

اس بیماری کا علاج پہلے درجہ میں حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اور وہ اس طرح کہ اخبارات اور رسالوں اور ریڈیو
ٹیلی ویژن میں غرضیکہ ہر جگہ اس کے خلاف جنگ کی جائے۔ اور اس کے نقصانات کو نشر کیا جائے، اور سگریٹ نوشی
ڈرایا جائے۔ اور امت کے افراد اور نوجوانوں کے سامنے مستقل طور سے اس کے عظیم نقصان اور بڑے خطرے کو
ن کیا جائے۔ اور اس سلسلہ میں اس فن کے ماہرین اور ارباب اختصاص اور مفکرین اور اصحاب قلم سے مدد لی جائے
طرح حکومت کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ اس پر ٹیکس زیادہ کر دے، اور اس کی قیمت بڑھا دے، اور عمومی مقامات اور
ہم جگہوں میں اس سے حتمی طور پر روک دیا جائے۔
یہ اقدامات گویا ابتدائی و تدریجی قدم کے طور پر صرف اس لیے ہیں کہ مستقبل میں اس سے بالکل روکا جا سکے جیسا کہ آج
امریکہ و یورپ وغیرہ بڑے بڑے ملکوں میں ہو رہا ہے۔
جو بڑے حضرات سگریٹ نوشی کے عادی ہیں انہیں چاہیئے کہ وہ اللہ کے سامنے جانے اور پیش ہونے کا خیال کریں
یہ ذہن میں رکھیں کہ اللہ حاضر ناظر ہے اور انہیں دیکھ رہا ہے۔ اور ان میں اتنا خوفِ الٰہی پیدا ہونا چاہیئے جو انہیں محرمات
، استعمال کرنے سے روک دے جن میں سگریٹ نوشی بھی داخل ہے، اور اسی طرح ان میں اتنی قوتِ ارادی اور ایسا
مصمم ہونا چاہیے جس کے ذریعہ وہ نفس و خواہشات پر غالب آسکیں، اور ان میں اتنی عقل و سمجھ اور حکمت و تدبیر ہونا
ہیے جو انہیں اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ ایسے سیدھے راستے پر چلیں جس میں نہ کسی قسم کی کجی ہو نہ موڑ توڑ، اور یہ ایک
یقت ہے کہ انسان جب ایسے ایمان سے آراستہ ہو جو اسے ممنوع چیزوں سے روکے اور ایسے ارادہ کا مالک ہو جو
ری چیزوں پر غالب آسکے اور ایسی عقل رکھتا ہو جو اس کی رہنمائی کرے تو لامحالہ ایسا شخص کمال سے متصف ہو گا۔
انتہائی پرسکون اور عمدہ زندگی گزارے گا۔
رہے وہ بچے جو اپنے والدین و مربیوں کی غفلت کی وجہ سے سگریٹ نوشی کی گندی عادت کے شکار ہو گئے ہیں
کے معاملہ میں غفلت بہت خطرناک ہے، اور اگر ان کو اسی حالت پر چھوڑ دیا گیا تو معاشرہ پر ان کا بہت برا اور خطرناک
پڑے گا،
اس لیے والدین اور تربیت کرنے والوں کو چاہیے کہ اپنی اولاد کے حالات پر پوری نظر رکھیں، اور ان کے چال
ن اور نشست و برخاست پر مطلع رہیں۔ اور ان کی کجی و انحراف کا علاج کریں، تاکہ انہیں راہ راست پر لا سکیں اور
ستی و عافیت کے کنارہ تک پہنچا دیں۔
کوئی بھی دو آدمی اس میں اختلاف نہیں کر سکتے کہ اگر بچہ شروع ہی سے سگریٹ نوشی کا عادی بن جائے گا تو تدریجاً

آہستہ آہستہ وہ اس سے زیادہ قبیح چیز کا بھی ارتکاب کرے گا، جو زیادہ فساد اور انحراف کا سبب بنے گی اس لیے سگریٹ نوشی ذلت ورذالت کی قاصد اور برائیوں اور فواحش کا راستہ ہے۔ اس لیے عقلمندوں کو سمجھ لینا چاہیئے۔

۲۔ مُشت زنی کی لعنت

یہ لعنت قریب البلوغ لڑکوں اور نوجوانوں میں بہت عام اور منتشر ہے۔ اور اس کے پھیلنے اور عام ہونے کا اصل سبب سڑکوں بازاروں تفریح گاہوں اور ہر جگہ عورتوں کا فتنہ انگیز بھڑکیلا چست و عریاں لباس اور بے ہودہ چال ڈھال اور ہیجان خیز زیب وزینت و بشر سامانی کے ساتھ مردوں کے سامنے بے دھڑک نکلنا اور گھومنا پھرنا ہے اور جوانوں کو دعوتِ نظارہ دینا ہے۔

یہ تو عام معاشرہ کے حد تک ہے لیکن اس سے زیادہ آگے بڑھ کر جو چیز سونے پر سہاگے کا کام کرتی ہے وہ ان نوجوانوں کا ڈراموں اور فلموں میں مختلف ہیجان خیز مناظر کا دیکھنا ہے جو اور زیادہ مہلک اور خطرناک بنتا ہے... آپ کو معلوم ہے وہ کیا کچھ دیکھتے ہیں؛ وہ اپنی کھلی آنکھوں سے ہر وہ چیز دیکھتے ہیں جو جنسی شہوت کو بھڑکائے اور پاک دامنی اور عزت شرافت کو ختم کر ڈالے اور غیرت نخوت اور حمیت کا جنازہ نکال دے۔

اس کے علاوہ کتابوں اور مجلات میں جو عشقیہ مضامین اور جنسی خواہش بڑھانے والے واقعات پڑھتے ہیں وہ نوجوانوں کی نفسیات اور اخلاق اور عقل پر اثر انداز ہونے کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔

جذبات و شہوانی خیالات کو بھڑکانے والے صرف یہ اسباب ہی نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو تدریجاً زنا اور جرم کے راستہ پر چلانے اور فساد اور ذلت کے بیابانوں میں سرگرداں پھرانے کے لیے بہت کافی ہیں۔

قریب البلوغ نوجوان شخص میں اگر اللہ کے دیکھنے اور حاضر و ناظر ہونے کا وہ تصور نہ پایا جائے جو اسے گناہوں سے روک دے اور اس میں اللہ تعالیٰ کا وہ خوف نہ ہو جو اسے گناہوں سے بچائے۔ اور انجام اور نتیجہ کے بارے میں وہ اندازہ اور سوچ و تفکیر نہ ہو جو اسے مفاسد سے دور رکھے تو ظاہر بات ہے کہ وہ دو باتوں میں سے کسی ایک میں ضرور گرفتار ہوگا

یا تو وہ حرام کاری کے ذریعہ اپنی جنسی بھوک مٹائے گا۔

یا وہ مشت زنی کے ذریعہ سے اپنی اس بھوک کی شدت کو کچھ کم کرے گا۔

دونوں باتوں میں سے جو اخف اور کم تر ہے اس کا نقصان بھی بہت اور یقینی ہے۔ اس کا اثر جسم نسل پر اور نفسیاتی صحت پر بہت برا پڑتا ہے۔

اس لعنت کے سلسلہ میں بھرپور بحث اور جامع ترین مضمون لکھنے کے لیے بہتر یہ ہے کہ اس کو تین امور پر تقسیم کر کے پھر اس کے سلسلہ میں کلام کیا جائے:

۱: وہ نقصانات جو اس مشت زنی کی لعنت کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

۳ ۔ اس کے بارے میں شریعت کا حکم۔
۴ ۔ اس کا علاج اور اس کے ختم کرنے کا طریقہ۔
اس گندی عادت کی وجہ سے جو نقصانات وجود میں آتے ہیں انہیں مندرجہ ذیل امور میں منحصر کر لیتے ہیں:

الف ۔ جسمانی نقصانات

طبی نقطۂ نظر سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جو شخص اس عادت میں گرفتار ہو جاتا ہے وہ مندرجہ ذیل امراض کا شکار ہو جاتا ہے۔
طاقت و قوی کا کمزور ہونا، جسم کی لاغری، اعضاء میں ارتعاش و کپکپی، دل کی دھڑکن، نگاہ اور حافظہ کی کمزوری، نظامِ ہضم کی خرابی، پھیپھڑوں میں التہاب و سوزش کا پیدا ہونا جو بالعموم دق و سل کا ذریعہ بنتا ہے اور اخیر کار دورانِ خون پر اثر پڑتا ہے اور خون کی کمی کی شکایت ہو جاتی ہے۔

ب ۔ جنسی نقصانات

ان نقصانات میں سے اہم ترین نقصان نامردی کا مرض ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ نوجوان آدمی شادی کے قابل نہیں رہتا۔ اور ظاہر ہے کہ ایسے بیمار شخص سے عورت نفرت ہی کرے گی، اور ایسی صورت حال میں جب مرد عورت پر قادر ہی نہ ہو تو ازدواجی سلسلہ برقرار نہیں رہ سکتا۔
اور اس کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ مرد و زن دونوں میں سے ہر جنس دوسرے سے بیزار رہے گی، اس لیے کہ مرد اس گندی ناجائز و قبیح عادت کے ذریعہ اپنی جنسی شہوت پورا کرنے کا عادی ہو گا جس کا مطلب یہ ہو گا کہ شادی کے بعد مرد سے جو پاک دامنی عورت حاصل کرتی ہے وہ اس بیمار شخص سے حاصل نہ کر سکے گی، اور نتیجہ یہ ہو گا کہ یا تو جدائی ہو جائے گی یا عورت اپنی خواہشات پوری کرنے کے لیے درپردہ دوسرے مردوں سے دوستیاں پیدا کرے گی۔

ج ۔ نفسیاتی اور عقلی نقصانات

نفسیات کے علماء نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس عادت میں مبتلا شخص بہت سے نفسیاتی اور خطرناک عقلی و دماغی امراض کا شکار ہو جاتا ہے جن کی ترتیب حسب ذیل ہے:
ذہول اور نسیان، قوتِ ارادی کی کمزوری، حافظہ کی کمزوری، تنہائی اور گوشہ نشینی کی طرف میلان، حیاء و شرم کا غلبہ، ضعف و پستی کا احساس، غم و اندوہ کی کیفیت کا اظہار، جرائم اور خودکشی کے ارتکاب کے بارے میں سوچنا وغیرہ وغیرہ وہ نقصانات جو فکر و سمجھ کو شل اور ارادہ کو ڈانواڈول اور شخصیت کو تباہ کر دیتے ہیں۔ اور اس موضوع پر اہلِ اختصاص نے نہایت کافی شافی بحث کی ہے۔

اس کے ارتکاب کا شرعی حکم یہ ہے کہ ایسا کرنا حرام اور موجبِ گناہ ہے، اور اس کے ادلہ یہ ہیں:

الف: اللہ تعالیٰ سورۂ مومنین میں فرماتے ہیں:

«وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝». المؤمنون - ۵ تا ۷

اور جو لوگ اپنی شہوت کی جگہ کو تھامتے ہیں مگر اپنی عورتوں پر یا اپنے ہاتھ کے مال باندیوں پر سو ان پر کچھ الزام نہیں، پھر جو کوئی اس کے سوا ڈھونڈھے سو وہی حد سے بڑھنے والے ہیں۔

اس آیت «فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ» کے عموم میں شہوت رانی کے تمام وہ طریقے داخل ہیں جو نکاح وشادی اور باندی کے استعمال کے علاوہ ہیں جیسے کہ زنا، لواطت اور مشت زنی۔

حضرت عطاء (جو کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اصحاب میں سے ہیں) ان سے یہ ثابت ہے انہوں نے فرمایا: میں نے سنا ہے کہ ایک قوم کو میدانِ حشر میں ایسی حالت میں جمع کیا جائے گا کہ ان کے ہاتھ حاملہ ہوں گے میرا یہ خیال ہے کہ اس سے یہی لوگ مراد ہیں یعنی وہ لوگ جو استمنا بالید اور مشت زنی کرتے ہیں، اور حضرت سعید بن جبیر جو تابعین میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک امت کو اس لیے عذاب دیا کہ وہ لوگ اپنے اعضائے تناسل سے کھیلتے تھے۔ اس طرح یہ بھی آتا ہے کہ سات آدمی ایسے ہیں جن کی طرف (اللہ تعالیٰ) نظرِ رحمت نہیں فرمائیں گے، اور ان میں اس شخص کو بھی شمار کیا جو مشت زنی کرتا ہو[1] یہ تمام نصوص اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اس عادت کا اختیار کرنا حرام و ناجائز ہے۔

ب: سگریٹ نوشی کے بارے میں شرعی حکم کی بحث میں ہم یہ پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ جو چیز ضرر و نقصان کی طرف لے جائے اور ہلاکت میں ڈال دے اس سے بچنا واجب اور اس کا کرنا حرام ہے۔ اس لیے کہ اس سے پہلے گزری ہوئی حدیث کے عموم سے یہی معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے:

«لا ضرر ولا ضرار». نہ نقصان اٹھانا جائز ہے اور نہ نقصان پہنچانا۔

اور یہی اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل فرمانِ مبارک کے عموم سے معلوم ہوتا ہے:

«وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ». اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو

اور چونکہ مشت زنی کے ارتکاب سے جسمانی، جنسی، نفسیاتی اور عقلی نقصانات مترتب ہوتے ہیں اس لیے یہ حرام

---

[1] یہ تمام نصوص کتاب "ردود علی اباطیل" مصنفہ مرحوم شیخ محمد الحامد (ص - ۴۰) سے نقل کی گئی ہیں۔

((لا ضرر ولا ضرار)) اور آیت ((ولا تلقوا بأیدیکم إلی التھلکۃ)) کی وجہ سے حرام ہے۔

ایک قابلِ توجہ سوال | اگر استمناء بالید ومشت زنی حرام ہے تو شریعت ایسے شخص کے بارے میں کیا کہتی ہے جس پر شہوت کا غلبہ اور جنسی بھوک کی حکومت ہو اور جو یہ سمجھتا ہو کہ وہ عنقریب بدکرداری اور زنا میں واقع ہو جائے گا؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان جب مفاسد کے درمیان موازنہ اور مقارنہ کرتا ہے اور اگر مجبور ہو جائے تو ان میں سے جس میں ضرر کم اور جس کا شر معمولی ہو اسے اس اصول قاعدہ کے مطابق اختیار کر لیتا ہے جس میں یہ طے کیا گیا ہے کہ:

یختار أخف الضررین وأھون الشرین۔ — دو ضرروں میں سے کم ضرر والا اور دو شروں میں سے کم شر والے کا انتخاب کرے گا۔

۞ ۞ ۞ ۞

یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ مشت زنی بری چیز ہے لیکن زنا اور لواطت میں اس سے زیادہ برائی اور شر پایا جاتا ہے، اس لیے کہ زنا سے عزت وشرافت کی عمارت گر جاتی ہے، اور پاک دامنی اور شرافت کا جنازہ نکل جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اس سے نسب میں اختلاط اور خونریزی اور بغض وحسد جیسے مفاسد وجود میں آتے ہیں۔ اس لیے ایسی صورت میں زنا کے بجائے مشت زنی کو ہی اختیار کرنا چاہیئے۔ اس لیے کہ وہ دونوں ضرروں میں سے اخف اور دونوں شروں میں سے اھون ہے۔

اسی لیے فقہاء کرام لکھتے ہیں کہ اگر طبیعت پرسکون ہو اور استمناء بالید اور مشت زنی شہوت رانی یا شہوت کو بھڑکانے کے لیے ہو تو یہ حرام ہے لیکن اگر شہوت اس قدر غالب ہو کہ انسان کو پریشان کر دے اور ہر وقت دل اسی میں مشغول رہے اور طبیعت پریشان ہو جائے اور نفس برائی کے دروازے پر کھڑا کر دے، تو اس کی تسکین کے لیے مشت زنی ہی کو اختیار کیا جائے گا، اس لیے کہ یہ معاملہ فی نفسہ جائز بن جائے گا اور اس میں ایک کی تلافی دوسرے سے ہو جاتی ہے۔ اور ایسا کرنے والا برابر سرابر چھٹکارا پالے گا، یعنی نہ اسے ثواب ملے گا اور نہ اسے گناہ ہوگا نہ اجر ملے گا اور نہ عقاب وسزا۔[1]

۞۞۞۞۞۞۞۞

اس عادت کے خاتمہ کے لیے کامیاب اور مفید ترین علاج مندرجہ ذیل وسائل اختیار کرنا ہے:

---

[1] یہ فقہی عبارت کتاب "ردود علی أباطیل" مصنفہ علامہ محمد الحامد (ص۔۴۲) سے لی گئی ہے۔

۱۔ ابتدائی جوانی کی عمر میں شادی کر دینا اس لیے کہ شادی اس خطرناک عادت کی بیخ کنی کرنے کا کامیاب ومفید ترین طریقہ ہے، بلکہ شہوت کے اس بے لگام حملے کو پسپا کرنے کا یہی ایک واحد طبعی راستہ ہے، اور ساتھ ہی اس شادی سے دیگر اخلاقی معاشرتی نفسیاتی اور صحت سے متعلق ایسے فوائد حاصل ہوں گے جن کے یہاں ذکر کرنے کی گنجائش نہیں ہے[۱]۔

۲۔ نفل روزے اور اگر کہیں ایسے سخت ناسازگار حالات پائے جاتے ہوں جن کی وجہ سے نوعمری میں شادی نہ ہو سکے تو اسلام نے ایسے لوگوں کی روزے کی جانب رہنمائی کی ہے جو نکاح نہیں کر سکتے اس لیے کہ روزہ شہوت کی زیادتی کو کم کرتا اور جنسی بھوک کی حدت کو توڑ دیتا ہے، اور روزہ سے اللہ کے مراقبہ وحضور اور خوف وخشیت میں قوت پیدا ہوتی ہے، یہ رہنمائی اس حدیثِ نبوی سے ملتی ہے جسے اصحابِ صحاح ستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

«یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج، فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج، ومن لم یستطع فعلیه بالصوم فإنه له وجاء».	اے نوجوانوں کی جماعت تم میں سے جو شخص نکاح کے اخراج کو برداشت کر سکتا ہو تو اسے چاہیئے کہ شادی کرے اس لیے کہ شادی نگاہ کو پست اور فرج کو محفوظ رکھنے والی ہے۔ اور جو شخص نکاح کے اخراجات کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اسے چاہیئے کہ روزے رکھے اس لیے کہ روزہ اس کے لیے وجاء یعنی شہوت کو ختم کرنے والا ہے۔

٭ ٭ ٭ ٭

شریعتِ مطہرہ نے کئی قسم کے نفل روزوں کی ترغیب دی ہے جن میں سے مثال کے طور پر ہم چند کو ذکر کرتے ہیں: حضرت داؤد کے روزے جو ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے، اور پیر اور جمعرات کا روزہ، اور شوال کے مہینے میں چھ روزے، اور محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ، اور اسی قبیل سے وہ روزے ہیں جنہیں شہوت کو تسکین پہنچانے کے لیے رکھا جائے، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«ومن لم یستطع فعلیه بالصوم».	اور جو اس (شادی) کی قوت نہ رکھے تو اسے چاہیئے کہ روزے رکھے۔

٭ ٭ ٭ ٭

۳۔ جنسی جذبات بھڑکانے والی چیزوں سے دُوری اختیار کرنا کوئی بھی دو آدمی اس میں اختلاف نہیں کر سکتے کہ وہ معاشرہ جس میں ہم رہ رہے ہیں

---

[۱] ملاحظہ ہو ہماری کتاب "عقبات الزواج" جہاں آپ کو کافی شافی بحث ملے گی۔

وہ مفاسد اور بھڑکانے والی چیزوں سے بھرا پڑا ہے، اور آزادی و فسق و فجور میں الٹے سیدھے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔
اور اس میں شک نہیں کہ جب نوجوان ان بھڑکیلی اور فتنہ انگیز چیزوں کے پیچھے چلے گا اور رذیل کاموں اور فواحش کی کیچڑ میں پھسے گا تو بلاشبہ وہ اخلاقی طور پر متأثر اور چال چلن کے اعتبار سے منحرف اور غلط راستہ پر پڑ جائے گا اور وہ شہوات کے پیچھے چلنے میں بے زبان جانوروں کی طرح بن جائے گا۔

اس لیے مربیوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ نصیحت کے فریضہ کو ادا کریں اور تنبیہ کریں اور ان لوگوں کو ڈراتے اور متنبہ کرتے رہیں جن کی رہنمائی اور تربیت ان کے ذمہ ہے۔ اور یہ بات ان کے کان میں ڈالتے رہیں کہ ایسی عورتوں کی طرف دیکھنا جو لباس پہن کر بھی ننگی ہوتی ہیں اور اپنے محاسن و جمال کی نمائش کرتی۔ اور عشقیہ قصے کہانیوں اور ان فحش مجلات و رسائل کا پڑھنا جن کو عزت و آبرو اور شہوات و جذبات سے کھیلنے والے تاجر رواج دیتے ہیں۔ اور ان بے ہودہ فحش گانوں کا سننا جو ریڈیو کے مختلف بینڈ پر ہر جگہ نشر کیے جاتے ہیں۔

یہ سب کچھ غیرت کو مدہوش، اور شرافت کو ملوث، اور اخلاق کو خراب اور عزت کرامت کو ختم اور جسم کو کمزور اور عقل و سمجھ کو معطل اور حافظہ کو کمزور کر دیتا ہے، اور جنسی جذبات کو ابھارتا اور شخصیت کو ختم کرتا ہے۔ اور مروت و شرافت اور اخلاق کو دفن کر دیتا ہے، مربیوں کو نوجوانوں کے کان میں یہ آواز ڈالتے رہنا چاہیئے ہو سکتا ہے کہ ہمارا نوجوان طبقہ یہ نصیحت سن لے، اور ان نتائج کا پورا حساب کتاب کر لے، اور اس وعظ و نصیحت تنبیہ اور یاد دہانی کے بعد ان کے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہ ہو کہ وہ اپنی قوت ارادی کو متوازن رکھیں اور نفسیاتی اور اخلاقی دائرہ کو سنبھالیں اور عقلی و جسمانی صحت کی حفاظت کریں اور پھر پاکباز صالحین اور نیک مؤمنوں کے زمرے میں شامل ہو جائیں۔

۴۔ فراغت کو نفع بخش امور میں صرف کرنا

علماء نفس و تربیت لکھتے ہیں کہ اگر بچہ خالی اوقات میں تنہائی میں بیٹھے گا تو اس کے ذہن میں مختلف قسم کے خیالات اور افکار اور برانگیختہ کرنے والے جنسی تخیلات پیدا ہوں گے پھر اگر وہ بچہ قریب البلوغ ہے یا بالغ ہے تو وہ اپنے جنسی جذبات کو متحرک اور ان افکار و خیالات اور تخیلات کی وجہ سے اپنی شہوت اور جنسی خیالات میں ہیجان پائے گا، اور ایسی صورت میں وہ اس کے سوا کوئی اور چارۂ کار نہیں پائے گا کہ شہوت کے جوش اور جنسی بھوک کو مٹانے کے لیے اس گندی عادت کی طرف متوجہ ہو۔ اس لیے یہ سوچنا چاہیئے کہ ان پراگندہ خیالات اور منتشر افکار سے بچنے کا علاج اور طریقہ کیا ہے تاکہ اس برے نتیجہ اور دردناک انجام میں گرفتار نہ ہو۔

علاج

علاج یہ ہے کہ ہم قریب البلوغ لڑکوں کو یہ سمجھائیں کہ وہ اپنا وقت کس طرح گزاریں، اور وقت کس طرح پاس کریں وقت گزارنے اور فراغت کو پر کرنے کے بہت سے طریقے اور مختلف میدان ہیں۔ اور وہ یہ کہ یا تو انسان جسمانی ریاضت میں لگ جائے جس سے جسم کو قوت حاصل ہو، یا ایسی پاکیزہ سیر و تفریح میں مشغول ہو جس میں قابل اعتماد ساتھی

ساتھ ہوں، اور اس طرح سے دماغی بوجھ ہلکا کرے۔ یا کسی ایسے مطالعہ میں منہمک ہو جائے جو اسے علمی میدان میں فائدہ پہنچائے، یا کسی دست کاری وغیرہ میں مشغول ہو کر اپنے رجحانات کو جلا بخشے۔ یا کسی دینی درس میں شریک ہو جائے جس سے اس کے اخلاق درست ہوں، یا کسی ثقافتی وعلمی مقابلہ میں شریک ہو جس سے عقل میں تیزی آئے، یا تیراندازی وغیرہ دوسرے وسائل جہاد وغیرہ کی مشق کرے تاکہ جہاد کی تیاری کر سکے، اور اس کے علاوہ دوسرے اور وہ فائدہ بخش میدان اور وسائل جو فکر کو غذا پہنچائیں اور روح کو بالیدگی اور جسم کو قوت اور اخلاق کو رفعت وبلندی۔

۵۔ اچھے ساتھی

قریب البلوغ نوجوانوں کی تربیت کے سلسلہ میں مربی کو جس چیز کا سب سے زیادہ خیال رکھنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ ان کے لیے نیک صالح قابلِ اعتماد ایسے ساتھیوں کا انتخاب کرے کہ اگر وہ بھول جائے تو یہ اسے یاد دلائیں، اور اگر اس میں انحراف وکجی آئے تو وہ اس کے ساتھ خیر خواہی کریں۔ اور اگر راہِ راست پر چلتا رہے تو اس کی امداد کریں اور اگر اسے کوئی آفت وپریشانی پیش آگئی ہے تو اس کے ساتھ غم خواری وہمدردی کریں۔

اور کہا جاتا ہے کہ ایسے مطلوبہ رفقا بہت کم ہوتے ہیں خاص طور سے ہمارے اس زمانے میں جس میں مخلص دوست اور قابلِ اعتماد ساتھی کا ملنا مشکل ہو گیا ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ایسے ساتھی کم ہیں لیکن ایسے لوگ پھر بھی ہر جگہ کثرت سے موجود ہیں جو اپنے چہرے وپیشانی پر سجدے کے نشانات سے پہچانے جاتے ہیں۔ اور اپنے بلند اخلاق اور راہِ راست پر چلنے کی وجہ سے ممتاز ہیں، اس لیے نوجوانوں کو چاہیئے کہ ایسے لوگوں کو تلاش کریں، اور جب ایسے لوگ مل جائیں تو ان کے دامن کو مضبوطی سے تھام لیں تاکہ پریشانی کے وقت وہ اس کے معاون اور زندگی میں درپیش مسائل اور فتنوں میں مددگار ہوں اور ایسے منتخب جگری دوست ہوں جن پر بھروسہ کیا جا سکے اور ان کی طرف رجوع اور ان پر اعتماد کیا جا سکے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان اپنے دوست کا ہم مذہب ہوتا ہے اور ساتھی ساتھی ہی کی اقتدا کرتا ہے، اور پرندے اپنے ساتھیوں کے پاس ہی اترتے ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعی بالکل سچ فرمایا ہے جسے امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

«المرء علی دین خلیله فلینظر أحدکم من یخالل».

انسان اپنے دوست کے مذہب پر ہوتا ہے اس لیے تم میں سے ہر شخص کو چاہیئے کہ وہ دیکھ لے کہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔

✽ ✽ ✽ ✽ ✽

اور اتنی بات یقینی طور سے معلوم ہے کہ جو شخص گناہگاروں فاسقوں فاجروں اور برے کام کرنے والوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے تو وہ اس کو لازمی طور سے گمراہی ہی کی طرف لے جائیں گے، اور فسق وفجور کی طرف ہی ڈھکیلیں گے۔ اور شخصی منافع اور دنیوی اغراض کی وجہ سے ہی اس کی دوستی اختیار کریں گے۔

اس لیے اگر ہمارے نوجوان یہ چاہیں کہ ان کا ایمان مضبوط اور راسخ ہو اور ان کے اخلاق پاکیزہ و بلند ہوں اور ان کا جسم صحیح سالم و طاقتور ہو تو ان کو چاہیئے کہ وہ برے ساتھیوں اور گندے دوستوں سے بچیں۔

انہیں چاہیئے کہ نیک ساتھیوں اور مؤمن جماعت کو تلاش کریں، تاکہ دونوں جہان کی سعادت حاصل ہو۔ دنیا میں عزت و شرافت اور آخرت میں نجات حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں بالکل سچ فرماتے ہیں:

((اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ)) — الزخرف ۶۷

جتنے دوست ہیں اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر جو لوگ ڈرنے والے ہیں۔

۶۔ طبی تعلیمات پر عمل کرنا

علماء طب و صحت شہوانی خیالات کی روک تھام اور جنسی طغیانی اور سرکشی کی تیزی کم کرنے کے لیے مندرجہ ذیل امور کی نصیحت کیا کرتے ہیں:

۱: گرمی کے موسم میں ٹھنڈے حماموں میں جانا اور دوسرے موسم میں عضو تناسل پر ٹھنڈا پانی ڈالنا۔

۲: ریاضت، کھیل کود اور جسمانی ورزشیں کثرت سے اختیار کرنا۔

۳: ایسے کھانوں سے بچنا جو گرم مصالحوں وغیرہ پر مشتمل ہوں اس لیے کہ یہ چیزیں جذبات ابھارنے اور برانگیختہ کرنے والی ہوتی ہیں۔

۴: ان چیزوں کو کم استعمال کرنا جو پٹھوں میں حرکت و چستی پیدا کرتی ہیں جیسے کافی اور چائے۔

۵: گوشت اور انڈے کا کم استعمال کرنا۔

۶: چت یا اوندھے منہ نہ سونا بلکہ سنت یہ ہے کہ انسان دائیں کروٹ پر قبلہ کی طرف منہ کرکے لیٹے۔

۷۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے خوف کو محسوس کرتے رہنا

یہ بالکل مسلم بات ہے کہ نوجوان آدمی جب اپنے دل کی گہرائیوں سے یہ محسوس کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا اور اس کی نگرانی کر رہا ہے، اور اس کے ظاہر و باطن سے واقف ہے، اور آنکھوں کی خیانت اور دلوں کے بھید تک کو جانتا ہے، اور اگر اس نے کوتاہی یا زیادتی کی تو اللہ تعالیٰ اس کا حساب لے گا، اور اگر انحراف اختیار کیا یا راہ راست سے ہٹ گیا تو اللہ تعالیٰ سزا دے گا۔ ظاہر ہے اگر یہ سب کچھ محسوس کر لیا تو مہلک چیزوں گناہوں اور برے کاموں سے رک جائے گا اور منکرات و فواحش سے دور رہے گا۔

یہ بات بالکل یقینی ہے کہ علم و ذکر کی مجالس میں حاضر ہونا۔ اور فرض و نفل نماز پر مداومت کرنا، اور قرآن کریم کی تلاوت پر مواظبت اختیار کرنا، اور جب سب لوگ رات کو سوئے ہوئے ہوں تو اس وقت تہجد پڑھنا، اور مندوب و نفل روزوں پر مداومت اختیار کرنا، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و صالحین رحمہم اللہ کے واقعات سننا، اور نیک لوگوں کی رفاقت اختیار کرنا، اور مؤمن جماعتوں کے ساتھ تعلقات رکھنا، اور موت اور موت کے بعد جو کچھ پیش آئے گا اسے یاد کرنا مؤمن میں اللہ کی

خشیت کے پہلو اور اس کے مراقبہ اور اس کی عظمت کے احساس کو تقویت بخشتا ہے۔

اس لیے مسلمان نوجوانوں کو چاہیے کہ ان وسائل کو اختیار کریں جو ان کی نفوس میں اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے اور اس کے تقویٰ و خشیت کے عقیدہ کو قوی کریں۔ تاکہ جذبات برانگیختہ کرنے والی چیزیں اسے اپنی طرف مائل نہ کرسکیں اور دنیاوی زندگی کی فتنہ سامانیاں اسے امتحان میں نہ ڈالیں، اور وہ کسی ممنوع یا حرام میں گرفتار نہ ہوجائے، اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمانِ مبارک کو اپنے سامنے رکھنا چاہیئے:

((فَأَمَّا مَن طَغَىٰ ۝ وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۝ فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ۝ وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ۝)).	سو جس نے شرارت کی ہوا اور بہتر سمجھا ہو دنیا کا جینا سو دوزخ ہی اس کا ٹھکانا ہے اور جو کوئی ڈرا ہو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے اور روکا ہو اس نے نفس کو خواہش سے سو بہشت ہی اس کا ٹھکانا ہے۔
النازعات ۔ ۳۷ تا ۴۱	

۲: نشہ آور اور مخدرات استعمال کرنے کی وبا:

یہ ایک نہایت خطرناک اور تکلیف دہ وبا ہے جو ان معاشروں میں عام ہے جن میں اچھے اخلاق کی کوئی قدر و قیمت اور اسلامی تربیت کا کوئی احترام نہیں ہے۔

یہ وبا عام طور سے ہم ان بچوں میں کثرت سے پاتے ہیں جو در بدر پھرتے اور ان کا کوئی سرپرست اور اس کی تربیت و رہنمائی کرنے والا نہیں ہوتا، یا وہ بچے جو والدین و سرپرستوں کی غفلت اور عدم توجہی کی وجہ سے بے راہ روی کا شکار ہوجاتے اور برے راستہ پر چل پڑتے ہیں۔ اور گندے لوگوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے اور بدکرداروں کی صحبت اختیار کرتے ہیں، اور ان کی رفاقت کی وجہ سے ہر برائی اور گندے کام کو اپنا لیتے ہیں۔

اس بیماری پر پوری طرح سے بحث کرنے کے لیے تین امور پر گفتگو کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

۱۔ اس کی وجہ سے جو نقصانات پیدا ہوتے ہیں ان کا بیان۔
۲۔ اس کے بارے میں اسلام کا حکم۔
۳۔ اس کی بیخ کنی اور خاتمے کے لیے مؤثر علاج۔

نشہ آور اشیاء اور مخدرات کے استعمال سے جو نقصانات وجود میں آتے ہیں وہ یہ ہیں:

الف: صحت و عقل سے متعلق نقصانات

اطباء اور علماءِ صحت کے یہاں یہ بات طے شدہ ہے کہ نشہ آور اور مخدرات کا استعمال کرنا جنون، حافظہ کی کمزوری کا سبب بنتا ہے، اور بہت سے دوسرے اعصابی اور معدے اور آنتوں کے امراض پیدا کرتا ہے اور فکر و ذہن کی تیزی کو شل کردیتا ہے اور نظامِ ہضم میں

خرابی پیدا کرنا اور کھانے کی خواہش کو ختم کر دیتا ہے اور بھوک نہ لگنے کمزوری لاغری اور جنسی ضعف کا ذریعہ ہے اور رگوں اور پٹھوں کو سخت کر دیتا ہے اور اس کے علاوہ اور بہت سے خطرناک امراض بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔

اس وبا کے نقصانات کے سلسلے میں ہمارے لیے اتنا جان لینا کافی ہے کہ فرانس کے قومی اعداد و شمار کے ادارہ نے یہ لکھا ہے کہ شراب سے ہلاک ہونے والے فرانسیسیوں کی تعداد ان سے زیادہ ہے جو دق وسل کی بیماری کی وجہ سے ہلاک ہوئے ہیں، اس لیے کہ ۱۹۵۵ء میں شراب نوشی کی وجہ سے سترہ ہزار فرانسیسی لقمۂ اجل بنے جب کہ اسی سال دق وسل کے مرض سے صرف بارہ ہزار آدمی ہلاک ہوئے۔

ب: اقتصادی نقصانات یہ بات سب کو معلوم ہے کہ جو شخص شراب اور نشہ آور چیزیں استعمال کرتا ہے وہ ان گندی چیزوں کے لیے اپنے مال کو بلا حساب کتاب بلا دریغ آسانی سے ضائع کر دیتا ہے۔ اور اس طرح پیسہ خرچ کر کے مال کا جو ضیاع اور خاندان کی بربادی اور فقر و فاقہ کو دعوت دی جاتی ہے۔ وہ کوئی مخفی بات نہیں۔ ساتھ ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان چیزوں کا عادی پیداواری صلاحیت میں کمزور اور اقتصادی حالت میں ڈھیلا ڈھالا اور ترقی کے میدان میں پیچھے رہ جاتا ہے اس لیے کہ شراب نوشی اور مخدرات کے استعمال کی وجہ سے وہ شخص کمزوری گمنامی اور دوسرے جسمانی اور نفسیاتی امراض کا شکار ہو جاتا ہے۔

قاہرہ سے نکلنے والا اخبار "الاہرام" اپنے ۱۹۶۵/۵/۳ء کے شمارے میں لکھتا ہے کہ:

بہتّر ملین امریکی شراب نوشی کرتے ہیں، جن میں سے بیس ملین وہ امریکی ہیں جو حکومت کو ہر سال دو بلین ڈالر کا نقصان پہنچاتے ہیں اس لیے کہ وہ اپنے کام و ڈیوٹی سے غائب رہتے ہیں۔

ج: نفسیاتی، اخلاقی اور معاشرتی نقصانات نشہ آور اور مخدرات استعمال کرنے والا شخص بہت سی گندی صفات سے متصف ہوتا ہے، اور بہت سی قبیح اور بری عادتوں کا عادی بن جاتا ہے جیسے کہ جھوٹ اور بزدلی اور اخلاقی اقدار اعلیٰ کارناموں کو معمولی و حقیر سمجھنا، اور ایسا شخص جرائم کا ارتکاب کرنے لگ جاتا ہے مثلاً چوری و بے حیائی کے کام اور دوسروں پر ظلم و زیادتی کرنا اور اخلاق کے بگڑنے۔ ارادہ کے کمزور ہونے اور فرض کے احساس نہ کرنے کا شکار ہو جاتا ہے۔

یہ نقصان اس کے علاوہ ہے جو وہ اپنے وقت کو بدقماش ساتھیوں اور بدکردار دوستوں کے ساتھ مل کر برائی کے اڈوں میں تباہ کن گناہوں اور حرام کاری وغیرہ میں مشغول ہو کر اپنی آخرت خراب کرتا ہے۔

یہ ایک واقعی بات ہے کہ استعماری حکومتیں نشہ آور اور مخدر اشیاء کو رائج کر کے دوسری قوموں کی شان و شوکت ختم کرنے اور امت کے اخلاق بگاڑنے اور جہاد اور مقابلہ و مدافعت کی روح کو ختم کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں اور مصر اب تک برابر مخدرات اور نشہ آور اشیاء کی اس جنگ کو جھیل رہا ہے جو وہاں پھیلا دی گئی تھی۔ اور برطانوی استعمار نے اس

کے بیچ گذشتہ ربع صدی میں ہوئے تھے، جیسے کہ انگلینڈ نے اس چین پر حملہ کیا تھا جس نے افیم کی تجارت پر پابندی لگا دی تھی اور اسے افیم کی جنگ کہا جاتا ہے۔

رہا نشہ آور اشیاء اور مخدرات کے استعمال کے بارے میں شرعی حکم تو وہ یہ ہے کہ اسلام اسے بالاجماع ناجائز وحرام قرار دیتا ہے اور وہ مندرجہ ذیل ادلہ کی وجہ سے:

اللہ تبارک وتعالیٰ شراب کی حرمت کے بارے میں فرماتے ہیں:

((يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ۝))[1] المائدہ ۹۰ و ۹۱

اے ایمان والو یہ جو ہے شراب اور جوا اور بت اور پانسے سب شیطان کے گندے کام ہیں۔ سو ان سے بچتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ تم میں دشمنی اور بیر ڈالے، شراب اور جوئے کے ذریعہ، اور تم کو روکے اللہ کی یاد سے اور نماز سے سو تم اب بھی باز آؤ گے۔

اس کی حرمت کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان مبارک کو ابوداؤد اس طرح روایت کرتے ہیں:

((لعن الله الخمر وشاربها وساقيها ومبتاعها وبائعها وعاصرها ومعتصرها وحاملها والمحمولة إليه)).

اللہ کی لعنت ہو شراب پر اور اس کے پینے والے اور پلانے والے اور خریدنے والے اور بیچنے والے اور نچوڑنے والے اور نچوڑوانے والے اور اس کے اٹھانے والے پر اور اس پر جس کے لیے اسے اٹھا کر لے جایا جا رہا ہے۔

* * *

---

[1] بعض مریض القلب لوگ یہ کہتے ہیں کہ لفظ "فاجتنبوہ" میں حرام ہونے پر دلالت نہیں پائی جاتی، اور اگر بالفرض شراب حرام ہوتی تو قرآن کریم میں یوں آتا: "فحرموہ" حالانکہ یہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ شراب کی حرمت پر دلالت کرنے والے سات ادلہ یہاں موجود ہیں: ۱۔ شراب کو جوے اور بتوں اور فال کے تیروں کے ساتھ ملایا گیا ہے۔ ۲۔ شراب کو رجس وگندگی قرار دیا گیا۔ ۳۔ شراب کو عمل شیطان سے تعبیر کیا گیا۔ ۴۔ فاجتنبوہ امر کا صیغہ ہے جو رکنے کے وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ ۵۔ شراب عداوت اور بغض میں گرفتار کرتی ہے۔ ۶۔ شراب اللہ کے ذکر اور نماز سے روکتی ہے۔ ۷۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان مبارک ((فهل أنتم منتهون)) میں استفہام انکاری کا صیغہ لایا گیا۔ لہٰذا حرام ہونے پر کیا اس سے زیادہ بھی کوئی قطعی ادلہ ہو سکتے ہیں۔ لیکن بات یہ ہے کہ ظالم اللہ کی آیات کی تکذیب کرتے ہیں۔

فتور پیدا کرنے والی اور نشہ آور اشیاء کی حرمت پر بے شمار ادلہ دلالت کرتے ہیں، جن میں چند آپ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں

الف۔ ان چیزوں کا اللہ تعالیٰ کے اس فرمانِ مبارک کے عموم میں شامل ہونا:

((وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ)) الاعراف، ۷: ۱۵۷

اور حلال کرتا ہے ان کے لیے سب پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر ناپاک چیزیں۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان:

((لا ضرر ولا ضرار)) مسند احمد وابن ماجہ

نہ نقصان اٹھانا ہے اور نہ نقصان پہنچانا۔

ب۔ یہ چیزیں اس نہی کے ضمن میں داخل ہیں جسے امام احمد اپنی مسند اور ابو داؤد اپنی سنن میں سندِ صحیح سے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نشہ آور اور فتور پیدا کرنے والی چیز سے منع فرمایا ہے، اور مخدرات بھی اس نہی کے تحت داخل ہیں اس لیے کہ وہ بھی فتور پیدا کرنیوالی ہیں۔

ج۔ یہ چیزیں بھی شراب کی حرمت پر دلالت کرنے والا، ادلہ کے ضمن میں داخل ہیں۔ اس لیے کہ یہ بھی عقل پر پردہ ڈال دیتی ہیں۔ اور اس کو اس کی طبیعتِ اصلیہ جس میں ادراک اور حکومت کی شان ہوتی ہے اس سے نکال دیتی ہیں چنانچہ امام بخاری و مسلم روایت کرتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر لوگوں کے سامنے یہ اعلان فرمایا کہ: الخمر ما خامر العقل شراب وہ ہے جو عقل کو مدہوش کردے، یہ جملہ شراب کے مفہوم کو متعین کرتا ہے تاکہ اشتباہ میں پڑنے والوں کے سوالات زیادہ نہ ہوں، چنانچہ ہر وہ چیز جو عقل میں فتور پیدا کرے اور اس کو اس کی اس طبیعت سے نکال دے جو ادراک اور حکومت کی اسے دی گئی ہے تو وہ چیز قیامت تک کے لیے حرام اور شراب میں داخل ہوگی۔

انہی میں سے وہ چیزیں بھی ہیں جو مخدرات کے نام سے پہچانی جاتی ہیں جیسے کہ حشیش کوکین اور افیم وغیرہ اس لیے کہ یہ چیزیں عقل پر بہت زیادہ اثر کرتی ہیں اور ان کا استعمال کرنے والے دور کو قریب اور قریب کو دور محسوس کرنے لگتا ہے، اور جو چیز واقعۃً نہیں ہوتی اسے اپنے خیال میں یہ سمجھتا ہے کہ وہ واقع ہوگئی ہے، اور خیالات اور توھمات کے سمندر میں غوطے لگانے لگتا اور خیالات کی وادی میں گھومنے لگتا ہے، اور اپنے آپ کو اور دین و دنیا کو بھول جاتا ہے۔ اور قرافی اور ابن تیمیہ نے حشیش (بھنگ) کے حرام ہونے پر اجماع نقل کیا ہے، اور حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ: جس نے اس حشیش کو حلال سمجھا وہ کافر ہوگیا۔

یہاں ایک پہلو تشنہ رہ گیا ہے جس کے بارے میں بعض لوگ کبھی سوال کرتے ہیں اور وہ ہے دوا کے طور پر شراب کا

استعمال کرنا؛ اور اس کا جواب وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں دیا تھا جسے امام مسلم واحمد وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ آپ سے ایک صاحب نے شراب کے بارے میں پوچھا تو آپ نے ان کو اس سے روک دیا تو ان صاحب نے کہا کہ میں تو اسے دواءً استعمال کرتا ہوں تو نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ان سے فرمایا:

((إنه ليس بدواء ولكنه داء)). یہ دوا نہیں ہے بلکہ یہ تو بیماری ہے۔

اور ابوداؤد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((إن الله أنزل الداء والدواء وجعل لكل داء دواء فتداووا ولا تداووا بحرام)). اللہ تعالیٰ نے بیماری اور دوا دونوں نازل فرمائی ہیں۔ اور ہر بیماری کے لیے دوا مقرر کی ہے اس لیے علاج کرو لیکن حرام چیز سے علاج نہ کرنا۔

✧ ✧ ✧ ✧

اور امام بخاری حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نشہ آور چیز کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((إن الله لم يجعل شفاءكم فيما حرم عليكم)). اللہ تعالیٰ نے تمہاری شفاء ان چیزوں میں نہیں رکھی جو تم پر حرام کردی گئی ہیں۔

✧ ✧ ✧ ✧

یہ تمام نصوص اس بات پر قطعی دلالت کرتی ہیں کہ دوا کے طور پر صرف تنہا شراب کا استعمال کرنا ناجائز وحرام ہے اس کا پینے والا گناہگار ہوگا۔

لیکن بعض دواؤں میں ایک مقرر مقدار میں ضرورت کی وجہ سے جو الکحل ملایا جاتا ہے تاکہ مثلاً اسے خراب ہونے سے بچایا جاسکے، تو اگر یہ معلوم ہو کہ شفایابی کے لیے اسی دوا کا استعمال ضروری ہے اور اس دوا کا تجویز کرنے والا طبیب مسلمان اور ماہر ہو اور اللہ سے ظاہراً وباطناً ڈرتا ہو تو اس دوا کا استعمال کرنا درست ہے، اس لیے کہ شریعت کے بنیادی احکامات کا مدار یسر وآسانی پر رکھا گیا ہے اور تکلیف ومشقت سے بچایا گیا اور لوگوں کے مصالح کو محقق وآسان بنایا گیا ہے اور اس سلسلہ میں اصل بنیاد اللہ تبارک وتعالیٰ کا مندرجہ ذیل فرمانِ مبارک ہے:

((فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ﻁ)) البقرۃ پھر جو کوئی بے اختیار ہو جائے نہ تو نافرمانی کرے اور نہ زیادتی تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔

★ — **اس لعنت کا مفید وحقیقی علاج مندرجہ ذیل وسائل کے استعمال میں ہے:**

الف ۔ اچھی ونیک تربیت۔

ب ۔ ان کے اسباب کی روک تھام۔
ج ۔ اس کا ارتکاب کرنے والوں کو سزا دینا۔

الف ۔ نیک و اچھی تربیت اس طرح سے ہوتی ہے کہ شروع ہی سے بچے کی صحیح تربیت کی جائے، اور اس میں اللہ تعالیٰ پر ایمان، اس کا خوف وخشیت، اور ظاہراً و باطناً اس کے دیکھنے اور حاضر وناظر ہونے کے عقیدہ کو مضبوط کیا جائے، اس لیے کہ اس کے ضمیر کے سنوارنے اور نفس کی اصلاح اور اخلاق کی بلندی میں اچھی تربیت کا بڑا اثر پڑے گا۔ اور تاریخی اعتبار سے یہ بات معروف ہے کہ جب اہل عرب نے اسلام کو پالیا اور ایمان قبول کرلیا اور اس میں داخل ہوگئے اور ان کی ضمیر نے اللہ کے مراقبہ کی تربیت حاصل کرلی، اور ان کی نفوس میں اللہ کا خوف بیٹھ گیا، اور اسی سے مدد مانگنے اور اس پر اعتماد کرنے لگے تو انہوں نے تمام وہ گندی عادتیں چھوڑ دیں جن میں زمانۂ جاہلیت میں بخوشی ورضا مشغول تھے۔

چنانچہ مثال کے طور پر ہم اسلام لانے سے قبل عرب کے جاہلوں کے شراب سے تعلق ہی کو لے لیں کہ وہ اس کے کیسے گرویدہ اور مداح تھے، اور کس طرح مختلف انداز میں اس کی توصیف بیان کرتے تھے، دیکھیے شراب سے تعلق کو ان کا ایک شاعر کس انداز سے بیان کرتا ہے:

إذا مت فادفنّي إلى جنب كرمة ترّوي عظامي بعد موتي عروقها

جب میں مر جاؤں تو مجھے انگور کے درخت کے پہلو میں دفن کردینا جس کی جڑیں میرے مرنے کے بعد میری ہڈیوں کو سیراب کرتی رہیں گی

اور انہوں نے شراب کے کتنے نام اور لقب گھڑ رکھے تھے انہیں سنیئے: مدامۃ، سلافۃ، راح، صہباء، ابنۃ العنقود ابنۃ الکرم، بنت الدنان، بنت الحان ... وغیرہ وغیرہ وہ نام اور لقب جن کی تعداد سو سے زیادہ ہے۔

لیکن اس سب کے باوجود جب ان کو یہ اطلاع ملی کہ شراب حرام قرار دے دی گئی ہے تو ان سب نے بیک زبان کہا: اے ہمارے رب ہم اس سے رک گئے۔ اور ان کے پاس مٹکوں میں جو بھی شراب کا ذخیرہ تھا اسے مدینہ منورہ کی سڑکوں اور گلیوں میں بہادیا، ایمان کا نور اور بشاشت جب دل میں داخل ہوجائے اور اس کی جڑیں ضمیر ونفس میں مضبوط ہوجائیں تو ایمان اسی طرح کے عجائبات پیش کرتا ہے۔ بلکہ اصلاح وتہذیب کے سلسلہ میں ایسا بڑا کارنامہ انجام دیتا ہے جو حکومتیں بھی انجام نہیں دے سکتیں، اور اس کو وجود میں لانے میں عظیم بیڑے بھی ناکام ہوجاتے ہیں۔ اس لیے آپ سوچ لیجیے کہ انسانی معاشرے سے اس جیسے ایمان اور اس جیسی اچھی تربیت کے کس قدر محتاج ہیں۔

ب۔ رہا اس لعنت کے اسباب کی روک تھام کرنا تو وہ ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو حکومت کے مالک اور اور نفاذ کی طاقت رکھتے ہیں۔ لہٰذا اگر حکومت بازاروں اور تمام جگہوں میں شراب اور اس کی تمام انواع واقسام پر پابندی لگادے، اور اس کی بیخ کنی کرنے اور ختم کرنے کے لیے تمام اسباب کو بروئے کار لائے تو پھر اس کے

دلدادہ اور پینے والوں پر اس کے دروازے بند ہو جائیں گے۔ اور اسے کوئی نوجوان بھی نہیں پی سکے گا اور نہ کوئی فاسق وفاجر کسی طریقے سے اس کو حاصل کر سکے گا۔

ج۔ اسے استعمال کرنے والوں کی سزا: اسلام نے ہر اس شخص کے لیے شدید سزا مقرر کی ہے جو اسے استعمال کرتا ہے۔ اس سزا کی مقدار چالیس سے اسی کوڑوں تک ہے[1]۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو لوگ اسے فروخت کرتے ہیں اس کا کاروبار کرتے ہیں یا اسے ادھر ادھر پہنچاتے ہیں انکو اس کے علاوہ کوئی تعزیری سزا قید جرمانہ یا ملک بدری وغیرہ نہیں دی جا سکتی۔

اگر حکومتیں واقعی ان برائیوں کا سدباب کرنا چاہیں تو ان کو چاہیے کہ وہ سزا دینے کے ایسے ادارے وجود میں لائیں جو نشاط اخلاص اور تدبر و حزم اور استقامت میں معروف ہوں تاکہ وہ اپنا کام بہترین طریقے سے انجام دے سکیں جس کی بدولت ممکن ہے کہ معاشرہ شراب کی تباہی اور مخدرات کے مضر اثرات ونقصانات سے بچ جائے۔

◉◉◉◉◉◉◉◉

۴۔ زنا اور لواطت کی لعنت

قریب البلوغ لڑکوں اور نوجوانوں میں پائی جانے والی یہ نہایت خطرناک معاشرتی بیماری ہے۔ ہمیں کتنے ہی ایسے لڑکوں کے بارے میں اطلاعات ملی ہیں جو اب تک بالغ بھی نہیں ہوئے لیکن اپنے والدین اور رشتہ داروں کی غفلت کی وجہ سے برائی اور گندگی کے راستہ پر چل پڑے، اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اخلاقی بے راہ روی اور بے حیائی کی دلدل میں پھنس گئے اور ہلاکت وتباہی کے گڑھوں میں دفن ہو گئے۔

والدین اور سرپرستوں کے لیے یہ بات نہایت تکلیف دہ ہوتی ہے کہ وہ یہ دیکھیں کہ ان بچوں اور جن کے وہ کفیل ہیں ان کی فطرت مسخ ہو گئی اور اخلاق پست ہو گئے اور رذالت اور بے حیائی کی دلدل میں پھنس گئے ہیں لیکن جب والدین و مربی اپنے جگر گوشوں اور دل کے ٹکڑوں کو برائیوں کی دلدل میں پھنسا ہوا اور فساد و بے حیائی کے تالابوں میں ڈوبتا ہوا دیکھ لیں تو کیا اسی وقت ان کو آہوں یا حسرت کے اظہار سے کوئی فائدہ حاصل ہوگا۔؟!

اگر یہ لوگ ان کو اچھے اخلاق سکھاتے، اور ان کے چال چلن اور اٹھنے بیٹھنے اور حرکات وسکنات کی مکمل نگرانی کرتے، اور ان کے دوستوں اور اٹھنے بیٹھنے والوں کو پہچان لیتے تو ان کے بچے اس تکلیف دہ صورت حال اور اس رسواکن انجام تک ہرگز نہ پہنچتے۔

بچوں کے اخلاقی بگاڑ اور معاشرتی انحراف کا والدین اور سرپرستوں کے علاوہ اور کون مسؤل اول اور حقیقی ذمہ دار ہوگا؟

---

[1] حنفیہ کے یہاں شراب نوشی کی سزا اسی کوڑے مقرر ہیں۔

ان کے کرتوتوں اور تصرفات وحرکات وسکنات پر والدین وسرپرستوں کے علاوہ کون نظر رکھ سکتا ہے؛
والدین اور سرپرستوں کے علاوہ کون شخص ہے جو ان بچوں کی مکارم اخلاق اور شرافت وفضیلت کے بنیادی اصولوں کی طرف رہنمائی کرسکتا ہے، اور کون ان کے سامنے برائیوں اور منکرات کی قباحت بیان کرسکتا ہے؟
اس لیے باپ اور ماں ہی بچے کی تربیت کے پہلے اور آخری مسئول اور ذمہ دار ہیں۔ پھر ان کے بعد یہ ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے اور پھر اس کے بعد یہ معاشرہ کی مسئولیت ہے۔
اس توجیہی نوٹ کے بعد اب ہم اس لعنت کے سلسلہ میں تین امور پر بحث کرتے ہیں:
۱۔ اس لعنت سے جو نقصانات وجود میں آتے ہیں ان کا بیان۔
۲۔ اس کے بارے میں اسلام کا فیصلہ۔
۳۔ اس کی بیخ کنی اور خاتمہ کے لیے مؤثر علاج۔

وہ نقصانات جو زنا اور لواطت کی بیماری کی وجہ سے وجود میں آتے ہیں وہ بہت خطرناک ہیں جو ترتیب وار درج ذیل ہیں

الف۔ صحت اور جسم کو پہنچنے والے نقصانات:

زنا اور لواطت کی وجہ سے مندرجہ ذیل امراض پیدا ہوتے ہیں:

۱۔ آتشک کی بیماری جس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ اعضاء تناسل یا ہونٹ یا زبان یا پپوٹوں پر زخم یا ورم آجائے، اور جسم کے مختلف حصوں پر سفید داغ پڑجاتے ہیں۔ اور اس بیماری کی وجہ سے خطرناک مرض شل ہونا اور اندھے پن اور رگوں وشرایین میں سختی، اور سینے میں درد اور جسمانی بناوٹ میں خرابی اور زبان کا سرطان اور بعض اوقات دق وسل کی بیماری پیدا ہوجاتی ہے اور کبھی کبھی یہ بیماری بیوی یا بچوں میں بھی سرایت کرجاتی ہے اور یہ بیماری متعدی بیماریوں میں سے ہے۔ اور جسم کے لمس اور لعابِ دہن کے ذریعہ بھی سرایت کرجاتی ہے۔

۲۔ سیلان یا سوزاک اس بیماری کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ پیشاب کے وقت درد یا سخت جلن ہونا اور مردوں کو پیشاب کے راستے پیپ آنا اور عورتوں کو رحم اور پیشاب کی نالی سے پیپ آنا یا درد محسوس ہونا۔ اور سیلان کی وجہ سے مردوں کے خصیتین اور مثانہ میں سوزش ہوجاتی ہے۔ اور پیشاب کی نالی کا تنگ ہوجانا اور عورتوں کے رحم اور بیضتین اور گردوں میں سوزش ودرد اور جلن ہوتی ہے۔ اور سوزاک کی بیماری کی وجہ سے کبھی کبھی مرد وعورت بانجھ بھی ہوجاتے ہیں اور مرد کی پیشاب کی نالی میں زخم ہوجاتے ہیں جس کی وجہ سے عام طور سے پیشاب بند ہوجاتا ہے، اور اس پیشاب کے رکنے سے کبھی کبھی جان بھی نکل جاتی ہے۔

۲۔ متعدی امراض کا پھیل جانا زنا اور لواطت کی وجہ سے جو بیماریاں پیدا ہوتی ہیں ان میں سے بہت سے خطرناک متعدی امراض کا پیدا ہونا بھی ہے۔ اس لیے کہ مہلک جراثیم مریض سے تندرست کی طرف منتقل ہوجاتے ہیں اور جماع کے دوران جو گندگی وجود میں آتی ہے وہ بھی اس کا باعث بنتی ہے۔

اس قسم کے متعدی امراض بہت زیادہ ہیں جو نہایت خوفناک شکل اختیار کرگئے ہیں. اور جن معاشروں میں زنا و لواطت عام ہے اور جس سرزمین میں بے حیائی اور اخلاق سوز حرکتیں کثرت سے پائی جاتی ہیں وہاں یہ خطرناک صورت اختیار کرگئے ہیں۔

صادق و مصدوق نبی اکرم محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ بتلایا تھا کہ جب کسی قوم میں زنا عام ہوجائے تو اللہ تعالیٰ ان کو ایسی بیماریوں اور امراض میں مبتلا کردیتے جو ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں میں نہیں پائے جاتے تھے واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کتنی سچی اور درست بات فرمائی تھی، چنانچہ ابن ماجہ اور بزار اور بیہقی روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے ارشاد فرمایا،

((یامعشر المهاجرين: خمس خصال إذا ابتليتم بهن وأعوذ بالله أن تدركوهن عددمنها:... ولم تظهر الفاحشة قط يعمل بها علانية إلا فشا فيهم الطاعون والأوجاع التي لم تكن في أسلافهم ...))

اے مہاجرین کی جماعت! پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ اگر تم ان میں مبتلا ہوگئے اور میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ تم ان میں مبتلا ہو اور پھر آپ نے انہیں شمار کرایا، اور نہیں ظاہر ہوتی فاحشہ (بے حیائی کا کام زنا وغیرہ) کسی قوم میں کہ اسے کھلم کھلا کیا جائے مگر یہ کہ ان میں طاعون اور ایسی بیماریاں پھیل جاتی ہیں جو ان کے اسلاف میں نہیں پائی جاتیں

اس لیے سمجھداروں اور عقلمندوں کو سمجھ لینا چاہیئے۔

ب ۔ معاشرتی، اخلاقی اور نفسیاتی نقصانات

اس لعنت کے نقصان دہ اور خطرناک ہونے کیلیے اتنی بات ہی کافی ہے کہ اس سے نسب میں اختلاط اور نسل کا ضیاع ہوتا اور عزت وآبرو کی پامالی اور شہامت و مروت کا جنازہ نکل جاتاہے اور معاشرہ ٹوٹ پھوٹ جاتاہے۔ اور مرد و زن کے تعلقات خراب ہوتے ہیں. اور خاندان کی وحدت پارہ پارہ ہوجاتی ہے' اور آدمی بے حیائی اور گندگی کی دلدل میں پھنس کر رہ جاتاہے۔ اور مردانگی اور عزت وکرامت کھو بیٹھتا ہے۔

اور اس کی قباحت شر اور برائی وفساد کے اظہار کے لیے یہی بات کافی ہے کہ اس کی وجہ سے معاشرہ میں ایسے بچوں کی بہتات ہوجاتی ہے جن کا نہ کوئی نسب ہوتا ہے نہ عزت وکرامت ، اور آزادی و بے راہ روی کا سیلاب قوم کے جوانوں

اور عورتوں سب کو بہا کر لے جاتا ہے۔ اور جب یہ صورت حال ہو تو ظاہر ہے کہ نہ اخلاق کی کوئی قدر ہوگی اور نہ عزت وشرافت کی کوئی قیمت واعتبار۔

آپ ہی بتائیں کہ اس معاشرہ کی کیا حیثیت ہوگی جس کے اخلاق تباہ، حیا ختم۔ اور وحدت وتشخص پارہ پارہ ہوگیا ہو ایسے معاشرہ کی کیا قیمت ہوگی جس کے بچے آزاد بے سر وسامان ہوں اور عورتیں آبرو باختہ اور مرد بدکردار ہوں ایسے معاشرہ کی کیا قیمت ہوگی جس پر شہوات رانی اور جنسی جذبات کی حکومت اور شہوانی خیالات کا غلبہ ہو اور وہ سوائے جنس اور حرام کاری کے کوئی اور کام نہ جانتا ہو، اور جنسی خواہش اور شہوت رانی کے علاوہ اس کا کوئی مقصود نہ ہو۔

ظاہر بات ہے کہ ایسا معاشرہ ڈھیلا ڈھالا، بے کار، ٹکڑے ٹکڑے اور ہر لمحہ زوال وتباہی کا نشانہ بنا رہے گا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآن کریم میں بالکل سچ فرمایا ہے:

«وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا» الاسراء - ۱۶

اور جب ہم نے چاہا کہ غارت کریں کسی بستی کو حکم بھیج دیا اس کے عیش کرنے والوں کو پھر انہوں نے اس میں نافرمانی کی تب ثابت ہوگئی ان پر بات پھر اکھاڑ مارا ہم نے ان کو اٹھا کر۔

◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉

رہا زنا اور لواطت کے بارے میں اسلام کا فیصلہ اور حکم، تو وہ باتفاق فقہاء ومجتہدین قطعی طور سے حرام ہے جسکی دلیلیں درج ذیل ہیں:

زنا اس لیے حرام ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

«وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا» الاسراء۔ ۳۲

اور زنا کے پاس نہ جاؤ وہ بے حیائی اور بری راہ ہے۔

اور فرمایا:

«وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ۝ يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا» الفرقان۔ ۶۸، ۶۹

اور وہ لوگ کہ نہیں پکارتے اللہ کے ساتھ دوسرے حاکم کو اور نہیں خون کرتے جان کا جو اللہ نے منع کردی مگر جہاں چاہیے اور بدکاری نہیں کرتے، اور جو کوئی یہ کام کرے وہ جا پڑا گناہ میں، دگنا ہوگا اس کو عذاب قیامت کے دن اور پڑا رہے گا اس میں خوار ہو کر۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث میں جسے امام بخاری ومسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے فرماتے ہیں:

«لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مؤمن...»۔ نہیں زنا کرتا زانی جب کہ وہ زنا کر رہا ہو اور پھر بھی مومن بھی ہو۔

اور طبرانی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

«إن الزناۃ تشتعل وجوھھم نارًا»۔ زنا کاروں کے چہروں پر آگ بھڑک رہی ہوگی۔

اور حاکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

إذا ظھر الزنی والربا فی قریۃ فقد أحلوا بأنفسھم عذاب اللہ»۔ جب کسی بستی میں زنا اور ربا عام ہو جائے تو اس بستی والوں نے اپنی اوپر اللہ کا عذاب نازل کر لیا۔

اور ابن ابی الدنیا اور خرائطی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

«الزانی بحلیلۃ جارہ لا ینظر اللہ إلیہ یوم القیامۃ ولا یزکیہ ویقول: ادخل النار مع الداخلین»۔ اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرنے والے کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت میں نہ نظر فرمائیں گے نہ اس کو پاک صاف کریں گے اور فرمائیں گے: دوزخ میں داخل ہونے والوں کے ساتھ دوزخ میں داخل ہوجا۔

٭ ٭ ٭

رہا لواطت کا حرام ہونا تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

«أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ۝»۔ تمام دنیا جہان والوں میں سے تم (یہ حرکت کرتے ہو کہ) مردوں سے بدفعلی کرتے ہو اور تمہارے پروردگار نے تمہارے لیے بیویاں پیدا کی ہیں انہیں چھوڑے رہتے ہو بات یہ ہے کہ تم حد سے گزر جانے والے ہی لوگ ہو۔

الشعراء-۱۶۵ و ۱۶۶

اور فرمایا:

«وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۡ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَىِٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ڏ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ۭ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝»۔ اور لوط کو (بھی ہم نے پیامبر بنا کر بھیجا) جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ بے شک تم تو ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا جہان والوں میں کسی نے نہیں کیا۔ ارے تم تو مردوں سے بدفعلی کرتے ہو اور تم رہزنی کرتے ہو اور تم بھری مجلس میں ممنوعات کا ارتکاب کرتے ہو۔ سو ان کی قوم کا (آخری) جواب بس یہی تھا کہ ہم پر عذاب لے آؤ اگر تم سچے ہو۔

العنکبوت-۲۸ و ۲۹

اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام اس حدیث میں جسے حاکم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے

فرماتے ہیں:

((ملعون من عمل عمل قوم لوط، ملعون من عمل عمل قوم لوط، ملعون من عمل عمل قوم لوط...)).

ملعون ہے وہ شخص جو قوم لوط والی حرکت کرے، ملعون ہے وہ شخص جو قوم لوط والا کام کرے، ملعون ہے وہ شخص جو قوم لوط والا کام کرے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ تین مرتبہ فرمایا، اور ابن ماجہ اور ترمذی نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں:

((أخوف ما أخاف على أمتي من عمل عمل قوم لوط)).

مجھے اپنی امت پر جس چیز کا سب سے زیادہ خوف ہے وہ وہ شخص ہے جو قوم لوط والا کام کرے۔

اور طبرانی و بیہقی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((أربعة يصبحون في غضب الله ويمسون في سخط الله)).

چار آدمی ایسے ہیں جو اللہ کے غضب میں صبح کرتے ہیں اور اس کی ناراضگی میں شام کرتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! وہ کون لوگ ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا:

((المتشبهون من الرجال بالنساء، والمتشبهات من النساء بالرجال، والذي يأتي البهيمة والذي يأتي الرجال)).

وہ مرد جو عورتوں سے مشابہت اختیار کرتے ہیں۔ اور وہ عورتیں جو مردوں سے مشابہت اختیار کرتی ہیں، اور وہ شخص جو چوپایے کے ساتھ بدفعلی کرتا ہے، اور وہ شخص جو مردوں کے ساتھ بدفعلی کرتا ہے۔

٭ ٭ ٭ ٭

شریعت نے زنا اور لواطت میں سے ہر ایک کیلئے مندرجہ ذیل سزا مقرر کی ہے

۱۔ زنا کی سزا:

شریعت نے زنا کی دو سزائیں مقرر کی ہیں:

الف: کوڑے مارنا اور شہر بدر کرنے کی سزا۔

ب: رجم وسنگسار کرنے کی سزا۔

کوڑوں اور شہر بدر کرنے کی سزا اس زانی کو دی جائے گی جو غیر شادی شدہ ہو، چاہے زنا کرنے والا مرد ہو یا عورت، لہٰذا اس کو سو کوڑے لگائے جائیں گے اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

((اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا

زناکار عورت اور زناکار مرد سو (دونوں کا حکم یہ ہے کہ) ان میں سے

مِائَةَ جَلْدَةٍ ۔ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝)) ۔

النور ۔ ۲

ہر ایک کے سو سو درے مارو۔ اور تم لوگوں کو ان دونوں پر اللہ کے معاملہ میں ذرا رحم نہ آنے پائے اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ اور چاہیے کہ دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر رہے۔

شہر بدر کرنے کی سزا حنفیہ کے یہاں تعزیر کے باب سے ہے۔ لہٰذا اگر امام کو اس میں فائدہ محسوس ہو تو اس کو شہر بدر کر دے گا، اور باقی ائمہ کے یہاں کوڑے لگانے کے بعد زانی کو شہر بدر کیا جائے گا اور اس کو اتنی دور بھیجا جائے گا جس میں نماز قصر نہ ہوتی ہو، اور شہر بدر کرنے کا فیصلہ خلفاء راشدین نے بھی کیا تھا۔ اور یہی بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں۔

۲۔ رجم کی سزا اس زانی کے لیے ہے جو شادی شدہ ہو اس لیئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث میں جسے امام بخاری و مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ:

((لا یحل دم امرئ مسلم یشھد أن لا إله إلا الله و أني رسول الله إلا بإحدى ثلاث: الثیب الزاني والنفس بالنفس والتارك لدینه المفارق للجماعة))۔

جو مسلمان یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور میں اللہ کا رسول ہوں اس کا خون بہانا سوائے تین باتوں میں سے ایک بات کے کسی صورت میں حلال نہیں۔ ایسا زانی جو کہ شادی شدہ ہو۔ اور قتل کے بدلے قتل کیا جائے گا۔ اور وہ شخص جو دین بدل دے اور جماعت مسلمین سے الگ ہو جائے۔

* * * * *

اور صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ اور غامدیہ عورت کے رجم کا حکم دیا تھا، اس لیے کہ ان دونوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زنا کا اعتراف کر لیا تھا اور وہ دونوں شادی شدہ تھے۔

۲۔ لواطت کی سزا

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ لواطت زنا کے حکم میں ہے لیکن اختلاف اس میں ہے کہ سزا کیا دی جائے گی؟ علامہ بغوی لکھتے ہیں کہ: لواطت کرنے والے کی سزا کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ کچھ حضرات یہ کہتے ہیں کہ لواطت کرنے والے کی سزا وہی ہے جو زنا کی سزا ہے اگر وہ شادی شدہ ہے تو اسے رجم کر دیا جائے گا اور اگر غیر شادی شدہ ہے تو سو کوڑے لگائے جائیں گے، اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ کے دونوں قولوں میں سے مشہور قول ہے، اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ لواطت کرنے والے کو رجم کیا جائے گا چاہے شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، اور امام مالک اور امام احمد یہی فرماتے ہیں۔ امام شافعی کا دوسرا قول یہ ہے

کہ ایسا کرنے والے اور کروانے والے دونوں کو قتل کر دیا جائے گا۔[1] حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ ایسے مجرم کو روکنے اور سزا دینے کے لیے امام اور حاکم جو سزا مناسب سمجھے وہ دے، اور اگر کوئی شخص یہ حرکت بار بار کرے اور اس سے باز نہ آئے تو سزا کے طور پر اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔

ذیل میں وہ نصوص پیش کی جاتی ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ایسا کرنے والے اور کروانے والے دونوں کو قتل کر دیا جائے گا جیسا کہ جمہور فقہاء مجتہدین کا مذہب ہے

امام ترمذی اور ابو داؤد اور ابن ماجہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من وجدتموہ یعمل عمل قوم لوط فاقتلوا الفاعل والمفعول بہ))۔

جس شخص کو تم قوم لوط والا کام کرتے ہوئے پاؤ تو اس کام کے کرنے والے اور کروانے والے دونوں کو قتل کر دو۔

٭ ٭ ٭ ٭

اور بیہقی وغیرہ مفضل بن فضالہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ ابن جریج سے وہ عکرمہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ نے فرمایا:

((اقتلوا الفاعل والمفعول بہ والذی یأتی البھیمۃ))۔

ایسا کرنے والے اور کروانے والے اور اس شخص کو جو چوپایہ سے بدفعلی کرے قتل کر ڈالو۔

اس لعنت کی بیخ کنی کا طریقہ اور علاج بالکل وہی ہے جو مشت زنی کی بیخ کنی کے سلسلہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ ان دونوں بیماریوں اور ان کے علاج کی حالت ایک دوسرے سے بالکل مشابہ ہے لہٰذا اس سلسلہ میں دوبارہ لکھنے اور کلام دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

محترم قارئینِ کرام! میں آپ کو ایک علاج اور بتائے دیتا ہوں اور وہ یہ کہ اس امت کے آخر والوں کی بھی انہیں چیزوں سے اصلاح ہوگی جس سے ان کے پہلوں کی ہوئی ہے۔ چنانچہ جیسے گذشتہ ادوار میں ہماری امت کی اصلاح اسلام کے نظام اور شریعت مطہرہ سے ہوئی ہے اور اسے قبول کر کے امتِ مسلمہ نے عزت وقوت اور شان وشوکت حاصل کی، اور اس کے قوانین واحکام پر چل کر ترقی حاصل کی۔ اس طرح آج ہماری امت کی اصلاح بھی اس سے ہی ہوگی، اگر ہم نے اسے اپنا لیا تو اس امتِ مسلمہ کی چھینی ہوئی عزت اور شان وشوکت اور بے نظیر قوت اور مضبوط حکومت اور قابلِ ذکر استقرار واستحکام واپس لوٹ آئے گا اور یہ امت پھر سے

---

[1] یہ عبارت کتاب الترغیب والترہیب (۳/ ۳۲۵) باب الترہیب من اللواط سے لی گئی ہے۔

پہلے کی طرح وہی بہترین امت بن جائے گی جس کو لوگوں کے لیے ہادی ومقتدی اور مرکزِ جود وسخا اور قوت وطاقت کا مرکز بنایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ راضی ہو خلیفۂ راشد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے جو یہ فرماتے ہیں کہ: ہم ایک ایسی قوم ہیں جسے اللہ نے اسلام کی بدولت عزت بخشی ہے۔ لہٰذا جب بھی ہم اس کو چھوڑ کر جس کے ذریعہ اللہ نے ہمیں عزت دی ہے کسی اور سے عزت چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں ذلیل کر دے گا۔[1]

اور اللہ رحم کرے علامہ اقبال پر وہ فرماتے ہیں:

إذا الإيمان ضاع فلا أمان	ولا دنيا لمن لم يحي دينا
جب ایمان ضائع ہو جائے تو امن وامان نہیں رہتا	اور جو دین کے احیاء کیلئے کوشش نہ کرے اس کا جینا ہی کیا جینا ہے
ومن رضي الحياة بغير دين	فقد جعل الفناء له قرينا
جو بغیر دین کے زندگی پسند کرتا ہے	اس نے فنا کو اپنا ساتھی بنا لیا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "لا ضرر ولا ضرار" کا جو بنیادی قانون مقرر فرمایا ہے اس کی روشنی اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے مندرجہ ذیل فرمانِ مبارک:

((وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ)). اور اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔

کی تعمیل ارشاد اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرض کردہ اس مسؤلیت پر عمل کرنے کے لیے مربیوں اور خاص طور سے والدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچوں کی حفاظت کے لیے ضروری اسباب اختیار کریں۔ اور اپنے جگر گوشوں کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کریں تاکہ وہ ان مصائب کا نشانہ نہ بنیں جو ان کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں، اور نہ ان دردناک حوادث کا جو ان پر اچانک حملہ آور ہوتے ہیں، اور عام طور سے انہیں موت یا شکل وصورت کے بگڑنے یا بیماری یا زخمی ہونے تک پہنچا دیتے ہیں۔

اے مربی حضرات آپ کے سامنے وہ اہم احتیاطی تدابیر واسباب پیش کیے جاتے ہیں جو حوادث کو کم کرتے اور ان سے بچاتے ہیں:

ڈاکٹر نبیہ الغبرۃ کی کتاب المشکلات السلوکیۃ (ص ۱۷۷) سے کچھ تصرف کے ساتھ خلاصہ پیشِ خدمت ہے:

اپنے بچوں کے لیے معتدل متناسب جوڑ کھانے والا جو منطقی نظام ہم مقرر کرتے ہیں وہ ان کی سلامتی کیلئے بہت ضروری ہے جیسا کہ اس کا وجود اس لیے بھی ضروری ہے تاکہ وہ اطمینان وسکون محسوس کریں۔ بچے کی عمر کے پہلے

---

[1] مستدرک حاکم۔

سال اس حفاظت کی ذمہ داری ساری کی ساری اس کے اہلِ خانہ ۔ پر ہے ۔ اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی کی صورت میں وہ اس کے مسئول ہیں، دوسرے سال میں بچوں کو خطرناک چیزوں سے بچنے کی تعلیم دینا چاہیئے، اور وہ اس طرح سے کہ اسے نہایت لطیف طریقے سے سمجھا دیا جائے ۔ تاکہ چولھے، ہیٹر آگ یا گرم برتن کو چھوکر وہ زخمی نہ ہو جائے یا اس میں گرکر جل نہ جائے ۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ یا تو ہم اس سے کہہ دیں یا اس کو متنبہ کر دیں کہ یہ گرم چیز ہے جو چھونے سے تکلیف دیتی ہے بلکہ خطرناک ہے ۔ اور ہم اس کو آہستہ سے اس طرح سے چھونے کا موقعہ دے دیں جس سے اسے اذیت و تکلیف نہ پہنچے اور اس طرح سے وہ اس سے ڈرنے اور بچنے لگے گا ۔

اور جب ہم بچے کو کرسی سے گرنے کے قریب دیکھیں اور اس کے ہاتھ میں کوئی ایسی چیز نہ ہو جو اسے ایذا پہنچائے اور زمین پر بھی کوئی ایسی چیز نہ پڑی ہو جس پر گرنے سے بچے کو تکلیف کا اندیشہ ہو تو ایسے موقعہ پر بچے کو احتیاط کے ساتھ گرنے دینا چاہیے ۔ اور اس موقعہ سے یہ فائدہ اٹھایا جائے کہ اسے اس سے بچنے کی تعلیم دی جائے بہر حال تعلیم اور حفاظت دونوں میں توازن رہنا چاہیے ۔ اور گھر والوں کو چاہیے کہ وہ ان چیزوں پر نظر رکھیں جن سے کھیل کود کے دوران بچے کو نقصان پہنچ سکتا ہو اور اس سلسلہ میں لازمی احتیاطی تدابیر ضرور اختیار کرنا چاہییں

ڈاکٹر غبرہ کے بیان کے مطابق بعض عملی اقدامات ذیل میں ذکر کیے جا رہے ہیں جن کے اختیار کرنے سے تکلیفوں اور پیش آنے والے حوادثات کو کم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ زہریلی چیزوں کو بند الماری میں رکھنا چاہیئے اور اس کی چابی کسی محفوظ جگہ میں رکھی جائے، اور ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ شیشی پر اس زہریلی چیز کا نام واضح طور سے لکھ دیا جائے اور جہاں کھانے پینے کی چیزیں رکھی ہوں وہاں اس شیشی کو ہرگز نہ رکھا جائے، یہ زہریلی چیزیں مختلف کاموں کے لیے مختلف طریقوں سے استعمال میں آیا کرتی ہیں جن میں سے سب سے اہم کیڑے مکوڑے اور حشرات الارض کو مارنے والے زہریلے مواد اور تیزاب ہے ۔

۲۔ جو دوائیں ضرورت سے زائد ہوں انہیں پھینک دینا چاہیے اور ان کو بچوں کی دسترس سے دور رکھنا چاہیئے اور جب ان دواؤں کو استعمال کیا جائے تو اچھا یہ ہے کہ اس جگہ بچے موجود نہ ہوں، اس لیے کہ بچے نقل اتارنے اور پیروی کرنے کے شوقین ہوتے ہیں، اور اس طرح کی زہریلی چیزوں سے بچوں کے ہلاک ہونے کے حادثات بہت پیش آتے رہتے ہیں ۔ اس لیے جب کسی بچے کو ہم کوئی اس طرح کی چیز دیں تو اسے سمجھا دینا چاہیئے کہ یہ دوا ہے پینے کی چیز نہیں ہے

لیکن بہتر یہ ہے کہ اگر بچوں پر بھروسہ نہ ہو تو اس کو کسی ایسی جگہ رکھا جائے جو ان کی دسترس سے باہر ہو۔

۳۔ چولہے وغیرہ جلانے والے آلات اور گرم برتنوں اور کھانے پکانے کے سامان اور کرچھے وغیرہ کے پاس اگر گھٹنوں چلنے والے یا چلنے پھرنے والے بچے کے پہنچنے کا احتمال ہو تو اس کو بچوں کی دسترس سے دور رکھنا چاہیے۔ ورنہ حادثات پیش آسکتے ہیں، کتنی مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ بچے چولہوں اور پانی گرم کرنے کے آلات وغیرہ سے جل چکے ہیں اسی طرح بچوں کو بھڑکنے والی چیزوں مثلاً ماچس کی تیلی وغیرہ سے کھیلنے کی اجازت نہیں دینا چاہیئے۔ بلکہ ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم انہیں ایسی اونچی جگہ پر رکھیں جہاں بچوں کا ہاتھ نہ پہنچ سکے۔

چائے دانیاں یا کھانا پکانے کے برتن بھی ان گرم چیزوں کی وجہ سے جو ان میں موجود ہوتی ہیں، بچوں کے لیے خطرے کا سامان بن جاتے ہیں۔ چنانچہ کتنی ہی مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ ناسمجھ ماں کی غفلت کی وجہ سے کھانے پکانے یا بھوننے اور تلنے والے برتنوں میں کھولتے ہوئے گھی یا تیل وغیرہ میں ان کا جگر گوشہ گر کر شدید زخمی ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ کے لیے بدشکل اور بدمنظر ہو جاتا ہے۔

اور کتنی ہی احمق مائیں میز کے کنارے یا زمین یا کرسی پر چائے دانی رکھ دیتی ہیں بچہ اس چائے دانی پر گر جاتا ہے یا چائے دانی اس پر گر جاتی ہے، جس سے سخت نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

مختلف موسموں اور مناسبتوں میں آتش بازی وغیرہ سے بھی بچنا چاہیئے تاکہ اس سے نقصان نہ اٹھانا پڑ جائے۔

اس طرح بجلی کے سامان اور تاروں سے بھی دور رکھنا چاہیئے تاکہ پریشانی نہ اٹھانا پڑے۔

۴۔ دھاردار آلات مثلاً قینچیاں، چھریاں، بلیڈ، پن اور شیشے کے برتن بھی بچوں کی پہنچ سے دور رکھنا چاہیئے۔

۵۔ بچوں کو ایسے کھیل کود کی اجازت نہیں دینا چاہیئے جو خطرے کا سبب بن سکتے ہوں جیسے کہ رسی سے کھیلنا اور اس کو گردن کے ارد گرد لپیٹنا یا پلاسٹک کی تھیلی سے کھیلنا اور اسے سر اور منہ پر چڑھا لینا اس لیے کہ اس سے کبھی دم بھی گھٹ سکتا ہے، اسی طرح بچے کو منہ میں کھانے کی چیز رکھ کر دوڑنے اور نمکین اشیاء مثلاً بھنے چنے اور پستے وغیرہ ہوا میں اچھال کر منہ میں لینے سے بھی روکنا چاہیئے۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ کھانا یا یہ چیزیں ہوا کی نالی میں چلی جائیں اور دم گھٹ جائے

۶۔ ماں کو چاہیئے کہ بچے کو اپنے پلنگ پر اپنے ساتھ نہ سلائے، اس لیے کہ ایسی صورت میں اس کے دم گھٹنے کا ڈر ہوتا ہے اس قسم کے کتنے ہی واقعات ہمارے سننے میں آئے ہیں کہ ماں سو گئی اور بچہ بھی پستان (چھاتی) منہ میں لیے لیے سو گیا اور پھر ماں جیسے ہی ذرا سی بچے کی طرف جھکی بچے کا دم گھٹ گیا۔

۷۔ اوپر کی منزلوں کے مکانات کی کھڑکیوں کے صحیح سالم ہونے کا یقین کر لینا بھی ضروری ہے۔ اور کھڑکیاں ایسی ہونا چاہیے کہ جنہیں بچہ پھلانگ کر باہر نہ نکل سکے، اور منزل کے اوپری حصے میں اس طرح کی رکاوٹیں کھڑی کرنا چاہیئے کہ جن سے بچہ نیچے کا منظر تو دیکھ سکے لیکن وہاں سے پھسل نہ سکے، یا کم از کم اتنا ہو کہ اگر وہاں سے پھسل بھی جائے تو

اس کے گرنے کا ڈر نہ ہو۔ ورنہ کتنے ہی ایسے دردناک واقعات پیش آئے ہیں جن میں احتیاط نہ کرنے اور تغافل کی وجہ سے اچھی عمر کے بچے جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔

۸۔ مشینری اور میکانیکی آلات اور بجلی کا سامان استعمال کرتے وقت ہوشیار رہنا چاہیے خصوصاً کپڑے دھونے اور قیمہ پیسنے اور کباب بنانے والی مشین وغیرہ کے استعمال کرتے وقت، اس لیے کہ کپڑے دھونے کی مشین میں بچوں کے ہاتھ آجانے یا قیمہ وغیرہ کی مشین سے انگلیاں کٹنے کے واقعات کچھ کم نہیں ہیں۔

۹۔ گھر کے بیرونی دروازے کے بارے میں خیال رکھنا چاہیئے کہ وہ کھلا نہ رہے کہیں ایسا نہ ہو کہ دروازہ کھلا رہ جائے اور بچہ چپکے سے نکل جائے اور ماں باپ کو پتہ بھی نہ چلے اور باہر کوئی حادثہ پیش آجائے۔

۱۰۔ دروازہ بند کرتے وقت بھی بہت خیال رکھنا چاہیے تاکہ ایسا نہ ہو کہ بچے نے انگلیاں رکھی ہوئی ہوں اور دروازہ بند کرنے سے اس کی انگلیاں دب جائیں اور تکلیف و پریشانی کا سبب بنے۔ اور اس کے علاوہ دوسری وہ احتیاطی تدابیر جو کسی بھی ذی عقل و صاحبِ بصیرت پر مخفی نہیں ہیں۔

بچوں کی جسمانی تربیت کے سلسلہ میں یہ وہ اہم وسائل ہیں جنہیں اسلام نے مقرر کیا ہے اور جیسا کہ آپ نے دیکھ لیا کہ یہ وسائل لازمی و ضروری ہیں اور یہ احتیاطی تدابیر ہیں۔ اور اگر مربیوں نے ان تعلیمات پر عمل کیا اور والدین و اساتذہ اس طریقے کے مطابق چلے تو ہم دیکھیں گے کہ اس قوم کے بچے صحت کے وسیع میدانوں میں دوڑتے ہوں گے اور قوت کی نعمت سے مالا مال ہوں گے اور امن و امان اور استقرار و سکون کی زندگی گزارتے ہوں گے۔

یہ یقینی بات ہے کہ امتِ مسلمہ اگر عقلِ سلیمہ اور طاقتور جسم اور مضبوط ارادہ اور قوی عزم اور اعلیٰ ترین شجاعت اور کامل سوجھ بوجھ کی مالک ہو تو وہ ترقی و پیداوار کے ہر میدان میں سبقت لے جانے والی اور عظمت و فتح کے اسباب کو بروئے کار لانے والی ہوگی۔ اور اسلام اور مسلمانوں کے لیے دائمی عزت و غلبہ دلانے کے لیے کوشش و محنت کرنے والی ہوگی۔ اور اس دن مومن اللہ کی نصرت و مدد پر خوش ہوں گے، اللہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور وہی بڑا غلبہ والا اور حکمتوں والا ہے۔

اس لیے اے مربیوں ماؤں اور باپوں اور اساتذہ ...

صرف یہی حیاتِ دنیاوی کا کامیاب طریقہ ہے ... صرف یہی قوت و طاقت کے حصول کا راستہ ہے

صرف یہی مجد و بزرگی کا زینہ ہے ... صرف یہی ایک طریقہ ہے ہمیشگی اور دوام کے حاصل کرنے کا

آج کا معاشرہ اور قوم آپ کے پاس ایک امانتِ خداوندی ہے وہ ان بلند و بالا تعلیمات کی تطبیق اور اپنے جسم کو تندرست و توانا رکھنے والے زندۂ جاوید بنیادی اصولوں اور اپنی صحت و نفسیات کی اصلاح کی بہت زیادہ محتاج

ہے، تاکہ اپنے اندر ذمہ اٹھانے کی قوت پیدا کر سکے اور عالم میں اسلام کے پیغام کو پہنچانے کی ذمہ داری کو اسی طرح عمدگی سے ادا کر سکے جس طرح اس سے قبل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین اور ان کے بعد میں آنے والے ادوار کے لوگوں نے اس ذمہ داری کو بخیر و خوبی اور عمدگی سے انجام دیا تھا۔

ممکن ہے اس طریق سے آج کا ہمارا معاشرہ الحاد آزادی اور جاہلیت کی تاریکیوں سے ایمان کے نور اور مکارمِ اخلاق اور اسلام کی ہدایت کی طرف منتقل ہو سکے!! اور یہ کام اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ مشکل بھی نہیں ہے۔
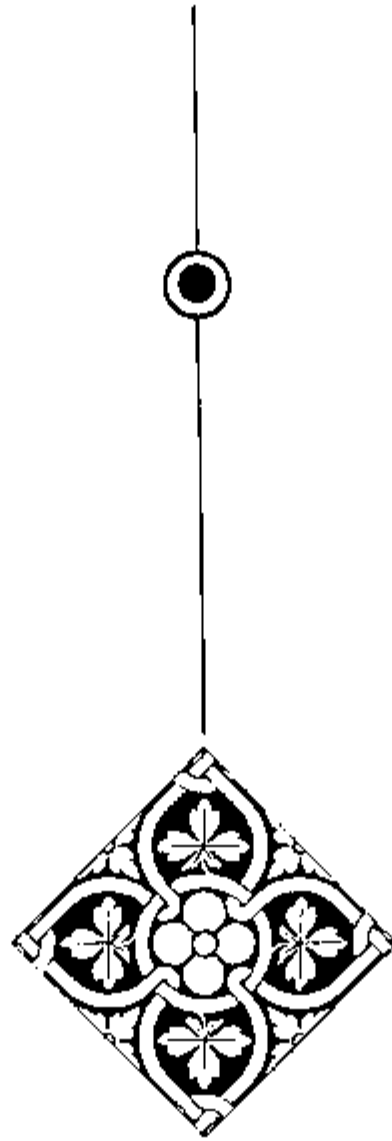
فصلِ رابع

۴ - دینی اور عقلی تربیت کی ذمہ داری

ذہنی وعقلی تربیت سے مراد یہ ہے کہ علوم شرعیہ اور علمی اور عصری تہذیب وثقافت اور فکری ونفسیاتی سوجھ بوجھ پر مبنی ایسی نفع بخش چیزوں سے بچے کے ذہن کو آراستہ کیا جائے جو بچے کے افکار میں پختگی پیدا کردیں اور اسے علمی وثقافتی لحاظ سے کامل ومکمل بنادیں۔

اہمیت کے لحاظ سے یہ ذمہ داری بھی ان ایمانی اخلاقی اور جسمانی تربیت کی ذمہ داریوں سے کچھ کم اہمیت کی حامل نہیں ہے جو پہلے گزر چکی ہیں۔ اس لیے کہ ایمانی تربیت بنیاد رکھنے کے قائم مقام ہے، اور جسمانی تربیت اس کو بنانا اور تیار کرنا ہے، اور اخلاقی تربیت عادی بنانا اور اس پر ڈھالنا ہے، اور عقلی تربیت کے ذریعے اس کو سمجھدار ترقی یافتہ اور تعلیم یافتہ بنانا ہے۔

یہ چاروں ذمہ داریاں اور فرائض اور اس کے علاوہ دوسری وہ ذمہ داریاں جن کا بعد میں تذکرہ آئے گا یہ سب کی سب بچے کی شخصیت کی تکمیل اور اس کو فرائض وواجبات ادا کرنے کے قابل بنانے اور اپنے مفوضہ پیغام کو ادا کرنے اور مسئولیت کا بوجھ اٹھانے کے لیے صحیح انسان بنانے میں ایک دوسرے سے متصل مربوط اور ایک دوسرے کا سہارا ہیں ایمان اس وقت کتنی اعلیٰ وعمدہ چیز ہوتی ہے جب فکر کے ساتھ اس کا جوڑ پیدا ہوجائے۔

اور اخلاق کتنی عمدہ چیز ہے جب کہ صحت سے اس کا ارتباط پیدا ہوجائے اور ایسا بچہ کتنا عظیم ہوتا ہے جو عملی زندگی میں جب قدم رکھتا ہے۔ تو ایسی حالت میں کہ اس کے مربیوں نے ہر پہلو سے اس کی دیکھ بھال کی ہوئی ہوتی ہے۔ اور ہر گوشہ سے اس کی رہنمائی تربیت اور تکمیل کی ہوئی ہوتی ہے۔

بچوں کے سلسلہ میں مربیوں پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان کے مختلف مراحل کو بیان کرنا ضروری ہے تاکہ تربیت کرنے والے ان پر مرحلہ وار چلتے رہیں اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ عقلی تربیت کے سلسلہ میں ان کی مسئولیت مندرجہ ذیل امور میں منحصر ہے:

۱۔ تعلیمی ذمہ داری۔

۲۔ فکری سوجھ بوجھ پیدا کرنا۔

۳۔ ذہنی تندرستی۔

★★★★★★★

تعلیمی ذمہ داری و مسئولیت

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام کی نظر میں یہ مسئولیت نہایت اہم اور نازک ہے۔ اس لیے کہ اسلام نے والدین اور مربیوں پر بچوں کی تعلیم ــ علم وثقافت کے چشمہ سے ان کو سیراب ہونے کے قابل بنانے اور ان کے اذہان کو صحیح سوچ سمجھ اور معرفت وادراک اور علمی محاکمہ وموازنہ اور صحیح ادراک کے قابل بنانے کے سلسلہ میں بڑی ذمہ داری ڈالی ہے۔ اور اس سے خداداد صلاحیتیں اجاگر ہوتی ہیں۔ اور فضل وکمال میں اضافہ اور عقل میں پختگی پیدا ہوتی ہے اور کمال ظاہر ہوتا ہے۔ تاریخی اعتبار سے یہ بات ہر شخص کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے جو آیات نازل ہوئی تھیں وہ درج ذیل ہیں:

((اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۗ))۔ علق۔ ۱ تا ۵	آپ پڑھیے اپنے پروردگار کے نام کے ساتھ جس نے (سب کو) پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا ہے آپ (قرآن) پڑھا کیجیے اور آپ کا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے تعلیم دی ہے (جس نے) انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دے دی جنہیں وہ نہیں جانتے تھے۔

اور یہ اس لیے تاکہ علم اور پڑھنے پڑھانے کی حقیقت اور عظمت وبڑائی کا اظہار ہو۔ اور یہ بتلا دیا جائے کہ فکر وعقل کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ اور ساتھ ہی علم وثقافت کے دروازے کو مکمل طور سے کھولنا بھی مقصود تھا۔

اگر ہم ان قرآنی آیات اور نبوی احادیث کو پیش کرنا چاہیں جو علم پر ابھارتی اور علماء کی قدر ومنزلت کی بلندی کو بیان کرتی ہیں۔ تو وہ ہمیں بہت کثرت سے ملیں گی جنہیں چھوٹے بڑے سب نے ہی یاد کیا ہوا ہے۔ اور جنہیں عالم و طالب علم دونوں ہی بیان کرتے ہیں۔

ان آیاتِ قرآنیہ میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانِ مبارک ہے:

((قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۗ))۔ الزمر۔ ۹	آپ کہیے کہ کیا علم والے اور بے علم کہیں برابر بھی ہوتے ہیں۔

اور ارشاد ہے:

((وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا))۔ طٰہٰ۔۱۱۴ — آپ کہیے کہ اے میرے پروردگار میرے علم کو بڑھا دیجیے۔

اور فرمایا:

((یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ))۔ المجادلہ۔۱۱ — اللہ تعالیٰ تم میں ایمان والوں کے اور ان کے جنہیں علم عطا ہوا ہے درجے بلند کرے گا۔

اور فرمایا:

((نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ ۙ))۔ القلم۔۱ — نون، قسم ہے قلم کی اور اس کی جو وہ (فرشتے) لکھتے ہیں۔

اور ان احادیثِ نبویہ میں سے چند احادیث یہ ہیں:

امام مسلم اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

((... ومن سلك طريقاً يلتمس فيه علماً سهّل الله له طريقاً إلى الجنة))۔ — ... اور جو شخص کسی ایسے راستہ پر چلے جس میں علم کو تلاش کر رہا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرما دیتے ہیں۔

۞ ۞ ۞ ۞

اور امام ترمذی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الدنيا ملعونة ملعون ما فيها إلا ذكر الله تعالى، وما والاه، وعالماً أو متعلماً))۔ — دنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ سب ملعون ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے، اور ہر وہ چیز جس کا اللہ سے تعلق ہو اور عالم اور متعلم۔

۞ ۞ ۞ ۞

اور امام ترمذی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من خرج في طلب العلم فهو في سبيل الله حتى يرجع))۔ — جو شخص طلبِ علم کے لیے نکلتا ہے۔ وہ اللہ کے راستہ میں اس وقت تک رہتا ہے جب تک واپس نہ آجائے۔

اور امام ترمذی حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((فضل العالم على العابد كفضلي على أدناكم.. إن الله وملائكته وأهل السماوات والأرض حتى النملة في جحرها، وحتى الحوت يصلون على معلمي الناس الخير))۔ — عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی میری تم میں سے معمولی آدمی پر... بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اور آسمانوں اور زمین والے حتیٰ کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں لوگوں کو خیر سکھانے والے کے لیے دعا کرتی ہیں۔

اور امام مسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إذا مات ابن آدم انقطع عمله إلا من ثلاث:	جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے سوائے تین
صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد	چیزوں کے: صدقہ جاریہ، یا وہ علم جس سے نفع اٹھایا جاتا ہو
صالح يدعو له».	یا نیک لڑکا جو اس کے لیے دعا کرتا ہو۔

قرآنِ کریم کی اس رہنمائی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور آپ کے بعد والے زمانوں میں مسلمان حضرات علوم کونیہ کے پڑھنے اور ان سے عبرت حاصل کرنے میں لگ گئے۔ اور انہوں نے ہر علم نافع کے سیکھنے کو فرض یا واجب قرار دیا۔ اور عالم میں موجود دوسری قوموں کے تمدن وثقافت سے فائدہ اٹھایا اور اس میں جدت پیدا کی، اور اس کو اپنا تابع بنا کر اس کو اسلام کے ممتاز اسلامی سانچے میں ڈھال لیا، اور پھر ایک طویل عرصہ اور صدیوں تک سارا جہاں ان کے علوم سے خوشہ چینی کرتا اور ان کی ثقافت سے مستفید ہوتا رہا اور مشرق ومغرب میں مادی ترقی کو جو اس جدید دور میں چمک دمک وشان وشوکت نصیب ہوئی ہے وہ صرف اس وجہ سے کہ انہوں نے صقلیہ اور اندلس اور دیگر صلیبی جنگوں کی بدولت مسلمانوں کے علوم اور ان کی ثقافت سے فائدہ اٹھایا اور گم کردہ راہ عالم اور پریشان انسانیت کے لیے اسلامی سلطنت بجا طور پر ایک استاذ ومعلم اور امام ورہنما بنی۔

تاریخ کے ایک طویل عرصے میں مسلمانوں نے جو علمی وثقافتی عظمت وبلندی حاصل کی اس کے ثبوت کے لیے ذیل میں اہلِ مغرب کے انصاف پسند فلاسفہ کی شہادت پیش کی جاتی ہے:

فنِ اسلامی کے سلسلہ میں گفتگو کرتے ہوئے شریستی کہتے ہیں: ایک ہزار سال تک یورپ فنِ اسلامی کی طرف اس طرح دیکھتا رہا گویا کہ وہ زمانے کے عجائبات میں سے کوئی اعجوبہ ہو۔

ہالینڈ کے مستشرق دوزی کہتے ہیں کہ: پورے اندلس میں ایک بھی اَن پڑھ شخص موجود نہ تھا۔ جب کہ یورپ میں ابتدائی لکھنا پڑھنا بھی سوائے اعلیٰ درجہ کے پوپوں میں سے بعض کے اور کوئی نہیں جانتا تھا۔

اور لین پول اپنی کتاب "العرب واسبانیا" میں لکھتے ہیں: ان پڑھ پسماندہ یورپ میں جہالت اور محرومی ٹھاٹھیں مار رہی تھی جب کہ اندلس علم میں امام اور ثقافت کا علمبردار تھا۔

اور بری دولٹ اپنی کتاب "تکوین الإنسانية" میں لکھتے ہیں کہ: علم سب سے بڑی وہ چیز ہے جسے عربی تہذیب وتمدن نے جدید عالم کے لیے پیش کیا ہے۔ اور باوجود اس بات کے کہ یورپی ترقی کے کسی بھی شعبہ میں کوئی ایسا گوشہ نظر نہیں آتا جس میں فعال اسلامی ثقافت کا اثر نہ ہو۔ مگر پھر بھی اسلام کا سب سے بڑا اور خطرناک اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ انسان میں ایک ایسی قوت پیدا کر دیتا ہے جو اسے جدید عالم میں ایک ممتاز ابدی مؤثر عامل بنا دیتی ہے، اور اس کی کامیابی کے لیے ایک عظیم

ذریعہ مہیا کردیتی ہے اور وہ ہے طبیعی علم اور علمی روح۔۔ ان حقائق کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ اسلام ایک فعال ترقی و تعمیر پسند دین ہے۔

اور ابوبکر اپنی کتاب "روابط الفکر والروح بین العرب والفرنجۃ" میں لکھتے ہیں: عربی تمدن و ثقافت کا زوال اسپین اور یورپ کے لیے بدفالی اور نحوست تھا۔ اس لیے کہ اندلس کو عربوں کے سایہ میں ہی سعادت و نیک بختی نصیب ہوئی تھی، اور جب وہاں سے عرب چلے گئے تو توانگری جمال و سرسبزی کی جگہ وہاں تباہی و بربادی چھاگئی۔

اور ایچ آر جیپ اپنی کتاب "الاتجاہات الحدیثۃ فی الاسلام" میں اس تجرباتی مذہب کے پیش کرنے کے سلسلہ میں کہ جس پر تمام یورپی علم کی بنیاد ہے اور جو اصلی اور حقیقی اسلامی میراث ہے۔ اس کے بارے میں مندرجہ ذیل الفاظ لکھتے ہیں: میرا خیال ہے کہ یہ بات متفق علیہ ہے کہ وہ دقیق تفصیلی ملاحظات جنہیں مسلمان محققوں نے پیش کیا ہے۔ وہ علمی معرفت و فنون کی ترقی میں زبردست نمایاں بھرپور مادی امداد کا ذریعہ ہیں، اور انہی نکات کے راستے سے درمیانی صدی میں یورپ تک تجرباتی نظام و منہج پہنچا ہے۔

اور ڈاکٹر "وکٹر رابن سن" اندلس میں اسلامی ترقی و تمدن اور قرون وسطی میں یورپ کی ثقافت کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے کافی طویل بحث کے بعد لکھتے ہیں: ۔۔۔۔ یورپ کے معززین کو دستخط تک کرنا نہیں آتے تھے جبکہ قرطبہ میں مسلمانوں کے بچے تک مدارس میں جایا کرتے تھے، اور یورپ کے راہب کنیسہ کی کتاب پڑھنے میں غلطیاں کرتے تھے جب کہ قرطبہ کے اساتذہ و معلمین نے ایک ایسا زبردست مکتبہ و کتب خانہ قائم کیا تھا جو اپنی ضخامت و بڑائی میں اسکندریہ کے عظیم مکتبہ کا مقابلہ کر رہا تھا۔

یہ اور اس کے علاوہ دوسرے اور بہت سے اقوال نہایت وضاحت سے اس بات کی تاکید و صراحت کرتے ہیں کہ اسلام ہی تمدن کو ترقی دینے والی عظیم قوت اور علم کی نورانی چمک دمک پائی جاتی تھی جب کہ قرون وسطی میں یورپ میں علماء کو ان کی علمی و فکری جرأت کی وجہ سے دن دہاڑے سرِعام کھلے میدانوں میں قتل کیا جاتا تھا۔

لیکن اس ثقافتی ترقی اور علمی بلندی و چمک دمک کا اصل سبب اور راز کیا تھا؟

اس کا راز ان بنیادی اصولوں میں مضمر ہے جن پر اسلام کی ابدی شریعت مشتمل ہے

الف۔ یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ اسلام روح اور مادیت اور دین اور دنیا دونوں کا نام ہے چنانچہ اسلامی عبادت اور معاملات اور سماجی قانون اور دنیوی احکام کا انسانی ثقافت و تمدن کے تعمیر کرنے میں نہایت واضح اثر پایا جاتا ہے۔ اور اس سلسلہ میں اسلام کا شعار اللہ تعالٰی کا مندرجہ ذیل فرمان مبارک ہے۔

«وَابْتَغِ فِيمَا آتٰكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا». القصص۔ ۷۷ — اور جو کچھ اللہ نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں عالم آخرت کی بھی جستجو کرو اور دنیا سے (بھی) اپنا حصہ فراموش مت کرو۔

اور فرمایا:

«فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ». الجمعہ۔ ۱۰ — پھر جب نماز پوری ہو چکے تو زمین پر چلو پھرو اور اللہ کی روزی تلاش کرو۔

ب۔ اور اس لیے کہ اسلام مساوات اور انسانیت کی دعوت دیتا ہے۔ تاکہ ہر وہ شخص جو اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہے خواہ کسی جنس اور رنگ اور زبان کا بولنے والا ہو، سب کے سب مل کر انسانی تمدن وثقافت کی تعمیر میں اپنا فرض ادا کریں اور اسلام کا اس سلسلہ میں شعار اللہ تعالیٰ کا فرمان ذیل ہے:

«اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ». الحجرات۔ ۱۳ — بے شک تم میں سے پرہیزگار تر اللہ کے نزدیک معزز تر ہے۔

ج۔ اور اس لیے کہ دین ہر قوم وامت سے تعارف وتعلقات پیدا کرنے کی دعوت دینے والا دین ہے اور اسلام کا شعار اس سلسلہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمانِ ذیل ہے:

«يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا». الحجرات۔ ۱۳ — اے لوگو ہم نے تم (سب) کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور خاندان بنا دیا ہے کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔

اور اس آواز پر لبیک کہنے کے لیے مسلمان دوسروں سے گھل مل گئے اور دوسری قوموں کی ثقافت سے فائدہ اٹھایا۔ اور اس طرح سے ان کے پاس مختلف صنعتی، تجارتی، زراعتی اور فنی میدانوں میں نہایت وسیع معلومات وتجربات جمع ہو گئے چنانچہ انہوں نے ان سب کو اسلام کی بھٹی میں ڈال کر جلایا اور اس کے بعد وہ تہذیب وثقافت اسلام کے سانچے میں ڈھل گئی اور اس پر اسلام کی مہر لگ گئی۔

د۔ اسلام چونکہ ایک نیا دائمی اور ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والا ایسا دین ہے جو نظاموں، احکامات اور بنیادی اصولوں کی اس عظیم بلندی کو پہنچا ہوا ہے جس سے اونچی بلندی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس کی شرافت ابدی ہونے کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے کہ وہ اللہ رب العالمین جل شانہ کا نازل کردہ اور احکم الحاکمین کا بنایا ہوا دین ہے۔ اور ہر زمانے اور ہر جگہ تمام انسانی ضروریات کے لیے کافی ہے۔ اور وہ قیامت تک کامل ومکمل قانون وتشریحات سے انسانیت کی اعانت کرتا رہے گا اور اس سلسلہ میں اسلام کا شعار اللہ تعالیٰ کا درجِ ذیل فرمان مبارک ہے:

«وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ — اور اللہ سے بہتر حکم کرنے والا کون ہے یقین کرنیوالوں

يُوْقِنُوْنَ ﴿ ﴾)۔ المائدہ -۵۰ کے واسطے۔

اور اسلام کے افتخار وابدی ہونے کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے کہ اس کی عظمت اور اس کے قوانین کے زندہ وفعال ہونے کی مغرب کے بڑے بڑے اہل علم گواہی دیں، جیسے انگریز فلسفی برناڈشا کا جملہ پڑھیے: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین نہایت عظیم اور بلند مرتبے کا مالک ہے اس لئے کہ اس میں حیران کن قوت پائی جاتی ہے اور اسلام ہی ایک ایسا منفرد دین ہے جس میں زندگی کے مختلف اطوار وحالات کو ہضم کرنے کی صلاحیت اور ملکہ ہے اور میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو انسانیت کے نجات دہندہ کے نام سے پکارا جائے اور اگر ان جیسا کوئی آدمی موجودہ دور کی سربراہی کا بیڑہ اٹھائے تو وہ آجکل کی تمام مشکلات حل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

اور ڈاکٹر ایزکو انسا باٹو کہتے ہیں کہ: اسلامی شریعت اپنی بہت سی ابحاث میں یورپی قانون پر فوقیت رکھتی ہے، بلکہ شریعتِ اسلامیہ ایک ایسی شریعت ہے جو تمام عالم کو مضبوط و پائیدار ترین قانون عطا کرتی ہے۔

اور دینا یونیورسٹی کے کلیۃ الحقوق کے عمید علامہ شبرل سنہ ۱۹۲۷ء کی حقوق کانفرنس میں کہتے ہیں کہ: انسانیت اس بات پر فخر کرتی ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسی ہستی اس سے منسوب ہیں۔ اس لیے کہ وہ باوجود ظاہری پڑھے لکھے نہ ہونے کے دس سے کچھ زیادہ صدی قبل اس بات پر قادر ہوگئے کہ ایک ایسا قانون اور ایسی شریعت پیش کریں کہ اگر ہم یورپین دو ہزار سال کے بعد بھی اس کی چوٹی تک پہنچ سکیں تو ہم خوش بخت ترین انسان ہوں گے۔

جاء النبیون بالآیات فانصرمت	وجئتنا بجدید غیر منصرم
انبیاء کرام علیہم السلام نشانیاں اور معجزات لے کر آئے اور پھر وہ معجزات ختم ہوگئے	اور آپ ہمارے پاس ایسی نئی نشانی لائے جو کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے
آیاتہ کلما طال المدی جدد	یزینہن جمال العتق والقدم
زمانہ خواہ کتنا بھی طویل ہو جائے ان کے معجزے ہمیشہ نئے رہیں گے	جنہیں قدامت اور جدت کا جمال زینت بخش رہا ہے

۵۔ اور اس لیے کہ اسلام ایک ایسا منفرد دین ہے جس نے بچپن سے ہی تعلیم کو لازمی اور مفت بنایا ہے جس میں نہ علومِ شریعت کا امتیاز ہے اور نہ علوم کونیہ کا، ہاں البتہ حاجت، کفایت اور اختصاص کو ضرور مدنظر رکھا جائے گا۔

دینِ اسلام نے تعلیم کو لازمی اور جبری بنایا ہے جس کی دلیل مندرجہ ذیل احادیث ہیں:

ابن ماجہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم))۔ علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

اس حدیث میں "مسلم" کا لفظ عام ہے جو عورتوں اور مردوں دونوں کو برابر سے شامل ہے۔

طبرانی "معجم کبیر" میں علقمہ سے وہ اپنے والد کے واسطے سے دادا سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریر کی اور مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کی تعریف کی اور پھر فرمایا:

((ما بال أقوام لا يفقهون جيرانهم ولا يعلمونهم ولا يعظونهم ولا يأمرونهم ولا ينهونهم وما بال أقوام لا يتعلمون من جيرانهم ولا يتفقهون ولا يتعظون، والله ليعلمن قوم جيرانهم ويفقهونهم ويعظونهم ويأمرونهم وينهونهم، وليتعلمن قوم من جيرانهم ويتفقهون ويتعظون أو لأعاجلنهم بالعقوبة)).	ان قوموں کو کیا ہوگیا ہے جو اپنے پڑوسیوں کو سمجھ کی باتیں نہیں سکھاتیں نہ تعلیم دیتی ہیں اور نہ ان کو نصیحت کرتی ہیں اور نہ روکتی ہیں۔ اور کیا ہوگیا ہے ان قوموں کو جو اپنے پڑوسیوں سے تعلیم حاصل نہیں کرتیں۔ نہ ان سے سمجھ کی باتیں اخذ کرتی ہیں اور نہ نصیحت حاصل کرتی ہیں۔ خدا کی قسم لوگ اپنے پڑوسیوں کو تعلیم دیں اور سمجھ کی باتیں بتلائیں۔ اور ان کو نصیحت کریں اور حکم کریں اور روکیں، اور لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے پڑوسیوں سے علم حاصل کریں سمجھ حاصل کریں نصیحت پکڑیں ورنہ میں ان پر جلد ہی عذاب نازل کردوں گا اور سزا دوں گا۔

٭ ٭ ٭ ٭

اور ابن ماجہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

((من كتم علماً مما ينفع الله به الناس في أمر الدين ألجمه الله يوم القيامة بلجام من نار)).	جو شخص کسی ایسے علم کو چھپائے گا جس سے اللہ تعالیٰ لوگوں کو دین کے معاملہ میں نفع پہنچاتے ہوں تو قیامت کے روز اس کو آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔

٭ ٭ ٭

لہٰذا جب اسلام کی نظر میں طلب علم ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔ اور علم کے سیکھنے سکھانے سے اعراض کرنے والے کو شریعت نے سخت تنبیہ و تہدید کی ہے اور عذاب سے ڈرایا ہے۔ اور علم نافع کے چھپانے والے کو قیامت کے روز آگ کی لگام پہنائی جائے گی تو کیا یہ سب باتیں اس بات پر دلالت نہیں کرتیں کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو علم کے سیکھنے سکھانے کو لازمی اور فرض قرار دیتا ہے؟!

رہا یہ کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو تعلیم کو ہر شعبے میں مفت اور بلاعوض قرار دیتا ہے تو وہ اس وجہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کے تمام مراحل میں تعلیم کو بلاعوض اور مفت رکھا اور اپنے صحابہ کو تعلیم دینے پر اجرت لینے سے سختی کے ساتھ منع کیا۔

چنانچہ تاریخی اعتبار سے یہ بات ثابت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام دعوت وتعلیم کے سلسلہ میں کسی شخص سے اجر ومعاوضہ نہیں لیا کرتے تھے۔ اور آپ کا اور آپ سے پہلے گزرے ہوئے تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام کا بنیادی قول اللہ تعالیٰ کا فرمانِ مبارک ذیل تھا:

((قُلْ لَاۤ أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا))۔ الأنعام - ۹۱ آپ کہہ دیجیے کہ میں تم سے اس پر کچھ اجر نہیں مانگتا۔

نیز فرمایا:

((إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ))۔ یونس - ۷۲ میری مزدوری اللہ پر ہے۔

اس طرح تاریخی طور سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ وہ حضرت مصعب بن عمیر جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے داعی اور معلم بنا کر مدینہ منورہ بھیجا تھا۔ اور وہ حضرت معاذ جنہیں آپ نے یمن بھیجا تھا۔ اور وہ حضرت جعفر بن أبی طالب جنہیں آپ نے حبشہ بھیجا تھا، اور ان کے علاوہ دوسرے دسیوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ان میں سے کوئی بھی شخص کسی سے بھی معاوضہ نہیں لیا کرتا تھا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجرت اور عوض لینے سے ڈرایا کرتے تھے اسی سلسلہ میں ابو داؤد ابو شیبۃ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اہلِ صفہ کے کچھ آدمیوں کو لکھنا اور قرآنِ کریم پڑھنا سکھایا، تو ان میں سے ایک صاحب نے مجھے ایک کمان دے دی۔ میں نے اسے یہ سوچ کر قبول کر لیا کہ یہ تو مال نہیں ہے۔ اس سے اللہ کے راستہ میں تیر اندازی کروں گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے بارے میں دریافت کر لوں گا، چنانچہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ایک صاحب کو میں لکھنا پڑھنا سکھاتا اور قرآنِ کریم پڑھایا کرتا تھا انہوں نے مجھے ایک کمان ہدیہ کی ہے جو کہ مال نہیں ہے اور میں اس سے اللہ کے راستہ میں تیر اندازی کیا کروں گا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إن كنت تحب أن تكون طوقاً من النار فاقبلها))۔ اگر تم یہ پسند کرتے ہو کہ وہ تمہارے لیے آگ کا ایک طوق بنے تو تم اس کو قبول کر لو۔

اور یہ بات تاریخی طور سے ثابت ہے کہ مسلمانوں کی وہ اولادیں جو مساجد یا مدارس کا تعلیم وتعلم کے لیے رخ کیا کرتے تھے وہ علم کے حصول کے لیے کچھ مال ودولت خرچ نہیں کیا کرتے تھے بلکہ بعض ادوار میں حکومت کے خرچ پر تعلیم حاصل کیا کرتے تھے، اور علماءِ سلف اس شخص کو جو پڑھائے اور دعوت وارشاد کے کام میں لگے تعلیم کے سلسلہ میں اجرت ومعاوضہ لینے سے منع کیا کرتے اور ڈراتے تھے۔ امام غزالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: معلم واستاذ کو چاہیے کہ صاحبِ شریعت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اقتدا کرے اور علم سکھانے پر کوئی معاوضہ نہ لے، اور نہ اس سے بدلہ واجرت حاصل کرنا یا شکریہ ادا کرانا مقصد ہو بلکہ صرف اللہ کی رضا اور اس کے قرب کو حاصل کرنے کے لیے تعلیم دے، اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء

میں سے ایک نبی کی زبانی فرماتے ہیں:

((وَ یٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُکُمْ عَلَیْہِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ))۔ ہود - ۲۹

اور اے میری قوم میں تم سے اس پر کچھ مال نہیں مانگتا میری مزدوری نہیں ہے مگر اللہ پر۔

اس سب کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسلام نے تعلیم کے مفت و بلامعاوضہ ہونے کا رواج ڈالا ہے چاہے وہ تعلیم حکومت کی سطح پر ہو یا افراد کی سطح پر، اس لیے کہ تعلیم کے خواہشمندوں کا مقصد بھی اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنا ہوتا ہے جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ لوگوں نے تعلیم و تعلم کی جانب اس طرح توجہ کی جس کی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں ملتی ۔ ایک مفکر کہتے ہیں :

اسلامی حکومت اس بات میں تمام عالم پر سبقت لے گئی ہے کہ اس نے تمام شہریوں کے لیے بلاکسی امتیاز اور رعایت کے تعلیم کو مفت رائج کیا۔ چنانچہ تمام شہریوں کے لیے مدارس مکمل طور سے کھلے ہوئے تھے مساجد میں بھی اور معبدوں اور مدرسوں میں بھی اور عام جگہوں میں بھی۔ اور اسلام نے یہ طریقہ کار تمام ان علاقوں میں اختیار کیا جہاں اسلام داخل ہوا۔ اور اس آزاد مفت تعلیم کے باقیات صالحات میں سے جامع ازہر اور کلیۃ دارالعلوم اور دوسرے تمام دینی شرعی مدارس ہیں جہاں طلبہ کو دینی غذا مہیا کرنے کے لیے طلبہ کو مالی امداد دی جاتی ہے اور اب حکومت اس کو ملک کے تمام اطراف میں عام کرنے کی کوشش میں ہے[1]

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی استاذ اپنے آپ کو تعلیم و تدریس کے لیے فارغ کردے اور اس کے پاس کمائی و آمدنی کا اور کوئی ذریعہ نہ ہو تو کیا اس کو تعلیم دینے پر اجرت لینا جائز ہے ؟

بلاشبہ اگر معلم و استاذ علم و تعلیم کے لیے اپنے آپ کو فارغ کردے اور اس کے پاس ضروریاتِ زندگی کے حصول کے لیے اور کوئی اسباب نہ ہو۔ اور حکومت تساہل و غفلت سے کام لے۔ یا معاشرہ اس کی ضروریات پوری کرنے اور کفالت کرنے میں تساہل سے کام لے ۔ تو ایسی صورت میں معلم کے لیے پڑھانے اور تعلیم پر اُجرت لینا درست ہے جس سے اس کی کرامتِ نفس باقی رہے اور ضروریاتِ زندگی پوری ہوسکیں ۔ اسی جانب امام غزالی رحمہ اللہ اپنی کتاب احیاء العلوم میں اشارہ کرتے ہیں فرماتے ہیں : اسی طرح مدرس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ اتنا مال و معاوضہ لے لے جو اس کی کفالت کرسکے تاکہ وہ اپنے قلب کو کمائی کے دھندوں سے فارغ کرکے علم کے پھیلانے کے لیے یکسو ہوجائے ۔ اور اس کا مطمحِ نظر صرف نشرِ علم اور آخرت کا ثواب ہو۔ اور معاوضہ وہ اتنا لے جو اس کی کفایت کرسکے اور ضروریات پوری ہوجائیں۔

قابسی روایت کرتے ہیں کہ ابوالحسن نے فرمایا: میں نے ایک حکایت پڑھی ہے جو ابن وہب کی طرف منسوب ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں امام مالک کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ان کے پاس ایک مدرسے کے معلم آئے اور

---

[1] ملاحظہ ہو مجلہ تمدن اسلامی میں استاذ محمود مہدی استنبولی کا مقالہ بعنوان "التربیۃ الاسلامیۃ" (ص - ۲۲۴)۔

انہوں نے امام مالک سے کہا: اے ابو عبداللہ! میں بچوں کو پڑھاتا ہوں اور مجھے ایسی روایت پہنچی ہے جس کی وجہ سے میں اجرت طے کرنے کو برا سمجھتا ہوں، اور لوگ بخیل ہو گئے ہیں جتنا پہلے دیا کرتے تھے اب اتنا نہیں دیتے، اور میں اپنے اہل وعیال کی وجہ سے مجبور ہوں، اور میں سوائے پڑھانے کے اور کوئی کام نہیں کر سکتا۔ تو امام مالک نے ان سے کہا: جاؤ پہلے سے طے کر لیا کرو۔ وہ صاحب چلے گئے تو امام مالک سے ان کے بعض حاضرین نے کہا: اے ابو عبداللہ آپ نے انہیں یہ حکم دیا ہے کہ تعلیم کے سلسلہ میں اجرت طے کر لیں؟! تو امام مالک نے ان سے فرمایا: جی ہاں، ورنہ پھر ہمارے بچوں کی اصلاح کون کرے گا؟ انہیں تعلیم کون دے گا؟ اگر معلمین واساتذہ نہ ہوتے تو آج ہم نہ معلوم کیا چیز ہوتے؟

اور اس کی اہمیت اس لیے اور بڑھ جاتی ہے کہ ہم ایک ایسے زمانے میں ہیں جس میں برائی اور شر بہت زیادہ عام ہے۔ اور استعماری منصوبے اور سازشیں اسلام کے اثرات وامتیازات کو مٹانے کی کوشش میں لگی ہوئی ہیں۔ اس لیے والدین اور مربیوں کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تعلیم کی خوب کوشش کریں خاص طور سے علم توحید وعقیدہ اور تلاوتِ قرآن اور دیگر تمام علوم شرعیہ، اس لیے کہ جس چیز کے بغیر فرض پورا نہ ہو سکتا ہو وہ بھی فرض ہوتی ہے۔ اگر اپنی اولاد کے لیے معلمین (خواہ وہ معاوضہ پر ہی کیوں نہ ہوں) کا انتخاب نہ کیا تو اولاد الحاد، جہالت اور آزادی اور بے راہ روی میں نشو ونما پائے گی۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود پہلے ہی فرما چکے ہیں (جیسا کہ ابن سحنون سفیان ثوری سے روایت کرتے ہیں) کہ: لوگوں کے لیے تین چیزوں کا ہونا لازمی اور ضروری ہے: ایسا امیر جو ان کے درمیان فیصلہ کرے ورنہ اگر ایسا نہ ہو تو لوگ ایک دوسرے کو کھا جائیں گے، اور لوگوں کے لیے قرآن کریم کا خریدنا اور بیچنا ضروری ہے ورنہ اگر ایسا نہ ہو تو اللہ کی کتاب ختم ہو جائے گی اور لوگوں کے لیے ایسا معلم بھی ہونا چاہیے جو ان کے بچوں کو تعلیم دے اور اس پر اجرت لے ورنہ اگر ایسا نہ ہو تو لوگ ان پڑھ بن جائیں گے۔

جس معاشرے میں ہم رہ رہے ہیں اس کی مناسبت سے ہم ایک اور چیز کا اضافہ بھی کر دیتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ لوگوں کے لیے ایسے معلم واستاذ کا وجود بھی بہت ضروری ہے جو ان کی اولاد کو عقیدہ کے مسائل اور اخلاق کی بنیادی باتیں اور تاریخی واقعات اور قرآنِ کریم کی تلاوت سکھلائے خواہ معاوضہ اور تنخواہ لے کر یا بلا تنخواہ واجرت کے، اور اگر ایسا نہ ہوا تو اولاد ملحد اور گمراہ بن جائے گی۔

اجرت ومعاوضہ لینے کے جواز کے سلسلہ میں ہم اس واقعہ سے استشہاد کرتے ہیں جو ایک صحابی کے ساتھ ایک سفر میں پیش آیا تھا۔ ہوا یوں کہ یہ حضرات سفر کر رہے تھے کہ عرب کے کسی قبیلہ کے یہاں اترے اور ان سے مہمان بننے کی درخواست کی لیکن انہوں نے ان کی میزبانی سے انکار کر دیا، اس قبیلہ کے سردار کو سانپ نے ڈس لیا انہوں نے اس سردار کا ہر قسم کا علاج کیا لیکن اسے کسی چیز سے فائدہ نہ ہوا تو ان میں سے کسی شخص نے کہا: اگر تم ان لوگوں کے پاس جاؤ جو تمہارے یہاں آکر ٹھہرے ہیں اور ان سے ذکر کرو تو ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کسی کے پاس اس کا علاج ہو۔

چنانچہ وہ لوگ ان حضراتِ صحابہ کے پاس آئے اور ان سے کہا: اے جماعت والو! ہمارے سردار کو سانپ نے ڈس لیا ہے اور ہم نے اس کا ہر طرح سے علاج کر لیا لیکن اسے کسی چیز سے فائدہ نہیں ہو رہا ہے، تو کیا آپ میں سے کسی کے پاس کوئی علاج ہے؛ تو ان میں سے کسی نے کہا: جی ہاں میں بخدا اس کے لیے دَم کیا کرتا ہوں، لیکن بات یہ ہے کہ ہم نے تمہارا مہمان بننا چاہا تو تم نے ہماری میزبانی قبول نہ کی اس لیے میں اب اس وقت تک تمہارے لیے دم نہ کروں گا۔ جب تک ہمیں اس کا معاوضہ نہ دو، چنانچہ بکریوں کے ایک ریوڑ پر صلح ہو گئی۔ اور وہ صاحب گئے اور سورۂ فاتحہ پڑھکر اس پر دم کرنے لگے، اور پھر دم کے بعد ایسا معلوم ہوا گویا کہ اس مریض کو رسیوں سے آزاد کر دیا گیا اور وہ چلنے پھرنے لگا اور اس پر بیماری کا ذرہ برابر بھی اثر باقی نہ رہا، وہ کہتے ہیں کہ پھر انہوں نے وہ مال ان کے حوالے کر دیا جس پر صلح واتفاق ہوا تھا۔ ان کے ساتھیوں میں سے بعض حضرات نے کہا: اس کو تقسیم کر لو۔ جس نے دم کیا اور پڑھ کر پھونکا تھا اس نے کہا: ایسا اس وقت تک نہ کرنا جب تک ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ کر آپ سے اس کا تذکرہ نہ کر دیں اور یہ نہ دیکھ لیں کہ آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں۔

چنانچہ یہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے تذکرہ کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

«وما یدریك أنها رقیة». — تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ اس کا علاج ہے۔

پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے ٹھیک کیا، اس مال کو آپس میں تقسیم کر لو اور اپنے ساتھ ساتھ میرا حصہ بھی لگا دینا، اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرانے لگے، امام بخاری کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«أحق ما أخذ تم علیه أجراً کتاب الله». صحیح بخاری — سب سے زیادہ احق ترین وہ چیز جس پر تم اجر لو وہ اللہ کی کتاب ہے۔

اس حدیث سے اجرت لینے کا جو جواز معلوم ہوتا ہے اس کی متعدد وجوہ ہیں:

۱۔ اس سفر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھوک کا شکار تھے اور کھانے کے محتاج تھے جس پر ان کا اس عرب قبیلے سے میزبان بننے کی درخواست کرنا دلالت کرتا ہے جسے اس قبیلہ والوں نے منظور نہیں کیا۔

۲۔ حدیث کا سیاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ عرب قبیلہ مسلمان نہیں تھا، اس لیے کہ ان لوگوں نے ان حضرات کی میزبانی نہیں کی، اور دار الحرب کے احکام دار الاسلام کے احکام سے مختلف ہوتے ہیں[1]

۳۔ جس اجرت پر صحابہ نے صلح کی تھی وہ اجرت اس قبیلہ والوں نے اپنے سردار کے علاج اور شفاء کے سلسلہ میں طے

---

[1] اس لیے کہ دار الحرب میں کفار کا مال ان کی رضامندی سے جس ذریعہ سے بھی ہو لینا جائز ہے۔

کی تھی تو صحابہ نے یہ اجرت علاج کی لی نہ کہ تعلیمِ قرآن کی۔

ان تمام وجوہات کی وجہ سے رسول اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے اجرت لینے کو جائز قرار دیا بلکہ ان کے اعزاز اور شفقت کے لیے یہ بھی فرمایا:

«أحق ما أخذتم عليه أجرًا كتاب الله». سب سے زیادہ احق ترین وہ چیز جس پر تم اجرت لو وہ اللہ کی کتاب ہے۔

یعنی اس مارگزیدہ شخص کے علاج ودم کرنے کے سلسلہ میں تم نے جو اللہ کے کلام سے دم کیا اس علاج معالجہ پر اجرت لینا درست ہے۔

گذشتہ بحث سے خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ شریعتِ اسلامیہ اصولی طور سے تعلیم پر اجرت لینے کو جائز قرار نہیں دیتی ہے الا یہ کہ کوئی ایسی وجہ اور عذر ہو جس کی وجہ سے اجرت لینا درست ہو جائے جیسے کہ استاذ علم کے لیے وقف ہیں اور تعلیم کے سوا اس کا کوئی ذریعہ آمدنی نہ ہو، یا بچوں کی حالت کا تقاضہ یہ ہو کہ ان بچوں کے سرپرست ان کے لیے ایسے اساتذہ کو فارغ کردیں جو ان کے بچوں کی الحاد و کفریہ عقائد سے حفاظت کریں، اور اسلام کے بنیادی اصولوں اور عمدہ واعلیٰ تربیت میں ان کی پرورش کریں ان وجوہات وغیرہ کی وجہ سے شریعت نے تعلیم پر اجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے خواہ تعلیم شرعی ہو یا دنیاوی اور کائنات سے متعلق ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اور اس لیے کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو فریضۂ تعلیم کو فرضِ عین اور فرضِ کفائی کی جانب تقسیم کرتا ہے۔ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ:

اگر تحصیلِ علم کا تعلق مسلم فرد کی روحانی، عقلی اور جسمانی واخلاقی شخصیت سازی سے ہو تو ایسا علم بقدرِ ضرورت وحاجت فرض ہے۔ اور اتنا علم حاصل کرنا سب پر فرض ہے چاہے مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا بڑا، ملازم ہو یا مزدور، غرضیکہ امتِ مسلمہ کے ہر طبقہ پر فرض ہے۔

اور اس اعتبار سے تلاوتِ قرآنِ کریم کا سیکھنا اور عبادات کے احکام اور بلند بنیادی اخلاق کے اصول و بنیادی باتیں اور حرام وحلال کے مسائل اور عمومی صحت سے متعلق قواعد اور تمام وہ چیزیں جن کی ضرورت ایک مسلمان کو اپنے دین ودنیا کے معاملات کے لیے پڑتی ہے دنیاوی زندگی میں ان سب کا سیکھنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرضِ عین ہے۔

اور اگر اس علم کا تعلق زراعت، صناعت، تجارت، طب، انجینئرنگ، بجلی، ایٹم، اور دفاع سے متعلق وغیرہ دیگر علوم نافعہ سے ہو تو ایسا علم فرضِ کفایہ ہے اگر بعض آدمی اس کو حاصل کرلیں تو سب سے گناہ ساقط ہو جائے گا اور اگر اسلامی معاشرہ میں سے کوئی شخص بھی اسے حاصل نہ کرے تو سب کے سب گناہگار اور اس سلسلہ

میں مسئول ہوں گے

◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉

ثقافتی اور علمی ترقی اور انسانی ثقافت کی تعمیر کا یہ راز ہے جو اسلام کی عظمت کی علامت ہے، اور اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اسلام زمانہ کی روح اور ترقی میں برابر کا مقابلہ کرتا ہے۔ اور اس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ابدیت تجدد اور استمرار کے اسباب مہیا کرتا ہے۔

لیکن ہم آج جو علمی کمزوری اور ثقافتی میدان میں پسپائی دیکھ رہے ہیں اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ مسلمان اس عظیم الشان اسلام کی حقیقت سے ناآشنا ہیں۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ اسلام کو زندگی کے تمام پہلوؤں میں اپنا نظام نافذ کرنے سے دور کر دیا گیا ہے۔ اور اعداء اسلام نے اسلام کی ترقی اور اس کی خوبیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے سازشوں کا جال بچھا رکھا ہے، اور دین کو حکومت سے دور کر دیا ہے اور اسلامی نظام کو صرف عبادت سے متعلق امور اور اخلاقی مسائل میں محصور کر دیا ہے۔

لیکن مسلمان جس روز بھی اسلام کی حقیقت کو سمجھ لیں گے اور جس دن بھی زندگی کے تمام پہلوؤں کو محیط اسلامی نظام کو زندگی کے تمام شعبوں میں نافذ کر دیں گے، اور جس دن بھی ان سازشوں کو سمجھ لیں گے جن کا جال اعداءِ اسلام اور ان کے کارندے بچھاتے ہیں، اسی دن مسلمان دن دہاڑے اپنی کھوئی ہوئی عزت و دبدبہ دوبارہ حاصل کر لیں گے اور لوگوں کے لیے ہادی و رہنما بلکہ وہ بہترین امت بن جائیں گے جسے لوگوں کے لیے بھیجا گیا ہے۔

«وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝» (الانعام ۱۵۳)

اور حکم کیا کہ یہ میری سیدھی راہ ہے سو اس پر چلو، اور اور راستوں پر مت چلو کہ وہ تم کو اللہ کے راستہ سے جدا کر دیں گے۔ یہ تم کو حکم کر دیا ہے تاکہ تم بچتے رہو۔

◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉

مربیوں معلموں اور والدین پر جو تعلیمی ذمہ داری اور فریضہ عائد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ انہیں چاہیے کہ بچے جب سنِ شعور کو پہنچیں تو بنیادی طور پر ان کو قرآنِ کریم پڑھنے اور سیرتِ نبویہ اور دوسرے علوم شرعیہ اور ادبی قصائد اور عرب کی ضرب الامثال کی تعلیم دینا چاہیے، تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم پر عمل ہو جائے جسے طبرانی نے روایت کیا ہے:

«أدبوا أولادكم على ثلاث خصال: حب نبيكم وحب آل بيته، وتلاوة القرآن، فإن حملة القرآن في ظل عرش الله يوم لا ظل

اپنے بچوں کو تین چیزیں سکھاؤ: اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، اور ان کے اہل بیت کی محبت، اور قرآنِ کریم کی تلاوت، اس لیے کہ قرآن کریم کے حاملین اللہ کے عرش

الا ظلہ))۔ کے سایہ میں اس دن ہوں گے جس روز اس عرش کے

سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔

اس امرِ نبوی کی تعمیل میں تاریخ کے ہر دور میں مسلمانوں نے اپنے بچوں کو ان بنیادی علوم اور ضروری فنون کی تعلیم دینے کی بہت کوشش کی۔

ان حضرات کی اس حرص اور توجہ پر دلالت کرنے والے ان حضرات کے چند اقوال اور نمونے آپ کے سامنے ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

عتبۃ بن ابی سفیان نے اپنے لڑکے کے استاذ عبد الصمد کو یہ وصیت کی کہ وہ اس کو اللہ کی کتاب کی تعلیم دیں۔ اور پاکیزہ اشعار یاد کرائیں اور عمدہ احادیث و باتیں سکھلائیں۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کو مندرجہ ذیل فرمان جاری کیا:

حمد وثنا کے بعد آپ لوگوں کو چاہیے کہ اپنے بچوں کو تیرنے اور شہسواری کی تعلیم دیں، اور ان کو مشہور ضرب الامثال اور بہترین و عمدہ اشعار یاد کرائیں۔

ایک مرتبہ المفضل بن زید نے ایک مسلمان دیہاتی عورت کے بچے کو دیکھا، تو وہ انہیں بہت اچھا معلوم ہوا۔ انہوں نے اس عورت سے اس بچے کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے کہا: جب یہ بچہ پانچ سال کا ہوگیا تو میں نے اسے معلم کے حوالہ کر دیا جنہوں نے اسے قرآن کریم پڑھایا اور یاد کرایا۔ اور شعر سکھائے اور پڑھائے اور اس کو قوم کے قابلِ فخر کارناموں کے اختیار کرنے کی رغبت دلائی۔ اور اپنے آباء و اجداد کے کارنامے اپنے اندر پیدا کرنے کا اس سے مطالبہ کیا پھر جب وہ بالغ ہوگیا تو میں نے اسے گھوڑے پر سوار کرایا اور اس کی مشق کرائی چنانچہ وہ ماہر شہسوار بن گیا اور ہتھیار استعمال کرنا سیکھ لیے، اور جوان مردوں کی طرح قبیلہ میں چلنے پھرنے لگا، اور امداد کے لیے پکارنے والے کی آواز پر اس نے اپنے کان لگا لیے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جو شخص قرآنِ کریم سیکھ لیتا ہے اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ اور جو فقہ میں غور و خوض کرتا ہے۔ اس کی قدر و منزلت بلند ہو جاتی ہے۔ اور جو احادیث لکھتا ہے اس کی قوتِ دلیل مستحکم ہو جاتی ہے۔ اور جو شخص لغت کا مطالعہ کرتا ہے اس کی طبیعت میں لطافت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جو حساب میں محنت کرتا ہے اس کی رائے میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء العلوم میں یہ وصیت کی ہے کہ بچوں کو قرآنِ کریم اور احادیث و واقعات اور نیک لوگوں کی سیرت و حالات و کہانیاں سکھائی و پڑھائی جائیں اور پھر بعض دینی احکام اور ایسے اشعار پڑھائے اور یاد کرائے جائیں جن میں عاشق و معشوق کا تذکرہ نہ ہو۔

ابن سینا نے کتاب السیاسۃ میں بچوں کی تربیت سے متعلق بڑے قیمتی مشورے دیے ہیں اور یہ نصیحت کی ہے کہ جیسے ہی بچے میں جسمانی اور عقل کے لحاظ سے پڑھنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے تو اسے قرآنِ کریم کی تعلیم دینا چاہیے۔ اور ساتھ ساتھ وہ حروفِ تہجی اور لکھنا پڑھنا بھی سیکھتا رہے اور دین کی بنیادی باتیں پڑھتا رہے پھر اشعار پڑھے اور اشعار میں رجزیہ اشعار پڑھے پھر قصائد کا مطالعہ کرے۔

علامہ ابن خلدون نے بچوں کو قرآنِ کریم حفظ کرانے کی اہمیت بیان کی ہے۔ اور یہ واضح کیا ہے کہ تمام مختلف اسلامی ملکوں میں قرآنِ کریم کی تعلیم ہی تمام تعلیمی نظاموں میں تعلیم کی بنیاد ہے۔ اس لیے کہ قرآن دین کے شعائر میں سے ایک ایسا شعار ہے جو ایمان کے رسوخ تک پہنچاتا ہے۔

اور عجیب واقعات میں سے وہ واقعہ ہے جسے ابن قتیبہ اپنی کتاب "عیون الاخبار" میں لکھتے ہیں کہ: قبیلۂ ثقیف کا ایک آدمی ولید بن عبدالملک کے پاس گیا تو ولید نے اس سے پوچھا: کیا تم نے قرآن کریم پڑھا ہے؟

اس اعرابی نے جواب دیا کہ: نہیں اے امیر المؤمنین مجھے اس سے بہت سے امور اور اسباب نے روکے رکھا۔

ولید نے پوچھا: کیا تم فقہ جانتے ہو؟

اعرابی نے کہا: جی نہیں۔

ولید نے پوچھا: کیا اشعار میں سے کچھ اشعار پڑھے ہیں؟

اعرابی نے کہا: جی نہیں۔

تو ولید نے اس اعرابی کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ تو حاضرین میں سے ایک صاحب (عبداللہ بن معاویہ) نے کہا: اے امیر المؤمنین! (اور انہوں نے اس شخص کی طرف اشارہ کیا)۔

ولید نے کہا: خاموش ہو جاؤ اس لیے کہ ہمارے پاس کوئی موجود نہیں ہے۔[1]

ولید نے جو یہ کہا کہ خاموش ہو جاؤ ہمارے پاس کوئی شخص نہیں ہے۔ اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ جس شخص نے قرآنِ کریم نہ پڑھا ہو اور جو فقہ کو نہ جانتا ہو اور جسے اشعار یاد نہ ہوں اور جس نے دین نہ پڑھا ہو تو ایسا شخص نہ ہونے کے برابر ہے۔ نہ اس کے موجود ہونے سے کوئی فرق پڑتا ہے اور نہ اس کا کوئی اعتبار رہے خواہ وہ بذاتِ خود اپنے جسم کے ساتھ وہاں موجود کیوں نہ ہو۔

بچے کی تعلیم کے سلسلہ میں جو قواعد اسلام نے وضع کیے ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ اس کے زمانۂ طفولیت کی ابتداء ہی سے اس کی تعلیم کی ابتداء ہو جانا چاہیے۔ اس لیے کہ اس وقت بچے کا ذہن نہایت صاف ستھرا اور حافظہ بہت قوی اور تعلیم میں خوب نشاط ہوتا ہے۔

---

[1] قصہ مختصر کر کے کچھ تصرف کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

اسی جانب معلمِ اول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس فرمانِ مبارک میں اشارہ فرمایا ہے جسے بیہقی اور طبرانی "معجم اوسط" میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں:

«العلم فی الصغر کالنقش فی الحجر». بچپن میں علم حاصل کرنا ایسا ہے جیسے کہ پتھر پر نقش کردینا۔

اس بات کی جدید علمِ تربیت نے بھی تائید و تاکید کی ہے۔ اور بعض حضرات نے اس سلسلہ میں درج ذیل بڑے عمدہ اشعار کہے ہیں:

أرانیَ أنسی ما تعلمت فی الکبر	ولست بناس ما تعلمت فی الصغر
میں اپنے آپکو دیکھتا ہوں کہ میں ان چیزوں کو بھول جاتا ہوں جو میں نے بڑی عمر میں پڑھی ہیں	لیکن جو چیزیں بچپن میں پڑھی ہیں انہیں ہرگز نہیں بھولتا
وما العلم إلا بالتعلم فی الصبا	وما الحلم إلا بالتحلم فی الکبر
اور علم حاصل نہیں ہوتا مگر بچپن میں سیکھنے سے	اور حلم و بردباری نہیں شمار ہوتی مگر جب کہ بڑی عمر میں بردبار کہا جائے
ولو فلق القلب المعلّم فی الصبا	لأصبح فیہ العلم کالنقش علی الحجر
اگر بچپن میں علم حاصل کرنے والا دل چیر کر دیکھا جائے	تو اس میں علم اس طرح کھدا ہوا ہوگا جیسے کہ پتھر پر نقش و نگار
وما العلم بعد الشیب إلا تعسف	إذا کلّ قلب المرءِ والسمع والبصر
بڑھاپے کے بعد علم حاصل کرنا بڑی مشقت کا کام ہے	جبکہ انسان کا دل کان اور آنکھیں سب کے سب تھکے ہوتے ہیں
وما المرأ إلا اثنان عقل ومنطق	فمن فاتہ ھذا وھذا فقد دمر
انسان دو چیزوں سے عبارت ہے ایک عقل اور ایک گویائی	جسکی یہ دونوں چیزیں ختم ہوجائیں تو وہ تو ہلاک ہوگیا

ان علوم کے حاصل کرنے میں عورت کا کیا حصہ اور حکم ہے؟

متقدمین اور متأخرین دونوں علماء و فقہاءِ کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جتنا علم حاصل کرنا فرض کے درجہ میں ہے اس میں مرد و عورت دونوں برابر ہیں۔ ان علوم کے حاصل کرنے کا عورت کو بھی بالکل اسی طرح حکم ہے جس طرح مرد کو، اور اس کے دو سبب ہیں۔

۱۔ شرعی اور دینی احکامات میں عورت مرد کی طرح ہے۔

۲۔ آخرت میں جزاء و سزا کے اعتبار سے عورت مرد کی طرح ہے۔

رہی یہ بات کہ شرعی احکام و فرائض میں عورت مرد کی طرح ہے تو وہ اس لیے کہ اسلام نے عورت پر تمام وہ فرائض لازم کیے ہیں جو مرد پر لازم کیے ہیں اور مرد کی طرح عورت کو بھی اُن کا مکلف بنایا ہے جیسے نماز، روزہ، حج، زکاۃ، اور

نیکی وطاعت اور عدل وانصاف اور حسن سلوک واحسان اور خرید وفروخت اور رہن اور وکیل بنانا بنانا، اور اچھی باتوں کا حکم دینا اور بری باتوں سے روکنا، اور ان کے علاوہ اور دوسری ذمہ داریاں اور فرائض، لیکن بعض خصوصی حالات میں اسلام نے عورت سے وہ فرائض اٹھا لیے ہیں ؛

یا تو اس خوف سے کہ عورت مشقت وتکلیف میں گرفتار نہ ہوجائے یا اس کی صحت کی خرابی کے ڈر سے مثلاً حالتِ حیض ونفاس میں عورت سے نماز وروزہ معاف کرنا۔

اور یا اس وجہ سے کہ وہ کام اور ذمہ داریاں عورت کی جسمانی وضع اور نسوانی طبیعت سے جوڑ نہیں کھاتیں مثلاً یہ کہ وہ میدانِ جنگ میں قتل وغارت میں شریک ہو یا یہ کہ وہ معماری یا لوہار کا کام کرے۔

اور یا اس لیے کہ جو کام وہ کررہی ہے وہ اس کی فطری اور ان پیدائشی ذمہ داریوں سے متعارض ہو جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔ مثلاً یہ کہ وہ کام اسے خاندان کی ذمہ داریاں پوری کرنے سے روکنے کا ذریعہ بنے یا بچوں کی تربیت اور گھر کی دیکھ بھال میں رکاوٹ بنتا ہو۔

اور یا کوئی ایسا کام ہو جس کے کرنے سے کوئی خطرناک معاشرتی فساد مرتب ہوتا ہو مثلاً اس کا کسی ایسے کام یا ملازمت کو اختیار کرنا جہاں مرد وزن میں باہمی اختلاط ہوتا ہو۔

لیکن اس کے علاوہ اور کام کاج اور ذمہ داریاں اور فرائض تو ان میں عورت مرد کے بالکل مساوی ہے۔

اور میری نظر اور اصحابِ بصیرت وعقل وسمجھ رکھنے والوں کے خیال میں ان کاموں سے عورت کو دور رکھنا اور اس سے یہ ذمہ داریاں اٹھا لینا درحقیقت عورت کی عزت اور اس کی قدر ومنزلت وکرامت کو بڑھانا ہے۔

ورنہ آپ ہی بتلائیے کہ کون یہ پسند کرتا ہے کہ عورت کو ایسے کاموں میں پھنسا دے جو کام اسے اس کی ان ذمہ داریوں سے روک دیں جو اس کے شوہر اور گھر اور اس کے بچوں کے سلسلہ میں اس پر لاگو ہوتی ہیں ؟ اور اللہ تعالیٰ رحم کرے شوقی پر کیا ہی خوب کہا ہے :

ليس اليتيم من انتهى أبواه من	هم الحياة وخلفاه ذليلا ؟ ؟ ؟ !
وہ شخص یتیم نہیں ہے جس کے والدین زندگی کے غم سے	آزاد ہوگئے ہوں اور انہوں نے اسے بے یار ومددگار چھوڑ دیا
إن اليتيم هو الذي تلقى له	أماً تخلت أو أباً مشغولاً ! !
بلکہ یتیم تو وہ ہے جسے ایسی ماں ملے جو	اس سے دور رہے یا ایسا باپ ملے جو مشغول رہتا ہو !

اور ہم میں سے کون یہ پسند کرے گا کہ عورت کو ایسے تکلیف دہ اور سخت کاموں میں لگا دے جو اس کے جسم کو مشقت میں ڈال دیں اور اس کی نسوانیت کو ختم کردیں اور اس کو مختلف امراض وتکالیف میں ڈال دیں ؛

اور ہم میں سے کون شخص ہے جو یہ پسند کرے گا کہ عورت کو ایسی مخلوط ملازمت میں لگا دے جو اس کی عزت

و آبرو کے برباد ہونے اور عزت و شرافت کو بٹہ لگنے کا ذریعہ ہو؛

اور کیا عورت کے لیے عزت و آبرو سے بڑھ کر اور کوئی چیز قیمتی ہوسکتی ہے؛ اور بتلایئے کہ اگر عورت برائی کے راستہ پر چلنے لگے اور گندے راستہ کو اختیار کرے تو پھر بچوں کی تربیت کس طرح ہوسکتی ہے۔ اللہ رحم کرے اس شاعر پر جس نے درج ذیل شعر کہے ہیں؛

وليس النبت ينبت في جنان	كمثل النبت ينبت في الفلاة
وہ گھاس جو باغ میں اگتی ہے وہ؛	اس گھاس کیطرح ہرگز نہیں ہوسکتی جو جنگل و بیابان میں اگتی ہے
وهل يرجى لأطفال كمال ؛	إذا ارتضعوا ثدي الناقصات
اور کیا ان بچوں سے کمال کو پہنچنے کی امید اس وقت رکھی جاسکتی ہے	جب کہ انہیں ناقص عورتوں کے پستان سے دودھ پلایا گیا ہو

عورت کے گھر سے نکلنے اور گھر سے باہر کام کرنے اور ملازمت اختیار کرنے کے سلسلے میں اہلِ مغرب کے فلاسفہ کے کلام کو ذیل میں پیش کیا جاتا ہے؛

انگریز عالم سموئیل سمالیس اپنی کتاب "الاخلاق" میں لکھتے ہیں:

وہ نظام جو یہ فیصلہ کرتا ہے کہ عورت کارخانوں اور دکانوں میں کام کاج کرے اس سے خواہ کتنی ہی دولت حاصل ہوجائے لیکن اس کا نتیجہ گھریلو زندگی کو تباہ کرنے کی شکل میں نکلتا ہے اس لیے کہ اس نظام کا گھر کے نظام سے ٹکراؤ ہوتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے خاندان کے ارکان ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں۔ اور معاشرتی روابط پاش پاش ہوجاتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ عورت کی حقیقی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ گھر کی ذمہ داری پوری کرے اور اس کو سنبھالے، مثلاً گھر کو ترتیب دینا، بچوں کی تربیت کرنا، اور معیشت کے وسائل میں درمیانہ روی اختیار کرنا، اور ساتھ ساتھ عائلی و خاندانی ذمہ داریوں کو پورا کرنا، لیکن کارخانوں وغیرہ نے عورت کو ان تمام ذمہ داریوں سے دور کردیا ہے۔ اور نتیجہ یہ نکلا ہے کہ گھر گھر نہ رہے، اور بچے صحیح تربیت میں نشوونما نہیں پاتے۔ اس لیے کہ ان کی طرف سے بے توجہی برتی جاتی ہے، اور ان کارخانوں کی وجہ سے میاں بیوی کی محبت اجڑ گئی، اور عورت سمجھدار و عقلمند اور شوہر سے محبت کرنے والی بیوی ہونے کے بجائے کام کاج اور کمائی کی ذمہ داری میں اس کی ساتھی بن گئی ہے۔ اور وہ ان چیزوں کا نشانہ بن گئی جو عام طور سے اس کی فکری اور اخلاقی ان صفات کو نیست و نابود کردیتی ہیں جن پر عزت و آبرو کی حفاظت کا دارومدار ہوتا ہے۔

"شجرۃ الدر" نامی ماہنامے کے پہلے سال کے چھٹے پرچے میں انگریز مقالہ نگار مس انی رو ڈ لکھتی ہیں:

ہماری بیٹیاں گھروں میں خادمائیں یا خادماؤں کی طرح بن کر رہیں یہ اس سے بہتر اور کم نقصان دہ ہے کہ وہ کارخانوں میں ملازمت اختیار کریں۔ جہاں جاکر لڑکی ایسے گندگی و خرابی میں ملوث ہوجاتی ہے جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کی زندگی کی رونق

کو ختم کر دیتا ہے، اور کاش کہ ہمارے شہر اور ملک بھی مسلمانوں کے ان ملکوں اور شہروں کی طرح بن جاتے جہاں حشمت، پاک دامنی اور عفت پائی جاتی ہے، جہاں عورت نہایت عمدہ و خوش گوار زندگی گزارتی ہے اور اس کی عزت و آبرو بھی محفوظ رہتی ہے...

جی ہاں انگریزوں اور یورپی ملکوں کے لیے یہ بڑے عار کی بات ہے کہ وہ اپنی لڑکیوں کو مردوں کے ساتھ کثرت اختلاط و میل جول کے ذریعہ بے حیائی اور برائیوں کے لیے نمونہ و مثال بنادیں۔ ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ ہم وہ راستہ کیوں نہیں اختیار کرتے جو ہماری لڑکیوں کو اس طرح ڈھال دے کہ جس کی وجہ سے وہ اپنی فطری طبیعت کے مطابق کام کرنے لگیں (جیسا کہ آسمانی مذاہب نے بھی یہی فیصلہ کیا ہوا ہے) اور وہ ہے عورت کا گھر میں رہنا اور مردوں کے کاموں کو مردوں کے لیے چھوڑ دینا، اور اس میں عورت کی عزت و شرافت محفوظ رہتی ہے۔

رہی یہ بات کہ اخروی جزاء و سزا میں عورت مرد کی طرح ہے، تو اس سلسلہ میں ہمارے لیے یہ کافی ہے کہ ہم قرآن کریم کا مطالعہ کریں تاکہ ہم ان بے شمار آیات کا مشاہدہ کر سکیں جو اجر و ثواب کے حاصل کرنے میں عورت کو مرد کے مساوی قرار دیتی ہیں، لیجیے ان آیات میں سے چند ملاحظہ فرمائیے:

((فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی، بَعْضُکُمْ مِّنْ بَعْضٍ، فَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُکَفِّرَنَّ عَنْھُمْ سَیِّاٰتِھِمْ وَلَاُدْخِلَنَّھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ، ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ، وَاللّٰہُ عِنْدَہٗ حُسْنُ الثَّوَابِ)). آل عمران ۱۹۵	پھر ان کے رب نے ان کی دعا قبول کی کہ میں ضائع نہیں کرتا تم میں سے کسی محنت کرنے والے کی محنت کو مرد ہو یا عورت تم آپس میں ایک ہو۔ پھر وہ لوگ کہ ہجرت کی انہوں نے اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور لڑے اور مارے گئے البتہ میں ان سے دور کر دوں گا ان کی برائیاں، اور ان کو داخل کروں گا ان باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ یہ اللہ کے یہاں سے بدلہ ہے اور اللہ کے یہاں اچھا بدلہ ہے۔
((وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ وَلَا یُظْلَمُوْنَ نَقِیْرًا)). النساء ۱۲۴	اور جو کوئی اچھے کام کرے مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان رکھتا ہو سو وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور تل بھر ان کا حق ضائع نہ ہوگا۔
((اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ	بے شک اسلام والے اور اسلام والیاں اور ایمان والے اور ایمان والیاں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار

وَالصّٰدِقٰتِ وَ الصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَ الْخٰشِعِيْنَ وَ الْخٰشِعٰتِ وَ الْمُتَصَدِّقِيْنَ وَ الْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا))۔

الأحزاب۔ ۳۵

عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور صابر مرد اور صابر عورتیں اور خشوع والے اور خشوع والیاں اور صدقہ کرنے والے اور صدقہ کرنے والیاں اور روزہ رکھنے والے اور روزہ رکھنے والیاں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے اور حفاظت کرنے والیاں اور اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں ان (سب) کے لیے اللہ نے مغفرت اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔

اجروثواب کے حاصل کرنے میں بلاکسی امتیاز عورت کے مرد کے برابر ہونے پر وہ روایت بھی دلالت کرتی ہے جسے ابن عبدالبر نے اپنی کتاب "الاستیعاب" میں اور امام مسلم نے "صحیح مسلم" میں روایت کیا ہے کہ حضرت اسماء بنت یزید بن السکن رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور عرض کیا کہ میں ان مسلمان عورتوں کی جماعت کی قاصد ہوں جو پیچھے رہ گئی ہیں (اور یہاں آپ کے پاس حاضر نہ ہوسکیں) وہ سب عورتیں وہی بات کہہ رہی ہیں جو میں کہہ رہی ہوں، اور ان کی بھی وہی رائے ہے جو میری ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے آپ کو مردوں اور عورتوں دونوں کی طرف بھیجا ہے، ہم بھی آپ پر ایمان لائے ہیں، اور ہم نے بھی آپ کی پیروی کی ہے۔ اور ہم عورتوں کی جماعت گھروں میں مقیم اور باپردہ رہتی ہیں۔ گھروں میں بند رہتی ہیں۔ اور مردوں کو جمعہ وعیدین کی نماز اور نمازِ جنازہ اور جہاد میں شرکت کی وجہ سے فضیلت دی گئی ہے، مرد جب جہاد میں جاتے ہیں تو ہم ان کے مال ودولت کی حفاظت اور ان کے بچوں کی تربیت کرتے ہیں۔ تو اے اللہ کے رسول کیا اجروثواب میں ہم بھی ان کے ساتھ برابر کے شریک ہوں گے؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا چہرۂ مبارک اپنے صحابہ کی طرف پھیرا اور فرمایا:

((هل سمعتم مقالة امرأة أحسن سؤالا عن دينها من هذه؟)) فقالوا: بلى يا رسول الله، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: انصرفي يا أسماء وأعلمي من وراءك من النساء أن حسن تبعّل إحداكن لزوجها وطلبها لمرضاته واتباعها لموافقته يعدل كل ما ذكرت))۔

کیا تم نے کسی عورت کی گفتگو جو وہ اپنے دین کے بارے میں کر رہی ہو اس عورت سے زیادہ بہتر انداز میں سنی ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسولؐ۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اسماء جاؤ اور جو عورتیں یہاں موجود نہیں ہیں ان کو یہ بتلا دو کہ تم میں سے کسی عورت کا اپنے شوہر کے ساتھ اچھا برتاؤ اور اس کی رضامندی حاصل کرنے کی کوشش کرنا اور اس کی بات ماننا ان تمام چیزوں کے برابر ہے جن کا تم نے تذکرہ کیا ہے۔

* * *

حضرت اسماء خوشی خوشی لا الٰہ إلا اللہ اور اللہ اکبر پڑھتی ہوئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ مبارک سے خوشخبری حاصل کرتی ہوئی وہاں سے واپس ہوئیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مبارک حدیث سے یہ ظاہر ہوا کہ عورت گھر کی دیکھ بھال، کام کاج، اور شوہر کی فرمانبرداری اور بچوں کی تربیت پر جو اجر حاصل کرتی ہے وہ اجر وثواب اس اجر کے برابر ہے جو مرد کو جہاد اور دیگر کاموں پر ملتا ہے۔

اسلام لڑکیوں کی تعلیم وتربیت کی طرف بھی توجہ دیتا ہے، اور اس کا حکم بھی دیتا ہے اس سلسلہ میں درجِ ذیل صحیح احادیث ملاحظہ ہوں:

ترمذی اور ابوداؤد روایت کرتے ہیں اور الفاظِ حدیث سننِ ابی داؤد کے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من كان له ثلاث بنات أو ثلاث أخوات أو بنتان أو أختان فأدبهن وأحسن إليهن وزوجهن فله الجنة)).

جس کی تین لڑکیاں یا تین بہنیں ہوں یا دو لڑکیاں یا دو بہنیں ہوں اور وہ انہیں ادب سکھائے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور ان کی شادی کردے تو اس کو جنت ملے گی۔

ایک روایت میں یوں آتا ہے:

((وأيما رجل كانت عنده وليدة رأى أمة فعلمها فأحسن تعليمها وأدبها فأحسن تأديبها ثم أعتقها وتزوجها فله أجران)).

جس شخص کے پاس کوئی باندی ہو اور وہ اسے تعلیم دے اور اچھی طرح سے پڑھائے اور اسے ادب سکھائے اور خوب اچھی طرح سے ادب سکھائے اور پھر اسے آزاد کرکے اس سے شادی کرلے تو اس کو دو اجر (دوہرا ثواب) ملتے ہیں۔

۞ ۞ ۞ ۞

صحیح بخاری ومسلم میں یہ آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے لیے کچھ دن مخصوص فرمایا کرتے تھے اور ان میں ان کو وہ باتیں سکھلایا کرتے تھے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتلائی تھیں، اور آپ نے یہ اس لیے کیا تھا کہ ایک مرتبہ ایک عورت آپ کے پاس حاضر ہوئی اور اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول مرد تو آپ کی احادیث سن لیتے ہیں۔ آپ ہمارے لیے بھی ایک دن مقرر فرما دیجیے جس میں ہم آپ کے پاس حاضر ہوا کریں اور آپ ہمیں وہ باتیں سکھایا

کریں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتلائی ہیں، تو نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((اجتمعن یوم کذا وکذا)). فلاں فلاں دن اکٹھا ہو جایا کرو۔

چنانچہ وہ عورتیں حاضر ہوگئیں اور رسولِ اکرم صلی اللہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے اللہ کی تعلیم کردہ باتیں ان کو سکھلا اور بتلا دیں۔

اور بلاذری کی کتاب "فتوح البلدان" میں لکھا ہے کہ ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہا زمانۂ جاہلیت میں ایک عورت "شفاء عدویہ" سے لکھنا سیکھتی تھیں، پھر جب نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ان سے شادی کرلی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفاء سے فرمایا: کہ انہیں تحریر وخط کی باریکی اور صفائی اور نوک پلک بھی اسی طرح سکھادو جس طرح انہیں لکھنا سکھایا ہے۔

مذکورہ بالا احادیث و روایات سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسلام نے لڑکی کو نافع علم اور مفید ثقافت سکھانے کا حکم دیا ہے۔ اور اگر گذشتہ ادوار میں بعض علماء سے عورتوں کو تعلیم دینے کی ممانعت ملتی ہے۔ تو اس کی وجہ وہ تعلیم ہے جو گندی و فحش شعر و شاعری اور بے ہودہ باتوں اور بازاری ادب اور نقصان دہ علم پر مشتمل ہو لیکن یہ کہ اگر عورت وہ علوم پڑھے جو اس کو دین و دنیا میں فائدہ پہنچائیں اور پرمغز صاف ستھرے اچھے اشعار کہے اور عمدہ پر معنی نثر لکھے تو اس سے نہ کوئی روکنے والا ملتا ہے اور نہ کوئی منع کرنے والا۔

ابن سحنون کی کتاب المعلمین کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ متقی و پرہیزگار قاضی عیسیٰ بن مسکین اپنی بچیوں اور پوتیوں کو پڑھایا کرتے تھے، قاضی عیاض کہتے ہیں: عصر کے بعد وہ اپنی دونوں بچیوں اور بھتیجیوں کو بلاتے تھے تاکہ انہیں قرآن کریم اور علم پڑھائیں، اور ان سے قبل صقلیہ کے فاتح اسد بن فرات بھی اپنی بیٹی اسماء کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے تھے جو نہایت بڑے درجہ کی عالم بنی، اور خُشنی روایت کرتے ہیں کہ حاکم محمد بن اغلب کے محل میں ایک استاذ تھے جو دن میں بچّوں کو پڑھایا کرتے تھے اور رات کو بچیوں کو۔

اور تاریخی طور سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ عورت اسلام کے زیر سایہ علم و ثقافت کے نہایت بڑے درجہ تک پہنچی اور اسلام کے شروع کے دَور میں عورت نے تعلیم و تربیت کا بہت بڑا حصّہ حاصل کیا تھا۔

چنانچہ مسلمان عورتوں میں مقالہ نگار و انشاء پرداز بھی تھیں اور شاعرات بھی جیسے علیۃ بنت المہدی اور عائشہ بنت احمد بن قادم اور خلیفہ مستکفی باللہ کی بیٹی ولّادہ۔

ان میں بڑی بڑی طبیبائیں بھی تھیں جیسے کہ بنی اود کی طبیبہ زینب جو آنکھوں کے علاج کی ماہر تھیں۔ اور ابوجعفر طنجالی کی صاحبزادی ام الحسن جو اپنے زمانے کی نہایت زبردست اور مشہور طبیبہ تھیں۔

عورتوں میں بڑی بڑی محدثہ بھی تھیں جیسے کہ کریمہ مروزیہ اور سیدہ نفیسہ بنت محمد، حافظ ابن عساکر (جو رواۃ حدیث

میں سے ہیں وہ) لکھتے ہیں کہ ان کے استاذ مشایخ میں اسّی سے زیادہ عورتیں تھیں۔

اور بے شمار عورتیں علم کے نہایت رفیع و بلند مرتبہ پر فائز تھیں، چنانچہ بعض ان میں سے حضرت امام شافعی و امام بخاری و ابن خلکان و ابن حیان کی استانیاں اور پڑھانے والیاں بھی تھیں، اور یہ سب حضرات فقہاء علماء اور مشہور ادیبوں میں سے گزرے ہیں، جو اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ اسلامی تربیت علم اور فکری ارتقاء کا بہت خیال رکھتی ہے اور اسلامی ثقافت نہایت متنوع و جامع ہے۔

شریعت نے جب عورت کو اس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ ایسے علوم حاصل کرے جو اسے دین و دنیا میں فائدہ پہنچائیں، تو اس میں یہ امر ضرور ملحوظ رکھنا چاہیے کہ یہ تعلیم لازمی طور سے مردوں سے الگ تھلگ اور دُور ہو تاکہ لڑکیوں کی عزت و کرامت اور آبرو محفوظ رہے، اور لڑکی ہمیشہ اچھی شہرت اور بہترین و پاکیزہ اخلاق کی مالک ہو اور قابلِ احترام شخصیت سمجھی جاتی رہے۔

اور غالباً علم تربیت کے وہ قلم پرداز جنہوں نے تعلیم وغیرہ کے میدان میں دونوں جنسوں کو الگ الگ رکھنے کا سب سے پہلے نعرہ بلند کیا وہ امام قابسی ہیں۔ چنانچہ تعلیم کے سلسلہ میں ان کے رسالہ میں لکھا ہے کہ "اچھی صورت یہ ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کو ایک جگہ جمع نہ کیا جائے" اور جب حضرت ابن سحنون سے لڑکوں اور لڑکیوں کی مخلوط تعلیم کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ لڑکیوں کو لڑکوں کے ساتھ تعلیم دی جائے، اس لیے کہ یہ لڑکیوں کے بگاڑنے اور خراب کرنے کا ذریعہ بنتا ہے، غور فرمایئے کہ جب ابن سحنون اور قابسی جیسے حضرات کی رائے یہ ہے کہ لڑکیوں کو لڑکوں سے دور رکھا جائے تاکہ اخلاقی خرابیاں نہ پھیلیں، اور یہ بدیہی بات ہے کہ ان دونوں کی رائے درحقیقت شریعت سے ہی ماخوذ ہے۔ اور دنیا میں شریعت کا حکم ہر حکم اور فیصلہ پر فوقیت رکھتا ہے اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشادِ مبارک ہے:

((وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا))۔ الاحزاب۔۳۶

اور کسی مؤمن یا مؤمنہ کے لیے یہ درست نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی امر کا حکم دے دیں تو پھر ان کو اپنے (اس) امر میں کوئی اختیار باقی رہ جائے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں جا پڑا۔

اور ہم نے یہ جو کہا کہ علامہ ابن سحنون اور قابسی کی رائے شریعت سے ماخوذ ہے وہ ان مندرجہ ذیل نصوص و آیات کی وجہ سے ہے:

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

((وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ)). الاحزاب۔۵۳

اور جب تم ان (رسول کی ازواج) سے کوئی چیز مانگو تو ان سے پردہ کے باہر سے مانگا کرو۔

یہ آیت مسلمانوں کی ماؤں ازواجِ مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اور اصولیین کے قاعدے کے مطابق اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوصِ سبب کا، اور جب وہ امہات المؤمنین جن کی پاکیزگی وعفت یقینی اور قطعی ہے جب انہیں پردے کا حکم دیا گیا ہے اور ان سے کہا گیا ہے کہ وہ اجنبیوں کے سامنے نہ آئیں تو مسلمان عورتوں کو تو بدرجہ اولیٰ یہ حکم ہے کہ وہ پردہ کریں اور کسی اجنبی کے سامنے قطعًا نہ آئیں، علماء اصول وفقہاء کے یہاں اسے مفہوم اولوی کا نام دیا جاتا ہے۔

اور اللہ جل شانہٗ فرماتے ہیں:

((قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ)). النور۔ ۳۰ و ۳۱

آپ ایمان والوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے حق میں زیادہ صفائی کی بات ہے، بے شک اللہ کو سب کچھ خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں۔ اور آپ کہہ دیجیے ایمان والیوں سے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں، اور اپنے شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ اور اپنا سنگھار ظاہر نہ ہونے دیں مگر ہاں جو اس میں سے کھلا ہی رہتا ہے۔ اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں۔ اور اپنی زینت ظاہر نہ ہونے دیں مگر ہاں اپنے شوہر پر اور اپنے باپ پر اور اپنے شوہر کے باپ پر اور اپنے بیٹوں پر۔

اس آیت میں جب یہ حکم دیا گیا ہے کہ نگاہ نیچی رکھیں اور دوپٹہ اوڑھیں، سینہ کو ڈھانکیں اور زیب وزینت اور خوبصورتی کو محارم کے علاوہ کسی کے سامنے ظاہر نہ ہونے دیں، تو کیا یہ سب باتیں اس بات پر دلالت نہیں کرتیں کہ مسلمان عورت کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ پردہ میں رہے اور پاکبازی اور پاکدامنی کے دامن کو مضبوطی سے تھامے اور عزت ووقار سے رہے اور اجنبیوں کے ساتھ میل جول اور اختلاط نہ رکھے۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا))۔

الأحزاب ۔۵۹

اے نبی آپ کہہ دیجیے اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور (عام) ایمان والوں کی عورتوں سے کہ اپنے اوپر نیچی کرلیا کریں اپنی چادریں تھوڑی سی، اس سے وہ جلد پہچان لی جایا کریں گی اور اس لیے انہیں ستایا نہ جائے گا اور اللہ تو بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے۔

اس آیت میں مسلمان عورت کو پردہ کرنے اور چادر اور برقعہ اوڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، تو پھر بھلا اس کا تصور کیا جا سکتا ہے کہ کوئی عورت کسی اجنبی مرد سے اختلاط کرے؟

امام ترمذی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((ما خلا رجل بامرأة إلا وكان الشيطان ثالثهما))۔

کوئی مرد کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں اکٹھا نہیں ہوتا مگر یہ کہ شیطان ان کے ساتھ تیسرا فرد ہوتا ہے (یعنی ان کو بہکا کر گناہ میں گرفتار کرا دیتا ہے۔)

☆ ☆ ☆ ☆

اور امام بخاری و مسلم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((إياكم والدخول على النساء. فقال رجل: يا رسول اللهؐ أفرأيت الحمو؟ قال: الحمو الموت))۔

عورتوں کے پاس جانے سے بچو تو ایک صاحب نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ بتلایئے کہ کیا دیور وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ دیور تو موت (کی طرح خطرناک) ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆

یہ قرآنی نصوص اور احادیثِ نبویہ قطعی طور سے مرد و زن کے اختلاط کو حرام قرار دے رہی ہیں ان نصوص و احادیث میں نہ کسی شک و شبہ کی گنجائش ہے اور نہ کسی بحث و تمحیص کی۔
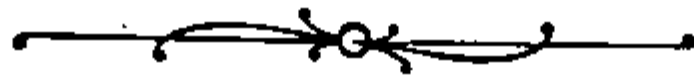
لہٰذا جو لوگ مرد و زن کے اختلاط کو جائز قرار دیتے ہیں اور اس کے جواز کے لیے معاشرتی پروگراموں اور نفسیاتی معالجات اور شرعی دلیلوں کو بہانہ جواز اور مبرر بناتے ہیں، یہ لوگ درحقیقت شریعت پر بہتان باندھتے ہیں۔ اور فطری اور طبیعی جبلت سے غافل بننے کی کوشش کرتے ہیں، اور یہ لوگ اس تکلیف دہ حقیقت سے تغافل برتتے ہیں جس میں آج تمام انسانی معاشرے گرفتار ہیں۔

جو لوگ اختلاط کو جائز قرار دیتے ہیں ان کے بارے میں ہم نے جو یہ کہا ہے کہ وہ شریعت پر افترا پردازی کرتے ہیں یہ ان بے شمار نصوص کی بنا پر کہا ہے جو ابھی ذکر کی جا چکی ہیں۔

اور جبلت اور فطری طبیعت سے تجاہل سے کام لینے کا حکم ہم نے اس لیے لگایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب مرد و زن کو پیدا کیا تو ان میں سے ہر ایک میں دوسرے کی طرف جنسی میلان و کشش ودیعت رکھ دی ہے:

((فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ)) الروم: ۳۰

اللہ کی اس فطرت کا اتباع کرو جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں۔

اختلاط مرد و زن اور بے پردگی کی دعوت دینے والے کیا یہ چاہتے ہیں کہ دنیا کے نظام و مزاج اور انسان کی فطرت کو بدل ڈالیں، اور زندگی کے طریقوں کو پلٹ دیں اور خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ اختلاط کی صورت میں مرد و عورت میں سے ہر ایک جنسی طور پر بھوکا اور اخلاقی طور سے بے لگام و بدکردار ہو۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں فتنہ اور شدید ہوگا اور برائی اور گناہ کی طرف رغبت اور زیادہ شدید ہوگی۔

اور اگر بچپن سے لڑکے لڑکیوں کا باہمی اختلاط اور زندگی کے تمام مراحل میں ان کا ایک ساتھ رہنا عورت کی طرف دیکھنے کو ایک ایسا طبیعی اور فطری مانوس امر بنا دے جس سے مرد و عورت کے دل میں شہوت اور جنسی خواہش پیدا نہ ہو تو پھر تو میاں بیوی کے درمیان محبت عداوت سے بدل جائے گی۔ اور ان کے درمیان رحمت و الفت ظلم سے بدل جائے گی اور پھر تو جنسی مواصلت و اتصال میں برودت آجانا چاہیئے۔ اور دونوں میں سے ہر ایک کو دوسرے کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک رہنے کو پسند نہیں کرنا چاہیئے حالاں کہ یہ بات بالکل غلط اور واقع اور مشاہدہ کے خلاف ہے۔

اور ہم نے جو کہا کہ یہ لوگ اس تکلیف دہ حقیقت سے تغافل برتتے ہیں جس میں بہت سے انسانی معاشرے مرد و زن کے اختلاط کی آزادی دے کر گرفتار ہوئے ہیں۔ اور اس زہریلے تجربہ کی وجہ سے خطرناک صورتِ حال سے دوچار ہیں۔ وہ اس لیے کہ انہیں چاہیئے کہ یہ مغربی اور مشرقی ممالک کے ان معاشروں سے پوچھیں کہ ان کے یہاں عورت آزادی بے راہ روی و فساد اور گناہ کے کس انتہائی درجہ تک پہنچ گئی ہے حالاں کہ وہاں تمام طبقوں اور ہر معاشرے میں مرد و زن میں اختلاط عام ہے۔ سڑک ہو یا اسکول، بازار ہو یا دفتر، یونیورسٹی و کالج ہو یا تفریح گاہیں ہر جگہ مرد و عورت شانہ بشانہ پھرتے ہیں لیجیے آپ کی خدمت میں ان کے معاشرہ کے چند واقعات پیش کیے جاتے ہیں اور وہاں اس اختلاط کے جو نتائج برآمد ہوئے اور واقعات سامنے آئے ہیں، ان واقعات میں سے چند یہ ہیں:

- سید قطب شہید کی کتاب "الاسلام والسلام العالمی" میں لکھا ہے کہ: امریکہ میں ثانوی سطح کے اسکولوں کی حاملہ طالبات کی تعداد اڑتالیس فی صد تک پہنچ گئی ہے۔
- لبنانی اخبار "الاحد" اپنے شمارہ نمبر ۶۵۰ میں امریکی کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جنسی جرائم کے سلسلہ میں لکھتا ہے کہ: امریکی کالجوں اور یونیورسٹیوں میں طلباء و طالبات کے درمیان جنسی جرائم روز بروز نئی نئی شکل میں روز افزوں ہیں۔ امریکہ کی یونیورسٹیوں میں طلباء نے ایک مظاہرہ کیا جس میں ان کا نعرہ یہ تھا کہ ہمیں لڑکیاں چاہییے ہیں ہم مزے اڑانا

اور عیش کرنا چاہتے ہیں۔

طالبات کے سونے کے کمروں پر رات کو اچانک طلبہ نے دھاوا بول دیا اور ان کے اندرونی مخصوص کپڑے چرا لیے۔ یونیورسٹی کا ذمہ دار حادثہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ: اکثر طلبا و طالبات نہایت بھیانک جنسی بھوک کا شکار ہیں۔ اور اس میں ذرہ برابر کوئی شک و شبہ نہیں کہ موجودہ دور کے طرز زندگی کا طلبا کے اخلاقی بگاڑ میں سب سے زیادہ حصہ ہے۔

روزنامہ یہ بھی لکھتا ہے کہ: گذشتہ سال کے واقعات شمار کرنے اور تخمینہ لگانے سے یہ معلوم ہوا کہ ایک لاکھ بیس ہزار ناجائز بچے ان غیر شادی شدہ لڑکیوں نے جنم دیے ہیں جن کی عمر بیس سال سے زائد نہیں ہیں اور ان میں سے اکثر کالجوں اور یونیورسٹیوں کی طالبات ہیں۔

روزنامہ مزید لکھتا ہے کہ: ولایت بروڈفیڈنس کی پولیس رپورٹ میں لکھا ہے کہ گذشتہ مئی کے اخیر ہفتہ کی چھٹیاں چھیاسٹھ طلبہ و طالبات نے روڈی لینڈ میں گزاریں، اور پھر وہ طلبا یونیورسٹی واپس نہیں لوٹے بلکہ ولایت کی جیل روانہ کر دیے گئے۔ اس لیے کہ انہیں مشکوک و مشتبہ حالت میں گرفتار کیا گیا تھا، اور ان میں سے بعض تو منشیات بھی استعمال کرتے تھے۔

قوم و معاشرے کی مربیہ مارگریٹ سمتھ سے ایک بات چیت نقل کرتے ہوئے اخبار لکھتا ہے کہ انہوں نے کہا کہ: طالبات کو صرف اپنے جذبات و خواہشات کی فکر ہی دامن گیر رہتی ہے، اور وہ ان وسائل کے درپے رہتی ہیں جو ان کی اس خواہش کو پورا کر سکیں، سو میں ساٹھ سے زیادہ طالبات امتحانات میں ناکام ہو گئیں۔ اور ناکامی کے اسباب میں سے یہ ہے کہ وہ اپنے اسباق بلکہ مستقبل سے زیادہ جنس و جنسیات کے بارے میں سوچتی ہیں۔ اور ان میں سے صرف دس فیصد ایسی طالبات ہیں جو اپنے اسباق اور عزت و آبرو کی حفاظت کرتی ہیں۔

✿ اور جارج بالوشی اپنی کتاب "الثورہ الجنسیۃ" میں لکھتے ہیں کہ:

کینیڈی نے ۱۹۶۲ء میں صاف صاف یہ کہا کہ امریکہ کا مستقبل خطرے میں ہے۔ اس لیے کہ امریکہ کے نوجوان اخلاق باختہ ہیں اور وہ بے راہ روی میں مبتلا ہیں۔ اور جنسی دھندوں میں ایسے غرق ہیں کہ وہ اس ذمہ داری کو ادا نہیں کر سکتے جو ان کے کاندھوں پر ڈالی گئی ہے۔ اور ہر ان سات نوجوانوں میں سے جو فوج میں بھرتی کے لیے پیش ہوتے ہیں چھ نااہل ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ جنسی بے راہ روی جس میں وہ غرق رہ چکے ہوتے ہیں اس نے ان کی صحت و طاقت اور نفسیات کو تباہ کر دیا ہوتا ہے۔

اور ۱۹۶۲ء میں خروشچیف نے بھی کینیڈی کی طرح یہ کہا ہے کہ روس کا مستقبل خطرہ میں ہے۔ اور روس کے نوجوانوں کا مستقبل غیر محفوظ ہے، اس لیے کہ وہ بے راہ روی اور شہوات و جنسیات میں غرق ہیں۔

✿ اور ڈیل ڈیورینٹ اپنی کتاب "مباہج الفلسفہ" میں لکھتے ہیں کہ:

ایک مرتبہ ہم پھر اسی پریشانی اور مشکل کا شکار ہو گئے ہیں جس نے سقراط کو بے چین کر دیا تھا، ہماری مراد یہ ہے کہ ہم ان

فطری اخلاق تک دوبارہ کس طرح راستہ پائیں گے جوان قانونی سزاؤں اور دفعات کی جگہ لے لیں جن کا اثر لوگوں کے کردار وزندگی سے ختم ہو چکا ہے۔ ہم اس بے حیائی و بے راہ روی سے اپنے عظیم معاشرتی سرمایے کو تباہ و برباد کر رہے ہیں۔

مانع حمل اشیاء وادویات کی ایجاد اور ان کا عام ہونا ہمارے اخلاق کے بگاڑنے کا ایک راست اور بڑا سبب بنا ہے' اس لیے کہ پہلے زمانے میں اخلاقی قانون جنسی ملاپ کو شادی کے ساتھ مقید رکھتا تھا۔ اس لیے کہ نکاح کا لازمی نتیجہ باپ بننے کی شکل میں ظاہر ہوتا تھا جس سے کسی طرح مفر نہیں ہو سکتا تھا، اور باپ اپنے بچے کا مسئول و ذمہ دار صرف نکاح کے راستہ سے ہی بنتا تھا، لیکن آج یہ صورتحال نہیں ہے بلکہ آج جنسی ملاپ اور توالد و تناسل کے درمیان رابطہ ڈھیلا پڑ گیا ہے۔ اور ایک ایسا موقف وجود میں آگیا ہے جس کی ہمارے والدین کو ہرگز توقع نہیں تھی، اس لیے کہ اس سبب کی وجہ سے عورتوں اور مردوں کے درمیان تمام تعلقات بدل رہے ہیں۔

البتہ یہ بات نہایت رسوا کن ہے کہ ہم پانچ لاکھ امریکی لڑکیوں کو اس بات کی خوشی خوشی اجازت دے دیں کہ وہ اپنے آپ کو آزادی، بے راہ روی اور اباحیت کی بھینٹ چڑھا دیں۔ جن کو ہمارے سامنے ڈراموں اور عریاں وفحش ادبی کتابوں میں پیش کیا جاتا ہے۔ وہ لڑکیاں جو یہ چاہتی ہیں کہ ان مردوں اور عورتوں میں جنسی جذبات وخواہش بھڑکا دی جائے جو شادی کے محفوظ قلعے اور اس کے ذریعے صحت کی حفاظت کرنے والی زندگی سے محروم ہیں۔

چنانچہ جو شخص بھی شادی میں تاخیر کرتا ہے تو وہ ان بازاری لڑکیوں کے ساتھ میل جول اختیار کر لیتا ہے جو کھلم کھلا برائی کی گھاٹی میں الٹے سیدھے ہاتھ پاؤں مارتی رہتی ہیں اور مرد کو اس عرصہ میں اپنی جنسی خواہشات اور سفلی جذبات پورے کرنے کا موقعہ مل جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ شادی مؤخر کر دیتا ہے۔ وہ ایسا بین الاقوامی آراستہ وپیراستہ نظام پاتا ہے جو نہایت جدید سے جدید لباس سے آراستہ ہوتا ہے اور مختلف اعلیٰ قسم کے اداروں کی تنظیم سے وابستہ ہوتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ساری دنیا نے ہر وہ طریقہ ایجاد کر لیا ہے جس کا جنسی خواہشات کے بھڑکانے اور ان کے پورا کرنے کے سلسلہ میں تصور بھی کیا جا سکتا ہو۔

غالب گمان یہ ہے کہ لذتِ نفسانیہ کے حاصل کرنے کے لیے یہ نت نئے طریقے اختیار کرنے کا سب سے بڑا سبب اور عامل ڈارون کا دینی عقیدوں وغیرہ کی شدید مخالفت ہے۔ اس لیے کہ جب نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو یہ معلوم ہوا کہ دین ان کی ان جنسی شہوات ولذات کی مخالفت کرتا ہے تو انہوں نے علم ہی کے ذریعہ دین کو رسوا و بدنام کرنے کے ہزاروں اسباب تلاش کر لیے۔

اور اس سے کوئی راہِ فرار نہیں کہ جسم میں جنسی جذبات بھڑکیں، اور گذشتہ ادوار کے لوگوں میں جو اپنے نفس پر کنٹرول کا جو ملکہ اور قوت تھی وہ کمزور پڑ جاتے، اور وہ پاکدامنی وعفت کا جوہر جو پہلے عظمت و عزت کا ذریعہ تھی وہ مذاق کا

ذریعہ بن جائے۔ اور وہ حیاء جو خوبصورتی کو چار چاند لگایا کرتی تھی وہ نیست و نابود ہو جائے۔ اور لوگ اپنے گناہوں کو شمار کر کے فخر کرنے لگ جائیں، اور عورتیں اپنی غیر محدود آزادی اور ہر طرح کے گھومنے پھرنے کے حق کا اس بنیاد پر مطالبہ کریں تاکہ مردوں کے ساتھ برابری حاصل ہو جائے، اور شادی سے قبل ہی جنسی ملاپ ایک مانوس چیز بن جائے۔ اور پیشہ ور رنڈیاں پولیس کے خوف کے بجائے ان عورتوں کی وجہ سے سڑکوں سے غائب ہو جائیں جو اپنے جذبات ٹھنڈے کرنے کے لیے آوارگی کو اختیار کرتی ہے۔[1]

✿ مصری روزنامہ "الیوم" نے ۲۴/۴/۱۹۶۵ء کی اپنی اشاعت میں یہ خبر چھاپی ہے کہ:

سویڈن کی عورتوں نے ایک ایسے مظاہرہ میں شرکت کی جس میں سویڈن کے مختلف اطراف کی عورتیں شامل تھیں، اور وہاں کے مختلف علاقوں میں مظاہرہ کر کے انہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ کھلی جنسی آزادی پر پابندی لگائی جائے۔ اور اس مظاہرہ میں ایک لاکھ عورتوں نے شرکت کی تھی۔

یہی اخبار لکھتا ہے کہ اپریل ۱۹۶۴ء میں جب سویڈن میں ایک سو چالیس بڑے ڈاکٹروں نے بادشاہ اور پارلیمنٹ کو ایک یادداشت پیش کی جس میں انہوں نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ ایسی دفعات نافذ کی جائیں جو اس جنسی انارکی اور آوارگی کی روک تھام کر سکیں جو درحقیقت لوگوں کی صحت و زندگی کو جھنجھوڑ کر رکھ دینی والی ہے۔ اور ڈاکٹروں نے یہ مطالبہ کیا کہ جنسی آزادی کے خلاف قانون وضع کیے جائیں، تو اس پر بہت لے دے ہوئی اور شور شرابہ کیا گیا۔

"بن لندسی" نامی جج اپنی کتاب "نئی نسل کی سرکشی" میں لکھتے ہیں کہ:

امریکہ میں لڑکیاں وقت سے پہلے بالغ ہونے لگی ہیں۔ اور چھوٹی عمر سے ہی ان میں جنسی شعور نہایت تیزی سے بیدار ہو جاتا ہے۔ موصوف جج نے آزمائشی طور پر تین سو بارہ لڑکیوں پر ریسرچ کی تو معلوم ہوا کہ ان میں سے دو سو پچاس لڑکیاں گیارہ سے تیرہ سال کی عمر میں بلوغ کو پہنچ گئی تھیں، اور اس چھوٹی عمر ہی میں ان کی جنسی خواہش اور جسمانی ساخت ایسی ہو گئی تھی جو عام طور سے اٹھارہ سال اور اس سے زیادہ عمر کی لڑکیوں کی ہوتی ہے۔

ڈاکٹر ادیث ہاکر اپنی کتاب "القوانین الجنسیۃ" میں لکھتے ہیں کہ:

ترقی یافتہ اور متمدن طبقہ میں بھی اب یہ بات کوئی انوکھی یا تعجب خیز نہیں رہی ہے کہ سات یا آٹھ سال کی بچیاں بچوں سے یاری کریں اور بسا اوقات وہ ان کے ساتھ گناہ میں بھی مبتلا ہو جاتی ہیں۔ اور ڈاکٹر موصوف نے اپنے اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے بہت سی مثالیں بھی پیش کی ہیں۔

برطانوی اخبارات نے ایک خبر شائع کی ہے کہ پچیس سال کی ایک نوجوان استانی قریب البلوغ لڑکوں کی ایک جماعت کو جنسی تجربہ کی عملی مشق کرایا کرتی تھی، چنانچہ وہ اپنے تمام طلباء و شاگردوں کے سامنے ایک ایک کر کے اپنے تمام کپڑے اتار دیا

---

[1] مباہج الفلسفہ (۱-۶ تا ۱۳۴)۔

کرتی تھی اور مکمل طور سے بے حیائی اور ڈھٹائی کے ساتھ اس کام کی عملی تربیت دیا کرتی تھی!!

لندن کے اخبار "الشرق الاوسط" نے ۱۵/۷/۱۹۷۹ء کے شمارے میں لکھا ہے کہ یورپ میں پچھتر فی صد شوہر اپنی بیویوں کے ساتھ خیانت کرتے ہیں۔ اور کم تعداد میں شادی شدہ عورتیں بھی یہی حرکت کیا کرتی ہیں۔ اور بہت سی مرتبہ شوہر کو اپنی بیوی کی اس خیانت کا علم بھی ہو جاتا ہے اور بیوی کو بھی اپنے شوہر کی خیانت معلوم ہو جاتی ہے لیکن اس کے باوجود بھی بسا اوقات میاں بیوی کے تعلقات صورۃً قائم رہتے ہیں اور ان میں کسی قسم کی علیحدگی پیدا نہیں ہوتی۔

شادی سے قبل اسی سے پچاس فیصد تک مرد لڑکیوں سے دوستیاں رکھتے ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کے پاس صرف ایک دوست لڑکی ہوتی ہے۔ اور اس کے علاوہ باقی ماندہ دوسرے وہ زانی غیر شادی شدہ مرد جن کی دوست لڑکیاں نہیں ہوتیں وہ اپنی جنسی بھوک مٹانے کے لیے ایک سے دوسری عورت کی طرف منتقل ہوتے رہتے ہیں!!

لبنان کے رسالے "الامان" نے اپنی اشاعت ۳۰/۱۱/۱۹۷۹ء میں لکھا ہے کہ ایک آزاد قسم کا عرب نوجوان ڈنمارک گیا، اور وہاں کے ایک تھیٹر میں اچانک اس نے کیا دیکھا کہ ایک ایکٹرس ایک ایک کر کے اپنے تمام کپڑے اتار رہی ہے پھر تمام لوگوں کے سامنے وہ مکمل برہنہ ہو کر کھڑی ہو گئی، اور پھر اس نے اپنے پالتو کتے کو بلایا تاکہ وہ سب کے سامنے اس کے ساتھ زنا کرے، اور پھر تھوڑی دیر بعد اس نے حاضرین کو چیلنج دیا کہ وہ بھی ساز و آواز و موسیقی کے شور و غل اور رنگا رنگ کو چکا چوند کر دینے والی روشنی میں اس کے ساتھ وہی کام کریں جو کتے نے کیا تھا، اور پھر اس عرب نوجوان نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک مدہوش افریقی تھیٹر کے تخت پر اس کتے کی پیروی کرنے کے لیے اس عورت کی طرف بلا حاصل بڑھا لیکن وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا!!

کیا آپ نے فرانس کی "الجمعیۃ الوطنیۃ" کے سربراہ "لوئز دکیہ" کی یہ بات سنی ہے کہ:

ایک ایسا بوڑھا جو چوہتر سال کی عمر کو پہنچ چکا تھا، باوجود اس بڑھاپے کے اس کو عمر کے وقار نے ـــــ اس بات سے باز نہ رکھا کہ وہ جنسی انارکی اور بے حیائی اور گناہ کے سمندر میں سر تا پا غرق ہو جائے۔ چنانچہ اس کا ذاتی ملازم سپاہی اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اس نے چودہ سے اٹھارہ سال تک کی عمر کی نوجوان لڑکیوں کی ایک جماعت تیار کر رکھی تھی۔ جو پیرس میں حکومت کے ایک محل اور پیرس کے ممتاز بڑے لوگوں کے شاندار بنگلوں میں ننگی اور مادر پدر آزاد محفلیں قائم کرتی تھیں، اور فرانس کے حکام کے لیے یہ ایک نہایت مشکل مسالہ ہے۔

شکاگو کی امریکی سی آئی اے کی رپورٹ جو تیرہ جلدوں میں شائع ہوئی ہے اس نے یہ لکھا ہے کہ اس تباہ کن آزادی اور حیوانوں کی سی ترقی و تہذیب نے امریکہ کے صرف خاندانوں ہی کے نظام کو خراب نہیں کیا ہے بلکہ اس نے امریکہ میں ایسی تہذیب کی بنیاد ڈال دی ہے جس کا تدارک نہ پولیس سے ہو سکتا ہے اور نہ عدالتوں سے۔

امریکی اخبار "ہیرالڈ ٹریبون" اپنی اشاعت ۲۹/۹/۱۹۷۹ء میں ان مباحث کا خلاصہ پیش کرتا ہے جو امریکہ کے اسپیشلسٹوں

نے اس گندی اور ناپسندیدہ صورتحال کے بارے میں پیش کی ہیں جو مغربی معاشروں میں عمومی طور سے اور امریکی معاشرہ میں خصوصی طور سے پھیل رہی ہے۔ اور وہ بیماری محرمات یعنی بیٹی اور بہن کے ساتھ حرامکاری کا ارتکاب کرنا ہے۔

محققین لکھتے ہیں کہ یہ بات کوئی انوکھی اور نادر نہیں رہی ہے بلکہ یہ صورت حال اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ اس کی تصدیق کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ چنانچہ وہاں ہر دس خاندانوں میں سے ایک خاندان ایسا ضرور ہے جس میں اس بے حیائی کا ارتکاب کیا جاتا ہے !!

یہ صورت حال تو بہن بھائیوں اور دوسرے قریبی محرم رشتہ داروں میں ہے۔ پھر بھلا آپ ہی بتایئے کہ اسوقت کیا صورتِ حال ہو گی جب نوجوان لڑکے اور نوجوان لڑکیاں ایک دوسرے کے ساتھ تعلیمی یا کام کاج اور ملازمت کے میدان میں جمع ہوں گے اور ان میں نہ تو نسب کا رابطہ ہو گا اور نہ رشتہ داری کا تعلق ہے ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ان کا گناہ میں ملوث ہونا اور بے حیائی میں گرفتار ہونا زیادہ یقینی ہو گا !!؟

مغربی قوموں کی حقیقی زندگی اور اختلاط مرد وزن کا تجربہ کرنے کی وجہ سے وہ جس صورت حال سے دوچار ہیں اس کے جو حقیقی اور سچے واقعات ہم نے پیش کیے ہیں یہ مشتے از خروارے، سمندر سے چلو بھرنے کے برابر ہیں، اور یہ دراصل جنسی بے راہ روی اور اخلاقی کج روی اور انحراف کے اس سمندر کا ایک قطرہ ہے جس میں تمام عالم کے معاشرے گرفتار ہیں۔ جو دراصل آزادی و بے پردگی اور گمراہی اور انحطاط کے دور میں اختلاط کے عام ہونے کا ایک دردناک و بھیانک نتیجہ ہے۔ یہ یاد رہے کہ اہلِ مغرب اور مشرق والوں کے یہاں مرد وزن کا باہمی اختلاط بچوں کی ابتدائی تعلیم گاہوں اعدادی ثانوی اور کالج و یونیورسٹی تک برقرار رہتا ہے، بلکہ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے ان معاشروں کی تمام معاشرتی زندگی کے ہر شعبہ میں مکمل طور سے اختلاط موجود اور عام ہے۔

اب آپ ہی بتلایئے کہ اس وضاحت وتفصیل کے بعد کیا کوئی صاحبِ بصیرت عقل مند آج کل کے اختلاط کے دعویداروں کی اس بات کو صحیح تسلیم کر سکتا ہے کہ مرد وزن کا باہمی اختلاط فطری جذبات کو ٹھنڈا اور شہوت کی تیزی کو کم کرنے کا ایک ذریعہ ہے اور اس کی وجہ سے دونوں جنسوں کا ایک دوسرے کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اکٹھا ہونا ایک مانوس و عام چیز بن جاتا ہے علامہ زاہد کوثری رحمہ اللہ نے اپنے مقالات میں جو لطائف بیان کیے ہیں ان میں سے ایک لطیفہ یہ بھی ہے۔ کہ دولتِ عثمانیہ کا ایک سفیر ایک مرتبہ انگریزوں کے ملک میں برطانوی حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں کے ساتھ ایک محفل میں شریک ہوا۔ تو وہاں موجود لیڈروں میں سے ایک صاحب نے اس سے کہا:

آپ لوگ اس پر کیوں مصر ہیں کہ مشرق کی مسلمان عورت ترقی کی دوڑ میں مرد سے پیچھے اور مردوں سے الگ تھلگ اور نور و روشنیوں سے محجوب رہے؟!! عثمانی حکومت کے سفیر نے ان صاحب سے فرمایا: اس لیے کہ مشرق کی ہماری عورتیں یہ پسند نہیں کرتیں کہ اپنے شوہروں کے علاوہ کسی اور سے بچے پیدا کریں یہ بات سن کر وہ صاحب بہت شرمندہ

ہوتے اور کوئی جواب نہ دے سکے، بتلائیے اب اس کے بعد اور کس بات پر وہ ایمان لائیں گے۔

مرد وزن کے باہمی اختلاط اور اس کے نتائج کے سلسلہ میں گفتگو کرتے ہوئے والدین اور تربیت کرنے والے حضرات کے سامنے میں یہ حقیقت کھول کر بیان کر دینا چاہتا ہوں کہ صہیونیت اور استعمار و سامراجیوں اور مادیت اور اباحیت پسندوں کے پروگراموں کا سب سے بڑا اور اولین مقصد یہ ہوتا ہے کہ مسلمان معاشرہ کو بگاڑ دیا جائے، اور اس کی حیثیت کو ختم کر کے اسے ٹکڑے ٹکڑے اور پراگندہ کر دیا جائے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ اخلاقی اقدار کو ختم کر دیا جائے اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے دلوں سے دینی مفاہیم و مذہب کی عظمت ختم کر دی جائے۔ اور مسلم معاشرہ میں ہر اعتبار اور ہر پہلو سے آزادی بے راہ روی اور برائیوں کو پھیلا دیا جائے، اباحیت و آزادی کی اس دعوت کے عام کرنے اور مکر و فریب کا جال پھیلانے کے لیے ان لوگوں کے یہاں عورت سب سے کارآمد اسلحہ اور اولین مقصود اور ہدف ہے۔ اس لیے کہ اباحیت کی دعوت کو عام کرنے اور سامراج کا پروگرام نافذ کرنے کے لیے عورت ہی سب سے ضعیف وکمزور اور جذباتی عنصر ہے جو ان کے مقاصد کے حصول کا بہترین ذریعہ بنتی ہے۔

سامراجیوں کا ایک پوپ کہتا ہے: شراب کا جام اور حسین وجمیل دوشیزہ امتِ محمدیہ کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں وہ اثر رکھتی ہے جو ہزار توپیں نہیں رکھتیں، لہٰذا اس امتِ محمدیہ کو مادہ اور جنس وشہوت کی محبت میں غرق کر ڈالو۔

بدنام زمانہ فری میسن تنظیم کے لیڈروں میں سے ایک لیڈر کہتا ہے: عورت کو اعتماد میں لینا ہمارا فریضہ ہے اس لیے کہ جس دن بھی اس نے اپنا ہاتھ ہماری طرف بڑھا دیا اسی دن ہم حرام تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں گے اور دین کی فتح وکامیابی کے لیے کوشش کرنے والوں کا لشکر تتر بتر ہو جائے گا۔

صہیونی حکماء کے پروٹوکول میں یہ لکھا ہے کہ: یہ نہایت ضروری ہے کہ ہم اس بات کی کوشش کریں کہ ہر جگہ اخلاقی حالت دگرگوں ہو جائے تاکہ ہر جگہ ہم غلبہ حاصل کر سکیں، "فرائڈ" ہماری جماعت کا آدمی ہے اور وہ کھلم کھلا جنسی تعلقات کے مناظر پیش کرتا رہے گا تاکہ نوجوانوں کی نظر میں کوئی چیز بھی مقدس نہ رہے اور ان کا سب سے بڑا مقصد اپنی جنسی خواہشات کی تسکین بن جائے اور اس صورت میں ان کے اخلاق کا جنازہ نکل چکا ہوگا۔

لہٰذا جو لوگ اسلامی ملکوں میں مرد وزن کے اختلاط کے دعویدار ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ یہ اختلاط ہماری معاشرتی زندگی کے ہر شعبہ میں عام ہو جائے یہ لوگ درحقیقت اسلام کے دشمن مادی الحادی اور اباحیت پسند مذاہب والوں کی سازشوں کو نافذ کرنے کا ذریعہ اور ان کے لیے پروپیگنڈہ کرنے کا آلہ بن رہے ہیں اور یہ لوگ سامراجی اور صہیونی اور ماسونی (فری میسن کے) افکار کی دعوت دینے والوں کو فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ خواہ اس بات کو یہ لوگ سمجھ رہے ہوں یا نہ سمجھیں اور خواہ انہیں یہ حقیقت محسوس ہو رہی ہو یا محسوس نہ ہو رہی ہو۔

اس لیے والدین مربیوں اور مسؤلین کا یہ فریضہ ہے کہ وہ لڑکیوں کو لڑکوں سے مکمل طور دور رکھیں خواہ تعلیم کا میدان ہویا اور کوئی دوسرا میدان، تاکہ لڑکیوں میں عزتِ نفس اور پاکدامنی کا جوہر پیدا ہو اور معاشرہ برائیوں اور آزادی کے مسموم اثرات سے محفوظ رہے اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں میں جسمانی اور نفسیاتی لیاقت وصلاحیت پیدا ہو اور امتِ اسلامیہ اعداءِ اسلام کی ان سازشوں سے بچ سکے جو وہ مسلمان عورت کو خراب کر کے نقصان پہنچانے کے لیے کیا کرتے ہیں۔

عائشہ تیموریہ نے اپنے علم پاکدامنی وحجاب پر فخر کرتے ہوئے کتنے عمدہ اور بہترین اشعار کہے ہیں:

بيد العفاف أصون عزحجابي	وبهمتي أسمو على أترابي
پاکدامنی کے ذریعہ میں اپنے حجاب کی عزت محفوظ رکھتی ہوں	اور اپنی بلند ہمتی سے میں اپنے ہم عمروں پر فوقیت حاصل کرتی ہوں
ما ضرّني أدبي وحسن تعلمي	إلا بكوني زهرة الألباب
میرے علم وادب اور تعلیم وتعلم نے مجھے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچایا	سوائے اس کے کہ مجھے عقلمندوں کی کلی اور پھول بنا دیا
ما عاقني خجلي عن العليا ولا	سدل الخمار بلمتي ونقابي
میری شرم وحیانے مجھے بلندیوں تک پہنچنے سے نہیں روکا اور	بالوں پر دوپٹہ ڈالنے اور نقاب کے لٹکانے نے

۲۔ فکری ذہن سازی کی ذمہ داری

دینِ اسلام نے بچوں کے سلسلہ میں والدین اور مربیوں پر جو نہایت عظیم ذمہ داری ڈالی ہے وہ یہ کہ بچوں کو بچپن اور شروع سے ہی فکری و ذہنی طور سے تیار کیا جائے اور سمجھداری وعقل کی پختگی کے دور تک ان کی ذہنی وفکری تربیت کی جائے، اور فکری تربیت کا مقصد یہ ہے کہ مندرجہ ذیل چیزوں سے بچے کا ربط وتعلق ہو:

اسلام کے ساتھ دین وحکومت کے اعتبار سے۔

اور قرآنِ عظیم کے ساتھ نظام وقانون کے اعتبار سے۔

اور اسلامی تاریخ کے ساتھ عزت ومجد وعظمت کے لحاظ سے۔

اور عمومی اسلامی تہذیب وتمدن کے ساتھ فکری اور روحانی طور پر۔

اور اسلامی دعوت کے ساتھ نہایت جرأت مندانہ فعال ربط ولگاؤ اور خصوصی تعلق وجذبہ۔

اس لیے تربیت کرنے والوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ بچہ جب سمجھدار اور باشعور ہوجائے تو

بچے کو مندرجہ ذیل حقائق اسی وقت سے ذہن نشین کرادیں

الف۔ اسلام ایک ابدی اور دائمی مذہب ہے، اور وہ ہر زمانے اور ہر جگہ کے لیے پوری صلاحیت رکھتا ہے

اس لیے کہ اس میں اس بات کی پوری صلاحیت موجود ہے کہ وہ ہر دور اور ہر ملک کی تمام ضروریات پوری کرے اور پیش آنے والے مسائل کا حل پیش کرے۔

ب، ہمارے آباء واجداد عزت وقوت ترقی وتمدن کے جن عظیم الشان مراتب کو پہنچے تھے وہ صرف اس وجہ سے کہ انہیں اسلام کی دولت نے طاقت وعزت بخشی تھی اور انہوں نے قرآنِ کریم اور اس کے احکامات کو کلی طور سے نافذ کر رکھا تھا۔

ج، اعداءِ اسلام سازشوں کا جو جال بچھاتے ہیں اسے بچوں کے سامنے کھول کھول کر بیان کیا جائے جو مندرجہ ذیل راستوں سے مسلمانوں میں پھیلتے ہیں:

مکار صہیونیت کی سازشیں۔

ظالم سامراج کی سازشیں۔

ملحد وبددین شیوعیت وکمیونزم کی سازشیں۔

بغض وحسد رکھنے والے عیسائیوں کی سازشیں۔

یہ تمام سازشیں صرف اس مقصد کے لیے ہوتی ہیں تاکہ روئے زمین سے اسلامی عقیدہ کو ختم کر دیا جائے اور مسلمان معاشرے اور قوم میں الحاد کی تخم ریزی ہو، اور مسلمان خاندانوں اور مسلم معاشرے میں بے حیائی، آزادی وبے راہ روی کو عام کر دیا جائے۔ اور اس سب کا اولین وآخری مقصد یہ ہے کہ مسلمان نوجوانوں سے جہاد اور مدافعت کی روح ختم کر دی جائے، اور اپنی ذاتی اغراض ومقاصد کے لیے اسلامی ممالک کی دولت وثروت سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اور بالآخر اسلامی امتیازات اور خصوصیات کو دنیا کے ان تمام حصوں سے ختم کر دیا جائے جہاں کے رہنے والے اسلام کی طرف منسوب ہیں!!

د، اسلام کی اس تہذیب وتمدن کو کھول کھول کر بیان کیا جائے جس سے ایک نہایت طویل عرصہ تک تمام دنیا سیرابی حاصل کرتی رہی ہے اور تاریخ کے صفحات میں وہ سب کا سب محفوظ ہے۔

ہ، اور اخیر میں بچے کو یہ باور کرا دینا چاہیے کہ ہم ایک ایسی امت ہیں جو تاریخ میں ابوجہل، ابولہب اور اُبَی بن خلف کی وجہ سے نہیں پہچانے جاتے بلکہ ہمارا نام تاریخ کے زریں صفحات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی وجہ سے درج ہوا ہے۔

اور فتوحات کا دروازہ ہم نے جنگِ بسوس، وداحس اور غبراء کے ذریعہ نہیں کھولا بلکہ ہم نے فتوحات کا دروازہ جنگِ بدر، قادسیہ اور یرموک کے ذریعہ کھولا ہے۔

اور ہم نے سبع معلقات کے ذریعہ نہیں بلکہ قرآن مجید کے ذریعہ دنیا پر حکومت کی ہے۔

اور ہم نے لوگوں کو لات وعزیٰ نامی بتوں کا پیغام نہیں پہنچایا بلکہ لوگوں کو ہم نے اسلام کی دعوت دی اور قرآنِ کریم کی تعلیمات سے روشناس کرایا[1]

فکری غذا بہم پہنچانے کے سلسلہ میں اصل وہ روایت ہے جسے امام طبرانی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«أدبوا أولادكم على ثلاث خصال: حب نبيكم، وحب آل بيته، وتلاوة القرآن».	اپنے بچوں کو تین باتیں سکھاؤ: اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت، اور ان کے اہلِ بیت کی محبت، اور قرآن کریم کی تلاوت۔

اس قسم کا ذہن تیار کرنے کے لیے ہمارے سلفِ صالح بہت اہتمام کیا کرتے تھے اور نوعمری سے ہی بچے کو قرآنِ کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات اور بزرگوں اور بڑوں کے کارناموں کی تعلیم دینے کو ضروری سمجھتے تھے۔

اس سلسلہ میں ان حضرات کے چند فرمودات و وصایا درج ذیل ہیں:

◉ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اپنے بچوں کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کی تعلیم بالکل اسی طرح دیا کرتے تھے جس طرح انہیں قرآنِ کریم کی سورتیں سکھایا کرتے تھے۔

◉ امام غزالی اپنی کتاب احیاء العلوم میں یہ وصیت لکھتے ہیں کہ:
بچے کو پہلے قرآنِ کریم، احادیثِ مبارکہ اور سلفِ صالحین کی کہانیاں اور کچھ دینی مسائل سکھانا چاہیئے۔

◉ علامہ ابن خلدون نے اپنی کتاب "مقدمہ" میں بچوں کو قرآنِ کریم کی تعلیم دینے اور اس کے حفظ کرانے کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے اور یہ بتلایا ہے کہ مختلف اسلامی ملکوں میں قرآنِ کریم کی تعلیم ہی تعلیم کے تمام تدریسی مناہج اور نظامِ تعلیم کی اساس اور بنیاد ہے، اس لیے کہ قرآنِ کریم دین کے شعائر میں سے ایک ایسا عظیم شعار ہے جو ایمان میں رسوخ پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔

◉ خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے اپنے بچے کے معلم کو یہ نصیحت کی تھی کہ وہ اسے اللہ تعالیٰ کی کتاب اور بہترین اشعار اور خطابت اور جنگوں کی تاریخ کی تعلیم دیں اور اس کو اخلاقِ حسنہ سکھانے کا اہتمام کریں اور لوگوں سے ملنے جلنے کے آداب کی مشق کرائیں۔

مندرجہ بالا اقوال اور اس کے علاوہ اور بہت سے اقوال ہمارے سامنے اس کامل و مکمل دینی سمجھ بوجھ کا نقشہ پیش

---

[1] یہ حصہ جناب عصام عطار کی ایک تقریر سے لیا گیا ہے۔

کرتے ہیں جو گذشتہ ادوار میں مسلمان معاشروں میں پائی جاتی تھی خواہ وہ حکام ہوں یا محکوم، علماء ہوں یا عوام، اساتذہ ہوں یا طالبِ علم۔

لیکن اس سمجھ بوجھ کے پیدا کرنے کا راستہ اور طریقہ کیا ہے؟

اس کو پیدا کرنے کے لیے مختلف طریقے اختیار کرنا پڑتے ہیں:

۱۔ بھرپور توجہ و رہنمائی۔

۲۔ عمدہ بہترین عملی نمونہ پیش کرنا۔

۳۔ بھرپور مطالعہ۔

۴۔ اچھے اور سمجھدار ساتھیوں کا انتخاب۔

◉ بھرپور توجہ و رہنمائی سے مقصد یہ ہے کہ والدین اور مربیوں کو بچے کو اسلام کی حقیقت روشناس کرانا چاہیئے، اور بچوں کو وہ احکامات وقوانین اور بنیادی اصول بتلائے سمجھائے جائیں جن پر اسلام مشتمل ہے اور اسے یہ باور کرادیا جائے کہ اسلام ہی ایک ایسا یکتا و منفرد دین ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کا ملکہ اور باقی رہنے کی صلاحیت اور قیامت تک آنے والے ہر دور کے لیے رہنمائی کی پوری اہلیت موجود ہے، اور مربی اور خاص کر والد کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ نہایت اہتمام سے بچے کو یہ سمجھانے کی کوشش کرے کہ عزت صرف اور صرف اسلام میں مضمر ہے اور قرآنی تعلیمات پر عمل پیرا ہوئے بغیر کامیابی کا حصول ممکن نہیں، اور قوت وطاقت اور عزت وترقی صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت ہی پر عمل کرنے سے حاصل ہوسکتی ہے۔ اور ساتھ ہی والد کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچے کو یہودی استعماری سامراجی اور کمیونزم اور عیسائیت کے جالوں اور فریب کاریوں سے بھی باخبر رکھے، جن کا مقصدِ اصلی اسلام کو ختم کرنا اور اس کے کھلے ہوئے حقائق اور بلند و بالا روشن کارناموں کی شکل بگاڑنا ہے۔ اور جن کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے دلوں سے جہاد اور دشمن سے مقابلہ کرنے کی روح نکال دی جائے اور دورِ حاضر کے معاشرہ کو گمراہی الحاد اور اباحیت وآزادی کی تربیت دی جائے۔

باپ کا یہ بھی فریضہ ہے کہ وہ بچے کو اسلام کی وہ روشن اور بلند و بالا تہذیب وثقافت سکھلائے جو صدیاں گزرنے کے بعد بھی تمام انسانیت پر نورِ حق اور تہذیب وتمدن اور انسانیت اور علم وعرفان کے انوارات کی بارش کررہی ہے۔ اور باوجود صدیاں گزرنے کے ایک طویل عرصہ تک پورا کا پورا یورپ اس کے چشمۂ صافی سے فیضیاب ہوتا رہا اور اس کی روشنی ونور سے ہدایت حاصل کرتا رہا۔

بلاشبہ اگر بچے کو اس طرح کی بھرپور توجہ ورہنمائی سے نوازا گیا تو واقعۃً اس کا تعلق اسلام کے ساتھ مضبوط ہوگا۔ دین وحکومت کے اعتبار سے اور قرآن کریم سے نظام وقانون کے لحاظ سے اور تاریخِ اسلامی سے مقتدیٰ ہونے اور فخر و

اعزاز کے لحاظ سے ، اور جہاد و اسلامی تحریکوں سے عملی و جذباتی تعلق مستحکم ہوگا۔

واقعی اس عظیم رہنمائی اور اس بھرپور توجہ اور اس صحیح و عمدہ تربیت کے بچے کتنے زیادہ محتاج ہیں !!

◉ عمدہ و بہترین عملی نمونہ پیش کرنے سے مراد یہ ہے کہ بچے کا ایسے مخلص سمجھدار دیندار اور اسلام کے اسرار و رموز سے واقف استاذ سے تعلق جوڑ دیا جائے جو اسلام کی طرف سے مدافعت کرنے والا، اس کے سلسلہ میں غیرت رکھنے والا ـــ دین کے لیے جہاد کرنے والا اور اس کے احکامات کو نافذ کرنے والا ہو جسے اللہ کے دین کے سلسلہ میں کسی بھی ملامت کرنے والے کی ملامت کی قطعاً پرواہ نہ ہو۔

آج سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ جو حضرات بچوں کی تعلیم و ارشاد کے منصب پر فائز ہیں وہ اپنے طلبہ اور متعلقین کے سامنے اسلام کو بگاڑ کر اس کی الٹی تصویر پیش کرتے ہیں سوائے ان گنے چنے چند لوگوں کے جن کے حال پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور ایسے لوگ بہت ہی کم پائے جاتے ہیں۔

بعض اساتذہ و مرشد تو ایسے ہوتے ہیں جو اپنی پوری توجہ نفس کی اصلاح اور اس کے تزکیہ پر ہی منحصر کر دیتے ہیں، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور حکام کو نصیحت و خیر خواہی اور ظلم و ظالموں کے مقابلہ کے فریضہ کو بالکل بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔

اور بعض وہ ہوتے ہیں جو سارا زور ان ظاہری چیزوں اور آداب پر خرچ کر دیتے ہیں جن کا اسلام نے حکم دیا ہے مثلاً داڑھی رکھنا، پردہ کرنا، اسلامی لباس پہننا، ٹوپی پہننا وغیرہ اور روئے زمین پر اللہ کا حکم نافذ کرنے کے سلسلہ میں عملی قدم اٹھانے اور اس سلسلہ میں مل جل کر کام کرنے سے دور رہتے ہیں۔

اور بعض حضرات وہ ہوتے ہیں کہ جو علوم شرعیہ کی طرف اپنی تمام تر توجہ مبذول کر دیتے ہیں اور دعوت و ارشاد اور تحریک جہاد کے پہلو سے توجہ ہٹا لیتے ہیں، اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اسلام کی مدد کر رہے ہیں، اور ان میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ..... اور ان میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں کہ .....

یہ بات یاد رہے کہ اسلام ایک ایسی حقیقت اور ایسی کل ہے جو تجزی اور جزء جزء ہونے کو قطعاً قبول نہیں کرتی، لہٰذا کسی بھی مرشد و عالم اور کسی بھی ایسے فرد کے لیے جسے لوگوں نے اپنا مقتدا بنایا ہو یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ کے کسی حکم کو چھپائے یا کسی امر منکر اور حرام کو ہوتے ہوتے دیکھے اور اس سے چشم پوشی کرے اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا صاف اور کھلا ہوا ارشاد ہے :

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ	بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ ہم نے صاف حکم
وَالْھُدٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰہُ لِلنَّاسِ	اتارے اور ہدایت کی باتیں اس کے بعد کہ ہم ان کو
فِی الْکِتٰبِ اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُھُمُ اللہُ وَ یَلْعَنُھُمُ	کھول چکے لوگوں کے واسطے کتاب میں، ان پر اللہ لعنت

اللّٰعِنُوْنَ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿﴾)۔ البقرۃ ۔ ۱۵۹ و ۱۶۰

کرتا ہے اور ان پر لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں مگر جنہوں نے توبہ کی اور اپنے کام کو درست کیا اور حق بات کو بیان کر دیا، تو ان کو میں معاف کرتا ہوں اور میں بڑا معاف کرنے والا نہایت مہربان ہوں۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں خبردار کیا ہے جیسا کہ اسے ابن ماجہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں فرمایا:

((من كتم علماً مما ينفع الله به الناس في أمر الدين ألجمه الله يوم القيامة بلجام من نار))۔

جو شخص کسی ایسے علم کو چھپاتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ لوگوں کو دین کے سلسلہ میں فائدہ پہنچاتا ہو تو اس شخص کو قیامت میں آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔

آج جو حضرات وعظ وارشاد کا کام کرتے ہیں ان میں سے بعض میں انحراف کی بعض عجیب عجیب نشانیاں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے آپ کو بالکل معصوم سمجھتے ہیں۔ اور حق کو اپنی فانی شخصیت کے ساتھ مربوط سمجھتے ہیں، اور شریعت نے ان پر جو احکامات عائد و فرض کیے ہیں ان کی قطعاً پرواہ نہیں کرتے، اور وہ یہ سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ وہ ایسے بلند مقام پر فائز ہو گئے ہیں جہاں پہنچ کر نہ ان سے غلطی صادر ہو سکتی ہے اور نہ کسی قسم کی لغزش، لہٰذا چاہے وہ غلطی پر کیوں نہ ہوں تب بھی کسی بھی شخص کو ان پر تنقید کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ اور جب وہ کسی بات کا حکم دے دیں تو کسی مرید کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ان سے اس سلسلہ میں مراجعت کرے، اس لیے کہ وہ معصوم اور غلطی سے محفوظ ہیں، حالاں کہ یہ بات یاد رہنا چاہیے کہ عصمت اور غلطی سے محفوظ رہنا یہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی خصوصیت ہے چنانچہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ امام مالک رحمہ اللہ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرقد مبارک کے سامنے کھڑے ہوئے اور فرمایا: ہم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ جس نے کسی پر تردید نہ کی ہو یا جس پر کسی نے تردید نہ کی ہو سوائے اس مرقد میں رہنے والی ذات کے۔ اور یہ کہہ کر انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی طرف اشارہ کیا۔

اور ان لافانی اور یادگار مواقف میں سے جنہیں مخلص اور بڑے علماء اختیار کیا کرتے تھے اپنے زمانے کے بڑے عالم اور مرشد شیخ سعید نورسی ترکی جن کو بدیع الزمان رحمہ اللہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے کا عظیم موقف ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ جب انہوں نے یہ محسوس کیا کہ ان کے طلباء ومریدین میں سے کچھ ایسے لوگ ہیں جو ان کی عزت واحترام میں بہت زیادہ غلو ومبالغہ کرتے ہیں اور حق کو انہی کی فانی ذات میں محصور سمجھتے ہیں تو انہوں نے ان حضرات کو نصیحت اور صحیح راستہ کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا:

میں آپ لوگوں کو جس حق کی طرف دعوت دیتا ہوں آپ لوگ اسے میری گناہگار فانی ذات کے ساتھ مرتبط نہ کریں بلکہ

آپ لوگوں کو چاہیے کہ آپ اس کا رابطہ اس کے مقدس چشمہ سے قائم کریں جو کہ اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور آپ لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ میری حیثیت اس سے زیادہ نہیں کہ میں اللہ جل شانہٗ کے سامان کے دلال کی حیثیت رکھتا ہوں، اور آپ لوگ یہ سمجھ لیں کہ میں معصوم نہیں ہوں، مجھ سے کبھی گناہ بھی ہو سکتا ہے اور انحراف بھی۔ اس لیے مجھے ایسا درجہ نہ دیں کہ اگر مجھ سے کوئی غلطی گناہ یا انحراف صادر ہو تو اس کی وجہ سے دینِ حق کا وہ منظر خراب ہو جائے جسے آپ لوگ میرے ساتھ مربوط کرتے ہیں۔ اس لیے کہ ایسی صورتِ حال دو چیزوں سے خالی نہ ہوگی یا تو یہ کہ اس انحراف اور گناہ کے کرنے میں میں دوسرے لوگوں کا مقتدا بن جاؤں گا۔ اور یا میرے اس انحراف اور گناہ کی وجہ سے حق و راہ راست پر جو دھبہ آیا ہے اس کی وجہ سے میں لوگوں کو حق سے دُور کرنے والا بن جاؤں گا۔

اس لیے مربیوں کو چاہیے کہ ایسے سمجھدار مخلص دیندار عالم سے اپنے بچوں کا تعلق جوڑ دیں جو انہیں اسلام کا ایک ایسا عام و کامل مکمل نقشہ پیش کرے جو عقیدہ و شریعت اور دین و حکومت سب پر محیط ہو، اور جس کا تزکیہ اور جہاد اور عبادت و سیاست دونوں سے ارتباط ہو،

اور وہ عالم و مرشد ان کی تربیت اور نفسیاتی اصلاح عمدگی اور صحیح طریقے سے کر سکے، اور ان کا تعلق حق اور شریعت اور سلفِ صالحین کی قیمتی توجیہات و رہنمائی سے قائم کرے نہ کہ اپنی فانی ذات اور گناہگار شخصیت کے ساتھ۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جب بچوں کا رابطہ صحیح سمجھدار مقتدیٰ سے اس مذکورہ شکل میں قائم ہو جائے گا تو انہیں تقویٰ اور جہاد کی روح پیدا ہوگی اور ان میں اللہ کے سامنے جھکنے اور گڑگڑانے اور حق کو جرأت سے بیان کرنے کی عادت پڑے گی، اور مسجد و محراب میں اللہ کی عبادت کرنے اور میدانِ جہاد میں دشمنوں سے ٹکرانے کا جذبہ پیدا ہوگا اور ایسی صورتِ حال میں وہ بالکل اسی طرح بن جائیں گے جیسا ان کے بارے میں کسی مسلمان شاعر نے کہا ہے:

شباب ذللوا سبل المعالي	وما عرفوا سوى الإسلام دينا
ایسے نوجوان ہیں جنہوں نے عظیم کارناموں کے راستوں کو آسان کر لیا	اور اسلام کے سوا کسی دین کو قابلِ اعتناء نہ سمجھا
تعهدهم فأنبتهم نباتا	كريماً طاب في الدنيا غصونا
اللہ نے ان کی حفاظت کی اور ان کو ایسے عمدہ درخت کی طرح	پیدا کیا جو دنیا میں بہترین ٹہنیوں والا ہوتا ہے
إذا شهدوا الوغى كانوا كماةً	يدكون المعاقل والحصونا
جب وہ میدانِ جنگ میں ہوتے ہیں تو وہ ایسے مسلح	جنگجو ہوتے ہیں جو پناہ گاہوں اور قلعوں کو پاش پاش کر دیتے ہیں
وإن جن المساء فلا تراهم	من الإشفاق إلا ساجدينا
اور جب رات چھا جائے تو آپ انہیں	خوفِ خدا کی وجہ سے سجدہ کی حالت میں ہی دیکھیں گے
كذلك أخرج الإسلام قومي	شباباً مخلصاً حراً أمينا

اسلام نے میری قوم میں سے اسی طرح — کے مخلص شریف اور دیانتدار نوجوان ہی پیدا کیے ہیں

وعلمه الكرامة كيف تبنى — فيأبى أن يقيد أو يهونا

اور اسے یہ بتادیا کہ کرامت وعزت کس طرح قائم کی جاتی ہے — لہٰذا وہ قیدوبند وذلت ورسوائی سے دور رہتا ہے

اور جب ہمارے بچے اس طرح کے ہو جائیں گے تو پھر اسلام اور مسلمانوں کو ان کے ہاتھوں ہر طرح کی عزت و
امیابی اور سیادت وسربراہی حاصل ہو جائے گی۔

اور بھرپور مطالعہ سے مراد یہ ہے کہ سنِ شعور کو پہنچتے ہی مربی بچے کیلیے ایک ایسا کتب خانہ (خواہ وہ چھوٹا ہی سا کیوں
ہو) مہیا کردے جس میں مسلمانوں کے بہادر قائدین کے کارنامے واقعات اور سلف صالحین ونیک لوگوں کی حکایتیں
ور کہانیاں اور واقعات جمع کیے گئے ہوں۔

اور ساتھ ہی اس کتب خانے میں ایسی کتابیں بھی ہوں جو عقیدہ اخلاق اقتصادیات اور سیاست کے بارے میں
سلامی نقطۂ نظر اور نظام کو فکری طور سے پیش کرنے والی ہوں، اور ایسی کتابیں بھی ہونا چاہییں جو کمیونسٹوں سامراجیوں
یسائیوں اور یہودیوں اور دوسرے مادی مذاہب وغیرہ کی ان سازشوں کو بے نقاب کریں جو وہ اسلام کی مخالفت
بس تیار کرتے رہتے ہیں۔

نیز اس مکتبہ میں ایسے اسلامی ماہنامے بھی ہونا چاہیئے جو اسلام کی صحیح ترجمانی کرتے ہوں، اور عالم اسلام کی خبریں
قل کرتے ہوں اور پیش آمدہ مشکلات کا حل بیان کرتے ہوں، اور مختلف موضوعات پر نہایت عمدہ اور پیارے جاذب
ندازسے قلم اٹھاتے ہوں۔

مربی کو چاہیے کہ ان کتابوں، رسالوں اور قصہ کہانیوں کی کتابوں میں سے ایسی کتابوں کا انتخاب کرے۔ جو اس کی
مر اور ثقافت اور معیار و درجے کے مناسب ہو، تاکہ فائدہ پورا اٹھایا جاسکے، اور بچہ اس سے جو کچھ حاصل کرنا چاہتا ہے وہ
بخوبی حاصل کرسکے۔ اور ساتھ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ مبارک پر بھی عمل ہو جائے جسے امام بخاری حضرت
لی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

«حدثوا الناس بما يعرفون». — لوگوں سے ایسی باتیں کرو جنہیں وہ سمجھ سکیں۔

اور دیلمی اور حسن بن سفیان حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ:

«أمرت أن أخاطب الناس على قدر عقولهم». — مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے ان کی عقل وسمجھ کے مطابق گفتگو کروں۔

* * * *

اور حقیقت یہ ہے کہ جب مربی حضرات اپنے بچوں کے ساتھ یہ طریقہ اختیار کریں گے اور ان کے ساتھ اس راستہ پر
چلیں گے تو وہ مکمل طور پر اسلامی ثقافت سے آراستہ وپیراستہ ہو جائیں گے اور صحیح ودرست اسلامی شعور اور ذہن ان میں

بتدریج پروان چڑھے گا۔

اور سمجھدار و اچھے ساتھیوں سے مراد یہ ہے کہ تربیت کرنے والے اپنی اولاد کے لیے ایسے ساتھیوں کا انتخاب کریں جو نیک صالح اور دیانت دار ہوں، اور پختہ اسلامی سمجھ اور فکری تیقظ اور کامل اسلامی تہذیب سے آراستگی میں دوسروں سے ممتاز ہوں۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر بچہ ادراک و شعور کی حدود میں قدم رکھتے ہی ذہنی اور فکری طور سے بے وقوفوں کے ساتھ رہے گا تو لازمی طور سے وہ بھی بے وقوف بن جائے گا۔ اور جب اس کا اٹھنا بیٹھنا ایسے لوگوں کے ساتھ ہوگا جو اسلام کی حقیقت اور مخلوق اور عالم دنیا اور انسان کے سلسلہ میں اسلام کے نظریہ سے بے خبر ہوں گے یا ان کا دائرہ اس سلسلہ میں ناقص یا محدود ہوگا تو بچہ بھی لاشعوری طور پر ان سے اس قصور و کوتاہی کو اپنے اندر پیدا کرلے گا۔

لہٰذا صرف اتنی بات کافی نہیں کہ ساتھی نیک صالح اور نمازی ہو اور نہ صرف یہ کافی ہے کہ وہ تہذیب یافتہ اور تیز و طرار اور ذکی ہو بلکہ یہ ضروری ہے کہ صلاح و تقویٰ کے ساتھ ساتھ اس میں عقلی پختگی اور معاشرتی امور کی سمجھ و ادراک اور اسلامی فہم میں پختگی بھی ہو تاکہ وہ برابر کا ساتھی اور متقی و پختہ رفیق بن سکے۔

پرانے زمانے کی ایک مثل مشہور ہے کہ: الصاحب ساحب ساتھی اپنے ساتھی کو اپنی طرف کھینچنے والا ہوتا ہے۔

اور اصحاب بصیرت و معرفت کہتے ہیں: مجھ سے یہ مت پوچھو کہ میں کون ہوں؟ بلکہ مجھ سے یہ پوچھو کہ میں کس کے ساتھ رہتا ہوں؟ اس کے ذریعہ سے تم پہچان لوگے کہ میں کون ہوں۔

اور کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

عن المرء لا تسل وسل عن قرينه ::	فكل قرين بالمقارن يقتدى
کسی شخص کے بارے میں دریافت نہ کرو بلکہ اس کے ساتھی کے بارے میں پوچھو	اس لیے کہ ہر ساتھی اپنے ساتھی کی پیروی کیا کرتا ہے

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا درج ذیل فرمانِ مبارک کتنا صحیح اور درست ہے جسے امام ترمذی روایت کرتے ہیں کہ:

((المرء على دين خليله فلينظر أحدكم من يخالل)).	انسان اپنے دوست کے مذہب پر ہوتا ہے اس لیے تم میں سے ہر شخص یہ دیکھ لے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔

※ ※ ※ ※

اس لیے تربیت کرنے والوں کو چاہیئے کہ جب ان کے بچے سن شعور و امتیاز میں قدم رکھیں تو ان کے لیے ایسے نیک صالح اور سمجھدار ساتھیوں کا انتخاب کریں جو انہیں اسلام کی حقیقت سمجھائیں۔ اور اسلام کی ایسی بنیادی باتیں سکھلائیں جو ہر چیز پر محیط ہیں۔ اور انہیں اسلام کی ابدی تعلیمات سے روشناس کریں۔ اور ان کے سامنے اس دین کی سچی و صحیح تصویر

پیش کریں جس کے جھنڈے سے جرأت مند شریف بہادروں اور ان کے عظیم آباء واجداد نے بلند و بالا کیے تھے، اس تربیت کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ بچے واقعۃً ایسی بہترین امت بن جائیں گے جسے لوگوں کی خیر و بھلائی کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔

اخیر میں میں یہ چاہتا ہوں کہ مربیوں والدین اور سرپرستوں کے کان میں یہ حقیقت بھی کہہ دوں کہ:

کیا یہ صورتِ حال افسوسناک نہیں ہے کہ ہمارے نوجوان شعور اور سمجھداری کی عمر کو پہنچ جاتے ہیں لیکن انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اسلام دین اور حکومت، قرآن و تلوار، اور عبادت و سیاست سب کا نام ہے، اور اسلام ہی ایک ایسا منفرد دین ہے جس میں تمام چیزوں پر محیط ہونے، دائمی ابدی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے باقی رہنے، اور ترقی پذیر زمانے اور ترقی یافتہ زندگی کے ساتھ ساتھ چلنے کی پوری صلاحیت موجود ہے۔

کیا یہ بات تکلیف دہ اور افسوسناک نہیں کہ ہماری اولاد اسکولوں میں مغرب کے سرکردہ لوگوں اور مشرق کے فلاسفہ کے بارے میں تمام باتیں پڑھتی ہو اور ان کے افکار و آراء اور ان کی زندگی کی تاریخ اور کارناموں وغیرہ کے بارے میں ــ تمام معلومات رکھتی ہو۔ اور اپنے مسلمان بہادروں اور تاریخ میں نام پیدا کرنے والے بڑے لوگوں اور اسلام کے بہادر جرنیلوں کی زندگی کے بارے میں ان کو بہت معمولی اور تھوڑا سا ہی علم ہو۔

اور پھر کیا یہ ذلت و رسوائی کی بات نہیں ہے کہ ہماری اولاد مدارس سے ایسی حالت میں فارغ ہو کر نکلے کہ اجنبی و غیر ملکی ثقافت و تہذیب اور مغربی و مشرقی تعلیمات اور نظریات نے ان کو اس طرح مسخ کر کے رکھ دیا ہو کہ انمیں سے اکثریت دین، تاریخ و ثقافت اور تہذیب کی بھی دشمن بن گئی ہو۔

اور پھر کیا یہ بات دل و جگر کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے والی نہیں ہے کہ مسلمان نوجوان طبقہ دعوت و ارشاد کے ایسے دعویداروں کے پیچھے چلنے لگ جائے جو ان کی قوتِ تفکیر کو معطل کر دیں اور اسلامی دینی ثقافت سے ان کا بالکلیہ تعلق منقطع کر دیں، اور مخلص، اور ہر ایسے مرشد عالم سے ان کا تعلق ختم کر دیں جو انہیں اسلام کی حقیقت سمجھا سکے اور اسلام کا محیط و شامل و کامل نظریہ ان پر واضح کر سکے۔

اور آخری بات یہ ہے کہ کیا یہ ذلت و رسوائی اور عیب کی بات نہیں کہ ہماری اولاد ملحدانہ نظریات پر مشتمل کتابیں اور گندے اور عریاں رسالے اور عشقیہ قصے کہانیاں تو جمع کر لے، لیکن ان کا ایسی کتب سے قطعاً کوئی دور کا واسطہ بھی نہ ہو جو اسلام کے نظام کو پیش کرتی ہوں اور دشمنوں کے اعتراضات کی تردید کرتی اور تاریخ کے قابلِ فخر کارناموں کو بیان کرتی ہوں؟!!

اس لیے اے والدین و مربیو آپ کی یہ ذمہ داری ہے کہ آپ لوگ اپنے جگر گوشوں کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داری

اور مسئولیت کو پورا کریں اور اگر ان کے نظریات وافکار دوسروں کی آراء و اجنبی خیالات اور غلط وگمراہ کن آرار پر مشتمل ہوں تو آپ ان کے افکار اور ذہنیت کی اصلاح کے لیے پوری جدوجہد اور محنت وکوشش کریں ــــ اور ساتھ ہی آپ پر یہ بھی فرض ہے کہ آپ صبح وشام ان کو ملحدوں عیسائیوں کی مکاریوں فریبوں اور مادہ پرست مستشرقین کی بہتان طرازیوں کی تردید سے بھی باخبر کرتے رہیں۔

اگر آپ نے ایسا کیا تو واقعی اس طرح سے ان کی افکار کی صحیح آبیاری ہوگی اور ان کے عقیدے کو اس سے محفوظ کرلیا جائے گا کہ وہ منحرف عقاید اور تباہ کن نظریات اور فتنہ انگیز مکاریوں سے متاثر ہو۔

اگر آپ حضرات اس راستے پر چلے اور اس منہج وطریقے کو آپ نے اختیار کرلیا تو آپ کی اولاد اپنے دین کو عزت وافتخار کا ذریعہ سمجھے گی اور اپنے بزرگوں بڑوں اور تاریخ پر فخر کرے گی اور اسلام کے علاوہ کسی دین کو شریعت وعقیدہ، تلوار وقرآن، اور دین وحکومت، اور عبادت وسیاست نہیں سمجھے گی، اور وہ اس ابتدائی اولین دور کے افراد بن جائیں گے جن کے بارے میں شاعر نے کہا ہے:

خلفت جيلاً من الأصحاب سيرتهم	تضوع بين الورى روحًا وريحانًا
آپ نے اپنے پیچھے ساتھیوں کی ایک ایسی جماعت چھوڑی ہے جن کی سیرت	مخلوق میں تازگی وریحان کی خوشبو پھیلا رہی ہے
كانت فتوحهمو برًا ومرحمةً	كانت سياستهم عدلاً وإحسانًا
ان کی فتوحات رحم وکرم اور حسن سلوک کا نام تھیں	ان کی سیاست عدل وانصاف اور احسان تھی
لم يعرفوا الدين أورادًا ومسبحةً	بل أشبعوا الدين محرابًا وميدانًا
انہوں نے دین صرف اوراد ووظائف اور تسبیح کو نہیں سمجھا	بلکہ دین کو محراب اور میدان دونوں کا مجموعہ بنادیا
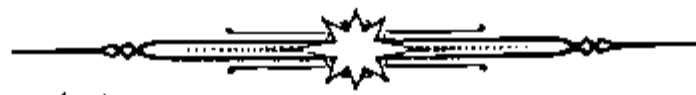
۳- ذہنی صحت وتندرستی

اللہ تعالیٰ نے والدین اور مربیوں سب کی گردن پر جو ذمہ داریاں ڈالی ہیں ان میں سے ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ اپنی اولاد اور شاگردوں کی عقل کی اصلاح ودرستگی کی بھی فکر کریں، اور ان کی خوب دیکھ بھال رکھیں اور جس طرح ان کی نگرانی کرنا چاہیے اس طرح انکی نگرانی رکھیں تاکہ ان کی فکر اور رائے درست رہے، اور ان کا حافظہ قوی، اور ذہن صاف اور عقول پختہ رہیں۔

لیکن بچوں کی عقل کو درست رکھنے کے سلسلہ میں والدین اور مربیوں کی ذمہ داری اور مسئولیت کی حدود کیا ہیں؟

یہ مسئولیت وذمہ داری اس میں منحصر ہے کہ بچوں کو ان مفاسد سے دور رکھا جائے جو معاشرے میں اِدھر اُدھر منتشر

اور بکھرے ہوئے ہیں، جن کا عقل، حافظہ اور انسانی جسم پر عام طور سے اثر پڑا کرتا ہے۔ اور اس موضوع پر ہم اس کتاب میں "جسمانی تربیت کی ذمہ داری" کی فصل کے ذیل میں تفصیل سے گفتگو کر چکے ہیں۔ اور یہاں اس کا خلاصہ بیان کرتے ہیں اور سرسری سا اشارہ کرتے ہیں، تاکہ ہر وہ شخص جس پر تربیت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ علی بصیرۃ دلیل وحجت کے ساتھ اپنی ذمہ داری پوری کر سکے۔

تمام اطباء اس بات پر متفق ہیں اور صحت وجسم سے تعلق رکھنے والے تمام افراد اس بات پر خبردار کرتے ہیں کہ وہ مفاسد وخرابیاں جو عقل وحافظہ پر اثر انداز ہوتی اور ذہن کو گندا اور انسان کی سوچ بچار کی قوت کو شل کر دیتی ہیں، اور جسم وبدن کے لیے نہایت زبردست نقصانات ——— کا سبب بنتی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ شراب نوشی کی لعنت خواہ کسی شکل میں ہو اور کسی قسم کی ہو، یہ ایک ایسی بیماری ہے جو صحت کو تباہ کر دیتی ہے اور جنون پیدا کرتی ہے۔

۲۔ مشت زنی کی عادت، اس پر مداومت دق وسل کو پیدا کر دیتی ہے، اور حافظہ کو کمزور اور ذہنی پس ماندگی اور عقلی تشتت وپراگندگی کا ذریعہ بنتی ہے۔

۳۔ تمباکو نوشی کی لت ایسی لعنت ہے کہ وہ عقل پر اثر انداز ہو کر اعصاب میں ہیجان پیدا کرتی اور حافظہ کو متأثر کرتی ہے اور ذہن کی قوت تفکیر اور یادداشت کو کمزور کر دیتی ہے۔

۴۔ جنسی جذبات کو بھڑکانے والی چیزوں کی آفت، جیسے کہ گندی فلموں کا دیکھنا اور فحش اور عریاں ڈراموں اور ننگی تصویروں کا دیکھنا، اس لیے کہ یہ ایک ایسی آفت ہے جو عقل کی ذمہ داری اور فریضہ کو معطل کر دیتی ہے۔ اور ذہنی پراگندگی پیدا کرتی ہے۔ اور قوت حافظہ اور یادداشت اور سوچ بچار کے ملکہ کو ختم کر دیتی ہے، اور ساتھ ہی اس میں قیمتی وقت کا ضیاع اور فرائض وذمہ داریوں سے غفلت بھی پیدا ہوتی ہے۔

ڈاکٹر "الکیس کاریل" اپنی کتاب "الانسان ذلک المجہول" میں رقمطراز ہیں کہ:

جب انسان میں جنسی خواہش حرکت کرتی ہے تو اس کے غدود ایک خاص قسم کا مادہ پھینکتے ہیں جو خون کیساتھ مل کر دماغ میں سرایت کر جاتا ہے اور دماغ کو ماؤف کر دیتا ہے، اور پھر انسان صحیح سوچ اور تفکیر پر قادر نہیں رہتا۔

اور اس کے علاوہ دوسرے وہ خطرناک مفاسد وبرائیاں جو بچوں کی عقل کو نقصان پہنچاتی ہیں اور ان کے لیے بے شمار آفات اور خطرات کا ذریعہ بنتی ہیں۔

اس فصل کے ضمن میں جو ابحاث پیش کی گئیں ان کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ:

تعلیمی ذمہ داری۔
فکری ذہن سازی۔
عقل کی صحت و آراستگی۔

یہ وہ اہم ذمہ داریاں ہیں جو بچوں کی عقلی تربیت کے سلسلہ میں مربیوں پر عائد ہوتی ہیں، اگر والدین اور مربی اور اساتذہ ان ذمہ داریوں کے ادا کرنے میں کوتاہی کریں گے، اور ان مسئولیات کو پورا کرنے میں تقصیر سے کام لیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ ان کی اس تقصیر کا ان سے عنقریب حساب لے گا، اور ان کی اس لاپرواہی سے جو نتائج نکلیں گے ان سے باقاعدہ اس کی بازپرس ہوگی، یاد رکھیے اللہ کے دربار میں اس وقت کیسی زبردست شرمندگی اٹھانی پڑے گی جب حق بات مکمل کر سامنے آجائے گی اور اپنی کوتاہی کو بچشم خود دیکھ لیں اور عظیم اجتماع کے موقعہ پر ان کے لیے کیسی زبردست تباہی و ہلاکت ہوگی جب رب العالمین کے سامنے ان کے منہ سے یہ جواب نکلے گا:

«رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَ نَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا... رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا»). الاحزاب: ۶۷و۶۸

اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کا کہنا مانا سو انہوں نے ہمیں راہ سے بھٹکا دیا۔ اے ہمارے پروردگار انہیں دوہرا عذاب دے اور ان پر بڑی ہی لعنت نازل کر۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل سچ فرمایا ہے چنانچہ ابن حبان روایت کرتے ہیں:

«إن الله سائل كل راع عما استرعاه حفظ أم ضيع ».

اللہ تعالیٰ ہر نگہبان سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھیں گے کہ کیا اس نے انکی دیکھ بھال وحفاظت کی یا انہیں ضائع کردیا۔

پروردگار ہمیں ان لوگوں میں سے بنا دیجئے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں، وہ لوگ جن کے چہرے حساب وکتاب کے روز سفید و روشن وچمکدار ہوں گے، وہ لوگ جنہوں نے اپنی اولاد اور گھر بار کی دیکھ بھال کی ہوگی، ان کے سلسلہ میں اپنی مسئولیات وفرائض کو بہترین طریقے سے پورا کیا ہوگا۔ آپ ہی سے اچھی امید قائم کی جاسکتی ہے اور آپ ہی وہ کریم داتا ہیں جس سے سوال کیا جاتا ہے۔

پانچویں فصل

۵۔ نفسیاتی تربیت کی ذمہ داریاں

نفسیاتی تربیت سے مراد یہ ہے کہ بچہ جب عقلمند وہوشیار ہوجائے تو اسی وقت سے اس کو جرأت حق کے سلسلہ میں بے باکی وصداقت، اور شجاعت وبہادری کی تربیت دی جائے۔ اور کامل ومکمل ہونے کا شعور پیدا کیا جائے اور دوسروں کے لیے خیر وبھلائی پسند کرنے، اور غصہ کے وقت قابو میں رہنے۔ اور نفسیاتی اور اخلاقی فضائل وکمالات سے آراستہ ہونے کی تربیت دی جائے۔

اور اس تربیت کا مقصد بچے کی شخصیت کو بنانا اور اس کی تکمیل وآراستگی ہے، تاکہ جب وہ بڑا ہو تو جو ذمہ داریاں اس پر ڈالی جائیں انہیں عمدگی اور خوبی کے ساتھ صحیح طریقے سے ادا کرسکے۔

اور چونکہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو وہ اپنے مربیوں کے پاس ایک امانت ہوتا ہے، اس لیے اسلام مربیوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ وہ بچے کے آنکھیں کھولتے ہی نفسیاتی صحت کے وہ اصول اس کی گھٹی میں ڈال دیں جو اس میں یہ صلاحیت پیدا کردیں کہ وہ پختہ عقل صحیح فکر اور عمدہ تصرفات اور بلند ارادے والا مثالی انسان بن سکے۔

اسی طرح ان مربیوں پر یہ ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ وہ بچے کو ان تمام عوامل سے دور رکھیں جو اس کی عزت وکرامت پر بٹہ لگاتے اور اس کے وقار وشخصیت کو مجروح کردیتے ہیں۔ اور جو اسے ایسا انسان بنادیتے ہیں جو زندگی کی طرف حقد وحسد اور کراہیت ونحوست کی نظر سے دیکھتا ہے۔

میرے خیال میں وہ اہم عوامل جن سے مربیوں واساتذہ کو اپنے بچوں اور شاگردوں کو بچانا چاہیئے وہ مندرجہ ذیل عادات ہیں:

۱۔ شرمیلاپن اور جھینپنے کا مرض۔

۲۔ خوف و دہشت کی عادت۔
۳۔ احساس کمتری کا شعور۔
۴۔ حسد و بغض کی بیماری۔
۵۔ غیظ و غضب کی بیماری۔[1]

۱۔ شرمیلا پن اور جھینپنے کا مرض

یہ ظاہری سی بات ہے کہ بچوں میں فطری طور سے شرمیلا پن ہوتا ہے۔ اور اس کی ابتدائی علامات اس وقت سے شروع ہو جاتی ہیں جب بچہ چار مہینہ کا ہو جاتا ہے اور ایک سال کی عمر مکمل ہونے کے بعد تو شرمانے کی عادت بچے میں صاف اور کھلی ہوئی نظر آنے لگتی ہے چنانچہ اگر اسکے سامنے کوئی نیا یا اجنبی آدمی آجائے تو وہ فوراً منہ پھیر لیتا ہے یا اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے یا اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپا لیتا ہے۔[2]

اور تین سال کی عمر میں بچہ شرم اور جھینپنے کو اس وقت محسوس کرتا ہے جب وہ کسی نئی جگہ جاتا ہے تو بسا اوقات وہ تمام وقت اپنی ماں کی گود میں یا اس کے پاس بیٹھ کر گزار دیتا ہے اور اپنا ہونٹ تک نہیں ہلاتا۔[3]

بچوں میں جھینپنے اور شرمیلے پن کا مرض موروثی اعتبار سے بھی اپنا رنگ دکھاتا ہے، جھینپنے کے کم و زیادہ ہونے یا اس کے اعتدال پر رہنے میں ماحول کا بہت بڑا اثر ہوا کرتا ہے۔ اس لیے کہ جو بچے دوسروں کے ساتھ میل جول رکھتے اور ان کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں وہ ان بچوں سے کم شرمیلے ہوتے ہیں جو دوسرے سے میل جول اور اٹھنا بیٹھنا نہیں رکھتے۔

اس مرض کا علاج اس کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ ہم بچوں کو لوگوں کے ساتھ میل جول کا عادی بنائیں چاہے اس سلسلہ میں اپنے دوستوں کو گھر پر بار بار بلا کر میل جول کی عادت ڈالیں۔ یا جب والدین اپنے دوستوں یا عزیزوں سے ملنے جائیں تو بچوں کو بھی اپنے ساتھ لیجائیں۔ یا نرمی سے ان میں اس کی عادت پیدا کریں کہ وہ دوسروں سے بات چیت کیا کریں خواہ وہ لوگ جن سے بات کی جا رہی ہے وہ بڑے ہوں یا چھوٹے۔

بلاشبہ بچوں کو اس کا عادی بنانے سے ان کی نفوس میں شرمیلا پن کم ہو جائے گا اور ان میں خود اعتمادی پیدا ہوگی اور ان میں یہ جرأت پیدا ہوگی کہ وہ ہمیشہ بلا کسی ہچکچاہٹ اور کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ کیے بغیر حق بات کہہ سکیں۔

---

[1] بعض ساتھیوں نے یہ تجویز پیش کی کہ میں ان امراض کے ساتھ "غفلت و تغافل اور لاپرواہی" کی بیماریوں کو بھی شامل کر دوں، لیکن یہ آراء مجھے اس وقت موصول ہوئیں جب میں اس کتاب کو طباعت کے لیے بھیج چکا تھا۔ خدا نے اگر توفیق دی تو انشاء اللہ اگلے ایڈیشنوں میں یہ اضافہ کر دیا جائے گا۔

[2] ڈاکٹر نبیہ غبرہ کی کتاب "المشکلات السلوکیۃ عند الأطفال" (ص۔ ۱۵۳) سے لیا گیا۔

[3] المشکلات السلوکیۃ (ص۔ ۱۵۳)۔

ذیل میں چندوہ تاریخی مثالیں اوراحادیثِ نبویہ پیش کی جارہی ہیں جوتمام تربیت کرنے والے حضرات کے لیے مشعلِ راہ کا کام دیں گی اور انہیں معلوم ہوگا کہ ہمارے سلفِ صالحین نے اپنے بچوں میں عمدہ تربیت کے ذریعے کس طرح جرأت پیدا کی اور شرمیلے پن اور جھینپنے کی بیماری کو ان سے نکال پھینکا:

الف۔ امام بخاری وغیرہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جو کہ ابھی بالغ بھی نہیں ہوئے تھے، یہ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إن من الشجر شجرة لا يسقط ورقها وإنها مثل المسلم، فحدثوني ما هي؟)).

درختوں میں سے ایک درخت ایسا ہے کہ جس کے پتے نہیں جھڑتے اور وہ (نفع پہنچانے میں) مسلمان کی طرح ہے، بتلاؤ وہ درخت کون سا ہے؟

(حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ) لوگ تو وادی کے مختلف درختوں کے بارے میں بتلانے اور سوچنے لگے اور میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ درخت کھجور کا ہے، لیکن شرم کی وجہ سے میں نے لب کشائی نہ کی، پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: کہ اے اللہ کے رسول آپ ہی ہمیں بتلا دیجیے کہ وہ کونسا درخت ہے؟

((قال: هي النخلة)).

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے: کہ میں نے چاہا کہ میں یہ کہہ دوں کہ وہ درخت کھجور کا درخت ہے لیکن میں نے یہ دیکھا کہ میں تو سب سے کم عمر ہوں (اس لیے بولنے کی جرأت نہ کی)۔

ایک اور روایت میں آتا ہے: کہ میں نے دیکھا کہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما خاموش ہیں اس لیے میں نے بات کرنا مناسب نہ سمجھا، پھر جب ہم وہاں سے رخصت ہوئے تو میں نے اپنے والد ماجد سے اپنے دل میں آنے والا خیال ظاہر کیا، تو انہوں نے فرمایا: اگر تم یہ بات اس وقت کہہ دیتے تو مجھے سرخ اونٹوں کے حصول سے زیادہ خوشی حاصل ہوتی۔

ب۔ امام مسلم حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی مشروب لایا گیا، آپ نے اسے نوش فرمایا، اس وقت آپ کی دائیں جانب ایک نوعمر آدمی بیٹھے تھے اور بائیں جانب عمر رسیدہ حضرات بیٹھے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نوعمر لڑکے سے فرمایا:

((أتأذن لي أن أعطي هؤلاء؟)).

کیا تم مجھے اس بات کی اجازت دیتے ہو کہ میں پہلے ان حضرات کو دے دوں؟

٭ ٭ ٭ ٭

تو ان صاحب نے فرمایا: نہیں! بخدا ہرگز نہیں! آپ سے حاصل ہونے والے متبرک حصے کے بارے میں ہرگز بھی میں کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔

ج - امام بخاری حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے (جو اس وقت تک بالغ نہ ہوئے تھے) روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے دور میں بدر کے مشایخ کے ساتھ ساتھ مجھ سے بھی مشورہ کیا کرتے تھے۔ کسی کو اس پر اعتراض ہوا کہ ہمارے بھی اس عمر کے بچے ہیں جب انہیں مشورہ میں شریک نہیں کرتے تو مجھے کیوں شریک کرتے ہیں؟ اس پر حضرت عمر نے ان سے فرمایا کہ ان کے مرتبہ کو تو آپ لوگ جانتے ہی ہیں[1]۔

چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمر نے مجھے بلایا اور ان حضرات کے ساتھ مجھ سے بھی مشورہ کیا میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ انہوں نے اس روز مجھے صرف اس لیے بلایا تھا تاکہ انہیں میرا مرتبہ و درجہ محسوس کرادیں۔

چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ آپ حضرات اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل مبارک کے بارے میں کیا کہتے ہیں:

((إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝)) - نصر - ۱ — جب اللہ کی مدد اور فتح آگئی۔

تو بعض حضرات نے فرمایا کہ: جب ہماری امداد کردی جائے اور فتح حاصل ہوجائے تو ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم اللہ کی تعریف بیان کریں اور اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں۔ بعض دوسرے حضرات بالکل خاموش رہے اور انہوں نے کچھ نہ فرمایا، تو حضرت عمر نے مجھ سے فرمایا: اے ابن عباس! کیا تمہارا بھی یہی خیال ہے؟ تو میں نے کہا: جی نہیں، انہوں نے فرمایا: تم کیا کہتے ہو؟ میں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے وقتِ مقررہ (یعنی وقتِ وفات) کی اطلاع دی ہے چنانچہ فرمایا کہ جب اللہ کی نصرت و فتح آجائے تو یہ آپ کے دنیا سے رحلت کرنے کی علامت ہے لہٰذا:

((فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ۝)) - نصر - ۳ — تو آپ اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کیجیے اور اس سے استغفار کیجیے بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کے بارے میں میرا بھی وہی خیال ہے جو آپ نے کہا۔

د - ایک مرتبہ مدینہ کے راستوں میں سے کسی راستہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گذر ہوا، وہاں بچے کھیل رہے تھے جن میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بھی تھے جو چھوٹے تھے اور کھیل رہے تھے، اور بچے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ڈر سے بھاگ کھڑے ہوئے لیکن حضرت عبداللہ بن زبیر خاموش کھڑے رہے وہاں سے بھاگے نہیں، جب حضرت عمر ان کے پاس پہنچے تو ان سے فرمایا: اور بچوں کے ساتھ تم کیوں نہیں بھاگے؟ تو انہوں نے فوراً فرمایا: میں کوئی مجرم تھوڑی ہوں کہ آپ کو دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوتا اور نہ ہی راستہ تنگ ہے کہ میں بھاگ کر آپ کے لیے اسے کشادہ کردوں، واقعی بڑا جرأت مندانہ اور بالکل درست جواب تھا۔

ہ - عید کے موقع پر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے ایک بیٹے کو پرانے کپڑے پہنے دیکھا تو ان کی آنکھیں آنسوؤں میں ڈبڈبا گئیں، ان کے صاحبزادے نے انہیں دیکھ لیا اور ان سے پوچھا: اے امیرالمؤمنین! آپ کو کس چیز نے

---

[1] یعنی یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت سے دعا فرمائی اور فرمایا:

((اللّٰهم فقهه في الدين وعلمه التأويل)) — اے اللہ انہیں دین کی سمجھ اور قرآن کریم کا علم عطا فرمایئے۔

رلا دیا ہے ؟

تو انہوں نے جواب دیا: میرے بیٹے! مجھے ڈر ہے کہ جب دوسرے لڑکے تمہیں ان پرانے کپڑوں میں دیکھیں تو اس سے تمہارا دل ٹوٹ جائے گا؟!!

تو اس لڑکے نے جواب دیا کہ: اے امیرالمؤمنین! دل تو اس شخص کا ٹوٹتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو، یا جو اپنے ماں باپ کا نافرمان ہوا ور مجھے تو یہ امید ہے کہ آپ کی رضامندی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بھی مجھ سے راضی ہوں گے

و۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی خلافت کے ابتدائی ایام میں مختلف وفود اطراف عالم سے انہیں مبارک باد دینے آئے، چنانچہ اہلِ حجاز کے وفد میں سے جو شخص مبارک باد دینے آگے بڑھا وہ ایک چھوٹا لڑکا تھا جس کی عمر گیارہ سال بھی نہ ہوگی، وہ آگے بڑھا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس سے کہا: تم واپس ہو جاؤ اور تمہارے بجائے کوئی عمر رسیدہ آدمی آگے آئے!!

تو وہ لڑکا یوں گویا ہوا: اللہ تعالیٰ امیرالمؤمنین کا مددگار ہو۔ انسان اپنے جسم کی دو چھوٹی سی چیزوں سے عبارت ہے۔ ایک اس کا دل اور دوسری اس کی زبان پس جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کو بولنے والی زبان اور محفوظ رکھنے والا دل عطا فرما دے تو وہ بولنے اور بات چیت کرنے کا حقدار ہو گیا، اور اے امیرالمؤمنین اگر دارومدار عمر پر ہی ہوتا تو اس وقت آپ سے زیادہ اس کرسی کے حقدار لوگ امت میں موجود ہیں۔

خلیفہ عمر اس کی بات سن کر بہت متعجب ہوئے اور یہ اشعار پڑھے:

تعلم فليس المرأ يولد عالما	وليس أخو علم كمن هو جاهل
تم علم حاصل کرو اس لیے کہ انسان عالم بن کر پیدا نہیں ہوتا	اور عالم جاہل کی طرح نہیں ہوا کرتا ہے
وإن كبير القوم لا علم عنده	صغير إذا التفت عليه المحافل
اور قوم کا ایک بڑا شخص جو جاہل ہوا	اسوقت چھوٹا ہوتا ہے جب اس کے ارد گرد مجلس قائم ہوں

ز۔ ادب کی کتابوں میں جو واقعات مذکور ہیں ان میں یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ ایک لڑکا خلیفہ مامون کے سامنے گویا ہوا اور اس نے خوب عمدہ جوابات دیے تو مامون نے اس سے پوچھا: تم کس کے بیٹے ہو؟

بچے نے جواب دیا: اے امیرالمؤمنین میں علمِ ادب کا بیٹا ہوں!!

مامون نے فرمایا: بہت عمدہ نسب ہے اور پھر یہ شعر پڑھے:

كن ابن من شئت واكتسب أدبًا	يغنيك محموده عن النسب
تم جسکے چاہو بیٹے بن جاؤ اور علم وادب کو حاصل کرلو	اسکا قابل افتخار مرتبہ و مکانت تمہیں نسب سے بے نیاز کر دیگی

إن الفتى من يقول هـا أنـذا — ليس الفتى من يقول كان أبي

جوان وہ ہے جو یہ کہے کہ یہ لو میں سامنے موجود ہوں — وہ شخص ہرگز جوان و بہادر نہیں جو یہ کہے کہ میرے والد ایسے ویسے تھے

ح۔ ایک مرتبہ خلیفہ مامون اپنے دیوان گاہ میں تشریف لے گئے تو ایک نوعمر لڑکے کو کان پر قلم رکھے ہوئے دیکھا تو اس سے پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے کہا میں آپ کی حکومت کا پروردہ، آپ کی نعمتوں میں صبح و شام کرنے والا، آپ کی خدمت کا امیدوار حسن بن رجاء ہوں، خلیفہ مامون اس کے حسنِ انداز و خوش بیانی سے بڑے خوش ہوئے اور فرمایا: فی البدیہہ عمدہ جواب دینے سے عقلوں کا فرق ظاہر ہوتا ہے۔ اس لڑکے کو اس کے موجودہ عہدہ سے بڑے عہدے پر ترقی دے دو۔

ط۔ ایک مرتبہ ہشام بن عبدالملک کے دورِ خلافت میں دیہات میں قحط پڑ گیا، وہاں کے عرب باشندے ان کے پاس حاضر ہوئے اور دربار میں پہنچ کر ان کے سامنے لب کشائی سے گھبرانے لگے۔ ان میں ورداس بن حبیب بھی موجود تھے جو اس وقت چھوٹے بچے تھے، ان پر جب ہشام کی نگاہ پڑی تو انہوں نے اپنے دربانوں سے کہا کہ: جو شخص بھی میرے پاس آنا چاہتا ہے آجاتا ہے حتیٰ کہ بچے بھی آجاتے ہیں؟

اس بچے نے یہ سن کر کہا: اے امیرالمؤمنین: ہم پر تین سال سے قحط آرہا ہے، پہلے سال نے تو چربی کو پگھلا ڈالا اور دوسرے سال نے گوشت کھالیا، اور تیسرے سال نے ہڈیوں کا گودا تک نکال ڈالا۔ اور آپ حضرات کے پاس فالتو مال ہے اگر وہ مال اللہ کا ہے تو اسے اللہ کے بندوں پر تقسیم کر دیجیے، اور اگر وہ مال انہی لوگوں کا ہے تو پھر آپ ان کا مال ان سے کیوں روک کر رکھتے ہیں؟ اور اگر وہ مال آپ لوگوں کا ہے تو آپ دوسروں پر صدقہ کیجیے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو جزاء دیتا ہے اور محسنین کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا۔

خلیفہ ہشام نے فرمایا: اس لڑکے نے تو ہمارے لیے تینوں راستے بند کر دیے اور کوئی بھی گنجائش نہیں چھوڑی چنانچہ دیہات والوں کے لیے سو دینار اور اس لڑکے کے لیے ایک لاکھ درہم کا حکم دیا، تو اس بچے نے کہا: اے امیرالمؤمنین اس کو اہلِ عرب کو انعام دینے کے لیے محفوظ رکھیے اس لیے کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ ان کو بقدرِ ضرورت دینے سے عاجز نہ آجائیں تو ہشام نے فرمایا: کیا تمہیں ضرورت نہیں ہے؟ لڑکے نے جواب دیا: مجھے عام مسلمانوں سے ہٹ کر خصوصی منفرد الگ تھلگ کوئی حاجت و ضرورت نہیں ہے، چنانچہ وہ بچہ ان کے یہاں سے اس حال میں رخصت ہوا کہ وہ قوم کا شریف و معزز ترین فرد تھا۔

سلفِ صالحین کے بچوں کی پیش کردہ مندرجہ بالا مثالوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بچے جھجک احساسِ کمتری اور بلا موقع ظاہری شرم و حیاء سے بالکل آزاد تھے جس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ جرأت مندی و بہادری کے عادی بنائے گئے تھے۔ اور وہ اپنے والدین کے ہمراہ عمومی مجالس، اور ان کے دوستوں کی ملاقات وغیرہ میں شریک ہوا کرتے تھے، اور پھر بڑوں کے سامنے سلیقہ سے گفتگو پر ان کو داد دی جاتی تھی۔ اور سمجھداروں اور فصیح و بلیغ حضرات کو حکام و امراء و خلفاء سے

شرفِ ہم کلامی بخشا جاتا تھا. اور عمومی و علمی مسائل اور مشکلات کے حل کے سلسلہ میں مفکرین و علماء کی محفلوں و مجلسوں میں ان سے مشورہ کیا جاتا تھا.

ادبی و علمی جرأت اور یہ تمام چیزیں بچوں میں علم و سمجھ اور دانائی کے اعلی ترین معانی پیدا کرتی ہیں اور سوجھ بوجھ بڑھاتی ہیں اور ان کو اس بات پر مجبور کرتی ہیں کہ وہ کمال کے اعلی ترین مراتب تک پہنچنے کی کوشش کرتے رہیں اور اپنی شخصیت سازی کریں اور فکری و معاشرتی پختگی پیدا کرنے میں ہمہ تن مصروف رہیں.

اس لیے تربیت کرنے والوں اور خاص طور سے والدین پر آج یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس عظیم و شاندار تربیت کے اصول اپنائیں تاکہ ان کے بچے حق گوئی اور بے باکی اور ادب و احترام کے حدود کے دائرے میں رہتے ہوئے کامل جرأت کا مظاہرہ کر سکیں، اور دوسروں کے احساسات و شعور کا بھی خیال رکھیں. اور ہر شخص کو اس کی شان کے مطابق درجہ دیں، ورنہ تو جرأت بے حیائی سے بدل جائے گی اور صراحت و بے باکی دوسروں کے ساتھ بے ادبی اور قلتِ ادب کی شکل اختیار کرے گی.

ہماری ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ ہم حیاء اور شرمندگی میں فرق کریں، اس لیے کہ یہ بہت واضح سی چیز ہے:

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ شرمندگی نام ہے بچے کے دوسروں کی ملاقات سے بھاگنے اور دور ہونے اور اس سے کنارہ کشی کرنے کا.

اور حیاء نام ہے بچے کے اسلامی آداب اور فضل و کمال اور اخلاق کے طریقوں پر عمل کرنے کا.

لہٰذا شرم اس کا نام نہیں ہے کہ ہم شروع سے ہی بچے کو اس کا عادی بنا دیں کہ وہ ناپسندیدہ چیزوں کے ارتکاب اور گناہوں کے کرنے سے شرم کرنے لگے.

اور نہ یہ کہ ہم بچے کو بڑوں کے احترام کرنے اور محرمات سے نگاہ کو ہٹانے اور کانوں کو ناپسندیدہ باتوں کے چسکے سے سننے یا نامحرم کو دیکھنے کا عادی بنا دیں.

اور نہ ہی شرم اس کا نام ہے کہ ہم بچے کو اس کی عادت ڈال دیں کہ وہ اپنی زبان کو باطل میں مشغول رکھنے سے بچائے اور اپنے پیٹ کو حرام غذا سے بچائے اور اپنے وقت کو اللہ کی طاعت و فرمانبرداری اور اس کی رضامندی کے حصول میں صرف کرے.

حیاء کے یہ معنی ہی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس فرمانِ مبارک میں مراد لیے ہیں جس میں آپ نے ارشاد فرمایا:

«استحيوا من الله حق الحياء». اللہ سے ایسی حیاء کرو جو اس سے حیاء کرنے کا حق ہے۔

تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ہم تو الحمد للہ اللہ سے حیاء کرتے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«ليس ذلك: الاستحياء من الله حق الحياء أن تحفظ الرأس وما وعى، والبطن وما حوى وتذكر الموت والبلى، ومن أراد الآخرة ترك زينة الحياة، وآثر الآخرة على الأولى، فمن فعل ذلك استحيي من الله حق الحياء». رواه الترمذي

یہ حیاء نہیں ہے: اللہ تعالیٰ سے حیاء کرنا درحقیقت یہ ہے کہ تم سر اور اس میں جو اعضاء ہیں ان کی حفاظت کرو۔ اور پیٹ اور جس پر وہ مشتمل ہے اس کی حفاظت کرو اور موت اور بوسیدہ ہونے کو یاد رکھو۔ اور جو شخص آخرت کا طلب گار ہوتا ہے وہ دنیا کی زینت کو چھوڑ دیتا ہے۔ اور آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتا ہے۔ لہٰذا جو شخص ایسا کرے گا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے وہ حیاء کی جو حیاء کرنا چاہیئے۔

اور امام احمد رحمہ اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجِ ذیل فرمانِ مبارک روایت کرتے ہیں:

«اللهم لا يدركني زمان لا يتبع فيه العليم ولا يستحيي فيه من الحليم». اے اللہ مجھے ایسا زمانہ نہ پائے جس میں سمجھدار و عالم کی پیروی نہ کی جاتی ہو اور حلیم و بردبار سے حیاء نہ کی جاتی ہو۔

اور امام مالک رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إن لكل دين خلقاً، وخلق الإسلام الحياء». ہر مذہب و دین کے کچھ اخلاق و اوصاف ہوتے ہیں اور اسلام کا وصف حیاء ہے۔

۲۔ خوف و ڈر

خوف و ڈر۔ ایک ایسی نفسیاتی حالت ہے جو بڑوں چھوٹوں عورتوں مردوں سب کو پیش آتی ہے اور کبھی کبھی یہ عادت قابل تعریف و مستحسن ہو جاتی ہے اگر وہ بچوں میں طبعی حدود کے دائرہ میں ہو اس لیے کہ یہ عادت بچے کو بہت سے حوادث سے بچانے کا ذریعہ اور بہت سے مشکلات و آفات سے دور رکھنے کا سبب بنتی ہے۔

لیکن اگر یہی خوف عام حد سے بڑھ جائے اور فطری حدود سے زیادہ ہو جائے تو اس سے بچے میں نفسیاتی بے چینی پیدا ہو جاتی ہے اور ایسے وقت میں یہ عادت ایک نفسیاتی مسألہ بن جاتی ہے جس کا دور کرنا اور اس کے بارے میں اہتمام کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

بچوں کی نفسیات کے خصوصی ماہر لکھتے ہیں کہ بچہ میں اس کی عمر کے پہلے سال کبھی کبھی خوف کی علامات ظاہر ہوتی ہیں اور یہ اس وقت جب اچانک شور و غل ہو یا کوئی چیز اچانک گر جائے اور اس طرح کی کوئی اور چیز پیش آجائے تقریباً چھٹے مہینہ

سے یہ ہوجاتا ہے کہ جب کوئی اجنبی اور نیا آدمی آجائے تو بچہ اس سے ڈرنے لگتا ہے، پھر جب بچہ تیسرے سال میں داخل ہوتا ہے تو وہ بہت سی چیزوں سے ڈرنے لگتا ہے مثلاً حیوانات، گاڑیاں، پست و نشیبی جگہیں، پانی اور اس طرح کی دوسری اور چیزیں۔

عام طور سے بچوں کی بنسبت بچیاں زیادہ خوف کا اظہار کرتی ہیں اور عام طور سے یہ خوف وڈر بچے کے تخیل پر زیادہ مبنی ہوتا ہے چنانچہ بچہ جتنا زیادہ سوچنے کا عادی ہوگا اتنا ہی زیادہ اس میں خوف کا مادہ ہوگا۔[۱]

بچوں میں خوف وڈر بڑھانے کے اہم اسباب وعوامل درج ذیل ہیں :

- ماں کا بچہ کو سایوں تاریکی اور بھوت چڑیل وغیرہ سے ڈرانا۔
- ماں کا زیادہ نازونخرے اٹھانا، اور ضرورت سے زیادہ بے چین ہونا اور شدتِ احساس۔
- بچے کو گوشہ نشینی یکسوئی اور گھر کی دیواروں کے پیچھے چھپنے کا عادی بنانا۔
- ان خیالی قصوں کا بیان کرنا جن کا تعلق جنوں اور بھوتوں وچڑیلوں سے ہے۔

اور اس کے علاوہ دیگر اور اسباب وعوامل۔

بچوں میں موجود اس مرض کا علاج کرنے کے لیے مندرجہ ذیل امور کی رعایت بہت ضروری ہے :

۱۔ بچے کو شروع ہی سے اللہ پر ایمان اور اس کی عبادت اور ہر پیش آمدہ چیز پر اللہ کے سامنے گردن جھکانے کی تربیت دینا۔ اور بلاشبہ اگر بچے کی تربیت ان ایمانی حقائق کے مطابق ہوا اور اس کو ان روحانی وبدنی عبادات کا عادی بنادیا جائے تو وہ کسی بھی ابتلاء کے وقت نہ خوف زدہ ہوگا اور نہ کسی مصیبت پر جزع فزع کرے گا۔ قرآنِ کریم اسی جانب ہماری رہنمائی کرتا ہے چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

((اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۝ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۝ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۝ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ۝)). المعارج ۔ ۱۹ تا ۲۳	انسان بے ہمت پیدا ہوا ہے کہ جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو جزع فزع کرنے لگتا ہے۔ اور جب اسے خوشحالی ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے ہاں البتہ وہ نمازی (اس حکم میں داخل نہیں) جو اپنی نماز میں برابر لگے رہتے ہیں۔

---

[۱] ملاحظہ ہو ڈاکٹر نبیہ الغبرہ کی کتاب المشکلات السلوکیۃ عند الاطفال (ص ۔ ۱۵۰)۔

۲۔ بچے کو تصرفات کی آزادی دینا چاہیے، اور اس پر ذمہ داری ڈالنا چاہیئے، اور اس کی عمر کے مطابق مختلف کاموں کا اس پر بار ڈالنا چاہیے تاکہ وہ بھی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مندرجہ ذیل فرمانِ مبارک کے عموم میں داخل ہو جائے:

«كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته». — تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور تم میں سے ہر شخص سے اس کی رعایا کے بارے میں بازپرس ہوگی۔

بخاری و مسلم

۳۔ بچوں کو جن بھوت، چڑیل، ہو، چور، ڈاکو، شیر، کتے وغیرہ سے نہ ڈرانا، اور خصوصاً رونے کے وقت تاکہ بچہ خوف وڈر کے سایے سے بھی دُور رہے اور شروع سے ہی بہادری جرأت پر پلے بڑھے، اور اس میں اقدام کی عادت ہو۔ اور اس بہترین جماعت میں شامل ہو سکے جس کی جانب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رہنمائی کی ہے، چنانچہ امام مسلم روایت کرتے ہیں:

«المؤمن القوي خير وأحب إلى الله من المؤمن الضعيف». — کمزور وضعیف مؤمن کی بنسبت طاقتور مؤمن اللہ کے یہاں زیادہ بہتر وزیادہ محبوب ہے۔

۴۔ بچہ جب سمجھدار وعقلمند ہو جائے تو اسے اسی وقت سے عملی طور سے دوسروں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے ومیل جول رکھنے اور ملاقات کرنے کا موقعہ دینا چاہیئے تاکہ وجدانی طور پر بچہ یہ محسوس کرے کہ وہ جس سے ملتا اور شناسائی پیدا کرتا ہے اس کی نظر شفقت ومحبت کے لائق اور قابلِ احترام ہے تاکہ وہ ان لوگوں میں شامل ہو جن کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے درج ذیل فرمانِ مبارک میں کیا ہے:

«المؤمن آلف مألوف، ولا خير فيمن لا يألف ولا يؤلف وخير الناس أنفعهم للناس». — مؤمن الفت رکھنے والا ہوتا ہے اور اس سے الفت رکھی جاتی ہے اور ایسے شخص میں کوئی خیر وبھلائی نہیں جو نہ دوسروں سے الفت رکھے اور نہ دوسرے اس سے الفت رکھیں اور لوگوں میں بہترین آدمی وہ ہے جو لوگوں کو زیادہ نفع رساں ہو۔

حاکم وبیہقی

اور علماءِ نفس وتربیت کی نصیحتوں میں سے یہ بھی ہے کہ: اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ بچہ جس چیز سے ڈرتا ہو اس سے ہم اس کو اور زیادہ متعارف کرائیں، چنانچہ اگر وہ اندھیرے سے ڈرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ ہم اس سے اس طرح دل لگی کریں کہ پہلے بتی بجھادیں پھر جلادیں، اور اگر وہ پانی سے ڈرتا ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ ہم اس کو یہ موقعہ فراہم کر دیں کہ وہ کسی چھوٹے برتن یا اور کسی چیز میں تھوڑے سے پانی سے کھیلے، اور اگر وہ بجلی کی کسی مشین وغیرہ مثلاً گرمفانی کی بجلی کی مشین سے ڈرتا ہو تو ہم اس کے بعض اجزاء اس کو کھیلنے کے لیے دے دیں اور پھر پوری مشین اس کو کھیلنے کیلیے تھمادیں، اور اسی طرح دوسری چیزیں بھی ...[1]

---

[1] نسیہ عنبرہ کی کتاب مشکلات سلوکیہ ص ۱۵۲۔

۵. بچوں کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات وجنگوں کے واقعات اور سلفِ صالحین کے بہادری کے کارناموں سے واقف کرانا اور انہیں یہ تربیت دینا کہ وہ ان رہنماؤں اور فاتحین اور صحابہ وتابعین کے اخلاق وعادات اپنے اندر پیدا کریں تاکہ بے مثال شجاعت اور نادر بہادری اور جہاد کی محبت اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے بھرپور کوشش ان میں رچی بسی ہو۔

آئیے اب ہم اس کلام کو سنتے ہیں جو اس بارے میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ہم اپنے بچوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کی تعلیم بالکل اسی طرح دیا کرتے تھے جس طرح قرآنِ کریم کی سورتوں کی تعلیم دیتے تھے۔

اور حضرت عمر بن الخطاب کی وہ وصیت پہلے گزر چکی ہے جو وہ بچوں کو شہسواری بہادری وجوانمردی اور وسائل جنگ وجہاد کے سکھانے کے سلسلے میں ان کے والدین کو کیا کرتے تھے، چنانچہ انہوں نے فرمایا: اپنے بچوں کو تیراندازی اور تیرنا سکھاؤ اور انہیں حکم دو کہ وہ گھوڑوں کی پشت پر اچھل کر سوار ہوں۔

اور ایمانی تربیت کی مسئولیت وذمہ داری کے سلسلہ میں ہم اس حدیث کو بھی پہلے بیان کر چکے ہیں جسے طبرانی نے روایت کیا ہے کہ:

«أدبوا أولادكم على ثلاث خصال: حب نبيكم، وحب آل بيته، وتلاوة القرآن...»	اپنے بچوں کو تین خصلتوں کا عادی بناؤ: اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا، اور آپ کے اہلِ بیت سے محبت کا، اور قرآنِ کریم کی تلاوت کا...

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ توجیہات ورہنمائی اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ اسلام اس بات کا اہتمام کرتا ہے کہ بچوں کو شجاعت وبہادری اور جرأت واقدام کی تربیت دی جائے تاکہ مستقبل میں وہ اسلام کا ایسا مضبوط معاشرہ اور قوم بنیں جو اسلام کی مضبوط وبلند وبالا عمارت تعمیر کرنے اور عالم میں اسلامی عزت کا منارہ بلند کرنے کا ذریعہ بنیں۔

◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎

اس مناسبت سے ذیل میں ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بچوں کے بہادری وشجاعت کے وہ انمٹ عظیم کارنامے پیش کرتے ہیں جو تاریخ کے اوراق کی زینت اور بعد میں آنے والوں کے لیے نمونہ بنے، اور ان کے واقعات اب بھی ضرب المثل ہیں۔ اور ان کی سیرت وکارنامے قوموں کے لیے ذریعہ افتخار اور تاریخ کے تعجب خیز واقعات ہیں:

الف۔ جنگ احد میں مشرکوں سے لڑنے کے لیے جب مسلمان تیار ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لشکر کو پیش کیا گیا۔ آپ نے دیکھا کہ لشکر میں کچھ نوعمر ایسے لڑکے بھی ہیں جو ابھی تک بالغ نہیں ہوئے ہیں۔ اور انہوں نے خود کو مردوں کے ساتھ ملا دیا ہے تاکہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے وہ خود بھی مجاہدین کے ساتھ شامل ہو جائیں، یہ دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان

پر رحم کھایا اور ان میں سے جس کو زیادہ چھوٹا محسوس کیا اسے واپس کر دیا۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن حضرات کو واپس لوٹایا ان میں حضرت رافع بن خدیج اور حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہما بھی تھے، لیکن جب آپ سے یہ عرض کیا گیا کہ: رافع تیرانداز ہیں بہت اچھی تیراندازی کرتے ہیں تو آپ نے ان کو اجازت دے دی، یہ دیکھ کر حضرت سمرہ رونے لگے اور اپنے سوتیلے والد سے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رافع کو تو اجازت دے دی ہے اور مجھے واپس کر دیا ہے حالاں کہ میں تو رافع کو پچھاڑ دیا کرتا ہوں، یہ خبر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پہنچی تو آپ نے ان دونوں کو لڑنے کا حکم دیا، اور حضرت سمرہ غالب رہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی اجازت دے دی۔

ب ۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی حضرت ابوبکر مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کر کے جانے لگے اور غارِ ثور میں تین دن مقیم رہے، تو حضرت ابوبکر کی صاحبزادیوں عائشہ اور اسماء رضی اللہ عنہم نے دونوں حضرات کے لیے توشۂ سفر تیار کیا، اور حضرت اسماء نے اپنے ازار بند کو دو ٹکڑے کر کے ایک ٹکڑے سے کھانے کے اس برتن کے منہ کو باندھ دیا جسے وہ لیکر جاتی تھیں، اسی لیے انہیں ذات النطاقین (یعنی دو ازار بند والی) کہا جاتا ہے، اور حضرت ابوبکر کے صاحبزادے عبداللہ خبریں پہنچایا کرتے تھے، چنانچہ قریش دن میں جو کوئی منصوبہ بناتے اور ان دونوں حضرات کو نقصان پہنچانے کیلئے جو سازش بھی تیار کرتے تھے یہ اسے رات کو ان دونوں حضرات تک پہنچا دیا کرتے تھے۔ اور کچھ دیر ان حضرات کے پاس ٹھہرتے بھی تھے، اور سحر کے وقت واپس آجایا کرتے تھے، اور مکہ میں قریش کے ساتھ بالکل اسی طرح صبح کرتے تھے گویا کہ وہ مکہ میں ہی رات بھر سوئے ہوں، یہ بات ذہن نشین رہے کہ حضرت عائشہ و حضرت عبداللہ دونوں اس وقت تک نابالغ بچے تھے واقعۃً یہ بہادری کی ایک ایسی نادر مثال ہے جو بہت سے مردوں میں بھی نہیں مل سکتی۔

ج ۔ بخاری ومسلم حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں جنگِ بدر کے موقعہ پر صف میں کھڑا ہوا تھا، میں نے اپنے دائیں اور بائیں دیکھا تو کیا دیکھا کہ میں انصار کے دو نوعمر لڑکوں کے درمیان کھڑا ہوں (میرا دیکھنا ان بچوں نے تاڑ لیا) اور ان میں سے ایک نے آنکھ کے اشارے سے مجھ سے کہا کہ چچاجان! کیا آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! لیکن تمہیں اس سے کیا کام ہے؟ اس لڑکے نے کہا کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہتا ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اگر میں نے اسے دیکھ لیا تو میں اس سے اس وقت تک الگ نہ ہوں گا جب تک کہ ہم دونوں میں سے جس کو پہلے مرنا ہے وہ مر نہ جائے یہ بات سن کر مجھے بہت تعجب ہوا، دوسرے نے بھی مجھے اشارہ کیا اور اسی طرح کی بات کہی، کچھ دیر کے بعد ہی میری نظر ابوجہل پر پڑی وہ لوگوں کے درمیان چل رہا تھا۔
میں نے کہا: کیا تم دونوں دیکھ نہیں رہے ہو، یہی تو وہ شخص ہے جس کے بارے میں تم دونوں مجھ سے ابھی پوچھ

رہے تھے۔ یہ سنا تھا کہ دونوں تلواریں لے کر اس پر جھپٹ پڑے اور اس سے لڑے یہاں تک کہ اسے قتل کر ڈالا اور پھر واپس آکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع دی، تو آپ نے پوچھا: اسے تم دونوں میں سے کس نے قتل کیا ہے؟ دونوں میں سے ہر ایک نے کہا کہ میں نے اسے مارا ہے، آپ نے پوچھا: کیا تم دونوں نے اپنی اپنی تلواروں کو پونچھ لیا ہے، ان دونوں نے عرض کیا: جی نہیں، راوی فرماتے ہیں کہ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی تلواریں دیکھیں اور فرمایا: تم دونوں ہی نے اسے قتل کیا ہے، اور ابوجہل کا چھوڑا ہوا سامانِ جنگ وغیرہ معاذ بن عمرو بن الجموح اور معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہما دونوں کو دینے کا فیصلہ کر دیا۔

د - ابن ابی شیبہ امام شعبی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جنگِ احد کے موقعہ پر ایک عورت نے اپنے لڑکے کو تلوار تھمائی لیکن وہ اسے اٹھا نہ سکا، تو اس عورت نے وہ تلوار بیٹے ہوئے چمڑے کے ذریعہ اس کے کاندھے پر باندھ دی اور پھر اس کو لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول، میرا یہ بچہ آپ کی طرف سے جنگ کرے گا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیٹے ادھر سے حملہ کرو، بیٹے ادھر سے حملہ کرو، لڑائی میں وہ زخمی ہو کر گر گیا تو اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: بیٹا شاید تم گھبرا گئے ہو گے، تو لڑکے نے عرض کیا: جی نہیں اے اللہ کے رسول۔

ھ - ابن سعد نے طبقات میں اور بزار اور ابن الاثیر نے الاصابۃ میں حضرت سعد بن أبی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے بھائی عمیر بن ابی وقاص کو جنگِ بدر کے موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آنے سے گریز کرتے ہوئے دیکھا، تو میں نے ان سے پوچھا بھائی آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے کہا: مجھے ڈر ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ لیں اور پھر مجھے واپس لوٹا دیں، حالاں کہ میں تو جنگ کے لیے جانا چاہتا ہوں ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ مجھے شہادت عطا فرما دیں، حضرت سعد فرماتے ہیں کہ پھر ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کم عمری کی وجہ سے واپس لوٹا دیا، تو وہ رونے لگے یہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جنگ میں جانے کی اجازت دے دی۔

حضرت سعد فرماتے ہیں کہ ان کی نوعمری کی وجہ سے ان کی تلوار کا پٹہ میں باندھا کرتا تھا۔ اور وہ سولہ سالہ لڑکا شہید ہو گیا فرضی اللہ عنہ وأرضاہ۔

ان یادگار تاریخی مثالوں اور ان جیسی اور دوسری مثالوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی اولاد بہادری، شجاعت وجوانمردی اور جرأت واستقلال کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز تھی، اور اس کا سبب سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ انہوں نے نبوی مدرسے، مسلمان گھرانے اور جواں مرد بہادر مسلم ومؤمن معاشرے میں صحیح واعلیٰ تربیت حاصل کی تھی!! بلکہ ان کی مائیں اپنے بچوں اور جگر گوشوں کو جہاد وکارزار کے میدان کی طرف بھیجا کرتی تھیں، اور جب انہیں ان کی شہادت

کی خبر اور موت کی اطلاع ملتی تو ان میں سے کوئی کہنے والی یہ یادگار جملہ کہتی: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے ان کی شہادت کا شرف بخشا، اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اور مجھے قیامت میں اپنی رحمت میں ڈھانپ لے گا۔

اس طرح ان کے والدین بھی بچپن سے ہی اپنی اولاد کو شہسواری بہادری شجاعت جوانمردی جرأت واقدام اور خطرناک و نازک مقامات میں گھس جانے کی تربیت دیا کرتے تھے۔ اور پھر جب وہ کچھ بڑے ہو جاتے اور ہمت پیدا ہو جاتی (اور وہ ابھی بالغ بھی نہ ہوئے تھے) تو وہ آزادی، جہاد اور طلبِ رزق کے قافلوں کے ساتھ سچے داعی اور بہادر مجاہد اور محنت کش عامل بن کر نکل پڑتے تھے۔

مثال کے طور پر ہم ایک مؤمن لڑکے کا وہ شاندار موقف پیش کرتے ہیں جس میں اس نے اپنے والد سے یہ درخواست کی تھی کہ وہ اسے اطرافِ عالم کا دورہ کرنے کا موقعہ فراہم کر دیں تاکہ وہ اپنے لیے عزت وترقی کے راستے تلاش کر سکے اور عزت وکرامت کی بلندیوں تک پہنچ سکے، بلکہ اس نے اپنے والد سے ایسے اشعار کے ذریعہ خطاب کیا تھا جو عزتِ نفس اور خودداری سے بھرپور ہیں:

اقذف السرج على المـ ـــهر وقرّطه اللجاما

گھوڑے پر زین کس دیں اور اس کے منہ میں لگام ڈال دیں

ثم صب الدرع في رأ سي وناولني الحساما

پھر میرے سر میں زرہ ڈال دیں اور مجھے تیز قسم کی تلوار دیدیں

فمتى أطلب إن لم أطلب الرزق غلاما

بھلا میں اور کس وقت طلب رزق کرونگا اگر میں نوعمری ہی سے کمائی نہ کروں

سأجوب الأرض أبغيـ ـه حلالاً لا حراما

میں سفر کروں گا تاکہ حلال رزق کما سکوں نہ کہ حرام

فلعل الظعن ينفي الفـ ـقر أو يدني الحماما

شاید کہ کوچ کرنا فقر وفاقہ کو دور کر دے یا موت کو قریب کر دے

اس بے نظیر مثالی معاشرے نے ان شاندار خصلتوں میں نشو ونما پایا اور ان مکارمِ اخلاق میں ترقی کرتے رہے اور یہ صرف اس لیے کہ:

انہوں نے نوعمری ہی میں تیر اندازی شہسواری اور تیرنے کی تربیت حاصل کی تھی۔۔

اس لیے انہوں نے غلط ناز ونخرے اور تباہ کن الگ تھلگ رہنے کی عادت نہ ڈالی تھی۔۔

اس لیے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے تھے اور انہیں اپنے اوپر اعتماد تھا..
اس لیے کہ وہ بہادرانہ زندگی شہسواری اور سفروں کے عادی تھے..
اس لیے کہ انہیں یہ سکھایا گیا تھا کہ وہ اپنے ہم عمر چچازاد بھائیوں اور خاندان والوں کے ساتھ میل جول رکھیں..
اس لیے کہ وہ بہادروں اور فتوحات و کامیابی حاصل کرنے والے سربراہوں کے حالات و سیرت سنا کرتے تھے..
اور اس کے علاوہ اور دوسری اچھائیاں جو ان کی گھٹی میں ڈال دی گئیں تھیں، اور ایسی عمدہ تربیت جو انہیں دی جاتی رہتی تھی!!..

وهل ينبت الخطي إلا وشيجه	وتغرس إلا في منابتها النخل
خطی نیزوں کو ان کا درخت ہی اگاتا ہے	اور کھجور اپنی جگہ پر ہی لگائی جاتی ہے

اور جس روز والدین اور تربیت کرنے والے اس عظیم طریقے کو اختیار کرلیں گے، جسے ہمارے بہادر اور عظیم آباء واجداد نے اختیار کیا تھا..
اور جس دن ہماری اولاد ان خصلتوں اور عادتوں اور ان مکارمِ اخلاق کی تربیت حاصل کرلے گی...
اور جس روز صحیح تربیت کے ان قواعد وضوابط کو اپنا لیا جائے گا جو بچوں کو خوف، بزدلی اور احساسِ کمتری سے آزادی دلادیں..
جس دن یہ سب کچھ کرلیا جائے گا اس روز معاشرہ بے چینی و پریشانی سے اطمینان و اعتماد اور خوف وڈر سے بہادری وجرأت اور کمزوری سے طاقت اور ذلت ورسوائی سے عزت وکرامت کی جانب منتقل ہوجائے گا۔
اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس فرمانِ مبارک کا مصداق بن جائے گا:

﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾.	حالاں کہ عزت تو بس اللہ ہی کی ہے اور اس کے پیمبر کی اور ایمان والوں کی البتہ منافقین (ہی اس کا) علم نہیں رکھتے۔
المنافقون۔ ۸	

۳۔ احساس کمتری کی بیماری

کمی ونقص کا شعور ایک ایسی نفسیاتی حالت ہے جو بعض بچوں میں پیدائشی یا بیماری کی وجہ سے یا تربیت یا اقتصادی حالات کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے...
نفسیاتی امراض میں سب سے خطرناک مرض یہ عادت ہے جو بچے کو جامد اور منحرف کردیتی ہے، اور اس کو رذالت بدبختی اور مجرمانہ زندگی کی جانب ڈھکیل دیتی ہے..
چونکہ ہر عادت اور اسلام کی روشنی میں اس کے علاج کو ہم موضوعِ بحث بنا رہے ہیں اس لیے ہمارا فریضہ ہے

کہ ہم اس عادت پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالیں اور اس کا علاج بیان کریں اس لیے کہ یہ نہایت خطرناک اور اہم ہے۔ اور اس کے اثرات بڑے دور دور تک پہنچتے ہیں۔

یہ اس لیے ضروری ہے تاکہ والدین اور تربیت کرنے والے سب کے سب اس مرض سے بچاؤ کی تدابیر اختیار کریں۔ اور علاج کے ان تمام وسائل کو اختیار کریں جو بچے کو کمتری اور نقص کے احساس اور نفسیاتی پیچیدگیوں سے بچائیں، تاکہ ان کے بچوں کی صحیح نفسیاتی تربیت ہو سکے، اور عمدہ و اچھے اخلاق کی ضمانت ہو!! . .

وہ عوامل و اسباب، جو بچے کی زندگی میں احساسِ کمتری اور کمی کا شعور پیدا کرتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ تذلیل و تحقیر اور اہانت آمیز سلوک۔

۲۔ ضرورت سے زیادہ ناز و نخرے برداشت کرنا۔

۳۔ بچوں میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا۔

۴۔ جسمانی امراض و بیماریاں۔

۵۔ یتیمی۔

۶۔ فقر و فاقہ و غربت۔

اللہ نے چاہا تو ان عوامل میں سے ہر عامل اور ہر باعث پر بحث کرتے ہوئے ہم تفصیل سے روشنی ڈالیں گے، اور اسلام نے اس کا جو علاج بیان کیا ہے اسے بھی ذکر کریں گے، درحقیقت اللہ ہی وہ ذات ہے جس سے مدد مانگی جاتی ہے اور اس سے ہم سیدھے راستے پر چلنے اور تائید و توفیق کی دعا مانگتے ہیں۔

۱۔ تحقیر و اہانت آمیز سلوک

ان عوامل میں سے ہے جو بچے کے نفسیاتی انحراف کے اسباب میں سب سے بدترین عامل ہے بلکہ بچوں میں احساسِ کمتری پیدا کرنے اور اس مرض کو رائج کرنے کا یہ سب سے بڑا ذریعہ ہے، چنانچہ بسا اوقات ہم سنتے ہیں کہ ماں یا باپ جب بچے کو صحیح راستے اور اعلیٰ اخلاق سے پہلی مرتبہ ہی ہٹتے دیکھتے ہیں تو فوراً اس کی تشہیر کر دیتے ہیں، چنانچہ اگر وہ ایک مرتبہ بھی جھوٹ بول دے تو ہم اسے ہمیشہ جھوٹے کے نام سے پکارتے ہیں۔ اور اگر وہ اپنے چھوٹے بھائی کو ایک مرتبہ بھی تھپڑ رسید کر دے تو ہم اسے شریر کہنے لگتے ہیں اور اگر اگر وہ اپنی چھوٹی بہن کے ہاتھ سے چالاکی سے سیب چھین لے تو ہم اسے مکار کہنے لگتے ہیں، اور جب وہ اپنے والد کی جیب سے قلم نکال لے تو ہم اسے چور کے نام سے پکارنے لگتے ہیں، اور اگر ہم اس سے پانی کا گلاس مانگیں اور وہ فوری طور سے نہ لائے تو ہم اسے سست کے نام پکارنے لگتے ہیں، اور اس طرح سے اس کی پہلی لغزش و غلطی کی وجہ سے اسے اس کے بہن بھائیوں اور سب گھر والوں کے سامنے مشہور کر دیتے ہیں (۱)۔

---

(۱) ملاحظہ ہو ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کی کتاب "اخلاقنا الاجتماعیۃ" (ص - ۱۵۹)۔

اور ہمارے معاشرے میں تحقیر واہانت آمیز سلوک کے مظاہر میں سے یہ بھی ہے کہ بچے کو اس کے بہن بھائیوں اور رشتہ داروں اور بعض اوقات بچے کے دوستوں کے سامنے بھی ناپسندیدہ کلمات اور برے الفاظ سے پکارا جاتا ہے حتی کہ بعض اوقات توان اجنبی لوگوں کے سامنے بھی یہ کلمات دہرائے جاتے ہیں جنہیں بچے نے نہ پہلے کبھی دیکھا ہوتا ہے نہ اسے کبھی ان کے ساتھ اکٹھا ہونے کا موقعہ ملا ہوتا ہے، اور ظاہر ہے کہ اس صورتحال کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ بچہ اپنے آپ کو حقیر وذلیل اور ایسا مہمل ونکما سمجھنے لگے گا جس کی نہ کوئی حیثیت ہے، نہ عزت نہ قدر وقیمت، اور اس کی وجہ سے بچے میں ایسی نفسیاتی پیچیدگیاں پیدا ہوجاتی ہیں جن کی وجہ سے وہ دوسروں کو ناپسندیدگی اور حسد وکراہیت کی نظر سے دیکھنے لگتا ہے، اور وہ اپنے آپ کو دوسروں سے علیحدہ اور مسئولیات وذمہ داریوں سے شکست خوردہ سمجھنے لگتا ہے۔

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب ہم بچوں وبچیوں کے ساتھ ایسی غلط تربیت اور سخت گیر معاملہ کرتے ہیں تو ہم کتنی بڑی غلطی وزیادتی کا ارتکاب کرتے ہیں۔

بھلا بتائیے کہ جب ہم نے بچپن سے ہی بچوں کے دلوں میں انحراف اور نافرمانی اور سرکشی کے بیج بودیے ہوں تو ایسی صورتحال میں ہم بچوں سے اطاعت وفرمانبرداری اور عزت واحترام اور استقامت وبردباری کی کیسے توقع کرسکتے ہیں؟

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک صاحب اپنے بیٹے کی نافرمانی کی شکایت کرنے آئے تو حضرت عمرؓ نے لڑکے کو بلوایا اور والد کی نافرمانی پر اسے سرزنش کی، اور والد کے حقوق وغیرہ ادا نہ کرنے پر اسے تنبیہ کی تو لڑکے نے کہا: اے امیر المؤمنین! کیا لڑکے کے اپنے والد پر کچھ حقوق نہیں ہیں؟ تو حضرت عمر نے فرمایا: کیوں نہیں: لڑکے نے پوچھا: اے امیر المؤمنین وہ حقوق کیا ہیں؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کے لیے اچھی ماں کا انتخاب کرے اور اس کا اچھا سا نام رکھے اور اس کو قرآن کریم کی تعلیم دلائے۔

لڑکے نے کہا: اے امیر المؤمنین: میرے والد نے توان میں سے کوئی کام بھی نہیں کیا، اس لیے کہ میری ماں ایک مجوسی کی حبشی باندی ہے، اور میرے والد نے میرا نام جُعَل (جو ایک کیڑے کا نام ہے) رکھا ہے، اور میرے والد نے مجھے قرآن کریم کا ایک حرف بھی نہیں سکھایا۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان صاحب کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے کہا کہ تم تو میرے پاس اپنے بیٹے کی نافرمانی کی شکایت لے کر آئے تھے حالاں کہ اس کی نافرمانی سے قبل تم نے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے اور تم نے اس کے ساتھ برا سلوک کیا ہے اس سے قبل کہ وہ تمہارے ساتھ برا سلوک کرے۔

لطیفوں میں سے ایک لطیفہ یہ بھی ہے کہ ایک روز ایک باپ نے اپنے بیٹے کو اس کی ماں کے بارے میں طعنہ دیا اور کہا: تم ایک باندی کی اولاد ہوکر میری حکم عدولی کرتے ہو؟! یہ سن کر بیٹے نے اپنے باپ سے کہا:

ابا جان میری ماں تو آپ سے بہتر ہے !! باپ نے پوچھا: وہ کیسے ؟ لڑکے نے کہا: اس لیے کہ اس نے نہایت عمدہ انتخاب کیا اور مجھے ایک آزاد مرد کے نطفے سے جنا اور آپ نے غلط انتخاب کیا اور مجھے ایک باندی کے ذریعہ پیدا کرایا۔

ہمیں اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ والد کی طرف سے لڑکے کو جو سخت و سست یا قبیح القاب سے نوازا جاتا ہے وہ بچے کے کسی چھوٹے یا بڑے جرم یا گناہ یا غلطی کی وجہ سے ہی ہوتا ہے جن کا مقصد اصلاح و تربیت اور سزا دینا ہی ہوتا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس گناہ کا علاج غصے و ناراضگی اور ڈانٹ ڈپٹ کے طریقہ سے نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ اس سے بچے کے ذہن پر بہت خطرناک اثرات پڑتے ہیں۔ اور اس کا شخصی کردار مجروح ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ گالم گلوچ کی زبان کا عادی ہو جاتا ہے، اور بے وقوفوں اور بدکرداروں کے طریقے اختیار کر لیتا ہے۔ اور ہم اپنی اس حرکت اور درشت و سخت معاملے کی وجہ سے بچے پر بڑا ظلم کرتے ہیں اور بجائے اس کے کہ ہم اسے ایک ایسا سمجھدار با وقار آدمی بنائیں جو استقامت و بردباری اور عقل و بصیرت کے ساتھ زندگی گزارے اس کے بجائے ہم نفسیاتی و اخلاقی طور پر اسے بالکل توڑ پھوڑ ڈالتے ہیں خواہ ہم اس بات کو سمجھیں یا نہ سمجھیں۔

اگر بچے سے کوئی غلطی یا لغزش ہو جائے تو اس سلسلہ میں اسلام بچے کی اصلاح کا کیا طریقہ بتلاتا ہے یہ سوچنے کی بات ہے ؟

علاج کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہم نرمی و پیار سے اسے اس کی غلطی پر متنبہ کریں اور مضبوط دلیلوں سے اس کو ہم یہ باور اور ذہن نشین کرائیں کہ اس سے جو حرکت سرزد ہوئی ہے اسے کوئی بھی عقل مند اور صاحب بصیرت انسان اور عقل اور صحیح فکر کا مالک کبھی بھی پسند نہیں کرے گا۔

اس طرح اگر وہ سمجھ جائے اور مطمئن ہو جائے تو ہمارا مقصد یعنی اس کی اصلاح وہ ہمیں حاصل ہو گیا اور اس کی کجی کی اصلاح ہو گئی، ورنہ پھر اس کے علاج کا دوسرا طریقہ اختیار کرنا چاہیے جسے ہم عنقریب اس کتاب تربیۃ الاولاد کی تیسری قسم میں سزا کے ذریعہ تربیت کے عنوان کے تحت ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

سزا دینے کا یہ نرم طریقہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے، لیجیے ذیل میں نمونہ کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نرمی اور حسن معاملہ اور بعض وصیتوں کا ذکر کرتے ہیں:

الف ۔ امام احمد سند جید سے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک نوجوان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے نبی کیا آپ مجھے زنا کی اجازت دیں گے ؟ یہ سن کر لوگ اس پر برس پڑے۔۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو میرے قریب کر دو اور آپ نے اس سے فرمایا: نزدیک آجاؤ۔۔ وہ قریب آکر آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گئے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم یہ چیز اپنی ماں کے لیے پسند کرو گے؟

اس نوجوان نے جواب دیا: اللہ تعالی مجھے آپ پر قربان کر دے میں تو یہ پسند نہیں کروں گا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسی طرح اور لوگ بھی یہ چیز اپنی ماؤں کے لیے پسند نہیں کرتے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تم یہ اپنی بیٹی کے لیے پسند کرو گے؟ اس نے کہا: جی نہیں. اللہ تعالی مجھے آپ پر قربان کر دے، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اسی طرح اور لوگ بھی یہ چیز اپنی بیٹیوں کے لیے پسند نہیں کرتے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: کیا تم یہ بات اپنی بہن کے لیے پسند کرو گے؟ اس نے عرض کیا: جی نہیں اللہ تعالی مجھے آپ پر قربان کر دے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس طرح اور لوگ بھی یہ بات اپنی بہنوں کیلیے پسند نہیں کرتے پھر آپ نے اسکے سامنے چچی اور پھوپھی کا تذکرہ کیا... اور وہ ہر مرتبہ یہی کہتا رہا کہ جی نہیں. اللہ تعالی مجھے آپ پر قربان کر دے..

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک اس کے سینے پر رکھا اور فرمایا:

((اللھم طہر قلبہ . واغفر ذنبہ ، وحصن فرجہ)).	اے اللہ اس کے دل کو پاک صاف کر دے، اور اس کے گناہوں کو معاف فرما دے. اور اس کی شرم گاہ کو محفوظ رکھ۔

❊ ❊ ❊

چنانچہ جب وہ نوجوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھے تو ان کی حالت یہ تھی کہ ان کو زنا سے زیادہ اور کوئی چیز مبغوض و ناپسندیدہ نہیں تھی۔

ب۔ امام مسلم اپنی صحیح میں حضرت معاویہ بن الحکم السلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ کسی کو چھینک آ گئی تو میں نے جواب میں: یرحمک اللہ کہہ دیا، تو لوگ مجھے گھورنے لگے، میں نے کہا: میری ماں مجھ پر روئے! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم مجھے گھور رہے ہو؟ یہ سن کر وہ اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر مارنے لگے، جب میں نے دیکھا کہ وہ مجھے خاموش کرنا چاہتے ہیں تو میں خاموش ہو گیا، جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے مجھے بلایا، پس میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں میں نے آپ سے زیادہ اچھے طریقے سے تعلیم دیتے ہوئے نہ کسی معلم کو آپ سے پہلے دیکھا اور نہ آپ کے بعد، بخدا نہ آپ نے مجھے ڈانٹا نہ مارا نہ برا بھلا کہا بس صرف یہ فرمایا کہ:

((إن ھذہ الصلاۃ لا یصلح فیھا شیئ من کلام الناس، إنما ھو التسبیح والتکبیر وقراءۃ القرآن)).	اس نماز میں باتیں کرنا درست نہیں ہے. نماز تسبیح وتکبیر اور قرآن کریم کی تلاوت کا نام ہے۔

❊ ❊ ❊ ❊

ج۔ امام بخاری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک دیہاتی نے مسجد میں

پیشاب کردیا، لوگ اس کو برا بھلا کہنے کے لیے کھڑے ہو گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کو چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر پانی کا ایک ڈول بہا دو، اس لیے کہ تم کو آسانی پیدا کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے نہ کہ مشکلات اور سختی پیدا کرنے کے لیے۔

نرمی اور رفق کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیتوں میں سے بعض وصیتیں درج ذیل ہیں:

امام بخاری و مسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إن الله رفيق يحب الرفق في الأمر كله». — اللہ تعالیٰ مہربان اور نرم ہیں اور ہر معاملہ میں نرمی کو پسند فرماتے ہیں۔

اور امام مسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إن الرفق لا يكون في شيء إلا زانه، ولا ينزع من شيء إلا شانه». — نرمی کسی چیز میں بھی اختیار نہیں کی جاتی مگر یہ کہ وہ اسے زینت بخش دیتی ہے۔ اور اس کو کسی بھی چیز سے دور نہیں کیا جاتا مگر یہ کہ وہ اسے عیب دار بنا دیتی ہے۔

اور امام مسلم حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے ارشاد فرمایا:

«من يحرم الرفق يحرم الخير كله». — جو شخص نرمی و رفق سے محروم کر دیا گیا ہو وہ تمام بھلائیوں سے محروم کر دیا گیا۔

مندرجہ بالا کلام سے یہ بات واضح ہو گئی کہ بچے کی تحقیر و تذلیل اور اس کو ہمیشہ ڈانٹنا اور جھڑکنا اور خصوصاً دوسروں کے سامنے، بچے میں احساسِ کمتری اور نقص و کمی کا شعور پیدا کرنے کا سب سے اہم سبب ہے اور بچے کے نفسیاتی و اخلاقی انحراف کی یہی سب سے بڑی وجہ ہے۔ اور اس مرض کا بہترین علاج یہ ہے کہ اگر بچہ کوئی غلطی کرے تو اسے نرمی اور پیار سے تنبیہ کر دی جائے، اور ساتھ ہی اس کو ایسی طرح سمجھا دیا جائے جس سے آئندہ کے لیے وہ غلطی سے باز رہے۔ تربیت کرنے والے کو چاہیے کہ اگر وہ بچے کو ڈانٹنا اور سرزنش کرنا چاہے تو دوسروں کے سامنے ایسا نہ کرے۔ ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ مربی بچے کی اصلاح اور اس کی کجی دور کرنے کے لیے شروع شروع میں نہایت نرم و اچھا طریقہ اختیار کرے جو اصلاح اور تربیت اور کجی دور کرنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا۔

۲- ضرورت سے زیادہ ناز و نخرے برداشت کرنا

یہ بھی بچے کے نفسیاتی و اخلاقی انحراف کے عوامل میں سے خطرناک عامل اور باعث ہے، اس لیے کہ عام طور سے اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بچہ اپنے اندر کمی و نقص کو محسوس کرتا ہے، اور زندگی سے بغض و حسد رکھنے لگ جاتا ہے۔

اور عام حالات میں اس کا نتیجہ شرمندگی، فروتنی و بدگمانی اور مردانگی اور بہادری کے فقدان اور اپنے اوپر عدم اعتماد اور بے راہ روی کی طرف بڑھنے اور ساتھیوں سے پیچھے رہنے کی شکل میں نکلتا ہے۔

ہم نے یہ جو کہا کہ ضرورت سے زیادہ ناز و نخرے برداشت کرنے کی وجہ سے بچے میں احساسِ کمتری و نقص کا احساس پیدا ہوتا ہے اور وہ زندگی سے بغض و حسد کرتا ہے اس کی وجہ درج ذیل ہے:

وہ دیکھتا ہے کہ اور لوگ آگے کی طرف بڑھ رہے ہیں اور وہ قافلہ کے آخری سرے پر ہے۔

وہ دیکھتا ہے کہ لوگوں میں شجاعت و بہادری اور اقدام کی جرأت ہے اور وہ بزدلی و خوف کا شکار ہے۔

وہ لوگوں کو حرکت، مزاحمت و مقابلے اور مجاہدے میں لگا ہوا دیکھتا ہے۔ اور وہ خود خاموشی جمود اور ایک جگہ پڑے رہنے کا شکار ہوتا ہے۔

وہ لوگوں کو ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور یکجا جمع ہوتے ہوئے دیکھتا ہے حالانکہ وہ خود گمنامی اور گوشہ نشینی کا مارا ہوا ہوتا ہے۔

وہ دیکھتا ہے کہ لوگ مصائب و آفات کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرتے ہیں حالانکہ اگر ذرا سی بھی مصیبت و پریشانی اس پر آپڑے تو وہ آہ و بکا اور جزع فزع میں لگ جاتا ہے ...

آپ ہی بتلایئے کہ جس بچے کی یہ حالت اور یہ کیفیت ہو کیا وہ کامل و مکمل انسان ہو سکتا ہے؟ اور کیا وہ معاشرہ کے لیے فائدہ مند فرد بن سکتا ہے؟ اور کیا ایسا شخص زندگی کو پُر امید اور اچھی نظروں سے دیکھ سکتا ہے؟ اور کیا ایسا آدمی ایسی شخصیت بن سکتا ہے جسے اپنی ذات پر اعتماد اور بھروسہ ہو؟

اور اگر اس کا جواب نہیں میں ہے!!!

تو پھر والدین بچے کے ناز اٹھانے میں غلو کیوں کرتے ہیں؟ اور ایسے ناز و نخرے میں اسے کیوں پالتے ہیں؟ اور ضرورت سے زیادہ بچے سے ایسا تعلق کیوں رکھتے ہیں؟ اور خاص کر ماں، اس لیے کہ ماں بچے کی ضرورت سے زیادہ رعایت کرتی ہے اور اگر یہ کہنا درست ہو کہ ماں وہم کا شکار ہوتی ہے جو اس کو اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنے بچے کو گلے سے لگائے اور اس انداز سے اس کے ناز اٹھائے جو عام لوگوں اور اعتدال کی حد سے زائد ہو۔

یہ نہایت خطرناک بات ہے جو ہم ان ماؤں میں بہت نمایاں پاتے ہیں جو بچے کی اسلامی تربیت کے قواعد د

ضوابط سے نا آشنا ہیں:

- ماں کی اس غلط تربیت کے مظاہر میں سے یہ بھی ہے کہ وہ بچے کو ان کاموں کے کرنے کی بھی اجازت نہیں دیتی جن کے کرنے پر وہ قادر ہے، اور وہ یہ سمجھتی ہے کہ اس کا یہ فعل بچے کے ساتھ شفقت اور اس پر رحم کے قبیل سے ہے۔
- اس غلط تربیت کے مظاہر میں سے بچے کو ہمیشہ سینے سے لگائے رکھنا بھی ہے، چنانچہ جب وہ فارغ ہوتی ہے تو اسے ذرا دیر کو بھی نہیں چھوڑتی خواہ گود میں لینے کی ضرورت ہو یا نہ ہو؟
- اس غلط تربیت کے مظاہر میں سے یہ بھی ہے کہ ماں اس خوف سے کہ کہیں بچے کو کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے اسے ایک لمحہ کے لیے بھی اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دے۔
- اس کے مظاہر میں سے یہ بھی ہے کہ جب بچہ گھر کے سازو سامان کو خراب کردے یا میز پر چڑھ جائے یا قلم سے دیوار کو سیاہ کرڈالے تو ایسی صورت میں بھی ماں اس سے بازپرس نہ کرے۔

ضرورت سے زیادہ نازونخرے اٹھانے کی بیماری والدین میں اس وقت اور بھی خطرناک شکل اختیار کرلیتی ہے جب ان کے یہاں کافی عرصے کے بعد اولاد پیدا ہو، یا چند مسلسل اسقاط ہونے کے بعد بچہ ہو۔ یا چند لڑکیوں کی پیدائش کے بعد لڑکا پیدا ہو، یا بچہ کسی ایسی بیماری میں گرفتار رہ چکا ہو جس سے اس کی جان کے لالے پڑ گئے ہوں اور پھر اس کو تندرستی نصیب ہوئی ہو۔

لیکن اس مرض کے کم کرنے کے لیے اسلام نے کیا علاج پیش کیا ہے؟:

۱۔ والدین میں یہ عقیدہ مضبوط و عمیق ہو نا کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ کے حکم و فیصلہ سے ہوتا ہے، تاکہ وہ یہ بات سمجھ لیں کہ انہیں یا ان کی اولاد کو صحت ہو یا بیماری نعمتیں و آسائشیں ہوں یا تکالیف و تنگی، یا اللہ نے ان کے لیے جو اولاد مقرر و مقدر کر رکھی ہے یا بانجھ پن یا تونگری اور غربت و فقر و فاقہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیئت و حکم اور اس کے فیصلہ سے ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

«مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ» الحدید ۲۲ و ۲۳

کوئی سی بھی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے اور نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر یہ کہ (سب) ایک رجسٹر میں (لکھی ہیں) قبل اس کے کہ ہم ان جانوں کو پیدا کریں، یہ اللہ کے لیے آسان ہے (یہ بات بتادی گئی ہے) تاکہ جو چیز تم سے لی جارہی ہے اس پر (اتنا) رنج نہ کرو اور جو چیز اس نے تمہیں دی ہے اس پر اتراؤ نہیں، اور اللہ کسی اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا۔

۞ ۞ ۞

اور اللہ جل جلالہ فرماتے ہیں :

((لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۝ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝)) الشوریٰ۔ ۴۹ و ۵۰

اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں وہ جو چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے (اولاد) مادہ عنایت کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے (اولاد) نرینہ عنایت کرتا ہے یا ان کو نر و مادہ (کی صورت میں) بھی جمع کر دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے لاولد رکھتا ہے، بے شک وہ بڑا علم والا ہے بڑا قدرت والا ہے۔

اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے :

((وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝)). البقرہ۔ ۱۵۵ تا ۱۵۷

اور البتہ ہم آزمائیں گے تم کو تھوڑے سے ڈر سے اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں اور میوہ کے نقصان سے اور خوش خبری دیجئے اُن صبر کرنے والوں کو کہ ان کو جب پہنچے کچھ مصیبت تو کہیں ہم تو اللہ ہی کا مال ہیں اور اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، ایسے ہی لوگوں پر اپنے رب کی عنایتیں ہیں اور مہربانی اور وہی سیدھی راہ پر ہیں۔

۲۔ بچے کو نصیحت کرنے میں مرحلہ وار قدم اٹھانا، چنانچہ اگر وعظ ونصیحت بچے پر کارگر ہو سکتی ہو تو مربی کے لیے درست نہیں ہے کہ اس سے قطع تعلق کرلے، اور اگر اس سے کنارہ کشی مفید ہو تو اس کو مارنے کی طرف قدم نہیں اٹھانا چاہیئے۔ لیکن اگر مربی اصلاح و تربیت اور ڈانٹ ڈپٹ کے طریقوں میں کسی سے بھی بچے کی اصلاح نہ کر سکے اور اس کی کج روی ختم نہ ہو تو ایسی صورت میں اس کو اتنا مارنا چاہیئے کہ جس سے اسے بہت زیادہ اذیت نہ پہنچے۔

اس کتاب تربیۃ الاولاد فی الاسلام کی تیسری قسم کی اس فصل میں جس میں بچے پر اثر انداز ہونے والے تربیت کے وسائل کا ذکر ہے اس میں سزا کے ذریعہ تربیت کی بحث کے ذیل میں ہم ان شاء اللہ مفصل و مکمل بحث کریں گے۔

۳۔ بچے کو شروع ہی سے جفاکشی خود اعتمادی اور ذمہ داریوں کو نباہنے اور جرأت و اقدام اور حق کے اظہار کی تربیت دینا تاکہ بچہ اپنی حیثیت اور وجود کو محسوس کرے اور اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کا احساس رکھے۔

بچے کو جفاکشی و مجاہدانہ زندگی کی تربیت اس لیے دینا چاہیئے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے امام احمد اور ابونعیم حدیث مرفوع نقل کرتے ہیں کہ :

((ایاکم والتنعم فان عباد اللہ لیسوا

عیش وعشرت اور تنعم کی زندگی سے بچو اس لیے کہ اللہ

بالتنعمین))۔ کے بندے ناز و نعمت میں نہیں پڑتے۔

رہا تربیت میں خوداعتمادی اور احساسِ واجبات و فرائض کا اہتمام تو وہ اس لیے کہ پہلے حدیث میں گزر چکا ہے:

((کلکم راع وکل مسئول عن رعیتہ))۔ تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور ہر نگہبان سے اس کی رعایا کے بارے میں بازپرس ہوگی۔

* * *

یہ حدیث چھوٹے بڑے، عورت و مرد اور حاکم و محکوم سب کو شامل ہے۔

اور اس لیے بھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وہ رہنمائی بھی ہمارے سامنے ہے جسے بیہقی نے روایت کیا ہے کہ: اپنے بچوں کو تیرنا اور تیراندازی سکھاؤ اور انہیں حکم دو کہ وہ شہسواری کیا کریں۔ اور ظاہر بات ہے کہ جب بچہ نوعمری ہی سے تیرنا، تیراندازی اور شہسواری سیکھ لے گا تو اس میں خوداعتمادی پیدا ہوگی اور اسے اپنی شخصیت و وجود کا احساس ہوگا۔ اور پھر وہ ذمہ داریوں کے ادا کرنے اور مشقتوں کے برداشت کرنے کا عادی بنتا جائے گا۔

رہا بچے کو حق گوئی اور اس سلسلہ میں بے باکی کی تعلیم تو وہ اس لیے کہ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اس بات پر بیعت کی کہ ہم خوشی و ناخوشی اور آسانی و تنگی ہر صورت میں اطاعت و فرمانبرداری کریں گے... اور یہ کہ ہم جہاں کہیں بھی ہونگے حق بات کہیں گے، اور حق بات کہنے میں کسی کی ملامت کی پروا نہیں کریں گے... اور ظاہر ہے کہ یہ بیعت چھوٹوں بڑوں مردوں اور عورتوں سب کو شامل ہے۔

اس سے قبل جسمانی تربیت کی ذمہ داری کی فصل میں ہم بچوں کی جسمانی تربیت کے سلسلہ میں اہم نبوی وصیتیں اور موٹی موٹی اسلامی تعلیمات ذکر کر چکے ہیں۔ اور بلاشبہ وہ سب کی سب بچوں کو خوداعتمادی اور مسؤلیت و ذمہ داری کی ادائیگی کا عادی بناتی ہیں۔ اور ان میں یہ احساس پیدا کرتی ہیں کہ وہ ایک ایسا انسان ہے جس کی اپنی شخصیت کرامت اور ایک مخصوص دائرہ ہے۔

۴۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنا آپ کے بچپن کے زمانے سے لے کر اس وقت تک کی زندگی کی جب آپ نوجوان ہوئے اور پھر آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر مبعوث فرمایا، اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو تعلیم دی اور آپ کی بہترین تربیت کی اور آپ کو اپنی خاص نگرانی میں رکھا، اور اپنے سامنے آپ کو کامل و مکمل نمونہ بنایا۔

لیجیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے تمام شعبوں اور مراحلِ زندگی کے کچھ نمونے آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں اور خصوصاً آپ کے بچپن اور نوجوانی کے تاکہ مربیوں کے لیے راہنما اصول وضوابط اور معیار اعلیٰ اور مؤمن معاشرے کے لیے مقتدیٰ و نمونہ بنیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بچپن میں بکریاں چرایا کرتے تھے، چنانچہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے بارے میں مروی ہے جیسا کہ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

«ما بعث الله نبياً إلا رعى الغنم . نعم كنت أرعاها على قراريط لأهل مكة».

اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں فرمایا مگر یہ کہ اس نے بکریاں چرائیں، جی ہاں میں بھی چند سکوں کے عوض اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔

بچپن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے ساتھ کھیلا کرتے تھے، چنانچہ ابن کثیر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ قریش کے لڑکوں کے ساتھ میں بھی پتھر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا رہا تھا تاکہ کھیل کا سامان اکٹھا کریں، ہم میں سے ہر ایک نے کپڑے اتار کر اپنی چادر اپنے کاندھے پر ڈال رکھی تھی اور اس پر پتھر رکھ کر لا رہا تھا۔ میں بھی ان کے ساتھ اسی طرح آجا رہا تھا کہ کسی نے (جسے میں دیکھ نہیں رہا تھا) مجھے زوردار مکہ مارا اور کہا: اپنی چادر باندھ لیجیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے فوراً اپنی چادر لی اور اسے باندھ لیا اور پھر پتھر اپنی گردن پر لادھ کر لانے لگا اور تمام لڑکوں میں صرف میں ہی چادر باندھے ہوئے تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تعمیرات کا کام بھی کیا کرتے تھے چنانچہ امام بخاری و مسلم روایت کرتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بڑے ہوئے اور کعبہ کی تعمیر ہونے لگی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اشراف قریش کے ساتھ پتھر اٹھا کر لانے لگے، تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا پتھر اٹھانے کے لیے اپنی تہبند کاندھے پر رکھ لیجیے، چنانچہ آپ نے حکم کی تعمیل کی لیکن فوراً ہی آپ گر پڑے اور آپ کی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور فرمایا: میری تہبند میرے حوالے کر دو، میری تہبند مجھے پہنا دو، چنانچہ آپ کی تہبند آپ کے جسم پر کس دی گئی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اس بات سے منع کر دیا گیا ہے کہ میں ننگے ہو کر چلوں پھروں، آپ کے نبوت سے پہلے بھی معصوم ہونے پر یہ حدیث کھلی ہوئی دلیل ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تجارت کے لیے سفر بھی کیا کرتے تھے چنانچہ ثابت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے دو مرتبہ اس غرض سے سفر کیا ہے۔ ایک مرتبہ بالغ ہونے سے قبل اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ، اور دوسری مرتبہ بالغ ہونے کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بچپن میں بہت زیادہ جری و بہادر تھے، چنانچہ سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ بچپن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لات و عزیٰ نامی بتوں کی قسم دلائی گئی تو آپ نے قسم دلانے والے سے فرمایا: مجھ سے ان دونوں کے نام کے ذریعہ کسی چیز کا مطالبہ نہ کرو اس لیے کہ جتنا بغض مجھے ان دونوں سے ہے اتنا بغض اور کسی چیز سے نہیں۔

بالغ ہونے سے قبل ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ میں شریک ہو چکے تھے، چنانچہ سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ فجار نامی جنگ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچاؤں کو تیر دے رہے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عظیم عقل ورائے کے مالک تھے۔ چنانچہ جوانی ہی میں آپ کے ذریعہ فیصلہ کرایا گیا اور آپ

کو حکم بنایا گیا، سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حجرِ اسود کے رکھنے کے لیے حکم بنایا تھا اور آپ کی رائے اور مشورے سے قریش بہت متعجب ہوئے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے افتخار اور شرافت کے اظہار کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے کہ آپ چھوٹے یتیم بچے تھے لیکن آپ نے نہایت زبردست وبہترین تربیت پائی۔ اچھی عادتیں، اعلیٰ اوصاف واخلاق اور بہترین خصلتیں آپ میں جمع تھیں چنانچہ نہ تو آپ نے کسی بت کو سجدہ کیا۔ اور نہ زمانہ جاہلیت کی برائیوں میں آپ دوسروں کے ساتھ شریک ہوئے اور نہ بتوں کے نام پر ذبح کیے گئے جانوروں کا گوشت آپ نے کبھی چکھا۔

آپ کا ان چیزوں کا اپنے اس رب کی طرف منسوب کرنا کوئی قابلِ تعجب نہیں جس نے آپ کی دیکھ بھال رکھی اور اپنے سامنے پرورش کی، اور بذاتِ خود آپ کی تربیت کی چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((أدبني ربي فأحسن تأديبي)) رواہ العسکری — میرے رب نے مجھے تربیت دی اور بہترین تربیت دی۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کی زندگی کے یہ چند ـــــــــ لمحات وواقعات اور جوانی میں آپ کی عصمت و عالی اخلاق کے چند نمونے ہدایت کے لیے مشعلِ نور ہیں جس سے تربیت کرنے والوں کو اپنی اولاد کی تربیت کے سلسلہ میں تربیت کا صحیح طریقہ معلوم ہوگا۔ مربیوں کو اسے اختیار کرنا چاہیئے۔ نیز اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام امت کے لیے بہترین نمونہ ومقتدیٰ ہیں۔ اپنے بچپن میں بھی اور جوانی میں بھی، پختہ عمر کے دور میں بھی اور بڑھاپے میں بھی، یہی وہ ہستیاں ہیں جن کی رہنمائی اللہ تعالیٰ نے خود کی ہے۔ لہٰذا ان کے نقشِ قدم پر چلنا اور ان کی پیروی کرنا چاہیئے۔

اب تک ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ نکلا کہ زیادہ ناز ونخرے برداشت کرنے کی بیماری بچے کے نفسیاتی انحراف وکج روی کا سب سے بڑا عامل ہے۔ اس لیے کہ عام طور سے اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بچہ بچپن اور اس کے بعد کی عمر میں احساسِ کمتری اور اپنی خامی کا احساس کرنے لگتا ہے۔۔

لہٰذا والدین اور خصوصاً ماں کو چاہیے کہ وہ ان طریقے کو اختیار کریں جو اسلام نے بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں مقرر کیے ہیں۔

جن میں سے بچے سے محبت اور اس کے ساتھ تعلق میں اعتدال اور درمیانہ روی بھی ہے۔ اور ہر پریشانی اور مصیبت کے وقت اللہ کے حکم کے سامنے گردن جھکانا بھی۔

جن میں سے یہ بھی ہے کہ بچہ جب سمجھ دار ہو جائے تو اس کو سزا دینے کی جتنی ضرورت ہو اتنی ہی سزا دینا چاہیئے۔

جن میں سے یہ بھی ہے کہ بچے کی تربیت سادگی خود اعتمادی فرائض وواجبات کے احساس اور حق گوئی کی جرأت پیدا کرنے کی بنیاد پر قائم ہو۔۔

اور ان میں سے یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بچے تھے آپکی اس وقت کی شخصیت کو بھی نمونہ بنایا جائے اس لیے کہ آپ نبوت سے قبل بھی مقتدیٰ تھے اور اس کے بعد بھی۔

جب تربیت کرنے والے حضرات ان طریقوں کو اپنالیں گے۔ اور قواعد و ضوابط کی پابندی کریں گے، تو وہ ان لوگوں کو جن کی تربیت کی ذمہ داری ان پر ہے ان عوامل واسباب سے محفوظ رکھ سکیں گے جو شخصیت کے ختم کرنے اور انسانی کرامت کے برباد کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اور اس طرح سے وہ بچے کی نفسیاتی اخلاقی اور عقلی معیار کو بلند کرنے کا ذریعہ بنیں گے، اور پھر وہ بچہ دنیاوی زندگی میں ایک کامل و مکمل انسان بن جائے گا۔

۴۔ بچوں میں مساوات و برابری نہ کرنا اور ایک دوسرے پر فوقیت و ترجیح دینا

یہ بھی بچے میں نفسیاتی انحراف پیدا کرنے والے اسباب میں سے بڑا سبب ہے، یہ ترجیح دینا چاہے کچھ دینے کے سلسلہ میں ہو یا محبت یا کسی دوسرے معاملہ میں؟

اس تفاوت والے برتاؤ کا بچے کی نفسیات اور کردار پر بہت برا اثر پڑتا ہے اور یہ اس میں انحراف پیدا کرنے کا بدترین ذریعہ ہے۔ اس لیے کہ اس کی وجہ سے بچے میں رقابت و حسد کا مرض پیدا ہوتا ہے اور خوف و جھینپنے اور الگ تھلگ رہنے اور بلا وجہ رونے کا سبب بنتا ہے، اور اس کی وجہ سے لڑائی جھگڑے، نافرمانی اور زیادتی و ظلم پیدا ہوتا ہے اور بچہ رات کو ڈرنے لگتا ہے اور مختلف اعصابی امراض کا شکار ہوکر احساسِ کمتری میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

مربیِ اول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کتنے بڑے حکیم اور عظیم الشان معاشرتی مربی تھے کہ آپ نے والدین کو یہ حکم دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور بچوں کے درمیان عدل وانصاف سے کام لیں:

ابنِ حبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

«رحم اللہ والدًا أعان ولده على برِّه». — اللہ تعالیٰ ایسے باپ پر رحم کرے جو اپنے بچے کو نیک بنانے میں اس کی مدد کرے۔

۞ ۞ ۞

اور طبرانی وغیرہ روایت کرتے ہیں:

«ساووا بين أولادكم في العطية». — اپنے بچوں میں لینے دینے کے معاملے میں مساوات وبرابری کیا کرو۔

۞ ۞ ۞

اور امام بخاری ومسلم حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آئے اور عرض کیا: میں نے اپنے اس بیٹے کو اپنا ایک غلام ہدیۃً دیا ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے اپنے ہر بیٹے کو ایسا ہی ہدیہ دیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: جی نہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ

وسلم نے فرمایا کہ پھر اس کو بھی واپس لے لو۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے اپنی سب اولاد کیساتھ ایسا کیا ہے؛ انہوں نے عرض کیا: جی نہیں۔ تو نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((اتقوا اللہ واعدلوا فی أولادکم))۔ اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل وانصاف کیا کرو۔

☆ ☆ ☆

راوی فرماتے ہیں کہ میرے والد واپس لوٹے اور اس ہدیہ کو واپس لے لیا۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بشیر! کیا اس لڑکے کے علاوہ تمہاری اور اولاد بھی ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: کیا تم نے ان میں سے ہر ایک کو اس جیسا ہدیہ دیا ہے؟ میں نے عرض کیا: جی نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لہٰذا پھر مجھے تو ہرگز اس کا گواہ نہ بناؤ اس لیے کہ میں ظلم پر گواہ نہیں بن سکتا۔ پھر آپ نے فرمایا: کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ وہ سب کے سب تمہارے ساتھ یکساں اچھا برتاؤ کریں؛ میں نے عرض کیا جی ہاں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر ایسا نہ کرو (کہ ایک کو دو دوسروں کو محروم رکھو)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کا بیٹا آگیا، تو انہوں نے اسے چوما اور اس کو اپنی گود میں بٹھالیا۔ پھر ان کی بیٹی آئی تو انہوں نے اسے اپنے سامنے بٹھادیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم نے ان دونوں کے درمیان برابری کیوں نہیں کی؟

ان نبوی توجیہات وارشادات سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اولاد میں عدل وانصاف، مساوات اور محبت میں برابری کرنا چاہیے تاکہ ان میں کسی قسم کی تفریق وامتیاز کا عنصر جگہ نہ پائے۔

جی ہاں کبھی کبھی بچے سے محبت نہ کرنے اور اس سے روگردانی کرنے کے کچھ ظاہری اسباب بھی ہوتے ہیں:

مثلاً یہ کہ وہ اس جنس سے تعلق رکھتا ہو جسے لوگ جہالت کی وجہ سے ناپسند کرتے ہیں یعنی وہ لڑکی ہو۔

یا یہ کہ خوبصورتی وسمجھداری میں دوسروں سے کم ہو۔

یا یہ کہ اس میں کوئی ظاہری جسمانی نقص پایا جاتا ہو یا... یا...

لیکن یہ تمام اخلاقی یا پیدائشی وجسمانی اسباب بچے کو ناپسند کرنے اور اس کے بھائیوں کو اس پر ترجیح دینے کے لیے شرعاً جواز کا سبب نہیں بن سکتے۔

والدین جب بچے کے ساتھ ایسا برا سلوک اور ایسا سخت معاملہ ورویہ اختیار کرتے ہیں تو وہ کتنے بڑے ظالم و ناانصاف ہوتے ہیں۔

آپ ہی بتلائیے کہ اگر بچہ لڑکی کی شکل میں وجود میں آیا ہے تو اس میں اس کا کیا قصور ہے؟

اور اگر وہ بدصورت ہے تو اس میں اس کا کیا جرم ہے ؟

اور اگر اس میں ذکاوت داعلیٰ درجہ کی سمجھ داری نہیں تو اس میں اس کا کیا اختیار ہے ؟

اور اس نے کیا گناہ کیا ہے اگر وہ طبعًا پھرتیلا شوخ اور شور وشغب کرنے والا اور متحرک ہے ؟

اور اگر بچپن ہی میں کسی جسمانی نقص یا بیماری کا شکار ہونا اس کی تقدیر میں لکھا تھا تو اس میں اس کا کیا قصور ہے ؟

اگر تربیت کرنے والے یہ چاہتے ہیں کہ ان کی اولاد نفسیاتی ، پیچیدگیوں اور احساسِ کمتری اور بغض وحسد اور باطنی خبث کا شکار نہ ہو تو ان کے سامنے اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے کہ وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کو نافذ کریں جس میں یہ آتا ہے : اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان مساوات وعدل کرو ، اور اللہ نے ان کے لیے جو بھی فیصلہ کر دیا ہے خواہ لڑکوں کا ہو یا لڑکیوں کا اس پر صابر وشاکر رہیں ، اسی طرح ان کا فرض یہ بھی ہے کہ وہ اس بات کی پوری کوشش کریں کہ ان کی تمام اولاد میں محبت ، اخوت ، وچشم پوشی ومساوات کی روح جلوہ گر ہو تاکہ وہ عدل وانصاف الفت وپیار کی نظر اور سچی محبت اور عدل وانصاف سے پُر معاملہ کے سایہ میں مزے کی زندگی گزار سکیں .

واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں کتنا بجا ارشاد فرمایا ہے جسے ابن حبان روایت کرتے ہیں :

((رحم اللہ والدًا أعان ولدہ علی برہ))۔ — اللہ تعالیٰ اس باپ پر رحم کرے جو اپنی اولاد کی نیکی اور اچھا سلوک کرنے میں اعانت کرے ۔

❁ ❁ ❁

۴۔ جسم کے کسی عضو کا نہ ہونا یا ماؤف ہونا

یہ بھی ان بڑے عوامل میں سے ہے جو بچے میں نفسیاتی انحراف وکجی پیدا کرتے ہیں ۔ اس لیے کہ عام طور سے اس کا اثر احساسِ کمتری اور زندگی سے نفرت کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے ۔

اس لیے کہ جب بچپن سے ہی بچے کو کوئی جسمانی نقص لاحق ہو جاتا ہے مثلاً بھینگا پن یا بہرا ہونا یا کم عقلی و پاگل پن یا تتلانا اور بولنے میں زبان کا صاف نہ ہونا ، تو ایسی صورت میں مناسب یہ ہوتا ہے کہ اس کے باپ ، ماں ، بہن ، بھائی ، رشتے دار پڑوسی ، دوست اور اہل وعیال سب کے سب اس کے ساتھ محبت والفت ونرمی اور اچھے اخلاق اور شریفانہ برتاؤ کا اظہار کریں ، تاکہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی اس حدیث پر عمل ہو سکے جسے امام ترمذی وابو داؤد روایت کرتے ہیں :

((الراحمون یرحمہم الرحمٰن ، ارحموا من فی الأرض یرحمکم من فی السماء))۔ — رحم کرنے والوں پر رحمان رحم کرتا ہے ، تم ان لوگوں پر رحم کرو جو زمین پر بستے ہیں تم پر وہ ذات رحم کرے گی جو جو آسمان والی ہے ۔

❁ ❁ ❁

اور آپ کا وہ فرمان جسے امام بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے :

«لا یؤمن أحدکم حتی یحب لأخیه ما یحب لنفسه». | تم میں سے کوئی شخص بھی اس وقت تک کامل مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہ چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

☆ ☆ ☆

اور آپ کا وہ ارشادِ مبارک جسے امام ترمذی و ابنِ حبان نے روایت کیا ہے:

«أکمل المؤمنین إیمانًا أحسنهم خلقًا». | مؤمنوں میں کامل ترین مؤمن وہ ہے جو ان میں سب سے اچھے اخلاق والا ہو۔

لیکن جب بھینگے پن کے شکار بچے کو اے بھینگے کہہ کر خطاب کیا جائے گا، اور بہرے پن کے شکار کو بہرے کے لفظ سے اور کم عقل والے کو بے وقوف، اور بولنے میں کمزور شخص کو گونگے کے لفظ سے پکارا جائے گا، تو بدیہی بات ہے کہ سمجھدار بچے میں اس کمی کا احساس پیدا ہوگا اور اس میں نفسیاتی الجھنیں پیدا ہوں گی، اور ایسی صورت میں اگر ہم اس کو ایسی حالت میں دیکھیں کہ جس میں وہ نفسیاتی ادھیڑبن اور معاشرتی طور پر حسد اور زندگی سے بیزاری کا شکار ہو تو اس میں ذرا بھی تعجب کی بات نہیں ہے۔

اس لیے تربیت کرنے والوں کو چاہیئے کہ اپنے بچوں کے امراض و آفات کا علاج عمدہ طریقے اور بہترین تربیت اور پرشفقت معاملے اور کامل نگرانی سے اس بنیاد پر کریں کہ انسان کی قدر و قیمت اس کے دین کے اعتبار سے ہوتی ہے نہ کہ اس کی شکل و صورت اور ظاہر کے اعتبار سے۔

○ اس علاج کے سلسلہ میں پہلا قدم یہ ہے کہ ایسے بچوں پر شفقت و محبت کی نظر رکھنی چاہیے، اور ان کی خصوصی توجہ اور دیکھ بھال رکھیں، اور ان کو اپنے برتاؤ سے یہ بات ذہن نشین کرادیں کہ وہ ذکاوت، قدرتی صلاحیتوں علم و تجربہ اور چستی و چالاکی میں دوسروں سے ممتاز ہیں۔ ان پر پیار کی نظر اور اچھا برتاؤ ان کی نفوس سے اس مرض و خامی اور نقص کے احساس کو دور کردے گا۔ بلکہ وہ نہایت اطمینان و سکون اور پورے وثوق و اعتماد کے ساتھ مفید کاموں اور فائدہ مند محنت میں لگ جائیں گے۔

○ اس علاج کا دوسرا قدم یہ ہے کہ تربیت کرنے والوں کو چاہیئے کہ ہر اس شخص کو جو اس آفت کے شکار بچے کے ارد گرد اور ساتھ رہنے والا ہو خواہ وہ قریبی رشتہ دار ہوں یا دور کے ان سب کو نصیحت کریں اور سمجھائیں اور ان کو تحقیر اور اہانت کے انجام اور مذاق اڑانے اور دوسرے تذلیل کے نتائج سے آگاہ کرتے رہیں اور ان پر یہ واضح کریں کہ اس کا ان بچوں کی نفوس پر کتنا برا اثر پڑتا ہے۔ اور ان کی طبیعت پر ـــــ اس کا کتنا زبردست بوجھ اور اثر پڑتا ہے۔

تربیت کرنے والوں کو چاہیے کہ جب وہ دوسروں کو نصیحت اور رہنمائی کریں تو ہر اس شخص کو جو اس مصیبت زدہ کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے اس کے سامنے مربیِ اول رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ طریقہ بیان کریں جو آپ نے اس معاشرتی مضبوط و مستحکم اتحاد کی عظیم دعوت دیتے وقت اختیار کیا تھا جس کی اساس محبت و اخلاص تھی اور اس کی بنیادیں دوسروں کے احترام

وعزت پر قائم تھیں۔۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی کرامت وعزت اور مسلمان شخصیت کو نقصان پہنچانے اور مضبوط ومستحکم معاشرتی اتحاد میں ہر درازیں ڈالنے والی چیز سے روکنے کے لیے جو طریقہ اختیار کیا تھا اس کی بنیادیں ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں:

زبان کے فتنے اور شر سے بچانے کے سلسلہ میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے فرمانِ مبارک کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اس طرح روایت کیا ہے:

((وإن العبد ليتكلم بالكلمة لا يلقي لها بالاً يهوي بها في جهنم)).

انسان منہ سے ایک بات نکال دیتا ہے اور اس کی پرواہ بھی نہیں کرتا اس کی وجہ سے جہنم میں گر جاتا ہے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إن العبد ليتكلم بالكلمة ما يتبين فيها يزلّ إلى النار أبعد ما بين المشرق والمغرب)).

انسان ایک بات کرتا ہے اور اس کو سمجھتا بھی نہیں اور اس کی وجہ سے جہنم میں اتنا گہرا چلا جاتا ہے جو فاصلہ مشرق ومغرب کے درمیان ہے۔

٭ ٭ ٭

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے کی مصیبت پر خوش ہونے سے ان الفاظ سے منع فرمایا ہے جنہیں ترمذی نے روایت کیا ہے:

((لا تظهر الشماتة لأخيك فيرحمه الله ويبتليك)).

اپنے بھائی کی مصیبت پر خوش نہ ہو کہ اللہ اس پر رحم کھالے اور تمہیں مصیبت میں مبتلا کر دے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کے ذریعے بھی کسی کی تذلیل کرنے سے منع فرمایا ہے چنانچہ ابوداؤد اور ترمذی روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ کے لیے صفیہ کا تو ایسا اور ایسا ہونا ہی کافی ہے (ان کے پستہ قد ہونے کی طرف اشارہ تھا) تو نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا:

((لقد قلت كلمةً لو مزجت بماء البحر لمزجته)).

تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر اسے سمندر کے پانی میں ملا دیا جاتا تو وہ اسے بھی خراب کر دیتی۔

٭ ٭ ٭

یہ تمام امور جن سے منع کیا گیا ہے یہ سب کے سب اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس قول کے تحت داخل ہیں:

(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۖ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا

اے ایمان والو نہ مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہیے کیا عجب کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتوں کو عورتوں پر (ہنسنا چاہیے) کیا عجب کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو، اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب

((بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ))۔ سے پکارو، ایمان کے بعد گناہ کا نام ہی برا ہے۔ اور جو (اب بھی) توبہ نہ کریں گے وہی ظالم ٹھہریں گے۔

● اس علاج کا تیسرا مرحلہ اور قدم یہ ہے کہ تربیت کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ ان بچوں کے لیے جو کسی آفت و مصیبت کا شکار ہیں ایسے ساتھیوں کا انتخاب کریں جو اچھے اخلاق و آداب اور پسندیدہ عادات کے مالک ہوں، تاکہ وہ جب ان کے ساتھ اکٹھا ہوں اور کھیلیں اور آپس میں پیار و محبت کی باتیں کریں تو ایسا برتاؤ کریں جس سے قلبی طور سے ان کو یہ محسوس ہو جائے کہ لوگ ان سے محبت کرتے ہیں۔ اور ان کا خیال رکھتے ہیں اور ان سے ہمدردانہ برتاؤ کرتے ہیں، بچے کی شخصیت کے اجاگر کرنے اور اس میں میل جول کی عادت پیدا کرنے کے سلسلہ میں ابن سینا لکھتے ہیں کہ بچے کے ساتھ مدرسہ اور اسکول میں ایسے بچے ہونا چاہیئے جو اچھے اخلاق و عادات اور پسندیدہ اطوار کے مالک ہوں، اس لیے کہ بچہ اس کی زبان کو سمجھتا اور اسی کو اخذ کرتا ہے اور اسی سے مانوس ہوتا ہے۔

امام ترمذی نوادر میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((عرامۃ الصبی فی صغرہ زیادۃ فی عقلہ فی کبرہ))۔ بچے کا بچپن میں چاق و چوبند، چست و چالاک اور میل جول رکھنے والا ہونا بڑے ہو کر اسی کی عقل و سمجھ کو بڑھانے کا ذریعہ ہوتا ہے۔

☆ ☆ ☆

گذشتہ تحریر سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اگر مربی چاہے تو اپنے آفت زدہ و معذور بچے سے معذوری کے احساس کو دور کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے، اور اس کے پاس اس کے تمام وسائل موجود ہیں، چاہے وہ محبت و شفقت اور پیار کی نظر سے تعلق رکھتے ہوں یا اس کی دیکھ بھال اور خصوصی توجہ سے، یا اس معاشرہ کو متنبہ و ہوشیار کرنے سے جس میں وہ بچہ رہتا ہے تاکہ اس کی تذلیل و تحقیر و اہانت نہ ہو، یا ان اچھے ساتھیوں کی جماعت کے انتخاب سے متعلق ہوں جو اس کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے اور میل جول رکھتے ہوں، اور مربی اس اچھے معاملے کے ذریعہ سے بچے کے دل سے کمزوری اور نقص کا احساس دور کر کے اس کو اس قابل بنا دے گا کہ وہ معاشرہ میں فائدہ مند عضو بن سکے، اور اپنی قوت بازو سے ترقی کا محل تعمیر کر سکے، اور اپنی قوت ارادی و عزم سے امت کی عزت کو بلند اور اپنے ملک کے مستقبل کو روشن کر سکے۔

۵۔ بچے کا یتیم ہونا

یہ بھی بچے میں نفسیاتی انحراف پیدا کرنے کا ایک بہت خطرناک سبب ہے خصوصاً اس صورت میں جب یتیم ایسے معاشرہ میں ہو جس میں یتیم کا خیال نہ رکھا جاتا ہو۔ اور اس کے غموں کا مداوا نہ کیا جاتا ہو۔ اور اس کی طرف شفقت و محبت اور پیار کی نظر سے نہ دیکھا جاتا ہو۔

اسلام ایک ایسا دین ہے جس نے یتیم بچے کا بہت خیال رکھا ہے۔ اور اس کی تربیت اور اس کے ساتھ اچھے معاملہ

وبرتاؤ اوراس کی ضروریاتِ زندگی کے پورے کرنے کا بہت اہتمام کیا ہے، تاکہ معاشرہ میں وہ ایک ایسا فائدہ مند فرد بنے جو اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرے، اور اپنے فرائض کو ادا کرے، اور دوسروں پر اس کے جو حقوق آتے ہیں اور اس پر دوسروں کے جو حقوق ہیں انہیں اچھے طریقے اور عمدگی سے ادا کرے،

قرآنِ کریم نے یتیم کے سلسلہ میں بہت اہتمام کیا ہے اور اس کو ڈانٹنے جھڑکنے سے منع کیا ہے، اور اس سے ایسے برتاؤ سے روکا ہے جو اس کی عزت وکرامت کے خلاف ہو ارشادِ باری ہے:

((فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ)). الضحیٰ۔۹ — تو آپ بھی یتیم پر سختی نہ کیجئے۔

نیز فرمایا:

((أَرَءَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ ۝ فَذَٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ ۝)). الماعون۔۱و۲ — بھلا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا ہے جو روزِ جزا کو جھٹلاتا ہے، سو وہ شخص جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کا بہت خیال رکھا ہے، اور اس کی کفالت پر ابھارا اور اس کی دیکھ بھال کو واجب قرار دیا ہے، اور اس کے اولیاء اگر اس کا خیال رکھیں اور اس کے ساتھ حسنِ سلوک کریں تو ان کو یہ بشارت سنائی ہے کہ وہ جنت میں اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں گے:

امام ترمذی روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((أنا وكافل اليتيم في الجنة وأشار بأصبعيه يعني السبابة والوسطى)). — میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شہادت کی انگلی اور اس کے برابر کی انگلی سے اشارہ فرمایا:

٭ ٭ ٭

امام احمد وابن حبان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((من وضع يده على رأس يتيم رحمة كتب الله له بكل شعرة مرت على يده حسنة)). — جو شخص اپنا دستِ شفقت یتیم کے سر پر پیار سے رکھے گا تو اللہ تعالیٰ ہر اس بال کے بدلے جس پر اس کا ہاتھ پھرا ہے اس کے لیے ایک نیکی لکھ دیں گے۔

اور امام نسائی سندِ جید کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اللهم إني أحرج حق الضعيفين: اليتيم والمرأة)). — اے اللہ میں دو ضعیفوں یعنی یتیم اور عورت کے حق کو ضائع کرنے والے کو گناہگار قرار دیتا ہوں۔

یتیم کی دیکھ بھال اور کفالت اس کے رشتہ داروں اور قرابت داروں پر واجب ہے، اس لیے اگر یہ لوگ یتیموں کے نفسیاتی اور اخلاقی حالات درست کرنا چاہتے ہیں تو ان کو چاہیے کہ ان کے ساتھ خصوصی شفقت، توجہ اور دیکھ بھال سے

کام لیں۔ اور اپنے عمل سے ان کو یہ محسوس کرا دیں کہ محبت اور معاملات اور برتاؤ کے لحاظ سے وہ بھی ان کے لیے ان کی اولاد ہی کی طرح ہیں۔

اور اگر رشتہ داروں میں کوئی کفیل موجود نہ ہو تو پھر ان کی دیکھ بھال مسلمان حکومت کی ذمہ داری ہے اور حکومت کو چاہیے کہ ان کے معاملات نمٹائے، اور ان کی تربیت و رہنمائی کرے، اور زندگی و معاشرہ میں ان کی شخصیت و مقام کو بلند کرے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھیے جو مدینہ منورہ میں پہلی اسلامی مملکت کی داغ بیل ڈالنے والے تھے آپ نے یتیم کے ساتھ کس طرح خصوصی اُلفت و محبت و شفقت و پیار کا برتاؤ کیا، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عید کے موقعہ پر ایک یتیم کو دیکھا تو اس کے ساتھ پیار کا برتاؤ کیا۔ اور اس سے بشاشت سے ملے اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کیا۔ اور اس کو اپنے دولت کدہ پر لائے اور اس سے فرمایا:

«أما ترضى أن أكون لك أبا وتكون عائشة لك أما». — کیا تم کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ میں تمہارا باپ بن جاؤں اور عائشہؓ تمہاری ماں ہو جائیں۔

اسی طرح حکومت کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ لاوارث بے سہارا و بے آسرا بچوں کی کفالت کرے۔ اور اگر کوئی لاوارث بچہ مل جائے تو اس کی دیکھ بھال کرے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جب ایک شخص ایک لاوارث بچہ لایا تو انہوں نے بھی لاوارث بچے کے ساتھ یہی برتاؤ کیا۔ اور انہوں نے اس سے فرمایا: اس بچے کا نان نفقہ تو ہمارے ذمے ہے لیکن یہ بچہ آزاد شمار ہوگا۔

اسلام نے یتیم و لاوارث بچوں کے ساتھ یہ جو بہترین برتاؤ کیا ہے اس نے اس معاملہ کے ذریعہ مسلمان معاشرے کے لیے ایسے نیک صالح شہری پیش کیے ہیں جو اپنی ذمہ داریوں کو پورا کر سکیں، اور اپنے فرائض بحسن و خوبی انجام دیں، اور ان میں کسی قسم کا احساسِ کمتری پیدا نہ ہو اور وہ پراگندہ افکار و خیالات اور برے تصورات کے سمندر میں سرگردان و پریشان نہ ہوں۔

۶۔ فقر و غربت یہ بھی بچے میں نفسیاتی انحراف پیدا کرنے کا ایک بہت بڑا سبب ہے، اور یہ انحراف بچے میں اس وقت اور شدید ہو جاتا ہے جب وہ اپنی آنکھیں کھولتا ہے اور اپنے والدین کو تنگی میں اور اپنے خاندان کو محرومی و خستہ حالی کا شکار دیکھتا ہے۔ اور یہ صورتِ حال اس پر اس وقت اور شدید اور شاق ہو جاتی ہے جب وہ اپنے بعض رشتہ داروں یا پڑوسیوں یا مدرسہ کے ساتھیوں کو اچھی حالت اور زیب و زینت اور ناز و نعمت میں مستغرق اور اپنے آپ کو افسردہ و غمگین اور مسکین دیکھتا ہے۔ حتّٰی کہ اس کو پیٹ بھرنے کو ایک لقمہ اور جسم کو ڈھانپنے کو پورا کپڑا بھی نہیں ملتا۔

بتلائیے جو بچہ اس حالت کا شکار ہو اس سے نفسیاتی طور پر ہم کیا توقع رکھیں گے؟ ظاہر بات ہے کہ وہ معاشرہ کی طرف کراہیت اور حسد کی نگاہ سے دیکھے گا۔ اور لازمی طور سے احساسِ کمتری اور نفسیاتی پیچیدگی جیسے امراض کا شکار ہوگا اور یقیناً اس کی اُمید ناامیدی سے اور نیک فالی بدفالی سے بدل جائے گی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے

اس فرمان میں بالکل سچ فرمایا ہے جسے احمد بن منیع اور بیہقی نے روایت کیا ہے:

((کاد الفقر أن یکون کفرًا)). قریب ہے کہ فقر کفر بن جائے۔

بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعا میں فقر سے پناہ مانگا کرتے تھے چنانچہ امام نسائی اور ابن حبان حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اللّٰھم إنی أعوذ بك من الکفر والفقر)). اے اللہ میں آپ کے ذریعہ کفر اور فقر سے پناہ مانگتا ہوں۔

اسلام نے فقر کے مسالہ کا دو بنیادی امور سے علاج کیا ہے:

۱۔ انسانی کرامت کا احترام۔

۲۔ امداد باہمی کے بنیادی اصولوں کا مقرر کرنا۔

انسانی کرامت کا احترام اسلام نے اس طرح کیا ہے کہ اس نے تمام اجناس و اقوام اور الوان اور طبقات میں مساوات و برابری کی ہے اور انسان ہونے کے اعتبار سے ان سب کو برابر گردانا ہے، اور اگر کہیں پر ترجیح و تفاضل کی ضرورت ہوئی بھی تو اسلام نے ترجیح تقوی اور عمل صالح اور مجاہدہ کے اعتبار سے دی ہے۔۔

اور وہ بنیاد و اساس جسے اسلام نے قیامت تک کے لیے زمانہ کے ضمیر میں پیوست کر دیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا درج ذیل فرمان ہے:

((یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ۚ)). الحجرات۔ ۱۳

اے لوگو ہم نے تم (سب) کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور خاندان بنا دیا ہے کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو بے شک تم میں سے پرہیزگار تر اللہ کے نزدیک معزز تر ہے۔

اسلام نے ظاہری شکل وصورت اور جسم کو مدار نہیں بنایا بلکہ اسلام دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے چنانچہ امام مسلم اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

((إِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ إِلٰی صُوَرِکُمْ وَأَجْسَادِکُمْ وَلٰکِنْ یَنْظُرُ إِلٰی قُلُوبِکُمْ وَأَعْمَالِکُمْ)). اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور جسموں کی طرف نہیں دیکھتے بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتے ہیں۔

اسلام نے ضعفاء و فقراء کے مرتبے اور درجے کو بلند کیا ہے، اور ان کو ناراض کرنے اور ان کی تذلیل و تحقیر کرنے کو اللہ جل شانہ کی ناراضگی کا ذریعہ قرار دیا ہے، چنانچہ امام مسلم روایت کرتے ہیں کہ ابوسفیان حضرت سلمان و صہیب و بلال وغیرہ کی جماعت

کے پاس سے گزرے تو ان حضرات نے کہا: اللہ کی تلواروں نے اب تک اللہ کے دشمنوں کو ٹھکانے نہیں لگایا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو فرمایا: کیا آپ حضرات یہ بات قریش کے سردار و شیخ کے لیے کہہ رہے ہیں؟ اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ بیان کیا، تو آپ نے فرمایا: اے ابوبکر شاید تم نے انہیں ناراض کر دیا ہے، اگر تم نے انہیں ناراض کر دیا تو تم نے درحقیقت اپنے رب کو ناراض کر دیا، چنانچہ حضرت ابوبکر ان حضرات کے پاس آئے اور ان سے فرمایا: بھائیوں کیا میں نے تمہیں ناراض کر دیا ہے؟ تو ان حضرات نے کہا: جی نہیں! اے ہمارے بھائی اللہ آپ کی مغفرت فرما دے۔

رہا اسلام کا امدادِ باہمی کے بنیادی اصولوں کا مقرر کرنا تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام نے فقر کے مسائل کے حل کے لیے امداد کے جو بنیادی اصول مقرر کیے ہیں وہ اس جدید دور میں انسانی محنت و کوشش جہاں تک پہنچ سکی ہے اس کے اعلیٰ ترین اصول ہیں۔

معاشرہ میں موجود فقر وغربت کے مسائل کو حل کرنے کے لیے اسلام نے جو موقف اختیار کیا ہے اس کے کچھ نمونے ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

● اسلام نے زکاۃ کے لیے ایک بیت المال متعین کیا ہے، جس کی سرپرستی اسلامی حکومت کرے گی، اور اس کا مصرف مستحق فقراء، ومساکین ومسافر ومقروض اور غلاموں کو بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ توبہ۔ ۶۰	زکاۃ جو ہے سو وہ حق ہے مفلسوں کا، اور محتاجوں کا، اور زکاۃ کے کام پر جانے والوں کا، اور جن کی تالیف قلب منظور ہے۔ اور گردنوں کے چھڑانے میں۔ اور جو تاوان بھریں، اور اللہ کے راستہ میں، اور راہ کے مسافر کو، ٹھہرایا ہوا ہے اللہ کا اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔

امام طبرانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے مالدار مسلمانوں کے مال میں اتنی مقدار کا نکالنا فرض کیا ہے جو ان کے فقراء کو کافی ہو۔ اور فقراء بھوک اور بے لباسی کا شکار مالداروں کی کوتاہی کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ سن لو اللہ تعالیٰ ان کا سخت حساب لے گا اور ان کو دردناک عذاب دے گا۔

● اسلام نے اس مسلمان کو مسلمان شمار نہیں کیا ہے جو خود پیٹ بھر کر رات گزارے اور اس کا پڑوسی بھوک کا شکار ہو اور اس کو اس کی خبر بھی ہو، چنانچہ بزار وطبرانی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا

کہ وہ شخص مجھ پر ایمان نہیں لایا جو پیٹ بھر کر رات گزارے اور اسی کا پڑوسی اس کے پڑوس میں بھوکا پڑا ہوا ور اس کو معلوم بھی ہو۔

اس کے برخلاف اسلام نے اس کی حاجت روائی امداد اور اس کے خوش کرنے کو بہترین نیکی اور بڑا اونچا عمل قرار دیا ہے چنانچہ امام طبرانی اپنی کتاب "معجم اوسط" میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«أفضل الأعمال إدخال السرور على المؤمن، کسوت عورته، أو أشبعت جوعته، أو تقضيت له حاجةً»۔

اعمال میں افضل ترین عمل مؤمن کو خوش کرنا ہے، خواہ اس کی ستر پوشی کر دو، یا اس کی بھوک کا مداوا پیٹ بھر کر کر دو یا اس کی حاجت پوری کر دو۔

● تنگی اور سختی کے وقت اسلام نے بھوکوں اور فاقہ مستوں کی امداد کو اہم فریضہ قرار دیا ہے چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ اصحاب صفہ فقیر و غریب لوگ تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ تیسرے کو اپنے ساتھ لے جائے، اور جس کے پاس چار کا کھانا ہو وہ اپنے ساتھ پانچویں یا چھٹے آدمی کو لے جائے۔

اور امام مسلم حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہو تو اسے چاہیے کہ اسے اس شخص کو دے دے جس کے پاس سواری نہیں ہے، اور جس کے پاس فالتو توشہ اور کھانے کا سامان ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اسے دے دے جس کے پاس کچھ کھانے کو نہیں، اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مال کی اقسام کا تذکرہ کیا حتیٰ کہ ہم یہ سمجھنے لگے کہ ضرورت سے زائد چیز میں ہم میں سے کسی کا حق نہیں ہے۔

● اسلام نے حاکم پر یہ لازم کیا ہے کہ وہ ہر اس شخص کے لیے کام کاج کے مواقع مہیا کرے جو کام کاج پر قادر ہو چنانچہ ابو داؤد اور نسائی اور ترمذی روایت کرتے ہیں کہ ایک انصاری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے کچھ بخشش مانگی، تو آپ نے ان سے فرمایا: کیا تمہارے گھر میں کوئی چیز نہیں ہے؟ انہوں نے عرض کیا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول، ایک ٹاٹ ہے جس کا کچھ حصہ ہم اوڑھ لیتے ہیں اور کچھ بچھا لیتے ہیں اور ایک لکڑی کا پیالہ ہے جس میں ہم پانی پیتے ہیں، آپ نے فرمایا: وہ دونوں چیزیں میرے پاس لے آؤ، وہ صاحب وہ دونوں چیزیں لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے انہیں لے لیا اور فرمایا: مجھ سے یہ دونوں چیزیں کون خریدے گا؟ ایک صاحب نے عرض کیا: میں یہ دونوں چیزیں ایک درہم میں خریدتا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک درہم سے زیادہ کی بولی کون لگاتا ہے؟ ایک اور صاحب نے عرض کیا: میں یہ دونوں چیزیں دو درہم میں خریدتا ہوں، چنانچہ آپ نے وہ دونوں چیزیں انہیں دے دیں اور دونوں درہم لے کر ان انصاری کو دے دیے، اور ان سے فرمایا: ایک درہم کا کھانے کا سامان خرید کر گھر والوں کو دے دینا، اور دوسرے درہم سے

ایک کلہاڑی خرید کر میرے پاس لے آنا، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے اس میں لکڑی ڈالی اور پھر ان سے فرمایا: جاؤ لکڑیاں کاٹو اور بیچو اور میں تمہیں پندرہ دن تک نہ دیکھوں، انہوں نے ایسا ہی کیا اور پھر جب آئے تو ان کے پاس دس درہم موجود تھے، اور ان میں سے کچھ کے بدلے انہوں نے کھانے پینے کا سامان خرید لیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اس سے بہتر ہے کہ تم قیامت میں اس حالت میں آؤ کہ سوال کرنے کی وجہ سے تمہارے چہرے پر نشان پڑے ہوں۔

● اسلام نے خاندان والوں کو بچہ پیدا ہونے پر وظیفہ دینے کا نظام رائج کیا، چنانچہ مسلمانوں کے یہاں جو بچہ بھی پیدا ہوگا خواہ وہ بچہ حاکم کا بیٹا ہو یا ملازم کا، مزدور کا ہو یا بازاری آدمی کا، سب کو وظیفہ دیا جائے گا چنانچہ ابو عبید اپنی کتاب الاموال میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر پیدا ہونے والے بچے کے لیے وظیفہ مقرر کرتے تھے جو اس کے باپ کی طرح اسے بھی ملتا تھا جس کی مقدار سو درہم تھی، اور بچہ جس طرح بڑھتا جاتا اس طرح اس کا وظیفہ بھی بڑھتا رہتا، حضرت عمر کے بعد حضرت عثمان و حضرت علی و دیگر خلفاء نے بھی اس پر عمل کیا۔

یہ اصول اس وجدانی تربیت کے علاوہ ہیں جس کی جڑیں اسلام مسلمانوں کے دلوں اور احساس و وجدان کی گہرائیوں اور نفوس میں اسلام گاڑ دیتا ہے تاکہ سب کے سب تعاون، امدادِ باہمی اور ایثار کی جانب خوشی خوشی اپنی مرضی و اختیار اور داعیۂ ایمانی کی بنا پر گامزن ہوں۔

ہم نے جو کچھ ابھی کہا ہے اس پر تاریخ کے اوراق شاہدِ عدل ہیں، چنانچہ مسلم معاشرے کے امدادِ باہمی اور آپس کی الفت و تعاون و رحمدلی کے چند نمونے ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

۱۔ محمد بن اسحاق لکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ مدینہ میں اس طرح سے زندگی گزارتے تھے کہ انہیں معلوم بھی نہیں ہوتا تھا کہ ان کا گزر بسر کہاں سے ہو رہا ہے؟ اور کون ان کو دیتا ہے؟ پھر جب حضرت حسین کے صاحبزادے زین العابدین وفات پاگئے تو وہ آمد بند ہوگئی اور لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ وہی وہ شخص تھے جو ان کے پاس رات کی تاریکی میں چپکے سے وہ سامان پہنچایا کرتے تھے، جب وہ وفات پاگئے تو لوگوں نے ان کی پشت اور کاندھے پر ان تھیلوں اور بوریوں کے نشانات دیکھے جنہیں وہ اٹھا کر بیواؤں اور فقراء و مساکین کے گھر پہنچایا کرتے تھے۔

۲۔ حضرت لیث بن سعد کی سالانہ آمدنی ستر ہزار دینار سے زیادہ تھی اور وہ سب کی سب صدقہ کر دیا کرتے تھے، حتی کہ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ ان پر کبھی زکاۃ واجب ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ ایک مرتبہ انہوں نے ایک گھر خریدا جو نیلام کے ذریعے بیچا گیا تھا، چنانچہ ان کا وکیل جب اس کو اپنے قبضے میں لینے گیا، تو وہاں یتیموں اور چھوٹے بچوں کو پایا جنہوں نے اس سے اللہ کے نام پر یہ سوال کیا کہ وہ یہ گھر ان کے پاس ہی رہنے دیں، جب یہ بات حضرت لیث کو معلوم ہوئی تو انہوں نے ان کو یہ پیغام بھجوادیا کہ یہ مکان تم لوگوں کا ہے اور ساتھ ہی تمہیں اتنا مال بھی دیا جاتا ہے جو تمہاری روزانہ کی ضرورت

کے لیے کافی ہو۔

۳۔ محدث کبیر حضرت عبداللہ بن مبارک بہت زیادہ صدقہ و خیرات کیا کرتے تھے، ان کی سالانہ صدقات کی مقدار ایک لاکھ دینار سے زیادہ تھی، ایک مرتبہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ حج کے لیے نکلے، بعض شہروں سے گزر ہوا وہاں ایک پرندہ مرگیا تو انہوں نے اسے کوڑا ڈالنے کی جگہ پھینکنے کا حکم دیا، ان کے ساتھی ان سے آگے چلے گئے اور وہ خود ان سے پیچھے رہ گئے، جب ان کا اس کوڑا ڈالنے کی جگہ سے گزر ہوا تو کیا دیکھا کہ اس کوڑا دان کے قریبی مکان میں رہنے والی ایک لڑکی اپنے مکان سے نکلی اور اس نے وہ مردہ پرندہ اٹھالیا۔ دریافت کرنے پر اس نے انہیں بتایا کہ وہ اور اس کے بھائی نہایت خستہ حال ہیں، اور ان کی غربت کا کسی کو علم نہیں ہے، اور ان کے پاس کھانے پینے کو کچھ بھی نہیں ہے، یہ سن کر حضرت عبداللہ نے زادِ راہ اور سامانِ سفر واپس لوٹانے کا حکم دیا، اور اپنے وکیل سے پوچھا: تمہارے پاس خرچ کے کتنے پیسے موجود ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ ایک ہزار دینار موجود ہیں، تو انہوں نے اس سے کہا کہ اس میں سے بیس دینار نکال لو جو ہمارے لیے "مرد" شہر تک پہنچنے میں کام دے سکیں اور باقی ماندہ دینار اس لڑکی کو دے دو، اس لیے کہ ان کی امداد کرنا اس سال حج سے زیادہ موجب اجر و ثواب ہے۔ اور پھر وہ اپنے گھر کی طرف واپس چلے گئے اور حج نہ کیا (۱)۔

اور جس دن حکومت اور معاشرہ اور تمام افرادِ مملکت فقر و غربت کے خاتمہ کے لیے پوری کوشش صرف کردیں گے اس روز اسلامی معاشرے میں ایک بھی غریب، مسکین اور محتاج باقی نہیں رہے گا، اور امتِ اسلامیہ امن و سلامتی، خوشحالی اور اتحاد و اطمینان کے سایہ تلے مزے کرے گی، اور قوم کے تمام افراد نفسیاتی انحراف اور مجرمانہ زندگی کے تمام عوامل سے نجات و آزادی حاصل کرلیں گے، اور ہم بچشم خود یہ دیکھ لیں گے کہ اسلامی عزت و سربلندی کا پرچم عزت و کرامت کی بلندیوں پر لہرا رہا ہے اور اس کو دیکھ کر مومن اللہ کی فتح و نصرت سے خوش ہوجائیں گے۔

۴۔ بغض و حسد کی بیماری

حسد کا مطلب یہ ہے کہ انسان دوسرے کی نعمت کے زائل ہونے کی تمنا کرے، یہ ایک خطرناک معاشرتی بیماری ہے، اگر مربی اپنے بچوں کی اس بیماری کا علاج نہیں کریں گے تو لازمی طور سے اس کے بدترین اور خطرناک نتائج نکلیں گے۔

بعض اوقات شروع شروع میں گھر والوں کو حسد کی بیماری کا پتہ نہیں چلتا اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی اولاد نہ اس بیماری کا شکار ہوسکتی ہے اور نہ وہ اس کو سمجھتے ہیں، اور نہ ان سے اس کی توقع کی جاسکتی ہے۔ اس لیے جو حضرات تربیت کے ذمہ دار ہیں ان کو چاہیئے کہ حسد کا نہایت حکمت اور بہترین تربیت سے علاج کریں، تاکہ یہ بیماری پریشان کن مصائب اور بدترین

(۱) اسلام نے فقر و غربت کا جس طرح سے علاج کیا ہے اس سلسلہ میں جو شخص مزید تفصیل کا طالب ہو اسے چاہیئے کہ وہ ہماری کتاب "التکافل الاجتماعی فی الاسلام" کا مطالعہ کرے جس میں تشفی کا پورا سامان موجود ہے۔

نتائج اور دردناک نفسیاتی امراض کا ذریعہ نہ بنے۔

- اس سے قبل کہ میں اس بیماری کی بیخ کنی اور اس کے علاج اور اس سے بچاؤ کی تدابیر بیان کروں مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں ان اسباب کو بیان کردوں جو بچوں میں حسد کی آگ بھڑکانے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اور میرا خیال یہ ہے کہ یہ اسباب مندرجہ ذیل امور میں منحصر ہیں:

- بچے کا اس بات سے خوف کھانا کہ وہ گھر والوں میں اپنی بعض امتیازی خصوصیات کھو بیٹھے گا مثلاً محبت و پیار اور منظورِ نظر ہونا اور خصوصاً اس وقت جب نیا مہمان (بچہ) پیدا ہو۔ جس کے بارے میں یہ خیال ہو کہ وہ اس کے پیار و محبت میں اس کا مزاحم بنے گا۔
- اولاد میں برا موازنہ جیسے ایک کو ذکی کہنا اور دوسرے کو غبی۔
- اولاد میں سے کسی ایک کا بہت خیال رکھنا مثلاً ایک بچے کو گود میں اٹھایا جائے۔ اس سے دل لگی کی جائے اور اسے دل کھول کر دیا جائے، اور دوسرے کو ڈانٹا ڈپٹا جائے اور اس کی پرواہ نہ کی جائے اور اسے کچھ نہ دیا جائے۔
- جس بچے سے محبت ہو اس کی ایذا رسانی اور برائیوں سے چشم پوشی کی جائے اور اس کے بالمقابل دوسرے بچے سے اگر ذرا سی بھی غلطی ہو جائے تو اسے سزا دی جائے۔
- بچے کا مالدار، عیش و عشرت والے ماحول میں ہونا لیکن خود بچے کا نہایت غربت، فقر اور خستہ حالی کا شکار ہونا۔

اس کے علاوہ اور دوسرے وہ اسباب جن کا بچے کی شخصیت پر برا اثر پڑتا ہے بلکہ بسا اوقات بچے میں احساسِ کمتری اور خطرناک انانیت اور بغض و حسد پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی نفسیاتی بے چینی، سرکشی اور بے اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔

اسلام نے نہایت حکیمانہ اصولِ تربیت سے حسد کی بیماری کا علاج کیا ہے۔ اگر تربیت کرنے والے شروع سے اس کے اسباب کا تدارک کرلیں تو بچوں میں محبت، ایثار، الفت اور خلوص پیدا ہوگا، اور دوسرے کے ساتھ تعاون، خیر و بھلائی کرنے اور نرمی سے پیش آنے کے جذبات بیدار ہوں گے۔

میرا خیال ہے حسد کی بیماری کے علاج کے لیے بنیادی اصولِ تربیت مندرجہ ذیل امور میں منحصر ہیں:

۱۔ بچے کو محبت محسوس کرانا

نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام بھی ایسا کرتے تھے، اور اپنے صحابہ کو اس کا حکم دیتے اور اس پر ابھارتے تھے، اور اِدھر اُدھر اس کے نافذ کرنے کا اہتمام کرتے تھے، ذیل میں اس کی چند مثالیں پیش ہیں:

امام ترمذی وغیرہ حضرت عبداللہ بن بریدہ سے اور وہ اپنے والد بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے
رمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تقریر کرتے ہوئے دیکھا اسی اثنا میں حضرت حسن وحسین آگئے اور وہ سرخ سے
ل کے قمیض پہنے گرتے پڑتے چل رہے تھے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے اور انہیں گود میں اٹھا کر اپنے
امنے بٹھا دیا پھر فرمایا: اللہ جل شانہٗ نے بالکل سچ فرمایا ہے:

((إِنَّمَآ أَمْوَٰلُكُمْ وَأَوْلَٰدُكُمْ فِتْنَةٌ..)). التغابن۔ ۱۵ — تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو بس آزمائش ہی (کی چیزیں) ہیں۔

میں نے ان دونوں بچوں کو گرتے پڑتے دیکھا تو میں صبر نہ کر سکا اور اپنی بات بیچ میں چھوڑ کر ان کو اٹھانے چلا گیا۔

نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما سے دل لگی کیا کرتے تھے، اور آپ اپنے ہاتھوں اور
ٹنوں کے بل چلا کرتے تھے اور وہ دونوں آپ سے لپٹ جایا کرتے اور آپ پر چڑھ جاتے تھے، آپ ان کو لے کر چلتے
ر فرماتے: تمہارا اونٹ تو بہترین اونٹ ہے اور تم دونوں بہترین سوار ہو۔

امام بخاری "الادب المفرد" میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ایک اعرابی
ی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: کیا آپ حضرات اپنے بچوں کو چومتے ہیں!! ہم تو انہیں پیار
یں کرتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((أو أملك لك أن نزع الله من قلبك الرحمة)). — اگر اللہ نے تمہارے دل سے رحمت کا مادہ نکال دیا ہے تو کیا میں تمہارے لیے اس کو واپس لا سکتا ہوں؟

امام بخاری اپنی کتاب "الادب المفرد" ہی میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے
رمایا: ایک عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی، انہوں نے اسے تین کھجوریں دے دیں۔ تو اس نے اپنے ہر بچے
ایک ایک کھجور دے دی اور ایک اپنے لیے رکھ لی، دونوں بچوں نے اپنی اپنی کھجوریں کھا لیں اور پھر اپنی ماں کی جانب
یکھنے لگے، ماں نے اس تیسری کھجور کے دو ٹکڑے کیے اور دونوں کو آدھی آدھی دے دی، جب نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام
شریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ واقعہ آپ سے ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا: تمہیں اس بات پر کیا تعجب ہوا؟
نے تو اس کی مغفرت ہی اس لیے فرما دی کہ اس نے اپنے بچوں پر رحم کھایا تھا۔

یہ بات نظروں سے قطعاً اوجھل نہیں ہونا چاہیے کہ نئے بچے کی پیدائش پر حسد پیدا ہونے کے امکانات بہت زیادہ
تے ہیں اس لیے اس سے روکنے کے لیے لازمی احتیاطی تدابیر ضرور اختیار کرنا چاہییں اور تربیت کرنے والوں اور خصوصاً
ن کو اس کا بہت زیادہ خیال رکھنا چاہیئے۔

یہ لازمی احتیاطی تدابیر دوسرے بچے کے پیدا ہونے سے چند ماہ قبل ہی اختیار کر لینا چاہیئے مثلاً بڑے بچے کے پلنگ کو

بدل دینا چاہیے۔ یا اسے نرسری اسکول بھیج دینا چاہیئے۔ اور نئے بچے کے کام کاج میں بڑے بچے سے بھی امداد لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے مثلاً اس کو کپڑے پہنانا اس کو نہلانا یا کھانا کھلانا۔ اسی طرح اس کو چھوٹے بچے سے دل لگی کرنے اور کھیلنے کا موقعہ بھی دینا چاہیے۔ لیکن اس میں اس بات کا ضرور خیال رہے کہ اس کی نگرانی ضرور کی جائے تاکہ چھوٹے بچے کو کوئی گزند اور تکلیف نہ پہنچے، اور جب ماں نومولود بچے کو دودھ پلانے کے لیے اٹھائے تو ایسے موقعہ پر بہتر یہ ہوتا ہے کہ باپ بڑے لڑکے سے دل لگی کرنے لگے یا اس سے پیار و محبت کی باتیں کرنے لگے تاکہ اسے یہ احساس رہے کہ اس کی محبت اور اہمیت اپنی جگہ برقرار ہے۔

ان سب باتوں کا مقصد صرف یہ ہے کہ بڑے بچے کے ذہن میں یہ بات بیٹھ جائے کہ وہ اب بھی ماں باپ کا پیارا اور منظورِ نظر ہے اور نومولود بچے کی طرح اس سے بھی برابر کا پیار کیا جا رہا ہے۔ اور اس کی نگہداشت بھی ویسی ہی کی جا رہی ہے۔ مربی اعظم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گزشتہ ذکر کی گئی احادیث میں اسی جانب رہنمائی کی ہے۔

لہٰذا تربیت کرنے والوں کو چاہیئے کہ اگر وہ اپنے بچوں کو محبت، تعاون و ایثار کا پیکر دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور ان کو بغض و حسد، انانیت اور بے اعتدالی سے بچانا چاہتے ہیں تو انہیں بچے کو محبت محسوس کرانے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو اپنانا چاہیئے۔

۲- بچوں میں برابری اور عدل وانصاف کرنا:

یہ ایک بدیہی اور معروف سی بات ہے کہ تربیت کرنے والے جب بچوں کے ساتھ مساوات سے کام لیں گے اور لینے دینے میں عدل و برابری کو اپنائیں گے، تو بچوں کے نفوس سے حسد کا مادہ ختم ہو جائے گا، اور ان کے دلوں سے بغض وحسد اور کینہ کی بیماری دور ہو جائے گی، بلکہ بچے اپنے بھائیوں بہنوں اور مربیوں کے ساتھ خوش دلی اور پیار محبت سے زندگی گزاریں گے اور پورے گھر پر محبت، اخلاص اور پاکیزگی کے جھنڈے لہرائیں گے۔

ایسی صورت میں جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ معلم اول مربی اکبر نبی اطہر صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین اور مربیوں سب کو بھائیوں میں برابری و مساوات اور عدل وانصاف کا حکم دیا ہے تو ہمیں اس پر کوئی تعجب نہیں ہوتا۔ بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تو یہ تھی کہ آپ ایسے لوگوں پر شدید نکیر کرتے تھے جو بچوں کے درمیان عدل وانصاف نہیں کرتے، اور ان سے پیار و محبت کا سلوک نہیں کرتے۔ اور ان میں لینے دینے اور تقسیم میں برابری و مساوات قائم نہیں کرتے۔

ذیل میں ہم اس سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توجیہات وارشادات اور غلط رویہ پر نکیر کے چند نمونے پیش کرتے ہیں تاکہ جو شخص جاننا چاہے وہ جان لے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھی تربیت اور معاشرتی اصلاح کا کتنا زبردست اہتمام کیا ہے۔

بچوں میں احساسِ کمتری کے مرض کے علاج کے سلسلہ میں کچھ احادیث ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اور مزید فائدے

کے لیے اب ہم ان کو یہاں دوبارہ ذکر کر رہے ہیں:

((ساووا بین أولادكم في العطية)). طبرانی　　　　ہدیہ کے دینے میں بچوں میں برابری اور مساوات کرو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے کہ ان کا بیٹا آگیا، انہوں نے اسے بوسہ دیا اور اپنی گود میں بٹھالیا، پھر ان کی لڑکی آئی تو انہوں نے اسے اپنے سامنے بٹھالیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صاحب سے فرمایا: تم نے ان دونوں کے درمیان مساوات وبرابری کیوں نہیں کی؟

اور امام بخاری ومسلم حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے اپنے اس بیٹے کو اپنا ایک غلام ہدیۃً دے دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا: کیا تم نے اپنے ہر بیٹے کو ایسا ہی ہدیہ دیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: جی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو پھر اس سے بھی واپس لے لو۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے بشیر کیا اس کے علاوہ تمہاری اور اولاد بھی ہے؟ تو انہوں نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: کیا تم نے ان میں سے ہر ایک کو ایسا ہی ہدیہ دیا ہے؟ انہوں نے کہا: جی نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پھر تو مجھے گواہ مت بناؤ اس لیے کہ میں ظلم کا گواہ نہیں بن سکتا، پھر آپ نے فرمایا: کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ وہ سب تمہارے ساتھ اچھا سلوک کرنے میں برابر ہوں؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں، تو آپ نے ارشاد فرمایا، پھر ایسا نہ کرو (یعنی یہ کہ ایک کو دو دوسروں کو محروم رکھو)۔

۴۔ ان اسباب کا ازالہ کرنا جو حسد کا ذریعہ بنتے ہیں مربی کو چاہیئے کہ بچے کی تربیت بہت حکمت سے کرے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ ان وسائل کو اختیار کیا جائے جو حسد کی بیماری بچے کے دل سے دور کرنے میں سودمند ہوں:

اگر نئے بچے کی آمد کی وجہ سے پہلے بچے کو یہ محسوس ہو رہا ہو کہ اس کے والدین اس سے پہلے جیسی محبت اور پیار نہیں کر رہے ہیں تو والدین کو چاہیے کہ وہ اس بات کی پوری کوشش کریں کہ بچے کو یہ محسوس ہو جائے کہ اس کی محبت ان کے دلوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے باقی ہے۔

اور اگر والدین کا اس کو غبی کہنا یا اس طرح کے سخت وسست الفاظ سے اس کو پکارنا اس کے سینہ میں حسد وبغض کی آگ بھڑکاتا ہو تو والدین کو چاہیئے کہ اپنی زبان کو اس طرح کے الفاظ اور تکلیف دہ کلمات سے بچائیں۔

اور اگر لینے دینے یا برتاؤ میں کسی ایک بچہ کو ترجیح دینے سے اس بچے کو تکلیف پہنچتی ہو اور اس میں حسد کی بیماری پیدا ہوتی ہو تو والدین کو چاہیئے کہ بچوں کے درمیان عدل وانصاف ومساوات وبرابری کریں۔

اس طرح والدین اور تربیت کرنے والوں کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اس بات کی پوری کوشش کریں کہ ان کا بچہ

ان نفسیاتی بیماریوں میں سے کسی بیماری کا شکار نہ بنے جن میں سب سے بڑی بیماری حسد ہے، تاکہ بچے کی شخصیت کامل و مکمل اور وہ اچھی تربیت کے سایہ تلے ایک صحیح انسان بن کر بڑھے پلے۔

اور چوں کہ حسد کے دوررس نفسیاتی اور معاشرتی اثرات پڑتے ہیں۔ اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ڈرایا اور اس سے منع کیا ہے، لیجیے اس سلسلہ میں آپ کے چند اقوال زرین نقل کیے جاتے ہیں:

امام ابو داؤد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إياكم والحسد فإن الحسد يأكل الحسنات كما تأكل النار الحطب)).	حسد سے بچو اس لیے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

اور امام طبرانی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((لا يزال الناس بخير مالم يتحاسدوا)).	لوگ اس وقت تک خیریت سے رہیں گے جب تک کہ آپس میں حسد نہ کریں۔

اسی طرح یہ حدیث بھی نقل کی ہے:

((ليس مني ذو حسد)).	حسد کرنے والا مجھ سے نہیں ہے۔

دیلمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((الحسد يفسد الإيمان كما يفسد الصبر العسل)).	حسد ایمان کو اس طرح خراب کر دیتا ہے جس طرح ایلوا شہد کو خراب کرتا ہے۔

اس لیے والدین اور تربیت کرنے والوں کو بچوں سے حسد کی بیماری دور کرنے اور اس کا علاج کرنے کے لیے تربیت کے ان بنیادی اصولوں کو اپنانے کی بہت سخت ضرورت ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر یہ حضرات ان اصولوں کو اپنالیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی پر عمل کرلیں تو اولاد کی بہترین نشوونما ہوگی اور ان میں محبت واخلاص اور صاف دلی پیدا ہوگی۔

۵۔ غصہ کی بیماری

غصہ ایک نفسیاتی حالت اور انفعالی مرض ہے جسے بچہ اپنی زندگی کے شروع کے دنوں میں محسوس کرتا ہے اور پھر وہ ساری زندگی اور موت تک اس کے ساتھ لگا رہتا ہے۔

غصہ چونکہ پیدائش سے ہی انسان میں پیدا ہونے والی ایک عادت ہے اس لیے یہ نہایت غلط بات ہے کہ غصہ کو قبیح بیماریوں اور گندے انفعالی حالات میں سے شمار کیا جائے، اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور اس میں مختلف طبائع، خواہشات، احساسات و رجحانات پیدا کیے ہیں تو ظاہر ہے کہ اس میں کوئی زبردست حکمت اور بڑی معاشرتی

مصلحت ہوگی۔

غصہ کے فوائد یہ ہیں:

نفس کی حفاظت، دین کی حفاظت، عزت وآبرو کی حفاظت اور ملک دشمنوں اور ظالموں کے مکر وفریب اور ظلم سے وطنِ اسلامی کی حفاظت۔

اگر بالفرض یہ قدرتی چیز نہ ہوتی جسے اللہ تعالیٰ نے انسان میں ودیعت رکھ دیا ہے تو اللہ کی حرام کردہ اشیاء اور محارم اللہ کی مخالفت اور دینِ الٰہی کی تذلیل وتحقیر پر مسلمان کو ہرگز غصہ نہ آتا، اسی طرح اگر کوئی دین دشمن مسلمانوں کی سرزمین پر غاصبانہ قبضہ اور اس پر حکومت کرنا چاہتا تو اس سے مسلمان ہرگز طیش میں نہ آتا۔

ظاہر ہے کہ یہ غیظ وغضب وہ قابلِ تعریف غصہ ہے جو بعض حالات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی آیا کرتا تھا چنانچہ صحیح احادیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی صاحب اللہ کی حدود میں سے کسی حد کے بارے میں سفارش کرنے آئے، تو آپ کو غصہ آگیا اور آپ کے چہرہ مبارک پر غصے کے آثار ظاہر ہوگئے، اور آپ نے اپنا یادگار وتاریخی جملہ ارشاد فرمایا:

«إنما أهلك الذين من قبلكم أنه إذا سرق فيهم الشريف تركوه، وإذا سرق فيهم الضعيف أقاموا عليه الحد، وأيم الله لو أن فاطمة بنت محمد (صلى الله عليه وسلم) سرقت لقطعت يدها».

تم میں سے پہلے گزرے ہوئے لوگ اسی لیے ہلاک ہوئے کہ اگر ان میں کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیا کرتے تھے، اور جب ان میں کوئی ضعیف و معمولی حیثیت کا آدمی چوری کرتا تو وہ اس پر حد قائم کر دیتے اور خدا کی قسم اگر (بالفرض) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی فاطمہ بھی اگر (العیاذ باللہ) چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔

* * *

اور طبرانی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ وسلم کو اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام لیتے ہوئے نہیں دیکھا مگر یہ کہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کی جائے، چنانچہ اگر اللہ کے کسی حکم کی خلاف ورزی ہوئی تو آپ سب سے زیادہ غضبناک ہوتے تھے، اور کبھی بھی آپ کے سامنے دو امور پیش نہیں کیے گئے مگر یہ کہ آپ نے ان دونوں میں سے جو آسان تھا اسے پسند کیا بشرطیکہ وہ اللہ کی ناراضگی کا موجب نہ ہو، لیکن اگر وہ اللہ کے ناراضگی کا سبب ہوتا تو آپ اس سے سب سے زیادہ دور ہونے والے ہوتے تھے۔

اکثر علماءِ تربیت غصہ اور غضب کو جو ناپسندیدہ عادات اور مبغوض حرکت شمار کرتے تھے تو اس سے وہ غصہ مراد ہے جو مذموم ہے جو برے اثرات اور خطرناک عواقب تک پہنچا دیتا ہے، اور ایسا اس وقت ہوتا ہے جب ذاتی مصلحت اور انانیت کی وجہ سے غصہ کیا جاتا ہے۔ اور اس غصہ کی وجہ سے معاشرے میں وحدت کا پارہ پارہ اور اجتماعیت کا ریزہ ریزہ

ہونا اور اخوت و محبت کا ختم ہوجانا کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں ہے۔

ایسی صورتِ حال میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ کے سلسلہ میں اہتمام کرنا اور غصے کو پینے والوں اور ان لوگوں کی تعریف کرنا جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھتے ہیں یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

امام احمد اپنی مسند میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ مجھے ایسی چیز بتلایئے جو مجھے اللہ جل شانہ کے غضب سے دور کر دے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ غصہ مت ہو۔

اور امام بخاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((من كظم غيظًا وهو يستطيع أن ينفذه دعاه الله يوم القيامة على رؤوس الخلائق حتى يخيره في أي الحور العين شاء)).	جو شخص اپنے غصہ کو نافذ کر سکتا ہو لیکن اسے پی جائے تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن سب مخلوق کے سامنے پکاریں گے۔ یہاں تک کہ اسے اختیار دیں گے کہ جس بڑی آنکھوں والی حور کو چاہے پسند کر لے۔

☆ ☆ ☆

اور امام بخاری و مسلم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

((ما تعدون الصرعة فيكم؟ قالوا: الذي لا تصرعه الرجال، قال: ولكن الذي يملك نفسه عند الغضب)).	تم اپنے میں پہلوان کس کو سمجھتے ہو؟ عرض کیا وہ شخص جسے لوگ پچھاڑ نہ سکیں، آپ نے فرمایا نہیں (پہلوان) وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔

☆ ☆ ☆

اسی طرح معاشرے میں الفت و محبت اور مسلمانوں میں اتحاد و یگانگت باقی رکھنے کے لیے قرآنِ کریم کا مومن مردوں اور عورتوں کو غصے کے دبانے اور حسن و خوبی سے معاملہ رفع دفع کرنے اور جاہلوں سے روگردانی کا حکم دینے میں بھی کوئی غرابت اور تعجب کی بات نہیں ہے چنانچہ ارشادِ باری ہے:

((وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ)). حٰم السجدة - ۳۴	اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی آپ نیکی سے (بدی کو) ٹال دیا کیجیے، تو پھر یہ ہوگا کہ جس شخص میں اور آپ میں عداوت ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسا کوئی دلی دوست ہوتا ہے۔

نیز فرمایا:

«وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا» ۔ الفرقان ۶۳

اور (خدائے) رحمٰن کے (خاص) بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں، اور جب ان سے جہالت والے لوگ بات چیت کرتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں خیر۔

نیز فرمایا:

«اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ» آل عمران ۱۳۴

جو خرچ کیے جاتے ہیں خوشی میں اور تکلیف میں اور دبا لیتے ہیں غصہ اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں، اور اللہ نیکی کرنے والوں کو چاہتا ہے۔

نیز فرمایا:

«وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ» ۔ الشوریٰ ۳۷

اور جب انہیں غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔

◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉

چونکہ قابلِ مذمت غصے کے انسان کی شخصیت اور عقل وسمجھ پر برے اثرات مرتب ہوتے ہیں، اور معاشرہ کی وحدت باہمی ربط والفت پر نہایت خطرناک عواقب ظاہر ہوتے ہیں۔ اس لیے تربیت کرنے والوں کو چاہیے کہ بچے کی ابتدائی عمر سے سنِ امتیاز وشعور تک پہنچنے تک اس بیماری کے علاج کا خوب اہتمام کریں۔

بچے سے غصہ کا مرض دور کرنے کا بہترین علاج یہ ہے کہ اسے غصہ کے اسباب ودواعی سے بچایا جائے تاکہ غصہ اس کا مزاج، عادت اور فطرت نہ بن جائے، اور واقعی بالکل سچ کہا جس نے یہ کہا: پرہیز کا ایک درہم علاج کے بہت سے سرمایہ سے بہتر ہے۔

- اگر غصہ کا سبب اور وجہ بھوک ہو تو مربی کو چاہیے کہ بچے کو وقتِ مقرر پر کھانا کھلانے کی کوشش کرے، اس لیے کہ اس کی غذا کی طرف سے بے توجہی برتنا جسمانی امراض اور نفسیاتی بیماریوں کا ذریعہ بنتا ہے، اور مربی اگر اپنے زیرِ کفالت اشخاص کی ضروریات پورے نہ کرے تو بہت سخت گناہگار ہوتا ہے۔ ابوداؤد وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

«كفى بالمرء إثماً أن يضيع من يقوت» ۔

انسان کے گناہگار ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ وہ اپنے زیرِ کفالت افراد کی صحیح دیکھ بھال نہ کرے۔

٭ ٭ ٭

- اور اگر غیظ وغضب کا داعیہ اور سبب بیماری اور مرض ہو تو مربی کو چاہیے کہ بچے کا کسی معالج سے علاج کرائے اور اس کی صحت کی فکر کرے، تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر عمل ہو جائے جسے امام مسلم واحمد نے روایت کیا ہے کہ:

«لكل داء دواء، فإذا أصاب الدواء الداء برأ باذن الله عزّ وجلّ».
ہر بیماری کے لیے ایک دوا ہے، چنانچہ مرض کی جب صحیح دوا مل جاتی ہے تو اللہ جل شانہٗ کے حکم سے بیمار تندرست ہوجاتا ہے۔

٭ ٭ ٭

○ اور اگر غصہ کے اسباب ودواعی میں سے یہ بات ہو کہ بلاوجہ اس کی توہین کی جاتی ہو اور ڈانٹ ڈپٹ کیا جاتا ہو تو ایسی صورت میں مربی کا فریضہ یہ ہے کہ وہ اپنی زبان کو تذلیل واہانت آمیز کلمات سے محفوظ رکھے تاکہ بچے کے دل میں نفسیاتی امراض اور غصہ راسخ نہ ہوجائے، اور بلاشبہ یہ چیز حسنِ تربیت اور نیکی اور اچھائی میں اعانت کے قبیل سے ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أدبوا أولادکم وأحسنوا أدبهم».
اپنے بچوں کو ادب سکھاؤ اور خوب اچھا ادب سکھاؤ۔

اور ابن حبان آپ کا درجِ ذیل فرمان مبارک روایت کرتے ہیں:

«رحم الله والدًا أعان ولده على بره».
اللہ تعالیٰ ایسے باپ پر رحم کرے جو نیکی میں اپنے بیٹے کا معاون بنے۔

○ اور اگر غصے کا سبب بچے کا اپنے ماں باپ کی نقل اتارنا اور ان کی دیکھا دیکھی غصہ کرنا ہو تو والدین کو چاہیے کہ وہ: حلم وبردباری وقار وسکون اور غصہ کے وقت اپنے آپ کو کنٹرول وقابو میں رکھ کر بچے کے لیے خود کو ایک مثالی نمونہ ثابت کریں اور اللہ تعالیٰ کا درجِ ذیل فرمانِ مبارک ثابت کر دکھائیں:

«وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ». آل عمران ۱۳۴
اور دبا لیتے ہیں غصہ اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں اور اللہ نیکی کرنے والوں کو چاہتا ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو نافذ کریں جو پچھلی حدیث میں گزرا ہے:

«... ولكن الشديد الذي يملك نفسه عند الغضب».
پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔

○ اور اگر لڑکے میں غصہ کا سبب ضرورت سے زیادہ نازونخرے اٹھانا اور عیش وعشرت ہو تو ایسی صورت میں تربیت کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ بچوں کی محبت میں اعتدال سے کام لیں، اور ان پر رحم کرنے اور خرچ کرنے میں درمیانہ روی کو اختیار کریں، تاکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درجِ ذیل مقولے پر عمل ہو:

اپنے دوست سے اعتدال ومیانہ روی سے محبت کرو ممکن ہے کہ کبھی وہ تمہارا دشمن بن جائے، اور دشمن سے ضرورت کے مطابق دشمنی رکھو ممکن ہے کہ کبھی وہ تمہارا دوست بن جائے۔ اور تاکہ اس چیز سے بچا جا سکے جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے [روکا] ہے اور جسے امام احمد نے روایت کیا ہے:

«إياكم والتنعم فإن عباد الله ليسوا بالمتنعمين»۔

عیش وعشرت کی زندگی سے بچو اس لیے کہ اللہ کے بندے عیش وعشرت میں نہیں پڑتے۔

○ اور اگر غصہ کا سبب ہنسی مذاق اڑانا اور برے القاب سے یاد کرنا ہو تو تربیت کرنے والوں کو چاہیے کہ ان چیزوں سے دور رہیں جو غصہ کی آگ بھڑکانے والی ہوں تاکہ بچے میں غصہ کی بیماری جاگزیں نہ ہو جائے۔

قرآنِ کریم نے مذاق اڑانے، بدظنی، تجسس اور برے ناموں کے ساتھ پکارنے سے روک کر کتنی عظیم وزبردست تربیت دی ہے چنانچہ سورۂ حجرات میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

«يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۖ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ۖ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ۚ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ»

اے ایمان والو نہ مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہیے کیا عجب کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتوں کو عورتوں پر (ہنسنا چاہیے) کیا عجب کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارو، ایمان کے بعد گناہ کا نام ہی برا ہے اور جو (اب بھی) توبہ نہ کریں گے وہی ظالم ٹھہریں گے۔

بچے کے غصہ کا کامیاب علاج یہ ہے کہ اسے غصہ کی تسکین کے لیے نبوی طریقے کا عادی بنا دیا جائے، ذیل میں اس طریقے کے مختلف مراحل ذکر کیے جاتے ہیں:

۱۔ جس ہیئت پر غصہ ہونے والا شخص ہو اس ہیئت کو بدل دیا جائے:

امام احمد وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

«إذا غضب أحدكم وهو قائم فليجلس فإن ذهب عنه الغضب وإلا فليضطجع»۔

جب تم میں سے کسی شخص کو غصہ آجائے تو اسے چاہیے کہ وہ بیٹھ جائے پھر اگر اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے تو فبہا ورنہ لیٹ جائے۔

٭ ٭ ٭ ٭

۲۔ غصہ کے وقت وضو کر لینا:

امام ابوداؤد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

«الغضب من الشيطان، وإن الشيطان

غصہ شیطانی اثر ہے اور شیطان کو آگ سے پیدا کیا

خلق من النار، وإنما تطفأ النار بالماء، فإذا غضب أحدكم فليتوضأ»۔

گیا ہے، اور آگ کو پانی سے بجھایا جاتا ہے، لہذا جب تم میں سے کسی شخص کو غصہ آجائے تو اسے چاہیے کہ وضو کر لے۔

☆ ☆ ☆

۳۔ غصہ کی حالت میں خاموشی اختیار کرلینا:

امام احمد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

«إذا غضب أحدكم فليسكت»۔

جب تم میں سے کسی شخص کو غصہ آجائے تو اسے چاہیے کہ خاموش ہو جائے۔

☆ ☆ ☆

۴۔ اللہ کے ذریعہ سے شیطان مردود سے پناہ مانگنا:

بخاری ومسلم میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو صاحبان ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے، اور ان میں سے ایک صاحب کا چہرہ سرخ ہوگیا اور وہ دوسرے کو گالی دینے لگے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ اگر وہ شخص اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہہ دیتا تو اس کا غصہ ختم ہو جاتا۔

غصہ کو ختم اور اس کی تیزی کو کم کرنے کے سلسلے میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نہایت اہم ہدایات ہیں جو آپ نے امت کو دی ہیں، اس لیے والدین اور تربیت کرنے والے کو چاہیے کہ اپنی اولاد اور شاگردوں کو اس کی تربیت دیں تاکہ وہ حلم وبردباری سنجیدگی اور غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھنے کی عادت ڈالیں۔

آخری بات یہ ہے کہ تربیت کرنے والوں کو چاہیے کہ بچوں کے سامنے غصہ کی عادت کی خرابی اور قباحت ظاہر کریں مثلاً انہیں ایسے شخص کی حالت دکھائیں جو غصہ میں ہو کہ اس کی آنکھیں کس طرح پھیل جاتی اور رگیں کس طرح پھول جاتی ہیں اور چہرے کا آثار چڑھاؤ کیا ہو جاتا ہے اور چہرہ سرخ ہو جاتا ہے، اور آواز بلند ہو جاتی ہے، ظاہر ہے کہ جب غصہ والے شخص کی صورت جب اس طرح محسوس کرا دی جائے گی تو بچہ یقیناً اس سے باز رہے گا اور اسے عبرت بھی حاصل ہوگی، اسی طرح تربیت کرنے والوں کو چاہیے کہ بچوں کو غصے کی آفات اور خطرناک انجام اور بری عاقبت سے بھی بچائیں۔

غصہ کی قباحت کو اس طرح سے بیان کرنا اور اس کی برائی کو مجسم کرکے دکھانا، اور اس سے بچانے کی تدابیر اختیار کرنا ہی وہ طریقہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرہ کی تربیت اور نفوس کے علاج کے لیے اختیار کیا تھا، چنانچہ امام احمد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

«ألا إن الغضب جمرة تتوقد في قلب ابن آدم، ألا ترون إلى انتفاخ أوداجه واحمرار عينيه، فمن

سن لو غصہ ایک انگارہ ہے جو انسان کے دل میں سلگتا ہے، کیا تم غصہ ہونے والے شخص کی رگوں کے پھولنے اور اس کی آنکھوں کے سرخ ہونے کو نہیں

أحسّ من ذلك شيئاً فالأرض دیکھتے ہو، پس جو شخص اس میں سے کوئی چیز محسوس کرے

الأرض...))۔ تو اسے چاہیئے کہ زمین کو لازم پکڑے زمین کو لازم پکڑے

(تاکہ اپنی اصلیت وحقیقت معلوم ہو جائے)۔

٭ ٭ ٭

ہم نے اب تک جو کچھ ذکر کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تربیت کرنے والے حضرات جب بچپن ہی سے اپنے بچوں کو غصے کے اسباب ودواعی سے بچائیں گے، اور غصہ کے علاج اور تسکین کے لیے نبوی طریقے کو اختیار کریں گے، اور جب اپنے بچوں کے سامنے غصہ کی قباحت مجسم شکل میں پیش کرکے ان کو اس سے ڈرائیں گے تو لازمی طور سے حلم وبردباری سنجیدگی اور عقلی پختگی اور نفس کو کنٹرول میں رکھنے کے عادی بنیں گے، بلکہ اپنے اخلاق اور روزمرہ کی زندگی سے مسلمان کے کردار وسلوک اور اخلاقِ عالیہ کی سچی تصویر پیش کریں گے۔

اور جب تربیت کرنے والے اپنے بچوں اور طلبہ اور ان لوگوں کو جن کی تربیت کی ذمہ داری ان پر ہے انہیں بلاوجہ شرمندگی اور خوف اور احساسِ کمتری ونقص کے شعور اور حسد اور غصہ کی بیماریوں سے نجات دلا دیں گے تو گویا وہ ان کے نفوس میں ایسے عظیم نفسیاتی اصول بو دیں گے جو ثابت قدمی اور اظہار رائے، شجاعت وبہادری، جرأت واقدام، اور فرض وواجب کا احساس، اور ایثار ومحبت، اور بردباری اور سنجیدگی کو پیدا کرنے والے ہیں، بلکہ یہ تربیت کرنے والے ان بچوں کو ان برائیوں سے پاک کرکے اور ان کو ان اوصاف سے متصف کرکے اپنی اولاد کو اس قابل بنا دیں گے کہ وہ کل کے قابلِ فخر نوجوان اور مستقبل کے ایسے عظیم مرد بن سکیں جو زندگی کا ہنسی خوشی اور زبردست عزم اور بلند ہمتی اور شاندار اعلیٰ اخلاق سے مقابلہ کرسکیں۔

ہم ایسے تربیت کرنے والوں کے بہت زیادہ محتاج ہیں جو نفسیاتی تربیت کا اسلامی طریقہ اور اصلاح کرنے کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ جانتے ہوں، تاکہ وہ اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کو پورا کرسکیں، اور ہمیں ایسے نوجوان مل جائیں جن کی شخصیت کامل ومکمل اور باطن ٹھیک ہو۔ اور اخلاق عالی وبلند ہوں، اور ان کی نفوس وقلوب نفسیاتی بیماریوں سے خالی ہوں اگر مصلحین کوشش کریں اور مربی اپنی ذمہ داریوں کو پورا کریں تو اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کوئی مشکل بات نہیں۔

چھٹی فصل

۶ - اجتماعی ومُعاشرتی تربیت کی ذمہ داری

اجتماعی ومعاشرتی تربیت کا مقصد یہ ہے کہ بچے کو شروع ہی سے ایسے اعلیٰ معاشرتی آداب اور عظیم نفسیاتی اصول کا عادی بنادیا جائے جو ہمیشہ زندہ جاوید رہنے والے اسلامی عقیدے اور گہرے ایمانی شعور سے پھوٹ کر نکلتے ہیں، تاکہ بچہ معاشرے میں حسنِ معاملہ، ادب، سنجیدگی اور پختگی عقل اور اچھے تصرفات غرضیکہ ہر حیثیت سے ایک بہترین مثالی فرد بنے۔

تربیت کرنے والوں اور والدین پر بچے کی تربیت کے سلسلہ میں جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان میں یہ سب سے اہم ذمہ داری ہے، بلکہ یہ ہر اس تربیت کا نچوڑ ہے جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے چاہے تربیت ایمانی ہو یا اخلاقی یا نفسیاتی... اس لیے کہ یہ ایک ایسی وجدان اور کردار سے متعلق عادت ہے جو بچے کو حقوق کی ادائیگی اور آداب کو لازم پکڑنے، اور ہر ایک کا خیال رکھنے، اور عقلی پختگی اور حسنِ سیاست اور دوسروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی عادی بناتی ہے۔

واقعہ اور تجربہ کے اعتبار سے اتنی بات ثابت ہے کہ معاشرہ کی سلامتی اور اس کی عمارت کی پختگی ومضبوطی معاشرہ کے افراد کی سلامتی اور ان کی عمدہ تربیت سے وابستہ ہے۔ اسی لیے اسلام نے اولاد کے اخلاق وکردار کی تربیت کا بہت اہتمام کیا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب یہ تربیت یافتہ افراد کوئی معاشرہ تشکیل دیتے ہیں تو وہ زندگی کے میدان میں ایک سمجھدار باکردار اور باصلاحیت عقلمند انسان کی سچی تصویر ہوتے ہیں۔

اس لیے تربیت کرنے والوں کو چاہیئے کہ وہ زبردست محنت اور جدوجہد کا مظاہرہ کریں تاکہ صحیح طور سے اپنے معاشرتی تربیت کی اپنی عظیم مسؤلیت وذمہ داری کو پورا کرسکیں اور ایک ایسے بہترین اسلامی معاشرے کی تعمیر کرسکیں جس کی بنیاد ایمان، اخلاق اور بہترین معاشرتی تربیت اور اعلیٰ ترین اسلامی اقدار پر قائم ہو، اور یہ کام اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔

چونکہ ہر تربیت کے لیے کچھ نہ کچھ ایسے وسائل ہوتے ہیں جن کو مربی اختیار کرتے ہیں، اس لیے غور کرنا چاہیئے کہ وہ کون سے عملی وسائل ہیں جو بہترین معاشرتی تربیت کا ذریعہ بنتے ہیں؟

یہ وسائل میری نظر میں چار امور میں منحصر ہیں:

۱۔ بہترین نفسیاتی اصول کی تخم ریزی کرنا۔
۲۔ دوسروں کے حقوق کا خیال رکھنا۔
۳۔ عمومی معاشرتی آداب کا خیال رکھنا۔
۴۔ دیکھ بھال اور معاشرے کا محاسبہ۔

اولاً: نفسیاتی اصول کی تخم ریزی

اسلام نے تمام افراد کی نفوس میں چاہے وہ چھوٹے ہوں یا بڑے مرد ہوں یا عورتیں بوڑھے ہوں یا جوان شاندار تربیت کی بنیاد ایسے عظیم مستحکم نفسیاتی اصولوں اور ابدی تربیتی قواعد پر رکھی ہے جن کے بغیر اسلامی شخصیت کی تکمیل و تعمیر نہیں ہوسکتی۔ اور درحقیقت یہ ہمیشہ باقی رہنے والی انسانی روایات ہیں۔ جماعتوں اور افراد میں ان نفسیاتی اصولوں کی تخم ریزی کے لیے اسلام نے زبردست توجیہات و شاندار رہنما اصول و پرمغز وصایا پیش کیے ہیں۔ تاکہ اعلیٰ اسلوب اور بہترین طریقے سے اجتماعی تربیت ہوسکے۔ اور معاشرہ باہمی تعاون عظیم اتحاد اور شاندار آداب اور باہمی الفت و محبت اور اصلاح پر مشتمل مفید نقد و تنقید کے ماحول میں پروان چڑھے۔

جن نفسیاتی اصولوں کو اسلام لوگوں میں راسخ کرنا چاہتا ہے ان میں سے اہم درج ذیل ہیں:

۱۔ تقویٰ یہ اس ایمانی عمیق شعور کا لازمی نتیجہ اور طبیعی ثمرہ ہے جو اللہ عزوجل کے حاضر ناظر ہونے کے خیال اور اس کے خوف وخشیت اور اس کے عذاب وناراضگی کے ڈر اور اس کے عفو ودرگزر و ثواب کی امید کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے۔

اور تقویٰ (جیسا کہ علماء نے اس کی تعریف کی ہے یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ انسان کو اس جگہ نہ دیکھے جہاں سے اس نے منع کیا ہے اور وہاں غائب نہ پائے جہاں حاضر ہونے کا حکم دیا ہے، اور بعض حضرات نے تقویٰ کی تعریف یہ کی ہے کہ اچھے اعمال کرکے اللہ کے عذاب سے بچنا اور ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ سے خوف کرنا۔

اسی لیے قرآن کریم نے بہت سی آیات بینات کے ذریعہ نہایت اہتمام سے تقویٰ کی فضیلت کا ذکر کیا ہے اور اس کا حکم دیا ہے اور اس پر ابھارا ہے، چنانچہ قرآن کریم کی تلاوت کرنے والا ایک صفحہ یا چند صفحے بھی نہیں پڑھ پاتا مگر یہ کہ جا بجا مختلف آیات میں لفظ تقویٰ کا ذکر پڑھ لیتا ہے۔

اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین تقویٰ کا بہت اہتمام کرتے تھے، اور اس کو اپنے اندر پیدا کرنے کی فکر اور کوشش کرتے تھے اور اس کے بارے میں ایک دوسرے سے سوال کرتے تھے۔ چنانچہ آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے تقویٰ کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: کیا آپ کبھی کانٹے والے راستے میں نہیں چلے ہیں؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں، تو انہوں نے پوچھا کہ آپ کیا کرتے تھے؟ تو انہوں نے کہا: خوب کوشش اور محنت کرتا تھا، تو انہوں نے کہا کہ یہی تقویٰ ہے۔

یہ تقویٰ ضمیر کے حساس اور شعور کے صاف شفاف ہونے، اور دائمی خوف وخشیت اور مستقل احتیاط اور راستے کے کانٹوں سے بچنے کی فکر کا نام ہے زندگی کا وہ راستہ جس میں خواہشات، شہوات ومرغوبات اور طمع واغراض اور خوف وخطر اور خطرات وخیالات کے کانٹے جو کچھ نہیں دے سکتا اس سے جھوٹی امید اور جو نفع ونقصان کا مالک نہیں اس سے جھوٹے خوف کے کانٹے ایک دوسرے کی جانب گھسیٹتے ہیں اور اس کے علاوہ اور بہت سے بیسیوں کانٹے ہیں (۱)۔

اور اللہ تعالیٰ سے خوف اور تقویٰ، قطع نظر اس کے کہ اس کی وجہ سے مؤمن کے دل میں اللہ کا خوف اور اس کے مراقبہ کا فکر ہوتا ہے یہ تقویٰ دراصل تمام معاشرتی فضائل وکمالات کا منبع ہے، اور مفاسد وشرور اور گناہوں اور پریشانیوں سے بچنے کا منفرد راستہ ہے۔ بلکہ افراد میں معاشرے اور ہر اس شخص کے لیے جو ان سے ملے اس کے بارے میں کامل شعور واحساس پیدا کرنے کا پہلا ذریعہ وسبب ہے۔

اور ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرمانِ مبارک: ((التقوٰی ھھنا)) کہ تقویٰ یہاں ہے، اسے تین مرتبہ جو دہرایا (جیسا کہ آئندہ آئے گا) اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ معاشرہ کی تربیت کی اس اصل اور بنیاد کی تاکید واہمیت بیان ہو جائے اور خصوصاً ان اوامر میں جن سے انسانی کرامت کے مساس اور لوگوں کو ضرر پہنچانے سے روکا گیا ہے۔

افراد کے کردار اور معاملات پر تقویٰ کا جو اثر پڑتا ہے اس کے چند نمونے درج ذیل ہیں:

الف۔ امام غزالی "احیاء العلوم" میں روایت کرتے ہیں کہ یونس بن عبید کے پاس مختلف قیمت کے جوڑے اور پوشاکیں تھیں، ان میں سے بعض ایسی اقسام کے بھی تھے جن میں سے ہر پوشاک کی قیمت چار سو درہم تھی، اور بعض کی دو سو درہم۔ وہ نماز کے لیے چلے گئے اور اپنے بھتیجے کو دکان پر چھوڑ گئے، اسی اثنا میں ایک اعرابی شخص آیا اور اس نے چار سو درہم کا ایک جوڑا مانگا تو انہوں نے دو سو درہم والے جوڑے اس کے سامنے پیش کر دیے، اسے وہ اچھے لگے اور پسند آ گئے، اور اسے اس نے چار سو درہم میں خرید لیا اور اس کو اٹھا کر چل دیا، راستے میں اسے یونس مل گئے اور انہوں نے اپنے جوڑے کو پہچان لیا اور اس اعرابی سے پوچھا کہ تم نے یہ کتنے میں خریدا ہے؟ اس نے کہا چار سو درہم میں۔

یونس نے اس سے کہا کہ یہ تو دو سو سے زیادہ کا نہیں ہے اس لیے تم واپس چلو اور اس کو واپس کر دو، تو اس اعرابی نے کہا کہ یہ تو ہمارے علاقے میں پانچ سو کا ہے اور میں نے تو اسے خوشی سے خریدا ہے، تو یونس نے اس سے کہا: تم میرے ساتھ چلو، اس لیے کہ نصیحت وخیر خواہی دینِ اسلام میں دنیا ومافیہا سے بہتر ہے، پھر انہیں دکان واپس لے گئے اور ان کو دو سو

---

(۱) ملاحظہ ہو سید قطب کی کتاب الظلال (۱-۴)۔

درہم واپس کر دیے، اور قیمت سے زیادہ پیسے لینے پر اپنے بھتیجے سے لڑے۔ اور ان کو اس پر سخت تنبیہ کی، اور کہا: کیا تمہیں شرم نہیں آتی؟ کیا تمہیں خدا کا خوف نہیں ہے، جتنی قیمت ہے تم اتنا ہی نفع لینا چاہتے ہو اور مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی نہیں کرتے؟ توان کے بھتیجے نے کہا کہ، بخدا اس نے تو وہ خوشی خوشی اور رضامندگی سے لیا تھا، توانہوں نے کہا: تم نے اس کے لیے وہ بات کیوں نہ پسند کی جو اپنے لیے پسند کرتے ہو!!

ب۔ حضرت عبداللہ بن دینار فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ کے ارادہ سے نکلا راستہ میں ہم آرام کرنے لیٹے، تو پہاڑ سے ایک چرواہا اترا، انہوں نے اس سے کہا: چرواہے ان دنبوں میں سے ایک دنبہ میرے ہاتھ بیچ دو۔ اس نے کہا کہ میں تو غلام ہوں، حضرت عمر نے اس کا امتحان لینے کے لیے کہا کہ تم اپنے آقا سے یہ کہہ دینا کہ اسے بھیڑیا کھا گیا، تو چرواہے نے کہا کہ پھر اللہ تعالیٰ کہاں چلے جائیں گے (یعنی اللہ تو دیکھ رہے ہیں) یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور پھر اس غلام کے ساتھ گئے۔ اور اس کے آقا سے اسے خرید کر آزاد کر دیا اور فرمایا: تمہیں اس ایک بات نے دنیا میں غلامی سے آزادی دلائی، اور مجھے امید ہے کہ یہ تمہیں آخرت میں آگ سے نجات دلائے گی۔

ج۔ اور ماں بیٹی کا وہ قصہ تو اکثر حضرات جانتے ہی ہوں گے کہ ماں یہ چاہتی تھی کہ بیٹی دودھ میں پانی ملا دے تاکہ آمدنی زیادہ ہو۔ اور بیٹی اسے یہ یاد دلا رہی تھی کہ امیر المؤمنین نے اس سے منع کیا ہے۔ ماں کہتی ہے کہ امیر المؤمنین ہمارے پاس کہاں ہیں، وہ ہمیں دیکھ تھوڑی رہے ہیں، بیٹی خاموش کن جواب دیتی ہے کہ اگر امیر المؤمنین ہمیں نہیں دیکھ رہے تو امیر المؤمنین کا رب تو ہمیں دیکھ رہا ہے!!

اس لیے ہمیں چاہیے کہ تقویٰ اور اللہ کے ہر وقت ہمیں دیکھنے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کے یقین کو اپنے بچوں میں شروع ہی سے پیدا کریں!!

۲۔ اخوت یہ ایک ایسا نفسیاتی رابطہ ہے جو ہر اس شخص کے ساتھ نرمی، محبت اور احترام کا گہرا شعور پیدا کرتا ہے جس کا انسان سے اسلامی عقیدے اور تقویٰ و ایمان کی بنیاد پر رابطہ ہو۔ اخوت کا یہ شعور صادق اور سچا احساس مسلمان کے دل میں تعاون، ایثار و شفقت اور باوجود قدرت کے معاف کرنے کے بہترین جذبات پیدا کرتا ہے۔ اور انسان کو اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ تمام ایسے کاموں سے بچے اور دور رہے جو لوگوں کو ذاتی طور سے نقصان پہنچائیں یا ان کے مال یا عزت و کرامت کو نقصان پہنچائیں۔ اسلام نے صرف اللہ ہی کے لیے اس اخوت و بھائی چارگی کے پیدا کرنے پر زور دیا ہے۔ اور بہت سی آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ میں اس کے تقاضوں اور انواع و اقسام کو بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ))۔ الحجرات۔ ۱۰ — بے شک مسلمان (آپس میں) بھائی ہی بھائی ہیں۔

اور فرمایا:

((سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ))۔ القصص۔ ۳۵

ہم ابھی تمہارے بھائی کو تمہاری قوت بازو بنائے دیتے ہیں۔

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد باری ہے:

((وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَآءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا))۔ آل عمران۔ ۱۰۳

اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب کہ تم آپس میں دشمن تھے پھر الفت دی تمہارے دلوں میں اب ہو گئے اس کے فضل سے بھائی۔

امام مسلم رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اسے (دشمن کے) سپرد کرتا ہے اور نہ اسے رسوا کرتا ہے۔ اور نہ اس کی تحقیر کرتا ہے، انسان کے برا ہونے کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تذلیل وتحقیر کرے، مسلمان پورا کا پورا مسلمان پر حرام ہے اس کا خون بھی اور اس کا مال بھی اور اس کی عزت وآبرو بھی تین مرتبہ فرمایا: تقویٰ اس جگہ ہے اور اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کیا۔

اور امام بخاری اور مسلم نے یہ روایت نقل کی ہے۔

((لا يؤمن أحدكم حتى يحب لأخيه ما يحب لنفسه))۔

تم میں سے کوئی بھی شخص اس وقت تک مؤمن کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے (مسلمان) بھائی کے لیے وہ چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

٭ ٭ ٭ ٭

اور امام مسلم اور احمد روایت کرتے ہیں:

((مثل المؤمنين في توادهم وتعاطفهم وتراحمهم كمثل الجسد إذا اشتكى منه عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى))۔

مؤمنوں کی آپس میں محبت الفت ورحم دلی کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ایک جسم میں اس کے کسی عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو تمام جسم اس کے ساتھ بے خوابی اور بخار میں شریک ہو جاتا ہے

اور امام مسلم اپنی کتاب "صحیح" میں نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ارشاد فرمائیں گے:

((أين المتحابون بجلالي؟ اليوم أظلهم في ظلي يوم لا ظل إلا ظلي))۔

کہاں ہیں وہ لوگ جو میرے جلال کی وجہ سے باہمی محبت کرتے تھے؟ آج میں ان کو اپنے سایۂ رحمت میں رکھوں گا جس روز میرے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔

٭ ٭ ٭ ٭

اس اخوت اور اللہ کے لیے بھائی چارگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی معاشرہ کے افراد نے پوری تاریخ اور تمام زمانوں میں آپس میں غم خواری، ایثار، باہمی تعاون وہمدردی کا ایسا تعاون کیا جو تاریخ انسانی میں سب سے بہتر سلوک اور برتاؤ شمار ہوتا ہے ذیل میں اس کے چند نمونے ذکر کیے جاتے ہیں:

الف۔ امام حاکم اپنی کتاب مستدرک میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ بن أبی سفیان رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ

صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس اسّی ہزار درہم بھیجے۔ حضرت عائشہ روزے سے تھیں اور انہوں نے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے جب یہ عطیہ رقم ان کو ملی تو انہوں نے فوراً فقراء و مساکین میں اسے تقسیم کر دیا، اور اپنے لیے اس میں سے کچھ بھی نہ روکا، تو ان کی خادمہ نے ان سے عرض کیا کہ اے اُم المؤمنین آپ نے اتنا بھی نہیں کیا کہ ہمارے لیے ایک درہم کا گوشت ہی خرید لیتیں اور خود بھی اس سے افطار کر لیتیں، تو انہوں نے فرمایا: بیٹی اگر تم مجھے پہلے یاد دلا دیتیں تو میں ایسا کر لیتی۔

ب۔ امام طبرانی اپنی کتاب "معجم کبیر" میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب نے چار سو دینار ایک تھیلی میں ڈالے اور اپنے غلام سے کہا کہ یہ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کے پاس لے جاؤ، اور پھر کچھ دیر ان کے گھر ہی میں کسی کام میں لگ جانا تاکہ تمہیں یہ معلوم ہو جائے کہ وہ ان کا کیا کرتے ہیں، چنانچہ غلام وہ دینار ان کے پاس لے گیا اور عرض کیا کہ امیر المؤمنین نے فرمایا ہے کہ ان کو اپنی بعض ضروریات میں کام میں لے لیں، تو حضرت ابو عبیدہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت عمر کو اس کا اچھا بدلہ دے اور ان پر رحم کرے۔ اور پھر فرمایا: اے لڑکی آجاؤ اور یہ سات دینار فلاں کو دے آؤ، اور یہ پانچ فلاں کو، اور یہ پانچ دینار فلاں کو، حتیٰ کہ وہ سارے دینا خرچ کر ڈالے۔ تو وہ غلام حضرت عمر کے پاس آیا اور اس نے سارا قصہ ان کو سنا ڈالا۔

حضرت عمر نے اتنے ہی دینار حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بھیجنے کے لیے تیار کر رکھے تھے چنانچہ انہوں نے فرمایا: ان کو حضرت معاذ کے پاس لے جاؤ اور وہیں ان کے گھر میں کسی کام میں لگ جانا تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ انہوں نے ان پیسوں کا کیا کیا؛ چنانچہ وہ غلام پیسے لیکر ان کے پاس گیا اور کہا، امیر المؤمنین یہ فرماتے ہیں کہ انہیں اپنی ضروریات میں خرچ کر لیجیے۔ تو انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت عمر پر رحم کرے اور ان کو اچھا بدلہ دے، اے لڑکی فلاں گھر والوں کے پاس اتنے پیسے لے جاؤ اور فلاں کے یہاں اتنے دینار۔ چنانچہ حضرت معاذ کی اہلیہ نے جھانک کر کہا: بخدا ہم بھی تو غریب و مسکین ہیں ہمیں بھی دے دیجیے، اس وقت تھیلی میں صرف دو دینار بچے تھے چنانچہ انہوں نے وہ ان کی طرف پھینک دیے۔ غلام حضرت عمر کے پاس واپس گیا اور انہیں پورا قصہ سنا دیا تو حضرت عمر یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا: یہ سب۔ ایک دوسرے کے بھائی ہی ہیں۔

ج۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں سخت قحط پڑا لوگ بہت شدت و تنگی میں گرفتار ہو گئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک قافلہ شام سے آیا جو ایک ہزار اونٹوں پر مشتمل تھا، جن پر مختلف قسم کا کھانے پینے کا سامان اور کپڑا لدا ہوا تھا، تاجر حضرت عثمان کے پاس آئے اور ان سے اس قافلہ کو خریدنا چاہا، انہوں نے ان سے کہا کہ مجھے اس پر کتنا نفع دو گے؛ تو انہوں نے کہا پانچ فیصد، حضرت عثمان نے فرمایا: مجھے تو ایسے خریدار مل گئے ہیں جو مجھے اس سے زیادہ نفع دیں گے، تو انہوں نے کہا کہ ہمیں تو کوئی ایسا تاجر معلوم نہیں جو اس نفع سے زیادہ نفع دے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: مجھے تو ایسے خریدار ملے ہیں جو ایک درہم پر سات سو اور اس سے بھی زیادہ درہم نفع دیں گے میں نے تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمانِ مبارک کو سن لیا ہے:

((مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ

ان لوگوں کی مثال جو اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں ایسی ہے کہ جیسے ایک دانہ۔ اس سے اُگیں سات

كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۗ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿﴾)) ۔ البقرہ۔۲۶۱

بالیں، ہر بال میں سو سو دانے، اور اللہ بڑھاتا ہے جس کے واسطے چاہے، اور اللہ بے نہایت بخشش کرنے والا ہے سب کچھ جانتا ہے۔

☆ ☆ ☆

اے تاجروں کی جماعت میں تمہیں اس بات کا گواہ بناتا ہوں کہ یہ پورا قافلہ اور اس میں جو گندم، آٹا، گھی اور تیل ہے یہ سب میں نے مدینہ منورہ کے فقراء کو ہبہ کر دیا ہے۔ اور اسے مسلمانوں کے لیے دے دیا ہے۔

اور امام بخاری نے اپنی کتاب "الادب المفرد" میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہم پر ایک ایسا زمانہ بھی آیا ہے کہ کوئی شخص بھی اپنے درہم و دینار کا اپنے مسلمان بھائی سے زیادہ حقدار نہ تھا۔

لہٰذا ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اپنی اولاد کو اخوت و محبت کی فضا میں پروان چڑھائیں۔

۳۔ رحمت

رحم نام ہے رقتِ قلب اور ضمیر کے حساس ہونے اور شعور کے لطیف ہونے کا، جو دوسروں کے ساتھ نرمی اور دوسروں کے درد و غم میں شریک ہونے اور ان پر رحم کھانے اور ان کے غموں اور تکالیف میں آنسو بہانے کا نام ہے۔ رحم ہی ایک ایسا مادہ ہے جو مؤمن کو اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ مؤمن کی ایذا رسانی سے دور رہے، اور جرائم سے کنارہ کش اور تمام لوگوں کے لیے خیر و بھلائی اور سلامتی کا منبع ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے بعض کے بعض پر رحم کرنے کو اللہ تعالیٰ کے ان پر رحم کرنے کا ذریعہ وسبب قرار دیا ہے، چنانچہ امام ترمذی وابو داؤد واحمد نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((الراحمون یرحمھم الرحمٰن، ارحموا من فی الأرض یرحمکم من فی السماء))۔

رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والا رحم کرے گا۔

اور جو لوگ رحم کے مادہ سے عاری ہیں ان پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدبخت و شقی ہونے کا حکم لگایا ہے۔ چنانچہ امام ترمذی وابو داؤد وغیرہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((لا تنزع الرحمة إلا من شقی))۔

رحم کا مادہ نہیں چھینا جاتا مگر بدبخت سے۔

اور مؤمن کا رحم کرنا صرف اپنے مؤمن بھائیوں کے ساتھ ہی رحم میں منحصر نہیں ہوتا بلکہ وہ رحم کا ایک ایسا چشمہ ہوتا ہے۔ جس سے تمام لوگوں پر رحمت کی بارش اور رحم کا فیضان ہوتا ہے، ایک مرتبہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا:

((لن تؤمنوا حتی ترحموا))۔

تم لوگ اس وقت تک (کامل) مؤمن نہیں بن سکتے جب تک تم رحم نہ کرو۔

☆ ☆ ☆

صحابہ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ہم میں سے ہر شخص رحم کھاتا ہے، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس سے وہ رحم مراد نہیں جو تم میں سے ہر شخص اپنے دوسرے ساتھی کے ساتھ کرتا ہے بلکہ اس سے مراد سب پر رحم کرنا ہے۔

بلکہ اس سے وہ رحم مراد ہے جو انسانِ ناطق سے تجاوز کر کے حیوانوں تک کو شامل ہو:

چنانچہ صرف مؤمن ہی وہ شخص ہے جو حیوانات پر رحم کھاتا ہے اور ان کو ایذا دینے سے اللہ کی وجہ سے ڈرتا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا حساب لے گا، اور اگر اس نے ان کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کی یا ان کو تکلیف پہنچائی تو اللہ تعالیٰ باز پرس کرے گا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی یہ اعلان فرمایا کہ ایک بدکردار و فاحشہ عورت نے ایک کتے کو پانی پلا دیا تو اس کی وجہ سے اس کے لیے جنت کے دروازے کھل گئے، اور اللہ نے اس کی مغفرت فرمادی، اور دوزخ کے دروازے ایک عورت کے لیے اس لیے کھول دیے گئے کہ اس نے ایک بلی کو باندھے رکھا اور وہ بھوک سے مرگئی۔ اس عورت نے نہ اس کو کھانے پینے کو دیا اور نہ اسے آزاد کیا کہ کیڑے مکوڑے کھا کر پیٹ بھرلے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ایک دنبے کو ذبح کرنے کے لیے ٹانگ پکڑ کر گھسیٹ رہا ہے تو انہوں نے اس سے فرمایا: تجھے کیا ہوگیا؟ اس کو موت کی جانب نرمی سے کھینچ کر لے جاؤ۔

اسلامی معاشرے میں رحم و شفقت کے چند نمونے درج ذیل ہیں:

الف: مؤرخین لکھتے ہیں کہ جن دنوں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر کو فتح کیا تو ان کے خیمہ میں ایک کبوتری آگئی اور اس نے اوپر کے حصہ میں اپنا گھونسلہ بنالیا، اور جب حضرت عمرو وہاں سے کوچ کرنے لگے تو ان کی نظر اس پر پڑی اور انہوں نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ خیمہ اکھاڑ کر اسے بے گھر کیا جائے، لہٰذا انہوں نے خیمہ کو اسی حالت پر چھوڑ دیا، اور بعد میں اس کے اردگرد اور بہت سے مکانات بن گئے اور اس جگہ کا نام ہی "مدینہ فسطاط" (یعنی خیمہ کا شہر) پڑ گیا۔

ب: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت میں سخت گیری اور قساوت میں معروف تھے لیکن جب اسلام نے ان کے دل میں رحم کے چشمے بہا دیے تو پھر وہی حضرت عمر اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے آپ کو اس کا بھی مسؤل سمجھتے تھے کہ عراق کے ایک دور دراز علاقے میں ایک خچر اس لیے ٹھوکر کھا گیا تھا کہ انہوں نے اس کے لیے پختہ راستہ نہیں بنایا۔

ج: اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے لشکر کو رخصت کرتے ہوئے یہ وصیت فرماتے ہیں:
یاد رکھو کسی عورت اور بوڑھے اور بچے کو قتل نہ کرنا، اور نہ کسی کھجور کے درخت کو اکھیڑنا، اور نہ کسی پھل دار درخت کو کاٹنا۔ اور تم ایسے لوگوں کو پاؤ گے جنہوں نے گرجاگھروں (چرچ) اور صومعوں کو لازم پکڑ لیا ہے لہٰذا ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دینا۔

د: اس رحم کی مثالوں میں سے مسلمانوں کے قائم کردہ مندرجہ ذیل اوقاف بھی ہیں:

۱۔ آوارہ کتوں کے لیے وقف جو مخصوص مقامات پر ان کی دیکھ بھال کے لیے بنائے جاتے ہیں، تاکہ وہ بھوک کے مرنے سے بچ کر اپنی طبعی موت مریں یا ان سے کوئی فائدہ اٹھانے کے لیے انہیں لے جائے۔

۲۔ شادی کے لیے اوقاف: جہاں سے غریب لوگ وقف کے زیورات اور زینت کا سامان خوشیوں اور شادیوں

کے موقعہ پر عاریۃً حاصل کرتے ہیں جس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ فقیر وغریب شخص بھی خوشی کے دن عمدہ لباس اور خوبصورت منظر کے ساتھ لوگوں کے سامنے آتا ہے، اور اس کی خوشی کا شعور واحساس کامل ومکمل ہوجاتا ہے اور اس کی غربت کا جبیرہ ہوجاتا ہے۔

۳۔ بیماروں اور مسافروں کو مانوس کرنے والا وقف: جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ پیاری آواز اور اچھے پڑھنے والوں کو اس لیے مقرر کر دیا جاتا ہے کہ وہ ساری رات مزیدار پر مغز بامعنی اشعار اور دلچسپ ترانے پڑھتے رہیں، اس طرح سے ان میں سے ہر ایک صبح تک ایک ایک گھنٹے تک پڑھتا رہے تاکہ وہ بیمار جن کی تکلیف دور کرنے والا کوئی نہیں ہے ان کا غم ہلکا ہو جائے اور وہ مسافر جس کو کوئی مانوس کرنے والا نہیں ہے اس کے لیے اس کا سامان ہو جائے۔

۴۔ وقف الزبادی: چنانچہ ہر وہ خادم جس کا برتن ٹوٹ گیا ہو اور وہ اپنے مالک کے غضب کا نشانہ بننے والا ہو۔ وہ وقف کے دفتر جاکر ٹوٹا برتن دے کر اس کے بدلے نیا برتن لے لے، اور اس طرح سے اپنے مالک کے غصہ اور سزا سے نجات پالے۔

یہ اوقاف ان اوقاف کے علاوہ ہیں جو بھوکوں کے کھلانے، پیاسوں کو پلانے، ننگوں کو لباس مہیا کرنے، مسافروں کو ٹھہرانے، بیماروں کے علاج اور جاہلوں کو تعلیم دینے اور مردوں کے دفن کرنے اور یتیموں کی کفالت اور پریشان زدہ لوگوں کی فریاد رسی عاجزوں کی غم خواری کے لیے قائم کیے گئے ہیں۔

اور بلاشبہ یہ اوقاف اور نیکی کے کام اور مدرسے واسکول وغیرہ یہ خیر وبھلائی سے محبت کے آثار اور اس رحم کا ثمرہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے رحمدل مؤمنوں کے دلوں اور نیک مسلمانوں کی نفوس میں ودیعت رکھا ہے۔ اور تاریخ کے اوراق میں ہماری ترقی وثقافت کے قابلِ فخر کارناموں میں سے زبردست کارنامے ہیں۔

رحمدلی کے ان عظیم معانی کی ہمیں اپنی اولاد کو تعلیم دینا چاہیے اور یہ چیزیں ان کی گھٹی میں ڈالنا چاہییں۔

۴۔ ایثار | یہ ایک نفسیاتی شعور ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اچھائیوں منافع اور شخصی مصالح میں انسان دوسرے کو اپنے اوپر ترجیح دیتا ہے۔

ایثار ایک نہایت شاندار خصلت ہے اور اگر اس کا مقصد اللہ کی رضا ہو تو یہ ایمان کی صداقت اور باطن کی صفائی کے نفسیاتی اصولوں میں سب سے پہلا اصول ہے اور ساتھ ہی وہ اجتماعی ومعاشرتی امداد باہمی کے ستونوں میں بڑا ستون ہے، اور بنی نوع انسان کے لیے بھلائی وخیر کا ذریعہ ہے۔

اور ہمارے لیے اتنی بات کافی ہے کہ قرآن کریم نے اسلامی معاشرہ کی عظیم اکثریت یعنی انصار کے بھائی چارگی مواسات وغم خواری وایثار اور شفقت ومحبت کی عظیم ترین صورتیں محفوظ کی ہیں چنانچہ فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ أُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ	اور ان لوگوں کا (بھی حق ہے) جو دارالاسلام اور ایمان میں ان کے قبل سے قرار پکڑے ہوئے ہیں محبت کرتے ہیں اس سے جو اس کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے۔ اور

عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝)).

الحشر: ۹

اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں اس سے جو کچھ کہ انہیں ملتا ہے، اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ خود فاقہ میں ہی ہوں، اور جو اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے سو ایسے ہی لوگ تو فلاح پانے والے ہیں۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂

یہ اختیاری ایثار اور اجتماعی رحم دلی و شفقت جو انصار کے اخلاق میں ظاہر و نمایاں تھی اس کی مثال انسانی تاریخ اور پچھلی امتوں کے حالات و واقعات میں نہیں مل سکتی۔

انصار نے ان مہاجر بھائیوں کو اپنے ساتھ برابر کا شریک کر لیا جو دین کی خاطر تکالیف میں ڈالے گئے تھے اور اپنے گھروں سے بے گھر کیے گئے، اور وہ اس طرح سے خالی ہاتھ ہو گئے کہ زندگی کے ساز و سامان و ضروریاتِ زندگی میں سے کسی بھی چیز کے مالک نہ رہے تھے، انصاری اپنے مہاجر بھائی کے ساتھ مواخات و بھائی چارگی قائم کرتا تھا، بلکہ دنیا کی بہت سی راحتوں میں اس کو اپنے اوپر ترجیح دیا کرتا تھا، اور اگر دونوں میں سے کوئی وفات پا جائے تو دوسرا اس کا وارث ہوتا تھا۔

اوّلین اسلامی معاشرے میں ایثار کے مظاہر میں سے چند مثالیں آپ کے سامنے پیش کی جا رہی ہیں:

الف۔ امام غزالی اپنی کتاب "احیاء العلوم" میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک صحابی کے پاس دنبے کی سری ہدیۃً بھیجی گئی تو انہوں نے کہا کہ فلاں شخص مجھ سے بھی زیادہ حاجت مند ہے۔ لہٰذا انہوں نے وہ سری ان کے پاس بھیج دی، انہوں نے بھی یہی سوچا کہ فلاں آدمی مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہے اور انہوں نے وہ تیسرے کے پاس بھیج دی، اور اسی طرح ہر ایک دوسرے کے پاس بھیجتا رہا، یہاں تک کہ گھوم پھر کر سات آدمیوں کے بعد وہ سری پھر اس پہلے شخص کے پاس پہنچ گئی۔

ب۔ اور یہ ام المومنین حضرت زینب بنت جحش الاسدیہ جن کا ایثار و غمخواری کی وجہ سے ام المساکین لقب پڑ گیا تھا۔ چنانچہ ابن سعد اپنی کتاب "طبقات" میں روایت کرتے ہیں کہ برزہ بنت رافع نے بیان کیا ہے کہ جب ہدایا تقسیم کیے گئے تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب کا حصہ ان کو بھیجا، چنانچہ جب وہ شخص جو مال لے جانے والا تھا وہ ان کے پاس گیا تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ حضرت عمر کی مغفرت فرمائے میری دوسری بہنیں اس مال کو تقسیم کرنے کی مجھ سے زیادہ طاقت رکھتی ہیں تو لوگوں نے ان سے عرض کیا کہ یہ تو سب کا سب آپ ہی کا ہے۔ تو انہوں نے فرمایا: سبحان اللہ اور اس شخص کی وجہ سے پردہ میں ہو گئیں اور فرمایا: مال یہاں ڈال دو اور اس پر کپڑا ڈال دینا۔

اس قصے کی روایت کرنے والی کہتی ہیں کہ پھر انہوں نے مجھ سے فرمایا: اس ڈھیر میں اپنا ہاتھ ڈال کر ایک مٹھی لے لو اور فلاں کی اولاد کو دے آؤ، اور فلاں کی اولاد کو دے آؤ، اور اپنے چند عزیزوں اور یتیموں کا نام لیا، اور سارا مال تقسیم کر دیا کچھ

تھوڑے سے پیسے کپڑے کے نیچے بچ رہے تو ان سے برزہ بنت رافع نے عرض کیا: اے ام المؤمنین اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے بخدا اس میں ہمارا بھی تو حق تھا، تو انہوں نے فرمایا کہ جو کپڑے کے نیچے بچ رہا ہے وہ تمہارا ہے۔ کہتی ہیں کہ ہم نے جب کپڑا ہٹا کر دیکھا تو اس کے نیچے سے ہمیں پچاسی درہم ملے۔

اور کچھ صفحات پہلے ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ روایت کر چکے ہیں کہ انہوں نے اسّی ہزار درہم فقراء و مساکین پر خرچ کر ڈالے اور اپنے افطار کے لیے ایک درہم بھی نہ بچایا، اور اگر خادمہ پہلے سے بتا دیتی تو شاید وہ ایسا کر لیتیں لیکن دوسروں کی حاجت روائی اور ضرورت پورا کرنے کی خاطر وہ اپنے آپ کو بھی بھول گئیں۔

ج۔ قرطبی کی روایت کے مطابق ایثار کے قابلِ ذکر واقعات میں سے وہ واقعہ بھی ہے جسے عدوی نے ذکر کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ جنگِ یرموک کے موقعہ پر میں اپنے چچازاد بھائی کو تلاش کرنے لگا، میرے پاس تھوڑا سا پانی تھا میں نے یہ سوچا کہ اگر اس میں ذرہ بھی زندگی کی رمق ہوئی تو میں اس کو پانی پلا دوں گا، چنانچہ اچانک میری اس پر نظر پڑ گئی، تو میں نے اس سے پوچھا کہ کیا میں تمہیں پانی پلا دوں؟ تو اس نے سر کے اشارے سے ہاں کی، اچانک میں نے کسی شخص کو آہ آہ کرتے دیکھا تو میرے چچازاد بھائی نے اشارے سے مجھے اس کے پاس جانے کو کہا۔ جب میں وہاں گیا تو دیکھا کہ وہ حضرت ہشام بن العاص ہیں ... میں نے ان سے پوچھا کہ کیا میں آپ کو پانی پلا دوں؟ تو انہوں نے اشارے سے اثبات میں جواب دیا، اسی اثنا میں انہوں نے کسی شخص کو آہ آہ کرتے سنا تو حضرتِ ہشام نے مجھے اشارہ سے اس کے پاس جانے کا حکم دیا جب میں اس کے پاس پہنچا تو اس کا انتقال ہو چکا تھا، پھر جب میں حضرت ہشام کے پاس پہنچا تو وہ بھی انتقال کر چکے تھے، پھر جب میں اپنے چچازاد بھائی کے پاس پہنچا تو ان کی روح بھی پرواز کر چکی تھی، اور اس طرح سے ان میں سے ہر ایک دوسرے کو اپنے اوپر ترجیح دیتا رہا اور کسی نے بھی پانی نہ پیا اور پیاسے کے پیاسے ہی دنیا سے رخصت ہو گئے۔

قربانی اور ایثار اور خود فراموشی کے یہ جذبات ہمیں اپنے بچوں میں پیدا کرنا چاہییے اور شروع ہی سے انہیں ان کی تربیت دینا چاہیئے۔

۵۔ عفو و درگزر کرنا

یہ ایک شاندار نفسیاتی شعور ہے جس کی وجہ سے انسان دوسروں سے تسامح کرتا ہے، اور اپنے حق سے دست برداری اختیار کرتا ہے، چاہے زیادتی کرنے والا کتنا بڑا ظالم اور سرکش کیوں نہ ہو لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ مظلوم شخص بدلہ و انتقام لینے پر قادر ہو۔ اور زیادتی دین اور اسلام کے شعائر پر نہ ہو رہی ہو۔ ورنہ معاف کرنا ذلت و رسوائی و عاجزی اور ہتھیار ڈالنے کے مرادف ہو جائے گا۔ پہلے معنی اور مندرجہ بالا شروط کے ساتھ عفو و درگزر ایک اچھی فطری عادت ہے، جو راسخ ایمان اور زبردست اسلامی ادب پر دلالت کرتی ہے۔ اس لیے قرآنِ کریم نے اس کا حکم دیا ہے اور بہت سی آیات میں اس پر ابھارا گیا ہے چنانچہ ارشادِ باری ہے:

((وَأَنْ تَعْفُوْا أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۚ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ — اور تم درگزر کرو تو قریب ہے پرہیزگاری سے

بَيْنَكُمْ))۔ بقرہ۔ ۲۳۷ اور نہ بھلا دو آپس میں احسان کرنا۔

اور فرمایا:

((وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ))۔ فصلت۔ ۳۴

اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، آپ نیکی سے (بدی کو) ٹال دیا کیجیے، تو پھر یہ ہوگا کہ جس شخص میں اور آپ میں عداوت ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسا کوئی دلی دوست ہوتا ہے۔

نیز ارشاد ہے:

((وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا))۔ الفرقان۔ ۶۳

اور (خدائے) رحمٰن کے (خاص) بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب ان سے جہالت والے لوگ بات چیت کرتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں خیر۔

❊ ❊ ❊

اور فرمایا:

((وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ))۔ آل عمران ۱۳۴

اور دبا لیتے ہیں غصہ، اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں اور اللہ نیکی کرنے والوں کو چاہتا ہے۔

اور یہ بات بالکل بدیہی طور سے معلوم ہے کہ جب مؤمن کی طبیعت حلم، عفو و درگزر اور چشم پوشی کے اخلاق سے آراستہ ہوگی تو وہ نرمی اور بلند ظرفی و عالی اخلاقی اور تسامح اور اچھے برتاؤ اور حسنِ معاشرت میں ایک قابلِ تقلید نمونہ ہوگا، بلکہ وہ طہارت و باطن کی صفائی اور شرافت کے اعتبار سے زمین پر چلنے والے فرشتے کی مانند ہوگا۔

تاریخ کے اوراق میں سلفِ صالحین کی سیرت میں حلم و بردباری اور عفو و درگزر کے جو نمونے اور واقعات ملتے ہیں ان میں سے بعض آپ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں:

الف: عبداللہ بن طاہر کہتے ہیں کہ میں ایک روز خلیفہ مامون الرشید کے پاس موجود تھا انہوں نے اپنے خادم کو اے لڑکے کہہ کر آواز دی، لیکن کسی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا، تو انہوں نے دوبارہ آواز دی اور زور سے چیخے اے لڑکے، تو ایک ترکی غلام یہ کہتا ہوا داخل ہوا کہ کیا غلام کو کھانے پینے کا بھی حق نہیں ہے؟ ہم جب بھی آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو آپ اے غلام اے غلام کہہ کر چلانے لگتے ہیں، یہ اے غلام کہہ کر کب تک پکارتے رہیں گے؟! یہ سن کر خلیفہ مامون کافی دیر تک گردن جھکائے بیٹھے رہے (مجھے یہ یقین تھا کہ وہ مجھے اس کی گردن اڑانے کا حکم دیں گے) پھر انہوں نے میری طرف دیکھا اور کہا: اے عبداللہ اگر

انسان کے اخلاق اچھے ہوں تو اس کے خادموں کے اخلاق خراب ہو جاتے ہیں، اور ہم یہ نہیں کر سکتے کہ اپنے خادموں کے اخلاق درست رکھنے کے لیے اپنا اخلاق خراب کرلیں۔

ب ۔ لکھا ہے کہ حضرت زین العابدین بن الحسین رضی اللہ عنہما نے اپنے ایک غلام کو طلب کیا، اور دو مرتبہ اسے آواز دی، لیکن اس نے لبیک نہ کہا، تو حضرت زین العابدین نے اس سے پوچھا کہ کیا تم نے میری آواز نہیں سُنی؟ اس نے کہا: کیوں نہیں! میں نے آپ کی آواز سنی تھی ۔ انہوں نے پوچھا کہ پھر تم نے میری آواز پر لبیک کیوں نہیں کہا؟ تو اس نے کہا اس لیے کہ مجھے آپ سے کوئی خوف و ڈر نہیں ہے، اور مجھے آپ کے عمدہ اخلاق کا علم ہے اس لیے میں نے سستی کی انہوں نے کہا: خدا کا شکر ہے کہ میرا غلام مجھ سے امن میں ہے۔

انہی کے متعلق یہ بھی مروی ہے کہ وہ ایک مرتبہ مسجد کی جانب نکلے تو ایک شخص نے انہیں برا بھلا کہا۔ ان کے غلاموں نے اسے مارنے پیٹنے کا ارادہ کیا، تو حضرت زین العابدین نے انہیں منع کر دیا، اور ان سے فرمایا: اس کو کچھ نہ کہو، اور پھر وہ اس شخص کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سے کہا، جناب میں تو اس سے بھی زیادہ بدتر ہوں جو آپ کہہ رہے ہیں اور میری جو خرابیاں تم کو معلوم نہیں ہیں، وہ ان سے زیادہ ہیں جو تمہیں معلوم ہیں، اور اگر تم چاہو تو میں انہیں تمہارے سامنے ذکر بھی کر سکتا ہوں، وہ شخص نہایت شرمندہ ہو گیا اور جھینپ گیا، پھر حضرت زین العابدین نے اپنا قمیص اتارا اور اس کو ایک ہزار درہم دینے کا حکم دیا، تو وہ آدمی یہ کہتا ہوا رخصت ہوا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ نوجوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد میں سے ہیں۔

اسی طرح ان کا یہ واقعہ بھی لکھا ہوا ہے کہ ان کا ایک غلام مٹی کے لوٹے سے ان کے اوپر پانی ڈال رہا تھا کہ لوٹا اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر حضرت زین العابدین کی ٹانگ پر گر کر ٹوٹ گیا جس سے ان کا پاؤں زخمی ہو گیا، تو ان کے غلام نے فوراً کہا۔ آقا من، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ))۔ اور دبا لیتے ہیں غصہ۔

تو حضرت زین العابدین نے فرمایا کہ میں نے تو اپنے غصے کو دبا لیا ہے، اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ))۔ اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں۔

تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ))۔ اور اللہ نیکی کرنے والوں کو چاہتا ہے۔

تو حضرت زین العابدین نے فرمایا کہ جاؤ تم اللہ کے لیے آزاد ہو۔

ج ۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: جب عیینہ بن حصین آئے تو اپنے بھتیجے حر بن قیس کے مہمان بنے جو حضرت عمر کے مقربین میں سے تھے، اس لیے کہ علماء حضرات خواہ وہ جوان ہوں یا

بوڑھے وہی امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اصحابِ مجلس اور اصحاب شوری تھے۔

عُیَیْنَہ نے حُر سے کہا کہ امیر المؤمنین سے میرے لیے حاضری کی اجازت لے لو، چنانچہ انہوں نے ان کے لیے اجازت لے لی، اور جب وہ ان کے پاس حاضر ہوئے تو انہوں نے کہا: کیا بات ہے اے خطاب کے بیٹے، بخدا نہ تو آپ ہمیں بہت زیادہ دیتے ہیں، اور نہ ہی ہمارے درمیان عدل وانصاف کرتے ہیں، حضرت عمر یہ سن کر ناراض ہوگئے اور انہوں نے ان کو سزا دینا چاہی۔

حُر نے کہا: اے امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہیں:

((خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾)). الاعراف - ۱۹۹	عادت کیجیے درگزر کی اور نیک کام کرنے کا حکم کیجیے، اور جاہلوں سے کنارہ کیجیے۔

اور یہ صاحب بھی جاہلوں میں سے ہیں، بخدا جب حضرت عمر نے یہ آیت سنی تو کچھ بھی نہ کہا اور وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق عمل کرنے والے تھے[1]

قرآنِ کریم کی آیات کے شانِ نزول کے بارے میں جو کچھ مروی ہے اس میں سے یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکر کے ایک قریبی رشتہ دار جن کا نام مسطح تھا وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زیرِ کفالت تھے، اور ان ہی کے رحم وکرم پر زندگی بسر کر رہے تھے، منافقوں نے واقعۂ افک کے موقعہ پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان میں جو غلط سلط الٹی سیدھی باتیں کہی تھیں اس بارے میں مسطح نے بھی بے اعتدالی کی، اور اسلام نے جو راستہ بتلایا ہے اس سے بھٹک گئے، اور رشتہ داری اور حسن سلوک اور اسلام سب کا حق بھول بیٹھے، جس سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سخت غصہ آیا اور انہوں نے یہ قسم کھالی کہ اپنے ان عزیز کے ساتھ قطعِ تعلق کرلیں گے اور ان کے ساتھ صلہ رحمی نہیں کریں گے، اس پر اللہ تعالیٰ کا درجِ ذیل فرمانِ مبارک نازل ہوا:

((وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوٓا أُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۗ أَلَا تُحِبُّوْنَ أَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾)). النور - ۲۲	اور جو لوگ تم میں بزرگی اور وسعت والے ہیں وہ قرابت والوں کو اور مسکینوں کو اور ہجرت فی سبیل اللہ کرنے والوں کو دینے سے قسم نہ کھا بیٹھیں، چاہیے کہ معاف کرتے رہیں اور درگزر کرتے رہیں، کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہارے قصور معاف کرتا رہے، بے شک اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے۔

٭ ٭ ٭

یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو معاف کردیا اور ان سے درگزر کرکے پہلے کی طرح پھر ان کو دینے لگے،

---

[1] امام بخاری نے اسے روایت کیا ہے۔

اور فرمایا مجھے یہ پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمادے۔

عفو و درگذر، چشم پوشی و تسامح وحلم وغیرہ عظیم اخلاق درحقیقت نتیجہ ہیں اس تربیت کا جو انہوں نے داعی اول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کی تھی اور آپ سے اخلاقِ عالیہ سیکھے تھے اور ان کی پیروی کی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین وارشادات پر عمل کیا تھا، حتی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شاندار توجیہات کی وجہ سے ان کے عادات واخلاق تسامح وچشم پوشی اور حلم وبردباری سے آراستہ ہوکر غلاموں اور بازاری لوگوں کے اخلاق سے برتر وبالا اور ان کے اچھے اوصاف خواص وعام کے اوصاف سے ممتاز ہو گئے تھے۔

امام ابوداؤد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((من كظم غيظاً وهو يستطيع أن ينفذه دعاه الله يوم القيامة على رؤس الخلائق حتى يخيره في أي الحور العين شاء)).

جو شخص اپنے غصے کو نافذ کرسکتا ہو لیکن پھر وہ اپنے غصے کو پی جائے تو اللہ تعالیٰ قیامت میں (اعزاز کے لیے) اس شخص کو تمام مخلوق کے سامنے بلائیں گے اور اس کو یہ اختیار دیں گے کہ جس بڑی آنکھوں والی حور کو چاہے پسند کرلے۔

اور امام طبرانی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتلاؤں جس سے اللہ تعالیٰ انسان کو عزت وشرف عطا فرماتے اور درجات بلند کرتے ہیں، صحابہ نے عرض کیا: جی ہاں اے اللہ کے رسول ضرور بتلایئے، آپ نے ارشاد فرمایا: جو شخص تمہارے ساتھ جہالت کیساتھ پیش آئے تم اس کے ساتھ بردباری سے پیش آؤ، اور جو تم پر ظلم کرے تم اس سے درگزر کرو، اور جو تمہیں محروم رکھے تم اسے دو، اور جو تمہارے ساتھ قطع رحمی کرے، تم اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔

اپنے بچوں کی نشوونما ہمیں حلم وچشم پوشی اور عفو ودرگزر کے ان اوصاف پر کرنا چاہیئے۔

۶۔ جرأت وبہادری یہ ایک ایسی عمدہ نفسیاتی قوت ہے جسے مؤمن ایک اکیلے معبود پر ایمان لانے کے عقیدہ اور جس حق کو اس نے قبول کیا ہے اور جس بقاء وخلود کا اسے یقین ہے اور جس تقدیر کے سامنے وہ سرِ تسلیم خم کرتا ہے۔ اور جس مسئولیت کو وہ محسوس کرتا ہے اور جس تربیت میں وہ نشوونما پاتا ہے اس سب کے ذریعے سے مؤمن اسے حاصل کرتا ہے۔

مؤمن کو اس اللہ کی ذات پر جتنا ایمان کامل ہوگا جس پر کوئی غالب نہیں آسکتا، اور وہ حق جو غلط نہیں ہوسکتا، اور وہ تقدیر جو بدل نہیں سکتی، اور وہ مسئولیت جس میں کمی نہیں آسکتی، اور وہ تربیت جس میں کوتاہی نہیں کی جاسکتی، جتنا اس کا ان چیزوں پر یقین ہوگا اس کا اتنا ہی حصہ جرأت وشجاعت اور کلمۂ حق کے اظہار کے سلسلہ میں ہوگا۔

یہ چیز ہمیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شخصیت میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ قوی

ایمان والے تھے بالکل نمایاں نظر آتی ہے، چنانچہ مختلف مواقع میں ان کا ایمان اتنی زبردست شکل میں ظاہر ہوا کہ حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ جیسے طاقتور اور سخت آدمی بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے: بخدا اگر حضرت ابوبکر کے ایمان کے ساتھ اس امت کے ایمان کا وزن کیا جائے تو حضرت ابوبکر کا ایمان راجح ہو جائے گا۔

حضرت ابوبکر کا موقف: جس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے کوچ فرما گئے تو اس دن تمام مسلمانوں پر بے خودی اور ذہول کی کیفیت طاری ہو گئی، اور اس حادثے وغم نے مسلمانوں کے ہوش وحواس گم کر دیے حتیٰ کہ روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا: جو شخص یہ کہے گا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرما گئے ہیں تو میں اپنی اس تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا۔

اس جیسے موقعہ پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر بلند آواز سے فرماتے ہیں: جو شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہو تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرما گئے ہیں، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ ایسی ذات ہے جو ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہے گی اسے کبھی بھی موت نہیں آئے گی، اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کا درج ذیل فرمانِ مبارک تلاوت کیا:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿١٤٤﴾﴾ آل عمران ۱۴۴	اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بہت رسول ہو چکے، پھر کیا اگر وہ وفات پا گئے یا مارے گئے تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے، اور جو کوئی الٹے پاؤں پھر جائے گا تو اللہ کا ہرگز کچھ نہ بگاڑے گا اور اللہ شکرگزاروں کو ثواب دے گا۔

اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا وہ موقف جو انہوں نے اس وقت اختیار کیا جب مسلمان حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے اس لشکر کے بھیجنے میں تردد سے کام لینے لگے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت سے پہلے شام کی جانب بھیجنے کے لیے تیار کر چکے تھے، چنانچہ لوگوں نے حضرت ابوبکر سے یہ مطالبہ کیا کہ اس لشکر کا بھیجنا موقوف کر دیں اسلیے کہ نہ معلوم کل کیا حوادث وآفات پیش آئیں، اور کل جب عرب قبائل وبستیوں والوں کو آپ صلی اللہ علیہ کی وفات کا علم ہوگا تو نہ معلوم ان کا کیا ردِ عمل ہوگا۔

لیکن عزم وثبات کے پیکر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں نہایت بردباری اور اولوالعزمی کے ساتھ جواب دیا اور فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں ابوبکر کی جان ہے اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ درندے مجھے جھپٹ لیں گے تب بھی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اسامہ کے لشکر کو ضرور بھیجتا، جو گرہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے خود اپنے دستِ مبارک سے لگائی ہے میں اس کو ہرگز نہیں کھول سکتا، اور اگر بستی میں میرے سوا اور کوئی بھی شخص باقی نہ

رہے تب بھی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کو ضرور نافذ کروں گا۔

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وہ موقف بھی جو انہوں نے مرتدوں اور زکاۃ اور اس کی ادائیگی سے انکار کرنے والوں کے ساتھ اس وقت اختیار کیا تھا جب زمانۂ جاہلیت کی عصبیت اس طرح کھل کر سامنے آگئی تھی جیسے کہ شیطانوں کے سینگ۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسلمانوں کی ایسی حالت تھی جیسے دنبوں بھیڑوں کی بارش والی رات میں افراتفری کی حالت ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس کا نقشہ کھینچا ہے، حتیٰ کہ بعض مسلمانوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا، اے اللہ کے رسول کے خلیفہ آپ تمام عرب سے جنگ نہیں کر سکتے۔ اس لیے اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے موت تک اپنے رب کی عبادت کرتے رہیے۔

لیکن خشوع و خضوع کرنے اور اللہ کے سامنے گڑگڑانے والے اس شخص نے جو بادِ نسیم کی طرح ہلکے پھلکے اور ریشم کی طرح نرم و نازک اور ماں کے دل کی طرح رحمدل تھے، چند منٹوں میں ایسی نرم و رفیق شخصیت سے ایک دم ایک ایسے شخص بن گئے جو سمندر کی طرح جوش مارنے والا اور شیر کی طرح دھاڑنے والا ہو۔ جو حضرت عمر سے چیخ کر کہتے ہیں: کیا تم زمانۂ جاہلیت میں بڑے سخت تھے اور زمانۂ اسلام میں بزدل ہو گئے؛ وحی مکمل ہو چکی ہے، کیا میری زندگی ہی میں دین میں کچھ کمی آسکتی ہے؟! بخدا اگر وہ اونٹ کی اس ایک رسی کے دینے سے بھی انکار کریں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے تو اس کی وجہ سے ان سے جنگ کروں گا۔ بخدا جب تک میرے ہاتھ میں تلوار ہے میں ان سے جنگ کرتا رہوں گا۔ یہ سنا تھا کہ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر کے سینے کو جنگ کے لیے کھول دیا، اور میں نے سمجھ لیا کہ یہ بالکل درست و حق فیصلہ ہے[1]

اسی لیے حق کے پیش کرنے کے سلسلہ میں جرأت ایک عظیم جہاد ہے، چنانچہ ابوداؤد و ترمذی و ابن ماجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((أفضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر)).	بہترین جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے۔

اسی لیے جو شخص کلمۂ حق کے لیے شہید ہو وہ سید الشہداء ہے حاکم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((سيد الشهداء حمزة بن عبد المطلب، ورجل قام إلى إمام جائر فأمره ونهاه فقتله)).	شہیدوں کے سردار حمزہ بن عبد المطلب ہیں اور وہ شخص جو ظالم حاکم کے سامنے کھڑے ہو کر اسے (حق کا) حکم دے اور (باطل سے) روکے اور وہ حاکم اسے قتل کر ڈالے۔

---

[1] ملاحظہ ہو استاذ یوسف قرضاوی کی کتاب "الایمان والحیاۃ" (ص ۲۷۰۔۲۷۷) تھوڑے سے تصرف کے ساتھ۔

اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ سے یہ عہد لیا کرتے تھے کہ وہ جہاں بھی ہوں حق بات کہیں، چنانچہ امام مسلم اپنی کتاب "صحیح" میں حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ وسلم کے ہاتھ پر تنگی اور آسانی، خوشی و مجبوری اور ہر حالت میں فرمانبرداری واطاعت پر بیعت کی خواہ ہم پر دوسروں کو ترجیح کیوں نہ دی جائے، اور اس بات پر بیعت کی کہ حکومت کے بارے میں حکام سے جھگڑا نہ کریں گے مگر یہ کہ ایسا کھلا ہوا کفر دیکھیں جس کے کفر ہونے پر صریح دلیل موجود ہو، اور اس بات پر بیعت کی کہ ہم حق بات کہیں گے خواہ جہاں بھی ہوں، اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے سلسلہ میں ہم کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہ کریں گے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو اپنے رب کے پیغام کو پہنچاتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، ارشادِ ربانی ہے:

((الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَ يَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا)). الاحزاب-۳۹	(یہ وہ لوگ ہیں) جو اللہ کے پیامات پہنچایا کرتے تھے اور اسی سے ڈرتے تھے، اور بجز اللہ کے کسی سے نہیں ڈرتے تھے، اور اللہ حساب کے لیے کافی ہے۔

اور اگر ہم یہ چاہیں کہ مسلمانوں کے جوانمردوں کے حالات کا تاریخ کے اوراق میں مطالعہ کریں تو ہمیں عظیم کارناموں اور بہادری کے مواقف سے لبریز اور اسلام اور دین حق کے لیے جرأت بھرے مواقف سے مالامال ایک بڑی کتاب ملے گی۔

ان مجاہدوں کے بہادرانہ مواقف و کارناموں میں سے چند یادگار مثالیں درج ذیل ہیں:

الف۔ العزبن عبدالسلام کے مواقف میں سے یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے مصر کے بادشاہ نجم الدین ایوب سے ایک ایسی مجلس میں جس میں حکومت کے بڑے بڑے سرکردہ لوگ موجود تھے یہ کہا: اے ایوب بتلایئے آپ اللہ کے سامنے اس وقت کیا دلیل پیش کریں گے جب وہ آپ سے یہ فرمائیں گے: کیا میں نے تمہیں مصر پر حکومت کے مواقع فراہم نہیں کیے اور تم نے پھر بھی شراب فروخت ہونے دی؟ تو انہوں نے کہا: کیا ایسا ہوا ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں، فلاں دکان میں شراب فروخت ہوتی ہے۔ اور وہاں منکرات کا ارتکاب کیا جاتا ہے، اور آپ اس حکومت کی نعمتوں میں مزے کررہے ہیں۔ تو بادشاہ نے کہا کہ اسے تو میں اپنے والد کے زمانے سے جانتا ہوں، تو العزبن عبدالسلام نے فرمایا: آپ ان لوگوں میں سے ہیں جو یہ کہیں گے:

((اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ)). الزخرف-۲۳	ہم نے تو اپنے باپ دادا کو ایک (خاص) طریقہ پر پایا ہے اور ہم انہی کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں۔

یہ سن کر بادشاہ نے فوراً اس دکان کے ختم اور بند کرنے کا حکم دے دیا۔

ب ۔ حضرت سلمہ بن دینار (جن کی کنیت ابو حازم تھی) حضرت معاویہ کے پاس جایا کرتے تھے اور فرماتے تھے: ملازم صاحب السلام علیک، لوگ جب ابو حازم کو یہ کہتے کہ وہ السلام علیک ایہا الامیر (اے امیر آپ پر سلامتی ہو) کہا کریں، تو وہ یہ کہنے سے انکار کر دیتے، اور پھر حضرت معاویہ کی طرف متوجہ ہو کر ان سے فرماتے: آپ اس امت کے ملازم ہیں، آپ کے رب نے آپ کو اس امت کی دیکھ بھال کے لیے ملازم رکھا ہے۔

ج ۔ لیجیے وہ مکالمہ بھی سُن لیجیے جو حضرت ابو حازم اور سلیمان بن عبدالملک کے درمیان ہوا تھا:

سلیمان نے کہا: اے ابو حازم ہم موت کو کیوں برا سمجھتے ہیں؟

انہوں نے کہا: اس لیے کہ آپ لوگوں نے اپنی آخرت کو خراب کر دیا ہے اور دنیا کو آباد کیا ہے۔ اس لیے آپ لوگوں کو یہ ناپسند ہے کہ آباد جگہ سے ویران جگہ کی طرف منتقل ہوں۔

سلیمان نے کہا: کل اللہ کے سامنے پیشی کیسے ہوگی؟

انہوں نے فرمایا: جو شخص اچھے کام کرنے والا ہوگا اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے کوئی مسافر طویل سفر کے بعد اپنے گھر پہنچے، اور بدکردار کی مثال ایسی ہوگی جیسے بھگوڑا غلام اپنے مولیٰ و آقا کے پاس واپس آجائے۔

سلیمان نے کہا: کون سی بات عدل وانصاف کے زیادہ قریب ہے؟

انہوں نے فرمایا: حق بات کہنا اس کے سامنے بھی جس سے انسان ڈرتا ہو اور اس کے سامنے بھی جس سے امید رکھتا ہو۔

سلیمان نے کہا: کونسا مؤمن زیادہ عقلمند و سمجھدار ہے؟

انہوں نے فرمایا: وہ شخص جو اللہ کی فرمانبرداری کرے اور لوگوں کی اس طرف رہنمائی کرے۔

سلیمان نے پوچھا: کون سا مؤمن زیادہ بڑا احمق ہے؟

انہوں نے فرمایا: وہ شخص جو اپنے ظالم بھائی کی خواہشات میں بہہ گیا ہو، اور اس نے اپنی آخرت دوسرے کی دنیا بنانے کے لیے خراب کر دی ہو۔

سلیمان نے پوچھا: اے ابو حازم کیا آپ ہماری رفاقت پسند کریں گے تاکہ آپ ہم سے فائدہ اٹھائیں اور ہم آپ سے؟

انہوں نے فرمایا: اعوذ باللہ۔

سلیمان نے پوچھا: ایسا کیوں؟

انہوں نے فرمایا: مجھے یہ ڈر ہے کہ میں تھوڑا سا آپ لوگوں کی طرف جھک جاؤں گا اور پھر اللہ تعالےٰ مجھے

زندگی اور موت کا دگنا عذاب دیں۔

سلیمان نے اٹھنے کا ارادہ کرتے ہوئے ان سے کہا: اے ابو حازم مجھے وصیت کیجیے۔

انہوں نے فرمایا: میں آپ کو نہایت مختصر وصیت کرتا ہوں اور وہ یہ کہ اپنے رب کی تعظیم کیجیے، اور اس سے بچیں کہ وہ آپ کو کسی ایسی جگہ دیکھے جہاں سے اس نے روکا ہے۔ یا آپ کو ایسی جگہ نہ پائے جہاں موجود ہونے کا اس نے حکم دیا ہے۔

ثابت قدمی و جرأت کی اس عظیم عادت پر ہمیں اپنے بچوں کی نشوونما کرنا چاہیے۔

یہ وہ اہم نفسیاتی اصول ہیں جنہیں دینِ اسلام مؤمن میں پیدا کرنے کی پوری جدوجہد کرتا ہے، اور یہ سب کے سب مسلمان شخصیت کی تعمیر میں مدد دیتے ہیں، اور یہ سب کے سب اس جانب اشارہ کرتے ہیں کہ اسلام افراد کی جو اجتماعی و معاشرتی تربیت کرنا چاہتا ہے اس کی ابتداء افراد کی صحیح تربیت اور اصلاح کے نقطہ سے ہونا چاہیے، اور ہر وہ تربیت یا اصلاح کی کوشش جو ان نفسیاتی اصولوں پر قائم نہیں ہوگی جن کی بنیاد اسلام نے رکھی ہے تو وہ ناکام ہو جائے گی اور ایسی صورت میں فرد کا معاشرہ سے تعلق مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ہوگا۔

اس لیے والدین اور تربیت کرنے والوں اور خصوصاً ماؤں پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنے بچوں کی نفوس میں ایمان و تقویٰ کے عقیدہ اور اخوت و محبت کی فضیلت اور رحم و ایثار و بردباری کے معانی کو راسخ کریں، اور حق کے بارے میں ان میں اقدام اور جرأت کی عادت اور اس کے علاوہ اور دوسرے عظیم نفسیاتی اصول پیدا کریں۔ تاکہ بچے جب بچپن سے آگے بڑھ کر جوان ہوں اور اس عمر کو پہنچ جائیں جو انہیں اس قابل بنا دے کہ وہ زندگی کے سمندر میں گھس سکیں تو وہ اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کو بغیر کسی سستی اور تردد و مایوسی کے ادا کر سکیں، اور پھر تمام ان حقوق کو ادا کریں جو ان پر دوسروں کے آتے ہیں نہ کسی کے حق کو ضائع کریں، نہ کسی فریضہ کے ادا کرنے میں تقصیر سے کام لیں، بلکہ ان کے تمام معاملات اور عادات و اخلاق اور لوگوں سے میل جول سب کا سب اس سب سے بلند و بالا ہو جو لوگوں نے دیکھا ہو یا جس کا خیالی دنیا میں تصور کیا جا سکتا ہو۔

اور تربیت کا جو نظام بھی ان نفسیاتی اصولوں اور تربیتی بنیادوں پر قائم نہیں ہوگا اس کی مثال ایسے درخت کی ہوگی جسے کوئی شخص سوکھتا اور زرد ہوتا دیکھے کہ اس کے پتوں کا علاج و اصلاح شروع کر دے اور اس درخت کی اس جڑ کی طرف قطعاً توجہ نہ دے جس کی اصلاح کی وجہ سے تمام درخت ٹھیک ہو سکتا ہے۔

اور نہایت وضاحت سے یہ بات سمجھ لیجیے کہ جو شخص قوم کی تربیت کا ذمہ دار ہے اگر اس کی تربیت ان مسلمہ نفسیاتی اصولوں پر قائم نہ ہو تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہوگی جو پانی پر لکھتا ہو، اور راکھ میں پھونک رہا ہو، اور بلا فائدہ گھاٹی میں چیخ رہا ہو۔

ثانیاً: دُوسروں کے حقوق کی پاسبانی

عظیم نفسیاتی اصولوں کے بیج بونے کی بحث کے ذیل میں ہم یہ ذکر کر چکے ہیں کہ اسلام نے بہترین تربیت کے قواعد کو ایسے عظیم نفسیاتی اصولوں پر قائم کیا ہے جن کا تعلق عقیدے سے ہے جو تقویٰ سے مربوط ہیں، جس کا مقصد یہ ہے کہ بہترین طریقے اور کامل طور پر افراد کی اجتماعی تربیت ہو تاکہ معاشرہ ایک دوسرے کے ساتھ اور باہمی ربط وضبط اور بہترین اخلاق و آداب اور باہمی محبت اور تعمیر و اصلاح کے لیے مفید و تنقید پر نشوونما پائے۔

اور ہم اس جانب پہلے اشارہ کر چکے ہیں کہ وہ اہم ترین اصول جن کی بنیاد پر باہمی معاشرہ کا تعامل قائم ہو وہ عقیدۂ ایمان و تقویٰ اور اخوت و محبت اور رحم ایثار اور بردباری کے بنیادی اصول اقدام و جرأت وحق گوئی کی عادت ہے۔

اور ہم نہایت تاکید سے یہ بیان کر چکے ہیں کہ اگر مربی اپنے بچوں میں بچپن ہی سے یہ نفسیاتی اصول راسخ نہیں کریں گے۔ تو وہ معاشرے میں یقیناً انحراف اور شذوذ اور بے اعتدالی کی راہ پر گامزن ہوں گے، بلکہ وہ معاشرہ کی عمارت ڈھانے، کمزور کرنے، اور اس میں مجرمانہ زندگی کے عام کرنے اور اس کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کا ذریعہ بنیں گے، اور ظاہر ہے کہ جب وہ اس فساد و انحراف میں نشوونما پائیں گے تو ان کو نہ کسی کی تربیت فائدہ پہنچائے گی نہ اصلاح وارشاد۔

ان کلماتِ تمہیدیہ کے بعد جس خلاصہ تک ہم پہنچتے ہیں وہ یہ ہے کہ معاشرے کے حقوق کی رعایت کرنا شاندار نفسیاتی اصولوں کے ساتھ کلی طور پر لازم ملزوم ہے، بلکہ بالفاظِ دیگر یوں سمجھنا چاہیے کہ نفسیاتی اصول معنی کی حیثیت رکھتے ہیں اور معاشرے کے حقوق کی رعایت ظاہر کی، اور چاہیں تو آپ یوں تعبیر کرلیں کہ پہلی چیز روح ہے اور دوسری جسم، لہٰذا پہلی چیز دوسری سے کسی صورت میں بھی مستغنی نہیں ہوسکتی ورنہ لاقانونیت انتشار اور اضطراب پھیل جائے گا۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ اہم معاشرتی حقوق کیا ہیں جن کی جانب بچے کی رہنمائی کرنا چاہیے اور اس کو ان کا حکم دینا چاہیے اور اس کی نشوونما انہی میں کرنا چاہیے تاکہ وہ ان کا عادی بن جائے اور اچھی طرح سے انہیں ادا کرسکے۔

ان حقوق میں سے اہم حقوق یہ ہیں:

۱۔ والدین کا حق۔

۲۔ رشتہ داروں کا حق۔

۳۔ پڑوسی کا حق۔
۴۔ استاد کا حق۔
۵۔ ساتھی کا حق۔
۶۔ بڑے کا حق۔

آئندہ صفحات میں ان تمام حقوق میں سے ہر حق پر ہم تفصیلی روشنی ڈالیں گے۔ تاکہ مربی بچوں کو شروع ہی سے ان کا عادی بنائیں اور ان میں یہ صفات وعادات سمودیں اور راسخ کردیں، اللہ ہی پر بھروسہ ہے اور وہی مددگار ہے۔

۱۔ والدین کا حق

مربی کا سب سے بڑا اور اہم ترین فریضہ یہ ہے کہ وہ بچے کو والدین کے حقوق سمجھائے، اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک ونیکی کرنے اطاعت وفرمانبرداری اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے اور ان کی خدمت اور ان کے بڑھاپے کا خیال رکھنے اور ان کے ساتھ زور سے بات نہ کرنے اور ان کے انتقال کے بعد ان کے لیے دعا کرنے وغیرہ فرائض وواجبات سکھائے، اور والدین کے ضروری آداب کا خیال رکھنے اور ان کے ادا کرنے کا پابند کرے۔

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کے سلسلہ میں ذیل میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی چند وصیتیں واحادیث ذکر کی جاتی ہیں، اس لیے والدین وتربیت کرنے والوں کو چاہیے کہ یہ احادیث اپنے بچوں کو بچپن سے ہی ذہن نشین کرائیں تاکہ وہ انہیں یاد کریں اور ان کے مطابق عمل کریں:

الف۔ اللہ کی رضامندی والدین کی خوشنودی میں مضمر ہے:

امام بخاری اپنی کتاب "الأدب المفرد" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ جس کے مسلمان والدین زندہ ہوں اور وہ ان کے ساتھ اجر وثواب کی نیت سے حسنِ سلوک کرے، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے (جنت کے) دو دروازے کھول دیتے ہیں، اور اگر ایک زندہ ہو تو ایک دروازہ کھل جاتا ہے۔ اور اگر ان دونوں میں سے ایک ناراض ہوجائے تو اللہ تعالیٰ اس شخص سے اس وقت تک راضی نہیں ہوتے جب تک اس کے والد اس سے راضی نہ ہوجائیں۔ پوچھا گیا کہ خواہ وہ اس پر ظلم کریں، تو آپ نے فرمایا، چاہے وہ اس پر ظلم کیوں نہ کریں۔

"سبل السلام" میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((رضی اللہ فی رضی الوالدین، وسخط اللہ فی سخط الوالدین))۔

اللہ تعالیٰ کی خوشنودی والدین کی رضامندی میں ہے، اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی والدین کی ناراضگی میں مضمر ہے۔

ب ۔ والدین کے ساتھ نیکی کرنا جہاد فی سبیل اللہ سے مقدم ہے:

امام بخاری رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک صاحب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، کیا میں جہاد میں شرکت کروں؟ تو آپ نے ان سے فرمایا: کیا تمہارے والدین حیات ہیں؟ انہوں نے کہا: جی ہاں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان دونوں کی خدمت میں جہاد کرو یعنی ان کی.... خدمت کرو۔

اور امام احمد ونسائی حضرت معاویہ بن جاہمہ سلمی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت جاہمہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول میں جنگ میں شریک ہونا چاہتا ہوں اور آپ سے مشورہ کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں، تو آپ نے ان سے پوچھا کہ کیا تمہاری والدہ زندہ ہیں؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں، تو آپ نے ارشاد فرمایا: ان کی خدمت کرو اس لیے کہ جنت ان کے پاؤں تلے ہے۔

اور امام مسلم رحمہ اللہ اپنی کتاب "صحیح" میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ایک صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں آپ کے دستِ مبارک پر ہجرت وجہاد پر بیعت کرتا ہوں، اور اللہ سے اجر وثواب کی امید رکھتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کیا تمہارے والدین میں سے کوئی زندہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ دونوں زندہ ہیں، تو آپ نے ارشاد فرمایا: کیا تم اللہ سے اجر کی امید رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا: جی ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے والدین کے پاس جاؤ اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرو۔

ج ۔ ان کے ساتھ حسنِ سلوک میں یہ بھی داخل ہے کہ ان کی وفات کے بعد ان کے لیے دعا کی جائے، اور ان کے دوستوں کا اکرام کیا جائے، تاکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے مندرجہ ذیل حکم پر عمل ہو:

((وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا ﴿۲۴﴾))۔

الاسراء۔ ۲۴

اور ان کے آگے کندھے جھکا کر عاجزی کر نیازمندی سے اور کہہ اے میرے رب ان پر رحم کر جیسا انہوں نے مجھ کو چھوٹا سا پالا۔

اور امام بخاری "الادب المفرد" میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میت کے مرنے کے بعد اس کا درجہ بڑھا دیا جائے گا تو وہ پوچھے گا: اے میرے رب ایسا کس وجہ سے ہوا ہے: اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے: اس لیے کہ تمہارے بیٹے نے تمہارے لیے استغفار کیا تھا۔

اور ابو داؤد، ابن ماجہ اور حاکم حضرت مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے پاس بنو سلمہ کے ایک صاحب آئے اور انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا والدین کی وفات کے بعد بھی میرے اوپر والدین کے ساتھ کوئی ایسی نیکی کرنا باقی رہتا ہے جو میں ان کے ساتھ کر سکوں؟ آپ نے فرمایا ہاں، ان کی نماز جنازہ پڑھنا اور ان کے لیے استغفار کرنا، اور ان کے عہد کو پورا کرنا، اور ان کے دوستوں کا اکرام کرنا، اور ان رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا جن کے ساتھ صلہ رحمی صرف ان کی وجہ سے کی جاتی ہے۔

اور یہ حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما ہمارے لیے نیک فرمانبردار بیٹے کی ایک یادگار مثل قائم کرتے ہیں اور یہ واقعہ ہمارے لیے حضرت عبداللہ دینار روایت کرتے ہیں (جیسا کہ اسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے) کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ایک صاحب مکہ کے راستہ میں ملے، تو حضرت عبداللہ نے انہیں سلام کیا اور ان کو اپنے ساتھ گدھے پر سوار کر لیا، اور ان کو وہ عمامہ دے دیا جو ان کے سر پہ بندھا ہوا تھا۔

ابن دینار کہتے ہیں کہ ہم نے ان سے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کی اصلاح کرے یہ تو بدو لوگ ہیں، اور یہ لوگ تو ذرا سی چیز پر راضی ہو جاتے ہیں، تو حضرت عبداللہ نے فرمایا: انکے والد میرے والد حضرت عمر بن الخطاب کے دوست تھے، اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: بہترین نیکی انسان کا اپنے والدین کے دوست کے ساتھ نیکی کرنا ہے۔

کتاب "مجمع الزوائد" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ بھی نیکی ہے کہ تم اپنے والد کے دوست کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

د ۔ حسن سلوک اور نیکی کرنے میں ماں کو باپ پر فوقیت دینا:

اس لیے کہ امام بخاری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول میرے اچھے برتاؤ کا کون زیادہ حقدار ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں، انہوں نے پوچھا کہ پھر کون ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: تمہاری ماں، انہوں نے پوچھا کہ پھر کون؟ آپ نے فرمایا کہ: تمہاری ماں، انہوں نے پھر پوچھا کہ پھر کون زیادہ حقدار ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہارے والد۔

اور حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں حضرت سلیمان بن بریدہ سے اور وہ اپنے والد بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب طواف کی حالت میں اپنی ماں کو اٹھائے ہوئے طواف کر رہے تھے تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا میں نے ان کا حق ادا کر دیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں اور نہ ایک آہ کے برابر بھی (یعنی عورت کو حمل و دردزہ کے وقت جو تکلیف پہنچتی ہے اور اس میں وہ شدت درد سے جو لمبی سانس کھینچتی ہے اس کا بھی حق نہیں ادا کر سکتے)۔

"مجمع الزوائد" میں حضرت بریدۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک صاحب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ایسی سخت گرمی کے موسم میں کہ اگر اس میں گوشت کا ٹکڑا ڈال دیا جائے تو وہ پک جائے ایسی گرمی میں میں نے اپنی والدہ کو اپنی گردن پر بٹھا کر (سولہ کیلومیٹر) سفر کرایا ہے تو کیا اس طرح سے میں نے ان کا حق خدمت ادا کر دیا؟ تو آپ نے فرمایا کہ ممکن ہے کہ ان کے دردزہ کے ایک درد کے برابر ہو جائے۔

اسلام نے ماں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کو باپ کے ساتھ حسنِ سلوک پر دو وجہ سے مقدم کیا ہے:

۱۔ ماں بچے کے حمل کے زمانے میں اور ولادت اور دودھ پلانے اور دیکھ بھال و تربیت کے سلسلہ میں باپ سے زیادہ مشقت برداشت کرتی ہے چنانچہ اس کا تذکرہ قرآنِ کریم میں صراحۃً ملتا ہے فرمایا:

((وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ)). لقمان ـ ۱۴	اور ہم نے انسان کو تاکید کی اس کے ماں باپ سے متعلق اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اس کا دودھ چھوٹتا ہے کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کیا کر میری ہی طرف واپسی ہے۔

اور ابھی کچھ پہلے ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان مبارک بھی سن چکے ہیں جو آپ نے اس شخص کے جواب میں فرمایا تھا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا تھا کہ میں نے اپنی والدہ کو اپنی گردن پر سفر کرایا ہے جس کے جواب میں آپ نے فرمایا تھا کہ ممکن ہے ایک دردزہ کے برابر ہو جائے۔

اس سلسلہ میں جو دلچسپ واقعات مذکور ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ ایک صاحب نے ایک اعرابی (بدو) کو جو اپنی ماں کو طواف کی حالت میں اٹھائے ہوئے تھا یہ کہتے سنا:

إني لها مطية لا أذعر	إذا الركاب نفرت لا أنفر
میں ان کے لیے ایک سواری ہوں ڈرتی نہیں	اور جب اور اونٹ بدک جائیں تو میں نہیں بدکتا

ما حملت و أرضعتني أكثر !!!! الله ربي ذو الجلال أكبر

انہوں نے جو مجھے حالت حمل میں اٹھائے رکھا اور پھر دودھ پلایا وہ بہت بڑا احسان ہے میرا رب ذو الجلال اللہ تعالیٰ بہت بڑا ہے

پھر وہ حضرت عبداللہ بن عباس کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے کہا: آپ کا کیا خیال ہے کیا میں نے ان کا حق ادا کر دیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا نہیں بخدا نہیں اور نہ ان کے دردزہ میں سے ایک دردزہ کے برابر بھی۔

۲۔ ماں جس میں فطرۃً محبت پیار وشفقت ہوتی ہے وہ باپ سے زیادہ رحم دل و دیکھ بھال و اہتمام کرنے والی ہوتی ہے بچہ جب ماں میں محبت رحم دلی اور ممتا کو دیکھتا ہے تو کبھی ماں کے حق میں تساہل برتنے لگتا ہے اس لیے شریعت مطہرہ نے بچے کو یہ وصیت کی کہ وہ ماں کے ساتھ زیادہ حسن سلوک کرے اور ان کی فرمانبرداری واطاعت کرے تاکہ ان کے حق میں تساہل نہ ہو اور ان کے ساتھ نیکی اور احترام اور ان کے اکرام میں کمی نہ ہو۔

ماں کی محبت وشفقت کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ بچہ خواہ کتنا ہی نافرمان اور ماں کا مذاق اڑانے والا اور اس سے روگردانی کرنے والا کیوں نہ ہو لیکن بچے پر جب کوئی مصیبت آپڑے یا کسی حادثہ کا شکار ہو جائے تو ماں تمام باتیں بھول جاتی ہے۔

ابو اللیث سمرقندی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں علقمہ نامی ایک نوجوان تھا وہ بیمار ہوا اور سخت بیمار ہو گیا تو اس سے کہا گیا کہ تم لاالٰہ الا اللہ پڑھ لو لیکن اس کی زبان ہی نہیں چلی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا تذکرہ کیا گیا، تو آپ نے پوچھا کہ کیا اس کے والدین زندہ ہیں؟ آپ کو بتلایا گیا کہ اس کے والد کا تو انتقال ہو چکا ہے لیکن اس کی ماں بڑی عمر کی اب بھی موجود ہے، آپ نے اس کو پیغام بھیجا وہ آگئی، آپ نے اس سے اس نوجوان کے احوال پوچھے، تو اس نے کہا: اے اللہ کے رسول وہ اتنی اتنی نمازیں پڑھتا تھا۔ اتنے اتنے روزے رکھتا تھا اور اتنے پیسے خرچ کرتا تھا جس کی مقدار وتعداد ہمیں معلوم نہیں ہے۔

آپ نے فرمایا: اس کا تمہارے ساتھ کیسا برتاؤ تھا اور تمہارا اس کے ساتھ کیا معاملہ تھا؟ اس عورت نے کہا: اے اللہ کے رسول میں اس سے ناراض ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ایسا کیوں ہے؟ اس نے کہا کہ وہ مجھ پر اپنی بیوی کو ترجیح دیتا تھا اور مختلف معاملات میں اس کی بات مانتا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((سخط أمه حجب لسانه عن شهادة أن لا إله إلا الله)). اس کی ماں کی ناراضگی نے اس کی زبان کو کلمۂ لاالٰہ الا اللہ کی شہادت دینے سے روک دیا ہے۔

پھر آپ نے فرمایا: اے بلال، جاؤ اور بہت سی لکڑیاں جمع کرو تاکہ میں اس نوجوان کو آگ میں جلا دوں، تو اس عورت نے کہا اے اللہ کے رسول: میرے بیٹے اور جگر گوشے کو آپ میرے سامنے آگ میں ڈال دیں گے؟ بھلا بتلائیے کہ میرا دل اسے کیسے برداشت کرلے گا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تمہیں یہ بات پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی

مغفرت کر دے تو تم اس سے راضی ہو جاؤ اس لیے کہ بخدا جب تک تم اس سے ناراض رہو گی اسے اس کی نماز و صدقہ کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچائے گا، چنانچہ اس عورت نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور کہا میں آسمان میں اللہ تعالیٰ کو اور اے اللہ کے رسول آپ اور تمام حاضرین کو اس بات کا گواہ بناتی ہوں کہ میں اس سے راضی ہو گئی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بلال جاؤ اور جا کر دیکھو کہ کیا علقمہ کلمہ لا إله الا الله پڑھنے پر قادر ہو گئے ہیں؛ اس لیے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ کے رسول سے شرم کی وجہ سے ان کی ماں نے وہ بات کہہ دی ہو جو ان کے دل میں نہ ہو، چنانچہ حضرت بلال گئے اور جب دروازے کے پاس پہنچے تو سنا کہ علقمہ لا الہ الا اللہ پڑھ رہے ہیں، اور پھر اسی روز ان کا انتقال ہو گیا اور ان کو غسل وکفن دے دیا گیا، نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور پھر قبر کے کنارے کھڑے ہو کر فرمایا: اے مہاجرین وانصار کی جماعت جو شخص بھی اپنی بیوی کو اپنی ماں پر ترجیح دے تو اس پر اللہ کی لعنت ہے، اور اس کی نہ نفلی عبادت قبول ہو گی نہ فرض۔ اس حدیث کو طبرانی وامام احمد نے کچھ دوسرے الفاظ سے روایت کیا ہے، مندرجہ بالا دونوں وجوہ کی وجہ سے ماں کے ساتھ حسن سلوک کرنا باپ سے حسن سلوک کرنے پر مقدم ہے

اس لیے معلمین اور تربیت کرنے والوں کو یہ بات سمجھ اور جان لینا چاہیے تاکہ اپنے اہم اور بڑے فریضہ سے سبکدوش ہو سکیں جو یہ ہے کہ بچے کو نیکی وحسنِ سلوک کی حقیقت سمجھائیں اور ماں سے نرمی کا برتاؤ کرنے اس کی دیکھ بھال کرنے اور اس کے حقوق پورے کرنے کی تلقین کریں۔

۵ - والدین کے ساتھ نیکی وحسن سلوک کرنے کے آداب

تربیت کرنے والوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں کو ماں باپ کے ساتھ رہن سہن کے آداب سکھائیں جو اس ترتیب سے ہیں کہ: ان کے آگے نہ چلیں، اور ان کو ان کا نام لے کر نہ پکاریں، اور ان سے آگے بڑھ کر نہ بیٹھیں، اور ان کی نصیحت سے تنگ دل نہ ہوں، اور اس کھانے کو نہ کھائیں جس پر ان کی نظریں ہوں، اور ان سے اونچی جگہ پر نہ بیٹھیں اور ان کے حکم کی خلاف ورزی نہ کریں۔

ان آداب کی رعایت کرنے کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا درجِ ذیل فرمان بنیاد واساس ہے:

((وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰـهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا	اور تمہارا رب حکم کر چکا کہ نہ پوجو اس کے سوائے، اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو، اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائے تو ان کو ہوں نہ کہو اور نہ ان کو جھڑکو، اور ان سے ادب کی بات کہو، اور ان کے سامنے کندھے جھکا دو عاجزی

كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا ﴿۲۴﴾)). الاسراء-۲۳ و ۲۴ — کر کے نیاز مندی سے اور کہو اے رب ان پر رحم فرما جیسا انہوں نے مجھ کو چھوٹا سا پالا۔

اسی طرح نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کا یہ فرمانِ مبارک

((ما بر أباہ من سدد إلیہ الطرف بالغضب)). — اس شخص نے اپنے والد کیساتھ نیکی نہیں کی جس نے ان کی طرف غصہ سے دیکھا۔

مجمع الزوائد ج ۸

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک صاحب آئے ان کے ساتھ ایک بوڑھے آدمی بھی تھے، آپ نے ان سے پوچھا یہ تمہارے ساتھ کون صاحب ہیں؟ انہوں نے کہا: میرے والد ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا:

((فلا تمش أمامہ، ولا تجلس قبلہ، ولا تدعہ باسمہ، ولا تستسب لہ)). — پھر تو تم ان کے آگے مت چلو، اور نہ ان سے پہلے بیٹھو اور نہ ان کو ان کا نام لے کر پکارو، اور نہ ان کو گالی دلانے کا ذریعہ بنو۔

مجمع الزوائد (ج ۸-۱۳۶)

ذیل میں سلفِ صالحین کے کچھ ایسے واقعات پیش کیے جاتے ہیں جن کا تعلق والدین کے ساتھ مندرجہ بالا آداب ملحوظ رکھنے اور ان کی پابندی کرنے سے ہے:

- "عیون الاخبار" کے مصنف نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ عمر بن زید سے پوچھا گیا کہ آپ کے بیٹے نے آپ کے ساتھ کیا حسنِ سلوک کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: میں دن میں کبھی نہیں چلا مگر وہ میرے پیچھے ہوتا تھا، اور رات میں وہ میرے آگے ہوتا تھا، اور وہ اس چھت پر کبھی نہیں چڑھا جس کے نیچے میں بیٹھا ہوں۔
- مجمع الزوائد کے مصنف نے یہ قصہ لکھا ہے کہ ابو غسان ضبی فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ حرہ (کالے سنگریزے والی جگہ) میں چل رہا تھا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے میری ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا: یہ کون صاحب ہیں؟ میں نے کہا یہ میرے والد ہیں۔ تو انہوں نے فرمایا کہ اپنے والد کے آگے مت چلو ان کے پیچھے چلو، یا ایک جانب کنارہ پہ، اور اپنے اور ان کے درمیان کسی کو حائل نہ بننے دو۔ اور اپنے والد کے مکان کی چھت پر نہ چلو اور اس ہڈی کو نہ کھاؤ جس کی جانب تمہارے والد نے دیکھا ہو اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ انہیں وہ مرغوب ہو۔
- عیون الاخبار میں لکھا ہے کہ خلیفہ مامون رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے فضل بن یحییٰ سے زیادہ کسی کو اپنے والد کے ساتھ حسنِ سلوک اور نیکی کرتے نہیں دیکھا، وہ اپنے والد کے نہایت فرمانبردار و مطیع تھے، ان کے والد گرم پانی سے وضو کیا کرتے تھے۔ دونوں باپ بیٹے ایک مرتبہ جیل میں تھے، ایک سردی کی رات میں دربانوں نے ان کو لکڑیاں لے جانے سے روک

دیا جب ان کے والد یحییٰ بستر پر دراز ہو گئے تو فضل اس برتن کے پاس گئے جس میں پانی گرم کیا جاتا تھا اور اس کو پانی سے بھرا پھر اسے چراغ کی لو کے قریب کر دیا، اور صبح تک اسے ہاتھ میں پکڑے کھڑے رہے، یہ نیک کام انہوں نے اس لیے کیا تاکہ ان کے والد گرم پانی سے وضو کر سکیں۔

✿ صالح عباسی ایک مرتبہ خلیفہ منصور کی مجلس میں حاضر ہوئے ان کی عادت یہ تھی کہ یہ جب منصور سے بات چیت کرتے تو کثرت سے یہ کہا کرتے تھے میرے والد رحمہ اللہ، تو منصور کے دربان ربیع نے ان سے کہا: آپ امیر المؤمنین کے سامنے اتنی کثرت سے اپنے والد پر رحم کی دعا نہ کیا کریں، تو انہوں نے فرمایا اس بات کے کہنے پر میں تمہیں قطعاً ملامت نہیں کروں گا، اس لیے کہ تم نے والدین کی حلاوت و محبت کا مزہ ہی نہیں چکھا، یہ سن کر منصور مسکرا دیے اور فرمایا یہ اس شخص کی سزا ہے جو بنو ہاشم کی عیب جوئی کرے۔

✿ اور ابن حبان اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ میرے والد مجھ پر زور دیتے رہے حتیٰ کہ میری شادی کرادی، اور اب وہ مجھے بیوی کو طلاق دینے کا حکم دے رہے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ میں تو تمہیں یہ حکم نہیں دے سکتا کہ تم اپنے والدین کی نافرمانی کرو اور نہ تمہیں یہ حکم دیتا ہوں کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو، البتہ اگر تم چاہو تو تمہیں وہ حدیث سُنا دوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ: والد جنت کے دروازوں میں سے درمیانہ دروازہ ہے، تم چاہو تو اس دروازے کی حفاظت کرلو اور چاہو تو چھوڑ دو، راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ عطاء نے فرمایا کہ تم اسے طلاق دے دو۔

ابن ماجہ اور ترمذی کی روایت میں یہ آتا ہے کہ ایک صاحب حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ میری ایک بیوی ہے اور میری والدہ مجھے حکم دے رہی ہیں کہ میں اسے طلاق دے دوں، تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا کہ آپ نے فرمایا کہ والدہ جنت کے دروازوں میں سے بیچ کا دروازہ ہے پس اگر تم چاہو تو اسے ضائع کردو اور اگر چاہو تو اس کی حفاظت کرلو۔

✿ اور ابن ماجہ اور ابن حبان اپنی کتاب صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میرے نکاح میں ایک عورت تھی جو مجھے پسند تھی لیکن میرے والد حضرت عمر کو وہ ناپسند تھی، تو انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ اسے طلاق دے دو تو میں نے اس سے انکار کر دیا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ آپ سے ذکر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اسے طلاق دے دو۔

و ۔ نافرمانی وعقوق سے ڈرانا :

عقوق کے معنٰی نافرمانی اور مخالفت کرنے اور حقوق ادا نہ کرنے کے ہیں... جس میں غصے کے وقت لڑکے کا باپ کی طرف تیز نگاہوں سے دیکھنا بھی داخل ہے۔

عقوق ونافرمانی میں یہ بھی داخل ہے کہ لڑکا اپنے آپ کو باپ کے برابر و مساوی سمجھے۔

نافرمانی اور عقوق میں یہ بھی داخل ہے کہ لڑکا والدین کے ہاتھ چومنے کو برا سمجھے یا ان کے احترام میں کھڑا نہ ہو۔

اور عقوق میں یہ بھی داخل ہے کہ لڑکا دھوکے اور خود فریبی کا شکار ہو جائے اور وہ والد کا تعارف کرانے سے شرمائے خصوصًا ایسی صورت میں جب کہ لڑکا کسی بڑے منصب وعہدہ پر فائز ہو۔

اور نافرمانی میں یہ بھی داخل ہے کہ لڑکا اپنے ضرورت مند والدین کے نان نفقہ کا خیال نہ کرے اور وہ اس پر دعوٰی کرنے پر مجبور ہو جائیں تاکہ قاضی ان کا نان نفقہ لڑکے پر لازم کر دے۔

اور سب سے بڑی نافرمانی یہ ہے کہ لڑکا والدین کے کام پر ناک بھوں چڑھائے، اف کرے اور اس سے تنگ دل ہو، اور اپنی آواز ان سے اونچی کرے اور ان کی شان میں گستاخی کرے، سخت و سُست جملے کہے، یا ان کی توہین کرے اور بُرا بھلا کہے اور ان کی شخصیت کو مجروح کرے۔

اس لیے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عقوق ونافرمانی سے ڈرائیں اور یہ تبلائیں کہ نافرمان پر کتنا بڑا گناہ اور بوجھ ہوتا ہے، اور اس کی نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں، اور دنیا وآخرت میں اس کا بدلہ اس کو ضرور ملتا ہے تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔

امام بخاری ومسلم حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں سب سے بڑا گناہ نہ تبلاؤں، تین بار آپ نے یہ فرمایا؛ ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی کرنا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگائے ہوئے تھے تو سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور پھر فرمایا: اور ہاں جھوٹ بات اور جھوٹی گواہی، اور پھر آپ بار بار اسے دہراتے رہے حتّٰی کہ ہم نے کہا کہ کاش آپ خاموش ہو جاتے اور بار بار کہنے کی زحمت نہ اُٹھاتے۔

اور امام احمد ونسائی وبزار وحاکم حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(ثلاثة حرم الله تبارك وتعالى عليهم الجنة : مدمن الخمر والعاق لوالديه،	تین آدمی ایسے ہیں جن پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنت حرام کردی ہے: شراب پینے پر مداومت کرنے والا،

والدیوث الذی یقر الخبث فی اَھلہ))۔ اور اپنے والدین کی نافرمانی کرنے والا، اور وہ دیوث شخص جو اپنی بیوی میں بدکرداری کو برقرار رکھے۔

٭ ٭ ٭ ٭

اور امام بخاری و مسلم حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((من الکبائر شتم الرجل والدیہ))۔ کبیرہ گناہوں میں سے یہ بھی ہے کہ انسان اپنے والدین کو گالی دے۔

٭ ٭ ٭ ٭

پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول: کیا کوئی شخص اپنے والد کو بھی گالی دیتا ہے! آپ نے ارشاد فرمایا: جی ہاں کسی دوسرے آدمی کے باپ کو گالی دے اور وہ پھر اس کے والد کو گالی دے، اور دوسرے کی ماں کو گالی دے تو وہ اس کی ماں کو گالی دے

اور امام احمد وغیرہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دس کلمات کے ذریعہ وصیت کی، فرمایا: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت کرنا چاہے تمہیں قتل کر دیا جائے اور جلا ڈالا جائے، اور والدین کی نافرمانی نہ کرنا چاہے وہ تمہیں یہ حکم کیوں نہ دیں کہ تم اپنے مال اور اہل و عیال کو بھی چھوڑ دو . . .

اور حاکم اور اصبہانی حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمام گناہوں کی سزا اللہ تعالیٰ روز قیامت تک جب تک چاہتے ہیں مؤخر فرماتے رہتے ہیں سوائے والدین کی نافرمانی کے۔ کہ اللہ تعالیٰ والدین کی نافرمانی کرنے والے کی سزا اس کو مرنے سے قبل دنیا ہی میں دے دیتے ہیں۔

اور اس سے قبل ہم حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث "نیکی کرنے میں باپ پر ماں کو مقدم کرنا" والی بحث کے ذیل میں ذکر کر چکے ہیں، لہٰذا اگر والدین کی نافرمانی کا نتیجہ و سزا دیکھنا ہو تو اسے ملاحظہ فرما لیجیے۔

اور اصبہانی وغیرہ ابوالعباس اصم سے وہ حضرت عوام بن حوشب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ ایک بستی میں اترا جس کے ایک طرف ایک مقبرہ تھا، عصر کے بعد ایک قبر شق ہو گئی اور اس میں سے ایک ایسا شخص نکلا جس کا سر گدھے کے سر کی طرح تھا اور باقی جسم انسان کے جسم کی طرح تھا، اس نے تین مرتبہ گدھے کی سی آواز نکالی اور پھر قبر اس پر بند ہو گئی۔

اچانک کیا دیکھا کہ ایک بڑھیا بال یا اون کات رہی ہے، ایک عورت نے کہا تم اس بڑھیا کو دیکھ رہے ہو؟ میں نے پوچھا: اس کو کیا ہو گیا ہے؟ اس نے کہا: یہ اس کی ماں ہے، میں نے پوچھا اس کا کیا قصہ ہے؟ اس نے کہا کہ یہ لڑکا شراب پیا کرتا تھا جب یہ واپس آتا تو اس کی ماں اس سے کہتی: بیٹے اللہ سے ڈرو تم کب تک شراب پیتے رہو گے؟ تو وہ اس سے کہتا: تم تو اس طرح چیختی ہو جس طرح گدھا چیختا ہے، اس نے کہا کہ پھر وہ عصر کے بعد مر گیا، وہ عورت کہتی ہے کہ اس کی قبر روزانہ عصر کے بعد شق ہوتی ہے اور وہ لڑکا تین مرتبہ گدھے کی آواز نکالتا ہے اور پھر قبر اس

پر بند ہو جاتی ہے۔

یہ وہ اہم بنیادیں ہیں جن پر تربیت کرنے والوں کو اپنے بچوں کی نشو ونما کرنا چاہیئے اور انہیں یہ سکھانا چاہیے تاکہ بچہ تدریجاً نیکی کی راہ پر چلے اور شروع ہی سے والدین کے حق کو پہچان لے۔

اور جب بچہ بچپن ہی سے ان حقوق کو صحیح طور سے اسلام کی منشا کے مطابق ادا کرے گا تو ظاہر بات ہے کہ رشتہ داروں، پڑوسیوں اور استاذ وغیرہ کے حقوق بدرجہ اولی صحیح طور سے ادا کرے گا، اس لیے کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی عادت ہی تمام معاشرتی اچھائیوں کی جڑ ہے، اس لیے کہ جس بچے کی نیک کام کرنے اور والدین کے احترام کی عادت ہوگی اس کے لیے پڑوسیوں کا احترام بڑوں کی قدر و منزلت کا خیال رکھنا اور استاذ کی تعظیم اور تمام لوگوں کا احترام کرنا آسان ہوگا۔

ان تمام وجوہ کی وجہ سے میں والدین کے حقوق پر دوسرے ان تمام معاشرتی واجتماعی حقوق کی بنسبت زیادہ روشنی ڈالوں گا جن کی تفصیل آئندہ آئے گی، اس لیے کہ والدین کے ساتھ نیکی کرنے کی عادت تمام اچھائیوں وفضائل کی بنیاد ہے، بلکہ تمام وہ حقوق کا جو معاشرہ میں پائے جاتے ہیں ان کی حقیقت و مبدأ و مرکز ہی یہ ہی ہے۔

گذشتہ ذکر کی ہوئی تفصیل کی روشنی میں جو اہم اصول اور بنیادی باتیں سامنے آئی ہیں جن کا بچوں کو سکھانا ضروری ہے انہیں ہم تربیت کرنیوالوں کے سامنے پیش کرتے ہیں:

۱۔ والدین کے ہر حکم کی اطاعت کرنا اور اسے بجالانا سوائے اس حکم کے جو اللہ کی نافرمانی کا موجب ہو۔
۲۔ ان سے نرمی واحترام سے خطاب کرنا۔
۳۔ جب وہ داخل ہوں تو ان کے احترام کے لیے کھڑا ہونا۔
۴۔ صبح وشام اور دیگر مواقع پر ان کے ہاتھ چومنا (عربوں میں والدین واساتذہ کے ہاتھ اور پیشانی چومنے کا رواج ہے)۔
۵۔ ان کی عزت وشہرت، نام ونمود اور شرافت ومال کی حفاظت کرنا۔
۶۔ ان کا اکرام کرنا اور جو وہ طلب کریں وہ ان کو دینا۔
۷۔ تمام امور اور مختلف کاموں میں ان سے مشورہ کرنا۔
۸۔ ان کے لیے کثرت سے دعاء واستغفار کرنا۔
۹۔ اگر ان کا کوئی مہمان آجائے تو دروازے کے قریب بیٹھنا اور ان کی نظر کا خیال رکھنا تاکہ اگر وہ کسی چیز کا چپکے سے حکم دیں تو اسے بجالاسکے۔

۱۰۔ خود بخود ان کے حکم کے بغیر ایسے کام کرنا جو انہیں خوش کرنے والے ہوں۔
۱۱۔ ان کے سامنے زیادہ زور سے بات نہ کرنا۔
۱۲۔ جب وہ بات کرتے ہوں تو ان کی بات نہ کاٹنا۔
۱۳۔ ان کی اجازت کے بغیر گھر سے نہ نکلنا۔
۱۴۔ جب وہ سوئے ہوئے ہوں تو ان کو پریشان نہ کرنا۔
۱۵۔ بیوی بچوں کو ان پر ترجیح نہ دینا۔
۱۶۔ اگر ان کا کیا ہوا کوئی کام پسند نہ ہو تو اس پر ان کو ملامت نہ کرنا۔
۱۷۔ ان کے سامنے بلا وجہ نہ ہنسنا۔
۱۸۔ برتن میں ان کے سامنے سے نہ کھانا۔
۱۹۔ کھانے میں ان کے ابتدا کرنے سے پہلے خود ابتدا نہ کرنا۔
۲۰۔ اگر وہ بیٹھے ہوں تو ان کے سامنے سونے اور لیٹنے سے بچنا چاہیے مگر یہ کہ وہ اجازت دے دیں۔
۲۱۔ ان کے سامنے ٹانگیں پھیلا کر نہ بیٹھنا۔
۲۲۔ ان سے پہلے کسی جگہ داخل نہ ہونا اور ان سے آگے نہ چلنا۔
۲۳۔ اگر وہ پکاریں تو ان کی آواز پر فوراً لبیک کہنا۔
۲۴۔ ان کے ساتھیوں اور دوستوں کا اکرام کرنا ان کی زندگی میں بھی اور ان کے مرنے کے بعد بھی۔
۲۵۔ ایسے شخص کے ساتھ نہ رہنا جو اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک نہ کرتا ہو۔
۲۶۔ ان کے لیے دعا کرنا خصوصاً ان کی وفات کے بعد اس لیے کہ انہیں اس سے فائدہ پہنچتا ہے اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کا درج ذیل فرمان پڑھنا:

«رب ارحمهما كما ربياني صغيرا»۔ اے میرے پروردگار ان پر اسی طرح رحم فرمائیے جس طرح میرے بچپن میں انہوں نے میری پرورش کی۔

٭ ٭ ٭ ٭

۲۔ رشتہ داروں کا حق

رشتہ داروں سے مراد وہ افراد ہیں جن سے نسب و رشتہ کی وجہ سے تعلق ہو اور ان کی ترتیب یہ ہے: والدین، دادا دادیاں، بھائی بہن، چچا چچیاں، بھائی کی اولاد، بہن کی اولاد، ماموں ممانیاں، پھر وہ رشتے دار جن کا درجہ ان کے بعد آتا ہے۔ قریب سے قریب تر کے لحاظ سے، ان رشتہ داروں کو شریعت نے ارحام (قرابت دار) دو وجہ سے کہا ہے:

۱۔ اس لیے کہ رحم رحمن سے مشتق ہے، اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں نہایت تاکید سے بیان کیا

ہے جسے ابوداؤد و ترمذی نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا: اللہ جل شانہ ارشاد فرماتے ہیں کہ :

((أنا الله وأنا الرحمٰن خلقت الرحم وشققت لها اسماً من اسمي، فمن وصلها وصلته ومن قطعها قطعته)).	میں اللہ ہوں اور میں رحمٰن ہوں میں نے رحم (رشتہ داری) کو پیدا کیا اور اس کا نام اپنے نام سے بنایا، لہٰذا جو اسے جوڑے گا اور صلہ رحمی کرے گا میں اس کی حاجت پوری کروں گا، اور جو قطع رحمی کرے گا میں اس کو قطع کردوں گا۔

☆ ☆ ☆ ☆

اور ظاہر ہے کہ رحم (رشتہ داری) کا اللہ کے نام سے مشتق ہونا ہی اپنے عزیز و اقارب کے حق میں شفقت و رحمت اور الفت و محبت کا باعث ہے۔

۲۔ قرابت اس جگہ سے منتقل ہوئی ہے جس کی طرف انسان کی نسبت ہے اور اسی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلہ رحمی کے واجب ہونے اور قطع رحمی سے بچانے کے سلسلہ میں مدنظر رکھا ہے۔

اور بلا شبہ یہ ایک ایسی چیز ہے جو قرابت داری کے جذبہ کو گہرائیوں سے حرکت دیتی ہے، اور بلند ترین برادرانہ جذبات و احساسات کو ابھارتی ہے۔

ان حقائق کے کھل کر سامنے آجانے کے بعد تربیت کرنے والوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ عملی میدان میں وہ خوب جدوجہد اور محنت کریں تاکہ جب بچہ سنِ شعور کو پہنچے تو اس وقت سے قرابت داروں اور رشتہ داروں کے حقوق اس کو ذہن نشین کرا دیے جائیں تاکہ بچے کی طبیعت میں دوسروں کے ساتھ مل بیٹھنے کی عادت فطرت بن جائے اور اس کی گھٹی میں ان لوگوں کی محبت پڑ جائے جو اس سے رشتہ داری اور نسب کا رابطہ رکھتے ہیں، تاکہ بچہ جب بڑا ہو اور اس کی عقل پختہ ہو جائے تو ان حضرات کے ساتھ جو احسان اور محبت کرنا چاہیئے وہ کر سکے اور بڑوں کا ـــــ احترام اور چھوٹوں پر شفقت کرے، اور اگر ان پر کوئی مصیبت آن پڑے تو غم کی وجہ سے اس پر آنسو بہائے، اور ان کی خستہ حالی اور مصیبت کے وقت ان کے ساتھ احسان کرے اور ان کی امداد کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرے، اور یہ بات اسوقت تک نہیں ہو سکتی جب تک بچے کو یہ اچھے اخلاق سکھا نہ دیے جائیں اور ان فضائل و مکارم کا عادی نہ بنا دیا جائے۔

ایسی صورت میں جب ہم کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور ان آیات کو پڑھتے ہیں جو صلہ رحمی پر ابھارتی اور قرابت داروں کے ساتھ احسان و بھلائی کا حکم دیتی ہیں تو اس پر ہمیں ذرہ تعجب بھی نہیں ہوتا، تربیت کرنے والوں کے لیے ہم ان آیات میں سے چند آیات پیش کرتے ہیں :

((وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ، اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ○)) النساء:۱	اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے واسطے سے آپس میں سوال کرتے ہو۔ اور قرابت داروں سے خبردار

رہو، اور بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے۔

÷ ÷ ÷

اور فرمایا:

((وَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا))۔ بنی اسرائیل۔۲۶

اور دے قرابت والے کو اس کا حق اور محتاج کو اور مسافر کو اور بیجا مت اڑا۔

اور فرمایا:

((وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى))۔ النساء۔۳۶

اور بندگی کرو اللہ کی اور شریک نہ کرو کسی کو اس کا اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور قرابت والوں کے ساتھ اور یتیموں اور فقیروں اور ہمسایہ قریب کے ساتھ۔

اور اس کے مقابلہ پر قرآن کریم قطع رحمی سے ڈراتا ہے، اور اس قطع تعلق کو بغاوت اور زمین پر ایسا فساد قرار دیتا ہے جس کا کرنے والا لعنت اور برے گھر کا مستحق ہوتا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

((وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ))۔ الرعد۔۲۵

اور جو لوگ اللہ کا عہد توڑتے ہیں مضبوط کرنے کے بعد اور قطع کرتے ہیں اس چیز کو جس کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے برا گھر ہے۔

نیز ارشاد فرمایا:

((فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ۝))۔ محمد۔۲۲ و ۲۳

اگر تم کنارہ کش رہو تو آیا تم کو یہ احتمال بھی ہے کہ تم لوگ دنیا میں فساد مچا دو گے اور آپس میں قطع قرابت کر لو گے یہی لوگ تو ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے سو انہیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے۔

جب یہ اس شخص کا انجام اور سزا ہے جو اپنے رشتہ داروں سے ظالمانہ اور معاندانہ سلوک کرتا ہے تو ایسی صورت حال میں تربیت کرنے والوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ جن کی تربیت ان کے ذمہ ہے وہ ان کے سامنے قطع رحمی کے انجام اور اس پر جو برے نتائج مرتب ہوتے ہیں ان کو بیان کریں، اسی طرح ان کو وہ ثمرات وفوائد بھی بیان کرنا چاہیئے جو صلہ رحمی اور قرابت داری کے حقوق ادا کرنے پر حاصل ہوتے ہیں۔

تربیت کرنے والوں کیلیے ہم صلہ رحمی کے وہ شاندار نتائج وعظیم ثمرات پیش کرتے ہیں جن کی نشاندہی مربی اول نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے تاکہ ان کو آپ لوگ اپنی اولاد کے سامنے بیان کریں اور ان کو ان کی تعلیم دیں جن کی تربیت آپ کے ذمے ہے:

● صلہ رحمی اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لانے کا شعار اور طرۂ امتیاز ہے اس لیے کہ امام بخاری و مسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليكرم ضيفه	جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے
ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليصل رحمه	اور جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ صلہ رحمی کرے
ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر	اور جو شخص اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہو
فليقل خيرًا أو ليصمت)).	اسے چاہیے کہ اچھی بات کہے ورنہ پھر خاموش رہے۔

● صلہ رحمی عمر کو بڑھاتی اور رزق میں برکت دیتی ہے، اس لیے کہ امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

((من أحب أن يبسط له في رزقه	جو شخص یہ پسند کرے کہ اس کا رزق بڑھا دیا جائے
وينسأ له في أثره فليصل رحمه)).	اور اس کی عمر دراز کر دی جائے تو اسے چاہیے کہ صلہ رحمی کرے۔

● صلہ رحمی بری موت سے بچاتی ہے، اس لیے کہ ابو یعلیٰ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((إن الصدقة وصلة الرحم يزيد الله بهما في العمر	صدقہ اور صلہ رحمی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ عمر بڑھا دیتے ہیں اور بری موت سے بچاتے ہیں
ويدفع بهما ميتة السوء، ويدفع بهما المكروه والمحذور)).	اور ان کے ذریعے ہر بری اور تکلیف دہ چیز دور فرما دیتے ہیں۔

● صلہ رحمی سے بستیاں آباد ہوتی ہیں اور مال بڑھتا ہے اس لیے کہ طبرانی اور حاکم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

((إن الله يعمر بالقوم الديار، ويثمر لهم الأموال	اللہ تعالیٰ قوموں کے گھروں کو آباد کرتا ہے اور انکے مال کو بڑھاتا ہے
وما نظر إليهم منذ خلقهم بغضًا لهم	اور ان کی پیدائش سے ان کی طرف بغض کی نگاہ سے نہیں دیکھا
قيل: وكيف ذاك يارسول الله؟	پوچھا گیا اے اللہ کے رسول ایسا کیوں ہوا؟
قال: ((بصلتهم الرحم)).	فرمایا: ان کی صلہ رحمی کی وجہ سے۔

● صلہ رحمی گناہوں کی مغفرت اور غلطیوں کا کفارہ بنتی ہے اس لیے کہ ابن حبان اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: میں نے ایک بہت بڑا گناہ کیا ہے، کیا میرے لئے توبہ کا کوئی راستہ ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: کیا تمہاری والدہ زندہ ہیں۔ انہوں نے

کہا: جی نہیں، آپ نے فرمایا: کیا تمہاری خالہ حیات ہیں؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ان کے ساتھ حسنِ سلوک اور نیکی کرو۔

● صلہ رحمی حساب کتاب کو آسان کرتی ہے اور اس کے کرنے والے کو جنت میں داخل کرتی ہے۔ اس لیے کہ بزار اور طبرانی اور حاکم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

((ثلاث من كن فيه حاسبه الله حساباً يسيراً	تین خصلتیں ایسی ہیں جو جس شخص میں بھی پائی جائیں گی اللہ تعالیٰ اس سے آسان
وأدخله الجنة برحمته	حساب لیں گے اور اسے اپنی رحمت سے جنت میں داخل فرمائیں گے
قالوا: وما هي يارسول الله بأبي أنت وأمي؟	صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ہمارے ماں باپ آپ پر قربان وہ کیا ہیں؟
قال: تعطي من حرمك	آپ نے ارشاد فرمایا: اس کو دو جو تمہیں محروم رکھے
وتصل من قطعك، وتعفو عمن ظلمك	اور جو قطع رحمی کرے تو اس سے صلہ رحمی کرو، اور جو تم پر ظلم کرے تم اس
فإذا فعلت ذلك يدخلك الله الجنة)).	کو معاف کردو، جب تم ایسا کرلوگے تو اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں داخل فرما دیگا۔

اور امام بخاری اور مسلم حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا:

((لا يدخل الجنة قاطع رحم)).	قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔

● صلہ رحمی صلہ رحمی کرنے والے کو قیامت میں بلند درجات تک پہنچا دیتی ہے، اس لیے کہ بزار و طبرانی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ألا أدلكم على ما يرفع الله به الدرجات؛	کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتلاؤں جس سے اللہ تعالیٰ درجات بلند فرماتے ہیں؛
قالوا: نعم يا رسول الله	صحابہ نے عرض کیا: جی ہاں اے اللہ کے رسول
قال: تحلم على من جهل عليك	آپ نے فرمایا: جو تمہارے ساتھ جہالت سے پیش آئے اور زیادتی کرے تم اس سے
وتعفو عمن ظلمك،	بردباری سے پیش آؤ، اور جو تم پر ظلم کرے تم اسے معاف کردو
وتعطي من حرمك	اور جو تمہیں محروم کردے تم اس کو دو!
وتصل من قطعك)).	اور جو قطع رحمی کرے تم اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔

لہٰذا جب مربی بچے کے سامنے یہ فضائل رکھے گا جو صلہ رحمی کرنے والے کو حاصل ہوتے ہیں تو ظاہر بات ہے کہ بچہ کلیۃً اپنے رشتہ داروں کی محبت اور صلہ رحمی کی جانب راغب ہوگا اور ان کے حقیقی مرتبہ کو پہچانے گا، اور ان کے حق کو ادا کرے گا، اور ان کی خوشی و غم میں برابر کا شریک ہوگا، اور پریشان حال اور خستہ حال رشتہ داروں کی پریشانی دور کریگا اور بخدا یہ نیکی کی غایت وانتہا اور صلہ رحمی کا منتہیٰ ہے۔

اس لیے ہمیں ایسے معلموں اور مربیوں کی سخت ضرورت ہے جو بچوں کو یہ حقائق سمجھائیں اور ان مکارمِ اخلاق اور خصالِ حمیدہ کی جانب ان کی رہنمائی کریں۔

۴۔ پڑوسی کا حق

تربیت کرنے والوں کو جن حقوق کا بہت اہتمام کرنا چاہیئے اور بہت خیال رکھنا چاہیئے ان میں سے پڑوسی کا حق بھی ہے، لیکن پڑوسی کون ہے؟ ہر وہ شخص جو تمہارے دائیں بائیں اوپر نیچے چالیس گھر تک پڑوس میں رہتا ہو۔ لہٰذا یہ سب کے سب آپ کے پڑوسی ہیں اور ان سب کے آپ کے اوپر کچھ حقوق ہیں اور آپ کے ذمہ ان کے کچھ فرائض ہیں، پڑوس کے یہ معنیٰ اُس حدیث سے مستفاد ہیں جو حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے امام طبرانی نے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول میں فلاں حضرات کے محلہ میں ٹھہرا تھا، ان میں سب سے زیادہ تکلیف مجھے اس سے پہنچی جو مجھ سے سب سے زیادہ قریب تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر و عمر و علی رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر زور سے یہ اعلان کریں کہ سن لو چالیس گھر تک پڑوسی ہوتا ہے، اور جنت میں وہ شخص داخل نہیں ہوگا جس کا پڑوسی اس کے شر سے ڈرتا رہتا ہو۔

اسلام کی نظر میں پڑوسی کے حقوق کا محور چار بنیادی اصول ہیں، یہ کہ انسان اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے اور اس کو اس شخص سے بچائے جو اسے ایذا پہنچانا چاہتا ہو۔ اور اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے، اور اس کی بدمزاجی اور اکھڑپن کا بردباری و درگزر سے بدلہ دے۔

الف۔ پڑوسی سے تکلیف اور ایذاء کو دور رکھنا:

ایذاء کی مختلف اقسام ہیں جن سے زنا، چوری، گالم گلوچ، برا بھلا کہنا، کوڑا کرکٹ وغیرہ کا ڈالنا بھی داخل ہے ان میں سب سے خطرناک چیز زنا، چوری اور عزت و آبرو پر ڈاکہ ڈالنا ہے، اور یہ ان چیزوں میں سے ہے جن کی تاکید رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کی تھی جب آپ اپنے صحابہ کرام کو بہترین خصال و عادات کی ترغیب دے رہے تھے، اور انہیں برے افعال سے منع کر رہے تھے، چنانچہ امام احمد و طبرانی حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے ارشاد فرمایا: تم زنا کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا حرام ہے اور اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کیا ہے لہٰذا وہ قیامت تک کے لیے حرام ہے۔ راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان دس عورتوں سے زنا کرے یہ بات اس کی بنسبت معمولی ہے کہ انسان اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔

راوی کہتے ہیں کہ پھر آپ نے پوچھا کہ تم چوری کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے

رسول نے اسے حرام کیا ہے لہٰذا یہ حرام ہے. آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان دس آدمیوں کے مال کو چرائے یہ اس سے کم ہے کہ آدمی پڑوسی کے یہاں چوری کرے۔

رہا ہاتھ اور زبان سے ایذا پہنچانا تو یہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے اس فرمان مبارک کے مضمون میں داخل ہے:

((واللہ لا یؤمن ، واللہ لا یؤمن ، واللہ	بخدا وہ شخص مؤمن نہیں، بخدا وہ شخص مؤمن نہیں
لا یؤمن ، قیل : من یارسول اللہ ؟	بخدا وہ شخص مؤمن نہیں، پوچھا گیا کون اے اللہ کے
قال : الذی لا یأمن جارہ بوائقہ)).	رسول؛ تو آپ نے فرمایا وہ شخص جس کا پڑوسی اسکے
بخاری و مسلم	شر سے امن میں نہ ہوں.

اور خلیفہ عبدالملک بن مروان کے بارے میں مروی ہے کہ انھوں نے اپنے بچوں کے استاذ سے کہا جب تم انہیں شعر سکھاؤ تو انہیں صرف اس قسم کے اشعار سکھاؤ جو عجیر سلولی کے درج ذیل اشعار کی طرح ہوں:

يبين الجار حين يبين عني	ولم تأنس إلىَّ كلاب جاري
میرا پڑوسی جب مجھ سے جدا ہوتا ہے	تو میرے پڑوسی کے کتے بھی مجھ سے مانوس نہیں ہوتے
وتظعن جارتي من جنب بيتي	ولم تستر بستر من جدار
اور میری پڑوسن میرے گھر کے پاس سے جب گزرتی ہے	تو اسطرح کہ اس نے دیوار کی آڑ بھی نہیں کی ہوئی ہوتی ہے
وتأمن أن أطالع حين آتي	عليها وهي واضعة الخمار
اور جب میں آتا ہوں تو وہ اس بات سے بےخطر ہوتی ہے کہ میں اسے	اس حالت میں دیکھ لوں گا کہ وہ دوپٹہ نہ اوڑھے ہوئے ہو
كذلك هدي آبائي قديماً	توارثه النجار عن النجار
یہ میرے آباء و اجداد کی پرانی عادت ہے	جو ایک دوسرے کو وراثت میں ملی ہے

اور پڑوسی کی عزت و آبرو کی حفاظت کے سلسلہ میں مندرجہ بالا اشعار کے مشابہ حاتم طائی کے درج ذیل اشعار بھی ہیں:

إذا ما بت أختل عرس جاري	ليخفيني الظلام فما خفيت !!
جب چپکے سے میں اپنے پڑوسی کی شادی کی رات کا منظر	رات کی تاریکی میں چھپکر بھی دیکھنا چاہوں تب بھی میں چھپ نہیں سکتا
أأفضح جارتي وأخون جاري	فلا واللہ أفعل ما حييت !!
کیا میں اپنی پڑوسن کو رسوا کردوں اور پڑوسی کے ساتھ خیانت کروں	نہیں بخدا ہرگز نہیں جب تک میں زندہ ہوں ایسا نہیں کرسکتا۔

اس طرح کے اشعار عنترہ کے ہیں:

وأغض طرفي إن بدت لي جارتي	حتى يواري جارتي مأواها
اور اگر میری پڑوسن سامنے آجائے تو میں نگاہ جھکالیتا ہوں	جب تک کہ میری پڑوسن اپنے گھر میں نہ چلی جائے

پڑوسی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا بھی پڑوسی کو ایذا پہنچانے کے مرادف ہے۔ جیسا کہ یہ ان لوگوں کی عادت ہوا کرتی ہے جو صحیح اسلامی تربیت حاصل نہ کرسکے ہوں۔ ایسے لوگوں کی عادت یہ ہوتی ہے کہ وہ غریب پڑوسیوں کو ذلیل سمجھتے ہیں اور اپنے قبیلے کے مسکین شخص کی تحقیر کرتے ہیں، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فما أحد منا بمهد لجاره	أذاة ولا مزر به وهو عائد،
ہم میں سے کوئی شخص بھی اپنے پڑوسی کو ایذا نہیں	پہنچاتا اور نہ اسکی تذلیل کرتا ہے ایسی حالت میں کہ وہ احسان کرنیوالا ہو
لأنا نرى حق الجوار أمانة	ويحفظه منا الكريم المعاهد
اس لیے کہ پڑوس کے حق کو ہم ایک امانت سمجھتے ہیں	اور اس کی حفاظت ہم میں سے ہر شریف عہد پورا کرنیوالا شخص کرتا ہے

ب - پڑوسی کی حفاظت

پڑوسی کی حمایت و حفاظت اور اس پر ظلم نہ کرنا پاکیزگی نفس کے اثرات میں سے ایک اثر ہے بلکہ اسلام کی نظر میں اعلیٰ ترین مکارم اخلاق میں سے ایک عظیم منقبت ہے۔ اور انسان کی بلند ہمتی و شرافت کی علامت ہی یہ ہے کہ وہ اپنے پڑوسی کو مصیبت سے نجات دلائے اور اس کی پریشانی دور کرے۔ اور پڑوسی کی حمایت و حفاظت کرنا عرب کے ان مشہور ترین مفاخر اور کارناموں میں سے ہے جس کے تذکرے سے ان کے اشعار پُر اور دواوین بھرے پڑے ہیں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ولا ضيفنا عند القرى بمدفع	وما جارنا في النائبات بمسلم
اور ہمارا مہمان میزبانی کے وقت دور نہیں کیا جاتا	اور ہمارا پڑوسی آفات و مصیبتوں کے وقت تن تنہا نہیں چھوڑا جاتا ہے

اور فرمایا:

يواسون مولاهم في الغنى	ويحمون جارهم إن ظلم
مالداری کی حالت میں اپنے دوستوں سے غمخواری کرتے ہیں	اور اگر ان کے پڑوسی پر ظلم ہو تو اسے بچاتے ہیں

اور حسان بن نشبہ فرماتے ہیں:

أبوا أن يبيحوا جارهم لعدوهم	وقد ثار نقع الموت حتى تكوثرا
انہوں نے اس بات سے انکار کردیا کہ اپنے پڑوسی کو دشمن کے سپرد کردیں	ایسی حالت میں کہ موت کی گرد و غبار اڑ رہی جب تک کہ وہ مغلوب ہو جائیں

کوفہ میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ایک پڑوسی تھا وہ جب اپنے کام سے واپس آتا تو گھر میں یہ شعر پڑھتا:

أضاعوني وأي فتى أضاعوا	ليوم كريهة وسداد ثغر
انہوں نے مجھے ضائع کردیا اور کیسے زبردست نوجوان کو انہوں نے گم کردیا	مصیبت کے دن اور سرحد کی حفاظت کے لیے کام آنیوالے کو

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اس کے اس شعر پڑھنے کو سُنا کرتے تھے، ایک مرتبہ اتفاق یہ ہوا کہ ایک رات کو پہرہ داروں اور محافظوں نے اس پڑوسی کو پکڑ کر قید کرلیا، اس رات امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو اس کی آواز سننے میں نہیں آئی، دوسرے دن انہوں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اسے قید کرلیا گیا ہے، چنانچہ امام صاحب حاکم وقت عیسیٰ بن موسیٰ کے پاس گئے اور ان سے پڑوسی کے آزاد کرنے کی درخواست کی، تو انہوں نے اسے فوراً آزاد کردیا، جب وہ نوجوان قید سے باہر آیا تو امام ابو حنیفہ نے اسے بلایا اور چپکے سے اس سے کہا: اے نوجوان کیا ہم نے تمہیں ضائع و برباد کردیا؟ اس نے کہا جی نہیں بلکہ آپ نے تو بہت احسان اور اکرام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزاء خیر دے اور یہ شعر پڑھا،

وما ضرنا أنا قليل وجارنا	عزيز وجار الأكثرين ذليل
ہمیں اس سے کچھ نقصان نہیں کہ ہم کم ہیں اور ہمارے پڑوسی	زبردست ہیں اور اکثر لوگوں کے پڑوسی تو معمولی ذلیل ہوتے ہیں

پڑوسی کی حفاظت اور اس سے ظلم کے دور کرنے اور اس کو ذلیل و رسوا نہ کرنے کے بارے میں اصل اور بنیاد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی وہ حدیث ہے جسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((المسلم أخو المسلم لا يظلمه ولا يسلمه ؛	مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اسے دشمن کے حوالے کرتا ہے
من كان في حاجة أخيه	جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی میں مصروف ہوتا ہے
كان الله في حاجته ، ومن فرج عن مسلم	اللہ تعالیٰ اسکی حاجت پوری کرتا ہے، اور جو شخص کسی مسلمان کی
كربة فرج الله عنه كربة من كرب	تکلیف دُور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کی پریشانیوں میں سے اسکی پریشانی
يوم القيامة ، ومن ستر مسلماً	دور فرمائے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے
ستره الله يوم القيامة)).	اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

لہٰذا اگر عام مسلمان کے لیے یہ واجب ولازم ہے تو پڑوسی کے لیے تو اور زیادہ لازم و ضروری ہوگا اس لیے کہ پڑوسی کے اپنے پڑوسی پر بہت سے حقوق و فرائض عائد ہوتے ہیں۔

ج - پڑوسی کیساتھ حسنِ سلوک کرنا :

پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا صرف یہ نہیں ہے کہ انسان اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے یا اپنے دست و بازو یا مرتبہ ومکان کی طاقت کے بل بوتے پر کسی ظالم و سرکش کو ظلم و زیادتی سے روک دے۔ بلکہ اچھے سلوک میں یہ بھی داخل ہے کہ مصیبت کے وقت پڑوسی کے ساتھ تعزیت کرے، اور خوشی کے موقعہ پر مبارکباد دے، اور بیماری کی صورت میں

عیادت کرے، اور سلام کرنے میں پہل کرے۔ اور دین و دنیا کے معاملات میں اپنے علم و فہم کے مطابق اس کی رہنمائی ان چیزوں کی جانب کرے جو اسے فائدہ پہنچائیں، بہرحال اکرام کی جو شکل بھی ہو اس کو اختیار کرے اور پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرے۔

اس حسن سلوک کے بارے میں اصل اور بنیاد وہ حدیث ہے جسے خرائطی اور طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے اپنے اہل و عیال و مال کی حفاظت کے لیے اپنے پڑوسی پر اپنے گھر کے دروازے بند کر دیے تو وہ مؤمن (کامل) نہیں، اور وہ شخص بھی مؤمن نہیں جس کا پڑوسی اس کے شر سے مامون و بے خطر نہ ہو، کیا تم جانتے ہو پڑوسی کا کیا حق ہے؟ وہ جب تم سے مدد طلب کرے تو تم اس کی مدد کرو، اور جب قرض مانگے تو اسے قرض دو، اور جب وہ کسی چیز کا محتاج ہو تو اس کی حاجت روائی کرو، اور جب بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو، اور جب اسے کوئی خیر و بھلائی حاصل ہو تو اسے مبارک باد دو، اور جب اسے کوئی مصیبت پہنچے تو اس کی تعزیت کرو، اور جب اس کا انتقال ہو جائے تو اس کے جنازے میں شریک ہو، اور اپنا مکان اس کے مکان سے اونچا نہ بناؤ تاکہ اس کی ہوا نہ رک جائے مگر یہ کہ وہ اجازت دے دے (تو کوئی حرج نہیں) اور تم اسے اپنی ہانڈی کی بھاپ سے تکلیف نہ پہنچاؤ مگر یہ کہ تم اس میں سے اسے بھی دیدو، اور اگر تم کوئی پھل خریدو تو اس کو بھی اس میں سے ہدیہ کر دیا کرو، اور اگر ایسا نہ کر سکو تو چپکے سے چھپا کر لے جاؤ، اور ایسا نہ ہو کہ تمہارا بیٹا پھل باہر لیجائے تاکہ اسے دیکھ کر پڑوسی کے لڑکے کو تکلیف نہ ہو۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسی کے اکرام کرنے کو ایمان کی خصلتوں میں سے شمار کیا ہے چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیکرم جارہ))۔ بخاری و مسلم

جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے پڑوسی کا اکرام کرے۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

((وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَ الْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ))۔ النساء۔۳۶

اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور قرابت داروں کے ساتھ اور یتیموں اور فقیروں اور ہمسایۂ قریب اور ہمسایۂ اجنبی اور پاس بیٹھنے والے اور مسافر کے ساتھ۔

قریبی اور دور کے پڑوسیوں کے ان حقوق کی جس سے تائید ہوتی ہے وہ حدیث وہ ہے جسے طبرانی نے حضرت

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے :

((الجیران ثلاثة : جارله حق وهو المشرك ، وجار له حقان وهو المسلم له حق الجوار وحق الإسلام، وجار له ثلاثة حقوق مسلم له رحم فله حق الجوار والإسلام والرحم)).	پڑوسی تین ہیں: ایک وہ پڑوسی جس کا ایک حق ہے اور وہ مشرک پڑوسی ہے اور ایک پڑوسی وہ ہے جس کے دو حق ہیں اور وہ مسلمان پڑوسی ہے جس کا ایک حق پڑوس کی وجہ سے ہے اور ایک حق اسلام کی وجہ سے ہے، اور ایک وہ پڑوسی ہے جس کے تین حق ہیں اور وہ مسلمان رشتہ دار ہے جس کا حق پڑوس ، اسلام ، اور رشتہ داری کی وجہ سے ہے۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر کے پاس تھا ان کا ایک غلام دنبہ کی کھال اتار رہا تھا تو انہوں نے فرمایا : اے لڑکے جب تم کھال اتار چکو تو پہلے ہمارے یہودی پڑوسی سے ابتدا کرنا (یہ بات انہوں نے تین مرتبہ کہی) اس لیے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے :

((ما زال جبريل عليه السلام يوصيني بالجار حتى ظننت أنه سيورثه)).	حضرت جبریل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے بارے میں ہمیشہ وصیت کرتے رہے حتیٰ کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا
بخاری و مسلم	کہ وہ اس کو وارث قرار دے دیں گے۔

قرآن کریم کے احکام و آداب کا خیال رکھنے والے پڑوسی کے حقوق کا پورا پورا خیال رکھتے ہیں اور ان کا خوب حق ادا کرتے ہیں ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ : جب کوئی عورت انصار کے دو نیک گھرانوں میں سے کسی کے یہاں اترتی ہے تو اسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی سوائے اس کے کہ وہ اپنے والدین کے یہاں اترے۔

پڑوسی کے ساتھ احسان میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ اگر آگ ، نمک ، پانی وغیرہ مانگے تو وہ اسے دے دیا جائے ۔ اور گھریلو سامان اور روزمرہ کی وہ اشیاء جو لوگ عام طور سے عاریت پر لیتے دیتے رہتے ہیں وہ عاریۃً دے دے مثلاً ہانڈی ، پیالہ ، چھری ، کلہاڑی ، چھلنی وغیرہ ، اور بہت سے مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے فرمان ((ویمنعون الماعون)) میں وارد ماعون کو انہی اشیاء وغیرہ پر محمول کیا ہے ، اس لیے کہ ان کا نہ دینا کمینگی اور دناءت نفس پر دلالت کرتا ہے شاعر مہیار کہتے ہیں :

لجارهم من دارهم مثل مالهم	على راحة من عيشهم ولغوب
ان کے پڑوسی کو ان کے گھر سے وہ فوائد حاصل کرتے ہیں	جو انکو اپنے گھر میں خوشحال زندگی اور خستہ حالی دونوں صورتوں میں حاصل ہوتے ہیں

اہل عرب ابو دؤاد کعب بن امامہ کو پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں مثال کے طور پر پیش کیا کرتے تھے ، چنانچہ ضرب المثل ہے : "جار كجار أبي دؤاد" (ایسا پڑوسی ہے جیسا کہ ابو دؤاد کا پڑوسی) ابو دؤاد کی عادت یہ تھی کہ اگر ان کے کسی پڑوسی کا اونٹ یا دنبہ یا بھیڑ مر جائے تو وہ اس کے مالک کو اس کے بدلے دوسرا جانور دے دیا کرتے تھے ۔ اور

اگر پڑوسی مرجائے تو اس کے گھر والوں کو اس کی دیت کی مقدار جتنا مال اپنے پاس سے دیا کرتے تھے۔

علامہ خوارزمی "مفید العلوم" میں لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن المبارک کا ایک یہودی پڑوسی تھا، اس نے اپنا گھر بیچنا چاہا تو اس سے پوچھا گیا: کتنے میں بیچوگے؟ اس نے کہا: دو ہزار میں، تو اس سے کہا گیا کہ تمہارا مکان تو ایک ہزار کے برابر کا ہے، تو اس نے کہا: تم نے بالکل سچ کہا لیکن بات یہ ہے کہ ایک ہزار تو مکان کی قیمت ہے اور ایک ہزار عبداللہ بن مبارک کے پڑوس کے بدلہ میں ہیں، حضرت عبداللہ بن المبارک کو یہ بتلایا گیا تو انہوں نے اس یہودی کو بلاکر اس گھر کی قیمت اس کے حوالے کی اور فرمایا کہ اسے نہ بیچو۔ بتلایئے اگر اس یہودی نے حضرت عبداللہ بن المبارک کے حسنِ اخلاق اور اچھے برتاؤ کو نہ دیکھا ہوتا تو گھر کے بیچنے میں یہ موقف ہرگز اختیار نہ کرتا۔

د۔ پڑوسی کی ایذاء رسانی کو برداشت کرنا:

انسان کے لیے یہ قابلِ تعریف بات ہے کہ وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے، اور یہ بھی باعثِ اعزاز ہے کہ وہ اس کی حفاظت کرے اور اس کے بدخواہوں کو اس سے دور رکھے، اور یہ بھی باعثِ فضل ہے کہ حسبِ مقدرت اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرے، ایک فضیلت اور بھی ہے اور وہ یہ کہ اس کی غلطیوں سے چشم پوشی اور درگزر کرے اور اس کی کوتاہیوں سے صرفِ نظر کرے اور اس کی اکثر زیادتیوں کو معاف کردے اور خاص کر وہ برائی جو بلاقصد وارادہ اس سے سرزد ہوجائے، ایسی برائی جس پر وہ نادم ہو اور اس سلسلہ میں معذرت پیش کرچکا ہو، حریری اپنی کتاب مقامات میں لکھتے ہیں کہ میں پڑوسی کا خیال رکھتا ہوں خواہ وہ ظلم کیوں نہ کرے۔

بلاشبہ جو شخص ایسے شخص کے ساتھ بردباری اور حلم سے پیش آئے گا جو اس کے ساتھ زیادتی کرتا ہو اور جو ایسے شخص کے ساتھ احسان کرے گا جو اس کے ساتھ برا سلوک کرے، اور ظالم کو معاف کرے گا تو وہ انسانیت وشرافت کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز ہوگا اور قیامت کے روز سعادت وخوش بختی کے بلند ترین مقام پر ہوگا، بزار اور طبرانی حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتلاؤں جس سے اللہ تعالیٰ درجات بلند فرماتے ہیں، صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ضرور بتلایئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو تمہارے ساتھ زیادتی کرے اس سے بردباری سے پیش آؤ، اور جو تم پر ظلم کرے اسے معاف کردو، اور جو تمہیں نہ دے تم اسے دو، اور جو تمہارے ساتھ قطع رحمی کرے تم اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔

بسا اوقات گناہگار سے درگزر کرنا اور برائی کرنیوالے کو معاف کرنا اس کی بداخلاقی کی دوا اور اس کی کجی اور انحراف کے درست کرنے کا ذریعہ بنتا ہے چنانچہ جفاکشی الفت سے اور عداوت صلح سے اور بغض محبت سے بدل جاتا ہے اور واقعی

اللہ جل شانہ نے قرآن کریم میں بالکل بجا فرمایا ہے:

((وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ)). فصلت۔ ۳۴	اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی آپ نیکی سے بدی کو ٹال دیا کیجیے تو پھر یہ ہوگا کہ جس شخص میں اور آپ میں عداوت ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسا کوئی ولی دوست ہوتا ہے۔

علماء اخلاق و تربیت کے یہاں یہ مسلّم ہے کہ برائی کا بدلہ برائی یا اس سے زیادہ برائی سے دینا اور اس پر جو برے اثرات اور خراب نتائج مرتب ہوتے ہیں ان کی پرواہ نہ کرنا تنگ دلی اور غصہ کی تیزی کو کنٹرول کرنے سے عاجز ہونے کی دلیل ہے، لوگوں میں اخلاق اور سیادت و قیادت میں تفاوت و تفاضل، ان کے انجام کار کے بارے میں تدبر، اور نتائج کے بارے میں غور و فکر، اور انفعالی جذبہ کے جوش کو کنٹرول کرنے سے ہوتا ہے۔ اسی لیے غصہ کے وقت جو شخص خود پر کنٹرول رکھے وہ طاقتور ترین آدمی ہے اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی نظر میں سب سے بڑا پہلوان ہے[1]۔

پڑوس کے حقوق کے سلسلہ میں یہ اہم بنیادی اصول ہیں اور پڑوسی کے ساتھ معاملہ کرنے کے سلسلہ میں اہم ترین بنیادیں ہیں، اس لیے تربیت کرنے والوں کو چاہیئے کہ بچہ جب شعور کی عمر کو پہنچ جائے تو اس بات کی پوری کوشش کریں کہ اس میں پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک اور پڑوسیوں کے حقوق کے خیال کی اچھی عادت پیدا کریں، تاکہ جب وہ اس عمر کو پہنچے جس میں وہ دوسروں کے ساتھ معاملات کرنے کے قابل ہو، اور ان کے ساتھ رہے، ان کا پڑوسی بنے تو انہیں ایذا نہ پہنچائے، اور انہیں ہر قسم کے ظلم و زیادتی سے بچائے، اور ان کے ساتھ نیکی و حسن سلوک کرے، اور ان کے برے سلوک و زیادتی و ایذاء کو برداشت کرے۔

پڑوس کے حقوق کے سلسلہ میں ان چاروں اصولوں کو دو چیزوں کے بغیر بچے میں پیدا نہیں کیا جاسکتا:

۱۔ مختلف مناسبات اور مواقع پر بچوں کو یہ چیزیں زبانی سمجھانا۔

۲۔ پڑوسیوں کے جو بچے اس کے ہم عصر ہیں ان کے ساتھ اس کو عملی شکل میں تطبیق دینا۔

اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جب بچے میں بچپن ہی سے یہ اچھی عادات پیدا ہو جائیں گی تو اس میں دوسروں کے ساتھ مل بیٹھنے کا شوق اور عادت پیدا ہوگی، بلکہ وہ حقیقی معنوں میں ایک گھل مل کر رہنے والا انسان بنے گا بلکہ اس کے دل سے گوشہ نشینی، لوگوں سے بیزاری کا خیال تک نکل جائے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ جہاں بھی ہوگا اپنے وجود کو ثابت کرے گا، اور جہاں ہوگا اپنی شخصیت کو ظاہر و ممتاز کرے گا، جس کا اصل سبب وہ معاشرتی تربیت ہوگی جو اس کی گھٹی میں پڑی ہوگی، اور اس میں یہ چیزیں تدریجاً پیدا ہوئی ہوں گی اور اس نے ان کے وسائل و اسباب کو اختیار کیا ہوگا۔

---

[1] چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ آدمی پچھاڑنے سے طاقتور شمار نہیں ہوتا بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے اوپر کنٹرول رکھے۔

اس لیے تربیت کرنے والوں کو ان وسائل اور بنیادی اصولوں کو مدنظر رکھنا چاہیے جو بچے کی شخصیت کو جلا بخشیں اور اس کو باعظمت اور فاضل و باکمال شخصیت بنادیں۔

۴ - استاذ کا حق اور وہ اہم اور عظیم معاشرتی حقوق جن کا تربیت کرنے والوں کو بہت اہتمام کرنا چاہیئے اور ان کو ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہیے اور ان پر بہت کڑی نظر رکھنا چاہیے ان میں سے یہ بھی ہے کہ بچے کی تربیت اس طرح کی جائے کہ وہ استاذ کے احترام اکرام اور اس کے حقوق ادا کرنے کا عادی بنے تاکہ بچے میں وہ عظیم معاشرتی ادب پیدا ہو جو اسے اپنے استاذ، مربی و مرشد کے حقوق ادا کرنے کا عادی بنائے، اور خصوصاً جب کہ معلم نیک و متقی ہو اور مکارم اخلاق میں ممتاز ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء کے اکرام اور اساتذہ کے احترام کے سلسلہ میں تربیت کرنے والوں کو شاندار وصیتوں اور زبردست توجیہات سے بہرہ ور کیا ہے تاکہ لوگوں کو ان کا فضل و مرتبہ معلوم ہوجائے اور شاگرد اپنے اساتذہ کے حقوق ادا کریں، اور ان کے ساتھ ادب سے رہیں۔

ان معطر ارشادات و توجیہات و وصایا کا گلدستہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

امام احمد و طبرانی اور حاکم حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لیس من أمتی من لم یجل کبیرنا ویرحم صغیرنا، ویعرف لعالمنا حقه)).

وہ شخص میری امت میں سے نہیں جو ہمارے بڑوں کا احترام نہ کرے اور چھوٹوں پر رحم نہ کرے، اور علماء کے حق کو نہ پہچانے۔

اور طبرانی "معجم اوسط" میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

((تعلموا العلم، وتعلموا للعلم السکینة والوقار، وتواضعوا لمن تعلمون منه)).

علم حاصل کرو اور علم کے حاصل کرنے کیلئے وقار اور سکون کو سیکھو اور جن سے علم حاصل کرتے ہو ان کے سامنے تواضع اختیار کرو۔

اور طبرانی "معجم کبیر" میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ سے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((ثلاث لا یستخف بهم إلا منافق ذو الشیبة فی الإسلام وذو العلم وإمام مقسط)).

تین آدمیوں کی تحقیر منافق ہی کیا کرتا ہے: مسلمان بوڑھا اور عالم اور منصف حاکم۔

اور امام احمد حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا:

((اللھم لا یدرکنی زمان لا یتبع فیہ العلیم	اے اللہ میں ایسا زمانہ نہ دیکھوں جسمیں علم والوں کی پیروی کیجائے
ولا یستحیی فیہ من الحلیم	اور حلیم و بردبار سے حیاء نہ کی جائے
قلوبھم قلوب الأعاجم	جن کے دل عجمیوں کے سے ہوں گے
وألسنتھم ألسنۃ العرب)).	اور ان کی زبانیں عربوں کی سی ہوں گی.

اور امام بخاری حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہداء احد کو دفن کرنے میں دو آدمیوں کو ایک ساتھ دفن کر رہے تھے اور یہ پوچھتے جا رہے تھے کہ ان دونوں میں سے قرآن کریم کس نے زیادہ حاصل کیا ہے؟ جس کی طرف اشارہ کیا جاتا اسے پہلے قبر میں رکھتے۔

ان ہدایات و وصایا کا خلاصہ درج ذیل امور کی شکل میں نکلتا ہے:

✿ طالب علم کو چاہیے کہ استاذ کے سامنے تواضع اختیار کرے۔ اور اس کی رائے اور مشورہ سے اعراض نہ کرے، بلکہ اس کے ساتھ ایسا بن کر رہے جیسے مریض ماہر طبیب کے سامنے ہوتا ہے کہ اپنے بارے میں اس سے مشورہ کرتا ہے اور اس کی مرضی پر عمل کر کے اس کو خوش کرتا ہے، بلکہ طالب العلم کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ استاذ کے سامنے اس کا ذلیل ہونا ہی اس کی عزت ہے، اور اس کے سامنے جھکنا باعثِ فخر اور اس کے سامنے تواضع اختیار کرنا رفعت وبلندی کا ذریعہ ہے۔

لکھا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کو اس بات پر ملامت کی گئی کہ وہ علماء کے سامنے اتنی زیادہ تواضع کیوں اختیار کرتے ہیں تو انہوں نے فرمایا:

أھین لھم نفسی فھم یکرمونھا	ولن تکرم النفس التی لا تھینھا
میں انکے سامنے اپنے آپکو ذلیل کرتا ہوں تو وہ اسکا اکرام کرتے ہیں	اور اس نفس کا ہرگز اکرام نہیں کیا جاتا جس کو تم ذلیل نہ کرو

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما باوجود جلالتِ قدر اور عظمت و بلند مقام پر فائز ہونے کے حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کی سواری کی پالان پکڑ لیتے تھے اور فرماتے تھے: ہمیں اپنے علماء کے ساتھ اسی طرح کا سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے خلف احمر سے فرمایا کہ میں آپ کے سامنے ہی بیٹھوں گا اسی لیے کہ ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم استاذوں کے ساتھ تواضع اختیار کریں۔

اور امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا: علم تواضع اور کامل توجہ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔

✿ شاگرد کو چاہیے کہ وہ استاذ کو عظمت و احترام کی نگاہ سے دیکھے اور اس کو کامل سمجھے، اسی صورت سے اس سے استفادہ ہو سکتا ہے اور فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ میں امام مالک کے سامنے صفحات اس خوف سے آہستہ پلٹا کرتا تھا کہ وہ آواز نہ سن لیں۔

ربیع کہتے ہیں: بخدا میں نے امام شافعی کے رعب کی وجہ سے کبھی یہ جرأت نہ کی کہ میں ایسی حالت میں پانی پیوں کہ امام شافعی مجھے دیکھ رہے ہوں۔

خلیفہ مہدی کی اولاد میں سے کوئی لڑکا شریک کے پاس حاضر ہوا، اور دیوار سے ٹیک لگالی اور ان سے ایک حدیث کے بارے میں سوال کیا۔ تو شریک اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے، اس لڑکے نے پھر سوال کیا لیکن شریک نے پھر بھی کوئی جواب نہ دیا، تو اس لڑکے نے کہا کہ خلیفہ کے بیٹے کی اس طرح سے توہین کی جائے گی؟! تو انہوں نے فرمایا: نہیں یہ بات نہیں بلکہ اللہ کے یہاں علم اس سے برتر و بالا ہے کہ میں اسے ضائع کردوں (یعنی حلقۂ علم میں اس طرح ٹیک لگا کر بیٹھنا علم کی شان کے خلاف ہے)۔

طالب علم کو چاہیئے کہ استاذ سے تم یا تُو کے ساتھ خطاب نہ کرے بلکہ نہایت ادب سے استاذ صاحب یا استاذ جی یا حضرت مولانا کے الفاظ سے مخاطب کرے، اسی طرح استاذ کی غیر موجودگی میں بھی استاذ کا نام اس طرح سے لے کہ جسے سن کر دوسرے شخص کو اس کی عظمت و احترام معلوم ہو مثلاً یہ کہے کہ ہمارے فاضل استاذ صاحب نے یوں فرمایا، یا ہمارے فلاں استاذ صاحب نے یہ فرمایا یا ہمارے فلاں مرشد نے اس طرح فرمایا۔

✿ شاگرد کو چاہیے کہ معلم و استاذ کے حق کو پہچانے اور اس کے مرتبہ وفضل کو یاد رکھے۔ حضرت شعبہ فرماتے ہیں: میں جب کسی صاحب سے حدیث سن لیتا ہوں تو میں زندگی بھر کے لیے ان کا غلام بن جاتا ہوں، اور انہوں نے فرمایا: میں نے کبھی کسی سے کوئی بات نہیں سنی مگر میں اکی خدمت کے لیے اس کے پاس اس سے زیادہ مرتبہ جاتا ہوں جتنی بار میں نے اس سے سُنا ہوتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ رحم فرمائے شوقی پر وہ فرماتے ہیں:

قم للمعلم وفه التبجيلا	كاد المعلم أن يكون رسولاً
استاذ کے احترام میں کھڑے ہو جاؤ اور خوب اچھی طرح سے انکا اکرام کرو	قریب ہے کہ استاذ رسول و پیغامبر کے درجہ کو پہنچ جائے
أعلمت أشرف أو أجل من الذي	يبني وينشئ أنفساً وعقولاً
کیا آپ کو اس شخص سے برتر و بالا کوئی شخص معلوم ہے	جو نفوس وعقول کی تعمیر و آبیاری کرے

طالب علم کو چاہیے کہ وہ اپنے اساتذہ کے لیے ساری زندگی دعا کرتا رہے اور ان کے انتقال کے بعد ان کی اولاد وا عزہ رشتہ داروں اور ان کے دوستوں کا خیال رکھے، اور ان کی قبر پر حاضری دیا کرے، اور ان کے لیے استغفار کیا کرے، اور ہر موقعہ پر ان کی طرف سے صدقہ وخیرات کیا کرے، اور علم، دین اور اخلاق میں ان کی عادات وطریقوں کی رعایت رکھے

اور ان کی حرکات وسکنات کی پیروی کرے، اور ان کے طور طریقوں کو بہترین نمونہ اور قابلِ تقلید مثال سمجھ کر اپنائے۔

✿ طالب علم کو چاہیئے کہ اپنے استاذ کی سخت گیری وسخت مزاجی کو برداشت کرے۔ اور اس کی وجہ سے ان کے ساتھ رہنے اور ان سے استفادہ سے محروم نہ رہے، اور استاذ کی ناراضگی و درشتگی کے موقعہ پر طالب علم کو چاہیے کہ وہ اپنی غلطی پر معذرت پیش کرے اور توبہ کرے، اور استاذ کے غصہ کا موجب اور سبب اپنے آپ ہی کو گردانے اور خود کو ہی سزاوار ٹھہرائے، ایسی صورت میں استاذ کی محبت برقرار رہے گی اور اس کا دل خوش رہے گا اور طالب علم کو بھی دین و دنیا اور آخرت کے منافع حاصل ہوں گے۔

بعض سلف سے یہ مقولہ منقول ہے کہ جو شخص بھی تعلیم حاصل کرنے میں صبر وتحمل سے کام نہیں لے گا وہ ساری عمر جہالت کی تاریکی میں پڑا رہے گا، اور جو اس سلسلہ میں صبر وتحمل سے کام لے گا وہ دنیا وآخرت کی عزت حاصل کریگا۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے طالب علمی کی حالت میں ذلت اختیار کی تو میں اس وقت معزز ومحترم بن گیا جب میں مطلوب بنا۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت سفیان بن عیینہ سے کہا گیا کہ آپ کے پاس روئے زمین کے مختلف ممالک سے لوگ آتے ہیں آپ ان پر غصہ ہوتے ہیں جس سے ڈر ہے کہ وہ لوگ واپس لوٹ جائیں یا آپ کو چھوڑ بیٹھیں؛ تو انہوں نے ان صاحب سے فرمایا: اگر وہ اپنے فائدے کی چیز میری بداخلاقی کی وجہ سے چھوڑ بیٹھیں تو پھر تو وہ بڑے بے وقوف لوگ ہوں گے۔

اور کسی کہنے والے نے کہا ہے:

إن المعلم والطبيب كلاهما	لا ينصحان[1] إذا هما لم يكرما
استاذ اور طبیب دونوں کے دونوں	کا اگر اکرام نہ کیا جائے تو وہ نصیحت وخیرخواہی نہیں کرتے
فاصبر لدائك إن جفوت طبيبه	واصبر لجهلك إن جفوت معلما
اسلیے تم اپنی بیماری کی وجہ سے صبر کرو اگر اسکے معالج کو سخت مزاج پاؤ	اور اگر معلم واستاذ کو سخت پاؤ تو اپنے جہل کی وجہ سے صبر کا لو

✿ طالب علم کو چاہیے کہ وہ اپنے استاذ کے سامنے نہایت سکون، تواضع اور احترام سے بیٹھے، اور ہمہ تن گوش اس کی طرف متوجہ رہے اور مکمل طور سے اس کی طرف کان لگائے رہے اور بلا ضرورت دائیں بائیں آگے پیچھے نہ دیکھے۔

طالب علم پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ اپنے استاذ کے سامنے ہر اس حرکت سے دور رہے جو وقار کے خلاف اور ادب وحیاء کے منافی ہو۔ لہٰذا اس کی طرف نگاہ بھر کر نہ دیکھے اور اگر کہیں سے شور وغوغا کی آواز آجائے تو اس کی وجہ سے

---

[1] یہ بات ہر استاذ پر منطبق نہیں ہوتی اس لیے کہ بعض معلمین واطباء صرف اللہ کی رضاء کے لیے کام کرتے ہیں ان کا مقصد نہ کوئی بدلہ حاصل کرنا ہوتا ہے نہ شکریہ وصول کرنا۔

تشویش نہ پڑے نہ اس کی طرف توجہ کرے اور خصوصاً اس حالت میں جب کہ استاذ سبق پڑھا رہا ہو، اور اپنے ہاتھوں پاؤوں یا جسم کے کسی حصے سے نہ کھیلے، اور ناک میں انگلی نہ ڈالے نہ اس سے گندگی نکالے، نہ منہ پھاڑ کر کھولے، اور نہ دانت بجائے، اور نہ زمین پر ہتھیلی مارے، نہ زمین پر لکیریں کھینچے، نہ ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں داخل کرے اور نہ اپنے کپڑوں سے کھیلے، اور استاذ سے بلا ضرورت زیادہ بات نہ کرے، اور نہ کوئی ایسی بات نقل کرے جو عجیب و غریب یا مضحکہ خیز ہو اور پھر زور سے قہقہہ لگانا پڑے، اگر ایسا ہو بھی جائے تو بلا آواز صرف مسکراہٹ پر اکتفا کرے، اور بلا ضرورت زیادہ نہ کھائے، اور جہاں تک ہو سکے تھوکنے یا ناک کی ریزش نکالنے سے بچے، اور اس کی ضرورت پڑ ہی جائے تو دور ایک طرف ہو کر رومال یا ٹیشو پیپر کو اس مقصد کے لیے استعمال کرے، اور اگر چھینک آ جائے تو حسب مقدرت آواز کو پست کر لے اور منہ کو رومال وغیرہ سے ڈھانپ لے، اور جب جمائی آئے تو اول تو جتنا ہو سکے اسے روکنے کی کوشش کرے ورنہ منہ پر ہاتھ رکھ لے۔

طالب علم پر استاذ کے جو حقوق آتے ہیں ان کے سلسلہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ:

آپ پر علم کا ایک حق یہ بھی ہے کہ آپ لوگوں کو عمومی سلام کریں اور استاذ کو خصوصی سلام کریں، اور ان کے سامنے باادب بیٹھیں، اور ان کے سامنے ہاتھوں سے اشارہ نہ کریں، اور نہ کسی کو آنکھ سے اشارہ کریں، اور نہ ان کے فرمان کے خلاف کسی دوسرے کا کوئی قول نقل کریں، اور نہ ان کے سامنے کسی کی غیبت کریں، اور نہ ان کی لغزش کی گرفت کی تاک میں رہیں، اور اگر ایسا ہو جائے تو ان کے عذر کو فوراً قبول کریں، اور صرف اللہ کی خوشنودی و رضا کے لیے ان کا احترام کریں، اور اگر انہیں کوئی ضرورت درپیش ہو تو اوروں سے قبل آپ اس کو پورا کرنے کی کوشش کریں، اور ان کی مجلس میں کسی سے سرگوشی نہ کریں، نہ ان کے کپڑے پکڑیں اور اگر وہ تھکے ہوئے ہوں تو ان کو مجبور نہ کریں، اور ان کی صحبت کے طویل ہونے سے سیر نہ ہو اس لیے کہ ان کی مثال اس کھجور کے درخت کی سی ہے جس کے پھل کے گرنے کا انتظار کیا جاتا ہے کہ کب اس کا پھل گرے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی اس وصیت میں ان تمام حقوق کو جمع کر کے پیش کر دیا ہے جو کافی، وافی اور شافی ہیں۔

✿ طالب علم کو چاہیے کہ استاذ کی درسگاہ گھر یا ان کی خصوصی نشست گاہ میں ان کی اجازت کے بغیر قطعاً داخل نہ ہو چاہے وہاں استاذ تن تنہا ہو یا کسی اور کے ہمراہ، اور پھر اگر ان سے اجازت طلب کرے اور وہ اجازت نہ دیں تو واپس لوٹ جائے مکرر سہ کرر اجازت طلب نہ کرے، اور اگر اسے یہ معلوم نہ ہو کہ استاذ کو اس کی آمد کی خبر ہوئی ہے یا نہیں تو تین مرتبہ سے زیادہ اجازت طلب نہ کرے، اور دروازے کو آہستہ آہستہ ادب و احترام سے ناخن کے ذریعہ کھٹکھٹانا چاہیئے یا پھر کوئی کڑا یا کنڈی یا گھنٹی بجا کر، اور اگر کمرہ وغیرہ دروازے سے دور ہو تو ضرورت کے مطابق آواز یا زور سے کھٹکھٹانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

طالبِ علم کو چاہیئے کہ استاذ کے پاس اچھی ہیئت، پاک صاف ستھرے کپڑوں میں حاضر ہو خصوصاً اگر علم کا حلقہ قائم ہو تو اور بھی اہتمام کرنا چاہیے اس لیے کہ یہ ذکر اور عبادت کیلیے اکٹھا ہونے کی مجلس ہے۔

طالبِ علم کو چاہیے کہ جب استاذ کے پاس جائے تو اس کا دل دوسرے دھندوں سے فارغ۔ اور نفس نفسیاتی ضروریات سے یکسو ہو تا کہ استاذ کی بات یاد رکھ سکے اور جو وہ کہے اس کے لیے سینہ منشرح ہو، اور طالبِ علم کو چاہیے کہ جب وہ مجلسِ علم میں جائے اور استاذ وہاں موجود نہ ہو تو استاذ کا انتظار کرے تاکہ کوئی حصہ درس فوت نہ ہو جائے، وہاں پہنچ کر استاد کو بلانے کے لیے دروازہ وغیرہ نہیں کھٹکھٹانا چاہیے، اور اگر استاذ آرام فرما ہوں تو ان کے جاگنے کا انتظار کرنا چاہیے یا پھر اس وقت واپس لوٹ جانا چاہیے اور پھر دوبارہ حاضر ہو جانا چاہیئے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ علم حاصل کرنے کیلیے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے دروازے پر بیٹھ کر ان کے جاگنے کا انتظار کیا کرتے تھے، ان سے جب کہا جاتا کہ کیا ہم ان کو جگا نہ دیں؟ تو وہ فرماتے؛ نہیں، اور بسا اوقات ایسا ہوتا کہ وہ کافی طویل انتظار کرتے تھے اور دھوپ تیز ہو جایا کرتی تھی، یہی سلفِ صالحین کی عادت تھی۔

✿ طالبِ علم کو چاہیے کہ جب استاذ کو کسی حکم کی کوئی دلیل یا کوئی نیا فائدہ بیان کرتے سنے یا کسی واقعہ کو نقل کرتے یا شعر کو پڑھتے سنے اور اسے وہ پہلے سے یاد ہو تو اس کو چاہیے کہ استاذ کی طرف ہمہ تن گوش ہو کر اس طرح سنے گویا وہ اس سے فائدہ اٹھانے والا اور ایسا پیاسا ہے کہ اس سے اس کی سیرابی کا انتظام ہو رہا ہے اور اس سے قبل اس نے یہ بات ھرگز نہیں سُنی تھی۔

حضرت عطار فرماتے ہیں کہ میں جب کسی صاحب سے کوئی حدیث سنتا ہوں اور وہ مجھے پہلے سے بہت اچھی طرح سے معلوم ہوتی ہے لیکن میں پھر بھی اس کے سامنے اپنی ہیئت سے یہ ظاہر کرتا ہوں کہ مجھے وہ بالکل بھی معلوم نہیں ہے اور انہی سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب کوئی نوجوان کوئی حدیث بیان کرتا ہے تو میں اسے کان لگا کر ایسے سنتا ہوں گویا میں نے پہلے کبھی نہ سنی ہو حالانکہ میں وہ حدیث اس کی پیدائش سے قبل سن چکا ہوتا ہوں۔

دوست کے صفات اور دوستی کے آداب کے بارے میں ابو تمام مندرجہ ذیل اشعار کہتے ہیں:

من لی بإنسان إذا أغضبته ... وجهلت كان الحلم ردَّ جوابه !

مجھے ایسا انسان کون بتلائے گا کہ اگر میں اسے ناراض کر دوں ... اور اسکے ساتھ اچھا سلوک نہ کروں تو وہ حلم و بردباری سے میرا جواب دے

وإذا طربت إلى المدام شربت من ... أخلاقه وسكرت من آدابه !

اور اگر مجھے شراب کی خواہش ہو تو میں اس کے اخلاق کے ... جام نوش کروں اور اسکے آداب و اخلاق سے مست و سرشار ہو جاؤں

وتراه يصغي للحديث بسمعه ... وبقلبه ولعله أدرى به

اور آپ اس کو بات کی جانب کان لگا کر سننے والا اور ... دل سے متوجہ ہونیوالا پائینگے حالانکہ وہ اسے زیادہ اسکو جاننے والا ہوتا ہے

یہ معاملہ تو ایک دوست کا اپنے دوست کے ساتھ ہونا چاہیے تو پھر استاذ کے ساتھ معاملہ تو اس سے بھی زیادہ اہم اور نازک ہے۔

طالب علم جو بات جانتا ہو اور جو چیز سمجھ چکا ہو اسے بار بار نہیں پوچھنا چاہیے اور نہ اس کے سمجھنے کی درخواست کرنا چاہیے اس لیے کہ اس سے وقت ضائع ہوتا ہے اور بسا اوقات استاذ تنگ دل ہو جاتا ہے۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ حدیث کا اعادہ کرنا اور لوٹانا چٹان کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے سے زیادہ سخت کام ہے۔

طالب علم کو غور سے سننے اور سمجھنے کی کوشش کرنے میں کسی قسم کی تقصیر و کوتاہی نہیں کرنا چاہیے اور نہ اپنے ذہن کو کسی بات یا دوسرے امر میں مشغول کرنا چاہیئے جس کی وجہ سے استاذ سے پھر دوبارہ اعادۂ کلام کی درخواست کرنا پڑے، اس لیے کہ یہ اسارتِ ادب اور بے ادبی ہے، طالبِ علم کو شروع ہی سے حاضر الذہن اور استاذ کی طرف ہمہ تن گوش متوجہ ہونا چاہیے۔

اور اگر استاذ سے دور ہونے کی وجہ سے بات نہ سن سکے یا کوشش کے باوجود سمجھ نہ سکے تو ایسی صورت میں طالبِ علم کو یہ حق ہے کہ استاذ سے اعادۂ کلام اور سمجھنے کی درخواست کرے اور نہایت عمدگی سے اپنے عذر کو واضح کردے۔

◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎

یہ وہ اہم آداب و اخلاق ہیں جو بچے کو اپنے استاذوں و مربیوں سے حاصل کرنا چاہیئے، اور یہ نہایت اعلیٰ تربیتی آداب اور شاندار معاشرتی حقوق ہیں۔

اور یہ ایک ظاہری بات ہے کہ بچہ جب ان آداب کو سیکھنے سکھانے والے ماحول میں آنکھیں کھولے گا، اور شروع ہی سے ان حقوق کے اپنانے کا عادی ہوگا تو ظاہر ہے کہ بچہ ان لوگوں کے حقوق بھی ادا کرے گا جن کے حقوق اس پر لاگو ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ اس کی تعلیم تربیت، تعلیم اخلاق اور تعمیر شخصیت کا سبب بنتے ہیں۔

اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں کہ معلموں اور مربیوں کو بچے کی اخلاقی و معاشرتی تربیت کو علمی و ثقافتی تعلیم پر مقدم رکھنا چاہیئے اس لیے کہ جیسا مشہور ہے مکارم اخلاق سے آراستہ ہونا تعلیم مسائل پر مقدم ہے۔ اسی لیے سلف صالحین رحمہم اللہ اپنے بچوں اور شاگردوں کو ادب سکھانے اور با ادب بنانے کا علم کی تلقین اور علوم و معرفت سے آراستہ کرنے سے زیادہ اہتمام کرتے تھے۔

حضرت حبیب بن شہید اپنے بیٹے سے فرماتے ہیں: اے میرے بیٹے فقہاء و علماء کے ساتھ رہنا، اور ان سے علم کی باتیں، اور ادب سیکھنا، اس لیے کہ یہ مجھے بہت سی حدیثوں سے زیادہ محبوب و پسندیدہ ہے۔

اور مخلد بن حسین نے حضرت عبداللہ بن مبارک سے فرمایا: ہم کثرتِ احادیث کی بنسبت ادب کے زیادہ محتاج ہیں۔
اور بعض حضرات سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا: اے میرے بیٹے تم ادب کا ایک باب سیکھ لو یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ تم علوم کے ابواب میں سے ستر باب سیکھو۔
اور حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی اصل میزان و معیار ہیں اور پرکھنے کے لیے تمام اشیاء کو آپ کے اخلاق، سیرت اور عادات واطوار پر ہی پیش کیا جائے گا، جو اس کے موافق ہو وہ حق ہے اور جو اس کے خلاف ہو وہ باطل ہے۔
اور ابن سیرین کہتے ہیں: لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طور طریقوں اور سیرتِ سلف کو اس طرح سیکھا کرتے تھے جس طرح کہ علم کو سیکھتے تھے۔
یہ بات ضرور یاد رکھنا چاہیئے کہ جن آداب کا تذکرہ کیا گیا ہے یہ ان معلمین کے حق میں ہیں جو خود متقی ہوں، دین کا حق ادا کرتے ہوں، اور اللہ کی عظمت و بڑائی پر یقین رکھتے ہوں، اور اسلام پر عقیدت و شریعت ہونے کے اعتبار سے اور قرآن کریم پر منہاج اور دستور ہونے کے اعتبار سے ایمان رکھتے ہوں، ایسے معلمین و اساتذہ کے احترام کا طلباء اور بچوں کو عادی بنانا چاہیے، اور ان کے فضل و مرتبہ کو ان کے ذہن نشین کرانا چاہیئے اور ان کے حقوق اس وقت تک ادا کرتے رہنا چاہیے جب تک وہ صحیح و سیدھے راستے اور صراطِ مستقیم پر قائم ہوں۔
رہے وہ اساتذہ و معلمین جو ملحد و بے دین قسم کے ہیں اور لادین مربی تو ان کے لیے نہ تو قلوب میں کوئی عظمت ہے نہ نفوس میں احترام، اس لیے کہ انہوں نے الحاد و بے دینی کی وجہ سے اپنی کرامت و انسانیت کو برباد کر دیا ہے اور اپنے اعتبار اور ہیبت و وقار کو کفر و ضلال کی وجہ سے ختم کر دیا ہے۔
لہٰذا باپ کو چاہیے کہ اگر اسے یہ معلوم ہو جائے کہ کوئی ملحد قسم کا استاذ اس کے بچے کو کفر کے مبادی اور گمراہی و زیغ کی باتوں کی تلقین کرتا ہے۔ تو اس پر اللہ کے لیے ناراض ہو، بلکہ اسے چاہیے کہ ساری دنیا کو سر پر اٹھا لے اور اس قسم کی باغی جماعتوں اور دوسروں کے ایجنٹ خائن لوگوں کے برخلاف اس کی رگوں میں اسلام کی حمیت کو جوش مارنا چاہیئے۔ یہاں تک کہ اسے یہ محسوس ہونے لگے کہ یہ بشری زہریلے جراثیم اپنے بلوں میں داخل ہو گئے ہیں اور اپنے گھونسلوں میں چھپ گئے ہیں اور اب ان کے لیے سر اٹھانے یا زبان سے کوئی بات کرنے کا بھی موقعہ نہیں رہا ہے:

((بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ)).	ہم تو حق کو باطل کے اوپر پھینک مارتے ہیں، سو وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے تو وہ دفعۃً مٹ جاتا ہے۔
الانبیاء - ۱۸	اور تمہاری (بڑی) کم بختی آئے گی اس سے کہ جو تم گھڑتے رہتے ہو۔

٭ ٭ ٭

اور اللہ تعالیٰ رحم فرمائے مندرجہ ذیل شعر کہنے والے پر :

إن عادت العقرب عدنا لها وكانت النعل لها حاضرة

اگر بچھو نے دوبارہ حملہ کرنا چاہا تو ہم بھی پھر اس پر حملہ کر دیں گے اور اس کو ختم کرنے کیلیے جوتا حاضر ہو گا

باپ کے لیے صرف اتنی بات کافی نہیں ہے کہ وہ اللہ کے لیے ناراض ہونے کی خاطر اس ملحد استاذ اور اس گمراہ خائن مربی کے آڑے آجائے بلکہ والد کو چاہیے کہ اپنے بیٹے میں علمی جرأت اور حق بات کھلم کھلا کہنے کی عادت پیدا کرے تاکہ بچے میں اعداءِ اسلام کے مقابلہ کی عادت پیدا ہو خواہ دین دشمنوں کو کتنی ہی طاقت نفوذ اور تسلط کیوں نہ حاصل ہو.

اور جب اعداءِ اسلام "خواہ وہ استاذ ہو یا غیر استاذ" کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ پوری قوم ان کی تاک میں ہے. اور انکے فعال واقوال پر نکیر کرنے اور اس کی تردید کے لیے سب چھوٹے بڑے تلے ہوئے ہیں تو آپ ہی بتلائیے کہ ایسی صورتِ حال میں کیا ان میں سے کوئی شخص بھی یہ جرأت کرے گا کہ الحاد پھیلائے ؟

ان مجرموں میں سے کوئی بھی مجرم یہ طاقت رکھے گا کہ اسلام پر حملہ کرے ؟

اور پھر کیا کبھی ہمارے کانوں میں یا دیکھنے میں یہ بات آئے گی کہ کسی دشمن نے اللہ تعالیٰ کی ذات پر حملہ کرنے کے لیے زبان درازی کی یا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت پر طعن وتشنیع کرنا چاہی ؛ ظاہر بات ہے کہ ایسا کبھی بھی نہ ہوگا.

اس لیے والدین کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اس حقیقت کو خوب سمجھیں اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے سلسلہ میں ان کی جو ذمہ داری ہے اسے پورا کریں، اور ہر ایجنٹ وخائن کے سامنے سینہ سپر رہیں، اور بچوں میں جرأت اور اعداء اسلام سے مقابلہ کی عادت پیدا کریں، تاکہ دین کے دشمنوں کے ایجنٹ سرکشی وبغاوت نہ کرسکیں، اور دشمنوں اور بزدلوں کو اپنے بلوں سے باہر آنے کا موقعہ نہ ملے، اور عزت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اللہ اور اس کے رسول اور مؤمنوں کے لیے ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر رحم فرمائے جو ان لوگوں کے سامنے اپنی قوت اور جہاد کی عظمت اور حق بات کہنے کی جرأت عیاں کردے۔

۵۔ساتھی کا حق

بچے کے لیے جن امور کا اختیار کرنا مربیوں کے لیے بہت اہمیت رکھتا ہے ان میں سے مؤمن ساتھی اور اچھے ہمنشین کا انتخاب بھی ہے۔ اس لیے کہ اس کا بچے کی استقامت اور اس کے امور کی اصلاح اور اخلاق کی درستگی پر بہت بڑا اثر پڑتا ہے، اور واقعی سچ کہا جس نے یہ مقولہ کہا ہے کہ ساتھی کھینچنے والا ہوتا ہے اور اس نے بھی سچ کہا جس نے یہ مثل پیش کی ہے کہ تم مجھ سے یہ نہ پوچھو کہ میں کون ہوں بلکہ مجھ سے پوچھو کہ تم کس کیساتھ اٹھتے بیٹھتے ہو اس سے تم مجھے پہچان لوگے کہ میں کون ہوں۔

اور اللہ تعالیٰ اس شاعر پر رحم فرمائے جس نے درجِ ذیل شعر کہا ہے ؛

عن المرء لا تسل وسل عن قرينه | فكل قرين بالمقارن يقتدی
انسان کے بارے میں نہ پوچھو بلکہ اسکے ساتھی کے بارے میں سوال کرو | اس لیے کہ ہر ساتھی اپنے ساتھی کی اقتدا کرتا ہے

اور لیجیے اس سلسلہ میں مربی اول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین مبارک بھی سن لیں کہ آپ نے والدین اور مربیوں کو اپنے بچوں اور ان لوگوں کیلیے جن کی تربیت کی ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے کس طرح اچھے رفقاء کے اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے۔

امام بخاری و مسلم حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

((مثل الجليس الصالح والجليس السوء كمثل حامل المسك ونافخ الكير، فحامل المسك إما أن يحذيك، أو تشتري منه أو تجد منه ريحًا طيبة ونافخ الكير إما أن يحرق ثيابك أو تجد منه ريحًا منتنة)).

اچھے ساتھی اور برے ساتھی کی مثال مشک والے اور بھٹی دھونکنے والے کی سی ہے مشک والا یا تو تمہیں مشک (بلا عوض) دے دیگا، یا تم اس سے خرید لوگے یا اس کے پاس سے تمہیں اچھی خوشبو آئے گی۔ اور بھٹی دھونکنے والا یا تو تمہارے کپڑے جلا دے گا یا اس کے پاس سے تمہیں گندی بدبو آئے گی۔

اور ابو داؤد و ترمذی نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((لا تصاحب إلا مؤمنًا، ولا يأكل طعامك إلا تقي)).

تم ساتھ نہ رہنا مگر مؤمن کے، اور تمہارا کھانا نہ کھائے مگر متقی آدمی۔

اور ابن عساکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((إياك وقرين السوء فإنك به تعرف)).

تم برے ساتھی سے بچو اس لیے کہ تمہیں اسی کے ذریعہ سے پہچانا جائے گا۔

اور امام ترمذی و ابوداؤد نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں:

((المرء على دين خليله، فلينظر أحدكم من يخالل)).

انسان اپنے دوست کے مذہب پر ہوتا ہے اس لیے تم میں سے ہر شخص کو یہ دیکھ لینا چاہیے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔

٭ ٭ ٭

ان تمام امور کی وجہ سے مربی پر یہ لازم ہے کہ بچے کے لیے اچھے ساتھیوں کا انتخاب کرے اور خصوصًا جب بچہ سن تمیز و شعور کو پہنچ جائے تو اس کے لیے اس کی عمر کے ایسے نیک صالح ساتھیوں کی جماعت منتخب کرنا چاہیے جن کے ساتھ

وہ اٹھے بیٹھے۔ اور کھیلے کودے، اور پڑھے لکھے۔ اور ان سے ملا جلا کرے، اور ان کی بیمار پرسی کرے، اور جب وہ کامیاب وکامران ہوں تو انہیں تحفہ تحائف پیش کرے، اور اگر وہ صحیح بات بھول جائیں تو انہیں یاد دلا دے۔ اور اگر وہ حاجت مند ہوں تو ان کی امداد کرے، ایسے مواقع فراہم کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بچہ بلا کسی شک وشبہ کے ان فطری معاشرتی بھلائی وخیر کے امور میں آگے بڑھنے کے وصف پر نشو ونما پائے گا۔ اور مستقبل میں وہ ایک ایسا متوازن فعال مرد بنے گا جو معاشرے کے حق کو ایسے صحیح طریقے پر ادا کرے گا جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور جس کا اسلام حکم دیتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ مصاحبت ورفاقت کے وہ اہم حقوق کیا ہیں جن کا بچوں میں پیدا کرنا اور راسخ کرنا تربیت کرنے والوں پر لازم ہے۔

یہ حقوق درجِ ذیل ہیں:

الف- ملاقات کے وقت سلام کرنا:[1]

اس لیے کہ بخاری ومسلم حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: اسلام کے آداب میں سے کونسا ادب زیادہ بہتر ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا:

((تطعم الطعام، وتقرأ السلام على من عرفت ومن لم تعرف)).	تم کھانا کھلاؤ اور سلام کرو ہر اس شخص کو بھی جس کو تم جانتے ہو اور اس کو بھی جس کو تم نہیں جانتے۔

اور امام مسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

((لا تدخلوا الجنة حتى تؤمنوا، ولا تؤمنوا حتى تحابّوا، أولا أدلكم على شئ إذا فعلتموه تحاببتم؟ أفشوا السلام بينكم)).	تم جنت میں اس وقت تک داخل نہ ہوگے جب تک مؤمن نہ بن جاؤ۔ اور تم مؤمن اس وقت تک نہیں بن سکتے جب تک کہ آپس میں محبت نہ کرو۔ کیا میں تمہیں ایک ایسی چیز نہ بتلا دوں کہ جب تم اسے اختیار کر لو تو آپس میں محبت پیدا ہو جائے۔ آپس میں سلام کو عام کرو۔

⁂ ⁂ ⁂

---

[1] سلام کا طریقہ اور اس کے آداب "معاشرتی آداب کو اختیار کرنا" کے عنوان کے ذیل میں انشاء اللہ آئندہ آجائیں گے۔

ب۔ اگر بیمار ہو تو اس کی بیمار پرسی و عیادت کرنا:

اس لیے کہ امام بخاری حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((عودوا المریض، وأطعموا الجائع، وفکوا العانی)). بیمار کی عیادت کرو، اور بھوکے کو کھانا کھلاؤ، اور قیدی کو آزاد کراؤ۔

اور امام بخاری و مسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((حق المسلم علی المسلم خمس: رد السلام، وعیادۃ المریض، واتباع الجنائز، وإجابۃ الدعوۃ، وتشمیت العاطس)). ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں: سلام کا جواب دینا، بیمار کی عیادت کرنا، جنازہ کی اتباع کرنا اور دعوت قبول کرنا، اور چھینک کا جواب دینا۔

ج۔ چھینک آنے پر اس کا جواب دینا:

اس لیے کہ امام بخاری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إذا عطس أحدکم فلیقل: الحمد للہ، ولیقل لہ أخوہ أو صاحبہ: یرحمك اللہ، فإذا قال لہ: یرحمك اللہ فلیقل: یھدیکم اللہ ویصلح بالکم)). جب تم میں سے کسی شخص کو چھینک آئے تو اسے چاہیئے کہ الحمدللہ کہے، اور اس کا بھائی یا اس کا ساتھی اس کو: یرحمک اللہ (اللہ تم پر رحم کرے) کہے اور جب اسکا ساتھی یا بھائی اسے یرحمک اللہ کہے تو اسے چاہیئے کہ وہ یہدیکم اللہ ویصلح بالکم کہے (یعنی اللہ تمہیں ہدایت دے اور تمہاری حالت درست کرے)۔

⁂ ⁂ ⁂

د۔ اللہ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اس سے ملاقات کرنا:

ابن ماجہ اور ترمذی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من عاد مریضاً أو زار أخاً فی اللہ ناداہ مناد بأن طبت وطاب ممشاك وتبوأت من الجنۃ منزلاً)). جو شخص کسی مریض کی عیادت کرتا ہے یا اپنے مسلمان بھائی کی زیارت کرتا ہے تو اسے ایک فرشتہ یہ ندا دیتا ہے کہ تم اچھے رہو اور تمہارا یہ چلنا مبارک ہو اور تم نے جنت میں اپنا گھر بنالیا۔

⁂ ⁂ ⁂

اور امام مسلم رحمہ اللہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب نے اپنے دینی بھائی سے ملنے کا

ارادہ کیا جو کسی دوسری بستی میں رہتا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے اس بستی کے سرے پر اپنا ایک فرشتہ اس کے انتظار میں بٹھا دیا وہ شخص جب وہاں پہنچا تو اس فرشتے نے پوچھا کہ تم کہاں جا رہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ اس بستی میں میرا ایک بھائی ہے اس کے پاس جا رہا ہوں۔ اس فرشتے نے کہا: کیا تمہارا اس پر کوئی حق ہے جس کی تم تکمیل کرنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں بس میں اس سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں، تو اس فرشتے نے کہا: میں اللہ کی طرف سے تمہاری جانب بھیجا گیا ہوں تاکہ تمہیں بتلا دوں کہ جس طرح تم نے اس شخص سے اللہ کے لیے محبت کی ہے اس طرح اللہ بھی تم سے محبت کرتا ہے۔

ھ۔ سختی و پریشانی کے وقت امداد کرنا:

امام بخاری و مسلم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«المسلم أخو المسلم لا يظلمه ولا يسلمه من كان في حاجة أخيه كان الله في حاجته ومن فرّج عن مسلم كربةً فرج الله عنه كربةً من كرب يوم القيامة، ومن ستر مسلمًا ستره الله يوم القيامة»۔

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے، جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں لگتا ہے، اللہ اس کی حاجت پوری کرتا ہے، اور جو شخص کسی مسلمان سے کوئی پریشانی دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی پریشانیوں میں سے کسی پریشانی کو دور فرمائیں گے، اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔

و۔ مسلمان کی دعوت قبول کرنا:

امام بخاری اور مسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«حق المسلم على المسلم خمس: رد السلام، وعيادة المريض، واتباع الجنائز، وإجابة الدعوة، وتشميت العاطس»۔

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں: سلام کا جواب دینا، بیمار کی عیادت کرنا، جنازے کے ساتھ جانا، دعوت قبول کرنا، اور چھینک کا جواب دینا۔

ز۔ مختلف مہینوں اور عیدوں کی آمد پر حسب عادت مبارک باد دینا:

دیلمی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

((من لقي أخاه عند الانصراف من الجمعة	جو شخص جمعہ سے واپسی پر اپنے کسی بھائی سے ملے تو
فليقل: تقبل الله منا ومنك)).	اسے چاہیے کہ وہ یہ کہہ دے: اللہ تعالیٰ ہماری اور
❊ ❊ ❊	آپ کی جانب سے قبول فرمائے۔

صاحب "مقاصد" خالد بن معدان سے روایت کرتے ہیں کہ وہ حضرت واثلۃ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے عید کے روز ملے تو انہوں نے حضرت واثلہ سے فرمایا: اللہ تعالیٰ میری اور آپ کی طرف سے قبول فرمائے تو حضرت واثلہ نے بھی ان سے اسی طرح کے جملے کہے۔

صحیحین میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول فرمائی تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ان کو مبارک باد دینے کے لیے کھڑے ہو گئے اور انہیں مبارک باد دی۔

جامع کبیر کے مؤلف حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت نقل کرتے ہیں:

((أتدرون ما حق الجار؟ إن استعان بك	کیا تم جانتے ہو کہ پڑوسی کا کیا حق ہے؟ اگر وہ تم سے
أعنته، وإن استقرضك أقرضته، وإن	مدد مانگے تو تم اس کی اعانت کرو۔ اور اگر وہ تم سے
أصابه خير هنأته، وإن أصابته	قرض مانگے تو تم اسے قرض دو۔ اور اگر اسے کوئی خیر
مصيبة عزيته)).	حاصل ہو تو تم اسے مبارک باد دو، اور اگر اسے کوئی
❊ ❊ ❊	مصیبت پہنچ جائے تو تم اس سے تعزیت کرو۔

ح۔ مختلف موقعوں اور مناسبات میں ہدیہ دینا:

طبرانی "معجم اوسط" میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((تهادوا تحابوا)).	ایک دوسرے کو ہدیہ دو محبت پیدا کرو۔

اور طبرانی "معجم اوسط" ہی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

((يا نساء المؤمنين تهادين ولو فرسن	اے مؤمنوں کی عورتو ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو
شاة، فإنه ينبت المودة ويذهب	چاہے دنبہ کا ایک کھر ہی کیوں نہ ہو اس لیے کہ اس

الضغائن))۔ — سے محبت پیدا ہوتی ہے اور کینہ ختم ہو جاتا ہے۔

اور دیلمی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((علیکم بالھدایا فإنھا تورث المودۃ وتذھب بالضغائن))۔ — ہدیہ دینے کو اختیار کیا کرو اس لیے کہ یہ مودت کو پیدا کرتا ہے اور کینہ کو ختم کر دیتا ہے۔

اور امام مالک نے "موطأ" میں روایت نقل کی ہے:

((تصافحوا یذھب الغل، وتھادوا تحابوا وتذھب الشحناء))۔ — آپس میں مصافحہ کیا کرو یہ کینہ دور کر دیتا ہے۔ اور آپس میں ہدیہ دیا کرو آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے اور بغض و کینہ ختم ہو جاتا ہے۔

❁ ❁ ❁

دائمی اور مستقل مؤمن رفیق اور ساتھی کے حقوق سے وقتی اور تھوڑی سی دیر کے ساتھی کے حقوق بھی متفرع ہوتے ہیں، وقتی ساتھی سے مراد وہ شخص ہے جو آپ کے ساتھ کسی سفر میں یا رفیقِ درس یا ملازمت کا ساتھی ہو قرآن کریم نے مندرجہ ذیل الفاظ سے اسے تعبیر کیا ہے:

((وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ))۔ النساء۔۳۶ — اور پاس بیٹھنے والے۔

ایسے رفیق کے ساتھ بھی ہر اس شخص کو جو اس کا پڑوسی ہو شفقت و محبت، اکرام، تعاون، ایثار، نرمی اور اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرنا چاہیئے، ہمارے لیے حقیقی مقتدیٰ اور کامل نمونۂ اقتدار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ سفر و حضر، جنگ و آشتی، امن، اور اقامت اور کوچ ہر حال میں بہترین سلوک و نرم مزاجی سے پیش آنے کا بہترین نمونہ اپنے امت کے لیے چھوڑا ہے۔

امام طبرانی اپنی سند کے ساتھ یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے ایک صحابی بھی تھے، دونوں اپنی اپنی سواریوں پر سوار تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھنے درختوں والی جگہ پہنچے تو آپ نے دو ٹہنیاں توڑیں جن میں سے ایک ٹیڑھی سی تھی تو آپ نے ان دونوں میں جو سیدھی اور اچھی تھی وہ اپنے ساتھی کو دے دی، ان صاحب نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول آپ اسکے مجھ سے زیادہ حق دار تھے! تو آپ نے ارشاد فرمایا: اے فلاں ہرگز نہیں، یہ بات نہیں ہے اس لیے کہ ہر وہ شخص جو کسی کے ساتھ رفیق بنتا ہے اس سے اپنے ساتھیوں کے بارے میں پوچھا جائے گا چاہے وہ ایک گھڑی کی رفاقت کیوں نہ ہو۔

ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن فرماتے ہیں: ایک مروت سفر کی ہوتی ہے اور ایک مروت اقامت و حضر کی، سفر میں مروت کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان زادِ راہ کو خرچ کرے اور ساتھیوں سے اختلاف نہ کرے، اور کثرت سے دل لگی کرے، لیکن ایسا

مذاق نہ ہو جو اللہ کی ناراضگی کا موجب ہو، اور اقامت و حضر میں مروت یہ ہے کہ مسجد مستقل آیا جایا کرے، اور قرآن کریم کی تلاوت کرے، اور اللہ کے واسطے بہت سے دوست بنائے۔

بعض بنو اسد والوں کی جانب یہ اشعار منسوب ہیں:

إذا ما رفيقي لم يكن خلف ناقتي	له مركب فضلاً فلا حملت رجلي
اگر میرے ساتھی کے لیے میری اونٹنی پر سواری	کی فاضل جگہ نہ ہو تو وہ اونٹنی مجھے بھی نہ اٹھائے
ولم يك من زادي له شطر مزودي	فلا كنت ذا زاد ولا كنت ذا فضل
اور اگر میرے توشہ میں سے ایک حصہ کے برابر اسکا حصہ نہ ہو	تو میں نہ توشہ والا ہوں اور نہ احسان کرنے کے قابل رہوں
شريكان فيما نحن فيه وقد أرى	عليّ له فضلاً بما نال من فضلي
ہمارے پاس جو کچھ ہے اسمیں ہم دونوں ایک دوسرے کے شریک ہیں	اور میرے زائد حصہ میں سے جو وہ لیتا ہے اسے میں اسکا اپنے اوپر احسان سمجھتا ہوں

حضراتِ مربیین ساتھی کے حق اور دوست کا احترام کرنے کے سلسلہ میں یہ وہ اہم بنیادی اصول اور قواعد وضوابط ہیں جن کا بچوں کو آنکھ کھولنے سے ہی سکھانا اور ان کا عادی بنانا چاہیئے، اور بچے میں معاشرتی شعور پیدا کرنے اور اللہ کے لیے محبت کرنے کی عادت ڈالنے کے سلسلہ میں یہ سب سے بڑے عوامل واسباب ہیں، یہ جذبہ جب محبت واخلاص، وفاء و ایثار اور تعاون وخیر خواہی کی بنیادوں پر قائم ہو تو اس سے مسلم معاشرے میں اتحاد اور سلامتی اور استقرار وامن کی بنیادیں راسخ ومستحکم ہوں گی اور عدل وانصاف اور مساوات وبھائی چارگی کی فضاء اطرافِ عالم اور تمام سرزمین میں پھیل جائے گی، کیوں؟ اس لیے کہ مسلمان نے اسلام کا زندہ نمونہ اپنے اخلاق وعادات چال چلن اور معاملہ وبرتاؤ کے ذریعہ ہر ذی بصیرت کے سامنے پیش کر دیا ہوگا۔

ہمارا اسلامی معاشرہ ایسے فاضل تربیت کرنے والوں اور باوصف والدین کا کس قدر محتاج ہے جو اچھی تربیت اور شاندار اخلاق کے ذریعہ شروع ہی سے بچے میں یہ بنیادی چیزیں پیدا کر دیں تاکہ بچہ اچھی عادات میں نشو ونما پائے اور اعلیٰ ترین اخلاق اور بے نفسی کی وصف کو لیکر بڑھے پلے۔

۶- بڑے کا حق

بڑے سے مراد ہر وہ شخص ہے جو آپ سے عمر میں بڑا ہو، علم میں بڑا ہو، دین وتقویٰ میں بڑا ہو اور عزت وشرافت وقدر ومنزلت میں برتر ہو۔

یہ مذکورہ بالا حضرات اگر اپنے دین میں مخلص، اور اپنے رب کی شریعت کو مضبوطی سے تھامنے والے ہوں تو لوگوں پر یہ لازم ہوگا کہ ان کی قدر ومنزلت پہچانیں، اور ان کے حق کو ادا کریں، اور ان کے احترام کے فریضہ کو ادا کریں تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کی اتباع وتعمیل ہو جائے جس نے معاشرہ کو ایسے افراد کے مرتبہ سے روشناس کرایا اور

لوگوں پر ان کے حق کو لازم کردیا۔

بڑوں کے احترام کے سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شاندار توجیہات وارشادات کا ایک معطر گلدستہ پیشِ خدمت ہے

امام ترمذی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

((ما أكرم شاب شيخاً لسنه إلا قيض الله له من يكرمه عند سنه)).

کوئی بھی نوجوان شخص کسی عمر رسیدہ شخص کا احترام اس کی بڑی عمر کی وجہ سے نہیں کرتا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایسے افراد مقرر کرلیتا ہے۔ جو اس کا احترام اس وقت کریں گے جب وہ اس بڑی عمر کو پہنچ جائے۔

✣ ✣ ✣ ✣

اور ابوداؤد و ترمذی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

((ليس منا من لم يرحم صغيرنا ويعرف حق كبيرنا)).

وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کے حق کو نہ پہچانے،

اور ابوداؤد حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

((إن من إجلال الله تعالى إكرام ذى الشيبة المسلم، وحامل القرآن غير الغالى فيه والجافى عنه، وإكرام ذى السلطان المقسط)).

اللہ کی عظمت واحترام کا تقاضہ یہ ہے کہ مسلمان عمر رسیدہ شخص کا اکرام کیا جائے اور اس قرآن کریم کے عامل و حافظ کا جو اس میں نہ غلو کرنے والا ہو نہ اس کو چھوڑنے والا اور عادل بادشاہ کا۔

اور ابوداؤد میمون بن ابی شبیب رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک سائل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے گزرا تو انہوں نے روٹی کا ایک ٹکڑا اسے دے دیا، اور ایک ذی وجاہت و صاحبِ حیثیت وخوش پوشاک شخص گزرا تو انہوں نے اسے بٹھایا اور جب وہ شخص کھانا کھاکر چلا گیا تو اس کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((أنزلوا الناس منازلهم)).

لوگوں کو انکے مقام پر رکھا کرو۔

ایک دوسری روایت میں یوں ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ ہم ہر شخص کو اس کے مناسب درجہ دیا کریں (جیسا ہو اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کریں)۔

امام مسلم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«أراني في المنام أتسوك بسواك، فجاءني رجلان أحدهما أكبر من الآخر، فناولت السواك الأصغر (منهما) فقيل لي: كبر، فدفعته إلى الأكبر منهما».

میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مسواک سے مسواک کر رہا ہوں، اسی اثناء میں میرے پاس دو صاحبان آئے جن میں سے ایک دوسرے سے بڑا تھا، تو میں نے مسواک ان دونوں میں سے چھوٹے کو دے دی، تو مجھ سے کہا گیا کہ بڑے کو دیجیے، لہٰذا میں نے وہ مسواک ان دونوں میں جو بڑا تھا اس کے حوالے کر دی۔

٭ ٭ ٭

٭ ٭ ٭

احادیثِ مبارکہ کے اس مجموعہ سے ہم مندرجہ ذیل خلاصہ نکالتے ہیں:

الف — بڑے کو اس کی حسبِ شان مرتبہ دینا:

مثلاً یہ کہ معاملات میں اس سے مشورہ لیا جائے، مجلس میں اسے آگے بڑھایا جائے، ضیافت میں اس سے ابتدا کیجائے تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس فرمانِ مبارک پر عمل ہو جس میں آپ نے یہ حکم دیا ہے کہ لوگوں سے ان کے حسبِ مرتبہ سلوک کیا کرو، اس کی مزید تاکید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے امام احمد نے سندِ صحیح سے شہاب بن عباد سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے وفد عبدالقیس کے بعض حضرات سے یہ سنا کہ وہ یہ کہہ رہے تھے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو حاضرینِ مجلس کی خوشی میں اضافہ ہو گیا، اور جب ہم ان کے قریب پہنچے تو ان حضرات نے ہمارے لیے جگہ چھوڑ دی اور جب ہم بیٹھ گئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خوش آمدید کہا اور ہمیں آگے بلا لیا پھر ہماری طرف غور سے دیکھ کر پوچھا: تمہارا سردار و سربراہ کون ہے؟ ہم سب نے منذر بن عائذ کی طرف اشارہ کیا، جب منذر آپ کے قریب ہوئے تو سب لوگوں نے ان کے لیے جگہ چھوڑ دی اور منذر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب بیٹھ گئے، تو آپ نے انہیں خوش آمدید کہا اور ان سے نرمی سے بات کی اور ان کے شہر و ملک کے بارے میں سوال کیا۔ الخ

محدثین کے یہاں یہ بات متفق علیہ اور طے شدہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ضیافت کی ابتداء رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتے تھے اور پھر ان حضرات سے جو آپ کی دائیں جانب ہوتے تھے اور یہی طریقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کی سنت بھی ہے۔

ب۔ تمام امور میں بڑے سے ابتدا کرنا:

مثلاً یہ کہ جماعت کی نماز اور لوگوں سے بات چیت کرنے اور معاملات کے وقت لینے دینے میں بڑے کو چھوٹے پر مقدم رکھا جائے، اس لیے کہ امام مسلم حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اصلاحِ صف) کے لیے ہمارے کاندھوں کو ہاتھ لگا کر فرمایا کرتے تھے:

((استووا ولا تختلفوا فتختلف قلوبكم ليلني منكم أولو الأحلام والنهى ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم)).	سیدھے ہو جاؤ اور آگے پیچھے نہ ہو کہ اس کی وجہ سے تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہو، میرے قریب تم میں سے عقل و سمجھ والے ہونا چاہئیں، اور پھر وہ لوگ جو ان سے قریب قریب ہوں اور پھر وہ لوگ جو اس معاملہ میں ان سے قریب ہوں۔

❊ ❊ ❊

اور امام بخاری ومسلم ابو یحییٰ انصاری سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: عبداللہ بن سہل اور محیصہ بن مسعود سرزمین خیبر گئے جہاں اس وقت صلح ہو چکی تھی یہ دونوں الگ الگ ہو گئے چنانچہ محیصہ عبداللہ کے پاس گئے جو خون میں لت پت پڑے تھے پھر محیصہ مدینہ منورہ آئے، پھر عبدالرحمٰن بن سہل اور مسعود کے دونوں بیٹے محیصہ اور حویصہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، عبدالرحمٰن نے بات کرنا چاہی تو نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: بڑے کو بات کرنے کا موقعہ دو بڑے کو بات کرنے دو، عبدالرحمٰن ان سب سے چھوٹے تھے الخ۔

اور ابھی کچھ پہلے ہم مسواک والی حدیث ذکر کر چکے ہیں جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ مسواک بڑے شخص کو دیں۔

ج۔ چھوٹے کو بڑے کی بے حرمتی کرنے سے ڈرانا:

مثلاً یہ کہ چھوٹا بڑے کا مذاق اڑائے یا اس پر ہنسے یا اس کو برا بھلا کہے، یا اس کی موجودگی میں بے ادبی سے پیش آئے، یا اس کو منہ در منہ ڈانٹے وغیرہ، اس لیے کہ طبرانی اپنی کتاب "معجم کبیر" میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((ثلاث لا يستخف بهم إلا منافق: الشيبة في الإسلام، وذو العلم،	تین آدمیوں کی توہین منافق ہی کر سکتا ہے: ایک وہ شخص جو حالتِ اسلام میں بڑھاپے کو پہنچا ہو، اور عالم،

وإمام مقسط))۔ اور عادل امام و بادشاہ۔

بڑوں کے احترام کے سلسلہ میں وارد ان ارشادات سے بہت سے دینی معاشرتی آداب و احکام متفرع ہوتے ہیں جن کا تعلق احترام سے ہے، اس لیے تربیت کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو ان آداب کا عادی بنائیں اور ان پر عمل کرنے کا انہیں حکم دیں، اور وہ درج ذیل ہیں۔

الف - حیاء

یہ ایک ایسی عادت ہے جو انسان کو برائیوں کے چھوڑنے پر ابھارتی اور بڑوں کے حقوق میں کوتاہی کرنے سے روکتی ہے، اور ہر حقدار کو اس کا حق دینے پر مجبور کرتی ہے، اسی لیے حیاء ہر طرح سے خیر ہی خیر ہے جیسا کہ بخاری و مسلم نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

حیاء کی فضیلت پر وہ روایت بھی دلالت کرتی ہے جسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ اگر حیاء کسی انسانی روپ میں ہوتی تو نیک وصالح آدمی ہوتی اور اگر فحش و برائی انسانی شکل میں ہوتی تو بہت برا آدمی ہوتی۔

اور ابن ماجہ اور ترمذی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((ما كان الفحش في شيئ إلا شانه، وما كان الحياء في شيئ إلا زانه))۔ فحش و بے حیائی کسی بھی چیز میں نہیں ہوتی مگر یہ کہ اسے عیب دار بنا دیتی ہے، اور حیاء کسی بھی چیز میں نہیں ہوتی مگر یہ کہ اسے مزین و آراستہ بنا دیتی ہے۔

* * *

اور امام مالک اور ابن ماجہ حضرت زید بن طلحہ بن رکانہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إن لكل دين خلقاً وخلق الإسلام الحياء))۔ ہر دین کی ایک عادت مزاج اور طرۂ امتیاز ہوا کرتا ہے اور اسلام کا طرۂ امتیاز حیاء ہے۔

اور بخاری و مسلم نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں:

((... والحياء شعبة من الإيمان))۔ ... اور حیاء ایمان کا شعبہ ہے۔

حیاء کی منقبت و فضیلت کے سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان توجیہات و ارشادات کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اولاد کا اس عالی شان عادت و وصف سے متصف ہونا اور اپنے سے بڑوں اور عمر رسیدہ حضرات کے سامنے اس

وصف کے آثار کا ان پر ظاہر ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

امام بخاری و مسلم حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نوعمر تھا اور آپ کی احادیث یاد کرلیا کرتا تھا، لیکن بات کرنے سے اس لیے رک جاتا تھا کہ وہاں مجھ سے زیادہ عمر والے حضرات موجود ہوا کرتے تھے۔

ب ۔ آنے والے کے استقبال کیلیے کھڑا ہونا:

آنے والے مثلاً مہمان یا مسافر یا عالم یا بڑے کے لیے کھڑا ہونا ایک نہایت شاندار معاشرتی ادب ہے، جس کا بچوں کو حکم دینا چاہیے اور انہیں اس کا عادی بنانا چاہیئے، جس کے ادلہ درجِ ذیل ہیں:

الف ۔ بخاری و ابوداؤد و ترمذی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت فاطمہ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ نہیں پایا نہ عادات و اخلاق میں نہ چال چلن میں، نہ طور طریقے اور اٹھنے بیٹھنے میں، فرماتی ہیں جب حضرت فاطمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کرتی تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہوجاتے انہیں چومتے اور پھر انہیں اپنی جگہ پر بٹھا لیتے تھے، اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس جاتے تھے تو وہ آپ کے لیے اپنی جگہ سے کھڑی ہوجاتی تھیں اور آپ کو چوم لیتی تھیں اور آپ کو اپنی جگہ پر بٹھا لیا کرتی تھیں۔

ب ۔ اور نسائی اور ابوداؤد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے گفتگو فرمایا کرتے تھے، پھر جب آپ کھڑے ہوجاتے تھے تو ہم بھی کھڑے ہوجاتے تھے اور ہم اس وقت تک کھڑے رہتے تھے جب تک آپ اپنی ازواجِ مطہرات میں سے کسی کے گھر داخل نہ ہوجائیں۔

ج ۔ ابوداؤد عمر بن السائب سے روایت کرتے ہیں کہ انہیں یہ خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ تشریف فرما تھے کہ اسی اثناء میں آپ کے رضاعی (دودھ کے رشتہ والے) والد آگئے تو آپ نے ان کے لیے اپنا کپڑا بچھا دیا اور ان کو اس پر بٹھایا، پھر آپ کی رضاعی والدہ آئیں تو آپ نے اپنے کپڑے کا دوسرا حصہ ان کے لیے بچھا دیا اور وہ اس پر بیٹھ گئیں، پھر آپ کے دودھ شریک بھائی آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوگئے اور انہیں اپنے سامنے بٹھالیا۔

د ۔ بخاری و مسلم روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ مسجد کے قریب آگئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا: اپنے سردار کی جانب کھڑے ہوجاؤ یا یہ فرمایا کہ اپنے بڑے کے لیے کھڑے ہوجاؤ۔

ھ ۔ وہ صحیح احادیث جن سے کھڑے ہونے کا جواز معلوم ہوتا ہے ان میں سے وہ حدیث بھی ہے جو بخاری د

مسلم نے ابن مالک سے روایت کی ہے جس میں وہ غزوۂ تبوک سے اپنے پیچھے رہ جانے کا قصہ بیان فرماتے ہیں. وہ کہتے ہیں کہ : میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کی غرض سے گیا تو لوگ مجھ سے فوج در فوج ملے، اور میری توبہ قبول ہونے پر مجھے مبارک باد دینے لگے اور کہنے لگے : اللہ نے آپ کی توبہ قبول فرمالی آپ کو مبارک ہو، میں جب مسجد نبوی میں داخل ہوا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور آپ کے ارد گرد لوگ بیٹھے ہیں. حضرت طلحہ بن عبید اللہ مجھے دیکھ کر تیزی سے میری طرف بڑھے اور مجھ سے مصافحہ کیا اور مجھے مبارک باد دی۔

ان احادیث اور ان جیسی دیگر احادیث سے علماء و مجتہدین نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ مختلف مواقع اور مناسبتوں کے موقعہ پر اہل علم اور ارباب فضل و کمال کیلئے کھڑا ہونا جائز ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کھڑے ہونے کی ممانعت کے سلسلہ میں جو روایات میں آتا ہے تو اس سے وہ شخص مراد ہے جو اپنی ذات کے لیے لوگوں کو کھڑا کرانا چاہتا ہو، اور اس کا خواہشمند اور دلدادہ ہو، نیز وہ اس قیام پر محمول ہے جس میں قیام کی کسی خاص ایسی صورت کو اختیار کیا جائے جس میں کبر و تعظیم کے معنی پائے جاتے ہوں، جیسے کہ بعض عجمی بعض کے لیے کیا کرتے تھے، مثلاً یہ کہ قابل احترام شخصیت اعزاز و اکرام کے ساتھ بیٹھی رہے اور اس کے ارد گرد لوگ کھڑے ہوں،

ج- بڑے کے ہاتھ چومنا :

جن معاشرتی آداب کا بچوں کو عادی بنانا چاہیئے اور جن کے سکھانے کی مربیوں کو کوشش کرنا چاہیے اور بچوں کو اس کی عادت ڈلوانا چاہیے ان میں سے بڑے کے ہاتھ چومنا بھی ہے. اس لیے کہ اس معاشرتی ادب کے سکھانے سے بچے میں تواضع و احترام اور نرمی سے پیش آنے اور ہر شخص سے اس کی حسب حیثیت برتاؤ کرنے کی عادت ڈالنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

بڑوں کے ہاتھ چومنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل اور ائمہ کا اجتہاد دلالت کرتا ہے :

الف ۔ امام احمد و بخاری (اپنی کتاب "الادب المفرد" میں) اور ابوداؤد اور ابن الأعرابی حضرت زارع رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں (جو وفد عبد القیس کے ساتھ تھے) کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم جب مدینہ منورہ پہنچے تو جلدی جلدی اپنے کجاووں سے نکلے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک اور پاؤں مبارک کو چومنے لگے ۔

ب ۔ امام بخاری "الادب المفرد" میں حضرت وازع بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ جب ہم وہاں پہنچے تو ہمیں بتلایا گیا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں، تو ہم نے آپ کے مبارک ہاتھ اور پاؤں چومنا شروع کردیے۔

ج ۔ ابن عساکر ابو عمار سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سوار ہونے کے لیے ایک

جانور قریب کیا گیا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی پالان کو پکڑ لیا، تو حضرت زید نے فرمایا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی آپ ایک طرف ہو جائیے، تو انہوں نے فرمایا کہ ہمیں اپنے بڑوں اور علماء کے ساتھ اسی طرح کا برتاؤ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، حضرت زید نے فرمایا: ذرا مجھے اپنا ہاتھ دیجیے، انہوں نے ہاتھ بڑھا دیا تو حضرت زید نے ان کا ہاتھ چوم کر فرمایا: ہمیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت کے ساتھ اس طرح کے برتاؤ کا حکم دیا گیا ہے۔

د۔ بخاری الادب المفرد میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اور پاؤں چومتے دیکھا ہے۔

ھ۔ حافظ ابوبکر المقری حضرت ابومالک اشجعی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ مجھے اپنا وہ دستِ مبارک دیجیے جس سے آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی، انہوں نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ تو میں نے اسے چوم لیا۔

اہلِ علم وفضل کے ہاتھ چومنے کے سلسلہ میں منقول بے شمار روایات میں سے یہ چند روایتیں ہیں اس لیے تربیت کرنے والوں کا فرض ہے کہ وہ بچوں کو اس بہترین عادت اور شاندار طریقے کا عادی بنائیں۔ تاکہ وہ بڑوں کے احترام اور علماء کی عزت وعظمت اور دوسروں سے معاملہ کرنے میں تواضع وانکساری اور بے مثال وبلند اخلاق وعادات میں بڑھیں پلیں۔

البتہ تربیت کرنے والوں کو چاہیے کہ بچے کو بڑوں وغیرہ کے احترام کے لیے کھڑا ہونے اور ان کے ہاتھ چومنے کی عادت ڈالنے کے سلسلہ میں دو اہم امور کا ضرور خیال رکھیں:

۱۔ کہ وہ اس معاملہ میں ضرورت سے زیادہ غلو نہ کریں اور کھڑے ہونے اور ہاتھ چومنے میں متعارف دائرہ اور حد سے باہر نہ نکلیں اس لیے کہ غلو کرنے کی وجہ سے برائیوں سے چشم پوشی اور حق وراہِ راست سے دوری ہوتی ہے اور احترام کی حقیقت معکوس ہو جاتی ہے، اور بچے کی شخصیت پارہ پارہ ہو جاتی ہے۔

۲۔ اس حد سے آگے نہ بڑھیں جس کا اسلامی شریعت نے حکم دیا ہے مثلاً قیام وکھڑے ہونے کے دوران جھکنا یا چومتے وقت بہت زیادہ جھکنا اور رکوع کی سی کیفیت پیدا ہو جانا۔

دوسروں کے حقوق کی رعایت کے سلسلہ میں یہ وہ اہم امور اور اساسی بنیادیں ہیں جنہیں اسلام نے مقرر کیا ہے اس لیے تربیت کرنے والوں کو چاہیے کہ بچوں کو ان کا عادی بنائیں، اور ان کی تلقین کریں۔ اور ان کی طرف رہنمائی کرتے رہیں۔ تاکہ بچے میں شروع ہی سے بڑے کے احترام اور عمر رسیدہ لوگوں کے اکرام کی عادت پیدا ہو، اور شروع ہی سے وہ اپنے سے بڑے کے حق کو سمجھے اور اپنے سے علم وفضل اور مرتبہ میں بڑے کے ادب کا عادی ہو۔

بلاشبہ مربی اگر لوگوں کے سامنے بچے کو دوسرے کے احترام کی عادت ڈلوانے اور باادب رہنے، اور ان

کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کے سلسلہ میں ان آداب و قواعد کو پیش کرے گا تو بچّہ اصحابِ فضل و کمال کے احترام اور عمر رسیدہ لوگوں کے اکرام کی جانب پورے طور سے مائل ہوگا، اور واقعۃً یہ ادب کی انتہا اور احترام و اکرام کا منتہیٰ ہے اس لیے آج ہمیں ایسے کریم مربیوں اور فاضل معلموں کی سخت ضرورت ہے جو تربیت کے سلسلہ میں اسلام کے حقائق کو سمجھیں۔

اور پھر عزم و حزم اور پوری قوت سے معاشرے کے افراد کو یہ اخلاق سکھانے اور ان کو ان اچھائیوں کا عادی بنانے اور ان صفات کے ان میں پیدا کرنے کی پوری کوشش کریں۔

اگر یہ حضرات اس راستے پر چل پڑیں گے اور اس طریقے اور نظام کو نافذ کرنے کا عزمِ مصمم کرلیں گے تو امتِ اسلامیہ شاندار معاشرتی اخلاق اور بلند و بالا اسلامی آداب کی چوٹی تک پہنچ جائے گی، اور واقعی اس روز مومنوں کو نئی پود با کمال معاشرے اور امن و استقرار و استحکام کو دیکھ کر خوشی ہوگی۔

ثالثاً: عمومی معاشرتی آداب کا پابند ہونا

بچے کی معاشرتی تربیت کے سلسلہ میں اسلام نے جن قواعد کو مقرر و متعین کیا ہے ان میں سے یہ بھی ہے کہ بچے کو شروع ہی سے عمومی معاشرتی آداب کا عادی بنایا جائے، اور اہم بنیادی تربیتی اصولوں کی اسے عادت ڈلوائی جائے، تاکہ بچہ جب گود سے نکلے اور بچپن کے ایام وسالوں کو پھلانگنے لگے اور اشیاء کی حقیقتوں سے واقف ہو تو دوسروں کے ساتھ اس کا برتاؤ اور معاملہ نہایت اچھا اور ہمدردانہ ہو اور معاشرہ میں اس کا کردار وطرز زندگی محبت و ملاطفت اور اخلاقِ عالیہ پر مشتمل ہو۔

بلاشبہ یہ اجتماعی و معاشرتی آداب جن کی تفصیل میں اس بحث میں ذکر کروں گا ان کا پورا تعلق "نفسیاتی اصول کی تخم ریزی" کی اس بحث سے ہے جس کو ہم نے اس فصل کی ابتداء میں تفصیل سے بیان کیا ہے، اس لیے کہ جب معاشرتی معاملات یا عمومی آداب پر عمل کا مدار ایمان و تقویٰ کے عقیدے اور اخوت ورحمت اور ایثار وحلم و بردباری کے بنیادی اصولوں پر ہوگا تو اس کا اثر یہ ہوگا کہ بچے کی معاشرتی تربیت انتہائی بلندی اور قابلِ ذکر درجہ تک پہنچی ہوگی بلکہ بچہ اپنے چال چلن، عادات و اخلاق اور لوگوں سے معاملات و برتاؤ میں کامل و مکمل شخصیت اور عقل مند و ذکی شخص اور حکیم اور متوازن آدمی کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

اسلام نے بچے کی اخلاقی تربیت اور معاشرتی و اجتماعی شخصیت سازی کے تربیتی اصول مقرر کرنے میں اسی چیز کا اہتمام کیا ہے۔

چونکہ ہم معاشرتی تربیت کی ہر بحث کے لیے ایسے واضح اور مفصل خطوط مرتب کرتے ہیں جو مربیوں کے لیے میدانِ عمل اور طریقۂ کار واضح اور راستہ روشن کردیں، اس لیے اس بحث کے بھی تفصیلی اہم خطوط و نقاط درج ذیل ہیں:

۱- کھانے پینے کے آداب۔
۲- سلام کے آداب۔
۳- اجازت طلب کرنے کے آداب۔

۴۔ مجلس کے آداب۔
۵۔ بات چیت کے آداب۔
۶۔ مزاح و مذاق کے آداب۔
۷۔ مبارک باد دینے کے آداب۔
۸۔ بیمار پرسی کے آداب۔
۹۔ تعزیت کے آداب۔
۱۰۔ چھینک اور جمائی کے آداب۔

اگر خدا نے چاہا تو ان معاشرتی آداب میں سے ہر ادب پر میں تفصیلی روشنی ڈالوں گا، تاکہ مربی بچوں میں ان کی تخم ریزی کی کوشش کریں، اللہ ہی پر بھروسہ ہے اور وہی مددگار ہے:

(۱) کھانے پینے کے آداب

کھانے کے کچھ آداب ہیں جو مربی کو بچے کو سکھانا چاہیے، اور ان کی جانب اس کی رہنمائی کرنا چاہیئے، اور اس کو یہ دیکھتے رہنا چاہیے کہ بچہ ان پر کتنا عمل کر رہا ہے، وہ آداب مندرجہ ذیل ترتیب کے مطابق ہیں:

الف۔ کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھوں کا دھونا:

اس لیے کہ ابوداؤد اور ترمذی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((بركة الطعام الوضوء قبله والوضوء بعده)).

کھانے میں برکت اس کے شروع کرنے سے قبل اور کھانے کے بعد وضو کرنے میں ہے (یعنی ہاتھ دھونے میں ہے)۔

اور ابن ماجہ اور بیہقی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

((من أحب أن يكثر الله خير بيته فليتوضأ إذا حضر غداؤه وإذا رفع)).

جو شخص یہ چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گھر کی برکت خیر بڑھادے تو اسے چاہیئے کہ جب اس کا کھانا آئے تو اس سے پہلے بھی ہاتھ دھوئے اور جب اسے اٹھایا جائے تب بھی ہاتھ دھوئے۔

❊ ❊ ❊

ب ۔ کھانے کے شروع میں بسم اللہ اور اخیر میں الحمد للہ پڑھنا

اس لیے کہ ابوداؤد و ترمذی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

((إذا أكل أحدكم فليذكر اسم الله تعالى فإن نسي أن يذكر اسم الله تعالى في أوله فليقل : باسم الله أوله وآخره)).	جب تم میں سے کوئی شخص کھائے تو اللہ تعالیٰ کا نام لیکر (شروع کرے) اور اگر شروع میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا بھول جائے تو یہ کہے: میں اس کے شروع اور اخیر میں اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کھاتا ہوں۔

اور امام احمد وغیرہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کھاتے یا پیتے تھے تو یہ فرماتے تھے:

((الحمد لله الذي أطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمين)).	تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور ہمیں مسلمانوں میں سے بنایا۔

ج ۔ جو کھانا بھی سامنے آئے اس کی برائی نہ کرے:

اس لیے کہ بخاری و مسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی کسی کھانے کی برائی نہیں کی، اگر آپ کو اچھا معلوم ہوتا تھا تو نوش فرما لیتے تھے، اور اگر مرغوب نہ ہوتا تو چھوڑ دیتے تھے

د ۔ دائیں ہاتھ سے اور اپنے سامنے سے کھانا:

اس لیے کہ امام مسلم حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بچہ تھا، اور برتن میں میرا ہاتھ اِدھر اُدھر چلا جاتا تھا تو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((يا غلام سم الله، وكل بيمينك، وكل مما يليك)).	لڑکے اللہ کا نام لو، اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ، اور اپنے قریب سے کھاؤ۔

۵ ۔ ٹیک لگا کر نہ کھانا:

اس لیے کہ ٹیک لگا کر کھانا صحت کے لیے بھی نقصان دہ ہے اور اس میں تکبر کا شائبہ بھی پایا جاتا ہے۔ امام بخاری حضرت

ابو جحیفہ وہب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لا آكل متكئاً)). میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔

اور امام مسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو زانو ایڑھیوں کے بل بیٹھ کر کھجوریں کھاتے دیکھا ہے۔

و۔ کھاتے وقت باتیں کرنا مستحب ہے:

اس لیے کہ امام مسلم حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں سے سالن مانگا تو انہوں نے عرض کیا کہ ہمارے پاس تو صرف سرکہ ہی ہے، آپ نے وہ منگوایا اور اس سے کھانے لگے اور فرمانے لگے کہ سرکہ تو بہترین سالن ہے، بہترین سالن سرکہ ہے، اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے صحیح حدیث میں یہ بھی مروی ہے کہ اکثر مواقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دسترخوان پر کھاتے ہوئے اپنے صحابہ سے باتیں کیا کرتے تھے۔

ز۔ کھانے سے فارغ ہوکر میزبان کے لیے دعا کرنا مستحب ہے:

اس لیے کہ ابوداؤد و ترمذی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے تو وہ روٹی اور زیتون کا تیل لائے[1] آپ نے وہ نوش فرمالیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((أفطر عندكم الصائمون، وأكل طعامكم الأبرار، وصلت عليكم الملائكة)). تمہارے یہاں روزہ دار افطار کریں، اور تمہارا کھانا نیک لوگ کھائیں، اور فرشتے تمہارے لیے استغفار کریں۔

ح۔ اگر کوئی بڑا موجود ہو تو اس سے قبل کھانا شروع نہ کرنا:

اس لیے کہ امام مسلم اپنی "صحیح" میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی کھانے میں شریک ہوتے تو اس وقت تک برتن میں ہاتھ نہیں ڈالتے تھے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دستِ مبارک برتن میں نہ ڈالیں۔

---

[1] مسندِ احمد و طبرانی میں یہ الفاظ ہیں کہ وہ منقے لائے یہی درست ہے۔ حافظ کہتے ہیں کہ زبیب کا لفظ غلطی سے زیت بن گیا ہے۔

ط۔ نعمت کی بے وقعتی اور توہین نہ کرنا:

اس لیے کہ امام مسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی کھانے کی چیز نوش فرماتے تھے تو اپنی تینوں انگلیوں کو چاٹ لیا کرتے تھے، اور آپ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی شخص کا لقمہ گر جائے تو اسے چاہیے کہ اسے اٹھالے، اور اگر اس پر کچھ لگ گیا ہو تو اسے دور کردے اور کھالے، اور اس کو شیطان کے لیے پڑا نہ رہنے دے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ حکم دیا کہ ہم پیالے کو انگلی سے چاٹ لیں، اور یہ فرمایا کہ تمہیں کیا معلوم کہ تمہارے کھانے کے کس حصے میں برکت ہے۔

پینے کے آداب درج ذیل ہیں:

الف۔ بسم اللہ پڑھ کر پینا، اخیر میں الحمد للہ پڑھنا، اور تین سانس میں پینا:

اس لیے کہ امام ترمذی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

((لا تشربوا واحداً کشرب البعیر، ولکن اشربوا مثنی وثلاث، وسموا إذا أنتم شربتم، واحمدوا إذا أنتم رفعتم)).

اونٹ کی طرح ایک سانس میں مت پیو، بلکہ دو یا تین مرتبہ میں پیو، اور جب پیو تو اللہ کا نام لے کر پیو اور جب پی چکو تو اللہ کی تعریف بیان کیا کرو۔

ب۔ مشکیزہ کے منہ سے منہ لگا کر پینا مکروہ ہے:

اس لیے کہ امام بخاری و امام مسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ مشک یا مشکیزے کے منہ سے منہ سے لگا کر پیا جائے، اس لئے کہ یہ انداز عمومی مذاق و مزاج اور معاشرہ کے ذوق کے منافی بھی ہے، اور یہ ڈر بھی ہے کہ پانی میں کوئی ایسی چیز پڑی ہو جو صحت کے لیے مضر ہو اور اس طرح پینے میں اس کا علم نہ ہو سکے۔

ج۔ پانی وغیرہ کو پھونک کر پینے کی ممانعت:

اس لیے کہ امام ترمذی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن میں منہ لگے ہونے کی حالت میں سانس لینے اور پانی میں پھونک کر پینے سے منع فرمایا ہے، پانی پیتے پیتے برتن منہ میں لگے لگے سانس لینے اور پانی میں پھونکنے کے طبی نقصانات اور اس حرکت کا معاشرتی اخلاق کے منافی ہونا کوئی

ڈھکی چھپی بات نہیں۔

د - بیٹھ کر کھانا پینا مستحب ہے

اس لیے کہ امام مسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص کھڑے ہو کر پانی پیے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت انس سے پوچھا کہ کھڑے ہو کر کھانے کا کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: یہ تو اور بھی برا ہے۔ مسلم کی ایک روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص کھڑے ہو کر پانی نہ پیے اور جو شخص بھول جائے (اور کھڑے ہو کر پی لے) تو اسے چاہیے کہ قے کرلے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو آتا ہے کہ آپ نے کھڑے ہو کر پیا تو یہ محض بیانِ جواز کے لیے تھا مثلاً یہ کہ پانی پینے والا کسی ایسے مقام پر ہو جہاں کھڑے ہو کر پینا بیٹھ کر پینے سے زیادہ افضل ہو مثلاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آبِ زمزم اس بنیاد پر کھڑے ہو کر پینا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((یرید اللّٰہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر)).	اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آسانی چاہتے ہیں اور تمہارے لیے تنگی اور عسر نہیں چاہتے۔

ه - سونے اور چاندی کے برتن میں پانی پینے کی ممانعت:

اس لیے کہ بخاری و مسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((الذی یشرب فی آنیۃ الفضۃ فانما یجرجر فی بطنہ نار جہنم)).	جو شخص چاندی کے برتن میں پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے۔

اور مسلم کی روایت میں آتا ہے کہ:

((من شرب فی إناء من ذھب أو فضۃ فانما یجرجر فی بطنہ نارًا من جھنم)).	جو شخص سونے یا چاندی کے برتن میں پیتا ہے تو وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ دہکاتا ہے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان چیزوں کے برتن استعمال کرنے سے تکبر اور بڑائی پیدا ہوتی ہے اور غریبوں کی کرامت مجروح ہوتی ہے۔

۹- پیٹ کو کھانے اور پینے سے خوب بھرنے کی ممانعت

اس لیئے کہ امام احمد و ترمذی وغیرہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((ما ملأ آدمی وعاء شرًا من بطنه، بحسب ابن آدم لقیمات یقمن صلبه، فإن کان لا بد فاعلًا، فثُلُث لطعامه، وثُلُث لشرابه، وثُلُث لنفسه)).

کسی آدمی نے اپنے پیٹ سے بدتر کسی برتن کو نہیں بھرا، ابن آدم کے لیے وہ چند لقمے کافی ہیں جو اس کی کمر کو سیدھا کر دیں، لیکن اگر تم اور زیادہ کھانا چاہتے ہو تو ایک حصے کو کھانے کے لیے کرو، اور ایک حصے کو پانی کے لیے، اور ایک حصہ کو سانس لینے کے لیے۔

✤ ✤ ✤ ✤

اس لیے مربیوں کو چاہیے کہ خود بھی ان آداب کے پابند بنیں اور اپنی اولاد کو بھی ان کی تعلیم دیں تاکہ معاشرتی زندگی میں وہ ان کے عادی بنیں اور لوگوں کے ساتھ معاملات اور رہن سہن میں ان کو اپنائیں۔

(۲) سلام کے آداب

سلام کرنے کے کچھ آداب ہیں، تربیت کرنے والوں کو یہ آداب بچے میں راسخ کرنا چاہیے اور اس کو اسکا عادی بنانا چاہیے، اور وہ آداب حسب ترتیب ذیل ہیں:

الف۔ بچے کو یہ سکھایا جائے کہ شریعت نے سلام کرنے کا حکم دیا ہے:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سلام کرنے کا حکم دیا ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:

((یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَهْلِهَا)).

النور-۲۷

اے ایمان والو تم اپنے (خاص) گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک کہ اجازت حاصل نہ کر لو اور ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کر لو۔

نیز فرمایا:

((فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ تَحِیَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَکَةً طَیِّبَةً)).

النور-۶۱

پھر جب تم گھروں میں داخل ہونے لگو تو اپنے لوگوں کو سلام کر لیا کرو (جو) دعا کے طور پر اللہ کی طرف سے (مقرر) ہے بابرکت (اور) عمدہ (چیز)۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو جو آداب تعلیم دیئے ہیں ان میں آپ نے بھی حکم دیا ہے چنانچہ امام بخاری و مسلم حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے سوال کیا کہ اسلام میں کیا چیز زیادہ بہتر ہے ؛ تو آپ نے ارشاد فرمایا :

((تطعم الطعام ، وتقرأ السلام على من عرفت ومن لم تعرف)).	کھانا کھلاؤ اور سلام کرو اس کو بھی جس کو تم جانتے ہو اور اس کو بھی جس کو تم نہیں پہچانتے ۔

اور امام مسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :

((لا تدخلوا الجنة حتى تؤمنوا ، ولا تؤمنوا حتى تحابوا ، أولا أدلكم على شئ إذا فعلتموه تحاببتم ؛ أفشوا السلام بينكم)).	تم جنت میں اس وقت تک داخل نہ ہوگے جب تک مؤمن نہ بن جاؤ اور مؤمن اس وقت تک نہ ہوگے جب تک آپس میں محبت نہ کرو ، کیا میں تمہیں ایک ایسی چیز نہ بتلا دوں کہ جب تم وہ کر لو تو آپس میں محبت کرنے لگوگے ؛ آپس میں سلام کو پھیلاؤ (سلام کرنے کا رواج ڈالو) ۔

٭ ٭ ٭ ٭

ب ۔ سلام کرنے کا طریقہ سکھانا :

جس کا طریقہ یہ ہے کہ سلام کرنے والا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے ، اور جواب دینے والا جمع کے صیغے کے ساتھ : وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے ، چاہے سلام کرنے والا اکیلا تنہا کیوں نہ ہو تب بھی جواب میں جمع کا صیغہ وعلیکم السلام الخ ہی استعمال کرنا چاہیئے ۔

سلام کرنے کا یہ طریقہ صحیح احادیث سے ثابت ہے چنانچہ ابو داؤد و ترمذی حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا : السلام علیکم ، آپ نے ان کے سلام کا جواب دیا اور وہ صاحب بیٹھ گئے تو ـــــــ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : دس (نیکیاں) مل گئیں ۔ پھر ایک اور صاحب آئے اور انہوں نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا ، آپ نے ان کو سلام کا جواب دیا اور وہ بھی بیٹھ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : بیس (نیکیاں) مل گئیں ، پھر ایک اور صاحب آئے اور انہوں نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا تو آپ نے ان کے سلام کا جواب دیا اور وہ بھی بیٹھ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : تیس (نیکیاں) مل گئیں ۔

اور امام بخاری و امام مسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ جبرئیل علیہ السلام آپ کو سلام کہہ رہے ہیں ، تو میں نے عرض کیا : وعلیہ السلام

ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ج۔ بچے کو سلام کے آداب سکھائے جائیں

اور وہ یہ ہیں کہ سوار پیدل چلنے والے کو، اور چلنے والا بیٹھنے والے کو، اور کم تعداد والے زیادہ تعداد والوں، اور چھوٹا بڑے کو سلام کرے، اس لیے کہ امام بخاری ومسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

((یسلم الراکب علی الماشی، والماشی علی القاعد والقلیل علی الکثیر)).

سوار پیادہ پا کو سلام کرے اور چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور کم تعداد والے زیادہ تعداد والوں کو۔

اور بخاری کی روایت میں ہے کہ چھوٹا بڑے کو سلام کرے،

د۔ بچے کو اس طرح سے سلام کرنے سے روکنا جس میں دوسروں کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے:

اس لیے کہ امام ترمذی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا،

((لیس منا من تشبہ بغیرنا، لا تشبہوا بالیہود ولا بالنصاریٰ، فإن تسلیم الیہود الإشارۃ بالأصابع، وتسلیم النصاریٰ الإشارۃ بالأکف)).

وہ شخص ہم میں سے نہیں جو دوسروں کی مشابہت اختیار کرے، نہ یہود کے ساتھ مشابہت اختیار کرو اور نہ عیسائیوں کے ساتھ، اس لیے کہ یہود کے سلام کا طریقہ انگلیوں سے اشارہ ہے، اور عیسائیوں کا سلام ہاتھ سے اشارہ کرنا ہے۔

اس ممانعت کا مقصد یہ ہے کہ امتِ اسلامیہ کی خصوصیات کو دوسری اور قوموں اور امتوں سے ممتاز والگ تھلگ رکھا جائے، معاشرتی آداب میں بھی اور اخلاق اور چال چلن کی خصوصیات اور امتیازی اوصاف میں بھی۔

ھ۔ مربی کو چاہیے کہ وہ بچوں کو سلام کرنے میں خود پہل کرے:

تاکہ بچے اس سے یہ عادت سیکھیں اور اس کے عادی ہوں، اور ساتھ ہی ساتھ مربی اول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی بھی ہو جائے، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی بچوں کے پاس سے گزرتے تھے تو انہیں سلام کیا کرتے تھے چنانچہ امام بخاری ومسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ بچوں کے پاس سے گزرے تو انہوں نے بچوں

کو سلام کیا اور فرمایا کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام بھی اسی طرح کیا کرتے تھے مسلم کی روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے پاس سے گزرے تو آپ نے انہیں سلام کیا، اور ابو داؤد کی روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چند بچوں کے پاس سے گزرے جو کھیل میں مصروف تھے تو آپ نے انہیں سلام کیا۔ اور ابن السنی کی روایت میں ہے کہ آپ نے ان سے فرمایا: اے بچو السلام علیکم

و- بچوں کو یہ سکھایا جائے کہ وہ غیر مسلموں کے سلام کے جواب میں لفظ: وعلیکم کہا کریں:

اس لیے کہ بخاری و مسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اہلِ کتاب تمہیں سلام کیا کریں تو تم: وعلیکم کہہ دیا کرو، اسی طرح یہ بھی سکھانا چاہیے کہ کافروں کو سلام کرنے میں پہل نہ کریں، اس لیے کہ مسلم کی روایت میں ہے کہ یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو۔

ز- بچے کو یہ سکھایا جائے کہ سلام کرنے میں پہل کرنا سنت ہے اور سلام کا جواب دینا واجب ہے

اس لیے کہ ابن السنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

«من أجاب السلام فهو له، ومن لم يجب فليس منا».	جس نے سلام کا جواب دیا تو یہ اس کے لیے باعثِ اجر ہے، اور جس نے جواب نہیں دیا تو وہ ہم میں سے نہیں۔

اور امام ترمذی حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول دو آدمی ایک دوسرے سے ملتے ہیں کون پہلے سلام کرے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: وہ جس کا اللہ سے تعلق زیادہ ہو، اور ابو داؤد کی روایت میں آتا ہے کہ اس شخص کو اللہ سے زیادہ قرب حاصل ہوگا جو سلام میں پہل کرنے والا ہو۔

مربی کو چاہیئے کہ بچے کو یہ بھی سکھائے کہ بعض مخصوص حالات میں سلام کرنا مکروہ و ممنوع بھی ہے، اور وہ یہ ہیں: وضو کرنے والے کو سلام کرنا، غسلخانے میں جو شخص ہو اس کو سلام کرنا، کھانا کھانے والے، لڑنے والے، قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے، اللہ کا ذکر کرنے والے، حج میں تلبیہ پڑھنے والے، اور جمعہ وغیرہ میں خطبہ دینے اور تقریر کرنے والے، اور مسجد وغیرہ میں وعظ و نصیحت کرنے والے، فقہ پڑھانے والے، یا درس و تدریس میں مشغول شخص یا کسی علمی تحقیق میں مصروف آدمی، یا مؤذن یا اقامت کہنے والے، یا قضاءِ حاجت میں مشغول شخص کو، یا فیصلہ میں مشغول قاضی و جج کو، یا اس طرح اور کسی اس جیسے کام میں مشغول آدمی کو سلام نہیں کرنا چاہیے، اور اگر کسی شخص نے کسی ایسی حالت میں سلام کیا جس میں

سلام کرنا مستحب نہیں ہے تو ایسی صورت میں سلام کرنے والے کے سلام کا جواب دینا لازم نہیں ہوتا۔

لہٰذا مربیوں کو چاہیے کہ سلام کے آداب کی پابندی کریں اور اپنے بچوں کو یہ آداب سکھائیں تاکہ وہ بھی معاشرتی زندگی اور لوگوں سے معاملات میں اس کے عادی بنیں۔

(۳) اجازت مانگنے کے آداب

اجازت طلب کرنے کے بھی کچھ آداب ہیں، ان آداب کو بچوں میں راسخ کرنا اور وہ بچوں کو سکھانا مربی کا فریضہ ہے، تاکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے درج ذیل فرمانِ مبارک کی تعمیل ہو:

((يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ؕ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ)) النور- ۵۸ و ۵۹

اے ایمان والو تمہارے مملوکوں کو اور تم میں جو (لڑکے) حد بلوغ کو نہیں پہنچے ہیں ان کو تم سے تین وقتوں میں اجازت لینا چاہیے (ایک) نماز صبح سے پہلے (دوسرے) جب دوپہر کو اپنے کپڑے اتار دیا کرتے ہو، اور (تیسرے) بعد نماز عشاء (یہ) تین وقت تمہارے پردہ کے ہیں۔ ان (اوقات) کے سوا نہ تم پر کوئی الزام ہے اور نہ ان پر، وہ بکثرت تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں کوئی کسی کے پاس اسی طرح اللہ تم سے احکام کھول کر بیان کرتا ہے اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑے حکمت والا ہے، اور جب تم میں سے لڑکے بلوغ کو پہنچ جائیں تو انہیں بھی اجازت لینا چاہیے جیسا کہ ان کے اگلے لوگ اجازت لے چکے ہیں۔

اس قرآنی نص میں اللہ تعالیٰ مربیوں کو یہ حکم دے رہے ہیں کہ وہ اپنے ان بچوں کو جو ابھی تک سنِ بلوغ کو نہیں پہنچے ہیں یہ تعلیم دیں کہ وہ تین حالات و اوقات میں گھر میں جانے کے لیے اجازت مانگا کریں:

۱۔ فجر سے پہلے اس لیے کہ اس وقت لوگ بستروں میں سوئے ہوئے ہوتے ہیں۔

۲۔ دوپہر کے وقت جو کہ قیلولہ کا وقت ہوتا ہے، اور اس وقت بعض مرتبہ یہ بھی ہوتا ہے کہ انسان اپنی بیوی کے ساتھ ہوتا ہے اور کپڑے اتارے ہوئے ہوتا ہے۔

۳۔ نمازِ عشاء کے بعد اس لیے کہ یہ آرام اور سونے کا وقت ہوتا ہے۔

ان تین اوقات میں اجازت طلب کر کے جانے کو اس لیے مشروع قرار دیا گیا ہے کہ ان میں یہ خطرہ ہوتا ہے کہ انسان خود یا عورت کسی ایسی حالت میں ہو جس پر وہ یہ پسند نہ کرتے ہوں کہ ان کے چھوٹے بچے مطلع ہوں۔

لیکن جب بچے سنِ بلوغ کو پہنچ جائیں اور سمجھدار ہو جائیں تو ان کو چاہیے کہ وہ ان اوقات میں بھی اجازت طلب کر کے اندر جائیں اور ان کے علاوہ دوسرے اوقات میں بھی، تاکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے درج ذیل فرمانِ مبارک کی تعمیل ہو جائے:

((وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ))۔
النور - ۵۹

اور جب تم میں کے لڑکے بلوغ کو پہنچ جائیں تو انہیں بھی اجازت لینا چاہیئے جیسا کہ ان کے اگلے لوگ اجازت لے چکے ہیں۔

قرآن کریم کی ان رہنمائیوں سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ اسلام بچوں کی معاشرتی تربیت اور کردار و اخلاق سازی کا بہت اہتمام کرتا ہے تاکہ بچہ جب سنِ بلوغ کو پہنچے تو وہ آداب و اخلاق و تصرفات اور اپنی تمام زندگی میں ایک کامل انسان کا زندہ نمونہ ہو۔

اجازت طلب کرنے کے اور بھی مختلف آداب ہیں جو ترتیب سے ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

الف - پہلے سلام کرے پھر اجازت طلب کرے

اس لیے کہ ابوداؤد روایت کرتے ہیں کہ بنو عامر کے ایک صاحب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی، آپ گھر میں تھے، ان صاحب نے عرض کیا: کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادم سے ارشاد فرمایا: ان صاحب کے پاس جا کر ان کو اجازت طلب کرنے کا طریقہ سکھاؤ اور ان سے کہو کہ وہ یوں کہیں: السلام علیکم! کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟ ان صاحب نے یہ بات سن لی اور فوراً عرض کیا: السلام علیکم! کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو داخل ہونے کی اجازت دے دی اور وہ اندر آگئے۔

ب - اجازت طلب کرتے وقت اپنا نام یا کنیت یا لقب ذکر کرنا چاہیئے:

اس لیے کہ بخاری و مسلم میں اسراء سے متعلق مشہور حدیث میں یہ آتا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام مجھے آسمانِ دنیا کی طرف لے گئے، اور وہاں جانے کی اجازت طلب کی، تو ان سے پوچھا گیا کہ کون صاحب ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: جبرئیل، پوچھا: آپ کے ساتھ اور کون ہے؟ انہوں نے کہا: محمد، پھر مجھے دوسرے آسمان پر لے گئے اور پھر تیسرے پر، اور ہر آسمان کے دروازے پر یہی سوال ہوتا ——— کون ہے؟

وہ کہتے: جبریل۔

اور بخاری ومسلم میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ کے کنویں پر تشریف فرما ہوئے اور حضرت ابوبکر تشریف لائے اور اجازت طلب کی، تو حضرت ابوموسیٰ نے پوچھا کون صاحب ہیں؟ انہوں نے فرمایا: ابوبکر، پھر حضرت عمر تشریف لائے اور اجازت مانگی، تو انہوں نے پوچھا کون ہے؟ انہوں نے فرمایا: عمر پھر حضرت عثمان تشریف لائے اور انہوں نے بھی اسی طرح کیا۔

اور بخاری ومسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور دروازہ کھٹکھٹایا، تو آپ نے فرمایا: کون ہے؟ میں نے عرض کیا: میں ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ہوں میں ہوں کیا ہوتا ہے؟ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا یہ مجمل کلمہ آپ کو ناپسند ہوا۔

ج۔ تین مرتبہ اجازت طلب کرنا چاہیئے:

اس لیے کہ بخاری ومسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اجازت تین مرتبہ طلب کرنا چاہیئے پھر اگر اجازت مل جائے تو فبہا ورنہ واپس ہو جاؤ۔

بہتر یہ ہے کہ پہلی مرتبہ اجازت طلب کرنے اور دوسری مرتبہ کے اجازت طلب کرنے کے درمیان میں اتنا فاصلہ ہونا چاہیے جس میں انسان چار رکعات پڑھ لے، اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ جس سے اجازت طلب کی جاری ہے وہ نماز پڑھ رہا ہو یا قضاء حاجت کے لیے گیا ہوا ہو۔

د۔ بہت زور سے دروازہ نہیں کھٹکھٹانا چاہیئے:

خاص طور پر اس وقت جب اس مکان کا مالک اس کا والد ہو یا استاذ ہو یا اور کوئی بزرگ ہو۔ امام بخاری اپنی کتاب "الأدب المفرد" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے کو انگلیوں سے کھٹکھٹایا جاتا تھا۔ اور سلفِ صالحین اپنے بزرگوں کے دروازوں کو ناخن سے کھٹکھٹایا کرتے تھے، جس سے صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتنے با ادب تھے اور دوسروں کا کس قدر احترام کیا کرتے تھے، یہ طریقہ اس شخص کے لیے تو بہت اچھا ہے جس کی نشست دروازے کے قریب ہی ہو۔ لیکن جس کا کمرہ وغیرہ دروازے سے دور واقع ہو تو اس کا دروازہ اتنی زور سے کھٹکھٹانا چاہیئے جس سے مقصود حاصل ہو جائے، اور گھر والا اس کی آواز کو سن لے، اور اگر دروازے پر آج کل کیطرح گھنٹی لگی ہو تو اسے آرام سے آہستہ سے بجانا چاہیئے، تاکہ اندر والوں کو بجانے والے کی نرم مزاجی، عمدہ اخلاق اور حسنِ معاملہ کا اندازہ ہو جائے۔

۸۔ اجازت طلب کرتے وقت دروازے سے ایک طرف کو ہٹ جانا چاہیے:

تاکہ دروازہ کھولنے کے وقت کسی اجنبی عورت کی بے پردگی نہ ہو، اس لیے کہ اجازت طلب کرنے کا حکم ہی اس لیے دیا گیا ہے تاکہ نامحرم پر نگاہ نہ پڑے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو اسی کی تاکید کی تھی، چنانچہ امام بخاری و مسلم روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: اجازت طلب کرنے کو اس لیے مشروع کیا گیا ہے تاکہ نگاہ نہ پڑے۔

اور طبرانی حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ گھروں کے دروازے کے بالکل سامنے مت کھڑے ہوا کرو، بلکہ ایک طرف کھڑے ہوکر اجازت طلب کیا کرو، پھر اگر تمہیں اجازت مل جائے تو اندر داخل ہوجاؤ ورنہ واپس چلے جاؤ۔ اور ابوداؤد روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کے دروازے پر تشریف لیجاتے تو بالکل دروازے کے سامنے ہرگز کھڑے نہ ہوتے تھے بلکہ اس کی دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہوکر فرماتے: السلام علیکم، السلام علیکم۔

اور بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے کسی کے گھر میں جھانک کر دیکھا تو ان گھر والوں کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اس کی آنکھ پھوڑ ڈالیں۔ اور نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے کسی کے گھر میں جھانک کر دیکھا اور انہوں نے اس کی آنکھ پھوڑ ڈالی تو ان پر نہ کوئی دیت ہے اور نہ ان سے قصاص لیا جائے گا۔

۹۔ اگر گھر والا یہ کہہ دے کہ تشریف لیجائیے تو واپس لوٹ جانا چاہیے:

اس لیے کہ اللہ تبارک تعالی ارشاد فرماتے ہیں:

((يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا، ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ، وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۝)) النور - ۲۷ و ۲۸

اے ایمان والو تم اپنے (خاص) گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک کہ اجازت حاصل نہ کرلو اور ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو، تمہارے حق میں یہی بہتر ہے، تاکہ تم خیال رکھو، پھر اگر ان میں تمہیں کوئی (آدمی) نہ معلوم ہو تو بھی ان میں داخل نہ ہو جب تک تم کو اجازت نہ مل جائے، اور اگر تم سے کہہ دیا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ آیا کرو یہی تمہارے حق میں پاکیزہ تر ہے۔

٭ ٭ ٭

اجازت طلب کرنے والے کو چاہیے کہ واپس لوٹنے میں کسی قسم کی تنگ دلی اور بوجھ محسوس نہ کرے اس لیے کہ ایسی صورت میں وہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے حکم پر عمل کر رہا ہے۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ بعض مہاجرین فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ساری زندگی اس آیت کے مضمون پر عمل کرنے کی کوشش کی لیکن اس کا موقعہ ہی نہ ملا، میں چاہتا تھا کہ میں کسی کے در پر جاؤں اور اجازت طلب کروں اور وہ کہہ دے کہ واپس چلے جایئے، اور میں خوشی خوشی واپس لوٹ آؤں۔

اجازت طلب کرنے کے آداب کے سلسلہ میں یہ وہ اہم قواعد وضوابط ہیں جو اسلام نے مقرر کیے ہیں، اس لیے مربیوں کو ان کی پابندی کرنا چاہیئے، اور یہ آداب بچوں کو سکھانا چاہیے تاکہ عملی زندگی میں وہ اس کے عادی بنیں اور اسی کے مطابق لوگوں سے معاملہ کریں۔

(۴) آدابِ مجلس

مجلس کے بھی کچھ آداب ہیں جو بچوں کو سکھانا چاہیئے، اور مربی کو چاہیئے کہ ان آداب کی طرف بچوں کی رہنمائی کرے، اور وہ جب ان پر عمل کر رہے ہوں تو ان پر نظر رکھے، اور وہ آداب ترتیبِ ذیل کے مطابق ہیں:

الف۔ مجلس میں جس سے ملے اس سے مصافحہ کرے:

اس لیے کہ ابن السنی اور ابوداؤد نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: جب دو مسلمان ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کی مغفرت فرمادیتا ہے۔

اور ترمذی وابن ماجہ وغیرہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی بھی دو مسلمان ایسے نہیں ہیں کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے ملیں اور مصافحہ کریں مگر یہ کہ ان کے جدا ہونے سے قبل ہی اللہ تعالیٰ ان دونوں کی مغفرت کر دیتا ہے۔

اور امام مالک اپنی "موطأ" میں حضرت عطاء خراسانی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آپس میں مصافحہ کیا کرو، اس سے حقد وحسد دور ہو جاتا ہے، اور ہدیہ دیا کرو اس سے محبت پیدا ہوتی ہے اور عداوت ختم ہو جاتی ہے۔

ب۔ صاحبِ مکان جس جگہ بٹھائے اسی جگہ بیٹھ جانا چاہیئے:

اس لیے کہ صاحبِ مکان ہی اپنے مہمان کو بٹھانے کی جگہ کو خوب جانتا ہے۔ اور اسی کو یہ حق بھی ہے کہ جہاں چاہے وہاں بٹھائے، اور یہ مثل شروع ہی سے مشہور ہے کہ اہلِ مکہ مکہ کی گھاٹیوں سے بخوبی واقف ہیں۔ اور آج کل یہ مثل مشہور ہے کہ گھر والا گھر میں موجودہ چیزوں سے بخوبی واقف ہوتا ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کے درجِ ذیل فرمانِ مبارک کے موافق ہے۔

((فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّىٰ يُؤْذَنَ لَكُمْ ۖ وَإِن قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا ۖ هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ ۚ)).	پھر اگر ان میں تمہیں کوئی (آدمی) نہ معلوم ہو تو بھی ان میں داخل نہ ہو جب تک تم کو اجازت نہ مل جائے، اور اگر تم سے کہہ دیا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ آیا کرو یہی تمہارے حق میں پاکیزہ تر ہے۔
النور۔ ۲۸	

مندرجہ بالا آیت کے فیصلہ کے مطابق مہمان ہر چیز میں اپنے میزبان کے اشارہ کا تابع ہے۔ حتیٰ کہ اگر وہ اس سے واپس جانے کو کہہ دے تو وہ اس میں بھی اس کی بات مان لے، اور یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ مبارک سے بھی جوڑ کھاتی ہے کہ: جو شخص کسی کے گھر جائے تو اسے چاہیے کہ اس جگہ پر بیٹھے جہاں گھر والے بیٹھنے کا اشارہ کریں، اس لیے کہ گھر والے اپنے گھر کے راز کو بخوبی جانتے ہیں (ملاحظہ ہو مجمع الزوائد)۔

ج۔ لوگوں کے ساتھ صف میں بیٹھے درمیان میں جا کر نہ بیٹھے:

یہ ایک معاشرتی ادب ہے اس لیے کہ اگر درمیان میں جا کر بیٹھے گا تو بعض دوسرے لوگوں کی طرف پیٹھ ہو جائے گی، جس سے دوسروں کو ایذا رسانی ہوگی اور وہ اسے برا بھلا کہیں گے۔

ابوداؤد بسندِ حسن سے حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلقہ کے درمیان میں بیٹھنے والے پر لعنت بھیجی ہے، اور ترمذی ابومجلز سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب حلقہ کے بیچ میں بیٹھ گئے، تو حضرت حذیفہ نے ان سے فرمایا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ایسا شخص ملعون ہے جو حلقہ کے درمیان میں بیٹھے،

یہ حکم اس وقت ہے جب مجلس میں جگہ ہو، لیکن اگر مجلس تنگ ہو اور اس کی وجہ سے کچھ لوگ حلقہ کے درمیان میں بیٹھنے پر مجبور ہو جائیں تو ایسی صورت میں نہ کوئی گناہ ہے اور نہ کچھ حرج، اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

((وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ)).	اور اس نے تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں کی۔
حج۔ ۷۸	

د ۔ دو شخصوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھے :

اس لیے کہ ترمذی و ابوداؤد حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شخص کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ دو آدمیوں کے درمیان بیٹھ کر تفریق کا سبب بنے مگر یہ کہ وہ خود بیٹھنے کی اجازت دے دیں، ایک روایت میں ہے کہ کوئی شخص دو آدمیوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھے۔

ھ ۔ آنے والے کو چاہیئے کہ اسی جگہ بیٹھ جائے جہاں مجلس ختم ہو رہی ہو :

اس لیے کہ ابوداؤد اور ترمذی حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اس جگہ بیٹھ جاتے تھے جہاں جگہ ہوتی تھی۔

یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ آنے والا شخص عام آدمی ہو۔ لیکن اگر آنے والا عالم یا ذی وجاہت ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ حاضرین یا گھر والا اس کو مناسب جگہ پر بٹھائے، اس لیے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام فرماتے ہیں کہ لوگوں کو ان کی جگہ دو (یعنی جو جس حیثیت کا مالک ہو اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرو) اور اس سے قبل "بڑے کا حق" کے عنوان کے تحت ہم یہ ذکر کر چکے ہیں کہ جب عبدالقیس کا وفد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے کس طرح انہیں خوش آمدید کہا اور ان کے لیے جگہ کشادہ کی، اور ان کے سربراہ منذر بن عائذ کو اپنے قریب بلایا اور ان کو خوش آمدید کہہ کر پیار سے اپنی دائیں جانب بٹھایا۔

و ۔ مجلس میں اگر کوئی تیسرا فرد موجود ہو تو دو آدمیوں کو آپس میں سرگوشی نہیں کرنا چاہیے :

اس لیے کہ بخاری و مسلم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

«إذا كنتم ثلاثة فلا يتناجى اثنان دون الثالث من أجل أن ذلك يحزنه».

جب تم تین آدمی ہو تو تیسرے کو چھوڑ کر دو آدمیوں کو آپس میں سرگوشی نہیں کرنی چاہیے تاکہ اس سے اس کو تکلیف نہ ہو۔

٭ ٭ ٭

اس سے منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے وہ تیسرا شخص مختلف قسم کی بدگمانیوں میں گرفتار ہو جائے گا اور اپنی جانب اہتمام و پرواہ نہ ہونے کی وجہ سے غمگین ہو جائے گا۔ لیکن یہ کہ اگر ان دو کے علاوہ دو یا اس سے زیادہ اور افراد موجود ہوں تو پھر اگر

دو آدمی آپس میں سرگوشی کرلیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ اس طرح سرگوشی کی جائے جس سے کسی کے دل میں بدگمانی پیدا نہ ہو۔

ز۔ اگر کوئی شخص کسی وجہ سے مجلس سے اُٹھ کر چلا جائے اور پھر مجلس میں واپس آجائے تو اپنی جگہ کا وہی زیادہ حقدار ہے کسی اور کو وہاں نہیں بیٹھنا چاہیئے:

اس لیے کہ امام مسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إذا قام أحدكم من مجلس ثم رجع إليه فهو أحق به». جب تم میں سے کوئی شخص مجلس سے چلا جائے اور پھر دوبارہ واپس آئے تو وہ اس (سابقہ) جگہ کا زیادہ حقدار ہے۔

ح۔ مجلس سے جاتے وقت اجازت طلب کرنا چاہیئے:

اس لیے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں کہ: اجازت طلب کرنے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے تاکہ (نامحرم پر) نگاہ نہ پڑے (ملاحظہ ہو بخاری ومسلم) اور ______ داخل ہونے اور واپس جانے دونوں کے لیے، گھروں اور نامحرم عورتوں پر نگاہ پڑنے سے بچانے اور عزت و آبرو کی حفاظت کے سلسلہ میں اسلام نے جو بہت زیادہ اہتمام کیا ہے یہ اجازت طلب کرنا اسی کی خاطر ہے۔

ط۔ مجلس کے (دوران فضول باتوں وغیرہ کے) کفارہ کی دعاء کا پڑھنا:

اس لیے کہ حاکم حضرت ابوبرزہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مجلس سے کھڑے ہونے کا ارادہ فرماتے تھے تو فرماتے:

«سبحانك اللهم وبحمدك أشهد أن لا إله إلا أنت أستغفرك وأتوب إليك». اے اللہ میں آپ کی پاکی اور آپ ہی کی حمد بیان کرتا ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ ہی سے میں مغفرت طلب کرتا ہوں اور آپ ہی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

٭ ٭ ٭

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول آج کل آپ ایک ایسی دعا پڑھتے ہیں جو اس سے قبل نہیں پڑھا کرتے تھے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ دعا ان غلطیوں وغیرہ کا کفارہ ہے جو مجلس میں صادر ہو جاتی ہیں۔

مجلس کے آداب کے سلسلہ میں جو اہم آداب اسلام نے مقرر کیے ہیں وہ یہ ہیں جو ہم نے بیان کیے، اس لیے مربیوں

کو ان پر عمل کرنا چاہیے، اور خود اپنے آپ کو اس کا عادی بنانا چاہیے، اور بچوں کو یہ آداب سکھانا چاہیے تاکہ وہ بھی معاشرتی زندگی اور لوگوں کے ساتھ معاملات میں ان کو اپنائیں۔

⑤ بات چیت کے آداب

وہ معاشرتی اہم آداب جن کی طرف مربیوں کو بہت توجہ دینا چاہیے ان میں سے یہ بھی ہے کہ وہ بچپن سے ہی اپنے بچوں کو بات چیت کرنے کے آداب بتلائیں، اور گفتگو کا طریقہ سکھائیں، اور جواب دینے کے اصول ذہن نشین کرائیں، تاکہ بچہ جب بڑا ہو اور بلوغ کی عمر کو پہنچے تو اسے یہ معلوم ہو کہ لوگوں سے کس طرح گفتگو کرے اور ان کی بات کس طرح سنے؟ اور وہ یہ جانتا ہو کہ لوگوں سے کیا اندازِ کلام اختیار کرے اور کس طرزِ گفتگو سے لوگوں کے دل موہ لے گا؟
گفتگو کے کچھ آداب ہم ذیل میں پیش کر رہے ہیں تاکہ تربیت کرنے والوں کے لیے یادداشت اور بصیرت کا ذریعہ بنیں،

الف ۔ فصیح عربی میں گفتگو کرنا:

اس لیے کہ عربی زبان قرآنِ کریم کی زبان ہے، اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان ہے، اور اسلام کے اول جانثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی زبان ہے۔
اس لیے اس فصیح و بلیغ زبان سے اعراض کر کے ایسی عامی زبان بولنا جس کا عربی زبان سے نہ کوئی تعلق ہے نہ واسطہ اس زبان کی بہت بڑی ناشکری اور ناقدری ہوگی، اور ویسے بھی فصاحت و بلاغت سے گفتگو کرنا انسان کے لیے ایک زیور ہے اور شیریں اندازِ گفتگو انسان کا جمال ہے۔
امام حاکم اپنی کتاب "المستدرک" میں حضرت علی بن الحسین رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے، اور انہوں نے دو پوشاکیں پہنی ہوئی تھیں، اور انہوں نے بالوں کی دو لٹیں بنائی ہوئی تھیں، وہ سفید رنگ کے گورے چٹے آدمی تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو آپ مسکرا دیے حضرت عباس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کو ہنسی کیوں آگئی؟ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے، تو آپ نے ارشاد فرمایا: مجھے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چچا کا حسن جمال بڑا اچھا لگا، تو حضرت عباس نے فرمایا کہ جمال کیا چیز ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: زبان (گفتگو کا انداز) اور عسکری یہ الفاظ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے پوچھا کہ انسان کا جمال کیا چیز ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: اس کی فصاحت و بلاغت۔
اور شیرازی اور دیلمی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم نے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول ہم نے آپ سے زیادہ فصیح وبلیغ نہیں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے لحن اختیار کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا، اللہ نے میرے لیے بہترین کلام کا انتخاب فرمایا ہے، اور وہ اس کی کتاب قرآنِ کریم ہے۔

ب۔ بات چیت کے دوران آرام آرام سے گفتگو کرنا :

بات چیت کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ انسان آرام آرام سے گفتگو کرے، تاکہ سننے والا بات سمجھ سکے، اور حاضرینِ مجلس بات کی حقیقت سمجھ کر اس پر غور کر سکیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امت کی تعلیم کے لیے اسی طرح کیا کرتے تھے چنانچہ امام بخاری و مسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم لوگوں کی طرح جلدی جلدی بات چیت نہیں کرتے تھے، آپ اس طرح گفتگو فرمایا کرتے تھے کہ اگر اس کو کوئی شمار کرنا چاہے تو شمار کر لے، اور اسماعیلی اپنی روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو ایسی صاف و واضح ہوتی تھی کہ دلوں تک پہنچ جاتی تھی، اور ابوداؤد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو ایسی صاف و واضح ہوتی تھی کہ جسے ہر سننے والا سمجھ لیا کرتا تھا۔

ج۔ فصاحت وبلاغت میں بہت زیادہ تکلف کی ممانعت :

بات چیت کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ انسان بہت اعلیٰ واونچی زبان کے استعمال کرنے اور فصاحت و بلاغت میں تکلف سے بچے، اس لیے کہ ابوداؤد و ترمذی سندِ جید سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اس بلاغت (وفصاحت) اختیار کرنے والے شخص کو مبغوض رکھتے ہیں کہ جو اپنی زبان اس طرح گھمائے اور ہلائے جس طرح گائے اِدھر اُدھر (منہ میں) زبان ہلاتی ہے۔

اور بخاری و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی بات فرماتے تو اسے تین مرتبہ دہراتے تاکہ بات سمجھی جا سکے، اور جب کسی قوم کے پاس آتے تو انہیں سلام کرتے... اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسی فصیح و واضح گفتگو فرماتے جس میں نہ بہت تطویل ہوتی اور نہ بہت اختصار، اور بہت زیادہ بات چیت کرنے اور منہ پھاڑ کر تکلف سے بولنے کو ناپسند فرماتے تھے۔

د۔ لوگوں کی سمجھ بوجھ کے مطابق بات چیت کرنا :

گفتگو کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ بات کرنے والا ایسا اسلوب اختیار کرے جو لوگوں کی ثقافت ومعیار کے مناسب

ومطابق ہو، اور ان کی عقول وسمجھ اور عمر سے جوڑ کھاتا ہو۔ اس لیے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں: ہم انبیاء کی جماعت کو یہ حکم دیا گیا کہ ہم لوگوں سے ان کی عقل وسمجھ کے مطابق گفتگو کریں[1]

اور صحیح بخاری میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہے کہ لوگوں سے ایسی باتیں کرو جنہیں وہ سمجھتے جانتے ہوں کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا جائے۔

اور صحیح مسلم کے مقدمہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ تم کسی بھی قوم سے کوئی ایسی گفتگو نہیں کروگے جو ان کی عقل اور ان کی دسترس سے بالا ہو، مگر یہ کہ وہ بعض کے لیے امتحان وفتنہ بنے گی۔

اور دیلمی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت نقل کرتے ہیں کہ میری امت کو میری احادیث میں سے ایسی احادیث بتلاؤ۔ جو ان کی عقول وسمجھ برداشت کرسکیں تاکہ ان کے لیے فتنے کا ذریعہ نہ بنیں۔

۵۔ ایسی گفتگو کرنا جو نہ بہت مختصر ہو اور نہ بہت طویل:

گفتگو کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ گفتگو کو اس کا پورا حق دیا جائے، بات نہ تو اتنی مختصر ہو کہ مقصود کے سمجھنے میں مخل ہوجائے اور نہ اتنی طویل ہو کہ تھکا دے تاکہ سننے والوں پر اس گفتگو کا پورا اثر ہو اور ان کو اس کے سننے سمجھنے کا شوق ہو۔ امام مسلم حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز درمیانی ہوتی تھی اور آپ کا خطبہ بھی درمیانے درجہ کا ہوتا تھا (نہ بہت مختصر نہ بہت طویل)۔

اور امام احمد اور ابوداؤد حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں رسولِ اکرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمعہ میں شریک ہوا، چنانچہ آپ ایک عصا یا کمان پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے، اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی، اور آپ کی گفتگو کے کلمات نہایت ہلکے پھلکے پاکیزہ اور مبارک تھے۔

اور بخاری ومسلم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ہمیں ہر جمعرات کو وعظ کیا کرتے تھے، ایک روز ایک صاحب نے ان سے کہا: اے ابوعبدالرحمن میرا دل چاہتا ہے کہ آپ ہمیں ہر دن نصیحت ووعظ کیا کریں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے اس سے صرف یہ بات روکتی ہے کہ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ تم لوگ تنگدل ہوجاؤ، اور میں وعظ ونصیحت کرنے میں تمہارا اسی طرح خیال رکھتا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا خیال کیا کرتے تھے تاکہ ہم تنگدل وآزردہ خاطر نہ ہوجائیں۔

البتہ گفتگو میں اشعار سے استشہاد پیش کرنا، اور ضرب الامثال پر مشتمل اقوال وامثال بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اس لیے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدن کی طرح دل بھی تھک جایا کرتے اور آزردہ ہوجاتے ہیں، اس

---

[1] ملاحظہ ہو مسندِ دیلمی، اس حدیث کی سند ضعیف ہے، لیکن اس کے بہت سے شواہد ہیں جن کی وجہ سے یہ حدیث حسن لغیرہ کے مرتبہ کو پہنچ گئی ہے۔ ملاحظہ ہو عجلونی کی کتاب "کشف الخفاء" اُمرنا کے لفظ کے ضمن میں۔

لیے ان کی خاطر اچھی اچھی پُرحکمت باتیں تلاش کیا کرو۔

و ۔ گفتگو کرنے والے کی طرف پوری طرح متوجہ ہونا اور ہمہ تن گوش ہو کر اس کی بات سُننا:

گفتگو کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ بات کرنے والے کی طرف مکمل توجہ کی جائے، تاکہ سننے والا متکلم کی بات محفوظ رکھ سکے اور گفتگو کا پورا احاطہ کر سکے، چنانچہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے کوئی بات کرتے تھے تو وہ حضرات پوری توجہ اور کامل اہتمام سے آپ کی بات سنتے تھے اور یہ معلوم ہوتا تھا گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر ایک شخص کی طرف پوری توجہ دیا کرتے تھے جو آپ سے کچھ پوچھے یا سوال کرے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اس شخص کی طرف پورے طور سے متوجہ ہو جاتے تھے، اور اس سے نہایت نرمی اور ملاطفت فرماتے تھے، چنانچہ ابوداؤد حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کان میں چپکے سے کوئی بات کرنا چاہتا ہو، اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے اپنے سر کو اس سے قبل ہٹا لیں کہ وہ شخص آپ سے اپنے سر کو خود ہٹائے، اور میں نے کبھی یہ نہیں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں لے کر اس وقت تک چھوڑا ہو جب تک کہ وہ خود اپنا ہاتھ آپ کے ہاتھ سے نہ چھڑائے۔

ز ۔ بات کرنے والے کو تمام مخاطبین اور حاضرین کی طرف توجہ دینا چاہیئے:

گفتگو کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ بات کرنے والا اپنی توجہ اور نظر تمام حاضرین کی طرف متوجہ رکھے، تاکہ ان میں سے ہر فرد یہ محسوس کرے کہ وہ اسی سے مخاطب ہے یا اس سے خاص طور سے بات کر رہا ہے۔

طبرانی سندِ حسن کے ساتھ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بات چیت کرتے ہوئے میری طرف اس قدر متوجہ ہوتے کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ میں سب لوگوں میں بہتر ہوں، تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول کیا میں بہتر ہوں یا ابوبکر؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابوبکر، میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول میں بہتر ہوں یا عمر؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عمر، تو میں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول: میں بہتر ہوں یا عثمان؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عثمان، تو جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال جواب کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقت بیان فرما دی اور میں نے تمنا کی کاش میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہی نہ کرتا۔

ح۔ گفتگو کے دوران اور گفتگو کے بعد اصحابِ مجلس سے دل لگی اور خوش کلامی کرنا:

گفتگو کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ بات کرنے والا بات چیت کے دوران اور اس کے بعد لوگوں سے خوش کلامی اور دل لگی کرتا رہے، تاکہ لوگ تنگ دل نہ ہوں اور گفتگو کے دوران آزردہ خاطر نہ ہو جائیں۔

امام احمد حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ حضرت ابوالدرداء جب بات کرتے تھے تو مسکراتے تھے، میں نے ان سے کہا کہ آپ دورانِ گفتگو جو مسکرایا کرتے ہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی وجہ سے لوگ آپ کو احمق سمجھنے لگیں، تو حضرت ابوالدرداء نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو کبھی گفتگو کرتے دیکھا یا سنا نہیں مگر یہ کہ آپ مسکرایا کرتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور پیروی کی خاطر حضرت ابوالدرداء بھی اثناءِ گفتگو مسکرایا کرتے تھے۔

اور امام مسلم حضرت سماک بن حرب سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں میں نے حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بیٹھا کرتے تھے؟ حضرت جابر نے فرمایا ہاں بہت بیٹھا کرتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ جس جگہ صبح کی نماز پڑھتے تھے وہیں سورج نکلنے تک بیٹھے رہتے تھے، جب سورج نکل جاتا تو آپ کھڑے ہو جاتے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی ہی میں باتیں کیا کرتے تھے، چنانچہ کبھی کبھی زمانۂ جاہلیت کی باتیں بھی ہوتی تھیں اور سب ہنسنے لگ جاتے ـــ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیا کرتے تھے۔

یہ وہ اہم ترین آداب ہیں جو اسلام نے گفتگو کے آداب کے سلسلہ میں مقرر کیے ہیں، اس لیے تربیت کرنیوالوں کو ان پر عمل پیرا ہونا چاہیے، اور یہ آداب بچوں کو سکھانا چاہییے تاکہ وہ عملی زندگی میں اس کے عادی ہوں اور لوگوں کے ساتھ معاملہ میں ان پر عمل پیرا ہوں۔

⑥ مذاق کے آداب

مسلمان اپنی عملی زندگی میں اس وقت کتنا بھلا لگتا ہے جب وہ حقیقت و واقعیت کے ساتھ ساتھ دل لگی، خوش اسلوبی و مزاح اور شیریں کلامی اور ضرب الامثال و پرحکم باتوں کو بھی جمع کر لیتا ہے۔

اور اس وقت مسلمان کتنا شاندار و محترم ہوتا ہے جب وہ اپنے شیریں اندازِ گفتگو سے دلوں پر قبضہ کر لیتا ہے۔ اور اچھے

برتاؤ اور خوش خلقی و دل لگی سے نفوس کو اپنا قیدی بنالیتا ہے۔؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام اپنے شاندار اور اچھے بنیادی اصولوں کی وجہ سے مسلمان کو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ وہ دوسرے سے مانوس ہو اور دوسروں کو اپنے سے مانوس بنائے۔ خوش اخلاق، خوش طبع اور خندہ پیشانی والا اور اچھے اوصاف کا مالک ہو اچھے کام ـــــ اور بہترین برتاؤ کرنے والا ہو، تاکہ جب وہ لوگوں سے ملے جلے، ان کے ساتھ اکٹھا ہو تو وہ اس کی طرف راغب ہوں، اور اس کی طرف کھنچیں اور اس کے اردگرد رہیں، افراد کی تربیت اور معاشرے کے بنانے اور لوگوں کی رہنمائی میں یہ وہ غایت ہے جس کا۔۔ اسلام بہت زیادہ خواہاں ہے۔

لیکن کیا مسلمان کو یہ حق پہنچتا ہے کہ دل لگی اور مزاح میں جو چاہے کر گزرے اور جو بات چاہے زبان سے نکال دے، یا اس کے لیے کچھ آداب اور قواعد و ضوابط ہیں؟

جی ہاں مذاق و دل لگی کے بھی کچھ قواعد و آداب ہیں جو ذیل میں ترتیب سے بیان کیے جارہے ہیں:

الف۔ مذاق و مزاح میں بہت افراط اور حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے:

اس لیے کہ امام بخاری "الأدب المفرد" میں اور امام بیہقی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں کھیل کود والوں میں سے نہیں ہوں اور نہ وہ مجھ سے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ مزاح میں کثرت اور دل لگی اور مذاق میں افراط مسلمان کو اس کے اس اصل فرض سے نکال دیتا ہے جس کے لیے انسان کو پیدا کیا گیا ہے، اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور روئے زمین پر اللہ کے حکم کو نافذ کرنا اور نیک صالح معاشرہ کو تشکیل دینا، وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے مدرسۂ نبوت میں تربیت حاصل کی تھی وہ آپس میں ہنسی مذاق تو کرتے تھے لیکن جب عملی میدان میں قدم رکھتے تھے تو وہی حضرات ہی کامل و مکمل مرد معلوم ہوتے تھے، امام بخاری "الأدب المفرد" میں روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کی طرف تربوز اچھال دیا کرتے تھے لیکن میدانِ عمل میں اور وقت پڑنے پر وہ زبردست مردِ میدان ثابت ہوتے تھے۔

زیادہ ہنسی مذاق سے دل مردہ ہوجاتا ہے اور عداوت و دشمنی پیدا ہوجاتی ہے، اور چھوٹا بڑے پر جری ہوجاتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو بہت زیادہ ہنستا ہے اس کا رعب کم ہوجاتا ہے اور جو مذاق کرتا ہے اس کی ہیبت کم ہوجاتی ہے۔

ب۔ مذاق میں کسی کو تکلیف نہ دینا اور کسی کے ساتھ برائی نہ کرنا:

مذاق گھربار، رشتہ داروں، بھائیوں اور دوسروں کے ساتھ اچھی چیز ہے لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ ایسا مذاق ہو جس

سے کسی کو ایذا نہ پہنچے، یا کسی مخلوق کی توہین وتذلیل نہ ہوتی ہو یا کسی کے غمگین کرنے کا ذریعہ نہ ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام کو ایسے مذاق سے منع فرماتے تھے جس سے کسی کی دل آزاری ہو چنانچہ ذیل میں اس کے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں:

ابوداؤد وترمذی میں حضرت عبداللہ بن السائب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا:

((لا یأخذن أحدکم متاع أخیه لاعباً ولا جاداً ومن أخذ عصا أخیه فلیردها)).

تم میں سے کوئی شخص کسی کا سامان نہ مذاق میں لے نہ حقیقت میں، اور جو شخص اپنے (مسلمان) بھائی کا عصا بھی لے لے تو اسے چاہیے کہ وہ اسے واپس لوٹائے۔

☆ ☆ ☆

اور ابوداؤد حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے یہ بیان کیا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جارہے تھے کہ ان میں سے ایک صاحب سو گئے تو ان میں سے کوئی آدمی گیا اور ایک رسی اٹھالایا اور ان صاحب کے پاس ڈال دی جس سے وہ صاحب ڈر گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لا یحل لمسلم أن یروع مسلماً)).

کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی مسلمان کو ڈرائے۔

جنگ خندق کے موقعہ پر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر مٹی اٹھا رہے تھے کہ انکو اونگھ آنے لگی، اسی اثناء میں حضرت عمارہ بن حزم آگئے اور انہوں نے ان کے ہتھیار اٹھالیے اور حضرت زید کو پتہ بھی نہ چلا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمارہ کو اس سے روک دیا۔

اور بزار وطبرانی وابن حبان حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب نے ایک صاحب کی جوتی اٹھالی اور مذاقاً اسے چھپا دیا، یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں لائی گئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لا تروعوا المسلم، فإن روعة المسلم ظلم عظیم)).

کسی مسلمان کو نہ ڈراؤ اس لیے کہ مسلمان کو گھبرا دینا بہت بڑا ظلم ہے۔

آپ ہی بتلائیے کہ ایسی صورت حال میں اس شخص کا کیا حکم ہوگا جو مذاق میں کسی کی عزت اچھالتا ہو۔ اور مذاق میں غیبت کرتا ہو۔ اور مذاق ہی میں کسی کی تذلیل کرتا ہو، اور مذاق ہی میں دین کی حرمت پائمال کرتا ہو، ظاہر ہے کہ ایسا شخص گنہگار ہوگا اور خواہ اسے پتہ ہو یا نہ ہو وہ حرام وناجائز میں گرفتار ہے۔

ج - مذاق میں جھوٹ اور غلط بات سے بچنا :

بہت سے وہ لوگ جو مجلسیں قائم کرتے ہیں اور مذاق کیا کرتے ہیں وہ ہنسانے والی کہانیاں گھڑا کرتے ہیں، اور ایسے من گھڑت واقعات وکہانیاں پیش کرتے ہیں جو لوگوں کو ہنسا ئیں خوش کریں اور ان کی خوشی ومسرت میں اضافہ کا سبب ہو، یہ ایک حقیقت ہے کہ اس طرح کی ملمع سازی اور من گھڑت چیزیں جھوٹ میں شامل ہیں، اور اسلام اس سے روکتا ہے، اور ایسے لوگوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت سرزنش کی ہے، ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی وبیہقی حضرت بہز بن حکیم کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((ويل للذي يحدث بالحديث ليضحك به القوم فيكذب ويل له ويل له)).	ہلاکت ہو اس شخص کے لیے جو لوگوں کو ہنسانے کے لیے کوئی بات کہے اور اس میں جھوٹ بولے اس کے لیے ہلاکت ہو اس کے لیے ہلاکت ہو۔

❊ ❊ ❊

اور امام احمد اور ابوداؤد حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

((كبرت خيانة أن تحدث أخاك حديثاً هو لك مصدق وأنت له كاذب)).	یہ بہت بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے کوئی بات کہو جس میں وہ تمہیں سچا سمجھ رہا ہو اور تم اس سے جھوٹ بول رہے ہو۔

❊ ❊ ❊

اور امام احمد وطبرانی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :

((لا يؤمن العبد الإيمان كله حتى يترك الكذب في المزاحة ، والمراء وإن كان صادقاً)).	کوئی شخص بھی اس وقت تک کامل مؤمن نہیں بن سکتا جب تک کہ مذاق میں جھوٹ بولنے اور جھگڑے کو چاہے اس میں حق بجانب کیوں نہ ہو چھوڑ نہ دے۔

ہمارے شہروں میں ایک عام بدعت جو پھیل گئی ہے وہ ہے اپریل فول کی عادت، جو ایک نہایت گندی ناپسندیدہ اور خراب چیز ہے، جسے ہم نے اہل مغرب سے لیا ہے، جس کا ہمارے بلند اسلامی اخلاق اور شاندار عادات سے کوئی تعلق نہیں، اور بلاشبہ یہ ایک جھوٹ ہے جو قطعاً حرام ہے اور کھلا ہوا جھوٹ اور گندہ مذاق ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ ہمارے لیے ہر چیز میں ایک بہترین نمونہ چھوڑا ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح ومذاق کے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ آپ کس طرح مزاح فرمایا کرتے تھے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مذاق میں بھی حق بات ہی فرمایا کرتے تھے :

امام ترمذی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دیہاتی شخص تھے جن کا نام زاہر تھا، وہ دیہات کا تحفہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے پھر جب وہ واپس اپنے علاقے جانا چاہتے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کو تحفے تحائف دیا کرتے تھے، چنانچہ آپ نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ زاہر ہمارے دیہاتی دوست ہیں اور ہم ان کے شہری دوست ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے محبت فرمایا کرتے تھے، حضرت زاہر کوئی خوبصورت سے آدمی نہ تھے، ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور وہ اپنا سامان بیچ رہے تھے، تو آپ نے انہیں پیچھے کی جانب سے پکڑلیا، وہ آپ کو نہ دیکھ سکے۔ زاہر نے کہا: کون صاحب ہیں مجھے چھوڑ دیجیے، پھر جب مڑکر انہوں نے دیکھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان گئے تو پھر جتنا بھی اپنی پشت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ اطہر سے ملا سکتے تھے ملا دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھ سے یہ غلام کون خریدے گا؟ تو انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ایسی صورت میں تو آپ مجھے کھوٹا پائیں گے (یعنی میری قیمت کوئی زیادہ نہ لگے گی) تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کے یہاں تو کم قیمت والے نہیں ہو یا یہ فرمایا کہ تم اللہ کے یہاں تو بہت قیمتی ہو۔

اور سنن ابی داؤد میں حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: غزوۂ تبوک کے موقعہ پر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ چمڑے کے ایک چھوٹے سے قبہ میں تشریف فرما تھے، میں نے سلام عرض کیا، آپ نے جواب دیا اور فرمایا کہ داخل ہوجاؤ، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول کیا میں پورا داخل ہوجاؤں، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ پورے داخل ہوجاؤ چنانچہ میں داخل ہوگیا۔

اور ترمذی و احمد حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سواری کے لیے جانور مانگنے آئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ہم تمہیں اونٹنی کے بچے پر سوار کرادیں گے، وہ واقعۃً بچہ سمجھ کر کہنے لگے کہ اے اللہ کے رسول میں اونٹنی کے بچے کا کیا کروں گا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اونٹ کو بھی تو اونٹنی ہی جنتی ہے۔

اور ابن بکار حضرت زید بن اسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت (جن کو ام ایمن الحبشیہ کہا جاتا تھا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ میرے شوہر آپ کو یاد کر رہے ہیں، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ کون؟ وہی جن کی آنکھوں میں سفیدی ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ ان کی آنکھوں میں سفیدی تو نہیں ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا: کیوں نہیں ان کی آنکھ میں تو سفیدی ہے۔۔۔ انہوں نے کہا کہ: بخدا ایسا نہیں ہے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے کہ اس کی آنکھوں میں سفیدی نہ ہو سب کی آنکھوں میں سفیدی ضرور ہوتی ہے (آپ کی مراد بیاض (سفیدی) سے وہ سفیدی تھی جو پتلی کے چاروں طرف ہوا کرتی ہے)۔

اور ترمذی حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بوڑھی عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول اللہ سے دعا کیجیے کہ اللہ مجھے جنت میں داخل فرما دے، تو آپ نے ارشاد فرمایا: اے فلاں کی ماں جنت میں تو بوڑھی عورت داخل نہیں ہوگی، راوی کہتے ہیں کہ وہ روتی ہوئی واپس جانے لگیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کو یہ بات بتلا دو کہ وہ بڑھاپے کی حالت میں جنت میں داخل نہ ہوگی اور اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((إِنَّآ أَنشَأْنَٰهُنَّ إِنشَآءً ۝ فَجَعَلْنَٰهُنَّ أَبْكَارًا ۝ عُرُبًا أَتْرَابًا ۝)).

الواقعہ ۳۵ تا ۳۷

ہم نے وہاں کی عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے یعنی ہم نے انہیں ایسا بنا دیا ہے کہ وہ کنواری رہیں گی اور محبوبہ اور ہم عمر۔[1]

آپ کی مراد یہ تھی کہ وہ جنت میں اس حالت میں داخل ہوگی کہ وہ نوجوان ہوگی۔

اس لیے مربیوں کو چاہیے کہ مزاح کے آداب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر عمل پیرا ہوں، اور یہ آداب بچوں کو سکھائیں تاکہ لوگوں کے ساتھ میل جول میں وہ ان کے عادی ہوں اور معاشرے میں اسی طرح کا برتاؤ کریں۔

⑦ مُبارک باد دینے کے آداب

بچے کی تربیت شخصیت سازی اور اس کی معاشرتی اصلاح کے سلسلہ میں جن آدابِ معاشرت کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے ان میں یہ بھی داخل ہے کہ بچے کو مبارک باد دینے کے آداب کا عادی بنایا جائے اور اسے یہ سکھایا جائے کہ اس کا طریقہ اور اصول کیا ہیں، تاکہ اس کی طبیعت میں لوگوں کے ساتھ اجتماع واتصال اور مل بیٹھنے کی عادت پیدا ہو، اور جو لوگ اس سے ملتے ہیں، جن کا اس سے تعلق ہے، ان کے ساتھ اخوتِ ومودت اور محبت کے روابط اس میں مستحکم ہوں چونکہ وہ مناسبات جن میں لوگ ایک دوسرے کو مبارک باد کے پیغام پیش کیا کرتے ہیں وہ بہت سی ہیں۔ اس لیے عمومی طور سے مربیوں اور خاص کر والدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے شاگردوں اور بچوں کو اپنے ساتھ ان لوگوں کے پاس لیجائیں جنہیں وہ کسی خوشی یا کسی اور موقعہ پر مبارکباد پیش کرنا چاہتے ہوں تاکہ وہ حالت وکیفیت ان کے دلوں اور یادداشت میں محفوظ ہو جائے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ ان کی طبیعت اور عادت بن جائے۔

مسلمان اپنی زندگی میں جو بھی نیک کام کرتا ہے اس کا پھل اس کو ضرور ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر وثواب بھی۔ تو مسلمان کو مبارک باد پیش کرنا، اس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ، اور اس کو خوش کرنا، اسلام کی نظر میں بہت بڑی نیکی ہے۔ اور فرائض

---

[1] مراد یہ ہے کہ وہ ہم عمر ہوں گی، عُرُب یعنی اپنے شوہروں کو چاہنے والیاں اور اتراب سے وہ مراد ہیں جو ہم عمر ہوں۔

کے بعد اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب عمل ہے، بلکہ یہ مغفرت کا ذریعہ اور جنت تک پہنچانے کا راستہ ہے:

امام طبرانی "معجم صغیر" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: جو شخص اپنے بھائی کو خوش کرنے کے لیے اس طریقے کیساتھ ملتا ہے جو اسے پسند ہو تو اللہ تعالیٰ روز قیامت اسے خوش کر دیں گے۔

اور طبرانی "معجم کبیر" میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إن من موجبات المغفرة إدخالك السرور على أخيك المسلم)).	اسباب مغفرت میں سے یہ بھی ہے کہ تم اپنے مسلمان بھائی کو خوش کر دو۔

اور طبرانی "معجم کبیر" و "معجم اوسط" میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إن أحب الأعمال إلى الله تعالى بعد الفرائض إدخال السرور على المسلم)).	فرائض کے بعد محبوب ترین عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں مسلمان کو خوش کرنا ہے۔

اور طبرانی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من أدخل على أهل بيت من المسلمين سرورًا لم يرض الله له ثوابًا دون الجنة)).	جو کسی مسلمان گھرانے کو خوش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت سے کم ثواب پر راضی نہیں ہوتے۔

مبارکباد دینے کے کچھ آداب ہیں جنہیں ذیل میں ہم ملخص طور پر پیش کرتے ہیں:

الف۔ مبارک باد کے موقعہ پر اہتمام اور خوشی کا اظہار:

اس لیے کہ بخاری و مسلم میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی توبہ کے قصہ میں یہ آتا ہے کہ حضرت کعب فرماتے ہیں کہ میں نے کسی پکارنے والے کی آواز سنی جو نہایت بلند آواز سے کہہ رہا تھا کہ اے کعب بن مالک مبارک ہو، یہ سننا تھا کہ لوگ مجھے مبارک باد دینے لگے، اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چل پڑا، لوگ میری توبہ قبول ہونے پر فوج در فوج مجھے مبارک باد پیش کرتے جارہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی جو توبہ قبول کی ہے یہ آپ کو مبارک ہو، یہاں تک کہ میں مسجد میں داخل ہوگیا اور دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد لوگ بیٹھے ہوئے ہیں، مجھے دیکھ کر حضرت طلحہ بن عبیداللہ دوڑتے ہوئے میری طرف بڑھے اور مجھ سے مصافحہ کیا اور مجھے مبارک باد دی، حضرت کعب حضرت طلحہ کی اس عزت افزائی کو ہمیشہ یاد کیا کرتے تھے، کعب فرماتے ہیں کہ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کو سلام کیا تو آپ کے چہرۂ مبارک سے خوشی چھلک رہی تھی، اور آپ نے ارشاد فرمایا: جب سے تمہاری ماں نے تمہیں جنا ہے اس وقت سے لے کر آج تک تم پر اس سے مبارک اور بہترین دن نہیں آیا ہے[1]

ب۔ ایسے مواقع پر مسنون دُعاؤں اور مناسب و عمدہ عبارت استعمال کرنا:

سنتِ نبوی ہمیں یہ تعلیم دیتی ہے کہ ہم ایسے عمدہ کلمات اور شاندار و بہترین دعاؤں کے ساتھ مبارک باد پیش کریں جن کا سیکھنا مسلمان پر لازمی ہے، اور مناسب وقت پر ان کلمات سے مبارک باد کا اظہار ضروری ہے۔ اس قسم کے بعض دلچسپ واقعات اور وہ کلمات جن کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رہنمائی کی ہے اور جو آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلفِ صالحین رحمہم اللہ سے مروی ہیں ان کو آئندہ صفحات میں ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

۱۔ بچے کی پیدائش پر مبارک باد:

ایسے شخص کو مبارک باد دیتے وقت یہ کہنا چاہیئے کہ:

((بورك لك بالموهوب، وشكرت الواهب، ورزقت برّه، وبلغ أشده)). — اللہ تعالیٰ آپ کے اس بچے کو مبارک کرے اور آپ کو اللہ کے شکر ادا کرنے کی توفیق ہو۔ اور یہ بچہ آپ کا فرمانبردار و نیک ہو اور جوانی کو پہنچے۔

جس کو مبارک باد دی جارہی ہے اسے چاہیے کہ ان الفاظ کا جواب اس طرح دے:

((بارك الله لك وبارك عليك ورزقك الله مثله)). — اللہ تعالیٰ آپ کو بھی مبارک کرے اور اپنی برکتوں سے آپ کو نوازے، اور آپ کو بھی اس جیسی نعمت عطا فرمائے۔

مندرجہ بالا عبارتیں حضرت حسین بن علی و حسن بصری رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔

۲۔ سفر سے واپس آنے والے کو مبارک باد:

ایسے شخص کو ان الفاظ سے مبارک باد دینا مستحب ہے:

((الحمد لله الذي سلمك وجمع الشمل — تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے جس نے آپ کو محفوظ

---

[1] حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے قصے کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ بلا عذر غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس یوم تک کے لیے ان کے بائیکاٹ کا حکم دے دیا، پچاس دن کے بعد ان کی اور ان کے دونوں ساتھیوں کی توبہ قبول ہونے کے سلسلہ میں آیاتِ قرآنیہ نازل ہوئیں اور لوگوں کی مبارک باد دینے کا سلسلہ پیش آیا۔ قصہ کی تفصیل دیکھنے کے لیے ریاض الصالحین کا باب التوبہ دیکھیں۔

بك وأكرمك))۔ — رکھا اور کامیاب فرمایا اور آپ کا اکرام کیا۔

یہ کلمات بعض سلفِ صالحین سے مروی ہیں۔

۳۔ جہاد سے واپس آنے والے کو مبارک باد:

ایسے شخص سے یہ کہنا مستحب ہے:

((الحمد لله الذی نصرك ، وأعزك وأكرمك))۔ — تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے تمہاری مدد فرمائی۔ اور عزت دی اور اکرام فرمایا۔

اس لیے کہ مسلم ونسائی وغیرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوے میں تشریف لے گئے تھے، جب وہاں سے واپس تشریف لائے تو میں نے آپ کا استقبال کیا اور آپ کا دستِ مبارک پکڑ کر عرض کیا:

((الحمد لله الذی نصرك، وأعزك وأكرمك))۔ — تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے آپ کی مدد فرمائی، اور اعزاز و اکرام فرمایا۔

اسی طرح اگر یہ کہا جائے کہ:

((الحمد لله الذی سلمك وجمع الشمل بك وأكرمك))۔ — تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے جس نے تمہاری حفاظت فرمائی اور کامیاب فرمایا اور اکرام کیا۔

تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

۴۔ حج کرکے واپس آنے والے کو مبارک باد

حاجی کو مبارک باد دینے کے لیے یہ کلمات کہنا بہتر ہے:

((قبل الله حجك وغفر ذنبك وأخلف نفقتك))۔ — اللہ تعالیٰ آپ کا حج قبول فرمائے، اور گناہ معاف فرمائے اور آپ کے خرچ کا نعم البدل عطا فرمائے۔

اس لیے کہ ابن السنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں حج پر جانا چاہتا ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان صاحب کے ساتھ ساتھ چلے اور فرمایا:

((یا غلام! زودك الله التقوى — اے صاحب زادے اللہ تعالیٰ تمہیں تقویٰ نصیب فرمائے

ووجهك فى الخير، وكفاك الهم)). — اور خیر میں لگائے رکھے اور تمہارے ہموم و پریشانیوں کو دُور فرمائے۔

پھر جب وہ صاحب حج سے واپس ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا:

((یا غلام قبل اللہ حجك، وغفر ذنبك، وأخلف نفقتك)). — صاحب زادے! اللہ تمہارا حج قبول فرمائے، اور گناہ معاف فرمائے، اور تمہارے اخراجات کا بدل عطا فرمائے۔

۵۔ نکاح وشادی پر مبارکباد:

میاں بیوی کو نکاح ہونے پر اس طرح مبارک باد دینا چاہیے کہ، اللہ تم میں برکت دے، اور اپنی برکتیں نازل فرمائے، اور تم دونوں کو خیر و عافیت سے یکجا رکھے، اس لیے کہ ابوداؤد و ترمذی وغیرہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو شادی کی مبارک باد دیتے تھے تو فرمایا کرتے تھے:

((بارك اللہ لك، وبارك عليك، وجمع بينكما فى خير)). — اللہ تم میں برکت دے، اور تم پر برکتیں نازل فرمائے، اور تم دونوں کو خیر و عافیت سے یکجا رکھے۔

بالرفاء والبنین یعنی "تم ایک ساتھ رہو اور اولاد ہو" کے الفاظ کہنا مکروہ ہے، اس لیے کہ مبارک باد کے یہ الفاظ زمانۂ جاہلیت میں مبارک بادی کے الفاظ ہیں، چنانچہ امام احمد و نسائی وغیرہ حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے جشم کی ایک عورت سے شادی کی، تو کچھ لوگ آئے اور انہوں نے بالرفاء والبنین کے الفاظ سے مبارک باد دی، تو انہوں نے فرمایا کہ ایسے الفاظ نہ کہو اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منع فرمایا ہے، تو انہوں نے کہا کہ اے ابوزید تو پھر ہم کیا کہا کریں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ یہ کہا کرو:

((بارك اللہ لكم وبارك عليكم)). — اللہ تم میں برکت دے اور تمہارے اوپر برکتیں نازل فرمائے۔

ہمیں اسی طرح مبارک باد دینے کا حکم دیا جاتا تھا۔

۶۔ عید پر مُبارک باد:

عید کی نماز کے بعد ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے یہ کہنا چاہیئے:

((تقبل اللہ منا ومنك)). — اللہ تعالیٰ میری اور آپ کی طرف سے قبول فرمائے۔

کتاب "المقاصد" میں لکھا ہے کہ عید کے بارے میں آتا ہے کہ خالد بن معدان عید کے روز حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے ملے تو انہوں نے حضرت واثلہ سے فرمایا: تقبل اللہ منا ومنك، تو حضرت واثلہ نے بھی یہی الفاظ دہرائے

اور ان کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی۔

۷۔ احسان کرنے والے کا شکریہ ادا کرنا:

جو شخص کسی کے ساتھ احسان کرے تو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ اس محسن سے کہے:

((بارك الله في أهلك ومالك وجزاك الله خيرا)). — اللہ تعالیٰ تمہارے اہل ومال میں برکت دے، اور تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

اس لیے کہ نسائی وابن ماجہ حضرت عبداللہ بن ابی ربیعہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے چالیس ہزار درہم قرضہ لیے اور پھر جب آپ کے پاس پیسہ آگیا تو مجھے پیسے واپس دیے اور فرمایا:

((بارك الله في أهلك ومالك. إنما جزاء المسلف الحمد والثناء)). — اللہ تعالیٰ تمہارے اہل ومال میں برکت دے قرض دینے والے کا بدلہ یہ ہے کہ اس کی تعریف کی جائے اور شکریہ ادا کیا جائے۔

٭ ٭ ٭

اور ترمذی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من صنع إليه معروف فقال لفاعله جزاك الله خيرا فقد أبلغ في الثناء)). — جس کے ساتھ کوئی احسان کیا گیا ہو اور وہ اس کو جزاک اللہ خیراً کہہ دے، تو اس نے شکریہ ادا کرنے میں مبالغہ کر دیا۔

مبارک باد دینے والے کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ اُن الفاظ کی پابندی کرے جو ماثور ومنقول ہیں، لیکن اگر اپنی طرف سے تعبیر یا الفاظ میں کچھ اضافہ کرنا ہو تو عمدہ لطیف الفاظ سے دعا دے، لیکن یہ یاد رہے کہ کوئی لفظ یا تعبیر ایسی نہ ہو جو کسی دوسری قوم یا غیر مسلموں سے لی گئی ہو یا زمانۂ جاہلیت کی عکاسی کرتی ہو تاکہ مسلمان ایسے مواقع پر بھی اپنے عقیدے اور اسلامی اصولوں کا پابند رہے۔

ج۔ مُبارک باد دینے کے ساتھ ساتھ ہدیہ بھی پیش کرنا مستحب ہے:

جس کے یہاں بچہ پیدا ہو یا جو شخص سفر سے واپس آئے یا جس کی شادی ہو یا اس طرح کی دوسری خوشیوں کے موقعہ پر مستحب یہ ہے کہ مبارک باد پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ہدیہ بھی پیش کیا جائے، اس لیے کہ بہت سی احادیث میں ہدیہ دینے پر ابھارا گیا ہے اور اس کی جانب رغبت دلائی گئی ہے، چنانچہ ملاحظہ فرمائیے:

طبرانی وعسکری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں:

((تهادوا وهاجروا تورثوا أبناءكم مجدا)). — ہدیہ دو اور ہجرت کرو تاکہ اپنے بچوں کو باعزت بنا سکو۔

وأقيلوا الكرام عثراتهم))۔ اور شریف لوگوں کی لغزشوں سے درگزر کر دیا کرو۔

طبرانی اپنی کتاب "معجم اوسط" میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((یا نساء المؤمنین تهادین ولو فرسن شاة، فإنه ینبت المودة ویذهب الضغائن))۔ اے مسلمانوں کی عورتو آپس میں ہدیہ دیا کرو چاہے دنبہ (بکری) کا کھر ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ اس سے محبت پیدا ہوتی ہے اور کینہ دور ہو جاتا ہے۔

امام بخاری "الادب المفرد" میں اور امام احمد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت نقل کرتے ہیں:

((تهادوا فإن الهدیة تذهب وحر الصدر))۔ ہدیہ دیا کرو اس لیے کہ ہدیہ سینہ کے کینے کو دور کیا کرتا ہے۔

اور دیلمی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں:

((علیکم بالهدایا فإنها تورث المودة وتذهب الضغائن))۔ ہدیہ دیا کرو اس لیے کہ اس سے محبت پیدا ہوتی ہے اور کینہ وحسد ختم ہو جاتا ہے۔

اور طبرانی "معجم اوسط" میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں:

((تهادوا تحابوا))۔ آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دو اور محبت پیدا کرو۔

مندرجہ بالا احادیث سے جب یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ لوگوں کو ایک دوسرے کو بلا کسی موقعہ ومناسبت کے ہدیہ دینا چاہیے تو پھر کسی خوشی کے موقعہ پر ہدیہ دینے کی تاکید تو اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اس لیے کہ اس ہدیہ دینے کا امت کے اتحاد اور جماعتِ مسلمین میں وحدت پیدا کرنے میں بڑا ہاتھ ہے اور اس سے مسلم معاشرے میں محبت وبھائی چارگی کی فضا پیدا کرنے اور اخلاص وبے لوثی پیدا کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

اس لیے تربیت کرنے والوں کو چاہیے کہ اپنے خاندانوں اور اولاد میں مبارکبادی کے آداب راسخ کریں، تاکہ وہ دنیاوی زندگی میں اور لوگوں کے ساتھ معاملات کرتے وقت ان چیزوں کے عادی بنیں۔

(۸) بیمار پرسی وعیادت کے آداب

وہ اہم ترین معاشرتی آداب جن کی طرف مربیوں کو بہت توجہ دینی چاہیے اور جن کا اپنے بچوں کو عادی بنانا چاہیئے بیمار کی عیادت کے آداب بھی ہیں، تاکہ بچے میں شروع ہی سے دوسروں کے درد وغم میں شریک ہونے اور دوسروں کی تکلیف کے احساس کرنے کی عادت جاگزین ہو جائے۔ اور یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ جب شروع ہی سے بچوں میں

یہ وصف پیدا ہو جائے گا اور یہ عادت ان میں جاگزین ہو جائے گی تو وہ محبت ایثار اور ہمدردی میں لگے رہیں گے، بلکہ یہ اوصاف ان میں فطری خلقی اور ایک عادت سی بن جائیں گے، اور پھر وہ کسی حق کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کریں گے، اور کسی فریضہ کی ادائیگی سے پیچھے نہیں ہٹیں گے، بلکہ قوم کے افراد کے غم اور خوشی میں برابر کے شریک ہوں گے، اور ان کے امور واحوال اور ہموم غموم کا احساس کریں گے، اور ان کے غموں کو بانٹ لیں گے اور خوشی میں اضافے کا ذریعہ بنیں گے، اور یہی وہ منتہی ہے جس کا اسلام خواہاں ہے اور معاشرہ میں اچھی عادات اور اخلاقِ عالیہ اور بلند ظرفی پیدا کرنے اور ان امور کا افراد کو عادی بنانے کے سلسلہ میں اسلام اس کا خواہشمند ہے۔

اسی لیے اسلام نے بیمار کی عیادت و بیمار پرسی کا حکم دیا ہے۔ بلکہ اس عبادت کو مسلمان کا مسلمان پر حق قرار دیا ہے:

بخاری ومسلم حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بیمار کی عیادت اور جنازے کے ساتھ جانے اور چھینکنے والے کو یرحمک اللہ کہنے اور قسم کھانے والے کی قسم پورا کرنے اور مظلوم کی مدد اور دعوت دینے والے کی دعوت قبول کرنے اور سلام کو عام کرنے کا حکم دیا ہے۔

اور بخاری ومسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((حق المسلم على المسلم خمس: رد السلام وعيادة المريض، واتباع الجنائز، وإجابة الداعي، وإفشاء السلام)) ۔	ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں: سلام کا جواب دینا، بیمار کی بیمار پرسی کرنا، جنازے کیساتھ جانا، دعوت قبول کرنا، اور سلام کا پھیلانا۔

اس وجہ سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نیک کاموں اور بھلائیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جاتے تھے ان نیک کاموں میں سے بیمار کی عیادت بھی ہے تاکہ بارگاہِ رب العزت وذوالجلال میں جنت کے اعلیٰ مقام ومرتبہ کے مستحق بنیں، چنانچہ امام بخاری "الادب المفرد" میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آج تم میں سے کس نے روزہ رکھا ہے؟ حضرت ابوبکر نے عرض کیا: میں نے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تم میں سے کس نے آج بیمار کی بیمار پرسی کی ہے؟ حضرت ابوبکر نے عرض کیا: میں نے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: تم میں سے کون آج کسی جنازے میں شریک ہوا ہے؟ تو حضرت ابوبکر نے فرمایا: میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: تم میں سے کس نے آج کسی مسکین کو کھانا کھلایا ہے؟ حضرت ابوبکر نے عرض کیا: میں نے، حدیث کے رواۃ میں سے ایک راوی مروان کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شخص میں بھی یہ اوصاف جمع نہیں ہوں گے مگر یہ کہ وہ جنت میں داخل ہوگا۔

بیمار کی عیادت کے کچھ آداب ہیں جنہیں ہم ذیل میں ترتیب سے بیان کریں گے:

الف۔ بیمار پُرسی میں جلدی کرنا

اس لیے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا؛

((إذا مرض فعده)). جب وہ (مسلمان) بیمار ہوجائے تو اس کی عیادت کیجائے.

اس حدیث کے مطابق مناسب یہ ہے کہ عیادت بیماری کی ابتدا ہی سے ہو۔

لیکن چند احادیث ایسی ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ عیادت تین دن گزرنے کے بعد ہونا چاہیئے اُن احادیث میں سے کچھ درجِ ذیل ہیں ؛

ابن ماجہ اور بیہقی روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی مریض کی عیادت تین دن سے قبل نہ کرتے تھے۔

اور طبرانی "معجم اوسط" میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ تین دن گزرنے کے بعد عیادت کرنا سنت ہے۔

اور اعمش رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ہم مجلس میں بیٹھا کرتے تھے، اور جب تین دن کوئی شخص مجلس سے غیر حاضر ہو تو ہم اس کے بارے میں دریافت کرتے، پھر اگر وہ بیمار ہوتا تھا تو ہم اس کی عیادت کرلیا کرتے تھے، ان احادیث میں تطبیق اس طرح دی جائے گی کہ اگر مرض بہت خطرناک ہو تو فوری عیادت کرنا چاہیے، اور اگر عام بیماری ہو تو مندرجہ بالا احادیث کے مطابق تین دن کے بعد عیادت کرنا چاہیئے۔

ب۔ عیادت کے لیے جانے کی صورت میں کم بیٹھنا یا مریض کی خواہش پر زیادہ دیر تک بیٹھنا:

اگر مریض ایسی خطرناک حالت میں ہو کہ اسے دیکھ بھال اور نگہداشت کرنے والوں کی حاجت ہو، اور وہ عورتوں میں سے ہوں، تو ایسی صورت میں بہت مختصر سے وقت میں عیادت کرلینا چاہیے۔ اور اگر بیمار تسلی بخش حالت میں ہو اور عیادت کے لیے آنے والوں سے مانوس ہو اور ان سے گفت شنید سے اس کا دل بہلتا ہو تو ذرا زیادہ دیر تک بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ رہا مریض کے یہاں جانا تو اس میں بہتر یہ ہے کہ ایک دن چھوڑ کر جایا جائے بشرطیکہ مریض کی حالت بہتر ہو اس لیے کہ بزار اور بیہقی و طبرانی و حاکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا؛

((زر غبًا تزد دحبًا)). کبھی کبھی ملاقات کیا کرو محبت بڑھے گی۔

اور ابن درید نے کتنا عمدہ شعر کہا ہے :

عليك بإغباب الزيارة إنها	إذا كثرت كانت إلى الهجر مسلكا
ملاقات کبھی کبھی کیا کرو اس لیے کہ جب ملاقات	بہت زیادہ کی جانے لگے تو وہ جدائی کیلیے راستہ بن جاتی ہے
فإني رأيت الغيث يسأم دائبًا	ويسأل بالأيدي إذا هو أمسكا
اسلیے کہ میں نے دیکھا ہے کہ جب بارش مسلسل ہو تو لوگ تنگدل ہو جاتے ہیں	اور اگر برسنا بند ہو جائے تو لوگ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں

ج ۔ مریض کے پاس جاکر اس کیلیے دُعا کرنا :

بخاری و مسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعض اہل و عیال کی عیادت کرتے تو اپنا دایاں ہاتھ پھیرتے ہوئے یہ فرماتے :

((اللهم رب الناس، أذهب البأس اشف أنت الشافي، لا شفاء إلا شفاؤك، شفاءً لا يغادر سقمًا)).

اے اللہ لوگوں کے پروردگار، بیماری کو دُور کر دیجیے اور شفاء دے دیں آپ ہی شفا بخشنے والے ہیں حقیقی شفاء آپ ہی کی شفاء ہے۔ ایسی شفا عطا فرمائیے جو کسی قسم کی بیماری نہ چھوڑے۔

٭ ٭ ٭ ٭

اور ابوداؤد و ترمذی و حاکم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی ایسے بیمار کی عیادت کو جائے جس کی موت کا وقت ابھی نہ آیا ہو اور اس کے پاس جاکر سات مرتبہ یہ پڑھے :

((أسأل الله العظيم رب العرش العظيم أن يشفيك)).

میں عظیم اللہ سے جو کہ عظیم عرش کا رب ہے یہ سوال کرتا ہوں کہ وہ تمہیں شفاء دے دے۔

مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس بیماری سے شفاء عطا فرما دیتے ہیں۔

د ۔ مریض کو یہ یاد دلانا کہ وہ درد و تکلیف کی جگہ اپنا ہاتھ رکھ کر مسنون دُعائیں پڑھے :

امام مسلم رحمہ اللہ حضرت ابوعبداللہ عثمان بن أبی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدن میں درد کی شکایت کی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اپنا ہاتھ جسم کے اس حصہ پر رکھو جہاں درد ہے اور پھر تین مرتبہ بسم اللہ کہو، اور پھر سات مرتبہ : ((أعوذ بعزة الله وقدرته من شر ما أجد وأحاذر)) پڑھو۔ یعنی میں اللہ کے عزت و جلال اور قدرت کے ذریعہ سے پناہ مانگتا ہوں اس درد و تکلیف

کے شر سے جس میں مبتلا ہوں اور جس کا مجھے خوف ہے۔

ھ۔ بیمار کے اہل وعیال سے بیمار کی حالت وکیفیت کے بارے میں پوچھتے رہنا:

اس لیے کہ امام بخاری رحمہ اللہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ان ایام میں تشریف لائے جن دنوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مرض الوفات میں تھے، تو لوگوں نے کہا، اے ابوالحسن (حضرت علی کی کنیت ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کیسی ہے؛ تو انہوں نے فرمایا: خدا کا شکر ہے پہلے سے اچھے ہیں۔

و۔ بیمار پرسی کرنے والے کیلیے مستحب یہ ہے کہ بیمار کے سرہانے بیٹھے:

اس لیے کہ بخاری "الادب المفرد" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی بیمار کی عیادت کو جاتے تو اس کے سر کے پاس تشریف فرما ہوجاتے اور پھر سات مرتبہ یہ فرماتے:

((أسأل الله العظيم رب العرش العظيم أن يشفيك)). میں اس عظیم اللہ سے جو پروردگار ہے عرشِ عظیم کا یہ سوال کرتا ہوں کہ وہ تمہیں شفا دے۔

پھر اگر اس بیمار کی زندگی کے ایام باقی ہوتے تھے تو وہ اس بیماری سے شفا پا جاتا تھا۔

ز۔ مریض کو شفایابی اور عمرِ طویل کی دُعا وغیرہ دے کر خوش کرنا:

اس لیے کہ ترمذی اور ابن ماجہ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی بیمار کے پاس جاؤ تو اسے لمبی عمر پانے کی دعا دیا کرو اس لیے کہ اس سے تقدیر تو نہیں بدلتی، البتہ مریض کا دل خوش ہوجاتا ہے اور بیمار کو یہ کہدینا چاہیے: لا بأس طهور إن شاء الله (پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے خدا نے چاہا تو گناہوں سے طہارت کا ذریعہ ہے) جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں وارد ہوا ہے۔

ح۔ بیمار پرسی کرنے والوں کو بیمار سے اپنے لیے دُعا کی درخواست کرنا چاہیے:

اس لیے کہ ابن ماجہ اور ابن السنی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی بیمار کے پاس جاؤ تو اس سے کہو کہ وہ تمہارے لیے دعا کرے، اس لیے کہ اس کا دعا کرنا ایسا ہے جیسا کہ فرشتوں کا دعا کرنا۔

ط۔ بیمار اگر جان کنی کے عالم میں ہو تو اسے کلمہ لا الہ الا اللہ یاد دلانا:

اس لیے کہ امام مسلم رحمہ اللہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

((لقنوا موتاکم لا إله إلا الله)). اپنے قریب المرگ لوگوں کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کیا کرو۔

اور ابو داؤد اور حاکم حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

((من كان آخر كلامه لا إله إلا الله دخل الجنة)). جس شخص کی آخری بات لا الہ الا اللہ ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

مریض کی عیادت کے سلسلہ میں یہ وہ اہم آداب ہیں جو اسلام نے مقرر کیے ہیں اس لیے مربیوں کو چاہیے کہ انہیں نافذ کریں اور اپنی اولاد کو سکھائیں، تاکہ زندگی میں وہ ان کے عادی بنیں اور لوگوں کے ساتھ اسی طرح کا برتاؤ کریں۔

⑨ تعزیت کے آداب

وہ معاشرتی آداب جن کا مربیوں کو اہتمام کرنا چاہیے اور ان کی طرف بھرپور توجہ دینا چاہیے ان میں سے تعزیت کے آداب بھی ہیں، اگر کسی کے عزیز کا انتقال ہو جائے یا کسی کی کوئی عزیز ترین چیز گم جائے تو اس پر تعزیت کرنا چاہیے تعزیت کا مطلب یہ ہے کہ اچھے اور لطیف کلمات اور مسنون دعاؤں کے ذریعہ سے میت کے پسماندگان کو اس طرح سے تعزیت کرنا جس سے ان کا غم کم ہو اور مصیبت کا جھیلنا ان کے لیے آسان ہو جائے، تعزیت کرنا مستحب ہے خواہ ذمی کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ ابن ماجہ و بیہقی حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((ما من مؤمن يعزي أخاه بمصيبته إلا كساه الله عز وجل من حلل الكرامة)). کوئی مؤمن ایسا نہیں ہے کہ جو مصیبت کے موقعہ پر اپنے بھائی سے تعزیت کرے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے اعزاز و اکرام کی پوشاک پہنائیں گے۔

❊ ❊ ❊

اور ترمذی و بیہقی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی مصیبت زدہ سے تعزیت کرتا ہے تو اس کو بھی اس کے برابر اجر و ثواب ملتا ہے۔

اور مناسب یہ ہے کہ تعزیت گھر کے تمام افراد اور رشتہ داروں چھوٹوں بڑوں عورتوں مردوں سب سے کی جائے (البتہ اجنبی عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ان سے ان کے اعزہ ہی تعزیت کریں گے) یہ تعزیت خواہ دفن سے پہلے ہو یا دفن کے بعد بشرطیکہ تین دن کے اندر اندر ہو، الایہ کہ تعزیت کرنے والا یا جس سے تعزیت کی جائے گی وہ موجود نہ ہوں تو ایسی صورت میں تین دن کے بعد تعزیت کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

تعزیت کے بھی کچھ آداب ہیں جن میں سے اہم اہم درج ذیل ہیں:

الف۔ جہاں تک ہو سکے مسنون کلمات سے تعزیت کیجائے:

امام نووی اپنی کتاب "الاذکار" میں لکھتے ہیں: تعزیت کے سب سے بہترین الفاظ وہ ہیں جو صحیح بخاری و مسلم میں حضرت اسامۃ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صاحبزادی نے آپ کو بلانے کے لیے پیغام بھیجا کہ ان کا بچہ جان کنی کے عالم میں ہے، تو آپ نے اس پیغام لانے والے سے کہا کہ: جاؤ اور ان سے جا کر یہ کہہ دو:

((إن لله ما أخذ، وله ما أعطى وكل شئ عنده بأجل مسمى، فمرها فلتصبر ولتحتسب)).

بے شک اللہ نے جو واپس لے لیا وہ بھی اس کا ہے اور جو دیا وہ بھی اس کا ہے اور ہر چیز کا اللہ کے یہاں ایک وقت مقرر ہے، اس لیے انہیں جا کر کہہ دو کہ وہ صبر کریں اور اجر کی امید رکھیں۔

٭ ٭ ٭

اور امام نووی لکھتے ہیں: تعزیت جن الفاظ سے کرنا چاہیے ان میں کوئی قید نہیں ہے۔ جس لفظ سے بھی تعزیت کی جائے مقصد حاصل ہو جائے گا۔ البتہ ہمارے اصحاب نے یہ مستحب جانا ہے کہ مسلمان دوسرے مسلمان سے تعزیت کرتے ہوئے ان الفاظ کو ادا کرے:

((أعظم الله أجرك، وأحسن عزاءك وغفر لميتك)).

اللہ تعالیٰ تمہارا اجر بڑھائے، اور صبر جمیل کی توفیق دے۔ اور تمہارے میت کی مغفرت فرمائے۔

اور مسلمان اگر کسی کافر سے تعزیت کرے تو یہ کہے: ((أعظم الله أجرك، وأحسن عزاءك)) اور کافر اگر مسلمان سے تعزیت کرے تو کہے: ((أحسن الله عزاءك وغفر لميتك)) اور اگر کافر کسی کافر سے تعزیت کرے تو کہے: ((أخلف الله عليك)) اللہ تمہیں اس کا بدل دے۔

ب۔ میت کے گھر والوں کیلیے کھانے کا بندوبست کرنا:

شریعتِ اسلام نے یہ مستحب قرار دیا ہے کہ میت کے گھر والوں کے لیے کھانے کا بندوبست کیا جائے. اس لیے کہ یہ نیکی واحسان میں داخل ہے. اور اس سے امت کے افراد کا رابطہ قوی ومضبوط ہوتا ہے. اور اس لیے بھی کہ میت والے جنازے وغیرہ کے امور میں مشغول ہوں گے. اور اس حادثہ کی وجہ سے شکستہ دل ہوں گے. ابوداؤد. ابن ماجہ اور ترمذی حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آل جعفر کے لیے کھانا بناؤ[1] اس لیے کہ ان پر ایک ایسی مصیبت آن پڑی ہے جو انہیں اس سے غافل کر دے گی. ائمہ کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ میت کے گھر والوں کا ان لوگوں کے لیے کھانا پکوانا مکروہ ہے جو تعزیت وغیرہ کے لیے آتے ہیں. اس لیے کہ حضرت جریر کی حدیث میں آتا ہے کہ ہم میت کے اہل وعیال کے یہاں اکٹھے ہونے، اور دفن کے بعد کھلانے کے لیے کھانا بنانے کو نوحہ میں شمار کیا کرتے تھے[2]۔

بعض لوگ تعزیت کے دوران کھانا بنواتے ہیں یا دعوت دیتے ہیں یہ نہایت بدترین بدعت ہے جس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں ملتا. اس لیے اگر تعزیت کرنے والے کو کسی قسم کی دعوت وضیافت دی جائے تو اسے اس کو قطعاً رد کر دینا چاہیے، کیوں کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اور اسلامی آداب کے منافی ہے۔

ج۔ جس سے تعزیت وغم خواری کرنا ہے اس سے غم واندوہ کا اظہار کرنا:

اور وہ اس طرح کہ اگر وہاں قرآن کی تلاوت ہو رہی ہو تو خشوع وخضوع سے کان لگا کر سنے، اور ایسی حدیثیں بیان کرے جو مصائب سے متعلق ہوں، اور ماثور ومنقول الفاظ سے تعزیت کے الفاظ ادا کرے. اور اسی طرح کے اور ایسے کلمات ادا کرے جو موقع کی مناسبت اور تعزیت سے ربط رکھتے ہوں۔

لیکن مسکرانا یا ہنسنا یا فضول لغو باتیں کرنا یا غیر مناسب اور غیر متعلق قسم کی باتیں کرنا. یا ہنسانے والی باتیں کرنا یہ مصیبت زدہ کے سامنے بے ادبی اور اساءتِ ادب ہے. اور ایسی صورت میں ایسا شخص چاہے سمجھے یا نہ سمجھے گناہ میں ضرور گرفتار ہوگا۔

اس لیے میت پر اظہارِ ترحم اور غم وملال کا اظہار اور اس کے مناقب کا بیان کرنا ہی وہ بہترین طریقہ ہے جس

---

[1] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آلِ جعفر کو جب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے غزوہ موتہ میں شہید ہونے کی اطلاع دی تو اس وقت اپنے گھر والوں کو ان کے لیے کھانے کا بندوبست کرنے کا حکم دیا۔

[2] فقہاء نے اس سے ان لوگوں کو مستثنیٰ کیا ہے جو تعزیت کے لیے دور دراز سے آتے ہوں اور میت والوں کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہو کہ ان کی ضیافت کریں۔

سے اہلِ میت کے ساتھ تعزیت کی جاسکتی ہے، اور سلفِ صالحین اسی طرح کیا کرتے تھے اور اسی انداز سے غم خواری و تعزیت کرتے تھے چنانچہ ابوداؤد و نسائی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے ایک طویل حدیث نقل کرتے ہیں جس میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ سے پوچھا: اے فاطمہ تم گھر سے کس کام کے لیے نکلی تھیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ ان لوگوں کے یہاں گئی تھی جن کے یہاں فلاں صاحب کا انتقال ہوگیا تھا، ان سے ہمدردی کا اظہار کیا اور میت کی تعزیت کی۔

د۔ کسی منکر کو دیکھ کر عمدگی سے نصیحت کرنا:

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تعزیت کرنے والا جب کسی کے گھر تعزیت کو جاتا ہے تو وہاں خلافِ شرع اور ناپسندیدہ اشیاء کا مشاہدہ کرتا ہے مثلاً مرنے والے کی تصویر یا تلاوتِ قرآن کے وقت سگریٹ نوشی، یا غمناک موسیقی، یا تعزیت کے لیے آنے والوں کے لیے کھانا پیش کرنا، یا اس کے علاوہ اور ایسی منکر چیزیں جو دین میں ممنوع ہیں، تبلایئے ایسے صورت میں تعزیت کرنے والے کا کیا موقف ہونا چاہیئے؟ یا ایسی صورت میں اسلام اس پر کیا فریضہ عائد کرتا ہے؟

ایسے شخص کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ خیر خواہی کے انداز میں جرأت مندی سے حق بات کہہ دے اور حق کہنے میں کسی ملامت کرنے والے کی مطلق پرواہ نہ کرے، اور نہ ایسے موقعہ کی نزاکت حق کہنے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ سے مانع بنے، اور لوگوں کا ڈر اسے نصیحت کرنے اور صحیح بات کہنے اور بری بات سے روکنے میں رکاوٹ نہ بنے، اس لیے کہ اللہ ہی اس لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔

ابنِ ماجہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھے، صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ہم میں سے کوئی شخص اپنے آپ کو حقیر کیسے سمجھے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس طرح کہ وہ یہ سمجھے کہ اس کو فلاں بات کہنا چاہیئے لیکن اس موقعہ پر وہ بات نہ کرے اور اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے روز یہ فرمائے: تبلاؤ تمہیں میرے سلسلہ میں فلاں فلاں بات کہنے سے کون سی چیز مانع تھی؟ وہ شخص کہے گا: لوگوں کا خوف وڈر، تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے: تو مجھ سے ڈرنے کا زیادہ مستحق تھا۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے صحابہ سے بیعت لیا کرتے تھے تو ان سے اس بات پر بیعت لیتے تھے کہ وہ فرمانبرداری واطاعت کریں گے اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کریں گے چنانچہ بخاری ومسلم حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر فرمانبرداری واطاعت اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے پر بیعت کی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو جو برائیوں کو بدل سکتے ہیں لیکن پھر بھی ان کے مٹانے کی کوشش نہیں کرتے ایسے لوگوں کو مرنے سے پہلے اللہ کے عذاب میں گرفتار ہونے سے ڈرایا ہے۔ چنانچہ ابوداؤد حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ:

((ما من رجل يكون في قوم يعمل فيهم بالمعاصي يقدرون أن يغيروا عليه ولا يغيرون إلا أصابهم الله منه بعقاب قبل أن يموتوا)).

کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ جو کسی ایسی قوم میں گناہ کرے جو اس کو اس سے روکنے کی قدرت رکھتے ہوں اور پھر بھی اس شخص کو اس سے نہ روکیں مگر یہ کہ اللہ انہیں اس کی وجہ سے مرنے سے پہلے عذاب دے گا۔

* * *

بلاشبہ اچھی باتوں کا حکم دینا نرمی اور پیار اور اچھے طریقے، مناسب حکیمانہ انداز سے ہونا چاہیے تاکہ قلوب وعظ ونصیحت سنیں اور نفوس پر اس کا اثر ہو۔ اور بسا اوقات اخلاص وحکمت نرم انداز سے کہی گئی ایک بات بھی سننے والے کو ایک دوسرے قسم کا انسان بنا دیتی ہے۔ اور وہ اللہ کے نیک صالح مومن بندوں میں سے بن جاتا ہے اللہ جل شانہ نے بالکل درست فرمایا ہے:

((ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ)). النحل۔ ۱۲۵

بلائیے اپنے رب کی راہ پر پکی باتیں سمجھا کر اور بھلی طرح نصیحت سنا کر، اور الزام دیجیے ان کو جس طرح بہتر ہو۔

تعزیت کے آداب کے سلسلہ میں یہ وہ اہم قواعد ہیں جو اسلام نے مقرر کیے ہیں، اس لیے مربیوں کو چاہیے کہ اپنے بچوں کی ان کی طرف رہنمائی کریں تاکہ لوگوں کے ساتھ معاملات اور معاشرتی زندگی میں وہ ان کے عادی بنیں۔

(۱۰) چھینک اور جمائی کے آداب

وہ معاشرتی آداب جن کا اسلام نے حکم دیا ہے اور لوگوں کو ان کے اپنانے پر ابھارا ہے ان میں سے چھینک اور جمائی کے آداب بھی ہیں، مربیوں کو اپنے بچوں کو یہ آداب سکھانا چاہیے اور ان کا بہت اہتمام و خیال رکھنا چاہیے تاکہ ان آداب پر عمل کرکے اور ان اخلاق سے متصف ہو کر بچے اچھے اور شاندار روپ میں ظاہر ہوں۔

چھینک کے وہ آداب کیا ہیں جن کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رہنمائی کی ہے؟

الف ۔ حمد و ثنا اور ہدایت و رحمت کے الفاظ کا پابند ہونا جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے :

امام بخاری حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو وہ : الحمدللہ کہے اور اس کا بھائی یا ساتھی اس کے جواب میں : یرحمک اللہ کہے ، جب اس کو (اس کا ساتھی) یرحمک اللہ کہے تو اسے چاہیے کہ وہ : ((یھدیکم اللہ ویصلح بالکم)) کہے یعنی اللہ آپ کو ہدایت دے اور آپ کی حالت درست کرے ۔ اور ابوداؤد و ترمذی کی روایت میں آتا ہے کہ وہ اسے : ((یغفر اللہ لنا و لکم)) کہے یعنی اللہ ہماری اور تمہاری مغفرت کرے ۔

ان احادیث سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں :

چھینکنے والا الحمدللہ یا الحمدللہ رب العالمین یا الحمدللہ علی کل حال[1] کہے ۔

اور اس کا ساتھی اسے : یرحمک اللہ کہے ۔

اور چھینکنے والا اس کے جواب میں : یھدیکم اللہ ویصلح بالکم یا یغفر اللہ لنا و لکم کہے ۔

مسلمان کو ان کلمات کی پابندی کرنا چاہیے اس لیے کہ یہ کلمات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں ۔

ب ۔ اگر چھینکنے والا الحمدللہ نہ کہے تو اس کا جواب نہ دیا جائے :

اس لیے کہ امام مسلم رحمہ اللہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا :

((إذا عطس أحدكم فحمد الله فشمتوه فإذا لم يحمد الله فلا تشمتوه)) ۔ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے اور وہ الحمدللہ کہے تو اس کو جواب دو ، اور اگر وہ الحمدللہ نہ کہے تو اس کو چھینک کا جواب نہ دو ۔

⁂

اور بخاری و مسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود دو آدمیوں کو چھینک آئی ، ان میں سے ایک کو آپ نے چھینک کا جواب دیا دوسرے کو نہ دیا ، جس کو آپ نے جواب نہ دیا تھا اس نے عرض کیا کہ : فلاں آدمی کو چھینک آئی تو آپ نے اس کو جواب دیا اور مجھے چھینک

---

[1] جیساکہ یہ الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی بعض روایات میں منقول ہیں ۔ ملاحظہ ہو امام نووی کی کتاب الاذکار کا باب چھینک آنے والے کا جواب اور جمائی کا حکم ۔

آئی تو آپ نے جواب نہ دیا؛ تو رسولِ اکرم علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((ھذا احمد اللہ، وانک لم تحمد اللہ)). اس نے تو الحمد للہ کہا تھا اور تم نے الحمد للہ نہیں کہا۔

حاضرین میں سے اگر کوئی صاحب الحمد للہ کہہ دیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں تاکہ چھینکنے والے کو چھینک کے بعد الحمد للہ یاد آجائے۔

ج۔ چھینک کے وقت منہ پر ہاتھ یا رومال رکھ لینا چاہیے اور جہاں تک ہو سکے آواز کو دبانا چاہیے:

اس لیے کہ ابوداؤد و ترمذی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب چھینک آتی تھی تو آپ اپنا ہاتھ یا کپڑا منہ پر رکھ لیا کرتے تھے اور اس کے ذریعہ سے آواز کو پست کر لیا کرتے تھے۔

اور ابن السنی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ چھینک اور جمائی لینے میں آواز کو بلند کرنے کو ناپسند رکھتے ہیں۔

د۔ تین مرتبہ چھینک آنے تک جواب دینا:

اگر کسی شخص کو مسلسل بار بار چھینک آئے تو ایسی صورت میں سنت یہ ہے کہ سننے والا اسے تین مرتبہ تک جواب دے اس لیے کہ مسلم وابوداؤد و ترمذی حضرت سلمہ بن الأکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چھینک آئی. میں وہیں موجود تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جواب میں یرحمک اللہ فرمایا، انہیں دوبارہ چھینک آئی یا تیسری مرتبہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یرحمک اللہ، ان صاحب کو زکام ہوگیا ہے۔

تین مرتبہ کے بعد جواب نہیں دینا چاہیے اس لیے کہ ابن السنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اس کے ہم نشین کو یرحمک اللہ کہنا چاہیے، اور جب وہ تین مرتبہ سے زیادہ چھینکے تو اسے مزکوم (زکام زدہ) کہنا چاہیئے، اور تین مرتبہ کے بعد یرحمک اللہ نہیں کہنا چاہیئے۔

بہت سے علماء نے یہ مستحب بتلایا ہے کہ تین مرتبہ چھینک آنے پر اس کے ساتھی اس کے لیے صحت وسلامتی کی دعا کریں۔ اور اس کو یرحمک اللہ نہ کہا جائے۔

۸ - غیر مسلم کو چھینک آنے پر یہدیکم اللہ کے ذریعہ سے جواب دینا چاہیئے :

اس لیے کہ ابوداؤد و ترمذی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قصداً چھینکا کرتے تھے تاکہ آپ ان کی چھینک کے جواب میں انہیں یرحمکم اللہ فرمادیں، آپ انہیں جواب میں: یھدیکم اللہ ویصلح بالکم (اللہ تمہیں ہدایت دے اور تمہاری اصلاح کرے) فرمایا کرتے تھے۔

۹ - اجنبی جوان عورت کی چھینک کا جواب نہیں دیا جائے گا :

اکثر علماء و مجتہدین کا مذہب یہ ہے کہ اگر اجنبی عورت کو چھینک آئے تو اس کی چھینک کا جواب دینا مکروہ تحریمی ہے ہاں اگر کوئی بوڑھی عورت ہو تو مکروہ نہیں۔

ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ان کے پاس ایک عابد بیٹھے تھے کہ امام احمد کی اہلیہ کو چھینک آئی تو ان عابد نے جواب میں یرحمک اللہ کہا، تو امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جاہل عابد ہے۔ ان کی مراد یہ تھی کہ ان عابد کو یہ مسئلہ معلوم نہیں ہے کہ اجنبی عورت کی چھینک کا جواب دینا مکروہ ہے۔

جمائی کے آداب درج ذیل ہیں :

الف - جہاں تک ہو سکے جمائی کو دبایا جائے :

اس لیے کہ امام بخاری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند کرتے ہیں اور جمائی کو ناپسند فرماتے ہیں، لہٰذا جب تم میں سے کسی شخص کو چھینک آئے اور وہ الحمدللہ کہے تو جو شخص بھی اسے سنے اس پر لازم ہے کہ وہ اسکے جواب میں یرحمک اللہ کہے لیکن جمائی شیطان کے اثر سے آتی ہے لہٰذا جب تم میں سے کسی شخص کو جمائی آنے لگے تو جہاں تک ہو سکے اس شخص کو روکنا چاہیے، اس لیے کہ جب تم میں سے کوئی شخص جمائی لیتا ہے تو شیطان اس پر ہنستا ہے۔

ب - جمائی کے آتے وقت منہ پر ہاتھ رکھ لینا چاہیئے :

اس لیے کہ امام مسلم حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص کو جمائی آئے تو اسے اپنا ہاتھ منہ پر رکھ لینا چاہیئے، اس

لیے کہ شیطان داخل ہو جاتا ہے۔

اکثر علماء و مجتہدین کا مذہب یہ ہے کہ جمائی کے وقت منہ پر ہاتھ کا رکھنا مستحب ہے چاہے جمائی نماز کی حالت میں آئے یا نماز کے باہر۔

ج ۔ جمائی کے وقت آواز بلند کرنا مکروہ ہے:

اس لیے کہ امام مسلم اور احمد و ترمذی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند کرتا ہے اور جمائی کو ناپسند، لہٰذا جب تم میں سے کسی شخص کو جمائی آئے تو اسے: ہاہ، ہاہ نہیں کہنا چاہیئے اس لیے کہ یہ شیطانی اثر کی وجہ سے ہوتا ہے جس کو سن کر وہ ہنستا ہے۔

اور ابن السنی حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ چھینک اور جمائی میں آواز بلند کرنے کو پسند نہیں فرماتے۔

فائدہ: سلفِ صالحین سے مروی ہے کہ جس شخص کو جمائی آ رہی ہو وہ یہ تصور کر لے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کو کبھی جمائی نہیں آئی خدا نے چاہا تو جمائی آنا رک جائے گی۔

چھینک اور جمائی کے سلسلہ میں جو قواعد و آداب اسلام نے مقرر کیے ہیں ان میں سے یہ اہم اہم قواعد تھے، لہٰذا مربیوں کو چاہیئے کہ اپنے خاندانوں، اولاد اور گھر والوں میں ان کو رائج کریں، تاکہ وہ سب بھی اپنی معاشرتی و اجتماعی زندگی اور لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے میں ان کے عادی بنیں۔

SSSSSSSSSSSSSSSSS

معاشرتی و اجتماعی آداب اور میل ملاقات کے اصول و ضوابط میں سے یہ اہم آداب و قواعد تھے۔

مسلمان جب ان آداب کو عملی جامہ پہناتا ہے اور معاشرہ میں عملی طور سے ان کی تطبیق دیتا ہے، اور اپنے کردار سے انہیں پیدا کر دکھاتا ہے تو ایسی صورت میں وہ کتنا محترم اور کتنا معزز و قابلِ احترام بن جاتا ہے۔

اور مسلمان جب کھانے پینے، سلام و اجازت طلب کرنے، اور اٹھنے بیٹھنے بات کرنے، مذاق و دل لگی، مبارکباد دینے، تعزیت کرنے، چھینکنے اور جمائی کے آداب پہچان لیتا ہے تو اخلاق و کردار کی کتنی عظیم بلندیوں پر پہنچ جاتا ہے!! اور یہ وہ آداب ہیں جنہیں اسلام نے چھوٹے بڑے، اور عورت و مرد، اور حاکم و محکوم، اور امیر اور بازاری، اور عالم و جاہل سب پر واجب و لازم کیا ہے، تاکہ مسلمانوں میں باوجود اختلافِ جنس و زبان اور ثقافت والوان کے تغایر کے باوجود، انسانی وجود میں باکمال معاشرے کی علامات کھلی آنکھوں سے متجسد و موجود نظر آئیں۔

اور واقعۃً ایک طویل زمانے تک یہ آداب مسلمان معاشرہ میں مجسم موجود رہے، جب مسلمانوں کی اپنی حکومت

اور بادشاہت اور مملکت وتشخص تھا۔ اس وقت جب کہ مسلمان خلیفہ وحاکم یہ آداب لازم قرار دیا کرتا تھا، اور اس بات کی نگرانی کرتا تھا کہ کون ان کو عملی تطبیق دے رہا ہے اور کون اس سلسلہ میں کوتاہی کر رہا ہے، اس وقت جبکہ اسلامی معاشرہ ایک دوسرے کی خیر خواہی اور بھلائی ایک دوسرے کا معاون ومددگار اور ہاتھ بٹانے والا ہوتا تھا، اور ایک دوسرے کے حالات کا باریک بینی سے جائزہ لیا کرتا تھا، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتا تھا۔ یہ وہ دور تھا جس میں لوگ فوج در فوج دینِ اسلام میں داخل ہوا کرتے تھے، جس کی وجہ یہ تھی کہ جب لوگ مسلمانوں کو دیکھتے تھے تو اسلام کو ان کے عادات واخلاق میں عملی شکل میں موجود پاتے تھے۔ اور اسلام ان کے طور طریقوں اور حالات میں متمثل ہوا کرتا تھا، اور لینے دینے ودیگر معاملات میں نمایاں دکھلا ہوا ہوتا تھا، جس کا طبعی اثر یہ ہوتا تھا کہ لوگ اسلامی عدل وانصاف کو قبول کرتے تھے اور خوشی خوشی اسلام کے ابدی پیغام پر ایمان لاتے تھے۔ یہ ہیں مسلمانوں کے اخلاق اور ان کے معاشرتی آداب۔

اصولی اور صحیح بات یہ ہے کہ اس اُمت کے آخری زمانے والوں کی اصلاح بھی اسی سے ہوگی جس سے پہلے والوں کی اصلاح ہوئی تھی۔ اس لیے آج کے مربیوں کو چاہیے کہ وہ اپنے عزائم بلند رکھیں۔ ہمتیں تیز کردیں۔ اور قوی کو مجتمع رکھیں، اور اس مسلمان معاشرے اور نئی پود میں ان شاندار معاشرتی آداب کے پیدا کرنے اور ان کو ان کا عادی بنانے کے لیے اپنی بلند ہمتی اور قوتِ عزم سے کام لیں۔ اور ان کے بچپن ہی سے عملی مجاہدے کا آغاز کر دیں، تاکہ حسبِ منشا نتیجہ حاصل ہو۔ اور شاندار پھل حاصل ہو۔ ان کے اس مجاہدے کا اللہ ان کو بڑا اجر دے گا اور اگر انہوں نے اپنی اس ذمہ داری کو پورا کر لیا اور اپنے فرض کو ادا کر لیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ــــــ ان کے لیے زبردست اجر وثواب مقرر کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ مخلص وسچے عاملین کو بہت اچھا بدلہ دیتا ہے اور اچھے کام کرنے والوں کے اجر کو ہرگز ضائع نہیں کرتا۔

اخیر میں مناسب سمجھتا ہوں کہ دو اہم مسئلوں کی طرف اشارہ کرتا چلوں:

الف۔ جن معاشرتی آداب کا پہلے تذکرہ ہو چکا ہے ان کا اہتمام اسلام اور مسلمانوں کے سوا کسی دین یا عقیدہ یا مذہب ومعاشرہ نے نہیں کیا۔

ب۔ یہ آداب اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اسلام ایک ایسا عظیم الشان معاشرتی دین ہے جو تمام انسانی معاشروں کی اصلاح کے لیے بھیجا گیا ہے وہ صرف انفرادی دین نہیں ہے اور نہ کوئی کاہنوں کا قانون ہے۔ ورنہ تو دینِ اسلام کا غذی دین یا نام کا مذہب ہے:

ا ﴿هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۚ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ﴾

یہ تو اللہ کی مخلوق ہوئی اب مجھے دکھاؤ کہ اس (اللہ) کے علاوہ جو ہیں انہوں نے کیا چیزیں پیدا کی ہیں، اصل یہ ہے

ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ))۔ لقمٰن - ۱۱ کہ ظالم لوگ صریح گمراہی میں (مبتلا) ہیں۔

رابعًا۔ نگرانی اور معاشرتی تنقید

بچے کی کردار سازی اور معاشرتی سطح پر اس کی تربیت کے اہم ترین اجتماعی و معاشرتی بنیادی اصولوں میں سے یہ بھی ہے کہ بچے کو شروع ہی سے اس بات کا عادی بنا دیا جائے کہ وہ معاشرہ پر نظر رکھے اور موقعہ بموقعہ ضرورت کیمطابق تنقید واصلاح کرتا رہے اور جن کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے یا جن کے ساتھ اس کا تعاون یا میل جول ہے ان کی خیر خواہی و اصلاح کے لیے کوشاں رہے اور جس شخص میں بھی انحراف یا شذوذ محسوس ہو اس کے ساتھ خیر خواہی و نصیحت کرتا رہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بچے کو شروع ہی سے اسلام کے اس بنیادی اہم قاعدے اور اصول کا عادی بنا دیا جائے جو اس پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلہ میں عائد ہوتا ہے۔ جو اسلام کے ان اساسی قواعد میں سے ہے جو عوامی رائے کی حفاظت اور فساد وانحراف سے جنگ اور امتِ اسلامیہ کے کارناموں اور تشخصات اور اعلیٰ اخلاق کی حفاظت کے لیے مقرر کیے گیے ہیں۔

اس لیے ہمیں ایسے مربیوں کی سخت ضرورت ہے جو حقیقت پسند و فرض شناس ہوں، جو بچے کے آنکھ کھولتے ہی اس میں جرأت وشجاعت وحق گوئی کی صفت پیدا کردیں، تاکہ بچہ جب اس عمر کو پہنچ جائے جس میں اس میں نقد و تنقید، نصیحت وخیر خواہی۔ اور قول وفعل کی اہلیت پیدا ہو جائے تو وہ عمدگی سے نصیحت وخیر خواہی اور تنقید ونقد کے اپنے فریضے کو انجام دے سکے، بلکہ دعوت الی اللہ کے میدان کا شہسوار اور اسلام کی دعوت وپیغام پہنچانے کا سپاہی۔ اور کجی وانحراف دور کرنے والا بن جائے۔ اور اس سلسلہ میں اسے نہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ ہو، اور نہ کوئی ظالم وجابر اسے کلمۂ حق کہنے سے روک سکے۔

لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ اصول ومراحل کیا ہیں جو بچے میں جانچنے پرکھنے، نقد وتنقید اور رائے عامہ کی حفاظت کا مادہ پیدا کردیں؟

میں اب ان اہم اصولوں اور مراحل کو مربیوں کے سامنے پیش کرتا ہوں، تاکہ وہ تربیت اور شخصیات کی تیاری اور افراد کے بنانے کے سلسلہ میں اپنے فریضے کو ادا کرسکیں:

۱- رائے عامہ کی حفاظت ایک معاشرتی ذمہ داری ہے:

اسلام نے رائے عامہ کی حفاظت کو فرض قرار دیا ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی شکل میں تمام امت کو شامل ومحیط ہے چاہے ان میں انواع اقسام کا کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو اور اس سلسلہ میں ان میں نہ کوئی امتیاز ہے

نہ تفریق، یہ فریضہ اسلام نے حکام و علماء، عوام وخواص مرد وعورت، جوان وبوڑھے، چھوٹے اور بڑے، ملازمین وافسران سب پر برابر کا فرض کیا ہے اور اس ذمہ داری کو ایک ایسی معاشرتی ذمہ داری قرار دیا ہے جس سے کوئی انسان بھی مستثنیٰ نہیں ہے ہر شخص پر اس کی حیثیت وطاقت اور ایمان کے مطابق یہ فریضہ عائد ہوتا ہے۔

اس کی بنیادی دلیل اور اساس اللہ تعالیٰ کا فرمانِ ذیل ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ	تم ان سب امتوں سے بہتر ہو جو عالم میں بھیجی گئی ہیں اچھے
تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ	کاموں کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے
وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾۔ آل عمران - ۱۱۰	ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

اور مسلمانوں کے اجتماعی ومعاشرتی فریضے کے سلسلہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ	اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے
بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ	کے مددگار ہیں۔ نیک بات سکھلاتے ہیں اور بری بات
عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَ	سے منع کرتے ہیں، اور نماز قائم رکھتے ہیں۔ اور زکاۃ
يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَ	دیتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلتے
رَسُولَهُ۔ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ۔	ہیں، وہی لوگ ہیں جن پر اللہ رحم کرے گا بے شک اللہ
إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾۔ التوبہ - ۷۱	زبردست ہے حکمت والا۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ہر اس شخص سے جو مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو جب بیعت لیا کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے تنگی وفراخی خوشی وناخوشی دونوں حالتوں میں فرمانبرداری و اطاعت کی بیعت لیتے تھے، اور ساتھ ہی یہ بھی وعدہ لیا کرتے تھے کہ وہ جہاں بھی ہوں گے حق بات کہیں گے اور حق بات اور اللہ کا پیغام پہنچانے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی قطعاً پرواہ نہ کریں۔

امام بخاری ومسلم حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر تنگی وفراخی، خوشی وناخوشی ہر حالت میں اطاعت وفرمانبرداری پر بیعت کی، اور اس پر بھی کہ اگر ہم پر کسی دوسرے کو ترجیح دی گئی تو ہم اسے برداشت کریں گے، اور حکام کے خلاف بغاوت نہ کریں گے مگر یہ کہ ہم ایسا کھلا ہوا کفر دیکھ لیں جس کی مخالفت کرنے کی ہماری پاس من جانب اللہ برہان ودلیل ہو۔ اور اسی پر بھی بیعت کی کہ ہم جہاں بھی ہوں گے حق بات کہیں گے اور اللہ کا پیغام پہنچانے میں کسی ملامت کرنے والے کی قطعاً پرواہ نہ کریں گے۔

معاشرے کو افراد پر اور افراد کو معاشرے پر جو نظر رکھنا چاہیے اس کی مثال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

ایک کشتی کے ساتھ دی ہے تاکہ ہر مسلمان اپنے معاشرتی واجتماعی فریضۂ دیکھ بھال ونگرانی کو محسوس کرے اور اس کی مزید تاکید ہو جائے، اور ظالم کے ہاتھ کو پکڑ لیا جائے، تاکہ امت کا عقیدہ واخلاق محفوظ رہے، اور اس کا وجود وتشخص برقرار رہے اور وہ دوسروں کے ہاتھ میں کھلونا بننے اور ظالموں وجابروں کے پنجۂ استبداد میں جانے سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائے، امام بخاری وترمذی حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس شخص کی مثال جو اللہ کی حدود پر قائم ہو اور اس کی مثال جو اللہ کی حدود کی خلاف ورزی کرتا ہو اس قوم کی طرح ہے جو کشتی میں قرعہ اندازی سے سوار ہوئی ہو، اور بعض کو اوپری منزل ملی ہو اور بعض کو نچلی، جو لوگ نچلی منزل میں ہوں وہ پانی لینے کے لیے اوپر کی منزل والوں کے پاس سے گزرتے ہوں، اگر نچلی منزل والے یہ سوچیں کہ اگر ہم اپنی منزل میں سوراخ کرلیں اور اوپر والوں کو تکلیف نہ دیا کریں، تو اگر ایسی صورتحال میں اوپر کی منزل والے ان کو یہ سوراخ کر لینے دیں تو سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے۔ اور اگر اوپر والے ان کا ہاتھ پکڑ لیں (اور ان کو سوراخ نہ کرنے دیں) تو وہ خود بھی بچ جائیں گے اور دوسروں کو بھی بچالیں گے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر امتِ اسلامیہ کے تمام افراد پر واجب ولازم ہے۔ اور یہ ہر مسلم فرد پر ایک اجتماعی ومعاشرتی فریضہ ہے، اس کی تاکید اس سے بھی ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل اس لیے لعنت کے مستحق بنے کہ انہوں نے ایک دوسرے کو برائی سے نہ روکا، اور کوئی انسان بھی اللہ کی لعنت کا مستحق اس وقت تک نہیں بنتا جب تک کہ کسی ایسے فریضے کو ترک نہ کرے جو اس کے ذمہ فرض ہو۔ اس لیے آیت:

((لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ)) مائدہ-۷۸ بنی اسرائیل میں کافر ملعون ہوئے۔

اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اچھی باتوں کا حکم دینا اور بری باتوں سے روکنا ہر مسلمان مرد وعورت، جوان و بوڑھے اور چھوٹے بڑے پر فرض ہے، اور اس کے واجب ہونے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا درج ذیل فرمانِ مبارک بھی دلالت کرتا ہے جسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ جب بنو اسرائیل گناہوں میں پڑ گئے، تو ان کے علماء نے انہیں ان سے روکا، لیکن وہ لوگ باز نہ آئے اور ان کے علماء پھر بھی ان کے ساتھ مجالس میں شریک ہوتے رہے اور خورد ونوش میں شریک رہے۔ تو اللہ نے ان کے دل ایک جیسے کر دیے اور ان پر حضرت داؤد وحضرت عیسیٰ ابن مریم علیہم السلام کی زبانی لعنت بھیجی، جس کی اصل وجہ ان کی نافرمانی اور حد سے تجاوز کرنا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگائے آرام فرماتے سیدھے بیٹھ گئے اور ارشاد فرمایا کہ نہیں!! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے جب تک کہ تم انہیں حق پر اچھی طرح سے مجبور نہ کر دو۔

اس فریضے کے واجب ہونے کی مزید تاکید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ہر وہ شخص جو اسلام کی خاطر اور معاشرہ کی اصلاح ودرستگی کے لیے اور مفسدین وفتنہ پردازوں کی سرکوبی کے فریضہ سے پیچھے ہٹا وہ بھی ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہوا

چنانچہ بخاری و مسلم حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس نہایت گھبراہٹ کے عالم میں تشریف لائے اور آپ یہ فرما رہے تھے: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہلاکت ہو عربوں کے لیے اس شر سے جو قریب آچکا ہے، آج کے دن یاجوج وماجوج کی سد میں اتنا سوراخ ہو گیا ہے اور آپ نے انگوٹھے اور اس کے برابر والی انگلی سے حلقہ بنا کر اشارہ کیا۔ تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول کیا ہم اس وقت بھی ہلاک کیے جاسکتے ہیں جب ہم میں نیک لوگ موجود ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جی ہاں! جب برائیاں عام ہو جائیں۔

اس کے واجب ہونے کی مزید تاکید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ امت میں سے کسی بھی فرد کی حتیٰ کہ صلحاء واتقیاء کی دعا بھی قبول نہیں فرماتے اس لیے کہ انہوں نے گمراہوں کی رہنمائی وہدایت اور ظالموں کی مقاومت ومقابلے کے فریضہ سے روگردانی کی تھی چنانچہ امام ترمذی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضرور کرو ورنہ قریب ہے کہ اللہ تم پر عذاب نازل فرمادے اور پھر تم دعا مانگو تو اسے بھی قبول نہ کرے۔

اور ابن ماجہ وابن حبان حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، میں نے چہرہ دیکھ کر سمجھ لیا کہ کوئی معاملہ درپیش ہے۔ آپ نے وضو کیا اور کسی سے کوئی بات نہ کی، میں کمرے کی دیوار سے لگ کر کھڑی ہوگئی تاکہ آپ کی گفتگو سن سکوں، چنانچہ آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور فرمایا: اے لوگو: اللہ تعالیٰ تم سے ارشاد فرماتا ہے کہ تم اچھی باتوں کا حکم دیتے رہو، اور بری باتوں سے روکتے رہو اس سے قبل کہ تم مجھ سے دعا مانگو اور میں تمہاری دعا قبول نہ کروں، اور تم مجھ سے سوال کرو اور میں عطا نہ کروں، اور تم مجھ سے مدد طلب کرو اور میں تمہاری مدد نہ کروں، آپ نے ان سے یہ فرمایا اور منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث سے جسے امام مسلم نے روایت کیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ تم میں سے جو شخص کسی بری بات کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے درست کر دے۔ اگر یہ طاقت نہ ہو تو زبان سے اس پر نکیر کرے۔ اور اگر اتنی طاقت بھی نہ ہو تو دل سے اسے برا سمجھے۔ یہ ایمان کا سب سے کمتر درجہ ہے۔ اس حدیث سے بعض حضرات اس بات پر دلیل پیش کرتے ہیں کہ ہاتھ اور قوت بازو کے ذریعہ برائی کا مٹانا حکام اور امراء کا کام ہے، اور زبان سے یہ فریضہ ادا کرنا علماء کا کام ہے، اور دل سے برا سمجھنا عوام کا کام ہے، لیکن یہ استدلال بے بنیاد ہے، اس حدیث سے اس پر کوئی دلیل پیش نہیں کی جاسکتی، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان مبارک ((مَنْ رَأٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا)) میں لفظ "مَنْ" عموم پر دلالت کرتا ہے اور ہر اس شخص کو شامل ہے جو کسی منکر و برائی کو ہاتھ یا زبان سے مٹا سکتا ہو۔ یا دل سے اسے برا سمجھے

خواہ وہ حاکم و بادشاہ ہو یا عالم یا عام آدمی بشرطیکہ وہ اس خطرناک انجام کو سمجھ لیں جو نکیر نہ کرنے کی صورت میں اس برائی کے پھیلنے پر مرتب ہوگا، اور یہ اس عمومی حکم کی وجہ سے جس پر ابھی ابھی ذکر کردہ حدیث دلالت کر رہی ہے۔ اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ کے فرمانِ مبارک:

((وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ))۔ آل عمران۔۱۰۴	اور چاہیے کہ تم میں ایک جماعت ایسی رہے جو بلاتی رہے نیک کام کی طرف، اور اچھے کاموں کا حکم کرتی رہے، اور برائی سے منع کریں، اور وہی اپنی مراد کو پہنچے۔

میں کلمۂ "امت" تمام امت کو شامل ہے چاہے اس کا تعلق کسی بھی طبقے اور معاشرے سے ہو خواہ وہ حکام ہوں یا علماء یا عوام، ورنہ پھر یہ کیسے ممکن ہوگا کہ امت ان لوگوں کی تاک میں رہے جو اس امت کے دین و اخلاق کے خلاف سازشیں کرتے ہیں، اور اس کے عقائد و مقدس احکامات کا مذاق اڑاتے ہیں، اور روئے زمین پر فساد و ظلم کا بازار گرم کرتے ہیں، اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ اپنے منہ سے اللہ کے نور کو بجھا ڈالیں۔ اگر تمام امت مل کر برائی کا مقابلہ نہ کرے، ظالموں وجابروں کے سامنے ایک صف واحد بن کر کھڑی نہ ہو تو پھر وہ ان کے سامنے سدِ سکندری کس طرح بن سکے گی۔

اس لیے مربیوں کو چاہیے کہ نئی پود کی نفوس اور قول و فعل میں جرأتِ ادبی اور شجاعت نفسانی پیدا کریں تاکہ بچہ شروع ہی سے دوسروں کے حقوق کی حفاظت اور فریضۂ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ادائیگی اور ہر شخص پر مصلحانہ و خیر خواہانہ نقد پر پلے بڑھے،

۲۔ اس سلسلہ میں قابلِ اتباع ضروری اصول:

اچھی باتوں کا حکم دینے اور بُری باتوں سے روکنے کے کچھ ضروری اصول اور ایسی لازمی شروط ہیں جو مربیوں کو اپنے اندر پیدا کرنا چاہیے اور اپنے بچوں کو ان کی تعلیم دینا چاہیئے اور چھوٹوں کو ان کی تلقین کرنا چاہیے تاکہ بچہ ان اصولوں کو سمجھے اور ان قواعد کے مطابق زندگی گزارے، اور پھر جب وہ دعوت الی اللہ کے فریضہ کو انجام دے گا اور دوسروں کو اچھی باتوں کا حکم دے گا، اور بُری باتوں سے روکے گا تو اس کی بات پر زیادہ لبیک کہی جائے گی اور اسکا دوسروں پر زیادہ اثر ہوگا۔

اکثر علماء و دعاۃ کے خیال میں وہ اصول درجِ ذیل ہیں:

الف ۔ داعی کا قول اس کے فعل کے مطابق ہو:

اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴾ ۔ الصف۔ ۲و۳

اے ایمان والو ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو، اللہ کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔

اور ارشادِ ربانی ہے:

﴿ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ البقرہ ۴۴

کیا حکم کرتے ہو لوگوں کو نیک کام کا اور اپنے آپ کو بھولتے ہو اور تم تو کتاب پڑھتے ہو پھر سوچتے کیوں نہیں۔

اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے اس فرمانِ مبارک کی وجہ سے جسے بخاری و مسلم حضرت اسامۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے روز ایک شخص کو لایا جائے گا اور اس کو آگ میں ڈال دیا جائے گا تو لوگ اس سے کہیں گے کہ اے فلانے! تمہیں کیا ہوگیا؟ کیا تم اچھی باتوں کا حکم نہیں دیتے تھے اور بری باتوں سے نہیں روکتے تھے؟ تو وہ کہے گا: کیوں نہیں! میں دوسروں کو اچھی بات کا حکم دیا کرتا تھا لیکن خود ان پر عمل نہیں کرتا تھا اور دوسروں کو برائیوں سے روکتا تھا لیکن خود برائیاں کیا کرتا تھا۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ مبارک کی وجہ سے جسے ابن ابی الدنیا اور بیہقی روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے اسراء پر لیجایا گیا میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے منہ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے، میں نے حضرت جبرئیل سے معلوم کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ یہ آپ کی امت کے وہ خطیب ہیں جو ایسی باتیں کہتے تھے جن پر خود عمل نہیں کرتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھتے تھے لیکن اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔

سلفِ صالحین رحمہم اللہ کی عادت یہ تھی کہ وہ اپنی نفوس اور اپنی اولاد و گھر والوں کے محاسبے اور ان کو اچھی باتوں کا حکم دینے اور تقویٰ و عملِ صالح کی ترغیب دینے سے قبل دعوت الی اللہ اور دوسروں کو تعلیم دینے سے تنگ دل ہوا کرتے تھے۔

چنانچہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ وہ دوسروں کو اچھی بات کا حکم دینے اور بری باتوں سے روکنے سے قبل اپنے گھر والوں کو جمع کر کے ان سے فرماتے تھے: حمد و صلاۃ کے بعد سن لو کہ میں لوگوں کو فلاں فلاں چیز کی دعوت دوں گا اور فلاں فلاں بات سے روکوں گا، اور میں خدائے ذوالجلال کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یاد رکھو کہ اگر مجھے تم میں سے کسی کی طرف سے یہ اطلاع ملے گی کہ اس نے وہ کام کیا جس سے میں نے لوگوں کو روکا ہے یا اس نے اس کام کو چھوڑ دیا جس کا میں نے لوگوں کو حکم دیا ہے تو میں اسے سخت ترین سزا دوں گا۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ باہر جاتے اور جو بات کہنا چاہتے وہ لوگوں سے فرما دیتے۔ اور پھر کوئی شخص بھی اطاعت و فرمانبرداری کیے بغیر نہیں رہ پاتا تھا۔

اور یہ حضرت مالک بن دینار جب لوگوں سے مندرجہ ذیل حدیث بیان کرتے کہ "کوئی شخص بھی ایسا نہیں کہ وہ کوئی وعظ

کرے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس سے یہ سوال کرے گا کہ اس نے ایسا کیوں کیا[1] "تو رونے لگتے اور پھر فرماتے کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہیں وعظ کر کے میری آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں، حالانکہ مجھے یہ بخوبی معلوم ہے کہ اللہ مجھ سے اس وعظ کے بارے میں باز پرس کرے گا، مجھ سے پوچھے گا کہ تم نے یہ وعظ کس لیے کیا تھا؟ تو میں یہ عرض کروں گا کہ اے اللہ آپ میرے دل کے حال کو بخوبی جاننے والے ہیں، اگر مجھے یہ بات معلوم نہ ہوتی کہ آپ وعظ و نصیحت کو پسند کرتے ہیں تو میں کبھی دو آدمیوں کے سامنے بھی وعظ و نصیحت نہ کرتا۔

اس لیے دعاۃ و واعظین کو اپنے اندر یہ شاندار و عظیم عادت پیدا کرنا چاہیے تاکہ لوگ ان کی بات قبول کریں اور ان کے وعظ و نصیحت پر لبیک کہیں۔

ب ۔ جس برائی سے روک رہے ہوں وہ متفق علیہ برائی اور امر منکر ہونا چاہیے :

جن امور میں اہلِ علم و مصلحین کے دو آدمیوں کا بھی اختلاف نہیں ہو سکتا یہ بھی ہے کہ جس برائی و منکر سے مسلمان روک رہا ہے وہ ایسی برائی ہو جس کے برا ہونے پر فقہاء و ائمۂ مجتہدین متفق ہوں۔ لیکن اگر کوئی امر ایسا ہو جس میں قابلِ اعتماد مجتہدین کا اختلاف ہو تو شریعت کی نظر میں وہ امرِ منکر شمار نہ ہوگا، اس لیے کسی حنفی المذہب کو اجتہادی مسائل میں کسی شافعی المذہب پر نکیر نہیں کرنا چاہیے، اور اسی طرح کسی حنبلی المذہب کو کسی مالکی المذہب پر اعتراض و نکیر نہیں کرنا چاہیے، اس لیے کہ ان تمام ائمہ میں سے ہر امام نے حجت و دلیل کے ساتھ صحیح حکم اور حقیقت تک پہنچنے کی اپنی سی کوشش کی ہے، اور ان ائمہ میں سے ہر امام نے اپنے مذہب کی آبیاری شریعت کے مشہور و معروف مصادر و مراجع: قرآنِ کریم، سنتِ نبویہ، اجماع اور قیاس سے کی ہے، اس لیے ایسی صورت میں کسی دوسرے مذہب کے پیروکار پر نکیر کا کیا مطلب جب کہ وہ ایک ایسے امام کی پیروی کر رہا ہے جو علم کا پہاڑ اور تقویٰ و ورع میں مقتدیٰ اور ذکاوت و فہم اور مہارت میں آیت اللہ ہے، اور یہ مثل تو پہلے سے مشہور چلی آ رہی ہے کہ: من قلد عالماً لقی اللہ سالماً جو شخص کسی عالم کی تقلید کرے گا وہ اللہ سے صحیح سالم و محفوظ رہ کر ملاقات کرے گا۔

رہے وہ لوگ جو دوسروں پر اس لیے نکیر کرتے ہیں کہ وہ مقلد ہیں اور ان کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ اس زمانے کے مجتہدین میں سے ہیں تو یہ لوگ اپنے اس متشددانہ اور سخت موقف کی وجہ سے امت کی وحدت کو ختم کرنے والے ہیں اور مسلمانوں کی جماعت کی عزت و فتح اور کامرانی کے سفر میں روڑے اٹکانے والے ہیں۔

ایسے حضرات کو ہم یہ خیر خواہانہ مشورہ دیتے ہیں کہ وہ اپنے موقف کو بدلیں، اور اپنی تیزی و شدت اور غلو میں کمی کریں، اور مسلمانوں کے ان سخت و شدید حالات کو سمجھیں جو انہیں ڈرا دھمکا رہے ہیں۔ اور ان خطرناک سازشوں کو پہچانیں جو انہیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ اور اس بنیادی بات پر عمل کریں جو اس بات کی دعوت دیتی ہے کہ ہم اس پر عمل کریں

---

[1] اس حدیث کو بیہقی اور ابن ابی الدنیا نے روایت کیا ہے۔

جس میں متفق و متحد ہیں اور جس میں ہمارا ایک دوسرے سے اختلاف ہے اس میں ہم ایک دوسرے کو معذور سمجھیں۔ اگر یہ حضرات اس نصیحت پر واقعۃً عمل پیرا ہوجائیں تو ان کا شمار ان لوگوں میں ہوگا جو امت کی وحدت و قوت کے لیے کام کرنے والے ہیں بلکہ وہ فتح و نصرت کے باب میں جماعت مسلمین کے لیے مرجع و سند بن جائیں گے، اور پھر یہ مخلص کارکنوں کے ساتھ مل کر اسلامی مملکت قائم کرنے کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کرنے والوں میں شمار ہوں گے اور یہ بات اللہ کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔

ج۔ برائی پر نکیر کرنے میں تدریج سے کام لینا چاہیے:

برائی کے ازالہ میں مرحلہ وار تدریجاً کام کرنا چاہیے، چنانچہ پہلے مرحلہ میں بغیر تجسس کے منکر پر مطلع ہونے کی کوشش کرے، پھر اس برائی کے مرتکب کو یہ بتلادے کہ یہ کام برا ہے۔ پھر وعظ و نصیحت اور اللہ کے خوف سے ڈرا کر اس برائی سے روکنے کی کوشش کرے۔ لیکن اگر کسی شخص پر اس وعظ و نصیحت کا بھی اثر نہ ہو تو اسے سختی سے سرزنش کرنا چاہیے، اور اگر اس کا اثر بھی نہ ہو تو پھر ڈرانا دھمکانا چاہیے کہ برائی کرنے والے کے ساتھ ایسا ایسا کیا جائے گا۔ اور پھر اس برائی کو قوت بازو سے ختم کردینا چاہیے مثلاً ممنوع کھیل کود کے سامان کا توڑنا، شراب کے مٹکوں کا ٹکڑے ٹکڑے کرڈالنا، اور لوگوں پر زیادتی و عدوان سے روک دینا۔ اور پھر اس برائی کو بغیر ہتھیار کے جماعت و افراد کی معاونت سے ختم کرنا، افراد کے حق میں ضرورت کی خاطر ایسا کرنا روا ہے لیکن جتنی حاجت و ضرورت ہو اسی پر اکتفا کرنا چاہیے، البتہ یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ اس سے لوگوں میں فتنہ و فساد نہ پھیلے، اس کے بعد یہ درجہ آتا ہے کہ قوم سب کی سب یا اس کی ایک جماعت اس منکر کو ختم کرنے کے لیے قوت و اسلحہ کو استعمال کرے۔ لیکن اس کام کے لیے صرف چند افراد کو نہیں اٹھ کھڑے ہونا چاہیے اس لیے کہ اس سے تو فتنہ اور بڑھتا ہے اور فساد میں اضافہ ہوتا ہے اور ملک تباہ ہوجاتا ہے[1]۔

برائی کی روک تھام کے سلسلہ میں فقہاء نے جو بنیادی نقطہ ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر اس برائی کو نرمی سے ختم کیا جاسکتا ہو تو سختی اختیار نہیں کرنا چاہیے، چنانچہ اگر کوئی شخص کسی برائی کو نصیحت اور نرمی سے ختم کرسکتا ہو تو اس کو سختی اور درشتگی اختیار نہیں کرنا چاہیے، اور اگر درشتگی اور سخت کلامی سے کام چل سکتا ہو تو ہاتھ سے منکر کو مٹانے کی کوشش کرنا درست نہیں ہے، اور اس پر اور مراحل کو بھی قیاس کرلیجیے۔

اس لیے مصلحین کو چاہیے کہ وہ برائیوں کی اصلاح کے لیے ان حکیمانہ اصول و قواعد کو سمجھیں اور ان کی پیروی کریں اور حکمت سے کام لیں، تاکہ ایسی غلطیوں میں گرفتار نہ ہوں جن کا نتیجہ برا نکلتا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ جسے حکمت کی دولت دیدی گئی ہو تو واقعی اسے بہت بڑی بھلائی کا مالک بنادیا گیا۔

---

[1] ملاحظہ ہو امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم (۲-۲۹۲) کچھ تصرف کے ساتھ۔

د ۔ مصلح کو نرم مزاج و خوش اخلاق ہونا چاہیے :

لوگوں کو خیر کی طرف بلانے اور برائیوں سے روکنے والے حضرات کو جن عمدہ صفات سے متصف ہونا ضروری ہے ان میں سے نرم مزاجی اور خوش اخلاقی بھی ہے، تاکہ دوسروں پر پورا اثر ہو اور دوسرے اس کی بات پر فوراً لبیک کہیں، اور نرم مزاجی، بردباری اور رفق یہ ایسی صفات ہیں جنہیں دعوت و اصلاح اور تبلیغ دین میں لگنے والوں کا امتیازی وصف ہونا چاہیے، بلکہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام اس کا حکم دیا کرتے تھے اور اپنے صحابہ کے لیے اس سلسلہ میں آپ مقتدیٰ و نمونہ تھے۔

بیہقی حضرت عمرو بن شعیب سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اچھی بات کا حکم دے تو اسے چاہیے کہ عمدگی سے دے۔

اور امام مسلم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: نرمی کسی چیز میں شامل نہیں ہوتی مگر یہ کہ اسے زینت بخشتی ہے اور اسے کسی چیز سے بھی جدا نہیں کیا جاتا مگر یہ کہ وہ اسے عیب دار بنا دیتی ہے۔

مسلم کی ایک روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رفیق و مہربان ہیں اور رفق و نرمی کو پسند فرماتے ہیں اور نرمی پر وہ کچھ عطا فرماتے ہیں جو سختی اور اس کے سوا کسی اور چیز پر عطا نہیں کرتے۔

نرمی و رفق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نمونہ اور مقتدیٰ تھے جس کی روشن مثال مندرجہ ذیل مثالوں میں عملی طور سے سامنے آتی ہے:

امام بخاری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کر دیا، لوگ ان کی طرف بڑھے تاکہ انہیں سرزنش کریں، تو نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: اسے چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر پانی کا ایک ڈول بہا دو۔ اس لیے کہ تم لوگوں کو نرمی پیدا کرنے کے لیے بھیجا گیا سختی پیدا کرنے کے لیے نہیں۔

امام احمد سند جید کے ساتھ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک نوجوان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آکر عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی کیا آپ مجھے زنا کی اجازت دیں گے، لوگ اس پر برس پڑے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو میرے قریب کر دو، میرے قریب آجاؤ، وہ نوجوان قریب آگئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گئے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: کیا تم اپنی ماں کے لیے زنا پسند کرتے ہو؟ انہوں نے کہا جی نہیں، اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کر دے، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اسی طرح دوسرے لوگ بھی اپنی ماؤں کے ساتھ یہ کام پسند نہیں کرتے۔ پوچھا کیا تم اپنی بیٹی کے لیے اسے پسند کرتے ہو۔ انہوں نے کہا جی نہیں، اللہ مجھے آپ پر قربان کر دے، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اسی طرح اور لوگ بھی اپنی بیٹیوں کے لیے اسے پسند نہیں کرتے، راوی ابن عوف نے یہ الفاظ بھی ذکر کیے ہیں کہ آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے پھوپھی اور خالہ کا بھی اسطرح تذکرہ کیا اور ان میں سے ہر ایک کے جواب میں اس نوجوان نے یہی کہا: کہ جی نہیں۔ اللہ مجھے آپ پر قربان کردے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہر مرتبہ یہی فرمایا کہ اسی طرح اور لوگ بھی ایسے پسند نہیں کرتے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک اس کے سینے پر رکھا اور فرمایا اے اللہ اس کے دل کو پاک کردے، اور اس کے گناہ کو بخش دے اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرما، چنانچہ اس دعا کا یہ اثر ہوا کہ زنا ان صاحب کے سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز ہو گئی۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ بن الحکم السلمی رضی اللہ عنہ نے ایک دن بیان کیا کہ وہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز پڑھ رہے تھے کہ کسی کو چھینک آگئی، تو میں نے اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہہ دیا، لوگ مجھے گھور گھور کر دیکھنے لگے۔ تو میں نے کہا: میری ماں مجھے گم کردے تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ مجھے گھور رہے ہو، انہوں نے یہ سن کر اپنی رانوں پر ہاتھ مارنا شروع کر دیے، جب میں نے یہ دیکھا کہ وہ لوگ مجھے خاموش کرنا چاہتے ہیں تو میں خاموش ہو گیا، پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے، تو میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں، میں نے نہ آپ سے قبل اور نہ آپ کے بعد کوئی ایسا معلم دیکھا جو آپ سے زیادہ اچھے انداز سے تعلیم دینے والا ہو۔ بخدا نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ڈانٹا نہ مارا نہ برا بھلا کہا، بلکہ یہ فرمایا کہ یہ نماز ایسی عبادت ہے کہ جس میں لوگوں کی باتیں وغیرہ منع ہیں، نماز تو تسبیح وتکبیر اور قرآنِ کریم کی تلاوت کا نام ہے۔

ایک واعظ ابوجعفر منصور کے پاس گئے اور ان سے بہت سخت باتیں کیں تو ابوجعفر نے کہا: جناب ذرا سی نرمی کیجیے۔ اللہ تعالےٰ نے آپ سے زیادہ بہتر شخصیت یعنی حضرت موسیٰ کو مجھ سے بدتر یعنی فرعون کے پاس جب بھیجا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا:

((فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى)). طٰہٰ ۔۴۴

پھر اس سے نرم گفتگو کرنا شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر ہی جائے۔

وہ صاحب اپنی اس فرو گذاشت پر شرمندہ ہوئے اور سمجھ گئے کہ واقعۃً وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل نہیں ہیں اور ابوجعفر فرعون سے کمتر نہیں ہیں، اللہ جل شانہٗ نے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مندرجہ ذیل آیت سے خطاب فرمایا تو بالکل سچ فرمایا ارشاد فرمایا:

((فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ

سو کچھ اللہ ہی کی رحمت ہے کہ آپ ان کو نرم دل مل گئے اور اگر آپ تندخو، سخت دل ہوتے تو وہ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے، سو آپ ان کو معاف کریں اور ان کے لیے بخشش مانگیں، اور کام میں ان سے مشورہ لیں پھر جب اس

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ))۔ کام کا قصد کر چکیں تو اللہ پر بھروسہ کریں اللہ توکل کرنے والوں
آل عمران۔ ۱۵۹ کو پسند کرتا ہے۔

۵۔ تکلیف و ابتلاءات پر صبر کرے:

یہ یقینی بات ہے کہ جو شخص معاشرے پر تنقید کرے گا، اور جو دعوت الی اللہ کا فریضہ انجام دے گا وہ مختلف قسم کی تکالیف اور آزمائشوں کا نشانہ بنے گا، اس لیے کہ اسے متکبروں کی انا اور جاہلوں کی حماقت اور مذاق اڑانے والوں کے مذاق کا سامنا کرنا پڑے گا، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ہر زمانے اور ہر جگہ اللہ کی سنت رہی ہے اور تمام انبیاء و دعاۃ و مصلحین کے ساتھ یہ ہوتا رہا ہے:

((الٓمّٓ ۚ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۚ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ))۔
عنکبوت۔ ۱ تا ۳

الف لام میم کیا لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ محض یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے چھوٹ جائیں گے اور وہ آزمائے نہیں جائیں گے۔ اور ہم تو انہیں بھی آزما چکے ہیں جو ان کے قبل گزرے ہیں، سو اللہ ان لوگوں کو جان کر رہے گا جو سچے تھے اور جھوٹوں کو بھی جان کر رہے گا۔

ارشاد فرمایا:

((اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۚ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۚ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ)) البقرہ۔ ۲۱۴

کیا تم کو یہ خیال ہے کہ جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ تم پر ان لوگوں جیسے حالات نہیں گزرے جو تم سے پہلے ہو چکے کہ ان کو سختی پہنچی اور تکلیف اور جھنجھوڑ ڈالے گئے یہاں تک کہ رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے وہ کہنے لگے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی سن رکھو کہ اللہ کی مدد قریب ہے۔

اسی لیے حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو وعظ کرتے ہوئے یہ نصیحت کی:

((يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ))۔ لقمان۔ ۱۷

اے میرے بیٹے نماز کو قائم رکھ اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر اور برے کام سے منع کیا کر اور جو کچھ پیش آئے اس پر صبر کیا کر، بے شک یہ (صبر) ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

اس وجہ سے اللہ کے راستہ میں آزمائش و امتحان جنت تک پہنچانے کا ذریعہ اور گذشتہ گناہوں کے لیے کفارہ ہے ارشاد ربانی ہے:

((فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَ قٰتَلُوْا وَ قُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ))۔

آل عمران۔ ۱۹۵

پھر وہ لوگ کہ ہجرت کی انہوں نے اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور لڑے اور مارے گئے، البتہ میں ان سے ان کی برائیاں دُور کر دوں گا اور ان کو داخل کر دوں گا ان باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، یہ اللہ کے یہاں سے بدلہ ہے اور اللہ کے یہاں اچھا بدلہ ہے۔

اور ترمذی و ابن ماجہ و ابن حبان و حاکم حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! لوگوں میں سب سے زیادہ امتحان و آزمائش کس پر آتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((الأنبياء ثم الأمثل فالأمثل يبتلى الرجل على حسب دينه، فإن كان دينه صلباً اشتد بلاؤه، وإن كان في دينه رقة ابتلاه الله على حسب دينه، فما يبرح البلاء بالعبد حتى يتركه يمشي على الأرض وما عليه خطيئة))۔

انبیاء پر پھر ان پر جو ان سے مشابہ ہوں اور زیادہ مشابہ ہوں۔ انسان پر آزمائش اس کے دین کے حساب سے آتی ہے، لہٰذا اگر وہ اپنے دین میں سخت ہے تو اس پر آزمائش بھی سخت آئے گی، اور اگر اس کا دین ہلکا پھلکا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا امتحان اس کے دین کے اعتبار سے لیتے ہیں۔ انسان پر مسلسل ابتلاءات آتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ اسے ایسا (پاک صاف) بنا دیتے ہیں کہ وہ زمین پر ایسی حالت میں چلتا ہے کہ اس پر کوئی بھی گناہ نہیں ہوتا۔

٭ ٭ ٭

اور امام مسلم رحمہ اللہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جنت کو مشکلات و تکلیف دہ چیزوں سے گھیر لیا گیا ہے اور جہنم کو شہوات ولذائذ سے۔ خیر خواہ داعی اور نقاد مجاہد کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ وہ مبلغوں اور داعیوں کے سردار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلے جنہیں وہ وہ تکالیف اور مصائب پہنچے جو نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی داعی کو پہنچے ہوں گے اور نہ آپ کے بعد، اور آپ نے ایسے الزامات و تہمتوں کا سامنا کیا جس کا کسی نے سامنا کیا ہے نہ کرے گا، مشرکوں نے آپ کو تبلیغ و دعوت کے کام سے روکنے کے لیے آپ کو بہکانے اور لالچ دینے کا راستہ اختیار کیا، لیکن نہ آپ جھکے نہ آپ نے ان کے سامنے ہتھیار ڈالے، پھر ان مشرکوں نے آپ اور ان تمام حضرات کا جو آپ کے مدد و معاون تھے سب کے بائیکاٹ کا حربہ استعمال کیا تاکہ اس کی وجہ سے آپ دعوت و تبلیغ سے رک جائیں، لیکن آپ میں پھر بھی کسی قسم کی نرمی یا ان کی طرف رجحان پیدا نہ ہوا، تو آخیر میں انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ آپ کو اچانک قتل کر دیا جائے تاکہ اس طریقے

سے آپ کی دعوت و تبلیغ کا راستہ بند ہو جائے، لیکن اس سے بھی آپ پر کوئی فرق نہ پڑا، اور اس سب کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طریقے سے دعوت الی اللہ کے کام میں منہمک رہے اور مختلف قسم کی اذیتیں برداشت کرتے رہے۔ اور نہایت ثابت قدمی سے اپنے موقف پر ڈٹے رہے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد و نصرت اور فتح و کامیابی نے آپ کے قدم چومے۔

لہٰذا جو لوگ اسلام کے پیغام پہنچانے کا جھنڈا اپنے ہاتھوں میں لیتے ہیں اور روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ کرنا جن کا نصب العین ہے اگر وہ واقعتاً کامیابی کے ابتداً اور مستقبل میں حقیقی نصرت و فتح کے آرزومند ہیں تو ان کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو صبر کا عادی بنائیں اور اللہ کے راستے کی تکالیف و مشقتیں برداشت کریں۔

بعض اوقات ایسے موقعہ پر ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اگر کسی برائی پر نکیر و اعتراض کرنے والے کو یہ معلوم ہو کہ اسے اپنی جان کے تلف ہونے کا ڈر ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کے بغیر وہ برائی ختم بھی نہ ہوگی تو کیا ایسی صورت میں وہ اس برائی کو بدل ڈالے۔

بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اس برائی کو بدل ڈالے اس لیے کہ حضرت لقمان حکیم کی زبانی اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک ہے:

﴿وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ	اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کرو اور برے کام سے منع
وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ ۖ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ	کیا کرو اور جو کچھ پیش آئے اس پر صبر کیا کر، بے شک یہ (صبر)
الْأُمُورِ﴾ . لقمان ۔ ۱۷	ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

قرآن کریم کی اس آیت نے منکر کے بدلنے کے اس حکم الٰہی کو جان کے خوف یا اس برائی کے ازالہ کی امید پر موقوف نہیں رکھا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر رضاء الٰہی کی نیت ہو تو مسلمان کو چاہیے کہ ہر صورت میں منکر کے بدلنے کے لیے برسر پیکار ہو جائے، اور کسی قسم کی پرواہ نہ کرے، اس لیے کہ ایسا کر گزرنا اور یہ اقدام کرنا ایمان کا تقاضہ اور ضروری امور میں سے ہے۔

ابوبکر بن العربی فرماتے ہیں کہ جو شخص برائی کے زائل ہونے کی امید رکھتا ہو اور اس کے بدلنے کے سلسلہ میں اسے پٹائی یا جان سے مارے جانے کا خوف ہو تو ایسی خطرناک صورتحال میں بھی اکثر علماء کے مذہب کے مطابق اس کو برائی کے ازالہ کی کوشش کرنا چاہیے لیکن اگر اس برائی کے ختم ہونے کی امید نہ ہو تو پھر اس کا کیا فائدہ ہے؟ علماء کے اس قول کو نقل کرنے کے بعد ابن عربی اس پر لکھتے ہیں: میری رائے یہ ہے کہ اگر نیت خالص ہو تو انسان کو یہ اقدام کر ہی لینا چاہیے خواہ نتیجہ کچھ بھی نکلے اس کی مطلق پرواہ نہیں کرنا چاہیے۔[۱]

شیخ علی زادہ کی کتاب "شرح شرعۃ الاسلام" میں لکھا ہے کہ مداہنت کر کے لوگوں کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرنا چاہیے، اور کسی کی ملامت برا بھلا کہنے اور مار پٹائی بلکہ قتل سے بھی نہیں ڈرنا چاہیے، اس لیے کہ سلف صالحین حکام و امراء پر

---

[۱] ملاحظہ ہو شرح شرعۃ الاسلام للشیخ علی زادہ (ص۔ ۴۹۔) یاد رہے کہ ابوبکر بن العربی مالکیہ کے علماء میں سے ہیں۔

نکیر کیا کرتے تھے اور حق بات کہنے میں مسافانسی کی پرواہ نہ کرتے تھے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے کو ان چیزوں کے ساتھ ساتھ علم سے بھی لازمی طور پر متصف ہونا چاہیئے۔ تاکہ اس کی تنقید و نصیحت اور امر و نہی شریعت کے احکام اور اس کے بنیادی اصولوں کے مطابق ہو۔

معاشرے کے افراد پر تنقید اور رائے عامہ کی حفاظت و رعایت کے سلسلہ میں یہ اہم اور ضروری قواعد و ضوابط ہیں، اس لیے مربیوں کو انہیں اپنے اندر پیدا کرنا چاہیے، اور اپنی اولاد کو ان کی تعلیم دینا چاہیے، تاکہ بچہ جیسے ہی زندگی کے مدرسہ میں داخل ہوا اور اس کے میدان میں قدم رکھے اور اس کی مسئولیات و ضروریات کو اٹھانے کے قابل ہو تو وہ ان آداب سے متصف ہو۔

۳ ۔ سلف صالحین کے موقف اور کارناموں سے ہمیشہ نصیحت حاصل کرتے رہنا:

وہ عوامل جو مسلمان میں جرأت و شجاعت راسخ کرتے ہیں اور دوسروں کی آراء و افکار کے خیال رکھنے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلہ میں فیصلہ کن موقف اختیار کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ ان عوامل میں سے ان تاریخی یادگار مواقف اور کارناموں کا پیش کرنا بھی ہے جو سلف صالحین اور ہمارے بہادر بزرگوں نے برائی کے بدلنے اور کجی اور انحراف کے دور کرنے کے سلسلہ میں اختیار کیے تھے، اور حقیقت یہ ہے کہ اگر ان کارناموں کو صحیح طریقے سے پیش کیا جائے تو واقعۃً ان کا نئی پود کی نفوس اور جوانوں کے عزائم پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے، بلکہ یہ مواقف ان کو اس بات پر مجبور کر دیتے ہیں کہ وہ بھی ان مفسدین و ملحدین اور کج رؤں کے مقابلہ پر جرأت و بہادری کے ساتھ ڈٹ جائیں جو اسلام کی حرمت کا کوئی خیال نہیں رکھتے، اور جن کی نظر میں اخلاقِ عالیہ کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ اور اس قماش کے لوگوں کی اس دور میں جس میں ہم جی رہے ہیں کوئی کمی نہیں ہے۔

لیجیے ان شاندار و فیصلہ کن مواقف میں سے چند آپ کے سامنے ذیل میں عبرت و بصیرت کے لیے پیش کیے جا رہے ہیں:

الف۔ روایت کیا جاتا ہے کہ زاہد ابو غیاث بخاری کے قبرستان میں رہا کرتے تھے، ایک روز اپنے بھائی کی ملاقات کے لیے شہر چلے گئے۔ حاکم نصر بن احمد کے لڑکے جن کے ساتھ گانے بجانے والے گانے بجانے کے سامان کے ساتھ ان کے مکان سے نکل رہے تھے۔ اس دن امیر کی طرف سے ضیافت کا دن تھا، جب ان زاہد کی نظر ان لوگوں پر پڑی تو انہوں نے دل میں اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہا: اے نفس بڑا سخت موقع ہے، اگر تو اس وقت خاموش رہا تو اس گناہ میں تو بھی شریک شمار ہوگا، پھر سر آسمان کی طرف اٹھا کر اللہ سے مدد مانگی، اور لاٹھی سنبھالی اور ایک دم ان لوگوں پر ٹوٹ پڑے۔ وہ لوگ دم دبا کر الٹے پاؤں حاکم کے محل کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے، اور حاکم کو پورا قصہ سنا ڈالا، اس نے فوراً ان کو طلب کیا اور ان سے کہا: کیا آپ کو یہ معلوم نہیں ہے کہ جو شخص حاکم و بادشاہ کے خلاف بغاوت کرتا ہے اسکو جیل میں بھیج دیا جاتا ہے؟

ابوغیاث نے حاکم وقت سے کہا: کیا آپ کو یہ نہیں معلوم کہ جو شخص رحمٰن کے ساتھ بغاوت کرتا ہے اس کو آگ میں داخل کر دیا جاتا ہے؟ حاکم نے کہا یہ تبلایئے کہ آپ کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ذمہ دار کس نے بنا دیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: اس ذات نے جس نے آپ کو حکومت دی ہے، اس نے کہا کہ مجھے تو خلیفۃ المسلمین نے حاکم بنایا ہے. ابوغیاث نے فرمایا کہ مجھے یہ ذمہ داری خلیفہ کے رب نے سونپی ہے. اس حاکم نے یہ سن کر ان سے کہا کہ میں آپ کو سمرقند کا امر بالمعروف کا ذمہ دار بناتا ہوں، انہوں نے فرمایا میں اس عہدہ سے استعفیٰ دیتا ہوں. حاکم نے کہا آپ بھی عجیب آدمی ہیں، جب یہ ذمہ داری آپ کو سونپی نہیں گئی تھی تو آپ مفت میں یہ کام انجام دیتے تھے، اور جب آپ کو اس پر مقرر کیا جا رہا ہے تو آپ اس سے رک رہے ہیں.

ابوغیاث نے فرمایا کہ بات یہ ہے کہ اگر آج آپ مجھے اس عہدہ پر بٹھائیں گے تو کل کو معزول کر دیں گے. اور جب میرا رب مجھے اس عہدہ پر مقرر کرے گا تو مجھے کوئی شخص معزول نہیں کر سکتا، حاکم نے یہ سن کر کہا: مانگیے جو آپ کو مانگنا ہے! تو انہوں نے فرمایا کہ میرا سوال یہ ہے کہ آپ مجھے میری جوانی لوٹا دیں، اس نے کہا: یہ کام میرے اختیار میں نہیں ہے، اس کے علاوہ اور کوئی ضرورت و فرمائش ہو تو فرمایئے؟ ابوغیاث نے فرمایا کہ آپ دوزخ کے داروغہ کو یہ خط لکھ دیں کہ مجھے عذاب نہ دے، تو امیر نے کہا کہ یہ بھی میرے اختیار میں نہیں ہے، اس کے علاوہ اور کوئی ضرورت ہو تو بتلایئں؟ انہوں نے کہا کہ آپ جنت کے داروغہ رضوان کو یہ لکھ بھیجیں کہ وہ مجھے جنت میں داخل کر دیں. امیر نے کہا کہ یہ کام بھی میرے دائرۂ اختیار میں نہیں ہے، تو ابوغیاث نے فرمایا: یہ تمام امور اس رب کے قبضہ میں ہیں جو تمام حاجات وضروریات اور تمام چیزوں کا مالک ہے، میں اس سے جو چیز بھی مانگتا ہوں وہ مجھے عطا فرما دیتا ہے، یہ سن کر حاکم نے ان کو جانے کی اجازت دے دی[۵]

ب۔ امام غزالی "احیاء العلوم" میں لکھتے ہیں: اصمعی کہتے ہیں کہ عطاء بن ابی رباح خلیفہ عبدالملک بن مروان کے پاس گئے، وہ اس وقت اپنے تخت پر جلوہ افروز تھے، ان کے ارد گرد ہر قبیلہ کے معززین بیٹھے ہوئے تھے، یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب وہ اپنے دورِ خلافت میں مکہ مکرمہ حج کے لیے گئے ہوئے تھے، جب خلیفہ عبدالملک نے حضرت عطاء کو دیکھا تو ان کے لیے کھڑے ہو گئے اور ان کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھالیا، اور خود ان کے سامنے بیٹھ گئے اور ان سے فرمایا: اے ابو محمد (حضرت عطاء کی کنیت ہے) فرمایئے کیسے تشریف آوری ہوئی، کیا کام ہے؟ انہوں نے فرمایا: اے امیر المؤمنین اللہ اور اس کے رسول کے حرم میں اللہ سے ڈریئے، اور اس کی آبادکاری و دیکھ بھال میں لگے رہیے، اور مہاجرین وانصار کی اولاد کے سلسلہ میں خوفِ خدا سے کام لیجیے، اس لیے کہ اس منصب تک آپ انہی کی وجہ سے پہنچے ہیں. اور سرحد پر رہنے والے لوگوں کے سلسلہ میں اللہ سے ڈرتے رہیے اس لیے کہ وہ مسلمانوں کے لیے بمنزلہ قلعہ وحصار کے ہیں، اور مسلمانوں کے امور ومعاملات کی دیکھ بھال کرتے رہیئے اس لیے کہ آپ اور صرف آپ ہی سے ان کے بارے میں سوال کیا جائے

---

[۵] ملاحظہ ہو کتاب شرح شرعۃ الاسلام مؤلفہ شیخ علی زادہ (ص ۔ ۴۹۰)۔

گا. اور جو لوگ آپ کے در پر آتے ہیں ان کے بارے میں بھی اللہ سے ڈریے ان سے غافل ہرگز نہ ہوں اور نہ اپنا دروازہ ان کے لیے بند کیجیے۔

امیر المؤمنین نے کہا: بہت اچھا میں ایسا ہی کروں گا، پھر حضرت عطاء وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے تو خلیفہ عبدالملک نے ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اے ابو محمد آپ نے ہم سے دوسروں کی ضرورتوں اور حاجتوں کا تذکرہ کیا اور ہم نے انہیں پورا کردیا، اچھا اب اپنی حاجت وضرورت بھی تو بتلائیے؟ تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ مجھے مخلوق سے کوئی حاجت اور ضرورت نہیں، اور یہ کہہ کر نکل کھڑے ہوئے تو عبدالملک نے فرمایا: بخدا عزت وشرافت کا بلند مرتبہ یہ ہے۔

ج۔ کتاب "الشقائق النعمانیۃ لعلماء الدولۃ العثمانیۃ" میں لکھا ہے کہ سلطان سلیم خان نے خزانوں کے محافظین ایک سو پچاس آدمیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا، اس کی اطلاع عالم مفتی علاؤ الدین علی بن احمد المفتی کو پہنچ گئی، وہ سیدھے دیوانِ عالی میں چلے گئے، اس زمانے میں دستور یہ تھا کہ مفتی صاحب کسی بڑے حادثے و معاملے کے سلسلہ میں ہی دیوان عالی میں جایا کرتے تھے، چنانچہ ان کو دیکھ کر دیوان کے لوگ حیرت میں پڑ گئے، جب یہ دیوان میں پہنچے تو وزراء کو سلام کیا انہوں نے ان کا استقبال کیا، اور مجلس کی مسندِ صدارت پر ان کو بٹھادیا، اور ان سے عرض کیا کہ عالی جناب کو کس چیز نے دیوانِ عالی میں تشریف لانے پر مجبور کردیا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں بادشاہ سے ملنا چاہتا ہوں مجھے ان سے کچھ بات کرنا ہے۔ چنانچہ انہوں نے بادشاہ سلیم خاں کو ان کی آمد کی اطلاع دی، بادشاہ نے صرف اکیلے انہیں ملنے کی اجازت دے دی، چنانچہ یہ تشریف لے گئے انہیں سلام کیا اور بیٹھ گئے پھر فرمایا:

فتوی وافتاء سے تعلق رکھنے والوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بادشاہ کی آخرت کی حفاظت کریں، اور میں نے یہ سنا ہے کہ آپ نے ایک سو پچاس ایسے آدمیوں کے قتل کرنے کا حکم دیا ہے جن کا قتل کرنا شرعاً درست نہیں ہے، اس لیے آپ کو انہیں معاف کردینا چاہیے، بادشاہ نہایت سخت تھا وہ یہ سن کر غصہ ہوگیا اور کہنے لگا: آپ امورِ سلطنت میں دخل دے رہے ہیں یہ آپ کی ذمہ داری اور فرضِ منصبی میں داخل نہیں ہے، تو انہوں نے فرمایا: نہیں بلکہ میں تو آپ کی آخرت کے معاملہ سے بحث کررہا ہوں، اور یہ میری ذمہ داری اور فرضِ منصبی ہے، آپ اگر ان کو معاف کردیں گے تو نجات پاجائیں گے ورنہ آپ کو دردناک سزا ملے گی، یہ سن کر ان کے غصہ کی شدت کم ہوگئی اور انہوں نے ان سب کو معاف کردیا، پھر کچھ دیر ان کے ساتھ باتیں کرتے رہے، پھر جب انہوں نے اٹھنا چاہا تو بادشاہ سے کہا کہ میں نے آپ کی آخرت کے سلسلہ میں آپ سے گفتگو کی تھی، مروت کے سلسلہ میں آپ سے ایک بات کہنا باقی ہے۔ بادشاہ نے کہا وہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: یہ بادشاہ کے غلام ہیں، کیا سلطنت کی شان کے یہ مناسب ہے کہ یہ خود لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں؟ بادشاہ نے کہا بالکل نہیں۔ تو انہوں نے فرمایا کہ پھر ان کو ان کے مناصب میں پکا کردیجیے، بادشاہ نے یہ بات قبول کرلی اور کہا: میں ان کو لوگوں کی خدمت کرنے میں کوتاہی کرنے پر سزا دوں گا، مفتی صاحب نے فرمایا: یہ درست ہے۔ اس لیے کہ سزا دینے کا معاملہ بادشاہ کے سپرد ہے، یہ کہہ کر سلام

کیا، اور وہاں سے عزت و تشکر یہ کے ساتھ واپس ہو لیے۔

د۔ مصر کی عدالتِ عالیہ شرعیہ کے نائب، شیخ محمد سلیمان رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے محترم دوست محمد فہمی ناضوری پاشا احمد آفندی سے اور وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے جو کہ خدیوی اسماعیل کے زمانے میں جامعہ ازہر کے شیوخ میں سے تھے انہوں نے بیان کیا ہے کہ جب حبشہ اور مصر کے درمیان جنگ شروع ہوئی۔ اور مصر کے لشکر کے قائدین میں باہمی اختلاف کی وجہ سے مصر کو شکست پہ شکست اٹھانا پڑی تو اس سے خدیوی اسماعیل تنگ دل ہو گئے، چنانچہ ایک دن جب وہ سخت پریشان ہو گئے تو دل بہلانے کے لیے شریف پاشا کے ساتھ سواری پر نکلے، شریف پاشا نے کہا کہ بتلائیے اگر کوئی آفت سر پر نازل ہو گئی تو آپ اس سے بچاؤ کی کیا تدبیر اختیار کریں گے؟ اور اس کی مدافعت کس طرح کریں گے؟ تو انہوں نے کہا کہ اللہ نے مجھے اس بات کا عادی بنا دیا ہے کہ جب مجھ پر اس طرح کی کوئی پریشانی آ جائے تو میں "صحیح بخاری" کی طرف رجوع کرتا ہوں، میرے لیے نیک صالح علماء اس کا ختم شروع کر دیتے ہیں، اور اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ مجھے اس پریشانی سے نجات دلا دیتے ہیں۔

خدیوی اسماعیل نے شریف پاشا سے کہا کہ شیخ الازہر سے بات کیجیے اس زمانے میں شیخ الازہر شیخ عروسی تھے، انہوں نے صالحین علماء کی ایک جماعت کو جمع کیا اور جامعہ ازہر کی پرانی مسجد و محراب کے سامنے بخاری شریف پڑھنا شروع کر دی، لیکن اس کے باوجود بھی پے در پے شکست کی خبریں آتی رہیں، تو خدیوی شریف پاشا کے ساتھ علماء کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان سے غصہ میں کہا: یا تو آپ لوگ جو پڑھ رہے ہیں وہ "صحیح بخاری" نہیں ہے یا پھر آپ لوگ ان علماءِ صالحین میں سے نہیں ہیں جو سلفِ صالحین کے دَور میں ہوا کرتے تھے، اس لیے کہ آپ لوگوں اور آپ کے اس پڑھنے کی وجہ سے کچھ بھی فائدہ نہیں ہوا۔ علماء یہ سن کر خاموش و مبہوت ہو گئے، صف کے اخیر میں ایک شیخ تھے وہ آگے بڑھے اور انہوں نے فرمایا: اے اسماعیل ذرا سوچ کر بات کیجیے، اس لیے کہ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پہنچی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ:

((لتأمرن بالمعروف، ولتنهون عن المنكر، أو ليسلطن الله عليكم أشراركم فيدعو خياركم فلا يستجاب لهم)).	تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر تمہارے بدترین آدمی مسلط کر دے گا پھر تمہارے اچھے لوگ بھی دعا کریں گے لیکن ان کی دعا بھی قبول نہ ہوگی۔

یہ سن کر علماء اور مبہوت ہو گئے اور خدیوی شریف پاشا کے ساتھ چلا گیا اور اس کے بعد اس نے ایک لفظ بھی نہ کہا۔ دوسرے علماء اس شیخ کو ملامت اور تنبیہ کرنے لگے، ابھی وہ اس نوک جھونک میں مصروف تھے کہ شریف پاشا واپس آئے اور پوچھنے لگے کہ ابھی جن شیخ نے خدیوی سے مکالمہ کیا تھا وہ کہاں ہیں؟ ان عالم نے کہا کہ میں یہ موجود ہوں، چنانچہ شریف انہیں اپنے ساتھ لے گیا۔ اور اب وہ علماء جو ابھی ذرا دیر قبل انہیں برا بھلا کہہ رہے تھے وہ ان عالم کو اس طرح الوداع کہنے لگے جیسے اب

ان کے واپس لوٹنے کی کوئی امید نہ ہو، شریف باشا ان کے ساتھ گیا اور دونوں خدیوی کے محل میں داخل ہو گئے۔ وہاں پہنچے تو خدیوی ملاقات کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے، اور ان کے سامنے ایک کرسی رکھی تھی جس پر خدیوی نے ان عالم کو بٹھا دیا اور ان سے کہا: آپ نے مجھ سے جو بات جامعۂ ازہر میں کہی تھی اب پھر دہرائیے۔ شیخ نے اپنی بات پھر دہرا دی اور حدیث اور اس کی شرح بھی پھر سے سنا دی، خدیوی نے ان سے کہا کہ ہم نے ایسا کیا جرم کیا ہے جس کے سبب ہم پر یہ مصیبت نازل ہوئی ہے؟

شیخ نے کہا: جناب من کیا عدالتوں نے ایسا قانون جاری نہیں کیا ہے جس سے ربا کو جائز کر دیا گیا ہے؟ کیا زنا کی اجازت نہیں ہے؟ کیا شراب خوری کی کھلی چھوٹ نہیں ہے؟ کیا ....؟ کیا ....؟ اور خدیوی کے سامنے اس قسم کے بہت سے ایسے حرام و ناجائز امور کا تذکرہ کیا جو بلا کسی روک ٹوک ملک میں کیے جا رہے تھے، پھر فرمایا کہ بتلائیے ان کے ہوتے ہوئے ہم اللہ کی مدد کی امید کس طرح رکھ سکتے ہیں؟ خدیوی نے کہا: جب دوسروں کے ساتھ ہمارا رہن سہن ہے اور ان کی تہذیب ہی یہ ہے تو پھر ہم کیا کر سکتے ہیں؟ تو ان عالم نے فرمایا کہ پھر "صحیح بخاری" کا کیا قصور ہے؟ اور پھر علماء کیا کر سکتے ہیں؟ یہ سن کر خدیوی کچھ دیر کے لیے سوچ میں پڑ گئے، اور کافی دیر تک گردن جھکائے رہے پھر کہا: آپ نے بالکل سچ کہا، آپ نے بالکل ٹھیک فرمایا، پھر وہ عالم ازہر کی جانب واپس ہو گئے، وہاں انکے ساتھی ان کی طرف سے بالکل مایوس ہو چکے تھے، جب ان لوگوں نے انہیں دیکھا تو انہیں ایسی خوشی ہوئی گویا ان کو دوسری زندگی مل گئی ہو[1]

۵۔ "کنز الجوہر فی تاریخ الازہر" کے مصنف لکھتے ہیں کہ ۱۲۰۹ھ میں جامع ازہر کے شیخ، شیخ شرقاوی کے پاس ایک بستی "شرقیۃ بلبیس" والے حاضر ہوئے، اور ان سے تذکرہ کیا کہ محمد بک الالفی کے متبعین نے ان پر ظلم کیا ہے، اور ان سے اتنی زیادہ مقدار میں مال کا مطالبہ کیا ہے جو وہ ادا نہیں کر سکتے، یہ سن کر شیخ کو بہت غصہ آیا اور فوراً ازہر گئے، اور مشائخ کو جمع کیا اور جامع ازہر کے دروازے بند کر دیے، اور انہوں نے ایسا اس وقت کیا جب پہلے مراد بک اور ابراہیم بک جو کہ صاحب اختیار اور ذمہ دار تھے ان سے بات کر لی لیکن انہوں نے کچھ نہ کیا، اور اس اہم مسئلہ پر کوئی لب کشائی نہ کی اور کوئی قدم نہ اٹھایا۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ علماء و مشائخ نے لوگوں کو اس ظلم کے خلاف احتجاج کرنے کیلیے بازاروں و دکانوں کو بند کرنے اور ہڑتال کرنے کا حکم دیدیا، اور پھر دوسرے روز ابراہیم بک اور مراد بک کے گھر کے سامنے پہنچے، بہت سے عوام بھی ان کے ساتھ ساتھ تھے، یہ سب لوگ دروازے کے پاس اس طرح جمع ہو گئے کہ ابراہیم بک انہیں دیکھ لے، چنانچہ اس نے اپنے پرائیویٹ سیکرٹری ایوب بک کو ان کے پاس بھیجا وہ ان کے پاس آیا اور ان سے جمع ہونیکا سبب معلوم کیا، تو ان حضرات نے کہا: ہم عدل و انصاف چاہتے ہیں، اور جن ظلموں اور بھاری ٹیکسوں کو تم لوگوں نے جاری کیا ہے ان کو ختم کرانا چاہتے ہیں، تو اس نے کہا کہ اس وقت یہ تمام باتیں تو مانی نہیں جا سکتیں، اس لیے کہ اگر ہم انکو مان لیں تو ہم پر زندگی تنگ ہو جائے گی، تو ان حضرات

---

[1] ملاحظہ ہو شیخ محمد سلیمان کی کتاب "من اخلاق العلماء" (ص ۹۷)۔

نے کہا کہ یہ تو اس وقت کوئی ایسا معقول عذر نہیں ہے، اس کی کیا ضرورت ہے کہ ملازمین اور اخراجات کو بڑھایا جائے۔ امیر لوگوں کو دینے سے امیر بنتا ہے نہ کہ دوسروں سے لینے سے۔

اس سیکرٹری نے کہا اچھا میں آپ کا پیغام پہنچا کر واپس آتا ہوں، اس کے بعد مجلس کے حاضرین منتشر ہو گئے۔ اور علماء جامعہ ازہر واپس چلے گئے اور ادھر ادھر اطراف کے رہنے والے جمع ہو گئے، تو مراد بک نے ان لوگوں کو یہ پیغام بھیجا کہ میں آپ لوگوں کی دو باتوں کے سوا سب باتیں مان لیتا ہوں، ایک تو بولاق کا دیوان اور دوسری بات جامکیہ کے بارے میں آپ لوگوں کا آخری مطالبہ، پھر اس نے چار علماء کو طلب کیا ان کے نام متعین کر دیے، چنانچہ وہ اس کے پاس جیزہ گئے۔ تو اس نے ان سے نہایت نرمی اور ملاطفت سے بات چیت کی، اور ان سے درخواست کی کہ وہ صلح کا کوئی راستہ تلاش کریں، تیسرے دن حکام و علماء ابراہیم بک کے گھر میں جمع ہوئے، ان میں شیخ شرقاوی بھی تھے اور اس بات پر صلح ہوئی کہ ظالمانہ ٹیکس ختم کر دیے جائیں، اور لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے، اور قاضی نے اس سلسلہ میں ایک خط تحریر لکھ دی، جس پر پاشا اور حکام نے دستخط کر دیے اور اس طرح سے یہ فتنہ ختم ہو گیا۔

سلفِ صالحین کے اس طرح کے مواقف و کارناموں کی بے شمار مثالیں ہیں[1] جو سب کی سب اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ لوگوں نے اچھائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کا فریضہ ادا کیا، تاکہ معاشرہ اس بات سے محفوظ رہے کہ کوئی اس سے کھیلے یا اس میں انتشار پیدا کرے، اور امت میں باہمی ارتباط اور بندھن مضبوطی سے قائم رہے، اس لیے کہ معاشرے میں فرد کی مثال عمارت کی اینٹوں میں سے ایک اینٹ کی سی ہے۔ اس لیے اسے چاہیئے کہ لوگوں کی توجہ اس طرف مرکوز کرے جس میں فائدہ ہو، اور مفاسد و نقصان کو دور کرے اور لوگوں کے ساتھ مل کر معاشرہ کی عمارت کو خالص اسلامی عقیدے اور بہترین اخلاقی اصولوں پر قائم کرنے میں ہاتھ بٹائے، اور کسی کی ملامت کی پرواہ کیے بغیر حق بات کہے، اسلام نے اپنی نہایت شاندار توجیہات و اصلاحات کے ذریعہ ہر مسلمان کو جہاں اپنا محافظ و نگران بنایا ہے اس طرح اس نے اسے دوسروں کا بھی رقیب و نگران مقرر کیا ہے، تاکہ معاشرہ کی تعمیر و اصلاح کے سلسلہ میں وہ اپنی عظیم ذمہ داری اور فرضِ منصبی پورا کر سکے، اور لوگوں کو حق و صبر کی وصیت کرتا رہے، اور اللہ تعالیٰ نے قرآنِ عظیم میں بالکل سچ ارشاد فرمایا ہے:

((وَالْعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۝ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝)).
العصر۔ ۱ تا ۳

قسم ہے زمانہ کی کہ انسان بڑا خسارہ میں ہے مگر وہ لوگ نہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام کیے، اور ایکدوسرے کو حق کی فہمائش کرتے رہے اور ایک دوسرے کو پابندی کی فہمائش کرتے رہے۔

---

[1] جو ان واقعات کی اور تفصیل جاننا چاہے، اسے چاہیے کہ ہماری کتاب "الی ورثۃ الانبیاء" اور مجاہد شہید شیخ عبدالعزیز کی کتاب "الاسلام بین العلماء والحکام" اور شیخ محمد سلیمان کی کتاب "من اخلاق العلماء" اور ان سطور کی طرف رجوع کرے جو امام غزالی نے اپنی کتاب "احیاء العلوم" میں لکھی ہیں، ان کتابوں میں علماء و سلفِ صالحین کے ایسے مجاہدانہ کارنامے ملیں گے جو تشفی کا سامان مہیا کر دیں گے۔

معاشرہ کی دیکھ بھال اور اس پر نقد و تنقید اور رائے عامہ کی حفاظت جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی شکل میں پائی جاتی ہے اس کے سلسلہ میں اسلام کے وضع کردہ یہ اہم قواعد و اصول ہیں جن کے ساتھ ایک اور چیز بھی میں مربیوں کے سامنے پیش کر رہا ہوں تاکہ وہ اس کی طرف خصوصی توجہ کریں، اور اس کی نصیحت کیا کریں، اور اس پر محنت کریں۔ اور وہ یہ ہے کہ اسلام کے زندگی کے ہر شعبے، حصے اور نظام پر محیط ہونے کے تصور کے مفہوم کو صحیح کیا جائے، یعنی اس کا ایسا محیط و عام ہونا جو فرد و جماعت کے مصالح میں موافقت پیدا کر دے اور امت کی سیاست اور تمام عالم کی سلامتی کو متضمن ہو، ایسا محیط ہونا جو دین و دنیا ــ روح ــ مادہ ــ تلوار ــ قرآن اور عبادت و جہاد میں سے ہر ایک کو یکجا جمع کر دے۔

ایسا محیط ہونا جو عقیدہ و ایمان، تقویٰ و احسان، نماز و روزہ، اور خیر و بھلائی اور تکلیف پر صبر کرنے اور صدق و وفا اور محبت و اخوت اور جود و سخا اور عہد و میثاق اور عزم و قصد اور جنگ و آشتی، صلح و امن اور سزا و جزا کی شکل میں مجسم موجود اللہ تعالیٰ کے فرمانِ مبارک کی درج ذیل آیات صاف صاف برحق اعلان کر رہی ہیں۔ اور اس مفہوم کی تصحیح کر رہی ہیں اور اس محیط و شامل ہونے کی اس خصوصیت کی طرف رہنمائی کر رہی ہیں، ملاحظہ ہو فرمانِ ربانی:

((لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ ۚ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا ۖ وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿١٧٧﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى ۖ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ ۚ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۗ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۗ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ

نیکی یہی کچھ نہیں کہ اپنا منہ مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف کرو، لیکن بڑی نیکی تو یہ ہے کہ جو کوئی اللہ اور قیامت کے دن اور فرشتوں اور سب کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے، اور اس کی محبت پر مال دے رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو، اور گردنیں چھڑائے، اور قائم رکھے نماز کو اور زکاۃ دیا کرے، اور جب عہد کرے تو اپنے اقرار کو پورا کرنے والے ہو۔ اور سختی اور تکلیف اور برائی کے وقت میں صبر کرنے والے ہوں۔ یہی لوگ سچے ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں۔ اے ایمان والو تم پر فرض ہوا قصاص (برابری کرنا) مقتولوں میں آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت، پھر جس کو معاف کیا جائے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ بھی تو تابعداری کرنی چاہیے موافق دستور کے، اور اس کو خوبی کے ساتھ ادا کرنا چاہیے، یہ آسانی ہے تمہارے رب کی طرف سے اور مہربانی، پھر جو اس فیصلہ کے بعد زیادتی کرے تو

فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ	ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اور تمہارے واسطے
حَيٰوةٌ يّـٰۤاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ)) البقرہ۔ ۱۷۸تا۱۷۹	قصاص میں بڑی زندگی ہے اے عقل مندو تاکہ تم بچتے رہو۔

مسلمان جب یہ گمان کرتا ہے کہ اسلام صرف عبادت ہی عبادت پر مشتمل دین کا نام ہے اس میں جہاد وغیرہ کچھ نہیں تو ایسے موقعہ پر وہ کتنا جاہل ہونے کا ثبوت دیتا ہے؟

اسی طرح یہ کتنا بڑا وہم اور دھوکہ ہے کہ انسان یہ تصور کرے کہ اسلام حکومت کو منظم کرنے اور زندگی کے دوسرے شئون وحالات کے مرتب کرنے کی دعوت نہیں دیتا؟

((اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ	کیا تم مانتے ہو بعض کتاب کو اور بعض کو نہیں مانتے۔ سو
فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْیٌ	کوئی سزا نہیں اس کی جو تم میں یہ کام کرتا ہے مگر رسوائی دنیا
فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ	کی زندگی میں اور قیامت کے دن پہنچائے جائیں گے سخت
اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ)). البقرہ۔ ۸۵	سے سخت عذاب میں۔

اخیر میں میں مربیوں کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ بچہ دیکھ بھال اور اجتماعی ومعاشرتی روک ٹوک کی تربیت اس وقت نہیں حاصل کر سکتا جب تک ہم اس کے خوف وشرم اور حیا کا علاج نہ کرلیں، اس کے علاج کا طریقہ ہم "نفسیاتی تربیت کی ذمہ داری" کی بحث کے ذیل میں ذکر چکے ہیں، اس لیے مربی کو چاہیئے کہ اس کا مطالعہ کرے، تاکہ اسے معلوم ہو کہ بچے میں جرأت وبہادری اور شجاعت پیدا کرنے کے لیے اسلام نے کیا طریقہ اختیار کیا ہے، اور اس کو شرمندگی احساس کمتری اور خوف وڈر اور ادھر ادھر چھپ کر زندگی گزارنے کی عادت سے بچانے کے لیے کیا طریقے اختیار کیے ہیں، واقعی اللہ اگر سیدھا راستہ نہ دکھائے تو کوئی بھی نہیں دکھا سکتا۔

ساتویں فصل

۷۔ جنسی تربیت کی ذمہ داری

جنسی تربیت سے مقصد یہ ہے کہ بچہ جب ان معاملات کو سمجھنے کے قابل ہو جائے جو جنس سے تعلق رکھتے ہیں اور شادی اور انسانی خواہشات سے متعلق ہیں تو بچے کو ان امور کے بارے میں سمجھا دیا جائے اور وہ امور اس کے ذہن نشین کر دیے جائیں تاکہ جب وہ جوانی کی عمر میں داخل ہو اور عنفوانِ شباب میں قدم رکھے اور زندگی کے راز ہائے بستہ سے واقف ہو تو اسے حلال وحرام کا علم ہو، اور اسلام کے ممتاز ترین طور طریقے اور کردار اس کی عادت وطبیعت بن جائے اور وہ شہوت رانی کے پیچھے پیچھے نہ دوڑتا پھرے، اور وہ آزادی کے راستے میں بھٹک نہ جائے۔

میرے خیال میں یہ جنسی تربیت جس کا مربیوں کو اہتمام کرنا چاہیے اور جس کی طرف بھرپور توجہ دینا چاہیے یہ مندرجہ ذیل مراحل پر مشتمل ہے:

- ساتؔ سال سے دسؔ سال تک کی عمر جسے ہوشیاری وسمجھداری کا زمانہ کہا جاتا ہے اس میں بچے کو کسی کے گھر وغیرہ جانے کی صورت میں اجازت طلب کرنے اور ادھر اُدھر دیکھنے کے آداب سکھلا دینا چاہیئے۔
- اور دسؔ سے چودہؔ سال کی عمر جسے قریب البلوغ کی عمر کہا جاتا ہے اس میں بچے کو ان تمام چیزوں سے دور رکھنا چاہیئے جو جنسی جذبات کو بھڑکانے والی ہوں۔
- اور چودہؔ سے سولہؔ سال کی عمر جسے بلوغ کا زمانہ کہا جاتا ہے اس میں اگر اس کی شادی تیار ہو تو اسے جنسی روابط وجنسی اتصال کے آداب سکھا دینا چاہیئے۔
- بالغ ہونے کے بعد شباب وجوانی کا جو زمانہ کہلاتا ہے اس میں اگر بچے کی فوری شادی نہ کر سکیں تو اسے پاکدامنی کے آداب ومحاسن بتلانا چاہیئے۔
- اور آخری بات یہ کہ بچہ جب سنِ شعور کو پہنچ جائے تو کیا کھل کر صراحۃً اس سے جنسی باتیں کر لینا چاہیئے؛ اب ہیں

مربی حضرات کے سامنے ان مباحث کو ترتیب سے تفصیل سے بیان کروں گا تاکہ انہیں معلوم ہو کہ اپنے بچوں کو ان کا حکم کس طرح دیں، اور اس طرف کس انداز سے بچوں کی رہنمائی کرنا چاہیے؛ اور تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اس عظیم دینِ اسلام نے تربیت کے کسی گوشہ کو نہیں چھوڑا بلکہ ہر گوشے کی جانب تربیت کرنے والوں کی رہنمائی کی ہے، اور اس کو ان کے لیے واضح کیا ہے، تاکہ وہ تربیت و رہنمائی کے سلسلہ میں اللہ کی طرف سے مفوضہ ذمہ داری مکمل طور سے انجام دے سکیں۔

لیجیے ذیل میں ان مباحث کو ترتیب سے مرحلہ وار ذکر کیا جا رہا ہے اللہ تعالیٰ صحیح لکھنے کی توفیق دے:

① اجازت طلب کرنے کے آداب

محترم مربی حضرات! میں اس فصل میں آپ کے سامنے اجازت طلب کرنے کے آداب نہیں بیان کروں گا اس لیے کہ میں انہیں گذشتہ فصل میں مفصل بیان کر چکا ہوں۔

بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ ——— بچوں کو ان اوقات میں گھر والوں کے پاس جاتے وقت اجازت طلب کرنے کے اصول بتلا دیں جن اوقات میں مرد و عورت ایسی حالت میں ہوتے ہیں جس میں وہ کسی چھوٹے بچے کو بھی سامنے آنے دینا نہیں چاہتے، اور وہ یہ پسند نہیں کرتے کہ بچے ان پر مطلع ہوں۔

خاندان و گھرانوں سے متعلق ان آداب کو قرآنِ کریم نے نہایت وضاحت سے درجِ ذیل آیات میں بیان فرمایا ہے:

((يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ۚ مِّن قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُم مِّنَ الظَّهِيرَةِ وَمِن بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ۚ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَّكُمْ ۚ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ ۚ طَوَّافُونَ عَلَيْكُم بَعْضُكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ)).

النور۔ ۵۸، ۵۹

اے ایمان والو تمہارے مملوکوں کو اور تم میں جو (لڑکے) حدِ بلوغ کو نہیں پہنچے ہیں ان کو تم سے تین وقتوں میں اجازت لینا چاہیے۔ (ایک) نمازِ صبح سے پہلے (دوسرے) جب دوپہر کو اپنے کپڑے اتار دیا کرتے ہو، اور (تیسرے) بعد نمازِ عشاء، (یہ) تین وقت تمہارے پردے کے ہیں۔ ان (اوقات) کے سوا نہ تم پر کوئی الزام ہے اور نہ ان پر، وہ بکثرت تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں کوئی کسی کے پاس۔ اسی طرح اللہ تم سے کھول کر احکام بیان کرتا ہے اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے۔ اور جب تم میں کے لڑکے بلوغ کو پہنچ جائیں تو انہیں بھی اجازت لینا چاہیے جیسا کہ ان کے اگلے لوگ اجازت لے چکے ہیں۔

اس قرآنی نص کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مربیوں کو نابالغ چھوٹے بچوں کو گھر والوں کے پاس جانے کے وقت اجازت طلب کرنے کے سلسلہ میں گھریلو تربیت کے اصول سے مطلع فرما رہے ہیں۔

یہ اجازت طلب کرنا تین حالات میں ہوگا:

۱۔ نمازِ فجر سے قبل اس لیے کہ لوگ اس وقت عام طور سے بستروں میں سوئے ہوئے ہوتے ہیں۔

۲۔ دوپہر کے وقت اس لیے کہ بعض مرتبہ اس وقت بھی انسان اپنے گھر والوں کے ساتھ مختصر سے لباس میں ہوتا ہے۔

۳۔ عشاء کی نماز کے بعد اس لیے کہ یہ وقت آرام و سونے کا ہوتا ہے۔

بچے کو ان اوقات میں گھر میں جاتے وقت اجازت طلب کرنے کے جو آداب سکھائے جا رہے ہیں، ظاہر ہے کہ اس کی مصلحت یہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بچہ اچانک بلا اطلاع ماں باپ کو ایسی حالت میں نہ دیکھ لے جس میں وہ بچے کے سامنے جانا پسند نہیں کرتے۔

لیکن جب بچہ بلوغ کی عمر کو پہنچ جائے اور بڑا ہو جائے تو ایسی صورت میں تربیت کرنے والوں کو چاہیے کہ اسے ان تین اوقات اور ان کے علاوہ دوسرے اوقات میں بھی داخل ہوتے وقت اجازت طلب کرنے کے آداب سکھائے جائیں، اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ)).	اور جب تم میں کے لڑکے بلوغ کو پہنچ جائیں تو انہیں بھی اجازت لینا چاہیئے، جیسا کہ ان کے اگلے لوگ اجازت لے چکے ہیں۔
النور - ۵۹	

جس شخص کو تربیت کے اصول و قواعد کی ذرا بھی سوجھ بوجھ ہوگی وہ یقینی طور سے یہ بات جان لے گا کہ قرآن کریم کی یہ ہدایات و توجیہات نہایت وضاحت سے اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ اسلام نے بچے کے سمجھ و عقل کی عمر کو پہنچتے ہی اس بات کا نہایت اہتمام شروع کر دیا کہ بچے کی تربیت ایسی ہو کہ وہ حیاء و شرم کا پتلا اور بہترین معاشرتی کردار اور شاندار اسلامی آداب کا مالک ہو تاکہ جب وہ جوانی کی عمر کو پہنچے تو اپنے عمدہ اخلاق اور قابلِ تعریف کارناموں کی ایک زندہ مثال ہو۔

یہ کتنی رسوا کن اور شرمندگی کی بات ہوگی کہ بچہ جب اچانک شب خوابی کے کمرے میں داخل ہو تو ماں باپ کو جنسی فعل میں مشغول دیکھ لے۔ اور پھر وہاں سے باہر آکر اپنے چھوٹے ہم عمر ساتھیوں کے سامنے اس منظر کو بیان کرے؟ اور پھر دوبارہ جب یہ نقشہ و تصویر اس کے ذہن میں آئے گی اور وہ سارا نقشہ اس کے خیال میں گردش کرے گا تو وہ کس قدر مبہوت و حیرت زدہ ہو جائے گا؟

اور پھر اگر اس میں صنفِ نازک کی طرف میلان کا احساس پیدا ہو جائے اور وہ اس سے قبل صنفِ نازک سے

اتصال وملاپ اور اس سے خواہش ولذت پوری کرنے کے طریقے کو دیکھ چکا ہو تو اس میں انحراف کس قدر جلد ترقی پاجائے گا؟

اس لیے اگر تربیت کرنے والے اپنے بچوں میں عمدہ اخلاق، اور ان کی شخصیت کو اسلامی ممتاز شخصیت، اور معاشرہ کا بہترین فرد بنانا چاہتے ہیں تو انہیں چاہیئے کہ وہ قرآنی ہدایت کے بموجب بچوں کو عقل وشعور کی منزل میں قدم رکھتے ہی یہ بتلادیں کہ انہیں گھر میں داخل ہوتے وقت اجازت طلب کرنا چاہیئے۔

② دیکھنے کے آداب

جن اہم امور پر مربی کو اپنی توجہ مرکوز رکھنا چاہیے اور اس کا بہت اہتمام کرنا چاہیے ان میں سے یہ بھی ہے کہ بچے میں جب شعور پیدا ہو جائے تو اسے دیکھنے کے آداب سکھانا چاہیے، اور اسے ان کا عادی بنانا چاہیے، تاکہ بچے کو یہ خوب اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ اسے کہاں نظر ڈالنا جائز ہے اور کہاں اور کدھر دیکھنا حرام ہے، اسی میں اس کے مستقبل و دیگر معاملات کی بھلائی مضمر ہے اور اس صورت میں بلوغ کی عمر اور سمجھداری کی حدود کو پہنچنے پر اس کے اخلاق درست رہ سکتے ہیں۔

دیکھنے کے جو آداب بچے کو سکھانا چاہیے اور جن کا اسے عادی بنانا لازمی ہے وہ ترتیب وار درجِ ذیل ہیں:

الف۔ محارم کی طرف دیکھنے کے آداب:

جس عورت سے نکاح کرنا انسان پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو اسے مرد کے محارم کہا جاتا ہے۔

اور ہر وہ مرد جس سے عورت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکاح کرنا ناجائز ہو اسے عورت کے محارم کہا جاتا ہے تو اس لحاظ سے محارم میں یہ لوگ داخل ہیں:

- نسب کی وجہ سے حرام ہونے والی عورتیں: اور وہ سات ہیں جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے درجِ ذیل فرمانِ مبارک میں ذکر کیا ہے:

((حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَ أَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْأَخِ وَبَنٰتُ الْأُخْتِ))۔ النساء۔۲۳	حرام ہوئی ہیں تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بیٹیاں بھائی کی اور بہن کی۔

- وہ عورتیں جو رشتۂ زواج کی وجہ سے حرام ہوتی ہیں: اور وہ چار عورتیں ہیں:

۱۔ والد کی بیوی، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ)) النساء۔۲۲	اور نکاح میں نہ لاؤ ان عورتوں کو جن کو تمہارے باپ نکاح میں لائے۔

۲۔ بیٹے کی بیوی، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ)). النساء۔ ۲۳

اور عورتیں تمہارے ان بیٹوں کی جو تمہاری پشت سے ہیں۔

۳۔ بیوی کی والدہ، اس لیے کہ ارشادِ ربانی ہے:

((وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ)). النساء۔ ۲۳

اور تمہاری عورتوں کی مائیں۔

۴۔ بیوی کی بیٹی، اس لیے کہ ارشادِ باری ہے:

((وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ)). النساء۔ ۲۳

اور ان کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں جن کو کہ تمہاری ان عورتوں نے جنا ہے جن سے تم نے صحبت کی، اور اگر تم نے ان سے صحبت نہیں کی تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔

● دودھ کی[1] وجہ سے حرام ہونے والی عورتیں: ارشادِ ربانی ہے:

((وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ)).

اور جن ماؤں نے تمہیں دودھ پلایا ہے اور دودھ کی بہنیں۔

اور امام مسلم اور اصحابِ سنن نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشادِ عالی نقل کرتے ہیں:

((یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب)).

رضاعت سے بھی وہ عورتیں حرام ہو جاتی ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہوتی ہیں۔

لہٰذا نسب کی وجہ سے جو عورتیں حرام ہیں جیسے ماں بیٹی بہن چچی خالہ بھتیجی بھانجی اس طرح یہ رشتے رضاعت اور دودھ کی وجہ سے بھی حرام ہو جاتے ہیں جیسے رضاعی ماں رضاعی بہن رضاعی بیٹی وغیرہ وغیرہ۔

مرد کے لیے اپنی محرم عورتوں کا سینہ سے اوپر اور گھٹنوں سے نیچے کا حصہ اس صورت میں دیکھنا جائز ہے جس میں خود وہ اور عورت دونوں شہوت اور نفسانی خواہش سے مامون ہوں۔ لیکن اگر سفلی جذبات کے بھڑکنے کا خدشہ ہو تو احتیاطاً اس کو دیکھنا بھی حرام ہے۔

اس لیے مرد کو اپنی محرم عورتوں کے ظاہری و باطنی مواضعِ زینت کی طرف دیکھنا درست ہے مثلاً سر، سر کے بال، گردن اوپری سینہ، کان، بازو، گھٹنے سے نیچے پنڈلی سے قدم تک اور چہرہ۔

اس کے علاوہ جسم کا اور حصہ مثلاً پیٹ، پیٹھ اور ران تو ان مواضع کی طرف دیکھنا ہرگز بھی جائز نہیں ہے۔ اور اس مسئلہ کی اصل ارشادِ ربانی ہے:

---

[1] دودھ جس کی وجہ سے حرمت ثابت ہوتی ہے وہ حنفیہ کے یہاں ایک مرتبہ منہ مار کر پینا بھی حرام کرنے والا ہے، اور فقہاءِ شوافع کے یہاں پانچ مختلف اوقات میں دودھ پینا ہے۔ لیکن احتیاط اسی میں ہے جو حنفیہ نے اختیار کیا ہے۔

((وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ))۔ النور - ۳۱

اور اپنی زینت ظاہر نہ ہونے دیں مگر ہاں اپنے شوہر اور اپنے باپ پر اور اپنے شوہر کے باپ پر، اور اپنے بیٹوں پر اور اپنے شوہر کے بیٹوں پر اور اپنے بھائیوں پر اور اپنے بھائیوں کے لڑکوں پر یا اپنی بہنوں کے لڑکوں پر۔

محرم مرد خصوصاً جب کہ بلوغ کی عمر کو پہنچ گیا ہو تو اس کے لیے یہ قطعاً حرام ہے کہ وہ اپنی محارم میں سے کسی عورت کو ایسی حالت میں دیکھے جب اس نے مختصر سا لباس پہنا ہوا ہو جو گھٹنوں سے اوپر ہو اور رانیں کھلی ہوئی ہوں یا اس نے ایسا باریک کپڑا پہنا ہو جس سے جسم کا اندرونی حصہ نظر آتا ہو اور جسم کا ایسا حصہ ظاہر ہو رہا ہو جس کی طرف دیکھنا حرام ہے۔ اسی طرح بیٹی اور دوسری عورت پر بھی یہ حرام ہے کہ وہ اپنے کسی محرم کا گھٹنوں اور ناف کے درمیان کا حصہ دیکھے خواہ وہ اس کا بیٹا ہو یا اس کا بھائی ہو یا باپ ہو، چاہے اسے فتنہ کا ڈر نہ بھی ہو اور خواہشِ نفس اور جذبات پر کنٹرول بھی ہو۔ چاہے حمام میں غسل کرانے اور مالش کرنے کے لیے کیوں نہ ہو:

((تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ))۔ البقرہ - ۲۲۹

یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں۔ سو ان کے آگے نہ بڑھو اور جو کوئی بڑھ جائے اللہ کی مقرر کی ہوئی حدوں سے سو وہی لوگ ظالم ہیں۔

ب ۔ جس سے شادی کرنے کا ارادہ ہو اس کی طرف دیکھنے کے آداب: ۱

شریعتِ اسلامیہ نے شادی کرنے والے کو اپنی منگیتر کی طرف دیکھنے کی اجازت دی ہے، اسی طرح لڑکی کو بھی اس بات کی اجازت ہے کہ وہ اپنے ہونے والے شوہر کو دیکھ لے تاکہ دونوں شریکِ حیات ایک دوسرے کو خوشدلی سے پسند کر سکیں۔
اور اس کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمانِ مبارک ہے جو آپ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا جسے امام مسلم نے روایت کیا ہے فرمایا:

((انظر إليها فإنه أحرى أن يؤدم بينكما))۔

اس کو دیکھ لو اس لیے کہ اس کی وجہ سے تمہارے رشتۂ ازدواج کو دوام ملے گا۔

یعنی دیکھ لینا محبت والفت کو دائم کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔

اور امام مسلم و نسائی روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو بتلایا کہ انہوں نے ایک انصاری عورت سے شادی کر لی ہے، تو آپ نے ان سے پوچھا: کیا تم نے اسے دیکھا تھا؟ انہوں نے عرض کیا: جی نہیں، تو آپ نے ارشاد فرمایا:

((انظر إلیها فإن فی أعین الأنصار شیئاً)). — اس کو دیکھ لو اس لیے کہ انصار کی عورتوں کی آنکھوں میں کچھ ہوتا ہے۔

یعنی آنکھیں ذرا چھوٹی ہوتی ہے۔ لیکن اس نظر ڈالنے اور دیکھنے کے بھی کچھ آداب ہیں۔ دیکھنے والے کے لیے ان کی رعایت کرنا بہت ضروری ہے۔ اور وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ اگر لڑکے کا لڑکی سے نکاح کرنے کا پکا ارادہ ہو تو لڑکی کے صرف چہرے اور ہاتھوں کو دیکھ سکتا ہے۔

۲۔ اگر ضرورت پڑے تو اس کی صورت اپنے ذہن میں رکھنے کے لیے کئی بار نظر ڈالنا بھی جائز ہے۔

۳۔ لڑکی اور لڑکا دیکھنے اور شادی طے ہونے والی مجلس میں ایک دوسرے سے بات بھی کر سکتے ہیں۔

۴۔ منگیتر سے مصافحہ کرنے کی کسی صورت میں اجازت نہیں ہے، اس لیے کہ شادی سے قبل وہ لڑکی اجنبیہ ہوتی ہے اور اجنبیہ سے مصافحہ کرنا حرام ہے، اس لیے کہ امام بخاری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لیتے وقت بھی کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہ چھوا ہاں آپ عورتوں سے زبانی بیعت لیا کرتے تھے۔

۵۔ جس لڑکی سے نکاح کا ارادہ ہو اس کے کسی عزیز کی موجودگی کے بغیر تنہائی میں دونوں کا اکٹھا ہونا جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ اسلام اجنبیہ کے ساتھ خلوت کو حرام قرار دیتا ہے، چنانچہ امام بخاری ومسلم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ذیل نقل کرتے ہیں:

((ألا لا یخلون رجل بامرأة، ولا تسافرن امرأة إلا ومعها ذو محرم)). — سن لو کسی مرد کو کسی (اجنبی) عورت کے ساتھ تنہائی میں یکجا نہیں ہونا چاہیے۔ اور نہ کسی عورت کو بغیر محرم کے سفر کرنا چاہیے۔

اس کے ساتھ ساتھ اس جانب بھی اشارہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آزاد خاندانوں میں آج کل یہ جو رواج عام ہو گیا ہے کہ لڑکا اپنی منگیتر کے ساتھ بغیر کسی قید و حدود کے بلا حجاب ملتا رہتا ہے، جس کا جواز یہ بیان کیا جاتا ہے تاکہ دونوں ایک دوسرے کے عادات واخلاق سے واقف ہو جائیں، تو یہ طریقہ اسلام کے بالکل خلاف ہے۔ اسلام اس کے خلاف جنگ کرتا ہے اس لیے کہ یہ اخلاق وانسانی شرافت کے ادنیٰ سے ادنیٰ اصول وضوابط کے بھی خلاف ہے۔ اس لیے کہ اس میل جول کی وجہ سے لڑکے کی بنسبت لڑکی کا نام زیادہ بدنام ہوتا ہے، اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ شادی نہ ہو سکے اور اس لڑکی پر تہمت واتہام لگ جائے، اور لوگ اس پر شبہ کرنے لگیں۔ اور اس کی وجہ سے لوگ اس لڑکی سے شادی کرنے سے ہی گریز کرنے لگیں، جس کا سبب یہ ہو گا کہ لڑکی بڑی عمر تک کساد بازاری کا شکار ہو کر بغیر شادی کے ہی بیٹھی رہ جائے گی۔

اس غلط رواج کا ایک پہلو اور بھی ہے اور وہ یہ کہ اس گندی وناجائز ملاقات کا حقیقی مقصد بھی حاصل نہ ہو سکے گا۔ اس لیے کہ ایسی ملاقاتوں میں دونوں فریقین میں سے ہر ایک نہایت تکلف کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اور ہم نے کتنے ہی ایسے مردوں اور عورتوں

کے واقعات سنے ہیں جو منگیتری کے کئی سالوں تک ایک دوسرے سے وابستہ رہے لیکن شادی کے بعد بہت ہی مختصر سے وقفہ میں ان میں آپس میں اختلافات پیدا ہو جاتی ہیں اور طلاق واقع ہو جاتی ہے. تو بتلائیے کہ شادی سے قبل ایک دوسرے سے میل ملاقات سے بھی اخلاق کا کیا پتہ چلا؛ اس لیے عقلمندوں کو اس سے عبرت ونصیحت حاصل کر لینا چاہیے۔

ج - بیوی کی طرف دیکھنے کے آداب:

مرد اپنی بیوی کے جسم کے ہر حصہ کو شہوت کی نظر سے بھی دیکھ سکتا ہے اور بغیر شہوت کے بھی، اس لیے کہ جب بوس وکنار اور ہمبستری جائز ہے تو اس سے کم درجہ کی چیز یعنی بیوی کے جسم کے کسی بھی حصہ پر نظر ڈالنا بدرجہ اولیٰ جائز ہونا چاہیے۔ اگرچہ افضل یہ ہے کہ میاں بیوی میں سے ہر ایک دوسرے کی شرمگاہ کو نہ دیکھے اس لیے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آتا ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے اس حالت میں تشریف لے گئے نہ انہوں نے میری (اس چیز کی) طرف دیکھا اور نہ میں نے آپ کی (اس چیز کی) طرف دیکھا[1] بہر حال دونوں کے لیے ایک دوسرے کے جسم کے ہر حصہ پر نظر ڈالنا جائز ہے، اس کی دلیل وہ روایت ہے جسے ابوداؤد ترمذی اور نسائی نے حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول: جسم کے کون سے ایسے مستور حصے ہیں جنہیں ہم دیکھ سکتے ہیں اور کون سے ایسے ہیں جنہیں ہم نہیں دیکھ سکتے تو آپ نے ارشاد فرمایا:

((احفظ عورتك إلا من زوجتك أو ما ملكت يمينك))	تم اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو سوائے اپنی بیوی اور باندی کے۔

اور اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝)) المؤمنون - ۵ و ۶	اور جو اپنی شرمگاہوں کی نگہداشت رکھنے والے ہیں، ہاں اپنی بیویوں اور باندیوں سے نہیں کہ (اس صورت میں) ان پر کوئی الزام نہیں۔

د - اجنبی عورت کی طرف دیکھنے کے آداب:

بالغ آدمی کے لیے اجنبی عورت کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے چاہے وہ جذبات کو ابھارنے والی نہ بھی ہو، لیکن یہ سمجھنا چاہیے کہ اجنبی عورت سے کیا مراد ہے اور اجنبی مرد کون ہوتا ہے؟

اجنبی مرد: وہ ہے کہ جس سے عورت کے لیے نکاح کرنا جائز ہو جیسے کہ چچازاد بھائی، پھوپھی زاد بھائی،

[1] ملاحظہ ہو فتح القدیر ج۔ ۸ کتاب الحظر کی فصل النظر۔

ماموں زاد بھائی، خالہ زاد بھائی اور بہن کا شوہر اور خالہ کا شوہر۔

اجنبی عورت: یہ وہ عورت ہے جس سے مرد کو نکاح کرنا درست ہو جیسے چچا زاد بہن، پھوپھی زاد بہن، ماموں زاد بہن اور خالہ زاد بہن اور بھابھی اور چچی اور ممانی اور سالی اور بیوی کی چچی اور پھوپھی۔

جو حکم مرد کا ہے وہی اس بچے کا ہے جو مراہق و قریب البلوغ ہو، اور بدصورت و خوبصورت عورت میں فرق کرسکتا ہو اس لیے ایسے لڑکے کو بھی اجنبی عورت کی طرف دیکھنا ناجائز ہے۔

اجنبی عورتوں کی طرف دیکھنے کے حرام ہونے کی اصل دلیل اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمانِ ذیل ہے:

((قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ)).
النور ۔ ۳۰ و ۳۱

آپ ایمان والوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے حق میں زیادہ صفائی کی بات ہے، بے شک اللہ کو سب کچھ خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں۔ اور آپ کہہ دیجیے ایمان والیوں سے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت رکھیں۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ذیل ہیں:

طبرانی و حاکم صحیح سند سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ جل شانہٗ سے روایت کرتے ہیں کہ:

((النظرة سهم من سهام إبليس، من تركها من مخافتي أبدلته إيمانا يجد حلاوته في قلبه)).

نگاہِ بد شیطان کے زہریلے تیروں میں سے ایک تیر ہے، جو میرے ڈر سے اسے چھوڑ دے گا تو میں اس کے بدلہ اس کے دل میں ایسا ایمان پیدا کردوں گا جس کی شیرینی وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا۔

اور امام احمد و طبرانی حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((ما من مسلم ينظر إلى محاسن امرأة ثم يغض بصره إلا أحدث الله له عبادة يجد حلاوتها في قلبه)).

کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ جس کی نظر کسی عورت کے حسن و جمال پر پڑے اور پھر وہ اپنی نگاہ اس سے جھکا لے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے ایسی عبادت کی توفیق دیتے ہیں جس کی حلاوت اسے اپنے دل میں محسوس ہوتی ہے۔

٭ ٭ ٭ ٭

اور امام احمد و ابن حبان اپنی صحیح میں اور حاکم حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اضمنوا لی ستاً من أنفسكم أضمن لكم الجنة: اصدقوا إذا حدثتم، وأوفوا إذا وعدتم، وأدوا إذا ائتمنتم، واحفظوا فروجكم، وغضوا أبصاركم، وكفوا أيديكم)).

تم اپنے بدن کی چھ چیزوں کی مجھے ضمانت دے دو میں تمہارے لیے جنت کا ضامن بن جاؤں گا: جب بات کرو تو سچ بولو، اور جب وعدہ کرو تو اسے پورا کرو، اور جب تمہارے پاس امانت رکھائی جائے تو اسے ادا کرو، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو، اور اپنی نگاہوں کو نیچا رکھو، اور اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

اور امام بخاری و مسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((كتب على ابن آدم نصيبه من الزنا فهو مدرك لا محالة، العينان زناهما النظر، والأذنان زناهما الاستماع، واللسان زناه الكلام، واليد زناها البطش، والرجل زناها الخطى، والقلب يهوى ويتمنى، ويصدق ذلك الفرج أو يكذبه)).

ہر انسان پر اس کا زنا کا حصہ لکھ دیا گیا ہے جو اس کو ضرور بہ پہنچ کر رہے گا۔ آنکھوں کا زنا (اجنبی عورتوں کا) دیکھنا ہے، اور کانوں کا زنا سننا ہے، اور زبان کا زنا بات کرنا ہے، اور ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے، اور پاؤں کا زنا چلنا ہے، اور دل خواہش و تمنا کرتا ہے، اور شرمگاہ یا اس کی تصدیق کرتی ہے یا اس کی تکذیب کر دیتی ہے۔

٭ ٭ ٭

اور امام مسلم و ترمذی حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک نظر پڑ جانے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ اپنی نگاہ کو (فوراً) ہٹا لو۔

اور ابو داؤد و ترمذی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھی اور آپ کے پاس حضرت میمونہ بھی بیٹھی ہوئی تھیں کہ سامنے سے ابن ام مکتوم آنے لگے، یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب ہمیں پردہ کرنے کا حکم دے دیا گیا تھا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم دونوں ان سے پردہ کرلو، تو ہم دونوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول کیا یہ نابینا نہیں ہیں؟ یہ تو ہمیں نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی پہچان سکتے ہیں! اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم دونوں بھی نابینا ہو؟ کیا تم دونوں ان کو نہیں دیکھ سکتی ہو؟!

یہ تمام نصوص نہایت صراحت سے یہ وضاحت کر رہی ہیں کہ کسی انسان کا اجنبی عورت کو دیکھنا حرام ہے، اور اسی طرح عورت کو اجنبی مرد کی طرف دیکھنا بھی حرام ہے، بشرطیکہ وہ دونوں ایک مجلس میں ہوں اور دیکھنے سے فتنہ میں پڑنے کا ڈر ہو۔

(ظلال القرآن کے مؤلف کے قول کے مطابق نگاہ پست رکھنے سے اسلام جو مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک ایسا پاک صاف معاشرہ پیدا کیا جائے جس میں ہر لمحہ و ہر وقت شہوات و جذبات نفسانیہ اور حیوانی خواہشات کو ابھارا نہ جاتا ہو۔ ہر طرف سے سفلی جذبات بھڑکانے والے مستقل مناظر و اشیاء لازمی طور سے انسان کو شہوت و خواہشات نفسانیہ کی ایک ایسی آگ میں جھونک دیتے ہیں، جو نہ ماند پڑتی ہے اور نہ سیراب کرتی ہے، نامحرموں کو دیکھنا اور جذبات برانگیختہ کرنے والی حرکات اور عریاں زیب وزینت اور ننگے جسم ان کا سوائے اس کے اور کوئی کام نہیں ہوتا کہ وہ اس حیوانی دیوانی شہوت و جذبات کی آگ کو بھڑکا دیں۔ اسلام نے پاک صاف معاشرہ قائم کرنے کے لیے جن وسائل کو اختیار کیا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جذبات کے برانگیختہ کرنے والے امور سے روکا اور اس نے دونوں جنسوں کے درمیان جو گہرا فطری دافع ہے اسے برقرار و محفوظ رکھا اور قوت طبیعی کے ذریعہ فرضی اور مصنوعی جذبات برانگیختہ کرنے والی چیزوں سے پاک رکھا۔

ایک زمانے میں یہ مشہور ہو گیا تھا کہ پاک و صاف نظر بازی اور صاف ستھری گفتگو اور ہلکا پھلکا تھوڑا میل جول و اختلاط۔ اور دونوں جنسوں کے درمیان دل لگی مذاق اور چھپے ہوئے فتنہ کے مقامات پر مطلع ہونا۔۔۔ ان سب کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ یہ محبوس و مقید رغبتوں کے لیے راحت و سکون پہنچانے اور نفسیاتی پیچیدگیوں کو دور کرنے اور غصے کے روکنے کا ذریعہ ہے اور جنسی دباؤ کی تیزی میں کمی آجاتی ہے اور جنسی ہیجان اسکی وجہ سے جو نامناسب اثرات پڑتے ہیں ان میں کمی ہو جاتی ہے۔۔۔ لیکن ان نظریات و افکار کا دامن تھامنے والے اس بات کو بھول گئے کہ مرد و عورت کے درمیان جو ایک فطری لگاؤ اور میلان ہے وہ دنیاوی زندگی میں ایک نہایت گہرا تعلق و میلان ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس تعلق و ارتباط کے ساتھ زندگی کے روئے زمین پر امتداد و پھیلاؤ کو مربوط کر رکھا ہے، اور اس دنیا میں انسان کو اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ اس لیے مرد و زن کا ایک دوسرے کی طرف یہ میلان ایک مستمر و دائمی میلان ہے۔ جو ایک وقت تک کے لیے ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ لیکن پھر دوبارہ ابھر جاتا ہے۔ اور اس کے بھڑکنے اور ابھرنے میں ہمیشہ پہلے سے زیادہ تیزی ہوتی ہے جو اسے راحت کے حصول کے لیے مادی اتصال کی جانب راغب کرتی ہے۔ لیکن اگر یہ مقصد حاصل نہ ہو تو جوش میں آئے ہوئے اعصاب درماندہ ہو جاتے ہیں اور اس کی مثال ایک مستقل و دائمی عذاب کی سی بن جاتی ہے۔

چنانچہ دیکھنا اور بدنظری بھی جذبات کو برانگیختہ کرتی ہے۔ اور حرکات و سکنات بھی، اور ہنسی مذاق و دل لگی بھی۔ اور اس طبعی میلان کے آثار چڑھاؤ بھی جذبات کو ابھارتے ہیں۔۔۔ اور امن کا راستہ یہ ہے کہ ان جذبات کے بھڑکانے والے امور کو کم سے کم اور محدود سے محدود تر کیا جائے، تاکہ یہ فطری میلان اپنی طبعی حدود کے دائرے میں رہے۔ اور پھر جائز و حلال نکاح کے راستے سے طبعی طریقے سے اس داعیہ کی آواز پر لبیک کہا جائے، یہ ہی وہ طریقہ ہے جسے اسلام نے منتخب کیا ہے۔ اور جنس بشر کے نفسانی سکون اور فکری استقرار اور عصبیاتی راحت اور اس محفوظ و سلیم رابطے کے لیے پسند کیا ہے

جو تمام اولادِ آدم کو ایک دوسرے سے مربوط رکھتا ہے)۔
بدنظری اور ادھر ادھر نگاہ دوڑاتے پھرنے سے جذبات میں جو ابھار پیدا ہوتا ہے اس سلسلہ میں کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

کل الحوادث مبداها من النظر	ومعظم النار من مستصغر الشرر
تمام حوادث کی ابتدا نظر ہی سے ہوتی ہے	اور عام طور سے آگ چھوٹی سی چنگاری سے لگتی ہے
کم نظرة فعلت فی قلب صاحبها	فعل السهام بلا قوس ولا وتر
کتنی ہی مرتبہ بدنظری دیکھنے والے کے دل پر	بغیر تیر و کمان کے تیر کا سا اثر کرتی ہے
والمرء ما دام ذا عين يقلبها	فی أعين الغيد موقوف على خطر
اور انسان جب تک اپنی نگاہ کو حسینا ؤں	کی آنکھیں وغیرہ دیکھنے میں معروف رکھے گا خطرہ میں رہے گا
يسر مقلته ما ضر مهجته	لا مرحبًا بسرور عاد بالضرر
اسکی نگاہ کو وہ چیز مسرور بخشتی ہے جو اسکی جان کو نقصان پہنچاتی ہے	ایسی خوشی نامبارک ہو جو نقصان کا ذریعہ بنے

اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے درجِ ذیل ارشادِ مبارک بالکل سچ فرمایا:

«ثلاثة لا ترى أعينهم النار: عين حرست فی سبيل الله، وعين بكت من خشية الله، وعين كفت عن محارم الله». طبرانی	تین قسم کے آدمی ایسے ہیں کہ ان کی آنکھیں دوزخ کی آگ کو نہ دیکھیں گی: ایک وہ آنکھ جو اللہ کے راستے میں چوکیداری کرتی ہو۔ اور ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی ہوں ایک وہ آنکھ جو نامحرموں اور ممنوع جگہوں سے رک گئی ہو۔

۷ ۔ مرد کے مرد کی طرف دیکھنے کے آداب:

مرد کے لیے مرد کی ناف سے گھٹنے تک کا حصہ دیکھنا جائز نہیں ہے۔ چاہے قریبی رشتہ دار ہو یا دور کا، خواہ مسلمان ہو یا کافر۔

جسم کے اس حصے کے علاوہ پیٹ پیٹھ سینہ تو اس کی طرف اس صورت میں دیکھنا جائز ہے جب دیکھنے والے کو اپنے جذبات کے بھڑکنے کا ڈر نہ ہو۔

اس دیکھنے کے سلسلہ میں اصل وہ روایت ہے جسے امام مسلم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: مرد کو مرد کی شرمگاہ کی طرف نہیں دیکھنا چاہیے اور عورت کو عورت کی شرمگاہ کی جانب۔

اور امام احمد و اصحابِ سنن روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو

سوائے اپنی بیوی اور باندیوں کے۔

اور امام حاکم روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو ران کھولے ہوئے دیکھا تو انہیں تنبیہ اور رہنمائی کرنے کے لیے فرمایا کہ اپنی ران کو ڈھک لو، اس لیے کہ ران شرمگاہ میں داخل ہے، اور ترمذی کی ایک روایت میں آتا ہے کہ: ران شرمگاہ ہے۔

لہٰذا ان نصوص سے یہ معلوم ہوا کہ:

کسی شخص کو اپنی ناف سے گھٹنے تک کا کوئی حصہ بھی کسی صورت میں کھولنا جائز نہیں ہے نہ ریاضت و ورزش میں، اور نہ تیرنے کے لیے، اور نہ کسی تدریب و مشق میں، نہ حمام و غسل گاہ میں خواہ شہوت و جذبات سے امن ہی کیوں نہ ہو، اور اگر بالفرض کوئی شخص کسی کو اس کے جسم کے کسی حصے کے کھولنے کا حکم دے تو اسے چاہیے کہ وہ ہرگز اس کی بات نہ مانے، اس لیے کہ حدیث نبوی میں آتا ہے کہ خدا کی معصیت و نافرمانی کے سلسلہ میں کسی کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔

مالکیہ کی طرف جو یہ بات منسوب ہے کہ ان کے یہاں مستور حصہ صرف اگلی اور پچھلی شرمگاہ کا حصہ ہے، اس کے علاوہ جسم کا دوسرا حصہ کھولنا جائز ہے، تو یہ دعویٰ قطعاً درست نہیں ہے بلکہ یہ ناسمجھی اور کم علمی ہے۔

شرمگاہ وجسم کے مستور حصوں کی مالکیہ کے یہاں دو قسمیں ہیں:

۱۔ نماز کے اعتبار سے مستور ہونا۔

۲۔ نظر ڈالنے اور دیکھنے کے اعتبار سے مستور و عورت ہونا۔

نماز کے اعتبار سے مستور حصے کی دو قسمیں ہیں،

عورتِ غلیظہ: جو اگلی اور پچھلی شرمگاہ کا نام ہے۔

عورتِ خفیفہ: جو ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ ہے۔

- لہٰذا اگر نماز میں عورتِ غلیظہ کھل جائے تو نماز کو ہر صورت میں لوٹایا جائے گا، خواہ اس کا وقت نکل چکا ہو یا نہ نکلا ہو۔
- اور اگر نماز میں عورتِ خفیفہ کھل جائے تو ایسی صورت میں جب تک نماز کا وقت باقی ہو اس وقت تک اس کا اعادہ کیا جائے گا لیکن اگر اس کا وقت نکل جائے تو پھر اس کے اعادہ کا حکم نہیں ہے۔

رہی دیکھنے کے لحاظ سے عورت: تو اس سلسلہ میں عورتِ غلیظہ اور خفیفہ دونوں کا کھولنا حرام ہے۔

- لہٰذا مرد کا مستور حصہ دوسرے مرد کے لیے ناف سے گھٹنے تک ہے۔
- اور عورت کا مستور حصہ دوسری عورت کے لیے اگر دونوں مسلمان ہوں تو ناف سے گھٹنے تک ہی ہے۔
- اور مسلمان عورت کا حکم کافر عورت کے ساتھ یہ ہے کہ مسلمان عورت کا سارا جسم کافر عورت کے لیے مستور ہے سوائے اس کے چہرے اور ہاتھوں کے، ایک قول تو یہ ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ مسلمان عورت کا تمام بدن کافر

عورت کے سامنے مستور رہنا چاہیے۔

◎ اور عورت کا اپنے محارم کے لیے مستور حصہ چہرے ——— ہاتھوں اور سر اور گردن اور پاؤں کے علاوہ تمام حصہ ہے۔ لہٰذا ان اعضاء کے علاوہ اور کسی حصے کی طرف نگاہ ڈالنا جائز نہیں ہے[1]

اس لیے فقہ مالکی کی اس عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ چاروں ائمہ فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ مرد کے لیے دوسرے مرد کا ناف سے گھٹنے تک کا حصہ مستور و شرمگاہ کے حکم میں ہے اس لیے دونوں کا ایک دوسرے کے اس حصّے کی جانب دیکھنا حرام ہے اور اس کے علاوہ جسم کو دیکھنا جائز ہے[2]

---

[1] یہ مالکی مذہب ہے جو مختصراً "دسوقی علی الشرح الکبیر" کے حاشیہ سے لیا گیا ہے۔

[2] بخاری و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے جنگ کی، حضرت انس فرماتے ہیں کہ ہم نے وہاں صبح کی نماز پڑھی، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر سوار ہوئے اور آپ کے پیچھے ابو طلحہ اور میں سوار تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں سواری کو دوڑایا تو میرے گھٹنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ران پر لگنے لگے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ران سے آپ کی چادر ہٹ گئی تو میں آپ کی ران کی سفیدی کو دیکھنے لگا...

امام نووی مسلم کی شرح میں لکھتے ہیں کہ حضرت انس کی حدیث اس پر محمول ہے کہ سواری دوڑانے اور حملہ کرنے کی وجہ سے بلا قصد و اختیار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ران اچانک کھل گئی تھی، لیکن اس روایت میں یہ کہیں نہیں ہے کہ آپ نے باوجود موقع ملنے کے پھر بھی اپنی ران کو نہ چھپایا، رہا حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی ران کو دیکھ رہا تھا تو یہ بھی اس پر محمول ہے کہ ان کی نگاہ اچانک ران پر پڑ گئی تھی قصداً انہوں نے ایسا نہ کیا تھا۔

علامہ ابن حزم ظاہری نے حضرت انس کی اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ مرد کی ران مستور حصے میں داخل نہیں ہے۔ لیکن فقہاء نے مختلف وجوہ سے انکی تردید کی ہے اور جوابات دیے ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ مختلف احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرد کی ران بھی عورت ہے، ان میں سب سے قوی وہ حدیث ہے جسے امام مالک و احمد و ابو داؤد و ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں معلقاً روایت کیا ہے کہ حضرت جرہد کہتے ہیں کہ میرے پاس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا، مجھ پر ایک چادر پڑی تھی اور میری ران کھلی ہوئی تھی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اپنی رانوں کو چھپا لو اس لیے کہ ران عورت ہے۔

۲۔ علماءِ اصول لکھتے ہیں کہ جب دو حدیثوں میں تعارض ہو جائے تو اگر ان میں تطبیق ممکن ہو تو تطبیق دے دی جائے گی اور امام نووی نے حضرت انس و حضرت جرہد کی حدیثوں کے درمیان تطبیق اس طرح دی ہے کہ حضرت انس کی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ران کے کھلنے کا جو ذکر ہے وہ بوقتِ خیبر پر حملہ کی وجہ سے بلا اختیار کھل گئی تھی جیسا کہ ابھی ذکر ہو چکا ہے۔

۳۔ اور اگر دو متعارض حدیثوں میں تطبیق کی کوئی صورت نہ نکلے تو پھر علماءِ اصول لکھتے ہیں کہ ——— اگر ایک روایت حرام قرار دینے والی ہو اور دوسری مباح قرار دینے والی ہو تو ایسی صورت میں حرام قرار دینے والی کو ترجیح ہوگی، اس لیے علماءِ اصول کے اس قاعدے کے مطابق علماء نے حرمت کی جانب کو ترجیح دی ہے کہ بلا ضرورت ران کھولنا حرام ہے۔

۴۔ بخاری و مسلم میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کو نبوت سے قبل بچپن ہی میں کشفِ عورت سے محفوظ رکھا تو بھلا پھر نبوت کے بعد بالقصد والاختیار آپ کو اس پر کیسے برقرار رکھ سکتے ہیں۔

۵۔ ائمہ مجتہدین کا اس پر اتفاق ہے کہ انسان کی ران عورت ہے اور اس کی طرف دیکھنا حرام ہے اور سوائے اہل ظواہر اور بعض ان کے ہم مذہب کے کسی نے اس مسائل میں شذوذ اختیار نہیں کیا ہے اور جیسا کہ آپ نے پڑھ لیا بڑے بڑے علماء نے ان کی تردید کی ہے اور ان کی رائے کو بودھا قرار دیا ہے۔

۶۔ بلا ضرورت رانوں کا کھولنا ذوقِ سلیم کے بھی خلاف ہے، بلکہ اسلام نے جو پاکیزہ حیاء کی تعلیم دی ہے اس سے بھی متصادم ہے۔ اور اسلامی اخلاق اور معاشرے کے آداب کے بھی منافی ہے۔

۹- عورت کے عورت کی جانب دیکھنے کے آداب :

عورت کو عورت کی ناف سے گھٹنے تک کے جسم کا دیکھنا جائز نہیں ہے خواہ وہ اس کی قریبی رشتہ دار ہو یا دُور کی اور چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر۔

اس کی دلیل وہی حدیث ہے جو پہلے ذکر کی جا چکی ہے کہ مرد مرد کے مستور جسم کی طرف نہ دیکھے اور عورت عورت کے مستور جسم کو نہ دیکھے، اور وہ حدیث جسے حاکم نے روایت کیا ہے کہ گھٹنے اور ناف کے درمیان کا حصّہ مستور حصّہ ہے اور وہ حدیث کہ ران عورت ہے۔

لہٰذا ان نصوص سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے لیے یہ حرام ہے کہ وہ اپنی بیٹی، بہن، ماں، پڑوسن یا سہیلی کی ران کو دیکھے خواہ حمام میں ہو یا کسی اور مقام پر۔

اس ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ بھڑکانے والے منظر اور جذبات ابھارنے والی چیز کو دیکھ کر عورت طبعی جذبات کے بھڑکنے اور فطری خواہش کے برانگیختہ ہونے سے محفوظ رہے، اس لیے کہ بعض مرتبہ ان مناظر کے دیکھنے سے جذبات کا ابھار و جوش عورت کو عورت سے خواہش پوری کرنے کی طرف راغب کر دیتا ہے، اور عورت عورت سے مل کر اپنی شہوت کو پوری کرتی ہے، اور اپنے جذبات کو ٹھنڈا کر لیتی ہے۔

صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ مرد مرد پر اکتفا کریں گے اور عورتیں عورتوں پر یعنی دونوں فریق اپنے ہم جنس سے اپنی خواہش پوری کریں گے۔

اس لیے غیرت مند مسلمان عورتوں کو دوسری عورتوں کے جسم کے مستور حصوں کو دیکھنے سے اجتناب کرنا چاہیے، چاہے یہ جھانک تانک غسل کے لیے کپڑے بدلنے کے دوران ہو یا حمام میں جسم کے ملنے کے دوران یا شادی کی ان ننگی مجالس میں جہاں نہایت بازاری طرز کی بے حجابی اور جسم کی ناپسندیدہ عریانی کے ایسے مناظر ہوتے ہیں جن سے پیشانی پسینہ آلود ہو جاتی ہے۔

باغیرت مردوں کو چاہیے کہ وہ اپنی بیویوں اور بیٹیوں کو عوامی حمام میں جانے سے روکیں، اس لیے کہ وہاں جسم کا کھولنا اور عریانی اور دوسرے بے شمار مفاسد و برائیاں ہوتی ہیں جیسا کہ ہم آج اپنے اوسط درجے کے معاشرے میں بچشم خود دیکھ رہے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے:

نسائی اور ترمذی اور حاکم نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلا　　　　جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہوا سے

يدخل حليلته الحمام))۔ — چاہیے کہ اپنی بیوی کو حمام میں نہ لے جائے۔

اور طبرانی روایت کرتے ہیں کہ حمص یا شام کی عورتیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو انہوں نے فرمایا: کیا تم وہیں کی عورتیں ہو جہاں کی عورتیں حمام میں جاتی ہیں؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے ارشاد فرمایا:

((ما من امرأة تضع ثيابها في غير بيت زوجها إلا هتكت الستر بينها وبين ربها)). — کوئی عورت ایسی نہیں کہ جو اپنے کپڑے شوہر کے گھر کے علاوہ کسی اور جگہ اتارے مگر یہ کہ اس نے اپنے اور اپنے رب کے درمیان کا پردہ چاک کر دیا۔

اور ابن ماجہ اور ابو داؤد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((ستفتح عليكم أرض العجم ، وستجدون فيها بيوتاً يقال لها: الحمامات فلا يدخلها الرجال إلا بإزار، وامنعوها النساء إلا مريضة أو نفساء)). — تمہارے لیے سرزمین عجم فتح کر دی جائے گی، اور تم وہاں ایسے مکان پاؤ گے جنہیں حمام کہا جاتا ہے۔ اس لیے وہاں مرد بغیر تہبند کے نہ جائیں اور عورتوں کو وہاں جانے سے روکو سوائے بیمار یا نفاس والی عورت کے۔

ز۔ کافر عورت کے مسلمان عورت کی طرف دیکھنے کے آداب:

مسلمان عورت کو کسی کافر عورت کے سامنے اپنے حسن وجمال کا اظہار یا جسم کا کوئی حصہ اس کے سامنے کھولنا جائز نہیں، ہاں کام کاج کے وقت جو حصہ کھل جاتا ہے جیسے ہاتھ پاؤں چہرہ یہ کھول سکتی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا سورۂ نور والا ارشاد عمومی ہے:

((وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ ... أَوْ نِسَآئِهِنَّ ...)). النور - ۳۱ — اور اپنی زینت ظاہر نہ ہونے دیں مگر ہاں شوہروں پر ... اور اپنی (ہم مذہب) عورتوں پر۔

تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ((أَوْ نِسَآئِهِنَّ)) یعنی اپنی عورتیں، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان عورت کے لیے اپنی زیب وزینت کا اظہار صالح اور مسلمان عورتوں کے سامنے تو جائز ہے لیکن اگر کسی مجلس میں غیر مسلم یا بدکردار مسلمان عورتیں موجود ہوں تو ایسے مواقع پر مسلمان عورت کو اپنی زینت یا جسم کا کھولنا درست نہیں ہے۔

اس حرمت کی حکمت وہی ہے جو دسوقی کے حاشیہ میں تحریر ہے کہ آزاد مسلمان عورت کو کافر آزاد عورت کے سامنے چہرہ وہاتھ کے علاوہ کوئی اور حصہ کھولنا نہیں چاہیے یہی صحیح قول ہے، اور اس کی حکمت یہ ہے کہ وہ کافر عورت اپنے کافر شوہر سے اس مسلمان عورت کا حسن وجمال نہ بیان کر سکے۔ اس لیے یہ حرمت اس کے عورت ہونے کی وجہ سے

نہیں بلکہ اس مذکورہ بالا مصلحت کی وجہ سے ہے۔

اسی طرح مسلمان عورت کے لیے یہ بھی حرام ہے کہ وہ اپنے جسم کے خوبصورتی وحُسن وجمال والے اعضاء کسی بدکردار مسلمان عورت کے سامنے کھولے تاکہ وہ اس کے حُسن وجمال کا تذکرہ مردوں سے نہ کرے "الہدیۃ العلائیۃ" میں لکھا ہے کہ کسی نیک وصالح عورت کے لیے یہ مناسب نہیں کہ اس کے جسم کو کوئی بدکردار عورت دیکھے تاکہ وہ اس کے جسم اور حُسن وجمال کا دوسرے مردوں سے تذکرہ نہ کرسکے لہٰذا نیک عورت کو ایسی عورتوں کے سامنے اپنا دوپٹہ اور اوڑھنی نہیں اتارنا چاہیے۔

جناب ابوالاعلیٰ مودودی صاحب اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ((أَوْ نِسَائِهِنَّ)) کا ایک عجیب منفرد مطلب ذکر کرتے ہیں جو انہوں نے اپنی کتاب میں سورۂ نور کی تفسیر کے ذیل میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان مبارک ((أَوْ نِسَائِهِنَّ)) سے وہ خاص عورتیں مراد ہیں جن کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا کام کاج وخدمت کا تعلق ہو یا تعارف ہو خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم۔ اور آیت کا مقصد یہ ہے کہ وہ ان اجنبی عورتوں کے دائرے میں نہ جائے جن کے اخلاق وعادات وطور طریقوں کا کچھ پتہ نہیں یا ایسی عورتیں جن کے ظاہری حالات مشتبہ ہوں اور ان پر اعتماد نہ کیا جاسکتا ہو، اس لیے اس معاملہ میں دینی اختلاف کا اعتبار نہیں ہے بلکہ یہاں اخلاقی اختلاف مراد ہے۔ اس لیے مسلمان عورتوں کو بلاحجاب اپنی زینت کا اظہار اور ایسی شریف گھرانے کی عورتیں جو معروف گھرانوں سے تعلق رکھتی ہیں اور ان کا خاندان عادات واخلاق میں معروف ہو ان کے سامنے مسلمان عورت اپنی زینت وجمال کا اظہار کرسکتی ہے خواہ وہ عورتیں مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔

لیکن ایسی فاسق وبدکردار عورتیں جن میں شرم وحیا نہیں ہے اور ان کے اخلاق وعادات قابل اعتماد نہیں تو ایسی عورتوں سے ہر مومن صالح عورت کو پردہ کرنا چاہیے، خواہ وہ عورتیں مسلمان ہی کیوں نہ ہوں اس لیے کہ ان کی صحبت اخلاق کے خراب کرنے اور بگاڑنے میں مردوں کی صحبت سے کم نقصان دہ نہیں ہے۔

لیکن آپ بتلایئے کہ ایسی غیر مسلم شریف زادیاں اور اعلیٰ کردار واخلاق کی مالک غیر مسلم عورتیں کہاں پائی جاتی ہیں؟ میرا تو اندازہ یہ ہے کہ ایسی غیر مسلم شاذ ونادر ہی کہیں پائی جائیں، اس لیے مسلمان عورت کو اپنے دین واخلاق وکردار کو غیر مسلموں کے اخلاق وکردار سے بچانے کے لیے بہت احتیاط کرنا چاہیے، اور اسی طرح ایسی مسلمان عورتوں سے بھی بچنا چاہیے جو آزاد ہوں جن کے یہاں حرمت وشرافت کا کوئی خیال نہ کیا جاتا ہو۔

ح۔ امرد یعنی بے ریش لڑکوں کی طرف دیکھنے کے آداب:

امرد اس جوان کو کہتے ہیں جس کی داڑھی ابھی تک نہ نکلی ہو یعنی وہ لڑکا جو دس سے پندرہ سال کے درمیان عمر کا ہو۔

خرید وفروخت لین دین علاج وتعلیم وغیرہ ضروریات کے لیے امرد کی طرف دیکھنا جائز ہے لیکن اگر اس کی طرف

دیکھنے کا مقصد اس کے حسن وجمال سے لذت اندوزی ہو تو یہ حرام ہے اس لیے کہ اس سے جذبات بھڑکتے ہیں جو فتنے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

اس طرح کی نظربازی کی حرمت کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمانِ مبارک ہے:

((قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ)). النور۔۳۰ آپ ایمان والوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں۔

سلف صالحین نے بے ریش خوبصورت لڑکوں کی طرف دیکھنے اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے روکنے پر بہت زور دیا ہے چنانچہ:

◎ حسن بن ذکوان فرماتے ہیں: مالداروں کے بچوں کے ساتھ نہ بیٹھو اس لیے کہ ان کی شکلیں کنواری لڑکیوں کی سی ہوتی ہیں اور یہ عورتوں سے بڑا فتنہ ہوتے ہیں۔

◎ سفیان ثوری ایک مرتبہ حمام میں داخل ہوئے، وہاں ایک خوبصورت بچہ بھی آگیا تو انہوں نے فرمایا اس کو یہاں سے لیجاؤ اس لیے کہ ہر عورت کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے اور بے ریش لڑکے کے ساتھ سترہ شیطان ہوتے ہیں۔

◎ ایک صاحب امام احمد رحمہ اللہ کے پاس آئے اور ان کے ساتھ ایک خوبصورت سالڑکا بھی تھا، تو امام احمد نے ان صاحب سے پوچھا: تمہارے ساتھ یہ کون ہے؟ ان صاحب نے کہا: میرا بھانجا ہے، تو امام صاحب نے فرمایا: اس کو دوبارہ ہمارے پاس لے کر مت آنا اور نہ اس کو اپنے ساتھ لے کر اِدھر اُدھر پھرنا، تاکہ جو لوگ تمہیں اور اسے نہیں جانتے وہ تمہارے اوپر بدگمانی نہ کرنے لگ جائیں۔

◎ اور حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب تم کسی شخص کو بے ریش لڑکے کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے دیکھو تو اس پر بدگمانی کرلو۔

بلاضرورت بے ریش لڑکوں کی طرف دیکھنے کی حرمت وممانعت کی حکمت یہ ہے تاکہ برائی اور گناہ میں گرفتار ہونیکا راستہ بند اور فساد کی بیخ کنی ہوجائے۔

پاکباز ومتقی مسلمان وہ ہے جو ہمیشہ اپنے دین واخلاق وشہرت کی حفاظت کرے اور خوب احتیاط سے تہمت کے مواقع سے بچتا رہے۔

ط۔ عورت کے اجنبی مرد کی طرف دیکھنے کے آداب:

مسلمان عورت راستوں میں چلتے ہوئے یا جائز قسم کے کھیل میں مشغول یا کاروبار خرید وفروخت وغیرہ میں مصروف مردوں کو دیکھ سکتی ہے، اس کے جائز ہونے کی دلیل وہ روایت ہے جو بخاری ومسلم میں مروی ہے کہ عید کے روز اہل حبشہ کے یہ لوگ مسجد کے میدان میں نیزہ بازی کررہے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھنے لگے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر انہیں دیکھنے لگیں. آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان سے چھپایا ہوا تھا اور آپ اس وقت تک کھڑے رہے جب تک حضرت عائشہ کا دل نہیں بھر گیا. اور وہ خود وہاں سے ہٹ نہ گئیں، اور یہ سنہ سات ہجری کا واقعہ ہے۔

رہی وہ حدیث جس میں یہ آتا ہے کہ تم دونوں (ازواجِ مطہرات امّ سلمہ و میمونہ مراد ہیں) ان سے پردہ کرلو اور اس میں یہ الفاظ ہیں کہ کیا تم دونوں نابینا ہو؟ کیا تم دونوں ان کو نہیں دیکھ رہی ہو؛ (یعنی نابینا صحابی حضرت ابن ام مکتوم کو) تو یہ اس لیے کہ حضرت ام سلمہ و حضرت میمونہ ایک ہی مجلس میں موجود تھیں اور اسی مجلس میں حضرت ابن ام مکتوم بھی آگئے تھے اس لیے ان کو ان صحابی کو آمنے سامنے بیٹھ کر دیکھنے پر تنبیہ تھی۔

(جناب مودودی صاحب اپنی کتاب "حجاب" میں لکھتے ہیں کہ یہاں عورت کے مرد کی جانب دیکھنے اور مرد کے عورت کی جانب دیکھنے میں دونوں صنفوں کی نفسیاتی خصوصیات کے اعتبار سے ایک دقیق سا فرق ہے اور وہ یہ کہ مرد کی طبیعت میں جرأت و اقدام ہوا کرتا ہے چنانچہ جب وہ کسی چیز کو پسند کرتا ہے تو اس کے حاصل کرنے اور اس تک پہنچنے کی پوری کوشش کرتا ہے. لیکن عورت کی طبیعت میں حیاء کی وجہ سے رکاوٹ اور بھاگنے کا مادہ ہوتا ہے. اور عورت جب تک اپنی فطرت پر برقرار رہے اور حیاء کے لباس کو اتار نہ پھینکے تو یہ ناممکن ہے کہ اس میں بے باکی، جرأت، بے حیائی و اقدام کی ایسی کیفیت پیدا ہو جائے کہ جس کی وجہ سے وہ خود بخود اپنی پسندیدہ و محبوب چیز کی طرف آگے بڑھے. اور شارع علیہ الصلاۃ والسلام نے دونوں جنسوں کے درمیان اس طبعی فرق کی رعایت رکھی ہے، اس لیے عورت کے اجنبی مرد کی جانب دیکھنے سے روکنے اور منع کرنے میں وہ تشدد و سختی اختیار نہیں کی جو مرد کو اجنبی عورت کی طرف دیکھنے کے سلسلہ میں اختیار کی ہے. اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث مشہور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشہ والوں کا وہ کھیل دکھایا تھا جو وہ مسجد کی ایک طرف اپنے نیزوں سے کھیل رہے تھے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کا مردوں کی طرف دیکھنا بالکل ممنوع نہیں ہے، ممنوع وہ صورت ہے جب کہ مرد و عورتیں ایک مجلس میں جمع ہوں، اور ایک دوسرے کو گھور گھور کر دیکھ رہے ہوں، جیسے کہ ایک مجلس میں حضرت ام سلمہ و میمونہ رضی اللہ عنہما موجود تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ سے پردے کا حکم دیا، اسی طرح ایسی نظر بازی کی بھی ممانعت ہے جس سے فتنہ کا اندیشہ ہو)۔

علامہ ابن حجر عسقلانی بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں کہ حدیث عائشہ یعنی جس میں ان کے اہلِ حبشہ کی جانب دیکھنے کا تذکرہ آتا ہے سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ اجنبی عورت اجنبی مرد کو دیکھ سکتی ہے اجنبی مرد اجنبی عورت کو نہیں دیکھ سکتا، اور اسکی دلیل یہ بھی ہے کہ عورتیں مسجد اور بازار اور سفر میں نقاب ڈال کر جاتی ہیں تاکہ مرد ان کو نہ دیکھیں لیکن مردوں کو یہ کبھی حکم نہیں دیا گیا کہ وہ بھی اپنے چہرے پر نقاب ڈالا کریں تاکہ عورتیں انہیں نہ دیکھ سکیں. اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کے ایک

دوسرے کی طرف دیکھنے کا حکم مختلف ہے۔

اسی سے امام غزالی نے جواز کی دلیل لی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ ہم یہ نہیں کہتے ہیں کہ مرد کا چہرہ عورت کے لیے بالکل ایسا ہی ہے جیساکہ عورت کا چہرہ مرد کے لیے، اس لیے اگر فتنہ کا خوف ہو تو عورت کا مرد کی طرف دیکھنا حرام ہوگا ورنہ نہیں، اس لیے کہ مرد ہمیشہ سے چہرہ کھلا رکھتے چلے آئے ہیں، اور عورتیں نقاب ڈالتی آئی ہیں، لہٰذا اگر دونوں کا حکم ایک ہی ہوتا تو مردوں کو بھی نقاب اوڑھنے کا حکم ہوتا یا عورتوں کو گھر سے باہر نکلنے سے بالکل ہی روک دیا جاتا...

اس تمام تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت اجنبی مرد کو دو شرطوں کے ساتھ دیکھ سکتی ہے:

۱۔ دیکھنے کی وجہ سے کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔

۲۔ ایک ہی مجلس میں آمنے سامنے منہ در منہ نہ بیٹھے ہوں۔

ی۔ چھوٹے بچے کے مستور جسم کی طرف دیکھنے کے آداب[۱]:

فقہاء لکھتے ہیں کہ چار سال سے کم عمر کا بچہ چاہے لڑکا ہو یا لڑکی اس کا جسم عورت (ستر کے حکم میں) نہیں پھر جب چار سال سے زیادہ عمر کا ہو جائے تو اس کا مستور جسم آگے اور پیچھے والی شرمگاہ اور اس کے اطراف ہیں... اور جب وہ بڑا ہو کر حد شہوت کو پہنچ جائے تو اس کا ستر بالغ کے ستر کی طرح ہوگا جیساکہ اس کی تفصیل پہلے ذکر کی جا چکی ہے۔ بچے کو بچپن ہی میں پردے کا جتنا زیادہ عادی بنا دیا جائے اتنا ہی اچھا ہوتا ہے۔

ک۔ ضرورت و مجبوری کے حالات جن میں دیکھنا جائز ہے:

پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ مرد کو اجنبی عورت کی طرف دیکھنا جائز نہیں چاہے وہ جذبات کو برانگیختہ نہ کرنے والی اور بدصورت ہی کیوں نہ ہو، چاہے شہوت کی نظر سے دیکھا جائے یا بغیر شہوت کے،

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمانِ مبارک عام ہے ارشاد ہے:

((قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ)) النور۔۳۰

آپ ایمان والوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

اور اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ مبارک: ((اصرف بصرك[۲])) اپنی نگاہ ہٹالو ان سب کو شامل ہے۔

---

[۱] ملاحظہ ہو ابن عابدین کی کتاب رد المحتار ج۔۱ کا باب شروط الصلاۃ۔

[۲] امام مسلم روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے نامحرم پر اچانک نظر پڑ جانے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اپنی نگاہ کو (فوراً) ہٹالو۔

لیکن اس دیکھنے کے حرام ہونے کے حکم سے ضرورت و مجبوری کے چند حالات مستثنیٰ ہیں جو ترتیب سے ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں :

① **شادی کی نیت سے دیکھنا** : اس موضوع پر اس سے قبل "جس عورت کو پیغام نکاح دیا گیا ہو اس کی طرف دیکھنے کے آداب" کے عنوان کے ذیل میں مفصل کلام گزر چکا ہے۔

② **تعلیم کی غرض سے دیکھنا**[1] : اجنبی عورت کے غیر آراستہ و غیر مزین چہرے کی طرف تعلیم کے قصد سے اس شرط سے دیکھنا جائز ہے کہ :

◉ وہ علم جسے وہ حاصل کر رہی ہو وہ ایسا علم ہو جسے شریعت نے معتبر مانا ہو اور اس میں دین و دنیا کی کامیابی مضمر ہو۔

◉ اور یہ کہ وہ علم عورت کے خصوصی دائرے سے متعلق ہو جیسا کہ عورت کو بیمار کی خدمت کے اصول اور زچہ بچہ کے فن کی تعلیم دینا۔

◉ اس کے چہرے کی طرف دیکھنے میں فتنہ کا ڈر نہ ہو۔

◉ تعلیم دینے کے لیے تنہائی و خلوت کا موقعہ نہ ملتا ہو۔

◉ مردوں کی جگہ تعلیم دینے والی عورتیں میسر نہ ہوں۔

بلاشبہ اسلام نے جب ان قیود کو مقرر کیا ہے تو اس نے یہ چاہا ہے کہ ایک پاک صاف معاشرہ کو وجود بخشے جس میں شکوک و شبہات اور تہمتوں کا کوئی وجود نہ ہو تاکہ لڑکی پاکباز و باعصمت رہے، اور کوئی گنا ہگار ہاتھ اس تک نہ پہنچ سکے، کوئی خائن آنکھ اس کو نہ دیکھ سکے، اور اللہ برتر و بزرگ نے بالکل سچ فرمایا ہے :

((ذٰلِكَ اَدْنٰىٓ اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۰)). اس سے وہ جلد پہچان لی جایا کریں گی اور اس لیے انہیں ستایا نہ جائے گا۔

الاحزاب - ۵۹

③ **علاج کی غرض سے دیکھنا** : طبیب و معالج ضرورت پڑنے پر اجنبی عورت کے اس مقام کو دیکھ سکتا ہے جس کا علاج کر رہا ہے۔ اس لیے کہ امام مسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پچھنے لگوانے کی اجازت طلب کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطیبہ کو پچھنے لگانے کا حکم دیا۔

طبیب کے لیے درج ذیل شروط کے ساتھ عورت کا علاج جائز ہے :

(ا) طبیب نیک و دیندار شریف آدمی اور صاحب علم و فن ہو۔

---

[1] فتنہ اور خطرہ سے بچاؤ کا طریقہ یہ ہے کہ عورت عورت ہی سے تعلیم حاصل کرے ورنہ بصورت دیگر کسی نہ کسی موقعہ پر انسان پھسل جاتا ہے اور حرامکاری کا مرتکب ہو جاتا ہے جس کی مثالیں وقتاً فوقتاً سامنے آتی رہتی ہیں پھر بھی اگر تعلیم والی معلمہ میسر نہ ہو تو مرد پردے کے پیچھے رہ کر تعلیم دے اجنبی عورت سے میل جول اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اس کی طرف دیکھنا قطعاً ممنوع ہے۔

② طبیب عورت کے جسم کے اتنے ہی حصے کو کھولے جتنے حصے کے کھولنے کی ضرورت ہو۔
③ بشرطیکہ اس طبیب کے قائم مقام کوئی اس فن کی ماہر طبیبہ موجود نہ ہو، ورنہ مرد کو دکھانا درست نہیں۔
④ علاج اس عورت کے محرم یا شوہر یا اس کی والدہ یا بہن یا پڑوسن وغیرہ کسی ذمہ دار کی موجودگی میں ہو۔
⑤ معالج کافر نہ ہو الا یہ کہ مسلمان طبیب ہی نہ ملے۔

لہٰذا جب یہ تمام شروط پائی جائیں گی تو ایسی صورت میں طبیب کے لیے یہ جائز ہو جائے گا کہ وہ کسی اجنبی عورت کے جسم کے کسی حصہ کو دیکھے یا اسے چھوئے، اس لیے کہ دینِ اسلام ایک ایسا دین ہے جو لوگوں کو مشقت و پریشانی سے بچاتا ہے اور آسانی و سہولت پیدا کرتا ہے اور یہ اعلان کرتا ہے:

((وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ)) الحج۔ ۷۸ — اور اس نے تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں کی۔

((يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ)) البقرہ۔ ۱۸۵ — اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا۔

④ **شہادت یا قانونی فیصلہ کے لیے دیکھنا:** قاضی یا گواہ کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اجنبی عورت کے چہرے اور ہاتھوں کو دیکھے چاہے فتنہ کا ڈر بھی ہو اس لیے کہ اس دیکھنے میں حق کا اثبات اور ظلم کو دُور کرنا مضمر ہے، ایسی حالت میں صرف اس لیے دیکھنے کی اجازت دی گئی ہے کہ نقاب اوڑھنے والی عورت کو بغیر نقاب ہٹوائے قاضی اور گواہ شناخت نہیں کر سکتا، اس لیے شناخت کے واسطے عورت کے لیے ذرا سی دیر کے لیے چہرے کا کھولنا جائز ہے، تاکہ اس کی تعیین ہو جائے اور کسی قسم کا خلط ملط ہونے اور معاشرہ میں کسی کے حق کے ضائع ہونے کا ڈر نہ رہے۔

اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اسلام ایک حقیقی و واقعی اور زندہ مذہب ہے جو لوگوں کی ضروریات کا خیال رکھتا ہے اور ان کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے:

((وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ)). المائدہ۔ ۵۰ — اور اللہ سے بہتر کون ہے حکم کرنے والا یقین کرنے والوں کے واسطے۔

اس مقام پر میں ایک یادگار تاریخی قصہ نقل کرنا چاہتا ہوں تاکہ حمیت و غیرت رکھنے والے مرد یہ جان لیں کہ ہمارے آباء و اجداد اور سلفِ صالحین خواہ شرعاً چہرہ کھولنا جائز بھی ہو تب بھی دوسروں کے سامنے عورت کا چہرہ کھولنے سے کتنے متنفر و آزردہ خاطر ہوا کرتے تھے۔

تیسری صدی ہجری میں ری اور اہواز کے قاضی موسیٰ بن اسحاق لوگوں کے مقدمات میں غور کرنے بیٹھے۔ دعویٰ پیش کرنے والوں میں ایک عورت بھی تھی جو اپنے شوہر پر پانچ سو دینار مہر کا مطالبہ کر رہی تھی لیکن شوہر نے انکار کیا کہ اس کا میرے ذمے کوئی حق نہیں ہے۔ قاضی نے مرد سے کہا: گواہ پیش کرو۔ اس نے کہا: میں گواہ لایا ہوں۔ تو ان گواہوں میں سے ایک سے قاضی نے کہا کہ اس شخص کی بیوی کی طرف دیکھ لو تاکہ اپنی گواہی دیتے وقت تم اس کی طرف اشارہ کر سکو، چنانچہ گواہ

کھڑا ہوا اور اس عورت سے کہا کھڑی ہو جاؤ، تو اس کے شوہر نے کہا: اس عورت سے تم کیا چاہتے ہو؟
اس شخص کو بتلایا گیا کہ گواہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ تمہاری بیوی کو پہچاننے کے لیے اس کے چہرے کو بلا نقاب دیکھ لے تاکہ اس کو پہچان سکے، شوہر کو یہ اچھا معلوم نہ ہوا کہ لوگوں کے سامنے اس کی بیوی گواہوں کو اپنا چہرہ دکھلائے چنانچہ اس نے زور سے چیخ کر کہا: میں قاضی صاحب کو اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میرے ذمہ میری بیوی کا وہ مہر لازم ہے جس کا وہ دعوی کر رہی ہے، اور یہ اپنا چہرہ ننگا نہیں کرے گی۔

اس کی بیوی نے جب یہ آواز سنی تو اس کو یہ بات بہت بڑی معلوم ہوئی کہ اس کا شوہر اس کے چہرے کو گواہوں کے سامنے نہیں کھلوانا چاہتا، اور وہ اسے دوسروں کی نگاہ سے محفوظ رکھنا چاہتا ہے، تو بیوی نے بلند آواز سے قاضی صاحب سے کہا: قاضی صاحب میں آپ کو گواہ بناتی ہوں کہ میں نے اپنا یہ مہر شوہر کو ہبہ کر دیا ہے، اور دنیا و آخرت دونوں میں انہیں اس سے بری کر دیا ہے. یہ بات سن کر قاضی صاحب نے اپنے ارد گرد بیٹھنے والوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ اس واقعہ کو مکارم اخلاق کے رجسٹر میں درج کر لو۔

اس لیے تربیت کرنے والوں کو چاہیے کہ دیکھنے کے بارے میں اسلام کے آداب پر عمل کریں چاہے وہ آداب محارم و رشتہ داروں کی طرف دیکھنے کے سلسلہ میں ہوں یا منگیتر کی طرف دیکھنے کے سلسلے میں، یا شوہر کے بیوی کی طرف یا مرد کے اجنبی عورت کی طرف دیکھنے کے آداب ہوں، یا مرد کے مرد کی طرف دیکھنے کے، یا عورت کے عورت کی طرف دیکھنے کے، یا کافر عورت کے مسلمان عورت کی طرف دیکھنے کے آداب ہوں، یا مرد کے بے ریش لڑکے کی طرف دیکھنے کے آداب ہوں، یا عورت کے اجنبی مرد کی طرف دیکھنے کے آداب ہوں، یا بچے کی مستور جسم کی طرف دیکھنے سے متعلق ہوں، یا تعلیم دینے کے ارادے سے دیکھنے کے سلسلہ میں ہوں، یا علاج معالجہ کی غرض سے دیکھنے یا فیصلہ کرنے و گواہی دینے کے لیے دیکھنے کے سلسلہ کے آداب ہوں۔

دیکھنے کے سلسلہ کے یہ تمام آداب ایسے ہیں کہ والدین، ماؤں اور مربیوں سب کو اپنے بچوں کے لیے اس سلسلہ میں عملی نمونہ پیش کرنا چاہیئے، اور خوب عمدگی سے ان کو ان کی تعلیم و تربیت دینا چاہیئے. بشرطیکہ وہ اپنے بچوں کے لیے عمدہ اخلاق اور ممتاز اسلامی شخصیت اور شاندار معاشرتی کردار اور عالی شان اسلامی تربیت کے خواہاں ہوں. اگر وہ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ انہیں عطا کرے گا اور اس روز جس روز نہ مال فائدہ پہنچائے گا اور نہ اولاد، اس روز اللہ تعالیٰ ان کے اجر و ثواب میں کسی قسم کی کمی نہیں کریں گے۔

۳۔ بچّے کو جنسی جذبات اُبھارنے والی چیزوں سے دُور رکھنا:

مربی پر اسلام نے جو بڑی ذمہ داریاں عائد کی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنے بچے کو ان تمام چیزوں سے دُور رکھے جو اس کے جنسی جذبات کو بھڑکائیں اور اخلاق کو خراب کریں، یہ کام اس وقت شروع کر دینا چاہیے جب بچہ بالغ ہونے کی عمر کے قریب پہنچ جائے، اور یہ زمانہ دس سال کی عمر سے بالغ ہونے تک کا زمانہ ہے۔

علماءِ تربیت و اخلاق اس بات پر متفق ہیں کہ بلوغ کے قریب قریب کا زمانہ انسانی زندگی کا خطرناک ترین دَور ہوتا ہے۔ اس لیے اگر مربی یہ سمجھ لے کہ اسے بچے کی کس طرح تربیت کرنا ہے؟ اور اسے فساد و برائی کی دلدل اور آزاد و خراب ماحول کی نجاست سے کس طرح دُور رکھنا ہے؟ اور اسے شاندار تربیت کس طرح دینا ہے، تو پھر عام طور سے بچہ بہترین اخلاق اور شاندار سیرت و کردار اور شاندار اسلامی تربیت کا نمونہ بنتا ہے۔

اسلام نے سرپرستوں اور مربیوں کو بچوں کو جذبات بھڑکانے اور شہوانی خیالات ابھارنے والی چیزوں سے دُور رکھنے کا جو حکم دیا ہے اس پر درجِ ذیل آیات دلالت کرتی ہیں، اللہ تعالیٰ سورۂ نور میں ارشاد فرماتے ہیں:

((وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۖ وَلَا	اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں، اور اپنی
يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ	زینت ظاہر نہ ہونے دیں مگر ہاں اپنے شوہر پر اور اپنے
اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ	باپ پر اپنے شوہر کے باپ پر اور اپنے بیٹوں پر ۔ ۔ ۔
اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ))۔	اور ان لڑکوں پر جو ابھی تک عورتوں کی پردہ کی بات سے
النور۔ ۳۱	واقف نہیں ہوتے ہیں۔

قرآنِ کریم کی اس نص سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بچہ جب چھوٹا ہو اور عورتوں کے حالات و پوشیدہ اعضاء اور ان کے محرک جذبات ہونے سے بے خبر ہو تو ایسے زمانے میں بچے کے عورتوں کے پاس جانے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن جب وہ بالغ ہونے کے قریب ہو جائے یا اس عمر کے قریب ہو یعنی نو سال کی عمر کے بعد کا زمانہ تو پھر اس زمانے میں اس کو عورتوں کے پاس جانے کا موقعہ نہیں دینا چاہیئے۔ اس لیے کہ اس عمر میں وہ بدصورت و خوب صورت میں فرق کر سکتا ہے، اور اس عمر میں اگر وہ کوئی شہوت انگیز منظر دیکھ لے تو اس کے دل میں شہوانی خیالات گردش کرنے لگتے ہیں۔

علامہ ابن کثیر آیت:

((اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ	اور ان لڑکوں پر جو ابھی عورتوں کی پردہ کی بات سے
النِّسَآءِ))۔ النور۔ ۳۱	واقف نہیں ہوتے ہیں۔

کے ذیل میں لکھتے ہیں: یعنی وہ بچے جو نو عمری کی وجہ سے عورتوں کے نشیب و فراز اور داخلی حالات سے واقف نہ ہوں۔

عورتوں کی سریلی آواز اور چلنے میں لہرانے و نزاکت اور حرکات و سکنات کو نہ سمجھتے ہوں، لہٰذا اگر بچہ چھوٹا ہو اور ان چیزوں کو نہ سمجھتا ہو تو اس کے عورتوں کے پاس جانے آنے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن اگر وہ قریب البلوغ ہو، یا اس عمر کے نزدیک تر پہنچ گیا ہے کہ وہ ان چیزوں کو سمجھنے بوجھنے لگ گیا ہے، اور خوبصورت و بدصورت میں فرق کر سکتا ہے تو پھر اس کو عورتوں کے پاس آنے جانے کی اجازت نہیں دی جائے گی، چنانچہ بخاری و مسلم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ مبارک موجود ہے:

((إياكم والدخول على النساء))
تم عورتوں کے پاس آنے جانے سے بچو، عرض کیا گیا کہ اے

قيل: يارسول الله أفرأيت الحمو؟ ((قال:
اللہ کے رسول بتلائیے کہ دیور کا کیا حکم ہے آپ نے فرمایا کہ

الحمو الموت))۔
وہ تو موت (کی طرح) ہے۔

حاکم اور ابوداؤد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((مروا أولادكم بالصلاة وهم أبناء سبع
تمہارے بچے سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز کا حکم

سنين، واضربوهم عليها وهم أبناء عشر،
دو، اور جب دس سال کے ہو جائیں تو اس پر مارو، اور ان کے

وفرقوا بينهم في المضاجع))۔
بستر سے علیحدہ علیحدہ کر دو۔

اس نص سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ والدین شرعاً اس کے مامور ہیں کہ بچے جب دس سال کے ہو جائیں تو ان کے بستر اور بچھونے الگ الگ کر دیں، تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ بلوغ کی عمر کے قریب پہنچ گئے ہوں اور ایک بچھونے میں ایک ساتھ لیٹنے کی وجہ سے وہ نیند یا بیداری کی حالت میں ایک دوسرے کے مستور حصے کو دیکھ لیں جس سے ان کے جنسی جذبات بھڑکیں یا ان کے اخلاق خراب ہوں۔

یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ اسلام سرپرستوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ وہ بچے کو شہوانی جذبات اور جنسی خیالات بھڑکانے والے محرکات سے بچانے کے لیے مثبت اور احتیاطی تدابیر اختیار کریں، تاکہ بچہ نیک صالح بڑھے پلے اور اچھی تربیت اور عمدہ اخلاق کا حامل ہو۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس ذی الحجہ کو حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا ہوا تھا، اس وقت حضرت فضل بالغ ہونے کے قریب قریب عمر کو پہنچ چکے تھے حضرت فضل خثعم قبیلہ سے تعلق رکھنے والی ایک اس عورت کی جانب دیکھنے لگے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دینی امور کے بارے میں پوچھ رہی تھی، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فضل کی ٹھوڑی پکڑ کر ان کا چہرہ اس عورت کی طرف سے دوسری طرف پھیر دیا۔

ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عباس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ نے اپنے چچازاد بھائی کی گردن دوسری طرف موڑ دی؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((رأیت شاباً وشابۃً فلم آمن علیهما الفتنۃ)).

میں نے ایک نوجوان لڑکے اور لڑکی کو (ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے) دیکھا تو مجھے ان دونوں پر فتنہ میں پڑنے کا ڈر ہوا۔

* * *

حضرت فضل کے چہرے کو اس عورت کی طرف دیکھنے سے روکنے کے لیے دوسری طرف پھیرنے کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل اور آپ کے اس فرمان سے کہ مجھے ان دونوں کے فتنے کا ڈر ہوا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قریب البلوغ بچے اور بالغ نوجوان کی تربیت کا بہت خیال رکھتے تھے: اور آپ اس کے اخلاق کی اصلاح اور جنسی قوت کے کنٹرول میں رکھنے کا اہتمام فرماتے تھے تاکہ وہ آزمائش وفتنہ میں گرفتار نہ ہو جائے اور فساد وگناہ کے گڑھے میں نہ گر جائے۔

معاشرہ کی اصلاح اور بچے کی تربیت اور قوم کی کجی کی اصلاح کے سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نہایت شاندار تربیت ورہنمائی ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصلاحی مواقف اور تربیتی انداز کی اس طرح کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔

ابھی ہم نے جو احادیث وآیات ذکر کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ مربی کے لیے اپنے بچے کو جذبات ابھارنے اور جنسی خواہشات کے بھڑکانے والی چیزوں سے دُور رکھنا بہت ضروری ہے تاکہ وہ بے حیائی کے جال میں نہ پھنسے۔ اور گندگی کے گڑھوں میں گر کر آزادی وبدکرداری کی زندگی نہ گزارے، بچے کو جنسی جذبات کے بھڑکانے والی چیزوں سے بچانے اور ان سے دُور رکھنے کے سلسلہ میں مربی کی ذمہ داری دو باتوں میں منحصر ہے:

۱۔ داخلی نگرانی کی ذمہ داری۔
۲۔ خارجی نگرانی کی مسئولیت۔

داخلی طور پر نگرانی:

مربی کو چاہیے کہ وہ تمام چیزیں جو بچے میں جنسی جذبات کو بھڑکانے اور اس جوش کو ابھارنے کا ذریعہ ہیں ان سے رکنے کے لیے اسلام کے قواعد وضوابط کی پابندی کرے:

- بچہ جب شعور کی عمر کو پہنچ جائے تو راحت وآرام اور سونے کے اوقات میں بچے کا گھر والوں کے پاس جانا: مثلاً صبح کی نماز سے پہلے، اور دوپہر کے وقت، اور عشاء کے بعد بلا اجازت داخل نہ ہونا چاہیئے، یہ ایسے اوقات ہیں جن میں بچہ کسی منظر کو دیکھ کر بھڑک سکتا ہے اس لیے بچہ جب اچانک اپنے ماں باپ کو ننگے بدن اور غیر مناسب حالات میں دیکھے گا تو ظاہر ہے اس سے اس کے جنسی جذبات مشتعل ہوں گے۔

لہٰذا جیساکہ ہم پہلے بتلا چکے ہیں مربی کا فرض ہے کہ وہ بچے کو ان اوقات وغیرہ میں والدین کے کمرے میں جانے سے پہلے اجازت طلب کرنے کے آداب سکھائے۔

- نو سال کی عمر کے بعد جو کہ بچے کے بلوغ کے قریب قریب کی عمر ہوتی ہے اس میں اجنبی خوبصورت عورت کے پاس جانے سے روکنا چاہیئے اس سے بھی جنسی جذبات بھڑکتے ہیں۔
- اس لیے جیساکہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے مربی کو چاہیئے کہ وہ قریب البلوغ بچے کو اجنبی عورتوں کے پاس جانے سے روکے۔
- دس سال یا اس سے زائد عمر ہونے پر بچے کو اپنی بہن یا بھائیوں کے ساتھ ایک بستر پر سونے نہیں دینا چاہیئے جو کہ جنسی جذبات بھڑکانے کا سبب ہے خصوصاً جب کہ ایک ہی لحاف میں سوئیں۔

لہٰذا مربی کو بچوں کے بستر الگ الگ کر دینا چاہیئے جیساکہ اس سے قبل ذکر کیا جا چکا ہے۔

- بچہ جب شعور کی عمر پالے یا اس سے زیادہ عمر کا ہو جائے تو اس کا عورت کے مستور جسم کے کسی کھلے ہوئے حصے کو غور سے دیکھنا بھی اس کے جنسی جذبات کو ابھارتا ہے۔ لہٰذا مربی کو چاہیئے کہ بچے کو شروع ہی سے دیکھنے کے آداب بھی سکھائے جیساکہ اس سے قبل بیان ہو چکا ہے۔
- گھر میں ٹیلی ویژن وغیرہ میں، اور اس کے علاوہ ڈراموں وغیرہ مخرب اخلاق چیزوں کے دیکھنے کا موقعہ فراہم کرنا جو بچے کے جنسی جذبات کو مشتعل کر دیتا ہے۔ لہٰذا جیساکہ ہم پہلے بتلا چکے ہیں مربی کا یہ بھی فریضہ ہے کہ وہ گھر میں ٹیلی ویژن نہ آنے دے، اس لیے کہ اس کا وجود اخلاق و کردار کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہے۔
- بچے کو اس بات کی مکمل آزادی دے دینا کہ وہ جو چاہے کرے۔ جتنی ننگی تصاویر اور فحش رسالے اور عشقیہ ناول اور محرکِ جذبات کیسٹ وغیرہ رکھنا چاہے رکھے اور اس سے کسی قسم کی بازپرس نہ ہو نہ اس کی دیکھ بھال ہو۔ اس سے بھی بچہ کے جنسی جذبات میں اشتعال و جوش پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے مربی کو چاہیے کہ بچے کی پوری نگرانی کرے اور اس کی کتابوں وغیرہ کی جانچ پڑتال کرتا رہے تاکہ اس کی طبیعت اور اخلاق و کردار کا اندازہ رہے، اور اگر اس کے سامان میں کوئی مخرب اخلاق، ناجائز و غلط چیز ملے تو اس کی اصلاح کر سکے۔
- بچہ جب بلوغ کے قریب ہو تو اس کو اس بات کا موقعہ فراہم کرنا کہ وہ اپنی عزیز و رشتہ دار لڑکیوں یا پڑوسنوں سے دوستی کرتا پھرے اور دلیل یہ دی جانے کہ ان کے ساتھ پڑھتا اور تیاری کرتا ہے۔ یہ بھی جنسی جذبات کے بھڑکانے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس لیے مربی کو چاہیئے کہ اپنے لڑکے یا لڑکی کے لیے یہ موقع کبھی فراہم نہ ہونے دے کہ وہ لڑکوں یا لڑکیوں سے تعلقات پیدا کرے اس لیے کہ ان تعلقات کا اخلاق و کردار پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی چیزیں ہیں جو جنسی جذبات کے مشتعل کرنے اور بچے کے اخلاق خراب کرنے اور اس کی آزادی و بے حیائی اور اخلاق باختگی کا ذریعہ بنتی ہیں۔

اس لیے مربی کو چاہیے کہ اپنی عمدہ تربیت اور اچھی رہنمائی اور حکمت کے ذریعہ بچے کو ان تمام چیزوں سے دُور رکھے، اور بچے کی اچھی تربیت اور اصلاح کے لیے تمام اچھے طریقوں کو بروئے کار لائے۔

بیرونی وخارجی دیکھ بھال:

داخلی دیکھ بھال کی اہمیت کی طرح خارجی دیکھ بھال بھی کم اہم نہیں ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بچے کے اخلاق خراب کرنے کے بے شمار وسائل ہیں، لہٰذا اے محترم مربی اگر میں آپ کے سامنے ایسے خطرناک ذرائع و وسائل پیش کردوں جو بچے کے جنسی جذبات کو برانگیختہ کرتے اور ان کی شہوت کو ابھارتے ہیں تو اس میں کوئی مضائقہ معلوم نہیں ہوتا تاکہ آپ کو بھی ان تمام مخرب اخلاق چیزوں اور مہلک بیماریوں کی پوری معلومات رہیں:

(۱) سینما، تھیٹر اور ڈراموں کی برائیاں وفساد:

اس لیے کہ ان میں جنسی جذبات کو برانگیختہ کرنے اور شہوت کو ابھارنے والی چیزیں پیش کی جاتی ہیں اور بے حیائی و آزادی کے مناظر دکھائے جاتے ہیں۔

نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج سینما و تھیٹر آزادی و بے حیائی کا وسیلہ اور بے باکی و اخلاق باختگی کا مرکز بن گئے ہیں، بلکہ گندی ذہنیت اور خسیس و پست اخلاق رکھنے والے یہودی اور ایسے مسلمان جو اسلام اور مسلمان ہونے کا جھوٹا دعوی کرتے ہیں ان کے یہاں سینما و تھیٹر کے ذریعہ جنس و آبرو کی تجارت مال کمانے اور ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کا ایک عظیم دروازہ بن گئے ہیں۔

(۲) عورتوں کے شرمناک لباس کا فتنہ:

اس لیے کہ یہ عریاں وشرمناک لباس قریب البلوغ لڑکوں اور جوانوں کی نظر اپنی طرف مبذول کرتے ہیں، چنانچہ ان بازاری قسم کی فتنہ سامانیوں اور ان عریاں لباسوں کو دیکھ کر یہ لوگ اپنے استقلال و سمجھ کو کھو بیٹھتے ہیں، پھر یہ لوگ جسم کو عریاں کرکے سامنے آنے والی ان خوبصورت عورتوں کا اپنی نگاہوں سے تعاقب کرنے کی بھی طاقت نہیں رکھتے چہ جائیکہ وہ ان جذبات کا مقابلہ کریں جو ان کے خیالات و افکار میں اس سے بھی آگے کے پیدا ہوتے ہیں۔

بتلائیے کہ قریب البلوغ لڑکا یا نوجوان آدمی فتنوں اور مفاسد کے اس زبردست ریلے کے سامنے کیا کرے؛ واقعی اس سے اعصاب میں کھچاؤ اور اخلاق میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ چیز جدوجہد اور مفید کاموں سے روک دیتی ہے۔

ان لباسوں کا موجد کون ہے؟

یہ تاجروں کی ایک مٹھی بھر جماعت ہے جن کی اکثریت ان یہودیوں پر مشتمل ہے جو یہ چاہتے ہیں کہ ہر طرف انتشار پھیلے اور معاشرے اور قوموں میں سے عمدہ اخلاق وضوابط کی بیخ کنی کر دی جائے، تاکہ ان کے قوی مضمحل ہو جائیں اور ان پر غلبہ اور ان کی باگ ڈور کا مالک بننا آسان ہو جائے۔

ان لوگوں کے عقائد ہم سے بالکل مختلف ہیں اور ان کے اخلاق وعادات ہم سے بالکل جدا ہیں۔

نفسیاتی طور پر دوسروں کی پیروی اور احساسِ کہتری اور اندھی تقلید کے مرض میں گرفتار ہونا ایسے اسباب ہیں جو ہمارے ملک کی ناسمجھ اور غیر پختہ عقل کی عورتوں کو اس بات پر آمادہ کرتے ہیں کہ وہ اپنی خواہشات وجذبات کی رو میں بہہ کر ان رسوا کن لباسوں کو استعمال کریں جن کا مقصد فتنہ انگیزی اور دوسروں کے جذبات کو ابھارنا اور مشتعل کرنا ہے۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مسلمان عورت یہ کس طرح پسند کرتی ہے کہ اس بدبودار گندے ریلے میں بہہ جائے جو اس سے اس کی خصوصیات و اصلیت کو چھین لے۔ اور ترقی، تہذیب وتمدن کے نام سے اسے ایک بدنما ومکروہ شکل میں پیش کرے، خطرے کی سب سے بڑی بات یہ ہے کہ لباس کے فیشن کے اسی ریلے کی کوئی انتہا اور حد نہیں ہے، بلکہ اس کا چسکہ ہر نئے لباس کی طرف راغب کرتا ہے، اور ہر ایسے لباس کی طرف متوجہ کر دیتا ہے جو جاذبِ نظر اور دوسروں کی تعجب خیز نگاہوں کو متوجہ کرنے والا ہو۔

لباس کی مختلف اصناف واقسام نے فتنہ سامانی اور دوسروں کے جذبات برانگیختہ کرنے کے مختلف انداز پیدا کرنے میں بڑا تفنن اختیار کر لیا ہے۔ اور اس دوڑ نے کوئی بھی وسیلہ نہیں چھوڑا ہر طریقے اور انداز کو اپنایا خواہ وہ کتنا ہی رسوا کن اور شرمناک کیوں نہ ہو، اور چاہے اس سے انسان کی کرامت اور شرافت پر کتنا ہی بٹہ کیوں نہ لگے اور چاہے وہ انسان کو حیوان سے بھی کم قیمت کا سامان کیوں نہ بنا دے۔

اس زمانے کی عورت ہر اس چیز کے سامنے گردن جھکا دیتی اور فرمانبردار ہو جاتی ہے جسے ان کو کھلونا بنانے والے ان کے ہاتھ پسند کرتے ہیں، اور عورتوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ ان عالمی لباسو اور پوشاکوں سے دور رہنا ان کیلیے ترقی سے محروم ہو جانے اور ترقی اور آگے بڑھنے سے پیچھے رہ جانے کا سبب ہے جیسا کہ لوگ عام طور سے کہتے ہیں۔

اور اگر یورپ اور امریکہ کی عورت لباس کے اس مہلک وتیز وتند سیلاب کے ساتھ بہنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتی تو کم از کم مسلمان عورت کو تو یہ سمجھنا چاہیے کہ اس وبا میں کتنی عظیم اور کتنی بڑی تباہی ہے۔

اس کو یہ محسوس کرنا چاہیئے کہ اس کی وجہ سے غیر شادی شدہ لوگوں میں اضطراب و بے چینی پیدا ہوتی ہے، جو ان کو جنسی انتشار و آوارگی کی طرف لے جاتی ہے۔ اس کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ اس کی خرابی یہ ہے کہ یہ فیشن بعض جاہل غریب عورتوں کو چوری چھپے زنا پر مجبور کر دیتا ہے، تاکہ وہ مال ودروپیہ پیسہ حاصل کر کے ان حسین وجمیل لباسوں کو پہن کر خوبصورت سے خوبصورت

اور حسن و جمال کا پیکر بن کر دوسروں کے سامنے جائیں۔

اس کو ان لباسوں میں یہ خرابی سمجھ لینا چاہیئے کہ بہت سے شوہروں اور بیویوں میں اس لیے لڑائی جھگڑے اور اختلافات پیدا ہوتے ہیں کہ عورت نئے سے نئے فیشن کے لباس کو پہن کر اپنے اس شوق کی تسکین کرنا چاہتی ہے۔

مسلمان عورت سے اس بات کا مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنے اسلامی آداب، اخلاق اور قانونِ شریعت کی حدود میں رہے اور معاشرہ کی درستگی و اطمینان و سکون کا خیال رکھے، اور وہ حشمت و وقار کے مظاہر اور پردہ و نقاب اور اسلامی لباس کے استعمال کے ذریعہ قریب البلوغ لڑکوں اور غیر شادی شدہ نوجوانوں پر رحم کھائے ورنہ شرعاً اس کو اسلام کے اصولوں سے منحرف اور فسوق و عصیان کی وادیوں میں بھٹکنے والا اور خواہشات اور کج روی اور گمراہی کے دام میں گرفتار قرار دیا جائے گا۔

((وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ)).	اور کسی مؤمن یا مؤمنہ کے لیے یہ درست نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی امر کا حکم دے دیں تو پھر ان کو
الاحزاب۔۳۶	اپنے (اس) امر میں کوئی اختیار باقی رہ جائے۔

(۳) کھلم کھلا اور پوشیدہ قحبہ خانوں کا فساد:

اس لیے کہ وہاں ایسے لوگ موجود ہوتے ہیں جن میں شرافت، غیرت اور حمیت نام کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی، اور ایسی عورتیں جمع ہوتی ہیں جن کے دل میں حیاء، پاکدامنی اور عزت و کرامت کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ یہ سب کے سب گناہوں کے ان جالوں میں اس لیے جمع ہوتے ہیں تاکہ اباحیت و آزادی کے میدان میں خست و دناءت و کمینہ پن میں خنزیر و سور کی طرح بن جائیں، اور جنس و شہوت کے جوش میں حیوانوں کی طرح جفتی کر سکیں۔

یہ کمینہ پن، آزادی و بے راہ روی اور خرابی کے میدان ہیں، یہ بے حیائی اور زنا کے اڈے ہیں جن میں ہر وقت لذت پسند اور جسمانی کیف کے شوقین اور آوارگی و آزادی کے دلدادہ آتے جاتے رہتے ہیں۔

یہ ایک ایسی متعدی بیماری ہے جو مغربی تہذیب کی اندھی تقلید کی وجہ سے ہم کو بھی لگ گئی ہے، یا ہم نے اس مغربی تہذیب کے صرف ظاہر کو دیکھا اور باطن پر غور نہیں کیا اس لیے اس مرض میں ہم بھی گرفتار ہو گئے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے وقت کو لغویات میں برباد اور زندگی کے قیمتی سرمایے کو ضائع کر رہے ہیں۔

ورنہ پھر اس کا کیا مطلب ہے کہ ایک احمق انسان اپنا وقت اور مال عورتوں کے نظارے اور گناہ کے کمانے اور آزادی کی طرف تدریجاً بڑھنے اور خواہش و منکرات کے ارتکاب میں برباد کرے، اور ان میں سے کوئی چیز بھی انسان کو دنیا یا آخرت میں کبھی بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔

یہ قحبہ خانے خواہ پوشیدہ ہوں یا کھلم کھلا یہ درحقیقت جنسی اتصال اور شہوت رانی کے طوفان کو برپا کرنے کے وسیع وکشادہ دروازے ہیں، اس لیے کہ یہ ایسے گندے جوہڑ ہیں جن میں گناہ اور معصیت کے جراثیم مختلف انواع واقسام کی شکل میں پلتے اور بڑھتے ہیں، ان کے جذبات برانگیختہ کرنے والے مناظر دیکھ کر انسان اپنے قابو سے باہر ہو جاتا ہے، اور اللہ کے حکم کو بھول جاتا ہے، اور پھر جب وہ گناہگار چہرے اور ننگے بدن اور حسن وجمال کی فتنہ سامانیاں دیکھتا ہے تو آہستہ آہستہ آزاد طبع وآزاد منش بن جاتا ہے۔

اور نشہ آور چیزوں اور مخدرات کے استعمال سے بند دروازے کھل جاتے اور خوابیدہ فتنے بیدار ہو جاتے ہیں، اور لوگ حقیقت پسندی اور استقامت اور اپنے مقام سے ہٹ کر چھچھوری حرکتوں اور قبیح کھیل وکود اور حرامکاری اور ناجائز میل ملاپ وغیرہ میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

ان فاسد وگندے مقامات اور گناہ وحرام کاری کے ان اڈوں میں جو ناجائز وحرام تعلقات کے بیج جڑ پکڑ لیتے ہیں، تو اس کی وجہ سے کتنے ہی خاندان برباد ہو جاتے اور کتنے ہی گھرانے اجڑ جاتے ہیں۔ اور کتنی ہی عورتیں بے باک واخلاق باختہ بن جاتی ہیں، اور مروءت واخلاق کا جنازہ نکل جاتا ہے، اور ناجائز کاموں کا ارتکاب ہوتا ہے اور مال ودولت حرام کاری میں لٹائی جاتی ہے۔

ان قحبہ خانوں کا فتنہ صرف یہیں تک نہیں رک جاتا بلکہ ان کے فساد کا اثر بہت سی ان لڑکیوں تک پہنچ جاتا ہے جن کے قدم اس گڑھے میں اس لیے پھسل جاتے ہیں تاکہ مال ودولت حاصل کر سکیں، اور ساتھ ہی لذت وخواہش بھی پوری ہو، اور عارضی کیف وشوق بھی پورا ہو جائے، چاہے اس کے نتیجے میں کتنے ہی مصائب وآلام کا خمیازہ کیوں نہ بھگتنا پڑے۔

اس صورتِ حال سے متعلق ــــ تربیت کرنے والے افراد کے سامنے میں اس بات کے چند نمونے اور مثالیں پیش کرنا چاہتا ہوں کہ کتنی ہی معصوم لڑکیاں اس گندگی کے گڑھے میں گری ہیں تاکہ صحیح صورت حال ان کے سامنے کھل کر واضح ہو جائے:

الف ـ ریاضت کی تعلیم دینے والی ایک معلمہ، لڑکیوں کے ایک ثانوی مدرسہ کی دسویں جماعت کی طالبات کو ریاضت کا ایک درس دے رہی تھیں کہ اچانک ایک لڑکی چکرا کر زمین پر گر پڑی، چنانچہ اس کو طبی امداد دینے کے لیے فورًا ہسپتال منتقل کر دیا گیا، جب ڈاکٹروں نے اس کا چیک اپ کیا تو معلوم ہوا کہ وہ طالبہ زنا کی وجہ سے حاملہ تھی۔

جب اس سلسلہ میں تحقیق ہوئی تو معلوم ہوا کہ اس طالبہ اور اس کی پانچ ہم عمر طالبات کا اس قسم کے عیاشی کے اڈوں اور قحبہ خانوں میں سے شہر کے ایک قحبہ خانے سے اتصال تھا، لیکن اس کا علم نہ اس کے گھر والوں کو تھا اور نہ مدرسہ والوں کو۔

تحقیق جب مزید آگے بڑھی تو معلوم ہوا کہ ان طالبات میں سے ایک طالبہ اسکول میں داخل ہونے سے قبل ہی اس قسم کے بے حیائی کے کام اپنی فاحشہ وبدکردار ماں کی مرضی سے کیا کرتی تھی، اور اس نے اپنے سنہرے جال کے ذریعہ سے اپنی دوسری سہیلیوں کو بھی برائی اور حرام کاری کے دام میں گرفتار کرا دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج ان کو اس بے حیائی اور رسوائی اور

دردناک صورت حال کا منہ دیکھنا پڑا۔

وزارت تعلیم سے تعلق رکھنے والے ذمہ دار حضرات نے اس موضوع کو دبا دیا اور اس حادثہ کی فائل کو اس لیے داخلِ دفتر کر دیا تاکہ رسوائی نہ ہو، واقعی بری صحبت کا گمراہ کرنے اور حرام کاری میں مبتلا کرنے میں بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔

ب۔ ایک آزاد طبع شہوت پرست باپ جس کا مطمع نظر ہی آوارگی اور عورتوں سے میل ملاپ کے ذریعہ اپنی خواہش کو پورا کرنا تھا، اور جس کا کام اس کے سوا اور کوئی نہ تھا کہ حیوانوں کی طرح شہوت رانی کرتا پھرے، ایک دن وہ اپنی خواہش پوری کرنے زنا کے ان چکلوں میں سے ایک پوشیدہ و مخفی اڈے گیا تو کیا دیکھا کہ اس اڈے کا مالک گاہکوں کو زانیہ و فاحشہ عورتوں کی تصویریں دکھا رہا ہے، اچانک اس کی نظر اپنی ایک طالبہ لڑکی پر پڑی تو اس کی تصویر دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہو گئے، لیکن اس نے صحیح صورتِ حال پر مطلع ہونے کے لیے اپنے حواس قابو میں رکھے، اور اس شخص سے کہا کہ میں اس تصویر والی کو چاہتا ہوں، تو اس نے کہا کہ فلاں کمرے میں چلے جائیے وہ لڑکی آپ کو وہاں بالکل تیار موجود ملے گی۔

وہ شخص وہاں گیا تو اس نے دیکھا کہ اس کی بیٹی گاہکوں کے استقبال کے لیے مکمل طور سے تیار بیٹھی ہوئی ہے، لیکن جب اس لڑکی نے اپنے والد کو اپنے سامنے کھڑا دیکھا تو وہ گھبرا گئی اور اس پر دہشت طاری ہوگئی، اور اچانک اس کو شدید صدمہ پہنچا اور وہ نہایت گھبراہٹ کے عالم میں باپ کی گرفت سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے چیختی چلاتی دروازے کی طرف بھاگی۔

باپ نے جب یہ قبیح منظر دیکھا تو اس کے دماغ میں غیرت و حمیت نے جوش مارا، اور عزت و آبرو کو بچانے کے لیے اس کی رگوں میں خون دوڑنے لگا، چنانچہ اس نے بلا تامل بھپرے شیر کی طرح اپنی بیٹی پر حملہ کر دیا تاکہ اس کا گلا گھونٹ دے، لیکن فوراً لوگ اِدھر اُدھر سے دوڑ پڑے، اور وہ اپنا دل ٹھنڈا نہ کر سکا، اور گویا یہاں پر اس سین کا پردہ گر گیا، اور پھر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس لڑکی کا انجام کیا ہوا۔

جو لوگ اس واقعہ کے تانے بانے سے واقف ہیں ان کا کہنا تھا کہ یہ لڑکی اس بدکرداری میں غلط صحبت کی وجہ سے گرفتار ہوگئی تھی، اس لیے کہ پڑوس کی ایک لڑکی اس کے ساتھ سکول جایا کرتی تھی اس نے اس لڑکی کو یہ سبز باغ دکھا کر اس کو اس دردناک انجام تک پہنچایا تھا، لیکن اس لڑکی کے گھر والوں میں سے کسی کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ان کی بیٹی بجائے اسکول جانے کے بے حیائی کے ایک ایسے مرکز و اڈے میں جاتی ہے جہاں اس نے اپنی عزت و شرافت و پاکدامنی کو دفن کر دیا ہے، واقعی سچ ہے کہ بری صحبت انسان کو گمراہ و خراب کرنے میں سب سے بڑا ذریعہ و سبب ہوتی ہے۔

ج۔ مجھ سے بعض ان غیرت مند مخلص اساتذہ نے بیان کیا جن پر مجھے پورا بھروسہ و اعتماد ہے کہ ایک روز وہ شہر کے ایک قہوہ خانے میں اپنے ایک دوست کو تلاش کرنے گئے، وہ اس قہوہ خانے میں داخل ہو ہی رہے تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ طلباء و طالبات قہوہ خانے کی اوپر کی منزل کی طرف چلے جا رہے ہیں، ان کے دل میں بھی یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اوپر جاکر دیکھیں

یہ لوگ اوپر کہاں جارہے ہیں؛ اور کیوں جارہے ہیں؛

یہ جیسے ہی اوپر پہنچے تو وہاں کا ہولناک وحیا سوز منظر دیکھ کر حیران وششدر رہ گئے۔ اس لیے کہ انہوں نے دیکھا کہ اوپر جانے والوں کی اکثریت طلباء وطالبات پر مشتمل ہے، اور ان میں سے کوئی کسی سے بوسہ بازی میں مصروف ہے۔ کوئی کسی سے بغلگیر ہے، کوئی غزلیہ وعشقیہ اشعار پڑھ رہا اور بڑی ڈھٹائی کیساتھ بے ہنگم طریقے سے ہنس رہا ہے کوئی دوسروں کے جذبات برانگیخت کرنے کے سامان مہیا کر رہا ہے۔

انہوں نے خود اپنے نفس سے پوچھا کہ یہ لوگ یہاں کیسے پہنچے؛ اور ان کا ایک دوسرے سے تعلق وربط کیسے قائم ہوا؛ اور کون ان لوگوں کو اس جگہ تک لے کر آیا ہے؛

درحقیقت آزادی بے راہ روی اور فاحشہ کے یہ ایسے اسباق ہیں جو انہوں نے ٹیلی ویژن اور سینما سے حاصل کیے ہیں۔ جو انہوں نے فحش رسالوں سے سیکھے ہیں، جو انہوں نے عشقیہ ناولوں اور فحش گانوں سے سرِ راہ سیکھے ہیں جس کا نتیجہ اس دردناک انجام اور غمناک عاقبت کی شکل میں ظاہر ہوا، ان کے گھر والوں کو اپنے بچوں بچیوں کے ان معاملات کی کچھ خبر نہیں ہے، واقعتہً برے ماحول کا انسان کو خراب کرنے اور بگاڑنے میں بہت دخل ہوتا ہے۔

د۔ بہت سے اداروں کے سربراہ مردوں اور عورتوں اور اسکولوں کے پرنسپل مردوں اور عورتوں نے مجھ سے یہ بیان کیا ہے کہ دفتری کام کاج کے دوران انہیں بہت سے ایسے خطوط ملے ہیں جو اسکولوں میں ڈاک کے ذریعہ سے آتے ہیں جن میں عشق ومحبت کی باتیں اور اشعار ہوتے ہیں، جن کے لکھنے والے وہ طلبہ وطالبات ہوتے ہیں جنہوں نے اپنی تعلیم کا بیشتر قیمتی وقت کس چیز میں خرچ کیا؛ اس خط کے لکھنے میں جسے ایک عاشق اپنی معشوقہ کو لکھتا ہے یا کوئی محبوبہ اپنے عاشق کو لکھتی ہے جس کا اصل سبب یہ ہوتا ہے کہ ماں باپ ان کی نگرانی میں کوتاہی کرتے ہیں یا اسکول والے صحیح تربیت نہیں دیتے یا پھر اس معاشرتی عمومی فساد کا اثر ہے جو ہر جگہ ہر معاشرے میں پھیل چکا ہے۔

اولاد چاہے لڑکا ہو یا لڑکی جب وہ عقیدہ سے ناواقف اور اخلاق سے عاری ہوگی اور اس کا ضمیر مردہ ہوگا اور برے لوگوں سے میل جول اور بدکرداروں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہوگا تو اس کا لازمی اثر یہ ہوگا کہ اس رسوا کن انجام اور مہلک عاقبت کو ہی پہنچے گا، واقعی برے ماحول اور گندی صحبت انسان کو گمراہ کرنے اور بگاڑنے میں بڑا کردار ادا کرتی ہے۔

(۴) معاشرے میں فحش مناظر کا فساد:

جوان آدمی یا قریب البلوغ لڑکا جب سڑکوں یا عام جگہوں پر نگاہ دوڑاتا ہے تو کیا دیکھتا ہے؛

وہ ان ننگی تصویروں کو دیکھتا ہے جنہوں نے سینماؤں، رسالوں، اخبارات اور پوسٹروں اور سڑکوں اور گھروں اور مجالس و محافل پر یلغار کر رکھی ہے۔

وہ ان عورتوں کو دیکھتا ہے جو لباس پہن کر بھی عریاں و ننگی ہوتی ہیں، اور وہ زیب و زینت سے آراستہ ہوکر اور بن سنور کر شعلۂ جوالہ بن کر نکلتی ہیں۔ وہ ایسی عورتوں کو جن کے یہاں عزت و شرافت کا کوئی خیال اور اخلاق کی کوئی قدر و قیمت نہیں ان کو نہایت بے ہودہ لباس میں دیکھتا ہے۔

وہ دیکھتا ہے کہ طلبار و طالبات جب اسکول کالج جاتے اور وہاں سے واپس ہوتے ہیں تو ایک دوسرے سے ایسے ملے جلے اور آپس میں ایسے خلط ملط ہوتے ہیں کہ وہ ٹڈی دل کا سا منظر پیش کر رہے ہوتے ہیں، اور بسا اوقات ہم نے آزاد منش بے حیا طلبا کو سرراہ بے باک و آزاد لڑکیوں سے گندہ ہنسی مذاق کرتے دیکھا ہے اور نہایت فحش کلمات سنے ہیں۔
وہ دیکھتا ہے کہ قریب البلوغ لڑکے اور لڑکیاں سینما کے دروازے پر کھڑے ہوکر بے حیائی اور حرام کاری کی تعلیم دینے والی تصویروں کو دیکھ رہے ہیں۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایسے لڑکے کسی اپنی ہم عمر لڑکی سے وقت مقرر کر لیتے ہیں یا اچانک اسی وقت اس لڑکی کا ٹکٹ خرید کر دونوں مل کر گندی و فحش فلم یا عریاں فلم یا بے ہودہ ڈرامہ دیکھتے ہیں، بچہ ابھی بالغ بھی نہیں ہوتا یا بالغ ہوتے ہی جوانی کے جوش کے ابتدائی ایام میں وہ یہ سب چیزیں اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے بلکہ اس سے بھی آگے کے مراحل تک دیکھ لیتا ہے، بلاشبہ گندے ماحول اور خراب سوسائٹی کا گمراہ کرنے اور اخلاق بگاڑنے میں بہت بڑا دخل ہوتا ہے۔

⑤ بُری صحبت کے نقصانات:

قسم اول کی وہ فصل جس میں ہم نے بچوں کے خراب ہونے کے اسباب ذکر کیے ہیں اس میں ہم یہ ذکر کر چکے ہیں کہ وہ بڑے عوامل جو بچے کو بگاڑ دیتے ہیں ان میں برے ساتھی اور بری صحبت بھی ہے، خصوصاً اگر لڑکا بے وقوف سا ہو، اور اس کا ایمان و عقیدہ کمزور ہو، اخلاق مضبوط نہ ہوں، تو وہ برے لوگوں اور آوارہ مزاج لڑکوں کی صحبت سے بہت جلد متاثر ہو جاتا ہے، اور وہ بہت جلد ان سے گندی خصلتیں اور برے اخلاق سیکھ لیتا ہے، بلکہ نہایت تیزی سے ان کے ساتھ بدبختی و شقاوت کے راستے پر چلنے لگ جاتا ہے، اور ان کی طرح جرم و اخلاق باختگی اس کی بھی طبیعت بن جاتی ہے، اور کج روی و بداخلاقی اس کی فطرت بن جاتی ہے۔ اور پھر اس کو راہِ راست پر لانا اور گمراہی کے غار سے نکالنا اور بدبختی کے گڑھے سے باہر لانا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

میرے محترم مربی صاحبان! جب ہم قحبہ خانوں کے فساد کا تذکرہ کر رہے تھے، تو آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ بُری صحبت کا نئی پود اور نوعمر لڑکے لڑکیوں کو برائی کی طرف لیجانے اور آزادی و فحاشی کے ماحول تک پہنچانے میں کتنا بڑا اثر ہوتا ہے، اس لیے کہ نبی کریم صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کے حسبِ ارشاد ساتھی کا انتخاب اور اس کی دیکھ بھال بہت ضروری ہے، چنانچہ ابنِ حبان روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((المرء علی دین خلیله فلینظر   انسان اپنے ساتھی کے مذہب پر ہوتا ہے اس لیے تمہیں

أحدكم من يخالل »۔ — دیکھ لینا چاہیئے کہ کس سے دوستی کر رہے ہو۔

اور ارشاد فرمایا:

«إياك وقرين السوء فإنك تعرف به». — تم برے ساتھی سے بچو اس لیے کہ تمہیں اسی کے ذریعہ سے پہچانا جائے گا۔

ابن عساکر

اور اللہ رحم فرمائے اس شاعر پر جس نے یہ شعر کہا ہے:

عن المرء لا تسأل وسل عن قرينه — فكل قرين بالمقارن يقتدي

خود انسان کے بارے میں نہ پوچھو بلکہ اسی کے ساتھی کے بارے میں پوچھو — اس لیے کہ ہر شخص اپنے ساتھی کی اقتدا و پیروی کرتا ہے

(۶) دونوں جنسوں (مرد وزن) کے باہمی اختلاط کا فساد:

لڑکے اور لڑکیاں جب شعور کی عمر کو پہنچتی ہیں اور بالغ ہونے کے قریب کی عمر میں ہوں تو ان کا باہمی اختلاط و میل جول کا عادات و اخلاق، علم و صحت، جسم و اعصاب پر بہت بڑا اثر پڑتا ہے۔

آج بہت سے اسلامی معاشروں میں بھی مرد و زن کے باہمی اختلاط کی بدعت اسکولوں کالجوں دفتروں اور کاروباری اداروں میں اس بنیاد پر شروع ہوگئی ہے کہ دونوں جنسوں کا آپس میں اختلاط طبیعت کو نکھار بخشتا ہے، اور چھپی ہوئی شہوت کا رخ پھیر دیتا ہے اس لیے کہ مرد و زن کا اجتماع ایک مانوس و عام چیز بن جاتی ہے۔

اس سے قبل عقلی تربیت کی ذمہ داری کی فصل میں ہم اس کی مفصل و مدلل تردید پیش کر چکے ہیں، اور ہر وہ شخص جو یہ سمجھتا ہے کہ دونوں جنسوں کے درمیان اختلاط چھپے ہوئے جذبات کو مہذب بناتا ہے اور شہوت کی حدیں مقرر کر دیتا ہے اور مرد و عورت کا میل ملاقات ایک فطری اور مانوس چیز بن جاتی ہے اس کے اس نظریہ کا رد پہلے آچکا ہے، آپ بھی اس مذکورہ بالا فصل کو ملاحظہ کیجیے، وہاں اختلاط کے دعوے داروں کی تردید کے ضمن میں جو بحث کی ہے وہ پڑھ لیجیے ان شاء اللہ پوری تشفی ہو جائے گی۔

محترم مربی حضرات! بچوں کے اخلاقی فساد اور جنسی جذبات کے بھڑکانے کے یہ اہم اسباب و سائل ہیں۔ اور درحقیقت یہ نہایت تباہ کن وسائل اور مہلک ترین اسباب ہیں جیسا کہ آپ خود ملاحظہ کر چکے ہیں۔

اس لیے آپ کو چاہیئے کہ بچے کی دیکھ بھال کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داری پوری طرح ادا کریں خواہ یہ مسئولیت خارجی نگرانی کی ہو یا داخلی دیکھ بھال کی۔

لیکن یہ سوچنا چاہیئے کہ کیا یہ دیکھ بھال و نگرانی ہی کافی ہے یا کچھ اور ایسے مثبت وسائل بھی ہیں جنہیں بچوں کی اصلاح کے لیے مربیوں کو ضرور اختیار کرنا چاہیئے۔

بچے کے اخلاق درست کرنے والے وسائل :

میرے خیال میں تین مثبت ایسے وسائل ہیں کہ اگر مربیوں نے ان کو اختیار کر لیا تو بچہ اخلاقی طور پر درست اور ٹھیک ہو جائے گا، اور جنسی طور پر اپنے اوپر کنٹرول کرے گا، اور پھر وہ اپنی پاکبازی وعفت میں فرشتے کی طرح، اور اخلاق و کردار میں نبی کی طرح، اور روحانیت و تقویٰ میں مرشد کی طرح بن جائے گا اور وہ ترتیب وار تینوں وسائل یہ ہیں :

(۱) ذہن سازی ۔ (۲) ڈرانا و متنبہ کرنا ۔ (۳) ربط و تعلق ۔

(۱) ذہن سازی :

اس بات میں کوئی بھی دو فرد اختلاف نہیں کریں گے کہ اگر شروع ہی سے بچے کے ذہن نشین کرا دیا جائے کہ یہ معاشرتی فساد اور اخلاقی آزادی و کمزوری جو اسلامی ماحول و معاشروں میں بھی ہر جگہ پھیل گئی ہے یہ یہودی صہیونی و شیوعی اور صلیبی اور استعماری سازشوں کا نتیجہ ہے، تو پھر جب بچہ بڑا ہوگا تو اس میں اتنی پختگی سمجھ اور شعور پیدا ہو چکا ہوگا جو اسے شہوات ولذات میں بہنے سے روک دے گا، اور بہت سے فتنوں اور فساد سے رکاوٹ بن جائے گا.

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان لوگوں کے یہاں فساد کے درج ذیل وسائل ہیں : عورت، سینما، ڈرامے، رسالے، اخبارات ٹیلیویژن، ریڈیو، لباس، ننگی تصاویر کی اشاعت، اور اخلاق باختگی کے کھلم کھلا اور پوشیدہ قحبہ خانے و مراکز اور اس جیسی چیزیں.

ان سازشوں کے جال کے بارے میں اس کتاب کے "مسئولیت وذمہ داری کو محسوس کرنا" نامی عنوان کے ذیل میں ہم نے شواہد و ادلہ جمع کر دیئے ہیں. اور اس سے قبل "عقلی تربیت کی ذمہ داری" کی فصل کے تحت ہم ان سازشوں کے بارے میں پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں.

لہٰذا آپ ان دونوں بحثوں کو دیکھ لیجیے آپ کو انشاء اللہ تشفی کا پورا سامان مل جائے گا. یہاں پر اس میں کوئی مضائقہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ ہم آپ کے سامنے نہایت اختصار سے ان سازشوں کے طویل وعریض خطوط اور طریقے بیان کر دیں تاکہ آپ کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ اعداءِ اسلام اسلامی ماحول و معاشرہ کو بگاڑنے کے لیے کس طرح منظم طریقے سے کام کرتے ہیں.

یہود اور ماسونیت (فری میسن) ان لوگوں نے اس "فرائڈ" کی آراء کو اپنا لیا ہے جو انسانی زندگی کی ہر چیز کو جنسی داعیہ اور شہوت و لذات کے سمندر میں غرق ہونے سے تعبیر کرتا ہے.

◉ ان لوگوں نے کارل مارکس یہودی کی آراء کو اختیار کر لیا ہے جس نے ان کے عقائد و اخلاق کو خراب کر ڈالا اور مذہب کو لغو قرار دیا. اور خدا کے ہونے کے عقیدہ کی مخالفت کی. اور جب کارل مارکس سے یہ پوچھا گیا کہ خدائی عقیدے کا بدل کیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ اس کا بدل سیر و سیاحت اور ڈرامہ بازی ہے. لوگوں کو کھیل کود میں مست کر کے خدائی کے عقیدے سے

سے غافل کردو۔

◉ انہوں نے "نیتشہ" کی آراء کو پسند کیا ہے جس نے اخلاق کا جنازہ نکال دیا، اور ہر شخص کو اس بات کی کھلی چھٹی دے دی کہ وہ خواہشات پوری کرنے کے لیے جو چاہے کر گزرے۔

◉ ان کی کوشش و جدوجہد صرف اس لیے ہے کہ عورت اور جنس کے راستہ سے ہر جگہ سے اخلاق کا جنازہ نکل جائے، ان لوگوں (ماسونیوں (فری میسن والوں) کے اقوال میں سے یہ قول بھی مشہور ہے کہ ہمیں چاہیئے کہ ہم عورت کو قابو میں کرلیں اور اس کو اپنے دام میں لے لیں، لہٰذا جس روز بھی وہ اپنا ہاتھ ہماری طرف بڑھا دے گی اس روز ہم حرامکاری کا بیج بونے میں کامیاب ہوجائیں گے اور دین پرستوں کا لشکر پارہ پارہ ہوجائے گا۔

استعمار و نصرانیت

مستعمرین کے ایک بڑے پوپ کا کہنا ہے کہ شراب کا جام اور مغنیہ و فاحشہ عورت امت محمدیہ کو تہ و بالا کرنے کا اتنا بڑا کام کرسکتے ہیں جو کام ایک ہزار توپیں نہیں کرسکتیں، اس لیے اس قوم کو مادہ اور شہوت کی دنیا میں غرق کردو۔

اور پوپ زویمر نے قدس میں پادریوں کی ایک مجلس میں کہا کہ تم نے مسلمانوں کے ملک میں ایسے لوگ پیدا کردیے ہیں جن کا خدا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور واقعی مسلمانوں کی نئی پود ویسی ہی بن گئی جیسا استعمار نے چاہا کہ نہ انہیں مقدسات کا کوئی خیال ہے نہ توجہ، اور وہ راحت پسند اور سست بن گئے، اور ان کا مطمع نظر دنیا کی لذت و شہوت ہی بن کر رہ گیا، اگر وہ پڑھتے ہیں تو شہوت رانی کے لیے، اور اگر مال جمع کرتے ہیں تو عیاشی کے لیے۔ اور اگر کسی بلند منصب پر پہنچ بھی جائیں گے تب بھی لذت و شہوت کے لیے ہر چیز قربان کردیں گے

شیوعیت (کمیونزم) و مادی مذاہب

محترم قارئین "مسئولیت و ذمہ داری کے احساس" کے عنوان کے تحت عنقریب آپ کے سامنے وہ باتیں آجائیں گے جو کمیونسٹوں نے اپنی مخفی رپورٹوں میں کہی ہیں۔ لیکن ہم اس وقت صرف درجِ ذیل قول کے ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، اس لیے کہ اس کا ہمارے موضوع سے تعلق ہے:

"ہم ایسی چیزوں کے عام کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں جو دین کی بنیادیں تباہ کردیں مثلاً قصے، ڈرامے، تقاریر، اخبارات رسالے اور ایسی کتابیں جو الحاد کو رائج کرتی اور اس کی طرف دعوت دیتی ہیں اور دین اور دینداروں کا مذاق اڑاتی ہیں اور وہ صرف اور صرف علم کی دعوت دیتی ہیں اور اس کو زبردست و غالب خدا مانتی ہیں"

ان سازشوں و منصوبوں اور اقوال سے یہ بات صاف معلوم ہوگئی کہ یہودیت اور ماسونیت (فری میسن تنظیم) اور شیوعیت (کمیونزم) و صلیبیت اور نصرانیت و استعمار سب ایک دوسرے کے معاون، دوست اور مددگار اور ہم پیالہ و ہم نوالہ ہیں جو سب کے سب مل کر یہ چاہتے ہیں کہ شراب، جنس، ڈراموں، رسالوں، اخبارات اور ریڈیو ٹیلی ویژن کے پروگراموں اور لادینی کتب و مطبوعات اور اخلاق سوز قصے کہانیوں اور ڈراموں کے ذریعہ اسلامی معاشروں کو ختم و تباہ کردیا جائے۔

اور افسوس کی بات یہ ہے کہ وہ اپنے اس گندے وقبیح مقصود ومطلوب اور قبیح وخبیث غرض تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے ہیں، اور ہم بچشم خود اپنی قوم وجماعت کے ایسے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو دیکھتے ہیں جو ہماری ہی زبان بولتے ہیں اور اسلام سے وابستہ ہیں لیکن حیوانوں کی طرح شہوات وجنس کی طرف دوڑ رہے ہیں اور آزادی و بے راہ روی و اخلاق باختگی میں دوسروں کی اندھی تقلید کر رہے ہیں۔ اور وہ اب ایسی دردناک حالت تک پہنچ گئے ہیں کہ ان کا مطمع نظر اور مقصود سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ بے حیائی ورذالت اور جنس کی دلدل وگڑھے میں پڑے رہیں۔ اور فحش فلمیں یا اخلاق سوز ڈرامے یا گندے سین دیکھیں، یا کسی ایسی جگہ تک رسائی کرلیں جہاں پہنچ کر اپنی مردانگی عزت وکرامت کا جلوس نکال دیں، اور بے حیائی کے اس در پر سجدہ ریز ہوجائیں اب ان کا یہی کام رہ گیا ہے[1]

اس لیے اے تربیت کرنے والو آپ کا کام یہ ہے کہ آپ اپنی اولاد و جگر گوشوں میں دین کی صحیح سوچ وسمجھ پیدا کریں تاکہ وہ دشمنوں کے دام اور مکاروں کے جال سے واقف ہوں، اور ان کو یہ بتلا دینے میں کوئی قباحت نہیں ہے کہ اگر وہ فساد کی دلدل میں پھنس گئے اور آزادی واباحیت کے پیچھے ہولیے تو وہ چاہے سمجھیں یا نہ سمجھیں وہ درحقیقت اسلام کی سرزمین اور مسلمانوں کے شہروں میں یہودیت، صلیبیت اور شیوعیت کے نافذ کرنے والے اور ماسونیت و استعمار اور نصرانیت کی سازشوں اور منصوبوں کو کامیاب بنانے والے بن جائیں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر صحیح طور سے ذہن بنا دیا جائے تو یہ عقلی و وجدانی طور پر بچوں کو اس سے روکنے کا بہت بڑا ذریعہ بن سکتا ہے جس کا لازمی اثر یہ ہوگا کہ وہ خود بخود فواحش وحرام چیزوں سے رک جائیں گے۔

(۲) ڈرانا اور متنبہ کرنا :

اگر مربی اپنی توجیہات ونصائح میں اس وسیلہ کو اختیار کرلیں تو میرا خیال یہ ہے کہ بچے کو حرام سے روکنے اور فواحش سے باز رکھنے کے لیے یہ وسیلہ مثبت وسائل میں سے سب سے کامیاب ترین وسیلہ وذریعہ ہوگا۔ اس لیے کہ یہ ذریعہ بچے کے سامنے ان خطرات کی حقیقی صورت پیش کر دے گا جو شہوات کے سیلاب میں بہنے اور آزادی واباحیت کے جال میں پھنسنے کا لازمی اثر ہوتا ہے۔

ذیل میں مربیوں کے سامنے میں اُن اہم خطرات کو پیش کر رہا ہوں جو زنا اور ناجائز طور سے مرد وزن کے اختلاط اور نامناسب تعلقات کی وجہ سے وجود میں آتے ہیں، تاکہ صورتِ حال کھل کر سامنے آجائے اور آپ بچوں کے ذہن بنانے اور ہوشیار ومتنبہ کرنے کے اپنے فریضہ کو ادا کرسکیں، اور بچہ ناجائز وحرام چیزوں اور ناپسندیدہ آزادی واختلاط سے رک جائے۔

---

[1] ملاحظہ ہو ہماری کتاب "وسائل نشر واشاعت کے بارے میں اسلام کا فیصلہ" (ص ۵۸ و ۵۹)۔

لیجیے اب آپ کے سامنے زنا کے خطرناک اثرات پیش کیے جاتے ہیں[1]:

الف ۔ صحت کو پہنچنے والے نقصانات:

○ مرض سیلان:

جو زنا کی وجہ سے ایک دوسرے میں منتقل ہوتا ہے اور رحم و خصیتین میں شدید اور مزمن قسم کے التہابات پیدا کر دیتا ہے جو کبھی بانجھ ہونے تک پہنچا دیتا ہے۔ اور اس سے مفاصل و جوڑوں میں درد کی شکایت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس سے بچے کو نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے بچے کی آنکھوں میں سوزش پیدا ہو جاتی ہے جو کبھی اندھا تک کر دیتی ہے۔

○ آتشک کی بیماری:

جس کو عوام کی زبان میں انگریزی بیماری کہا جاتا ہے، اس لیے کہ اسکی ابتدا ان انگریزی معاشروں سے ہوئی ہے جہاں زنا کثرت سے ہوتا ہے، اور جہاں کے لوگ اس بے حیائی کے کام میں بہت زیادہ مبتلا ہیں۔

○ اعضاءِ تناسل کے زخم:

یہ مرض بھی حرامکاری و زنا کی وجہ سے منتقل ہوتا ہے جو بلغم کی نالیوں میں سوزش پیدا کر دیتا ہے اور کبھی کبھی لاعلاج زخم و پیپ بھرے پھوڑوں کا سبب بنتا ہے اور پیشاب کی نالیوں میں جلن پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جوڑوں میں درد اور انگلیوں وغیرہ میں ورم ہو جاتا ہے۔

○ سوزاک:

جو زنا کے راستے سے ایک دوسرے میں منتقل ہوتا ہے۔ اور اعضاءِ تناسل میں دردناک سوزش اور زخم پیدا کر دیتا ہے جو کبھی سارے جسم کو لپیٹ میں لے لیتا ہے۔

○ قبل از وقت بالغ ہو جانا:

اس مرض کے بعض وہ بچے شکار ہوتے ہیں جو وقت سے پہلے شہوت کے جوش اور غدود کے مکمل تیار ہونے سے قبل جنسی جذبات کے بھڑکنے کے عادی ہو جاتے ہیں جس کا اثر بدن کے اعضاء کی شکل و صورت کے بگاڑ اور نفسیاتی اور اعصابی امراض کے ظہور کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس کے علاوہ اور دوسرے بہت سے وہ امراض بھی جن کا جسم اور صحت سے تعلق ہے۔

ب ۔ نفسیاتی و اخلاقی نقصانات:

اس قسم کے شہوت پرست اور حیوانیت کی طرف مائل لوگ کبھی مندرجہ ذیل امراض کا شکار ہو جاتے ہیں:

---

[1] ملاحظہ ہو عبدالباقی رمضون کی کتاب "اختلاط و بے حجابی کے نقصانات" تھوڑے سے تصرف کے ساتھ۔

○ جنسی انحراف کے مرض میں گرفتار ہونا یعنی مردوں کا لواطت اور عورتوں کا ہم جنس پرستی کے مرض میں مبتلا ہونا۔ یہ مرض درحقیقت بہت خطرناک مرض ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مرد مرد پر اور عورتیں عورتوں پر اکتفا کر لیتی ہیں، یہ ایک ایسا مرض ہے جس میں بہت سی وہ قومیں مبتلا ہیں جو تہذیب و تمدن اور ثقافت و ترقی کی دعوے دار ہیں، جیسے کہ یورپ و امریکہ۔ چنانچہ وہاں پانچ لاکھ کے قریب مرد و عورتیں ایسی ہیں جو نیویارک امریکا میں اس مرض کا شکار ہیں، یہ وہ ہیں جو کھلم کھلا پیشے کے طور پر اس فحش کام کو اپنائے ہوئے ہیں، ان کے علاوہ چوری چھپے اور درپردہ جو مرد اور عورتیں اس میں مبتلا ہیں ان کی کثرت کا آپ خود ہی اندازہ لگا لیجیے۔

○ جنسی ہوس کی بیماری چنانچہ آپ اس مرض کے مریض کو ہر وقت اپنے شہوانی اور جنسی خیالات، شادی، بوسہ بازی، لپٹنا چمٹنا، بوس و کنار، اور عورتوں کے اعضاء و چہرے، آنکھوں، گردن، ہونٹوں، پستانوں، شرمگاہ، رانوں وغیرہ کے خیالات میں غرق دیکھیں گے، آپ دیکھیں گے کہ وہ ہر چیز سے کنارہ کش و الگ تھلگ ہوگا۔ نسیان کا مرض اس میں بڑھ جائے گا۔ اس میں کسی کام کا اہتمام نہیں رہے گا غفلت بڑھ جائے گی، تیقظ و سوجھ بوجھ ختم ہو جائے گی، آپ کو وہ بے وقوف و غبی معلوم ہوگا یا غمگین و مصیبت زدہ نظر آئے گا، اس مرض کی وجہ سے جسم نحیف و لاغر اور حافظہ کمزور ہو جاتا ہے، اور نفس میں اضطراب و بے چینی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

انسانی معاشروں میں زنا کے جو برے اخلاقی اثرات عمومی طور سے لوگوں پر پڑتے ہیں وہ یہ ہیں :

○ نوجوان شہوت و جنس کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ اور شراب و چرس و افیم وغیرہ کے نشے میں دھت رہتے ہیں۔

○ معاشرہ آزاد و بے راہ رو، جسمانی، اخلاقی، نفسیاتی اور عقلی طور پر بیمار ہو جاتا ہے۔

○ قتل و اغوا اور آبروریزی کے اقدامات عام ہوتے ہیں۔

○ افیون، حشیش وغیرہ مخدرات و منشیات کو پھیلانے والوں کی کثرت۔

○ جنس و شہوات کے تاجر اور دوشیزاؤں کو بیچنے والے اور فاحشہ عورتوں کو اجرت پر دینے والے دلالوں کی فراوانی۔

○ اطباء، وکلاء، حکام اور قانون دان افراد کی ایسی جماعتیں جن کا کام مال و دولت اور عورت کی رشوت کے عوض جرائم کی پردہ پوشی اور دوسروں کے حقوق کی حق تلفی کرنا ہے۔

○ بے حیائی و بے حجابی و عریانی کی علانیہ مجالس جن میں شریک افراد بغیر کسی شرم و حیا، کے اخلاق و انسانیت کے ہر لباس سے یکسر عاری ہو جاتے ہیں۔

○ ہر طرف پائے جانے والے ایسے سستے قحبہ خانے و جنسی مراکز جہاں فاحشہ عورتیں کرایہ پر دستیاب ہوتی ہیں۔

○ زانیہ و فاحشہ عورتوں کی ایسی بڑی تعداد جو زناکاری کو پیٹ پالنے کے لیے اختیار کرتی ہیں۔

○ فحش گانے اور جذبات برانگیختہ کرنے والی موسیقی اور گناہ آلود ہیجان خیز ڈرامے۔
○ جنس وجنسیات پر مشتمل کتابیں، اور ننگے اور فحش رسالے، اور بے حیائی ورقص وسرود کے مراکز۔
○ ان ہپیوں کی ٹولیاں اور جماعتیں جو اباحیت پسند ہیں اور حیوانوں اور گبریلے کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔
○ ان لا مذہب مادر پدر آزاد لوگوں کی فوج جو نشہ میں دھت، اور شراب وکباب، زنا اور ہر قسم کے گناہ میں مستغرق رہتے ہیں۔
○ ایسے اباحیت وآزادی پسند جو ہر قسم کی شرافت واخلاق کے منکر اور ہر بے حیائی کے کام کے جائز قرار دینے والے اور خواہشات اور نفس کے ساتھ ساتھ چلنے والے ہیں۔

اس کے علاوہ اور دیگر بے شمار و لاتعداد دوسرے نقصانات جو اس آزادی وبے حیائی کی وجہ سے جنم لیتے ہیں۔

اس بے راہ روی وآزادی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۹۶۲ء میں خروشیف نے یہ اعلان کیا کہ روس کا مستقبل سخت خطرے میں ہے، اور روس کے نوجوانوں کا مستقبل غیر یقینی ہے، اس لیے کہ وہ آزاد و بداخلاق ہوگئے ہیں اور شہوت پرستی میں غرق رہتے ہیں۔

انہی دنوں میں کنیڈی نے بھی اس بات کی صراحت کی کہ امریکا کا مستقبل بھی خطرے میں ہے۔ اس لیے کہ وہاں کے نوجوان بھی آزاد اور شہوت میں مستغرق ہیں، انہیں اپنی اس ذمہ داری کا قطعاً احساس نہیں ہے جو ان کے کاندھوں پر ڈالی گئی ہے، اور ہر وہ سات نوجوان جنہیں فوجی بھرتی کے لیے پیش کیا جاتا ہے ان میں سے چھ اس کے اس لیے اہل نہیں ہوتے کہ وہ آزاد و عیاشی اور شہوت پرستی میں غرق ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کی نفسیاتی اور جسمانی صلاحیت ختم ہو چکی ہوتی ہے۔

مغرب ومشرق میں آزادی اور اباحیت کا جو مرض عام تھا اب وہ اسلامی ممالک میں بھی سرایت کر گیا ہے۔ اور افسوس ہے کہ اب ہم یہ سنتے ہیں کہ زنا کے چکلے اور بے حیائی کے مراکز اور جوئے کے اڈے اور مجرمانہ ڈراموں کے مراکز اور شراب ومنشیات کے مراکز اور رقص وسرود وعریانی کے اڈے اِدھر اُدھر کثرت سے موجود ہیں، اور اکثر بلاد اسلامیہ میں حکام و مسئولین کے سامنے منہ در منہ یہ سب کچھ ہو رہا ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

اور اب تو بہت حسرت وافسوس کے ساتھ یہ بھی سننے میں آنے لگا ہے کہ بلا کسی روک ٹوک اور نکیر کے ملک کے طول وعرض میں جنس وشہوت پرستی کے ایسے دلال موجود ہیں جو لڑکیاں بیچتے اور فاحشہ عورتیں کرایہ پر دیتے ہیں۔

اور ہمارے ملک کے بہت سے نوجوان بلا کسی گرفت وروک ٹوک کے لذت پرستی اور جنس او[illegible]ت سے لذت اندوزی اور شراب نوشی کے لیے وہاں جاتے ہیں جس کا علم ہر چھوٹے بڑے مسلمان اور تمام لوگوں کو [illegible]ہے۔

ج۔ معاشرتی نقصانات وخطرات:

یہ ایک تسلیم شدہ امر ہے کہ زنا وغیرہ کا ارتکاب فرد وخاندان سب کے لیے برابر کا نقصان دہ ہے۔ بلکہ اگر دیکھا جائے اس کا برا اثر پورے معاشرہ پر پڑتا ہے۔

○ ان مضر اثرات میں سے یہ ہے کہ اس سے خاندان کی چولیں ہل جاتی ہیں۔ اس لیے کہ مجرد وغیر شادی شدہ نوجوان جب ائز ذرائع سے اپنی حیوانی خواہش پوری کرلیتا ہے تو اسے یہ سوچنے کی بھی ضرورت نہیں رہتی کہ وہ ایک خاندان بسائے اور اد وجود میں لائے، اسی طرح فاحشہ وزانیہ عورت بھی حمل کی خواہش مند نہیں ہوتی اور نہ وہ بچے کی ماں بننا چاہتی ہے، اس ے کہ وہ سمجھتی ہے کہ اس سے اسے نفسیاتی اور جسمانی نقصان پہنچے گا اس لیے وہ کسی نہ کسی وسیلہ سے اس سے جان چھڑانے کوشش کرتی ہے۔

○ ان خطرات میں سے بچوں اور نومولود پر ظلم بھی ہے۔ اس لیے کہ ایسا معاشرہ جس میں لوگ شادی سے دور بھاگیں اور ادی پرست اور عیاش طبع ہوں تو وہاں ایسے بچوں کی کثرت ہوگی جن کی نہ کوئی حیثیت ہوگی نہ سلسلۂ نسب۔ اور یہ بچوں پر ت بڑا ظلم ہے۔

ان پر اس لیے ظلم ہے کہ ایسا بچہ والدین کی شفقت سے محروم ہوتا ہے اور بھلا ایسے بچے کو محبت وشفقت اور پیار ں میسر آسکتا ہے جو اسپتالوں اور نرسوں میں پلے بڑھے اور تربیت پائے۔

اور ان پر یہ بھی ظلم ہے کہ بچے کو جب یہ معلوم ہوگا کہ وہ حرام کاری اور زنا کی پیداوار اور ننگ وعار کا ذریعہ ہے تو وہ یاتی طور پر الجھن میں گرفتار ہو جائے گا، اور ہوسکتا ہے کہ اخلاقی طور پر اس میں بھی کج روی وانحراف پیدا ہو جائے اور عام طور ، ایسا بچہ معاشرہ وافراد کے لیے جرم کا آلہ وذریعہ بن جاتا ہے بلکہ امن وسکون کے لیے بھی خطرہ ثابت ہوتا ہے۔

○ ان آفات میں سے یہ بھی ہے کہ مرد وعورت دونوں برابر طور پر بدبختی ومحرومی کا شکار رہتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وزن دونوں خوشی کی زندگی ومسرت حاصل نہیں کرپاتے۔ اور نہ اس شادی کے بغیر پرسکون زندگی حاصل ہوسکتی ہے جو ت وپیار کے سائے میں پروان چڑھتی ہے، چنانچہ جن معاشروں میں شادی کا رواج نہیں ہے اور جہاں کے باشندے دی کے متوالے اور حرام کاری کے دلدادہ ہیں وہاں یہ چیز بالکل معدوم ہے۔

○ ان مضر اثرات میں سے صلہ رحمی ورشتہ داری کا خاتمہ بھی ہے۔ اس لیے کہ جب غیر شادی شدہ آدمی اپنی شہوت ن اور لذت کوشی کے لیے حرام وناجائز طریقے کو اختیار کرے گا تو آپ خود مشاہدہ کریں گے کہ ایسا شخص اپنے نیک صالح تہ داروں کی نظر میں حقیر وذلیل ہو جائے گا، اور لوگ اس سے کنارہ کشی کریں گے جس کا لازمی اثر یہ ہوگا کہ اس کے دل میں ربانی وسرکشی جاگزین ہو جائے گی۔ اور ان کے اور اس کے درمیان عداوت وبغض کی آگ بھڑک اٹھے گی۔

دینِ اسلام کی نظر میں اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کے بعد قطع رحمی اور عقوق و نافرمانی سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں ہے۔
اس کے علاوہ اور بھی بہت سے مضر اثرات و نقصان ہیں جو کسی صاحبِ بصیرت و عقل مند پر مخفی نہیں ہیں۔

د - اقتصادی نقصانات:

کوئی دو آدمی بھی اس سے اختلاف نہیں کریں گے کہ جو لوگ حرام کاری کے ذریعہ لذت حاصل کرنے اور شہوت پرستی کے چکر میں پڑ جاتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو جائز طریقے سے نکاح و شادی نہیں کرتے، اور گناہ و حرامکاری کے چکر میں پھنس جاتے ہیں، اور اس قسم کے لوگ امت کی اقتصادی حالت کو نقصان پہنچانے کا ذریعہ بنتے ہیں اور یہ اس لیے کہ:
قُویٰ کمزور ہو جاتے ہیں۔
پیداوار کم ہو جاتی ہے۔
اور ناجائز طریقے سے آمدنی کمانے کا رجحان بڑھ جاتا ہے۔

- رہا قُویٰ کمزور ہونے کا مسئلہ:

تو یہ اس لیے کہ ایسا غیر شادی شدہ نوجوان جو لذت کوشی و حرام کاری کے درپے ہو جاتا ہے وہ عقلی طور پر مریض اور جسمانی اور اخلاقی و نفسیاتی طور پر بیمار ہو جاتا ہے۔
اور یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ جب کوئی شخص بیمار ہو جائے تو اس کے قُویٰ ضعیف ہو جاتے ہیں اور جسم کمزور ہو جاتا ہے اور ہمت ختم ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ پورے طریقے سے نہ اپنے فرائض کو ادا کر پاتا ہے اور نہ صحیح طریقے سے کسی فریضہ کو سمجھ سکتا ہے۔ جس کا لازمی اثر یہ ہوتا ہے کہ اقتصادی حالت خراب اور ترقی رک جاتی ہے۔

- پیداوار کی قلت:

اس لیے کہ مال و دولت شہوت پرستی، حرام کاری، شہوت پوری کرنے اور عورتوں سے لذت کوشی میں ختم کر دی جاتی ہے۔ اور وہ پیداوار اور تجارت و کاروبار کے کام نہیں آتی، اور اس لیے بھی کہ آزاد و آوارہ آدمی نہ تو کوئی کام تندہی سے کرتا ہے اور نہ کر سکتا ہے اور نہ اپنی ذمہ داری پوری کرتا ہے۔ اس لیے کہ اس پر دین اور مذہب کی طرف سے کوئی روک ٹوک نہیں ہوتی اور اس کے قلب و ضمیر میں اخلاقی طور سے تنبیہ کرنے والا کوئی نہیں ہوتا، جس سے اخلاق خراب اور اقتصاد برباد ہو جاتا ہے۔

- کمائی کے ناجائز طریقے اختیار کرنا:

یہ اس لیے کہ آزاد منش ایسا چھوڑا آدمی جس میں خدا کا خوف و تقویٰ ذرا بھی نہ ہو تو وہ ہر طریقے سے مال حاصل کر کے اپنی مادی خواہش پوری کرنے کی کوشش کرے گا چاہے وہ ربا اور جوے کے راستے سے ہو یا کھیل کود و عیاشی کے راستے سے۔

یا رشوت وڈاکہ کے ذریعہ سے، یا آبرو اور عزت فروشی کے ذریعہ سے، اور خواہ وہ ننگی تصاویر کی تجارت کے ذریعہ سے ہو یا فحش وگندے رسالوں کی فروخت کے ذریعے سے، خواہ فحش وگندی فلموں کی تجارت سے ہو، یا منشیات ومخدرات کے بیچنے کے ذریعہ سے، یا فحش غیر اخلاقی کتابوں اور عشقیہ ناولوں وڈراموں کے ذریعے سے۔

مال جمع کرنے کے اس کے علاوہ اور دوسرے بہت سے ناجائز طریقے ہیں جن کا اثر معاشرے کے لیے سوائے نقصان و ضرر اور فقر وفاقہ و بے کاری اور مکارم اخلاق اور عزت وشرافت کو ختم کرنے کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ اس کی وجہ سے پیداوار کی طاقت ختم اور کمائی کے جائز طریقے معطل ہوجاتے ہیں، اور پورا معاشرہ خیانت اور چوری کا شکار ہوجاتا ہے۔ اور انانیت اور خود غرضی کے دام میں گرفتار ہوجاتا ہے اور لذت وخواہش کا غلام بن جاتا ہے۔

اور یہ تمام چیزیں امت وقوم کی ترقی میں رکاوٹ اور اقتصادی حیثیت کو کمزور اور پیداوار کی قوت کو ختم کرنے والی ہیں۔

۸- دینی اور اخروی نقصانات:

اور سب سے آخری بات یہ ہے کہ ایسا نوجوان جو اللہ کی ممنوع کردہ چیزوں سے نہ رکے اور شہوت وفتنہ کی جگہوں سے اپنے آپ کو نہ روکے تو وہ ایسی چار قبیح باتوں کا شکار ہوجاتا ہے جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے:

طبرانی اپنی کتاب "معجم اوسط" میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إياكم والزنا، فإن فيه أربع خصال: يذهب بهاء الوجه، ويقطع الرزق، ويسخط الرحمٰن، ويسبب الخلود في النار)).

تم زنا سے بچو اس لیے کہ اس میں چار باتیں پائی جاتی ہیں: چہرے کی رونق ختم ہوجاتی ہے، رزق ختم ہوجاتا ہے، اللہ ناراض ہوجاتا ہے، اور آگ جہنم میں ہمیشہ رہنے کا ذریعہ بنتا ہے۔

اور اس کا اخروی نقصان یہ بھی ہے کہ زانی جب زنا کرتا ہے تو ایمان کے دائرہ سے نکل جاتا ہے، چنانچہ امام بخاری ومسلم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((لا يزني الزاني حين يزني وهو مؤمن ...)). نہیں زنا کرتا زنا کرنے والا ایسی حالت میں کہ وہ مؤمن ہو۔

اور اس کا آخرت کے اعتبار سے یہ بھی نقصان ہے کہ زنا کرنے والا اگر اس گناہ پر مصر رہے اور توبہ نہ کرے اور اسی حالت پر مرجائے تو اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے روز اس کو دوگنا عذاب دے گا سورۂ فرقان میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

((وَالَّذِيۡنَ لَا يَدۡعُوۡنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقۡتُلُوۡنَ النَّفۡسَ الَّتِىۡ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالۡحَـقِّ وَلَا يَزۡنُوۡنَ‌ ۚ وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ يَلۡقَ اَثَامًا ۙ‏ يُّضٰعَفۡ لَهُ الۡعَذَابُ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ وَيَخۡلُدۡ فِيۡهٖ مُهَانًا))۔

الفرقان ۶۸ و ۶۹

اور جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس (انسان کی) جان کو اللہ نے محفوظ قرار دے دیا ہے اسے قتل نہیں کرتے مگر ہاں حق پر اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو کوئی ایسا کرے گا اس کو سزا سے سابقہ پڑے گا قیامت کے دن اس کا عذاب بڑھتا جائے گا وہ اس میں (ہمیشہ) ذلیل ہو کر پڑا رہے گا۔

محترم مربی حضرات یہ وہ اہم اور بڑے خطرات و نقصانات ہیں جو اس بے حیائی کے کام زنا کے ارتکاب کی وجہ سے رونما ہوتے ہیں، اور جیسا کہ آپ نے دیکھ لیا یہ نہایت خطرناک نقصانات ہیں جو صحت کو بھی نقصان پہنچاتے ہیں اور اخلاق کو بھی، نفس کے لیے بھی ضرر رساں ہیں اور عقل کے لیے بھی، دین کو بھی مضرت پہنچاتے ہیں اور خاندان کو بھی، اور معاشرہ کو بھی نقصان پہنچاتے ہیں، اور اقتصادیات کو بھی۔

لہٰذا اگر بچے کو بچپن ہی سے ان نقصانات سے ڈرایا جائے اور ان حضرات کو سمجھا دیا جائے تو اس کا اثر یہ ہوگا کہ وہ پاکبازی اور پاکدامنی میں نشوونما پائے گا اور فواحش و محرمات سے رکے گا اور طور طریقے میں اسلام کے بتلائے ہوئے طریقے پر چلے گا اور وہ اپنی فطری خواہش جائز ملاپ اور اسلامی طریقے کے مطابق نکاح و شادی سے پورا کرے گا تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ مبارک پر عمل پیرا ہو سکے۔

((یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج))۔ کتب صحاح ستہ

اے نوجوانوں کی جماعت تم میں سے جو شخص شادی کے اخراجات برداشت کر سکتا ہو اسے چاہیے کہ وہ شادی کر لے۔

بچوں کی تربیت و رہنمائی کے جو حضرات ذمہ دار ہیں انہیں چاہیے کہ دیگر امور سے بچنے کی تعلیم کے ساتھ ساتھ مندرجہ ذیل امور سے بچنے کی بھی بچے کو ترغیب دیں:

ارتداد سے بچنا۔

الحاد و بے دینی سے بچنا۔

ناجائز و حرام کھیل کود سے بچنا۔

اندھی تقلید سے بچنا۔

برے اور گندے ساتھیوں سے بچنا۔

بداخلاقی سے اجتناب کرنا۔

عمومی طور سے حرام چیزوں سے بچنا۔

اس کتاب کی قسمِ ثالث کے عنوان "احتیاطی تدابیر اور بچنے کا قاعدہ" کے تحت ان چیزوں سے بچنے اور اس کے اسباب کی تفصیل آپ کو مفصل ملے گی لہٰذا اگر تشنگی دور کرنا ہے تو اس بحث کو پڑھ لیجیے۔

بلاشبہ اگر بچے کو مرتد ہونے اور الحاد و بد دینی سے دور رہنے کی ترغیب دی جائے گی تو وہ کفر و گمراہی و آزادی کے دام میں گرفتار ہونے سے بچ جائے گا۔

اور ناجائز کھیل و کود سے بچنے کی تعلیم کے سبب بچہ شہوت پرستی و لذت کوشی کی دلدل میں پھنسنے سے بچ جائے گا۔

اور اندھی تقلید سے بچنے کی عادت ڈالنے کی وجہ سے اپنی شخصیت و وقار کو ختم ہونے سے بچالے گا۔

اور برے ساتھیوں سے اجتناب کی نصیحت کے سبب بچہ نفسیاتی انحراف اور اخلاقی گراوٹ سے بچ جائے گا۔

اور بداخلاقی کے امور سے بچانے کی بدولت بچہ برائی اور بداخلاقی اور گناہوں کی دلدل میں پھنس جانے سے بچ جائے گا۔

اور حرام سے بچنے کی نصیحت کرنا بچے کو مفاسد اور امراض اور نفسیاتی بیماریوں کا نشانہ بننے سے بچائے گا اور یہ سب کچھ درحقیقت بچے کی اصلاح اور عقیدے کی پختگی اور اخلاق کی درستگی اور جسم کی قوت اور عقل کی پختگی اور عمدہ شخصیت سازی کا ذریعہ ہے۔ کام کرنے والوں کو اسی طرز پر محنت کرنا چاہیے۔

(۳) ربط و تعلق:

یہ یقینی بات ہے کہ بچہ کا عقل و سمجھ کی عمر کو پہنچنے اور شعور کے پختہ ہونے کی عمر ہی سے اگر اعتقادی رابطہ مضبوط ہو اور روحانی فکری تاریخی معاشرتی اور ریاضی روابط اس کے مرتبط ہوں، اور اس صورتِ حال پر وہ جوانی کی عمر کو پہنچ جائے تو بلاشک وشبہ بچہ ایمان و تقویٰ پر پلے بڑھے گا، بلکہ عقیدہ ربانی کی ایک ایسی قوت اس کے پاس ہوگی جس کے سبب وہ جاہلیت کے امور پر غلبہ پائے گا، اور خواہشات پر فتحیاب ہوگا۔ اور حق و ہدایت اور صراطِ مستقیم پر گامزن رہے گا۔

اور کیا عقیدہ و افکار اور روح کے ربط سے زیادہ کوئی عظیم ربط ہو سکتا ہے؟

اور کیا مرشدِ ربانی اور شریف ساتھی کی صحبت و رفاقت سے بڑھ کر کوئی صحبت ہو سکتی ہے؟

اور کیا حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلفِ صالحین کے طریقے و کردار سے بڑھ کر کسی کا کردار ہو سکتا ہے؟

اس لیے مربی پر لازم ہے کہ وہ بچے کا رابطہ عقیدہ سے مضبوط کرے اور اس کو عبادت سے وابستہ رکھے، اور کسی مرشد و بزرگ سے متعلق رکھے، اور اچھی صحبت میں لگائے، اور دعوت و تبلیغ اور ـــــ دعوت دینے والے حضرات کے ساتھ اس کا جوڑ رکھے، اور مسجد، ذکرِ خداوندی، مراقبہ اور تلاوتِ قرآنِ کریم سے اس کا رابطہ رکھے، اور انبیاءِ کرام علیہم السلام کی سیرت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین اور بزرگوں اور بڑوں کی تاریخ و سیرت سے اس کو مرتبط رکھے۔

محترم مربی حضرات اگر آپ اس بات کے خواہشمند ہوں کہ آپ اس تعلق و ارتباط کو اس صحیح و مکمل طریقے سے قائم رکھیں جو اس کا حق ہے تو آپ اس کتاب کی قسم ثالث کی بحث "ارتباط و ربط کا قاعدہ" پڑھیے تمام تفصیل وہاں مل جائے گی جسے پڑھ کر آپ ان شاء اللہ بچے کی بہترین ایمانی تربیت اور شاندار اخلاقی تیاری کا منصوبہ اور طریقہ پالیں گے۔

میں آپ کو اس طرف بھی متوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ بچے کی اصلاح اور اس کے کردار و اخلاق کی درستگی میں ایمانی تربیت[1] کا بڑا دخل و اثر ہوا کرتا ہے، اس لیے کہ جب بچے کی تربیت ہی اللہ تعالیٰ جل شانہ پر ایمان کامل ہونے پر ہوگی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن سب کو دیکھ رہا ہے۔ اور اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے میں ہر وقت اس سے ڈرتے رہنا چاہیے، تو ظاہر ہے اس کا اثر یہ ہوگا کہ وہ ایک کامل و مکمل انسان اور نیک صالح نوجوان بن جائے گا جسے کوئی بھی مادی چیز بہکا نہیں سکے گی، اور کوئی بھی خواہش اسے اپنا غلام نہیں بنائے گی، اور شیطان اس پر غالب نہ ہو سکے گا اور اس کے دل میں نفس امارہ وسوسہ نہ پیدا کر سکے گا، اور ایسی صورت حال میں اگر اسے کوئی پری پیکر حسن و جمال اور عزت و عہدہ کی مالک عورت بھی اپنی طرف راغب کرنا چاہے گی تب بھی وہ یہ کہہ دے گا کہ میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں، اور اگر شیطان اس کے دل میں وسوسہ پیدا کرے گا تو وہ کہہ دے گا تو مجھ پر حکومت نہیں کر سکتا، اور اگر برے ساتھی اس کے لیے گناہ و فاحشہ کو مزین کر کے پیش کریں گے تو وہ کہے گا کہ میں تو جاہل لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔

اصلاح و تربیت کا یہ اسلامی راستہ اور طریقہ ہے، اسلام فرد کی اصلاح نفس انسانی کی اندرونی اصلاح سے کرتا ہے نہ کہ صرف باہر کی اصلاح سے، اسلام اصلاح و تربیت کی ابتدا ضمیر کی پاکیزگی اور وجدان کی آراستگی اور شعور کی لطافت سے کرتا ہے، اور ظاہر و باطن میں اللہ کے دیکھنے کے احساس کو پیدا کرتا ہے، اور انسان میں دل کی گہرائیوں سے یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کے ساتھ ہے اور اس کو دیکھ رہا ہے اور اس کے ظاہر و باطن پر مطلع ہے، اور دلوں اور آنکھوں کی خیانت پر بھی مطلع ہے۔ تربیت کرنے والوں کو اس طریقے کو اپنانا اور اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔

اس تمام تفصیل کے بعد خلاصہ کے طور پر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ:

تمام تربیت کرنے والے خواہ وہ باپ ہوں یا ماں یا مصلح ہوں یا معلم، اگر یہ تربیت کرنے والے بچے کی اصلاح اور تربیت و تیاری میں ذہنی پختگی روک ٹوک اور رابطہ و تعلق پیدا کرنے میں اسلام کے مثبت وسائل کو اختیار کریں گے تو بچہ ہر اس چیز سے دور رہے گا جو اس کے جنسی جذبات کو ابھارے، اور اس کے اخلاق کو خراب کرے۔ اور کج روی اور فساد کے اسباب اور انحراف و اخلاق باختگی سے قطعاً دور رہے گا، بلکہ وہ معاشرے میں ہدایت کا چاند اور اصلاح کا سورج بن کر رہ دئے زمین پر فرشتے کی شکل میں چلے پھرے گا، اس لیے کہ اس کی نفس صاف شفاف، دل پاکیزہ، اخلاق شاندار اور معاملہ بہترین، اور معاشرت

---

[1] ملاحظہ ہو "ایمانی تربیت کی ذمہ داری" کی فصل جہاں آپ کی تشفی و سیرابی کا پورا سامان موجود ہے۔

اچھی اور تقویٰ وطہارت اعلیٰ معیار کو پہنچی ہوئی ہوگی۔

اے اللہ تمام مربیوں کو اس بات کی توفیق عطا فرما کہ وہ بچے کی تربیت میں اسلامی طریقے اپنائیں، تاکہ اس روز آپ کے سامنے اپنی مسئولیت سے بری ہوسکیں جس روز نہ مال و دولت فائدہ پہنچائے گی نہ اولاد، اور تاکہ وہ مسلمان معاشرے کو اسلام کو پوری طرح سے نافذ کرتے ہوئے اور قرآن کریم کے اصول و قواعد پر مکمل عمل پیرا اور اللہ کے راستے میں پیہم جہاد کرتے ہوئے دیکھ لیں اور عزت و بزرگی کی بلندیوں پر دیکھ کر مؤمن اللہ کی مدد و نصرت پر خوش و شاد ہوں۔

(۴) بچّے کو بالغ ہونے سے پہلے اور بالغ ہونے کے بعد کے احکام سکھانا:

ماں باپ، اساتذہ و مرشدین وغیرہ مربیوں پر اسلام نے جو بڑی ذمہ داریاں عائد کی ہیں ان میں سے یہ بھی ایک ذمہ داری ہے کہ بچہ جب سمجھدار ہوجائے تو اسے وہ شرعی احکام سکھانا چاہیے جن کا تعلق اس کے فطری جذبات اور جنسی پختگی سے ہے۔ اس تعلیم دینے میں لڑکا اور لڑکی دونوں برابر ہیں، اس لیے کہ شرعاً دونوں مکلف ہیں، اور اللہ جل شانہ اور مربیوں اور پورے معاشرے کے سامنے مرد و زن سب ہی سے اپنے عمل کا سوال کیا جائے گا، اسی لیے مربی پر لازم ہے کہ جب بچہ بلوغ کے قریب کی عمر کو پہنچ جائے جو بارہ سال سے پندرہ سال کی عمر ہوا کرتی ہے تو اس عمر میں اس بچے کو یہ بتلا دینا چاہیے کہ جب اسے انزال ہوجائے[1] اور ایسا پانی اس کے عضو تناسل سے نکلے جس میں تیزی اور لذت ہو تو ایسی صورت میں وہ بالغ ہوگیا اور شرعی طور سے مکلف بن جاتا ہے اور اس پر تمام وہ احکامات اور فرائض لازم ہوجاتے ہیں جو بڑے مردوں پر لازم ہوتے ہیں۔

مربی پر یہ بھی لازم ہے کہ جب لڑکی کی عمر نو سال یا اس سے زیادہ عمر کی ہوجائے تو اس کو یہ بتلا دے کہ اگر اسے سوتے میں احتلام ہوجائے (یعنی سوتے میں مرد سے ہم بستری کراتے ہوئے دیکھ لے) اور جاگنے کے بعد اسے اپنے کپڑوں پر زرد رنگ کا پتلا سا پانی نظر آجائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بالغ ہوگئی ہے۔ اور شرعی احکام کی مکلف ہوگئی ہے، اور اس پر وہ تمام فرائض و واجبات لازم ہوگئے ہیں جو بڑی عورتوں پر فرض ہیں۔

مربی پر یہ بھی واجب ہے کہ اگر لڑکی نو سال یا اس سے زیادہ عمر کی ہوجائے تو اسے یہ بتلا دے کہ اگر اسے آگے کے راستے سے حیض (ماہواری) کا خون آنے لگے تو وہ بالغ اور مکلف ہوگئی ہے اور اس پر وہ تمام فرائض و واجبات لازم ہوگئے ہیں جو بڑی عورتوں پر لازم ہیں۔

اسلام ان اہم امور و معاملات میں والدین پر یہ ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ وہ بچوں کو یہ احکام بتلا دیں، تاکہ انہیں اچھی طرح

---

[1] مرد کے عضو سے جو پانی منی کی شکل میں نکلتا ہے وہ سفید ہوتا ہے اور کھجور کے گابھے کی طرح کی سی بو ہوتی ہے، یا ایسی جیسی گندھے ہوئے آٹے میں ہوتی ہے، لیکن جب یہ مادہ (پانی منی) خشک ہوجائے تو اس کی بو ایسی ہوتی ہے جیسے کہ انڈے کی سفیدی کی بو۔

سے اس کا علم ہو اور تمام وہ چیزیں جوان کی جنسی زندگی و فطری خواہشات سے متعلق ہیں ان کو وہ خوب سمجھتے ہوں اور انہیں وہ ذمہ داریاں اور فرائض بھی معلوم ہوں جوان پر شرعی طور سے اس عمر کو پہنچنے پر لازم ہو جاتے ہیں۔

ہم نے کتنی ہی لڑکیوں کے بارے میں یہ سنا کہ وہ ایک زمانے تک ناپاک رہیں اس لیے کہ انہیں جنابت و حیض وغیرہ کے احکام کا قطعاً کوئی علم ہی نہ تھا۔

اور ہم کتنے ہی لڑکوں کے بارے میں جانتے ہیں کہ وہ جوان ہو چکے لیکن وہ جنابت اور ناپاکی کی حالت ہی میں رہے اس لیے کہ انہیں یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ احتلام یا جنابت کی وجہ سے کیا احکام لاگو ہوتے ہیں۔

ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی لڑکی یا لڑکا حالتِ جنابت میں نماز پڑھ لے یا لڑکی ماہواری کے ایام میں نماز پڑھتی رہے اور یہ سمجھیں کہ وہ اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کا حق ادا کر رہے ہیں اور عبادت کر رہے ہیں۔

اس لیے آپ ہی بتلایئے کہ یہ کس کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچے کو بالغ ہونے کی عمر تک پہنچنے سے قبل اور بلوغ کے قریب جنسی امور کے بارے میں بتلائے اور ان کی خواہشات کے سلسلہ میں ان کو سمجھائے؟

بلاشبہ اس کی ذمہ داری سب سے پہلے والدین پر عائد ہوتی ہے پھر دوسرے نمبر پر ان لوگوں پر جو اس کی تعلیم و تربیت کے ذمہ دار معلمین واساتذہ ہیں۔

ورنہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو بچہ ان احکامات سے جو اس کے رب کے حق سے متعلق ہیں اور جو اس کی ذات اور اس کے دین سے متعلق ہیں ان سب کے بارے میں بالکل نابلد اور جاہل ہوگا اور وہ یہ سمجھتا رہے گا کہ وہ بالکل ٹھیک کر رہا ہے۔

لہٰذا تربیت کرنے والے حضرات کے سامنے میں وہ اہم شرعی احکام پیش کر رہا ہوں، جو بچے کی بلوغ سے تعلق رکھتے ہیں، اور جو اسے احتلام کی عمر کو پہنچنے کے قریب سکھانا چاہیئے، تاکہ آپ حضرات بچوں کو یہ احکام اس وقت بتلا دیں جب وہ مرد نہ بنے ہوں، اور لڑکیوں کو یہ احکام اس وقت ہی سے سکھا دیں جس وقت کہ وہ پوری عورت نہ بنی ہوں۔

لیجیے وہ احکام ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ بچہ چاہے لڑکا ہو یا لڑکی اگر اس کو احتلام یاد ہو لیکن جاگنے کے بعد اس کو اپنے کپڑے پر تری (منی) نظر نہ آئے تو اس پر غسل واجب نہیں ہوگا، اس لیے کہ امام احمد و نسائی حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس عورت کے بارے میں استفسار کیا جو خواب میں وہ کیفیت دیکھے جو مرد دیکھتا ہے، تو آپ نے ارشاد فرمایا:

«لیس علیها غسل حتی تنزل،	اس پر غسل اس وقت تک واجب نہ ہوگا جب تک کہ
کما أن الرجل لیس علیه	اسے انزال نہ ہو جائے جیسا کہ مرد پر غسل اس وقت تک

غسل حتی ینزل))۔ واجب نہیں ہوتا جب تک کہ اسے انزال نہ ہو جائے۔

اور نسائی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس عورت کے بارے میں پوچھا جسے سوتے میں احتلام ہو جائے تو آپ نے ارشاد فرمایا:

((إذا رأت الماء فلتغتسل))۔ جب پانی دیکھ لے (انزال ہو جائے) تو اسے چاہیے کہ غسل کرے۔

۲۔ مولود چاہے لڑکا ہو یا لڑکی اگر جاگنے کے بعد اس کو اپنے کپڑوں پر تری نظر آجائے یعنی منی لگی ہوئی معلوم ہو اور اس کو احتلام یاد نہ ہو تو اس پر غسل واجب ہوگا اس لیے کہ نسائی کے علاوہ تمام اصحاب صحاح ستہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جسے کپڑوں پر تری لگی ہوئی معلوم ہو لیکن خواب یاد نہ ہو، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ غسل کرے گا، اور اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو یہ خواب دیکھے کہ اسے احتلام ہو گیا ہے لیکن کپڑوں پر تری معلوم نہ ہو تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس پر غسل واجب نہیں ہے۔ تو حضرت ام سلیم نے ارشاد فرمایا کہ اگر عورت خواب میں یہ دیکھ لے تو اس پر غسل واجب ہوگا؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ جی ہاں! اس لیے کہ عورتیں بھی مردوں کی طرح ہی ہیں۔

۳۔ مرد و زن میں سے کسی کو اگر انزالِ منی (پانی کا نکلنا) شہوت اور کودنے کے ساتھ ہو جائے خواہ کسی بھی طریق سے ہو اس سے غسل واجب ہو جاتا ہے، اس لیے کہ امام احمد اور ابن ماجہ اور ترمذی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں ایک ایسا شخص تھا جس کی مذی کثرت سے نکلا کرتی تھی تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مذی[1] کے نکلنے سے وضوء واجب ہوتا ہے اور منی کی وجہ سے غسل۔

اور مسند احمد کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جب پانی کود کر نکلے تو جنابت کا غسل کیا کرو اور اگر کود کر نہ نکلے تو پھر غسل واجب نہیں ہے۔

یعنی اگر عضوِ تناسل سے منی شہوت و لذت کے ساتھ اچھل کر نکلے تو غسل واجب ہے گویا اس حدیث میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اگر منی کا نکلنا بغیر شہوت کے کسی مرض و بیماری یا برودت یا پیٹھ پر ضرب یا کسی بھاری چیز اٹھانے کی وجہ سے ہو تو اس سے غسل واجب نہیں ہوتا ہے۔

۴۔ عضوِ تناسل کا سر یعنی سپاری جس کے اوپر کی کھال ختنہ کے وقت کاٹ دی جاتی ہے اس سپاری کا اگلے یا پچھلے حصے میں داخل ہو جانا اس کام کے کرنے اور کروانے والے دونوں پر غسل واجب کر دیتا ہے۔ خواہ اس صورت میں انزال ہو یا نہ ہو، اس لیے کہ امام مسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] مذی اس پانی کو کہا جاتا ہے جو اس وقت نکلا کرتا ہے جب انسان اپنی بیوی کے ساتھ بوس وکنار کرتا ہے یا عورتوں کے ہیجان خیز مناظر کو دیکھ کر نکلتا ہے۔

ارشاد فرمایا ہے کہ مرد جب عورت کے چاروں اعضاء یعنی ہاتھوں و پاؤں کے درمیان بیٹھ جائے اور اس کی شرمگاہ عورت کی شرمگاہ سے مل جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔

اور عبداللہ بن وہب کی مسند میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جب دونوں ختنے کے مقام مل جائیں اور حشفہ (سپاری) چھپ جائے تو غسل واجب ہوگیا خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔

۵۔ حیض[1] و نفاس[2] کی مدت کا ختم ہو جانا بھی عورت پر غسل کو واجب کر دیتا ہے، اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ)) البقرۃ۔۲۲۲ اور ان کے نزدیک نہ ہو جب تک پاک نہ ہو جائیں۔

یعنی جب تک غسل نہ کرلیں، اور امام بخاری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ فاطمہ بنت ابی حبیش کو استحاضہ[3] آیا کرتا تھا، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ رگ (کا خون) ہے حیض نہیں ہے لہٰذا جب تمہیں حیض آنے لگے تو نماز چھوڑ دینا اور جب اس کے ایام گزر جائیں تو غسل کر کے نماز پڑھ لینا۔

نفاس کے بعد غسل کرنا بھی ضروری ہے جو اجماع کے ذریعہ ثابت ہے اور حیض پر قیاس کرتے ہوئے بھی۔

۶۔ یہ ایک بدیہی سی بات ہے کہ بچہ جب غسل واجب کرنے والی چیزوں کو جان لے گا تو اسے اس کے فرائض واجبات وسنن اور طریقہ بھی جاننا چاہیئے، تاکہ اگر اس کو جنابت پیش آجائے تو اسے یہ معلوم ہو کہ وہ پاک ہونے کے لیے غسل کس طرح کرے، لیجیے اب آپ کے سامنے غسل کے فرائض سنتیں اور طریقہ ذکر کیا جاتا ہے تاکہ آپ بچوں کو سکھا سکیں:

غسل کے فرائض میں منہ اور ناک اور تمام بدن کا دھونا داخل ہے۔ اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((وَإِن كُنتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا)) المائدہ۔۶ اور اگر تم کو جنابت ہو تو خوب اچھی طرح پاک ہو۔

جن چیزوں کے دھونے میں مشقت و تکلیف ہے۔ ان کا دھونا ضروری نہیں ہے جیسے کہ آنکھ کا اندرونی حصہ۔ اور جن چیزوں کے دھونے میں کوئی مشقت نہیں ان کا دھونا ضروری ہے۔ منہ اور ناک کا اندرونی حصہ ایسا ہے کہ اس کے دھونے میں کوئی پریشانی و تکلیف نہیں ہے اس لیے ان کا دھونا ضروری ہے۔

---

[1] حیض اس خون کو کہتے ہیں جو بالغ عورت کے رحم سے بلا کسی بیماری کے اور سن ایاس (پچاس سال کی عمر) کو پہنچنے سے قبل آتا ہے۔ اور حیض کی کم از کم مدت تین دن و تین رات ہے، اور زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے، اور عورت جن ایام میں پاک رہتی ہے ان کی کم از کم مدت پندرہ دن ہے اور زیادہ کی کوئی مدت مقرر نہیں ہے۔

[2] نفاس وہ خون ہے جو بچہ پیدا ہونے کے بعد عورت کے رحم سے آتا ہے، اس کی کم از کم مدت کی کوئی حد مقرر نہیں ہے، اور یہ زیادہ سے زیادہ چالیس دن تک آتا ہے۔

[3] استحاضہ اس خون کو کہتے ہیں جو عورت کو ایام حیض میں تین دن سے کم یا دس دن سے زیادہ آیا کرتا ہے یا نفاس کے چالیس دن گزرنے کے بعد آیا کرتا ہے، یہ تمام احکام امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی فقہ کے مطابق ہیں۔

ابوداؤد وترمذی نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہر بال کے نیچے جنابت ونا پاکی ہوتی ہے اس لیے بالوں کو بھگولیا کرو اور جلد کو صاف کرلیا کرو یعنی پانی کے ذریعہ سارے بدن کو دھولیا کرو۔

ان شرعی احکامات کی وجہ سے بدن کے ان تمام حصوں کا دھونا ضروری ہے جن کے دھونے میں کوئی نقصان نہ ہو جیسے ناف کا سوراخ اور عورت کی شرمگاہ کا ظاہری حصہ اور تنگ انگوٹھی کے نیچے کا جسم اور کانوں کا ظاہری حصہ اور بغل کے اندر کا حصہ۔

غسل کی سنتیں ... طریقہ یہ ہے کہ پہلے دونوں ہاتھ اور شرمگاہ کو دھوئے اور جسم پر موجود نجاست کو دور کردے، پھر نماز کا سا وضو کرے، البتہ پاؤں کو آخر میں دھولے، پھر اپنے تمام بدن پر تین مرتبہ پانی بہائے پھر ایسی جگہ پر پاؤں دھولے جہاں پانی جمع نہ ہوتا ہو۔

اس کی دلیل وہ روایت ہے جسے صحاح ستہ والوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے میری خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے غسلِ جنابت کے واسطے پانی رکھ دیا، تو آپ نے دو یا تین مرتبہ اپنے ہاتھ دھوئے، پھر اپنے ہاتھ برتن میں ڈال دیے اور ان سے اپنی شرمگاہ پر پانی ڈالا اور بائیں ہاتھ سے اسے دھویا، پھر اپنا بایاں ہاتھ زمین پر زور سے رگڑا تاکہ نجاست دور ہوجائے، پھر ویسا ہی وضو کیا جیسا کہ نماز کے لیے کرتے تھے، پھر اپنے سر پر تین چلو پانی ڈالا ہر مرتبہ چلو بھر کر پانی لیا تھا، پھر اپنے سارے بدن کو دھو لیا، پھر اس جگہ سے ایک طرف کو ہٹے اور اپنے پاؤں دھولیے پھر میں آپ کے پاس رومال لے کر حاضر ہوئی تو آپ نے اسے واپس فرمادیا۔

اگر کسی مرد نے سر پر چوٹی باندھی ہوئی ہو تو بالوں کے درمیان پانی پہنچانے کے لیے مرد پر ان لٹوں کا کھولنا ضروری ہے، لیکن عورت کے لیے لٹوں کا کھولنا فرض نہیں ہے بلکہ اس کے لیے صرف اتنی بات کافی ہے کہ پانی بالوں کی جڑ تک پہنچ جائے۔ اس لیے کہ ابوداؤد روایت کرتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھا تھا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ مرد اپنے بالوں کو کھول دے اور پھر سر دھوئے یہاں تک کہ پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے، لیکن عورت پر بالوں کا کھولنا ضروری نہیں ہے لہٰذا وہ اپنے سر پر تین چلو بھر کر پانی ڈال لے۔ اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ پوچھا گیا: کیا میں جنابت اور حیض کی حالت میں (بالوں کو) کھول لیا کروں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں تمہارے لیے یہ بات کافی ہے کہ تم اپنے سر پر تین چلو بھر کر پانی ڈال لو پھر اپنے (سب جسم) پر پانی ڈال کر طہارت حاصل کرلو۔

غسل کی سنتوں و مستحبات میں سے یہ بھی ہے کہ پہلے نیت کرے، پھر بسم اللہ پڑھے، پھر مسواک کرے، اور داڑھی و انگلیوں کے درمیان خلال کرے، اور جسم کے اس حصے کو ملے جس کو مل سکتا ہو۔

اور اگر کسی پر غسل واجب ہو اور اسے پانی نہ ملے، یا اسے پانی استعمال کرنے کی وجہ سے بیماری کے بڑھنے کا ڈر ہو، یا

سردی ہو اور پانی گرم کرنے کے لیے کوئی چیز نہ ہو یا دشمن کا خوف ہو یا پیاس سے ہلاکت کا خدشہ ہو . . .

تو ایسی صورت میں تیمم کرنا جائز ہے ۔ اور تیمم کا طریقہ یہ ہے کہ زمین کی جنس کی کسی بھی چیز مثلاً ریت ، پتھر ، یا مٹی پر دو مرتبہ ہاتھ مارے ، ایک مرتبہ چہرے پر مسح کرنے کے لیے ، اور ایک مرتبہ ہاتھوں سے کہنیوں تک مسح کے واسطے ، اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سورۂ مائدہ میں ارشاد فرماتے ہیں :

((فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ)) مائدہ - ۶

پھر نہ پاؤ تم پانی تو قصد کرو پاک مٹی کا اور مل لو اس سے اپنے منہ اور ہاتھ ۔

اور اس لیے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں کہ :

((التیمم ضربتان : ضربة للوجه ، وضربة للذراعين إلى المرفقين)) ۔ دارقطنی وحاکم وصحہ ۔

تیمم دو مرتبہ ہاتھ مارنے کا نام ہے ایک مرتبہ چہرے کے لیے ، اور ایک مرتبہ ہاتھوں کے لیے کہنیوں تک ۔

تیمم میں یہ نیت شرط ہے کہ انسان ایسی عبادتِ مقصودہ کے لیے تیمم کر رہا ہے جو بغیر طہارت ادا نہیں ہو سکتی ۔ اور حدثِ اصغر اور حدثِ اکبر (یعنی غسل کے لیے) دونوں کو دُور کرنے کے لیے تیمم ایک ہی طریقے سے کیا جاتا ہے یعنی چاہے وضوء کی حاجت ہو یا غسل کی دونوں کے لیے تیمم کا ایک ہی طریقہ ہے ۔

۷ ۔ یہ بھی ظاہر سی بات ہے کہ بچے کو یہ بھی سیکھ لینا چاہیئے کہ اگر وہ جنابت کی حالت میں ہو تو اس پر کیا چیز حرام ہو جاتی ہے ، تاکہ وہ حرام و ناجائز میں گرفتار نہ ہو جائے ۔

جنبی مردوں اور عذر والی عورتوں پر اسلام نے جو چیزیں ممنوع قرار دی ہیں ان میں سے اہم اہم ...... ذیل میں بیان کی جاتی ہیں :

★ حائضہ اور نفاس والی عورت پر روزہ رکھنا اور نماز پڑھنا حرام ہے تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے ، باقی قضاء رکھے گی یا نہیں ، تو عورت پر روزے کی قضاء ہے نماز کی قضاء نہیں ، اس لیے کہ اربابِ صحاحِ ستہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ہمیں یہ اعذار لاحق ہوا کرتے تھے تو ہمیں روزے کی قضاء کا حکم دیا جاتا تھا لیکن نماز کی قضاء کا حکم نہیں دیا جاتا تھا ۔

★ ایسے ایام وحالات میں عورت کے لیے مسجد میں جانا بھی حرام ہے ۔ اس لیے کہ ابوداؤد روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں مسجد کو حائضہ عورت وجنبی کے لیے حلال نہیں قرار دیتا ۔

★ جنبی وحائضہ پر کعبۃ اللہ کا طواف کرنا بھی حرام ہے اس لیے کہ کعبہ مسجد میں داخل ہے جہاں حائضہ وجنبی کو جانا ممنوع ہے جیسا کہ ابھی ذکر ہوا ۔

★ ایامِ حیض ونفاس میں شوہر بیوی کے ناف سے لے کر گھٹنے تک کے حصہ سے بغیر کپڑے کے فائدہ نہیں اٹھا سکتا اس

لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

((فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ)) ۔ سو تم حیض کے وقت عورتوں سے الگ رہو۔

اور اس لیے بھی کہ ابوداؤد حضرت عبداللہ بن سعد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر میری بیوی حیض میں ہو تو میں اس سے کیا فائدہ اٹھا سکتا ہوں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: کپڑے کے اوپر سے فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ اور بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات میں سے کسی سے (حالت حیض میں) اس وقت تک مباشرت (جسم کا ملاپ) نہیں فرماتے تھے جب تک کہ انہیں کپڑا باندھنے کا حکم نہ دے دیں۔

★ جنابت اور حیض و نفاس کی حالت میں بھی قرآن کریم کا پڑھنا ممنوع ہے اس لیے کہ ترمذی اور ابن ماجہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: حائض عورت اور جنبی ___ قرآن کریم کی کچھ بھی تلاوت نہیں کر سکتے۔

یہ حکم اس وقت ہے جب قرآن کریم تلاوت کی غرض سے پڑھا جائے لیکن اگر اسے ذکر یا حمد و ثنا کی نیت سے پڑھا جائے مثلاً بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یا الحمد للہ رب العالمین یا ہو اللہ احد کا پڑھنا یا کوئی حائضہ عورت یا جنبی معلم ہو اور یہ تعلیم کی غرض سے ایک ایک حرف کر کے تعلیم دیں تو اس میں کسی کے یہاں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے اس لیے کہ یہ معذور ہیں اور ضرورت بھی ہے۔

اگر حیض یا نفاس والی عورت استانی یا شاگرد ہو تو کیا ان کو قرآن کریم کا پڑھنا اور اس کو چھونا جائز ہے؟

امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب میں ایک قول و ایک روایت یہ ہے کہ حائضہ و نفاس والی عورت کے لیے قرآن کریم کی تلاوت جائز ہے اسی کو شیخ ابن تیمیہ نے پسند کیا ہے جیسا کہ کتاب "الانصاف" میں ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کے یہاں حائضہ اور نفاس والی عورت کے لیے قرآن کریم کی تلاوت اور اس کا چھونا اس صورت میں جائز ہے جب وہ استانی یا طالبہ ہو جیسا کہ "شرح صغیر" للدردیر بحاشیہ الصاوی (۱۔ ۹۵ و ۹۲ و ۹۳) میں ہے اس مذہب میں معلمات و طالبات کے لیے بہت آسانی ہے۔

امام مالک کے یہاں جنبی (اور حائض و نفساء کے لیے بدرجہ اولیٰ) سوتے وقت تھوڑے سے قرآن کریم کا پڑھنا یا کسی خوف کے وقت یا تبرک کے لیے یا کسی درد و نظر لگنے پر پڑھنا یا کسی شرعی حکم کی کسی دلیل کے لیے پیش کرنا درست ہے[1]۔

ایسے شخص کو جو بے وضو ہو اس طرح جنبی حائضہ و نفاس والی عورت کے لیے قرآن کریم کا بغیر جزدان اور غلاف کے چھونا ناجائز ہے، جزدان و غلاف سے وہ مراد ہے جو قرآن کریم سے بالکل الگ ہوتا ہے، اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

---

[1] شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کی کتاب "فتح باب العنایہ بشرح کتاب النقایۃ" (۱۔ ۲۱۷ و ۲۱۸) میں پیش کردہ تحقیق ملاحظہ ہو۔

((لَا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ))۔ الواقعہ۔ ۷۹ اس کو وہی چھوتے ہیں جو پاک بنائے گئے ہیں۔

اور اس لیے کہ حاکم "مستدرک" میں حضرت حکیم بن حزام سے اس روایت کی تصحیح کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ جب مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن بھیجا تو مجھ سے فرمایا: کہ پاک ہوئے اور طہارت حاصل کیے بغیر قرآنِ کریم کو نہ چھونا۔ اور بخاری میں حضرت ابووائل سے مروی ہے کہ وہ اپنی حائضہ جاریہ کو حضرت ابورزین کے پاس قرآنِ کریم لانے کے لیے بھیجا کرتے تھے تو وہ اس کو اس ڈورے سے پکڑا کرتی تھیں جسے غلاف و جزدان کو لٹکانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اور حضرت ابووائل و حضرت ابورزین رحمہما اللہ کبارِ تابعین میں سے ہیں۔

جنبی آدمی پر نماز پڑھنا حرام ہے، اس لیے کہ اس میں قرآنِ کریم کی تلاوت کرنا پڑے گی جیسا کہ ابھی اس کا تذکرہ گزر چکا ہے، اور اسی طرح نماز کے لیے مسجد میں جانا پڑے گا، اور جنبی پر طواف کرنا بھی حرام ہے جیسا کہ ابھی حدیث میں گزرا ہے کہ میں مسجد کو جنبی اور حائضہ عورت کے لیے حلال نہیں گردانتا۔

رہا جنبی کا روزہ رکھنا تو یہ بالکل درست ہے لیکن اگر جنابت کی وجہ سے نماز میں تاخیر ہوجائے تو ایسی صورت میں گناہ ہوگا۔

جو شخص احتلام دیکھ کر بیدار ہوا اور اسے اپنے کپڑوں پر منی لگی ملے تو اگر وہ تر ہو تو وہ بغیر دھوئے پاک نہیں ہوگی اور اگر وہ خشک ہوگئی ہو تو رگڑنے سے بھی کپڑا پاک ہوجاتا ہے، اس لیے کہ دارقطنی اپنی "سنن" میں اور بزار اپنی "مسند" میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر منی خشک ہوتی تو میں اسے رگڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے چھڑا دیا کرتی تھی اور اگر وہ تر ہوتی تو میں اسے دھو لیا کرتی تھی، اور ایک روایت میں یہ آتا ہے کہ پھر آپ نماز کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے اور پانی سے دھونے کے نشانات آپ کے کپڑے پر نظر آتے تھے۔

اس لیے اے تربیت کرنے والو آپ کو چاہیئے کہ آپ یہ تمام احکامات بچوں کو اس وقت سکھانا شروع کردیں جب وہ سمجھدار ہوجائیں، تاکہ جب وہ بڑے ہوں اور ان شرعی احکام کے مکلف بنیں اور عبادات ان پر فرض ہوجائیں تو انہیں یہ معلوم ہو کہ کیا کرنا جائز ہے اور کیا کرنا ناجائز ہے۔ اور خواہشات اور بلوغ سے تعلق رکھنے والی چیزوں کے شرعی احکام ان کو معلوم ہوں۔ اور فقہ فی الدین اور علمِ دین کی سمجھ کی برکت کے حامل اور علم و تعلیم کی فضیلت حاصل کرنے والے بنیں۔ بخاری و مسلم کی روایت ہے واقعی نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل سچ فرمایا ہے:

((من یرد اللہ بہ خیرًا یفقھہ فی الدین))۔ جس سے اللہ تعالیٰ بھلائی چاہتے ہیں اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتے ہیں۔

◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉

⑤ شادی اور جنسی تعلقات:

اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو پیدا کیا تو اس میں بہت سی خواہشات و آرزوئیں اور ایسے جذبات بھی پیدا کیے جو انسان کی نسل کو باقی رکھنے اور بشر کے محفوظ رکھنے کے لیے ضروری تھے، اور ایسے احکام و قوانین نازل فرما دیے جو ان خواہشات و جذبات کی حاجت روائی کرتے ہیں، اور جو ان کے نمو و بقا و استمرار کے ضامن ہیں.

اسلام نے شادی کا جو نظام مقرر کیا ہے یہ درحقیقت اس انسانی خواہش کی تکمیل ہے جو اس کو دوسری جنس کی طرف ہوا کرتی ہے، اس نظام کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنی جنسی فطرت اور طبعی جذبات کے ساتھ صحیح مناسبت، اہتمام اور مناسب طریقے سے چل سکے، اور اس کی راہ میں کوئی مشکل درپیش نہ آئے، اور زندگی کے مصائب اور شہوات کی برانگیختگی اور فطری جذبات سے متاثر نہ ہو. میں چاہتا ہوں کہ آپ کے سامنے وہ حقائق بیان کردوں جو جنسی جذبات سے متعلق ہیں اور شادی کی حکمت سے تعلق رکھتے ہیں. ان حقائق کا دو چیزوں سے تعلق ہے:

الف۔ جنس کے بارے میں اسلام کی رائے۔

ب۔ اللہ تعالیٰ نے شادی کا نظام کیوں مقرر فرمایا؟

جنس سے متعلق اسلام کی رائے:

۱۔ جیسے ہم قسم اول میں پہلے بیان کر چکے ہیں کہ دینِ اسلام میں انسان کے فطری جذبات کا خیال رکھا گیا ہے[لہ] اور اس کی غرض یہ ہے کہ انسان کے جذبات و خواہشات کو پورا کیا جائے تاکہ معاشرے میں موجود کوئی فرد بھی اپنی فطری حدود کو نہ پھلانگے، اور ایسے راستے پر چلنے کی قطعاً کوشش نہ کرے جو اس کی جبلت و فطرت کے ساتھ متصادم ہو، بلکہ اس سیدھے اور صحیح راستے کے مطابق اپنے قدم اٹھائے جسے اسلام نے مقرر کردیا ہے اور وہ شادی کا راستہ ہے، اور اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں بالکل سچ فرماتے ہیں:

((وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً)).

روم - ۲۱

اور اسی کی نشانیوں میں ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس کی بیویاں بنائیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو، اور اس نے تمہارے (یعنی میاں بیوی کے) درمیان محبت و ہمدردی پیدا کردی۔

لہ ملاحظہ فرمایئے وہ تحریر جو ہم نے "شادی کے پریشان کن مراحل" نامی اپنی کتاب کی فصل "اسلام میں رہبانیت نہیں" (ص-۱۹) ایڈیشن دوم میں تحریر کی ہے۔ نیز اس کتاب تربیۃ الاولاد کی قسم اول میں "شادی انسانی فطرت ہے" کے عنوان کے تحت بھی تشفی بخش بحث ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

اس لیے ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ دین اسلام نے عبادت کے لیے فراغت اور اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے شادی سے اعراض اور اس سے منہ موڑنے کو حرام قرار دیا ہے، اور خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ مسلمان شادی پر قدرت بھی رکھتا ہو اور اس کے لیے اسباب و وسائل بھی مہیا ہوں، بلکہ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ شریعت اسلام نے بلا کسی رو رعایت کے نہایت سختی سے ہر اس دعوت کی مخالفت کی جو مکروہ ترین رہبانیت اور عورتوں سے ناپسندیدہ دوری کی طرف بلاتی ہو۔ اس لیے کہ یہ دعوت انسانی فطرت کے معارض اور انسانی خواہشات و جذبات سے متصادم ہے۔

چنانچہ بیہقی حضرت سعد بن اُبی وقاص رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رہبانیت کے بدلے ہمیں آسان و اچھا مذہب دینِ اسلام عطا فرمایا ہے۔

اور طبرانی و بیہقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص شادی کرنے کی قدرت رکھتا ہو اور پھر شادی نہ کرے تو وہ مجھ سے نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرے کی تربیت اور نفوس کے امراض کے علاج کے سلسلہ میں جو موقف اختیار کیا ہے ان میں سے ایک موقف وہ ہے جسے بخاری و مسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ذریعہ روایت کرتے ہیں کہ تین حضرات ازواجِ مطہرات کے دولت کدے پر آئے اور ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے بارے میں دریافت کیا، جب ان کو آپ کی عبادت کی تفصیل بتلائی گئی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے اسے کم سمجھا، اس لیے وہ کہنے لگے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کہاں کر سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے پچھلے گناہ سب معاف کر دیے ہیں۔

ان میں سے ایک نے کہا: میں تو ساری رات کھڑے ہو کر نماز پڑھتا رہوں گا۔

دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا کبھی افطار نہیں کروں گا۔

تیسرے صاحب گویا ہوئے: میں عورتوں سے کنارہ کشی کر دوں گا کبھی شادی نہ کروں گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے (اور جب آپ کو یہ واقعہ بتلایا گیا تو) آپ نے فرمایا: کیا تم لوگوں نے فلاں فلاں بات کہی ہے؟ سن لو میں تم سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا اور متقی ہوں لیکن میں پھر بھی روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں، لہٰذا جو شخص میری سنت سے اعراض کرے گا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ موقف —— اس بات کی بہت بڑی و عظیم دلیل ہے کہ اسلام ایک دینِ فطرت ہے اور انسانی زندگی کی شریعت ہے اور جب تک کہ قیامت قائم نہ ہوگی اس وقت تک ہمیشہ رہنے والا پیغام ہے۔ اور یقین رکھنے والوں کے لیے اللہ کے فیصلے سے بڑھ کر کس کا فیصلہ ہو سکتا ہے؟

۲۔ اسلام نے جنس کے بارے میں جو صحیح اور سچا نظریہ پیش کیا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ جائز طریقے سے شہوت پوری کرنے اور شادی کے ذریعہ جنسی خواہش کے پورا کرنے کو اسلام نے ان اعمالِ صالحہ میں سے شمار کیا ہے۔ جن کا کرنے والا اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور اجر و ثواب کا مستحق بن جاتا ہے۔

امام مسلم اپنی صحیح میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہ نے نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول مالدار لوگ سارا اجر و ثواب کما لے گئے، اس لیے کہ وہ ہماری طرح سے نماز پڑھتے ہیں، اور اسی طرح روزے رکھتے ہیں جس طرح ہم روزہ رکھتے ہیں۔ اور زائد مال اللہ کے راستے میں صدقہ کر دیا کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں صدقہ کے قابل نہیں بنایا ہے! ہر سبحان اللہ پر صدقہ کا اجر ملتا ہے، اور ہر اللہ اکبر پر صدقہ کا ثواب ملتا ہے، اور ہر لا الہ الا اللہ پر صدقہ کا اجر ملتا ہے۔ اور ہر الحمد للہ پر صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔ اور امر بالمعروف کرنا (اچھی باتوں کا حکم دینا) صدقہ ہے۔ اور بری باتوں سے روکنا صدقہ ہے۔ اور انسان ہمبستری کرتا ہے اس پر بھی صدقہ کا اجر ملتا ہے۔

صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ہم میں سے کوئی شخص اپنی خواہش پوری کرتا ہے کیا اس پر بھی اس کو اجر ملے گا؟

نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: بتلاؤ اگر وہ شخص اس شہوت کو حرام جگہ سے پوری کرتا تو کیا اس پر گناہ ہوتا؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: جی ہاں!

آپ نے ارشاد فرمایا: تو اسی طرح جب وہ شخص اس کو حلال و جائز طریقے سے پوری کرتا ہے تو اس پر اس کو اجر ملتا ہے۔

جو لوگ اسلام پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اس میں جنسی جذبات کو مار دیا گیا ہے انہیں اسلام کے جنس سے متعلق ان احکامات و حقائق اور اس کے واضح اور کھلے ہوئے موقف کو سمجھ لینا چاہیے۔

۳۔ وہ امور جن کا مردوں کو جاننا ضروری ہے۔ ان میں سے یہ بھی ہے کہ عورت سے خواہش پوری کرنے پر صدقہ کا جو ثواب ملتا ہے اس کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ انسان ہر وقت اپنی شہوت رانی اور جنسی جذبات کو پورا کرنے میں ہی لگا رہے، اور بیوی اور اس کی محبت میں اتنا آگے بڑھ جائے جس کی وجہ سے وہ اپنے فرائضِ منصبی اور جہاد فی سبیل اللہ اور اسلام کی نصرت و اعلاء کلمۃ اللہ جیسے اہم کاموں سے بھی غافل ہو جائے، اس لیے کہ اسلام نے ہمیں ایک ایسا متوازن طاقتور آدمی تیار کر کے دیا ہے جو دنیاوی زندگی میں ہر حق دار کو اس کا حق دے گا اور ایک حق پر دوسرے کو غالب نہ کرے گا نہ ایک فریضے کو دوسرے فریضے پر، بلکہ اگر کسی موقعہ پر اسلام، جہاد یا دعوت الی اللہ سے متعلق کسی امر کا اس کی دنیوی ضرورت یا بیوی بچوں یا مال کی حاجت سے تصادم و ٹکراؤ ہو ایسے موقعہ پر مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ جہاد اور دعوت الی اللہ کو ہر دنیوی ضرورت و حاجت اور شخصی منفعت اور خاندانی اور وطنی تقاضوں پر مقدم رکھے۔ اس لیے کہ اسلامی معاشرے کو قائم رکھنا، اور مسلمان حکومت کی اساس دستونوں کو مضبوط کرنا، اور بھٹکی ہوئی انسانیت کی اسلام کی طرف رہنمائی ہی سب سے بڑی غایت و منتہا ہے۔ بلکہ مسلمان کی نظر میں یہ تمام مقاصد و اغراض

اور سب سے برتر و بالا ہے۔

حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ جنگِ قادسیہ میں جب رستم کے سامنے کھڑے ہوئے تو ان کے موقف میں یہ چیز کھل کر سامنے آتی ہے چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس لیے بھیجا ہے کہ ہم لوگوں کو بندوں کی عبادت سے نکال کر خدا کی عبادت کی طرف لے آئیں۔ اور دنیا کی تنگی سے اس کی وسعت اور دیگر مذاہب و ادیان کے ظلم سے اسلام کے عدل کی طرف نکالیں۔

محترم مربی صاحبان! آپ کے سامنے ان واقعات کے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں جن میں ہمارے سلفِ صالحین نے اسلام اور جہاد فی سبیل اللہ کی مصلحت کو ہر ذاتی مصلحت، شخصی منفعت اور خاندانی اور قبیلے کے فائدے پر ترجیح دی، اور خصوصاً بیوی بچوں سے متعلق امر میں:

الف۔ حضرت حنظلہ بن اُبی عامر رضی اللہ عنہ جیسے مؤمن صحابی جن کی شادی حضرت جمیلہ بنت اُبی عامر سے جمعہ کی شب کو ہوئی صبح ہی کو منادی نے اعلان کیا کہ جہاد کے لیے نکل کھڑے ہو، حضرت حنظلہ نے جیسے ہی یہ آواز سنی اپنی تلوار گردن میں لٹکائی زرہ پہنی اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر جنگِ احد کے لیے میدان کارزار کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ چنانچہ جب جنگ شروع ہوئی تو یہ نہایت بہادری سے لڑے، پھر مسلمانوں نے دیکھا کہ حضرت حنظلہ لڑتے ہوئے مشرکوں کی صفوں میں ابوسفیان کو تلاش کر رہے ہیں، حتیٰ کہ انہوں نے ان کو پالیا اور فوراً ہی ان پر حملہ آور ہوئے۔ ابوسفیان گر گئے، حضرت حنظلہ نے انہیں اپنی تلوار سے ذبح کرنا چاہا اتنے میں ابوسفیان نے قریش کو مدد کے لیے پکارا تو ان کی آواز چند نوجوانوں نے سن لی اور وہ حضرت حنظلہ پر ٹوٹ پڑے، اور ان پر ایسے شدید وار کیے کہ وہ شہید ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمِ غیب سے مطلع فرمایا، تو آپ نے اپنے صحابۂ کرام سے فرمایا کہ میں نے فرشتوں کو آسمان و زمین کے درمیان حضرت حنظلہ کو چاندی کے برتن میں غسل دیتے ہوئے دیکھا ہے[1] صحابہ جلدی سے حضرت حنظلہ کے جسدِ اطہر کو دیکھنے دوڑ پڑے تو کیا دیکھا کہ ان کے سر سے پانی ٹپک رہا ہے۔ چنانچہ ان کی بیوی سے اصل بات معلوم کی گئی تو انہوں نے بتلایا کہ انہوں نے جب جنگ کے لیے اعلان سنا تو اس وقت جنابت کی حالت میں تھے جلدی میں غسل نہ کر سکے تھے، اور جہاد کے لیے بلا غسل کیے ہی نکل کھڑے ہوئے، اللہ نے انہیں یہ اعزاز بخشا کہ فرشتوں کے ذریعے انہیں غسل دلوایا۔

ب۔ حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے حضرت عاتکہ بنت زید رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا، جو نہایت حسین و جمیل، بااخلاق اور باادب تھیں ان کی وجہ سے حضرت عبداللہ جہاد و جنگ میں جانے میں سست پڑ گئے تو ان کے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں ان کو طلاق دینے کا حکم دیا اور دلیل یہ دی کہ ان کی وجہ سے عبداللہ جنگ و جہاد سے رک گئے ہیں اس لیے طلاق دے دیں، چنانچہ انہوں نے انہیں طلاق دے دی، جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عبداللہ کے پاس گزرے تو انہوں نے سنا کہ عبداللہ یہ شعر پڑھ رہے ہیں:

---

[1] یہ حدیثِ حنظلہ امام ترمذی و امام احمد نے نقل کی ہے۔

فلم أر مثلی طلق الیوم مثلھا ولا مثلھا فی غیر ذنب تطلق

میں نے کسی اپنے جیسے شخص کو اس جیسی عورت کو طلاق دیتے نہیں دیکھا اور نہ اس جیسی عورت کو بلا کسی گناہ کے طلاق دی جاتی ہے

لھا خلق جزل و رأی ومنصب علی کبر منی و إنی لوامق

وہ بڑے اعلیٰ اخلاق اور رائے ومنصب کی مالک ہے باوجود میرے بڑے ہونے کے اور میں اس سے محبت کرنیوالا ہوں

یہ اشعار سن کر ان کے والد کو رحم آگیا تو انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ ان سے رجوع کرلو چنانچہ انہوں نے رجوع کرلیا اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ طائف میں شریک ہوئے۔ اور ایک تیر ان کو لگا چنانچہ اس کے بعد ان کا مدینہ منورہ میں انتقال ہوگیا۔

ج ۔ طبرانی وابن اسحاق روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کچھ دن کا سفر کرکے واپس لوٹے سخت گرمی کا دن تھا، گھر پہنچے تو دیکھا ان کی دونوں بیویاں ان کے باغ کے دو خیموں میں موجود ہیں اور ہر ایک نے چھپر پر پانی چھڑکا ہوا ہے اور پینے کے لیے پانی ٹھنڈا کر کے رکھا ہوا ہے۔ اور کھانا تیار ہے، چنانچہ جب وہ وہاں پہنچے تو خیمہ کے دروازے پر کھڑے ہوئے اور اپنی دونوں بیویوں اور ان کے تیار کردہ ساز وسامان کو دیکھ کر فرمانے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو دھوپ اور گرمی میں ہوں اور ابوخیثمہ ٹھنڈی چھاؤں، تیار کھانے اور خوبصورت بیویوں اور مال ودولت کے ساتھ مقیم ہو۔ یہ تو کوئی انصاف نہیں ہوا؟!

پھر فرمانے لگے: بخدا میں تم میں سے کسی کے خیمے میں بھی اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جاکر نہ مل آؤں چنانچہ ان کی دونوں بیویوں نے ان کے لیے زادِ راہ تیار کیا اور اونٹ کس کر سامنے کردیا گیا، اور وہ اس پر بیٹھ کر کوچ کر گئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے حتیٰ کہ آپ کو وہاں جا ملے جہاں آپ غزوۂ تبوک کے لیے مقیم تھے۔

بلا شبہ امتِ اسلامیہ اور جوانانِ اسلام حب اللہ واس کے رسول کی محبت، اور جہاد فی سبیل اللہ، اور دعوت الی اللہ کی محبت میں دنیا کی ہر سستی ومہنگی چیز قربان کردیتے ہیں۔ تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کو زمین میں حکومت دیتا ہے، اور ان کے خوف کو امن سے اور ان کے ضعف وکمزوری کو قوت سے بدل دیتا ہے، اور دنیا ان کی غلام زیرِ حکومت اور ساری انسانیت ان کے حکم کے تابع اور ان کے منع کرنے کی پابند ہوجاتی ہے... ایسا اگر نہ ہوگا اور لوگ ایسا نہ کریں گے تو پھر اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور گرفت کا انتظار کرنا چاہیے اللہ ان پر اپنا عذاب وسزا نازل کرے گا اور اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو کبھی بھی ہدایت نہیں فرماتے جو اس کی اطاعت نہ کریں، اور اس کے بتلائے ہوئے راستے اور طریقے سے ہٹ جائیں۔

اور اللہ جل شانہ قرآنِ کریم میں بالکل بجا فرماتے ہیں:

﴿قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَ آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور

اَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ، وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ)) التوبہ۔۲۴

عورتیں اور برادری اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور سودا گری جس کے بند ہونے سے تم ڈرتے ہو اور حویلیاں جن کو پسند کرتے ہو تم کو اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیجے۔ اور اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں کو راستہ نہیں دیتا۔

ہمیں دعوت وتبلیغ اور جہاد میں عورت کے کردار سے بھی بے خبر نہیں رہنا چاہیے اس لیے کہ اگر ضرورت پڑے اور موقعہ درپیش آجائے تو اسلام نے عورت کو بھی جہاد میں جانے کا مکلف بنایا ہے۔

پچھلے دور میں مسلمان عورت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ تلوار لے کر کھڑی ہوئی، اور اس نے زخمیوں کا علاج کیا، اور بیماروں کی دیکھ بھال کی، اور مقتولین کو ٹھکانوں پر پہنچایا اور ساتھ ہی کھانا بھی پکایا۔

اس کے ادلہ ذیل میں پیش کیے جا رہے ہیں:

الف ۔ امام مسلم حضرت رُبَیّع بنت معوذ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتی ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ غزوات میں شریک ہوا کرتے تھے اور بیماروں ومقتولین کو مدینہ منورہ پہنچایا کرتے تھے۔

اور ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات غزوات (جنگوں) میں شریک رہی ہوں، میں ان کے سامان کی حفاظت کرتی تھی، ان کے لیے کھانا پکاتی تھی، اور زخمیوں کا علاج کرتی تھی، اور بیماروں کی تیمارداری کرتی تھی۔

ب ۔ ابن ہشام اپنی کتاب "سیرت" میں روایت کرتے ہیں کہ ام سعد بنت سعد بن الربیع حضرت ام عمارہ کے پاس گئیں، تو میں نے ان سے کہا کہ خالہ جان ذرا مجھے اس کی تفصیل تو بتلائیے جو کچھ آپ نے غزوۂ احد میں کیا تھا، تو انہوں نے فرمایا کہ میں دن کے ابتدائی حصے میں نکلی اور میں یہ دیکھنے لگی کہ لوگ کیا کر رہے ہیں، میرے پاس پانی کا مشکیزہ تھا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچی، آپ صحابہ کرام کے ساتھ مل کر لڑ رہے تھے، اس وقت تک جنگ مسلمانوں کے حق میں تھی، لیکن پھر جب مسلمان شکست کھانے لگے تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گئی اور میں لڑنے لگی اور تلوار لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مدافعت کرنے لگی اور ساتھ ہی تیر بھی مارتی رہی حتیٰ کہ میں خود بھی زخمی ہو گئی۔

ج ۔ ابن ہشام روایت کرتے ہیں کہ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا نے جب ایک یہودی کو قلعے میں گھومتے ہوئے دیکھا، تو انہوں نے کمر کسی اور ایک لکڑی اٹھائی اور قلعہ میں داخل ہو گئیں، اور اس کو اتنا مارا کہ اسے ختم کر ڈالا۔

اس سلسلہ میں اگر ہم مثالیں پیش کرنا چاہیں تو بے شمار مثالیں موجود ہیں جو شمار نہیں کی جا سکتیں۔

رہا تبلیغ اور دعوتِ دین اور اچھی باتوں کا حکم دینے اور بری باتوں سے منع کرنے کے سلسلہ میں عورت کی ذمہ داری و فریضہ تو یہ فریضہ عورت پر بھی مرد کی طرح عائد ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ م يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ط اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ط اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝)). التوبہ - ۷۱

اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کی مددگار ہیں، سکھلاتے ہیں نیک بات اور منع کرتے ہیں بری بات سے، اور نماز قائم رکھتے ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلتے ہیں وہی لوگ ہیں جن پر اللہ رحم کرے گا، بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

یہ وہ اہم اسلامی نظریات ہیں جو بچے کے ذہن میں اس وقت سے ڈال دینا چاہیے جب وہ شعور و سمجھ کی عمر کو پہنچے، تاکہ جب شادی و منگنی کا زمانہ آئے اور شادی کی چوکھٹ پر قدم رکھے تو اسے معلوم ہو کہ عورت سے ملاپ ایک نہایت اہم اور عظیم مقصد کے حصول کے لیے وسیلہ ہے۔ اور وہ مقصد ہے حکومتِ اسلامیہ کا قیام اگر وہ یہ سمجھ لے گا تو شادی کے بعد متوازن زندگی گزارے گا، اور ہر صاحبِ حق کو بلا کسی تأمل کے اس کا حق ادا کرے گا، اور کسی فریضے یا واجب میں کوئی سستی یا کوتاہی نہیں کرے گا۔ یہ ہے حقیقی اسلام اور اس کا مفہوم و حقیقت۔

رہا یہ مسألہ کہ اللہ تعالیٰ نے شادی کو کیوں مشروع کیا ہے[1]:

اس سلسلہ میں ہم اس کتاب کی قسمِ اول میں "شادی ایک معاشرتی مصلحت ہے" کے عنوان کے تحت شادی کی مشروعیت کی حکمت بیان کر چکے ہیں۔ اور لیجیے اب ہم یاددہانی اور فائدہ کی غرض سے مختصراً ان اہم فوائد کو ذکر کیے دیتے ہیں جو شادی کرنے والے کو شادی سے حاصل ہوتے ہیں:

شادی کا ایک فائدہ نسب کی حفاظت ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً)). النحل - ۷۲

اور اللہ نے پیدا کیں تمہارے لیے تمہاری ہی قسم سے عورتیں اور تم کو تمہاری عورتوں سے بیٹے اور پوتے دیے۔

شادی کے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ معاشرہ اخلاقی بے راہ روی سے بچ جاتا اور محفوظ ہو جاتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: اے نوجوانوں کی جماعت تم میں سے جو شخص شادی کی قدرت رکھتا ہو اسے چاہیے کہ شادی کرلے اس لیے کہ اس

---

[1] ہماری کتاب "شادی کی مشکلات" کا مطالعہ کیجیے ان شاء اللہ آپ کو یہ بحث وہاں نہایت مفصل ملے گی۔

سے نگاہ جھکی رہتی ہے اور شرمگاہ محفوظ رہتی ہے۔ (بخاری ومسلم وغیرہ)

ایک فائدہ یہ ہے کہ میاں بیوی مل کر خاندان کی ذمہ داری اٹھاتے ہیں، نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں کہ مرد اپنے گھر کا رکھوالا و ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں باز پرس ہوگی، اور عورت اپنے شوہر کے گھر کی رکھوالی ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہوگا۔ (بخاری ومسلم)

ایک فائدہ یہ ہے کہ معاشرہ بہت سی بیماریوں اور آفات سے محفوظ ہو جاتا ہے، نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں کہ نہ نقصان اٹھاؤ نہ نقصان پہنچاؤ۔ (موطأ مالک وابن ماجہ)

شادی کے فوائد میں سے روحانی ونفسیاتی سکون بھی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

((وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً))۔ الروم-۲۱

اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس کی بیویاں بنائیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو۔ اور اس نے تمہارے (یعنی میاں بیوی کے) درمیان محبت وہمدردی پیدا کر دی۔

شادی کے فوائد میں سے اسلام کے لیے نیک صالح ذریت کو پیدا کرنا بھی ہے، نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ نکاح کرو اور نسل پیدا کرو تم تعداد میں بڑھ جاؤ گے، اس لیے کہ میں روزِ قیامت تمہارے ذریعہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا (عبدالرزاق وبیہقی)۔

اس لیے مربی صاحبان! بچہ جب شادی سے متعلق ان حقائق کو سمجھ لے گا تو وہ کلی طور پر شادی کی طرف رجوع اختیار کرے گا، اور جہاں تک اس سے ہو سکے گا اس کو اختیار کرنے کی کوشش کرے گا۔

محترم مربی صاحبان! میں آپ کے کان میں چپکے سے ایک نصیحت بھی کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ:

اے والدِ محترم! اگر آپ کے پاس گنجائش ہو اور مادی طور پر آپ قوت رکھتے ہوں تو آپ کو چاہیے کہ آپ شادی کے امور طے کرنے اور اسے آسان کرنے کے لیے اپنے بیٹے کا ہاتھ بٹائیں، تاکہ اسے ان نفسیاتی پریشانیوں اور جنسی خیالات سے چھٹکارا دلا دیں جو اس کی عقل وسمجھ پر سوار ہو کر اس کی تعلیم اور مقصدِ اصلی کے درمیان رکاوٹ بن سکتے ہیں۔ اور ساتھ ہی اس طرح سے آپ اسے اس اخلاقی بے راہ روی سے بھی نجات دلا دیں گے جو اس کی صحت کو خراب اور شہرت کو داغدار کرنے والی ہے۔

اور یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ ہم اس کے لیے ایک طرف تو شادی کے اسباب نہ پیدا کر دیں، اور دوسری طرف مادی اعتبار سے اس کے اخراجات کا بندوبست نہ کر دیں، اس سلسلہ میں کسی قسم کی کوتاہی یا سستی نوجوان لڑکے کو خطرناک انجام اور بدترین نتائج میں گرفتار کرا دیتی ہے۔

ہم نے کتنے ہی ایسے والدین کے بارے میں سنا ہے کہ جو کھاتے پیتے اور مالدار ہیں لیکن انہوں نے اپنی اولاد کی شادی

کے سلسلے میں ان کی مادی امداد میں بخل سے کام لیا اور بہانہ یہ بنایا کہ ان کی اولاد بالغ ہے اور ان کے اخراجات ونفقات کی اب ان پر ذمہ داری نہیں ہے لیکن انہیں یہ معلوم نہیں کہ جو مال و پیسہ وہ اس سلسلہ میں خرچ کریں گے اس کی مثال اس نجات دہندہ کشتی کی سی ہے جو خود ان کو ان نفسیاتی بے چینیوں، اخلاقی خرابیوں اور فکری اضطراب سے بچائے گی جو انہیں مال کے خرچ کرنے میں بخل کرنے اور ان کی مدد کرنے سے ہاتھ کھینچنے اور ان کی شادی کے اسباب مہیا نہ کرنے کی وجہ سے درپیش آسکتے ہیں.

مالدار باپ اپنے بچے پر خرچ کے سلسلہ میں بخل سے کیوں کام لیتا ہے؟! اس کے لیے شادی کے مواقع کیوں فراہم نہیں کرتا؟ کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ خود ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندہ رہے گا؟

جو مال اس کے پاس ہے کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ اسے آخرت میں اپنے ساتھ لے جائے گا؟

لازمی بات ہے کہ اسے بھی مرنا ہے اور اسے ایک ایسے چھوٹے سے گڑھے میں دفن کر دیا جائے گا جس میں نہ ساز و سامان ہوگا، نہ بچھونا و اوڑھنا، اور نہ زیب وزینت کا سامان، اور یقینی طور پر اس کا تمام مال ورثہ ہی کو ملے گا.

اس لیے مالدار باپ کو پیسہ خرچ کرنے میں سخاوت کرنا چاہیئے. اور جس مال میں اللہ نے اسے اپنا خلیفہ بنایا ہے اسے خرچ کرے، اور پہلے ان پر خرچ کرے جو اس کی کفالت میں ہیں: اور اپنے لڑکے کی شادی کے اسباب مہیا کرنے میں بھرپور کوشش کرے، اور اس حدیث کو خوب غور سے سنے جسے امام مسلم روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

«دینار أنفقته فی سبیل اللہ، ودینار أنفقته علی رقبة، ودینار تصدقت به علی مسکین، ودینار أنفقته علی أهلك، أعظمها أجراً ما أنفقته علی أهلك».

ایک دینار وہ ہے جو تم اللہ کے راستے میں خرچ کرو، اور ایک وہ ہے جو غلام کو آزاد کرنے کے لیے خرچ کرو، اور ایک وہ ہے جو کسی غریب پر صدقہ کرو، اور ایک دینار وہ ہے جو تم اپنے اہل وعیال پر خرچ کرو، ان سب میں زیادہ اجر وثواب والا وہ دینار ہے جسے تم اپنے اہل وعیال پر خرچ کرو.

❊ ❊ ❊

اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنے والوں کے اجر وثواب کو کبھی ضائع نہیں فرماتے ہیں۔[1]

محترم تربیت کرنے والے حضرات اگر آپ چاہیں کہ آپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ اسلام نے بیوی کے انتخاب میں کس طریق کو اپنایا ہے تو اس کے لیے آپ اس کتاب کی قسمِ اول میں "شادی انتخاب واختیار کا نام ہے" عنوان والی بحث مطالعہ کر لیجیے، ان شاء اللہ آپ کو وہاں کافی بحث مل جائے گی، اور پھر آپ اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں پائیں گے کہ آپ اپنے لڑکے کے لیے ایسی نیک بیوی منتخب وتلاش کریں جس کی طرف وہ دیکھ کر خوش ہو جائے، اور جب وہ اسے کسی بات کا

---

[1] ملاحظہ ہو مؤلف کی کتاب [illegible] شادی کی مشکلات" (ص ۶۴۔۴۴) میں ہر باپ کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ کتاب "شادی کی مشکلات اور اسلام کی [illegible] شادی میں جو مشکلات پیش آتی ہیں اسلام نے ان کے حل کرنے کا جو عملی طریقہ بتلایا ہے وہ آپ کو معلوم ہو سکے۔

حکم دے تو وہ اس کی فرمانبرداری کرے، اور جب وہ اس سے دور ہو تو وہ اس کی عزت وآبرو اور مال ودولت کی حفاظت کرے، اور جب اللہ تعالیٰ اس کو اس عورت سے بچہ دے تو وہ اللہ سے یہ دعا مانگے:

((رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا)). الفرقان-۷۴

اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما، اور ہم کو پرہیزگاروں کا سردار بنا دے۔

اور اس کی بیوی اس بچے کی تربیت ورہنمائی کرنے میں اس مرد کی مددگار ومعاون ہو تاکہ وہ بچہ زندگی میں فعال وکامیاب عضو بن سکے۔

اس سب تفصیل وبیان کے بعد اب ہم ان مراحل کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں، جو شادی کرنے والے شخص کو پہلی رات درپیش آتے ہیں، تاکہ انسان کو معلوم ہو کہ ان مواقع میں اس کو کیا موقف اختیار کرنا چاہیئے۔ یہ مراحل اس وقت سے شروع ہوتے ہیں جب لڑکا اپنی دلہن کے ساتھ خلوت میں جاتا ہے، اور پھر اس وقت سے جنسی فعل کے اختتام تک تاکہ جو شخص جاننا چاہے تو اسے معلوم ہو جائے کہ اسلام نے اپنی کامل ومکمل قانون سازی سے ہمیں ہر چیز کی تعلیم دی ہے حتیٰ کہ شادی کی پہلی رات کے آداب بھی اور زن وشوہر کی زندگی کے اصول بھی۔

وہ مراحل یہ ہیں کہ درجِ ذیل اقدامات اختیار کیے جائیں:

۱۔ دولہا کو اپنا ہاتھ دلہن کے سر پر رکھ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا نام لینا چاہیئے۔ اور دلہن کے لیے برکت کی دعا کرنا چاہیئے، اس لیے کہ بخاری وابوداؤد وغیرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت سے شادی کرے تو اسے چاہیئے کہ اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر اللہ جل شانہ کا نام لے اور برکت کی دعا کرے اور یہ کہے:

((اللهم إني أسألك من خيرها وخير ما جبلتها عليه وأعوذ بك من شرها وشر ما جبلتها عليه)).

اے اللہ میں آپ سے اس عورت کی خیر اور جس طبیعت وعادت پر وہ پیدا کی گئی ہے اس کی خیر مانگتا ہوں، اور آپ سے اس کے شر اور جس شر پر وہ پیدا کی گئی اس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔

﴿ ﴿ ﴿

۲۔ دولہا اور دلہن کو چاہیے کہ وہ دونوں دو دو رکعت نفل پڑھ کر اللہ سے دعا مانگیں، اس لیے کہ ابن ابی شیبہ سندِ جید کے ساتھ حضرت شقیق سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک شخص جن کو ابو حریز کہا جاتا ہے وہ آئے اور انہوں نے عرض کیا کہ میں نے ایک کنواری لڑکی سے شادی کی ہے، اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ مجھ سے نفرت نہ کرنے لگ جائے، تو ان سے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: الفت ومحبت پیدا کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں۔ اور بغض ونفرت شیطان دلوں میں ڈالتا ہے، شیطان یہ چاہتا ہے کہ تمہیں وہ چیز ناپسند کرادے جو تمہارے لیے حلال ہے۔ جب وہ لڑکی تمہارے پاس آئے تو تم اسے یہ حکم دیناکہ وہ تمہارے پیچھے دو رکعت نماز پڑھے اور تم یہ دعا مانگنا: اے اللہ میرے لیے میری بیوی میں برکت دے دے اور اس کے لیے مجھ میں، اے اللہ ہمیں جب تک اکٹھا رکھیں خیریت کے ساتھ رکھیے گا اور جب ہمارے درمیان تفریق جدائی پیدا فرمائیں تو خیر وبھلائی کی طرف تفریق کرائیے گا۔

۳۔ دولہا کو چاہیے کہ دلہن سے نرمی سے بات کرے اور اسے کھانے یا پینے کی کوئی چیز پیش کرے، اس لیے کہ امام احمد اپنی مسند میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت اسماء بنت یزید بن السکن فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو منہ دکھانے کے لیے آراستہ وپیراستہ کیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کے پاس تشریف لائے تو دودھ کا ایک بڑا پیالہ ساتھ لائے، خود تناول فرمایا اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا، تو انہوں نے اپنا سر جھکالیا اور شرما گئیں۔

اور ترمذی ونسائی سندِ جید کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((أكمل المؤمنين إيمانا أحسنهم خلقا وألطفهم بأهله)).

مؤمنوں میں کامل ترین ایمان والا شخص وہ ہے جوان میں سب سے بہتر اخلاق والا ہو، اور اپنے گھر والوں کے ساتھ نرم ہو۔

اور ترمذی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((خيركم خيركم لأهله وأنا خيركم لأهلي)).

تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا ہو۔ اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ تم سب میں زیادہ بہتر سلوک والا ہوں۔

٭ ٭ ٭

بلاشبہ دلہن کے ساتھ ملاطفت ونرمی اس کو مانوس کرنے اور اس سے وحشت کو دور کرنے کا بھی ایک ذریعہ ہے اور ساتھ ہی باہمی مودت ومحبت کے بندھن مضبوط کرنے کا بھی، اس لیے کہ جیساکہ مشہور ہے ہر آنے والے کے ساتھ ایک قسم کی دہشت بھی ساتھ آتی ہے اور ہر اجنبی پر وحشت طاری ہوتی ہے۔

۴۔ مباشرت وہم بستری کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ دولہا و دلہن دونوں اپنے کپڑے اتار دیں اس لیے کہ کپڑے اتارنے سے ایک تو بدن کو راحت ملتی ہے اور کروٹ وغیرہ لینے میں بھی آسانی ہوتی ہے، اور اس سے لذت وسرور بھی بڑھ جاتا ہے، اور بیوی سے اُنس وپیار میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

البتہ افضل یہ ہے کہ چادر یا لحاف کے نیچے ہوکر تمام جسم ننگا کریں۔ اس لیے کہ امام احمد و ترمذی و ابوداؤد نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((إن الله تعالى حيي ستير يحب الحياء والستر)).

اللہ تعالیٰ باحیا، پردہ والے ہیں اور حیاء و پردہ کو پسند فرماتے ہیں۔

اور امام ترمذی نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم برہنہ ہونے سے بچو اس لیے کہ تمہارے ساتھ وہ (فرشتے) ہیں جو تم سے سوائے قضاء حاجت کے وقت اور اس وقت کہ جب انسان اپنی بیوی سے ہمبستری کرتا ہے اور کسی وقت جدا نہیں ہوتے لہٰذا ان سے حیا کرو اور ان کا اکرام کرو۔

اور اس سے قبل ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث ذکر کر چکے ہیں جس میں انہوں نے ارشاد فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے اس حالت میں تشریف لے گئے کہ نہ آپ نے میرا (ستر) دیکھا اور نہ میں نے آپ کا (ستر) دیکھا۔

ستر کی فضیلت کی تاکید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے امام ترمذی نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی سے ہم بستری کرے تو دونوں کو اس طرح برہنہ نہیں ہونا چاہیے جس طرح گدھے عریاں ہوتے ہیں۔

۵ - ہم بستری کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ ابتداء میں چھیڑ چھاڑ اور بوس و کنار وغیرہ بھی ہونا چاہیئے۔ اس لیے کہ ابو منصور دیلمی مسند فردوس میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی پر اس طرح نہ چڑھ جایا کرے جس طرح جانور چڑھ جاتا ہے، دونوں کے درمیان پہلے کوئی قاصد ہونا چاہیئے، پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول: قاصد کون ہے۔ تو آپ ارشاد فرمایا: بات چیت کرنا اور بوسہ، اور ابو منصور ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں عجز و کمزوری میں داخل ہیں، اور ان میں سے یہ بھی شمار فرمایا کہ انسان اپنی بیوی یا باندی سے ہم بستری کرے اور اس کے ساتھ جنسی فعل ایک دم شروع کر دے اور اس سے قبل اس سے دل لگی اور بوس و کنار نہ کرے۔ اور اس طرح یہ کہ وہ اس سے اپنی حاجت اس سے قبل پوری کرے کہ وہ عورت اپنی خواہش اس سے پوری کر سکے[1]۔

اس حدیث سے ہم یہ ثابت کرتے ہیں کہ شوہر کو چاہیئے کہ وہ جنسی فعل کے دوران اس بات کو ملحوظ خاطر رکھے کہ اس کی بیوی بھی اس کے ساتھ لذت اندوزی اور انزال میں برابر کی شریک رہے۔

امام غزالی اپنی کتاب "احیاء العلوم" میں لکھتے ہیں کہ جب شوہر اپنی خواہش پوری کر چکے تو اسے چاہیے کہ اپنی بیوی کو بھی اس بات کا موقعہ دے کہ وہ بھی اس سے اپنی خواہش پوری کر سکے، اس لیے کہ بسا اوقات عورت کو دیر سے انزال ہوتا ہے، اور وہ پوری جوش میں ہوتی ہے اس لیے ایسے موقعہ پر اس سے ہٹ جانا اس کی ایذاء کا ذریعہ بنتا ہے اور انزال میں

---

[1] یہ دونوں حدیثیں اگرچہ ضعیف ہیں لیکن معنی کے اعتبار سے بالکل درست ہیں اس لیے کہ بیوی کے ساتھ دل لگی اور بوس کنار کرنے میں اس کو مانوس کرنا، اور جنسی خواہش کو ابھارنا، اور نفسیاتی طور پر ہم بستری کے لیے آمادہ کرنا، اور ہمبستری میں لذت و کیف پیدا کرنا ہے۔

میاں بیوی کا مختلف ہونا نفرت پیدا کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے چاہے شوہر کو کتنی جلدی ہی انزال ہوجایا کرتا ہو۔ اور مرد و زن کا انزال میں ایک دوسرے کے ساتھ متحد ہونا عورت کے لیے نہایت لذت بخش ہوتا ہے [۱]

۶۔ اور جماع کے آداب میں یہ بھی داخل ہے کہ شوہر مندرجہ ذیل دعا مانگے، اس لیے کہ امام بخاری حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص جب اپنی بیوی کے پاس جائے تو اگر یہ دعا پڑھ لیا کرے:

((بسم اللہ، اللّٰھم جنبنا الشیطان وجنب الشیطان ما رزقتنا)).

بسم اللہ، اے اللہ ہم کو شیطان سے بچالے اور شیطان کو اس (اولاد) سے دور فرما دے جو آپ ہمیں عطا فرمائیں۔

تو اگر اللہ نے ان کے لیے اولاد لکھی ہوگی تو اس کو شیطان کبھی بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

۷۔ بیوی سے جس کیفیت سے چاہے ہمبستری کر سکتا ہے بشرطیکہ یہ کام فرج (اگلے راستے) کے ذریعہ سے ہو۔ اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ)). البقرہ۔ ۲۲۳

تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں سو جاؤ اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو۔

مطلب یہ ہے کہ اپنی بیویوں سے ہمبستری اسی راہ سے جہاں سے ولادت ہوتی ہے، جس کیفیت سے چاہے کر سکتا ہے خواہ سامنے کی طرف سے ہو یا پیچھے کی طرف سے یا پہلو کے بل لیٹ کر۔

امام بخاری حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: یہود یہ کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے فرج (اگلے راستے) میں پیچھے کی طرف سے ہم بستری کرے تو لڑکا بھینگا پیدا ہوتا ہے اس پر آیت:

((نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ)). البقرہ۔ ۲۲۳

تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں سو جاؤ اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو۔

نازل ہوئی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چاہے پیچھے کی طرف سے کر و یا آگے کی طرف سے بشرطیکہ ہمبستری اگلے حصے فرج ہی میں ہو۔

جماع کی سب سے بہترین شکل اور طریقہ یہ ہے کہ مرد عورت کے اوپر آجائے، عورت چت لیٹی ہوئی ہو اور اس نے اپنی ٹانگیں کھڑی کی ہوئی ہوں، پھر مرد عورت کو اس کے ہاتھوں اور ٹانگوں کے درمیان جو جگہ رہے اس سے اپنی گرفت میں لے لے، حتیٰ کہ دونوں ایک دوسرے سے اپنی لذت و خواہش پوری کر لیں۔

جماع کا یہ طریقہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس بیان سے ماخوذ ہے جو انھوں نے ہمبستری کی معروف شکل

---

[۱] ملاحظہ ہو کتاب احیاء علوم الدین (۲۔ ۵۰) ہمبستری کے آداب کا باب۔

بیان فرمائی تھی، اور یہ اس حدیث میں مذکور ہے جسے امام مسلم حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ انصار و مہاجرین کی ایک جماعت میں باہمی اختلاف ہوا، تو انصار نے کہا کہ غسل اس وقت تک واجب نہیں ہوگا جب تک کہ منی یعنی کودتا ہوا شہوت والا پانی نہ نکلے، اور مہاجرین نے کہا کہ نہیں بلکہ جب مرد و زن باہم اختلاط کرلیں تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔ حضرت ابوموسیٰ نے فرمایا کہ میں تمہاری تسلی کرائے دیتا ہوں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے اجازت چاہی تو انہوں نے مجھے اجازت دے دی۔ میں نے ان سے عرض کیا: اماں جان! میں آپ سے ایک مسالہ پوچھنا چاہتا ہوں لیکن مجھے آپ سے وہ دریافت کرتے ہوئے شرم آرہی ہے۔ انہوں نے فرمایا: تم مجھ سے جو کچھ دریافت کرنا چاہتے ہو کرلو، جیسے تم اپنی حقیقی ماں سے بلا جھجک پوچھ لیتے ہو مجھ سے بھی پوچھ لو میں بھی تو تمہاری ماں کی طرح ہوں. میں نے عرض کیا کہ غسل کس چیز سے واجب ہوتا ہے؟

انہوں نے فرمایا: تم نے صحیح خبر رکھنے والے سے پوچھا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب مرد عورت کے چاروں گوشوں (یعنی ہاتھوں اور پاؤں) کے درمیان بیٹھ جائے اور ختنے کی جگہ سے ختنے کی جگہ مل جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔

۸۔ اور اگر ایک مرتبہ ہم بستری کے بعد دوبارہ پھر ہمبستری کی خواہش ہو تو مستحب یہ ہے کہ پہلے وضو کرے، اس لیے کہ دونوں ہم بستریوں کے درمیان وضو کرنے سے نشاط میں اضافہ ہو جاتا ہے، اس لیے کہ امام مسلم و ابوداؤد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی سے صحبت کرے، اور دوبارہ پھر وہی کام کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ وضو کرلے اس لیے کہ وضو کرنے سے دوبارہ صحبت کرنے میں زیادہ نشاط پیدا ہو جاتا ہے۔

اور اگر دونوں جماعوں کے درمیان غسل کرلیا جائے تو یہ اور زیادہ بہتر ہے۔ اس لیے کہ ابوداؤد و نسائی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سب ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے گئے، اور ہر ایک کے یہاں غسل فرمایا، حدیث کے راوی حضرت ابورافع نے فرمایا کہ اے اللہ کے رسول آپ نے ایک مرتبہ ہی غسل کیوں نہیں کرلیا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ زیادہ بہتر اچھا اور صفائی ستھرائی والا ہے۔

۹۔ میاں بیوی دونوں کے حق میں افضل یہ ہے کہ غسل کرنے میں جلدی کریں اور اگر سستی کی وجہ سے غسل نہ کرسکیں تو پھر مستحب یہ ہے کہ سونے سے قبل وضو کرکے سوئیں اس لیے کہ امام مسلم حضرت عبداللہ بن قیس رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ جنابت کی صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے؟ کیا سونے سے قبل غسل کرلیا کرتے تھے یا غسل سے قبل ہی سو جایا کرتے تھے؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں طرح کیا کرتے تھے، بسا اوقات غسل کرکے

سو یا کرتے تھے، اور بسا اوقات وضو کر کے سو جایا کرتے تھے۔ میں نے کہا خدا کا شکر ہے کہ اس نے اس معاملہ میں ہمارے لیے آسانی پیدا فرما دی۔

غسل زیادہ بہتر اس لیے ہے کہ جب ان کی صبح آنکھ کھلے گی تو سستی اور کسی مشقت کے بغیر نماز فجر جلدی ادا کرنا آسان ہو جائے گی خصوصاً سردی کے موسم میں اور جب نزلہ زکام اور سردی بھی ہو۔

۱۰۔ میاں بیوی ایک غسل خانے میں ایک ساتھ بھی غسل کر سکتے ہیں، اس لیے کہ امام بخاری و مسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کیا کرتے تھے جو آپ کے اور میرے درمیان رکھا ہوتا تھا، ہم دونوں کے ہاتھ ایک دوسرے کے ہاتھ سے اس برتن میں ٹکرایا کرتے تھے، آپ مجھ سے سبقت لے جایا کرتے تھے حتیٰ کہ میں یہ کہا کرتی تھی کہ میرے لیے بھی چھوڑ دیجیے، میرے لیے بھی چھوڑ دیجیے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ہم دونوں حالتِ جنابت میں ہوا کرتے تھے۔

میاں بیوی دونوں عریاں ہو کر ایک ساتھ بھی غسل کر سکتے ہیں، لیکن ستر کو ڈھانکنا افضل ہے اس لیے کہ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اس سے حیا کی جائے۔ یہ حدیث امام نسائی کے علاوہ اور اربابِ سنن نے نقل کی ہے۔

میاں بیوی کے لیے مندرجہ ذیل ممنوع باتوں سے احتراز کرنا ضروری ہے:

۱۔ میاں بیوی کے لیے یہ قطعاً حرام ہے کہ وہ دوسروں کے سامنے آپس کی ہم بستری کی کیفیات زبان یا اشارے کنائے میں بیان کریں یا اس وقت پیش آنے والی کوئی حرکت یا بات نقل کریں، اس لیے کہ مسلم و ابوداؤد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے یہاں درجہ کے اعتبار سے سب سے بدتر آدمی وہ شخص ہوگا کہ جو اپنی بیوی سے ہم بستری کرے اور اس کی بیوی اس سے صحبت کرے پھر وہ شخص اس کے راز دوسروں کے سامنے بیان کرتا پھرے۔

اور امام احمد و ابوداؤد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہمارے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی، پھر جب سلام پھیر چکے تو ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا: اپنی جگہ بیٹھے رہو، بتلاؤ کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے کہ جو اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے اور دروازہ بند کر کے پردہ گرا کر ہم بستری کرتا ہے پھر باہر آکر لوگوں کو یہ بتلاتا ہے کہ میں نے اپنی بیوی سے ایسا ایسا کیا؟ میں نے اپنی بیوی سے یہ یہ کیا؟ سب حاضرین خاموش رہے، پھر آپ عورتوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کیا تم میں کوئی ایسی عورت ہے جو اس قسم کی باتیں کرتی ہو؟ تو ایک لڑکی اپنے ایک گھٹنے کے بل کھڑی ہو کر اوپر کو ہو گئی تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے دیکھ لیں اور اس کی بات سن لیں اور اس نے کہا:

بخدا مرد بھی ایسا کرتے ہیں اور عورتیں بھی ایسا کرتی ہیں، تو نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: کہ کیا تم جانتے ہو ایسا کرنے والے کی مثال کیا ہے؟ ایسا کرنے والے کی مثال اس شیطان مرد و شیطان عورت کی طرح ہے کہ جو ایک دوسرے سے سرِ راہ ملا ہو اور اس نے لوگوں کے سامنے اس سے اپنی خواہش پوری کرلی ہو۔

۲ - مرد کے لیے عورت کے پچھلے راستے میں صحبت کرنا حرام ہے، اس لیے کہ نسائی وابنِ حبان سندِ جید کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرمائیں گے جو اپنی بیوی کے ساتھ پچھلے راستے میں صحبت کرے۔

اور ابن عدی وابو داؤد واحمد نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص عورتوں سے پچھلے راستے میں صحبت کرتا ہے وہ ملعون ہے۔

اور اصحابِ سنن: ابو داؤد و ترمذی وابنِ ماجہ سندِ صحیح کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص حائضہ عورت سے ہم بستری کرے یا عورت سے پچھلے راستے میں صحبت کرے یا کاہن و نجومی کے پاس جائے اور اس کی بات کو سچ سمجھے تو اس نے اس کی تکفیر کی جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے۔

اور نسائی حضرت طاؤس رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو اپنی بیوی سے پچھلے راستے میں صحبت کرے تو انہوں نے فرمایا کہ یہ شخص مجھ سے کفر کے بارے میں سوال کررہا ہے۔ یہ صحیح سند سے منقول ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ پچھلے راستے سے صحبت کرنا جسم وصحت کے لیے مضر اور اخلاق و شرافت کے خلاف ہے اور شذوذ و انحراف کی علامات میں سے ایک بڑی علامت ہے، اس گندی حرکت کے بارے میں ہم پوری تفصیل جسمانی تربیت کی ذمہ داری کی بحث میں پیش کرچکے ہیں، اس کا مطالعہ کیجیے ان شاء اللہ نہایت مفصل وتسلی بخش بحث پائیں گے۔

۳ - حیض ونفاس کی حالت میں عورت سے ہم بستری کرنا حرام ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ)). البقرہ ۲۲۲ — سو تم حیض کے وقت عورتوں سے الگ رہو۔

اور اس سے قبل ہم وہ حدیث بھی ذکر کرچکے ہیں کہ جو شخص حائضہ عورت سے ہم بستری کرے تو اس نے اس کی تکفیر کی جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے۔

حالت نفاس میں عورت سے ہمبستری کرنے کی حرمت قیاس سے ثابت ہے یعنی نفاس کو حیض پر قیاس کیا گیا ہے اس لیے کہ دونوں کا سبب اور علت ایک ہی ہے اور یہ حرمت اجماعِ امت سے بھی ثابت ہے۔

گذشتہ بحث میں ہم یہ تذکرہ کرچکے ہیں کہ شوہر حیض ونفاس کی حالت میں اپنی بیوی کے ناف اور گھٹنوں کے

درمیان کے حصہ سے لباس کے اوپر سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، البتہ لباس کے نیچے اس جسم کے حصہ سے فائدہ اٹھانا درست نہیں ہے، اور اس جگہ سے فائدہ اٹھانے کی حرمت کی حکمت یہ ہے کہ نفسِ امارہ کو اس سے بچایا جاسکے کہ وہ شرعاً حرام اور مضرِ صحت حرکت میں گرفتار ہو جائے اور بات یہ ہے کہ جیسے جو شخص چراگاہ کے اردگرد اپنے جانور چراتا ہے اس بات کا ڈر ہوتا ہے کہ جانور چراگاہ میں نہ گھس جائیں اسی طرح بغیر کپڑے کے اس جگہ سے فائدہ اٹھانے میں یہ ڈر ہے کہ انسان بے قابو ہوکر جماع نہ کر بیٹھے، اور مسلمان کو چاہیئے کہ اپنے دین وصحت کے معاملے میں محتاط رہے اور اپنے معاملات وتصرفات وکردار میں اس پہلو کو اختیار کرے جو زیادہ احتیاط، تقویٰ اور ورع کا ہو۔

طبی رو سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حیض ونفاس کی حالت میں ہمبستری کرنا مندرجہ ذیل امراض پیدا کر دیتا ہے:

۱۔ عورت کے اعضاءِ تناسل میں درد اور بسا اوقات رحم وبچہ دانی وغیرہ اندرونی اعضاء میں التہاب پیدا ہو جاتا ہے، جس سے عورت کی صحت کو شدید نقصان پہنچتا ہے، اور بسا اوقات اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ بچہ دانی ضائع ہو جاتی ہے، اور عورت بانجھ ہو جاتی ہے۔

۲۔ مرد کے عضوِ تناسل میں حیض کے خون وغیرہ کسی فاسد مادے کا داخل ہو جانا کبھی سیلان کی طرح پیپ وغیرہ مواد جاری کر دیتا ہے اور سوزش پیدا کر دیتا ہے اور کبھی ان کا دائرۂ اثر خصیتین تک پہنچ جاتا ہے اور انہیں بھی نقصان پہنچتا ہے جس کی وجہ سے مرد نامرد ہو جاتا ہے، اور اگر عورت کے خون میں آتشک کے جراثیم موجود ہوں تو مرد کو بھی آتشک ہو جاتا ہے۔

بہر حال حائضہ عورت سے ایامِ حیض میں صحبت کرنے سے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مرد اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں رہتا، اور کبھی عورت بانجھ ہو جاتی ہے، اور اس سے اعضاءِ تناسل میں سوزش والتہاب پیدا ہو جاتا ہے، اور صحت خراب ہو جاتی ہے جو بہت ہی بڑا نقصان ہے۔ اسی لیے تمام عالم کے اطباء اس بات پر متفق ہیں کہ عورت سے ان ایام میں قطعاً دور رہنا چاہیے، اور یہی حکم اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں نازل فرمایا ہے:

﴿ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلْمَحِيضِ ۖ قُلْ هُوَ أَذًى فَٱعْتَزِلُوا۟ ٱلنِّسَآءَ فِى ٱلْمَحِيضِ ﴾[1] البقرہ۔۲۲۲	اور آپ سے حیض کا حکم پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجیے کہ وہ گندگی ہے۔ سو تم حیض کے وقت عورتوں سے الگ رہو۔

جو شخص اپنی بیوی سے حالتِ حیض یا نفاس میں ہمبستری کر بیٹھے تو اسے چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ سے اس گناہ کی معافی مانگے، اور سچی توبہ کرے، اور اپنے کیے پر نادم ہو، اور خوب توبہ واستغفار کرے، جمہورِ فقہاء کا اس بارے میں یہی مذہب ہے، البتہ

---

[1] ملاحظہ ہو تفسیر مراغی آیت ﴿ ویسألونك عن المحیض قل ھو أذی ... ﴾ شیخ مراغی نے مندرجہ بالا نقصانات ومضر اثرات جدید دور کے بڑے بڑے اطباء سے نقل کیے ہیں۔

حضرت ابن عباس وقتادہ واوزاعی واسحاق وامام احمد کی ایک دوسری روایت اور امام شافعی کا قدیم قول یہ ہے کہ ایسا شخص ایک دینار کے برابر یا آدھے دینار[1] کی مقدار صدقہ کرے، اور اس پورے یا آدھے درہم کے صدقہ کرنے میں اس شخص کی مالی حالت، مالداری وغربت کا خیال رکھا گیا ہے، یا خونِ حیض کے سرخ یا زرد ہونے پر مدار ہے، جیساکہ اس حدیث میں مروی ہے جو اصحابِ سنن وطبرانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک دینار یا آدھا دینار صدقہ کرے گا، اور ترمذی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ اگر خون لال رنگ کا آرہا ہو تو ایک دینار صدقہ کرے گا، اور اگر خون زرد رنگ کا ہو تو آدھا دینار صدقہ دے گا۔

اطباء اہلِ علم واس فن کے ماہرین نصیحت کرتے ہیں کہ:

۱۔ جنسی خواہش پوری کرنے اور ہمبستری کرنے میں اعتدال سے کام لینا چاہیئے، اور درمیانہ روی یہ ہے کہ ہر ہفتے میں یہ کام دو مرتبہ کیا جائے، ہاں خصوصی حالات یا طبعی اتار چڑھاؤ کے اعتبار سے انسان اس میں کمی یا زیادتی بھی کر سکتا ہے، لیکن اس میں زیادتی ہرگز نہیں کرنا چاہیئے اس لیے کہ اس سے جسم کو نقصان پہنچتا ہے، عقل کمزور ہو جاتی ہے، اور انسان بے ہمت ہو کر کام کاج کے قابل نہیں رہتا، اور اسلام نے انسان پر جو ذمہ داریاں عائد کی ہیں انہیں پورا نہیں کر پاتا۔

۲۔ پہلے چھیڑ چھاڑ و دل لگی کرنا چاہیے پھر جنسی فعل شروع کرنا چاہیے جیساکہ اس سے قبل ذکر کیا جا چکا ہے۔

۳۔ مرد کو ہمبستری کے لیے مناسب وقت منتخب کر لینا چاہیئے، اس لیے کہ عورت حساس مزاج ہوتی ہے، لہٰذا اگر مرد اس سے ایسے وقت میں صحبت کرے گا جو اس کی مرضی کے خلاف ہو یا اس وقت وہ بیمار یا تھکی ہوئی ہو تو یہ عورت کے ساتھ زبردستی ہوگی جس سے عداوت وبغض پیدا ہوگا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جدائی تک نوبت پہنچ جائے۔

۴۔ مرد کو عورت سے جدا ہونے سے قبل یہ بھی لحاظ رکھنا چاہیئے کہ عورت بھی پوری طرح سیر ہو گئی ہے اور اس کی لذت بھی پوری ہو گئی ہے یا نہیں، جیساکہ یہ مسالہ بھی ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

۵۔ ہمبستری بارہ مہینوں تمام اوقات وایام میں جائز ہے اور دن ورات میں ہر وقت کی جا سکتی ہے سوائے اس کے کہ مرد وعورت روزے دار ہوں یا عورت حیض یا نفاس کی حالت میں ہو۔

لیکن سنت یہ ہے کہ ہمبستری جمعہ کی شب یا جمعہ کے دن کرنا چاہیئے اس لیے کہ امام بخاری رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن غسل جنابت کرے اور پھر نماز کو جائے تو وہ ایسا ہے کہ گویا اس نے اونٹ صدقہ کیا، اور جو دوسری گھڑی میں جائے تو اس کو گائے کے برابر صدقہ کا ثواب ملتا ہے، اور جو تیسری گھڑی میں جمعہ

---

[1] ایک دینار چاندی کے بارہ درہم کے برابر ہوتا ہے، اور ایک درہم تین گرام کے مساوی ہے۔ اور چاندی کا ایک گرام شامی سکے کے مطابق تقریباً ایک سو دس شامی قرش کے برابر ہے۔

کے لیے جائے اسے سینگ دار مینڈھے کے برابر صدقہ کا ثواب ملتا ہے، اور جو چوتھی گھڑی میں جائے اسے مرغی کے برابر ثواب ملتا ہے، اور جو پانچویں گھڑی میں جائے اسے انڈے کے برابر ثواب ملتا ہے، پھر جب امام (خطبے کے لیے) نکل آئے تو فرشتے خطبہ وذکر سننے کے لیے حاضر ہو جاتے ہیں۔

اور ابوداؤد و نسائی کی حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن غسل پر مجبور کرے (یعنی بیوی سے ہمبستری کر کے اسے غسل پر مجبور کرے) اور خود بھی غسل کرے اور جلدی کرے اور نماز کے لیے اول وقت میں جائے اور سوار نہ ہو پیدل چل کر جائے اور امام کے قریب بیٹھے، اور غور سے سنے، اور لغویات نہ کرے تو اسے ہر قدم اٹھانے پر ایک سال کے روزے اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔

۶۔ عورت کو چاہیے کہ مرد کے مزاج کا خیال رکھے اور مرد کے مزاج کو پہچانے اور جس وقت وہ جو زیب وزینت یا پیار کی باتیں یا ہم بستری چاہتا ہو، تو اس میں اس کی خواہش کا احترام کرے، اور ایسا کوئی کام نہ کرے جس سے اس کی دل شکنی ہو۔ لہٰذا اس کی اجازت کے بغیر نفل روزہ بھی نہیں رکھنا چاہیئے، چنانچہ امام بخاری ومسلم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب مرد اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ اس کے پاس نہ جائے اور شوہر اس وجہ سے اس سے ناراض ہو کر رات گزارے تو صبح تک اس عورت پر فرشتے لعنت بھیجتے رہتے ہیں، اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اس وقت تک لعنت بھیجتے رہتے ہیں جب تک اس کا شوہر اس سے راضی نہ ہو جائے۔

اور امام بخاری نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کسی عورت کے لیے ایسی حالت میں (نفل) روزہ رکھنا جائز نہیں جبکہ اس کا شوہر حاضر ہو اور اس کے پاس موجود ہو، ہاں اس کی اجازت سے روزہ رکھ سکتی ہے۔

اسلامی نقطہ نظر سے جنس سے متعلق یہ اہم پہلو ہیں، اور شریعت ربانیہ کے اعتبار سے جنسی ملاپ کے یہ امتیازی آداب ہیں اس لیے اے مربی صاحبان! آپ کو چاہیے کہ آپ یہ آداب واحکام اپنے بچوں کو اس عمر میں سکھائیں جس عمر میں وہ شادی کے لائق ہو جائیں، تاکہ جب وہ اس کی چوکھٹ پر قدم رکھیں اور اس کے ذریعہ سے اپنے آپ کو پاکباز بنالیں تو انہیں یہ معلوم ہو کہ ملاپ کس طرح ہوتا ہے؟ اور شادی کس طرح کی جاتی ہے؟

اللہ جل شانہ سے میری یہ دعا ہے کہ ہمارے نوجوانوں کو ایسی نیک صالح بیویاں میسر آئیں کہ جب ان میں سے کوئی اپنی بیوی پر نظر ڈالے تو وہ اس کو خوش کر دے، اور جب وہ اسے کسی بات کا حکم کرے تو وہ اس کی فرمانبرداری کرے، اور جب وہ اس کے پاس موجود نہ ہو تو وہ اپنی عزت وآبرو اور شوہر کے مال کی حفاظت کرے۔

۶۔ جو لوگ شادی کی قدرت نہیں رکھتے انہیں پاکباز و پاکدامن رہنا چاہیئے[1]:

کوئی بھی دو فرد اس بات میں اختلاف نہیں کریں گے کہ مال دنیاوی خوش بختی و کامیابی کی بنیاد و زندگی کی اصل ہے۔ اگر مال موجود ہو تو اس سے ہر عقدہ حل ہو جاتا ہے اور ہر رکاوٹ دور ہو جاتی ہے اور مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ اور کسی نے سچ کہا ہے:

إن الدراهم في المواطن كلها	تكسو الرجال مهابة وجمالا
دراہم (روپیہ پیسہ) ہر جگہ	لوگوں کو رعب و دبدبہ اور حسن و جمال بخشتے ہیں
فهي اللسان لمن أراد فصاحة	وهي السلاح لمن أراد قتالا
جو شخص فصاحت کا اظہار کرنا چاہتا ہے اس کیلیے زبان بھی یہی ہے	اور جو لڑنا چاہے اس کے لیے ہتھیار بھی یہی ہے

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جہاں مال ہی کو سب کچھ سمجھا جاتا ہو ایسے معاشرے میں ایک صاحب علم و اخلاق موجود ہوتا ہے لیکن نہ کوئی اس کی پرواہ کرتا ہے، نہ کوئی اس کو اہمیت دیتا ہے۔ اس لیے کہ وہ خستہ حال اور تنگ دست ہے، علم و فضل میں وہ خواہ امام الحرمین اور عالم ثقلین ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ خوش رکھے مندرجہ ذیل شعر کہنے والے کو:

فصاحة حسان وخط ابن مقلة	وحكمة لقمان وزهد ابن أدهم
حضرت حسان کی فصاحت اور ابن مقلہ کی تحریر	اور حضرت لقمان کی حکمت و ابن ادھم کا زہد و تقوی
إذا اجتمعت في المرء والمرء مفلس	ونودي عليه لا يباع بدرهم
یہ سب چیزیں بھی اگر کسی شخص میں جمع ہو جائیں لیکن وہ ہو قلاش و مفلس	اور اس کی فروختگی کا اعلان کر دیا جائے تو ایک درہم کا بھی نہ بکے

وہ شعراء جنہوں نے جاہل معاشرے میں مال و دولت کو ترجیح دینے، اور اسی کو سب کچھ سمجھنے کا نقشہ کھینچا ہے انہوں نے بالکل بجا اور درست فرمایا ہے کہ:

تموت الأسد جوعا في البرايا	ولحم الطير ملقى للكلاب
جنگلوں میں شیر بھوک کی وجہ سے مرتے ہیں	اور پرندوں کا گوشت کتوں کے لئے پڑا رہتا ہے

---

[1] یہ بحث کچھ تصرف و اختصار کے ساتھ ہماری کتاب "شادی کی مشکلات" کے دوسرے ایڈیشن کے ص۱۵۳ سے فصل کے آخر تک سے منقول ہے میں نے اس کو یہاں نقل کرنا اس لیے مناسب سمجھا کہ اس کا جنسی تربیت سے ارتباط ہے۔ اور اس موضوع پر ہم اس وقت بحث بھی کر رہے ہیں، اس بحث کے ساتھ اس تعلق کا اندازہ آپ کو یہ مضمون پڑھ کر خود ہی ہو جائے گا۔

وذو جهل ينام على حرير   وذو علم ينام على التراب

جاہل ریشم کے بچھونے پر سوتا ہے   اور عالم زمین پر سوتا ہے

جیسا کہ ظاہر ہے مال ہی طاقت وقوت کی بنیاد اور زندگی کی سیڑھی پر چڑھنے کا ذریعہ ہے۔ اور منزل مقصود تک پہنچنے کا یہی بنیادی ذریعہ ہے، اور جاہلوں اور بے وقوفوں کے یہاں سب کچھ یہی ہے۔

لیکن آپ ہی بتلائیے کہ اگر نوجوان شادی کرنا چاہیں اور ان کے پاس مال موجود نہ ہو تو وہ کیا کریں؛ اور اگر ان کے ساتھ رہنے اٹھنے بیٹھنے والے ان کا ہاتھ نہ بٹائیں اور ان پر رحم نہ کھائیں تو اس وقت وہ کیا کریں گے؟

وہ تو شادی کرکے اپنے آپ کو پاک باز و پاکدامن بنانا چاہتے ہیں لیکن اس تک پہنچنے کی ان کے پاس کوئی سبیل و راستہ نہیں ہے۔

وہ چاہتے ہیں کہ جنسی جذبات وخواہشات کو مقدس و پاکیزہ ذریعے اور طریقے سے پورا کریں لیکن ان کے اس عزم کو پورا کرنے کے درمیان بہت سی رکاوٹیں اور دیواریں حائل ہو جاتی ہیں [1]

وہ چاہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوانوں کو شادی کی جو دعوت دی ہے اس پر لبیک کہیں، لیکن ان کے پاس مال موجود نہیں ہے اور وہ ایسا معاشرہ نہیں پاتے جس میں انسان پہ انسان رحم کھاتا ہو۔

اس لیے ان کو پاکدامن رکھنے اور جنسی خواہش کی سرکشی و بے تابی سے روکنے کا کیا ذریعہ وطریقہ ہونا چاہیے؟

اس کا راستہ یہ ہے، کہ وہ پاکدامن رہنے اور اپنے نفس کو کنٹرول کرنے کے لیے قرآن کریم کی نداء اور دعوت پر لبیک کہیں، ان کی نفوس کی اصلاح کا یہی ایک طریقہ اور پاکدامن رہنے کا یہی ایک راستہ اور نفس امارہ کے دام و فریب سے بچنے کی یہی ایک سبیل ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ)). النور۔۳۳

اور جن لوگوں کو نکاح کا مقدور نہیں انہیں چاہیے کہ ضبط سے کام لیں یہاں تک کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے۔

عفت و پاکبازی کی یہ قرآنی دعوت ایک نہایت عمدہ نفسیاتی تربیت ہے جو نوجوانوں کی نفوس میں قوت ارادی کو

---

[1] ملاحظہ فرمائیے ہماری کتاب "شادی کی مشکلات اور اسلام کی روشنی میں ان کا حل" انشاء اللہ اس سلسلہ میں پیش آنے والی ہر رکاوٹ کا نہایت کامیاب اسلامی علاج آپ اس میں موجود پائیں گے اور وہ آپ کو پسند بھی آئے گا اور اس کے مطابق عمل بھی کریں گے۔

مضبوط اور ان کے قلوب میں عزم کو راسخ کردیتی ہے، اور ان کو فرشتہ نما انسان بنا دیتی ہے، اور اس کو سکون وقرار بخشتی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نوجوانوں کو پاکدامنی وعفت کی چوٹی تک پہنچانے کے لیے اسلام نے کیا نظام مقرر کیا ہے؟

محترم مربی صاحبان! اس نظام کے اصول ہم "مشت زنی کا علاج واس کی بیخ کنی[1]" کی بحث کے ضمن میں اس کتاب کی فصلِ ثالث میں ذکر کر چکے ہیں۔

اور لیجیے اب ہم آپ کے سامنے اس نظام اور اس طریقے کے تفصیلی عنوان پیش کرتے ہیں، ساتھ ہی اس بحث کو مکمل کرنے کے لیے جو بھی نئے اضافے ہوسکے وہ بھی پیش ہیں، سیدھی راہ دکھانا اللہ ہی کا کام ہے۔

تفصیلی عنوان درجِ ذیل ترتیب کے مطابق ہیں:

۱ ۔ چھوٹی عمر میں شادی کرنا۔

۲ ۔ مستقل نفل روزے رکھنا۔

۳ ۔ جنسی جذبات بھڑکانے والی چیزوں سے دُور رہنا۔

۴ ۔ فارغ وقت کو مفید مشغلے میں صرف کرنا۔

۵ ۔ اچھی صحبت اختیار کرنا۔

۶ ۔ طبی معلومات حاصل کرنا۔

۷ ۔ اللہ تعالیٰ کے خوف و ڈر کو مدِنظر رکھنا۔

اس موضوع کو مکمل کرنے کے لیے جو نیا اضافہ کیا گیا ہے وہ دو نقطوں میں منحصر ہے:

۱ ۔ ممنوع وحرام چیزوں سے نگاہ کو پست رکھنا (نامحرموں کو نہ دیکھنا)۔

۲ ۔ دینی دافع اور رکاوٹ کو مضبوط بنانا، یعنی ایسا جذبۂ دینی پیدا کرنا جو محرمات سے بچنے پر مجبور کر دے۔

رہا محرمات سے نگاہ کو پست رکھنا اور نامحرموں کی طرف نہ دیکھنا تو اس سلسلہ میں تفصیلی بحث "دیکھنے کے آداب" کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

لیکن میں ایک مرتبہ پھر قارئین کرام کی توجہ ان خطرات کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جو بدنظری سے پیدا ہوتے ہیں تاکہ مربی ہمیشہ ان کو یاد رکھے اور ذہن نشین کر لے:

اس میں کسی کو بھی کلام نہیں ہے کہ اجنبی عورت کی طرف دیکھنا شیطان کے تیروں میں سے ایک تیر ہے، جو شخص بھی اللہ کے خوف کی وجہ سے اس سے بچے گا اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس میں ایسا ایمان پیدا کر دے گا جس کی حلاوت اس کو اپنے دل میں محسوس ہوگی۔

---

[1] یہ بحث آپ اس کتاب کے ص   پر ملاحظہ فرمائیے۔

بلاشبہ ایک مرتبہ نگاہ ڈال کر پھر دوبارہ اس طرف دیکھنے سے عورت یا مرد کی طرف جنسی کشش اور میلان ہوتا ہے اور اس کشش کے بعد مسکراہٹ کا اظہار ہوتا ہے مسکراہٹ کے بعد بات سلام تک پہنچتی ہے، اور سلام کے بعد بات چیت شروع ہوتی ہے، اور بات چیت کے بعد دوبارہ ملاقات کا وعدہ اور وقت طے ہوتا ہے، اور پھر دوبارہ ملاقات لامحالہ ایسے انجام تک پہنچا دیتی ہے جس کے نتائج کسی کے حق میں بھی اچھے نہیں ہوتے۔

اور بہت پہلے ہی شاعر کہہ چکا ہے:

کل الحوادث مبداها من النظر	ومعظم النار من مستصغر الشرر
تمام حادثات کی ابتدا نظر و دیکھنے سے ہی ہوتی ہے	اور عام طور سے بڑی آگ چھوٹی سی چنگاری ہی سے لگتی ہے

اور آج کل کے دور کا شاعر کہتا ہے:

نظرة فابتسامة فسلام	فکلام فموعد فلقاء
پہلے دیکھنا ہوتا ہے پھر مسکرانا اور پھر سلام	پھر بات چیت پھر وعدہ اور پھر ملاقات ہو جاتی ہے

اجنبی عورت کی طرف دیکھنے کا یہ نقصان ہی بہت بڑا ہے کہ اس کی وجہ سے انسان صحیح سوچ سے محروم اور بہت سے فرائض اور واجبات سے غافل ہو جاتا ہے، اور اس کی وجہ سے قوم میں گندگی و آزادی اور بے راہ روی پیدا ہوتی ہے اور پھر گندے بے راہ رو و آوارہ نوجوان لہو و لعب پرست نوجوان بن جاتے ہیں، جن کا نہ کوئی مقصد زندگی ہوتا ہے نہ کوئی غایت و غرض اور مقصد[1] بلکہ ایسے لوگ امن و استحکام کے لیے خطرناک ثابت ہوتے ہیں، اور اخلاق و شرافت کے لیے بدنما داغ بن جاتے ہیں۔

اس وجہ سے قرآنِ کریم نے مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو نگاہ کے جھکانے اور شرمگاہوں کی حفاظت کا حکم دیا ہے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ سورۂ نور میں ارشاد فرماتے ہیں:

((قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۞ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ)).	آپ ایمان والوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے حق میں زیادہ صفائی کی بات ہے، بے شک اللہ کو سب کچھ خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں، اور آپ کہہ دیجیے ایمان والیوں سے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور شرمگاہوں کی حفاظت رکھیں۔
النور۔ ۳۰	

---

[1] ہمارا کتابچہ "ہر ایسے باپ کے لیے جو مؤمن و غیرت مند ہو" ملاحظہ فرمائیے، اس میں اجنبی عورتوں کی طرف دیکھنے اور میل و جول و اختلاط کی حرمت کی حکمت پر تشفی بخش بحث ملے گی۔

عفت و پاکدامنی کی چوٹی اور عزت و شرافت کی بلندی پر پہنچنے کی اصل تدبیر اور علاج وحید ہی یہ ہے کہ محرمات سے لگا کر بچایا جائے اور عقل مندوں کو اس سے عبرت حاصل کر لینا چاہیئے۔

دینی وافع اور روک ٹوک کے جذبہ کو مضبوط کرنا: اس سلسلہ میں اس کتاب میں بہت سے مقامات پر ہم ایسے وسائل و اسباب ذکر کر چکے ہیں جو بچے میں عقیدۂ ربانیہ پیدا کریں، اور ان تدریجی مراحل کو بتلا چکے ہیں جو بچے میں ایمانی تربیت کے راسخ کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں، تاکہ جب بچہ بلوغ کی عمر کے قریب پہنچے اور بالغ ہونے والا ہو اور جوانی کی چوکھٹ پر قدم رکھے تو اس کی حالت درست ہو اور اخلاق شاندار ہوں اور وہ روئے زمین پر چلنے والا ایک فرشتہ نما انسان ہو، یا لوگوں سے منقطع ایک ایسا عابد جوان کے ساتھ ساتھ چل رہا ہو۔

یہ بات کھلی ہوئی ہے کہ بچے کا عقیدۂ ربانیہ سے ارتباط اور ظاہر و باطن کھلم کھلا و پوشیدہ دونوں حالتوں میں اللہ کے دیکھنے والا ہونے کے یقین پیدا کرنے کی تربیت، اور علم و ذکر کی مجلسوں میں حاضری، اور فرض نمازوں اور نوافل پر مداومت، اور قرآن کریم کی تلاوت پر باقاعدگی، اور جب راتوں کو لوگ سوتے ہوتے ہوں تہجد کی عادت، اور نفل روزے رکھنا، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وسلفِ صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کے حالات کا سننا، اور موت اور اس کے بعد پیش آنے والی چیزوں کو یاد کرنا، اور اچھے ساتھیوں اور مؤمن لوگوں سے میل جول رکھنا، یہ تمام وہ چیزیں ہیں کہ اگر نوجوان ان پر عمل پیرا ہو جائے تو اس میں دینی طور سے ایک وافع اور روکنے والی چیز پیدا ہو جائے گی، اور وہ گندگی اور خرابی کی جگہوں سے الگ تھلگ رہے گا، اور آزادی و بے راہ روی سے دور ہوگا، اور پاکدامنی کی معراج اور بلندی کی چوٹی پر پہنچا ہوا ہوگا۔

اے نوجوانو آپ لوگوں کے لیے پاکدامنی اور شرافت و کمال کے دو نمونے پیش کیے جا رہے ہیں تاکہ ان کی اقتداء و پیروی کی جا سکے:

۱۔ (حضرت یوسف علیہ السلام نوجوان ہیں ـــــــــــ اور جوانی کی ابتداء اور قوتِ مردانگی میں کمال کو پہنچے ہوئے ہیں، ان کی جوانی قابلِ رشک ہے، ایک منصب و مرتبہ اور حسن و جمال والی عورت ان کو اپنی طرف دعوت دیتی ہے، تمام دروازے بند ہیں، اور ملاپ کے راستے موجود و آسان ہیں، جیسا کہ خود قرآنِ کریم بیان کرتا ہے:

﴿وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَن نَّفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ﴾۔	اور پھسلایا اس کو اسی عورت نے جس کے گھر میں تھے اپنا جی تھامنے سے اور دروازے بند کر دیے اور بولی جلدی کر۔
یوسف۔ ۲۳	

لیکن اس بہکانے اور ایسے خطرناک شعلۂ جوالہ فتنہ سامانی کے سامنے جو نگاہوں کو خیرہ کر دے حضرت یوسف علیہ السلام نے کیا موقف اختیار کیا؟

کیا انہوں نے ہتھیار ڈال دیے اور اس کی اطاعت کی، اور اس آبرو کے بارے میں خیانت کی جس کے سلسلہ میں ان

کوایسا سمجھا گیا تھا؛ ہرگز نہیں ایسا نہیں ہوا بلکہ انہوں نے فرمایا:

مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۔ یوسف ۔۲۳

خدا کی پناہ وہ عزیز میرا مالک ہے مجھ کو اچھی طرح رکھا۔ بے شک جو لوگ ناانصاف ہوں بھلائی نہیں پاتے۔

عزیز کی بیوی نے اپنی تمام تر مکاری، عیاری، و چالبازی استعمال کرلی اور بہکانے و پھسلانے کی تمام تدبیریں اختیار کرلیں، اور ان کو رام کرنے کے لیے ڈرانے دھمکانے سے بھی کام لیا، اور ان کی سختی کو ختم کرنے اور ان کو نرم کرنے کے لیے تمام حربے آزمالیے اور نہایت تنگ دلی اور غصے سے دوسری عورتوں کے سامنے کہا:

((وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ۞))۔ یوسف ۔۳۲

اور میں نے اس سے اس کا جی لینا چاہا تھا لیکن وہ بچ گئے اور بے شک اگر نہ کرے گا جو میں اس کو کہتی ہوں تو قید میں پڑے گا اور بے عزت ہوگا۔

لیکن نوجوان حضرت یوسف علیہ السلام کلی طور پر خدا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور عصمت و پاکدامنی کی دعا اور امداد کے طالب ہوتے ہوئے فرماتے ہیں:

((قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ۞))۔ یوسف ۔۳۳

اے رب مجھ کو قید پسند ہے اس بات سے جس کی طرف مجھ کو بلاتی ہیں، اور اگر آپ مجھ سے ان کا فریب دور نہ فرمائیں گے تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور بے عقل ہو جاؤں گا۔

ایک مؤمن کے ضمیر اور خوفِ خداوندی اور گناہوں کی طرف مائل کرنے والی چیزوں کے درمیان ایک عظیم امتحان و فتنہ تھا لیکن وہ حشر سامانیاں و جذبات بھڑکانے والی چیزیں ناکام ہوگئیں اور ایمان کو فتح و نصرت حاصل ہوئی[1]۔

۲۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک عورت کا شوہر جہاد پر چلا گیا اور ایک طویل عرصے تک واپس نہ لوٹا، عورت کو اس کی جدائی سے بہت وحشت ہوئی اور وہ تنہائی سے اکتا گئی، اور اس کی رگوں میں عورت کا خون جوش مارنے لگا، اور اس میں خواہش کی آگ بھڑکنے لگی، اور اس کو گناہ کے ارتکاب سے ایمان اور اللہ کے حاضر و ناظر ہونے کے عقیدے کے علاوہ اور کوئی چیز روکنے والی نہیں تھی۔ ایک تاریک رات میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سنا کہ وہ درج ذیل اشعار پڑھ رہی ہے:

لقد طال هٰذا الليل واسودّ جانبه	وأرقني أن لا حبيب ألاعبه
یہ رات نہایت طویل ہوگئی اور اس کے کنارے سیاہ ہوگئے	اور مجھے اس بات نے بے خواب کردیا کہ میرا کوئی دوست نہیں جس سے میں کھیلوں

[1] ملاحظہ ہو ڈاکٹر مصطفیٰ عبدالواحد کی کتاب "اسلام اور جنسی مشکلات"۔

فواللہ لولا اللہ تخشی عواقبہ　　　لحرك من هذا السرير جوانبہ

بخدا اگر اللہ کی گرفت وانجام کا خوف نہ ہوتا　　　تو اس پلنگ کے کنارے تک ہل جاتے

دوسرے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی صاحبزادی ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور ان سے پوچھا کہ اگر کسی عورت کا شوہر موجود نہ ہو تو وہ کتنے دن تک صبر وضبط کر سکتی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ چار مہینے، تو خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ان قائدینِ جنگ کو جو مختلف اطراف میں جنگ کر رہے تھے یہ پیغام بھیجا کہ کسی فوجی کو چار ماہ سے زیادہ اس کی بیوی کے پاس جانے سے نہ روکیں۔

یہ مؤمن عورت جو اللہ کے خوف کو محسوس کر رہی تھی اس کے اس احساس اور گناہ وبدکاری کی طرف دھکیلنے والے جذبات کے درمیان آزمائش وامتحان تھا، اس نے ان جذبات کو دبا لیا اور قوتِ ایمانی غالب آگئی۔

نوجوان مسلمان کے عفت وبلندی کی چوٹی تک پہنچنے کے منہج وراستے کے لیے یہ اہم اصول وقاعدے ہیں اور بلا شبہ اگر نوجوان آدمی اس طریقے کے ان اصولوں کو اپنا لے اور اس کے ضابطوں کے مطابق نہایت اہتمام وباریکی سے چلتا رہے، اور خوب مضبوطی سے انہیں تھامے رہے، تو وہ دنیا کی زندگی میں تمام شیطانی وسوسوں اور نفسیاتی خواہشات پر فتح حاصل کر سکتا ہے۔ اور اس کے پہلو میں خواہشات وجذبات اور ان کی طرف متوجہ کرنے کے جو دوافع موجود ہیں ان پر غالب آسکتا ہے۔ بلکہ وہ اخلاق میں انبیاء کی طرح، اور پاکیزگی میں فرشتوں کی طرح، اور پاکدامنی میں سلفِ صالحین کی طرح بن سکتا ہے، حتیٰ کہ وہ وقت آجائے جب اسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے بے نیاز بنا دے، اور اس پر کمائی وروزی کے دروازے کھول دے، اور یاد رکھیے اللہ تعالیٰ ہمیشہ متقی ونیک لوگوں کی سرپرستی کرتے ہیں، اور ان کے لیے ہر غم سے چھٹکارے کا راستہ اور ہر تکلیف سے نجات کی سبیل پیدا کر دیتے ہیں، اس لیے کہ خود اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں ارشاد فرماتے ہیں:

((وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ.)). الطلاق - ۲، ۳

اور جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے کشائش پیدا کر دیتا ہے، اور اسے ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں سے اسے وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔

نیز فرماتے ہیں:

((وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ)). النور - ۳۳

اور جن لوگوں کو نکاح کا مقدور نہیں انہیں چاہیے کہ ضبط سے کام لیں یہاں تک کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے۔

یہ پاکبازی وبلند نفسی اپنے نفس کو مارنے ودبانے میں داخل نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے، اس لیے کہ علماءِ نفس

وتربیت یہ کہتے ہیں کہ نفس کو مارنا و دبانا یہ ہے کہ انسان جنسی فعل کو برا سمجھے، اور جو ایسا کرتا ہو خواہ وہ شرعی طریقے شادی کے ذریعہ کیوں نہ ہو اسے گناہگار قرار دے، اسی کو رہبانیت کہتے ہیں، اور ہم اس سلسلہ میں ایک مخصوص بحث "شادی و جنسی ملاپ" کے عنوان سے پیش کر چکے ہیں۔

محترم مربی صاحبان! آپ نے مشاہدہ کر لیا ہے کہ اسلام شادی نہ کرنے کی کس قدر شدید مذمت کرتا ہے، اور رہبانیت سے کس طرح نفرت دلاتا ہے؛ اور انسانی فطرت کی آواز پر لبیک کہنے اور خواہشات کو پورا کرنے کے لیے اسلام نے شادی کو کس طرح سے مشروع و جائز قرار دیا، پھر بھلا نفس کو دبانا و مارنا کہاں کا ہوا، اصلی و واقعی اسلام یہ ہے جسے ہم نے پیش کیا۔

(لہٰذا اگر نوجوان آدمی میں جنسی خواہش بیدار ہو، اور انسان اسے محسوس کرے، تو اسلام یہ نہیں کہتا کہ اسے استغفار پڑھنا چاہیئے، یہ احساس آنا ہی برا ہے، اس لیے کہ اسلام نے صراحۃً یہ بتلایا ہے کہ یہ خواہش پیدا ہونا ایک فطری امر ہے، اس میں نہ کوئی برائی کی بات ہے اور نہ اعتراض کی۔

اور ایسے موقعہ پر وہ اس کا پابند نہیں ہے کہ اس رغبت کے احساس کو ہی ختم کر ڈالے تاکہ وہ دوسروں اور خود اپنی نگاہ میں بھی پاک صاف رہے... اور نہ اس بات کا محتاج ہے کہ جیسے ہی یہ خیال آئے تو وہ اپنے آپ کو گناہگار سمجھنے لگے اس لیے اس حقیقت کے جاننے کے بعد تمام وہ نفسیاتی و اعصابی اضطرابات ختم ہو جانا چاہییں جو گناہ کے احساس سے پیدا ہوتے ہیں، اور جو بعض حالات میں مجرمانہ قدم اٹھانے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

لیکن ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اسلام نے کسی فرد کے لیے یہ جائز قرار نہیں دیا ہے کہ وہ اس فطری آواز پر جیسے بھی ممکن ہو لبیک کہے اور اسے پورا کرے، بلکہ اسلام نے اس کے لیے کچھ شرعی حدود و دائرے مقرر کیے ہیں جن کے اندر رہتے ہوئے اس کا پورا کرنا جائز ہو جاتا ہے، اور ان سے باہر نکل کر ان کا پورا کرنا حرام و ناجائز قرار پاتا ہے۔

یہ صحیح ہے، لیکن یہ الگ چیز ہے اور نفس کو مارنا و دبانا الگ چیز ہے، یہ حرام قرار دینا اس لیے ہے کہ اس کے بعد ایسی حدود ہیں جن سے اسی نشاط کو منظم کر دیا جاتا ہے، لیکن اس کی بیخ کنی نہیں کی جاتی، اور اگر انسان کے دل میں اس کا خیال کسی بھی لمحہ آجائے تو اسے حرام بھی نہیں قرار دیا جاتا[1]...)

یہ بالکل صحیح بات ہے کہ نفس کو مارنے کا جو اسلامی تربیت میں کہیں وجود نہیں پایا جاتا لہٰذا اگر کوئی شخص غیر شادی شدہ ہے اور اس پر شہوت کا غلبہ ہو جائے، اور اس پر جنسی جذبات غالب آجائیں، اور وہ یہ سمجھنے لگے کہ وہ بدکاری میں گرفتار ہو جائے گا، تو ایسی صورت میں اس کے لیے شرعاً یہ جائز ہے کہ وہ استمناء بالید کے ذریعہ اپنی خواہش کو پورا کرے، تاکہ جوش ٹھنڈا پڑ جائے، اس لیے کہ اصول کا ایک قاعدہ ہے کہ انسان اس ضرر و نقصان کو برداشت کرلے، جس میں نقصان کم ہو، اور دو شر

---

[1] [illegible] ڈاکٹر مصطفیٰ عبدالواحد کی کتاب "اسلام اور جنسی مشکلات"۔

اور خرابیوں اور برائیوں میں سے کم برائی اور شر کو کرے۔

اسی لیے فقہاء لکھتے ہیں کہ ہاتھ کے ذریعہ منی نکالنے کا مقصد اگر جنسی جذبات و خواہشات کو ابھارنا ہو تو یہ حرام ہے لیکن اگر کسی شخص پر شہوت کا اس قدر غلبہ ہوجائے کہ وہ بے قابو ہوجائے اور سکونِ قلب ختم ہوجائے، اور اس جنسی خواہش کی وجہ سے بدکاری میں گرفتار ہوجانے کا ڈر ہوجائے، اور ان جذبات کی تسکین کے لیے سوائے ہاتھ سے منی نکالنے (استمناء بالید) کے اور کوئی طریقہ میسر نہ ہو تو ایسا کرنا جائز ہے، اور اس کی گنجائش ہے کہ ایسا کرنے والا برابر برابر چھوٹ جائے اور اس کا نہ مؤاخذہ ہو اور نہ اس پر گناہ ہو، اور نہ اس کو ثواب ملے نہ سزا[۱]۔

اس لیے جو لوگ اسلام پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اسلام نفس کو مارنے اور رہبانیت کا دین ہے اور اسلام جنس و جنسیات کو گندا و ناپسند و مکروہ فعل سمجھتا ہے ان کی زبان بند ہوجانا چاہیئے، جیساکہ آپ نے بچشم خود مشاہدہ کرلیا کہ اسلام کے روشن و ابدی قوانین و اصولوں میں اس دعویٰ کی کوئی اصل و بنیاد نہیں ہے۔
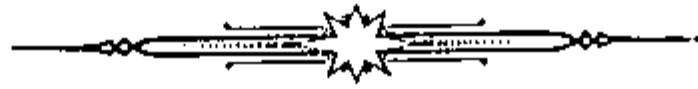
اور خاتمہ میں:

میں عظیم محرر و مصنف استاذ علی طنطاوی کا ایک مضمون نقل کرتا ہوں جو نوجوانوں کے لیے موجودہ اسلامی سمجھ بوجھ کی ایک شاندار تصویر کشی کرتا ہے اور یہ سمجھدار و صاحبِ بصیرت آدمی کے لیے ایک یکتا و منفرد نمونہ اور ایسا تشفی بخش کلام ہے جو نہایت حکمت اور عمدہ طریقے سے حق کی طرف دعوت دیتا ہے۔

محترم استاذ طنطاوی اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں: اے میرے بیٹے:

(تم مجھے بہت تردد اور حیاء و شرم سے کیوں لکھتے ہو؟

تم یہ سمجھتے ہو کہ تم ہی وہ ایک اکیلے آدمی ہو جو اپنے اعصاب میں شہوت و خواہشات کی آگ بھڑکتی ہوئی پا رہا ہے اور تمام لوگوں میں سے تم ہی ایک اکیلے ہو جو اس میں مبتلا ہوا ہے؟!

نہیں میرے بیٹے! ہرگز نہیں، اپنے اوپر ذرا مہربانی کرو، اس لیے کہ جس بیماری کا تم شکوہ کر رہے ہو وہ صرف تمہاری ہی بیماری نہیں ہے یہ تو تمام نوجوانوں کی بیماری ہے، اور تمہارے وہ خیالات جنہوں نے تمہیں سترہ سال کی عمر ہی میں بے خواب کر دیا ہے یہ تمہاری ہی خصوصیت نہیں، اس لیے کہ انہوں نے تمہارے علاوہ اور بہت سے چھوٹے اور بڑوں کو بے خواب بنایا ہے، اور ان کی آنکھوں سے لذیذ ترین نیند کو چھین لیا ہے، اور کتنے ہی طلبہ کو تعلیم و اسباق سے، اور کاریگروں کو کام کاج

---

[۱] یہ فقہی عبارت مرحوم علامہ شیخ محمد الحامد کی کتاب "ردود علی اباطیل" (ص۔ ۴۲) سے لی گئی ہے۔ اور اس کو اس سے قبل اس کتاب میں "سری عادت کا حکم" والی بحث کے ضمن میں بھی ذکر کرچکے ہیں۔

اور تاجروں کو تجارت سے نکال دیا ہے۔

وہ ایام وسال جو شہوت وجسمانی اضطراب اور جنسی خواہشات کے بھڑکنے وجوش مارنے کے اعتبار سے عمر کے سخت ترین سال ہوتے ہیں ان میں جوانوں کو کیا کرنا چاہیئے ؛ جوان کیا کرے کیا نہ کرے یہ اس کی سب سے بڑی مشکل اور پریشانی ہے۔

اللہ نے جو طریقہ رائج کیا ہے اور جو انسانی طبیعت ہے وہ تو اسے یہ کہتی ہے کہ شادی کر لو۔

لیکن معاشرے کے حالات واوضاع اور تعلیم کے اسلوب اس سے یہ کہتے ہیں کہ تم ان تین باتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کر لو جو . کی سب ہی شر اور بری ہیں لیکن یاد رکھو چوتھی بات کے بارے میں ہرگز بھی نہ سوچنا جو خیر ہی خیر ہے اور وہ شادی ہے۔

۱۔ یا تو اپنی نفس وجذبات کے سیلاب اور شہوت کے خوابوں میں مست ہو جاؤ اور انہی میں پڑے رہو، اور ہر وقت اسی میں مست رہو اور ان خیالات کو فحش قصوں، گندی فلموں، اور ننگی تصویروں سے غذا پہنچاتے رہو، تاکہ تمہارے نفس و دل میں وہی رچ بس جائیں، کان وآنکھ کے سامنے وہی وہ ہوں، تم جہاں نگاہ ڈالو تمہیں حسین وجمیل خوبصورت حسینائیں ہی نظر آئیں، اگر کتاب کھولو تو وہ وہاں موجود ہوں، چاند کو دیکھو تو وہاں بھی وہی نظر آئیں، اور شفق کی سرخی اور رات کی تاریکی اور بیداری کے تفکرات اور نیند کے خواب میں وہی جلوے وعشوے ہوں :

تمثل لی لیلی بکل سبیل	أرید لأنسی ذکرها فکأنما
کہ لیلی ہر جگہ میرے سامنے ہی موجود ہے	میں اس کی یاد کو بھلانا چاہتا تھا ایسا معلوم ہوتا ہے

اور پھر اس کا نتیجہ وانجام یہ ہوگا کہ تم سر چکرانے اور پاگل پن کا شکار ہو جاؤ گے یا دیوانگی یا اعصابی تناؤ کا۔

۲۔ یا تم وہ کام کرنے لگ جاؤ جسے استمناء بالید (ہاتھ سے منی نکالنا) کہتے ہیں . فقہاء اس سلسلہ میں کلام کر چکے ہیں اور شعراء اشعار کہہ چکے ہیں، اور یہ عادت اگرچہ ان تینوں میں سب سے کم نقصان دہ اور قباحت میں بھی کم ہے لیکن پھر بھی اگر یہ عادت حد سے بڑھ جائے تو اس کی وجہ سے انسان پر غموں کا دور دورہ ہو جاتا ہے اور جسم مضمحل وبیمار ہو جاتا ہے . اور ایسا جوان شکستہ جسم بوڑھا بن جاتا ہے جو آزردہ خاطر متوحش لوگوں سے دور رہنے والا . اور ان کے میل ملاپ سے بھاگنے والا بن جاتا ہے اور زندگی سے ڈرتا ہے اور اس کی ذمہ داریاں اٹھانے سے بھاگتا ہے، اور اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایسا آدمی اگرچہ زندہ ہے لیکن مُردوں کے قائمقام ہے۔

۳۔ یا تم حرامکاری کی دلدل میں دھنس جاؤ گے، اور گمراہی کے راستے پر چل پڑو گے، اور بدکاری کے اڈوں کا قصد کرو گے اور وقتی لذت اور ذرا سے مزے کے لیے اپنی صحت، جوانی اور مستقبل ودین کو داؤ پر لگا دو گے جس کا انجام یہ ہوگا کہ جس ڈگری کو تم حاصل کرنا چاہتے ہو اور جس عہدہ ملازمت تک تم پہنچنا چاہتے ہو اور جس علم کے حصول کے خواہش مند ہو اس سے

محروم ہوجاؤگے اور تمہارے پاس تمہاری طاقت وقوت اور جوانی وشباب کا اتنا حصہ بھی باقی نہ رہے جس کے ذریعہ تم آزاد رہ کر کام کرسکو۔ لیکن تمہیں پھر بھی یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ اس حرام کاری سے تمہارا پیٹ بھر جائے گا۔ ہرگز نہیں! اس لیے کہ جب تم کسی ایک طوائف یا رنڈی سے ملوگے تو اس کا وصال تمہارے شوق وخواہش کو اور بڑھادے گا جیسے کہ کھاری ونمکین پانی پینے والے کی پیاس بجھتی نہیں بلکہ اور بڑھ جاتی ہے۔ اور اگر بالفرض تم ہزاروں فاحشہ عورتوں سے بھی مل لو اور پھر تم کسی بدکار عورت کو اپنے سے اعراض کرنے والا اور اپنے دام اور قابو میں نہ آتا دیکھوگے تو تم اسی ایک اکیلی عورت کے پیچھے پڑجاؤگے، اور اس کی ملاقات اور وصال نہ ہونے پر تمہیں ایسی شدید تکلیف محسوس ہوگی جیسے کہ کسی شخص کو ساری زندگی کسی عورت کا وصال نصیب نہ ہوا ہو۔

مان لو کہ اگر تمہیں ایسی بازاری عورتوں پر ہر طرح سے قدرت حاصل ہو اور تمہارے پاس مال و دولت وحکومت بھی ہو تو کیا تمہارا جسم اس کی قوت رکھتا ہے؟ اور کیا تمہاری صحت اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ شہوت و جذبات کے سارے تقاضوں کو پورا کرلو؟!

اس مرض میں گرفتار ہوکر طاقتور سے طاقتور جسم کے افراد نڈھال ہوگئے، کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو قوت وطاقت میں قدرت کا عجوبہ روزگار اور پہلوانی و دوڑنے، تیراندازی وشہسواری کے مرد میدان تھے، لیکن جب انہوں نے اپنی خواہشات و جذبات کی دعوت پر لبیک کہی اور فطری خواہش وجنسی آواز کے تابع ہوگئے تو وہ مٹی کا ڈھیر بن گئے۔

اللہ کی حکمت کے عجائبات میں سے یہ ہے کہ اس نے اچھائی ونیکی کے ساتھ اس کا ثواب صحت ونشاط کی شکل میں رکھا ہے، اور برائی وگناہ کے ساتھ اس کی سزا بیماری وطاقت کے انحطاط واضمحلال کی شکل میں رکھی ہے، آپ دیکھیں گے کہ بہت سے ایسے آدمی جو ابھی تیس سال کی عمر سے بھی آگے نہیں بڑھے لیکن وہ اپنے نفس پر ظلم وزیادتی کی وجہ سے ساٹھ سال کے بوڑھے معلوم ہوتے ہیں، اور ایک طرف ایک ساٹھ سالہ بوڑھا آدمی پاکدامنی کی وجہ سے تیس سالہ جوان معلوم ہوتا ہے۔

انگریزوں کی جو بچی ضرب الامثال مشہور ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ جو شخص اپنی جوانی کی حفاظت کرے گا اس کے لیے اس کے بڑھاپے کی حفاظت کی جائے گی۔[۱]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرے کانوں میں تمہاری یہ آواز آرہی ہے کہ یہ تو بیماری ہے اس کا علاج کیا ہے؟

اس کا علاج ودوا یہ ہے کہ تم اس طریقے کو اختیار کرو جو اللہ نے پسند کیا ہے اور ان لوگوں نے بھی جنہوں نے اللہ کی پیدا کردہ فطرت کے مطابق عمل کیا، اللہ نے جب بھی کسی چیز کو حرام کیا تو اس کی جگہ کسی چیز کو ضرور حلال کیا، ربا کو حرام قرار دیا تو تجارت کو حلال کیا، زنا کو حرام کیا تو شادی کو جائز قرار دیا، اس لیے اس کا علاج ودوا شادی ہے۔

---

[۱] اس ضرب المثل سے مجھے وہ ضرب المثل یاد آگئی جو سلف صالحین میں سے کسی سے منقول ہے کہ ہمارے یہ اعضا جن کی ہم نے بچپن میں حفاظت کی اللہ نے ان کی حفاظت بڑھاپے میں کی۔

لیکن اگر تمہارے لیے شادی کے مواقع میسر نہیں ہیں، تو پھر اپنے نفس پر کنٹرول کرو اور ہمت بلند رکھو، اور میں اس فصل کو مغلق نہیں بنانا چاہتا ہیں یہ چاہتا ہوں کہ تم علم نفس کی اصطلاحوں سے اس مفہوم کو سمجھو، بات بالکل صاف ستھری اور واضح ہو جائے، اس لیے میں تمہیں ایک مثال کے ذریعہ سے سمجھانا چاہتا ہوں۔

کیا تم چائے کی اس کیتلی کو دیکھتے ہو جو آگ پر رکھی ہوئی جوش مارتی ہوتی ہے؟!

اگر تم اس کو بند کر دو اور اس کا ڈھکنا خوب اچھی طرح سے ڈھک کر کے اس کے نیچے آگ تیز کر دو تو اس میں بھرنے والی بھاپ اسے پھاڑ دے گی، اور اگر تم اس میں سوراخ کر دو گے تو اس کا سارا پانی بہہ جانے گا اور کیتلی جل جائے گی، اور اگر تم اس کے ساتھ ایک پائپ لگا دو گے جیسا کہ انجن میں لگتا ہے تو وہ تمہارے لیے کارخانے کو چلائے گی، اور اس سے ریل چلے گی، اور اس سے عجیب عجیب کام ہوں گے۔

لہٰذا پہلی حالت تو اس شخص کی ہے جو شہوت وجنس کے خیالات میں مگن رہے اور اسی سوچ وفکر میں پڑا رہے۔

اور دوسری حالت اس شخص کی ہے جو گمراہی کے راستے پر چلے اور حرامکاری کے اڈوں پر جائے۔

اور تیسری حالت شریف النفس پاکباز شخص کی ہے۔

لہٰذا عزتِ نفس وشرافت یہ ہے کہ تم اپنی نفس کے بوجھ کو روحانی، عقلی یا قلبی یا جسمانی جدوجہد سے ہلکا پھلکا کر دو، جس کا طریقہ یہ ہے کہ اس جمع شدہ قوت کو ختم کرنے اور اس محبوس ومقید طاقت کو باہر نکالنے کے لیے اللہ کی طرف متوجہ ہو۔ عبادت میں استغراق وانہاک پیدا کرو اور کام کاج میں لگن، اور بحث وتحقیق میں مشغولیت، یا پھر آپ کی طبیعت آپ کیلیے جو مختلف مناظر کی تصویر کشی کرتی ہے ان کی تعبیر کے لیے فارغ ہو جائے کبھی شعر وشاعری کے قالب میں، اور کبھی سینریوں میں رنگ بھرنے کی شکل میں، اور کبھی جسمانی جدوجہد اور ورزش وغیرہ میں لگ جانے کی صورت میں، اور کبھی دینی تربیت یا ورزش وکسرت کی مشقوں کے ذریعے اپنے وقت کو مصروف کر دیجیے، اور اے میرے بیٹے انسان جو مقام ودرجہ اپنے آپ کو دیتا ہے کسی اور کو نہیں دیتا، انسان اپنے اوپر کسی دوسرے کو ترجیح نہیں دیتا، چنانچہ جب انسان آئینے کے سامنے کھڑا ہوتا ہے اور اپنے کاندھوں کی گولائی اور سینے کی مضبوطی اور ہاتھوں کی قوت کو دیکھتا ہے تو اسے یہ محسوس ہوتا ہے کہ گویا یہ طاقتور متناسب فولادی جسم اس کو تمام عورتوں کے جسم سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ اور پھر ایسی صورت میں وہ یہ قطعاً پسند نہیں کرے گا کہ اسے قربانی کی بھینٹ چڑھا دے، اور اس کی قوت ختم ہو جائے، اور اس کا تنومند جسم تباہ ہو جائے، اور پھر وہ یہ قطعاً پسند نہیں کرے گا کہ کسی لڑکی کی سیاہ یا نیلی آنکھوں کی وجہ سے ہڈیوں کا ڈھانچہ بن جائے۔

یہ ہے دوا، شادی ہی کامل ومکمل علاج ہے، لیکن اگر وہ نہ ہو سکے تو وقتی مسکن وعلاج بلند ظرفی وعلو نفس ہے، جو ایک نہایت طاقتور نفع بخش تسکین پہنچانے والا نسخہ ہے جس میں ذرا سا بھی نقصان وتکلیف کا احتمال نہیں۔

رہا وہ ترانہ جو بے وقوف مغفل اور فساد پرور گاتے ہیں کہ :

اس معاشرتی فساد کا علاج یہ ہے کہ دونوں جنسوں (مرد وزن) کو میل جول و اختلاط کا عادی بنا دیا جائے تاکہ اس کی عادت پڑ کر شہوت کا زور ماند پڑ جاتے۔ اور حرامکاری کے عمومی اڈے کھول دیے جائیں تاکہ چوری چھپے چلنے والے اڈے و قحبہ خانے ختم ہو جائیں۔

یہ بالکل بودھی اور بے کار بات ہے۔ کافر قوموں نے مرد و زن کے اس بے محابا اختلاط کے نسخہ کو خوب آزمایا ہے لیکن ان کے یہاں فساد یا شہوت رانی کا بازار اور زیادہ گرم ہوگیا۔ رہے عمومی اڈے قائم کرنے کا نسخہ تو اگر ہم اسے تسلیم بھی کرلیں تو پھر تو یہ ضروری ہوگا کہ ہم یہ اڈے اتنی تعداد میں قائم کریں جو تمام نوجوانوں کو سیراب کر سکیں، اس لیے پھر تو صرف قاہرہ میں ہی دس ہزار سے زیادہ رنڈیاں اور فاحشہ عورتیں ہونا چاہییں، اس لیے کہ صرف قاہرہ میں ایسے نوجوانوں کی تعداد کم از کم ایک لاکھ ہے۔[1]

اور اگر ہم نے نوجوانوں کو وہاں جانے کی اجازت دے دی، اور اس کی وجہ سے وہ شادی کرنے سے رک گئے تو پھر ہم لڑکیوں کا کیا کریں گے؟ کیا ہم ان کے لیے بھی ایسے عمومے اڈے قائم کریں گے جہاں زانی مردوں کو رکھا جائے گا بخدا یہ تو بالکل بے کار اور بودھی سی بات ہے۔

یہ بات ان کی عقل کی پیداوار نہیں ہے یہ شہوات وجذبات کی آواز ہے، ان لوگوں کا مقصد اخلاق کی اصلاح نہیں اور نہ ہی ان کا مقصد عورتوں کو آگے بڑھانا ہے، نہ تہذیب و تمدن کو عام کرنا، اور نہ صحت مندانہ فضا قائم کرنا، نہ معاشرتی ماحول پیدا کرنا، یہ تو زبان سے نکلنے والے خالی الفاظ ہیں، ہر روز نیا نعرہ بلند کر دیتے اور لوگوں پر اس کی یلغار کر دیتے ہیں۔ اور اس کے ذریعہ اپنا پیغام عام کر دیتے ہیں۔ ان کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ہم اپنی لڑکیوں اور بہنوں کو ان کے لیے بازار میں لے آئیں۔ تاکہ یہ لوگ ان کے جسم کے مخفی اور ظاہری اعضاء کو دیکھ کر لذت نظر حاصل کریں۔ اور ان سے جائز و ناجائز لذت اٹھائیں۔ اور ان کے ساتھ تن تنہا سفر کریں، اور وہ بن سنور کر ان کے ساتھ محفلوں میں ناچیں گائیں، لیکن پھر بھی بعض والدین دھوکہ کھا جاتے ہیں اور وہ اپنی عزت و آبرو کو صرف اس لیے قربان کر دیتے ہیں تاکہ ان کو یہ کہا جا سکے کہ وہ ترقی یافتہ ہیں۔

اس لیے اے میرے بیٹے تم شادی کرلو، خواہ تم اب تک طالب علمی کی زندگی میں کیوں نہ ہو، لیکن اگر شادی نہ کر سکو تو اللہ کے خوف کو پیدا کر کے اس سے عصمت کے طالب ہو، اور عبادت و پڑھنے پڑھانے اور ریاضت و مجاہدے وغیرہ میں منہمک ہو کر اپنے آپ کو گناہ سے محفوظ رکھو یہی اس کا بہترین علاج ہے۔

---

[1] یہ تخمینہ و تعداد پچیس سال قبل اس وقت کی ہے جب مؤلف نے "اے میرے بیٹے" نامی اپنا رسالہ شائع کیا تھا۔

اے نوجوان لڑکو اور لڑکیو!:

تمہاری جنسی مشکلات کا یہی ایک حل ہے اس لیے تم اس سے ہمیشہ بچتے رہنا کہ ان لوگوں کے نعروں پر لبیک کہو جو ترقی و تمدن کا نعرہ لگاتے ہیں، اور تمہارے لیے برائی کو آراستہ کر کے پیش کرتے ہیں، اور گناہ کو یہ کہہ کر اچھا بنا کر پیش کرتے ہیں کہ اس پریشانی کا حل یہ ہے کہ بچپن ہی سے اس جذبہ کو باہمی اختلاط و میل جول کے ذریعہ مہذب بنایا جائے[1] یا حرامکاری کے ذریعہ اس خواہش کو پورا کیا جائے۔ اس لیے کہ یہ لوگ بلا سمجھے بوجھے تعریف کرنے والے اور جس چیز کو جانتے نہیں اس کی مدح سرائی کرنے والے ہیں، اور یہ لوگ درحقیقت یہودیت و نصرانیت اور شیوعیت و ماسونیت کی ان سازشوں کو عملی جامہ پہنا رہے ہیں۔ جن کا مقصد یہ ہے کہ اسلامی معاشرے کے جوان لڑکوں اور لڑکیوں کو بے راہ روی آزادی اور فسق و فجور کی زندگی میں مبتلا کر دیا جائے، خواہ وہ اسے جان بوجھ اور سمجھ کر کر رہے ہوں یا غیر شعوری طور پر ناسمجھی میں۔

کیا آپ کو پتہ ہے کہ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے؟

یہ سب تدبیریں اس بات کی کہ مسلمان نوجوانوں کو جہاد اور وطن و دین کی طرف سے مدافعت کے قابل نہ چھوڑا جائے،

یہ تدبیریں ہی اس لیے ہیں کہ مسلمان ظالموں سرکشوں و جابروں کے سامنے سر جھکا دیں۔

یہ سب کچھ اس لیے ہو رہا ہے کہ ہر گویے کے سامنے تالی بجائی جائے اور ہر بددین کا فیصلہ مان لیں۔

یہ تدبیر ہے اس کی کہ وہ بھیڑ بکریوں کے اس ریوڑ کی طرح بن جائیں جنہیں ڈنڈے سے ہکایا جا سکے۔

اس لیے اے جوانو ان جھوٹے نعروں سے بچنا۔ اور صبر سے کام لینا۔ اور اپنے دلوں کا تعلق اللہ سے جوڑ لو۔ اور اپنے سروں پر اسلام کی عزت کا تاج رکھ لو، اور ہر اس فاسق و فاجر کی دعوت کو قطعی قابلِ توجہ نہ سمجھو جو آزادی کی طرف بلا رہا ہو اور نہ اس ملحد کی مدح سرائی پر کان دھرو جو مادہ پرست ہو۔ تم اس پر کان دھرو جو اللہ تعالیٰ اپنے قرآنِ پاک میں ارشاد فرماتے ہیں:

((وَلَا تَتَّبِعُوٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝)). المائدہ۔۷۷	اور ان لوگوں کے خیالات پر مت چلو جو پہلے گمراہ ہو چکے اور گمراہ کر گئے بہتوں کو، اور سیدھی راہ سے بہک گئے۔

---

[1] آپ ہمارا رسالہ "اللہ پر ایمان رکھنے والے ہر غیرت مند باپ کے نام" مطالعہ کیجیے، اس میں اس افتراء و بہتان کی اس طرح تردید کی گئی ہے جس کے بعد کسی بھی شخص کو اس کی قباحت میں ذرا سا شبہ بھی باقی نہیں رہے گا۔

۷ ۔ کیا جنسی مسائل بچے کے سامنے بیان کرنا چاہیے؟

بہت سے تربیت دینے والے ماں باپ یہ پوچھتے ہیں کہ کیا مربی کے لیے یہ جائز ہے کہ بچے سے صاف صاف تمام وہ چیزیں بیان کر دے جو اسے بالغ ہونے سے پہلے اور بالغ ہونے کے وقت پیش آتی ہیں؟

اور کیا مربی بچے کو اعضاء تناسل اور ان کا کام اور حمل و پیدائش اور اس کی کیفیات بتلا سکتا ہے؟

اور کیا مربی بچے کو یہ بھی بتلا سکتا ہے کہ جب وہ شادی کرے تو جنسی ملاپ کس طرح کرے؟

یہ تمام سوالات ایسے ہیں کہ بہت سے حضرات ان کا جواب دینے میں توقف کرتے ہیں، اس لیے کہ وہ اسکے جائز و ناجائز ہونے کا فیصلہ نہیں کر پاتے۔

وہ شرعی ادلہ جو ہم عنقریب پیش کریں گے ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مربی اپنے بیٹے یا بیٹی کو ایسے امور بتلا سکتا ہے جن کا تعلق جنس اور شہوانی خواہشات سے ہو۔ بلکہ بعض اوقات ان کا بتلانا واجب ہو جاتا ہے، اور وہ اس وقت جب ان پر کوئی شرعی حکم مرتب ہوتا ہو جیسا کہ ابھی بیان کیا جائے گا۔

لیجیے اب تفصیل سے ان دلیلوں کو ملاحظہ فرمالیجیے:

ا ۔ بہت سی آیات میں جنسی اتصال و ملاپ کا تذکرہ ملتا ہے، اور یہ بھی مذکور ہے کہ انسان کیسے پیدا ہوا، اور زنا وغیرہ کا ذکر بھی ان میں ہے چنانچہ ارشادِ باری ہے:

((وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝)).

المؤمنون ۔ ۵ تا ۷

اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی نگہداشت رکھنے والے ہیں۔ ہاں البتہ اپنی بیویوں اور باندیوں سے نہیں کہ (اس صورت میں) ان پر کوئی الزام نہیں، ہاں جو کوئی اس کے علاوہ کا طلب گار ہوگا سو ایسے ہی لوگ توحد سے نکل جانے والے ہیں۔

نیز ارشاد فرمایا:

((اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ)). البقرہ ۔ ۱۸۷

حلال ہوا تم کو روزہ کی رات میں بے حجاب ہونا اپنی عورتوں سے۔

نیز ارشاد فرمایا:

((وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ

اور وہ آپ سے حیض کا حکم پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ وہ گندگی ہے، سو تم حیض کے وقت عورتوں سے الگ

((وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ)). البقرہ۔ ۲۲۲

رہو، اور جب تک پاک نہ ہو جائیں ان کے نزدیک نہ ہو، پھر جب خوب پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ جہاں سے اللہ نے تم کو حکم دیا۔

نیز ارشاد فرمایا:

((نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ)). البقرہ۔ ۲۲۳

تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں سو اپنی کھیتی میں جاؤ جہاں سے چاہو۔

نیز ارشاد فرمایا:

((وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ)). البقرہ۔ ۲۳۷

اور اگر تم ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دو اور تم ان کے لیے مہر مقرر کر چکے تھے تو لازم ہوا آدھا اس کا جو تم مقرر کر چکے تھے۔

نیز ارشاد فرمایا:

((وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَكِينٍ)) المؤمنون۔ ۱۲،۱۳

اور بالیقین ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا پھر ہم نے اسے نطفہ بنایا ایک محفوظ مقام میں۔

نیز ارشاد باری ہے:

((إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا)). الدھر۔ ۲

بے شک ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا مخلوط نطفہ سے کہ ہم اسے آزمائیں، سو ہم نے اسے سنتا دیکھتا بنایا۔

نیز ارشاد فرمایا:

((وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا)).

الاحقاف۔ ۱۵

اور ہم نے انسان کو حکم دیا ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرتا رہے، اس کی ماں نے اس کو بڑی مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور بڑی مشقت کے ساتھ اسے جنا اور اس کا حمل اور اس کی دودھ بڑھائی تیس مہینوں میں ہو پاتی ہے۔

نیز ارشاد فرمایا:

((وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا)) الاسراء۔ ۳۲

اور زنا کے پاس نہ جاؤ وہ بے حیائی اور بری راہ ہے۔

ارشاد باری ہے:

((اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْمُشْرِکَةً وَّالزَّانِیَةُ لَا یَنْکِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْمُشْرِکٌ، وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ ○))۔

النور۔۳

زنا کار مرد نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا بجز زناکار عورت یا مشرکہ عورت کے، اور زنا کار عورت کے ساتھ بھی کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانی یا مشرک کے۔ اور اہلِ ایمان پر یہ حرام کر دیا گیا ہے۔

نیز ارشاد فرمایا:

((وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَکُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ اِنَّکُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ، بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ○))۔

الاعراف۔ ۸۰، ۸۱

اور بھیجا لوط کو جب کہا انہوں نے اپنی قوم کو کہ کیا تم ایسی بے حیائی کرتے ہو کہ تم سے پہلے اس کو جہاں میں کسی نے نہیں کیا۔ تم تو دوڑتے ہو مردوں پر شہوت کے مارے عورتوں کو چھوڑ کر، بلکہ تم لوگ ہو حد سے گزرنے والے۔

قرآنِ کریم کی مندرجہ بالا آیات نہایت وضاحت سے یہ بتلا رہی ہیں کہ انسان کو کس سے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنا چاہیے اور کس سے نہیں؛ اور یہ کہ رمضان کی رات میں ہمبستری کی جا سکتی ہے یا نہیں؛ اور حیض اور ایام حیض میں عورتوں سے دوری اور وہ مقام جو بچے کی پیدائش کی جگہ ہے اسی سے بچنا، اور ہم بستری سے قبل عورت کو طلاق دینا، اور نطفہ مادۂ منویہ اور اس کا عورت کے رحم میں شکل و صورت اختیار کرنا، اور انسان کا مرد و عورت کے مادۂ منویہ سے مل کر بننا، اور بچے کا ماں کے پیٹ میں حمل بن کر ٹھہرنا، اور اس کی مدت رضاعت، اور زنا اور اس کا برا اور گندہ کام ہونا، اور وہ لوگ جو عورتوں کے بجائے مردوں سے خواہش پوری کرتے ہیں، وغیرہ وغیرہ چیزیں جن کا تعلق جنس سے ہے۔ اور جو خواہشِ نفس سے متعلق ہیں، آپ تبلائیے کہ جب بچہ شعور و سمجھ کی عمر کو پہنچ جائے اور اس کا استاذ یا مربی ان حقائق اور ان کی مراد کو اس کے سامنے بیان نہ کرے تو وہ ان آیات اور ان جیسی دوسری آیات کو کیسے سمجھے گا؟

لیکن عقل مند و سمجھدار آدمی کبھی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ معلم و مربی ان جیسی آیات کے معانی کو ایسی تفسیر و تعبیر سے بدل دے جن کا اصلی معنی سے کوئی تعلق نہ ہو، یا یہ کہ ان آیات سے یونہی سرسری طور پر گزر جائے، اور نہ ان کی کوئی تفصیل بیان کرے نہ ان کے مضمون کی توضیح پیش کرے، اس لیے کہ یہ طریقہ نامناسب ہے۔ اور اس کا اسلامی تربیت کے قواعد سے کوئی جوڑ نہیں، اور یہ قرآنِ کریم کی دعوتِ تدبر و فہم کے بھی خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْکَ مُبٰرَکٌ لِّیَدَّبَّرُوْۤا اٰیٰتِهٖ وَلِیَتَذَکَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○))۔

ص۔ ۲۹

یہ (قرآن) ایک بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر نازل کیا ہے۔ تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں، اور تاکہ اہلِ فہم نصیحت حاصل کریں۔

بلکہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ قرآنِ کریم ایسے لوگوں پر نکیر کرتا ہے جو قرآنِ کریم پڑھ کر اس کی آیتوں پہ غور نہیں کرتے ۔ ہو ایسا کرنے والے کو بے روح ، دل پر پردے پڑے ہوئے اور سخت نفس گردانتا ہے ، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

((اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿﴾)) ۔ محمد ۔ ۲۴

تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر قفل لگ رہے ہیں ۔

اس سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جیسے قرآنِ کریم اور علوم و معارف پر مشتمل ہے اسی طرح ضرورت کے مطابق ان جنسی مسائل پر بھی مشتمل ہے ، جن سے ضروری مسائل اور لازمی امور کی وضاحت ہوتی ہے ۔

ان جنسی مسائل و امور کا چھوٹوں بڑوں ، جوانوں بوڑھوں ، اور مردوں اور عورتوں سب کے لیے سمجھنا ضروری ہے ۔

اس تعلیم کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ مسلمان آدمی جب اپنی جنسی خواہش پوری کرنا اور شہوت کی تکمیل کرنا چاہے گا تو اس کو حلال و حرام کا علم ہوگا ، اور اسے یہ معلوم ہوگا کہ کیا کرنا چاہیئے اور کیا نہیں کرنا چاہیئے ۔

اس تعلیم کا یہ نتیجہ بھی نکلے گا کہ مسلمان جب ان آیات کو پڑھے گا جن میں انسان کی پیدائش و اس کے اطوار کا ذکر ہے اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ ماں کے پیٹ میں مرحلہ وار نطفہ (منی کے قطرے) سے علقہ (جما ہوا خون) اور پھر گوشت کا لوتھڑا اور پھر کامل و مکمل انسان کس طرح بنتا ہے تو اس سے اللہ کی قدرت اور انسان کی پیدائش کی عجیب تکوین پر اور زیادہ ایمان و یقین بڑھے گا ۔

اس تعلیم کے ثمرات میں سے یہ بھی ہے کہ ہر روز مسلمان کا یقین کامل سے کامل تر ہوتا جائے گا کہ اسلام اور اس کے محیط و عمومی اصول و قواعد رہتی دنیا تک کے لیے انسان کی مکمل رہنمائی کی صلاحیت رکھتے ہیں ، اور یہی ایک ایسا دین ہے جو انسانی نفوس کے تقاضوں کو پورا کرنے کے موقعے فراہم کرتا ہے ، اور قیامت تک کے لیے ترقی و تہذیب کے مختلف اطوار و حالات کے ساتھ ساتھ چلنے کی پوری قدرت رکھتا ہے ۔

۲ ۔ اور وہ قوی ادلہ جو اس بات پر صراحۃً دلالت کرتے ہیں کہ بچے کو جنسی معاملات کا سمجھانا ضروری ہے ان میں سے بھی بچے کو سنِ تمیز کو پہنچنے پر بالغ ہونے اور قریب البلوغ ہونے کے احکام بتلا دینا چاہیے ، تاکہ جب اس پر ان علامات کا ظہور ہو جائے تو اسے یہ معلوم ہو کہ اس کے لیے کیا کرنا ضروری ہے اور کس سے بچنا ضروری ہے ؛ بلکہ وہ حلال و حرام سب کو سمجھتا ہو ۔

اس کی تفصیل ہم سابقہ بحث میں "بچے کو بالغ ہونے اور اس سے قریب کی عمر کے احکام سکھانا" کے عنوان کے تحت بیان کر چکے ہیں ، لہٰذا آپ اس کا مطالعہ کر لیجیے تشفی و سیرابی ہو جائے گی ۔

۳ ۔ ان مضبوط دلیلوں میں سے جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ بچے کو جنسی معاملات کا بتلا دینا ضروری ہے ، یہ بھی ہے کہ جب وہ بالغ ہو جائے اور شادی کی منزل میں قدم رکھ لے تو اسے جنسی اتصال اور خواہشات پوری کرنے کے آداب کی تعلیم دینا ضروری ہو جاتا ہے ۔

ان مسائل کی تفصیل ہم ابھی کچھ صفحات قبل "شادی اور جنسی ملاپ" کے عنوان کے تحت بیان کر چکے ہیں، اس کی تفصیل وتشفی کے لیے بھی اس بحث کا مطالعہ کیجیے۔

بچے کو سنِ شعور میں قدم رکھنے پر جنسی مسائل اور خواہشاتِ نفس کے متعلقات کے بتلانے کے جواز کے سلسلہ میں یہ واضح دلیلیں ہیں۔

اس تفصیل کو پڑھ لینے کے بعد اے مربی صاحبان! آپ اپنے بچوں کو جنسی مسائل سمجھائیں، اس لیے کہ شریعت نے آپ پر یہ فرض کر دیا ہے کہ آپ ان کو یہ حقائق سمجھا دیں تاکہ وہ جہالت کے دام اور گناہوں کی گندگی اور آزادی کی دلدل میں نہ پھنس جائیں۔

لیکن میں آپ کو دو اہم چیزیں یاد دلانا چاہتا ہوں:

۱۔ عمر کے ہر حصے سے متعلق احکام کی تعلیم اسی کی مناسبت سے دیجیے، لہٰذا یہ قطعاً نامعقول بات ہے کہ آپ دس سال کی عمر کے بچے کو جنسی ملاپ کے اصول بتلائیں، اور اسے بالغ ہونے سے قریب قریب کی عمر اور بالغ ہونے کے احکام نہ بتلائیں

۲۔ لڑکی کو یہ جنسی مسائل سکھانے کا کام ماں کو انجام دینا چاہیے، اس لیے کہ لڑکی ماں سے زیادہ عمدگی اور پختگی اور بہتری سے یہ چیزیں سیکھ سکے گی، لیکن اگر کسی لڑکی کی ماں موجود نہ ہو تو اس کی جگہ کوئی اور عورت یہ کام انجام دے دے۔

اے مربی صاحبان! یہ وہ اہم بنیادی اصول وخطوط ہیں جو اسلام نے بچے کی جنسی تربیت اور اس کے کردار کے درست رکھنے اور اس کی خواہشات کو دائرے میں رکھنے کے لیے مقرر کیے ہیں۔

اس لیے اربابِ فکر وتربیت، واصلاح کو اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ وہ جنسی تربیت کے لیے اسلامی منہج اور طریقے پر عمل کریں، اور جذبات وخواہشات کے قابو میں رکھنے کے لیے قرآنِ کریم کے بتلائے ہوئے طریقے پر چلیں، تاکہ ہم اپنے معاصر اسلامی معاشرے اور قوم کو کامل شخصیت اور صاف وسلیم باطن اور اچھے اخلاق والا بنا سکیں، اور اس قوم کے قلوب و نفوس کو نفسیاتی الجھنوں اور معاشرتی برائیوں سے آزاد کر سکیں، اور پھر یہ امت اس قابل ہو جائے گی کہ اپنے فرض کو لے کر کھڑی ہو، اور اپنی ذمہ داری پوری کرے، اور انسانی وجود کے آسمان پر توحید کا جھنڈا اور اسلامی شعار بلند کر سکے۔

میں یہ چاہتا ہوں کہ ہر عقل وبصیرت والا یہ سمجھ لے کہ اس عظیم دینِ اسلام نے جب انسان کی مشکلات اور معاشرے کی آفات کا علاج کیا ہے تو یہ علاج ہر پہلو کو شامل اور ہر جہت کو محیط ہوگا۔ اس لیے کہ اسلام خدا، برتر وبالا کا ابدی ودائمی قانون ہے جسے اس نے اس لیے نازل فرمایا ہے کہ وہ تمام عالم کے لیے ہدایت وبشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنے۔ لہٰذا جو اس کے ذریعے فیصلہ کرے گا وہ عدل وانصاف کرے گا۔ اور جو اس سے رہنمائی حاصل کرے گا وہ نیک بخت ہوگا۔ اور جو اس کی

طرف دعوت دے گا وہی سیدھے راستے کی طرف ہدایت دینے والا ہوگا۔

جذبات کے اس بے قابو سیلاب، اور بے راہ روی کے اس تباہ کن منجدھار سے پورے عالم کو آج دین اسلام کا نظریۂ جنس ہی بچا سکتا ہے، اس لیے کہ جنس کے بارے میں اسلام کا نظریہ ہر چیز کو اس کی جگہ پر رکھتا ہے، اور انسان کے لیے ایک ایسی کامل و مکمل اور متوازن زندگی کے مواقع فراہم کرتا ہے جو انسانیت کے لفظ کا مطلب ہے، اور جو انسان کے اشواق و رغبات اور خواہشات کو خوش کرنے والی ہے۔

شاید مسلمان اپنے دین کو سمجھ لیں اور اپنے دین کے سایہ میں امن و سکون سے رہیں، تاکہ دوسری قوموں میں اپنی اصلی جگہ پیدا کر سکیں، اور اپنی سلب شدہ کرامت و عزت دوبارہ حاصل کر لیں، اللہ کے لیے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

بہرحال اے مربی حضرات:

کیا آپ نے اپنی اس عظیم و اہم ذمہ داری کو جان لیا ہے جو آپ کے کاندھوں پر ڈالی گئی ہے؟

کیا آپ اس بات کو سمجھ گئے ہیں کہ ایمانی تربیت ہی ایسی بنیادی اساس ہے جس پر آپ کو پوری توجہ دینا چاہیے

کیا آپ یہ سمجھ گئے ہیں کہ اخلاقی تربیت کی ذمہ داری ان اہم ذمہ داریوں میں سے ہے جس کا آپ کو خوب اہتمام و دیکھ بھال رکھنی چاہیے؟

کیا آپ نے یہ جان لیا کہ جسمانی تربیت کی ذمہ داری طاقت و قوت کے ان وسائل میں سے ہے جس پر آپ کو اپنی محنت و توجہ مرکوز کر دینا چاہیے؟

کیا آپ نے یہ پہچان لیا کہ عقلی تربیت کی ذمہ داری آپ کی امت اور آپ کے وطن کی عزت و تہذیب و تمدن کی اساس ہے؟

کیا آپ نے اسے محسوس کر لیا کہ نفسیاتی تربیت آپ کے بچوں کی شخصیت سازی اور ان کی تکمیل و پختگی کی بنیاد ہے۔

کیا آپ نے سمجھ لیا کہ معاشرتی تربیت کی ذمہ داری آپ کی تمام ذمہ داریوں میں سے ممتاز ترین ایسی ذمہ داری ہے جو آپ کو اپنے جگر گوشوں کے سلسلہ میں پوری پوری ادا کرنا چاہیے؟

کیا آپ یہ سمجھ گئے ہیں کہ جنسی تربیت کی ذمہ داری ان عظیم و اہم ترین معاملات میں سے ہے جن کا ان لوگوں کو تعلیم دینا آپ پر لازم ہے جن کی تربیت کی ذمہ داری آپ پر ہے؟

اگر آپ یہ سب پہچان اور جان گئے ہیں تو آپ کو چاہیے کہ تربیت کے میدان میں داخل ہو جائیے اور اپنی ذمہ داری کے بار کو اٹھائیے اس میں کسی قسم کی سستی و کاہلی نہ برتیے تاکہ آپ اپنی زندگی کی کلیوں اور دلوں کے ثمرات و پھل کو پاکیزہ پائیں گے!

فرشتوں کی طرح اور عزم میں صحابہ کی طرح اور بہادری میں شیروں کی طرح، وہ نور و چمکنے میں چاند کی طرح دیکھ لیں۔

جتنی آپ محنت کریں گے، وقت لگائیں گے، اور جدوجہد و کوشش کریں گے اور اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں گے اسی کی مقدار آپ کی قوم کے لیے بھلائی، اور آپ کی اولاد کے لیے فائدہ و نیکی، اور آپ کی قوم و معاشرے کے لیے اتنی ہی مثالی تربیت متحقق ہوگی۔

اے مربی صاحبان کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ سب کچھ کیسے ہوگا؟ اور بہترین تربیت کی بلندی تک کس طرح پہنچا جائے گا؟

میرا خیال یہ ہے کہ یہ سب کچھ دو بنیادی اور اہم امور کے وجود میں آنے سے متحقق ہوگا:

۱۔ مراقبہ اور نگرانی کو سخت کیا جائے۔

۲۔ فراغ اور خالی وقت سے استفادہ کیا جائے۔

دیکھ بھال و نگرانی سے بچے کی ایمانی تربیت ہوگی اور اخلاق درست ہوں گے اور جسم صحت مند و توانا، اور عقل و علم کامل و پختہ ہوگا، اور بچہ نفسیاتی و معاشرتی لحاظ سے کامل و مکمل ہوگا۔

اور دیکھ بھال و نگرانی سے بچہ برے ساتھیوں اور بری صحبت اور آزاد و بے راہ رو ساتھیوں سے بچ جائے گا۔

اور دیکھ بھال کے طفیل بچہ تمام اُن چیزوں سے بچ جائے گا جو اسے کج رو اور خراب بنا دیتی ہیں، چنانچہ وہ سینما بینی اور ٹیلی ویژن پر فحش مخرب اخلاق گندی فلموں اور مجرمانہ پولیس کارروائیوں اور فحش ڈراموں کے دیکھنے سے محفوظ رہے گا، اور ان رسالوں کے پڑھنے سے بچ جائے گا جو جذبات انگیز اور ہیجان خیز اور فحش ہوتے ہیں، اور اسی طرح ہیجان خیز جنسی قصے کہانیاں اور اخلاق سے گرے ہوئے اور اخلاق کو بٹہ لگانے والے اور شاندار اسلامی کردار کو مسخ کرنے والے ڈراموں سے بچ جائے گا۔

اور مراقبہ و دیکھ بھال کی وجہ سے بچہ گمراہ مادہ پرست ادیان اور ملحدانہ و کافرانہ فکری عقائد رکھنے والے مذاہب سے محفوظ رہے گا۔ اور اس کے برخلاف عقیدہ و فکر، کردار و طور طریقے کے لحاظ سے اس کا اسلام کے ساتھ کامل ارتباط ہو جائے گا۔

اور دیکھ بھال و نگرانی کی بدولت بچہ اسلامی تربیت کی بلند و بالا چوٹی تک پہنچ جائے گا، اور روحانی، عقلی اور اخلاقی و علمی طور پر پختہ ہو جائے گا۔ اور وہ دوسروں کے لیے حسنِ اخلاق میں بہترین نمونہ اور حسنِ معاملہ میں مقتدیٰ ثابت ہوگا۔ بلکہ وہ آسمان پر چمکنے والے چودھویں رات کے چاند کی طرح اور زمین پر چلنے والے فرشتے کی طرح ہوگا۔

رہا فراغت سے فائدہ اٹھانا تو اس کا انحصار اس میں ہے کہ جب مربی گھر آئے۔ اور اپنے بیوی بچوں میں بیٹھے تو فراغت کے ان اوقات میں اسے اس بات کی پوری کوشش کرنا چاہیے کہ بچے کو عملی طور پر تیار کرنے، اور عقیدے کے لحاظ سے

کامل و مکمل بنانے، اور اخلاقی اعتبار سے رہنمائی کرنے میں اپنی پوری طاقت صرف کردے۔

ایسے ماں باپ کتنے اچھے ہوتے ہیں جو شام کو اپنے بچوں کے ساتھ وقت گزارتے ہیں، اور اپنے جگر گوشوں کی تلقین وتعلیم کے لیے مناسب نظام وپروگرام مقرر کرتے ہیں بلکہ اللہ کے یہاں اس وقت ان کو کتنا اجر وثواب ملتا ہوگا جب وہ اپنے بچوں کے پاس ان کا سبق سننے کے لیے بیٹھتے ہیں، یا ان کے لکھے ہوئے کسی مسائلہ کو سمجھانے کے لیے وقت صرف کرتے ہیں، یا تعلیم کے لیے انہیں کوئی قصہ سناتے ہیں، یا کسی عمدہ اخلاق کی طرف متوجہ کرتے ہیں، یا عمدگی سے قراءتِ قرآن کی تربیت دیتے ہیں، یا کوئی ادبی دل لگی کی بات یا تفریح طبع کے لیے کوئی پہیلی یا قصہ سنا کر بچوں کو خوش کر دیتے ہیں، اور اس طرح ان میں نشاط پیدا کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

بخدا یہ صحیح طریقہ ہی درحقیقت بچے کے لیے خیر کا ضامن ہے۔ اور اس کو عزت کی بلندیوں اور مکارمِ اخلاق کی چوٹی تک پہنچاتا ہے، بلکہ اسے — صحیح معنی میں ایک انسان اور حکیم آدمی اور فاضل وشریف مسلمان بنادیتا ہے۔

اور بچے کو زندگی کے لمحات صحیح گزارنے کے لیے تیار کرنے، اور اس کو بہترین باکردار معاشرہ کی تعمیر کے لیے مضبوط و پائیدار اینٹ بنانے، اور نیک صالح مؤمن معاشرہ تیار کر کے مثالی تربیت کا درحقیقت یہی طریقہ ہے، باپ، ماں یا مربی بچے پر اس وقت کس قدر ظلم کرتا ہے اور اس کے حق کو برباد کرتا ہے اور اس کی انسانیت کا قاتل ہوتا ہے جب وہ اپنے فارغ اوقات کو اپنے دوستوں کے ساتھ لایعنی باتوں میں یا ہوٹل وکلبوں میں اپنے پڑوسیوں یا دوستوں کے ساتھ بیٹھنے یا کسی بے ہودہ قسم کے ڈرامے کے دیکھنے میں اپنے آزاد وبے راہ رو بداخلاق دوستوں کے ہمراہ برباد کردیتا ہے۔

ماں باپ کے علاوہ بچے کی ایمان اور صحیح عقیدہ پر اور کون تربیت کر سکتا ہے؟

ماں باپ کے علاوہ کون بچے کو اعلیٰ اخلاق وبہترین ادب کی تربیت دے سکتا ہے؟

ماں باپ کے علاوہ بچے کی عقلِ سلیم اور تندرست جسم اور طاقت وصحت کی درستگی کی ذمہ داری کون انجام دے سکتا ہے؟

ماں باپ کے علاوہ بچے کو علم اور اچھی تہذیب کون سکھا سکتا ہے؟

اور ماں باپ کے علاوہ بچے کی نفسیاتی اور عقل سمجھ کے بنیادی اصول وقواعد وضوابط پر کون تربیت کر سکتا ہے؟

ماں باپ کے علاوہ بچے کو یہ تربیت کون دے سکتا ہے کہ وہ دوسروں کے حقوق کا خیال رکھے، اور لوگوں اور معاشرے کے آداب کا پابند رہے؟

ان اچھے اوصاف کی بچے کو کون تربیت دے گا؟ اور اگر ماں باپ کھیل کود اور لہو ولعب میں مصروف ہوں تو بچے میں یہ فضائل ومناقب کون پیدا کرے گا؟

اللہ تعالیٰ شوقی پر رحم کرے وہ فرماتے ہیں:

لیس الیتیم من انتھی أبواہ من ... ھم الحیاۃ وخلفاہ ذلیلاً
وہ بچہ درحقیقت یتیم نہیں ہے جس کے والدین ذیلکے غم سے ... آزاد ہو کر اسے بے یار و مددگار چھوڑ گئے ہوں
إن الیتیم ھو الذی تلقی لہ ... أماً تخلت أو أباً مشغولاً
یتیم درحقیقت وہ بچہ ہے جس کو ایسی ماں ملے جو ... اس سے بے توجہ ہو اور اس کا باپ مشغول ہو (اسکی طرف توجہ نہ کرے)

اس لیے ماں باپ ہی اولاً و آخراً بچے کی ایمانی و اخلاقی تربیت اور عقلی پختگی پیدا کرنے اور نفسیاتی وقار و بردباری پیدا کرنے کے حقیقی ذمہ دار اور اچھے علوم سے آراستہ کرنے اور مفید مختلف قسم کی ثقافت و تہذیب سے باخبر کرنے کے مسئول ہیں۔

اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعی برحق فرمایا ہے:

((والرجل راع فی بیت أھلہ ومسئول عن رعیتہ... والمرأۃ راعیۃ فی بیت زوجھا ومسئولۃ عن رعیتھا...))۔ بخاری ومسلم

مرد اپنے گھر کا ذمہ دار ہے اور اس سے اس کے اپنے ماتحتوں کے بارے میں باز پرس ہوگی، اور عورت اپنے شوہر کے گھر کی ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

اور فرمایا:

((إن اللہ سائل کل راع عما استرعاہ حفظ أم ضیع ...))۔ ابنِ حبان

اللہ تعالیٰ ہر ذمہ دار سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں پوچھے گا کہ کیا اس نے ان کو ضائع کر دیا یا ان کی حفاظت کی۔

نیز فرمایا:

((ما نحل والد ولداً أفضل من أدب حسن))۔ ترمذی

کسی باپ نے کسی بیٹے کو اچھے ادب سے زیادہ بہتر عطیہ نہیں دیا۔

اس لیے والدین کو اپنی ذمہ داری پورے طور سے محسوس کرنا چاہیے، اور ان فرائض کو ادا کرنے اور ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اپنے فارغ اوقات سے استفادہ کرنا چاہیئے۔

والدین کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ ذمہ داریاں جن کے بارے میں ہم کلام کر چکے ہیں اور انہیں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں اگر وہ ان میں سے کسی ذمہ داری کے ادا کرنے میں کوئی کوتاہی کریں گے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس روز کی سزا کے مستحق بنیں گے جس روز نہ مال انسان کو فائدہ پہنچائے گا اور نہ اولاد و بیٹے سوائے اس شخص کے جو اللہ کے پاس صاف و صحیح قلب لے کر حاضر ہو۔

والدین کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے سامنے اللہ تبارک وتعالیٰ کا درجِ ذیل فرمان رکھیں۔

﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿۶﴾﴾۔

التحریم۔۶

اے ایمان والو بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، اس پر تند خو بڑے مضبوط فرشتے (مقرر) ہیں۔ وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے کسی بات میں جو وہ ان کو حکم دیتا ہے اور جو کچھ حکم دیا جاتا ہے اسے (فوراً) بجا لاتے ہیں۔

واقعی اگر والدین اس آیت کو سامنے رکھیں، اور اپنے دل میں اللہ کے مراقبہ کو محسوس کریں، تو تربیت کے لیے ان میں اور زیادہ جذبہ پیدا ہوگا، اور اس کی ذمہ داریوں کو اور زیادہ عمدگی سے ادا کر سکیں گے اس لیے تربیت کرنے والوں کو اپنی ذمہ داریاں سمجھ لینا چاہیے۔ اور اپنے فارغ اوقات کو بچوں کی تربیت میں صرف کرنا چاہیے، اور انہیں چاہیے کہ وہ یہ سمجھ لیں کہ وقت کی مثال تلوار کی ہے، اگر وہ اسے نہیں کاٹیں گے تو وہ انہیں کاٹ دے گی، اور ذمہ داریاں اوقات سے زیادہ ہیں، اور عمر نہایت سرعت وجلدی سے گزرجاتی ہے۔ اس لیے اگر انہوں نے اس امانت کو صحیح طور سے نہ سمجھا جو ان کو دی گئی ہے، اور ان ذمہ داریوں کا جس طرح حق ہے اسی طرح پورا نہیں کیا، تو پھر ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ انہیں اچانک موت آجائے اور پتہ بھی نہ چلے، بلکہ اچانک ان پر عذابِ خداوندی نازل ہوگا اور کوئی بھی ان کا ناصر ومددگار نہ ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں بالکل برحق فرمایا ہے:

﴿وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾﴾۔

الزمر۔۵۴و۵۵

اور اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو، اور اس کی فرمانبرداری کرو قبل اس کے کہ تم پر عذاب واقع ہونے لگے، جب تمہیں کوئی مدد کو نہ پہنچ سکے۔ اور اپنے پروردگار کی طرف سے اترے ہوئے اچھے اچھے حکموں پر چلو قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آپڑے اور تم کو اس کا خیال بھی نہ ہو۔

اخیر میں ہیں تمام تربیت کرنے والوں کی ان کے درجات کے اختلاف اور ذمہ داریوں کے تنوع کے باوجود اس طرف توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں خصوصاً ماں باپ کی کہ یہ طریقے جو میں نے تربیت کے لیے مقرر کیے ہیں خصوصاً معاشرتی تربیت کے سلسلہ میں یہ بڑوں چھوٹوں جوانوں بوڑھوں مردوں عورتوں سب کے لیے ہیں۔

اس لیے اے تربیت کرنے والے حضرات! آپ کو چاہیے کہ تربیت کے سلسلہ میں اسلام نے جو طریقے مقرر کیے ہیں پہلے انہیں آپ خود اپنائیں، اس کے بعد بچوں اور دوسروں کو ان کی تلقین کریں۔ تاکہ جن کی تربیت وذمہ داری آپ پر عائد ہوتی ہے آپ ان کے لیے خود بہترین نمونہ ومقتدی بن سکیں، اور پھر یہ اصول وطریقے اپنے بچوں کو سکھائیں، اور اپنے جگر گوشوں کو ان کی تعلیم دینے میں اپنی پوری قوت صرف کردیں، تاکہ صحیح عقیدہ سے۔ اور کامل ومکمل اسلام اور اعلیٰ اخلاق

بران کی نشوونما ہو، اور آپ نے اس طرح گویا انہیں دنیادی زندگی کی گہرائیوں میں داخل ہونے کے قابل بنا دیا ہوگا، اور وہ اس لائق ہوچکے ہوں گے کہ مؤمن قلوب، صابر نفوس، پاک صاف ارواح، پختہ عقول اور طاقتور وصحت مند اجسام کے سامنے سخت سے سخت ذمہ داری کے بوجھ کو اٹھا سکیں۔

اس لیے براہِ کرم اے مربی صاحبان اپنی کوششیں صرف کیجیے، اور پوری توجہ کیجیے، اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر قدم اٹھایئے اللہ آپ کی حفاظت کررہا ہے، اور آئندہ آنے والی نسلیں آپ کی جدوجہد و کارناموں کی برکت سے مستفید ہوں گی، اور اللہ تعالیٰ جل شانہ آپ کو جزاء خیر دیں گے، اور قیامت کے روز اجر وثواب کو آپ کے لیے ذخیرہ بنائیں گے۔

ارشادِ باری ہے:

﴿وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ، وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝﴾ التوبہ۔ ۱۰۵

اور آپ کہہ دیجیے کہ عمل کیے جاؤ، پھر آگے اللہ اور اس کا رسول اور مسلمان تمہارے کام کو دیکھ لیں گے۔ اور تم جلد اس کے پاس لوٹائے جاؤ گے جو تمام چھپی اور کھلی چیزوں سے واقف ہے، پھر وہ بتا دے گا تم کو جو کچھ تم کرتے تھے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

الحمدللہ آج بروز دوشنبہ بوقت مغرب اس جلد کے ترجمہ کا کام
محض اللہ جل شانہ کی توفیق اور فضل وکرم سے مکمل ہوا

فلله الحمد والشكر أولاً وآخراً والصلاة والسلام على
حبيبه وخير خلقه دائماً وسرمداً۔

محمد حبیب اللہ مختار
۴-۸-۱۴۰۶ھ
۱۴-۴-۱۹۸۶ء

اسلام اور تربیتِ اولاد

جلدِ ثانی

تالیف

شیخ عبد اللہ ناصح علوانؒ

ترجمہ

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ

رئیس

مجلس الدعوۃ والتحقیق الاسلامی۔ کراچی

رئیس

جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی ۵ پاکستان

ناشر

مکتبۃ الحبیب

کتب مارکیٹ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

موبائل: 0333-3422703

فہرست

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قسمِ ثالث

تین فصلوں پر مشتمل ہے

۱ — بچّے کی تربیت میں مؤثر وسائل

۲ — بچّے کی تربیت کے بنیادی اصول وقواعد

۳ — تربیت سے متعلق ضروری ولازمی تجاویز

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فصلِ اوّل

① بچے کی تربیت میں مؤثر وسائل

تربیۃ الاولاد کی قسم ثانی میں محترم قارئین کے سامنے بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں مربیوں پر عائد ہونے والی جو بڑی بڑی ذمہ داریاں ذکر کی جاچکی ہیں، وہ ذمہ داریاں خواہ ایمانی ہوں یا اخلاقی، عقلی ہوں یا جسمانی، نفسیاتی ہوں یا معاشرتی، اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ذمہ داریاں جن پر گزشتہ صفحات میں کلام ہوچکا ہے اور ان پر تفصیلی بحث کی جاچکی ہے، وہ تربیت کے میدان اور بچے کی شخصیت سازی کے سلسلہ میں عظیم ترین ذمہ داریاں ہیں، اور مستقبل میں جب والدین و مربی اپنی ان کوششوں اور جدوجہد کا ثمرہ حاصل کریں گے، اور اپنے لگائے ہوئے باغ کے شاندار سایہ میں بیٹھیں گے تو وہ اس وقت کتنے خوش نصیب اور خوش وخرم ہوں گے۔

اور ان کی نفوس اس وقت کتنی مطمئن اور آنکھیں کتنی ٹھنڈی ہوں گی جب وہ اپنے جگر گوشوں کو مقدس فرشتوں کی طرح زمین پر چلتا ہوا دیکھیں گے، اور اپنے دل کے ٹکڑوں کو لوگوں میں متحرک قرآن کی طرح رواں دواں دیکھیں گے۔

لیکن کیا مربی کے لیے صرف اتنی بات کافی ہے کہ وہ ان ذمہ داریوں کو پورا کرکے اور ان فرائض کو عمدگی سے ادا کرکے یہ سمجھ لے کہ وہ بری الذمہ ہوگیا، اور اس نے اپنی ذمہ داری پوری کردی۔ اور اپنی پوری قوت صرف کردی؛ یا یہ کہ اس کو مزید وسائل بھی اختیار کرنا چاہییں، اور ہمیشہ اعلیٰ و افضل اور اکمل ترین کی تلاش میں رہنا چاہیے؛

بلاشبہ منصف سمجھدار مربی ہمیشہ مفید ترین وسائل کی ٹوہ میں لگا رہے گا، اور تربیت سے متعلق ایسے قواعد وضوابط تلاش کرتا رہے گا جو عقیدہ و اخلاقی لحاظ سے بچے کی تربیت کرنے میں مؤثر اور بنیادی حیثیت رکھتے ہوں، اور جن سے بچے کی نفسیاتی و معاشرتی اور عملی تیاری ہوسکے۔ تاکہ بچہ کمال کی چوٹی، اور پختگی کی بلندی کو پہنچ سکے۔ اور عقل و سمجھداری اور تحمل و بردباری کے بہترین مظاہر سے آراستہ ہو۔

لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ تربیت کے مفید وسائل اور بچے کی شخصیت سازی اور اس کے بہترین فرد بنانے کے

مفید و مؤثر ترین قواعد و اصول کیا ہیں :

میرے اندازے کے مطابق وہ پانچ امور میں مجتمع ہیں :

۱۔ اسوہ حسنہ کے ذریعے تربیت ۔

۲۔ اچھی عادات کے ذریعے تربیت ۔

۳۔ وعظ و نصیحت کے ذریعہ تربیت ۔

۴۔ دیکھ بھال کے ذریعہ تربیت۔

۵۔ سزا دینے کے ذریعہ تربیت ۔

(۱) اسوۂ حسنہ کے ذریعہ تربیت

تربیت کے باب میں بچے کی اخلاقی، نفسیاتی اور معاشرتی شخصیت سازی میں پیشوا اور مقتدی نہایت مؤثر کن وسائل میں سے ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بچے کی نظر میں مربی ایک عظیم نمونہ اور بہترین مقتدی ہوا کرتا ہے، بچہ چال چلن میں اپنے مقتدی کی پیروی کرتا ہے۔ اور شعوری و غیر شعوری طور پر اخلاقی طور سے اس کی نقل اتارتا ہے۔ بلکہ اس کی نفس و شعور میں مربی کی قولی و فعلی اور حسی و معنوی صورت منقش ہو جاتی ہے چاہے اسے پتہ چلے یا پتہ نہ چلے۔

سی لیے پیشوا اور اسوہ بچے کی اصلاح یا فساد میں ایک بڑا عامل بنتا ہے، چنانچہ اگر مربی سچا اور امانت دار اور با اخلاق شریف و بہادر اور پاکدامن ہے تو بچہ بھی سچائی، امانت، اخلاق، شرافت، بہادری و پاکدامنی پر نشوونما پائے گا، اور اگر مربی جھوٹا، خائن، آزاد، بخیل، بزدل اور خسیس ہے تو بچہ بھی جھوٹ، خیانت، آزادی، بزدلی، بخل اور خساست میں بڑھے پلے گا۔

بچے میں خیر کی خواہ کتنی زبردست صلاحیت کیوں نہ ہو اور اس کی فطرت خواہ کتنی ہی سلیم و صاف ستھری کیوں نہ ہو تب بھی خیر کی بنیادی باتوں اور بہترین تربیت کے اصولوں پر وہ اس وقت تک لبیک نہیں کہے گا جب تک مربی کو خلاق کی چوٹی اور اچھائیوں کی بلندی اور اسوہ و نمونہ کی معراج پر نہ دیکھے۔ مربی کے لیے یہ نہایت آسان ہے کہ تربیت کے طریقوں میں سے کوئی طریقہ بچے کو سمجھا دے لیکن یہ نہایت ہی مشکل کام ہے کہ بچہ اس طریقے کو اپنائے جب کہ وہ اپنے تربیت کرنے والے اور مربی کو اس طریقہ کو اپناتے ہوئے اور اس کی بنیادی باتوں اور اصولوں پر عمل پیرا نہ دیکھ لے۔

ای لیے عربی شاعر کا اس معلم کے بارے میں درجِ ذیل اشعار کہنا سخت تنبیہ ہے جس کا فعل اس کے قول

کے خلاف ہو وہ کہتا ہے:

یا أیہا الرجل المعلم غیرہ	هلا لنفسك كان ذا التعليم
اے دوسروں کو تعلیم دینے والے معلم	یہ تعلیم خود تمہارے اپنے لیے کیوں نہیں ہے
تصف الدواء لذی السقام وذی الضنی	کیما یصح بہ وأنت سقیم
تم بیماروں ولاغروں کے لیے تو دوا ونسخہ لکھتے ہو	تاکہ وہ شفایاب ہو جائے لیکن تم خود بیمار رہو
ابدأ بنفسك فانہہا عن غیہا	فإذا انتہت عنہ فأنت حکیم
پہلے خود اپنی نفس سے ابتدا کر کے اسے گمراہی سے روکو	اگر تمہاری نفس اس سے رک گئی تو پھر تم واقعی حکیم ہوگے
فہناك یقبل ما وعظت ویقتدی	بالعلم منك وینفع التعلیم
پھر تمہارے وعظ کو قبول کیا جائے گا اور تمہارے علم	کی پیروی کی جائے گی اور تعلیم دینا بھی فائدہ مند ہوگا

اللہ جل شانہ جب اپنے بندوں کے لیے معجزکن آسمانی نظام مقرر فرمارہے تھے تو اس وقت سے۔اس بات کو طے فرمالیا تھا کہ وہ رسول وپیغامبر جسے وہ اپنی طرف سے کسی قوم واُمت تک آسمانی پیغام پہچانے کے لیے مبعوث فرمائیں گے اسے اعلیٰ ترین نفسیاتی اخلاقی وعقلی کمالات سے متصف ہونا چاہیے۔ تاکہ لوگ اس سے اخذ کریں، اور اس کی اقتدا کریں، اور اس سے سیکھیں، اور اس کی بات پر لبیک کہیں، اور اچھائیوں، مکارمِ اخلاق اور فضائل میں اس کے طریقے کو اپنائیں۔

اسی لیے نبوت اکتسابی چیز نہیں جسے انسان اپنی جدوجہد اور محنت سے حاصل کر سکے بلکہ وہ امورِ تکلیفیہ میں سے ہے جو انسان کو خدا کی طرف سے عطا کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ کسے رسول بنائیں اور اللہ ہی کو اس کا زیادہ علم ہے کہ انسانوں میں سے کس کو منتخب کرنا چاہیے تاکہ وہ ڈرانے اور بشارت دینے والے رسول وپیغامبر بنیں۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی مقتدیٰ وپیشوا ہیں:

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تاکہ آپ ہمیشہ ہمیشہ مسلمانوں کے لیے بہترین نمونہ واسوہ بنیں، اور تمام انسانیت کے لیے ہر جگہ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے روشنی کا مینار و پرسکون چاند ہوں:

((لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ)) الاحزاب۔۲۱ — تمہارے لیے رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے۔

نیز فرمایا:

((یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا	بے شک ہم نے آپ کو بھیجا ہے بطور گواہ اور بشارت دینے
وَّنَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا	والے اور ڈرانے والے کے۔ اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے

مُنِيرًا))۔ الاحزاب۔ ۴۵و۴۶ بلانے والے کے، اور بطور ایک روشن چراغ کے۔

اور اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی شخصیت میں اسلامی نظام وطریقے کی کامل ومکمل تصویر رکھ دی ہے، تاکہ آئندہ آنے والے لوگوں اور قوموں کے لیے آپ اپنے کمالِ اخلاق اور عظمتِ کردار میں زندہ و تابندہ نمونہ رہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ: آپ کا اخلاق قرآن کریم ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ جواب نہایت مختصر اور دقیق وجامع جواب ہے جس نے قرآن کریم کے محیط منہج اور عمدہ ترین اخلاق کے بنیادی اصولوں کو یکجا کر لیا ہے، واقعۃً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کے بیان کردہ محاسن وفضائل کے لیے ایک زندہ ترجمان، اور اس کی زندہ وتابندہ توجیہات ورہنمائیوں کی ایک متحرک تصویر تھے، بتلایئے کوئی ایسا شخص ہے جو اس کے اردگرد چکر لگا سکے یا یہ کہ اس کے عظیم ترین سمندر کے کسی نقطہ تک پہنچ سکے۔

نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے شرف وابدیت اور فخر کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ آپ خود اپنے بارے میں یہ اعلان فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ نے اپنی نگرانی میں آپ کی نشو ونما فرمائی اور آپ کو تربیت دی ہے اور خوب تربیت دی، تاکہ آپ ہمیشہ ہمیشہ جسموں کے لیے عافیت، اور عالم کے لیے سورج کی مانند، اور سمندر کی تاریکیوں میں روشن وچمکدار چاند کی طرح ہوں۔

عسکری اور ابن السمعانی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((أدبني ربي فأحسن تأديبي[1]))۔ میرے رب نے مجھے تربیت دی اور خوب تربیت دی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو تربیت دینے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ تعالیٰ کی خاص توجہ کا مرکز ہونے کی دلیل آپ کا نبوت سے قبل اور اس کے بعد نبوت کی اساسی صفات کے ساتھ متصف ہونا ہے۔

یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانۂ جاہلیت کے گناہوں ومعاصی میں سے کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا بلکہ آپ طہارت وپاکدامنی میں مشہور ومعروف تھے۔

رہا آپ کا سچا صادق وامین ہونا، تو اس زمانے کے لوگ آپ کو صادق وامین کے لقب سے پکارا کرتے تھے، اور یہی بات انہوں نے آپ سے لوگوں کے ایک عظیم مجمع میں کہی تھی کہ ہم نے آپ کو کبھی بھی جھوٹ بولنے والا نہ پایا۔

رہا آپ کا ذکی وسمجھدار ہونا تو اس میں تو کوئی آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فخر وشرافت اور ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہنے کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ آپ نے اپنی حسنِ تدبیر اور حکمت کے ذریعہ اپنی قوم کے لیے

---

[1] اس حدیث کی سند میں اگرچہ ضعف ہے لیکن اس کے معنی بالکل صحیح ہیں۔

حجرِ اسود لگانے کے وقت ایک مناسب تدبیر پیش کر کے قوم کو ایک ایسی تباہ کن جنگ سے بچا لیا جس کے انجام کو خدا کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

دعوت و تبلیغ کے اعتبار سے آپ کی حالت یہ تھی کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کو نیند اس وقت تک اچھی معلوم نہ ہوئی اور نہ زندگی میں مزا آیا اور نہ آپ کو سکون نصیب ہوا جب تک آپ نے امت کو دعوتِ اسلام پر لبیک کہتے اور اللہ کے دین میں داخل ہوتے نہ دیکھ لیا، قرآنِ کریم کی کتنی ہی آیات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس لیے نازل ہوئیں کہ آپ اپنے غم اور حزن وملال میں تخفیف کر دیں، اور اپنی دینی جد و جہد اور تبلیغ و دعوت میں سکون و نرمی سے کام لیں تاکہ حسرت و ملال کی بنا پر آپ اپنے کو ہلاک نہ کر بیٹھیں، اور آپ کا جسم امراض کا شکار نہ ہو جائے۔ ان آیات میں سے بعض یہ ہیں:

((فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا)) الکہف۔ ۶	سو کہیں آپ گھونٹ لیں گے اپنی جان کو پچھتا پچھتا کر ان کے پیچھے اگر وہ نہ مانیں گے اس بات کو۔

اور فرمایا:

((اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ))۔ القصص۔ ۵۶	جس کو آپ چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے البتہ اللہ ہدایت دیتا ہے اسے جس کے لیے اس کی مشیت ہوتی ہے۔

نیز فرمایا:

((فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ)) فاطر۔ ۸	سو ان پر افسوس کر کر کے کہیں آپ کی جان نہ جاتی رہے۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیغامِ الٰہی کی دعوت و تبلیغ اور اس میں ثبات و ثابت قدمی، صبر و استقلال اور اس سلسلہ میں مصائب و آفات کے برداشت کرنے اور مجاہدے میں ضرب المثل تھے، اسی طرح اولوالعزم پیغمبر اس وقت تک برابر جد و جہد اور مجاہدہ و جہاد کیا کرتے تھے جب تک کہ وہ اپنی قوم کو اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتا ہوا نہ دیکھ لیں۔

رہا وہ اسوہ اور نمونہ جو عبادت اور اخلاق کے سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے لیے پیش کیا تھا تو وہ اپنے مراتب کی بلندیوں اور کمال کی انتہا کو پہنچا ہوا تھا، اور جتنا جتنا زمانہ گزرتا جائے گا اور صدیاں بیتتی جائیں گی لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت اور عظیم الشان اخلاق کو اپنے لیے کامل نمونہ اور بہترین اسوہ اور ہدایت کن منارہ پائیں گے۔

عبادت کے سلسلہ میں آپ کے اسوہ و نمونہ ہونے کے سلسلہ میں امام بخاری و مسلم حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اتنا طویل قیام فرماتے کہ آپ کے پاؤں مبارک پر ورم آجاتا، اور جب

آپ سے عرض کیا گیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف نہیں فرما دیے ہیں؟ تو آپ ارشاد فرماتے: پھر کیا میں شکر گزار بندہ نہ ہوں؟!

اور امام بخاری و مسلم حضرت علقمہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض دنوں میں کچھ خصوصی عبادت کیا کرتے تھے؛ (یعنی اور دنوں سے زیادہ ان دنوں عبادت کرتے ہوں) تو انہوں نے فرمایا: جی نہیں! آپ کا ہر عمل دائمی تھا یعنی ہمیشہ عبادت میں لگے رہتے تھے، اور تم میں سے کون شخص ہے جو اتنی طاقت رکھتا ہو جتنی طاقت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رکھا کرتے تھے۔

اور اس طرح سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قلبِ اطہر اللہ جل شانہ کی محبت سے سرشار اور عبادت و اپنے رب سے سرگوشی میں مگن تھا چنانچہ آپ راتوں کو کھڑے رہتے، اور دن کا ایک حصہ بھی اسی مناجاتِ باری میں صرف فرماتے تھے اور آپ کو نماز میں لذت محسوس ہوتی تھی، اور عبادت میں آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھی، اور آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان چیزوں میں اپنے پیروی سے روکتے تھے جن چیزوں میں وہ آپ کی پیروی کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات ایک کام کرنا چاہتے تھے لیکن پھر اس خوف سے اس کو چھوڑ دیا کرتے تھے کہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کو کرتا دیکھ کر خود بھی کرنے لگیں اور پھر ان پر وہ فرض کر دیا جائے۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مسلسل روزے رکھے، دن رات میں کچھ نہ کھایا، دو یا تین دن مسلسل ایسا ہی کیا، یہ رمضان کے اخیر کا واقعہ ہے، آپ کو دیکھ کر دوسرے حضرات نے بھی کھائے پیئے بغیر مسلسل روزے رکھنا شروع کر دیے، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر ہمارے لیے یہ مہینہ دراز کر دیا جاتا تو ہم اس طرح سے مسلسل روزہ رکھتے کہ مبالغہ و تعمق کرنے والے اپنے غلو کو چھوڑ بیٹھتے، میں تم لوگوں کی طرح نہیں ہوں مجھے تو میرا رب کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے یعنی میری مدد فرماتا ہے اور طاقت و قوت دیتا ہے۔

اور بھلا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کے اس اعلیٰ ترین مرتبہ پر کیوں نہ فائز ہوں، اس لیے کہ آپ ہی تو اللہ تعالیٰ کے ان تمام احکامات کو نافذ کرنے والے تھے جن کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تھا مثلاً تہجد و عبادتِ شب و روز اور تسبیح و ذکر و دعاء وغیرہ:

((يَاأَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۝	اے کپڑوں میں لپٹنے والے رات کو (نماز میں) کھڑے
نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ۝ أَوْ زِدْ	رہا کیجیے مگر ہاں تھوڑی رات یعنی آدھی رات یا اس سے
عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۝ إِنَّا سَنُلْقِي	کچھ کم رکھیے یا اس سے کچھ بڑھا دیجیے، اور قرآن خوب

عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ۞ إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيلًا ۞))۔

المزمل ۔ ۶ تا ۵

صاف صاف پڑھیے ہم آپ پر عنقریب ایک بھاری کلام ڈالنے کو ہیں، بے شک رات کے وقت اٹھنے میں (دل وزبان کا) خوب میل رہتا ہے اور بات خوب ٹھیک نکلتی ہے۔

اور فرمایا:

((وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ عَسَىٰ أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا ۞))۔

بنی اسرائیل ۔ ۷۹

اور رات میں کچھ جاگتے رہیے قرآن کے ساتھ، یہ زیادتی ہے آپ کے لیے، قریب ہے کہ آپ کو آپ کا رب کھڑا کر دے مقامِ محمود میں۔

نیز فرمایا:

((وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۞ وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا))۔

الدھر ۔ ۲۵ و ۲۶

اور اپنے پروردگار کا نام صبح وشام لیتے رہیے، اور رات کے بھی کسی حصہ میں اسے سجدہ کیا کیجیے، اور اس کی تسبیح رات کے بڑے حصے میں کیا کیجیے۔

رہا اخلاقِ فاضلہ کے سلسلہ میں آپ کا مقتدیٰ واسوہ ہونا[1] تو اس سلسلہ میں میرے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ شریفہ اور آپ کی عمومی عظمت کے گوشوں سے متعلق ایک ایک نمونہ آپ کے سامنے پیش کردوں خواہ اس کا تعلق کرم وزہد سے ہو۔ یا اس کا ربط تواضع وحلم وبردباری سے ہو، یا قوت وشجاعت سے متعلق ہو، یا حسنِ سیاست اور اصول پر ثابت قدم رہنے سے متعلق ہو۔

رہا کرم وجود میں آپ کا اسوہ ونمونہ ہونا تو اس سلسلہ میں یہ آتا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام اس شخص کی طرح دیا کرتے تھے جسے فقر وفاقہ کا قطعاً اندیشہ نہ ہو۔ اور آپ تیز رفتار ہوا سے زیادہ سخی تھے۔ اور آپ سب سے زیادہ سخی رمضان المبارک کے مہینے میں ہوا کرتے تھے۔

حافظ ابو الشیخ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: مسلمان ہونے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی بھی کسی چیز کا سوال نہیں کیا گیا مگر یہ کہ آپ نے وہ ضرور عطا فرمائی، ایک صاحب نے آپ سے دو پہاڑیوں کے درمیان جگہ بھر کر بکریاں مانگیں، آپ نے انہیں وہ عطا فرما دیں، تو وہ اپنی قوم کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ لوگو مسلمان ہو جاؤ اس لیے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اس شخص کی طرح دل کھول کر دیتے ہیں جسے فقر کا قطعاً خوف نہ ہو۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی بھی کسی چیز کا سوال نہیں کیا گیا اور پھر یہ

---

[1] اخلاق میں مقتدیٰ ہونے کی بحث کا اکثر حصہ ہماری کتاب "حتی یعلم الشباب" سے کچھ تصرف کے ساتھ منقول ہے۔

ہوا ہو کہ آپ نے اس کے جواب میں: نہیں فرمایا ہو (یعنی آپ سے جو چیز مانگی جاتی تھی آپ وہ عطا فرما دیتے تھے)۔

رہا زہد وورع میں آپ کا اسوہ ومقتدی ہونا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ چٹائی پر تشریف فرما تھے۔ اور اس کے نشانات آپ کے پہلو پر پڑ گئے تھے، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول اگر ہم آپ کے لیے کوئی ایسا گدا بنوالیں جو آپ چٹائی پر بچھالیا کریں جس کی وجہ سے آپ چٹائی (کی سختی) سے محفوظ رہیں؟! آپ نے ارشاد فرمایا: میرا دنیا سے کیا واسطہ۔ میری اور دنیا کی مثال تو بالکل ایسی ہے جیسے کوئی سوار کسی درخت کے سایے میں بیٹھ جائے اور پھر اسے چھوڑ کر وہاں سے چلا جائے۔ اور آپ ہی وہ ذات ہیں جنہوں نے اللہ سے یہ درخواست کی کہ اے اللہ آلِ محمد کا رزق بقدرِ ضرورت مقرر کر دیجیے۔

اور ابن جریر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سے مدینہ منورہ تشریف لائے اس وقت سے وفات تک آپ نے مسلسل تین دن بھی پیٹ بھر کر گیہوں کی روٹی تناول نہیں فرمائی۔

اور امام احمد حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کی روٹی کا ایک ٹکڑا دیا تو نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ان سے فرمایا: یہ وہ پہلی خوراک ہے جو تمہارے والد نے تین دن میں کھائی ہے۔

اور بھلا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زہد و دنیا سے بے رغبتی کے اعلیٰ مرتبہ پر کیوں نہ فائز ہوں اس لیے کہ آپ ہی تو اس حکم کو نافذ کرنے والے ہیں جو اللہ نے آپ سے نافذ کرانا چاہا تھا اور وہ حکم اللہ کا آپ سے یہ فرمانِ مبارک ہے:

((وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ○)).	اور ہرگز آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیے ان چیزوں کی طرف جن سے ہم نے ان کے گروہوں کو متمتع کر رکھا ہے۔ ان کی آزمائش کے لیے، کہ وہ محض دنیوی زندگی کی رونق ہے، اور آپ کے پروردگار کا عطیہ کہیں بہتر ہے اور دیرپا ہے۔
طٰہٰ ۔ ۱۳۱	

ہمیں یہ بات خوب اچھی طرح سے ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو زہد اختیار فرمایا تھا یہ فقر و فاقہ ہاتھ کی تنگی یا کھانے پینے کی اشیاء کی کمی کی وجہ سے نہیں تھا۔ اور اگر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی راحت کی چیزیں پسند کرتے اور دنیا کی نعمتوں کی فراوانی چاہتے۔ اور دنیا کی آسائشوں سے مستفید ہونا چاہتے، تو دنیا اور اس کی تمام چیزیں بنسی خوشی ذلیل و رسوا ہو کر آپ کے قدموں میں ہوتیں لیکن بات یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اختیاری فقر و زہد میں بعض مصلحتیں اور بہت سی حکمتیں تھیں، جن میں سے اہم اور ظاہر حکمتیں درج ذیل ہیں:

- آپ یہ چاہتے تھے کہ مسلمان قوموں کو اپنے اس زہد سے تعاون۔ ایثار اور مال کے خرچ کرنے کے مفہوم کو سمجھا دیں۔

امام بیہقی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

مسلسل تین دن پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا، اور اگر ہم چاہتے تو خوب پیٹ بھر کر کھا سکتے تھے لیکن آپ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیا کرتے اور ایثار فرماتے تھے۔ اور اس سے قبل ہم یہ بھی ذکر کر چکے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کی طرح دل کھول کر دیتے تھے جسے فقر کا خوف نہ ہو۔

- آپ نے یہ چاہا کہ آنے والی مسلم برادریوں کو قناعت پسند ضرورت پر اکتفا کرنے والی زندگی نمونہ کے طور پر دکھلا دیں، تاکہ وہ دنیا کی زیب وزینت اور حشر سامانیوں میں پھنس کر اپنے فریضۂ دعوت وارشاد واعلاء کلمۃ اللہ سے محروم نہ ہو جائیں، اور ایسا نہ ہو کہ ان پر دنیا کی خوب بہتات ہو جائے اور پھر دنیا ان کو اسی طرح ہلاک کر دے جیسے ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو تباہ وبرباد کیا۔

- آپ نے یہ چاہا کہ وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے یعنی منافقین وکفار اور اعداء اسلام ان پر واضح کر دیں کہ آپ جس دین ودعوت کو لے کر آئے ہیں اور لوگوں کو جس طرف بلا رہے ہیں اس سے آپ کا مقصد نہ مال کا جمع کرنا ہے اور نہ دنیا کی فانی زیب وزینت اور دنیا کی ختم نہ ہونے والی لذت کی چیزیں، اور نہ اس کی نعمتیں وآسائشیں، اور نہ آپ دین کے نام سے دنیا کمانا چاہتے ہیں، بلکہ آپ کا مقصد وحید اللہ تعالیٰ سے اجر وثواب کا حاصل کرنا ہے۔ اور آپ یہ چاہتے ہیں کہ جب آپ اللہ کے دربار میں حاضر ہوں تو دنیا کی فانی چیزوں میں سے آپ کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔ اور آپ کا شعار بھی وہی تھا جو آپ سے قبل دوسرے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا تھا:

((وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۗ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ)). ہود۔ ۲۹	اور اے میری قوم میں تم سے اس پر کچھ مال نہیں مانگتا، نہیں میری مزدوری مگر اللہ پر۔

رہا تواضع میں آپ کا مقتدیٰ واسوہ ہونا تو جو لوگ آپ کے زمانے میں تھے اور جو آپ کے ساتھ کبھی بھی ملے اور اکٹھا ہوئے ہیں ان سب کا اس بات پر اتفاق ہے، اور وہ سب یک زبان ہو کر بتلاتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو سلام کرنے میں خود پہل کیا کرتے تھے، اور جس سے آپ بات کرتے خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کی طرف آپ پورے متوجہ ہو جایا کرتے تھے، اور جب کسی سے مصافحہ کرتے تو جب تک وہ خود اپنا ہاتھ نہ کھینچے آپ اپنا ہاتھ نہیں کھینچتے تھے۔ اور جب اپنے صحابہ کے پاس جاتے تو مجلس میں جہاں جگہ ہوتی تھی وہیں بیٹھ جایا کرتے تھے، اور آپ خود بازار جاتے تھے، اور سامان خود اٹھایا کرتے تھے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اس کے اٹھانے کا زیادہ حقدار ہوں۔ اور مزدور وکاریگروں والا کام کرنے سے بھی آپ نے کبھی ناک بھوں نہیں چڑھائی چاہے مسجد کی تعمیر ہو یا خندق کا کھودنا، اور آپ آزاد لوگوں کی دعوت بھی قبول فرماتے تھے اور غلام وباندیوں کی بھی، اور اگر کوئی عذر پیش کرے تو آپ اسے قبول فرمالیا کرتے تھے، اور آپ اپنے کپڑوں میں خود پیوند لگاتے تھے، خود جوتے گانٹھتے تھے اور گھر کے کام کاج کیا کرتے تھے، اور اپنے اونٹ کو خود باندھا کرتے تھے، اور خادم کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔ اور ضرورتمندوں، کمزوروں اور فقراء کی حاجت روائی فرماتے تھے، اور زمین پر بیٹھ جایا کرتے تھے۔

اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام تواضع کی اس معراج پر کیوں نہ ہوتے جب کہ خود اللہ جل شانہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا یہ پیغام نازل فرمایا ہے:

((وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ)). الشعراء - ۲۱۵

اور جو مسلمانوں میں داخل ہو کر آپ کی راہ میں چلے تو آپ اس کے ساتھ (مشفقانہ) فروتنی سے پیش آیئے۔

حلم و بردباری میں آپ کا مقتدیٰ و نمونہ ہونا، نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام حلم و بردباری کی آخری منزل کو پہنچے ہوئے تھے خواہ آپ کی بردباری اس وقت ہو جب بدو اعرابی آپ کے ساتھ درشتی اور بدسلوکی سے پیش آتے تھے، یا اس وقت جب فتح و کامیابی نے آپ کے قدم چومے تو اس وقت آپ نے دشمنوں کی خودسری اور تکبر کے بدلے میں حلم و بردباری سے کام لیا۔

اعراب و بدوؤں و دیہاتیوں کی بدسلوکی پر آپ کے حلم و بردباری کے سلسلہ میں میرے لیے صرف اتنی بات کافی ہے کہ میں سیرت کی کتابوں میں مذکور بہت سی مثالوں میں سے درج ذیل مثال پیش کر دوں چنانچہ لکھا ہے کہ امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا، آپ نے موٹی کناری والی نجرانی چادر اوڑھی ہوئی تھی، ایک اعرابی بدو آپ کے پاس آئے اور آپ کی چادر پکڑ کر زور سے آپ کو کھینچ لیا، میں نے دیکھا کہ اس اعرابی کے زور سے چادر کھینچنے کی وجہ سے آپ کے کاندھے پر چادر کے کنارے کا نشان بن گیا تھا، یہ حرکت کرنے کے بعد اس بدو نے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے پاس اللہ کا دیا ہوا جو مال ہے اس میں سے مجھے بھی دینے کا حکم دے دیجیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہوئے مسکرائے اور اس کو عطیہ دینے کا حکم دے دیا۔

دشمنوں پر فتح و نصرت حاصل کرنے کے بعد آپ نے جس حلم و بردباری سے کام لیا، اس کے جاننے کے لیے ہمیں آپ کا ان اہل مکہ کے ساتھ برتاؤ دیکھنا چاہیئے جنہوں نے آپ کو خوب ایذائیں دیں، اور خوب تنگ کیا، اور آپ کے شہر سے آپ کو نکال دیا، اور آپ کو قتل کرنے کی سازش کی، اور آپ پر ہر طرح کے جھوٹے الزامات و اتہامات لگائے لیکن ایسے سرکشوں کے ساتھ آپ نے کیا معاملہ کیا؟ وہ ہم آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں تاکہ ہر آنکھیں رکھنے والے کو آپ کی شریف ذات، آپ کے عفو و درگزر اور حلم و بردباری کے آئینہ میں صاف نظر آجائے (ذرا دیکھیے تو آپ ایک فاتح کی حیثیت سے ایک ایسے عظیم الشان لشکر کے ساتھ جس کی نظیر جزیرۂ عرب والوں نے اس سے قبل نہ دیکھی ہو گی، ایسے لشکر کو آپ مکہ کی سرزمین پر لے کر داخل ہو رہے ہیں ان کے گھوڑے اس زمین پر قدم رکھ رہے ہیں۔ آپ کو دیکھیے کہ پورا ملک آپ کے رحم و کرم پر ہے۔ آپ سب سے عفو و درگزر کرتے ہیں۔ وہ سردار و لیڈر جو زمین میں فساد پھیلانے میں پیش پیش تھے اور انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طرح طرح حرکتیں کی تھیں، ان سب کو اچھائی اور احسان کا بدلہ دیا جا رہا ہے، اور ان کے

ساتھ عفو ودرگزر اور معافی کا معاملہ کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ ایسے موقعہ پر دوسرے حکام تو ایسے مفسدوں وسرکشوں کا علاج سوائے گردن اڑانے کے اور کوئی نہیں کرتے)[1] لیکن نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کے ساتھ سوائے اس کے اور کچھ نہ کیا کہ انہیں یکجا جمع کیا، انہیں امید دلائی اور امان دیا، اور ان سے اپنا یادگار جملہ فرمایا: بتلاؤ تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کروں گا؟ انہوں نے عرض کیا کہ آپ شریف بھائی ہیں، اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا: جاؤ تم سب کے سب آزاد ہو، سب کو معاف کیا جاتا ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حلم وبردباری کے اس بلند ترین مرتبہ میں کیوں نہ ہوں جب کہ اللہ تعالیٰ آپ پر یہ آیت نازل فرما چکے ہیں:

((خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ)). اعراف۔ ۱۹۹ — درگزر کی عادت کیجیے اور نیک کام کرنے کا حکم کیجیے اور جاہلوں سے کنارہ کیجیے۔

((فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ)). الحجر۔ ۸۵ — سو کنارہ کیجیے اچھی طرح کنارہ کرنا۔

رہا جسمانی طاقت میں آپ کا مقتدیٰ ہونا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کشتی کرنے والے پہلوانوں اور اولوالعزم لوگوں کے لیے قوت، گرفت، اور قوتِ نافذہ میں اعلیٰ ترین مثال پیش کر کے دکھائی۔

اور یہ بات کیوں نہ ہو جب کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے پہلوانوں کے سردار رُکانہ کو تین مرتبہ پچھاڑ دیا تھا، اور تیسری مرتبہ پچھڑنے کے بعد رکانہ نے آپ سے عرض کیا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ آپ وہ ذات ہیں جس نے جنگِ احد میں اُبَی بن خلف کے سینے پر نیزہ مارا تو وہ درد سے نڈھال ہو کر اپنے گھوڑے سے نیچے گر پڑا اور کہنے لگا: اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے اوپر صرف تھوک ہی دیتے تو بھی آپ مجھے قتل کر دیتے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خندق کھودتے ہوئے جب ایک چٹان پر پہنچے تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ ایک ایسی سخت چٹان کو آپ ریزہ ریزہ کر دیں جس پر قوتِ بازو اور کدالیں اثر نہ کر سکیں۔

اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ صورتِ حال ہی یہ تھی کہ آپ کی قوتِ جسمانی اور دل کی مضبوطی اور اعصاب کی طاقت کو دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ میں آجایا کرتے تھے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قوت وطاقت کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر کیوں نہ فائز ہوں جب کہ آپ خود یہ ارشاد فرماتے ہیں: طاقتور مؤمن بہتر اور اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے کمزور وضعیف مؤمن سے ملاحظہ ہو صحیح مسلم۔

اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام عزم کی پختگی اور جسم کی قوت میں خود کو دوسروں کے لیے مقتدیٰ ونمونہ بنا کر کیوں نہ پیش کریں، جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر درج ذیل آیت صراحت سے نازل فرمائی ہے:

---

[1] ملاحظہ ہو شیخ عبدالرحمٰن عزام کی کتاب بطل الأبطال (ص۔ ۵۵)۔

﴿ وَاَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ ﴾۔ الانفال۔ ۶۰ اور تیار کرو ان کی لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کر سکو قوت سے۔

رہا بہادری وشجاعت میں آپ کا مقتدیٰ ہونا، تو اس باب میں آپ کا ہم سر کوئی تھا ہی نہیں (لیجیے آپ کو دو واقعات ایسے بتلا دیتا ہوں جو کسی بہادر کی بہادری کے لیے اعلیٰ ترین نمونہ ہیں:

الف۔ ایک رات اہل مدینہ کسی خوفناک چیز سے دہشت زدہ ہو گئے، جس طرف سے آواز آئی تھی اس جانب کچھ لوگ چل دیے راستہ میں انہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف سے واپس آتے ہوئے ملے، آپ ان سے پہلے ہی اس جانب جا چکے تھے اور حضرت ابوطلحہ کے ایک بے زین کے گھوڑے پر سوار ہو کر اس خبر کی تحقیق کر چکے تھے. تلوار آپ کی گردن میں لٹکی ہوئی تھی اور آپ یہ فرما رہے تھے کہ گھبراؤ نہیں ڈرو مت۔

ب۔ جنگ حُنین کے موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر پر کھڑے ہو گئے. لوگ اس وقت اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے، آپ نے فرمایا:

أنا النبي لا كذب أنا ابن عبد المطلب

میں نبی ہوں جھوٹا نہیں ہوں میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں

اس روز آپ سے زیادہ ثابت قدم اور دشمن میں گھسنے والا اور کوئی شخص نہ تھا.

طویل تاریخ میں سے میں نے صرف ان دو واقعات کا انتخاب اس لیے کیا ہے کہ ان میں سے پہلا واقعہ وہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطرے کی جگہ کی جانب اور لوگوں سے پہلے چلے گئے، اور دوسرے واقعے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی نازک وخطرناک موقعہ پر ایک ایسے وقت جب کہ آپ کے ساتھی آپ کے پاس سے بھاگ چکے ہوں پھر بھی آپ ثابت قدم رہے، جن لوگوں کو جنگ کے علم وفن سے تعلق ہے وہ جانتے ہیں کہ ان دو واقعات سے بہادری کا امتحان لیا جاتا ہے. اور بہادری کو پہچانا جاتا ہے، اس لیے کہ جب خوف غالب آچکا ہو اور رعب طاری ہو گیا ہو اس وقت خطرناک جگہ کا رخ کرنا اور ہلاکت کی جگہ ڈٹے رہنا نفس پر بڑا شاق وتکلیف دہ ہوتا ہے[۱])۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطرناک مواقع پر بہادر و آگے بڑھنے والے کیوں نہ ہوں جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر اپنا یہ ارشاد نازل فرمایا ہے:

﴿ فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ ﴾۔ النساء۔ ۸۴ سو آپ اللہ کی راہ میں لڑیے آپ ذمہ دار نہیں مگر اپنی جان کے اور تاکید کیجیے مسلمانوں کو۔

نیز فرمایا:

---

[۱] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہادری وشجاعت کے ان دونوں واقعوں کو شیخ عزام کی کتاب "بطل الأبطال" سے لیا گیا ہے۔

((اَتَخۡشَوۡنَهُمۡ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنۡ تَخۡشَوۡهُ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۝))، التوبہ۔۱۳

کیا ان سے ڈرتے ہو تم کو اللہ کا ڈر زیادہ چاہیے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

حسنِ تدبیر و سیاست میں آپ کا مقتدیٰ ہونا۔ اس باب میں آپ تمام لوگوں کے لیے ضرب المثل تھے چاہے وہ چھوٹے ہوں یا بڑے۔ مومن ہوں یا کافر، عوام ہوں یا خواص، اور ہر موقعہ پر کامیابی آپ کے قدم چومتی تھی۔ اس لیے کہ فطری طور سے آپ میں عمدہ اخلاق رکھ دیے گئے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حسنِ تدبیر و حسنِ سیاست اور تمام امور کو ان کی جگہ پر رکھنے کا خاص ملکہ دیا گیا تھا۔

تاریخ نے جن بے شمار مثالوں کو اپنے خزانے میں محفوظ کر رکھا ہے ان میں سے ایک عظیم نمونہ آپ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ تاکہ آپ کو وہ حکیمانہ سیاست معلوم ہو جائے جو آپ کی سمجھداری و عظیم اخلاق سے وجود میں آ رہی تھی۔

غزوۂ حنین کے بعد نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے جب قریش و دیگر عرب قبیلوں کو انعامات دیے اور انصار کو کچھ نہ دیا تو اس سلسلہ میں انصار میں کھسر پھسر ہونے لگی، حتیٰ کہ بعض نے کہا: بخدا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اپنی قوم سے مل گئے ہیں اس موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو جمع کیا اور فرمایا: اے انصار کی جماعت یہ کیا بات ہے جو مجھے تمہاری طرف سے پہنچی ہے؛ اور یہ کیا چیز ہے جو تمہاری نفوس میں پیدا ہو رہی ہے؟ بتلاؤ کیا تم گمراہ نہ تھے اور اللہ نے تمہیں ہدایت دی، کیا تم فقراء نہ تھے اللہ نے تمہیں غنی بنایا، کیا تم ایک دوسرے کے دشمن نہ تھے پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کی؟ انہوں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول کا ہم پر بہت بڑا فضل و احسان ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: اے انصار کی جماعت تم لوگ بتلاتے کیوں نہیں ہو؟ انہوں نے عرض کیا: ہم کیا بتلائیں؟ اللہ اور اس کے رسول کا ہم پر فضل و احسان ہے، آپ نے ارشاد فرمایا، بخدا اگر تم لوگ چاہتے تو یہ کہہ سکتے تھے اور سچ کہتے اور اس بات میں تمہاری تصدیق بھی کی جاتی کہ تم مجھ سے یہ کہتے: آپ جب ہمارے پاس آئے تو اس وقت اور لوگوں نے آپ کو جھٹلایا تھا اور ہم نے آپ کی تصدیق کی، لوگوں نے آپ کو تنِ تنہا چھوڑ دیا تھا ہم نے آپ کی نصرت کی، لوگوں نے آپ کو شہر بدر کر دیا تھا ہم نے آپ کو جگہ دی، آپ غریب تھے ہم نے آپ سے غم خواری کی، اے انصار کی جماعت کیا تم دنیا کے اس تھوڑے سے مال و دولت کی وجہ سے ناراض ہو جو میں نے بعض قوموں کو اس لیے دیا ہے تاکہ ان کی تالیفِ قلب ہو اور وہ مسلمان ہو جائیں، اور مجھے تمہارے اسلام پر اعتماد و بھروسہ تھا، کیا تم اس سے خوش نہیں ہو کہ اور لوگ تو اونٹ و دنبے بھیڑ لے کر جائیں اور تم اپنے گھر اللہ کے رسول کو لے کر جاؤ؟! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار میں کا ایک فرد ہوتا، اور اگر دوسرے اور تمام لوگ ایک گھاٹی میں چلیں اور انصار دوسری گھاٹی میں تو میں انصار کی گھاٹی میں چلوں گا، اے اللہ انصار پر رحم فرما اور ان کی اولاد پر اور انصار کی اولاد کی اولاد پر بھی رحم فرما، یہ سن کر وہ حضرات اس قدر روئے کہ ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔ اور انہوں نے عرض کیا، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم اور اپنے

حصہ پر راضی وخوش ہیں۔

یہ اخلاص سے پُر وہ سچے کلمات ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک سے نکلے، اور آپ کی زبان نے ان کی ترجمانی کی اور یہ کلمات انصار کے دلوں میں گھر کر گئے، جنہوں نے ان کی نفوس کو فرشتوں کی صف میں کھڑا کر دیا، اور فتنہ کو اس کی موت مار دیا، اور انصار کی نفوس کو حق کے پہچاننے اور حکمت کے سمجھنے کے لیے بیدار کر دیا، یہ کلمات ہمیں بتلا رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کی بڑی مصلحت و فائدے اور اسلام کی نصرت و غلبہ اور تالیفِ قلب کے لیے کس طرح لوگوں کو یکجا جمع کیا کرتے تھے تاکہ مسلمانوں کو توحید کے سایہ تلے اسلام کے جھنڈے کے نیچے عظیم وحدت حاصل ہو جائے۔

اور اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان عظیم صفات سے متصف نہ ہوتے۔ اور اللہ تعالیٰ آپ کو یہ سمجھ و ذکاوت اور ایسی سیاسی سوجھ بوجھ نہ دیتے تو نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام ہرگز بھی مدینہ منورہ میں اسلامی حکومت قائم نہ کر سکتے تھے، اور تمام جزیرۂ عرب آپ کی محبت سے سرشار اور دوستی کا گرویدہ نہ ہوتا۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حسنِ سیاست اور اچھے معاملے میں مقتدیٰ و نمونہ کیوں کر نہ ہوں جب کہ آپ اس سیاست میں اپنے رب کے اس امر کے پیرو تھے جو اس نے آپ کو اس سیاست اور اس ممتاز معاملہ کے اختیار کرنے کے سلسلہ میں دیا تھا۔ ملاحظہ فرمائیے اللہ جل شانہٗ نے اس سلسلہ میں آپ کو کس طرح خطاب فرمایا اور کس طرح نصیحت فرمائی ارشاد ہے:

((فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ))۔ آلِ عمران - ۱۵۹	سو کچھ اللہ ہی کی رحمت ہے کہ آپ ان کو نرم دل مل گئے اور اگر آپ تند خو سخت دل ہوتے تو متفرق ہو جاتے آپ کے پاس سے سو آپ ان کو معاف کیجیے اور ان کے لیے بخشش مانگیے اور کام میں ان سے مشورہ لیجیے، پھر جب آپ اس کام کا قصد کر چکیں تو اللہ پر بھروسہ کریں، اللہ کو توکل والوں سے محبت ہے۔

رہا اپنے موقف پر ثابت قدم رہنے کے سلسلہ میں آپ کا مقتدیٰ ہونا، تو یہ بات آپ کی صفات میں سے نہایت نمایاں صفت تھی، اور آپ کی عادات میں سے فطری عادت تھی، اور اس موضوع پر دلیل پیش کرنے کے لیے ہمارے لیے اتنی بات کافی ہے کہ ہم آپ کا وہ عظیم موقف پیش کر دیں جو آپ نے اپنے چچا کے ساتھ اس وقت اختیار کیا تھا جب آپ کو یہ گمان ہوا تھا کہ شاید آپ کے چچا آپ کو دشمنوں کے حوالے کر دیں گے اور آپ کے تعاون سے کنارہ کش ہو جائیں گے، اور مدد سے ہاتھ کھینچ لیں گے۔ ایسے موقعہ پر ہم ایک لحظہ کے لیے ٹھہر جاتے ہیں، تاکہ حق ایمان اور موقف پر ڈٹ جانے سے متعلق ان کلمات کو سن لیں

جو دائمی و ابدی دینِ اسلام کے پیغامبر کی زبانِ مبارک سے نکلتے ہیں، تاکہ دنیا کے سامنے اعلان کر دیں کہ دیکھو یقین و ثابت قدمی کیسی ہوتی ہے، اور قربانی اور جاں نثاری کیا ہے، اور اللہ کے دین کی دعوت دینے والوں کو کیا ہونا چاہیئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

اے میرے چچا بخدا اگر یہ لوگ سورج کو میرے دائیں ہاتھ میں اور چاند کو بائیں ہاتھ میں اس لیے رکھ دیں کہ میں اس دین کی دعوت کو چھوڑ دوں تو میں اسے اس وقت تک ہرگز نہیں چھوڑ سکتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ اسے غلبہ عطا نہ کرے یا پھر میں اس کے لیے اپنی جان قربان نہ کر دوں، اور پھر نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام وہاں سے کھڑے ہوئے اور رونے لگے، جب آپ کے چچا نے آپ کے اس عزمِ صادق کو دیکھا اور یہ سمجھ لیا کہ آپ اس دین کی دعوت میں ثابت قدم رہیں گے اور کسی شخص یا انسان کی پرواہ کیے بغیر اس دعوت کے راستے پر گامزن رہیں گے، تو انہوں نے آپ کو آواز دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا : اے میرے بھتیجے جاؤ جو چاہے کہو اب میں تمہیں کبھی بھی کسی کے حوالے نہیں کروں گا، اور پھر انہوں نے درجِ ذیل اشعار پڑھے :

واللہ لن یصلوا إلیك بجمعهم	حتی أوسد فی التراب دفینا
بخدا وہ سب کے سب مل کر بھی آپ تک اس وقت تک نہیں پہنچ سکتے	جب تک کہ میں مٹی میں مدفون نہ ہو جاؤں
فاصدع بأمرك ما علیك غضاضة	وابشر بذاك وقر منه عیونا
آپ اپنا کام کرتے رہیں آپ کے لیے کوئی ذلت نہیں ہے	اور آپ یہ سن کر خوش ہو جائیں اور آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جانا چاہیئے
ودعوتنی وزعمت أنك ناصحی	ولقد صدقت وکنت ثم أمینا
آپ نے مجھے دعوت دی اور آپ نے یہ سمجھا کہ آپ میری خیر خواہی کر رہے ہیں	آپ نے بالکل سچ کہا اور آپ بالکل امین ہیں
وعرضت دیناً لا محالة أنه	من خیر أدیان البریة دینا
اور آپ نے ایک دین پیش کیا جو بلاشبہ	مخلوق کے دینوں میں سب سے بہترین دین ہے
لولا الملامة أو حذار مسبة	لوجدتنی سمحاً بذاك مبینا
اگر ملامت کا خوف یا گالم گلوچ کا ڈر نہ ہوتا تو	آپ مجھے اس کا قبول کرنے اور اس کا بیان کرنے والے پاتے

اپنے اصول و موقف پر ثابت قدمی کی اس سے بڑھ سے اور کوئی مثال ہو سکتی ہے؟ اور اس امتحان سے بڑھ کر ایمان کا اور کون سا بڑا امتحان ہو سکتا ہے؟ اگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس موقف کے علاوہ اور کوئی بھی موقف نہ ہوتا تو صرف یہی موقف قیامت تک ہمیشہ ہمیشہ کے لیے فخر و شرافت و دوام کے لیے کافی و وافی تھا۔

اور اپنے موقف پر ڈٹ جانے اور ثابت قدمی کی اس ممتاز و نمایاں صفت کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں نہ متصف ہوں جبکہ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی درجِ ذیل آیاتِ کریمہ نازل فرما چکے ہیں :

((فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ)) الاحقاف۔۳۵ — آپ صبر کیجیے جیسا کہ ہمت والے پیغمبروں نے صبر کیا تھا۔

اور فرمایا:

((أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۚ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ ۗ)). البقرہ۔۲۱۴

کیا تم کو یہ خیال ہے کہ جنت میں چلے جاؤگے حالانکہ تم پر ان لوگوں جیسے حالات نہیں گزرے جو تم سے پہلے گزر چکے کہ ان کو سختی اور تکلیف پہنچی اور جھڑ جھڑائے گئے یہاں تک کہ رسول اور جو ان کے ساتھ ایمان لائے وہ کہنے لگے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی سن رکھو کہ اللہ کی مدد قریب ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عالی اخلاق وصفات کا جو حصہ ہم نے پیش کیا ہے درحقیقت یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وبڑائی کے ذخیرے میں سے ایک معمولی سا ٹکڑا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کے سمندر میں سے ایک چلو ہے، کیا کوئی شخص اس عظیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کو شمار کر سکتا ہے یا ان کے شاندار امتیازات واوصاف کا احاطہ کر سکتا ہے، جب کہ خود اللہ تعالیٰ سبحانہ ان کا وصف نہایت عجیب صفت سے بیان فرما رہے ہیں۔ اور اس یادگار ابدی صفت سے مخصوص فرماتے ہیں:

((وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ)). القلم۔۴ — اور بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ مرتبہ پر ہیں۔

اللہ تعالیٰ بوصیری پر رحم فرمائے انہوں نے خوب کہا ہے

دع ما ادعته النصاری فی نبیھم — واحکم بما شئت مدحاً فیه واحتکم

وہ دعویٰ تو چھوڑ دیں جو نصاریٰ نے اپنے انبیاء کے بارے میں کیا — اور آپ کی مدح میں اور جو چاہیں کہیں اور فیصلہ کریں

وانسب إلی ذاته ما شئت من شرف — وانسب إلی قدرہ ما شئت من عظم

آپ کی ذات کی جانب جس شرافت کی چاہیے نسبت کردیجیے — اور آپ کے مرتبہ کی طرف جس بڑائی کو چاہیے منسوب کردیجیے

فإن فضل رسول اللہ لیس له — حد فیعرب عنه ناطق بفم

اس لیے کہ اللہ کے رسول کے فضل وکمال کی — کوئی حد نہیں ہے کہ جس کو کوئی اپنی زبان سے بیان کر سکے

فمبلغ العلم فیه أنه بشر — وأنه خیر خلق اللہ کلهم

آپ کے بارے میں منتہائے علم یہ ہے کہ آپ ایک بشر ہیں — اور آپ اللہ کی تمام مخلوق میں سب سے بہتر ہیں

اور جب اللہ جل شانہ نے خود ہی اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عظیم اخلاق سے مالا مال کیا تھا، اور اس اسوۂ حسنہ کے ساتھ امتیاز عطا فرمایا تھا تو پھر فطری بات ہے کہ لوگوں کے دل آپ کی طرف کھنچیں، اور لوگ آپ کی اقتدا کریں، اور لوگ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت میں اپنے لیے کامل نمونہ اور اپنی دینی و دنیوی اور معاشرتی زندگی سے تعلق رکھنے والی ہر چیز میں اعلیٰ ترین مثال و نمونہ پائیں، بلکہ وہ لوگ جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ دیکھا ہے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اکٹھا جمع ہوئے ہیں وہ آپ پر ایمان و محبت میں اور زیادہ آپ کے گرویدہ تھے، بلکہ وہ حضرات جب تک آپ کا چہرۂ انور نہ دیکھ لیتے تھے اس وقت تک انہیں صبر نہیں ہوتا تھا، اور ان کی طبیعت اس وقت تک خوش نہیں ہوتی تھی جب تک ان کی آنکھیں آپ کی زیارت باسعادت سے بہرہ ور نہ ہوجائیں، اس لیے کہ ان کو آپ سے بے پناہ محبت اور بے انتہا تعلق تھا۔ امام بغوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت کیا کرتے تھے اور آپ کی دوری ان کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ وہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کا رنگ متغیر تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تمہارا رنگ کیوں متغیر ہے؟! انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول مجھے نہ کوئی بیماری ہے اور نہ کوئی اور تکلیف، البتہ بات صرف اتنی ہے کہ میں اگر آپ سے ملاقات نہ کروں تو جب تک آپ کا دیدار نہ کرلوں مجھ پر عجیب قسم کی وحشت طاری رہتی ہے، پھر جب میں آخرت کو یاد کرتا ہوں تو مجھے یہ خوف ہوتا ہے کہ میں شاید آپ کو وہاں نہ دیکھ سکوں، اس لیے کہ آپ تو انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے ساتھ بلند و بالا مراتب میں ہوں گے، اور میں اگر جنت میں داخل بھی ہوگیا تو میں آپ سے تو کمتر درجہ میں ہی ہوں گا، اور اگر بالفرض جنت میں داخلہ نہ ملا تو پھر کبھی بھی آپ کا دیدار نہ کرسکوں گا، اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ	اور جو کوئی حکم مانے اللہ کا اور اس کے رسول کا سو وہ ان
اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ	کے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا کہ وہ نبی اور صدیق
وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾ النساء ۶۹	اور شہید اور نیک بخت ہیں، اور اچھی ہے انکی رفاقت۔

مخلصانہ قلبی محبت ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ ان حضرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو اپنی جانوں کی محبت پر فوقیت دی، اس سلسلہ کا واقعہ حضرت زید بن الدثنہ رضی اللہ عنہ کا ہے جیسا کہ اس کو بیہقی حضرت عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا جب مشرکین نے حضرت زید بن الدثنہ کو مقام تنعیم میں قتل کرنے کے لیے حرم سے باہر نکالا تو راستے میں ان کی ملاقات حضرت خبیب بن عدی انصاری رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو مصائب و تکالیف پر صبر و ثابت قدمی کی وصیت کی، ابوسفیان جو اس وقت تک مشرک تھے انہوں نے زید بن الدثنہ سے کہا: اے زید میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں بتلاؤ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اس وقت تمہاری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے پاس ہوں اور ان کی گردن اڑا دی جائے اور تم اپنے بیوی بچوں کے ساتھ مزے کرو؟! حضرت زید نے فرمایا: بخدا مجھے تو یہ بھی پسند نہیں کہ اس وقت جس جگہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں وہاں انہیں ایک کانٹا بھی لگے اور میں اپنے گھر میں بیٹھا ہوں، ابوسفیان نے کہا: میں نے کسی کو بھی کسی سے ایسی

محبت کرتے نہیں دیکھا جو محبت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کرتے ہیں۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اپنے قتل ہونے کو اس پر ترجیح دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذرا سی بھی ایذا و تکلیف پہنچے۔

حافظ زُرقانی لکھتے ہیں: ایک روایت میں آتا ہے کہ ان (کفار نے) حضرت خُبیب رضی اللہ عنہ کو قسم دی، تو انہوں نے فرمایا: بخدا مجھے تو یہ بھی پسند نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے بدلے میں اپنے پاؤں میں ایک کانٹا لگا کر فدیہ دیں۔

اسی قبیل سے وہ واقعہ بھی ہے جو بیہقی و ابن اسحاق روایت کرتے ہیں کہ ایک انصاری عورت کے باپ، بھائی اور شوہر کو جنگِ احد میں شہید کر دیا گیا جب ان کو اس حادثہ کی خبر ملی تو انہوں نے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے بتلایا: الحمد للہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا آپ چاہتی ہیں بخیریت ہیں، انہوں نے عرض کیا: مجھے دکھلاؤ تاکہ میں آپ کا دیدار کر لوں، اور پھر جب انہوں نے آپ کو دیکھ لیا تو کہنے لگیں: آپ کے بعد ہر مصیبت آسان ہے یعنی آپ زندہ سلامت ہیں تو کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے محبت، فنائیت و تعلق کے اس وجدانی جذبہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کی تھی، اس لیے کہ انہیں آپ کی ذات میں ایک اعلیٰ ترین مثال و نمونہ مل گیا تھا۔ عبادت میں بھی اور اخلاق میں بھی اور ملاطفت میں بھی اور معاملات میں بھی، دیکھ لیجیے نمونہ و مقتدیٰ نفوس پر اس طرح اثر کیا کرتا ہے، اور تربیت اور شخصیت سازی میں اتنا اچھا اثر ڈالتا ہے۔

جو شخص یہ چاہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو اقتدا کی تھی اس کا کچھ حصہ جان لے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی نفوس پر جو اثر تھا اور آپ نے ان کی زندگیوں میں جو انقلاب برپا کر دیا تھا اسے پہچان لے تو اسے تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہیے، تاکہ ان کے شاندار کارناموں اور اعلیٰ فضائل پر مطلع ہو (کیا دنیا نے ان سے زیادہ شریف، مقدس، رحمدل شفیق، برتر و بالا اور زیادہ ترقی یافتہ و علم والا دیکھا ہے؟

ان کی شرافت اور فخر اور ان کا نام ہمیشہ زندہ رہنے کے لیے یہ کافی ہے کہ قرآنِ کریم ان کے بارے میں یوں گویا ہے:

((مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ، وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ)). الفتح - ۲۹

محمد اللہ کے پیغمبر ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ تیز ہیں کافروں کے مقابلہ میں (اور) مہربان ہیں آپس میں۔

اور ارشادِ باری ہے:

((كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ـ وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ)). الذاریات - ۱۷، ۱۸

رات کو بہت کم سوتے تھے اور اخیر شب میں استغفار کیا کرتے تھے۔

اور فرمایا:

((تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ)) ۔

الفتح۔ ۲۹

تو انہیں دیکھے گا (اے مخاطب) کہ (کبھی) رکوع کر رہے ہیں (کبھی) سجدہ کر رہے ہیں، اللہ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں، ان کے آثار سجدہ کی تاثیر سے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔

نیز فرمایا:

((وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ))۔

الحشر۔ ۹

اور ان لوگوں کا (بھی حق ہے) جو دارالاسلام و ایمان میں ان کے قبل سے قرار پکڑے ہوئے ہیں، محبت کرتے ہیں اس سے جو ان کے پاس ہجرت کرکے آتا ہے، اور اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے اس سے جو کچھ انہیں ملتا ہے، اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ خود فاقہ میں ہی ہوں۔

اور فرمایا:

((مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا))۔

الاحزاب۔ ۲۳

اہل ایمان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انہوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اس میں سچے اترے۔ سو ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے اور کچھ ان میں کے راستہ دیکھ رہے ہیں۔

یہ ان کے مکارم و مآثر اور تعریف ربانی کے سمندر بے پایاں کنار کے چند قطرات ہیں، اور ان حضرات کی بدولت ایک ایسا فاضل معاشرہ حقیقت کے روپ میں وجود میں لانا آسان ہوگیا جو ایک زمانے سے مفکرین کا خواب اور فلاسفہ کی تمنا و آرزو تھا۔ اور بھلا ایسا کیوں نہ ہو جب کہ ان کے یہاں دو دو سال تک قاضی اپنی مجلس لگاتا تھا لیکن اس کے پاس کوئی مقدمہ پیش نہیں ہوتا تھا۔ اور وہ کیوں کر جھگڑیں جبکہ قرآن کریم ان کے پاس ہے؟ اور وہ آپس میں کیوں جھگڑیں جبکہ وہ اپنے بھائیوں کے لیے بھی وہی پسند کرتے تھے جو وہ خود اپنے لیے پسند کیا کرتے تھے۔ اور وہ آپس میں ایک دوسرے سے کیونکر بغض رکھیں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں محبت و بھائی چارگی کا درس دیتے تھے اور ایثار و محبت کا حکم دیا کرتے تھے۔

ان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے محاسن و فضائل کے شمار کرتے ہوئے اور ان کے افعال حمیدہ اور اخلاق کریمہ کی پیروی کے وجوب کو بیان کرتے ہوئے جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو کچھ فرمایا وہ آپ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے:

جو شخص بھی کسی کی اقتدا کرنا چاہتا ہو تو اسے چاہیے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی پیروی کرے،

اس لیے کہ وہ حضرات دلوں کے اعتبار سے اس امت کے نیک ترین لوگ تھے، اور علم کے اعتبار سے بہت گہرے علم والے تھے۔ اور تکلفات سے بہت دور تھے۔ اور سیرت کے اعتبار سے نہایت اعلیٰ اور حالت کے اعتبار سے بہترین تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور اپنے دین کے قائم کرنے کے لیے منتخب فرمایا تھا، لہٰذا ان کے فضل و مرتبہ کو پہچانو، اور ان کے طریقے کی پیروی کرو اس لیے کہ وہ صحیح و سیدھے راستے پر قائم تھے۔

اور مسلمان ہر جگہ اور ہر زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عبادت و اخلاق، شجاعت و ثابت قدمی، عزم و اقدام، محبت و ایثار، جہاد اور شہادت کے حصول کے شوق میں بہترین نمونہ سمجھتے رہے ہیں، اور مسلمان نوجوان ہر زمانے میں ان کے فضائل کے چشموں سے سیراب ہوتے رہے، اور ان کے مکارم کے نور سے روشنی حاصل کرتے رہے، اور تربیت میں ان کے طریقے پر چلتے رہے اور مجد و شرافت کے محل کی تعمیر میں ان کے راستے پر چلتے رہے ہیں، اس لیے کہ وہ سیرت کے اعتبار سے خیر القرون اور اسوہ و مقتدیٰ کے اعتبار سے زمانوں میں سے بہترین زمانہ تھے[1]۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل سچ فرمایا ہے:

((أصحابي كالنجوم فبأيهم اقتديتم اهتديتم)). بیہقی و دیلمی

میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں تم ان میں سے جس کی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے[2]

یہ صالح اور عمدہ نمونہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور ان کی پیروی کرنے والوں میں مجسّد موجود تھا اس کے ذریعے سے اسلام بہت سے دور دراز کے ملکوں اور مشرق و مغرب کے وسیع علاقوں میں پھیل گیا۔

اور تاریخ بڑے تعجب اور فخر سے لکھتی ہے کہ اسلام جنوبِ ہند و سیلون اور محیط ہندی کے لکدیپ اور مالدیپ نامی جزائر اور تبت اور چین کے سواحل اور فلپائن اور انڈونیشیا اور ملایا کے جزائر میں پھیل گیا، اور افریقہ کے وسط سنغال نائیجیریا، صومال، تنزانیہ، مدغاشکر اور زنجبار وغیرہ شہروں اور ملکوں تک پہنچ گیا۔

اسلام ان تمام قوموں تک مسلمان تاجروں اور ان سچے دعاۃ کے ذریعے سے پہنچا جنہوں نے اپنی سیرت و کردار، امانت و دیانت اور سچائی اور وفاء عہد کے ذریعے سے اسلام کی سچی تصویر پیش کی، اور پھر اس کے ساتھ کلمہ طیبہ اور موعظہ حسنہ نے اپنا کام دکھلایا اور لوگ دینِ اسلام میں فوج در فوج داخل ہونے لگے، اور اس نئے مذہب پر کامل اعتماد و یقین کیساتھ خوشی خوشی ایمان لانے لگے۔ اور اگر یہ داعی تاجر اپنے اخلاق کے ذریعے سے ممتاز نہ ہوتے اور دوسری قوموں میں اپنی سچائی

---

[1] یہ مضمون تربیۃ الاولاد فی الاسلام کی قسم اول کے مقدمہ سے کچھ تصرف کے ساتھ لیا گیا ہے۔

[2] یہ حدیث اگرچہ سنداً کچھ ضعیف ہے مگر اس کے معنی بالکل صحیح ہیں، اس لیے کہ علماء کے اتفاق و اجماع کے مطابق صحابہ سب کے سب عادل ہیں، اور مسلمان ان میں سے جس کی بھی پیروی کرے گا ہدایت پائے گا۔

وامانت داری کا نمونہ پیش نہ کرتے۔ اور اجنبیوں میں اپنی نرمی، لطف و مہربانی اور حسنِ معاملہ کے ذریعہ معروف نہ ہوتے تو لاکھوں انسان اسلام کو قبول نہ کرتے، اور اس کی رحمت و ہدایت کو نہ اپناتے۔

اب تک ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ ایسا ممتاز اخلاقی نمونہ جو عمدہ و صالح مقتدیٰ کی شکل میں وجود میں آیا وہ دلوں اور نفوس پر اثر کرنے والے بڑے عوامل میں سے ہے۔ اور اسلام کے دور دراز شہروں اور دنیا کے اطراف میں پھیلنے اور انسانوں کی ایمان اور اسلام کی طرف ہدایت و رہنمائی حاصل کرنے کے بڑے اسباب میں سے ہے۔

اس لیے آج کا مسلم معاشرہ مرد ہوں یا عورت، جوان ہوں یا بوڑھے، چھوٹے ہوں یا بڑے سب کو چاہیے کہ وہ اس حقیقت کو سمجھیں اور دوسروں کے لیے اپنے عمدہ اخلاق اور اچھی شہرت اور بہترین معاملہ اور عظیم اسلامی صفات کا شاندار و بہترین نمونہ پیش کریں تاکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تمام عالم میں ہدایت کے چاند اور اصلاح کے سورج، اور خیر و حق کے داعی اور اسلام کے ابدی پیغام کے پھیلانے اور نشر کرنے کا سبب بنے رہیں[۵]۔

اس لیے تربیت کی کامیابی اور افکار کے پھیلانے کے لیے صالح نمونہ کا وجود بہت ضروری ہے۔ اور ایسے شاندار و اعلیٰ کردار کا پایا جانا ضروری ہے۔ جس کی طرف نگاہیں اٹھیں اور اس کے جمال کی وجہ سے نفوس اس کی طرف کھنچیں۔ اور ایسے فاضل اخلاق کا پایا جانا بھی ضروری ہے جن سے معاشرہ خیر کو حاصل کرے اور جو لوگوں میں بہترین اثر چھوڑ سکیں۔

اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کا بہت خیال رکھتے تھے کہ مربی دوسروں کے سامنے ہر چیز میں نہایت بہترین نمونہ پیش کرے۔ تاکہ بچہ شروع ہی سے اچھائی اور خیر میں نشو ونما پائے۔ اور شروع ہی سے شاندار اچھی صفات پر پرورش پائے اور یہ چیزیں اس کی گھٹی میں پڑ جائیں۔

مربی کو اچھا نمونہ پیش کرنے کے سلسلہ میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی تنبیہ کی جو عادت تھی اس کے چند نمونے درج ذیل ہیں:

- ابو داؤد و بیہقی حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ایک روز میری والدہ نے مجھے بلایا، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر میں موجود تھے میری والدہ نے کہا: اے عبداللہ آؤ تاکہ میں تمہیں دے دوں، نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم اسے کیا دینا چاہتی ہو؟ انہوں نے عرض کیا: میں اس کو کھجور دینا چاہتی ہوں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سن لو اگر تم اسے کچھ نہ دیتیں تو یہ تمہارے لیے ایک جھوٹ لکھ دیا جاتا۔

---

[۵] ملاحظہ ہو ہماری کتاب "حتی یعلم الشباب" کا (ص ۔ ۱۱۹) کچھ تصرف کے ساتھ

اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام ہی سے مروی ہے جسے امام احمد وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا جو شخص کسی بچے سے یہ کہے کہ آؤ لے لو اور پھر اسے نہ دے تو یہ بھی جھوٹ شمار ہوگا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہدایت کیا اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے خواہشمند تھے کہ مربی ان لوگوں کے سامنے سچا و صادق بن کر پیش ہو جن کی تربیت کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے تاکہ وہ ان کے لیے اسوہ ومثال بن سکے۔

✿ اور امام بخاری ومسلم حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا: میں نے اپنے اس بیٹے کو اپنا ایک غلام ہدیۃً دیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے اپنے سب بچوں کو اس جیسا ہدیہ دیا ہے؟! انہوں نے عرض کیا جی نہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پھر تو اس غلام کو واپس لے لو۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: کیا تم نے اپنے تمام بچوں کے ساتھ ایسا ہی کیا ہے؟ انہوں نے کہا جی نہیں، تو آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل وانصاف کرو، چنانچہ میرے والد نے وہ ہدیہ واپس لے لیا۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے بشیر! کیا اس بچے کے علاوہ تمہاری اور اولاد بھی ہے؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں، آپ نے ارشاد فرمایا: کیا تم نے ان سب کو اسی جیسا ہدیہ دیا ہے؟! انہوں نے عرض کیا: جی نہیں، تو آپ نے ارشاد فرمایا: پھر تو مجھے اس پر گواہ نہ بناؤ، اس لیے کہ میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا۔ اور ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا: میرے علاوہ کسی اور کو اس پر گواہ بنالو، پھر آپ نے فرمایا کیا تمہیں یہ اچھا معلوم ہوگا کہ وہ سب تمہارے ساتھ برابر سے حسنِ سلوک کریں؟! انہوں نے عرض کیا: کیوں نہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر ایسا نہ کرو۔

کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کردار اور سیرت اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ چاہتے تھے کہ مربی ان لوگوں کے سامنے جن کی تربیت اس کے ذمہ ہے عدل وانصاف کا پیکر بن کر پیش ہو تاکہ ان کے لیے مثال ونمونہ بنے۔

✿ بخاری ومسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کے بیٹے حسن وحسین کو چوما پیار کیا، آپ کے پاس اس وقت اقرع بن حابس تمیمی بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے یہ دیکھ کر کہا: میرے دس بیٹے ہیں میں نے ان میں سے کسی کو بھی کبھی نہیں چوما، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا: جو شخص دوسروں پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔

بخاری ومسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ایک اعرابی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے آپ لوگ اپنے بچوں کو پیار کرتے ہیں ہم تو ان کو نہیں چومتے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر اللہ نے تمہارے دل سے رحم کا مادہ نکال دیا ہو تو پھر میں کیا کر سکتا ہوں ؟!

کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریقہ اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے بہت حریص تھے کہ مربی ان لوگوں کے سامنے رحمت کا پیکر بن کر ظاہر ہو جن کی تربیت اس کے ذمہ ہے تاکہ وہ ان کے لیے مثال و نمونہ بنے۔

اور اگر مربی کے دل سے رحم کا مادہ نکال لیا گیا ہو تو پھر کیا تربیت بچے کو فائدہ پہنچا سکے گی؟ اور کیا ایسی صورت میں تربیت کے مؤثر طریقے نفع بخش ہوں گے؟! اور کیا بچہ ایسی صورتِ حال میں نصیحت پر کان دھرے گا اور کیا مکارمِ اخلاق اس میں پیدا ہوں گے؟! یقینی طور سے جواب نفی میں ہی ہوگا۔

اس لیے مربیوں کو چاہیے کہ اپنے بچوں کے ساتھ رحم کا معاملہ کریں اور محبت سے پیش آئیں، اور ان کی روزانہ کی زندگی میں اسے ثابت کر کے دکھائیں، اپنے دعوت و تربیت کے فریضہ میں اس کو نمایاں رکھیں تاکہ بچے میں بھی یہ اخلاق پیدا ہوں اور اچھائیاں اس کی فطرت بن جائیں، اور بہادری و شرافت اس کی گھٹی میں پڑ جائے۔

اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے بچوں پر رحم کرنے کی عادت ڈالنے کا جو اہتمام رکھا اس نے مسلمان قوموں کو ہر زمانے و ہر جگہ ایک مثال و نمونہ عطا کر دیا ہے تاکہ دعوت دینے والے اور والدین و مربی ہر جگہ اور ہر زمانے میں اس کی پیروی کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے ساتھ جس طرح محبت و رحمت سے پیش آیا کرتے تھے اس کے چند نمونے ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

الف ۔ امام ترمذی وغیرہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن بریدہ نے اپنے والد حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ دیتے ہوئے دیکھا، اسی اثناء میں حضرت حسن و حسین آگئے، انہوں نے لال رنگ کی قمیص پہنی ہوئی تھی، وہ چل رہے تھے اور چلنے میں گرتے بھی جا رہے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر سے اترے اور ان دونوں کو اٹھا کر اپنے سامنے بٹھالیا، پھر فرمایا: تمہارے مال و اولاد آزمائش و ابتلاء ہیں، میں نے ان دونوں بچوں کو دیکھا کہ وہ چل رہے ہیں اور گر رہے ہیں تو مجھ سے صبر نہ ہوا اور میں نے بات درمیان میں ادھوری چھوڑ دی اور ان دونوں کو اٹھا لیا۔

ب ۔ نسائی و حاکم روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ آپ

کے پاس حضرت حسین آ گئے ، آپ سجدہ میں تھے ، وہ آپ کی گردن پر سوار ہو گئے ، آپ نے سجدہ طویل کر دیا حتیٰ کہ لوگ یہ گمان کرنے لگے کہ شاید کوئی بات پیش آگئی ہے ، چنانچہ جب آپ اپنی نماز پوری کر چکے تو صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول آپ نے سجدہ اتنا طویل کر دیا کہ ہمیں یہ گمان ہونے لگا کہ شاید کوئی بات پیش آگئی ہے۔ آپ نے فرمایا: میرا بیٹا میرے اوپر سوار ہو گیا تھا (یعنی میری پیٹھ پر سواری کی طرح چڑھ کر بیٹھ گیا تھا) اس لیے میں نے یہ پسند نہ کیا کہ جلدی سے کھڑا ہو جاؤں اور وہ اپنا دل خوش نہ کر سکے۔

ج ۔ کتاب "الاصابہ" میں لکھا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن وحسین کے ساتھ دل لگی کیا کرتے تھے اور آپ اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے بل چلتے تھے اور وہ دونوں دونوں طرف سے آپ سے لپٹ جاتے اور آپ ان دونوں کو اٹھائے اٹھائے چلتے اور یہ فرماتے: بہترین اونٹ تمہارا اونٹ ہے اور بہترین سوار تم دونوں سوار ہو۔

د ۔ بخاری ومسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نماز شروع کر دیتا ہوں اور میرا ارادہ نماز طویل کرنے کا ہوتا ہے لیکن میں کسی بچے کے رونے کی آواز سن کر اس نماز کو اس لیے مختصر کر دیتا ہوں کہ مجھے معلوم ہے کہ اس بچے کے رونے کا اس کی ماں پر کیا اثر ہوگا۔

ھ ۔ بخاری ومسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ چند بچوں کے پاس سے گزرے اور انہیں سلام کیا اور فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کیا کرتے تھے۔

و ۔ امام مسلم رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ لوگ جب پہلا پھل دیکھتے تو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب اسے اپنے دست مبارک میں تھامتے تو یہ دعا فرماتے: اے اللہ ہمارے لیے ہمارے پھلوں میں برکت دے دیجیے، اور ہمارے لیے ہمارے شہر میں برکت دے دیجیے، اور ہمارے لیے ہمارے صاع (ناپنے کا پیمانہ ہے) میں برکت دے دیجیے، اور ہمارے لیے ہمارے مُد (یہ بھی پیمانہ ہے) میں برکت دے دیجیے، پھر وہاں موجود سب سے چھوٹے بچے کو اپنے پاس بلا کر وہ پھل اس کو دے دیا کرتے تھے۔

✿ بخاری ومسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا: تم سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں میں سے تین آدمی سفر پر نکلے، رات کو ایک غار کے پاس پہنچے اور اس میں داخل ہو گئے، پہاڑ سے ایک چٹان گری جس نے غار کا منہ بالکل بند کر دیا۔ انہوں نے آپس میں کہا کہ اس چٹان سے نجات صرف اسی طرح ہو سکتی ہے کہ ہم اپنے مقبول ونیک عمل کے طفیل اللہ سے دعا مانگیں۔

ان میں سے ایک صاحب نے کہا: اے اللہ میرے ماں باپ بوڑھے وعمر رسیدہ تھے، میری عادت یہ تھی کہ ان کو دودھ پلانے سے قبل میں اپنے بیوی بچوں میں سے کسی کو دودھ نہیں دیا کرتا تھا، ایک روز درخت کی تلاش میں میں کافی دور نکل گیا، جب شام کو ان کے پاس حاضر ہوا تو وہ سو چکے تھے، میں نے ان کو بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا اور یہ بھی اچھا نہ سمجھا کہ ان

سے پہلے بیوی بچوں وغیرہ کو دودھ پلاؤں میں پیالہ ہاتھ میں پکڑے پکڑے ان کے جاگنے کا انتظار کرتا رہا حتیٰ کہ صبح ہوگئی، میرے بچے میرے پاس پڑے ہوئے ۔ بھوک سے بلبلا رہے تھے لیکن میں نے کسی کی پرواہ نہ کی، پھر جب میرے والدین جاگ گئے تو انہوں نے دودھ پی لیا۔

اے اللہ اگر میں نے یہ سب کچھ آپ کی رضامندی کے لیے کیا ہو تو یہ چٹان جس کی وجہ سے ہم پریشانی میں گرفتار ہوگئے ہیں اس کو دور فرما دیجیے، چنانچہ چٹان اتنی ہٹ گئی جس سے وہ روشنی حاصل کرسکیں لیکن باہر پھر بھی نہ نکل سکیں۔[1]

کیا یہ سیرت نبوی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خواہش پر دلالت نہیں کرتی کہ مربی ان لوگوں کے سامنے جن کی تربیت کا وہ مسئول ہے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اور نیکی کرنے والے کی شکل میں پیش ہو ۔ تاکہ ان لوگوں کے لیے مثال ونمونہ بن سکے۔

دیکھیے یہ جو فرمایا کہ پیالہ ان صاحب کے ہاتھ میں تھا اور بچے بلبلا رہے تھے کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ والد اپنے بچوں کے سامنے اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا نمونہ ومثال بنے؟!

✿ امام مسلم حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی مشروب لا یا گیا، آپ نے اسے نوش فرمایا، اس وقت آپ کی دائیں جانب ایک نوجوان اور بائیں جانب کچھ معمر حضرات بیٹھے تھے آپ نے ان نوجوان سے فرمایا: کیا تم مجھے یہ اجازت دو گے کہ میں (اپنا باقی ماندہ مشروب) ان (عمر رسیدہ) لوگوں کو دے دوں؟! ان صاحب زادے نے کہا: بخدا میں ایسا نہیں کرسکتا، میں آپ سے حاصل ہونے والے اپنے حصہ پر کسی اور کو ترجیح نہیں دے سکتا۔

کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کردار اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عمل سے بچوں کے ساتھ نرمی وملاطفت اور پینے کے اسلامی آداب کا نمونہ پیش کیا کرتے تھے تاکہ مسلمان قوم نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی پیروی کرے اور آپ کے طریقہ کے مطابق عمل کرے۔

اور اس طریقے سے نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام ان لوگوں کے لیے ہر چیز میں ایک بہترین نمونہ پیش کیا کرتے تھے جن پر تربیت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے تاکہ وہ آپ سے سیکھیں اور اس کے مطابق عمل کریں، اور بچے ان کے اچھے افعال اور ان کے موثر وعظ اور اچھی تنبیہات اور حکیمانہ تربیت سے متاثر ہوں۔

ہم نے جو کچھ ذکر کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کی نظر میں تربیت کے وسائل میں سے سب سے بڑا اور موثر

---

[1] دوسرا شخص وہ تھا جو زنا سے دور رہا تھا، اور تیسرا آدمی مزدور کی مزدوری کھانے سے دور رہا تھا، لہٰذا ان تین آدمیوں کے ان اعمال صالحہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس غار کے منہ سے اس چٹان کو ہٹا دیا اور وہ اس غار سے باہر نکل آئے۔ یہ پوری حدیث ریاض الصالحین کے باب خلاص واحضار النیۃ میں موجود ہے۔

کن وسیلہ مقتدیٰ واسوہ ہے۔

چنانچہ بچہ جب اپنے والدین و مربی میں ہر چیز کا بہترین نمونہ واسوہ پائے گا تو ظاہر ہے کہ اچھائیاں اس کی گھٹی میں پڑیں گی اور اسلامی اخلاق اس کی فطرت بن جائیں گے۔

اگر والدین یہ چاہتے ہوں کہ ان کا بچہ سچائی، امانت، پاکدامنی اور رحم جیسے اچھے اوصاف کا مالک ہو اور باطل اور برائی سے دُور رہے تو انہیں چاہیئے کہ وہ خود اپنی ذات سے۔ان کے سامنے اچھائی کے کرنے، اور برائی سے دُور رہنے اور فضائل سے آراستہ ہونے، اور برے کاموں سے بچنے، اور حق کے اتباع، اور باطل سے دور رہنے میں بہترین نمونہ پیش کریں، اور اچھے کاموں کا اقدام کرنے اور خسیس کاموں سے بچنے میں ان کے لیے اپنے آپ کو مثال ثابت کریں۔

جو بچہ اپنے والدین کو جھوٹ بولتا ہوا دیکھے گا وہ ہرگز سچ نہیں سیکھ سکتا، اور جو بچہ اپنے والدین کو دھوکہ دیتے اور خیانت کرتے ہوئے دیکھے گا وہ ہرگز امانت دار نہیں بن سکتا، اور جو بچہ اپنے والدین میں اخلاق باختگی اور آوارگی مشاہدہ کرے گا وہ شرافت نہیں سیکھ سکتا، اور جو بچہ اپنے والدین سے کفریہ کلمات اور گالم گلوچ سنے گا وہ شیریں زبانی ہرگز نہیں سیکھ سکتا، اور جو بچہ اپنے والدین میں غصہ عصبیت اور ذرا سی بات سے متاثر ہونے کو دیکھے گا وہ سنجیدگی اور وقار کا نمونہ نہیں بن سکتا، جو بچہ اپنے والدین میں سخت دلی اور بدمزاجی پائے گا وہ رحمت ومودت نہیں سیکھ سکتا۔

بچہ اچھائی اور خیر کے اوصاف اسی وقت سیکھتا ہے اور اخلاق وشرافت کا پیکر اسی وقت بنتا ہے جب وہ اپنے والدین میں بہترین اسوہ اور نمونہ پائے۔ ورنہ دوسری صورت میں اگر والدین اس کے سامنے برا نمونہ اور خراب اسوہ پیش کریں گے تو لازمی طور سے بچہ تدریجاً انحراف کی طرف رخ اختیار کرے گا اور کفر وفسق اور نافرمانی کے راستہ پر چلے گا ۔

وهل يرجى لأطفال كمال	إذا ارتضعوا ثدي الناقصات
اور کیا ایسے بچوں سے کمال کی اُمید رکھی جا سکتی ہے	جنہیں ناقص عورتوں کے سینے سے دودھ پلایا گیا ہو

اور صرف اتنی بات کافی نہیں ہے کہ والدین خود اپنی ذات ہی سے بچے کے لیے بہترین اسوہ ونمونہ پیش کر کے یہ سمجھ بیٹھیں کہ انہوں نے اپنے فریضہ کو ادا کر دیا اور اپنی ذمہ داری پوری کر دی، بلکہ یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے بچوں کا تعلق ورابطہ اصل مقتدیٰ واسوہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے قائم کریں، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ بچوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگوں اور آپ کی شاندار معطر سیرت اور اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دیں تاکہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے اس قول پر عمل ہو جائے جسے طبرانی نے روایت کیا ہے:

((أدبوا أولادكم على ثلاث خصال: منها: حب نبيكم وحب آل بيته ...)).	اپنے بچوں کو تین باتوں کی تعلیم دو، جن میں سے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، اور ان کے اہل بیت سے محبت کرنا بھی ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اپنے بچوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات و جنگوں کے واقعات کی اسی طرح تعلیم دیا کرتے تھے جس طرح ہم انہیں قرآنِ کریم کی سورت کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ یہ اس لیے ضروری ہے تاکہ بچے میں فطری طور سے اچھائیاں ومحاسن پیدا ہوں، اور شجاعت وجرأت اس کی گھٹی میں پڑ جائے۔ تاکہ وہ جب بڑا ہو اور سمجھداری کی عمر کو پہنچے تو وہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے علاوہ کسی اور کو قائد، قدوہ و نمونہ، سربراہ اور اعلیٰ ترین مثال نہ سمجھے۔

والدین کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے بچوں کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے رفقاء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین وسلفِ صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی قائم کریں تاکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس حکم پر عمل ہو:

((أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ)). الانعام۔ ۹۰

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے لہٰذا آپ ان کے طریقے کی پیروی کریں۔

اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے اس ارشادِ مبارک پر بھی عمل ہو جائے جسے بیہقی ودیلمی روایت کرتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا:

((أصحابي كالنجوم فبأيهم اقتديتم اهتديتم)).

میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں تم ان میں سے جس کی بھی اقتدا کروگے ہدایت پاؤگے۔

اور ہم اس سے قبل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ مقولہ بھی ذکر کر چکے ہیں کہ تم میں سے جو شخص کسی کی پیروی کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی اقتدا کرے۔

تاکہ بچے میں ان منتخب پسندیدہ افراد کے اخلاق پیدا ہوں جو اس امت میں دل کے اعتبار سے سب سے نیک اور علم کے اعتبار سے سب سے وسیع علم والے اور تکلفات میں کم تکلف والے تھے۔ اور صحیح واچھے کردار والے اور عمدہ حالات والے تھے، اور بچہ ان کے درجہ ومکانت کو پہچان لے اور ان کے نقشِ قدم پر چلے اور ان کی محبت اس کے دل میں جاگزین ہو جائے۔

والدین پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ اپنے بچے کے لیے اچھے مدرسے اور نیک ساتھیوں اور اچھی جماعت کا انتخاب کریں تاکہ بچہ ایمانی تربیت، اخلاقی تربیت، جسمانی تربیت، نفسیاتی تربیت، اور عقلی تربیت حاصل کر سکے اس لیے کہ اگر بچہ ایسی اچھی اور نیک فضا میں ہوگا تو یہ بات عقل میں نہیں آسکتی کہ وہ عقیدہ کے لحاظ سے منحرف یا اخلاقی لحاظ سے آزاد اور نفسیاتی لحاظ سے الجھاؤ کا شکار ہو جائے یا جسمانی لحاظ سے کمزور ہو۔ اور علمی اور ثقافتی لحاظ سے پیچھے رہ جائے۔ بلکہ وہ عقیدہ میں رسوخ، اخلاق میں بلندی، اعصاب کی مضبوطی، بدن کی قوت اور عقل وعلم کی پختگی میں کمال کو پہنچا ہوا ہوگا۔

ہم اس بات میں تو باپ کے ہم خیال ہیں کہ معاشرہ فاسد ہے، ماحول جاہلیت والا ہے، ایسے حالات میں بچے کے

لیے اچھی فضاء وسازگار۔ ماحول کا پیدا کرنا بہت مشکل ہے۔ یہ بات یہ بالکل درست ہے۔ لیکن اگر باپ اپنی پوری کوشش صرف کرے اور بچے کی ایمانی و اخلاقی طور پر شخصیت سازی کے پورے اسباب اختیار کرے اور اس کو فکری نفسیاتی اور معاشرتی طور پر کامل و مکمل بنانے میں اپنی پوری جدوجہد صرف کرے تو پھر بلاشبہ ایسے حالات میں اگر بچہ بگڑ جائے اور فسق وفجور اور گمراہی کے راستہ پر چل پڑے تو باپ اللہ کے یہاں بالکل معذور سمجھا جائے گا۔

میرے اندازے کے مطابق نمونہ واسوہ کے ذریعہ تربیت دینا، والدین کا نمونہ واسوہ، اچھے ساتھیوں کا نمونہ، استاذ کا ہ، بڑے بھائی کا اسوہ یہ سب کے سب بچے کی اصلاح وہدایت اور اس کو معاشرے اور زندگی کا ایک فرد بنانے کے باب میں سے مؤثر ترین سبب ہے۔ والدین یہ تمام چیزیں بچے کے لیے بآسانی پیدا کر سکتے ہیں۔ اسی طرح والدین اگر یہ چاہیں کہ ان کا جگر گوشہ صحیح بن جائے اور وہ اس بات کا پختہ ارادہ کرلیں کہ ان کا بیٹا زمین پر چلنے والے فرشتے کی مانند ہو تو ایسا نا والدین کے لیے اس طرح سے آسان ہوجائے گا کہ وہ اس کے لیے اچھی فضا مہیا کردیں۔

والدین کے ذہن میں یہ بات بھی رہنا چاہیے کہ بڑے بیٹے کی اصلاح پر توجہ کرنا باقی اولاد کی اصلاح کے مؤثر ترین سباب میں سے ہے، اس لیے کہ چھوٹا بچہ بڑے کی نقل اتارتا ہے، بلکہ ہر معاملے میں اس کی طرف یہ سمجھ کر دیکھتا ہے کہ وہ علیٰ ترین نمونہ ہے، اور اس کے اخلاقی اوصاف اور معاشرتی عادات میں سے بہت کچھ حاصل کرلیتا ہے۔ اور پھر اس وقت بڑی مصیبت آپڑتی ہے جب اس کو اپنے سے بڑا بھائی ایسا مل جائے جو آزادی و بے راہ روی کا شکار ہو، اور جب بچہ یہ دیکھتا ہے کہ اس سے بڑا بھائی بداخلاقی اور برائیوں میں گرفتار ہے تو پھر لازمی طور سے اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ چھوٹے بچے س سے متأثر ہوتے ہیں اور انہی کے نقشِ قدم پر چلتے اور انہیں کی عادات واطوار کو سیکھتے ہیں۔

اس لیے والدین پر لازم ہے کہ وہ بڑے بچے پر پوری محنت وتوجہ کریں، پھر اس پر جو اس سے چھوٹا ہو تاکہ وہ بعد والوں کے لیے نمونہ ومثال بنیں، اللہ تعالیٰ صالحین ونیک عمل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اس بحث کے خاتمے پر ہم وہ آیات پیش کرتے ہیں جن میں ان لوگوں پر نکیر کی گئی ہے جن کا فعل ان کے قول کے خلاف ہے، اور اس میں باپ ماں اور تمام مربی اور وہ افراد داخل ہیں جن کے ذمہ دوسروں کی تربیت کا فریضہ عائد ہوتا ہے:

((يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۞ كَبُرَ مَقْتًا عِندَ اللَّهِ أَن تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ)). الصف۔ ۲،۳	اے ایمان والو ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔ اللہ کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔

اور فرمایا:

((أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ	کیا حکم کرتے ہو لوگوں کو نیک کام کا اور بھولتے ہو اپنے

وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۚ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿﴾ البقرہ ۴۴ آپ کو اور تم تو پڑھتے ہو کتاب پھر کیوں نہیں سوچتے ہو۔

کیا آپ نے قرآنِ کریم کی آیات میں کہیں پر اس سے بھی زیادہ سخت نکیر و تنبیہ دیکھی ہے؟ اور یہ تنبیہ و نکیر کس پر ہے؟ ان لوگوں پر ہے جو دوسروں کے لیے برا نمونہ و مثال قائم کرتے ہیں۔

((حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب اپنے گھر والوں کو جمع کر کے مندرجہ ذیل جملے فرمایا کرتے تھے تو اس وقت ان کا یہ موقف کتنا عظیم ہوتا تھا،

حمد و صلاۃ کے بعد! یاد رکھو میں لوگوں کو فلاں فلاں چیز کی دعوت دینے والا ہوں اور فلاں فلاں کام سے ان کو منع کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں اور میں خدائے برتر و بالا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے اگر تم سے کسی کو بھی وہ کام کرتے دیکھ لیا جس سے میں نے روکا ہے یا اگر تم میں سے کسی نے بھی اس حکم کی تعمیل نہ کی جس کا میں نے حکم دیا ہے تو میں اس کو سخت ترین سزا دوں گا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں سے چلے جاتے اور لوگوں کو بھلائی و اچھی باتوں کا حکم دیتے، تو کوئی شخص بھی اطاعت و فرمانبرداری سے پیچھے نہیں رہتا تھا۔ اس لیے کہ ان حضرات نے لوگوں کے لیے خود اپنے قول سے پہلے اپنے فعل سے اس کی مثال و نمونہ قائم کر دیا تھا۔

اسی لیے ایسے شخص کو قیامت میں بہت سخت اور دردناک سزا دی جائے گی جو دوسروں کو اچھے کام کا حکم دے لیکن خود نہ کرے۔ اس لیے تمام لوگوں کے سامنے جہنم کی یہ رسوائی نہایت رسوا کن ہوگی۔

امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے ارشاد فرمایا کہ: قیامت کے روز ایک شخص کو لایا جائے گا اور اس کو جہنم کی آگ میں ڈال دیا جائے گا، اس کی آنتیں پیٹ سے باہر نکل آئیں گی، وہ ان کو لے کر اس طرح چکر لگائے گا جس طرح گدھا چکی کو لے کر گھومتا ہے، دوزخی اس کے پاس جمع ہو کر اس سے کہیں گے فلانے تمہیں کیا ہو گیا تم اچھی باتوں کا حکم نہ دیا کرتے تھے اور بری باتوں سے نہیں روکتے تھے؟! وہ کہے گا کہ میں تم لوگوں کو اچھی بات کا حکم دیا کرتا تھا لیکن خود نہیں کرتا تھا، اور میں تمہیں بری باتوں سے روکا کرتا تھا لیکن خود برے کام کیا کرتا تھا۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جس رات مجھے اسراء و معراج پر لے جایا گیا اس رات میرا گزر ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جن کے ہونٹ آگ کی قینچی سے کاٹے جا رہے تھے، میں نے حضرت جبریل سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے فرمایا یہ آپ کی امت کے وہ خطباء ہیں جو ایسی باتیں کہا کرتے تھے جن پر خود ان کا عمل نہیں تھا۔

رہی سب لوگوں کے سامنے رسوائی تو امام احمد و بیہقی منصور بن زاذان سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ بعض وہ لوگ جنہیں آگ میں ڈال دیا جائے گا ان کی بدبو سے دوزخیوں کو بھی ایذا ہوگی، تو اس سے

کہا جائے گا: تیرے لیے ہلاکت ہو بتلا تو کیا کرتا تھا؟ ہم جس عذاب و تکلیف میں گرفتار ہیں کیا وہ ہمارے لیے کافی نہ تھی کہ ہمیں تیری اور تیری بدبو کے عذاب میں بھی مبتلا کر دیا گیا؛ وہ کہے گا: میں عالم تھا لیکن میں نے اپنے علم سے فائدہ نہیں اٹھایا[1]))۔

اس لیے والدین ماؤں اور تمام مربیوں کو یہ بات ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ اچھے اسوہ و نمونہ کے ذریعہ تربیت کرنا بچے کی کجی کو درست کرنے کے لیے ستون ہے. بلکہ یہ بچے کے اچھی باتوں اور فضائل و حسنات اور عمدہ معاشرتی آداب میں ترقی کے لیے بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس اسوہ و نمونہ کے بغیر آپ کی اولاد کو نہ تو ادب سکھانا فائدہ پہنچائے گا اور نہ ان پر کسی وعظ و نصیحت کا اثر ہو گا۔ اس لیے اے مربیو اپنے بچوں کے بارے میں اللہ سے ڈرا کرو. اور ان کے ساتھ اپنی مسئولیت کے معیار پر پورے اترو. تاکہ آپ لوگ اپنے جگر گوشوں کو اصلاح کا سورج اور ہدایت کا دمکتا ہوا ایسا چاند دیکھیں جن کے نور سے معاشرے کے افراد منور ہوں اور جن کے اخلاق کی وہ پیروی کریں، اور ان کے آداب کے چشمے سے سیراب ہوں، اور ان پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا درج ذیل فرمانِ مبارک صادق آئے:

((اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ .))۔	یہ وہ لوگ تھے جن کو ہدایت کی اللہ نے سو آپ چلیے
انعام - ۹۱	ان کے طریقے پر۔

اور آپ ان سے کہہ دیجیے کہ تم لوگ عمل کرتے رہو، اللہ اور اس کا رسول اور مؤمن تمہارے عمل کو دیکھ لیں گے۔

② اچھی عادت کے ذریعہ تربیت

شریعتِ اسلام میں طے شدہ امور میں سے یہ بھی ہے کہ بچہ فطرۃً ہی خالص توحید اور دینِ قیم اور ایمان باللہ پر پیدا کیا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرمانِ مبارک میں وارد ہوا ہے:

((فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ	اللہ کی اس فطرت کا اتباع کرو جس پر اس نے انسان کو
لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ	پیدا کیا ہے، اللہ کی بنائی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں.
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ))۔	یہی ہے سیدھا دین لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کا) بھی علم
الروم - ۳۰	نہیں رکھتے.

ور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ مبارک کے مطابق جسے امام بخاری نے روایت کیا ہے:

((كل مولود يولد على الفطرة))۔	ہر بچہ فطرتِ (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے۔

[1] ملاحظہ ہو ہماری کتاب "حتی یعلم الشباب" کی بحث "اخلاق میں ممتاز ہونا" (ص ۔ ۱۱۷، ۱۱۹)۔

یعنی توحید وایمان باللہ کی فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے۔

یہاں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بچے کی ابتدائی عمر اور بچپن ہی سے اسے تلقین وتادیب اور عادت کے ذریعہ توحید خالص اور مکارم اخلاق اور نفسیاتی فضائل اور شریعت کے شاندار آداب کا عادی بنانا چاہیے۔

کوئی بھی دو آدمی اس میں اختلاف نہیں کریں گے کہ اگر دو عامل بچے کے لیے میسر آجائیں ایک شاندار اسلامی تربیت کا اور دوسرا نیک واچھا ماحول، تو بلا شبہ بچہ شروع ہی سے ذات باری پر ایمان اور اسلامی اخلاق سے آراستہ ہوگا اور نفسیاتی فضائل اور ذاتی مکارم کی چوٹی پر پہنچ جائے گا۔

رہا شاندار اسلامی تربیت کا عامل تو اس کی تاکید رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی احادیث میں فرمائی ہے ارشاد فرمایا:

((لأن يؤدب الرجل ولده خير من أن يتصدق بصاع)). ترمذی

انسان اپنے بیٹے کو ادب سکھائے یہ اس سے بہتر ہے کہ ایک صاع صدقہ کرے۔

اور فرمایا:

((ما نحل والد ولدًا أفضل من أدب حسن)). ترمذی

کسی والد نے اپنے بیٹے کو اچھے ادب کے عطیہ سے بہتر عطیہ نہیں دیا۔

اور فرمایا:

((علموا أولادكم وأهليكم الخير وأدبوهم)). عبدالرزاق وسعید بن منصور

اپنی اولاد اور بیوی بچوں کو خیر کی باتیں سکھاؤ اور ادب کی تعلیم دو۔

اور فرمایا:

((أدبوا أولادكم على ثلاث خصال: حب نبيكم، وحب آل بيته، وتلاوة القرآن)). طبرانی

اپنی اولاد کو تین خصلتوں کا عادی بناؤ: اپنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، اور ان کے اہل بیت کی محبت، اور قرآن کریم کی تلاوت۔

رہا اچھے ماحول کا عامل تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جانب بہت سے مواقع پر رہنمائی فرمائی ہے فرمایا:

((كل مولود يولد على الفطرة فأبواه يهودانه أو ينصرانه أو يمجسانه)). بخاری

ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اسے یا یہودی بناتے ہیں یا عیسائی یا مجوسی۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر بچے کو نیک صالح ماں باپ میسر آجائیں اور وہ اس کو ایمان واسلام کی بنیادی باتیں سکھلادیں تو بچہ ایمان واسلام کے عقیدہ پر نشو ونما پائے گا، اور اس کا مطلب ہے گھریلو ماحول کا عامل۔

((المرأ علی دین خلیله فلینظر أحدکم من یخالل)). جامع ترمذی

انسان اپنے دوست کے مذہب پر ہوتا ہے اس لیے تم میں سے ہر شخص کو یہ دیکھ لینا چاہیے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی شخص کا دوست نیک صالح و متقی ہو تو وہ اس سے نیکی و تقویٰ کا وصف حاصل کرے گا۔ اور اس کا مطلب ہے معاشرتی ماحول کا عامل چاہے وہ مدرسہ کا ماحول ہو یا علاقہ کا۔

اچھے ماحول کا مسلمان کے صلاح و تقویٰ کی صفت پیدا کرنے میں بڑا عامل ہونے اور ایمان وعقیدہ اور اخلاقِ فاضلہ پر نشو و نما پانے میں بڑا مؤثر ذریعہ ہونے کی تاکید اس شخص کی حدیث سے ہوتی ہے جس نے ننانوے آدمیوں کو قتل کر دیا تھا جیسا کہ اسے بخاری و مسلم روایت کرتے ہیں، پوری حدیث مبارک درج ذیل ہے:

حضرت ابو سعید سعد بن مالک بن سنان خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں میں ایک شخص تھا جس نے ننانوے آدمیوں کو قتل کر رکھا تھا اس نے اس زمانے کے بڑے عالم کے بارے میں لوگوں سے دریافت کیا۔ لوگوں نے اس کی رہنمائی ایک راہب کی جانب کی، وہ شخص اس راہب کے پاس گیا اور اس سے کہا: میں نے ننانوے آدمی قتل کر رکھے ہیں، کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟! اس نے کہا: نہیں، اس نے اس راہب کو بھی قتل کر دیا اور اس نے اس طرح سو کی تعداد پوری کر لی، اس کے بعد اس نے پھر روئے زمین پر بڑے عالم کے بارے میں دریافت کیا تو اس کی رہنمائی ایک عالم کی جانب کی گئی، وہ اس کے پاس گیا اور اس کو بتلایا کہ اس نے سو آدمیوں کو قتل کر رکھا ہے کیا اس کی توبہ قبول ہونے کا کوئی راستہ ہے؟! اس عالم نے کہا: جی ہاں اللہ اور توبہ کے درمیان کون حائل ہو سکتا ہے؛ فلاں فلاں سرزمین کی جانب جاؤ وہاں اللہ کی عبادت کرتے ہوئے چند لوگ ملیں گے تم بھی ان کے ساتھ مل کر اللہ کی عبادت کرنے لگنا، لیکن اپنی قوم کی سرزمین کی جانب لوٹ کر مت جانا، اس لیے کہ وہ بری جگہ ہے، چنانچہ وہ شخص وہاں سے روانہ ہوا اور جب آدھے راستہ پر پہنچا تو اس کا انتقال ہو گیا اور اس کے بارے میں رحمت کے فرشتوں اور عذاب کے فرشتوں میں جھگڑا ہونے لگا۔

رحمت کے فرشتوں نے کہا کہ وہ توبہ کر کے ہماری اور اللہ کی طرف رجوع کر کے آ رہا تھا، اور عذاب کے فرشتوں نے کہا کہ اس نے کبھی بھی کوئی اچھائی نہیں کی، اسی دوران ان کے پاس ایک فرشتہ انسان کی شکل میں آیا، انہوں نے اس کو اپنے درمیان حَکَم بنا لیا، تو اس نے کہا کہ دونوں جانب کی زمین کو ناپ لو، جس طرف کی زمین کے زیادہ قریب ہو اسی طرف کا شمار ہو گا، چنانچہ زمین ناپی گئی تو وہ اس سرزمین کے زیادہ قریب پایا گیا جس کی طرف وہ توبہ کر کے جا رہا تھا، چنانچہ رحمت کے فرشتوں نے اسے اپنے قبضہ میں لے لیا۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس سرزمین سے کہا کہ دور ہو جاؤ اور اس سرزمین سے کہا کہ تم قریب

ہو جاؤ اور فرمایا: دونوں کے درمیان کے فاصلہ کو ناپو، چنانچہ انہوں نے اسے دوسری زمین سے ایک بالشت زیادہ قریب پایا اور اس کی مغفرت کر دی گئی۔

یہ نصوص جنہیں ہم ذکر کر چکے ہیں ان سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اگر بچے کو نیک والدین اور مخلص اساتذہ کی جانب سے اچھی تربیت میسر آجائے، اور اس کو نیک ساتھیوں اور مؤمن مخلص رفقاء سے اچھا ماحول مل جائے، تو ایسی صورت میں بچہ بلاشک وشبہ تقویٰ، ایمان واخلاقِ فاضلہ کی تربیت پائے گا اور ہر اچھے کام اور بہترین اخلاق واچھی عادت کا عادی بنے گا۔

ان ہی بنیادوں اور ان ہی بنیادی امور کے مطابق سلفِ صالحین اپنے بچوں کے لیے مربی منتخب کیا کرتے تھے، اور ان کو اچھی باتیں سکھانے اور اعلیٰ اخلاق سے آراستہ کرنے اور بہترین صفات کا عادی بنانے کے لیے اچھی فضاء مہیا کیا کرتے تھے۔

❖ جاحظ روایت کرتے ہیں کہ جب عقبہ بن ابی سفیان نے اپنے بیٹے کو استاذ کے حوالے کیا تو ان سے کہا: میرے بچوں کی اصلاح کے لیے سب سے پہلا کام آپ یہ کریں کہ خود اپنی اصلاح کریں۔ اس لیے کہ ان کی نگاہیں آپ کی نگاہ کے ساتھ بندھی ہونگی جسے آپ اچھا سمجھیں گے اسے وہ بھی اچھا سمجھیں گے اور جسے آپ برا سمجھیں گے اسے وہ بھی برا سمجھیں گے۔ ان کو حکماء کے حالات وواقعات اور ادباء کے اخلاق وعادات کی تعلیم دیں، اور ان کو مجھ سے ڈراتے رہیں اور میری غیر موجودگی میں ان کو سزا دیں۔ اور آپ ان کیلیے اس طبیب ومعالج کی مانند بن جائیے جو بیماری کے پہچاننے سے قبل دوا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ اور آپ میری جانب سے کسی عذر پر بھروسہ نہ کریں اس لیے کہ میں نے آپ کی قابلیت وصلاحیت پر اعتماد کر رکھا ہے۔

❖ راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ خلیفہ منصور نے بنو امیہ کے مقید لوگوں کے پاس یہ پیغام بھیجا اور ان سے پوچھا کہ قید کے ایام میں سب سے زیادہ تکلیف آپ لوگوں کو کس چیز سے ہوئی؟ انہوں نے کہا: اس سے کہ ہم اپنے بچوں کی تربیت کرنے سے محروم رہ گئے۔

❖ بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں ابن سینا کی وصیت یہ ہے کہ بچے کے ساتھ مکتب میں ایسے بچے ہونا چاہییے جو اچھے آداب واخلاق کے مالک ہوں، جن کی عادات پسندیدہ ومحمود ہوں، اس لیے کہ بچہ بچے کو دیکھ کر ہی سیکھتا اور اسی سے لیتا اور اس سے مانوس ہوتا ہے۔

سلفِ صالحین کے اپنے بچوں کی تربیت اور ان کیلیے اچھی سازگار فضا مہیا کرنے کے سلسلہ میں جو شخص مزید شواہد چاہتا ہو اسے چاہییے کہ تربیت اولاد کی قسمِ ثانی کی تمہید میں ہم نے جو مثالیں اور واقعات ذکر کیے ہیں ان کی طرف رجوع کرے۔ ان شاء اللہ تشفی ہو جائے گی اور کسی اور کتاب کی ضرورت نہ پڑے گی۔

بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ لوگ یا تو فطرۃً اچھے اور نیک ہوتے ہیں یا برے اور بدتر، جیسے کہ بھیڑ خاموش

وسیدھے سادھے بچے کو اور چیتا پھاڑ کھانے والے کو ہی جنم دیتا ہے، اور یہ کہ انسان میں جو پوشیدہ برائی ہے اس کا بدلنا ناممکن ہے جیسے کہ انسان میں جو فطری خیر ہے اس کو بدلنا دشوار ہے۔ یہ خیال خام اور بہت بڑی غلطی ہے[1]۔

یہ باطل دعویٰ شریعت کے بھی خلاف ہے اور عقل اور تجربہ کے بھی، شریعت کے خلاف اس لیے ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان:

((وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ)). البلد - ۱۰ — اور ہم ہی نے اسے دونوں راستے بتلا دیے۔

کے خلاف ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے انسان کو خیر و شر کے راستے بتلا دیے ہیں۔

اسی طرح درجِ ذیل فرمانِ مبارک کے بھی خلاف ہے:

((وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا ۝ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا)). الشمس - ۷ تا ۱۰ — اور جان کی اور اس کی جس نے اسے درست بنایا پھر اس کی بدکرداری اور اس کی پرہیزگاری (دونوں) کا اسے القاء کیا۔ کہ وہ یقیناً بامراد ہو گیا جس نے اپنی جان کو پاک کر لیا اور وہ یقیناً نامراد ہوا جس نے اس کو دبا دیا۔

اور فرمانِ الٰہی ذیل کے بھی مخالف ہے:

((إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا)). الدھر - ۳ — ہم ہی نے اس کو راستہ بتایا (پھر) یا تو وہ شکر گزار (ہوا) اور یا کافر (ہو گیا)۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ مبارک کی وجہ سے بھی جس کا ابھی کچھ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ:

((کل مولود یولد علی الفطرۃ، فأبواہ یھودانہ أو ینصرانہ أو یمجسانہ)). — ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یا یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی یا مجوسی۔

یہ رائے عقل کے خلاف اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب کتابوں کو نازل فرمایا اور رسولوں کو بھیجا تو آخر کیوں اور کس کے لیے؟ کیا یہ سب کچھ انسان کی اصلاح اور دین و دنیا کی کامیابی و سعادت کے حصول کے لیے نہیں ہے؟ اور پھر حکومتیں مختلف قوانین اور نظام وضع کرنے کا کیوں اہتمام کرتی ہیں؟ اور مدارس معاہد اور جامعات کی نگرانی و سرپرستی کیوں کرتی ہیں؟ اور علماءِ تربیت و علماءِ اخلاق اور ماہر معلمین کو مقرر کرنے کا اہتمام کیوں کرتی ہیں؟ کیا یہ سب تعلیم اور ادب و اخلاق سکھانے اور برائیوں کی بیخ کنی اور اچھے معاشرہ کے قائم کرنے اور کجی کی اصلاح کے لیے نہیں ہے؟ ورنہ پھر یہ کتابوں کا نازل کرنا اور رسولوں کا بھیجنا کس لیے ہے؟ اور پھر مختلف قوانین اور شریعتیں کیوں مقرر کی گئیں؟ اور پھر مربیوں اور علماء

---

[1] یہ مغربی فلسفی شوبنھار سپینوزا اور فرانسیسی فلسفی لیفی بریل کی رائے ہے، لیکن مشرق و مغرب سے تعلق رکھنے والے اکثر ماہرینِ فلسفۂ اخلاق اس رائے کی تردید کرتے ہیں اور اس رائے کو شذوذ سے تعبیر کرتے ہیں۔

واساتذہ کا عمل کیوں اور کس لیے تھا اور آئندہ کس لیے ہوگا؟ کیا یہ سب محنت ومشقت بلا فائدہ کی تکلیف نہ ہوگی؟ کیا اخلاقیات کا درس دینا لغو وعبث نہ ہوگا؟

ان سوالات اور عقلی محاکمات کے بعد ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ انسان کو اس طرح پیدا کیا گیا ہے کہ اس میں خیر وشر دونوں کی استعداد رکھی گئی ہے، پھر اگر اس کے لیے اچھی تربیت مہیا ہو جائے، اور اسے اچھا ماحول مل جائے تو وہ ایمانِ خالص اور اخلاقِ فاضلہ اور اچھائی وخیر سے محبت کرنے میں بہترین نشو ونما پائے گا اور وہ معاشرہ میں مؤمن شریف اور با اخلاق انسان بن جائے گا۔

اس رائے کا تجربہ ومشاہدہ کے خلاف ہونا مندرجہ ذیل امور کی وجہ سے ہے:

۱۔ عالمِ دنیا میں یہ بات مشاہدہ کی گئی ہے کہ جو انسان بھی کسی فاسد وگندے وآزاد ماحول میں ایک طویل عرصے رہا ہو، اور جرم وشقاوت اس میں انتہا کو پہنچ گئی ہو، اور اس نے معاشرہ کو اپنے شر وفساد ومجرمانہ زندگی سے خوب نقصانات پہنچائے ہوں۔ اور وہ خود اپنی مجرمانہ زندگی وشقاوت کی وجہ سے تنگ وپریشان ہو گیا ہو اور پھر اچانک جب اس کی کسی نیک ساتھی یا پُر تاثیر مربی یا مخلص داعی سے ملاقات ہو جائے جو اسے بدبختی کے گڑھے سے سعادت ونیک بختی کے باغ میں پہنچا دے، اور مجرمانہ زندگی سے شریفانہ وپاکیزہ ماحول میں لے جائے تو پھر وہ اس طویل بدبختی اور مجرمانہ زندگی سے نکل کر بڑا متقی وصالح بن جاتا ہے اور نیکوں اور صالحین میں سے ہو جاتا ہے۔

ایسا بکثرت ہوتا ہے اور ہمارے آج کے اس ماحول میں بھی ایسا بہت کثرت سے ہوتا ہے جس میں فتنے ٹھاٹھیں مار رہے ہیں، اور گناہوں کا ہجوم ہے اور فسق وفجور میں لوگ مست ہیں، اس کا انکار صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو ہٹ دھرم ہو یا اس کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوں۔

۲۔ عالمِ حیوانات میں بھی یہ بات مشاہد ہے کہ انسان ہر دور میں حیوانوں کو ان کی فطری وحشت وبدکنے سے مانوس بنانے اور ساتھ رہنے کی صلاحیت پیدا کرنے کی طاقت رکھتا ہے، اور حیوانات کو سختی اور اڑیل پنے کے بجائے فرمانبرداری واطاعت شعاری سکھا دیتا ہے۔ اور چال میں بے ڈھنگے پن اور لڑکھڑاہٹ کے بجائے اعتدال وصحیح طریقے سے چلنا سکھا دیتا ہے۔ حتیٰ کہ انسان گھوڑے سے رقص کرواتا اور پرندوں سے کھیل کود کراتا اور درندوں کو تربیت یافتہ بنا دیتا ہے، تو جب بے زبانوں کی فطرت اور طبیعت کی یہ حالت اور کیفیت ہے تو پھر اس انسانی مزاج وطبیعت کا کیا حال ہوگا جس کے بارے میں تقابلی علمِ نفس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ انسانی طبیعت بہت زیادہ فرمانبردار اور متنوع ومختلف المزاج ہونے کی وجہ سے بہت جلدی تربیت حاصل کرنے والی اور اصلاح ودرستگی اور میل جول کو قبول کرنے والی ہے۔

۳۔ عالمِ نباتات میں یہ دیکھا گیا ہے کہ جب کاشتکار بیج کو سرسبز جگہ میں بوتا ہے اور کھاد اور پانی وغیرہ دیتا رہتا

سے اور کیڑے مکوڑوں اور حشرات الارض سے اس کو بچاتا ہے اور پھر اس کے کانٹوں کو چھانٹتا اور ٹہنیوں کو درست کرتا رہتا ہے تو پھر بیج اللہ کے حکم سے پھل دیتا ہے، اور انسان اس کے پھل سے فائدہ اٹھاتا اور اس کے سائے میں آرام کرتا ہے۔ اور ہمیشہ ہمیشہ اس سے منتفع ہوتا رہتا ہے۔

لیکن اگر اس بیج کی قسمت میں اس کے ساتھ کوتاہی اور لاپرواہی لکھ دی گئی ہو تو نہ اسے مٹی سے غذا ملے گی اور نہ پانی ہی اس کی آبیاری کرے گا، اور نہ وہاں سے کانٹے ہٹائے جائیں گے۔ نہ اس کی ٹہنیاں درست کی جائیں، تو پھر نہ وہ پھل دے گا نہ پھول، اور نہ کوئی اور قابلِ منفعت چیز، بلکہ بہت جلد ہی وہ ریزہ ریزہ ہو کر ہواؤں کی نذر ہو جائے گا۔ اور آندھیاں اسے ادھر سے ادھر پھینکتی رہیں گی۔

یہی صورتِ حال انسانی نفس اور اس میں جو قابلیت واستعداد اور طبیعت وعادت رکھی گئی ہے اس کی ہے کہ جب اس کی اچھے اخلاق کے ساتھ دیکھ بھال کی جاتی ہے، اور علوم ومعارف کے پانی سے اس کی آبیاری ہوتی ہے، اور عملِ صالح اس کی معاونت کرے اور اسے سہارا دے تو وہ اچھائی وخیر میں نشوونما پاتا ہے اور کمال کے مدارج طے کرتا ہے اور پھر ایسا شخص انسانوں میں چلنے والے فرشتے کی مانند بن جاتا ہے۔

لیکن اگر اسے مہمل چھوڑ دیا جائے اور حوادثِ زمانہ کی نذر کر دیا جائے حتیٰ کہ اس پر جہالت کا زنگ چڑھ جائے، اور برے ساتھیوں کی عادات اس پر اثر انداز ہو جائیں اور بری عادتوں کا اس پر غلبہ ہو جائے تو بلاشبہ وہ شر وفساد میں نشوونما پائے گا، اور آزادی وبے راہ روی کے جوہڑ میں ہاتھ پاؤں مارے گا، اور پھر یہ شخص اس وحشی درندے کی مانند ہوگا جو انسانوں کے درمیان چلتا پھرتا ہو اور اپنے آپ کو اچھے لوگوں میں شمار کرتا ہو۔

ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ یہ دعوٰی کرتے ہیں کہ انسانی فطرت وطبیعت خواہ خیر کی ہو یا شر کی اس کو تبدیل کرنا ناممکن ہے اور نہ ہی اس کی اصلاح ہو سکتی ہے یہ ایک ایسا باطل دعوٰی ہے جو شریعت، عقل، تجربہ ومشاہدہ سب کے خلاف ہے، اور علماءِ نفس وتربیت واخلاق کی اکثریت بھی اس کو باطل قرار دیتی ہے۔

اس موقعہ پر ہم امام غزالی کی اس تحریر پر اکتفا کرتے ہیں جو انہوں نے اپنی کتاب "احیاء العلوم" میں بچے کو اس کی قابلیت وصلاحیت اور فطرت کے اعتبار سے اچھی خصلتوں یا بری عادتوں کا عادی بنانے کے سلسلہ میں لکھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ بچہ اپنے والدین کے پاس ایک امانت ہوتا ہے۔ بچے کا پاک دل ایک نفیس جوہر ہے۔ اس لیے اگر اسے برائی کا عادی بنا دیا گیا اور اسے حیوانات کی طرح آزاد وشتر بے مہار چھوڑ دیا گیا تو وہ بدبخت بنے گا اور ہلاک ہو جائے گا۔ اس کی حفاظت کا طریقہ یہ ہے کہ اسے ادب سکھایا جائے اس کی تربیت کی جائے اور اسے اچھے اخلاق سکھائے جائیں۔

علامہ ابن خلدون نے اپنی کتاب "مقدمہ ابن خلدون" میں بچے کی قابلیت واستعداد اور اس کے خراب ہونے کے

بدس کی اصلاح کے ممکن ہونے کے سلسلہ میں امام غزالی کے مذہب کو اختیار کیا ہے، بلکہ مغرب و مشرق کے بہت سے فلاسفہ بھی اس رائے کے قائل ہیں اور یہی قول پسند کرتے ہیں۔

ور اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اس شاعر پر جس نے درج ذیل اشعار کہے ہیں:

وینشأ ناشئ الفتیان فینا	علی ما کان عوّدہ أبوہ
ہمارے بچے و نوجوان انہی خصلتوں میں نشوونما پاتے ہیں	جن کا ان کے والدین نے ان کو عادی بنایا ہے
وما دان الفتی بحجی ولکن	یعودہ التدین أقربوہ
کوئی نوجوان اپنی عقل سے دین قبول نہیں کرتا بلکہ	دینداری کا عادی اس کو اس کے رشتہ دار بناتے ہیں
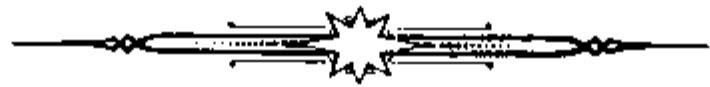
مربی کو چاہیے کہ فرد کی اصلاح کرنے اور اس کی کجی دور کرنے میں لوگوں کی عمر کے درمیان امتیاز کرے اور اچھائی کا عادی بنانے اور تربیت میں عمر کے فرق کا خیال رکھے؛

بڑوں کے لیے ان کے مناسب حال طریقہ اپنائے۔

اور بچوں کے لیے وہ طریقہ و اسلوب اپنائے جو ان کے مناسب ہو۔

بڑوں (یعنی وہ لوگ جو بالغ ہو چکے ہوں ان) کی اصلاح کے لیے اسلام کے نظامِ تربیت میں تین بنیادی امور پر اعتماد کیا گیا،

۱۔ عقیدہ سے ربط و تعلق۔

۲۔ برائی اور شر کو کھول کر بیان کر دینا۔

۳۔ ماحول کا بدلنا۔

عقیدہ سے ربط و تعلق ایک مؤمن کے اللہ کو حاضر و ناظر جاننے ۔۔ اس کے مراقبہ، اور ہر حالت اور ہر موقعہ پر اس کی عظمت کا خیال رکھنے اس کے خوف کو سامنے رکھنے کے لیے ایک عظیم ترین اساس ہے۔ اور اس کا اثر یہ ہوگا کہ قوتِ نفسانی اور شخصی ارادہ طاقت ور ہوگا۔ چنانچہ پھر وہ نہ شہوت کا غلام بنے گا اور نہ اپنی خواہشات و آرزوں کا قیدی ہوگا، بلکہ کلی طور پر بلا کسی تردد اور پس و پیش کے وہ ربانی نظام کو اس طرح نافذ کرنے کی جانب متوجہ ہوگا جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول علیہ الصلاۃ والسلام پر اس کی وحی بھیجی ہے، اور اس سلسلہ میں اس کا شعار اللہ تبارک وتعالیٰ کا درجِ ذیل فرمانِ مبارک ہوگا:

((وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ حُکْمًا لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ﴿﴾)). المائدہ۔ ۵۰

اور کون اللہ سے بہتر حکم کرنے والا ہے یقین کرنے والوں کے واسطے۔

اور اس سلسلہ میں اس کی میزان و ترازو یہ آیت ہوگی :

((وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ)) . الحشر - ۷

تو رسول جو کچھ تمہیں دے دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس سے وہ تمہیں روک دیں رک جایا کرو ۔

اس لیے کہ اس ایمان کا تقاضہ ہی یہ ہے کہ بلا کسی تکلیف محسوس کیے شریعت پر عمل پیرا ہو اور اسلامی تعلیمات کے سامنے مکمل طور سے سر جھکا دے :

((فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا)) . النساء - ۶۵

سو قسم ہے آپ کے رب کی وہ اس وقت تک مؤمن نہ ہوں گے جب تک کہ آپ کو ہی منصف نہ جانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے پھر نہ پائیں آپ کے فیصلہ سے اپنے جی میں تنگی اور خوشی سے قبول کریں ۔

بلا شبہ تمام عبادات اور سارے اذکار و اوراد ، قرآن کریم کی تلاوت ، اس کی آیات پر رات کی گھڑیوں اور دن کے حصوں میں غور و فکر کرنا ، تمام حالات و ظروف میں اللہ کی عظمت کا احساس کرنا ، اور موت اور اس کے بعد پیش آنے والی چیزوں پر یقین رکھنا ۔ اور عذابِ قبر اور منکر و نکیر کے سوال پر ایمان لانا اور عالم آخرت اور قیامت کی ہولناک چیزوں کا اعتقاد رکھنا ۔ یہ تمام چیزیں مومن میں اللہ جل شانہ کے مراقبہ کی کیفیت کو پیدا کرتی ہیں ۔ اور اس کو ایک ایسا مستقیم متوازن انسان بنا دیتی ہیں جو روح اور جسم کے مطالب و ضروریات کے درمیان و دنیاوی زندگی میں توازن قائم رکھتا ہے ۔ اور دنیا کے لیے کام کاج ، اور آخرت کے لیے عمل کرنے میں توازن کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا ۔ چنانچہ وہ بلا کسی کمی و کوتاہی کے ہر صاحبِ حق کے حق کو ادا کرتا ہے ، اور اس سلسلہ میں اس کا شعار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا درج ذیل فرمانِ مبارک ہوتا ہے :

((إن لله عليك حقاً . ولنفسك عليك حقاً . ولأهلك عليك حقاً ... فأعط كل ذي حق حقه)) .

تم پر اللہ کا بھی حق ہے ۔ اور تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے اہل و عیال کا بھی حق ہے ... اس لیے ہر صاحبِ حق کو اس کا حق ادا کرو ۔

یہ مسلم شدہ امور میں سے ہے کہ جب ایک مؤمن اپنے اندر اللہ کے مراقبہ کے پہلو کو قوی کر لیتا ہے ۔ اور جب اس میں نفسِ امارہ اور خواہشاتِ نفس پر غالب ہونے کا ذاتی ارادہ و خواہش پیدا ہو جائے تو ایسی صورت میں ایسا انسان اندر سے درست و ٹھیک ہو جاتا ہے ۔ اور اپنے تمام معاملات کے لیے اپنے عقیدہ و ضمیر کی ایک ترازو مقرر کرتا ہے ، اور پھر نہ وہ راہِ راست سے بھٹکتا ہے ، نہ فسق و فجور میں گرفتار ہوتا ہے ۔ نہ اس میں انحراف پیدا ہوتا ہے ۔ اور نہ وہ بدبختی کے دام میں گرفتار ہوتا ہے ، اس لیے کہ اسے اس بات کا پکا یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہے ہیں ، اور اس کے باطن و

ظاہر کیے جانے والے ہیں۔ اور آنکھوں کی خیانت اور دلوں کی پوشیدہ باتوں پر مطلع اور خبردار ہیں۔

یہی راز تھا اس عظیم موقف میں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس وقت اختیار کیا تھا جب شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا۔ تو ان سب نے بیک آواز کہا: اے ہمارے رب اب ہم اس سے رک گئے ہیں، اور پھر اس قول کے ساتھ فعل سے بھی یہ کر دکھایا اور شراب کے مٹکے و مشکیزے مدینہ منورہ کی گلی کوچوں میں بہا دیے۔

اور یہی راز تھا اسلامی معاشرے کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک ٹھیک اور صحیح ہو جانے کا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں قاضی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ دو سال تک فیصلوں کے لیے قاضی کی مسند پر بیٹھے رہے لیکن کوئی دو آدمی بھی ان کے پاس کوئی قضیہ و معاملہ لے کر نہ آئے، چنانچہ لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفۂ وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور اس منصب سے استعفیٰ کی درخواست ان کو پیش کی۔ اس لیے کہ وہ ان سالوں میں بغیر کسی مقدمہ کے فیصلہ اور کام کاج کے کئی سال گزار چکے تھے۔

بلاشبہ اس کا راز یہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ــــ اپنے تمام معاملات و حالات میں اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر سمجھتے تھے۔ اور جب صورت حال یہ ہو تو ان میں جھگڑا کیوں کر ہو اور جب کہ منہج ربانی اور خدائی نظام ان کے پاس موجود ہو؟ اور بھلا ایسی صورت میں ان میں اختلاف کیوں کر ہو جب کہ اللہ کا خوف وخشیت ان کے دلوں اور اعضاء میں رچ بس گیا ہو؟ اور ان میں انحراف کیوں کر پیدا ہو جبکہ وہ ہر صاحبِ حق کو زندگی میں اس کا حق ادا کر دیا کرتے تھے؟ ــــ اس لیے اس سے آنکھوں والوں کو عبرت حاصل کر لینا چاہیے۔

رہا شر و برائی کو کھول کر بیان کر دینا، تو یہ بھی بڑوں کو مطمئن کرنے اور برائی کے چھوڑنے اور گناہ و فساد سے نفرت دلانے کے لیے بہت اہم طریقہ اور عظیم وسیلہ ہے۔

شر کی برائی کو کھول کر بیان کرنا، اور باطل کو ننگا کر دینا یہ وہ طریقہ ہے جسے قرآنِ کریم نے زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کو ان کی غلط عادات وطور طریقوں کے چھوڑنے اور گناہوں اور برائیوں سے بچانے کے لیے اختیار کیا تھا، اور ہم اس کو ایک مثال سے سمجھائے دیتے ہیں:

اسلام نے جب شراب کو حرام قرار دیا تو حرمت کا حکم قرآنِ کریم کی آیات میں وقتاً فوقتاً نازل ہوتا رہا، ان آیات میں کہیں شراب کی برائیوں اور مفاسد اور ان برے اثرات کو بیان کیا گیا جو انسان پر پڑتے ہیں، اور کہیں اخلاقی معاشرتی و دینی نقصانات کو بیان کیا گیا، چنانچہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا درج ذیل فرمانِ مبارک نازل ہوا:

((وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝)). النحل - ۶۷	اور کھجور اور انگور کے میوے سے بناتے ہو نشہ اور روزی خاصی۔ اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے واسطے جو سمجھتے ہیں۔

س آیت میں نشہ اور اچھے رزق کے درمیان مقابلہ کیا گیا ہے تاکہ سمجھدار لوگ یہ سمجھ لیں کہ شراب اور چیز ہے اور رزق حسن اور چیز ہے۔ تاکہ بعد میں جب شراب کی حرمت کا حکم نازل ہو تو لوگوں کو یہ محسوس ہو جائے۔

اس کے بعد درج ذیل آیت نازل ہوئی،

((يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ۔ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا۔)) ۔ البقرہ - ۲۱۹

آپ سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجیے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کیلیے فائدے بھی ہیں۔ اور ان کا گناہ ان کے فائدہ سے بہت بڑا ہے۔

اس آیت میں تجارتی فائدہ پر گناہ کے پہلو کو راجح قرار دیا گیا، تاکہ شراب کی وہ محبت وانس جو ان کے دلوں میں بیٹھا ہوا تھا وہ دور ہو اور اس کی عادت ختم ہو جائے۔

پھر یہ آیت نازل ہوئی:

((يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ)) النساء-۴۳

اے ایمان والو نزدیک نہ ہو جاؤ نماز کے جس وقت کہ تم نشے میں ہو یہاں تک کہ سمجھنے لگو جو کہتے ہو۔

چنانچہ اس آیت کے ذریعہ شراب کے اس برے اثر کو ذکر کیا گیا جو عقل پر پڑتا ہے۔ اور شراب کے استعمال کے روکنے اور نماز کے اوقات میں اس کے استعمال سے بچنے سے قبل اس کے ان نقصانات کو بتلایا گیا جو تشویش واختلاط کی شکل میں پیش آتے ہیں:

((يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ)) المائدۃ

اے ایمان والو یہ جو ہے شراب اور جوا اور بت اور پانسے سب شیطان کے گندے کام ہیں، سو ان سے بچتے رہو، تاکہ تم نجات پاؤ، شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ تم میں دشمنی اور بیر ڈالے بذریعہ شراب اور جوئے کے، اور تم کو روکے اللہ کی یاد سے اور نماز سے سو اب بھی تم باز آؤ گے۔

بتلائیے اس کا مطلب کیا ہے کہ قرآن کریم نے شراب کو بتوں اور جوئے وقمار کے ساتھ شامل کر دیا اور پھر یہ بتلایا کہ شراب گندی چیز ہے، پھر اس پر متنبہ فرمایا کہ شراب شیطان کے کاموں میں سے ہے، پھر اس کے اخلاقی نقصانات بتلائے کہ یہ لوگوں میں عداوت وبغض کا بیج بوتی ہے، اور پھر اس کے دینی نقصانات بتلائے کہ یہ شراب اللہ کے ذکر ونماز سے روک دیتی ہے؛ بتلائیے اس سب کا کیا مطلب ہے؟ کیا اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ شراب اپنی اصلی حقیقت پر کھل کر سامنے آگئی اور ارباب عقل

ودانش کے سامنے اس کے نقصانات برائیاں ومفاسد ظاہر ہوگئے؟ کیا اس وضاحت اور کھول کر بیان کرنے کے بعد بھی کوئی شخص اس کے حرام ہونے یا اس سے دور ہونے میں کوئی ناک بھوں چڑھائے گا؟ بلاشبہ ایک عقلمند منصف مؤمن تو یہی کہے گا کہ اے رب آپ نے اتنی تفصیل وتوضیح کے ساتھ جو بیان فرمایا اور حرمت نازل کی اس کے بعد میں بھلا اس سے کیوں نہ رک جاؤں، اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے سامنے جب شراب کی حقیقت کھل کر سامنے آگئی اور حرمتِ شراب کی آیت نازل ہوئی تو انہوں نے بالکل یہی کیا۔

اسی پر آپ قرآنِ کریم کے حرام کردہ عام جاہلی عقائد اور معاشرتی برائیوں کو قیاس کر لیجیے جیسے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک گردانا ، زنا ، جوا ، سود ، قتل ، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا، اور یتیم کے مال کو کھانا، کہ ان چیزوں کو قرآنِ کریم نے اس وقت تک حرام قرار نہیں دیا جب تک ان کی حقیقت کھول کھول کر نہ بیان کردی، اور اس کی بہت سی برائیوں کا تذکرہ نہیں کردیا، اور سمجھدار وعقلمندوں کو اس سے متنفر نہ کرایا، اور انہیں اس سے دُور رہنے کا حکم نہ دیا، اس لیے کہ یہ چیزیں فرد اور معاشرہ دونوں کو بدترین نتائج اور خطرناک حالات تک پہنچانے والی ہیں۔

رہا ماحول کا بدلنا تو یہ بھی فرد کی اصلاح اور اس کی رہنمائی اور تربیت وشخصیت سازی میں دوسری اور بنیادی چیزوں سے کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا بلکہ یہ بھی بہت اہم دبنیادی چیز ہے۔

ورنہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ ہجرت کرنے کی اجازت کیوں کردی؛ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو ہجرت کا حکم کیوں کردیا؛

کیا اس کا مقصد یہ نہیں تھا کہ ایسے اچھے ماحول میں افراد کو تیار کیا جائے جس کی مجالس میں منکرات وبے حیائی کی باتیں عام نہ ہوں اور اس کی سرزمین پر گناہوں اور محرمات کا ارتکاب نہ کیا جاتا ہو؛

کیا اس کا مقصد یہ نہیں تھا کہ نازل شدہ آسمانی قانون کے سایے اور ایک عظیم ومحیط حدت کے جھنڈے تلے ایک حکومت کو قائم کیا جائے ؛

کیا اس کا مقصد یہ نہیں تھا کہ مسلم فرد کی اصلاح ایک ایسے معاشرہ میں کی جائے جس میں اسلام کی حکومت ہو اور جس پر قرآن نازل ہو رہا ہو ؛

ہم اس سے قبل اس شخص کی حدیث بھی بیان کرچکے ہیں جس نے سو آدمیوں کو قتل کردیا تھا، اور پھر روے زمین کے سب سے بڑے عالم کے بارے میں پوچھا تاکہ اس سے یہ دریافت کرے کہ کیا اس کی بھی توبہ قبول ہوسکتی ہے؛ تو اس نے اس سائل کے جواب میں کہا تھا کہ فلاں فلاں جگہ چلے جاؤ وہاں کچھ لوگ اللہ کی عبادت کرتے ہوئے ملیں گے، تم بھی ان کے ساتھ وہاں اللہ کی عبادت کرنا اور اپنی قوم کی سرزمین کی طرف ہرگز نہ جانا اس لیے کہ وہ بدترین جگہ ہے۔

کیا یہ حدیث اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ فرد کی اصلاح اور اس کی کجی دور کرنے اور اس کو بری عادتوں سے

بچانے اور گندے اوصاف سے نجات دلانے میں اچھے ماحول کا بہت بڑا دخل واثر ہوتا ہے؟

اس سے قبل ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث مبارک اس باب میں ذکر کر چکے ہیں کہ صحبت کا ساتھ رہنے والے ساتھی پر اچھا یا برا اثر پڑتا ہے اس لیے کہ انسان اپنے دوست کے مذہب پر ہوتا ہے۔ اور اس لیے کہ صحبت کا اصلاح و فساد میں بہت بڑا اثر ہوا کرتا ہے۔

یہاں سے ہمیں یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ فرد (خواہ وہ بڑا کیوں نہ ہو) اس کی اصلاح کا نقطۂ اساسی اس خراب ماحول و معاشرہ کو بدلنا ہے جو بے لگام، آزادی پرست، گندے ساتھیوں اور جاہل دوستوں پر مشتمل ہو۔

اب تک ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ بڑوں کی اصلاح میں اسلام نے جس طریقے کو اپنایا ہے اس کی بنیاد تین ایسی اساسی چیزوں پر ہے جن کا اخلاق کے درست کرنے اور کجی کو دور کرنے میں بڑا اثر دخل ہے:

چنانچہ جب عقیدہ سے ارتباط ہوگا تو آدمی میں مراقبۂ الٰہیہ کا شعور اور ظاہر و باطن میں اللہ سے خشیت و خوف پیدا ہوگا۔ اور اس کی وجہ سے اس میں ایسی قوتِ ارادی پیدا ہوگی جو اسے محرمات سے روکے گی اور وہ اعلیٰ ترین اخلاق اور بہترین صفات سے متصف ہو جائے گا۔

اور جب برائی اور شر کھل کر سامنے آجائے گا تو انسان برائیوں کو چھوڑ دے گا اور تمام برائیوں سے بچنے کا پورا عزم کرے گا بلکہ ہر گناہ و برائی کے چھوڑنے میں اسے قلبی و نفسیاتی سکون و طمانینت حاصل ہوگی۔

اور معاشرتی ماحول کے بدلنے سے انسان کے لیے خیر و بھلائی کا اختیار کرنا آسان اور اس کے لیے فضا سازگار ہوگی اور عزت و شرافت کی زندگی مہیا ہوگی۔ بلکہ اس کے حالات وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ درست ہوتے جائیں گے اور مرورِ ایام کے ساتھ اس کے افعال و اخلاق سنورتے جائیں گے۔

اس لیے معاشرہ کی اصلاح کے خیرخواہوں اور مربیوں کو چاہیے کہ اگر وہ امت کے افراد کے لیے بھلائی و خیر اور امن و معاشرہ کے افراد و ابناء کے لیے سلامتی و استحکام چاہتے ہیں تو بڑوں کی اصلاح کے لیے اس راستے و طریقے کو اختیار کریں جو اسلام نے مقرر کیا ہے۔

﴿ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ یوسف - ۱۰۸	آپ کہہ دیجیے کہ یہ میری راہ ہے۔ بلاتا ہوں اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر میں اور جو میرے ساتھ ہے۔ اور اللہ پاک ہے اور میں نہیں شریک بنانے والوں میں۔

اسلام نے بچّوں اور چھوٹوں کی اصلاح کے لیے جو طریقہ و منہج اختیار کیا ہے اس کا مدار دو بنیادی چیزوں پر ہے :

۱۔ تلقین۔
۲۔ عادت ڈلوانا۔

تلقین سے ہماری مراد ہے اصلاح و تربیت کا نظری پہلو۔
اور عادت ڈلوانے سے مراد ہے اس کے بنانے اور تیار کرنے کا عملی پہلو۔
چونکہ بچے میں اخذ و سیکھنے کی عادت و صلاحیت اور عمر و زندگی کے دیگر مراحل میں سب سے زیادہ ہوتی ہے، اس لیے والدین، معلمین و مربیوں پر لازم ہے کہ بچے کو اچھی باتیں سکھائیں۔ اور خیر کی تلقین کریں، اور جب سے وہ شعور کی عمر کو پہنچے اور زندگی کی حقیقت کو سمجھنے لگے اسی وقت سے اسے ان امور کا عادی بنائیں۔
اس سے قبل ہم امام غزالی کا وہ قول نقل کر چکے ہیں کہ بچہ اپنے والدین کے پاس ایک امانتِ خداوندی ہوتا ہے، اور پاک صاف دل ایک نفیس موتی ہے لہٰذا اگر اسے خیر کا عادی بنایا جائے اور اچھی باتیں سکھائی جائیں تو وہ انہی میں نشو ونما پائے گا اور دنیا و آخرت میں سعید و نیک بخت بنے گا۔

اس موقعہ پر میرا خیال ہے کہ میں مربیوں کے لیے بچوں کو تلقین اور اچھی باتوں کے عادی بنانے کے سلسلے میں بعض مثالیں پیش کر دوں تاکہ وہ ان کے لیے بصیرت کا سامان اور چراغِ راہ بن جائیں ؛

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مربیوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو کلمہ لا اِلٰہ الا اللہ سکھائیں چنانچہ حاکم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے : اپنے بچوں کو سب سے پہلے کلمہ لا الٰہ الا اللہ سکھاؤ۔ یہ تو نظری پہلو ہے۔
اس تلقین کا عملی پہلو یہ ہے کہ بچے کو اس بات کا عادی بنایا جائے اور اسے اس بات کے لیے تیار کیا جائے کہ وہ دل کی گہرائیوں اور اپنے وجدان کی تہ سے اس بات پر یقین و ایمان رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی خالق ہے نہ معبود نہ ایجاد کرنے اور بنانے والا، اور یہ ان نشانیوں اور چیزوں کے ذریعے سے ہوگا جن کا مشاہدہ بچہ اپنی آنکھوں سے کرتا ہے مثلاً پھول، آسمان، زمین، سمندر اور انسان وغیرہ تمام مخلوقات، تاکہ وہ یہ نتیجہ نکالے اور عقلی طور سے استدلال کرے کہ در حقیقت مؤثر ذات

اللہ جل شانہ ہی کی ہے۔

مربی کو بچے کے سامنے جو حقیقت بیان کرنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ یہ سارا عالم تمام ان اشیاء سے بھرا ہوا ہے جو انسان کے سننے دیکھنے کے دائرہ میں آتی ہیں اور یہ تمام اشیاء خود بخود وجود میں نہیں آسکتیں اس لیے کہ یہ جامد ہیں، اور ان میں عقل و تدبیر کا ملکہ نہیں ہے، اور نہ ان میں علم اور ارادہ کی قوت ہے، اس لیے ان کا کوئی موجد و بنانے والا ضرور ہونا چاہیے، اور وہ اللہ تعالیٰ جل شانہ ہی ہیں۔

اسی طرح سے آسمانوں وزمینوں کے بنانے میں غور وفکر اور تأمل کے ذریعہ مربی بچے کو اس اللہ جل شانہ کی ذات پر ایمان لانے تک پہنچا سکتا ہے جو وحدہ لاشریک لہ ہے، نہ اس کا کوئی شریک ہے نہ ساتھی، اور وہی اس سب کا پیدا کرنے والا ہے اس سلسلہ میں تدریجی طور سے کام لینا چاہیے پہلے محسوس اشیاء سے، پھر جو عقل کے دائرے میں آتی ہیں ان سے، اور جزئی سے کلی، اور بسیط سے مرکب کی طرف ترقی کرنا چاہیے، تاکہ بچہ وجدانی اور عقلی طور سے حجت دلیل اور اطمینانِ قلب کے ساتھ اللہ جل شانہ پر ایمان لے آئے[1]۔

❁ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مربیوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو سات سال کی عمر ہی میں نماز کی تلقین کریں، چنانچہ حاکم و ابوداؤد حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جب کہ وہ سات سال کے ہوں، اور نماز کے لیے ان کو مارو جب وہ دس سال کے ہو جائیں، اور ان کے بستروں کو الگ الگ کر دو، یہ نظری پہلو ہے۔

عملی پہلو یہ ہے کہ بچے کو نماز کے احکام، اس کی رکعات کی تعداد، اور اس کا طریقہ سکھایا جائے، اور بازپرس و نگرانی کے ذریعہ اسے نماز کا عادی بنایا جائے، اور مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے کا حکم دیا جائے تاکہ نماز اس کی عادت وطبیعت بن جائے۔

❁ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مربیوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو حلال وحرام کے احکام سکھائیں، اس لیے کہ ابن جریر وابن المنذر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے بچوں کو احکام واوامر کے بجالانے اور ممنوع وحرام چیزوں سے بچنے کا حکم دو، یہ تمہارے اور ان کے لیے آگ سے بچنے کا ذریعہ ہے، یہ نظری پہلو ہے۔

عملی پہلو یہ ہے کہ بچے کو اللہ تعالیٰ کے احکامات ماننے اور ان پر عمل کرنے اور جن چیزوں سے روکا گیا ہے ان سے رکنے کی عادت ڈلوائی جائے اور اس کی مشق کرائی جائے، اور اگر مربی یہ دیکھے کہ بچے نے کوئی برا کام کیا ہے

---

[1] اس سے قبل ہم تربیۃ الاولاد فی الاسلام کی قسم ثانی میں ایمانی تربیت کی ذمہ داری کی بحث کے ضمن میں اللہ جل شانہ پر ایمان کے مسائل کے بارے میں تفصیلی بحث کر چکے ہیں لہٰذا اس کا مطالعہ کیجیے۔

یا گناہ کا ارتکاب کیا ہے مثلاً چوری یا گالم گلوچ تو اسے اس سے ڈرائے اور یہ بتلائے کہ یہ برا اور حرام و ناجائز کام ہے۔

اور اگر مربی یہ دیکھے کہ بچہ اچھا کام کر رہا ہے یا نیکی میں مشغول ہے، یا صدقہ و خیرات یا کسی کی امداد میں لگا ہوا ہے، تو اسے مزید ترغیب دے، اور اس سے یہ بتلائے کہ یہ بہت اچھا اور جائز کام ہے۔ اور اس طرح سے اس کی نگرانی و دیکھ بھال رکھے تاکہ خیر و بھلائی اس کی فطرت و عادت بن جائے۔

❁ رسولِ انور علیہ الصلاۃ والسلام نے مربیوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اہلِ بیت و صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے محبت اور قرآن کریم کی تلاوت کی تلقین کریں، اس لیے کہ طبرانی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنی اولاد کو تین باتیں سکھاؤ: اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت، اور ان کے اہلِ بیت کی محبت، اور قرآن کریم کی تلاوت، یہ نظری پہلو ہے۔

عملی پہلو یہ ہے کہ مربی اپنی اولاد کو جمع کر کے ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات و جنگیں اور آپ کے اہلِ بیت و صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت و حالات اور بڑے مسلمانوں و قائدین کی شخصیات کے تاریخی احوال سنائے، اور انہیں تلاوتِ قرآنِ کریم کی تعلیم دے، تاکہ بچے ان حضرات کے شاندار بہادری کے کارناموں اور جہاد کی اقتدا کریں، اور وجدان و شعور کے اعتبار سے تاریخِ اسلامی سے مربوط رہیں، اور دستور اور منہج کے لحاظ سے قرآنِ کریم سے ان کا تعلق مضبوطی سے قائم ہو۔

اس سے پہلے ہم وہ واقعہ نقل کر چکے ہیں جسے ادب و تاریخ کی کتابوں نے نقل کیا ہے کہ مفضل بن زید نے ایک مرتبہ ایک دیہاتی عورت کے لڑکے کو دیکھا اور انہیں وہ بہت خوش منظر معلوم ہوا، انہوں نے اس عورت سے اس بچے کے بارے میں دریافت کیا، تو اس نے کہا کہ: جب وہ پانچ سال کا ہو گیا تو میں نے اسے استاذ کے حوالے کر دیا، چنانچہ اس نے قرآنِ کریم حفظ کیا اور قاری بن گیا۔ اور اس کو اس کے استاذ نے اشعار یاد کرائے اور سکھائے، اور اس کو اپنی قوم کے کارناموں میں رغبت دلائی گئی، اور اس کے آباء و اجداد کے قابلِ فخر کارنامے بتلائے گئے۔ پھر جب یہ بلوغ کی عمر کو پہنچ گیا تو میں نے اسے شہ سواری سکھائی، یہ اس میں ماہر ہو گیا اور شہ سوار بن گیا، اور ہتھیار سے لیس ہو کر قوم کے گھروں کے سامنے عزت سے چلنے لگا، اور دشمن و مدد کے طالب کی آواز پر کان دھرنے لگا۔

تلقین و عادی بنانے کی یہ بعض صورتیں اور نمونے ہیں، جن کے اصول اور بنیادی نکات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کیا ہے۔ اور یہ اس منہج اور طریقے کے دائرے میں داخل ہیں جسے اسلام نے بچے کے عقیدے اور ایمان کے لحاظ سے تیار کرنے کے لیے مقرر کیا ہے۔ اور واقعی جب مربی اپنی سی پوری محنت اور بچے کی تربیت و اصلاح اور عادی بنانے اور تلقین کرنے میں اپنی پوری جد و جہد صرف کر دے گا تو غالب گمان یہ ہے کہ ایسا بچہ اسلام کے لشکر کا سپاہی اور مضبوط عقیدے کا مالک اور دعوت و جہاد والوں میں سے ہوگا جس کے وجود پر قوم فخر کرے گی، اور اس کی طبیعت کے جماؤ اور

اخلاق وکردار کی وجہ سے معاشرہ خوش وخرم اور سعید ہوگا۔

وہ ضروری امور جن کا مربیوں کو اس لیے جاننا ضروری ہے تاکہ بچے کو اچھی عادتوں اور مکارمِ اخلاق کا عادی بنا سکیں ان میں سے یہ ہے کہ :

کسی موقعہ پر بچے کو شاباش دی جائے اور تعریفی کلمات کہے جائیں، اور کبھی اس کو کوئی انعام یا تحفہ دیا جائے اور کبھی ترغیب دینے کے اسلوب کو اپنایا جائے۔ اور کبھی ڈرانے کے طریقے کو اپنایا جائے، اور کبھی کبھی بعض حالات میں مربی اس بات پر بھی مجبور ہوجاتا ہے کہ سخت سزا دے بشرطیکہ اگر وہ یہ سمجھے کہ بچے کے انحراف اور کجی کو دور کرنے کے لیے اس کی ضرورت ہے۔

یہ تمام اسلوب بچے کو نفسیاتی فضائل اور مکارمِ اخلاق سکھانے اور معاشرتی آداب کا عادی بنانے میں فائدہ پہنچاتے ہیں، اور اس کو ایک ایسا فاضل، شریف، مستقیم ومتوازن انسان بنا دیتے ہیں جس سے لوگوں کو دلی محبت ہوتی ہے اور ان کی نفوس میں اس کا احترام وعظمت ہوتی ہے۔

اخیر میں میں یہ کہوں گا کہ۔ مربی حضرات اپنے حالات اور شکل وصورت کے اختلاف کے باوجود اگر بچے کی تربیت اور نیکیوں کا عادی بنانے میں اسلام کے طریقے وانداز کو اپنالیں، اور اس کے عقیدے کی اصلاح اور اخلاق کے سنوارنے میں اسلامی اسلوب اختیار کرلیں، تو عام طور سے یہ ہوگا کہ بچے راسخ اسلامی عقیدے اور بلند ترین قرآنی اخلاق پر نشوونما پائیں گے۔ بلکہ وہ اپنے اعلیٰ کارناموں اور اچھے اوصاف میں دوسروں کے لیے عمدہ وبہترین نمونہ بنیں گے۔

اس لیے مربیوں کو خوب کوشش ومحنت کرنا چاہیے۔ اور اپنے بچوں کی تربیت وتلقین اور عادت ڈلوانے اور اصلاح ومہذب بنانے کا حق ادا کرتے رہنا چاہئیے، اگر وہ ایسا کرلیں گے تو وہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھ گئے ہوں گے اور اپنے فریضہ کو ادا کرچکے ہوں گے اور اللہ جل شانہ کے یہاں بری الذمہ ہو جائیں گے، اور تربیت کی گاڑی کو آگے کی طرف بڑھا چکے ہوں گے، اور اس طرح سے وہ معاشرے میں امن واستقرار کی بنیادیں مضبوط کرنے والے بن جائیں گے۔ اور پھر مؤمن معاشرے اور مسلمان ماحول اور صالح قوم کو دیکھ کر مؤمنوں کے دل خوش ہوں گے۔ اور یہ چیز اللہ کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔

میرے خیال میں عادت وادب سکھانے کے ذریعہ تربیت کرنا تربیت کے ستونوں میں سے مضبوط ترین ستون ہے۔ اور بچے کی ایمانی نشوونما اور اخلاقی سدھار کے لیے مضبوط ترین وسیلہ ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس تربیت کا مدار دیکھ بھال وروک ٹوک اور ڈرانے اور رغبت دلانے اور ارشاد وتوجیہ ورہنمائی پر ہوتا ہے۔ اس لیے ہمیں ایسے مربیوں کی شدید ضرورت ہے جو مکمل طریقے سے اپنی ذمہ داری پوری کریں، اور اسلامی تربیت کو اس کا پورا حق دیں اس کا اہتمام

کرنے کے اعتبار سے بھی اور عمل کے اعتبار سے بھی اور مستقل اسمیں لگے رہنے ، اس کے سلسلہ میں تکلیف برداشت کرنے ، تلقین کرنے اد رہنمائی کرنے کے لحاظ سے بھی، تاکہ مستقبل قریب میں وہ اپنے جگر گوشوں کو اس پیغام کا حامل وداعی اور مصلح ، اور دعوت و ارشاد کی پرحوصلہ جماعت اور جہاد کے عظیم لشکر کی شکل میں دیکھیں۔

بلاشبہ بچے کو ادب سکھانا اور بچپن سے ہی اس کی دیکھ بھال رکھنا ہی ایسی تدبیر ہے جس کے بہترین نتائج اور شاندار ثمرات حاصل ہوتے ہیں، جب کہ بڑی عمر میں ادب سکھانا اور تربیت کرنا اور کمال تک پہنچانا بہت مشکل و کٹھن کام ہوتا ہے اللہ تعالیٰ رحم کرے اس شاعر پر جس نے یہ کہا ہے:

قد ينفع الأدب الأولاد في صغر   وليس ينفعهم من بعده أدب

تحقیق بچوں کو بچپن میں ادب سکھانا فائدہ بخش ہوتا ہے   اور اس کے بعد ان کو ادب سکھانے کا کچھ فائدہ نہیں ہوتا

إن الغصون إذا عدلتها اعتدلت   ولا تلين ـ ولو لينته ـ الخشب

اگر آپ ٹہنیوں کو سیدھا کرنا چاہیں تو سیدھا کر سکتے ہیں   لیکن لکڑی کو چاہے آپ نرم بھی کریں تب بھی نرم نہیں ہوتی

③ وعظ و نصیحت کے ذریعہ تربیت کرنا

جو اہم وسائل بچے کی ایمانی تربیت اور نفسیاتی، معاشرتی و اخلاقی تیاری میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ اس کی تربیت وعظ و ارشاد اور نصیحت و خیر خواہی کے ذریعہ کی جائے، اس لیے کہ بچے کو اشیاء کی حقیقت سمجھانے اور اسے اچھے کاموں میں لگانے، اور مکارم اخلاق سے آراستہ کرنے، اور اسلام کی بنیادی مہمات سے آشنا کرانے میں وعظ و نصیحت کو بڑا عمل دخل حاصل ہے، اسی لیے ایسی صورت حال میں جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم نے اس طریقے کو اپنایا، اور اس کے ذریعہ سے نفوس سے تخاطب کیا، اور بے شمار آیات میں اسے دہرایا، اور مختلف مقامات پر اپنی توجیہات و نصائح سے رہنمائی کی ہے، تو اس میں ذرا بھی تعجب باقی نہیں رہتا۔

قرآن کریم نے وعظ و نصیحت کے کلمات اور یاددہانی سے فائدہ اٹھانے کے سلسلہ میں جو ارشادات مکرر فرمائے ہیں ان میں سے بعض نمونے درج ذیل ہیں:

((وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰي وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓي اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۡ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ	اور اس وقت کا ذکر کیجیے جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ اے بیٹا اللہ کا شریک نہ ٹھہرا بے شک شرک بڑا بھاری ظلم ہے۔ اور ہم نے انسان کو تاکید کی اس کے ماں باپ سے متعلق، اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا، اور دو برس میں اس کا دودھ چھوٹنا ہے، کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکرگزاری کیا کر میری ہی طرف واپسی ہے۔ اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائے جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہیں تو تم ان کا کہنا نہ ماننا، اور دنیا میں ان کے ساتھ خوبی سے بسر کیے جانا، اور اسی کی راہ پر چلنا جو میری طرف رجوع کیے ہوئے ہو۔ پھر تم (سب) کو میرے پاس آنا ہے، پھر جو

خَبِيْرٌ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ
وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ
اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ)).

لقمان - ۱۶ تا ۱۷

کچھ تم کرتے رہتے تھے میں تمہیں سب بتلا دوں گا
اے بیٹا اگر کوئی عمل رائی کے دانے کے برابر ہو پھر کسی
پتھر کے اندر ہو یا آسمانوں میں یا زمین کے اندر ہو
اللہ اسے لے ہی آئے گا، بے شک اللہ بڑا باریک
بین ہے بڑا باخبر ہے۔ اے میرے بیٹے نماز کو قائم
رکھ اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر اور برے کام سے
منع کیا کر اور جو کچھ پیش آئے اس پر صبر کیا کر، بے شک
یہ (صبر) ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

اور اللہ تعالیٰ سورۂ سبأ میں انبیاء علیہم السلام کی زبانی ارشاد فرماتے ہیں:

((قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ
مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۣ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ
جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ
شَدِيْدٍ ۝ قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۭ
اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ
قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝
قُلْ جَاۗءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ)).

سبا - ۴۶ تا ۴۹

آپ یہ کہیے میں تم کو ایک بات سمجھاتا ہوں، وہ یہ کہ تم
اللہ کے واسطے کھڑے ہو جایا کرو دو دو اور ایک ایک
پھر سوچو کہ تمہارے ان ساتھی کو جنون تو نہیں ہے، یہ
تو تم کو بس ایک ڈرانے والے ہیں عذاب شدید کی آمد
سے پہلے، آپ کہہ دیجیے کہ میں نے تم سے جو کچھ معاوضہ
مانگا ہو وہ تمہارا ہی رہا، میرا معاوضہ تو بس اللہ ہی کے
ذمہ ہے اور وہ ہر چیز پر پوری اطلاع رکھنے والا ہے آپ
کہہ دیجیے کہ میرا پروردگار حق کو غالب کرتا ہے وہ غیوب
کا جاننے والا ہے، آپ کہہ دیجیے کہ حق آگیا اور باطل نہ
کرنے کا اور نہ دھرنے کا۔

اور سورۂ ھود میں اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام کی زبانی ارشاد فرماتے ہیں:

((قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا
فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ
قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَاۗءَ وَمَآ
اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ
اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ

بولے اے نوح تو نے ہم سے جھگڑا کیا اور بہت جھگڑ
چکا، اب لے آ جو تو وعدہ کرتا ہے ہم سے اگر تو سچا ہے،
کہا کہ لائے گا تو اس کو اللہ ہی اگر چاہے گا اور تم نہ تھکا
سکو گے بھاگ کر۔ اور نہ کارگر ہوگی تم کو میری نصیحت جو
چاہوں کہ تم کو نصیحت کروں اگر اللہ چاہتا ہوگا کہ تم کو گمراہ

اَنْ يُّغْوِيَكُمْ، هُوَ رَبُّكُمْ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ))۔ ہود ۔ ۳۲ تا ۳۴
کرے، وہی ہے تمہارا رب اور اسی کی طرف لوٹ جاؤ گے۔

اور سورۂ اعراف میں حضرت ہود علیہ السلام کی زبانی ارشاد فرماتے ہیں:

((وَ اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۔ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ)) الاعراف ۔ ۶۵ تا ۶۸

اور قوم عاد کی طرف بھیجا ان کے بھائی ہود کو بولے اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا معبود کوئی نہیں۔ سو کیا تم ڈرتے نہیں، بولے سردار جو کافر تھے ان کی قوم میں ہم دیکھتے ہیں تجھ کو عقل نہیں، اور ہم تو تجھ کو جھوٹا گمان کرتے ہیں۔ بولے اے میری قوم میں کچھ بے عقل نہیں لیکن میں بھیجا ہوا ہوں پروردگار عالم کا، پہنچاتا ہوں تم کو پیغام اپنے رب کے، اور میں تمہارا اطمینان کے لائق خیر خواہ ہوں۔

دعوت الی اللہ اور اللہ سے ڈرانے اور وعظ و نصیحت کرنے میں قرآن کریم کا اسلوب و طرز متنوع قسم کا ہے، چنانچہ یہ سب انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی زبانی جاری ہوا، اور ان کے پیرو جماعت کے داعیوں اور افراد کی زبانی بار بار اس کا اظہار ہوتا رہا۔

کوئی بھی دو شخص اس میں اختلاف نہیں کریں گے کہ مخلصانہ وعظ اور مؤثر نصیحت اگر پاک صاف نفوس اور کھلے ہوئے سینے اور غور و فکر کرنے والی سمجھ دار و حکیم عقل کو پالے تو اس وعظ پر لبیک بھی جلدی کہا جاتا ہے اور اس کا اثر بھی بہت زیادہ ہوتا ہے۔

اس مفہوم کی تاکید قرآن کریم نے بہت سی آیات میں کی ہے، اور وعظ سے فائدہ اٹھانے اور اچھی بات کا اثر قبول کرنے اور نصیحت پر عمل کرنے کی بار بار تکرار کی ہے:

((اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ))۔ ق ۔ ۳۷
اس (ہلاک) میں اس کے لیے بڑی عبرت ہے جس کے پاس دل ہے یا وہ متوجہ ہو کر کان ہی لگا دیتا ہے۔

اور فرمایا،

((وَ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ))۔ الذاریات ۔ ۵۵
اور (انہیں) سمجھاتے رہیے کیونکہ سمجھانا نفع دیتا ہے ایمان والوں کو۔

نیز فرمایا:

((وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰۤى ۝ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ
اور آپ کو کیا خبر شاید وہ سنور ہی جاتا یا نصیحت قبول کر لیتا۔

الذِّكْرٰى))۔ عبس ۔ ۳ و ۴ اور اس کو نصیحت کرنا فائدہ ہی پہنچاتا۔

اور فرمایا :

((تَبْصِرَةً وَّ ذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ))۔ ق ۔ ۸ جو ذریعہ ہے بینائی اور دانائی کا ہر رجوع ہونے والے بندے کے لیے۔

نیز فرمایا :

((ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ))۔ ہود ۔ ۱۱۴ یہ یادگاری ہے یاد رکھنے والوں کو۔

نیز فرمایا :

((ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ))۔ الطلاق ۔ ۲ اس (مضمون) سے اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔

قرآن کریم ان آیات سے پُر ہے جو وعظ و نصیحت کے انداز کو دعوت و ارشاد کے طریقہ کی بنیاد اور افراد کی اصلاح اور جماعتوں کی ہدایت تک پہنچنے کا راستہ بتلاتی ہیں، جو شخص قرآن کریم کا مطالعہ کرے گا وہ وعظ و نصیحت کے اسلوب کو قرآن کی بہت سی آیات میں ایک مشاہد حقیقت پائے گا، قرآن کریم کبھی تقوی اختیار کرنے کی نصیحت کرتا ہے اور کبھی نصیحت کرنے اور یاد دہانی کرانے کے اجر و ثواب اور شان کو بیان کرتا ہے کبھی وعظ و نصیحت سے عبرت حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے، اور پھر نصیحت و خیر خواہی پر ابھارتا اور سیدھے راستے کی پیروی اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے، اور پھر ترغیب کے ذریعہ متوجہ کرتا ہے، اور اخیر میں ڈرانے و دھمکانے کے اسلوب کو اختیار کرتا ہے، اور اس طرح سے قرآن کریم کا پڑھنے والا اس کے الفاظ و معانی میں وعظ و نصیحت کو متعدد سانچوں اور مختلف اسلوب میں موجود پائے گا جو ہر ذی نظر و صاحب بصیرت کے لیے اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ قرآن کریم میں وعظ کو نفوس کو خیر کی تربیت دینے اور حق پر آمادہ کرنے اور ہدایت کے قبول کرنے کے سلسلہ میں نہایت اہمیت دی گئی ہے۔

اس سے قبل ہم قرآن کریم سے اس بات کی کئی واضح و صریح شہادات بیان کر چکے ہیں کہ پاک صاف نفوس اور کھلے ہوئے سینے اور سمجھدار و غور و فکر کرنے والی عقلوں کے سامنے اگر مؤثر انداز اور بلیغ وعظ و ارشاد، اور عمدہ نصیحت اور مخلصانہ پند و موعظت کے ذریعہ حق کو پیش کیا جائے تو وہ بلا تردد فوراً اس کو قبول کر لیتی ہیں، اور اول لمحہ میں اس سے متاثر ہوتی ہیں بلکہ فوراً حق کے سامنے گردن جھکا دیتی ہیں، اور اللہ کی اس ہدایت کو قبول کر لیتی ہیں جو اللہ نے نازل فرمائی ہے۔

یہ تو بڑے لڑکوں و آدمیوں کے لیے ہیں، پھر بھلا ان چھوٹے بچوں کا کیا کہنا جو فطرت اسلام پر پیدا ہوتے ہیں، اور ان کے قلوب پاک صاف ہوتے ہیں، ان میں کسی قسم کا تلوث و آلودگی نہیں ہوتی، اور ان کے نفوس کسی قسم کی جاہلی خرابی میں ملوث نہیں ہوتے، اور اب تک وہ گناہ و عدوان کی منزل تک نہیں پہنچے ہوتے ہیں، ظاہر ہے ایسے بچے وعظ و نصیحت

سے اور زیادہ متأثر ہوں گے اوران کا نصیحت کو قبول کرنا اور زیادہ قوی ہوگا۔

اس لیے مربیوں کو یہ حقیقت سمجھنا چاہیے کہ اگر وہ اپنے بچوں کے لیے بھلائی و کمال، اور عقلی و اخلاقی پختگی ودرستگی چاہتے ہیں تو انہیں وہ طریقہ اختیار کرنا چاہیے جو قرآنِ کریم نے وعظ ونصیحت ورہنمائی کرنے میں اختیار کیا ہے۔ وہ شعور کی عمر میں ہوں یا اس سے قبل کی، تاکہ ان کو ایمانی واخلاقی طور پر تیار کیا جاسکے اور ان کی نفسیاتی ومعاشرتی تعمیر ہوسکے۔

اس موقعہ پر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس طریقہ کو بیان کردیں جسے قرآن کریم نے وعظ ونصیحت کے سلسلہ میں اختیار کیا ہے، تاکہ وہ لوگ اس کو اختیار کرلیں جن کے ذمہ تربیت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اور اپنی اولاد یا شاگردوں کو تیار کرنے اور سنوارنے اور تعلیم دینے ومہذب بنانے میں منزلِ مقصود تک پہنچ سکیں۔

میرا اندازہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم نے وعظ ونصیحت کے سلسلہ میں جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ مندرجہ ذیل اسلوب وانداز میں ممتاز ومنفرد ہے:

۱۔ تسلی بخش ومطمئن کرنے کا انداز جس کے ساتھ نرمی ونکیر دونوں شامل ہوں۔

اس انداز کا انسان کے احساسات پر بہترین اثر پڑتا ہے اور دلوں پر زبردست تاثیر ہوتی ہے۔

اور مطمئن کرنے کا یا نرمی ونکیر والا انداز قرآن کریم کے خطاب میں بہت واضح پایا جاتا ہے جہاں لوگوں کے قلوب وعقول سے انبیاء علیہم السلام اور دعاۃ کی زبانی خطاب کیا گیا ہے قطع نظر اس کے کہ وہ کسی بھی جنس یا قبیلہ سے ہوں یا کیسی ہی شکل و صورت کے مالک ہوں۔

ان مختلف انداز کی متنوع دعوتوں اور پیغاموں میں بعض نمونے درج ذیل ہیں:

● بچوں کے لیے جو اعلان کیا گیا ان میں سے:

((وَإِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ))۔ لقمان۔ ١٣	اور اس وقت کا ذکر کیجیے جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ اے بیٹا اللہ کا شریک نہ ٹھہرانا۔

اور حضرت نوح علیہ السلام کی زبانی ارشاد ہے:

((يٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿﴾))۔ ہود۔ ٤٢	اے بیٹے سوار ہوجا ہمارے ساتھ اور کافروں کے ساتھ مت رہ۔

اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی زبانی اعلان ہوتا ہے:

((قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى	اے بیٹے اپنا خواب اپنے بھائیوں کے سامنے مت بیان

اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۵﴾))۔ یوسف۔ ۵

کرنا پھر وہ تمہارے واسطے کچھ فریب بنائیں گے البتہ شیطان انسان کا صریح دشمن ہے۔

اور حضرت ابراہیم و حضرت یعقوب علیہما السلام کی زبانی ارشاد ہے:

((يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾))۔ البقرہ۔ ۱۳۲

اے بیٹو بے شک اللہ نے چن کر دیا ہے تم کو دین سو تم ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان۔

عورتوں کے لیے جو اعلان کیے گئے:

فرشتوں کی زبانی حضرت مریم علیہا السلام کے لیے اعلان ہوتا ہے:

((يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ٭ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ)) آل عمران ۴۲ و ۴۳

اے مریم اللہ نے تجھ کو پسند کیا اور ستھرا بنایا اور پسند کیا تجھ کو سب جہاں کی عورتوں پر۔ اے مریم بندگی کر اپنے رب کی اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ رکوع کرنے والوں کے۔

اور فرمایا:

((يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾))۔ الاحزاب۔ ۳۲

اے نبی کی بیویو تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو جب کہ تم تقویٰ اختیار کر رکھو، تو تم بولی میں نزاکت مت اختیار کرو کہ (اس سے) ایسے شخص کو خیال (فاسد) پیدا ہونے لگتا ہے جس کے قلب میں خرابی ہے اور قاعدے کے موافق بات کہا کرو۔

قوموں کے لیے اعلان:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی اعلان ہوتا ہے:

((يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿﴾))۔ البقرہ۔ ۵۴

اے قوم تم نے اپنا نقصان کیا یہ بچھڑا بنا کر، سو اب توبہ کرو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف۔ اور اپنی اپنی جان کو مار ڈالو یہ تمہارے خالق کے نزدیک تمہارے لیے بہتر ہے، پھر متوجہ ہوا تم پر بے شک وہی ہے معاف کرنے والا نہایت مہربان۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کی زبانِ مبارک سے اعلان ہوتا ہے :

((یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ)). المائدہ۔۲۰

اے قوم یاد کرو اپنے اوپر اللہ کا احسان جب پیدا کیے تم میں نبی اور تم کو بادشاہ کر دیا اور دیا تم کو جو نہیں دیا تھا جہاں میں کسی کو۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا وہ داعی جو مسلمان ہو گیا تھا اس کی زبانی ارشاد ہوتا ہے :

((یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۝ يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۡ وَّ اِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ... وَيٰقَوْمِ مَا لِيْۤ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْۤ اِلَى النَّارِ...)).

المؤمن۔ ۳۸ تا ۴۱

اے میرے بھائیوں میری پیروی کرو میں تمہیں ٹھیک راستہ بتا رہا ہوں، اے میرے بھائیو یہ دنیوی زندگی محض چند روزہ ہے، اور ٹھہرنے کا ٹھکانا تو آخرت ہی ہے... اور اے میرے بھائیو یہ کیا ہے کہ میں تو تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلاتے ہو...

اور داعی جنوں کے ذریعہ ارشاد ہے :

((یٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝)).

الأحقاف۔ ۳۰و۳۱

اے ہماری قوم والو ہم ایک کتاب سن کر آئے ہیں جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے، جو اپنے سے پہلی (کتابوں) کی تصدیق کرتی ہے، اور حق اور راہِ راست کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اے ہماری قوم والو کہا مانو اللہ کی طرف بلانے والوں کا اور اس پر ایمان لے آؤ۔ اللہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تمہیں محفوظ رکھے گا عذابِ دردناک سے۔

مومنین کے لیے قرآنِ کریم نے جو اعلانات کیے ہیں ان میں سے :

((يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ)). البقرہ۔ ۱۵۳

اے مسلمانو مدد لو ساتھ صبر اور نماز سے، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اور فرمایا :

((يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ)). آل عمران۔ ۱۰۲

اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے جیسا اس سے ڈرنا چاہیے، اور نہ مرو مگر مسلمان۔

نیز ارشاد فرمایا :

((یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ))۔ الانفال۔۲۴

اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور رسول کا جس وقت بلائے تم کو اس کام کی طرف جس میں تمہاری زندگی ہے۔

اہل کتاب کو جو آواز لگائی گئی ہے:

((یٰاَهْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ))۔ آل عمران۔۶۴

اے اہل کتاب آؤ ایک بات کی طرف جو برابر ہے ہم میں اور تم میں کہ بندگی نہ کریں ہم مگر اللہ کی، اور شریک نہ ٹھہرائیں اس کا کسی کو، اور نہ بنائے کوئی کسی کو رب سوا اللہ کے، پھر اگر وہ قبول نہ کریں تو کہہ دو گواہ رہو کہ ہم تو حکم کے تابع ہیں۔

اور فرمایا:

((یٰاَهْلَ الْکِتٰبِ قَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمْ کَثِیْرًا مِّمَّا کُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْکِتٰبِ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ ؕ قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۵﴾))۔

المائدہ۔ ۱۵

اے کتاب والو تحقیق آیا ہے تمہارے پاس رسول ہمارا ظاہر کرتا ہے تم پر بہت سی چیزیں جن کو تم چھپاتے تھے کتاب میں سے، اور بہت سی چیزوں سے درگزر کرتا ہے۔ بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشن اور ظاہر کرنے والی کتاب آئی ہے۔

نیز فرمایا:

((یٰاَهْلَ الْکِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰی شَیْءٍ حَتّٰی تُقِیْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ ؕ وَلَیَزِیْدَنَّ کَثِیْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْیَانًا وَّکُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۶۸﴾))۔ المائدہ۔۶۸

اے کتاب والو تم کسی راہ پر نہیں جب تک نہ قائم کرو تورات اور انجیل کو اور جو تم پر اترا تمہارے رب کی طرف سے، اور ان میں بہتوں کو بڑھے گی شرارت اور کفر اس کلام سے جو آپ پر اترا آپ کے رب کی طرف سے، سو آپ اس قوم کفار پر افسوس نہ کریں۔

تمام لوگوں کو جو آواز لگائی ہے ان میں سے:

((یٰاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿﴾ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّ

اے لوگو بندگی کرو اپنے رب کی جس نے تم کو پیدا کیا اور ان کو جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ جس نے تمہارے واسطے زمین کو بچھونا بنایا اور آسمان کو چھت

اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخۡرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزۡقًا لَّكُمۡ ۚ فَلَا تَجۡعَلُوۡا لِلّٰهِ اَنۡدَادًا وَّ اَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۲﴾))۔ البقرہ۔ ۲۱ و ۲۲	اور آسمان سے پانی اتارا، پھر اس سے تمہارے کھانے کے واسطے میوے نکالے، سو نہ ٹھہراؤ کسی کو اللہ کے مقابل اور تم تو جانتے ہو۔

نیز فرمایا :

((يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَكُمۡ بُرۡهَانٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكُمۡ نُوۡرًا مُّبِيۡنًا)) النساء۔ ۱۷۴	اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے سند پہنچ چکی اور اتاری ہم نے تم پر واضح روشنی۔

اور فرمایا :

((يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمۡ ۚ اِنَّ زَلۡزَلَةَ السَّاعَةِ شَىۡءٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱﴾ يَوۡمَ تَرَوۡنَهَا تَذۡهَلُ كُلُّ مُرۡضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرۡضَعَتۡ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمۡلٍ حَمۡلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمۡ بِسُكٰرٰى وَلٰـكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيۡدٌ)). الحج۔ ۱ و ۲	اے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو (کیوں کہ) قیامت (کے دن) کا زلزلہ بڑی بھاری چیز ہے، جس روز تم اسے دیکھو گے ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی، اور ہر حمل والی اپنا حمل ڈال دے گی، اور لوگ تجھے نشہ میں دکھائی دیں گے حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب ہے ہی سخت چیز۔

اس قسم کے اعلانات وکلماتِ پند وموعظت قرآنِ کریم میں بہت کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

۲۔ قصص وواقعات کے انداز میں عبرت ونصیحت۔

یہ ایک ایسا اسلوب ہے جس کے اثرات نفس پر پڑتے ہیں اور یہ ذہن کو متأثر کرتا ہے، اور اس کی دلیلیں عقلی و منطقی طرز کی ہوتی ہیں، اس اسلوب کو قرآنِ کریم نے بہت سے مواقع پر استعمال کیا ہے خصوصًا رسولوں کے اپنی قوموں کے ساتھ جو واقعات پیش آئے ہیں ان میں، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ خصوصی انعام فرمایا کہ ان کے سامنے بہترین قصہ بیان فرمایا، اور ان پر بہترین کلام نازل فرمایا، تاکہ وہ لوگوں کے لیے نشانی وعبرت کا اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثبات اور ثابت قدمی وپختگی کا ذریعہ بنے، ارشاد ہے :

((نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَاۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ))۔ یوسف۔ ۳	ہم آپ کے سامنے بہت اچھا بیان بیان کرتے ہیں اس واسطے کہ ہم نے آپ کی طرف یہ قرآن بھیجا۔

اور فرمایا :

((تِلۡكَ الۡقُرٰى نَقُصُّ عَلَيۡكَ مِنۡ اَنۡۢبَآئِهَا)) الاعراف۔ ۱۰۱	یہ بستیاں ہیں کہ ہم ان کے کچھ حالات آپ کو سناتے ہیں۔

نیز فرمایا :

«وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ »). ہود۔ ١٢٠	اور سب چیز بیان کرتے ہیں آپ کے سامنے رسولوں کے احوال سے جس سے آپ کے دل کو تسلی دیں۔

اور فرمایا:

«فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ »)الاعراف۔١٧٦	سو بیان کیجیے یہ احوال تاکہ وہ دھیان کریں۔

اور فرمایا:

«هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى »). النازعات۔ ١٥	آپ کو موسیٰ کا بھی قصہ پہنچا ہے؟

نیز فرمایا:

«هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ »)الذاریات۔٢٤	کیا آپ تک ابراہیم کے معزز مہمانوں کی حکایت پہنچی ہے۔

اور فرمایا:

«هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ۝ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ۝»). البروج۔١٧، ١٨	ہاں کیا آپ کو ان لشکریوں کا قصہ پہنچا ہے (وہی) فرعون اور ثمود کا۔

قرآن کریم ان واقعات سے پُر ہے جو انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے اپنی قوموں کے ساتھ پیش آئے ہیں، اور بعض اوقات تو ایک ہی قصہ قرآنِ کریم کی متعدد سورتوں میں مکرر ذکر کیا گیا ہے، تاکہ ہر مرتبہ اور ہر جگہ اس قصے کو نئے ایسے انداز کے ساتھ پیش کیا جائے جو سابق اسلوب وطرز سے مختلف ہو، تاکہ ایک جانب قرآن کا معجزانہ شاندار اسلوب اور یکتا اندازِ بیان کا نقشہ سامنے آجائے اور دوسری جانب اس عبرت کا اظہار ہوجائے جو ان آیات میں پوشیدہ اور ان الفاظ و معانی سے ظاہر ہوتی ہے جس کا ادراک راسخین فی العلم اور قرآنِ کریم کی بلاغت سمجھنے والے ہی کر سکتے ہیں۔

اس بات کو ہم مثال سے سمجھاتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام و فرعون کا قصہ قرآنِ کریم میں مختلف جگہوں پر مذکور ہے، ان واقعات و قصص میں سے ہم صرف دو قصے لے لیتے ہیں اور پھر ان کے درمیان مقابلہ کرتے ہیں، تاکہ پڑھنے والے کو اس تکرار کا راز معلوم ہوجائے:

پہلا قصہ سورۂ اعراف میں (١٠٤ - ١٣٩) میں مذکور ہے:

«وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۝ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ	اور کہا موسیٰ نے اے فرعون میں رسول ہوں پروردگار عالم کا، قائم ہوں اس بات پر کہ نہ کہوں اللہ کی طرف سے مگر جو سچ ہے۔ لایا ہوں تمہارے پاس نشانی تمہارے رب کی سو بھیج دے میرے ساتھ بنی اسرائیل کو، بولا اگر تو لایا ہے کوئی نشانی تو لا اس کو اگر تو سچا ہے، تب

الصّٰدِقِیْنَ ۔ فَاَلْقٰی عَصَاہُ فَاِذَا ھِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ))۔

ڈال دیا انہوں نے اپنا عصا تو اسی وقت ہو گیا اژدھا صریح۔

دوسرا قصہ سورۂ نازعات (۱۵-۲۶) میں مذکور ہے:

((ھَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ مُوْسٰی ۝ اِذْ نَادٰہُ رَبُّہٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی ۝ اِذْھَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّہٗ طَغٰی ۝ فَقُلْ ھَلْ لَّکَ اِلٰٓی اَنْ تَزَکّٰی ۝ وَاَھْدِیَکَ اِلٰی رَبِّکَ فَتَخْشٰی ۝ فَاَرٰىہُ الْاٰیَۃَ الْکُبْرٰی ۝ فَکَذَّبَ وَعَصٰی ۝ ثُمَّ اَدْبَرَ یَسْعٰی ۝ فَحَشَرَ فَنَادٰی ۝ فَقَالَ اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی ۝ فَاَخَذَہُ اللّٰہُ نَکَالَ الْاٰخِرَۃِ وَالْاُوْلٰی ۝ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً لِّمَنْ یَّخْشٰی ۝))۔

آپ کو موسیٰ کا بھی قصہ پہنچا ہے؟ (یاد کرو وہ وقت) جب انہیں ان کے پروردگار نے ایک پاک میدان (یعنی) طُویٰ میں پکارا کہ آپ فرعون کے پاس جائیں اس نے سرکشی اختیار کی ہے، سو اس سے کہیے کیا تو چاہتا ہے کہ تو درست ہو جائے اور میں تیری رہنمائی تیرے پروردگار کی طرف کر دوں جس سے تو خشیت اختیار کرے، پھر ہم نے اسے بڑی نشانی دکھائی لیکن اس نے جھٹلایا اور کہنا نہ مانا پھر وہ جدا ہو کر کوشش کرنے لگا اور (لوگوں کو) جمع کیا پھر بلند آواز سے تقریر کی اور کہا کہ میں ہوں تمہارا رب اعلیٰ اس پر اللہ نے اسے پکڑ لیا آخرت اور دنیا کے عذاب میں بے شک اس (واقعہ) میں بڑی عبرت ہے اس کے لیے جو خشیت رکھتا ہو۔

ان دونوں قصوں میں موازنہ کرنے سے مندرجہ ذیل امور کھل کر سامنے آتے ہیں:

۱۔ پہلا قصہ مفصل وطویل ہے اور دوسرا مختصر و مجمل ہے۔

۲۔ دونوں قصوں کے اسلوب و انداز میں بہت بڑا فرق ہے خواہ اس کا تعلق آیات و فواصل سے لمبے اور چھوٹے ہونے کے لحاظ سے ہو، یا ان کی ترکیب و معنی کے اعتبار سے یا امر و نہی کے صیغوں کے لحاظ سے۔

۳۔ سورۂ اعراف میں عبرت کا محور مندرجہ ذیل امور پر مشتمل ہے:

الف ۔ فرعون پر حجت و دلیل قائم کرنا۔

ب ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سچائی پر دلالت کرنے والے معجزوں کا ظاہر کرنا۔

ج ۔ وہ گفتگو جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کے درمیان ہوئی۔

د ۔ حجت و دلیل قائم ہونے پر جادوگروں کا ایمان قبول کرنا۔

ہ ۔ فرعون کا ڈرانا دھمکانا اور وعد و عید۔

و ۔ جادوگروں کے دلوں میں جب ایمان کی روشنی داخل ہوگئی توان کا فرعون کی دھمکی وغیرہ کی پرواہ نہ کرنا۔
ز ۔ فرعون کے متبعین وآل اولاد کو قحط سالی وپھلوں میں کمی سے سزا دینا۔
ح ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو غرق کرکے انتقام لینا۔

سورۂ نازعات میں جن چیزوں پرزور دیا گیا وہ درج ذیل ہیں :
الف ۔ خدائی کا دعوٰی کرنے پر فرعون کی گرفت اور اس کو ہلاک کرنا۔
ب ۔ جو اس سے نصیحت وعبرت حاصل کرنا چاہے اس کے لیے عبرت کا سامان۔

اس تفصیل کے بعد آپ کے سامنے وہ عظیم فرق کھل کر آگیا ہوگا جو ان دونوں قصوں میں مذکور ہے چاہے اس کا تعلق بلاغی ذوق سے ہو یا عبرت ونصیحت حاصل کرنے کے لحاظ سے، اس لیے یہ قطعًا درست نہیں ہے کہ ہم یہ سمجھیں کہ ان بار بار دہرائے جانے والے قصوں میں صرف تکرار ہے، اس لیے کہ جن قصوں کو قرآنِ کریم نے مکرر ذکر کیا ہے وہ اس طرح کے نہیں ہیں جیسا کہ ان دونوں قصوں کو پیش کرنے سے آپ کے سامنے یہ فرق واضح ہوچکا ہوگا۔

۳۔ مواعظ ونصیحت کے ساتھ قرآنی رہنمائی۔

قرآنِ کریم ان آیات سے پُر ہے جن میں نصائح ومواعظ مذکور ہیں، اور اس میں ایسی نصوص وآیات بکثرت ہیں جن میں قاری و پڑھنے والے کے لیے ایسی پند ونصیحت سے کام لیا گیا ہے جو اسے دین ودنیا اور آخرت میں فائدہ پہنچائے اور اس کی روح عقل وجسم کی آبیاری وتیاری کرے، اور اس شخص کو اس قابل بنایا جاسکے جس کے ذریعے وہ دعوت کے میدان کا سپاہی اور جہاد کے میدان کا غازی بن سکے۔

قرآنِ کریم کا ارواح وقلوب پر بہت عظیم اثر ہوتا ہے، چنانچہ جب ایک مسلمان شخص اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت سنتا ہے تو اس کے دل میں خشوع پیدا ہوتا ہے۔ اور اس کا نفس اس کا مشتاق ہوتا ہے۔ اور اس کی آواز پر اسکی روح حرکت میں آجاتی ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کرتا ہے کہ وہ اس کی نصیحت پر عمل پیرا اور اس کی وصیت پر لبیک کہے گا۔ اور احکامات کو بجالائے گا اور ممنوع اشیاء سے بچے گا۔ اس لیے کہ یہ اس ذات کا نازل کردہ کلام ہے جو حکمتوں اور بزرگی والا ہے۔ اسی میں انسان کی تمام بیماریوں کا شافی علاج اور جسمانی امراض اور قلوب کی بیماریوں سے بچاؤ کی تدبیر وعلاج مذکور ہے۔

قرآنِ کریم کی رہنمائی کے اس انداز کے بعض نمونے ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں :

الف ۔ سورہ لقمان میں ارشاد ہے :

((وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ — اور اس وقت کا ذکر کیجیے جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت

لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ﴿﴾۔ لقمان - ۱۳

کرتے ہوئے کہا کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرانا۔

ب۔ سورۂ فرقان میں ارشاد ہے:

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۖ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ۝ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ

اور خدائے رحمان کے (خاص) بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں۔ اور جب ان سے جہالت والے لوگ بات چیت کرتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں خیر، اور جو راتوں کو اپنے پروردگار کے سامنے سجدہ و قیام میں لگے رہتے ہیں۔ اور وہ جو دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے جہنم کے عذاب کو دور رکھیو، کہ بے شک اس کا عذاب پوری تباہی ہے، اور بے شک وہ (جہنم) برا ٹھکانا ہے اور (برا) مقام ہے۔ اور وہ لوگ جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچ کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور اسی کے درمیان (ان کا خرچ) اعتدال پر رہتا ہے۔ اور جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہیں پکارتے اور جس (انسان کی) جان کو اللہ نے محفوظ قرار دے دیا ہے اسے قتل نہیں کرتے مگر ہاں حق پر۔ اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو کوئی ایسا کرے گا اس کو سزا سے سابقہ پڑے گا قیامت کے دن، اس کا عذاب بڑھتا جائے گا وہ اس میں (ہمیشہ) ذلیل ہو کر پڑا رہے گا، مگر ہاں جو توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور نیک کام کرتا رہے، سو ایسے لوگوں کو اللہ ان کی بدیوں کی جگہ نیکیاں عنایت کرے گا، اور اللہ تو ہے ہی بڑا مغفرت والا بڑا رحمت والا۔ اور جو کوئی توبہ کرتا ہے اور نیک کام کرتا ہے تو وہ بھی اللہ کی طرف خاص طور پر رجوع کر رہا ہے۔ اور وہ ایسے لوگ ہیں کہ بیہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے اور جب وہ لغو مشغلو

كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ۝))۔

الفرقان ۔ ۶۳ تا ۷۷

کے پاس سے گزرتے ہیں تو شرافت کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔ اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے ان کے پروردگار کی آیات کے ذریعے تو یہ ان پر اندھے بہرے ہو کر نہیں گرتے، اور یہ وہ لوگ ہیں جو دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما، اور ہم کو پرہیزگاروں کا سردار بنا دے، ایسے لوگوں کو بالاخانے ملیں گے بوجہ ان کی ثابت قدمی کے۔ اور ان کو وہاں دعا و سلام ملے گا، اسی میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ کیا اچھا ہے وہ ٹھکانا اور مقام، آپ کہہ دیجیے کہ میرا پروردگار تمہاری پرواہ ذرا بھی نہ کرے گا اگر تم عبادت نہ کرو گے سو تم خوب جھٹلا چکے، سو عنقریب یہ (تکذیب) وبال بن کر رہے گی۔

ج۔ سورۂ نساء میں ہے:

((وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَ الْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۝ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا وَ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَمَنْ

اور بندگی کرو اللہ کی اور شریک نہ کرو کسی کو اس کے ساتھ۔ اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور قرابت والوں کے ساتھ اور یتیموں اور فقیروں اور ہمسایہ قریب اور ہمسایہ اجنبی اور پاس بیٹھنے والے اور مسافر کے ساتھ۔ اور اپنے ہاتھ کے مال یعنی غلام باندیوں کے ساتھ، بے شک اللہ کو پسند نہیں آتا اترانے والا بڑائی کرنے والا، جو کہ بخل کرتے ہیں اور سکھاتے ہیں لوگوں کو بخل اور چھپاتے ہیں جو ان کو دیا اللہ نے اپنے فضل سے۔ اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے لیے ذلت کا عذاب، اور وہ لوگ جو کہ خرچ کرتے ہیں اپنے مال لوگوں کو دکھانے کے لیے۔ اور ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور نہ قیامت کے دن

يَكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا)) النساء ۔ ۳۶ تا ۳۹

۔۔۔ ، اور جس کا ساتھی شیطان ہوا تو وہ بہت برا ساتھی ہے۔

د ۔ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے:

((لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ)) البقرہ ۔ ۱۷۷

نیکی کچھ یہی نہیں کہ اپنا منہ مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف کرو، لیکن بڑی نیکی تو یہ ہے کہ جو کوئی اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور سب کتابوں پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے، اور اس کی محبت پر مال دے رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں، اور قائم رکھے نماز اور دیا کرے زکاۃ، اور جب عہد کریں تو اپنے اقرار کو پورا کرنے والے، اور سختی اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت صبر کرنے والے، یہی لوگ ہیں سچے اور یہی ہیں پرہیزگار

ھ ۔ سورۂ اسراء میں فرمایا:

((وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ حْسَانًا ۚ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ

اور آپ کا رب حکم کر چکا کہ اس کے سوائے کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو، اگر پہنچ جائے بڑھاپے کو تمہارے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں تو نہ کہو ان کو ہوں اور نہ ان کو جھڑکو، اور کہو ان سے ادب کی بات، اور نیازمندی سے عاجزی کر کے ان کے سامنے کندھے جھکا دو، اور کہو اے رب ان پر رحم کیجیے جیسا کہ انہوں نے مجھ کو چھوٹا سا پالا، تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے جی میں ہے۔ اگر تم نیک ہوگے تو وہ رجوع کرنے والوں کو بخشتا ہے، اور دو قرابت والے کو اس کا حق اور محتاج کو اور مسافر کو، اور مت اڑا بیجا، بے شک اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے، اور اگر کبھی اپنے رب کی مہربانی کے انتظار میں جس کی تم کو توقع ہے تم ان کی طرف سے تغافل کرو تو

وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا
مَّحْسُوْرًا ۝ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ
يَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۝ وَلَا
تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ
وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝ وَلَا
تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝
وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ
وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا
فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝
وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ
حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۠ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ
الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ۝ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا
كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ ذٰلِكَ
خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ
بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ
اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۝ وَلَا تَمْشِ فِي
الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ
تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ
عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا)).

الاسراء ۲۹ تا ۳۸

کہہ دو ان کو نرمی کی بات، اور اپنا ہاتھ اپنی گردن کے ساتھ
بندھا ہوا مت رکھو اور نہ اس کو کھول دو بالکل کھولنا کہ
پھر تم بیٹھے رہو الزام کھائے ہوئے ہارے ہوئے۔ تمہارا
رب جس کے لیے چاہے روزی کھول دیتا ہے اور تنگ
بھی وہی کرتا ہے۔ وہی اپنے بندوں کو جاننے والا دیکھنے
والا ہے۔ اور مفلسی کے خوف سے اپنی اولاد کو نہ مار ڈالو
ہم روزی دیتے ہیں ان کو اور تم کو، بے شک ان کا مارنا
بڑی خطا ہے، اور زنا کے پاس نہ جاؤ وہ ہے بے حیائی
اور بری راہ ہے۔ اور اس جان کو نہ مارو جس کو اللہ نے
منع کر دیا ہے مگر حق پر، اور جو ظلم سے مارا گیا تو ہم نے اس
کے وارث کو زور دیا ہے سو قتل کرنے میں حد سے نہ
نکل جائے اس کو مدد ملتی ہے، اور یتیم کے مال کے
قریب نہ جاؤ مگر جس طرح کہ بہتر ہو جب تک کہ وہ اپنی
جوانی کو پہنچے، اور عہد کو پورا کرو بے شک عہد کی پوچھ ہوگی'
اور جب ماپ کر دینے لگو تو ماپ پورا بھر دو اور سیدھی
ترازو سے تولو یہ بہتر ہے اور اس کا انجام اچھا ہے' اور
جس بات کی تم کو خبر نہیں اس کے پیچھے نہ پڑو بے شک
کان اور آنکھ اور دل ان سب کی اس سے پوچھ ہوگی۔ اور
زمین پر اتراتے ہوئے نہ چلو تم زمین کو پھاڑ نہ ڈالو گے اور
نہ لمبا ہو کر پہاڑوں تک پہنچو گے، یہ جتنی باتیں ہیں ان
سب میں بری چیز ہے تمہارے رب کی بیزاری۔

اس کے علاوہ اور دوسری نصیحتیں، وعظ، رہنمائیاں، احکامات اور منہیات وغیرہ جن کو قرآنِ کریم کی آیات نے خوب کھول کر بیان کیا ہے، اور قرآنِ کریم ان کی طرف دعوت دیتا ہے۔

اس کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ قرآنِ کریم نے اپنی توجیہات و رہنمائیوں میں مختلف انداز اختیار کیے ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:

الف ۔ قرآنِ کریم کی وہ رہنمائی جو حروفِ تاکید کے ساتھ وارد ہوئی ہے جیسے کہ فرمانِ الٰہی :

((اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ)) الرعد ۴ — ان چیزوں میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو غور کرتے ہیں۔

اور :

((اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ)) الرعد ۳ — اسمیں ان کے واسطے نشانیاں ہیں جو کہ دھیان کرتے ہیں۔

اور ارشادِ ربانی :

((اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ)) یونس ۶۷ — بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں

اور ارشادِ ربانی :

((اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ ﴿﴾)) ق ۳۷ — اس میں سوچنے کی جگہ ہے اس کے لیے جس کے اندر دل ہے یا لگائے کان دل لگا کر۔

ب ۔ قرآنِ کریم کی وہ رہنمائی جو حروفِ استفہام انکاریہ کے ساتھ وارد ہوئی ہے جیسے ارشادِ ربانی ہے :

((اَمْ یَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَیْبَ الْمَنُوْنِ ﴿﴾ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِیْنَ ﴿﴾ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَاۤ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿﴾ اَمْ یَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴿﴾ فَلْیَاْتُوْا بِحَدِیْثٍ مِّثْلِهٖۤ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِیْنَ ﴿﴾ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿﴾ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا یُوْقِنُوْنَ ﴿﴾ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآىِٕنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَۜیْطِرُوْنَ ﴿﴾ اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ یَّسْتَمِعُوْنَ فِیْهِ ۚ فَلْیَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿﴾ اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ﴿﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَیْبُ فَهُمْ یَكْتُبُوْنَ ﴿﴾ اَمْ یُرِیْدُوْنَ كَیْدًا ۚ فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِیْدُوْنَ ﴿﴾ اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ ۚ

کیا کہتے ہیں یہ شاعر ہے ہم اس پر گردشِ زمانہ کے منتظر ہیں، آپ کہہ دیجیے تم منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں، کیا ان کی عقلیں ان کو یہی سکھاتی ہیں۔ یا یہ لوگ شرارت پر ہیں، یا کہتے ہیں کہ یہ خود قرآن بنالائے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ ان میں ایمان ہی نہیں، پھر چاہیے کہ کوئی اسی طرح کی بات لے آئیں اگر وہ سچے ہیں، کیا وہ آپ ہی آپ بن گئے ہیں یا وہی بنانے والے ہیں یا انہوں نے آسمانوں کو اور زمین کو بنایا ہے۔ اصل یہ ہے کہ ان میں یقین ہی نہیں۔ کیا ان لوگوں کے پاس آپ کے پروردگار کے خزانے ہیں یا یہ لوگ حاکم (مجاز) ہیں۔ کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے کہ اس کے ذریعہ سے باتیں سن لیا کرتے ہیں تو ان میں سے جو سن آتا ہو وہ لائے (اپنے دعوی پر) کوئی کھلی دلیل، کیا اللہ کے لیے تو بیٹیاں ہوں اور تمہارے لیے بیٹے؟ یا آپ ان سے کچھ معاوضہ طلب کرتے ہیں، سو وہ اس تاوان کے بوجھ سے دبے جاتے ہیں، کیا ان کے پاس غیب (کا علم) ہے کہ وہ اسے

سُبۡحٰنَ اللّٰہِ عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿﴾)). طور۔ ۳۰ تا ۴۳

لکھ لیا کرتے ہیں؟ کیا یہ لوگ برائی کا ارادہ رکھتے ہیں؟ سو یہ کافر خود ہی برائی میں گرفتار ہوں گے، کیا ان کا اللہ کے سوا کوئی اور خدا ہے؟ پاک ہے اللہ ان کے شرک سے۔

ہ۔ قرآن کریم کی وہ رہنمائی جو عقلی ادلہ کے ساتھ وارد ہوئی ہے جیسے کہ ارشادِ باری ہے:

((اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ وَ الۡفُلۡکِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا وَ بَثَّ فِیۡہَا مِنۡ کُلِّ دَآبَّۃٍ ۪ وَّ تَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ)). البقرہ۔ ۱۶۴

بے شک آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں اور کشتیوں میں جو کہ دریا میں لے کر چلتی ہیں لوگوں کے کام کی چیزیں اور پانی میں جس کو کہ اللہ نے آسمان سے اُتارا پھر جلایا اس سے زمین کو اس کے مرنے کے بعد اور اس میں سب قسم کے جانور پھیلائے، اور ہواؤں کے بدلنے میں اور بادل میں جو کہ تابعدار ہے اس کے حکم کا آسمان و زمین کے درمیان۔ بے شک ان سب چیزوں میں عقلمندوں کیلیے نشانیاں ہیں۔

اور فرمایا:

((لَوۡ کَانَ فِیۡہِمَاۤ اٰلِہَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبۡحٰنَ اللّٰہِ رَبِّ الۡعَرۡشِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ)). الانبیاء۔ ۲۲

اگر ان دونوں (جگہوں) میں علاوہ اللہ کے کوئی معبود ہوتا تو یہ دونوں درہم برہم ہو گئے ہوتے اللہ مالکِ عرش پاک ہے ان امور سے جو یہ لوگ بیان کر رہے ہیں۔

نیز فرمایا:

((اَمۡ خُلِقُوۡا مِنۡ غَیۡرِ شَیۡءٍ اَمۡ ہُمُ الۡخٰلِقُوۡنَ ﴿ؕ﴾)) الطور۔ ۳۵

یا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کر لیا ہے؟ یا یہ کہ خود (اپنے) خالق ہیں؟

((وَ فِی الۡاَرۡضِ اٰیٰتٌ لِّلۡمُوۡقِنِیۡنَ ﴿ۙ﴾ وَ فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿﴾)) الذاریات۔ ۲۰ و ۲۱

اور زمین میں (بہت سی) نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کے لیے اور خود تمہاری ذات میں بھی، تو کیا تمہیں دکھائی نہیں دیتا؟

د۔ قرآن کریم کی وہ توجیہ و رہنمائی جو اسلام کے عمومی و محیط ہونے کے بیان کے ساتھ مذکور ہے، جیسے کہ ارشاد ربانی ہے:

((لَیۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡہَکُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَ الۡمَغۡرِبِ وَ لٰکِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ

نیکی یہی کچھ نہیں کہ اپنا منہ کرو مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف لیکن بڑی نیکی تو یہ ہے کہ جو کوئی ایمان لائے اللہ پر

الاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ)) البقرہ ۔۷۷	اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور سب کتابوں اور پیغمبروں پر، اور اس کی محبت پر مال دے رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو، اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں، اور قائم رکھے نماز اور دیا کرے زکوٰۃ اور جب عہد کریں تو اپنے اقرار کو پورا کرنے والے، اور صبر کرنے والے سختی میں اور تکلیف اور لڑائی کے وقت، یہی لوگ ہیں سچے اور یہی پرہیزگار ہیں۔

اور سورۂ نحل میں ارشاد ہے:

((وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ)) النحل۔۸۹	اور ہم نے آپ پر کتاب اتاری کھلا بیان ہر چیز کا اور ہدایت اور رحمت اور خوشخبری حکم ماننے والوں کے لیے۔

سورۂ انعام میں ہے:

((ما فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ)) ۔ الانعام۔۳۸	ہم نے نہیں چھوڑی لکھنے میں کوئی چیز۔

۷۔ قرآنِ کریم کی وہ رہنمائی جس میں شریعت کے قواعد مذکور ہیں۔ جیسے کہ قضاء وفیصلہ میں عدل سے متعلق ارشاد باری ہے:

((وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا)) ۔ النساء۔۵۸	اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کرو اللہ تم کو اچھی نصیحت کرتا ہے بے شک اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے

مشورہ کی اہمیت وشورائی نظام سے متعلق ارشاد ہے

((فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ)) ۔ آلِ عمران۔۱۵۹	سو آپ ان کو معاف کر دیجیے اور ان کے لیے بخشش مانگیے اور کام میں ان سے مشورہ لیجیے، پھر جب اس کام کا قصد کرلیں تو اللہ پر بھروسہ کریں، اللہ کو توکل والوں سے محبت ہے۔

((وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ)) الشوریٰ ۔۳۸	ان کا (یہ اہم) کام باہمی مشورہ سے ہوتا ہے۔

انسانی مساوات کے بارے میں ارشادِ باری ہے:

((يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى	اے لوگو ہم نے تم (سب) کو ایک مرد اور ایک عورت

وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ۚ))۔ الحجرات۔ ۱۳

سے پیدا کیا ہے، اور تم کو مختلف قومیں اور خاندان بنا دیا ہے کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو، بے شک تم میں سے پرہیزگار تر اللہ کے نزدیک معزز تر ہے۔

یہ وہ اہم انداز و اسلوب ہیں جنہیں قرآنِ کریم نے اپنی نصیحتوں اور وعظوں میں اختیار کیا ہے۔ اور یہ مختلف قسم کے اسلوب و انداز ہیں جن میں سے ہر ایک کا اپنا الگ الگ اثر ہوا کرتا ہے، اور دلوں میں ایک خاص قسم کا اثر و کیفیت پیدا ہوتی ہے اور یہ ایک بالکل بدیہی سی بات ہے کہ اگر تمام مربی اپنے بچوں کی تربیت اور جگر گوشوں کی اصلاح اور ان کو مہذب بنانے میں ان اسالیب و انداز کو اختیار کریں جنہیں قرآنِ کریم نے اختیار کیا ہے تو بچے بلا کسی شک و شبہ کے بہترین تربیت اور اخلاقِ حمیدہ اور شاندار انسانی کردار اور عظیم اسلامی تہذیب میں نشو و نما پائیں گے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت کا بہت اہتمام کیا ہے، اور دعاۃ اور مربیوں کو یہ سبق دیا ہے کہ وہ وعظ و نصیحت سے کام لیں، اور دنیاوی زندگی میں ہر مسلمان کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ جس جگہ بھی ہو اور جس معاشرے میں رہتا ہو ہر جگہ داعی الی اللہ بن کر رہے تاکہ وہاں کے وہ باشندے اس کی رہنمائی اور وعظ و نصیحت سے اثر قبول کر لیں جن میں دھڑکنے والا دل ہو یا جو توجہ و اہتمام سے کان لگا کر بات سنتے ہوں، اور تاکہ دعوت و ارشاد اور وعظ و نصیحت کے ذریعے سے ان لوگوں کو بچانے کی ذمہ داری پوری کر سکے جو جہالت کی دلدل میں پھنس چکے ہیں، اور اباحیت و آزادی کی وادی میں لڑکھڑا رہے ہیں، اور زیغ و ضلال اور گمراہی کے بیابانوں میں راستہ گم کر بیٹھے ہیں۔

وعظ و نصیحت اور اللہ کی طرف بلانے اور دین کی دعوت دینے کے سلسلہ میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے جو احکامات دیے اور رہنمائی کی ہے ان میں سے چند اہم اہم درج ذیل ہیں:

- امام مسلم رحمہ اللہ حضرت تمیم بن اوس داری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دین نصیحت و خیرخواہی کا نام ہے، ہم نے عرض کیا: کس کے لیے خیرخواہی و نصیحت کی جائے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ اور اس کی کتاب اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے ائمہ و حکام اور عوام کے لیے۔
- اور بخاری و مسلم حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر نماز قائم کرنے زکاۃ دینے اور ہر مسلمان کے ساتھ خیرخواہی کرنے پر بیعت کی۔

❖ اور امام مسلم حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے کسی بھلائی وخیر کی طرف رہنمائی کی تو اس کو بھی ویسا ہی اجر ملے گا جیسا اجر اس نیکی کرنے والے کو ملے گا۔

❖ اور امام مسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اچھی بات کی طرف دعوت دی تو اس کو بھی اتنا ہی اجر ملے گا جتنا ان لوگوں کو ملے گا جنہوں نے اس کی اس نیکی میں پیروی کی ہو اور اس کی وجہ سے ان عمل کرنے والوں کے اجر میں کسی قسم کی کمی بھی نہ ہوگی۔

❖ اور بخاری و مسلم حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب خیبر فتح کرنے کے لیے بھیجا تو ان سے فرمایا تم آرام سے جانا حتاکہ وہاں پہنچ جاؤ تو پھر ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا اور یہ بتلانا کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا کیا حق واجب ہوتا ہے۔ اس لیے کہ بخدا اگر اللہ تعالیٰ تمہاری وجہ سے ایک آدمی کو بھی ہدایت پر لے آئے تو یہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے (سرخ اونٹ عربوں کے یہاں نہایت قیمتی اونٹ شمار ہوتے تھے تمہیں یہ اونٹ مل جائیں اس سے بہتر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری وجہ سے ایک آدمی کو راہِ راست پر لگا دے)۔

اس سلسلہ میں بے شمار احادیث وارد ہوئی ہیں اس لیے مربیوں کو چاہیے کہ ان ارشادات ورہنمائیوں پر عمل کریں اور جو کچھ ان احادیث میں وارد ہوا ہے اس کو عملی جامہ پہنائیں، اور خاص طور سے وہ امور جو ان کی اولاد اور شاگردوں اور مریدوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉

ہمارے معلمِ اوّل نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے وعظ ونصیحت میں نہایت اعلیٰ ترین منہج وطریقہ اختیار کیا تھا، اور اس سلسلہ میں آپ کا انداز اور طریقہ ایک مثالی طریقہ تھا جو مختلف اسلوب وانداز اور متنوع طریقوں پر مشتمل تھا:

آپ کے اس طریقے ومنہج میں سے اہم اہم چند نمونے درج ذیل ہیں[1]۔
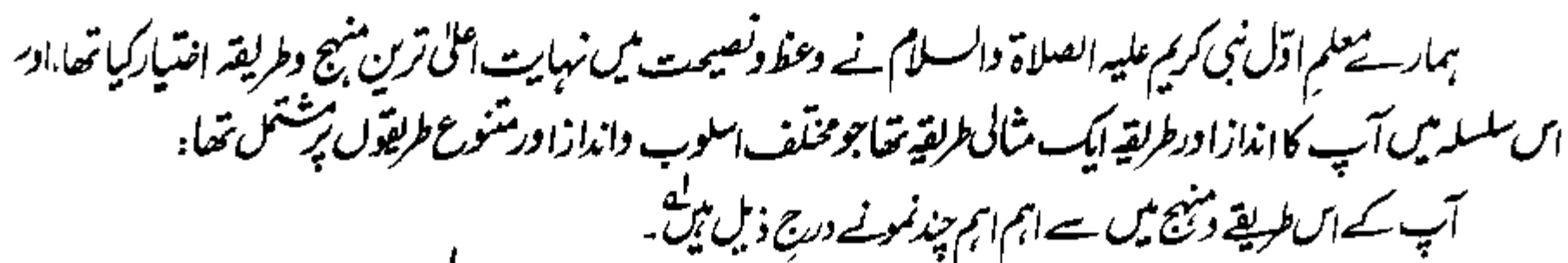
◎ الف۔ قصہ کے انداز کو اختیار کرنا: جس کی چند مثالیں یہ ہیں:

۱۔ برص کے مریض، گنجے اور نابینا شخص کا قصہ:

امام بخاری ومسلم رحمہما اللہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] میں نے اس بحث میں — اس تحریر سے زیادہ مدد لی ہے جو شیخ عبدالفتاح أبو غدہ کے مقالے "الرسول المعلم" جو مدارس وکالجوں کے "محاضرات موسم الثقافی العاشر" کے (ص۔۳) پر چھپی تھی۔

کو یہ فرماتے سنا: کہ بنی اسرائیل میں تین شخص تھے ایک برص کا مریض، دوسرا گنجا، اور تیسرا نابینا، اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کا امتحان لینا چاہا چنانچہ ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا اور وہ فرشتہ ابرص کے پاس آیا:

فرشتہ: تم کو سب سے زیادہ کیا چیز محبوب و پسندیدہ ہے؟

ابرص: اچھا رنگ اور اچھی جلد، اور یہ کہ مجھ سے یہ بیماری ختم ہوجائے جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے گھن کرتے ہیں فرشتے نے اس کے جسم پر ہاتھ پھیرا اور اس کی برص کی بیماری ختم ہوگئی اور اسے بہترین رنگ مل گیا۔

فرشتہ: تمہیں کون سا مال زیادہ محبوب ہے؟

ابرص: اونٹ، چنانچہ اس کو ایک حاملہ اونٹنی دے دی گئی۔

فرشتہ: اللہ تمہارے لیے اس میں برکت عطا فرمائے۔

پھر وہ فرشتہ گنجے کے پاس گیا:

فرشتہ: تمہیں سب سے زیادہ کیا چیز محبوب ہے؟

گنجا: اچھے بال اور یہ کہ مجھ سے یہ بیماری دور ہوجائے جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے گھن کرتے ہیں۔ فرشتہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا وہ بیماری ختم ہوگئی اور اللہ نے اس کو بہترین بال عطا فرمادیے۔

فرشتہ: تمہیں کون سا مال سب سے زیادہ محبوب ہے؟

گنجا: گائے، چنانچہ اسے ایک حاملہ گائے دے دی گئی۔

فرشتہ: اللہ تعالیٰ اس میں برکت دے۔

پھر وہ فرشتہ نابینا کے پاس آتا ہے:

فرشتہ: تمہیں کونسی چیز سب سے زیادہ محبوب ہے؟

نابینا: یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے نگاہ عطا کردے اور میں لوگوں کو دیکھ سکوں، چنانچہ اس فرشتے نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی نگاہ بحال کردی۔

فرشتہ: تمہیں کون سا مال زیادہ محبوب ہے؟

نابینا: بکری، چنانچہ اس کو ایک حاملہ بکری دے دی گئی۔

چنانچہ تینوں جانوروں نے بچے دیے اور ابرص کے اونٹوں سے ایک وادی بھرگئی اور گنجے کی گائیوں سے ایک وادی بھرگئی اور نابینا کی بکریوں سے ایک وادی بھرگئی۔

پھر وہی فرشتہ اسی شکل وصورت میں ابرص کے پاس آیا۔

فرشتہ: ایک مسکین آدمی ہوں، سامانِ سفر کچھ نہیں ہے، آج اللہ کی مدد اور تمہاری امداد کے بغیر میں اپنی منزلِ مقصود

تک نہیں پہنچ سکتا۔ میں تم سے اس اللہ کے واسطے سے سوال کرتا ہوں جس نے تمہیں بہترین رنگ اور عمدہ جلد اور مال و دولت عطا کی۔ ایک اونٹ مانگتا ہوں جس کے ذریعہ سے اپنے سفر کو پورا کر سکوں۔

ابرص: (میرے اوپر) بہت سے حقوق و ذمہ داریاں ہیں۔

فرشتہ: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں تم کو خوب پہچانتا ہوں، کیا تم ابرص نہیں تھے جسے دیکھ کر لوگ گھن کھاتے تھے؟ کیا تم فقیر نہیں تھے پھر اللہ نے تمہیں یہ مال و دولت عطا کی؟

ابرص: یہ مال تو مجھے پشت در پشت سے ملتا چلا آرہا ہے۔

فرشتہ: اگر تم جھوٹے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں دوبارہ ویسا ہی بنا دے جیسے تم پہلے تھے۔

وہی فرشتہ پھر اپنی اسی صورت و شکل میں گنجے کے پاس آیا۔

فرشتہ: ایک مسکین آدمی ہوں۔ وسائلِ سفر ختم ہو گئے ہیں۔ آج میں اپنی منزلِ مقصود تک اللہ کے فضل اور آپ کی مدد سے ہی پہنچ سکتا ہوں۔ اس لیے میں آپ سے اس ذات کے نام پر سوال کرتا ہوں جس نے آپ کو بہترین بال اور اچھا رنگ روپ دیا۔ اور مال عطا کیا۔ آپ سے صرف ایک گائے کا سوال ہے جس کے ذریعے سے میں اپنے سفر کو جاری رکھ سکوں۔

گنجا: مجھ پر ذمہ داریاں اور حقوق بہت زیادہ ہیں۔

فرشتہ: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں آپ کو پہچانتا ہوں۔ بتلاؤ کیا تم وہ گنجے نہیں تھے جسے لوگ دیکھ کر گھن کیا کرتے تھے؟ کیا تم غریب و مسکین نہیں تھے پھر اللہ نے تمہیں مال عطا کیا؟

گنجا: یہ مال تو مجھے اپنے دادا پردادا سے وراثت میں ملا ہے۔

فرشتہ: اگر تم جھوٹے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں ویسا ہی بنا دے جیسے تم پہلے تھے۔

پھر وہ فرشتہ نابینا کے پاس اسی شکل و صورت میں آیا:

فرشتہ: ایک مسکین آدمی ہوں۔ سفر کے تمام وسائل ختم ہو گئے ہیں، میں اپنی منزلِ مقصود تک اللہ کے فضل و آپ کی مدد کے بغیر نہیں پہنچ سکتا، اس لیے میں آپ سے اس اللہ کے نام پر سوال کرتا ہوں جس نے تمہیں دوبارہ نگاہ عطا کی، ایک بکری کا سوال ہے جس کے ذریعہ سے میں اپنے سفر کو جاری رکھ سکوں۔

نابینا: میں واقعی نابینا تھا، اللہ نے مجھے نگاہ واپس دی، اس لیے تم جو چاہو لے لو اور جو چاہے چھوڑ دو۔ بخدا تم اللہ کے نام پر جو چیز بھی لینا چاہو گے میں اس میں تمہارے لیے ہرگز رکاوٹ نہیں بنوں گا۔ لہٰذا جو چاہو لے لو۔

فرشتہ: تم اپنا مال اپنے پاس ہی رکھو۔ اس لیے کہ یہ درحقیقت تم تینوں کا امتحان تھا جس میں اللہ تم سے راضی ہو گیا۔ اور تمہارے دونوں ساتھیوں سے ناراض ہو گیا۔

۲۔ ایک عجیب وغریب لکڑی کا قصہ :

امام بخاری رحمہ اللہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک آدمی کا تذکرہ فرمایا جس نے بنی اسرائیل کے کسی آدمی سے ایک ہزار دینار قرض مانگا تھا۔

قرض خواہ : گواہوں کو لے آؤ تاکہ میں انہیں گواہ بنالوں۔

قرض دار : اللہ تعالیٰ کی شہادت ہی کافی ہے۔

قرض خواہ : کوئی ضمانت دینے والا لائیے ؟

قرض دار : اللہ ہی ضمانت کے لیے کافی ہے۔

قرض خواہ : تم نے بالکل سچ کہا، اور پھر اس نے ایک وقتِ مقررہ تک کے لیے اسے پیسے دے دیے، وہ مقروض پیسے لے کر سمندری سفر پر روانہ ہوا اور اپنی ضرورت پوری کرلی، پھر وہ کسی سواری کی تلاش میں نکلا تاکہ اس پر سوار ہو کر قرض خواہ کو وقتِ مقررہ پر اس کے پیسے دے سکے، لیکن اسے کوئی سواری نہ ملی۔ تو اس نے ایک لکڑی لی اس میں سوراخ کیا اور اس میں ہزار دینار داخل کر دیے اور ان کے ساتھ اپنی طرف سے ایک خط اس قرض خواہ کو لکھ دیا۔ اور پھر اس سوراخ کو بند کر دیا اور اس لکڑی کو سمندر کے پاس لایا۔

قرضدار : اے اللہ آپ بخوبی جانتے ہیں کہ میں نے فلاں شخص سے ایک ہزار درہم قرض لیے تھے۔ اس نے مجھ سے کوئی کفیل وضامن طلب کیا تھا، تو میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ اللہ کی ضمانت بہت کافی ہے وہ اس پر تیار ہو گیا تھا، اور اس نے مجھ سے کوئی گواہ طلب کیا تھا تو میں نے کہا کہ اللہ کی گواہی ہی کافی ہے۔ تو وہ آپ کی شہادت پر راضی ہو گیا تھا۔ سواری حاصل کرنے کے لیے میں نے اپنی پوری کوشش صرف کر دی تاکہ اس قرض خواہ کو اس کا قرضہ واپس کر دوں۔ لیکن مجھے کوئی سواری نہ مل سکی۔ لہٰذا اب میں اے اللہ اس لکڑی کو آپ کی ذمہ داری اور امان میں دیتا ہوں، اور یہ کہہ کر اس شخص نے وہ لکڑی سمندر میں پھینک دی، جب وہ لکڑی سمندر کے پانی میں گھس گئی تو وہ آدمی وہاں سے واپس ہوا اور اپنے شہر جانے کے لیے کوئی سواری تلاش کرنے لگا، ادھر وہ قرض خواہ جس نے اسے قرض دیا تھا وہ اس امید پر وہاں آیا کہ شاید کسی قافلہ کے ساتھ قرض دار نے اس کے پیسے بھیجے ہوں۔ اچانک اس نے ایک لکڑی کو پانی پر تیرتے دیکھا تو اس نے اسے پکڑ لیا تاکہ گھر میں جلانے کے کام میں لے سکے۔

گھر پہنچ کر جب اس نے اس لکڑی کو چیرا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس میں اس کے دینار اور ایک خط رکھا ہوا ہے کچھ وقت کے بعد وہ شخص بھی آگیا جس نے اس سے قرض لیا تھا اور ساتھ میں ایک ہزار دینار بھی لے کر آیا۔

قرضدار : بخدا میں مسلسل کوشش کرتا رہا کہ کوئی سواری مل جائے اور آپ کو قرضہ ادا کر دوں لیکن آج سے قبل مجھے

کوئی سواری ہی نہ ملی

قرضخواہ : کیا تم نے میری جانب کوئی چیز بھیجی تھی ؟

قرضدار : میں تو آپ کو بتلا رہا ہوں کہ میں نے آج سے قبل کوئی سواری ہی نہ پائی۔

قرضخواہ : اللہ نے اس رقم کو مجھ تک پہنچا دیا جو تم نے لکڑی میں رکھ کر بھیجی تھی۔ چنانچہ قرض دار اپنے ہزار دینار لے کر واپس چلا گیا

۳ حضرت ھاجر و اسماعیل علیہا السلام کا واقعہ

امام بخاری رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل کی والدہ حضرت ہاجرہ اور ان کے شیر خوار بچے حضرت اسماعیل کو لے کر آئے اور مسجد حرام کی اوپری جانب زمزم کے کنوئیں کے اوپر بیت اللہ کے پاس انہیں ایک درخت کے پاس چھوڑ دیا۔ ان دنوں مکہ میں نہ کوئی آدم یا آدم زاد تھا اور نہ وہاں پانی کا نام ونشان تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان دونوں (ماں بیٹے) کو وہاں چھوڑ دیا اور ان کے پاس کھجوروں کا ایک تھیلا اور پانی کا ایک مشکیزہ رکھ دیا۔

اور خود وہاں سے واپس ہو لیے۔ تو حضرت اسماعیل کی والدہ ان کے پیچھے پیچھے آئیں اور عرض کیا: اے ابراہیم آپ ہمیں ایک ایسی وادی میں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں جہاں نہ کوئی مونس وغمگسار ہے اور نہ کوئی اور چیز۔

یہ بات انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کئی مرتبہ کہی لیکن انہوں نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔

حضرت ہاجرہ : کیا اللہ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے ؟

حضرت ابراہیم : جی ہاں۔

حضرت ہاجرہ : پھر تو اللہ تعالیٰ ہمیں ہرگز ضائع نہیں فرمائے گا۔

یہ کہہ کر وہ واپس آگئیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لے گئے۔ اور جب وہ مکہ میں ثنیہ نامی جگہ پر پہنچے جہاں سے وہ لوگ انہیں دیکھ نہیں سکتے تھے تو وہاں کھڑے ہو کر بیت اللہ کا رخ کیا اور ہاتھ اٹھا کر درج ذیل کلمات کے ساتھ اللہ سے دعا مانگی فرمایا :

﴿رَبَّنَآ إِنِّىٓ أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِى بِوَادٍ غَيْرِ ذِى زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ ٱلْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ فَٱجْعَلْ أَفْـِٔدَةً مِّنَ ٱلنَّاسِ تَهْوِىٓ إِلَيْهِمْ وَٱرْزُقْهُم مِّنَ ٱلثَّمَرَٰتِ لَعَلَّهُمْ

اے رب میں نے بسایا ہے اپنی ایک اولاد کو ایسے میدان میں کہ جہاں کھیتی نہیں آپ کے محترم گھر کے پاس، اے ہمارے رب تاکہ قائم رکھیں نماز کو، سو بعض لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دیجیے اور ان کو میووں سے روزی دیجیے

يَشْكُرُوْنَ ﴿٣٧﴾)). ابراہیم۔ ۳۷ شاید وہ شکر کریں۔

ادھر حضرت اسماعیل کی والدہ نے حضرت اسماعیل کو دودھ پلانا شروع کردیا، اور وہ خود وہ پانی پیتی رہیں، لیکن جب مشکیزے کا پانی ختم ہوگیا اور وہ خود بھی پیاسی ہوگئیں اور ان کا بیٹا بھی، اور وہ ان کے سامنے پیاس سے لوٹ پوٹ ہونے لگا تو وہ اس خاطر کہ پیچھے پر نظر نہ پڑے وہاں سے ہٹ گئیں، انہوں نے دیکھا کہ صفا پہاڑ ان کے قریب ترین پہاڑ ہے چنانچہ وہ اس پر چڑھ گئیں اور وہاں سے وادی کا رخ کیا کہ شاید کوئی آدمی نظر آجائے لیکن انہیں وہاں کوئی آدمی نظر نہ آیا، لہٰذا وہ صفا پہاڑ سے نیچے اتریں اور جب وادی میں پہنچیں تو تھکی ماندی دوڑنے لگیں، اور جب وادی پار کرلی اور مروہ پہاڑ کے پاس آئیں تو اس پر چڑھ کر ادھر اُدھر دیکھا شاید کوئی آدمی نظر آجائے لیکن کوئی بھی نظر نہ آیا، وہ اسی طرح صفا سے مروہ مروہ سے صفا پر سات مرتبہ گئیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسی وجہ سے لوگوں کو صفا و مروہ کے درمیان سعی کا حکم دیا گیا ہے۔

پھر جب وہ مروہ پہاڑ پر چڑھیں تو انہیں کسی کی آواز آئی، انہوں نے اپنے آپ کو خطاب کرکے کہا کہ بس کرو، پھر کان لگاکر سُنا، پھر آواز آئی تو انہوں نے فرمایا: آواز تو سُنا دی اگر تم کچھ مدد کرسکتے ہو تو مدد کرو۔

اچانک کیا دیکھتی ہیں کہ زمزم کے کنویں کی جگہ پر ایک فرشتہ کھڑا ہے، اس نے اپنی ایڑھی یا یہ فرمایا کہ اپنے پَر سے اس جگہ کو یہاں تک کریدا کہ وہاں سے پانی نکل آیا، تو حضرت ہاجر نے جلدی جلدی اس کے ارد گرد منڈیر بنانا شروع کردی تاکہ حوض بن جائے، اور اس سے اپنے مشکیزے کو بھر لیا وہ جیسے ہی اپنے مشکیزے کو بھر کر وہاں سے اٹھائیں تو پانی وہاں سے اور جوش مار کر نکلنے لگتا، چنانچہ انہوں نے خود پانی پیا اور بچے کو دودھ پلایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ حضرت اسمٰعیل کی والدہ پر رحم کرے کاش کہ وہ زمزم کو بہتا ہوا چشمہ چھوڑ دیتیں۔

پھر اس فرشتے نے ان سے کہا: تم لوگ ہلاکت وضیاع کا خوف نہ کرو اس لیے کہ اس جگہ اللہ کا ایک گھر ہے جسے یہ لڑکا اور اس کے والد تعمیر کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے اہل وعیال کو ضائع نہیں کرے گا۔

بیت اللہ زمین سے ٹیلے کی طرح بلند تھا، وہاں سیلاب آتے تھے اور اس کے دائیں بائیں سے نکل کر چلے جاتے تھے۔

حضرت ہاجر اسی طرح وہاں رہتی رہیں۔ یہاں تک کہ ان کے پاس سے قبیلہ جرہم کے کچھ لوگ گزرے جو کدا نامی جگہ سے آرہے تھے، اور مکہ کی نچلی جانب میں مقیم ہوگئے۔ وہاں انہوں نے ایک پرندے کو پرواز کرتے دیکھ کر کہا کہ یہ پرندہ تو پانی کے اوپر چکر لگا رہا ہے، ہم تو اس وادی سے بار بار گزرے ہیں لیکن یہاں تو پانی نہ تھا، چنانچہ انہوں نے ایک

آدمی کو تفتیشِ احوال کے لیے بھیجا تو پتہ چلا کہ پانی موجود ہے اس نے آکر اپنے ساتھیوں کو خبر دی. وہ سب جب پانی کے پاس آئے تو وہاں پانی کے پاس انہوں نے حضرت اسماعیل کی والدہ کو دیکھا.

جرہم : کیا آپ ہمیں یہ اجازت دیں گی کہ ہم آپ کے پاس قیام کرلیں ؟

حضرت حاجر : جی ہاں، لیکن پانی پر آپ کو کوئی حق نہ ہوگا

جرہم : ٹھیک ہے.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں : رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت اسماعیل کی والدہ کو اس قبیلے کے آنے سے خوشی ہوئی اور وہ چاہتی بھی یہ تھیں کہ مانوس ہوں.

جرہم والے وہیں آکر ٹھہر گئے اور اپنے گھر والوں کو بھی بلا کر اپنے ساتھ ٹھہرا لیا. اور جب اس جگہ یہ چند گھرانے آباد ہوگئے اور حضرت اسماعیل جوان ہوگئے اور انہوں نے جرہم والوں سے عربی سیکھ لی. اور اس میں ان سے بھی آگے بڑھ گئے. اور وہ ان کو دیکھ کر بہت متأثر ہونے لگے جب شادی کی عمر ہوگئی تو جرہم والوں نے اپنی ایک لڑکی سے ان کی شادی کردی اور اسی اثنا میں حضرت اسماعیل کی والدہ کا انتقال ہوگیا.

حضرت اسمٰعیل کی شادی کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے خاندان کو تلاش کرتے ہوئے وہاں پہنچے لیکن حضرت اسماعیل کو گھر پر موجود نہ پایا تو ان کی بیوی سے ان کے بارے میں دریافت کیا.

خاتونِ خانہ : وہ ہمارے لیے شکار کرنے گئے ہیں، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس عورت سے انکی زندگی وحالات کے بارے میں پوچھا.

خاتونِ خانہ : ہم بہت تکلیف میں ہیں بہت بری حالت ہے اور اس نے ان سے خوب شکایت کی.

حضرت ابراہیم علیہ السلام : جب تمہارا شوہر آجائے تو ان کو سلام کے بعد یہ کہہ دینا کہ وہ اپنے گھر کی چوکھٹ بدل لے. (ان کی مراد تھی کہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے).

حضرت اسمٰعیل : کیا تمہارے پاس کوئی آیا تھا؟

خاتونِ خانہ : جی ہاں اس اس حلیے کے ایک شیخ آئے تھے اور انہوں نے ہم سے آپ کے بارے میں دریافت کیا تو ہم نے بتلا دیا. پھر انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ ہماری زندگی کیسی گزر رہی ہے؟ تو میں نے انہیں بتلا دیا کہ ہم تنگی و پریشانی کا شکار ہیں.

حضرت اسماعیل : کیا انہوں نے تمہیں کوئی وصیت کی تھی یا پیغام چھوڑا ہے؟

خاتونِ خانہ : جی ہاں ! انہوں نے مجھے یہ حکم دیا تھا کہ میں آپ کو ان کا سلام پہنچا کر ان کا یہ پیغام آپ کو دے دوں کہ اپنے گھر کی چوکھٹ بدل لیں.

حضرت اسماعیل: وہ بزرگ تو میرے والد ماجد تھے اور انہوں نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ تمہیں چھوڑ دوں، لہٰذا تم اپنے گھر چلی جاؤ، اور یہ کہہ کر انہوں نے اس عورت کو طلاق دے دی، اور پھر اسی قوم کی ایک اور لڑکی سے حضرت اسماعیل نے شادی کر لی، حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے پاس ایک زمانے تک نہیں آئے، پھر جب وہ ان کے گھر آئے تو وہاں حضرت اسماعیل کو موجود نہ پایا، ان کی بیوی سے ان کے بارے پوچھا۔

حضرت ابراہیم: اسماعیل کہاں ہیں؟ اور تم لوگ کیسے ہو۔

خاتونِ خانہ: وہ ہمارے لیے شکار کی تلاش میں گئے ہیں اور ہم خیریت و خوشحالی میں ہیں، آپ ہمارے مہمان بنیے کھائیے پیجیے۔

حضرت ابراہیم: تمہارا کھانا پینا کیا ہے؟

خاتونِ خانہ: ہمارا کھانا گوشت ہے اور پینا پانی ہے۔

حضرت ابراہیم: اے اللہ ان کے لیے ان کے کھانے اور پینے میں برکت عطا فرما۔

نبی کریم ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یہ سب کچھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی برکت ہے۔

حضرت ابراہیم: جب تمہارے شوہر آجائیں تو ان سے سلام کہہ دینا اور ان کو کہہ دینا کہ اپنے گھر کی چوکھٹ کو مضبوط کریں۔

جب حضرت اسماعیل آئے تو انہوں نے فرمایا: کیا تمہارے پاس کوئی صاحب آئے تھے؟

خاتونِ خانہ: جی ہاں ہمارے پاس نہایت اچھی شکل و صورت والے ایک بزرگ آئے تھے (اور بیوی نے ان کی خوب تعریف کی) اور انہوں نے مجھ سے آپ کے بارے میں پوچھا، میں نے ان کو بتلایا کہ ہم خیریت سے ہیں۔

حضرت اسماعیل: کیا انہوں نے تمہیں کوئی پیغام دیا تھا؟

خاتونِ خانہ: جی ہاں! آپ کو سلام کہہ رہے تھے اور حکم دے رہے تھے کہ آپ اپنے گھر کی چوکھٹ کو مضبوط رکھیں۔

حضرت اسماعیل: وہ میرے والد بزرگوار تھے اور چوکھٹ سے مراد تم ہو۔ انہوں نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اپنے نکاح میں برقرار رکھوں۔

پھر حضرت ابراہیم وہاں ایک زمانے تک ان کے پاس نہیں آئے، اور جب وہ ان کے یہاں تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت اسماعیل زمزم کے کنویں کے قریب بیٹھے ہوئے کمان بنا رہے ہیں۔

جب حضرت اسماعیل نے انہیں دیکھا تو ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہو گئے اور ان سے معانقہ کیا

(گلے ملے)۔

حضرت ابراہیم : اے اسمٰعیل اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک کام کا حکم دیا ہے۔

حضرت اسماعیل: آپ کے رب نے آپ کو جو حکم دیا ہے آپ اسے کر گزریے۔

حضرت ابراہیم : کیا تم میری اس سلسلہ میں مدد کروگے ؟

حضرت اسماعیل : میں آپ کی ضرور مدد کروں گا۔

حضرت ابراہیم : اللہ نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں اس جگہ ایک گھر بناؤں اور یہ کہہ کر انہوں نے وہاں موجود ایک بلند جگہ (ٹیلے) کی جانب اشارہ کیا۔

اور پھر بیت اللہ کی بنیادیں رکھ دی گئیں ، حضرت اسمٰعیل پتھر لاتے تھے اور حضرت ابراہیم بناتے جاتے تھے، یہاں تک کہ جب عمارت بلند ہوگئی، تو اس پتھر کو لائے جسے مقام ابراہیم کہتے ہیں. اور وہ حضرت ابراہیم کے لیے رکھ دیا، اور انھوں نے اس پر کھڑے ہوکر تعمیر کرنا شروع کردی. اور حضرت اسمٰعیل ان کو پتھر دیتے رہے اور دونوں باپ بیٹے یہ کہنے لگے :

((رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ)). البقرہ۔ ۱۲۷	اور دعا کرتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے قبول فرمایئے شک آپ ہی سننے والے جاننے والے ہیں۔

اس کے علاوہ اسی طرح کے اور بہت سے قصے ہیں۔

لہٰذا اچھے واعظ اور سمجھدار مربی اور با توفیق داعی یہ کر سکتے ہیں کہ قصہ کو ایسے مناسب اسلوب و انداز سے پیش کریں جو مخاطب لوگوں کی عقل کے موافق ہو جیسے کہ وہ یہ بھی کر سکتے ہیں کہ قصہ سے عبرت و نصیحت کے اہم نقاط کا استخراج کریں تاکہ اور زیادہ تاثیر اور اس پر خوب لبیک ہو۔

اس لیے مربی کا کام یہ ہے کہ وہ قصہ بیان کرتے وقت جذباتِ سامعین اور ان پر اس واقعے کے اثرات مترتب ہونے پر نظر رکھے اور اس سے فائدہ اٹھائے اور پھر جب روحانی طور پر وہ اس کا ساتھ دینے لگیں اور ان کا ذہن کھل جائے تو ان کے احساسات و شعور اور ان کی دل کی گہرائیوں میں عبرت کے چشمے اور نصیحت کی نہر کے دھارے بہا دے، جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ سننے والا شخص اس کی نصیحت پر کان دھرنے، عمل کرنے، اور اللہ رب العالمین کے سامنے گردن جھکانے والا بن جانے گا اور یہی وہ وقت اور موقعہ ہوتا ہے اس بات کا کہ مربی سامعین سے عہد و پیمان لے لے تاکہ وہ اسلام کو اپنے لیے قانون و نظام سمجھ کر لازم پکڑیں اور اپنے کردار و معاملات میں اس دین کے بنیادی اصولوں کو اپنی عادت بنائیں۔

اور اس طریقے سے ایک واعظ و مربی اپنے پیارے انداز اور عبرت و موعظت آمیز نقاط کھول کر بیان کر کے

قصے وواقعے کی عظمت و مرتبت اور نفوس پر اس کے اثر کو چھوڑ سکتا ہے اور پھر وہ سامعین کو طہارت، روحانیت اور خشوع کی فضا کی طرف منتقل کر سکتا ہے۔

ب۔ سوال و جواب کے انداز کو اختیار کرنا:

اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے ساتھیوں کے سامنے سوالات پیش کرے تاکہ ان کی توجہ و تیقظ کو بڑھائے اور ان کی ذکاوت کو متحرک کرے اور ان کی سمجھ کو جلا بخشے اور مؤثر کن نصائح اور عبرت کی باتیں مدلل طریقے سے مطمئن کن انداز میں ان کے ذہن نشین کر سکے۔

اس موضوع کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ امام احمد اپنی کتاب مسند میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے ارشاد فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ مسلمان کون شخص ہے؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ و اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔

آپ نے ارشاد فرمایا: مسلمان (کامل) وہ شخص ہے جس کی زبان و ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔

آپ نے دریافت فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ مؤمن کون ہے؟

انہوں نے عرض کیا: اللہ و اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔

آپ نے ارشاد فرمایا: مؤمن وہ شخص ہے جس سے لوگ اپنی جانوں اور مال پر مامون رہیں۔

پھر آپ نے مہاجر کا تذکرہ کیا اور فرمایا: اور مہاجر وہ شخص ہے جو برائی کو چھوڑ دے اور اس سے بچے۔

۲۔ امام مسلم رحمہ اللہ اپنی کتاب صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ بتلاؤ اگر تم میں سے کسی شخص کے دروازے پر کوئی نہر ہو۔ اور وہ شخص اس میں روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو تو کیا اس کے (جسم پر) کوئی میل کچیل باقی رہے گا؟

صحابہ نے عرض کیا: کچھ بھی میل کچیل باقی نہیں رہے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہی مثال ہے پانچ وقت کی نمازوں کی کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے غلطیوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔

۳۔ امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟

صحابہ نے عرض کیا: ہم میں مفلس وہ کہلاتا ہے جس کے پاس نہ درہم ہو نہ اور سازو سامان۔

آپ نے ارشاد فرمایا: میری امت میں سے مفلس وہ شخص ہوگا جو قیامت کے روز نماز روزہ وزکاۃ کے ساتھ آئے گا اور ساتھ ہی اس نے اِس کو گالی دی ہوگی اور اُس پر تہمت لگائی ہوگی، اور اُس کا مال کھایا ہوگا، اور اس کا خون بہایا ہوگا، اور اس کو مارا ہوگا، تو اس کو اس کی نیکیوں میں سے دے دیا جائے گا اور اس کو اس کی نیکیوں میں سے دے دیا جائے گا پھر اگر اس کی نیکیاں اس سے قبل ختم ہوگئیں کہ ان سے ان گناہوں اور خطایا کا بدلہ دیا جائے جو اس پر ہیں، تو دوسروں (مظلوموں) کے گناہ لے کر اس پر لاد دیے جائیں گے پھر اس کو آگ میں ڈال دیا جائے گا۔

ج ۔ وعظ ونصیحت کو اللہ تعالی کے نام کی قسم کھا کر شروع کرنا:

یہ اس لیے تاکہ سامع کو اس بات کی اہمیت کا اندازہ ہوجائے جس کے لیے قسم کھائی جارہی ہے تاکہ وہ بھی اس پر عمل کرے یا اس سے اجتناب کرے۔

امام مسلم رحمہ اللہ اپنی صحیح میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم لوگ اس وقت تک جنت میں داخل نہ ہوگے جب تک کہ مؤمن نہ بن جاؤ۔ اور مؤمن اس وقت تک نہ بنوگے جب تک کہ آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرنے لگو... کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں کہ اگر تم اس کو کرلو تو آپس میں محبت کرنے لگ جاؤگے؟ آپس میں سلام کو پھیلاؤ۔

امام بخاری رحمہ اللہ حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بخدا وہ شخص مؤمن نہیں، بخدا وہ شخص مؤمن نہیں، بخدا وہ شخص مؤمن نہیں، پوچھا گیا کون شخص اے اللہ کے رسول؟ آپ نے ارشاد فرمایا: وہ شخص جس کے پڑوسی اس کے شر سے محفوظ وماموں نہ ہوں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں اس طرح کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں۔

د ۔ وعظ کو دل لگی کے ساتھ ملا دینا:

اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ذہن کو حرکت دی جائے، اور سستی دور کی جائے، اور نفس کو شوق دلایا جائے، اس سلسلہ کی مثال:

وہ حدیث ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جسے ابوداؤد وترمذی روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ایک صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے صدقہ کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ مانگا، تاکہ اس پر سامان لاد کر گھر لے جاسکیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہم تمہیں اونٹنی کے بچے پر سوار کردیں گے، ان صاحب نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول میں اونٹنی کے بچے کا کیا کروں گا؟

تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اونٹ کو بھی تو اونٹنی ہی جنتی ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دل لگی کے اس انداز سے ان صاحب کو یہ بات ذہن نشین کرادی کہ اونٹ خواہ کتنا ہی عمر رسیدہ اور بار برداری کے لائق کیوں نہ ہو جائے تب بھی وہ اونٹنی کا بچہ ہی رہتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال مبارکہ میں اس طرح کے دل لگی کے بے شمار واقعات ملتے ہیں۔

۷۔ وعظ ونصیحت میں درمیانہ روی اور توسط کو اختیار کرنا تاکہ باعثِ ملال نہ ہو:

امام مسلم حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا، میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھا کرتا تھا تو آپ کی نماز درمیانی ہوا کرتی تھی۔

اور ابو داؤد رحمہ اللہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز وعظ ونصیحت کو طویل نہیں کرتے تھے، وہ تو چند مختصر سے جملے ہوا کرتے تھے۔

اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے بارے میں مروی ہے کہ جب تقریر فرماتے تو نہ اتنی مختصر ہوتی تھی کہ اصل بات اور مقصد سمجھ میں نہ آسکے اور نہ اتنی طویل ہوتی تھی کہ تنگ دل و آزردہ خاطر کردے، اور یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پند وموعظت میں ہمارا خیال رکھا کرتے تھے تاکہ ہم تنگ دل نہ ہو جائیں۔

۸۔ وعظ کی قوتِ تاثیر کے ذریعہ حاضرین پر چھا جانا:

امام ترمذی حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسی (زبردست) وعظ ونصیحت کی جس سے جسم جل گئے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور دل لرزنے لگے، تو ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایسے شخص کی پند وموعظت ہے جو رخصت کرنے اور الوداع کہنے والا ہو، لہذا آپ ہمیں کیا نصیحت کرنا چاہتے ہیں؟! آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ سے ڈرو اور میری سنت اور میرے بعد میرے خلفاء کی ہدایت یافتہ وہدایت دینے والی سنت کی پیروی کرو، اور اس کو مضبوطی سے تھام لو اس لیے کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

مسند امام احمد وصحیح مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا	اور ان لوگوں نے اللہ کی عظمت نہ کی جیسی عظمت کرنا
قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ	چاہیئے تھی، اور حال یہ ہے کہ ساری زمین اس کی مٹھی

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۷﴾۔ الزمر - ۶۷

ہیں ہوگی قیامت کے دن اور آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپیٹے ہوں گے، وہ پاک ہے اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستِ مبارک کو آگے پیچھے کی جانب حرکت دے رہے تھے، اپنے رب کی بزرگی بیان فرما رہے تھے کہ رب فرماتا ہے: میں جبّار ہوں، میں متکبر ہوں، میں بادشاہ ہوں، میں عزیز ہوں میں کریم ہوں۔ اور اس وقت ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ منبر تھرانے لگا حتیٰ کہ ہم یہ کہنے لگے کہ وہ گر پڑے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر گر جائے گا۔

واعظ و داعی لوگوں پر اس قوتِ تاثیر و چھا جانے سے اس وقت تک متصف نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس میں خلوصِ نیت، رقتِ قلب، خشوعِ نفس، صفائی باطن اور روح کی پاکیزگی نہ ہو، ورنہ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ رب العالمین کے یہاں مسئولیت و ذمہ داری بہت بڑی ہے۔

ابن ابی الدنیا اور بیہقی سندِ جید کے ساتھ مرسلاً مالک بن دینار سے اور وہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: کوئی شخص ایسا نہیں کہ وہ کوئی خطبہ دے (وعظ کرے) مگر یہ کہ روزِ قیامت اس سے اللہ جل شانہ یہ پوچھے گا کہ اس کا وعظ سے کیا مقصد تھا؟ چنانچہ مالک بن دینار کی حالت یہ تھی کہ وہ جب اس حدیث کو بیان کیا کرتے تھے تو رونے لگتے پھر یہ فرماتے: تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ میں تم سے جو گفتگو کرتا ہوں اس سے میری آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے، اور میں یہ بخوبی سمجھتا ہوں کہ اللہ عزّ و جلّ مجھ سے اس کے بارے میں یہ پوچھے گا کہ میں نے اس سے کیا چاہا تھا؟ تو میں یہ عرض کروں گا: اے اللہ آپ میرے دل کے دیکھنے والے تھے، اگر مجھے یہ معلوم نہ ہوتا کہ یہ بات آپ کو پسند و محبوب تھی تو میں کبھی بھی اسے دو آدمیوں کے سامنے بھی نہ کہتا۔

اور وہ داعی جو صرف زبان سے کہنے والا ہو اور تصنعاً باتیں کرتا ہو تاکہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کے دلوں کو گرویدہ بنائے اس کے اور اس داعی کے درمیان بہت فرق ہے جو مخلص ہو اور اسلام کی خاطر اس کا دل مجروح ہو، دل کی دھڑکن اور غم و ملال کی سوزش کے ساتھ اس کی زبان سے بات نکلتی ہو، اس لیے کہ مسلمانوں کی تکلیف دہ اور غمگین کن حالت اس کے سامنے ہے۔ ظاہر بات ہے کہ دوسرے داعی کی بات میں بہت زیادہ اثر ہوگا، اور اس کی بات پر لوگ زیادہ لبیک کہیں گے، اور اس کے کلام سے زیادہ متاثر ہوں گے اور خوب نصیحت حاصل کریں گے۔

حضرت عمر بن ذر نے اپنے والد سے عرض کیا: اے میرے اباجان! کیا وجہ ہے کہ آپ جب لوگوں سے مخاطب ہوتے ہیں تو لوگوں کو رلا ڈالتے ہیں، اور جب آپ کے علاوہ کوئی اور شخص ان سے مخاطب ہوتا ہے تو یہ بات نہیں

ہوتی ؟ ! انہوں نے کہا : میرے بیٹے بات یہ ہے کہ وہ عورت جو مصیبت زدہ ہونے کی وجہ سے نوحہ کر رہی ہو (رو رہی ہو) وہ کرایہ پر رونے والی عورت کی طرح ہرگز نہیں ہوسکتی۔

ابو داؤد رحمہ اللہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے : جو شخص بات کرنے کا طرز و انداز اس لیے سیکھے تاکہ اس سے لوگوں کے دلوں پر قبضہ کرلے تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ نہ اس کے نفل کو قبول فرمائیں گے اور نہ فرض کو (یا نہ توبہ قبول ہوگی نہ فدیہ و بدلہ)۔

ز۔ ضرب الامثال کے ذریعہ نصیحت کرنا :

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ آپ اپنی نصیحت و وعظ کی وضاحت کے لیے ایسی مثالیں پیش کیا کرتے تھے جو لوگ خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا کرتے تھے، اور خود ان کے اختیار اور خیال کے دائرہ میں آتی ہوں اور آپ کا مقصد اس سے یہ ہوتا تھا کہ نفس پر اس وعظ کا اثر زیادہ سے زیادہ ہو اور ذہن میں وہ چیز خوب راسخ ہو جائے۔

نسائی اپنی "سنن" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس مؤمن کی مثال جو قرآنِ کریم کی تلاوت کرتا ہو ترنجبین (ایک پھل ہے جو موسمی کی طرح کا ہوتا ہے) کی طرح ہے جس کی خوشبو بھی پیاری ہوتی ہے اور اس کا مزا بھی عمدہ ہوتا ہے، اور اس مؤمن کی مثال جو قرآنِ کریم کی تلاوت نہیں کرتا اس پھل کی طرح ہے جس کا مزا عمدہ ہوتا ہے لیکن اس میں خوشبو کوئی نہیں ہوتی، اور اس بدکردار کی مثال جو قرآنِ کریم نہیں پڑھتا حنظلہ کے پھل کی سی ہے جس کا مزا کڑوا ہے اور اس میں خوشبو کچھ نہیں، اور برے ساتھی کی مثال ایسی ہے جیسے کہ لوہار کے پاس بیٹھنے والے کی کہ اگر اس کی بھٹی کی سیاہی نہ بھی لگے تو دھواں ضرور پہنچے گا۔

ان نبوی تشبیہات میں ایسے نہایت واضح انداز سے خیر کی جانب ترغیب دی گئی ہے اور شر و برائی سے روکا گیا ہے کہ جو مخاطبین کے دائرۂ اختیار میں ہے۔

ح۔ ہاتھ کے اشارے سے وعظ و نصیحت :

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی اہم بات کی تاکید کرنا چاہتے تھے تو دونوں ہاتھوں سے اس اہم کام کی جانب اشارہ کیا کرتے تھے جس کا اہتمام اور جس پر عمل کرنا لوگوں کے لیے ضروری تھا۔

امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا : رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ : ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لیے عمارت کی طرح ہے کہ اس کا ایک حصہ

دوسرے کو قوت پہنچاتا و مضبوط کرتا ہے، یہ فرماکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیاں ایک دوسرے میں داخل فرمادیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے اور آپ نے انگشتِ شہادت اور اسکے برابر والی انگلی کی جانب اشارہ کیا۔

امام ترمذی رحمہ اللہ اپنی "سنن" میں حضرت سفیان بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول مجھے کوئی ایسی بات بتلا دیجیے جس کو میں مضبوطی سے تھام لوں، آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم یہ کہو میرا رب اللہ ہے اور پھر اس پر استقامت اختیار کرو، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول سب سے زیادہ وہ خوفناک چیز کیا ہے جس کا آپ کو مجھ سے خطرہ ہو؟! آپ نے اپنی زبانِ مبارک پکڑ کر فرمایا: یہ۔

احادیث مبارکہ میں اس قسم کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔

ط - لکیروں اور خطوط کے ذریعہ وضاحت اور نصیحت کرنا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض اہم باتوں کی وضاحت اور بعض مفید تصورات کو لوگوں کے ذہن کے قریب کرنے کے لیے اپنے صحابہ کے سامنے خطوط و لکیریں کھینچ کر سمجھایا کرتے تھے۔

امام بخاری اپنی کتاب "صحیح" میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ارشاد فرمایا: رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے ایک مربع دائرہ بنایا، اور پھر اس سے باہر نکلنے والی ایک لکیر کھینچی اور پھر بہت سی چھوٹی چھوٹی لکیریں اس طرف سے کھینچیں جو درمیان میں تھی اور ان کا رخ اس جانب تھا جو درمیان میں تھی اور یہ ارشاد فرمایا: یہ انسان ہے اور یہ (مربع دائرہ) اس کا وقت مقررہ ہے جو اسے چاروں طرف سے گھیرے ہونے ہے اور یہ لکیر جو (اس دائرے سے) باہر نکل رہی ہے یہ انسان کی امیدیں و آرزوئیں ہیں اور چھوٹی چھوٹی لکیریں وہ حادثات و آفات ہیں جو اچانک پیش آتے ہیں، پس اگر انسان ایک آفت سے بچ جاتا ہے تو دوسری کا شکار ہو جاتا ہے، اور اگر اس سے بچ جائے تو تیسری کا اور اگر ان سب سے بچ جائے تو بڑھاپا اس کو پکڑ لیتا ہے۔ آئندہ صفحہ پر وہ نقشہ و تصویر دی جارہی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطوط کے ذریعہ بیان فرمائی تھی۔

آرزوئیں

موت

عام کتابوں میں اس کا نقشہ اس طرح دیا گیا ہے:

انسان

حوادثات وآفات

موت
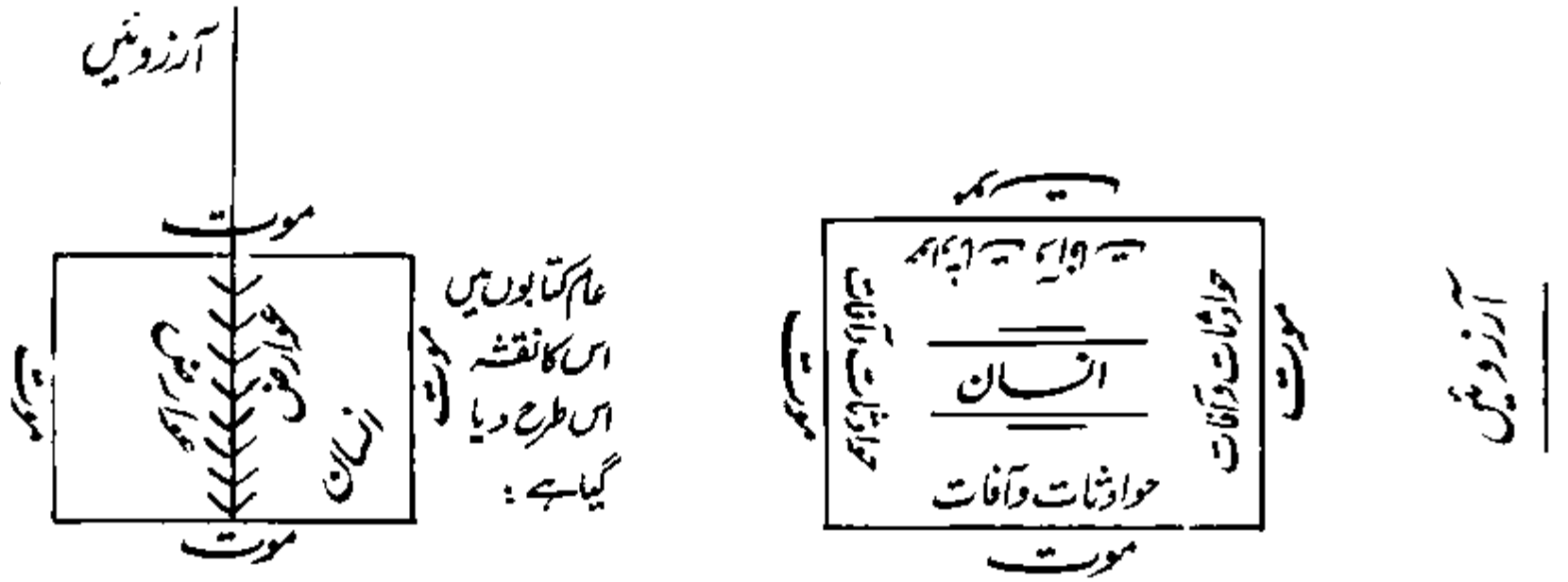
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر جو لکیریں کھینچیں تھیں ان کے ذریعہ آپ نے یہ بیان فرمایا کہ انسان اور اس کی طویل ولمبی چوڑی آرزوؤں وامیدوں کے درمیان اچانک موت یا آفات ومصائب کس طرح حائل ہوجاتے ہیں، یا پھر ختم کرنے والا بڑھاپا آجاتا ہے۔ معلم اول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ نہایت عمدہ وشاندار وضاحت تھی۔

امام احمد اپنی مسند میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے اپنے دستِ مبارک سے زمین پر ایک لکیر بنائی اور فرمایا یہ اللہ کا راستہ ہے اور پھر دو لکیریں اس لکیر کے دائیں طرف کھینچیں اور دو بائیں طرف اور یہ فرمایا کہ یہ شیطان کے راستے ہیں، پھر اپنا دستِ مبارک درمیان کی لکیر پر رکھ کر مندرجہ ذیل آیتِ کریمہ تلاوت کی:

((وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ، وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ، ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ))۔ انعام ۱۵۴

اور حکم کیا کہ یہ میری سیدھی راہ ہے سو اس پر چلو اور اور راستوں پر مت چلو کہ وہ تم کو جدا کر دیں گے اللہ کے راستے سے یہ تم کو حکم کر دیا ہے تاکہ تم بچتے رہو۔

آپ نے جو لکیریں کھینچی تھیں ان کا نمونہ یہ ہے:

شیطان کے راستے

صراط مستقیم
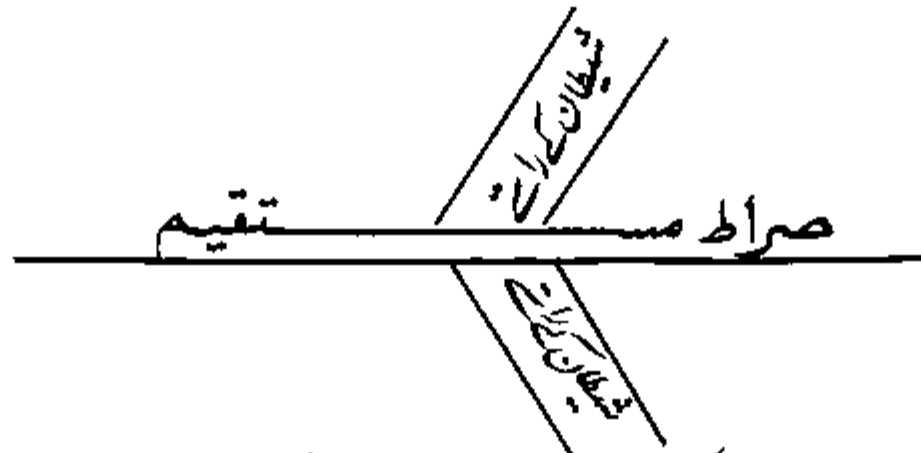
شیطان کے راستے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر لکیریں کھینچ کر ان کے سامنے یہ واضح فرمادیا کہ اسلام کا منہج وطریقہ وہ صراطِ مستقیم (سیدھا راستہ) ہے جو عزت وجنت تک پہنچانے والا ہے اور اس کے علاوہ اور جو افکارات خیالات اصول ونظام ہیں

وہ سب کے سب شیطان کے راستے اور اس کے وہ طریقے ہیں جو ہلاکت ــــــ وتباہی وجہنم تک پہنچانے والے ہیں۔

ی۔ عمل کے ذریعے سے نصیحت کرنا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی تعلیم وتربیت اور معاشرہ کی تعمیر کے لیے زندہ نمونہ پیش کیا کرتے تھے جس کی بعض مثالیں درج ذیل ہیں:

ابو داؤد نسائی اور ابن ماجہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول وضوء کا کیا طریقہ ہے؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن میں پانی منگوایا اور اپنے دونوں ہاتھ تین مرتبہ دھوئے حتیٰ کہ پورا وضو کر کے دکھلادیا پھر فرمایا: جو شخص اس پر زیادتی کرے گا یا اس میں کمی کرے گا تو اس نے زیادتی اور ظلم کیا۔

امام بخاری اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے ایک مجمع کے سامنے وضو کیا پھر فرمایا: جس شخص نے میرے اس وضوء کی طرح وضو کیا اور پھر دو رکعتیں اس طرح پڑھیں کہ ان کے دوران اس کے دل میں دنیا کی کسی چیز کا خیال نہ آئے تو اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

اور امام بخاری نے ایک حدیث روایت کی ہے جس میں یہ تذکرہ آتا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس حالت میں نماز پڑھائی کہ آپ منبر پر تھے تاکہ سب کے سب آپ کی نماز کا مشاہدہ کرلیں اور اس مشاہدہ کے ذریعہ آپ سے نماز کے افعال سیکھ لیں، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر آپ نے ارشاد فرمایا: اے لوگو میں نے یہ اس لیے کیا تاکہ تم میری اقتداء کرو اور میری نماز کو سیکھ لو۔

ک۔ موقعہ ومناسبت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وعظ ونصیحت کرنا:

بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن لوگوں کو وعظ ونصیحت اور رہنمائی کرنا چاہتے تھے ان کے سامنے کسی موقعہ ومناسبت سے فائدہ اٹھالیا کرتے تھے تاکہ اس کا زیادہ اثر ہو، اور سمجھنے سمجھانے میں آسانی بھی ہوجائے ان مناسبات میں سے بعض درج ذیل ہیں:

امام مسلم حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عوالی (ایک علاقہ کا نام ہے) کی جانب سے بازار میں داخل ہوئے لوگ آپ کے ارد گرد تھے، آپ کا ایک مردار بھیڑ کے بچے کے پاس سے گزر ہوا جس کے کان چھوٹے چھوٹے تھے، چنانچہ آپ نے اس کا کان پکڑ کر فرمایا: تم میں سے کون شخص یہ پسند کرتا ہے کہ یہ مردار اسے ایک درہم میں مل جائے؟ صحابہ نے عرض کیا: ہم تو اسے کسی قیمت پر بھی نہیں لینا چاہتے، یا یہ فرمایا کہ ہم اس کا کیا کریں گے؟ تو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ وہ تمہیں مل جائے؛ صحابہ نے عرض کیا: بخدا اگر یہ زندہ بھی ہوتا تب بھی کان کا چھوٹا ہونا اس کے لیے عیب تھا، اور اب جب وہ مردار ہو گیا تو پھر تو اور زیادہ عیب دار ہو گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بخدا جتنا یہ مردار تمہاری نظروں میں حقیر ہے دنیا اللہ کے یہاں اس سے بھی زیادہ حقیر ہے۔

امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قیدی عورتیں لائی گئیں، ان عورتوں میں ایک عورت ایسی تھی کہ اس کے پستان دودھ سے بھرے ہوئے تھے وہ جب بھی کسی قیدی چھوٹے بچے کو دیکھتی اسے پکڑ کر اپنے سینے سے لگا کر دودھ پلانا شروع کر دیتی، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں جھونک دے گی؟ (جب کہ اسے یہ قدرت ہو کہ وہ اس کو آگ میں نہ پھینکے؟) ہم نے عرض کیا: جی نہیں؛ خدا کی قسم وہ ایسا ہرگز نہیں کرے گی، تو آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر اس سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں جو اس عورت کو اپنے بچے پر ہے۔

ل ۔ اہم چیز کی طرف متوجہ کر کے نصیحت کرنا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سوال کو اس سے اہم سوال کی جانب پھیر دیا کرتے تھے جس کی مثال درج ذیل ہے:

امام بخاری و مسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ: اے اللہ کے رسول قیامت کب آئے گی؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا: تم نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؛ انہوں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول کی محبت ۔ آپ نے ارشاد فرمایا: تم اسی کے ساتھ ہو گے جس سے تمہیں محبت ہے۔

اس موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صاحب کو قیامت کے قائم ہونے کے وقت کے بارے میں سوال سے (جس کا علم اللہ کے سوا کسی اور کو نہیں ہے) ایک اور جانب متوجہ کر دیا جس کی سب سے زیادہ ضرورت تھی، اور وہ ہے اس روز کے لیے اعمالِ صالحہ کی تیاری جس روز تمام لوگ اللہ رب العالمین کے دربار میں پیش ہوں گے۔

م ۔ جس حرام چیز سے روکنا ہے اسے سامنے پیش کر کے وعظ و نصیحت کرنا:

ایسا بھی ہوتا تھا کہ بعض اوقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستِ مبارک میں وہ حرام چیز تھام لیتے تھے جس سے روکنا مقصود ہوتا تھا، اور اس چیز کو مخاطبین کے سامنے کر دیا کرتے تھے تاکہ ان کو زبانی قول اور آنکھوں کے مشاہدہ سے وہ حرام چیز معلوم ہو جائے، اور نفوس کے لیے روکنے کا زیادہ قوی ذریعہ بنے اور حرام ہونے پر زیادہ صریح رہنمائی ہو جائے اور اس کی مثال یہ ہے:

ابو داؤد نسائی وابن ماجہ اپنی اپنی سنن میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ارشاد فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ میں ریشم اور بائیں ہاتھ میں سونا تھاما، اور پھر ان دونوں کو ہاتھوں میں لے کر بلند کر کے فرمایا یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام اور عورتوں پر حلال ہیں۔

یہ وہ اہم اسلوب و انداز ہیں جو معلم اول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بڑوں کی رہنمائی، چھوٹوں کی تعلیم، خواص کی رہنمائی اور عوام کی ہدایت، اور اچھائیوں کے پیدا کرنے اور کجی کے دور کرنے کے لیے اختیار کیا کرتے تھے، اور اے مربی صاحبان جیسا کہ آپ نے دیکھ لیا یہ متنوع طریقے اور مختلف وسائل ہیں، بلکہ جیسے ہم نے پہلے اشارہ کیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی رہنمائی وہدایت دینے اور ان کی اصلاح ومتوجہ کرنے میں کسی ایک انداز ہی کو لازم نہیں پکڑتے تھے بلکہ صحابہ کے سامنے قصے کے اسلوب سے سوال جواب کے۔ اسلوب کی طرف اور مؤثر کن ڈرانے والے اسلوب سے لطیف دل لگی کی جانب، اور ضرب الامثال اور مثالوں کے ذریعہ وضاحت سے لکیروں وخطوط یا ہاتھ سے اشارہ سے وضاحت کی جانب منتقل ہو جایا کرتے تھے، اور زبانی نصیحت سے فعل کے ذریعہ اس پر عمل کی جانب اور قرآن کریم سے یاد دہانی سے مناسبت وموقع سے فائدہ اٹھا کر عبرت انگیز انداز کی وضاحت وتوضیح کی جانب، اور کسی اہم سوال سے اس سے اہم سوال کی جانب اور زبانی ممانعت سے مشاہدہ کے ذریعہ ممانعت کی جانب منتقل ہو جایا کرتے تھے۔

ان اسالیب وانداز کے بدلنے سے مخاطب اور بچوں میں معلومات راسخ کرنے اور فہم وسمجھ کے تیز کرنے اور ذکاوت کے حرکت دینے اور وعظ ونصیحت کے قبول کرنے اور تیقظ وذکاوت کے بیدار کرنے میں جو عظیم اثر پڑتا ہے وہ کسی پر بھی مخفی نہیں ہے۔

لہٰذا جب مربی ان لوگوں کے سامنے جن کی تیاری وتربیت کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے خواہ وہ اہل وعیال ہوں یا اولاد وشاگرد ان کے سامنے اپنی نصیحتوں اور رہنمائیوں میں ان اسالیب وانداز کو عمدگی سے پیش کرے گا تو بلا کسی شک وشبہ وہ انہیں سیکھیں گے بھی اور ان کو اپنے اوپر نافذ بھی کریں گے، بلکہ شاندار معاشرے کی تعمیر اور اسلامی حکومت کے قیام میں مضبوط وٹھوس بنیاد ثابت ہوں گے۔

لہٰذا مربیوں کو چاہیے کہ ارشاد ورہنمائی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں اور وعظ وارشاد میں آپ کے اسلوب کو اختیار کریں۔ اس لیے کہ وہ بہترین طریقے اور عمدہ تر اسلوب ہیں، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہشِ نفس سے کچھ نہ فرماتے تھے اور آپ کی تربیت آپ کے رب نے کی تھی اور خوب کی تھی، اور آپ کی تیاری اللہ جل شانہ کے سامنے ہوئی اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی عنایت ونگرانی آپ کے شاملِ حال رہی ہے۔ اور جب بات یہ ہے تو جو اقوال، افعال وتقریرات (کسی کام کو ہوتا دیکھ کر اس پر خاموشی اختیار کرنا اسے عربی میں تقریر کہا جاتا ہے) بھی آپ سے صادر ہوں گی وہ سب کی سب قیامت تک کے لیے مرورِ ایام وزمانہ کے ساتھ ساتھ انسانیت کے لیے تشریع اور ہدایت کا ذریعہ ہیں۔

بی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فخر وشرف اور ابدیت کے لیے یہ بات بہت کافی ہے کہ اللہ جل شانہ آپ کے بارے میں یہ ارشاد فرمائیں:

«لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيرًا». الاحزاب۔ ۲۱

رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے تمہارے لیے یعنی اس کے لیے جو ڈرتا ہو اللہ اور روزِ آخرت سے اور ذکرِ الٰہی کثرت سے کرتا ہو۔

اور مزید یہ ارشاد فرمایا ہے:

«مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ...» النساء۔ ۸۰

جس نے رسول کا حکم مانا اس نے اللہ کا حکم مانا۔

ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ مربی اگر اپنی باتوں کو عملی جامہ نہیں پہنائے گا اور جس چیز کی دوسروں کو نصیحت کر رہا ہے اس کو عملی تطبیق نہیں دے گا تو کوئی شخص اس کے کلام کو قبول نہیں کرے گا۔ اور نہ کوئی انسان اس کی نصیحت سے متاثر ہوگا۔ اور نہ کوئی مخاطب اس کی بات پر لبیک کہے گا۔ بلکہ وہ عوام کی تنقید اور خواص کے مذاق کا نشانہ اور تمام لوگوں کے اس کے مخالف ہونے کا ذریعہ بنے گا۔

اس لیے کہ جو بات دل سے نہ نکلے وہ دل تک ہرگز نہیں پہنچتی، اور جس وعظ ونصیحت میں روحانیت کا اثر نہ ہو وہ دلوں پر کبھی اثر نہیں کرتی، کچھ صفحات قبل آپ نے پڑھ لیا ہے کہ جب باپ سے بیٹے نے یہ سوال کیا کہ یہ کیا بات ہے کہ جب آپ بات کرتے ہیں تو لوگوں کو رلا دیتے ہیں اور جب آپ کے علاوہ کوئی دوسرا بات کرتا ہے تو لوگ روتے نہیں ہیں، باپ نے جواب دیا: اے میرے بیٹے مصیبت زدہ رونے والی عورت اجرت پر رونے والی عورت کی طرح نہیں ہوتی، ان کی مراد یہ تھی کہ وہ داعی جو اسلام کا درد رکھنے والا ہو اور جس میں ایمان جاگزین ہو وہ منافق واعظ اور ہنسانے اور خوش کرنے والے داعی کی طرح نہیں ہوسکتا۔

اس سے قبل نمونہ ومقتدی کے ذریعہ تربیت کی بحث میں ہم ان لوگوں کے بارے میں تفصیلی کلام کرچکے ہیں جن کے قوال افعال کے خلاف اور جن کے وعظ ان کے عمل کے برخلاف ہوتے ہیں۔ لہٰذا قارئینِ کرام اگر اس موضوع پر تشفی بخش بحث مطالعہ کرنا چاہتے ہوں تو اس کا مطالعہ کرلیں انشاء اللہ سیرابی کا پورا سامان وہاں موجود پائیں گے۔

اے مربی صاحبان آخری بات یہ ہے کہ:

جب آپ اسلام کے اس نظام ومنہج پر مطلع ہوگئے ہیں جو قرآنِ کریم اور احادیثِ شریفہ میں وعظ کے مختلف طریقوں او صمت کے اسلوب اور وعظ وارشاد کے وسائل کی شکل میں موجود ہے۔

تو پھر آپ کی یہ ذمہ داری ہے کہ آپ اپنی ہمت تیز کریں، اور عزم کو دو چند کریں تاکہ آپ نے جو منہج اور طریقے سیکھے ہیں انہیں نافذ کرسکیں۔ اور ان کی عملی تطبیق پیش کرسکیں، اور پھر آپ اپنے بچے یا شاگرد یا مرید کو ایسی حالت میں پائیں گے کہ اس کا دل آپ کی نصیحت سننے کے لیے تیار ہوگا اور کلی طور پہ ہدایت و رہنمائی کے طریقوں کے سامنے گردن جھکائی ہوئی ہوگی اور حق و اسلام کے لیے ہر وقت لبیک کہنے والا ہوگا۔

مربی باپ یا مربی ماں اس وقت کتنے قابلِ تعریف ہوتے ہیں جب وہ شام کو اپنے بچوں کے ساتھ مل بیٹھتے ہیں۔ اور ان کے ان لمحات کو عمدہ قسم کی کہانیوں، حکمت کی باتوں اور وعظ و نصیحت کے لطائف سے پُر کر دیتے ہیں۔ کبھی ان کے سامنے کوئی قصہ بیان کر دیا، اور کبھی کوئی نصیحت کی بات کر دی، کبھی کوئی شعر سنا دیا، کبھی قرآن کریم کی تلاوت، کبھی کوئی لطیفہ کبھی آپس میں باہمی مقابلہ کرا دیا، اور اس طرح سے وہ انداز و اسالیب بدلتے رہتے ہیں اور موضوعات کو متنوع کرتے رہتے ہیں تاکہ جاگنے اور وقت گزارنے سے ان کی روحانی تکمیل اور نفسیاتی و اخلاقی تعمیر ہو سکے۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ان کے سبق یاد کرنے اور ان کے روزانہ کے سونے جیسے کام میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ اور اس طریقے سے مربی اس بات پر قادر ہوگا کہ حقیقت و دل لگی اور وعظ و نصیحت اور لطیفوں کو جمع کر دے اور حقیقت اور تسلی کے اسباب میں توازن قائم کر دے تاکہ وہ قلبی طور سے اس بات پہ مطمئن اور وجدانی طور سے قناعت کر سکے کہ بچوں نے اپنا بڑا وقت نفع بخش کاموں اور مفید چیزوں میں صرف کیا ہے۔

اگر مربی روزانہ اس نظام پر عمل کرلے تو کوئی زیادہ طویل وقت نہ گزرے گا کہ وہ اپنے ان بچوں کو جن کی تربیت کا اس نے اہتمام کیا ہے اور ان کی نگرانی کی ہے انہیں وہ ہدایت یافتہ و ہدایت دینے والوں اور اللہ کے ان نیک بندوں کی فہرست میں پائے گا جن سے آرزوئیں وابستہ ہوتی ہیں اور جن کے ذریعہ سے اسلام کو فتح و نصرت حاصل ہوتی ہے۔

مربی اس وقت کتنا موفق ہوتا ہے جب وہ اپنے بچوں کے ساتھ قرآن کریم کے واعظانہ اسلوب کو اختیار کرتا ہے، چنانچہ وہ کبھی تو انہیں تقویٰ اختیار کرنے ترغیب دیتا ہے۔ اور کبھی وعظ و نصیحت کرتا ہے کبھی انہیں خیر خواہی پر ابھارتا ہے، اور کبھی ترغیب سے کام لیتا ہے۔ اور کسی موقع پر سرزنش کے اسلوب کو بھی اختیار کر لیتا ہے، اور اس طرح سے حالات و مواقع کی مناسبت سے اسلوب کا انداز نو بنو بدلتا رہتا ہے۔

یہ سب کچھ بار بار کے ان الفاظ سے پکارنے اور آواز دینے کے علاوہ ہے جن کی ابتدا، حرف ندا، سے ہوتی ہے جیسے مربی کا یہ کہنا کہ: اے میرے بیٹے۔ اے میرے لڑکے اس لیے کہ اس قسم کے الفاظ جذبات ابھارنے اور شعور کے بیدا رنے کا بڑا ذریعہ ہیں اور قرآن کریم نے کتنے ہی مقامات پہ انہی کلمات سے ابتدا کی ہے۔

اور یہ سب قصہ کہانی کے اس اسلوب کے علاوہ ہے جو عبرت و نصیحت کے مواقع سے مربوط ہو، قرآن کریم میں یہ اندا ز سی بہت سی جگہ وارد ہوا ہے

اور اس اسلامی توجیہ کے علاوہ ہے جس کی ابتدا حروفِ تاکید سے ہوئی ہے جسے کتنے ہی مواقع پر قرآن کریم نے مکرر ذکر کیا ہے۔

اور اس معاشرتی رہنمائی کے علاوہ ہے جو حروفِ استفہام انکاری سے شروع ہوتی ہے جو قرآن کریم میں متعدد جگہ پر مذکور ہے۔

اور اس مطمئن کرنے والی توجیہ ورہنمائی کے علاوہ ہے جو ادلہ عقلیہ کے ساتھ آراستہ ہو، اور یہ کتنی ہی جگہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔

اور اس محیط تصوراتی رہنمائی کے علاوہ ہے جو شواہد کے ساتھ مقرون ہو جس کی قرآن کریم نے متعدد مقامات پر تعریف کی ہے اور شرعی اصول وضوابط کے ساتھ مدلل اس رہنمائی کے نظام کے علاوہ ہے جس کا قرآن کریم نے کتنی ہی جگہ تذکرہ کیا ہے۔

اس کے علاوہ اور متنوع قسم کی توجیہات اور رہنمائیاں اور نو بنو اسلوب جو سب کے سب قرآن کریم سے حاصل کیے گئے ہیں۔

اور اسی طرح مربی اس وقت کتنا مُوَفَّق ہوگا جب وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وعظ کے طریقوں —— اور نصائح اور ارشادات میں آپ کے اسلوب کو اختیار کرے گا۔

اور اس وقت کتنا موفق ہوگا جب کسی قصہ کو بیان کرنے کے بعد اس سے عبرت کے پہلو واضح کرے گا اور اس میں نصیحت حاصل کرنے کے مواضع کی نشاندہی کرے گا۔

اور مربی اس وقت کتنا موفق ہوگا جب وہ اپنے بچوں کے ساتھ سوال جواب کے طریقے کو اختیار کرے گا، مثلاً ان کے سامنے کوئی سوال پیش کر دیا یا ان سے کچھ پوچھ لیا، تاکہ وہ مطمئن کن ومدلل رہنمائی کے چشمے سے سیراب ہوں۔

اور وہ اس وقت کتنا موفق ہوگا جب وہ اپنی موعظت ونصیحت میں درمیانہ روی سے کام لیتا ہوگا اور تنگ دل و آزردہ خاطر ہونے کے خوف سے اہم سے اہم تر پر اکتفا کرے گا۔

اور وہ اس وقت کتنا موفق ہوگا جب اپنی پند وموعظت کی ابتدا، تاکید کے واسطے قسم کے ساتھ کرے گا اور شوق دلانے اور اس سے لگن پیدا کرنے کے لیے اس میں دل لگی کا پہلو شامل کرے گا۔

اور وہ اس وقت کتنا موفق ہوگا جب وہ اپنی پوری کوشش اس بات پر صرف کر دے گا کہ وہ اپنے بچوں کو وعظ ونصیحت کرتے وقت ان پر چھا جائے تاکہ وہ سب اس کے کلام سے متاثر ہوں۔

اور وہ اس وقت کتنا موفق ہوگا جب وہ نصیحت اور وعظ کی وضاحت کے لیے مثالوں، لکیروں کے کھینچنے اور ضرب الامثال بیان کرنے اور ان تمام چیزوں سے مدد لے گا جنہیں لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، اور جو ان کے خیال

کے دامن میں سما سکتی ہیں، تا کہ خوب وضاحت ہو جائے اور ذہن میں اچھی طرح سے راسخ ہو جائے۔

اور وہ اس وقت کتنا موفق ہوگا جب ان کے سامنے وہ تعلیم کے میدان میں اپنی ذات سے عملی نمونہ اور تطبیق کے میدان میں فعلی شہادت پیش کرے گا۔

اور وہ اس وقت کتنا موفق ہوگا جب وہ کسی حادثہ کے پیش آنے پر وعظ کے لیے راستہ ہموار کرے یا نصیحت کے لیے کوئی مناسبت پالے، تا کہ خوب اثر ہو اور اس کی بات پر پوری طرح سے لبیک کہی جا سکے۔

اس کے علاوہ وعظ و نصیحت کے دوسرے وہ انداز جنہیں مربی اختیار کرے گا اور رہنمائی کے وہ طریقے جنہیں وہ وقتاً فوقتاً سیکھتا رہے گا۔

اس لیے کہ مربی کو قرآنِ کریم کے لہلہاتے باغ میں یہ جا بجا منتشر ملیں گے اور حدیث شریف کے سرسبز باغیچہ میں وہ انہیں موجود پائے گا۔

لہٰذا مربیوں کو چاہیے کہ وہ لوگوں سے خطاب کرنے اور انہیں خیر کی طرف دعوت دینے میں قرآن کریم کے عظیم اسلوب کو اختیار کریں۔ اس لیے کہ قرآن شریف اس عظیم ذات کی کتاب ہے جس تک باطل نہ اس کے سامنے سے آسکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے، یہ تو ایک حکیم و حمید ذات کا نازل کردہ ہے۔ اسی طرح مربیوں کو وعظ و نصیحت کے طریقوں اور رہنمائی کے اسالیب میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ وہ ایسے معصوم نبی ہیں جو اپنی خواہشِ نفس سے کچھ نہیں فرماتے۔ اور ان کے کمالات تک کوئی بشر اور ان کے مرتبہ کو کوئی انسان نہیں پہنچ سکتا۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے زمانوں اور تمام عالم میں فخر کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ ان کو اس خطابِ ابدی سے مخاطب کریں اور اس شاندار وصف کے ساتھ متصف فرمائیں ارشاد ہے:

((وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ))۔ القلم۔ ۴ — اور بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ مرتبہ پر ہیں۔

اور فرمایا:

((وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ))۔ الانبیاء۔ ۱۰۷ — اور ہم نے آپ کو دنیا جہان پر (اپنی) رحمت ہی کے لیے بھیجا ہے۔

اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی تکریم و عزت کے لیے یہ کافی ہے کہ خود آپ نے اپنے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

((أدبني ربي فأحسن تأديبي))۔ — میرے رب نے مجھے تربیت دی اور خوب اچھی تربیت دی۔

(۴) دیکھ بھال کے ذریعہ تربیت

دیکھ بھال کے ذریعہ تربیت سے مراد یہ ہے کہ بچے پر نظر رکھی جائے، اور اس کے عقیدے واخلاق کے بنانے میں اس کی نگرانی ہو، اور اس کی نفسیاتی اور معاشرتی شخصیت سازی میں اس کو نظروں کے سامنے رکھا جائے اور اس پر کنٹرول رکھا جائے، اور اس کی جسمانی تربیت اور علم کے حصول کی کیفیت کے بارے میں برابر تحقیق کرتے رہنا چاہیے

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تربیت ایسا کامل ومتوازن انسان تیار کرنے کے لیے قوی ترین اساس ہے جو دنیا کی زندگی میں ہر صاحب حق کو اس کا حق دے، اور جو اسے اس بات پر مجبور کر دے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرے، اور مکمل طریقے اور عمدگی سے اپنے واجبات وفرائض ادا کرنے میں مہارت حاصل کرے، اور اسے ایک ایسا حقیقی مسلمان بنا دے جو مضبوط اسلامی حکومت کی ٹھوس بنیاد کے لیے اساسی وبنیادی پتھر کا کام دے، جس سے اسلام کو سربلندی حاصل ہو اور جس پر اعتماد کر کے اسلامی حکومت ایسی طاقتور ومستحکم بن کر ابھرے جو اپنی ثقافت ومرتبہ اور تشخص میں تمام قوموں، امتوں کا مقابلہ کر سکے۔

اسلام نے اپنے محیط بنیادی اصولوں اور ابدی نظام کے ذریعے والدین اور مربیوں سب کو اس بات پر ابھارا ہے کہ وہ سب کے سب زندگی کے ہر گوشے اور محیط تربیت کی ہر جہت میں اپنی اولاد کی دیکھ بھال اور اپنے جگر گوشوں پر نظر رکھنے میں کوئی کسر نہ چھوڑیں۔

محترم مربی صاحبان کے سامنے اس دیکھ بھال ونظر رکھنے کے سلسلہ میں وارد ہونے والی اہم نصوص ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿٦﴾)). التحریم۔ ۶

اے ایمان والو بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اس پر تند خو بڑے مضبوط فرشتے (مقرر) ہیں، وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے کسی بات میں جو وہ ان کو حکم دیتا ہے، اور جو کچھ حکم دیا جاتا ہے اسے (فوراً) بجالاتے ہیں۔

اور اگر مربی اپنے اہل وعیال اور اولاد کو اچھی باتوں کا حکم نہ دے اور برائیوں سے نہ روکے اور ان کی دیکھ بھال اور ان پر نظر نہ رکھے تو پھر مربی ان کو جہنم کی آگ سے کس طرح بچائے گا؟

اللہ تعالیٰ کے فرمانِ مبارک: ((قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ...)) کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی تربیت کرو اور ان کو تعلیم دو۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تم ان کو اس چیز سے روکو جس سے اللہ نے تمہیں روکا ہے اور تم انہیں ان باتوں کا حکم دو جن باتوں کا اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے، اور اس طرح سے ان کے اور جہنم کی آگ کے درمیان آڑ و رکاوٹ ہو جائے گی۔

اور اللہ جل شانہ فرماتے ہیں:

((وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ)). طٰہٰ ۱۳۲ — اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیتے رہیے اور خود بھی اس کے پابند رہیے۔

اور نماز کا حکم اسی وقت ہو سکتا ہے جب اللہ کے حق ادا کرنے میں کوتاہی و لاپرواہی ہو رہی ہو۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ)). البقرہ-۲۳۳ — اور لڑکے والے یعنی باپ پر ہے کھانا اور کپڑا ان عورتوں کا دستور کے موافق۔

اور باپ اہل و عیال کے کھانے پینے اور لباس پوشاک کے فریضہ کو کس طرح ادا کرے گا جب کہ وہ ان کی جسمانی و صحت کے پہلو سے ان کے حالات کی دیکھ بھال نہ کرے؟

وہ احادیث جو دیکھ بھال اور نظر رکھنے پر آمادہ کرنے والی اور ابھارنے والی ہیں وہ بے شمار ہیں:

ان احادیث میں سے وہ حدیث بھی ہے جسے امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ: ... مرد اپنے اہل و عیال کا رکھوالا ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اور عورت شوہر کے گھر کی رکھوالی ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں باز پرس ہوگی...

ان احادیث میں سے وہ حدیث بھی ہے جسے ابو داؤد و ترمذی رحمہما اللہ نے ابو سبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب بچہ سات سال کا ہو تو اسے نماز کی تعلیم دو اور جب دس سال کا ہو جائے تو اس پر اس کی پٹائی کرو۔

ان احادیث میں سے وہ حدیث بھی ہے جسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کیا ہے کہ انسان کا اپنے بچے کو تربیت دینا اس سے بہتر ہے کہ وہ ایک صاع صدقہ کرے۔

ان احادیث میں سے وہ حدیث بھی ہے جسے طبرانی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے بچوں کو تین باتوں کی تربیت دو اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت، اور اہل بیت کی محبت، اور قرآن کریم کی تلاوت کی..

اور ان احادیث میں سے وہ حدیث بھی ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الادب المفرد" میں ابوسلیمان مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم ہم عمر قسم کے نوجوان تھے، ہم آپ کے پاس بیس رات ٹھہرے رہے، تو آپ کو یہ خیال ہوا کہ ہمیں اپنے گھر والوں سے ملنے کی خواہش ہوگی، آپ نے ہم سے پوچھا کہ ہم اپنے اہل وعیال میں سے کس کو پیچھے چھوڑ کر آئے ہیں؟ ہم نے آپ کو اس کی اطلاع دے دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے نرم ورحمدل تھے آپ نے ارشاد فرمایا کہ: اپنے اہل وعیال کے پاس جاؤ اور انہیں تعلیم دو اور اچھی باتوں کا حکم دو، اور اس طرح سے نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے. پھر جب نماز کا وقت آجائے تو تم میں سے ایک آدمی اذان دے دے اور تم میں جو بڑا ہو وہ امامت کرے۔

انسان کے مسئول ہونے کے کیا معنی ہیں؟ اور عورت کے مسئول ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اور ان بچوں کو تعلیم دینے اور مارنے کے کیا معنی ہیں؟ اور دونوں حدیثوں میں تادیب (ادب سکھاؤ) کے کیا معنی ہیں؟ اور اس کا کیا مطلب ہے کہ اپنے اہل وعیال کے پاس چلے جاؤ اور ان کو تعلیم دو اور ان کو (اچھائیوں کا) حکم دو؟

کیا اس سب کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مربی بچے کی دیکھ بھال اور اس پر نظر رکھے۔ اور اس کو ادب سکھائے اور اس کی حرکات وسکنات پر نظر رکھے، اور اگر وہ کسی کے حق کو چھوڑ دے تو اس کی جانب اس کی رہنمائی کرے اور اگر وہ کسی فریضے میں کوتاہی کرے تو اس کو اس پر ابھارے، اور جب کسی قابلِ اعتراض بات یا منکر کو دیکھے تو اس کو اس سے روکے، اور جب وہ کوئی اچھا کام کرے تو اس کی تعریف کرے۔

وہ امور جس میں کسی دو آدمیوں کا بھی اختلاف نہیں یہ بھی ہے کہ بچے کی دیکھ بھال اور اس کی نگرانی تربیت کی اعلیٰ وظاہر ترین بنیادوں میں سے ہے، اس لیے کہ ایسی صورت میں بچہ ہمیشہ مربی کی نظروں میں رہے گا اور وہ اس کی تمام حرکات وسکنات اور گفت شنید اور چال ڈھال کی نگرانی کرتا رہے گا، لہٰذا اگر وہ اسے خیر واچھائی میں دیکھے گا تو اس کا اکرام کرے گا، اور اس پر اس کو شاباش دے گا، اور اگر اس سے کسی برائی کو صادر ہوتے دیکھے گا تو اسے اس سے روکے گا اور اس سے ڈرائے گا اور اس کو اس کے برے انجام اور خطرناک نتائج سے آگاہ کرے گا، اور مربی کی غفلت یا بچے کی جانب سے تغافل کی وجہ سے بچہ لامحالہ انحراف کی طرف مائل ہوگا. اور بلا شبہ وہ آزادی وگمراہی کا شکار ہوگا. جس کے بعد اس کی ہلاکت یقینی اور اس کی تباہی لازمی ہوگی۔

●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●

ہمارے معلم اول اور ہادیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی بہترین دیکھ بھال اور ان کے بارے میں باز پرس اور سوال جواب اور ان کے حالات کی جانچ پڑتال، اور تقصیر کرنے والے کو ڈرانے اور اچھے کام کرنے والے کو

شاباش دینے۔ اور ان میں سے فقراء و مساکین پر شفقت کرنے۔ اور چھوٹوں کو تربیت دینے ——— اور ناواقفوں کو تعلیم دینے میں اپنی امت کے لیے بہترین نمونہ چھوڑ گئے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیکھ بھال و جانچ پڑتال کے چند نمونے درج ذیل ہیں:

- معاشرتی تربیت کے سلسلہ میں آپ کی دیکھ بھال و نگرانی کے سلسلہ میں وہ روایت ہے جو بخاری و مسلم حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم راستوں میں بیٹھنے سے بچو، صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ہمارے لیے تو وہاں بیٹھنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں، ہم وہاں بیٹھ کر گفتگو کرتے ہیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم راستے میں بیٹھنا ہی چاہتے ہو تو پھر راستے کا حق ادا کرو، صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول راستے کا حق کیا ہے؟! آپ نے ارشاد فرمایا: نگاہ کا پست رکھنا۔ اور اذیت دینے سے رکنا، اور سلام کا جواب دینا اور اچھی بات کا حکم دینا اور بری بات سے روکنا۔
- حرام سے بچانے کے سلسلہ میں آپ کی نگرانی و دیکھ بھال پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جو نووی نے "ریاض الصالحین" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو اسے اتار پھینکا اور فرمایا: تم میں سے ایک شخص آگ کے انگارے کو اپنے ہاتھ میں ڈال لیتا ہے۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو اس شخص سے کسی نے کہا: اپنی انگوٹھی لے لو اور اس سے فائدہ اٹھاؤ!! ان صاحب نے کہا: نہیں بخدا ہرگز نہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اس کو پھینک چکے ہیں تو اب میں اس کو ہرگز نہیں لوں گا۔
- چھوٹوں کو تربیت دینے کے سلسلے میں آپ کی جانچ پڑتال کی مثال وہ ہے جسے امام بخاری و مسلم حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر کفالت ایک چھوٹا سا بچہ تھا، میرا ہاتھ کھانے کے برتن میں اِدھر اُدھر حرکت کرتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اے لڑکے اللہ کا نام لو، اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ، اور اپنے قریب سے کھاؤ۔
- بڑوں کی رہنمائی کے سلسلہ میں آپ کی دیکھ بھال کی مثال وہ روایت ہے جسے ابوداؤد و بیہقی حضرت عبداللہ ابن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ایک روز میری والدہ نے مجھے بلایا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے۔ والدہ نے فرمایا آجاؤ تاکہ تمہیں دے دوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: تم نے اسے کیا دینے کا ارادہ کیا تھا؟! انہوں نے کہا میرا ارادہ تھا کہ اسے کھجور دے دوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: سن لو اگر تم اسے کچھ بھی نہ دیتیں تو تمہارے اعمال نامے میں ایک جھوٹ لکھ دیا جاتا

❖ اخلاقی تربیت کے سلسلہ میں آپ کی دیکھ بھال کی مثال وہ حدیث ہے جسے بخاری و مسلم نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک صاحب کا تذکرہ کیا گیا، تو ایک صاحب نے انکی تعریف کی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: برا ہو تمہارے لیے تم نے تو اپنے ساتھی کی گردن کاٹ ڈالی، یہ بات آپ نے کئی بار فرمائی، فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص تعریف کرنا ہی چاہے تو اگر وہ واقعۃً اسے اسی طرح سمجھتا ہو تو اسے چاہیے یہ کہے: میں اسے اس اس طرح کا آدمی سمجھتا ہوں اور اللہ اس کا حساب لینے والا ہے۔ اور اللہ کے سامنے کسی کا تزکیہ نہ کرے[1]

❖ نفسیاتی تربیت کے سلسلہ میں آپ کی دیکھ بھال کی مثال وہ روایت ہے جسے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر حاضر ہوئے اور فرمایا: میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام ہدیہ کر دیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: کیا تم نے اپنے تمام بچوں کو اس جیسا ہدیہ دیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: جی نہیں!! آپ نے ارشاد فرمایا: پھر اس ہدیہ کو بھی واپس لے لو... ایک روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم نے ایسا اپنے تمام بچوں کے ساتھ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: جی نہیں، تو آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل و برابری سے کام لو، چنانچہ میرے والد نے رجوع کر کے وہ ہدیہ واپس لے لیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ پھر تو مجھے گواہ نہ بناؤ اس لیے کہ میں ظلم پر گواہی نہیں دے سکتا۔

❖ جسمانی تربیت کے سلسلہ میں آپ کی دیکھ بھال کی مثال وہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو دیکھا کہ وہ اونٹ کی طرح ایک ہی سانس میں پانی پی رہے ہیں تو آپ نے ان سے فرمایا (جیسا کہ امام ترمذی نے روایت کیا ہے) ایک ہی سانس میں اونٹ کی طرح مت پیو بلکہ دو یا تین سانس میں پیو اور جب پیو تو اللہ کا نام لے لیا کرو، اور جب پی چکو تو اللہ کی تعریف ادا کیا کرو۔

اور امام بخاری اپنی "صحیح" میں روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے تیر اندازی کے حلقوں میں سے گزرا کرتے تھے اور آپ ان کی ہمت افزائی فرماتے اور ان سے یہ فرماتے: تم تیر اندازی کرو اور میں تم سب کے ساتھ ہوں۔

❖ داعی کی تربیت اور لوگوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنے کے سلسلہ میں آپ کی دیکھ بھال کی مثال وہ روایت ہے جسے امام بخاری و مسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

---

[1] یہ حدیث منہ در منہ تعریف کرنے کے مکروہ ہونے پر دلالت کرتی ہے بشرطیکہ اس سے اس شخص کے عجب و تکبر میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو لیکن اگر یہ ڈر نہ ہو تو تعریف کرنے میں کوئی حرج نہیں اس لیے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کی منہ پر تعریف کی ہے جیسے کہ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا، شیطان تمہیں کسی راستے میں چلتا ہوا نہیں دیکھتا مگر یہ کہ وہ تمہارے ڈر کی وجہ سے اس کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کر لیتا ہے۔

ساتھ چل رہا تھا آپ نے موٹی کناری والی ایک نجرانی چادر اوڑھ رکھی تھی، ایک اعرابی آپ کو مل گیا اور اس نے آپ کی چادر کو اس زور سے پکڑ کر کھینچا کہ اس کے سختی سے کھینچنے کی وجہ سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن کے کنارے پر چادر کا نشان پڑا ہوا دیکھا، پھر اس اعرابی نے آپ سے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کا جو مال آپکے پاس ہے اس میں سے مجھے بھی دینے کا حکم دیجیے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہوئے مسکرائے اور اس کو کچھ دینے کا حکم دے دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس معاشرہ کی ہدایت و اصلاح کا کام انجام دے رہے تھے اس کے افراد کی دیکھ بھال اور ان پر نظر رکھنے کے یہ چند نمونے ہیں۔ اور یہ زندہ حقیقی اور واقعی نمونے ہیں جو اس بات کی تاکید کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی تربیت اور ان کے معاملات کی درستگی اور ان کے حالات کی اصلاح اور ان کے معیار و ستوی کو بلند کرنے کے کس قدر حریص تھے۔

محترم قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ یہ توجیہات و ملاحظات تنبیہات و ارشادات صرف بڑوں تک ہی محدود نہیں تھے بلکہ ان کا دائرہ چھوٹوں تک پھیلا ہوا تھا، اور یہ نفسِ انسانی کی اصلاح میں کسی ایک متعین جہت و جانب کیساتھ مخصوص نہیں تھے بلکہ اس کے تمام جوانب کو محیط تھے، ایمانی، علمی، نفسیاتی، معاشرتی اور جسمانی تمام پہلوؤں کو شامل تھے۔

عورتوں کے معیار کو بلند کرنے اور ان کو ان کے حقوق دینے کے سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارشادات فرمائے اور رہنمائی کی ہے اس کے چند نمونے پیشِ خدمت ہیں:

۱۔ نسائی اور ابن ماجہ روایت کرتے ہیں کہ ایک نوجوان عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے عرض کیا: میرے والد نے میرا نکاح اپنے بھانجے سے کر دیا ہے، تاکہ میرے ذریعہ سے اس کے عیب و نقص پر پردہ ڈال سکے اور میں اسے ناپسند کرتی ہوں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکی کے باپ کے پاس پیغام بھیجا اور انہیں یہ حکم دیا کہ اس لڑکی کو اختیار دے دیں، تو اس لڑکی نے کہا: میں اپنے والد کے فیصلہ کو برقرار رکھتی ہوں، میرا ارادہ صرف یہ تھا کہ عورتوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ والدین کو کلی اختیار حاصل نہیں ہے۔

۲۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ (جو نیک صالح مسلمان تھے مگر بدصورت اور کالے رنگ کے تھے) کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ سے عرض کیا کہ مجھے ثابت ابن قیس کے دین یا اخلاق پر کوئی اعتراض نہیں ہے، البتہ میں مسلمان ہو کر کفر[1] کو ناپسند کرتی ہوں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم ان کو ان کا باغ واپس کر دوگی؟ (یعنی وہ باغ جو انہوں نے مہر میں تم کو دیا تھا) انہوں نے عرض کیا: جی ہاں!! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شوہر کو پیغام بھیجا کہ ان کو ایک طلاق دے دو، چنانچہ حضرت

---

[1] یعنی شوہر کی نعمت کی ناشکری اور اس سے بغض کی وجہ سے اس کا حق ادا نہ کرنے کو ناپسند کرتی ہوں۔

ثابت نے انہیں طلاق دے دی۔[۵]

۴۔ بزار وطبرانی روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت (جن کا نام زینب اور لقب خطیبۃ النساء تھا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ : میں آپ کی خدمت میں عورتوں کی طرف حاضر ہوئی ہوں، اللہ نے مردوں پر جہاد فرض کیا ہے، اس میں اگر انہیں کوئی زخم وغیرہ پہنچ جائے تو ان کو اجر ملتا ہے، اور اگر ان کو قتل کر دیا جائے تو وہ اللہ کے یہاں زندہ ہوں گے اور انہیں رزق ملتا رہے گا، اور ہم عورتوں کی جماعت ان کی دیکھ بھال کرتے ہیں تو اس اجر وثواب میں سے ہمیں کیا ملے گا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہاری جن عورتوں سے ملاقات ہو انہیں یہ پیغام پہنچا دو کہ شوہر کی اطاعت اور اس کے حق کا اعتراف اس کے برابر ہے یعنی اس پر بھی اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والوں کے برابر اجر ملتا ہے لیکن تم میں سے بہت کم ایسی عورتیں ہیں جو ایسا کرتی ہوں۔

نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی معاشرے اور قوم کے افراد کی اس طرح دیکھ بھال ونظر رکھنے کی یہ صفت تمام مربیوں کے لیے تربیت کے میدان میں عملی نظام ومنہج اور اصلاح کے لیے مؤثر وفائدہ بخش طریقہ پیش کرتی ہے، اور ان تمام افراد کو جن کے ذمے تربیت کا فریضہ اور رہنمائی کی مسؤلیت عائد ہوتی ہے اس بات پر متنبہ کرتی ہے کہ وہ اپنی پوری کوشش صرف کریں اور بچے کی اصلاح ونیک بخت بنانے اور اس کے عقلی، نفسیاتی واخلاقی معیار کو بلند کرنے کی پوری فکر کریں۔

اور جب دیکھ بھال وتوجہ کرنے کی عادت بڑوں کے حق میں فائدہ مند ونفع بخش ہے (جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا) تو یہ چیز بچوں کے حق میں تو اور زیادہ سودمند اور نفع بخش ہوگی، اس لیے کہ چھوٹے بچے میں خیر کی صلاحیت پر فطری استعداد اور نفس کی صفائی اور وہ معصومیت ہوتی ہے جو بڑے میں نہیں ہوتی، اس لیے بچے کی اصلاح بہت آسان ہے، اور اگر بچے کو اچھا ماحول شاندار تربیت میسر آجائے چاہے وہ داخلی اور گھریلو قسم کی ہو یا اسکول ومدرسہ یا معاشرے میں تو ایسی صورت میں اس کی اصلاح اور اس کا اخلاقی، نفسیاتی اور ایمانی طور پر صحیح طریقے سے نشوونما بہت آسان ہو جاتا ہے جب کہ مربی کو بڑے کی اصلاح کرنے میں اس وقت بہت دشواری وصعوبت پیش آتی ہے جب وہ سخت مزاج اور گمراہی میں پڑا ہوا ہو، اور شاعر نے اپنے مندرجہ ذیل شعر میں یہی مراد لی ہے:

وينفع الأدب الأحداث في صغر	وليس ينفع عند الشيبة الأدب
بچپن میں بچوں کو تربیت دینا فائدہ پہنچاتا ہے	اور بوڑھوں کو تربیت وادب کچھ فائدہ نہیں دیتا
إن الغصون إذا قومتها اعتدلت	ولن يلين إذا قومتها الخشب
اگر ٹہنیوں کو تم سیدھا کرو تو وہ سیدھی ہو جاتی ہیں	لیکن اگر لکڑی کو سیدھا کرو تو وہ سیدھی نہیں ہوتی

---

[۵] اس کو خلع کہا جاتا ہے یعنی عورت اپنے شوہر سے طلاق حاصل کرنے کے لیے کچھ روپیہ پیسہ دیتی ہے اور یہ طرفین کی رضامندی سے ہی ہوتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرے میں افراد، اور امت میں عورت، اور خاندان میں بچے کی دیکھ بھال ونگرانی کے جو اصول مقرر کیے ہیں ان کی وجہ سے مربیوں پر خواہ وہ ماں باپ ہوں یا اساتذہ و معلمین پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی ہمت تیز کریں اور عزم کو مضبوط اور کوشش ومحنت کو بڑھا دیں تاکہ مسلمان معاشرے کی تیاری اور شاندار قوم کے بنانے اور مسلمان حکومت وجود میں لانے کے لیے ان کے ذمہ جو فریضہ عائد ہوتا ہے اس کو پورا کرسکیں۔

وہ اہم امور جن کا مربی کو جاننا ضروری ہے ان میں سے یہ بھی ہے کہ دیکھ بھال کے ذریعہ تربیت نفس انسانی کی تعمیر کے پہلوؤں میں سے کسی ایک یا دو پہلوؤں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اسے تمام پہلوؤں کو محیط ہونا چاہیے، چاہے ایمانی پہلو ہو یا عقلی، اخلاقی پہلو ہو یا جسمانی، نفسیاتی پہلو ہو یا معاشرتی، تاکہ یہ تربیت ایسے کامل ومکمل مسلمان فرد کی تیاری کا پھل دے سکے جو زندگی میں تمام حقداروں کو ان کا حق دے سکے۔

بچے کے ایمانی پہلو کی دیکھ بھال یہ ہے کہ:

★ مربی ان چیزوں پر نظر رکھے جو بچے کو افکار و عقائد اور بنیادی اصولوں کے سلسلہ میں ان حضرات سے ملتے ہیں جو اس کی تعلیم وتدریس ورہنمائی کے ذمہ دار ہیں خواہ مدرسہ واسکول میں ہو یا اس کے باہر، پھر اگر وہ خیر اور بھلائی کی حالت دیکھے تو اللہ کی تعریف وشکر ادا کرے، اور اگر صورت حال اس کے برخلاف ہو تو توحید کے بنیادی عقائد اور ایمان کی بنیادی باتوں کو بچے میں راسخ کرنے کے سلسلہ میں اپنی بڑی ذمہ داری کو پورا کرے تاکہ بچہ مجرمانہ الحادی تعلیمات اور خطرناک لادینی نظریات وافکار سے بچ سکے۔

★ مربی کو اس پر بھی نظر رکھنا چاہیے کہ بچہ کونسی کتابیں، رسالے اور مطبوعات زیر مطالعہ رکھتا ہے، اگر وہ یہ محسوس کرے کہ اس کے مطالعہ میں ایسی کتابیں رہتی ہیں جن میں زیغ وضلال اور الحاد اور مسیحیت وغیرہ کی دسیسہ کاریاں پنہاں ہیں تو اسے چاہیے کہ بچے کو اس سے دور رکھے، اور اسے مطمئن کرادے کہ یہ اور اس جیسی کتابیں وغیرہ اس کے ایمانِ خالص کو مکدر اور عظیم اسلام کو خراب کرنی والی کتابیں ہیں۔

★ مربی کو یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ بچہ کس قسم کے ساتھیوں اور دوستوں سے ملتا اور ان کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے، پھر اگر وہ یہ دیکھے کہ وہ جن ساتھیوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے وہ غلط نظریات اور ملحدانہ خیالات کے مالک اور گمراہ و بد عقیدہ ہیں تو مربی کو چاہیے کہ ایسے لوگوں سے بچے کا میل جول بند کرادے، اور اس کے لیے اچھے ساتھی اور متقی ہم نشین مہیا کرے جن کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے اس کی اصلاح ہو اور دین میں پختگی پیدا ہو اور آخرت کی کامیابی وسرخروئی نصیب ہو۔

★ مربی کو اس پر بھی نظر رکھنا چاہیے کہ بچے کا کن جماعتوں اور کن پارٹیوں سے تعلق ہے، اگر وہ یہ دیکھے کہ وہ پارٹی

اپنے قواعد ونظریات کے اعتبار سے الحادی جماعت ہے اور وہ جماعت جس سے بچے کا تعلق ہے اپنے اغراض ومقاصد میں لادینی ہے تو مربی کو بچے کو اس سے روکنے میں نہایت سمجھداری سے کام لینا چاہیے، اور اسے چاہیے کہ بچے کی خوب نگرانی رکھے، اور بچے کو مطمئن کرنے اور صحیح راستے پر رکھنے میں موقع کا منتظر رہے، اور یہ کوشش اس وقت تک جاری رکھے جب تک اس بچے کو حق کی طرف مائل اور ھدایت کی طرف رجوع کرنے والا اور صراطِ مستقیم پر چلنے والا نہ دیکھ لے۔

بچے کے اخلاقی پہلو کی نگرانی یہ ہے کہ:

★ مربی بچے میں سچ بولنے کی عادت پر نظر رکھے، اگر وہ یہ دیکھے کہ بچہ وعدہ کرنے یا بات چیت میں جھوٹ سے کام لیتا ہے اور الفاظ وکلمات سے کھیلتا ہے اور معاشرے میں منافقوں وجھوٹوں کے روپ میں آتا ہے۔ تو اسے چاہیے کہ بچہ جیسے ہی پہلا جھوٹ بولے اس وقت اس کی اصلاح کرے، اور اس کو صحیح وسچائی کا راستہ دکھلادے، اور اس کے سامنے جھوٹ اور جھوٹوں اور نفاق اور منافقوں کی خوب اچھی طرح سے مذمت کرے، اور اس کی قباحت وبرائی کو واضح کرے تاکہ بچہ وہ حرکت دوبارہ نہ کرے، لیکن اگر مربی نے بچے کو آزاد چھوڑ دیا اور اس کی نگرانی ودیکھ بھال نہیں کی تو ایسی صورت میں وہ یقیناً جھوٹ کا عادی بنے گا اور خدا اور اس کے بندوں دونوں کے یہاں جھوٹا شمار ہوگا۔

★ اسی طرح مربی کو بچے میں امانت داری کے وصف کا بھی خیال رکھنا چاہیے، اگر مربی یہ دیکھے کہ بچہ چوری کے راستے پر چل رہا ہے (چاہے معمولی سی چیز کی چوری کیوں نہ ہو مثلاً اپنے بہن بھائی کے چند آنے یا روپے یا کسی ساتھی کے قلم ہی کا چوری کرلینا) تو اس کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ فوراً اس کی طرف توجہ کرے، اور اس مرض کا علاج کرے، اور بچے کو یہ بتلادے کہ یہ ناجائز ہے اور یہ بلاحق کسی کا مال لینے میں داخل ہے۔ اسی طرح مربی پر یہ بھی لازم کہ وہ بچے کے دل میں اللہ کے مراقبہ اور حاضر وناظر ہونے کا یقین اور اس کا خوف پیدا کردے، تاکہ وہ اس حرکت سے باز رہے، اور اس کی حالت سنور جائے اور اس کے اخلاق درست ہوجائیں، ورنہ بچہ لازمی طور سے خیانت کی طرف قدم بڑھائے گا، اور چوری ودھوکہ دہی کا عادی بنے گا۔ بلکہ ایسا مجرم وخائن اور بدبخت بنے گا جس کی گندی حرکتوں سے لوگ اور تمام معاشرہ پناہ مانگے گا۔

★ مربی کو چاہیے کہ بچے میں زبان کی حفاظت کی عادت کا بھی خیال رکھے، اور اگر وہ یہ دیکھے کہ بچہ گالی بکتا ہے اور زبان سے برے کلمات ادا کرتا ہے اور اس کے منہ سے فحش کلمات وگندے الفاظ نکلتے ہیں تو اس کو حکمت ودانائی سے اس عادت کا علاج کرنا چاہیئے اور بچے کی اصلاح کا خوب خیال رکھنا اور اہتمام کرنا چاہیئے، اور ان اسباب پر غور کرنا چاہیئے جو بچے کو بدزبان فحش گو بنانے کا ذریعہ بنے ہیں، تاکہ بچے اور ان اسباب کے درمیان رکاوٹ پیدا کرسکے، اور پھر نہایت عمدہ اسلوب وپیارے انداز سے بچے کے سامنے بااخلاق بچے کے اوصاف وصفات اور باادب انسان

کی خصوصیات بیان کرے تاکہ وہ اچھے اخلاق اور عمدہ افعال کی طرف مائل ہوجائے۔

بچے کی زبان درست رکھنے کے لیے مربی کو اس بات کا سب سے زیادہ اہتمام کرنا چاہیے کہ بچے کو برے ساتھیوں سے دور رکھے اس لیے کہ بچہ انہی سے لیتا اور اخذ کرتا اور انہی کی عادتوں سے متأثر ہوتا ہے۔

★ مربی کو بچے کی نفسیاتی وارادی عادات واخلاق کا بھی خیال ودیکھ بھال رکھنا چاہیے، لہٰذا اگر وہ یہ دیکھے کہ بچہ دوسروں کی اندھی تقلید کرتا ہے اور ناز ونعمت وآسائش کا دلدادہ ہے، اور گندے فحش گانوں اور موسیقی سننے کا شوقین ہے، اور چال ڈھال میں لچک ہے، اور قابلِ اعتراض جگہوں پر جاتا ہے، اور نامحرم عورتوں سے ملتا، اور فحش وگندے مناظر کے لیے ٹیلی ویژن و وی سی آر دیکھتا ہے، سینما جاتا ہے، اور فحش رسالے پڑھتا ہے، اور جنسی تصویریں اور عشقیہ کہانیاں جمع کرتا ہے، اگر مربی بچے کو ان میں سے کسی چیز میں مبتلا دیکھے تو اس کو چاہیے کہ اس کی آزادی وبے راہ روی اور بداخلاقی کا خوش اسلوبی وحکمت سے تدارک کرے، لہٰذا کبھی نرمی اختیار کرے اور کبھی سختی سے کام لے، کبھی ڈرانے دھمکانے سے اور کبھی لالچ وترغیب دے، اور بچے کو اس دلدل وگندگی سے نکالنے اور اس کی اصلاح کے لیے ہر طریقے کو کام میں لے، تاکہ اپنے بچے کو نیک ومتقیوں کی صف اور صالحین واچھے لوگوں میں پائے۔

ایسا والد کتنا حکیم اور بچے پر نظر رکھنے والا ہوتا ہے جو بچے کی بے خبری میں اچانک بلا اطلاع اس کے کمرے میں یہ دیکھنے چلا جاتا ہے کہ وہ کیا پڑھتا اور کیا لکھتا ہے، اور کن چیزوں کا مطالعہ کرتا ہے۔ اور یا یہ کہ اچانک اس کے پاس جانے پر اس کے سامنے کیا منظر پیش آتا ہے؛ ہوسکتا ہے کہ وہ بچے کے پاس جائے اور یہ دیکھے کہ بچہ ننگی تصاویر کے دیکھنے میں مشغول ہے۔ یا فحش مجلات ورسالوں کی ورق گردانی کررہا ہے، یا ہیجان خیز جذبات بھڑکانے والا ڈائجسٹ یا کہانی پڑھ رہا ہے، یا اپنی کسی محبوبہ کو خط لکھنے میں مشغول ہے، یا اس کے علاوہ اور وہ امور جو اچانک داخل ہونے پر سامنے آسکتے ہیں۔

اور باپ اس وقت کتنا حکیم واہتمام کرنے والا شمار ہوگا جب وہ اپنی بیٹی کے واقعۃً مدرسے جانے اور وہاں سے واپس آنے کا یقین کرلیتا ہو، اس لیے کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اس جستجو اور تحقیق کے نتیجہ میں اس کو یہ معلوم کہ اس کی بیٹی ایسی گندی جگہ جاتی ہو جہاں عزت لوٹی جاتی ہو اور شرافت برباد ہوتی ہو، یا اس کے کسی آزاد بے راہ رو نوجوان کے ساتھ غیر شریفانہ تعلقات ہوں۔

اور ہم نے کتنے ہی ایسے دردناک قسم کے بداخلاقی کے واقعات اور تکلیف دہ گندے تعلقات کے حادثات سنے ہیں جن سے پیشانی پسینہ آلود اور دل صدمات وآہوں سے نڈھال ہوجاتا ہے۔

اس لیے دیکھ بھال کی عادت بچے کی مخفی عادتوں وکیفیتوں پر مطلع ہونے کے لیے عظیم ترین عادت ہے ...ں سے بچے کے وہ مخفی راز معلوم ہوجاتے ہیں جن کا وہ ارتکاب کرتا ہے اور ان برائیوں پر سے پردہ اٹھ جاتا ہے جن

میں وہ مبتلا ہوتا ہے، بلکہ اس دیکھ بھال سے بچے کے اخلاق و کردار کی اصلی و حقیقی صورت مربی کے سامنے آجاتی ہے۔

اس تمام تر کاوش وجدوجہد کے بعد مربی اس لائق ہو جائے گا کہ مناسب طریقے اور فائدہ منداسلوب سے بچے میں موجود انحراف کا علاج کر سکے، اور مربی ووالدا پنی اس جدوجہد میں یقینی طور سے ایسے تربیتی حل تک پہنچ جائے گا جو بچے کی اصلاح کا ذریعہ بنے گا، اور اس کی وجہ سے وہ گندگی کی دلدل سے بچ جائے گا اور متوازن شخص وہدایت یافتہ انسان بن جائے گا۔

بچے کی عقلی وعلمی پہلو کی دیکھ بھال سے مراد یہ ہے کہ :

★ مربی بچے کے علم حاصل کرنے کی رفتار اور ثقافتی لحاظ سے اس کی شخصیت سازی پر نظر رکھے، یہ تعلیم خواہ بچے کے حق میں فرضِ عین ہو یا فرضِ کفایہ۔

لہٰذا مربی کو چاہیے کہ یہ دیکھتا رہے کہ کیا بچے نے وہ علم حاصل کر لیا ہے جو اس کے لیے فرضِ عین ہے؟ کیا اس نے قرآنِ کریم تلاوت کرنے کا طریقہ سیکھ لیا ہے؟ اور کیا اس نے ان عبادات کے احکام سیکھ لیے ہیں جو اس پر فرض ہیں؟ کیا اس نے حلال وحرام چیزیں جان لی ہیں؟ کیا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات (جنگوں) کا علم حاصل کر لیا ہے؟ اور کیا اس نے دین ودنیا سے متعلق امور اور وہ اسلامی آداب سیکھ لیے ہیں جن کا سیکھنا ضروری ہے؟

مربی ان امور کی تعلیم دینے کا ذمہ دار ہے اور اگر اس نے اس میں کسی قسم کی بھی کوتاہی کی تو اللہ تعالیٰ اس سے اس کی باز پرس کرے گا۔

مربی ان وسائل کو ہمیشہ موجود پائے گا جو بچے کی شرعی لحاظ سے تعمیر وتکمیل اور اسلامی طور پر شخصیت سازی میں مددگار ثابت ہوں گے۔

اور اگر بچہ ایسا علم حاصل کر رہا ہو جو فرضِ کفایہ کے قبیل سے ہو مثلاً یہ کہ وہ علمِ طب یا انجینئرنگ وغیرہ کی تعلیم حاصل کر رہا ہو تو پھر مربی کا فریضہ یہ ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ بچہ اس علم میں کتنی دل جمعی، محنت، ذوق وشوق اور لگن سے کام لے رہا ہے تاکہ جب وہ فارغ ہو کر نکلے تو اپنی اس خصوصی تعلیم سے امتِ مسلمہ کو فائدہ پہنچا سکے اور اپنے علم اور خداداد صلاحیت سے مسلم معاشرہ میں ترقی کی بنیادیں مضبوط کر سکے۔

مربی ایسے وسائل بھی کم نہ پائے گا جو اس کو علم، مہارت، کمال اور تفوق میں نمونہ بنا دیں، اس سلسلہ میں مربی کی توجہ ہم اس طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ وہ فرضِ کفایہ کی وجہ سے فرضِ عین کے سلسلہ میں سستی نہ کرے بلکہ اس کو چاہیے کہ پہلے نمبر ایک پر توجہ دے پھر نمبر دو پر، یا کم از کم دونوں (یعنی فرضِ عین وفرضِ کفایہ دونوں) پر برابر کی توجہ دے

تاکہ بچہ دونوں کو سیکھے۔ ورنہ پھر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ مسولیت اور ذمہ داری بہت بڑی ہے۔

★ اسی طرح مربی کو بچے کی فکری سمجھ بوجھ پر اس لحاظ سے نظر رکھنا چاہیے کہ اس کا اسلام سے دین و دنیا کے اعتبار سے اور قرآنِ کریم سے دین وتشریع (قانون) کے لحاظ سے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امام ومقتدای ہونے کے لحاظ سے۔ اور اسلامی تاریخ سے عزت وافتخار کے لحاظ سے۔ اور اسلامی ثقافت سے روحانی وفکری کے لحاظ سے۔ اور دعوت وتبلیغ سے لگن، جذبے وجدوجہد کے لحاظ سے کس قسم کا تعلق ہے۔ اور یہ بات اس وقت تک متحقق نہیں ہوسکتی جب تک بچے کے ساتھ مسلسل لگا نہ جائے اور وقتاً فوقتاً فکرانگیز کتابوں کے پڑھنے اور دعوت وتبلیغ پر مشتمل رسالوں اور اسلامی منشورات کی طرف اس کی رہنمائی نہ کی جائے۔ اور ان کے پڑھنے کا شوق اس میں پیدا نہ کیا جائے۔ اور ساتھ ہی مفید اسلامی تقاریر اور مؤثر بہادرانہ وعظوں اور خطبوں کے سننے کی طرف رہنمائی کی جائے۔ اور اس سلسلہ میں مربی کو بچے کے لیے ایسا کتب خانہ مہیا کرنا چاہیے جس میں اسلامی کتابیں۔ اسلام کی طرف سے مدافعت پر مضامین۔ اور اعداءِ اسلام کے شکوک وشبہات کا جواب ہو۔

بلاشبہ یہ تمام وسائل بچے کو ایک ایسے مضبوط قلعہ میں لے لیں گے جو اسے عیسائیوں اور کفر والحاد پرست جماعتوں کی مسموم وفتنہ انگیز تحریرات کے دام سے بچالے گا، بلکہ اس کو اس بات پر مجبور کرے گا کہ وہ نہایت بہادری وایمان اور جرأت وشجاعت سے اسلام کے لیے کام کرے تاکہ وہ مسلم معاشرہ کی تعمیر اور اسلامی حکومت کے قیام میں ایک فائدہ مند ممبر کا کام دے۔

اس وقت مربی کا دل رنج وغم سے کس قدر پارہ پارہ ہوجاتا ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ اس کا بچہ اسکول میں مغربی فلاسفہ کے حالات یاد کرتا ہے، اور وہ مشرق سے وابستہ بڑی بڑی بہت سی شخصیات کے حالات، افکار، آراء اور نظریات کے بارے میں تو بہت کچھ جانتا ہے لیکن اسے مسلمانوں کی تاریخ عظیم مسلمان شخصیات کی زندگی، فاتحینِ اسلام کے حالات اور ماسر علماءِ اسلام کے بارے میں سوائے چند باتوں کے اور کچھ معلوم نہیں۔

مربی کو اس وقت کس قدر رنج وغم ہوگا جب وہ بچے کو فراغت سے پہلے اور فراغت کے بعد ایسی حالت میں پائے کہ اس کو غیروں کی تہذیب وثقافت، اور مغربی یا مشرقی افکار، اور الحادی ودنیاوی مذاہب نے مسخ کرکے رکھ دیا ہو اور اس کو اس درجے تک پہنچادیا ہو کہ وہ اپنے دین، اپنی تاریخ، اور بزرگوں کا دشمن بن گیا ہو۔

اس لیے فکری سوجھ بوجھ پیدا کرنے کی بہت اہمیت ہے، اور بچے میں اسلامی عقیدہ کے راسخ کرنے اور اس کو صحیح مسلمان بنانے اور اس میں اسلام کا یہ کامل اور صحیح تصور پیدا کرنے کا بہت اچھا اثر پڑتا ہے کہ اسلام ایک فیصلہ کن نظام اور دنیا کی زندگی گذارنے کا صحیح طریقہ واسلوب بتلانے والا اور عزت کا باعث اور قوت ومجد کا ذریعہ ہے۔

مربی کو بچے کی عقل کی درستگی وتوانائی کا بھی خیال رکھنا چاہیئے، اور ہر وہ چیز جو بچے کی عقل، حافظہ اور حلم وبردباری پر

اثرانداز ہوسکتی ہو بچے کو اس سے بچانا اور روکنا چاہیے، اور اس کے سامنے اس کے وہ نقصانات بیان کردیا چاہیے جو جسم وعقل اور نفس پر پڑتے ہیں۔

لہٰذا مربی کو یہ نوٹ کرتے رہنا چاہیے کہ کہیں بچہ شراب نوشی یا منشیات وغیرہ کے چکر میں تو نہیں پڑ گیا ہے اس لیے کہ یہ چیزیں جسم کو تباہ کردیتی ہیں اور جنون اور ہسٹریا کا مرض پیدا کرتی ہیں۔

مربی کو یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ بچہ جلق (مشت زنی) کے مرض میں گرفتار نہ ہوجائے اس لیے کہ اس سے دق وسل کی بیماری پیدا ہوتی ہے اور حافظہ کمزور ہوجاتا ہے، ذہن بجھ جاتا ہے، عقل وافکار میں پراگندگی اور بے چینی اور طبیعت میں خوف وڈر اور دوسروں کا سامنا کرنے سے کترانے کا مرض پیدا ہوجاتا ہے۔

اسی طرح تمباکو نوشی کے مرض کا بھی خیال رکھنا چاہیے، اس لیے کہ ــــــ اس سے اعصاب میں ہیجان پیدا ہوتا ہے اور حافظہ پر اثر پڑتا ہے، اور حاضر حواسی اور غور وفکر کا ملکہ کمزور پڑجاتا ہے۔

اور آخری بات یہ ہے کہ مربی کو اس بات پر بھی نظر رکھنا چاہیے کہ بچہ بے حیائی کی چیزوں سینما ڈرامے اور ننگی تصویروں کے دیکھنے کا عادی نہ بنے۔ اس لیے کہ ــــ اس کی وجہ سے عقل کا کام معطل ہوجاتا ہے، اور آہستہ آہستہ حافظہ ذہن اور صحیح سوچ بچار کی قوت ختم ہوجاتی ہے۔ اس لیے بچے کی عقلی صحت مندی ایسی اہم چیز ہے جس پر مربی کو پوری توجہ اور پورا اہتمام صرف کرنا چاہیئے، اور اس کی خوب تاکید کرنا چاہیئے، اس لیے کہ عقل انسان کی زینت ہے، اور اس کے صحیح ومتوازن تصرفات ہی ایسی ظاہری چیزیں ہیں جن سے انسان ممتاز ہوتا ہے، اور جتنا زیادہ خیال رکھا جائے گا دیکھ بھال کی جائے گی اور اہتمام کیا جائے گا بچہ میں اتنا ہی وقار اور عقل وسمجھداری پیدا ہوگی۔

بچے کی جسمانی دیکھ بھال یہ ہے کہ:

★ مربی بچے کے سلسلہ میں اپنے اوپر واجب ضروری لوازمات وحاجات مثلاً اچھی غذا، صاف ستھرے مکان اور لباس پوشاک کا خیال رکھے، تاکہ بچوں کو بیماری لاحق نہ ہو اور امراض ووباؤں کی وجہ سے ان کے جسم لاغر ونحیف نہ ہوجائیں۔

★ اور کھانے پینے اور سونے میں حفظان صحت کے ان اصولوں کا خیال رکھے جن کا اسلام نے حکم دیا ہے کھانے کے سلسلہ میں مربی کو یہ خیال رکھنا چاہیے کہ بچے کو بدہضمی سے بچائے، اور کھانے پینے میں ضرورت وعادت سے زیادہ کھانے سے روکے، اور کھانا ہضم ہونے سے قبل کھانا کھانے سے منع کرے۔

پینے کے سلسلہ میں مربی کو یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ اسے دو یا تین سانس میں پینے کی تعلیم دے، اور برتن میں سانس لینے سے منع کرے۔ اور کھڑے ہوکر پینے سے روکے۔

سونے کے سلسلہ میں بچے کو دائیں کروٹ پر لیٹنے کا حکم دے اور کھانا کھا کر فوراً سونے سے منع کرے۔

★ مربی اور خاص کر ماں کو یہ خیال رکھنا چاہیے کہ متعدی امراض سے بچاؤ کی احتیاطی تدابیر اختیار کی جائیں خصوصاً جب کسی ایک بچے کو کوئی ایسا مرض لاحق ہوجائے تو دوسرے بچوں کو اس سے دور رکھے، تاکہ مرض پھیلنے اور وبا کے بڑھنے سے روکا جاسکے۔

★ مربی کو بچے کی صحت برقرار رکھنے کا خیال رکھنا چاہیے اور حفاظتی تدابیر اختیار کرنا چاہییں۔

جس کا طریقہ یہ ہے کہ کچا پھل کھانے اور سبزیوں کو دھونے سے قبل استعمال کرنے سے منع کرے، اور کھانے سے قبل دونوں ہاتھ دھونے کا حکم دے، اور کھانے میں پھونک مارنے سے منع کرے، اور اسی جیسی صحت سے متعلق اور دوسری وہ تعلیمات جو اسلام نے پیش کی ہیں۔

★ بچے کو ریاضت وورزش کا عادی بننے اور شہسواری سیکھنے کی تلقین کرے، اور سادگی اختیار کرنے اور مردانہ زندگی اور حقیقت پسند آدمی بننے کی تلقین کرے، اور عیش وعشرت میں پڑنے اور ناز ونعمت میں مستغرق نہ ہونے دے، تاکہ بچہ قوی الجسم، پختہ ارادے والا، اور مضبوط وتندرست جسم والا، اور کر گزرنے والا انسان بنے۔

★ مربی کو تمام ان چیزوں پر نظر رکھنا چاہیے جو جسم کو تباہ اور صحت کو برباد کرنے والی اور بیماریوں کا ذریعہ ہیں، جیسے کہ مخدرات ومنشیات کا استعمال، سگریٹ نوشی، مشت زنی، زنا ولواطت وغیرہ اس لیے کہ یہ تمام عادتیں سرطان کے امراض، دل کی بیماریوں، اور پھوڑے پھنسیوں، اور جگر کی خرابی، بانجھ پن، اور پٹھوں ورگوں کے کھچاؤ اور اس کے علاوہ اطباء اور اس فن کے ماہرین کے بیان کے مطابق دوسرے اور خطرناک امراض کا ذریعہ بنتی ہیں۔

اور جب بچے میں ان میں سے کسی بیماری کی کوئی علامت ظاہر ہو اور اس کی نشانیاں وعلامات نظر آنے لگیں، تو اس کے علاج کے لیے مربی کو فوری طور سے اس مرض کے ماہر سے رجوع کرنا چاہیے، تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی تکمیل ہو جسے امام احمد ونسائی نے روایت کیا ہے:

((یاعباد اللہ تداووا فإن اللہ عزّ وجل لم یضع داءً إلا وضع له شفاء)).	اے اللہ کے بندو علاج کرو اس لیے کہ اللہ عز وجل نے کوئی بیماری نہیں اتاری مگر یہ کہ اس کی دوا وشفا بھی نازل فرمائی ہے۔

اور ایسی صورت میں مربی ان اوامر پر عمل کرنے والا ہوگا جو اسلام نے علاج ودوا دارو اور احتیاطی تدابیر اختیار کرنے اور جسم وصحت سے متعلق بیان کیے ہیں، اور اس طرح سے بچے کا جسم بہت سے امراض سے بچ جائے گا، اور وہ اس پیش آمدہ خطرے اور مرض سے چھٹکارہ حاصل کرلے گا۔

بچے کے نفسیاتی پہلو کی دیکھ بھال سے مراد یہ ہے کہ :

★ مربی بچے میں شرمندگی کی عادت پر نظر رکھے، لہٰذا اگر وہ یہ دیکھے کہ بچہ یکسوئی تنہائی اور لوگوں اور مجلسوں سے دوری کا خواہاں ہے تو اسے چاہیے کہ وہ بچے میں جرأت پیدا کرے، اور لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کی تلقین کرے، اور اس میں فکر وسمجھ، اور سوجھ بوجھ وفکری ومعاشرتی پختگی کو بڑھائے۔

★ اسی طرح بچے میں خوف وڈر کی عادت پر نظر رکھے، اگر یہ محسوس ہو کہ بچہ میں بزدلی اور خوف اور حادثات کے سامنے شکست خوردہ بننے اور مشکلات سے بھاگنے کی عادت ہے تو مربی کو چاہیے کہ بچے میں خود اعتمادی پیدا کرے اپنے پر بھروسہ کی عادت ڈلوائے اور شجاعت واقدام کا پہلو اجاگر کرے، تاکہ وہ دنیاوی زندگی واس کی مشکلات وآفات کا ہنسی خوشی خندہ پیشانی سے مقابلہ کرسکے۔

ماں پر خصوصی طور سے یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ بچے کو سایہ، تاریکی یا جن بھوت، چڑیل اور عجیب وغریب مخلوق سے نہ ڈرائے، تاکہ بچہ خوف وڈر کا عادی نہ بن جائے اور خوف کے اس تک پہنچنے کا کوئی راستہ باقی نہ رہے۔

★ اسی طرح بچے میں احساس کہتری کی بیماری پر بھی نظر رکھے، اگر یہ معلوم ہو کہ بچے میں اس کا کچھ اثر ہے تو اسے نہایت حکمت اور خوش اسلوبی سے اس کا علاج اس طرح سے کرنا چاہیے کہ جس کے ذریعہ سے وہ اسباب ختم ہو جائیں جو اس کا ذریعہ بنے ہیں۔

اگر احساسِ کہتری کا سبب تحقیر واہانت ہو تو مربی کو چاہیے کہ بچے کو اچھے الفاظ سے مخاطب کرے اور پیار سے پکارے۔

اور اگر احساسِ کمتری کا سبب زیادہ ناز نخرے اٹھانا ہو تو مربی کو بچے کے ساتھ مناسب تربیت ، سزا ، پیار اور نرمی گرمی دونوں سے کام لینا چاہیے۔

اور اگر اس احساس وشعور کی وجہ یتیمی ہو، تو یتیم کے سرپرستوں میں سے جو مربی ہیں انہیں چاہیئے کہ اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں اور اسے محبت وپیار کا احساس دلائیں۔

اور اگر اس احساس کا سبب فقر وغربت ہو تو مربی کو چاہیے کہ بچے میں صبر اور برداشت اور اسلامی شخصیت کی تعمیر میں اپنے پر اعتماد کی روح پیدا کرے، تاکہ بچہ اپنا راستہ خود ہموار کرے، اور اس کے علاوہ اور دوسرے لوگوں اور بڑے بڑے مالداروں نے جو کام کیا ہے وہ بھی یہ کام کرسکے۔

اور اگر اس احساس کا سبب حسد ہو تو مربی کو اس بیماری کا علاج بچے سے محبت کے ذریعے کرنا چاہیے، اور اس کے اور اس کے بھائیوں میں برابری کرکے اور ان اسباب کو دور کرکے کرنا چاہیئے جو حسد کا ذریعہ بنتے ہیں۔

★ بچے میں غصہ کی عادت پر بھی نظر رکھنا چاہیئے، اگر مربی یہ دیکھے کہ بچہ معمولی سی بات پر ناراض ہو جاتا ہے تو اسے اس کے

اسباب کا ازالہ کرکے اس عادت کو ختم کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔

اگر غصہ کا سبب بیماری ہو تو مربی کو کسی طبیب سے اس کا علاج کرنے میں عجلت کرنا چاہیے

اور اگر غصہ کا سبب بھوک ہو تو مربی کو بچے کو مناسب وقت پر غذا دینے کی طرف توجہ کرنا چاہیے۔

اور اگر اس کا سبب بلا وجہ ڈانٹنا جھڑکنا ہو تو مربی کو چاہیے کہ زبان سے ایسے کلمات نہ نکالے جو ڈانٹ ڈپٹ اور اہانت وتحقیر کا ذریعہ بنتے ہوں۔

اور اگر غصہ زیادہ ناز نخرے اٹھانے اور ناز ونعمت کی وجہ سے ہو تو مربی کو چاہیے کہ اس کے ساتھ عام درجہ کا سا معاملہ کرے اور اسے سادگی کا عادی بنائے۔

اور اگر اس کا سبب مذاق اڑانا اور ہنسی ٹھٹھہ کرنا ہو تو مربی کو چاہیے کہ بچے کو ایسی چیزوں سے دور رکھے جو اس کے جذبات کو برانگیختہ کرنے والی ہوں۔

اسی طرح مربیوں پر یہ ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ غصہ کو ٹھنڈا کرنے میں اسلام کے بیان کردہ قواعد وضوابط کو اپنائیں[1] اور اپنے بچوں کو ان کی تعلیم دیں، تاکہ وہ غصہ میں آپے سے باہر نہ ہوں اور جذبات کے برانگیختہ ہونے پر ان کی تیزی وشدت ماند پڑ جائے۔

● بچے کی معاشرتی زندگی پر نظر رکھنے سے مراد یہ ہے کہ:

★ مربی بچے میں یہ بات نوٹ کرتا رہے کہ وہ دوسرے کے حقوق ادا کر رہا ہے یا نہیں؛ اگر وہ یہ محسوس کرے کہ بچہ اپنے یا اپنی والدہ یا اپنے بہن بھائیوں یا رشتہ داروں یا پڑوسیوں یا استاذ یا بڑوں کے حق میں کوئی کوتاہی کر رہا ہے تو اسے چاہیے کہ بچے کے سامنے اس کوتاہی وتقصیر کا انجام اور اس حرکت کے نتائج بیان کرے، تاکہ وہ سمجھ جائے اور عمل کرنے لگ جائے۔ اور حقوق ادا کرنے میں جو کوتاہی اور آداب کا خیال رکھنے میں جو سستی اور فرائض کی بجاآوری میں جو تقصیر اس سے ہوئی تھی اس سے رک جائے اور باز آجائے، اور حقیقت یہ ہے کہ اگر مکمل نظر رکھی جائے اور ہمیشہ دیکھ بھال ہو، اور تنبیہ ہوتی رہے تو اس کی وجہ سے وہ بچہ ایک ایسا ہوشیار، سمجھدار، باادب، بااخلاق بن جائے گا جو دنیاوی زندگی میں ہر شخص کے حق کو بلا کسی کمی بیشی، سستی وتقصیر کے ادا کرنے والا ہوگا۔

★ مربی کو چاہیے کہ وہ بچے کے دوسروں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور معاشرت کے آداب پر عمل کو بھی ملحوظ نظر رکھے، اور اگر وہ یہ دیکھے کہ بچہ کھانے پینے کے آداب، یا سلام کے طریقے، یا مزاح کے طریقے، یا گفتگو وبات چیت کے آداب، یا چھینکنے

---

[1] اس کتاب "تربیۃ الاولاد فی الاسلام" کی قسم ثانی کی "نفسیاتی تربیت کی ذمہ داری" کی بحث میں غصہ کی بیماری کے عنوان کے تحت اس پر بحث ہو چکی ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

مبارک باد دینے یا تعزیت یا اس جیسے اور دوسرے معاشرتی آداب میں کوتاہی کر رہا ہے، تو مربی کو اپنی سی پوری کوشش اور پورا زور اس بات پر صرف کرنا چاہیے کہ بچے کو اسلامی آداب وطور طریقے آجائیں، اور وہ بہترین عادات کا عادی اور عمدہ خصلتوں کا مالک جائے۔

بلاشبہ یہ ہر وقت کا ادب سکھانا اور مستقل عادی بنانا بچے کو ایک ایسا انسان بنا دے گا جو دوسروں کا احترام کرنے اور لوگوں کے ساتھ باادب رہنے اور ہر صاحب حق کو بلا کسی کوتاہی یا سستی کے اس کا حق ادا کرنے کا فریضہ انجام دینے والا ہوگا۔

★ مربی کو اس پر بھی نظر رکھنا چاہیئے کہ بچہ دوسروں کے ساتھ اچھے احساسات وجذبات رکھتا ہے یا نہیں، لہٰذا اگر وہ یہ دیکھے کہ بچہ میں انانیت وتکبر پایا جاتا ہے تو اسے ایثار کا سبق دے۔ اور اگر اسے بغض وحسد کی طرف مائل دیکھے تو اس میں محبت وصاف دلی کے بیج بونے کی کوشش کرے، اور اگر یہ دیکھے کہ وہ حلال کو حلال اور حرام کو حرام نہیں سمجھتا تو اسے اللہ کا خوف وتقویٰ کے اختیار کرنے کا حکم دے۔ اور اسے اللہ کے عذاب وآخرت سے ڈرائے تاکہ اس میں اللہ کے حاضر وناظر ہونے اور اس سے ڈرنے کا عقیدہ راسخ ہو جائے، اور اگر یہ دیکھے کہ بچے کو کسی ناپسندیدہ چیز یا بیماری وغیرہ سے تکلیف پہنچی ہے تو نفس اور دل کی گہرائیوں میں اللہ کے فیصلے اور تقدیر پر راضی رہنے کے عقیدہ کو راسخ کردے۔

اس طرح سے مربی بچے کے قلب میں ایمان وتقویٰ اور مراقبہ کے یہ نفسیاتی اصول جاگزین کر سکتا ہے۔ اور اس کے پاک صاف دل میں ایثار ومحبت اور الفت وہمدردی اور پاک باطنی کے جذبات واحساسات پیدا کر سکتا ہے تاکہ جب وہ جوان اور بڑا ہو اور اس عمر کو پہنچ جائے جس میں انسان مکلف بن جاتا ہے تو وہ اللہ کے حقوق بھی ادا کرے اور اپنے اور دوسروں کے حقوق بھی، اور وہ ایک کامل ومکمل انسان اور سمجھدار وعقلمند ایسا آدمی بن جائے جس کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جاتا ہو اور دلوں میں اس کا احترام اور نفوس میں عزت وبڑائی ہو۔

روحانی پہلو سے بچے کی دیکھ بھال کا مطلب یہ ہے کہ:

★ مربی بچے میں اللہ تعالیٰ سبحانہ کے مراقبہ کے پہلو پر نظر رکھے اور اس کو ہمیشہ یہ بتلاتا رہے کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ اسے دیکھ رہا ہے اور اس کی باتیں سن رہا ہے، اور اس کے ظاہر وباطن کو جانتا ہے، اور آنکھوں کی خیانت اور دلوں کے بھید پر مطلع ہے۔

اور اس کو یہ بتلاتا رہے کہ آسمانوں وزمین کی کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ پر مخفی نہیں، اور یہ بات اس وقت ہی پیدا ہو سکتی ہے جب اس بچے کی رہنمائی اللہ کی ذات پر ایمان، اور اس کی معجز قدرت اور اس کی عجیب تخلیق اور ہر پیش آمدہ صورتِ حال پر اس کے دربار میں گردن جھکانے کی طرف کی جائے۔۔ اس کے بعد وہ جب بھی کوئی کام کرے گا تو اللہ کو حاضر

وناظر جان کر اس کے مراقبہ کو سامنے رکھ کر کرے گا، اور غور وفکر کے وقت بھی یہی دھیان رہے گا اور احساسات کی دنیا میں یہی خیال ہوگا، بلکہ مراقبہ اس کے وجود میں راسخ ہو جائے گا اور اس کے دل واحساسات وجذبات پر غالب بنیاد بن جائیگا بچہ اس بنیادی رہنمائی اور مفید تر ایمانی تربیت کا بچپن ہی میں کس قدر محتاج ہوتا ہے!!

★ مربی کو خشوع وخضوع تقوٰی اور اللہ رب العالمین کے سامنے عبودیت وبندگی کے پہلو کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہیئے جس کا طریقہ یہ ہے کہ بچے کی بصیرت کو اللہ کی اس عظیم بڑائی کے سمجھنے کے لیے کھول دینا چاہیے جو چھوٹے بڑے، جاندار وغیر جاندار اگنے والی چیزوں اور درختوں، مختلف رنگ کے شاندار مہکنے والے پھولوں، اور عجیب وغریب قسم کی کروڑوں اربوں مخلوق کو محیط ہے، یہ دیکھ کر دل کے سامنے سوائے اس کے اور کوئی چارۂ کار نہ ہوگا کہ وہ اللہ کی عظمت کے سامنے جھک جائے، اور اس سب کے سامنے نفسِ انسانی سوائے اس کے اور کسی چیز پر قادر نہ ہوگی کہ وہ اللہ کے تقوٰی کو اختیار کرے، اور اس کے سامنے بندگی کے لیے جھکے۔ بلکہ اسے اس میں طاعت وفرمانبرداری کی لذت اور اللہ رب العالمین کی عبادت کی حلاوت محسوس ہوگی۔

بچے میں خشوع وخضوع کے پہلو کو قوی کرنے اور تقوٰی کی حقیقت کو راسخ کرنے والی چیز یہ ہے کہ اسے سمجھداری وشعور کی عمر ہی سے نماز میں خشوع وخضوع اور قرآن کریم کی تلاوت کے سننے پر غمگین ہونے، رونے یا رونے والی شکل بنانے کا عادی بنایا جائے، اور اگر ان صفات پر وہ اپنے آپ کو ڈھال لے اور ان پر عمل شروع کر دے تو بلاشبہ وہ ان اللہ والوں میں سے بن جائے گا جن پر کسی قسم کا خوف وڈر ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے، بلکہ وہ صالحین کے زمرے میں داخل ہو جائے گا، اور ان لوگوں میں سے بن جائے گا جن کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

((اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝)). یونس۔ ۶۲،۶۳	یاد رکھو جو لوگ اللہ کے دوست ہیں ان پر نہ ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے جو لوگ ایمان لائے اور ڈرتے رہے۔

★ مربی کو عبادات ادا کرنے کے پہلو پر بھی نظر رکھنا چاہیے، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ بچہ جب سات سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اسے نماز کا حکم دے، تاکہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے مندرجہ ذیل فرمانِ مبارک پر عمل ہو جائے:

((مروا أولادكم بالصلاة وهم أبناء سبع سنين..)).	تمہارے بچے جب سات سال کی عمر کو پہنچ جائیں تو انہیں نماز کا حکم دو۔

روزہ کو بھی نماز پر قیاس کیا جائے گا اور جب بچہ روزہ رکھنے کے قابل ہو جائے تو عادت ڈلوانے کے لیے اسے رمضان کے بعض روزے رکھوانا چاہیے، اور اگر مربی مالی استطاعت رکھتا ہو تو بچے کو اپنے ساتھ حج کے لیے لے جائے تاکہ وہ حج کے مناسک سیکھ لے، اور اسی طرح اسے اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کا عادی بنانا چاہیے چاہے وقتاً فوقتاً چند

روپے ہی کیوں نہ ہوں، تاکہ جب وہ شریعت کی نظر میں مکلف ہو جائے اور مسلمانوں کی نظر میں مسئول بن جائے تو فریضۂ زکاۃ کا عادی بنے، اس سب کے ساتھ ساتھ مربی پر یہ بھی لازم ہے کہ بچے کو اپنے ساتھ عبادت و ذکرِ الٰہی کی مجلسوں میں بھی لے جائے، اور علم و فقہ کے حلقوں میں حاضر ہو۔ اور اس کو قرآن کریم کی تلاوت وتفسیرِ قرآن سکھانے کے لیے مناسب آدمی متعین کرے، اور اسے مخلص علماء ربانیین کے اقوال سنائے، مربی کو یہ سب کچھ اس وقت تک کرتے رہنا چاہیے جب تک بچے کی نفس عبادت کے ذریعہ صاف ستھری اور اس کا دل اللہ کے ذکر سے روشن و منور، اور اس کی روح پاکبازی و عفت کے آسمان پر لہلہانے، اور اس کے احساسات وجذبات قرآنِ کریم کی آیات سے حرکت میں نہ آجائیں، اور اس کا دل عارفین وصالحین کے واقعات سے رقیق نہ ہو جائے، اور اس کا وجدان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے کردار و سیرت سے حرکت میں نہ آجائے۔

مربی کو چاہیے کہ بچے میں نفسیاتی و روحانی مجاہدہ کی عادت پیدا کرے اور اس پر نظر رکھے کہ بچہ کس درجہ پر پہنچا اور کہاں تک متاثر ہوتا ہے، جیسا کہ مربی کی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ بچے کی تربیت میں روحانی مجاہدے اور سیاسی و دعوتی مجاہدے میں موازنہ کرے، اس لیے کہ جس طرح اسے ظلم و کفر سے جہاد کا اہتمام کرنا ہوتا ہے اس طرح نفسِ امارہ سے جہاد کے سلسلہ میں بھی مجاہدہ کرنا ہوگا، اس لیے کہ اگر بچے کے سلسلہ میں دعوت الی اللہ اور سیاسی جہاد اور دشمنوں سے جنگ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ کی جو ذمہ داری مربی پر عائد ہوتی ہے اس نے اگر اس میں سستی یا کوتاہی کی تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بچہ گوشہ نشینی، سستی اور لوگوں سے دوری کا خوگر بنے گا، اور جو ہو گیا اس پر ہتھیار ڈال کر بیٹھ جائے گا، اور میدانِ جنگ سے دم دبا کر بھاگ جائے گا۔ اور ظالموں و جابروں کے سامنے ہتھیار ڈال دیگا۔

اس لیے جہادِ نفس اور جہادِ سیاست میں موازنہ کرنا ایک ایسا طریقہ ہے جو بچے کو اس بات پر مجبور کرے گا کہ وہ دنیاوی زندگی میں ہر صاحبِ حق کا حق ادا کرے، اور ساتھ ہی عبادت و مراقبہ کے ذریعہ اللہ کا حق بھی ادا کرے اور ساتھ ہی اللہ کے احکامات کو روئے زمین پر نافذ کرے اور جو طواغیت و سرکش احکام اسلام کی مخالفت کرتے ہیں ان کی بیخ کنی کر کے اسلام کا حق بھی ادا کرے، اور ایسی صورت میں اس بچے نے قرآن اور تلوار، اور دین و حکومت، اور عبادت و سیاست سب کو جمع کر لیا ہوگا، اور اس کے بارے میں شاعر کے مندرجہ ذیل اشعار بالکل سچے ہوں گے ؎

شباب ذللوا سبل المعالی	وما عرفوا سوى الإسلام دينا
وہ ایسے نوجوان ہیں جنہوں نے عظیم کاموں کے راستے آسان کر لیے	اور اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو نہ پہچانا
إذا شهدوا الوغى كانوا كماة	يدكون المعاقل والحصونا
جب وہ جنگ میں شریک ہوتے ہیں تو ایسے مسلح فوجی ہوتے ہیں	جو قلعوں اور محفوظ مقامات کو ریزہ ریزہ کر دیتے ہیں

وإن جن الظلام فلا تراهم | من الإشفاق إلا ساجدينا
اور جب رات کی تاریکی چھا جائے تو تم انہیں خوفِ | خدا کی وجہ سے سجدہ ہی کی حالت میں دیکھو گے
كذلك أخرج الإسلام قومي | شبابًا طاهرًا حرًا أمينا
اسلام نے میری قوم کو اسی طرح | پاک، صاف آزاد و امانت دار جوان بنایا ہے

★ اور آخری بات یہ ہے کہ مربی ادعیۂ ماثورہ کی تطبیق کے پہلو پر بھی نظر رکھے[1] جس کا طریقہ یہ ہے کہ بچے کو وہ اہم دعائیں یاد کرا دینا چاہییں جو ___ صبح وشام، سونے جاگنے، کھانے پینے پیٹ بھرنے، گھر میں داخل ہونے، وہاں سے نکلنے، کپڑا پہننے اس کے اتارنے کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں، اسی طرح سفر کی دعائیں، استخارہ کی دعا، بارش کی دعا، چاند دیکھنے کی دعا، بے خوابی، بیماری وغم وغیرہ کی وہ دعائیں جو اس سلسلہ میں ماثور ومنقول اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہیں۔

بلاشبہ اگر مربی بچوں کو یہ ماثور دعائیں سکھا دے گا اور ان کو یاد کرائے گا، اور اسے ان اوقات پر ان کے پڑھنے کی ترغیب دے گا، تو اس سے بچے میں اللہ کا خوف وخشیت بڑھے گی، اور اس کے دل میں تقویٰ جاگزین ہوگا، اور مراقبہ ومحاسبہ کی عادت پڑے گی، جو بچے کی ایمانی واخلاقی تربیت اور روحانی ونفسیاتی ومعاشرتی شخصیت سازی کے لیے بڑے مؤثر عوامل ہیں، ایسی صورتحال میں بچے کے حالات درست اور اس کے اقوال وافعال صحیح ہو جائیں گے، اور پھر وہ بچہ پاکیزگی، طہارت، صفائی وبراءت میں روئے زمین پر چلنے والے فرشتے کی مانند ہوگا۔

ضمیر کے بیدار کرنے اور اللہ جل شانہ کے مراقبہ کے سلسلہ میں کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

إذا ما خلوت الدهر يومًا فلا تقل | خلوت ولكن قل عليّ رقيب
اگر تم کبھی خلوت میں ہو تو یہ ہرگز نہ کہنا | کہ میں تنہا واکیلا تھا بلکہ یہ کہو کہ مجھ پر میرا رقیب ونگران موجود ہے
ولا تحسبن الله يغفل ساعةً | ولا أن ما تخفيه عنه يغيب
اور یہ نہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ تم سے ایک گھڑی کیلیے بھی غافل ہے | اور نہ یہ کہ تم جو کچھ چھپا رہے ہو وہ اس سے مخفی رہیگا

اے مربی صاحبان دیکھ بھال کے سلسلہ میں اسلام کا انداز ومنہج یہ ہے، اور جیسا کہ آپ نے مشاہدہ کر لیا یہ ایک نہایت سیدھا سادھا منہج ہے، اگر آپ اس کی بنیادی باتوں اور تعلیم پر عمل کریں گے اور اس کے طریقہ پر چلیں گے، اور قواعد کو اپنائیں گے تو آپ کا بیٹا آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور معاشرہ کی تعمیر میں اچھی اینٹ اور امتِ اسلامیہ کے جسم کا ایک نفع بخش اور اہم ترین عضو بن جائے گا۔ اس لیے اے مربی محترم بچے کی خوب دیکھ بھال کیجیے، اور وہ جس جگہ جائے آپ بھی اس کے

---

[1] ملاحظہ ہو امام نووی کی "کتاب الاذکار" اور شیخ عبداللہ سراج الدین کی "کتاب الأدعية والأذكار" اور امام شہید کی "کتاب المأثورات" مربی حضرات کو ان کتب میں وہ تمام ماثور دعائیں مل جائیں گی جو انہیں بچوں کو سکھانا چاہییں۔

ساتھ جائیں، آپ بذاتِ خود بھی اس کے ساتھ ہوں، اور اپنی افکار اور اہتمام کو بھی اس کے ہمراہ رکھیں اور دیکھ بھال و رفاقت کے ذریعہ بھی اس کے ساتھ رہیں۔

س کے ایمان، اس کی روحانیت، اس کے اخلاق، اس کے علم، اس کے دوسروں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اس کے نفسیاتی حالات، اس کے مزاج، غرضیکہ ہر چیز میں — اس کی ہر حالت پر نظر رکھیں تاکہ آپ کا بیٹا آدمی اور ایسا متقی مؤمن بنے جس کا دلوں میں احترام — اور نفوس میں عظمت، اور لوگوں میں مکانت و مرتبت ہو، اور یہ کوئی بعید بھی نہیں بشرطیکہ آپ اس کی اچھی تربیت کریں، اور اس کی دیکھ بھال کریں، اور اس کے سلسلہ میں آپ پر جو ذمہ داریاں و فرائض اور حقوق عائد ہوتے ہیں ان کو ادا کریں۔

⑤ عقوبت وسزا کے ذریعہ تربیت

اسلامی شریعت کے بہترین عادلانہ احکامات اور اس کے عظیم بنیادی قواعد اس غرض و مقصد کے لیے نافذ و مقرر کیے گئے ہیں تاکہ ان بنیادی ضروریات کی حفاظت ہو سکے جن سے کوئی انسان بھی نہ مستغنی ہو سکتا ہے اور نہ ان کے بغیر زندہ رہ سکتا ہے۔ ان احکام کو ائمہ مجتہدین اور اصولِ فقہ کے علماء نے پانچ امور میں محصور کیا ہے اور ان کا نام ضروریات خمسہ یا کلیاتِ خمسہ رکھا ہے، جو یہ ہیں: دین کی حفاظت، نفس کی حفاظت، عزت و آبرو کی حفاظت، عقل کی حفاظت اور مال کی حفاظت، اور ان حضرات کا یہ کہنا ہے کہ اسلامی نظام میں جو بھی احکام و بنیادی اصول و قواعد اور قوانین ہیں ان سب کا مقصد ان کلیات کی حفاظت اور ان کی دیکھ بھال و رعایت ہے۔

ان کلیات کی حفاظت کے لیے شریعت نے سخت سزائیں مقرر کی ہیں، جو ہر اس شخص پر لاگو ہوں گی جو ان کی خلاف ورزی کرے گا ان احکامات کو توڑے گا یا ان کی حدود کو پھلانگے گا۔

شریعت میں یہ سزائیں حدود اور تعزیرات کے نام سے معروف ہیں۔

حدود وہ سزائیں ہیں جنہیں شریعت نے اللہ کے حق کی حفاظت کے لیے مقرر کیا ہے، تو گویا حدود اللہ تعالیٰ کے حق کی حفاظت کے لیے لاگو ہوتی ہیں، اور یہ حدود درجِ ذیل ہیں:

۱۔ **مرتد ہونے کی سزا** قتل ہے، اگر ایسا شخص دین کے ترک اور الحاد پر باقی رہنے پر اصرار کرے اور توبہ کرنے پر راضی نہ ہو تو ایسے شخص کو قتل کیا جائے گا، اور اس کو نہ غسل دیا جائے گا، نہ کفن، نہ اس پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی، نہ اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔

اس سزا کی بنیاد وہ روایت ہے جسے امام احمد و اربابِ صحاحِ ستہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لا يحل دم امرئ مسلم إلا بإحدى ثلاث: الثيب الزاني، والنفس بالنفس والتارك لدينه، والمفارق للجماعة)) وعنه أيضا	کسی مسلمان کا خون بہانا درست نہیں سوائے تین باتوں میں سے ایک کے، ایک تو وہ شخص جو شادی شدہ ہو زنا کرے، اور دوسرا وہ جو قتل کرے تو اس کو اس کے بدلہ قتل کیا جائے گا، اور تیسرا وہ شخص جو اپنا دین چھوڑ دے اور جماعتِ (مسلمین) سے جدا ہو جائے، اور آپ صلی اللہ علیہ

((من بدل دينه فاقتلوه)). وسلم سے یہ بھی مروی ہے کہ جو شخص اپنا دین (اسلام) بدل دے اسے قتل کردو۔

۲۔ **کسی انسان کو قتل کرنے کی سزا** اگر کوئی شخص کسی شخص کو جان بوجھ کر عمداً قتل کردے تو اس کی سزا قتل ہی ہے، اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى، اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى)). البقرہ۔

اے ایمان والو تم پر فرض ہوا قصاص (برابری کرنا) مقتولوں میں آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔

۳۔ **چوری کی سزا** پہنچے سے چور کا ہاتھ کاٹنا ہے۔ اگر چوری بلا ضرورت واضطرار کے ہو، اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ)). المائدہ۔ ۳۸

چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو سزا میں اس کمائی کی، تنبیہ ہے اللہ کی طرف سے، اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

۴۔ **حد قذف** کسی عورت پر تہمت لگانے کی سزا اسی کوڑے اور ایسے شخص کی گواہی کا قبول نہ کرنا ہے، اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

((وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا، وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ)) النور۔۴

اور جو لوگ تہمت لگائیں پاک دامن عورتوں کو اور پھر چار گواہ نہ لاسکیں، تو انہیں اسّی درے لگاؤ اور کبھی ان کی کوئی گواہی قبول نہ کرو یہی لوگ تو فاسق ہیں۔

۵۔ **حد زنا** اگر زانی غیر شادی شدہ ہو تو اس کی سزا سو کوڑے ہیں، اور اگر شادی شدہ ہو تو اس کی سزا مرنے تک سنگسار کرنا ہے۔

سو کوڑے اس لیے لگائے جائیں گے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ)). النور۔ ۲

زناکار عورت اور زناکار مرد سو (دونوں کا حکم یہ ہے کہ) ان میں سے ہر ایک کے سو سو درے مارو۔

امام شافعی کے یہاں ایسے زانی مرد وعورت کو بلا کسی امتیاز کے ایک سال کے لیے شہر بدر کرنا بھی ضروری ہے اس لیے کہ یہ احادیث سے ثابت ہے، البتہ امام ابوحنیفہ کے یہاں شہر بدر کرنا واجب نہیں ہے بلکہ ان کے یہاں یہ مصلحت و ضرورت پر محمول ہے کہ اگر حاکم وقاضی اس کی ضرورت سمجھے تو ایسا کرے۔

موت تک رجم اس لیے کیا جائے گا کہ حضرت ماعز بن مالک اور غامدی عورت کے قصہ میں آتا ہے کہ چونکہ یہ دونوں شادی شدہ تھے اس لیے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ؐ دیا۔

۶۔ زمین میں فساد پھیلانے کی سزا | قتل یا سولی پر چڑھانا، یا ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹنا، یا ملک بدر کرنا ہے، جمہور فقہاء جن میں امام شافعی و احمد بھی داخل ہیں یہ کہتے ہیں کہ اگر ڈاکوؤں نے قتل بھی کیا ہو اور مال بھی لوٹا ہو تو انہیں قتل کیا جائے گا، لیکن سولی پر نہیں چڑھایا جائے گا، اور اگر مال لوٹا ہو اور قتل نہ کیا ہو تو ایک جانب کا ہاتھ اور دوسری جانب کا پاؤں کاٹا جائے گا، اور اگر دہشت گردی کی ہو اور مال نہ لوٹا ہو تو ان کو ملک بدر کر دیا جائے گا، یہ قول امام ابوحنیفہ کے قول کے قریب ہے ٗ ایت یہ کہتے ہیں کہ امام کو اختیار ہے کہ جو سزا مناسب اور مصلحت پر مبنی سمجھتا ہو وہ دے، اس سلسلہ میں اصل اللہ ـ ں کا مندرجہ ذیل فرمانِ مبارک ہے:

((اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝)) المائدہ۔ ۳۳

) سزا ہے ان لوگوں کی جو اللہ اور اس کے رسول سے ائی کرتے ہیں اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرنے کو کہ ان کو قتل کیا جائے یا سولی پر چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے جائیں مخالف جانب سے، یا اس جگہ سے دور کر دیے جائیں۔ یہ ان کی رسوائی ہے دنیا میں اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

۷۔ شراب نوشی کی سزا | چالیس سے اسّی کوڑے تک ہے۔

اس لیے کہ مروی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے شراب نوشی کی سزا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چالیس کوڑے شمار کیے تھے، اور شوکانی نے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب نوش کو دو ٹہنیوں سے چالیس کوڑے لگائے، اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب نوشی پر چالیس کوڑے لگائے۔

اسّی کوڑے لگانے کی سزا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تجویز ہے، انہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا، انہوں نے یہ مشورہ دیا کہ اس کی سزا اسّی کوڑے مقرر کیے جائیں، اس لیے کہ وہ اس وقت یہ دیکھ رہے تھے کہ بعض لوگ شراب نوشی میں مصروف ہیں، ان حضرات نے اسی کوڑے حجت و دلیل سے مقرر کیے تھے، اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ قول منقول ہے کہ انسان جب شراب نوشی کرے گا تو نشہ میں مست ہو جائے گا، اور جب نشہ ہو جائے گا تو بکواس کرے گا، اور جب بکواس کرے گا تو افتراء و بہتان لگائے گا، تو گویا ان حضرات نے اس کو حدِ قذف (تہمت لگانے کی سزا) پر قیاس کیا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ کے بعد اسّی کوڑے سزا مقرر کر دی حالانکہ اس سے قبل وہ بھی

چالیس کوڑے ہی لگوایا کرتے تھے۔

اس لیے شراب نوشی کی سزا چالیس کوڑے ہے، ہاں اگر امام چاہے اور یہ سمجھے کہ چالیس کوڑے شراب نوشی سے روکنے کا ذریعہ نہ بنیں گے تو اسی تک مار سکتا ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا۔

تعزیرات: ایسی سزائیں ہیں جو متعین طور پر مقرر نہیں ہیں اور یہ تعزیرات ہر ایسی معصیت وگناہ پر لاگو ہوتی ہیں جن پر کوئی حد یا کفارہ مقرر نہ ہو، اور یہ اللہ یا کسی انسان کے حق کے طور پر آتی ہیں جیسے کہ لوگوں کی اصلاح کے لیے زجر وتنبیہ اور تادیب کے لیے سزا دینا۔

اور چونکہ تعزیری سزا غیر متعین ہے اس لیے حاکم کو یہ اختیار ہے کہ وہ جو سزا مناسب سمجھے تجویز کرے چنانچہ کبھی ڈانٹنے ڈپٹنے سے کام بن جائے گا، اور کبھی مارنا پیٹنا پڑے گا، کبھی قید و بند میں گرفتار کرنا ہوگا، اور کبھی ملک بدر کرنا کافی ہوگا لیکن تعزیرات میں یہ خیال رکھا جائے گا کہ وہ مقررہ حدود میں سے کسی حد کے برابر نہ ہو جائیں بلکہ اس سے کم درجہ کی ہی رہیں۔

کوئی بھی دو آدمی اس میں شک نہیں کریں گے کہ اسلام نے حدود و تعزیرات پر مبنی یہ سزائیں اس لئے مقرر کی ہیں تاکہ لوگوں کو امن واستقرار پر مشتمل ہنسی خوشی کی زندگی حاصل ہو، اور کوئی ظالم کسی مظلوم پر زیادتی نہ کرے، اور کوئی طاقتور کسی کمزور پر ظلم واستبداد نہ کرے، اور کوئی مالدار کسی غریب وفقیر پر حکم نہ چلائے، بلکہ سب کے سب حق کے میدان اور اللہ کے دربار میں برابر ہیں، کسی عربی کو عجمی پر، اور کسی سفید کو سیاہ پر سوائے تقویٰ کے فضیلت حاصل نہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے مندرجہ ذیل فرمانِ مبارک کا یہی مطلب ہے:

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾. بقرہ - ۱۷۹	اور اے عقلمندو تمہارے لیے قصاص میں بڑی زندگی ہے تاکہ تم بچتے رہو۔

اور یہی نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے درج ذیل فرمانِ مبارک کا مقصد ہے: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر (العیاذ باللہ) بالفرض فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی چوری کرلیں تو میں ان کا ہاتھ بھی کاٹ دوں گا۔

سزا خواہ کوئی سی بھی ہو چاہے قصاص کی ہو یا تعزیر کی بہر حال وہ قوموں کی اصلاح اور لوگوں کے امراض کا مفید ترین علاج ہے جس سے تمام عالمِ انسانی میں امن واستقرار کے ستون مضبوط ہوتے ہیں، اور جو قوم بھی اپنے مجرموں کو سزا دیے بغیر زندگی گزارتی ہے وہ ایک ایسی آزاد، بے راہ رو، اور شکستہ ومنتشر قوم ہوتی ہے جس کے روابط وتعلقات پارہ پارہ ہوتے ہیں، اور وہ مستقل دائمی انتشار ولاقانونیت کا شکار رہتی ہے، اور مجرمانہ زندگی میں مست وبے خود الٹے سیدھے ہاتھ پاؤں مارتی رہتی ہے، جس کی سب سے بڑی مثال ہمارے سامنے امریکہ کی ہے، اس لیے کہ ان کے جدید علماء،

تربیت کی اکثریت سزا سے نفرت دلاتی ہے، اور اس کا نام بھی زبان پر لانا پسند نہیں کرتی، بلکہ اس سلسلہ میں خوب پروپیگنڈہ نشر کیا گیا، اور ایسا نظام و قانون وضع کیا گیا جو اس نظریہ کا علمبردار اور اس خواہش کا تکمیل کنندہ ہو، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہاں ایک آزاد بے راہ رو ذمہ داری کے احساس سے جان چھڑانے والا اور فساد و جرم اور گناہ کا رسیا معاشرہ وجود میں آگیا جس کی وجہ سے ۱۹۶۲ء میں سابق سربراہ کنیڈی یہ کہنے پر مجبور ہوگئے کہ امریکہ کا مستقبل خطرے میں ہے اس لیے کہ اس کی نوجوان نسل آزاد بے راہ رو اور شہوات و جنسیات میں مستغرق ہے، جو اپنی اس ذمہ داری کو پورا کرنے پر بھی قادر نہیں جو اس کے کاندھوں پر ڈالی گئی ہے، اور ہر ان سات نوجوانوں میں سے جو فوجی بھرتی کے لیے پیش ہوتے ہیں چھ فوجی بھرتی کے قابل نہیں ہوتے اس لیے کہ جنس اور اخلاق و ذمہ داری کے احساس کی قیود سے آزاد ہونے نے ان کی نفسیاتی اور جسمانی صلاحیت کو تباہ کر دیا ہے[۱]۔

اور امریکی معاشرے کی تربیت کرنے والی عورت "مارگریٹ اسمتھ" نے بھی اسی طرح کا ایک بیان لبنانی اخبار "الاحد" کو دیا تھا، جو اس کے ۶۵۰ ویں نمبر میں شائع ہوا تھا کہ: طالبات کو سوائے اپنے جنسی جذبات اور ان وسائل کے جو ان کی اِس خواہش کے مطابق ہوں کسی اور چیز کی قطعاً فکر نہیں ہے۔ اور سو میں سے ساٹھ فیصد طالبات امتحانات میں ناکام ہوگئیں ہیں، جس کا اصل سبب یہ ہے کہ وہ اپنے اسباق اور مستقبل کی فکر سے زیادہ جنس کی فکر میں مگن اور منشیات میں مشغول رہتی ہیں، اور ان میں سے سو میں سے صرف دس فی صد ہی پاک صاف رہتی ہیں۔

• یہ ان مجرمانہ سرگرمیوں کے عادی ٹولوں اور جماعتوں کے علاوہ ہے جو امریکہ میں ہر طرف منتشر ہیں، جو سب کے سب جانوں کے لیے بھی خطرہ ہیں اور مال و دولت کے لیے بھی، عزت و آبرو کے لیے بھی خطرہ ہیں اور عمومی طور سے امن و استقرار و استحکام کے لیے بھی، جس کا اصل سبب سزا دینے میں سستی اور تربیت میں نرمی و تسامح کا پہلو اختیار کرنا، اور مجرموں کا سخت علاج نہ کرنا اور آئندہ کے لیے جرم سے باز رکھنے والی سزاؤں اور فیصلہ کن سختی کے ذریعہ مؤاخذہ نہ کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب اپنے بندوں کے لیے سزاؤں کے قانون کو مقرر کیا تو وہ خوب جانتا تھا کہ ان کے لیے کیا مناسب ہے، اگر اسے یہ معلوم نہ ہوتا کہ یہ سزا فرد کے لیے امن، اور معاشرے کے لیے استقرار کا موجب ہوگی تو وہ قطعاً ان حدود کو مقرر نہ کرتا، اور اپنے ابدی قانون میں ان سخت ترین سزاؤں کو مشروع نہ کرتا، یہ سزائیں تو درحقیقت معاشرہ کو فساد پھیلانے والوں کے فساد و جرم اور خیانت کرنے والوں کے غدر اور ظالموں کے ظلم سے بچانے کا کامیاب ترین علاج اور شفا بخش نسخہ ہیں۔

خلفاء راشدین نے اس زمانے میں اسلامی سزاؤں کے ان قوانین کو نافذ کر کے اس بات کی دلیل و شاہد پیش کر دیا

---

[۱] ملاحظہ ہو جارج بالوشی کی کتاب "الثورۃ الجنسیۃ"۔

تھا کہ ان کے ذریعہ سے اسلامی معاشرے سے جرائم کا خاتمہ ہوگیا، اور بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ کسی کو قتل یا چوری یا آبرو لوٹنے یا شراب نوشی یا غلط باطنی عقیدہ یا فاسد نظریہ کی طرف کھلم کھلا کوئی دعوت دینے کی خبر سننے کو ملے، یہ سب آخر کیوں تھا؟ یہ اس لیے ہوا تھا کہ حکومت کی آنکھ بیدار اور شرعی سزائیں نافذ ہوتی تھیں۔ اور منکر و برائی کے ازالہ میں ایک دوسرے کا تعاون اور مفسدین کے ہاتھ پکڑنے کا رواج تھا، بلکہ اس زمانے کے قاضی اور خصوصاً خلفاء راشدین کے دور کے بعض قاضی تو قضاء کے منصب پر دو دو سال فائز رہے لیکن کوئی دو آدمی بھی ان کے پاس مقدمہ لے کر نہ آئے، اس لیے کہ جو مجرم جرم کا ارتکاب کرنا چاہتا تھا اگر اس کے پاس ایمان کی ایسی قوت نہ ہوتی جو اس جرم سے روک دے، اور اگر اس کو خدا کا اتنا خوف نصیب نہ ہوتا جو اس گناہ سے روکنے کا ذریعہ بنے تو وہ ان زبردست سزاؤں کے بارے میں سینکڑوں بار سوچا کرتا تھا جو اسلام نے مقرر کر رکھی تھیں، لہٰذا وہ قتل کرنے سے اس لیے رکتا تھا کہ اسے معلوم تھا کہ اسے بھی سزا کے طور پر قتل کر دیا جائے گا، اور چوری کرنے سے اس لیے باز رہتا تھا کہ وہ جانتا تھا کہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا، اور حرام کاری سے اس لیے دور رہتا تھا کہ اسے پتہ تھا کہ اسے یا تو سنگسار کر دیا جائے گا یا کوڑے مارے جائیں گے، اور کفر و الحاد و لادینیت کی طرف دعوت دینے سے اس لیے رکتا تھا کہ اسے معلوم تھا کہ اس کی گردن زنی کر کے نیست و نابود کر دیا جائیگا۔ اور اس طرح سے سخت ترین سزاؤں اور جرم و گناہوں پر سخت گیری کی وجہ سے ہر شخص ــــ معاشرتی جرائم و مجرمانہ زندگی اختیار کرنے سے رک جاتا تھا۔

وہ سزائیں جو حکومت کے دائرۂ اختیار میں آتی ہیں اور وہ سزائیں جنہیں والدین کو خاندان میں اور مربیوں کو مدارس میں اختیار کرنا پڑتا ہے، ہمیں ان میں فرق کرنا چاہیے:

جس جرم کی اطلاع حکومت کو ملے اگر اس کی سزا حدود کے قبیل سے ہو تو اس میں حاکم کو کسی قسم کی چشم پوشی یا تساہل نہیں برتنا چاہیے اور کسی سفارش کو قبول نہیں کرنا چاہیئے، اور نہ ہی اس کو نافذ ہونے کے درمیان کسی رکاوٹ و حائل کو آڑے آنے دینے کی اجازت دینا چاہیے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت سختی سے حضرت اسامہ ابن زید کی وہ سفارش رد کر دی تھی جو انہوں نے ایک چور مخزومی عورت کے سلسلہ میں آپ سے کی تھی، پھر آپ لوگوں کی مجلس میں تشریف لائے اور ان کو اس بات پر متنبہ فرمایا کہ امتوں کے انحطاط و زوال کا سبب ہی ظالموں کے راستے کو اختیار کرنا اور عدل و انصاف کا نافذ نہ کرنا ہے چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((أما بعد، فإنما أهلك الذين من	حمد و ثنا کے بعد، (یاد رکھو) تم سے پہلے لوگوں کو اسی
قبلكم أنهم كانوا إذا سرق	بات نے ہلاک کیا تھا کہ اگر ان میں کوئی شریف (اور بڑا)
فيهم الشريف تركوه، وإذا سرق	آدمی چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیا کرتے تھے، اور اگر
فيهم الضعيف أقاموا	کوئی کمزور و معمولی آدمی چوری کرتا تو اس پر حد لگا دیا کرتے

علیه الحد. وإنی والذی نفسی بیده لو أن فاطمة بنت محمد (صلی الله علیه وسلم) سرقت لقطعت یدها»۔

تھے ۔۔۔ (قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے) اگر بالفرض فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم، العیاذ باللہ) بھی چوری کرے تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دوں گا۔

٭ ٭ ٭

پھر آپ نے اس مخزومی عورت کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔

اور اگر کوئی سزا تعزیرات کی قبیل سے ہو تو اس کا نافذ کرنا بھی ضروری ہے، لیکن اس میں سزا کی مقدار کیا ہو یہ معاملہ حاکم کی رائے پر موقوف ہے، جو وہ مناسب سمجھے دے، جو تنبیہ و توبیخ (ڈانٹ ڈپٹ) سے مار پیٹ، قید و بند، وملک بدری تک ہو سکتی ہے۔

تعزیرات میں لوگوں کی عمر، حیثیت، منزلت وثقافت کے اعتبار سے فرق پڑتا ہے چنانچہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں معمولی سی نصیحت کافی ہو جاتی ہے اور بعض کو ڈانٹ ڈپٹ سے کام چل جاتا ہے، اور بعض کو بغیر ڈنڈے کے کام نہیں چلتا۔ اور بعض اس وقت تک قابو میں نہیں آتے جب تک انہیں جیل میں نہ ڈالا جائے، اور بعض کو... اور بعض کو... اور واقعی کسی نے سچ کہا ہے:

العبد یقرع بالعصا   والحر تکفیه الإشارة

غلام کو تو ڈنڈے سے سزا دی جاتی ہے   اور آزاد و شریف آدمی کو اشارہ کافی ہوتا ہے

لیکن وہ سزائیں جو مربی گھر یا مدرسے میں دیتے ہیں وہ کمیت وکیفیت اور طریقے کے اعتبار سے عام لوگوں کو دی جانے والی دوسری سزاؤں سے مختلف ہوتی ہیں۔

مربی حضرات کے سامنے وہ طریقہ پیش کیا جاتا ہے جسے دینِ اسلام نے بچوں کو سزا دینے کے سلسلہ میں اختیار کیا ہے:

۱۔ اصل یہ ہے کہ بچے کے ساتھ نرمی و پیار کا برتاؤ کیا جائے۔

★ امام بخاری اپنی کتاب "الادب المفرد" میں روایت کرتے ہیں کہ "نرمی اختیار کرو اور سختی اور فحش گوئی سے بچو۔"

★ اور آجری روایت کرتے ہیں کہ "سکھاؤ لیکن سختی نہ کرو۔"

★ اور امام مسلم حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا اور ان دونوں سے فرمایا: نرمی و آسانی پیدا کرنا سختی نہ کرنا اور لوگوں کو تعلیم دینا لیکن نفرت مت دلانا۔

★ اور حارث وطیالسی وبیہقی رحمہم اللہ روایت کرتے ہیں تعلیم دو مگر سختی مت کرو، اس لیے کہ معلم سختی کرنے والے سے بہتر ہوتا ہے۔

ان نبوی توجیہات کا اثر یہ ہوگا کہ بچے پر سب سے پہلے یہ بات اثر انداز ہوگی کہ اس کے ساتھ نرمی کی جاتی ہے اور اس کا خیال رکھا جاتا ہے۔

نرمی وپیار کے برتاؤ کے اصل ہونے کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود بچوں کے ساتھ ملاطفت ونرمی سے پیش آیا کرتے تھے، جس کی بہت سی مثالیں اور شواہد ہم "نمونہ ومقتدیٰ کے ذریعہ تربیت" کی بحث میں پیش کرچکے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کا کس قدر خیال رکھتے تھے، اور ان کے ساتھ کتنا پیار اور نرمی و ملاطفت اختیار کرتے تھے۔ اور ان سے کتنی دل لگی کیا کرتے تھے، لہٰذا اس بحث کو ملاحظہ کرلیجیے وہاں تشفی کا پورا سامان اور اس موضوع سے متعلق اچھی بحث مل جائے گی۔

۲۔ خطا کار بچے کو سزا دینے میں اس کی طبیعت کی رعایت رکھنا:

بچے ذکاوت وسمجھ داری اور اخذ کے مادے میں ایک دوسرے سے بہت مختلف ہوتے ہیں، جیسے کہ شخصیات کے لحاظ سے ان کے مزاج بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوا کرتے ہیں، چنانچہ بعض بچے ٹھنڈے صلح جو ہوتے ہیں اور بعض معتدل مزاج کے مالک ہوتے ہیں۔ اور بعض سخت اور اکھڑ مزاج کے مالک ہوا کرتے ہیں، یہ سب چیزیں موروثی بھی ہوتی ہیں، اور ماحول ومعاشرے کے اثرات اور تربیت وپرورش کے نتائج بھی ہوتے ہیں۔

چنانچہ بعض بچوں کی اصلاح وتنبیہ کے لیے ان کی طرف صرف ترچھی وتیز نگاہ سے دیکھنا بھی کافی ہوتا ہے جبکہ دوسرا بچہ سزا میں سختی وڈانٹ ڈپٹ کا بھی محتاج ہوتا ہے، اور کبھی مربی کو اصلاح ونصیحت اور ڈانٹ ڈپٹ میں ناکامی کے بعد ڈنڈے ومار پٹائی کے استعمال کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔

مسلمان علماءِ تربیت جن میں ابنِ سینا، عبدری وابن خلدون بھی داخل ہیں۔ کے یہاں مربی کے لیے یہ درست نہیں ہے کہ وہ بچوں کو سزا دے مگر بوقت ضرورتِ شدیدہ، اور مربی کو مار پیٹ قطعاً اختیار نہیں کرنا چاہیے مگر ڈانٹ ڈپٹ، وعدو وعید اور دیگر ذرائع کے اختیار کرنے کے بعد تاکہ بچے کی اصلاح کا مطلوبہ اثر حاصل ہو، اور اس کی اخلاقی و نفسیاتی تربیت وتعمیر ہو۔

علامہ ابنِ خلدون نے اپنی کتاب "مقدمہ" میں یہ لکھا ہے کہ بچے کے ساتھ زیادہ سختی کا رویہ اختیار کرنا اس کو بزدلی وکاہلی اور زندگی کی سختیاں برداشت کرنے سے گریز کا عادی بنا دیتا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ: جس کی تربیت سختی ودرشتی سے ہوگی خواہ وہ طالب علم ہوں یا خادم یا غلام ان پر قہر چھا جاتا ہے اور نفس کا انبساط ختم اور نشاط فنا ہوجاتا ہے، اور وہ سست اور کاہل بن جاتے ہیں، اور یہ صورت حال ان کو جھوٹ وعیاری سکھاتی ہے، تاکہ اس کے ذریعہ

سے ان ہاتھوں کی سختی سے بچ سکیں جوان پر سختی کے عادی ہیں. اور اس کی وجہ سے وہ ناپسندیدہ دھوکہ بازی سیکھ لیتے ہیں، اور یہ چیزیں ان کی طبیعت وعادت بن جاتی ہیں اور ان میں انسانیت اور اس کی صفات ختم ہوجاتی ہیں۔

پھر ابن خلدون نے ان خراب نتائج اور برے اثرات کو خوب کھول کر بیان کیا ہے جو بچے پر سختی اور شدت اور سخت گیری کے استعمال سے پیدا ہوتے ہیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ: جس بچے کے ساتھ سختی کا معاملہ کیا جاتا ہے وہ دوسروں پر بوجھ بن جاتا ہے کیوں کہ وہ خود اپنی شرافت اور خاندان کی عزت کی طرف سے مدافعت کرنے سے عاجز ہوجاتا ہے. اس لیے کہ وہ حماست وشجاعت اور حمیت وغیرت سے عاری ہوجاتا ہے. اور ساتھ ہی وہ فضائل وکمالات اور اچھے اخلاق کے حاصل کرنے سے بھی رک جاتا ہے، اور اس طرح سے اس کا نفس اپنی منتہا اور انسانیت کے عروج تک پہنچنے سے قاصر رہتا ہے۔

علامہ ابن خلدون نے جو کچھ بیان کیا ہے یہ سب کا سب وہی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی اور رہنمائی کی ہے. جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ نرمی ملاطفت اور پیار سے کام لینا چاہیے. اور یہ پورا کا پورا وہی نرم وپیار بھرا معاملہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام بچوں کے ساتھ اختیار فرمایا کرتے تھے. اور یہ اس حکیمانہ علاج کے ساتھ بھی جوڑ کھاتا ہے جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی مشکلات دور کرنے اور معاشرے کے افراد کی عمروں کے تفاوت اور طبقات کے اختلاف کے باوجود ان کی پریشانیوں کے حل کے لیے اختیار فرمایا کرتے تھے. بلکہ سلف صالحین اور بڑے مناصب کے مالک اپنے بچوں کی تربیت حکمت نرمی وپیار سے کیا کرتے تھے، اور سخت سزاؤں کی جانب صرف اس وقت مجبور ہوتے تھے جب سمجھانے وڈانٹنے ڈپٹنے سے کام نہ چلے، چنانچہ کتب تاریخ میں آتا ہے کہ خلیفہ رشید نے اپنے بچے کے استاذ احمر سے یہ فرمایا: آپ کوئی گھڑی ایسی نہ گزرنے دیں جس سے فائدہ نہ اٹھایا جائے اور بچے کو فائدہ نہ پہنچایا جائے، لیکن ساتھ ہی ساتھ اس کو غمگین بھی نہ کریں جس سے اس کا ذہن مردہ ہوجائے۔ اور اس کے ساتھ مسامحت وچشم پوشی میں اتنا مبالغہ نہ کریں جس سے وہ فراغت کو اچھا سمجھنے لگے اور اس کا خوگر ہوجائے۔ اور جہاں تک ہوسکے اس کی اصلاح نرمی وپیار سے کریں، اگر اس سے کام نہ چلے تو پھر سختی وترشی کو بھی اختیار کرلیں. اس قسم کی مثالیں بہت کثرت سے موجود ہیں جنہیں ہم نے کتاب تربیت الاولاد کی تینوں قسموں میں مختلف جگہ ذکر کیا ہے۔

اس سب کا خلاصہ یہ ہے کہ مربی کو مناسب سزا دینے میں نہایت حکمت سے کام لینا چاہیے، اور ایسی سزا دینا چاہیے جو بچے کی ذکاوت ثقافت اور مزاج کے موافق ہو، اور ساتھ ہی اس کو چاہیے کہ سزا کو بالکل آخری درجہ میں رکھے اور بالکل اخیر میں اس سے کام لے۔

۲۔ سزا دینے میں معمولی سے سخت سزا کے اختیار کرنے میں تدریج سے کام لینا چاہیئے:

ہم پہلے بتلا چکے ہیں کہ مربی بچے کو جو سزا دینا چاہتا ہے اسے بالکل آخری مرحلہ میں اختیار کرنا چاہیے جس کا مطلب

یہ ہے کہ بچے کی اصلاح اور سزا دینے کے چند مراتب و مراحل ہیں جنہیں مربی کو مار پیٹ سے پہلے اختیار کرنا چاہیئے. تاکہ ہوسکتا ہے کہ انہی سے کام چل جائے اور بچے کی اصلاح ہوجائے اور اس کی حالت سدھر جائے اور اس کا اخلاقی و معاشرتی معیار بلند ہوجائے اور وہ ایک صحیح انسان بن جائے.

اس لیے کہ مربی طبیب و معالج کی طرح ہوتا ہے (جیسا کہ امام غزالی فرماتے ہیں) اور جیسا کہ طبیب کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ نقصان اور ضرر کے ڈر سے بیماروں کا علاج ایک ہی طریقے سے کرے اسی طرح مربی کے لیے بھی یہ درست نہیں کہ وہ بچوں کی مشکلات اور ان کی کجی کا علاج ڈانٹ ڈپٹ سے صرف اس ڈر سے کرے کہ بعض بچوں میں انحراف وکجی بڑھ نہ جائے یا بعض بچے گندی حرکات کے خوگر نہ ہوجائیں، لہٰذا ہر بچے کے ساتھ وہی برتاؤ کرنا چاہیے جو اس کے مناسب ہو، اور اس سبب کو تلاش کرنا چاہیے جو اس غلطی کا موجب بنا ہے. اور اس کی عمر اور تہذیب و ثقافت اور اس ماحول کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے جہاں سے اس نے یہ سیکھا ہے، یہ تمام چیزیں وہ ہیں جو مربی کو بچے کے انحراف کی علت تک پہنچنے اور اس کے مرض کی تشخیص میں مددگار ثابت ہوں گی. جس کے بعد اس کے لیے مناسب علاج تجویز کرنا آسان ہوگا. اور مربی جب بیماری کو جان لے گا اور بیماری کے سبب تک پہنچ جائیگا تو وہ مناسب علاج بھی کرسکے گا، اور بچے کے ساتھ بہتر طریقہ کو بھی اختیار کرسکے گا تاکہ آخر کار بچہ صحیح لوگوں کے زمرے اور متقیوں کی فہرست میں شامل ہوسکے.

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کے انحراف کو دور کرنے اور ان کی کجی کی اصلاح اور ان کی اخلاقی ونفسیاتی تعمیر وشخصیت سازی کے لیے مربیوں کے سامنے نہایت واضح وروشن طریقے مقرر کیے ہیں، تاکہ مربی ان کو اختیار کریں، اور ان کی اصلاح وعلاج کے لیے بہتر سے بہتر کا انتخاب کریں، اور آخر کار بچے کی اصلاح وتربیت میں کامیابی سے ہمکنار ہوں. اور اسے نیک صالح مومن متقی بنالیں.

وہ طریقے جو معلم اول نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ذکر فرمائے ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ رہنمائی اور صحیح بات بتانے کے ذریعہ غلطی کی اصلاح کرنا:

امام بخاری ومسلم رحمہما اللہ حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر کفالت چھوٹا سا بچہ تھا. کھانے کے برتن میں میرا ہاتھ ادھر اُدھر چلا جایا کرتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا:

((یا غلام سم اللہ، وکل بیمینک وکل مما یلیك)). لڑکے اللہ کا نام لیکر شروع کرو، اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ، اور اپنے قریب سے کھاؤ.

ملاحظہ فرمائیے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن ابی سلمہ کی غلطی کی اصلاح اچھی نصیحت اور مختصر سی بلیغ رہنمائی کے ذریعے ــــ کس طرح سے فرمائی۔

۲. نرمی و ملاطفت سے غلطی پر متنبہ کرنا:

امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مشروب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا، آپ نے اسے نوش فرمایا، آپ کی دائیں جانب ایک نوعمر بیٹھے تھے اور بائیں جانب عمر رسیدہ شیوخ تشریف فرما تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نوجوان سے فرمایا: مجھے اجازت دو تاکہ میں ان لوگوں کو دے دوں؟ (یہ فرمانا آپ کی طرف سے ملاطفت و نرمی کے اظہار کیساتھ ساتھ ایک قسم کی تعلیم و رہنمائی بھی تھی) ان نوجوان نے کہا: نہیں! بخدا میں آپ کی طرف سے ملنے والے حصے پر کسی اور کو ہرگز ترجیح نہیں دے سکتا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مشروب ان نوجوان کے ہاتھ میں دے دیا، یہ نوعمر نوجوان حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تھے۔

آپ نے دیکھ لیا کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ چاہا کہ ان نوجوان کو بڑوں کا ادب سکھادیں کہ انہیں اپنے پینے کے حق پر ان کو ترجیح دے دینا چاہیے اور یہی افضل و بہتر ہے اس لیے آپ نے ان سے اجازت طلب کی اور ان کی رہنمائی کے لیے نہایت نرمی و ملاطفت سے یہ فرمایا: کیا تم مجھے یہ اجازت دو گے کہ میں ان لوگوں کو پہلے دے دوں؟

۳. غلطی کی جانب اشارۃً متوجہ کرنا:

امام بخاری حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت فضل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سواری پر سوار تھے، قبیلہ خثعم کی ایک عورت آئیں تو حضرت فضل ان کی طرف دیکھنے لگے اور وہ حضرت فضل کی طرف دیکھنے لگیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فضل کے چہرے کو دوسری طرف پھیرنے لگے ان صاحبہ نے یہ عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ نے اپنے بندوں پر جو حج کا فریضہ مقرر کیا ہے وہ میرے والد پر ایسی حالت میں فرض ہوا ہے کہ وہ بہت ضعیف و عمر رسیدہ ہیں، سواری پر ٹِک بھی نہیں سکتے تو کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں، اور یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔

اس واقعہ میں آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے اجنبی عورتوں کی طرف دیکھنے کی غلطی کی اصلاح اس طرح کی کہ دیکھنے والے کا چہرہ دوسری طرف پھیر دیا اور اس کا حضرت فضل پر اثر بھی پڑا۔

۴. ڈانٹ کر غلطی پر متنبہ کرنا:

امام بخاری حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ایک شخص کو میں نے برا بھلا

کہا اور اسے اس کی ماں کا طعنہ دیا، اور کہا: اے کالی عورت کے بیٹے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر کیا تم نے اسے اس کی ماں سے عار دلایا ہے؟ تم تو ایک ایسے آدمی ہو جس میں زمانہ جاہلیت کا اثر پایا جاتا ہے، یہ تمہارے بھائی اور مددگار ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے کنٹرول میں دیا ہے، لہٰذا جس شخص کے زیر اثر اس کا بھائی ہو تو اسے چاہیے کہ جو خود کھاتا ہے وہ اسے کھلائے اور جو خود پہنتا ہے وہ اسے پہنائے، اور ان کو ایسے کام پر مجبور نہ کرو جو ان کی طاقت سے باہر ہوں، اور اگر ایسا کرنا ہی پڑ جائے تو ان کی اعانت و مدد کرو۔

دیکھ لیا آپ نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر کی اس غلطی کا کس طرح علاج فرمایا کہ جب انہوں نے ان صاحب کو کالے پن سے عار دلایا تو آپ نے ان کو ملامت کی اور ڈانٹا جس پر آپ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: اے ابوذر تم ایسے شخص ہو جس میں جاہلیت کا اثر پایا جاتا ہے۔ اور پھر اس موقعہ کی مناسبت سے انہیں سمجھایا اور ان کی صحیح رہنمائی کی۔

۵۔ قطع تعلق کے ذریعہ غلطی پر تنبیہ کرنا:

امام بخاری و مسلم حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکر مارنے سے منع فرمایا اور یہ فرمایا: اس سے نہ تو شکار کو قتل کیا جا سکتا ہے اور نہ دشمن کو تکلیف پہنچائی جا سکتی ہے ہاں اس سے آنکھ پھوٹ سکتی ہے اور دانت ٹوٹ سکتا ہے، ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کے ایک عزیز نے کنکری ماری، انہوں نے ان صاحب کو اس سے منع کیا اور ان سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کنکری پھینک کر مارنے سے منع فرمایا، اور یہ فرمایا ہے کہ اس سے نہ تو شکار کو شکار کیا جا سکتا ہے... ان صاحب نے پھر کنکری پھینک ماری تو حضرت عبداللہ نے ان سے فرمایا: میں تو تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سنا رہا ہوں کہ آپ نے اس سے منع فرمایا ہے لیکن تم نے پھر کنکری پھینکی جاؤ میں تم سے کبھی بھی بات نہیں کروں گا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے تو وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بات کرنے سے منع کر دیا اور پچاس دن تک یہ بائیکاٹ جاری رہا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کی توبہ کے قبول کرنے کو نازل فرمایا

علامہ سیوطی روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے ایک بیٹے سے مرتے دم تک بائیکاٹ و مقاطعہ رکھا اس لیے کہ انہوں نے ایک اس حدیث پر عمل نہیں کیا تھا جو ان کے والد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرمائی تھی، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو اس بات سے منع کیا تھا کہ وہ عورتوں کو مسجد جانے سے نہ روکیں۔

ان واقعات سے آپ کو یہ اندازہ ہو گیا ہو گا کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت غلطی کی اصلاح اور کجی کے دور کرنے کے لیے اس وقت تک مقاطعہ و بائیکاٹ کیا کرتے تھے جب تک وہ شخص

صحیح راستہ پر آجائے۔

۶۔ مار پیٹ کر غلطی پر متنبہ کرنا:

ابوداؤد و حاکم رحمہا اللہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہو جائیں، اور نماز نہ پڑھنے پر ان کی پٹائی کرو جب وہ دس سال کے ہو جائیں اور ان کے بستروں کو الگ الگ کر دو۔

اور سورۂ نساء میں ارشادِ ربانی ہے:

((وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ، فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا))۔ النساء - ۳۴

اور جن کی بدخوئی کا ڈر ہو تم کو تو ان کو سمجھاؤ اور جدا کرو سونے میں اور مارو پھر اگر کہا مانیں تمہارا تو ان پر الزام کی راہ مت تلاش کرو۔

دیکھ لیجیے کہ مار پیٹ کے ذریعہ سزا دینا ایک ایسی چیز ہے جسے اسلام نے برقرار رکھا ہے، لیکن اس کا مرحلہ بالکل اخیر میں ہے اس سے پہلے وعظ و نصیحت اور پھر مقاطعہ و بائیکاٹ سے کام لیا جائے گا۔ اس ترتیب کا فائدہ یہ ہے کہ مربی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ سخت سزا کو وہاں اختیار کرے جہاں معمولی سزا سے کام چل سکتا ہو، تاکہ مار پیٹ سب سے سخت ترین سزا ہے، اور اس کو اسی وقت اختیار کرنا چاہیے جب اصلاح و رہنمائی کے دوسرے تمام طریقے ناکام ہو جائیں، لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بھی اہلیہ کو کبھی بھی نہیں مارا ہے۔

۷۔ مؤثر ترین سزا کے ذریعے غلطی پر متنبہ کرنا:

قرآنِ کریم نے مؤثر ترین سزا کے اصول کو مندرجہ ذیل آیت میں مقرر کیا ہے ارشاد ہے:

((اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ إلی قوله تعالٰی: وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ)) النور - ۲

زناکار عورت اور زناکار مرد سو (دونوں کا حکم یہ ہے کہ) ان میں سے ہر ایک کو سو سو درے مارو ... اور چاہیے کہ دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر رہے۔

اس سزا کی وجہ یہ ہے کہ جب یہ سزا تمام لوگوں کے سامنے ہوگی اور ہر طرح کے لوگ جمع ہوں گے تو اس کا اثر بہت زیادہ ہوگا۔ اور اس سے بہت سخت نصیحت حاصل ہوگی، اس لیے کہ جس جماعت اور گروہ کے سامنے یہ سزا دی جائے گی وہ اپنے خیال میں یہ تصور کرے گا گویا کہ یہ سزا اس کو دی جا رہی ہے، اور اس کو اسی طرح تکلیف و الم کا احساس ہوگا گویا کہ حقیقۃً اس کو سزا دی جا رہی ہو، جس کا اثر یہ ہوگا کہ وہ سزا سے ڈرے گا اور اس خوف سے اس حرکت سے دور رہے گا کہ کہیں اسے بھی یہی عذاب نہ دیا جائے جو ان مجرموں کو دیا جا رہا ہے، چنانچہ قرآنِ کریم کے اس قانون ((وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا...)) کہ ان

کے عذاب کو ایک جماعت دیکھے کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو ان شرعی حدود کو لوگوں کے مجمع اور سب کے سامنے نافذ کرنے کا حکم دیا کرتے تھے۔

اور یہ مثل تو بہت پرانی چلتی آئی ہے کہ : نیک بخت وہ ہے جو دوسرے سے نصیحت حاصل کرے، اور یہی اللہ تبارک وتعالی کے مندرجہ ذیل فرمانِ مبارک کا مقصد ہے کہ:

((وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَّاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ)). البقرہ۔۱۷۹

اور تمہارے واسطے قصاص میں بڑی زندگی ہے اے عقلمندو تاکہ متقی بن جاؤ۔

اس لیے کہ اس قصاص کی وجہ سے امن وسلامتی عام ہوگی اور اطمینان وسکون حاصل ہوگا۔ اور یہ شریر لوگوں، ظالموں اور مجرموں کے لیے رکاوٹ اور روکنے کا ذریعہ ہے۔

اور واقعہ یہ ہے کہ جب مربی خطاکار بچے کو اس کے بھائیوں اور ساتھیوں کے سامنے سزا دے گا تو اس سزا کا تمام بچوں پر بہت گہرا اثر پڑے گا اور وہ اپنی خطاؤں اور غلطیوں پر ہونے والی تنبیہ وسزا سے ڈریں گے اور اس طرح انہیں نصیحت وعبرت حاصل ہوگی۔

لہٰذا ان طریقوں اور اسلوبوں کو سامنے رکھتے ہوئے جنہیں معلمِ اول صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین کیا ہے مربی یہ طاقت رکھتا ہے کہ ان میں سے جو سزا مناسب سمجھے اپنے بچے کی کجی دور کرنے کے لیے اختیار کرے۔ اور بعض اوقات تو علاج کے سلسلہ میں صرف کہنا سننا یہ گھورنا یا ہلکی پھلکی لطیف تنبیہ یا اشارہ یا ایک آدھ بات ہی کافی ہوجاتی ہے۔

پھر اگر مربی یہ سمجھے کہ ان اسالیب وطُرق میں سے کسی سے بھی بچے کی غلطی کی اصلاح نہیں ہورہی اور اس کے حالات ٹھیک نہیں ہورہے ہے تو پھر اسے تدریجاً سختی کی طرف قدم اٹھانا چاہیے لہٰذا اب ڈانٹ ڈپٹ سے کام لے اور اگر اس سے بھی مقصد حاصل نہ ہو تو پھر ہلکی پھلکی سی مار پیٹ کا نمبر آتا ہے، لیکن اگر یہ بھی کارگر نہ ہو تو پھر سخت مار پیٹ سے کام لینا چاہیے، اور اچھا یہ ہے کہ آخری درجہ والی سزا گھر کے لوگوں یا ساتھیوں کے سامنے ہو تاکہ ان کے لیے بھی نصیحت وعبرت بن جائے۔

پھر جب مربی یہ محسوس کرے کہ سزا دینے کے بعد بچے کی حالت سدھر گئی ہے اور اس کی عادت واخلاق درست ہوگئے ہیں تو پھر اسے بچے کے ساتھ خوش طبعی اور نرمی اور بشاشت سے پیش آنا چاہیے، اور اس کو چاہیے کہ بچے کو یہ محسوس کرادے کہ اس نے اسے جو سزا دی ہے اس سے اس کا مقصد اس کی خیر وبھلائی اور دین ودنیا وآخرت میں اس کی کامیابی مقصود تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو جو سزا دی اور سزا کے بعد جو معاملہ ان کے ساتھ اختیار کیا وہ یہی تھا چنانچہ امام بخاری ومسلم رحمہا اللہ روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بلا عذر غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس دن تک ان سے قطع تعلق کا حکم دیا، اور وہ اس پورے عرصے میں مقاطعہ کی حالت میں رہے نہ ان کے ساتھ کوئی اٹھتا بیٹھتا تھا نہ ان کو سلام کرتا تھا حتٰی کہ زمین باوجود وسعت کے ان پر تنگ ہوگئی، اور پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کرلی ہے۔ تو حضرت کعب فرماتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضری کے ارادہ سے نکلا تو لوگ فوج در فوج ملکر میری توبہ کے قبول ہونے پر مجھے مبارک باد دے رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ: اللہ نے تمہاری جو توبہ قبول کی ہے یہ تمہیں مبارک ہو، حتٰی کہ میں مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، لوگ آپ کے ارد گرد بیٹھے ہیں، مجھے دیکھ کر حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ دوڑے اور مجھ سے مصافحہ کیا اور مجھے مبارکباد دی۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو اس وقت آپ کا چہرۂ انور خوشی سے چمک اٹھا، اور آپ نے فرمایا: جب سے تمہاری ماں نے تمہیں جنا ہے اس وقت سے آج تک تم پر ایسا مبارک دن نہ آیا ہوگا، یہ دن تمہیں مبارک ہو، تو میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول یہ توبہ کی قبولیت آپ کی جانب سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے؟! آپ نے ارشاد فرمایا: نہیں بلکہ یہ اللہ عزوجل کی طرف سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ جب آپ کا چہرۂ مبارک روشن ہوتا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا آپ کا چہرۂ انور چاند کا ٹکڑا ہے، یہ چیز ہمیں پہلے سے معلوم تھی۔

اور بچہ جب یہ محسوس کرے گا کہ مربی سزا دینے کے بعد اس کے ساتھ شفقت ومحبت اور نرمی وملاطفت اختیار کر رہا ہے اور اس نے جو سزا دی ہے اس سے اس کا مقصد اس کی اصلاح وتربیت ہی تھی، تو ایسی صورت میں یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ وہ بچہ نفسیاتی طور پر الجھن کا شکار ہو یا اخلاقی طور پر بگڑ جائے، اور اس کے ردِ عمل میں اور زیادہ بگڑ جائے اور برائیوں اور گمراہیوں میں پڑ جائے، بلکہ وہ اس ہمدردی کے برتاؤ کا احساس کرے گا اور اس کا حق ادا کرے گا اور نیک لوگوں کے طریقے کو اختیار کرے گا، اور پھر ہمیشہ اچھے لوگوں کے ساتھ رہے گا۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ اسلام نے مارپیٹ کے ذریعہ جو سزا مقرر کی ہے اسے ایک دائرے میں محدود کردیا ہے اور اس کے لیے کچھ شروط مقرر کردی ہیں تاکہ مارپیٹ اصلاح وتنبیہ کے دائرہ سے نکل کر انتقام اور اپنی تشفی کا ذریعہ نہ بنے۔

مارپیٹ کے لیے جو شروط ہیں انہیں ہم ذیل میں ترتیب وار بیان کرتے ہیں:

۱۔ مربی کو مارپیٹ کی طرف اس وقت تک متوجہ نہیں ہونا چاہیئے جب تک وہ تنبیہ اور ڈانٹ ڈپٹ کے سابقہ

بیان کردہ تمام وسائل بروئے کار نہ لے آئے۔

۲۔ مربی کو چاہیے کہ ایسی حالت میں ہرگز نہ مارے جب وہ سخت غصے میں ہو تاکہ بچے کو ضرر و نقصان نہ پہنچے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وصیت پر بھی عمل ہو جائے کہ غصہ نہ کرو (جیساکہ بخاری روایت کرتے ہیں)۔

۳۔ مارنے میں ایسی جگہ پر مارنے سے بچے جہاں مارنے سے ایذاء و نقصان کا خوف ہو جیسے سر، چہرہ، سینہ اور پیٹ اس لیے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں جیساکہ ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ: چہرے پر مت مارو۔ اس کی مزید تاکید اس بات سے ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غامدی عورت کو جب سنگسار کرنیکا حکم دیا تو چنے کے برابر کنکریاں لیں اور اس کو ماردیں، پھر لوگوں سے فرمایا اس کو سنگسار کردو لیکن چہرے پر مارنے سے بچو، ملاحظہ فرمایئے کہ سنگسار جیسی سزا جس کا مقصد ہی ختم و ہلاک کرنا ہے اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چہرے پر مارنے سے منع فرمارہے ہیں تو پھر جب تنبیہ و سزا ہی مقصود ہو تو ایسی حالت میں تو چہرے اور سر پر مارنا بدرجہ اولیٰ منع ہوگا۔ اور ویسے بھی چہرہ و سر حساس جگہ ہے۔ یہاں مارنے سے قوتِ سامعہ یا باصرہ یا شامہ کے فوت ہونے کا خدشہ ہوتا ہے جو موجبِ ایذاء و ہلاکت ہے۔

سینے اور پیٹ پر مارنا اس لیے منع ہے کہ اس سے ایسے نقصان کا اندیشہ ہے جو ہلاکت تک پہنچا سکتا ہے، اور یہ ممانعت نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے اس قول سے ثابت ہوتی ہے کہ: نہ نقصان اٹھاؤ نہ نقصان پہنچاؤ۔

۴۔ سزا کے ابتدائی مراحل میں مارنا زیادہ سخت اور تکلیف دہ نہیں ہونا چاہیے، اور ہلکی پھلکی معمولی چھڑی سے ہاتھوں پاؤں وغیرہ پر مارنا چاہیے، اور اگر بچہ چھوٹا ہو تو دو تین سے زیادہ نہیں مارنا چاہیے، ہاں جب بچہ بڑا ہوگیا ہو اور مربی یہ سمجھے کہ دو تین ڈنڈیوں کے مارنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا تو دس تک مار سکتا ہے، اس لیے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام فرماتے ہیں: کوئی شخص دس کوڑوں سے زیادہ نہ مارے مگر اللہ کی حدود میں سے کسی حد میں[1]۔

۵۔ بچہ جب تک دس سال کی عمر کو نہ پہنچ جائے اسے مارنا نہیں چاہیئے۔ اس حدیث کی بنا پر جو پہلے ذکر ہو چکی ہے کہ: اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہو جائیں، اور نماز پر ان کو مارو جب وہ دس سال کے ہو جائیں۔

۶۔ اگر غلطی کا صدور بچے سے پہلی مرتبہ ہوا ہو تو اسے اس جرم سے توبہ کا موقعہ دینا چاہیے اور اس حرکت پر اس کا عذر قبول کرنا چاہیے، اور اس کو اس بات کا موقعہ دینا چاہیے کہ وہ ظاہری طور پر کسی کو اپنا سفارشی بنالائے اور سزا سے بچ جائے اور اس سے عہد لے لینا چاہیے، تاکہ دوبارہ وہ غلطی نہ کرے یہ اس سے بہتر ہے کہ اسے فوری مارا پیٹا جائے یا اس کے جرم کی لوگوں کے سامنے تشہیر کی جائے۔

---

[1] اس کو علامہ ابن تیمیہ نے روایت کیا ہے اور الاقناع اور المغنی والوں نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

۷۔ مربی بچے کو خود مارے، یہ ذمہ داری اس کے کسی بھائی یا ساتھی کے سپرد نہ کرے تاکہ ان بھائیوں وغیرہ میں لڑائی جھگڑا نہ ہو اور حقد و حسد کی آگ نہ بھڑکے۔

۸۔ بچہ جب بلوغ کی عمر کو پہنچ جائے اور مربی یہ محسوس کرے کہ تنبیہ و زجر کے لیے دس چھڑیاں مارنا کافی نہیں تو وہ اس پر اضافہ بھی کر سکتا ہے اور تکلیف دہ مار بھی لگا سکتا ہے اور بار بار بھی مار سکتا ہے یہاں تک کہ وہ یہ محسوس کرلے کہ بچہ صحیح راستہ پر آگیا ہے اور اب بالکل سیدھے راستے پر ٹھیک ٹھاک چل رہا ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی تربیت نے سزا دینے کے موضوع کا بہت اہتمام کیا ہے سزا خواہ مادی ہو یا معنوی، لیکن اس نے اس سزا کو حد اور قیود و شروط کے دائرے میں محدود کر دیا ہے، اس لیے مربیوں کو چاہیے کہ اگر وہ اپنے بچوں کیلئے مثالی تربیت اور اپنے معاشرے کی شاندار اصلاح کرنا چاہتے ہیں تو ان قیود سے باہر نہ نکلیں اور ان سے تغافل نہ برتیں۔

مربی جب مناسب موقع پر مناسب سزا دیتا ہے تو اس وقت وہ کس قدر حکیم و موفق ہوتا ہے جیسا کہ نرمی کے موقعہ پر نرمی و شفقت بہت اچھی چیز ہے۔

اور اس وقت مربی کس قدر احمق و جاہل شمار ہوگا جب وہ سختی کی جگہ پر نرمی برتے۔ اور نرمی و پیار کی جگہ پر سختی کرے۔

اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اس شاعر پر جس نے مندرجہ ذیل اشعار کہے ہیں:

إذا أنت أكرمت الكريم ملكته	وإن أنت أكرمت اللئيم تمردا
جب تم شریف آدمی کا اکرام کروگے تو تم (اپنے اس حسن اخلاق سے) اسکے مالک بن جاؤگے	اور اگر تم خسیس و کمینے آدمی کا اکرام کروگے تو وہ سرکش بن جائیگا
فوضع الندى في موضع السيف بالعلا	مضر كوضع السيف في موضع الندى
تلوار کی جگہ سخاوت کرنا ایسا ہی نقصان دہ ہے	جیسا کہ سخاوت کی جگہ پر تلوار اٹھانا
وما قتل الأحرار كالعفو عنهم	ومن لك بالحر الذي يحفظ اليدا
اور درگزر سے زیادہ مؤثر ہتھیار کے ذریعے شرفاء کو قتل نہیں کیاگیا	اور تم کو ایسا شریف آدمی کہاں ملے گا جو احسان کو ضائع نہ کرے

اور اللہ تعالیٰ استاذ و عالم شیخ کامل بدر کو جزاء خیر دے کہ انہوں نے بچے کے ساتھ ملاطفت و نرمی اختیار کرنے کی وصیت کی، چنانچہ وہ کہتے ہیں:

إن المربي في شرع الهدى رحم	بر بمر عيه لا عاتي الخلق
مربی دین اسلام کے مطابق اپنی رعایا کے ساتھ رحمدل	و شریف ہوتا ہے نہ کہ ایسا سخت مزاج
يدمي بسوط الأذى الفلمان وهويرى	في نفسه ضيغماً قد صال في غسق
جو بچوں کو تکلیف دہ کوڑے سے زخمی کر دے اور وہ خود	اپنے آپکو ایسا شیر سمجھے جس نے تاریکی میں حملہ کر دیا ہو

أطفالنا يا رعاة الجيل عندكم	وديعة لا دمى حطم لدى النزق
اے قوم کے رکھوالو ہمارے بچے تمہارے پاس	ایک امانت ہیں نہ کہ ناسمجھ بچوں کے پاس ٹوٹنے پھوٹنے والے کھلونے

اور بچہ جب بچپن ہی سے محاسبہ و مراقبہ کے ربانی عقیدے پر بڑھے پلے گا، اور ایمان باللہ اور زندگی کے تمام مراحل اور مختلف حالات میں اللہ سے مدد حاصل کرنے، اور اس کی طرف رجوع کرنے، اس سے ڈرنے، اور اس پر بھروسہ کرنے کے وصف کا حامل ہوگا، اور جب وہ دل کی گہرائیوں سے یہ جان لے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہے، اس کو دیکھ رہا ہے، سب اس کے سامنے ہے، وہ اللہ اس کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے، اور آنکھوں کی خیانت اور دلوں کے مخفی بھیدوں کو بھی جانتا ہے۔ لہٰذا بچے میں جب یہ اوصاف موجود ہوں گے تو پھر آخرت کے عذاب سے ڈرانا اور دنیوی ڈانٹ ڈپٹ اس پر پورا اثر کرے گی، اور ڈرانا دھمکانا اس کے نفس اس کے کردار اور چال چلن و معاملات پر بہت اثر ڈالے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کے حالات سدھر جائیں گے اور اخلاق درست ہو جائیں گے۔

قرآن کریم نے بھی ان ڈرانے دھمکانے والی سزاؤں کو مختلف آیات میں ذکر کیا ہے اور مؤمن نفوس کی اصلاح میں اس سے کام لیا ہے۔ اور اس کے ذریعے ان کی اخلاقی و نفسیاتی تیاری کی ہے، اور ان کا نفوس پر بہت عظیم اثر ہوتا ہے اور کردار پر اس کے اچھے نتائج اور تربیت و اخلاق پر اس کے بہترین ثمرات ظاہر ہوتے ہیں۔

- چنانچہ قرآن کریم جب یہ دیکھتا ہے کہ لوگ گمراہی میں مگن ہیں تو ایک مرتبہ تو نہایت سختی سے قساوتِ قلب سے ڈراتا دھمکاتا ہے چنانچہ ارشادِ باری ہے:

((أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿١٦﴾)). الحدید - ۱۶	کیا ایمان والوں کے لیے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی نصیحت اور جو دینِ حق نازل ہوا ہے اس کے آگے جھک جائیں، اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں ان کے قبل کتاب ملی تھی پھر ان پر ایک لمبا زمانہ گزر گیا تو ان کے دل خوب سخت ہو گئے۔ اور ان میں کے بہت سے کافر ہیں۔

- اور کبھی صراحۃً اللہ کے غضب و عذاب سے ڈراتا ہے جیسا کہ واقعۂ افک میں ہوا۔ اور یہ درجہ سخت ترین درجہ ہے:

((وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٤﴾ إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ	اور اگر تم پر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا دنیا میں (بھی) اور آخرت میں (بھی) تو جس شغل میں تم پڑے تھے اس میں تم پر سخت عذاب واقع ہوتا (عذابِ عظیم کے مستحق تو

بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّ تَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ۝ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۝ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ))۔

النور۔ ۱۴ تا ۱۷

اس وقت ہوتے) جب تم اپنی زبانوں سے اسے نقل درنقل کر رہے تھے اور اپنے منہ سے وہ کچھ کہہ رہے تھے جس کی تمہیں کوئی تحقیق نہ تھی اور تم اسے ہلکا سمجھ رہے تھے حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی بات تھی اور تم نے جب اسے سنا تھا تو کیوں نہ کہہ دیا تھا کہ ہم کیسے ایسی بات منہ سے نکالیں توبہ یہ تو سخت بہتان ہے اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ پھر اس قسم کی حرکت کبھی نہ کرنا اگر تم ایمان والے ہو۔

❖ اور کبھی اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ کے ذریعے تنبیہ کرتا ہے :

((يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ))۔

البقرہ۔ ۲۷۸و۲۷۹

اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو کچھ سود باقی رہ گیا ہے اگر تم کو اللہ کے فرمانے کا یقین ہے، پھر اگر نہیں چھوڑتے تو تیار ہو جاؤ لڑنے کو اللہ سے اور اس کے رسول سے۔

❖ اور کبھی آخرت کے عذاب سے ڈراتا ہے :

((وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا))۔

الفرقان۔ ۶۸و۶۹

اور جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس (انسان کی) جان کو اللہ نے محفوظ قرار دے دیا ہے اسے قتل نہیں کرتے مگر ہاں حق پر اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو کوئی ایسا کرے گا اس کو سزا سے سابقہ پڑے گا قیامت کے دن اس کا عذاب بڑھتا جائے گا وہ اس میں (ہمیشہ) ذلیل ہو کر پڑا رہے گا۔

❖ اور کبھی دنیا کے عذاب سے ڈراتا ہے :

((اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ))۔ التوبہ۔ ۳۹

اگر تم نہ نکلو گے تو دے گا تم کو دردناک عذاب اور بدلے میں لائے گا اور لوگ تمہارے سوا۔

اور فرمایا :

((وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ

اور اگر روگردانی کرو گے جیسا کہ اس سے قبل روگردانی

يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ ﴾ الفتح - ١٦

کر چکے ہو تو وہ تمہیں عذاب دردناک کی سزا دے گا۔

نیز فرمایا :

﴿ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ﴾ التوبہ - ٧٤

اور اگر نہ مانیں گے تو عذاب دے گا ان کو اللہ دردناک عذاب دنیا و آخرت میں۔

اور فرمایا :

﴿ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ ۔ التوبہ - ۵۵

یہی چاہتا ہے اللہ کہ ان کو عذاب میں رکھے ان چیزوں کی وجہ سے دنیا کی زندگی میں۔

اور میرا خیال یہ ہے کہ اگر مربی بچے کی ایمانی تربیت کا اہتمام کرے، اور اس کی شخصیت سازی اللہ کے مراقبہ اور اللہ سے خشیت و خوف پر کرے تو قرآنِ کریم کی یہ تنبیہات اور احادیثِ مبارکہ کی وعیدیں بچے کی اصلاح اور اس کو بہت سے محرمات سے روکنے میں بڑا عامل بنیں گی اور اس پر ان کا بہت اثر ہوگا، اور ہم "ایمانی تربیت کی ذمہ داری" کے عنوان کے تحت یہ بتلا چکے ہیں کہ عقیدے کے اعتبار سے بچے کی تربیت اور ایمانی اعتبار سے تیاری میں مربی کو کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے تاکہ بچہ ٹھیک رہے اور اس کے اخلاق درست ہوں یہی ڈرانے دھمکانے والی وہ تربیت ہے جس کے بارے میں ابھی ابھی ہم نے مفصل کلام کیا ہے۔

اور اخیر میں میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ :

مربی ایسے وسائل کو کبھی بھی معدوم نہیں پائے گا جو بچے کے لیے زجر و تنبیہ اور روکنے کا ذریعہ بنیں، اور جو وسائل ہم نے ابھی ذکر کیے ہیں یہ بچے کی اصلاح و تربیت کے سلسلہ کے اہم ترین وسائل و اسباب ہیں، اور ان کے استعمال کرنے اور ان میں سے مناسب ترین کے اختیار کرنے سے ہی مربی کی حکمت و دانائی کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بچوں کی ذکاوت، ثقافت و مزاج اور احساس کے اعتبار سے یہ وسائل متفاوت و مختلف ہیں، چنانچہ بعض بچے ایسے ہوتے ہیں کہ جنہیں ہلکا سا اشارہ بھی کافی ہوتا ہے اور اسی سے ان کا دل لرز اٹھتا ہے اور اس کی طرف ہلکا سا اشارہ کرنے سے ہی ان کے ضمیر میں ہلچل مچ جاتی ہے، اور بعض بچے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اس وقت تک ٹھیک نہیں ہوتے جب تک ان کو تیز نگاہوں اور سخت غصے سے تنبیہ نہ کی جائے، اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ جنہیں سزا دینے کے نام سے ہی ڈرانا کافی ہو جاتا ہے، اور بعض بچوں کی اصلاح ترکِ تعلق و مقاطعہ و بائیکاٹ سے ہوتی ہے، اور بعض بچوں پر ڈانٹ ڈپٹ کا ہی اثر ہوتا ہے، اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے قریب ڈنڈا لیجانا پڑتا ہے تاکہ وہ اسے قریب دیکھ کر باز آجائیں، لیکن ان میں سے بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جب تک انہیں سزا کی اذیت نہ پہنچے اور ان کے جسم پر پٹائی کا اثر نہ ہو اس وقت ان کی اصلاح ہی نہیں ہوتی۔

جیساکہ ہم نے بیان کیا اسلام نے ان تمام قسم کی سزاؤں کو مشروع قرار دیا ہے اور ان کی جانب مربیوں کی رہنمائی کی ہے، اور ان سزاؤں کے اختیار کرنے سے ہی سمجھداری ظاہر ہوتی ہے۔ لہٰذا جو سزا بچے کے لیے مناسب ہو اور جس سے اس کی اصلاح ہو سکے اسے اختیار کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہی سیدھی راہ دکھانے والا ہے۔

مربی صاحبان:

بچے پر اثر انداز ہونے والے وسائلِ تربیت یہی ہیں، اور جیساکہ آپ نے مشاہدہ کر لیا یہ نہایت اہم اور مفید عملی وسائل ہیں۔ اگر آپ ان کو نافذ کر سکیں اور ان سے فائدہ اٹھا سکیں اور ان کے تطبیق دینے کے وسائل پر عمل کر سکیں تو بلا شک و شبہ بچہ بہت ہی عظیم اور عالی مرتبہ و شان والا بنے گا بلکہ ایسا مثالی بچہ ہو گا جس کی طرف لوگوں کی انگلیاں اٹھیں گی اور جو اپنی قوم و قبیلہ میں تقویٰ، ورع اور اچھائیوں میں معروف و مشہور ہو گا۔

جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ اسلام میں تربیت کی بنیادیں اور اساس یہ نہیں ہیں جو ہم نے بیان کیں، اور ان وسائل کے علاوہ دوسرے وسائل سے تربیت ہوتی ہے تو وہ غلطی پر ہے، الا یہ کہ کسی کی تربیت ربانی طور پر ہو، براہِ راست اللہ کی جانب سے ہو جیسے کہ انبیاء علیہم السلام کی تربیت تو واقعی ان کی تربیت اللہ کی نگرانی و دیکھ بھال میں ہوگی، اللہ کی عنایت و رعایت ان کے شاملِ حال ہوگی بلکہ کسی طرح سے بھی انہیں کسی نقص یا انحراف کے طاری ہونے کا قطعاً کوئی امکان ہی نہیں ہوتا۔

رہا اربابِ حکومت کا امت کی تربیت کرنا اور ماہرین کا معاشرہ کی تربیت کرنا اور والدین کا خاندانوں کی تربیت کرنا تو اس کا تعلق تربیتی اسباب کے ساتھ مرتبط ہے اور توجیہی اور رہنمائی کے وسائل کے ساتھ مربوط ہے، اگر مسئول و ذمہ دار حضرات ان کو اختیار کر لیں گے اور مربی ان طریقوں کو اپنا لیں گے تو امت کی اصلاح ہو جائے گی خاندان درست اور افراد ہدایت یافتہ ہو جائیں گے، اور انسانی معاشرہ کامیابی کی چوٹی اور خوش بختی واستقرار و سکون کی بلندی پر پہنچ جائے گا، اور اے محترم مربی صاحبان! آپ نے ان وسائل کا مشاہدہ کر لیا ہو گا جن کو اسلام نے بچے کی ایمانی واخلاقی تربیت اور نفسیاتی و معاشرتی شخصیت سازی کے لیے مقرر کیا ہے۔

لہٰذا مقتدیٰ و نمونہ کے ذریعہ تربیت سے بچہ بہترین صفات اور کامل ترین اخلاق حاصل کرے گا، اور فضائل و اچھائیوں کی طرف ترقی کریگا، اور اس تربیت کے بغیر نہ تو بچے کو سزا دینا سودمند ہو گا اور نہ اس پر کسی وعظ و نصیحت کا اثر ہو گا۔

اور عادت کے ذریعہ تربیت کی وجہ سے بچہ حسنِ تربیت کے بہترین نتائج اور شاندار اثرات حاصل کرے گا، اس لیے کہ اس کا مدار دیکھنے اور نظر رکھنے پر ہوتا ہے اور اس کی بنیاد ترغیب و ترہیب پر قائم ہوتی ہے، اور ارشاد و توجیہ و رہنمائی کے واسطہ سے یہ تربیت حاصل ہوتی ہے اور اس کے بغیر مربی کی مثال اس شخص کی سی ہوگی جو پانی پر لکھ رہا ہو۔

اور چٹیل بیابان میں چیخ رہا ہو، اور بلا فائدہ ومقصد راکھ میں پھونک رہا ہو۔

اور وعظ ونصیحت کے ذریعہ تربیت سے بچہ اچھے کلمات، اور بہترین نصیحت، اور بامعنی قصے، اور شوق دلانے والے سوال جواب، اور حکیمانہ اسلوب وانداز، اور مؤثر رہنمائی سے متأثر ہوگا اور اس کے بغیر نہ تو اس کے وجدان میں حرکت ہوگی، اور نہ دل میں رقت پیدا ہوگی، اور نہ اس کی طبیعت میں حرکت پیدا ہوگی، اور محض ایک خشک تربیت ہوگی اور اس کی اصلاح کی امید موہوم وکم ہو جائے گی۔

اور دیکھ بھال کی تربیت کے ذریعہ بچے کی اصلاح ہوگی اس کا نفس بلند اور اس کے آداب واخلاق کامل ہوں گے، اور وہ معاشرہ کی تعمیر میں کارآمد اینٹ اور امتِ مسلمہ کے جسم میں اہم ترین مفید عضو بنے گا۔ اور اس کے بغیر بچہ گندی عادتوں اور خراب اخلاق میں پھنس جائے گا اور معاشرے میں مجرم وبدبخت شمار ہوگا۔

اور عقوبت وسزا سے تربیت کے ذریعے بچہ بری باتوں سے رکے گا اور برے اخلاق اور گندی صفات سے دور رہے گا، اور اس میں ایسا احساس وشعور ہوگا جو اسے شہوات میں بہنے اور گناہوں اور نقصان دہ چیزوں کے ارتکاب سے روک دے گا۔ اور اس کے بغیر بچہ گناہوں میں مبتلا ہوگا، اور جرم ومنکرات کی دلدل میں پھنس جائے گا اور برائیوں اور خرابیوں میں پڑا رہے گا۔

اس لیے اے مربی صاحبان! اگر آپ یہ چاہتے ہوں کہ آپ کے بچے کی اصلاح ہو اور وہ آپ کے معاشرہ کے لیے خیر وبھلائی اور سعادت اور آپ کی مسلمان حکومت کیلیے نصرت وسیادت کا ذریعہ بنے تو آپ یہ کوشش کیجیے کہ آپ ان وسائل کو اختیار کریں، اور ان بنیادی باتوں پر عمل پیرا ہوں، اور ان کو عملی تطبیق دیں، اللہ کے لیے یہ کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔

((وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ))۔ التوبہ۔ ۱۰۵

اور کہہ دیجیے کہ عمل کیے جاؤ پھر آگے دیکھ لے گا اللہ تمہارے کام کو اور اس کا رسول اور مسلمان۔

فصلِ ثانی

تربیت کے بنیادی اُصول وقواعد

اسلام نے اپنے محیط تشریعی قواعد اور تربیت کے ابدی بنیادی اصولوں کے ذریعہ سے بچے کی شخصیت کے نمو اور اس کی سربلندی کے لیے کچھ اصول اور مناہج مقرر کیے ہیں، یہ نمو خواہ عقیدہ واخلاق کے لحاظ سے ہو، یا جسم وعقل کے لحاظ سے، یا نفسیات ومعاشرت کے لحاظ سے۔

یہ اصول ومناہج جیسا کہ آپ دیکھ لیں گے، یہ نہایت واضح وروشن ایسے بنیادی اصول ہیں جن کا نافذ کرنا آسان ہے۔ اور جو بہت عالی مقصد پر مشتمل ہیں، اگر معاشرے کی تعمیر اور قوموں اور امتوں کی تربیت کے لیے مربی ان کو اختیار کرلیں تو امتوں کی امتیں اور قوموں کی قومیں بدل جائیں گی اور عقیدہ کی پختگی اور اخلاق کی بلندی اور جسم کی قوت اور عقل کی پختگی اور ادب کے جمال میں کمال ومنتہی کو پہنچ جائیں گے اور عظمت وبڑائی میں اپنے آباء اولین کی سیرت کو دوام بخشیں گے اور مشہور ومعروف لوگوں کی تاریخ کو دہرادیں گے اور صحابہ وتابعین کے پہلے دستے کی عزت کو واپس لوٹادیں گے۔

بچے کی شخصیت سازی اور دنیاوی زندگی میں اسے ایک باوقار وصحیح انسان بنانے کے سلسلہ میں جن قواعد کو مربیوں کو کام میں لینا چاہیے ان کو بیان کرنے سے پہلے بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان بنیادی صفات کو مختصراً ذکر کردیں جن کا مربی میں پایا جانا ضروری ہے تاکہ مربی کا بچوں پر پورا اثر پڑے، اور بچے اس کی نصیحتوں پر خوب لبیک کہیں:

مربی کی بنیادی صفات و اوصاف

۱۔ اخلاص

مربی کو چاہیے کہ اپنی نیت درست رکھے اور تربیت کے جو کام بھی وہ انجام دیتا ہے وہ صرف اللہ کے لیے کرے چاہے وہ امورِ تربیت حکم دینے یا روکنے سے متعلق ہوں، یا نصیحت و خیر خواہی سے، یا دیکھ بھال و سزا دینے سے۔ تربیت کے نظام کو ہمیشہ نافذ کرنے اور بچے کی تربیت و ہمیشہ دیکھ بھال سے جو ثمرہ و فائدہ حاصل ہوگا وہ اس کے علاوہ ہے جو اسے اللہ کی رضا اور اجر و ثواب کی صورت میں جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اللہ جل جلالہ کے یہاں قرب کی شکل میں حاصل ہوگا۔

قول و عمل میں اخلاص کو ملحوظ رکھنا ہی ایمان کی بنیاد اور اسلام کا تقاضہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی بھی عمل کو بغیر اخلاص کے قبول نہیں فرماتے۔ اللہ کی کتاب اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اس کا حکم نہایت تاکید کے ساتھ وارد ہوا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((وَمَآ أُمِرُوٓا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَآءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَوٰةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَوٰةَ وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ ۝)).

البینۃ۔ ۵

حالانکہ انہیں یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی عبادت اس طرح کریں کہ دین کو اسی کے لیے خالص رکھیں یکسو ہو کر، اور نماز کی پابندی رکھیں، اور زکاۃ دیا کریں یہی طریقہ ہے (ان) درست مضامین کا۔

نیز ارشاد فرمایا:

((فَمَن كَانَ يَرْجُوا لِقَآءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ۝)).

الکہف۔ ۱۱۰

سو پھر جس کو امید ہو اپنے رب سے ملنے کی سو وہ کرے کچھ نیک کام اور شریک نہ کرے اپنے رب کی بندگی میں کسی کو۔

اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا (جسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے):

((إنما الأعمال بالنيات وإنما لامرئ ما نوى)).

تمام اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملے گا جو وہ نیت کرے گا۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے (جسے ابو داؤد و نسائی روایت کرتے ہیں):

((إن الله عز وجل لا يقبل من العمل

اللہ تعالیٰ اسی عمل کو قبول کرتے ہیں جو صرف اسی کے

إلا ما كان له خالصاً وابتغي به وجهه)). | لیے کیا جائے اور جس سے صرف اس کی رضا مقصود ہو۔

لہذا یہ جان لینے کے بعد مربی کو چاہیے کہ نیت خالص رکھے، اور جو کام بھی کرے اس سے صرف اللہ کی رضا مقصود ہو تاکہ وہ اللہ کے یہاں مقبول ہو اور اپنے بچوں وشاگردوں میں محبوب واثر انگیز بھی۔

۲۔ تقویٰ

مربی میں سب سے ممتاز وصف تقویٰ کا ہونا چاہیے، تقویٰ کی تعریف علماءِ ربانیین نے یہ کی ہے کہ: اللہ تعالیٰ تمہیں اس جگہ ہرگز نہ دیکھے جہاں سے اس نے تمہیں روکا ہے، اور وہاں تمہیں غیر موجود نہ پائے جہاں موجود ہونے کا اس نے تمہیں حکم دیا ہے، یا بعض حضرات نے اس کی تعریف اس طرح کی ہے کہ: اچھے اعمال کے ذریعے اللہ کے عذاب سے بچنا، اور ظاہری و باطنی طور سے اس سے ڈرتے رہنا۔

دونوں تعریفوں کا مفہوم ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ دائمی مراقبہ کے ذریعہ اللہ کے عذاب سے بچنا و ڈرنا، اور ظاہرہ وپوشیدہ دونوں طور پر ربانی طریقہ پر عمل کرنا، اور حلال کی تلاش اور حرام سے بچنے کی مسلسل جدوجہد میں لگے رہنا۔

اس کی تائید اس سوال جواب سے ہوتی ہے جو حضرت عمر بن الخطاب وحضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کے درمیان ہوا تھا، اور وہ اس طرح کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے تقویٰ کے بارے میں دریافت کیا، تو انہوں نے حضرت عمر سے فرمایا: کیا آپ کبھی کانٹوں والے راستے پر چلے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: کیوں نہیں! تو انہوں نے پوچھا: ایسی صورت میں آپ نے کیا طریقہ اختیار کیا؟ انہوں نے فرمایا: خوب کوشش ومحنت کی، انہوں نے فرمایا: یہی تقویٰ ہے۔

اسی لیے تقویٰ کے اختیار کرنے پر قرآن کریم کی بہت سی آیات میں ابھارا گیا اور اس کا حکم دیا گیا ہے:

((يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ حَقَّ تُقَاتِهِ)). آل عمران۔۱۰۲ | اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے جیسا اس سے ڈرنا چاہیے

اور ارشاد فرمایا:

((يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا)). الاحزاب۔۷۰ | اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور راستی کی بات کہو۔

نیز فرمایا:

((يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ)). الحشر۔۱۸ | اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھ لے کہ اس نے کل کے واسطے کیا بھیجا ہے۔

اور فرمایا:

((یَآاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ اِنَّ زَلْزَلَۃَ السَّاعَۃِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ))۔ الحج-۱

اے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو (کیونکہ) قیامت (کے دن) کا زلزلہ بڑی بھاری چیز ہے۔

نیز فرمایا:

((وَمَنْ یَّتَّقِ اللہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا وَّ یَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ))۔ الطلاق-۲و۳

اور جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے کشائش پیدا کر دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے شمار احادیث میں بھی تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے مثلاً:

امام مسلم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: دنیا شیریں و سرسبز و شاداب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں خلیفہ و جانشین بنائے گا پھر دیکھے گا کہ تم کیا کرتے ہو، اس لیے دنیا سے بچو، اور عورتوں سے بچو، اس لیے کہ بنی اسرائیل کا پہلا فتنہ عورتوں کے سبب سے ہی ہوا تھا۔

اور امام ترمذی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اکثر لوگ جنت میں کس چیز کے سبب داخل ہوں گے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ کے تقویٰ (خوف و ڈر) اور حسنِ اخلاق کی وجہ سے۔

اور امام احمد و حاکم و ترمذی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم جس جگہ بھی ہو اللہ سے ڈرتے رہنا اور برائی کے بعد نیکی کر لینا اس سے برائی مٹ جائے گی، اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنا۔

اور طبرانی حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ سے ڈرو اور جیسا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمہاری اولاد تمہارے ساتھ نیکی کرے اسی طرح تم بھی ان کے درمیان عدل و انصاف کرنا۔

ان اوامر و توجیہات کے ماتحت مربی سب سے پہلے داخل ہوتا ہے، اس لیے کہ وہ ایسا مقتدیٰ و نمونہ ہوتا ہے جسے لوگ دیکھتے ہیں اور اس سے اخذ کرتے ہیں، اور اس لیے بھی کہ مربی ہی بچے کی ایمانی اساس و بنیاد اور اسلام کے بتلائے ہوئے طریقوں پر تربیت دینے کا مسئول اول ہوتا ہے۔

اور واقعی یہ صحیح بات ہے کہ اگر مربی واقعۃً متقی نہ ہو اور معاملات و کردار میں اسلام کے منہج و طور طریقوں کا پابند نہ ہو تو لازمی طور سے بچہ منحرف اور آزادی و بے راہ روی و فساد کی دلدل میں پھنس جائے گا، اور گمراہی و جہالت کی وادی

میں بھٹکے گا، کیوں؟ اس لیے کہ اس نے اس شخص کو منکرات وبرائیوں کی گندگی میں ملوث اور شہوات کے دریا میں غرق اور آزادی کے ماحول میں رچا بسا دیکھا ہے جو اس کی تربیت ورہنمائی کا ذمہ دار تھا، اس لیے ایسی صورت میں بچے کی نشوونما ایسے حال میں ہوگی کہ اسے نہ تو اللہ کی طرف سے کوئی روکنے والا ہوگا نہ اس کو خدا کے دیکھنے کا خیال ہوگا، اور نہ ضمیر کی طرف سے اس کی کوئی مدد ہوگی، تو ایسی صورت حال میں بچے کا آلودہ وگندہ ہونا اور جاہلی ماحول اور گمراہی وبے راہ روی کے زمانہ میں رہ کر شذوذ وانحراف کا اختیار کرنا طبیعی وفطری بات ہے۔

اس لیے تربیت کرنے والوں کو چاہیے کہ اگر وہ اپنے بچوں یا شاگردوں کے لیے پاکیزگی کے عالم اور خلوص وصفا کی دنیا میں خیر وبھلائی اور ہدایت واصلاح چاہتے ہوں تو اس حقیقت کو خوب اچھی طرح سے سمجھ لیں۔

ہم "مقتدای ونمونہ کے ذریعہ تربیت" کی بحث میں مقتدای ونمونہ کا بچے کی تربیت کے سلسلہ میں جو اثر ہوتا ہے اسے خوب تفصیل سے بیان کر چکے ہیں، اس لیے اسے قارئین کرام وہ ملاحظہ فرما لیجیے وہاں آپ کو کافی شافی بحث مل جائیگی۔

۳۔ علم

کوئی دو آدمی بھی اس سے اختلاف نہیں کریں گے کہ مربی کو ان اصولِ تربیت کا عالم ہونا چاہیے جو شریعتِ اسلام نے پیش کیے ہیں، اور اسے حلال وحرام کے احکام سے واقف، اور اخلاق کے بنیادی اصولوں کا جاننے والا، اور اسلام کے نظام اور شریعت کے قواعد کو عمومی طور سے سمجھنے والا ہونا چاہیئے۔ کیوں؟ اس لیے کہ ان سب کا جاننا مربی کو ایسا حکیم و عالم بنا دے گا جو ہر چیز کو اس کی جگہ دے گا، اور ان کے تقاضوں اور اصول کے مطابق بچے کی تربیت کرے گا اور قرآنِ کریم کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک طریقوں اور سیرتِ طیبہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین وتابعین رحمہم اللہ وغیرہ کے شاندار طریقوں کی مضبوط بنیادوں پر اصلاح وتربیت کا فریضہ انجام دے گا۔

لیکن اگر مربی خود ہی جاہل ہو۔ اور خصوصاً اگر وہ بچے کی تربیت کے بنیادی قواعد سے ناآشنا ہو تو ایسی صورت میں بچہ نفسیاتی طور سے الجھ کر رہ جائے گا اور اخلاقی طور پر منحرف اور معاشرتی طور پر بے ہمت ہو جائے گا، اور وہ ایسا گرا پڑا انسان بن جائے گا جس کا نہ کوئی وزن ہوگا نہ زندگی کے کسی شعبہ میں کوئی قدر وقیمت، اس لیے کہ جس شخص کے پاس خود ہی کچھ نہ ہو وہ دوسرے کو کیا دے گا، اور جس حوض میں خود پانی نہ ہو وہ دوسرے کو کیا سیراب کرے گی، اور جس چراغ میں تیل نہ ہو وہ دوسروں کو کس طرح منور وروشن کرے گا، اور اگر باپ جاہل ہو تو وہ اپنے بچوں پر کس قدر زیادتیاں کرتا ہے؟ اور بچہ اس وقت کس قدر بدنصیب وبدبخت ہوتا ہے جب مربی شریعت کے علم سے روگردانی کرنے والا ہو؟ بلاشبہ اللہ کے یہاں کی مسئولیت بہت سخت اور خطرناک اور قیامت کے روز میدانِ حشر میں کھڑا کرنا بڑا شدید ہے ﴿وَقِفُوهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ﴾ اور ان کو (ذرا) ٹھہراؤ ان سے پوچھ گچھ ہوگی، اور یہ ایک ایسے روز ہوگا جس دن نہ مال فائدہ دے گا نہ اولاد۔

اور اللہ رحم فرمائے اس شاعر پر جس نے کہا ہے:

لا تأخذ العلم إلا عن جهابذة	بالعلم نحيي وبالأرواح نفديه
علم حاصل نہ کرو مگر بڑے علماء سے	علم سے ہم زندہ رہتے ہیں اور اسی پر اپنی ارواح قربان کرتے ہیں
أما ذووا الجهل فارغب عن مجالسهم	قد ضل من كانت العميان تهديه
جاہلوں کے پاس بیٹھنے سے بھی بچو	اس لیے کہ جس کے رہنما اندھے ہوں وہ گمراہ ہو گیا

اسی لیے دینِ اسلام نے علم پر بہت ابھارا ہے، اور علمی تعمیر و تکوین پر بہت زیادہ توجہ دی ہے، قرآنِ کریم کی وہ آیات اور احادیثِ نبویہ جو مسلمانوں کو علم حاصل کرنے کا حکم دیتی اور اس پر ابھارتی ہیں اور اس جانب ترغیب دیتی ہیں وہ ناقابلِ شمار اور بہت زیادہ ہیں، لیجیے اس کا ایک گلدستہ ہم آپ کے سامنے پیش کیے دیتے ہیں، تاکہ اس شخص کے لیے یاددہانی و عبرت کا سامان ہو جائے جو نصیحت و عبرت حاصل کرنا اور یاد کرنا چاہتا ہو:

ان آیات میں سے بعض یہ ہیں:

((قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ)). الزمر - ۹

آپ کہیے کہ کیا علم والے اور بے علم کہیں برابر ہو سکتے ہیں۔

اور فرمایا:

((يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ)). المجادلہ - ۱۱

اللہ تم میں ایمان والوں کے اور ان کے جنہیں علم عطا ہوا ہے درجے بلند کرے گا۔

نیز فرمایا:

((وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا)). طٰہٰ - ۱۱۴

اور آپ کہیے کہ اے میرے پروردگار بڑھا دے میرے علم کو۔

اور ان احادیث میں سے چند درجِ ذیل ہیں:

((من سلك طريقاً يلتمس فيه علماً سهل الله له طريقاً إلى الجنة)). صحیح مسلم

جو شخص ایسے راستے پر چلے جس میں وہ علم کا متلاشی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرما دیتے ہیں۔

((الدنيا ملعونة ملعون ما فيها إلا ذكر الله تعالى وما والاه وعالماً أو متعلماً)). جامع ترمذی

دنیا ملعون ہے اور ملعون ہے جو کچھ اس میں ہے سوائے اللہ کے ذکر کے اور جو اس اللہ کا فرمانبردار ہو اور عالم و طالبِ علم۔

((من خرج في طلب العلم فهو في سبيل الله حتى يرجع)). جامع ترمذی

جو شخص طلبِ علم کے لیے نکلے تو وہ جب تک واپس نہ ہو اللہ کے راستے ہی میں شمار ہوتا ہے۔

((طلب العلم فريضة على كل مسلم)) سنن ابن ماجہ — علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

ان قرآنی ارشادات اور نبوی فرمودات کے بعد مربی حضرات کو چاہیے کہ نافع علوم اور اچھے تربیتی طریقوں کو سیکھیں ان سے آراستہ ہوں، تاکہ ایسا اسلامی معاشرہ پیدا کر سکیں جس کے افراد کی محنت اور عزم سے اسلام کے لیے عزت متحقق ہو اور دنیا میں مسلمانوں کے لیے مضبوط و محفوظ حکومت قائم ہو، اور یہ اللہ کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔

۴۔ حلم و بردباری

وہ بنیادی صفات جو مربی کے لیے اس کی تربیتی ذمہ داری اور اصلاح و تعمیر کی مسئولیت میں کامیابی کی ضامن بنتی ہیں ان میں سے بردباری اور حلم کا وصف بھی ہے، اسی حلم کے ذریعے بچہ اپنے استاذ کی طرف کھنچتا ہے، اور اسی کی وجہ سے اپنے مربی کے اقوال پر لبیک کہتا ہے، اور اسی کی وجہ سے اچھے آداب سے آراستہ ہوتا اور گندے برے اخلاق سے بچتا ہے، اور پھر وہ اس فرشتے کی طرح بن جاتا ہے جو زمین پر چل رہا ہو یا ایسا چودھویں کا چاند جو لوگوں کے سامنے ظاہر ہو گیا ہو۔

اسی وجہ سے اسلام نے حلم و بردباری کے اختیار کرنے پر ابھارا ہے، اور بہت سی قرآنی آیات اور نبوی احادیث میں اس کی ترغیب دی گئی ہے، تاکہ لوگوں اور خاص کر تربیت کرنے والوں اور دعاۃ (دعوت دینے والوں) کو معلوم ہو جائے کہ حلم ان عظیم ترین نفسیاتی و اخلاقی فضائل و مناقب میں سے ہے جو انسان کو ادب کی چوٹی اور کمال کی بلندی اور اخلاق کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر پہنچا دیتے ہیں۔

ان آیاتِ قرآنیہ میں سے بعض درج ذیل ہیں:

((وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ، وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝)) آل عمران۔۱۳۴ — اور دبا لیتے ہیں غصہ اور معاف کرتے ہیں لوگوں کو، اور اللہ نیکی کرنے والوں کو چاہتا ہے۔

اور فرمایا:

((خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝)). اعراف۔۱۹۹ — عادت کیجیے درگزر کی اور حکم کیجیے نیک کام کرنے کا، اور کنارہ کیجیے جاہلوں سے۔

نیز فرمایا:

((وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ)). شوریٰ۔۴۳ — اور جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے یہ البتہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

اور فرمایا:

((اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ — آپ نیکی سے (بدی کو) ٹال دیا کیجیے، تو پھر یہ ہوگا کہ

وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴿﴾))۔ جس شخص میں اور آپ میں عداوت ہے وہ ایسا ہو جائیگا
حٰم سجدہ ۔ ۳۴ جیسا کوئی دلی دوست ہوتا ہے۔

اور ان احادیث میں سے بعض یہ ہیں:
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد القیس کے اشج سے فرمایا:

((إن فيك خصلتين يحبهما الله: الحلم والأناة))۔ صحیح مسلم

تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں جنہیں اللہ پسند کرتا ہے ایک علم دوسرے بردباری۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا مجھے کچھ وصیت کیجیے تو آپ نے ارشاد فرمایا: غصہ نہ کرو ان صاحب نے بار بار یہی سوال دہرایا اور آپ نے یہی فرمایا کہ غصہ نہ کرو، صحیح بخاری

((ليس الشديد بالصرعة، إنما الشديد الذي يملك نفسه عند الغضب))۔ بخاری ومسلم

طاقتور وہ نہیں ہے جو پچھاڑ دے بلکہ طاقتور وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے اوپر قابو رکھے۔

((يسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا))۔ بخاری ومسلم

آسانی پیدا کرو اور تنگی و سختی نہ کرو اور بشارت دو نفرت نہ دلاؤ۔

حلم ہی سے مندرجہ ذیل تمام امور میں نرمی کرنا متفرع ہوتا ہے:
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إن الله رفيق يحب الرفق في الأمر كله))۔ بخاری ومسلم

اللہ تعالیٰ نرم ہیں اور تمام امور میں نرمی کو پسند کرتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إن الله رفيق يحب الرفق، ويعطي على الرفق ما لا يعطي على العنف وما لا يعطي على سواه))۔ صحیح مسلم

اللہ تعالیٰ نرم ہیں اور نرمی کو پسند کرتے ہیں اور نرمی پر وہ کچھ عطا فرماتے ہیں جو سختی پر عطا نہیں فرماتے اور نہ اس کے علاوہ کسی اور چیز پر۔

اور انہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

((إن الرفق لا يكون في شئ إلا زانه، ولا ينزع من شئ إلا شانه))۔ صحیح مسلم

نرمی کسی چیز میں نہیں ہوتی مگر اس کو مزین بناتی ہے۔ اور نرمی کو کسی چیز سے نہیں چھینا جاتا مگر یہ کہ وہ اس کو عیب دار بنا دیتی ہے۔

اس لیے اگر وہ مربی امت کی اصلاح اور قوم کے لیے ہدایت اور اپنے بچوں کے لیے صحیح تربیت اور ان کی کجی کی درستگی چاہتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ وہ حلم وبردباری ونرمی سے آراستہ ہوں۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مربی بچے کی تربیت اور حیاۃِ زندگانی کے لیے تیار کرنے کے لیے ہمیشہ حلم وبردباری و نرمی ہی کا راستہ اختیار کرے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ مربی کجی کی اصلاح اور اخلاق کی درستگی میں بلا کسی غصہ وتأثر کے اپنے اوپر کنٹرول رکھے، اور اگر اس کے نزدیک مصلحت ہی یہ ہو کہ اسے تنبیہ کی جائے اور سختی یا مار پیٹ کیجائے تو اسے چاہیے کہ اسے سزا دینے میں تاخیر نہ کرے جب تک کہ اس کی اصلاح نہ ہو جائے اور اخلاق درست نہ ہو جائیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جسے حکمت نصیب ہو جائے تو اسے بہت بڑی خیر و بھلائی عطا کر دی گئی۔

"سزا کے ذریعہ تربیت دینے" کی بحث میں ہم اس سلسلہ میں تفصیلی کلام کر چکے ہیں، اس کا مطالعہ کر لیجیے، آپ کو انشاء اللہ وہاں کافی سامان مل جائے گا۔

۵۔ مسئولیت کا احساس

مربی کو جن امور کا بخوبی ادراک کر لینا چاہیے اور جو چیزیں اس کے شعور و وجدان میں جاگزین ہونا چاہییں ان میں سے یہ بھی ہے کہ وہ بچے کی ایمانی وکردار کی تربیت اور جسمانی ونفسیاتی شخصیت سازی اور عقلی ومعاشرتی تیاری کی اپنی عظیم ذمہ داری کو محسوس کرے۔ یہ ذمہ داری محسوس کرنا مربی کو ہمیشہ اس بات پر مجبور کرے گا کہ وہ مکمل طور پر بچے کی دیکھ بھال ونگرانی رکھ سکے اور اس کی رہنمائی اور اصلاح اور درستگی اور اسے باادب بنانے کی مسلسل کوشش کرتا رہے۔ اور مربی کو یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ اگر وہ بچے سے کچھ وقت کے لیے بھی غافل ہوا یا اس کی دیکھ بھال میں ایک مرتبہ بھی غفلت کی تو بچہ تدریجاً قدم بقدم برائی کی طرف بڑھتا جائے گا۔ اور اگر مسلسل غفلت برتی اور تساہل سے کام لیا تو وہ بچہ لامحالہ بدکردار بچوں میں شامل اور منحرف نوجوانوں میں سے بن جائے گا، پھر مربی کے لیے اس کی اصلاح بہت مشکل ہو جائے گی، اور اس کا علاج وتربیت ہر مصلح کے لیے دشوار کام ہو جائے گی، پھر باپ کو اپنی اس کوتاہی پر ندامت ہوگی، لیکن اس وقت ندامت سے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا، اس وقت مربی کو اپنی اس حرکت پر رونا آئے گا لیکن اس وقت رونا بے سود ہوگا:

أتبكي على لبنى وأنت قتلتها   وقد ذهبت لبنى فما أنت صانع

کیا تم لبنیٰ پر روتے ہو حالانکہ تم ہی نے تو اسے قتل کیا ہے   لبنیٰ تو اب چلی گئی بتلاؤ تم اب کیا کرو گے

اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے والدین اور مربیوں سب کو تربیت کا ذمہ دار بنایا ہے اور یہ ذمہ داری ان سب پر مکمل طریقے سے ڈالی ہے، اور ان کو خبردار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے روز اس امانت کے بارے میں باز پرس کرے گا کہ کیا انہوں نے یہ امانت ادا کی ہے یا نہیں؟ اور یہ پیغام پہنچایا تھا؟ اور کیا اس مسئولیت کو پورا کیا تھا؟

محترم مربی صاحبان! مسئولیت کے پورا کرنے یا اس میں کوتاہی کرنے کے سلسلہ میں اسلام نے جو کچھ کہا ہے اس کا کچھ حصہ آپ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے. اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا)). طٰہٰ - ۱۳۲

اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیتے رہیے اور خود بھی اس کے پابند رہیے.

اور فرمایا:

((يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا قُوٓا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا)). التحریم - ۶

اے ایمان والو بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے.

نیز فرمایا:

((فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝)). الحجر - ۹۲و۹۳

سو قسم ہے آپ کے رب کی ہم کو پوچھنا ہے ان سب سے جو کچھ وہ کرتے تھے.

اور فرمایا:

((وَقِفُوهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ)) الصافات - ۲۴

اور ان کو (ذرا) ٹھہراؤ ان سے پوچھ گچھ ہوگی.

اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام فرماتے ہیں:

((الرجل راع ومسئول عن رعیتہ..)). بخاری ومسلم

مرد رکھوالا ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں بازپرس ہوگی.

((.. والمرأة راعیة ومسئولة عن رعیتہا..)). بخاری ومسلم

اور عورت رکھوالی ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہوگا.

((علموا أولادکم وأهلیکم الخیر وأدبوهم)). مصنف عبدالرزاق وسنن سعید بن منصور

اپنی اولاد واہل وعیال کو خیر کی تعلیم دو اور انہیں باادب بناؤ.

((ما نحل والد ولدا أفضل من أدب حسن)). سنن ترمذی

کسی والد نے کسی بیٹے کو اچھے ادب سے زیادہ بہتر عطیہ نہیں دیا.

((إن الله سائل كل راع عما استرعاه حفظ أم ضيع، حتى يسأل الرجل عن أهل بيته)). صحیح ابن حبان

اللہ تعالیٰ ہر نگہبان سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھے گا کہ کیا اس نے ان کی حفاظت کی یا ضائع کر دیا حتیٰ کہ انسان سے اپنے گھر والوں کے بارے میں بھی سوال ہوگا.

لہٰذا قرآن کریم کے اس حکم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کی وجہ سے ہر مومن عقلمند، صاحب بصیرت

حکیم مربی پر یہ لازم ہے کہ وہ اس مسئولیت کو مکمل طور پر اور پوری طاقت اور قوی عزم کے ساتھ ادا کرے۔ اور یہ یاد رکھے کہ اس فریضے میں اگر کوئی کوتاہی کی تو اللہ کی ناراضگی کو مول لے گا، اور اگر اس میں تقصیر ہوئی تو جہنم کا عذاب لازم ہوگا۔ اس لیے کہ قیامت کے روز کی مسئولیت بہت بڑی۔ اور حساب نہایت سخت، اور ہولناکی بہت عظیم ہوگی، اور جہنم یوں گویا ہوگی کہ: کیا اور کوئی بھی ہے؟

مسئولیت کے احساس کے سلسلہ میں گفتگو کرتے ہوئے میں یہ چاہتا ہوں کہ مربی صاحبان کے سامنے مختصراً ہی وہ سازشیں اور منصوبے بیان کر دوں جو مسلمان افراد اور مسلم معاشرے اور مسلمان خاندانوں کو خراب کرنے کے لیے تیار کیے جاتے ہیں، تاکہ وہ اپنے معاملہ میں پوری بصیرت پر ہوں، اور اپنے بچے اور خاندان کی اصلاح کے لیے خوب جد و جہد کریں۔

منصوبوں و سازشوں سے میری مراد وہ سازشی قرار دادیں اور منصوبے ہیں جو صہیونی، ماسونی، صلیبی اور شیوعی جالوں میں تیار کیے جاتے ہیں۔ جن کا مقصد امت اسلامیہ کے عقیدے کا خراب کرنا، اور ان کے بلند اخلاق کا گمراہ کن الحادی طریقوں، اور شراب و جنس کے راستے، اور شہوات و جنسیات کے بے مہار و آزاد چھوڑنے، اور جذبات انگیز مظاہر کے پیچھے دوڑنے، اور اندھی تقلید کے ذریعہ خراب کرنا اور بگاڑنا ہوتا ہے۔

ان مفسدین کے یہاں آزادی و اباحیت کی اس دعوت اور اس عیارانہ جال کا سب سے پہلا نشانہ و ہدف عورت ہوتی ہے، اس لیے کہ عورت عاطفت و جذبات سے پُر ایک ایسا کمزور ترین عنصر ہے جو بلا سوچے سمجھے فوراً پروپیگنڈے اور فتنہ کی طرف دوڑ پڑتا ہے، اور عورت اخلاق کے بگاڑنے کا مؤثر ترین ذریعہ اور براہِ راست اثر ڈالنے کا شعلہ جوالہ ہے۔

محترم مربی صاحبان کے سامنے یہ سازشی منصوبے یکے بعد دیگرے واقعات و تاریخ کے ساتھ پیش کیے جاتے ہیں:

الف۔ شیوعی سازشیں

ایک خطرناک سری دستاویز جس کو "کلمۃ الحق" نامی رسالے نے محرم ۱۳۸۷ھ مطابق اپریل ۱۹۶۷ء کے پرچے میں "اسلام کے خلاف خطرناک سازش" کے نام سے شائع کیا تھا۔ اس دستاویز کو کمیونسٹوں نے ماسکو میں تیار کیا تھا، اور مشرق عربی کے ایک مسلمان ملک میں اپنے آلہ کار ایجنٹوں کے لیے پیش کیا تھا، تاکہ وہ اسے نافذ کریں، اور انہوں نے واقعۃً اسے نہایت باریک بینی سے نافذ کرنا بھی شروع کر دیا۔

لیجیے ہم آپ کے سامنے "کلمۃ الحق" سے اس شیوعی منصوبے کا کچھ حصہ نقل کیے دیتے ہیں جو اسلام کو اس کے اپنے ملک ہی میں ختم کرنے کے لیے تیار کیا گیا تھا۔

دستاویز میں لکھا ہے :

اس کے باوجود کہ سویت یونین میں کمیونزم پر تقریباً پچاس سال کا عرصہ گزر چکا ہے، اور اس کے باوجود کے دنیا کی سب سے بڑی کیمونسٹ قوت نے اسلام کو سخت ترین ضربیں لگائیں ہیں لیکن پھر بھی وہ رفتار جو سویت یونین میں دینی حرکت پر نظر رکھتے ہیں وہ لکھتے ہیں جیسا کہ روسی مجلہ "علم و دین" اپنی جنوری ۱۹۶۴ء کی اشاعت میں لکھتا ہے :
ہم سویت یونین میں مسلمان علاقوں میں داخلی چیلنجوں کا سامنا کر رہے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لینن کے اصولوں کو مسلمان خون نے اب تک قبول نہیں کیا ہے۔
باوجود دین کے خلاف جنگ کرنے والی متیقظ و بیدار طاقتوں کے اسلام کی شعاعیں برابر پھیل رہی ہیں، اور نہایت قوت کے ساتھ ہر طرف پھوٹ رہی ہیں، اس لیے کہ مسلم علاقوں میں لاکھوں نئی پود کے لوگ اسلام کو قبول کر رہے ہیں اور اس کی تعلیمات کو کھلم کھلا بیان کر رہے ہیں، حالانکہ کمیونزم کے سربراہ اور وہاں کے مذہبی مفکرین کے سامنے سویت یونین میں اسلامی علاقوں میں اسلام کی بیداری کی خبر کوئی مخفی اور چھپی ہوئی بات نہیں ہے، اور اس جانب "کیمونسٹ ثقافت کے دائرۃ المعارف" میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ رجعت پسند مذاہب میں سب سے خطرناک مذہب اسلام ہے۔ اور اسلام اپنی پوری کوشش اس بات کے لیے صرف کر رہا ہے کہ وہ ناجائز منافع خوروں اور جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی خدمت کر سکے اور وہ ناجائز نفع خوری کی ہر طرح سے امداد کر رہا ہے، اور اسلام ایک جامد قسم کا ترقی و ثقافت کا دشمن مذہب ہے، اور اشتراکیت کا سخت ترین دشمن ہے اور آزادی پسند جماعتوں کا مقابلہ کرنے والا مذہب ہے۔

دستاویز میں لکھا ہے کہ :

"اس منصوبہ میں یہ بھی داخل ہے کہ اسلام کی بیخ کنی کے لیے اسلام ہی کو ہتھیار بنایا جائے، جس کے لیے ہم نے یہ طے کیا ہے کہ :

۱۔ اسلام سے صلح کی جائے تاکہ اس پر غلبہ حاصل ہو سکے، یہ صلح اس غرض سے ہوگی تاکہ ہم غلبہ حاصل کرنے کی گارنٹی حاصل کر سکیں اور عرب قوموں کو اشتراکیت کی طرف راغب کر سکیں۔
۲۔ مذہب و دین کے رہنماؤں اور دیندار حکام کی شہرت داغدار کرنا اور ان پر استعمار و صہیونیت کا ایجنٹ ہونے کا الزام لگانا۔
۳۔ اشتراکیت کی تعلیم کو تمام اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں کے تمام تعلیم کے شعبوں میں عام کر دینا، اور اسلام سے

مزاحمت کرنا، اور اس کا گھیراؤ کرنا تاکہ وہ ایسی قوت نہ بن سکے جو اشتراکیت کے لیے خطرہ ثابت ہو۔

دستاویز میں ہے کہ:

۶۔ دینی جماعتیں خواہ کتنی ہی کمزور کیوں نہ ہوں ان کو ملک میں قائم ہونے سے روکنا اور ہر قسم کے دینی شعور کو ختم کرنے کے لیے نہایت ہوشیاری و بیداری سے مستقل کام کرتے رہنا، اور ہر وہ شخص جو دین کی طرف دعوت دیتا ہو اسے نہایت شدت و قساوت سے بلاکسی رحم کے شدید ضربات پہنچانا خواہ وہ موت تک کیوں نہ پہنچا دیں۔

۷۔ اس سب کے باوجود ہمیں اس سے غافل نہیں رہنا چاہیے کہ معاشرہ سازی میں دین و مذہب بڑا خطرناک کام کر رہا ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ ہم ہر طرف اور ہر جگہ سے اس کا محاصرہ کریں اور اس کو متہم بنائیں اور لوگوں کو اس سے ایسے طریقے سے نفرت دلائیں جس سے یہ معلوم نہ ہو کہ ہم اسلام کے دشمن ہیں۔

۸۔ ملحد مصنفین کی حوصلہ افزائی کرنا اور دین، اور دینی شعور، دینی ضمیر، اور مذہبی سربراہی کی مخالفت اور اس پر حملہ کرنے کی انہیں کھلی چھٹی دینا، اور لوگوں کے دلوں میں یہ بات جاگزین کرنا کہ اسلام کا دور ختم ہو چکا، اور واقعۃً بات یہی ہے اور آج اسلام کے اعمال و افعال میں سے سوائے رسمی عبادتوں کے جو روزہ نماز حج اور شادی بیاہ طلاق ہیں اور کوئی چیز باقی نہیں ہے اور یہ چیزیں بھی عنقریب اشتراکی نظام کے سامنے ہتھیار ڈال دیں گی۔

۹۔ لوگوں کے درمیان دینی روابط کو مکمل طور سے ختم کر کے اس کی جگہ اشتراکی رابطہ کو قائم کرنا، اس لیے کہ اسلامی رابطہ علمی اشتراکیت کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہے۔

۱۰۔ مساجد و کنیسوں کو ختم کر کے نہ دین مٹایا جا سکتا ہے اور نہ مسلمانوں کے دینی روابط ختم کئے جا سکتے ہیں اسلئے کہ دین نفس و ضمیر میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ اور عبادت گاہیں دین کے خارجی مظاہر میں سے ایک مظہر و علامت ہوا کرتی ہیں، اور مقصد تو دینی ضمیر کا ختم کرنا ہے۔ اور اب جب کہ ہم اشتراکیت کو غلبہ و حکومت اور سربراہی دلانے میں کامیاب ہو گئے ہیں اور تمام ان چیزوں کو عام کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں جو الحاد کو پھیلانے، رائج کرنے، اور اس کی طرف دعوت دینے والی ہیں۔ اور دین اور اہلِ دین کا مذاق اڑانے والی ہیں اور جو صرف علم کی داعی اور اسی کو غالب و معبود گرداننے والی ہیں مثلاً قصے، کہانیاں، ڈرامے محاضرات و تقاریر، اخبار و رسائل اور کتابیں وغیرہ تو جب ہم اس منصوبے میں کامیاب ہو گئے ہیں تو اب مسلمانوں کے ضمیر و دل سے دین کا ختم کرنا کوئی مشکل کام نہیں رہا۔

۱۱۔ دینی شعور اور سوجھ بوجھ کی مزاحمت کرنا، اور دینی بیداری کو ختم کرنے کے لیے علمی بیداری کے ذریعے اس کا مقابلہ کرنا۔

۱۲۔ لوگوں اور عوام کو اس طرح سے دھوکہ دینا کہ ہم ان کے سامنے یہ اعلان کریں کہ حضرت عیسٰی اشتراکی اور اشتراکیت

کے امام تھے، وہ خود فقیر تھے اور مسکین خاندان سے تھے، اور ان کے پیرو بھی غریب مسکین تھے، اور انہوں نے مالداروں سے جنگ کی دعوت دی تھی۔

اور ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں یہ کہیں گے کہ وہ اشتراکیوں (کمیونسٹوں) کے امام تھے، وہ غریب تھے اور غریبوں نے ہی ان کی پیروی کی تھی، اور انہوں نے ذخیرہ اندوزوں، مالداروں، جاگیرداروں اور سود خوروں کے خلاف جنگ کی، اور ان کے خلاف بغاوت کی، اسی طرح ہمیں اور انبیاء و رسولوں کے بارے میں بھی یہی تصور پیش کرنا چاہیے، اور جہاں تک ہو سکے ان کے روحانی تقدس اور معجزات اور وحی کو بقدر امکان ان سے دور کر دینا چاہیے تاکہ ہم ان کو عام انسانوں جیسا انسان بنا کر پیش کر سکیں، اور پھر ہمیں اس مرتبہ و محور پر ضرب لگانے میں آسانی ہوگی جو انہوں نے اپنے لیے بنا لیا تھا اور ان کے غالی متبعین نے مقرر کر رکھا تھا۔

۱۳۔ قرآن کریم، تورات اور انجیل میں بہت سے واقعات و قصے مذکور ہیں اور عام لوگوں کے دینی شعور سے ٹکراؤ سے بچنے اور انہیں اشتراکیت پر ابھارنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم ان دینی قصوں کی مادی و تاریخی تفسیر کریں، مثلاً حضرت یوسف کے قصہ کی مادی تاریخی تفسیر ہو سکتی ہے، اور اس میں جو جزئیات ہیں ان سے ہم یہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں کہ عوام کے شعور کو راسمالیوں، زمینداروں، جاگیرداروں اور شرفاء کی عورتوں اور رجعت پسند حکام کے خلاف استعمال کریں۔

۱۴۔ تمام دینی قوتوں کو اشتراکی نظام کے سامنے جھکا دینا اور ان طاقتوں کو تدریجاً ان کے موجدوں سے جدا کر دینا۔

۱۵۔ عوام کو اشتراکی نعروں میں مشغول رکھنا، اور ان کو سوچنے تک کی فرصت نہ دینا، اور ان کو وطن اور بہادری پر مشتمل اشعار، وطنی ترانوں، فوجی معاملات، جماعتی تنظیموں، مذہبی تقاریر، پیداوار کی ترقی اور معیشت کے معیار کی بلندی کے وعدوں میں ہمیشہ مشغول رکھنا، اور اقتصادی ناکامی و تأخر اور بھوک و افلاس و بیماری کی ذمہ داری استعمار و رجعت پسندی اور صہیونیت و جاگیرداری اور دینی و مذہبی رہنماؤں پر ڈالنا۔

۱۶۔ دینی و روحانی اقدار کو یہ کہہ کر تہ و بالا کرنا کہ ان میں فلاں فلاں عیوب و نقصانات ہیں اور ان کی وجہ سے ترقی پسند قوتیں سو جاتی ہیں۔

دستاویز میں لکھا ہے کہ:

۱۷۔ صبح و شام، رات و دن ہر وقت انقلاب کا نعرہ لگانا اور یہ اعلان کرنا کہ انقلاب ہی عوام کو ان کے رجعت پسند حکام سے پہلا و آخری نجات دہندہ ہے، اور اشتراکیت کے لیے یہ نعرہ لگانا کہ اشتراکیت ہی وہ باغ اور جنت ہے

جس کا مظلوم عوام سے وعدہ کیا گیا ہے۔

۱۸۔ الحادی افکار کو نشر کرنا بلکہ ہر اس فکر کو عام کرنا جس سے دینی شعور و دینی عقیدہ کمزور ہوتا ہو، اور ہر اسلامی مملکت میں رجالِ دین پر عدم اعتماد پیدا ہوتا ہو۔

۱۹۔ دین کو ختم کرنے کے لیے دین ہی سے کام لینے میں کوئی حرج و مضائقہ نہیں ہے، اور اشتراکی سربراہوں کیلئے لوگوں کو دھوکہ دینے اور گمراہ کرنے کے لیے بعض اجتماعی و دینی فرائض انجام دینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے بشرطیکہ یہ کام زیادہ طویل مدت تک نہ ہو اس لیے کہ انقلابی طاقتوں کو وہ چیز ظاہر نہیں کرنا چاہیے جو ان کے باطن میں مخفی نہ ہو مگر ایک خاص وقت تک کے لیے، اور یہ ضروری ہے کہ وقت مختصر ہو اور راستہ بھی مختصر تاکہ کاری ضرب لگائی جاسکے۔ اس لیے کہ انقلاب کا سب سے پہلا کام تمام دینی اقدار اور قدیم معمولات کو ختم کرنا ہے۔

۲۰۔ یہ اعلان کرنا کہ اشتراکی صحیح دین پر ایمان رکھتے ہیں نہ کہ ایسے کھوٹے دین پر جس کو لوگ جہالت کی وجہ سے اپنا لیتے ہیں، اور صحیح دین اشتراکیت ہی ہے۔ اور کھوٹا دین وہ افیم ہے جو قوم کو اس لیے نشہ میں مست کر دیتی ہے تاکہ وہ ایک مخصوص طبقہ کی خدمت کریں اور اس کے پیچھے چلیں، اور درویشوں کے تمام عیوب اور دین سے تعلق رکھنے والوں کی تمام غلطیوں کو دین سے ملحق کر دینا، اور الحاد کی ترویج کرنا اور یہ ثابت کرنا کہ دین خرافات کا نام ہے۔ اور خرافات کھوٹے دین میں چھپی ہوئی ہیں نہ کہ صحیح دین میں جسے اشتراکیت کہا جاتا ہے۔

۲۱۔ اس اسلام کا نام لینا جس کی تائید اشتراکیت اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کرتی ہے، اور اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے اسے دینِ صحیح اور دینِ انقلاب اور ترقی پسند دین اور مستقبل کا دین قرار دیتی ہے، یہ اس وقت تک کرتے رہنا جب تک کہ اس اسلام کو جسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لے کر آئے تھے اسے اپنی خصوصیات و امتیازات سے عاری نہ کر دیا جائے تاکہ صرف اس کا نام باقی رہ جائے، اس لیے کہ سوائے بعض عربوں کے اور باقی عرب اپنی فطرت کے لحاظ سے مسلمان ہیں، تو اب انہیں نام کا مسلمان اور فعلاً اشتراکی ہونا چاہیے تاکہ آہستہ آہستہ اسلام کا نام بھی اسی طرح ختم ہو جائے جس طرح اس کی حقیقت اور اصل ختم ہو گئی۔

دستاویز میں لکھا ہے کہ:

۲۲۔ ہم نے لینن کی تعالیم و وصیت کو قبول کر لیا ہے کہ اشتراکی جماعت دین کی سخت ترین دشمن ہو اور اسلام نے مرنے کے بعد جنت کا جو تصور پیش کیا ہے اس کے اس عقیدے کا مقابلہ اس عملی اشتراکیت سے کیا جائے جس کے ذریعہ معاشرہ میں عدل و انصاف قائم ہوتا ہے اور یہ ظاہر کیا جائے کہ درحقیقت جنت یہی ہے، اور اگر کسی وقت دین سے صلح کرنا پڑے اور اس کی تائید کی ضرورت پڑ جائے تو یہ صلح تھوڑے سے وقت کے لیے ہو، اور تائید بہت احتیاط سے کی

جائے، اور ساتھ ساتھ اس تائید وصلح کو دین کی بیخ کنی کے لیے استعمال کیا جائے۔

۲۵۔ اسلام کا خوب اہتمام کیا جائے جس کا پہلا مقصد یہ ہے کہ اسلام کو اسلام کی بیخ کنی کے لیے استعمال کیا جائے اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ اسلام کے نام کو عالمِ اسلامی کی قوموں میں داخل ہونے کے لیے وسیلہ وذریعہ بنایا جائے اور باوجود اس کے کہ عالمِ عربی واسلامی میں رجعت پسند طاقتیں نہایت متنبہ وبیدار ہیں لیکن ہم نے جس طریقے کو اختیار کیا ہے اس کے ذریعہ یہ طاقتیں کمزور پڑجائیں گی حتیٰ کہ وہ انہیں ان کے اجزاء ترکیبیہ اور حفاظت کے عناصر سے بھی عاری کردے گا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ بھی نیست ونابود ہوجائیں گی۔

۲۶۔ اسلامی مفاہیم کی تصحیح اور اس کو دوسرے اجزاء سے پاک صاف کرنے کے نام سے ۔ اسلام ہی کا نام استعمال کرکے ہم اسلام کو ختم کردیں گے اور اس کو اشتراکیت سے بدل ڈالیں گے۔

دستاویز میں بڑے خطرناک راز ہیں چنانچہ اس میں لکھا ہے کہ:

تمام محیطِ عربی میں ہمارے انصار واعوان بڑی محنت سے کام کررہے ہیں، اور وہ مختلف وزارتوں اور حکومت کے اداروں اور کمپنیوں اور حکومت اور غیر حکومت کے اداروں وکمپنیوں میں کلیدی مناصب اور سربراہی کے عہدوں تک پہنچ گئے ہیں، اور ہماری تعلیمات کے مطابق وہ تسلط وغلبہ حاصل کرچکے ہیں چاہے یہ تسلط انفرادی ہی کیوں نہ ہو، بہرحال ان کا ان مناصب وعہدوں تک پہنچ جانا ہی کامیابی کی علامت ہے جیسا کہ بعض افراد کے بعض سے ملنے سے اجتماعی ملاقاتوں کے امکانات پیدا ہوتے ہیں، اور وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ہمارے ان معاونین کی تعداد بڑھتی جارہی ہے جو انقلابی حرکت کے لیے مناسب فضا پیدا کرنے والے فعال ترین مناصب پر فائز ہیں۔ اور ہم نے ان کو جو تعلیمات دی ہیں انہوں نے ان کے مطابق وزراء اور مسلمین میں ایسے افراد پیدا کرلیے ہیں جن کے اس رجعت پسند حاکم نظام کے لیے مخلص ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے جو اشتراکیت کا دشمن ہے، یہ حضرات ہمارے لوگوں کے سامنے آڑ کا کام دیں گے، ان کے پیچھے ہمارے ہاتھ متحرک ہوں گے اور اس آڑ اور پردے کے پیچھے وہ نہایت امن وسکون اور اطمینان وہوشیاری سے جو چاہیں گے کرگزریں گے نہ ان کے خلاف شکوک وشبہات پیدا ہوں گے نہ ان کی طرف کسی کا خیال جائے گا، اس لیے کہ وہ ان مسئول وذمہ دار لوگوں کی آڑ میں کام کرتے ہوں گے...[1]

محترم مربی صاحبان کیا آپ نے اب وہ چال اور منصوبے پہچان لیے جو خطرناک دشمن کمیونزم نے گمراہ کرنے اور الحاد کے عام کرنے اور مسلم معاشروں سے مسلمانوں واسلام کی بیخ کنی کے لیے پھیلائے اور بچھائے ہوئے ہیں؟

اور کیا آپ یہ سمجھ گئے ہیں کہ شیوعیت یہ چاہتی ہے کہ وہ اسلام کا عقیدہ ہر اس مسلمان کے دل سے نکال پھینکے جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ جل شانہ، اور میرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اور میرا دین اسلام ہے تاکہ اس کی جگہ کفر وضلال اور

---

[1] دستاویز کی عبارات عباس محمود عقاد اور احمد عبدالغفور عطار کی کتاب "الشیوعیۃ والاسلام" کے (ص ۔ ۱۲۳) سے لی گئی ہیں۔

اسلام سے خروج کا عقیدہ لے لے :

((یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ وَیَاْبَی اللّٰہُ اِلَّا اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَہٗ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ))۔ التوبہ ۔۳۲

چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی اپنے منہ سے بجھادیں اور اللہ اپنی روشنی پوری کرکے رہے گا چاہے کافر برا مانیں۔

ب ۔ صلیبی سازشیں

پہلی صلیبی جنگیں جو دو صدیوں تک جاری رہیں ان میں اسلام کی بیخ کنی کرنے میں ناکامی کے بعد عیسائیوں نے بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھایا، اور نہایت عیاری سے منصوبہ تیار کیا، اور اسلام اور امتِ مسلمہ کو ختم کرنے اور ان کی بیخ کنی کے لیے نہایت گھناؤنی سازش تیار کی، ان کے تدریجی منصوبے درج ذیل تھے :

اولاً ۔ خلافتِ اسلامیہ جو دولت عثمانیہ کی شکل میں موجود تھی اس کو ختم کرکے حکومتِ اسلامیہ کو ختم کرنا، اور وہ عیسائیت جو انگریز، یونانیوں ، اٹلیوں اور فرانسیسیوں کی شکل میں موجود تھی اس نے دولتِ عثمانیہ کے ڈھیلے پن اور کمزوری اور آپس کے اختلافات سے فائدہ اٹھایا اور خونخوار بھیڑیے کی طرح اپنے عظیم لشکر کے ساتھ چڑھائی کرکے ترکی کی تمام سرزمین پر قبضہ کرلیا جس میں دار الخلافہ استنبول بھی شامل ہے، اور جب دونوں متحارب گروہوں کے درمیان صلح کے لیے بات چیت کرنے کے لیے "لوزان کانفرنس" میں گفت وشنید کی ابتداء ہوئی تو انگریز نے ترکی کے سب سے بڑے خائن "کمال اتاترک" سے یہ شرط لگائی کہ وہ سرزمین ترکی سے اس وقت تک نہیں جائیں گے جب تک کہ مندرجہ ذیل شروط نافذ نہیں ہوجاتیں :

الف ۔ خلافتِ اسلامیہ کا خاتمہ اور خلیفہ کو ترکی سے ملک بدر کرنا، اور اس کی جائیداد اور دولت کا ضبط کرنا۔

ب ۔ ترکی یہ معاہدہ کرے کہ وہ ہر اس جماعت کو ختم کردے گی جو خلافت کے انصار کے زیرِ اثر و زیرِ قیادت ہے۔

ج ۔ ترکی اپنا تعلق اسلام سے توڑ لے۔

د ۔ ترکی اپنے لیے اس دستور کے بجائے جو اسلام سے لیا گیا ہے ایک دوسرا دستور تیار کرے۔

ان کے علاوہ شرعی عدالتوں ، دینی مدارس ، اوقاف اور میراث کے احکام کا خاتمہ ، اذان کا ترکی زبان میں دینا ، عربی حروف کو لاتینی حروف سے بدلنا، اور جمعہ کے بجائے اتوار کو چھٹی کرنا بھی ان کی شروط میں داخل تھا، اور یہ سب کچھ ۱۹۲۸ء میں مکمل ہوگیا۔

خائن اتاترک نے ان شروط کو نافذ کیا، اور انگریز اور ان کے حلیفوں نے ترکی کی آزادی واستقلال کو تسلیم کرلیا اور خلافتِ اسلامیہ کے خاتمے حکومت کو لادینی مملکت بنانے اور اسلام سے جنگ کے سلسلہ میں اتاترک کی کوششوں

دوسرا باب

اور جب برطانیہ کا وزیرِ خارجہ کرزون برطانوی پارلیمنٹ میں ان واقعات کو بیان کرنے کھڑا ہوا جو ترکی میں پیش آئے تھے، تو بعض انگریز ممبران نے کرزون سے سخت سوالات کیے، اور اس پر تعجب کیا کہ برطانیہ نے ترکی کی آزادی واستقلال کو کیونکر تسلیم کر لیا حالانکہ یہ ممکن ہے کہ ترکی اپنے ساتھ اسلامی ممالک کو ملا کر اہلِ مغرب پر حملہ کر دے، تو کرزون نے ان کے جواب میں یہ کہا: ہم نے ترکی کو اچھی طرح سے ختم کر دیا ہے، آج کے بعد وہ کبھی اپنے پاؤں پر کھڑے نہیں ہو سکتے جس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی اصل طاقت وقوت جو دو چیزوں کی شکل میں موجود تھی یعنی اسلام اور خلافت ان دونوں کو ہم نے ختم کر دیا ہے، یہ سُن کر تمام انگریز ممبران نے تالیاں بجائیں اور یہ بحث ختم ہو گئی۔[1]

ثانیاً۔ قرآنِ کریم کو ختم اور نیست و نابود کرنا، اس لیے کہ عیسائیت یہ سمجھتی ہے کہ قرآنِ کریم ہی مسلمانوں کی قوت، عزت، عظمت اور قوت وثقافت کی طرف لوٹنے کا اساسی مرکز ومصدر ہے۔

۱۔ گولڈسٹون نے برطانوی پارلیمنٹ میں لوگوں کے سامنے قرآنِ کریم ہاتھ میں اٹھا کر یہ کہا:

جب تک مسلمانوں کے ہاتھوں میں یہ قرآن موجود ہے اس وقت تک یورپ کو نہ مشرق پر غلبہ حاصل ہو سکتا ہے ورنہ ہی یورپ امن واطمینان سے رہ سکتا ہے۔[2]

۲۔ اور عیسائی مبلغ ولیم جی فورڈ بالگراف کہتا ہے:

جب قرآنِ کریم اور مکہ مدینہ عرب ملک سے ختم کر دیا جائے گا تو اس وقت ہمارے لیے یہ ممکن ہو گا کہ ہم عربوں کو مغربی ثقافت میں تدریجاً آگے بڑھتے ہوئے دیکھیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی کتاب سے دُور رکھیں۔[3]

۳۔ اور حاسد ترین مبلغ کیسلی کہتا ہے:

ہمیں چاہیے کہ ہم قرآن سے کام لیں، قرآن اسلام کے خلاف استعمال کیا جانے والا مفید ترین ہتھیار ہے، تاکہ ہم اس کو مکمل طور سے ختم کر دیں، ہمارے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم مسلمانوں کے سامنے یہ بیان کریں کہ قرآن میں جو صحیح بات ہے وہ کوئی نئی چیز نہیں، اور جو نئی چیز ہے وہ صحیح نہیں ہے۔[4]

۴۔ اور الجزائر کا فرانسیسی حاکم الجزائر پر قبضہ کے سو سال مکمل ہونے پر کہتا ہے:

ہمیں چاہیے کہ ہم عربی قرآن کو ان کے وجود اور درمیان سے نکال دیں، اور عربی زبان کو ان کی زبانوں سے کھینچ لیں،

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب الارض والشعب (۱۔۴۹) اور کتاب کیف ہدمت الخلافۃ (ص۔۱۹۰)۔

[2] ملاحظہ ہو کتاب الاسلام علی مفترق الطرق (ص۔۳۹)۔

[3] جذور البلاء (ص۔۲۰۱)۔

[4] التبشیر والاستعمار (ص۔۴۰)

تاکہ ان پر غلبہ حاصل کر سکیں[۱]

یہ بات فرانس میں پیش آنے والے ایک عجیب حادثہ کی وجہ سے ابھری، اور واقعہ یہ ہے کہ الجزائری نوجوانوں کے نفوس اور دلوں سے قرآن کریم ختم کرنے کے لیے ایک عملی تجربہ کیا گیا، اور وہ اس طرح کہ دس مسلمان الجزائری لڑکیوں کا انتخاب کیا گیا، اور فرانسیسی حکومت نے انہیں فرانسیسی اسکولوں اور کالجوں میں داخل کیا، انہیں فرانسیسی لباس پہنایا اور ان کو فرانسیسی تہذیب کی تلقین کی، اور انہیں فرانسیسی زبان سکھائی۔ اور وہ پوری کی پوری فرانسیسی عورتوں کی طرح ہو گئیں۔

ان پر گیارہ سال محنت کرنے کے بعد فرانس نے ان کے فارغ التحصیل ہونے پر ایک شاندار مجلس منعقد کی اور اس پروگرام میں وزراء، مفکرین اور اخبار نویسوں کو بلایا گیا، جب اس پارٹی کی ابتداء ہوئی تو اچانک ان سب کے سامنے الجزائر کی یہ نوجوان لڑکیاں اپنے اسلامی الجزائری لباس میں رونما ہوئیں۔

اس پر فرانسیسی اخبارات و جرائد میں ایک طوفان برپا ہو گیا اور انہوں نے پوچھا کہ فرانس نے الجزائر میں ایک سو اٹھائیس سال گزارنے کے بعد بھی کیا کیا ہے؟!!

اس پر فرانسیسی مقبوضہ جات کے وزیر لاگوسٹ نے کہا کہ میں کیا کروں اس لیے کہ قرآن فرانس سے بہت زیادہ طاقتور ہے[۲]

ثالثاً: مسلمانوں سے اسلامی فکر کا خاتمہ کرنا اور خدا سے ان کے تعلق کو منقطع کر دینا۔

تاکہ وہ اسلامی نظام سے آزاد ہو جائیں، اور الحاد و آزادی و اباحیت کے راستے پر چلیں، اور وہ اس طرح سے اسلام سے عاری ہو جائیں گے۔

۱۔ مبشرین کی القدس نامی کانفرنس منعقدہ ۱۹۳۵ء میں مسیحی جمعیات کے سربراہ صموئیل زویمر کہتے ہیں کہ:

مسیحیت کے جس پرچار کے لیے آپ کو مسیحی حکومتوں نے مسلمانوں کے ملکوں میں کام کرنے کے لیے منتخب کیا ہے وہ یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کو مسیحیت میں داخل کیا جائے اس لیے کہ یہ تو ان کے لیے ہدایت کا ذریعہ اور اعزاز و اکرام ہے آپ کی ذمہ داری یہ ہے کہ آپ لوگ مسلمانوں کو اسلام سے نکال ڈالیں، تاکہ مسلمان ایک ایسی مخلوق بن جائیں جن کا اللہ سے کوئی تعلق نہ ہو، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کا ان اخلاقِ حسنہ سے کوئی رابطہ نہیں رہے گا جن پر قومیں دنیاوی حیات کے لیے اعتماد کیا کرتی ہیں، اور آپ اپنی اس تدبیر اور اس عمل کی وجہ سے ممالکِ اسلامیہ میں استعماری فتح کے ہراول دستہ بن جائیں گے، اور آپ تمام اسلامی ممالک میں تمام عقول کو اس بات پر آمادہ کر چکے ہوں گے کہ وہ اس راستہ پر چلنے کو قبول

---

[۱] مجلہ المنار عدد ۔ ۹ ۔ ۱۱ ۔ ۱۹۶۲ء ۔

[۲] خبار الایام عدد ۔ ۷۷۸۰ ۔ ۱۹۶۲ء

کرلیں جس کی آپ نے کوشش کی ہے اور وہ ہے مسلمان کو اسلام سے نکال دینا۔

آپ نے مسلمانوں کے دیار میں ایسی پود تیار کرلی ہے جو اللہ کے تعلق سے ناآشنا ہے، اور اس تعلق کو جاننا بھی نہیں چاہتی، اور آپ نے مسلمان کو اسلام سے خارج کردیا اور اس کو مسیحیت میں داخل نہیں کیا۔ جس کا اثر یہ ہوگا کہ اسلامی نئی پود بالکل اس کے مطابق ہوگی جو استعمار چاہتا ہے کہ اسے عظیم الشان کاموں کی کوئی پرواہ نہ ہوگی۔ وہ راحت پسند و سست و کاہل ہوگی، اور دنیا میں اس کا مطمح نظر اور مقصود و مطلوب صرف شہوات و ملذات ہوں گے، اگر وہ تعلیم حاصل کرے گا تو شہوات کے لیے، وہ ہر چیز کو شہوت پرستی کے لیے قربان کردے گا۔

اے مبلغین نصرانیت! اس طرح سے آپ کا فرض منصبی اور ذمہ داری بہترین طریقے سے پوری ہوجائے گی[1]

۲۔ زویمر اپنی کتاب "الغارۃ علی العالم الاسلامی" (عالم اسلامی پر چڑھائی) میں لکھتا ہے کہ:

مسیحیت کو مغربی ثقافت کے مقابلہ پر دو طرح کی برتری حاصل ہے: ایک برتری تخریب کی، اور دوسری برتری تعمیر کی، تعمیر سے ہماری مراد یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو مسلمان کو نصرانی وعیسائی بنادیا جائے تاکہ وہ اپنی قوم کے خلاف مغربی ثقافت کا ساتھ دے[2]

۳۔ مبلغ تکلی کہتا ہے کہ: ہمیں چاہیے کہ ہم مغربی طرز کے لادینی اسکولوں کے کھلنے کی ہمت افزائی کریں اس لیے کہ جب بہت سے مسلمانوں نے مغربی اسکولوں وغیرہ کی کتابیں پڑھیں اور اجنبی غیر ملکی زبانوں کو سیکھا تو اسلام اور قرآن کے بارے میں ان کا اعتقاد متزلزل ہوگیا ہے[3]

رابعًا: مسلمانوں کی وحدت کو ختم کرنا تاکہ مسلمان کمزور و ذلیل اور بے قوت بے عزت و بے سہارا ہوجائیں۔

۱۔ پادری سیمون کہتا ہے کہ: عربی اسلامی اتحاد نے اسلامی ممالک و مسلمان قوموں کی آرزوں کو متحد وجمع کر رکھا ہے، اور یورپ کے غلبہ سے بچنے میں ان کا ممد و معاون ہے، اور عیسائیت کی تبلیغ اس وحدت کو پارہ پارہ کرنے اور اس کی شان و شوکت ختم کرنے کا بہت بڑا اور اہم عامل ہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ ہم مسیحیت کے ذریعے مسلمانوں کی توجہ اسلامی وحدت سے ہٹادیں[4]

۲۔ مبلغ لارنس براون کہتا ہے کہ جب مسلمان عربی شہنشاہیت کے سایہ تلے جمع ہوجائیں گے تو یہ ممکن ہوجائیگا کہ وہ عالم کے لیے موجب لعنت اور خطرہ بن جائیں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ عالم کے لیے نعمت بن جائیں، لیکن اگر وہ

---

[1] جذور البلاء (ص۔ ۲۰۵)۔

[2] الغارۃ علی العالم الاسلامی (ص۔ ۱۱)۔

[3] التبشیر والاستعمار (ص۔ ۸۸)۔

[4] کیف ہدمت الخلافۃ (ص۔ ۱۹۰)۔

ٹکڑے ٹکڑے اور متفرق و منقسم رہے تو پھر وہ بے وزن و بے تاثیر ہوں گے[۱]

۴۔ ۱۹۰۷ء میں ایک بہت بڑی یورپی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں برطانوی وزیرِ خارجہ کی سربراہی میں یورپی سیاست دانوں اور مفکرین کی ایک بڑی جماعت شریک تھی اس میں وزیرِ خارجہ نے افتتاحی تقریر میں کہا:

"یورپی ثقافت فنا و زوال کی طرف مائل ہے، ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کانفرنس میں ایسا مؤثر وسیلہ و سبب تلاش کریں جو ہماری ثقافت کو زوال سے بچا لے۔"

کانفرنس میں ایک ماہ تک بحثیں و مناقشات ہوتے رہے اور شرکاء نے ان خارجی خطرات کو پیش کیا جو روبزوال مغربی ثقافت کے خاتمہ کا ذریعہ بن سکتے ہیں، چنانچہ ان سب نے محسوس کیا کہ مسلمانوں کا وجود یورپ کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہے۔ اس لیے اس کانفرنس میں یہ طے کیا گیا کہ کوئی ایسا طریقہ و تدبیر اختیار کی جائے (اور اس کے لیے تمام قوت صرف کردی جائے) تاکہ مشرقِ اوسط میں موجود حکومتوں میں کسی قسم کا اتحاد و اتفاق نہ ہوسکے، اس لیے کہ مشرقِ اوسط کے مسلمانوں کا اتحاد ہی یورپ کے مستقبل کے لیے خطرہ ثابت ہوسکتا ہے۔

اخیر میں انہوں نے یہ طے کیا کہ نہرِ سوئز کے مشرق میں ایک ایسی مغربی یہودی قومیت کو پیدا کیا جائے جو عرب اور مسلمانوں کی دشمن ہو تاکہ مسلمان متفرق و منتشر رہیں۔ اور اس طرح سے برطانیہ نے اس عالمی صہیونیت کے ساتھ تعاون و اتحاد کی بنیاد رکھ دی جو فلسطین میں ایک یہودی حکومت کے قیام کی دعوے دار تھی[۲]

خامساً: مسلمان عورت کو بگاڑنا جس کا طریقہ یہ ہو کہ عورت کی آزادی کے سلسلہ میں جو جماعتیں کام کریں ان کا خوب خیال رکھا جائے۔ اور عورت کے حقوق کے سلسلہ میں گرما گرم بحثیں کی جائیں، اور اس کو مرد کے مساوی قرار دیا جائے، اور اسلامی نظام میں کئی بیویوں کے رکھنے اور طلاق دینے کی اجازت کی مخالفت کی جائے، اور اس سب کا مقصد شبہات کا پیدا کرنا اور یہ بتلانا ہو کہ اسلامی شریعت اس دور کے لیے لائقِ عمل نہیں، اور زندگی کے ساتھ چلنے کی صلاحیت نہیں رکھتی، اور اس میں طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا کیے جائیں۔ مسیحیت کی تبلیغ کی ذمہ دار جماعت کے سربراہ پادری زویمر نے "آج کا عالمِ اسلامی" کے نام سے ایک رسالہ لکھا جس میں اس نے لکھا ہے کہ:

توحید پر مبنی کوئی عقیدہ آج تک اس پر اتنی سختی کے ساتھ کاربند نہیں جتنا دینِ اسلام اس پر کاربند ہے، جو ایشیا اور افریقہ جیسے وسیع علاقوں میں چھا گیا ہے۔ اور دو سو ملین افراد میں اس نے اپنے عقیدے، شریعت اور رسم و رواج کو پھیلا دیا ہے اور لغتِ عربی سے ان کا تعلق و ارتباط نہایت مستحکم کردیا ہے، چنانچہ اب وہ ایسے بن گئے ہیں جیسے کہ مقطم پہاڑ پر تہ بہ تہ آثارِ قدیمہ یا عمارت کے ٹوٹے ہوئے اجزاء، یا وہ پہاڑوں کے اس سلسلہ کی طرح ہیں جو بادلوں سے

---

[۱] جذور البلاء (ص - ۲۰۲)۔

[۲] المؤامرة ومعركة المصير (ص - ۲۵)۔

ٹکرا رہا ہو اور آسمان تک پہنچ رہے ہوں، اور ان کی چوٹیاں توحید کے نور سے منور ہوں، اور اس کے نشیبی علاقے تعدد ازواج اور عورت کے انحطاط میں مست ہیں[1]۔

پھر اس دشمنِ اسلام نے اپنا کلام مبلغینِ مسیحیت کو اس نصیحت پر ختم کیا کہ انہیں مایوس نہیں ہونا چاہیے، اس لیے کہ عورت کی آزادی کا کیڑہ اسلامی معاشرہ کی ہڈی کو کھوکھلا کر دے گا۔ چنانچہ اس نے کہا کہ: مبشرین کو چاہیے کہ اگر وہ مسلمانوں میں اپنی تبلیغ کا نتیجہ کم زور اور ضعیف پائیں تو اس سے مایوس نہ ہوں، اس لیے کہ یہ تحقیق شدہ بات ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں یورپی علوم اور عورت کی آزادی کی جانب بہت زیادہ میلان پیدا ہو گیا ہے[2]۔

اور مشہور فرانسیسی کاتب "مسیو آتین لامی" نے ایک فرانسیسی مجلہ "العالمین" کی ۵ ستمبر ۱۹۰۱ء کی اشاعت میں اسلام کی بیخ کنی کے لیے یہ خطرناک سازش نشر کی ہے۔

اس نے صاف الفاظ میں کہا ہے کہ مسلمانوں کے بچوں کی تربیت کا طریقہ خواہ اس کا وہ اثر کیوں نہ ہو جو ہم نے بیان کیا ہے لیکن لڑکیوں کو راہباؤں کے اسکولوں میں تربیت دینے سے ہمارا حقیقی مقصد بہت زیادہ پورا ہو گا، اور جس مقصد کے لیے ہم کوشش کر رہے ہیں اس تک ہم بہت جلد پہنچ جائیں گے، بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ لڑکیوں کو اس طریقے سے تعلیم دینا ہی وہ منفرد طریقہ ہے جس سے ہم اسلام کو مسلمانوں کے ہاتھوں ہی سے ختم کر سکتے ہیں۔

اور مبشرہ آن میلیگان کہتی ہے: ہم اس حد تک کامیاب ہو گئے ہیں کہ ہم نے قاہرہ کے لڑکیوں کے کالج میں ایسی لڑکیوں کو اکٹھا کر لیا ہے جن کے والدین باشا اور بک ہیں، قاہرہ کے علاوہ کوئی ایسی جگہ موجود نہیں ہے جہاں ہمارے لیے یہ ممکن ہو کہ ہم وہاں مسلمان لڑکیوں کی اتنی بڑی تعداد کو مسیحی اثرات کے ماتحت جمع کر سکیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اس اسکول کے راستہ سے زیادہ کوئی ایسا مختصر راستہ نہیں جس سے اسلام کے قلعے کو پاش پاش کیا جا سکے[3]۔

محترم مربی صاحبان! کیا آپ نے عیسائیوں کی ان گندی سازشوں و منصوبوں میں سے بعض کو پہچان لیا جن کے جال کو وہ ہمارے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی نفوس سے اسلامی عقیدے کے مٹانے اور ان کے اور اسلام کے درمیان رابطہ و تعلق کو ختم کرنے کے لیے بچھا رہے ہیں؟

کیا آپ نے یہ جان لیا کہ ان کا اصل مقصد عالم اسلام کی وحدتِ اسلامیہ کو پارہ پارہ کرنا ہے تاکہ مسلمانوں سے اپنے مطلوبہ مقاصد حاصل کر سکیں اور اپنی پیاس بجھا سکیں؟

کیا آپ نے یہ جان لیا کہ ان کا سب سے بڑا مقصد مسلمان معاشرہ کو بگاڑنا و خراب کرنا ہے، تاکہ اس کے تمام افراد لڑکے اور لڑکیاں گناہ گار آزادی کی بھٹی اور بدکردار اباحیت کے میدانوں میں سرگرداں و مستانہ واران کے دوش

---

[1] کتاب الغارة علی العالم الإسلامی (ص ۳۳)۔

[2،3] کتاب الغارة علی العالم الاسلامی (ص ۴۷)۔

بدوش چلیں؟

اگر آپ نے یہ پہچان لیا ہے تو پھر آپ اپنی اس ذمہ داری کا اچھی طرح سے اندازہ کر لیجیے جو اللہ نے آپ پر ڈالی ہے، تاکہ آپ صحیح طریقے سے اس کو پورا کر سکیں۔ اور انجام کار ہیں اپنے بچے کی تربیت اور خاندان کی اصلاح میں اس کے اعلیٰ ترین ثمرات حاصل کر سکیں۔

ج ۔ یہودیت اور ماسونیت کے منصوبے و سازشیں :

یہود پر اللہ کی لعنت ہو یہ حیلہ و مکر کے مختلف طریقے اختیار کرتے رہتے ہیں تاکہ اپنی اغراض و خواہشات کے مطابق روئے زمین پر تسلط حاصل کریں اور تمام عالم پر اپنی حکومت کا جھنڈا گاڑ دیں۔ اور انہوں نے اپنے منصوبوں کو کامیاب کرنے کے لیے اپنے سامنے دو بنیادی ہدف رکھے ہیں :

پہلا ہدف : قوموں کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا اور بعض کو بعض کے خلاف بھڑکانا اور ان کے درمیان جنگیں کھڑی کرنا اور ان قوموں میں فتنوں کو ہوا دینا۔

دوسرا ہدف : قوموں کے عقائد خراب کرنا۔ اور ان کے اخلاق اور نظام اور دینی ذوق کو خراب کرنا۔ اور انہیں اللہ کے راستے سے دور کرنا۔

اس سب کا اصل مقصد یہ ہے کہ یہ قومیں اپنی قوت، عزت و کرامت اور ان کے عوامل و اسباب کو کھو بیٹھیں تاکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہود کے نفوذ اور ماتحتی میں آجائیں، تاکہ کسی بھی قوم کا نہ کوئی مقام ہو اور نہ عالم میں کوئی طاقت و قوت ان یہودیوں نے قوموں کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے اور ان کو بگاڑنے کے لیے جو حیلے اختیار کیے ہیں ان میں سے ایک منصوبہ سری (در پردہ) جماعتوں اور جمعیتوں کا قیام بھی ہے۔ اور غالباً ان تمام جمعیات اور جماعتوں میں سب سے اہم اور چوٹی کی جماعت "الجمعیۃ الماسونیۃ" ہے۔

استاذ عبدالرحمٰن حبنکہ اپنی کتاب "مکائد یہودیۃ" صـ ۲۱۹ پر لکھتے ہیں :

اس جمعیت (جس کے اغراض و مقاصد نہایت رازداری کے ساتھ مخفی رکھے جاتے ہیں) کی تاریخ نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ یہ ان بین الاقوامی سری جمعیات میں سب سے خطرناک جماعت ہے جس نے امتوں اور قوموں کی تاریخ میں نہایت خطرناک کردار ادا کیے ہیں۔ اور جس نے بہت سے قبیلوں کے انجام پر بالواسطہ بہت بڑا اثر چھوڑا ہے، اور عالم کے بہت سے ممالک کی سیاست پر اس نے اس طرح کی حکومت کی ہے کہ ان حکومتوں کو یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ وہ اس یہودی سازش کا شکار ہوئی ہیں جو ان میں ان ماسونی مجالس و محفلوں کی وجہ سے اثر انداز ہوئی تھی جن کے پیچھے ان مکار یہودی سازشی ہاتھوں نے حرکت کی تھی جو اپنے آپ کو مخفی رکھنا چاہتے تھے، حالانکہ وہی لوگ درحقیقت ان فکری، سیاسی، اقتصادی، معاشرتی اور جنگی منصوبوں اور سازشوں کے محرک اور کرتا دھرتا تھے۔

.ن ممالک میں ماسونی جماعتیں موجود ہیں، اگر وہاں ان کے جاسوسوں کی بڑی جماعت موجود نہ ہوں تو وہ ہرگز بھی بین الاقوامی یہودیت کے مفاد کے کام نہ کر پاتے۔ مگر یہ کہ وہ ماسونی جمعیت جس کی باگ ڈور تمام عالم میں یہود کے پوپ اور بڑے لوگ تھامے ہوئے ہیں یہ جمعیت ہی ان کی اغراض کے لیے آلہ کا کام کرتی ہے جس کے تحت افراد اس طرح کام کر گزرتے ہیں کہ انہیں نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کہاں جارہے ہیں اور نہ یہ سمجھ میں آتا ہے کہ وہ کس کے لیے کام کر رہے ہیں۔

محققین کو اس وقت سخت حیرت و دہشت کا سامنا کرنا پڑا جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ عالمی عظیم جنگیں یہود کی وجہ سے ہی رونما ہوئی تھیں۔ اور اس کی آگ کے بھڑکانے والے یہ یہود ہی تھے جنہوں نے یہ آگ ماسونی جماعتوں اور ان سے منسلک عالمی مجالس کے ذریعہ بھڑکائی تھی۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ ماسونیت ہمارے عربی و اسلامی معاشروں میں بھی رچ بس گئی ہے۔ اور اس کے بنیادی اصولوں کو ہمارے بہت سے مالداروں اور عزت و جاہ منصب والوں اور حکومت و سلطنت کے ارباب حل و عقد نے بھی اختیار کر لیا ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ آئندہ آنے والے ایام میں عالمی ماسونیت اپنے ان منتسبین کے ذریعہ جو سلطنت و مرتبہ کے مالک ہیں اسرائیل کے اعتراف کرنے اور قضیۂ فلسطین کے خاتمہ کے لیے جو بڑے ممالک اس دورِ حاضر میں مصالحت کی دعوت دے رہے ہیں ان میں کیا کچھ کر دکھائے گی۔

اور اگر مستقبل میں اسرائیل کے تسلیم کرنے کا معاملہ متحقق ہو گیا۔ جیسا کہ اس کے آثار ابھی سے ظاہر ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ تو ہم اچھی طرح سے یہ سمجھ لیں گے کہ فلسطین کے مسائل کے خاتمہ کے لیے ان خطرناک سازشوں کے پیچھے ماسونی یہودی سازشیں اور منصوبے ہی کارفرما تھے، اور اس منصوبے و سازش کے نافذ کرانے والے وہ کرایے کے جاسوس و خریدکردہ حکام ہیں جنہوں نے اپنی ضمیر کو شیطان کے ہاتھ بیچ دیا ہے، اور عہد و پیمان میں خیانت کی ہے اور انہوں نے اپنے اس مجرمانہ کرتوت کے ذریعہ یہ ظاہر کر دیا ہے کہ ان کا عالمی ماسونیت کے ساتھ بہت گہرا تعلق و رابطہ ہے، یا وہ اس کے لیے کام کر رہے ہیں خواہ وہ یہ سمجھیں یا نہ سمجھیں، بہر حال تاریخ اس عظیم خیانت کی وجہ سے ان کو نیست و نابود کر دے گی، اور قیامت تک ان پر اللہ تعالیٰ اور تاریخ اور تمام مسلمان قوموں کی لعنت برستی رہے گا۔

اس وقت ہم ماسونیت کی تأسیس اور ان کے مراتب کے سلسلہ میں کلام کرنا نہیں چاہتے اور نہ اس کے رموز و اسرار اور طریقوں کو کھول کر بیان کرنا چاہتے ہیں، جو شخص ان سب حقائق پر مطلع ہونا چاہے تو اسے چاہیے کہ استاد حبنکہ کی کتاب "مکائد یہودیۃ" ملاحظہ کر لے وہاں تشفی کا پورا سامان موجود ہے۔

ہم اس وقت جو کچھ بیان کرنا چاہتے ہیں اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ ادیان و مذاہب سے جنگ، اور اخلاقی گراوٹ، اور انسانی معاشروں کو ادھر اُدھر خراب کرنے کے لیے یہودی ماسونیت کی جو سازشیں اور منصوبے ہیں

ان سے پردہ ہٹادیں۔

محترم مربی صاحبان کی خدمت میں ان منصوبوں میں سے اہم اہم ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:[1]

✿ یہود نے اپنے پروٹوکول میں ان گمراہ کن آرار کا اعلان کیا ہے تاکہ لوگوں کے عقائد، ضمیروں اور عقول کو خراب کرسکیں، اور انہوں نے یہودی وغیر یہودی ان شخصیات کے افکار کو اختیار کرلیا ہے جو دینی عقیدے کے خاتمہ کی دعوت دیتی ہیں اور شریفانہ اخلاق کے بنیادی اصولوں کا جنازہ نکالنا چاہتی ہیں۔

✿ یہ لوگ علی الاعلان یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اس "فرائڈ" کی آرار کو اختیار کرلیا ہے جو انسان کے کردار سے متعلق ہر چیز کی تفسیر جنسی جذبات اور شہوات وخواہشات میں بہہ جانے سے کرتا ہے۔

✿ انہوں نے اس کارل مارکس کی آرار کو اختیار کرلیا ہے جس نے بہت سے لوگوں کے قلوب اور ضمائر وعقول کو خراب کرڈالا، اور مذاہب وادیان کو لغو وبے کار گردانا، اور الوہیت وخدائیت کے عقیدہ کی مخالفت کی، اور جب کارل مارکس سے یہ کہا گیا کہ عقیدۂ الوہیت کا بدل کیا ہے؟ تو اس نے کہا اس کا بدل سیر وسیاحت ہے۔ لوگوں کو عقیدہ الوہیت سے ہٹا کر کھیل کود میں مشغول کردو۔

✿ انہوں نے اس نیتشہ کی آرار کو لے لیا ہے جس نے اخلاق کا جنازہ نکال دیا، اور ہر انسان کو اس بات کی اجازت دے دی کہ جس چیز سے چاہے مزے لوٹے چاہے اس کے لیے قتل وغارت، خونریزی وتخریب کیوں نہ اختیار کرنی پڑے۔

✿ انہوں نے اس ڈارون کی آرار کو لے لیا جس نے اس تطور وترقی کے نظریہ کو اپنایا تھا جسے علم وفہم نے غلط قرار دیا اور اسے مہمل چیزوں کی ٹوکری کی نذر کردیا۔[2]

✿ بلکہ یہود تو یہاں تک آگے بڑھ گئے کہ انہوں نے انسانیت کو خراب کرنے کے لیے ایک منصوبہ تیار کیا، اور اس کو نافذ کرنے کے لیے اطلاعات ونشریات کے وسائل اور سینما وتھیٹر کے اسٹیج اور ریڈیو وٹیلی ویژن کے پروگراموں اور ماسونی جمعیات وتنظیموں، اور ہر خائن وجاسوس اور کرایہ کے صاحبِ قلم سے کام لیا، اور اپنے مکر وخبث اور بدباطنی سے اس بات پر قادر ہوگئے کہ ثقافت، تہذیب، فنون، کھیل کود اور بے حیائی کے اڈوں ومراکز وغیرہ کے ذریعے قوموں کو

---

[1] ان منصوبوں وسازشوں کا اصل مرجع استاذ عبدالرحمٰن حبنکہ کی کتاب "مکائد صہیونیۃ" (ص۔ ٢٣٣ تا ٢٣٨) ہے۔

[2] ہماری کتاب "شبہات وردود" کا مطالعہ کیجیے۔ اس میں ڈارون کے نظریہ کی کافی وشافی تردید ہے اور اس کے بطلان کو خوب واضح کیا گیا ہے۔

خراب کریں، جیسے کہ وہ اپنی عیاری وچالاکی اور قطع وبرید سے اس بات پر بھی قادر ہوگئے کہ یورپ وامریکہ اور مشرق کی اکثر یونیورسٹیوں کی علم نفس اور علم الاجتماع (معاشرتی علوم) کی کرسیوں پر قبضہ کریں، تاکہ ان دو علموں کے راستہ سے لوگوں کے اخلاق وعقائد کو خراب کریں، اور انہوں نے اپنے خبیث منصوبے کو نافذ کیا، اور اس طرح سے تقریباً ان شعبوں کی اکی کرسیوں پر قابض ہوگئے، تاکہ تمام عالم کی فکری، نفسیاتی اور فلسفیاتی قیادت ان کے ہاتھ میں رہے۔

★ لیجیے اب وہ بات بھی سن لیجیے جو یہ لوگ نویں پروٹوکول میں کہتے ہیں: غیر یہودیوں کو ان بنیادی چیزوں کی تعلیم کے ذریعے جنہیں اگرچہ ہم خود ہی بتلاتے ہیں لیکن ہم انہیں غلط اور باطل سمجھتے ہیں ان کے ذریعے ہم ان کو گمراہ کرنے اور ان کے اخلاق بگاڑنے اور بے وقوف بنانے پر قادر ہوگئے ہیں۔

★ اور تیرہویں پروٹوکول میں کہتے ہیں:

غیر یہودی قوموں کے عوام کو اس بات سے دور رکھنے کے لیے کہ وہ خود بخود ہمارے کسی نئے منصوبے پر مطلع ہوں ہم ان کو مختلف قسم کے کھیل کود اور لہو ولعب اور اس طرح کی چیزوں میں مشغول کردیں گے، اور عنقریب ہم اخبارات میں ایک اعلان کے ذریعے لوگوں کو ہر قسم کے مقابلوں کے پروگراموں میں شرکت کی دعوت دیں گے جیسے کہ فن اور ریاضت وغیرہ، تفریح کا یہ نیا سامان لازمی طور سے عوام کے ذہن کو ان مسائل سے غافل کردے گا جو ہم ان کے درمیان کھڑے کررہے ہیں، اور جب عوام اپنے طور پر مستقل بالذات ہوکر سوچنے کی نعمت سے تدریجاً محروم ہوجائیں گے تو سب کے سب نعروں میں ہمارے ساتھ شریک ہوں گے۔ اس لیے کہ صرف ہم ہی معاشرے کے وہ منفرد اعضاء وافراد ہوں گے جو اس بات کی اہلیت رکھتے ہوں گے کہ نئی فکر وسوچ کی راہیں پیش کریں، اور ان خطوط کو ہم اپنے ان وسائل کے ذریعے پیش کریں گے جو ہمارے ایسے افراد ہوں گے جن کے ہمارا حلیف ووفادار ہونے کا کسی کو شک وشبہ بھی نہ ہوگا، مثالی آزاد لوگوں کا دور اس وقت اپنی انتہا کو پہنچ جائے گا جب ہماری حکومت تسلیم کرلی جائے گی اور یہ لوگ اس وقت ہماری بہت اچھی خدمت کریں گے۔

★ پروٹوکول میں یہ بھی لکھا ہے کہ: ہمیں چاہیے کہ ہم ہر جگہ اخلاق کا جنازہ نکالنے کے لیے کام کریں، تاکہ ہمارے تسلط کی راہ ہموار ہو، فرائڈ ہمارا آدمی ہے، وہ جنسی تعلقات کو دن دہاڑے پیش کرتا رہے گا، تاکہ جوانوں کی نگاہ میں کوئی چیز بھی مقدس باقی نہ رہے۔ اور ان کا سب سے بڑا مقصد جنسی خواہشات کی تکمیل بن جائے، جب یہ ہوجائے گا تو اخلاق کا جنازہ نکل چکا ہوگا۔

★ بلغراد کی ماسونی کانفرنس منعقدہ ۱۹۲۲ء کی قرارداد میں ان کا یہ قول تحریر ہے کہ: ہمیں یہ ہرگز نہیں بھولنا چاہیئے

کہ ہم ماسونی لوگ دین کے دشمن ہے، اور ہمیں دین کے آثار و علامات کے خاتمے کی کوشش میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرنا چاہیے

★ ماسونی مشرق اعظم ۱۹۱۳ء کی قرارداد میں لکھا ہے کہ: عنقریب انسانیت ہی کو مقصود بنایا جائے گا خدا کو چھوڑ دیا جائے گا۔

★ اور انٹرنیشنل ماسونی کانفرنس منعقدہ سنہ ۱۹۰۰ء کی قرارداد میں یہ لکھا ہے کہ ہم صرف اس پر اکتفا نہیں کریں گے کہ دینداروں پر فتح حاصل کرلیں ان کی عبادت گاہوں پر غلبہ حاصل کرلیں، ہمارا بنیادی اور اصلی مقصد ان لوگوں کے وجود کو ختم کرنا ہے۔

★ ماسونی مجلہ اکاسیا ۱۹۰۳ء میں لکھا ہے کہ: دین کے خلاف جہاد و مقابلہ اپنی انتہا کو اس وقت پہنچے گا جب دین کو حکومت سے جدا کر دیا جائے، ماسونیت دین کی جگہ لے لے، اور اس کی محافل عبادت گاہوں کی جگہ لے لیں۔

محترم مربی صاحبان! کیا آپ نے اب یہ سمجھ لیا ہے کہ ان خبیث و عیارانہ منصوبوں سے یہودیت و ماسونیت کیا چاہتی ہے؟ بلاشک وشبہ ان کا مقصد یہ ہے کہ بنو اسرائیل کی عزت دوبارہ قائم ہو، اور فرات سے نیل تک ان کی عظیم حکومت کی تاسیس ہو، پھر تمام عالم پر قبضہ کیا جا سکے، اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ان کے جو وسائل ہیں ان میں روئے زمین سے تمام آسمانی دینوں اور اخلاقی و معاشرتی واقتصادی مذاہب کا خاتمہ اور صرف اور صرف یہودیت کے جھنڈے کی سربلندی ہے، اور فلسطین میں اسرائیلی حکومت کا قیام ان مکارانہ سازشوں ہی کا کرشمہ ہے جن سے ماسونی محفلوں نے اپنے اغراض پورے کرنے کے لیے کام لیا۔

محترم مربی صاحبان! جب آپ نے یہ سب کچھ جان لیا تو پھر آپ کو اپنی کوشش وجدوجہد کو دوگنا کر دینا چاہیے، اور اپنی اولاد کی ایمانی واخلاقی تربیت اور فکری ونفسیاتی تعمیر کے لیے اپنے عزم کو تیز کر لینا چاہیے، تاکہ یہودی سازشیں ان کے عقیدہ کو جھنجھوڑ نہ سکیں اور ان کے اخلاق کو تباہ نہ کر سکیں۔

د۔ استعماری منصوبے اور سازشیں

استعماری سازشوں سے میری مراد وہ منصوبے ہیں جن کا اسلام سے جنگ کرنے، اور مسلمانوں کو ان کے عظیم مقصد جہاد فی سبیل اللہ سے ہٹانے، اور اسلامی معاشرے کو آزادی وشہوت پرستی میں غرق کرنے میں عیسائیت اور استشراق سے بہت گہرا ربط و تعلق ہے، ان منصوبوں کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان چیزوں میں پھنسا کر اسلامی عقیدے سے عاری و تہی دست کر دیا جائے، اور انہیں ایک ایسا حیوان بنا دیا جائے جس کا دنیاوی زندگی میں سوائے خواہشاتِ نفس کے پورا کرنے اور ذلالت ورذالت کی کیچڑ میں دھنسنے کے اور کوئی کام نہ ہو، نہ اسے عظمت و بڑائی تک پہنچنے کی خواہش ہو اور نہ دنیا میں کوئی عظیم کام انجام دینے کی تمنا ہو۔

★ ان مستعمرین کا ایک بڑا آدمی لکھتا ہے کہ :شراب کا جام اور مغنیہ امتِ محمدیہ کو پارہ پارہ کرنے میں ہزار توپوں سے زیادہ اثر رکھتے ہیں، اس لیے اس امت کو مادیت و شہوت پرستی میں غرق کردو۔

★ اوراس سے قبل ہم پادری زویمر کا وہ بیان نقل کر چکے ہیں جو اس نے (عیسائی مبلغین) کی کانفرنس میں دیا تھا کہ:

.... آپ لوگوں نے مسلمانوں کے دیار میں ایک ایسی نئی پود تیار کرلی ہے جو اللہ سے تعلق کو نہیں جانتی، اور نہ اس کو جاننا چاہتی ہے۔ اور آپ لوگوں نے مسلمان کو اسلام سے نکال دیا اور مسیحیت میں داخل نہیں کیا.. جس کا اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں کی نئی نسل استعمار کی خواہش و مرضی کے مطابق تیار ہوگئی کہ اسے عظیم کاموں کی کوئی فکر نہیں اور وہ راحت پسند و سست ہے، اور دنیا میں اس کا مطمح صرف شہوت پرستی ہی ہے، وہ اگر تعلیم حاصل کرتا ہے تو شہوت پرستی کے لیے اور اگر وہ ترقی کر کے کسی عظیم منصب تک پہنچتا ہے تو شہوت پرستی ہی کے لیے۔

راندولف چرچل نے ۱۹۶۷ء میں سقوطِ قدس کے بعد کہا تھا کہ:

قدس کو مسلمانوں کے قبضہ سے نکالنا یہود اور عیسائیوں دونوں کا ایک جیسا خواب تھا، اس سے عیسائی یہودیوں سے کم خوش نہیں ہیں، قدس مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل چکا اور یہودی کنیسہ نے قدس کو یہودی قدس کے ساتھ ضم کرنے کے سلسلہ میں تین قراردادیں جاری کی ہیں، اور اس کے بعد مسلمانوں اور یہود کے درمیان جو بھی گفت و شنید ہوگی اس کی وجہ سے قدس مسلمانوں کو دوبارہ کبھی نہیں ملے گا۔

اس سے قبل عیسائیت اور استشراق کے منصوبوں وسازشوں کی بحث میں ہم مستعمرین کے بہت سے اقوال ذکر کر چکے ہیں جو سب کے سب اسلامی مقدسات اور اسلامی مبادیات اور بنیادی اصولوں کو ختم کرنے اور ان کے وجود کو دنیا سے مٹانے والے وسائل کو عملی جامہ پہنانے میں ایک ہاتھ کی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پھیلانا و مکمل کرنا چاہتے ہیں خواہ کافروں کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔

اور اے مربی صاحبان!

اخیر میں یہ بات بھی سامنے رکھیے کہ آپ مسلمان ممالک میں جاسوسی اور دوسروں کے لیے کام کرنے والے ایسے ایجنٹوں کی ریشہ دوانیوں سے قطعاً بے خبر نہ رہیں، جو ملحد شیوعیت اور حاسد ترین عیسائیت اور مکار ماسونیت اور گمراہ کن استعماری مذاہب سے گہرا ربط و تعلق رکھتے ہیں، اور سرزمینِ اسلام اور اسلامی معاشروں میں ہر جگہ اباحیت و آزادی اور کفر کی بنیادی باتیں پھیلانے میں صبح و شام مصروف رہتے ہیں۔

اے مربی صاحبان! آپ کو یہ بھی جان لینا چاہیے کہ ان خائن ایجنٹوں میں سے ہر جماعت کے کچھ عناصر ہیں جو مستقل کام کرتے رہتے ہیں اور ان کے کام کرنے کے مختلف اسلوب ہیں اور ان کے بہت گہرے بنیادی اصول اور نئی نئی

تنظیمیں بھی ہیں۔

دم چھلوں اور ذہنی غلاموں کی یہ جماعتیں آپ کے بیٹے اور بیٹی سے ایمان و اسلام کا عقیدہ اور اخلاق و شرافت کو چوری کرنے میں ایک دوسرے سے باہم متحد، معاون و مددگار ہوتی ہیں، تاکہ بچے کے پاس کوئی ایسی چیز باقی نہ رہے جس کا نام ایمان، اخلاق یا شرافت ہے، اور ان خائن جماعتوں کی نظر میں یہ چیز اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک بچہ تشکیک (شک و شبہ) آزادی اور اباحیت کے مختلف مراحل سے نہ گزر جائے، ان مراحل سے گزرنے کے بعد وہ بچہ ہر اس مقدس و اچھی چیز کو پھینک دیتا اور دور کر دیتا ہے جو ادیان و شریعتیں لے کر آئی ہیں۔

وہ لوگ جنہوں نے اپنی نفوس کو شیطان کے ہاتھوں فروخت کر دیا ہے وہ ملک کے طول و عرض میں اِدھر اُدھر سب جگہ منتشر اور مضبوط حیثیت کے مالک ہوتے ہیں، یہ سرکاری ملازمتوں، ریڈیو، ٹیلیویژن، تعلیمی میدان، کارخانوں کمپنیوں غرضیکہ ہر جگہ گھسے ہوئے ہیں۔

فساد کے پھیلانے، گمراہ کرنے، اور الحاد کے دام میں پھنسانے کے لیے ان کے پاس مختلف وسائل ہیں کبھی اخبارات سے کام لیتے ہیں، اور کبھی ریڈیو کی نشریات سے، اور کبھی ٹیلی ویژن کے ڈراموں اور اسٹیج سے، اور کبھی عوامی اسٹیج کے ڈراموں اور میلوں سے، اور کبھی ثقافتی مراکز اور تقاریر کی مجالس سے، اور کبھی مختلف قسم کی تنظیموں کے افتتاح سے، یہ وسائل اس کے علاوہ ہیں جو وہ نظامِ تعلیم اور یونیورسٹیوں میں مستقل منظم طریقے سے کافرانہ نظریات پھیلاتے رہتے ہیں اور سازش و فساد کے لیے خصوصی ملاقاتیں کرتے ہیں۔

جناب مربی صاحبان! آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ ان ایجنٹوں کے پاس گمراہ کرنے، بگاڑنے اور گفت و شنید کے بھی بہت سے اسلوب ہیں جن سے وہ بچے کے عقیدے، افکار اور اخلاق پر اثر انداز ہو جاتے ہیں۔

★ ان کے طریقوں اور اسالیب میں سے یہ بھی ہے کہ بچہ جب فارغ ہوتا ہے تو یہ اسے ملازمت، جاہ و منصب کا لالچ دیتے ہیں۔ اور جب وہ ان میں سے کسی تنظیم میں شامل ہو جاتا ہے تو بڑے مرتبہ و عہدہ تک پہنچ جاتا ہے۔

★ ان کے اسالیب میں سے بچے کو مغربی ثقافت و ترقی، یا مشرقی بنیادی چیزوں کے ذریعہ گمراہ کرنا بھی ایک طریقہ ہے یہ لوگ ان کے سامنے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ مشرقی ثقافت اصول و نظریات والے عزت و بلندی کو اس وقت پہنچے جب انہوں نے دین کو ایک طرف ڈال دیا۔

★ ان کے اسالیب میں سے یہ بھی ہے کہ بچے کو خدا کے اعتقاد کے سلسلہ میں شک میں ڈالنا مثلاً یہ کہنا کہ اگر اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے تو اس کو کس نے پیدا کیا ہے؟ یا یہ کہ اگر ہم اللہ کو دیکھ نہیں رہے ہیں تو پھر وہ موجود بھی نہیں ہے، اسی طرح کے غلط اور باطل شکوک و شبہات کا پیدا کرنا، اور ان کے سلسلہ میں اشکالات

وسوالات کرنا۔[1]

★ ان کا طریقہ یہ بھی ہے کہ یہ لوگ بچے کو اسلامی نظام کے بارے میں شک وشبہ میں ڈال دیتے ہیں، مثلاً یہ کہنا کہ اسلامی اصولوں پر عمل کرنے کا زمانہ گزر چکا ہے، اور اس کے اغراض ومقصود ایک زمانے سے ختم ہو چکے ہیں لہٰذا یہ اسلام ایٹم، بجلی اور علم کے دور کے ساتھ چلنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

★ ان کا طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ بچے کو یہ باور کراتے ہیں کہ اسلام نے عورت پر پردہ لازم کیا ہے اور اس کو گھر کی چہار دیواری میں بند کر دیا، اور اس کو مرد کا غلام اور ذلیل وحقیر بنا دیا ہے اس کے لیے یہ قطعاً ممکن نہیں ہے کہ وہ حقوق کے حصول اور عزت وکرامت کی چوٹی تک پہنچے مگر یہ کہ وہ تمام ان قیود سے آزاد ہو جائے جو اسلام نے لاگو کی ہیں، اور ہر اس اچھی چیز کو چھوڑ دے جو دین نے پیش کی ہے[2]۔

★ ان کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ بچے کو آزادی، شہوت پرستی، بے حیائی اور زنا کی طرف یہ کہہ کر ترغیب دی جائے کہ جنسی شہوت کے داعیہ پر بھی لبیک کہنا چاہیے، اور جنسی جوش اور نفسیاتی انضباط سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہیے وغیرہ وغیرہ مختلف قسم کے اسالیب اور باطل قسم کے شکوک وشبہات اور گندے قسم کی بہکانے والی تدبیریں:

﴿ذٰلِكَ قَوۡلُهُمۡ بِاَفۡوَاهِهِمۡ ۚ يُضَاهِـُٔوۡنَ قَوۡلَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ قَبۡلُ ؕ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤۡفَكُوۡنَ﴾ التوبہ۔ ۳۰	یہ باتیں کہتے ہیں اپنے منہ سے، ریس کرنے لگے اگلے کافروں کی بات کی، اللہ ان کو ہلاک کرے کہاں سے پھرے جاتے ہیں۔

مربی محترم! کیا آپ نے یہ سمجھ لیا کہ یہ خائن ایجنٹ جو شبہات پیدا کرتے اور شک وشبہ ڈالتے ہیں اس سے ان کا مقصد وغرض کیا ہے؟ بلاشبہ انکا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ مؤمن قوموں کے انجام اور اسلامی معاشروں کو اپنے ان سربراہوں کی گاڑی کے ساتھ باندھ دیں جو کافرانہ عقیدے اور گمراہ کن مذاہب اور مخرب نظاموں کے مالک ہیں، تاکہ مسلمان نوجوان اور مسلمان عورت کے پاس اسلام نامی کوئی چیز باقی نہ رہے، یا ان کے یہاں عیب، حیا یا حرام نامی کوئی چیز باقی نہ رہے۔

اگر یہ کمینے عیار ایجنٹ اس گمراہی وکجی کے پھیلانے میں کامیاب ہو گئے اور ان کو یہ موقعہ دے دیا گیا کہ وہ اپنے مکر کا بازار گرم کرلیں، اور اس کے لیے متحد ہو جائیں، اور اپنے زہر اور کفریات کو پھیلا دیں، اور ہماری طرف سے ان کی کوئی

---

[1] ملاحظہ کیجیے، ہماری کتاب "شبہات وردود" اس میں ان شبہات کی تردید میں نہایت مضبوط دلیلیں پیش کی گئی ہیں جو یہ لوگ پیدا کرتے ہیں۔

[2] ملاحظہ کیجیے ڈاکٹر نورالدین عتر کی کتاب "ماذا عن المرأة" اور استاذ وہبی سلیمان غاوجی کی کتاب "المرأة المسلمة" ان دونوں کتابوں میں فاسد خیالات وافکار کی بہت عمدہ تردید کی گئی ہے۔

مدافعت ومقاومت نہ ہوئی. اور ہم نے اپنی ذمہ داری کا احساس نہ کیا، اور رہنمائی تلقین وتربیت کا اہتمام نہ کیا. تو خدانہ کرے پھر انجام یہ ہوگا کہ اسلامی معاشرے لازمی طور سے اباحیت وآزادی اور الحاد کی جانب آگے بڑھیں گے، اور کھلم کھلا وہ حتمی طور سے مشرقی یا مغربی گاڑی کے ساتھ جُت جائیں گے، یا آپ چاہیں تو یہ کہہ دیں کہ وہ شیوعی (کمیونسٹ) یا راسمالی (سرمایہ دارانہ) نظام سے وابستہ ہو جائیں گے، اور اس وقت ہم دائمی رسوائی کو پہنچ گئے ہوں گے، اور گمراہی والٹے پاؤں لوٹنے کی بنا پر امتِ اسلامیہ کو ذلت ورسوائی اور غلامی کا شکار ہونا پڑے گا، اور ہم ان لوگوں میں سے بن جائیں گے جو قیامت تک کے لیے اللہ اور قوموں اور تاریخ کی لعنت کے مستحق بنے۔

مربی محترم! جب آپ نے یہ منصوبے وسازشیں جان لیں جن کا مضبوط ترین جال شیوعیت، عیسائیت اور یہودی ماسونیت اور استعماری مذاہب اور خائن ایجنٹوں کی جماعتوں نے بنایا ہے، تو پھر یہ سب کچھ جان لینے کے بعد آپ کا فرض یہ ہے کہ آپ خوب جدوجہد و محنت کریں، اور قوی عزم سے کام لیں، اور پکے ارادہ کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوں، تاکہ اپنے اس اسلامی فریضے کو ادا کر سکیں جو بچوں کی تربیت، اور خاندان کی تلقین، اور ان لوگوں کی رہنمائی کے سلسلہ میں جن کی تربیت کی ذمہ داری آپ پر عائد ہے آپ کے خاندان کے سلسلہ میں آپ پر جو ذمہ داری ڈالی گئی ہے وہ ایک امانت ہے، اور یہ قیامت کے دن ذلت ورسوائی اور ندامت کا ذریعہ بنے گی مگر اس شخص کے لیے جو اس کے حق کو ادا کرے اور اس سلسلہ میں اپنی ذمہ داری کو پوری طرح سے ادا کرے۔

لہٰذا حساب وکتاب اور سوال سے قبل ہی اس حق کو صحیح طریقے سے ادا کیجیے تاکہ اللہ کی رضا اور جنت میں اس کا قرب اور ان لوگوں کی رفاقت نصیب ہو سکے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے اور وہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین وغیرہ ہیں اور یہ حضرات بہت ہی عمدہ رفیق ہیں [1]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((وَقِفُوهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ)) الصافات ۲۴ — اور ان کو (ذرا) ٹھہراؤ ان سے پوچھ گچھ ہوگی۔

اور فرمایا:

((فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ)). الحجر ۹۲، ۹۳ — سو قسم ہے آپ کے رب کی ہم کو ان سب سے پوچھنا ہے جو کچھ وہ کرتے تھے۔

---

[1] اس کتاب "تربیۃ الاولاد" کی قسم ثانی میں مربیوں کی مسئولیت کی بحث کے ذیل میں ہم تفصیلی کلام کر چکے ہیں لہٰذا اس کا مطالعہ کر لیجیے۔ انشاء اللہ تشفی کا پورا سامان مہیا مل جائے گا

۲ بچّے کی تربیت کے بنیادی قواعد

تربیت کے بنیادی اصول دو قاعدوں میں منحصر ہیں:

۱۔ ارتباط اور ربط وتعلق کا اصول۔
۲۔ متنبہ و چوکنا کرنے کا قاعدہ۔

۱۔ ارتباط اور ربط وتعلق کا اصول:

یہ یقینی بات ہے کہ بچہ جب ہوشیاری اور سمجھداری کی عمر کو پہنچے اور اس کا تعلق اعتقادی اور روحانی روابط اور فکری، تاریخی، معاشرتی و ریاضتی روابط سے مضبوط ہو، اور پھر جب وہ اور بڑا ہو اور نوجوانی میں قدم رکھ کر پورا آدمی بن جائے اور پھر ادھیڑ عمر کو پہنچ جائے تو بلاشبہ ایسے بچے میں ایمان کی مضبوطی اور یقین کی ٹھنڈک اور تقوی کی ایسی مضبوط دیوار ہوگی جو اسے جاہلیت کی چیزوں سے کنارہ کش ہونے اور اس کے تمام تر تصورات وعقائد اور بنیادی اصولوں اور گمراہ کن باتوں سے بے تعلق ہونے اور ان کی اصل حقیقت جاننے میں مددگار ہوگی بلکہ ایسا بچہ ہر اس شخص کے مقابلہ پر شعلہ جوالہ ہوگا جو اسلامی نظام سے ٹکرائے، یا اس سے معاندانہ موقف اختیار کرے، یا اس کے ابدی بنیادی اصولوں پر کوئی حاسدانہ نظر ڈالے، ایسا کیوں ہوگا؟

اس لیے کہ بچہ کا ربط اسلام سے ہوگا عقیدہ کے لحاظ سے بھی اور عبادت کے لحاظ سے بھی، اور اخلاق کے لحاظ سے بھی اور نظام شریعت کے لحاظ سے بھی، اور عمل وتطبیق احکام کے لحاظ سے بھی، اور جہاد ودعوت کے لحاظ سے بھی، اور دین وحکومت کے لحاظ سے بھی، اور قرآن وتلوار کے لحاظ سے بھی اور ثقافت وافکار کے لحاظ سے بھی۔

مربی محترم! آپ کے سامنے وہ اہم روابط ذکر کیے جاتے ہیں جو آپ کے بچے کے لیے خیر ہی خیر کے ضامن ہیں، لہٰذا آپ ان کو جس قدر بھی نافذ کر سکتے ہوں نافذ کردیں تاکہ آپ اپنے بچے کو نیک صالح مومنوں کی گنتی اور پاکیزہ و متقی لوگوں کے زمرہ اور مجاہدین احرار کی جماعت میں دیکھیں، اللہ کے لیے یہ کچھ بھی مشکل امر نہیں ہے

روابط وارتباطات کچھ اس طرح سے ہیں :

① اعتقادی رابطہ

اس سے قبل "ایمانی تربیت کی ذمہ داری" کی بحث میں ہم یہ ذکر کر چکے ہیں کہ بچہ جب سے ہوش مند و سمجھدار ہو اسی وقت سے اس کا بنیادی ایمانی ارکان اور غیب سے متعلق حقائق اور ان تمام چیزوں سے تعلق وارتباط ہونا چاہیے جو صادق امین صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے ہم تک اعتقادیات ومغیبات (غیبی امور) کے قبیل سے پہنچی ہیں، لہٰذا مربی پر یہ لازم ہے کہ وہ بچے میں اللہ جل شانہٗ پر ایمان اور فرشتوں اور آسمانی کتابوں اور رسولوں اور قضاء وقدر اور فرشتوں کے سوال کرنے، اور عذابِ قبر پر ایمان اور آخرت کے احوال، دوبارہ زندہ کیے جانے، اور حساب کتاب جنت ودوزخ وغیرہ غیبی امور پر ایمان اس کے دل میں سمودے۔

مربی محترم یہ بات آپ سے پوشیدہ نہ ہوگی کہ اگر آپ اپنے بچے میں ایمان باللہ کی حقیقت کو جاگزین کردیں، اور اس کے قلب وتصور میں ان غیبی امور کو راسخ کردیں، اور ہمیشہ یہ کوشش کریں کہ بچے کا تعلق ربانی عقیدہ سے قائم رہے تو اس کا اثر یہ ہوگا کہ آپ کا بیٹا اللہ کے مراقبے اور اس کے حاضر وناظر ہونے کے عقیدے اور اس سے خوف وخشیت، اور ہر پیش آمدہ امر ومصیبت میں اس کے سامنے گردن جھکانے، اور اس کے حکم پر عمل کرنے، اور ممنوعات سے رکنے میں پیش پیش ہوگا بلکہ اس میں ایمان کا اتنا احساس اور ضمیر کی ایسی خلش ہوگی جو اسے معاشرتی برائیوں اور نفسیاتی وساوس اور اخلاقی خرابیوں سے روک دے گی، اور اس طرح سے وہ روحانی واخلاقی طور پر مکمل ٹھیک ٹھاک ہوجائے گا، اور عقل اور کردار کے اعتبار سے کامل ومکمل ہوجائے گا۔ بلکہ اس کا شمار ان لوگوں میں ہوگا جن کی طرف انگلی سے اشارہ کیا جاتا ہے، اس لیے کہ وہ ہدایت، صحیح راستے، دین اور حق پر قائم ہوگا۔

مربی محترم! میرا خیال ہے کہ آپ کے سامنے مجھے آپ کی ذمہ داری ومسئولیت کی وہ حدود ذکر کرنے کی ضرورت نہیں جو آپ پر اپنے بچے کی ایمانی تربیت کے سلسلہ میں لازم ہوتی ہیں۔ اس لیے کہ اس بحث پر اس کتاب تربیۃ الاولاد کی قسمِ ثانی میں "ایمانی تربیت کی مسئولیت" کی بحث میں ہر پہلو سے کلام کیا جاچکا ہے۔ لہٰذا اگر آپ دوبارہ اس کو پڑھنا چاہیں تو مذکورہ بحث مطالعہ کرلیجیے، وہاں آپ کو انشاء اللہ تشفی کا پورا سامان مل جائے گا۔

۲ روحانی ارتباط

روحانی ربط سے میری مراد یہ ہے کہ بچے کی روح صاف و پاکیزہ اور روشن ہو جائے، اور اس کے دل سے ایمان و اخلاص پھوٹ نکلے۔ اور اس کی نفس پاکیزگی و روحانیت کی فضا میں بلندی کی معراج کو پہنچ جائے۔ اسلام نے مسلمان کو مختلف قسم کے روحانی رابطوں سے مربوط رکھنے کے لیے ایک خاص منہج اور نظام مقرر کیا ہے تاکہ مسلمان اپنی پاکیزگی و نور اور اخلاص و صفا کو ہمیشہ ہمیشہ محفوظ رکھ سکے۔

اور وہ منہج و نظام درج ذیل ہے:

الف ۔ بچے کو عبادت سے مربوط رکھنا:

اس لیے کہ حاکم اور ابوداؤد حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہو جائیں، اور نماز نہ پڑھنے پر ان کو مارو جب وہ دس سال کے ہو جائیں اور ان کے بچھونوں کو الگ الگ کر دو۔

اور نماز پر قیاس کرتے ہوئے بچہ کا تعلق روزے سے بھی قائم کیا جائے گا بشرطیکہ بچے میں روزہ رکھنے کی طاقت ہو، اسی طرح اگر باپ صاحبِ حیثیت ہو تو بچے کو حج سے بھی واقف کرائے، اور اگر مربی صاحبِ استطاعت ہو تو بچے کو زکاۃ سے بھی واقف کرائے۔

مربی محترم! آپ کو چاہیے کہ آپ بچہ کے یہ ذہن نشین کرادیں کہ اسلام میں عبادت صرف ان چاروں عبادات میں ہی محصور نہیں ہے بلکہ عبادت ہر اس نیک کام کو شامل ہے جس میں مسلمان آدمی اللہ کے نظام کو اختیار کرتا ہے، اور اس سے اس کا مقصد اللہ کی رضامندی ہوتی ہے، عبادت کے اس عام معنی کا حاصل یہ نکلے گا کہ اگر تاجر اپنی تجارت میں اللہ کے نظام کے مطابق چلے گا اور خرید و فروخت میں حلال و حرام کا خیال رکھے گا اور اس سے مقصد اللہ کی رضا ہو گی تو ایسا تاجر بھی مؤمن بندوں میں شمار ہو گا۔

اس لیے ہر مربی پر لازم ہے کہ وہ بچے کو بچپن ہی میں خیر و شر کی بنیادی باتیں اور حلال و حرام اور حق و باطل کی نشانیاں اور علامتیں سمجھا دے، تاکہ بچہ حلال کو اختیار کرے اور حرام سے بچے، بچے کی اس طرح سے رہنمائی کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس رہنمائی کے مطابق ہے جو آپ نے مربیوں کو کی ہے، چنانچہ ابن جریر و ابن المنذر روایت

کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((اعملوا بطاعة الله، واتقوا معاصي الله، ومروا أولادكم بامتثال الأوامر واجتناب النواهي، فذلك وقاية لهم ولكم من النار)).

اللہ کی طاعت اختیار کرو اور اس کی نافرمانی سے بچو اور اپنے بچوں کو احکامات بجالانے اور ممنوع چیزوں سے رکنے کا حکم دیا کرو یہ ان کے اور تمہارے جہنم سے بچنے کا ذریعہ ہے۔

لہٰذا اے مربی محترم! بچے کا جب شروع ہی سے عبادت سے اس عمومی وخصوصی مفہوم کے ساتھ ربط ہوگا اور ان کے ادا کرنے کا عادی ہوگا، اور بچپن سے ہی اپنے فرض کو ادا کرتا ہوگا، اور اسی طرح جب اللہ کی اطاعت اور اس کے حقوق کی ادائیگی اور اس کے شکر ادا کرنے اور اس کے نظام کو اپنانے کی تربیت پائے گا تو وہ بھی واقعی ایک صحیح متوازن انسان اور مخلص شخص ہوگا جو دنیا میں ہر صاحب حق کے حق کو ادا کرے گا، اور اپنے اخلاق ومعاملات اور چال چلن وکردار میں دوسروں کے لیے بہترین نمونہ ومقتدیٰ بنے گا، بلکہ ان لوگوں میں سے بن جائے گا جن کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جاتا ہے، اس لیے کہ وہ ہدایت، دینِ حق اور راہِ راست پر قائم ہوگا۔

ب۔ بچے کا قرآنِ کریم سے ربط پیدا کرنا:

اس لیے کہ طبرانی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اپنے بچوں کو تین خصلتوں کا عادی بناؤ: اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت، اور ان کے اہلِ بیت کی محبت اور قرآنِ کریم کی تلاوت، اس لیے کہ حاملینِ قرآن اس روز انبیاء ومقرب بندوں کے ساتھ اللہ کے عرش کے سایے میں ہوں گے جس روز اس کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔

★ علامہ ابنِ خلدون نے اپنی کتاب "مقدمہ" میں بچوں کو قرآنِ کریم حفظ کرانے اور اس کی تعلیم دینے کی اہمیت ذکر کی ہے، اور یہ واضح کیا ہے کہ مختلف اسلامی ملکوں میں قرآنِ کریم کی تعلیم ہی تمام تعلیمی نظام کی اساس وبنیاد ہے اس لیے کہ یہ دین کے شعائر میں سے ایک ایسا شعار ہے جو عقیدہ کو مضبوط اور ایمان کو راسخ کرتا ہے۔

★ ابنِ سینا نے کتاب السیاسۃ میں یہ نصیحت لکھی ہے کہ بچے میں جب جسمانی اور عقلی لحاظ سے استعداد وصلاحیت پیدا ہوجائے، تو قرآنِ کریم کی تعلیم سے اس کی ابتدا کرنا چاہیے تاکہ بچپن سے ہی اصلی بنیادی عربی زبان اس کی گھٹی میں پڑجائے، اور ایمان کی نشانیاں اس کی نفس میں راسخ ہوجائیں۔

★ امام غزالی نے اپنی "احیاء العلوم" میں یہ وصیت کی ہے کہ بچے کو قرآنِ کریم اور احادیث اور نیک لوگوں کے واقعات اور بعض دینی احکام کی تعلیم دینا چاہیے۔

اور "ایمانی تربیت کی ذمہ داری" کی فصل میں ہم یہ ذکر کرچکے ہیں کہ پہلے زمانے کے لوگ اپنے بچوں کی تربیت

کا لتنا اہتمام کیا کرتے تھے، اور ہمارے سمجھدار سلفِ صالحین اور ان کے والدین کس طرح اپنے بچوں کو استاذ کے پاس بھیجتے تھے؛ چنانچہ یہ حضرات استاذ و معلم کو سب سے پہلی نصیحت یہ کرتے تھے اور مشورہ یہ دیتے تھے کہ وہ ان کے بچوں کو قرآن کریم کی تعلیم دیں اور اسے یاد کرائیں، تاکہ ان کی زبان درست ہو، اور روح میں بلندی اور دل میں خشوع پیدا ہو۔ اور آنکھوں میں آنسو آئیں اور ایمان و اسلام ان کی نفوس میں راسخ ہو جائے اور پھر وہ قرآن و اسلام کے سوا کسی چیز کو دستورِ نظام اور قانون نہ سمجھیں۔

اس لئے اے مربی محترم! آپ کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اس امت کے آخر کے لوگوں کی اصلاح بھی اسی سے ہو گی جس سے اس امت کے پہلے لوگوں کی اصلاح ہوئی، لہٰذا اگر اس امت کے پہلے لوگوں کی اصلاح قرآن کریم کی تلاوت اس پر عمل، اور اس کو اپنی زندگی میں عملی تطبیق دینے سے ہوئی، اور ان کو عزت اسلامی فکر اور اسلامی کردار اور حقیقی طور سے اسلام کو نافذ کرنے سے حاصل ہوئی تھی تو اس امت کے آخر زمانے کے لوگ بھی نہ اصلاح کے مرتبہ کو پہنچ سکتے ہیں اور نہ ان کو عزت حاصل ہو گی مگر یہ کہ ہم اپنے بچوں کا تعلق قرآنِ کریم سے پیدا کریں۔ ان کو اسے سمجھائیں، یاد کرائیں، تلاوت کرائیں، تفسیر پڑھائیں، اور اس کے ذریعہ ان میں خشوع پیدا کریں، اور عمل کرائیں اور کردار اس کے مطابق بنوائیں، اور ان سے اس کے احکامات پر عمل کرائیں، اگر ہم نے یہ کر لیا تو ہم اس موجودہ دور میں قرآن پر عامل، مؤمن، نیک، متقی قوم پیدا کر دیں گے جس کے ذریعہ اسلام کو سربلندی حاصل ہو گی، اور اس کی بلند و بالا ہمت و محنت سے عالم میں اسلامی حکومت کی بنیاد پڑے گی۔ اور اس کا محل تعمیر ہو گا، تاکہ وہ اپنی عزت و وقار اور قوت و طاقت اور ثقافت میں دوسری قوموں سے مقابلہ کر سکے۔

اس لیے اے مربی محترم! آپ یہ کوشش کیجیے کہ آپ اپنی اولاد اور بچیوں کے لیے ایسے آدمی کو مہیا کر دیں جو انہیں قرآنِ کریم کی تعلیم دے خواہ تعلیم قرآن گھر میں آکر دے یا مسجد میں یا قرآنِ کریم کی تعلیم کے مراکز میں سے کسی مرکز میں۔

اور آپ یہ یاد رکھیے کہ اگر آپ نے یہ فریضہ صحیح طریقے سے ادا کر دیا تو پھر آپ واقعۃً اپنی وہ ذمہ داری پوری کرنے والے شمار ہوں گے جو آپ پر آپ کے بچے کے سلسلہ میں عائد ہوتی ہے، اور آپ اپنے بچے کو روحانی و فکری اور تلاوت و عمل و احکام کے اعتبار سے قرآنِ کریم کے ساتھ مرتبط کرنے والے ہوں گے۔

اگر آپ نے یہ کر لیا تو جب آپ کا بچہ اپنی دونوں آنکھیں کھولے گا تو وہ قرآنِ کریم کے بنیادی احکام کے سوا کسی ایسے قانون کو نہیں جانتا ہو گا جس پر اس کا عقیدہ ہو اور وہ قرآنِ کریم کی شریعت کے سوا کسی ایسی شریعت کو نہ جانتا ہو گا جس سے قانون لیا جائے اور وہ اپنی روح کے لیے نسخہ شفاء و کامیاب مرہم اور اپنی نفس کا علاج سوائے قرآنِ کریم اور اس کی آیات کو خشوع خضوع سے پڑھنے کے کسی اور چیز کو نہ سمجھے گا۔ جب یہ صورت حال متحقق ہو جائے گی تو آپ اپنے بچے کی روحانی اور ایمانی و اخلاقی تیاری کی منزلِ مقصود کو پہنچ جائیں گے، بلکہ آپ کا بیٹا ان لوگوں میں سے ہو گا جس کی طرف

انگلیوں سے اشارہ کیا جاتا ہے، اس لیے کہ وہ ہدایت اور حق اور راہِ راست پر قائم ہوگا۔

ج۔ بچے کو اللہ کے گھروں کے ساتھ مربوط کرنا:

اس لیے کہ ترمذی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب تم کسی شخص کو مسجد جانے آنے کا عادی دیکھو تو اس کے مؤمن ہونے کی گواہی دو۔" اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ)) ۔ التوبہ۔ ۱۸

اللہ کی مسجدیں وہی آباد کرتا ہے جو ایمان لایا اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور قائم کیا نماز کو۔

مربی محترم! آپ کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مسجد اسلام کی نظر میں ان اہم ترین ستونوں میں سے ہے جس پر سابقہ تمام ادوار میں فردِ مسلم کی تیاری اور اسلامی معاشرہ کی تعمیر کا دار و مدار رہا ہے، اور مسلمانوں کے دورِ حاضر اور مستقبل میں بھی مسجد افراد و معاشرے کی تعمیر میں بنیادی اساسی ارکان میں سے رہی ہے اور رہے گی۔ اس لیے کہ مسجد کے بغیر نہ آپ کے بچے کی روحانی و ایمانی تربیت ہو سکتی ہے اور نہ اخلاقی و معاشرتی تعمیر، اور مسجد کے بغیر نہ آپ اللہ اکبر کی وہ آواز سن سکتے ہیں جو آسمانِ دنیا تک پہنچتی ہے اور جذبات کو جھنجھوڑتی اور دلوں کو حرکت دیتی ہے اور نہ ہی آپ کے پڑوسی اس عظیم الشان آواز کو سن سکتے ہیں۔

اور مسجد کے بغیر مسلمان کو وعظ و نصیحت اور وہ کلمۂ حق سننا نصیب نہیں ہو سکتا جس کا اثر اس کی نفس و روح پر ہوتا ہے، اور جس کے اثر سے اس کے احساسات و شعور میں ہیجان پیدا ہو جاتا ہے۔

اور مسجد کے بغیر مسلمان دین کے احکام، اور دنیوی تنظیم و ترتیب، اور حلال و حرام امور، اور زندگی گزارنے کا طرز و نظام، اور شریعت کی باریکیاں نہیں جان سکتا۔

اور مسجد کے بغیر عام مسلمان مشرق و مغرب کے مسلمانوں کے حالات و مصائب اور پریشانیاں اور حاجات نہیں جان سکتا۔

اور مسجد کے بغیر مسلمان کے لیے یہ قطعاً ممکن نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ مہربانی و شفقت سے پیش آئے، اور ان دونوں کی نفوس محبت، شفقت و رحمت اور تعاون و اتحاد و ہمدردی کی بنیاد ۔ پر ایک دوسرے کا ساتھ دیں۔

اور کوئی مسلمان اپنے لیے مصیبت کے وقت کوئی دادرسی و غمخواری اور گھبراہٹ و پریشانی کے وقت کوئی اطمینان و سکون کی جگہ مسجد کے علاوہ نہیں پاتا۔

یہ مسجد کے بعض وہ اعمال و کام ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت اور آپ کے بعد آنے والے

حلفاء وحکام کے زمانے میں تھے۔

اور اگر مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ اپنے اسلامی معاشروں کو ہر جگہ مضبوط و مستحکم بنائیں، اور صحیح راستے اور صحیح بنیاد پر رہیں اور قوت اور علم وثقافت میں بہترین قوم بنیں اور بعد میں بھی وہی عزت ورفعت اور حکومت و مرتبہ اور تشخص قائم رکھ سکیں جو ابتداء میں شروع کے لوگوں نے قائم کیا تھا تو مسجد کو ہمیشہ اسی معیار پر رہنا چاہیئے۔

مربی محترم! کیا آپ یہ جانتے ہیں کہ مسجد کے اہم ترین تقاضوں میں سے یہ ہے کہ اللہ کے ذکر کے ذریعے قلوب کو اطمینان وسکون حاصل ہو، سنیے نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام فرماتے ہیں:

((إذا مررتم بریاض الجنة فارتعوا قالوا: یارسول الله وما ریاض الجنة؟ قال: حلق الذکر)). جامع ترمذی	جب تم جنت کے باغیچوں سے گزرو تو چرلیا کرو، صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول جنت کے باغیچے کیا ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ذکر کے حلقے

مربی محترم! کیا آپ جانتے ہیں کہ مسجد کے اہم تقاضوں میں سے قرآن کریم کا درس وتدریس ہے؟ سنیے نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں:

((وما اجتمع قوم فی بیت من بیوت الله یتلون کتاب الله و یتدارسونه بینهم إلا نزلت علیهم السکینة، وغشیتهم الرحمة، وحفتهم الملائکة، وذکرهم الله فیمن عنده)). صحیح مسلم	اور جمع نہیں ہوتی کوئی قوم اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں، اور پھر وہ اللہ کی کتاب تلاوت کریں اور اس کو آپس میں پڑھیں پڑھائیں مگر یہ کہ ان پر سکینت (اطمینان وسکون) نازل ہوتی ہے، اور رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے، اور فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کا تذکرہ ان فرشتوں کے سامنے کرتے ہیں جو اس کے دربار میں موجود ہیں۔

مربی محترم! کیا آپ کو معلوم ہے کہ مسجد کے اہم اغراض میں سے جماعت کی نماز ہے؟ ملاحظہ فرمایئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

((ألا أدلکم علی ما یمحو الله به الخطایا ویرفع به الدرجات؟ قالوا بلی یارسول الله! قال: إسباغ الوضوء علی المکاره، وکثرة الخطا إلی المساجد وانتظار الصلاة بعد الصلاة	کیا میں تم لوگوں کو وہ چیز نہ بتلاؤں جس سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف کرتے ہیں اور درجات بلند فرماتے ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ضرور بتلایئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ تکلیف کے وقت وضوء کا اچھی طریقے سے کرنا، اور مسجدوں کی جانب کثرت سے چل کر

فذلکم الرباط)) . صحیح مسلم

جانا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا یہ قلعے ہیں۔

مسجد جانے آنے اور اس کی طرف ہر وقت رجوع کرنے میں جو فوائد ہیں یعنی درجات کی بلندی اور گناہوں کی معافی وہ اس کے علاوہ ہیں، ملاحظہ فرمائیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ مبارک :

((من تطهر في بيته ثم مضى إلى بيت من بيوت الله ليقضي فريضةً من فرائض الله، كانت خطواته إحداها تحطّ خطيئةً والأخرى ترفع درجةً)) . صحیح مسلم

جس شخص نے اپنے گھر میں وضو کیا پھر اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر کی طرف روانہ ہوا تاکہ وہاں اللہ کے فرائض میں سے کسی فریضے کو ادا کرے تو اس کے قدموں میں سے ہر ایک قدم پر ایک گناہ معاف کیا جاتا ہے اور دوسرے قدم پر ایک درجہ بلند ہوتا ہے۔

اور اس کے علاوہ مسجد جانے پر قیامت کے روز کامل و مکمل نور کی بشارت دی گئی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مندرجہ ذیل فرمانِ عالی ملاحظہ فرمائیے :

((بشر المشائين في الظلم إلى المساجد بالنور التام يوم القيامة)) . ابوداؤد و ترمذی

تاریکیوں میں مسجدوں کو جانے والوں کو قیامت کے دن کامل و مکمل نور کی بشارت دے دیجیے۔

مربی محترم! مسجدوں کی جانب جانے والوں اور اس کی طرف رجوع کرنے والوں کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث و خوشخبریوں کی وجہ سے آپ خوب ہمت کیجیے، اور پختہ عزم کرکے اپنے بچوں کا اللہ کے گھروں سے رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کیجیے، تاکہ مسجدوں میں ان کی ارواح کی تربیت اور عقلوں کی صفائی، اور نفوس کی تہذیب و ستھرائی ہو۔ اور پھر وہ اسلامی معاشرے کے افراد کے ساتھ مل کر اپنے اتحاد و وحدت کو ثابت کرسکیں۔

اگر آپ نے ایسا کرلیا اور اس دائمی تعلق کا خیال رکھا اور مسجد و گھر کا یہ تعلق دائمی ہوگیا، تو پھر آپ اپنے بیٹے کی روحانی، ایمانی و اخلاقی تعمیر میں اپنی مطلوبہ خواہش کو پہنچ جائیں گے، بلکہ پھر آپ کا بیٹا ان لوگوں میں سے ہوگا جس کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ وہ ہدایت اور دینِ حق اور صراطِ مستقیم پر قائم ہوگا۔

د ۔ بچے کا اللہ کے ذکر سے رابطہ پیدا کرنا :

اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں :

((فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ ...)) . البقرہ - ۱۵۲

سو تم مجھ کو یاد رکھو میں تم کو یاد رکھوں گا۔

اور فرمایا :

((يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا

اے ایمان والو اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو اور

كَثِيرًا ۝ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيلًا)) الاحزاب۔۴۱و۴۲

صبح و شام اُس کی تسبیح کرتے رہو۔

اور فرمایا :

((فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ)) ۔ النساء۔۱۰۳

پھر جب تم نماز پڑھ چکو تو یاد کرو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہوئے۔

اور ان کے علاوہ اس موضوع سے متعلق قرآن کریم کی اور دیگر بہت سی آیاتِ مبارکہ ۔

اور اس لیے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا :

((مثل الذي يذكر ربه والذي لا يذكر الله مثل الحي والميت)) ۔ صحیح بخاری

اس شخص کی مثال جو اللہ کو یاد کرتا ہے اور اس کی مثال جو اللہ کو یاد نہیں کرتا زندہ اور مردہ کی سی ہے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا :

((ليبعثن الله أقوامًا يوم القيامة في وجوههم النور على منابر اللؤلؤ يغبطهم الناس ليسوا بأنبياء ولا شهداء)) فجثا أعرابي على ركبتيه فقال: يا رسول الله، حلهم لنا نعرفهم، قال: ((هم المتحابون في الله من قبائل شتى وبلاد شتى يجتمعون على ذكر الله يذكرونه)) ۔

معجم طبرانی

اللہ تعالیٰ قیامت کے روز بہت سی اقوام کو موتیوں کے منبروں پر بٹھائے گا، ان کے چہروں پر نور برس رہا ہوگا سب لوگ ان پر رشک کریں گے، وہ لوگ نہ انبیاء ہوں گے نہ شہید ہوں گے ۔ ایک بدو گھٹنے کے بل ہو کر عرض کرنے لگے اے اللہ کے رسول ان کے اوصاف بتایئے تاکہ ہم انہیں پہچان لیں، تو آپ نے ارشاد فرمایا : وہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ کے لیے باہمی محبت کرتے ہیں اور مختلف قبیلوں اور مختلف شہروں کے لوگ ہیں جو اللہ کے ذکر کے لیے جمع ہوتے ہیں اور اس کا ذکر کرنے لگتے ہیں۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا :

((أنا عند ظن عبدي بي، وأنا معه إذا ذكرني . فإن ذكرني في نفسه ذكرته في نفسي ، وإن ذكرني في ملأ ذكرته في ملأ خير منهم ، وإن تقرب مني شبرًا تقربت إليه ذراعًا ، وإن تقرب إلي ذراعًا تقربت منه باعًا،

بندہ مجھ سے جیسا گمان کرتا ہے میں اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرتا ہوں، اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، پھر اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے کسی جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں اسے ایسی جماعت میں یاد کرتا ہوں جو ان سے بہتر ہوتی ہے ، اور اگر

وان اتانی یمشی أتیته هرولة)).

بخاری ومسلم

وہ مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں اس کے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں، اور اگر وہ مجھ سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں اس سے ایک باع (یعنی دو ہاتھ پھیلانے کی مقدار) قریب ہوتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔

٭ ٭ ٭

ذکر کا مطلب یہ ہے کہ مؤمن کو جو حالات پیش آتے ہیں ان سب میں اللہ جل شانہ کی عظمت و بڑائی کا استحضار کرے چاہے یہ استحضار ذہنی ہو یا قلبی، نفسی ہو یا زبانی یا فعلی، چاہے کھڑے ہونے کی حالت میں ہو یا بیٹھنے کی حالت میں، لیٹنے کی حالت میں یا زمین پر چلنے کی حالت میں، قرآنِ کریم کی آیات پر غور کرنے، یا نصیحت کے سننے، یا اللہ کی شریعت کو حکم بنانے میں، یا کسی ایسے کام کے کرنے میں جس سے مؤمن کا مقصد اللہ کی رضا کا حصول ہو، قرآنِ کریم نے مختلف مناسبتوں پر ذکر کے یہی معنی بیان کیے ہیں۔

چنانچہ ذہنی نفسی ذکر کے بارے میں قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

((رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ)).

النور۔ ۳۷

ایسے لوگ جنہیں نہ تجارت غفلت میں ڈالتی ہے نہ (خرید و) فروخت اللہ کی یاد سے اور نماز پڑھنے سے اور زکاۃ دینے سے، وہ ڈرتے رہتے ہیں ایسے دن سے جس میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی۔

اور قلبی ذکر کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے:

((الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ)).

الرعد۔ ۲۸

وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کے دل چین پاتے ہیں اللہ کی یاد سے، سن لیجیے اللہ کی یاد ہی سے دل چین پاتے ہیں۔

اور قرآنِ کریم کی تمام وہ آیات جن میں اللہ جل شانہ کے ذکر کا حکم دیا گیا ہے ان کے مضمون میں لسانی ذکر سب سے پہلے داخل ہے، اس لیے کہ اس ذکر سے ذکرِ لفظی سب سے پہلے مراد ہوتا ہے اور حکم بھی اس کا ہوتا ہے، اس کی مزید تاکید حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے جسے ابنِ ماجہ و ابنِ حبان نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ عز و جل فرماتے ہیں: میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے اور اس کے ہونٹ میرے ذکر کے لیے حرکت کرتے ہیں، اور ترمذی حضرت عبد اللہ بن بُسر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول اسلام کے احکامات

بہت زیادہ ہیں، آپ مجھے کوئی ایسی چیز بتلا دیجیے کہ جسے میں خوب مضبوطی سے تھام لوں، تو آپ نے ارشاد فرمایا:

((لا یزال لسانك رطباً بذکر الله)) . تمہاری زبان ہر وقت اللہ کے ذکر سے تر رہنا چاہیے۔

ذکرِ لسانی میں وہ تمام ماثور دعائیں بھی داخل ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند سے مروی ہیں یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین رحمہم اللہ سے مروی ہیں، خواہ ان کا تعلق صبح وشام کی دعاؤں سے ہو، یا کھانا کھانے اور اس سے فارغ ہونے کی دعا سے، وہ سفر و اقامت کی دعائیں ہوں یا گھر میں داخل ہونے اور وہاں سے نکلنے کی یا سونے اور جاگنے کی دعائیں ہوں یا تہجد اور دنیا کی مخلوقات کو دیکھ کر پڑھنے کی دعائیں ہوں، اسی طرح ذکرِ لسانی میں اللہ سے وہ فریاد رسی اور استغفار بھی داخل ہے جس کا قرآنِ کریم میں تذکرہ ہے اور جو نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے منقول ہے[1]۔

اور فعلی ذکر کے سلسلہ میں قرآنِ کریم میں ارشاد باری ہے:

((فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ)) . الجمعہ۔ ۱۰

پھر جب نماز پوری ہو چکے تو زمین پر چلو پھرو اور اللہ کی روزی تلاش کرو، اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

اور ذکر کے عمومی وکلی معنی کے لحاظ سے قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

((إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝)). آلِ عمران۔ ۱۹۰ و ۱۹۱

بے شک آسمان اور زمین کا بنانا اور رات دن کا آنا جانا اس میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں، وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے، اور فکر کرتے ہیں آسمان اور زمین کی پیدائش میں کہتے ہیں اے ہمارے رب آپ نے یہ عبث نہیں بنایا، آپ پاک ہیں سب عیبوں سے، سو ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا لیجیے۔

- ذکر میں قرآنِ کریم کی تلاوت بھی شامل ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ)) الحجر۔ ۹ ہم نے یہ نصیحت اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

---

[1] اذکار و دعاؤں کے لیے مندرجہ ذیل کتب ملاحظہ فرمائیں: ۱۔ امام نووی کی کتاب الاذکار۔ ۲۔ امام شہید کی کتاب المأثورات۔ ۳۔ شیخ عبداللہ سراج الدین کی کتاب "الأدعیۃ والأذکار" نیز مولانا تھانوی رحمہ اللہ کی "مناجاتِ مقبول" اور مولانا عاشق الٰہی صاحب کی "مسنون دعائیں"۔

❖ ذکر میں علم حاصل کرنا اور علماء سے پڑھنا بھی داخل ہے۔ اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

((فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ)) الانبیاء۔۷

سو تم اہل کتاب سے پوچھ دیکھو اگر تم علم نہیں رکھتے۔

❖ ذکر سے مقصود اللہ کی عبادت ہی ہے اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

((يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ)) الجمعہ۔۹

اے ایمان والو جب جمعہ کے دن اذان کہی جائے نماز کے لیے تو چل پڑا کرو اللہ کی یاد کی طرف۔

مربی محترم! آپ سمجھ گئے کہ ذکر سے کیا مراد ہے؟ کیا آپ نے یہ جان لیا کہ ذکر کسی ایک حالت کے ساتھ خاص نہیں ہے، اور اس کا مفہوم کسی مخصوص معین طریقہ کے ساتھ مختص نہیں ہے؟ کیا آپ نے یہ محسوس کر لیا کہ ذکر ایک ایسی نفسیاتی حالت ہے جو مومن کو اس مقام تک پہنچا دیتی ہے کہ وہ ہمیشہ اللہ کی عظمت کا استحضار رکھے۔

جب آپ نے یہ جان لیا اور سمجھ لیا تو پھر آپ یہ پوری کوشش کریں کہ آپ کے بچے کی تربیت ان خطوط ومعانی پر ہو کہ اسے ہر وقت اللہ کی عظمت کا استحضار رہے، تاکہ وہ اللہ سے تنہائی میں بھی ڈرے اور ظاہری طور پر بھی، اور اٹھنے بیٹھنے میں بھی اور چلتے پھرتے بھی، اور حالتِ سفر میں بھی اور حالتِ اقامت میں بھی، اور کوچ کرنے میں بھی اور مقیم رہنے میں بھی، اور حالتِ جنگ میں بھی اور حالتِ اقامت میں بھی، اور گھر میں بھی اور بازار میں بھی اور ہر جگہ، تاکہ وہ ان لوگوں میں سے بن جائے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے درج ذیل فرمانِ مبارک میں مراد لیا ہے:

((إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ)). الانفال۔۲

ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ کا نام آئے تو ان کے دل ڈر جائیں، اور جب ان پر اس کا کلام پڑھا جائے تو ان کا ایمان زیادہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

واقعی اگر اللہ تعالیٰ کا ذکر بچے میں جاگزین ہو جائے۔ اور اللہ کی ذات کے مراقبہ کی کیفیت اس میں راسخ ہو جائے تو بچہ عبادت گزار، نیک صالح اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والا با اخلاق و باوقار بنے گا، اور نہ کسی معصیت میں گرفتار ہو گا اور نہ کسی فاحشہ و برائی کا ارتکاب کرے گا، اور نہ کوئی گناہ کرے گا، اور بخدا بچے میں تقویٰ ونیکی کی منتہی یہی ہے۔

واقعی اسلام کا تربیت کا نظام اور طریقہ کتنا عظیم وزبردست ہے، اگر اس کی تبلائے ہوئے طریقہ پر مربی چلیں اور والدین ومعلمین ان کے قواعد کو لازم پکڑ لیں تو بہت بڑا کام ہو سکتا ہے۔

اس لیے اے مربی محترم! آپ کو چاہیے کہ آپ ذکر کے مختلف اقسام وانواع کے ان معانی کے مطابق اپنے بچے کی تربیت کریں جن کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے، تاکہ آپ کا بچہ اخلاص، تقویٰ، اللہ جل شانہ کے مراقبے اور ہر حالت میں اس کی عظمت کے استحضار کی کیفیت پر بڑھے پلے، اگر آپ نے یہ کر لیا تو آپ اس منزلِ مقصود کو پہنچ جائیں گے جو آپ

نے اپنے بچے کی روحانی تعمیر اور ایمانی و اخلاقی تیاری کے سلسلہ میں مقرر کر رکھی ہے، بلکہ آپ کا بیٹا ان لوگوں میں سے بن جائے گا جن کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جاتا ہے، اس لیے کہ وہ ہدایت اور دینِ حق اور صراطِ مستقیم پر قائم ہوگا۔

۵ ۔ نوافل کے ساتھ بچے کا ربط پیدا کرنا :

اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں :

((وَ مِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا)) ۔ — اور کچھ رات قرآن کے ساتھ جاگتے رہیے، یہ آپ کے لیے زیادتی ہے۔ قریب ہے کہ آپ کا پروردگار آپ کو مقامِ محمود میں کھڑا کر دے۔

بنی اسرائیل ۔ ۷۹

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :

((.. ومن تقرب إليَّ شبرًا تقربت إليه ذراعًا، ومن تقرب إليَّ ذراعًا تقربت إليه باعًا، وإذا أقبل إليَّ يمشي أقبلت إليه أهرول)) ۔ — (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) .. اور جو شخص مجھ سے ایک بالشت قریب آتا ہے میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں اور جو ایک ہاتھ میرے قریب آتا ہے میں دونوں ہاتھوں کے درمیان کے فاصلہ کے برابر اس کے قریب آتا ہوں، اور جب وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں ۔

بخاری و مسلم

اور اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

((ما من عبد مسلم يصلي لله تعالى في كل يوم اثنتي عشرة ركعة تطوعًا غير الفريضة إلا بنى الله له بيتًا في الجنة)) صحیح مسلم — کوئی ایسا مسلمان بندہ نہیں جو اللہ کے لیے ہر روز فرض کے علاوہ بارہ رکعات نفل پڑھے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بناتا ہے۔

نفل سے مراد فرض کے علاوہ عبادت ہے، جس کے لیے بہت سی مناسبات و مواقع ہیں، اور اگر میں اپنے مربی بھائی کو نفل نماز روزے کی اہم اقسام یاد دلا دوں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، تاکہ وہ خود بھی اس پر عمل کرے اور اپنی اولاد اور اہل وعیال کو بھی اس کا عادی بنائے :

الف ۔ نفل نمازیں

۱ ۔ چاشت کی نماز : اس لیے کہ امام مسلم حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

تم میں سے ہر شخص کی ہڈیوں کے جوڑ پر ایک صدقہ واجب ہو جاتا ہے، اور اس کی طرف سے وہ دو رکعتیں کفایت

کرتی ہیں جو تم میں سے کوئی شخص چاشت کے وقت پڑھتا ہے۔

اور امام مسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کے وقت چار رکعات پڑھا کرتے تھے، اور جتنی چاہتے رکعات کی تعداد بڑھا لیا کرتے تھے۔

اور امام مسلم حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ رکعات پڑھا کرتے تھے، تو ان تین روایات سے یہ معلوم ہوا کہ چاشت کی نماز کی کم از کم دو رکعتیں ہیں اور درمیانہ درجہ چار رکعات اور افضل آٹھ رکعتیں ہیں اس لیے آدمی جتنی رکعات چاہے پڑھ لے، اس نماز کا وقت سورج نکلنے کے آدھ گھنٹے کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور ظہر سے تقریباً ایک گھنٹہ قبل ختم ہو جاتا ہے۔

۲۔ نماز اوابین: یہ مغرب کے بعد چھ رکعات ہیں، اس لیے کہ ابن ماجہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے مغرب کے بعد چھ رکعات اس طرح پڑھیں کہ ان کے دوران کوئی بری بات نہ کی تو یہ چھ رکعات بارہ سال کی عبادت کے برابر ہوتی ہیں، اگر کوئی شخص دو رکعتیں پڑھ لے تب بھی کافی ہے۔

۳۔ تحیۃ المسجد: اس لیے کہ امام مسلم حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک دو رکعت نہ پڑھ لے۔

۴۔ وضوء کے بعد کی دو رکعتیں: اس لیے کہ امام بخاری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال سے فرمایا: مجھے وہ عمل بتلاؤ جو اسلام قبول کرنے کے بعد تمہیں سب سے زیادہ امید دلانے والا ہو، اس لیے کہ میں نے جنت میں اپنے آگے تمہارے جوتوں کی آواز سنی ہے، انہوں نے عرض کیا کہ میں نے کوئی عمل ایسا نہیں کیا جس سے مجھے سب سے زیادہ توقع وابستہ ہو سوائے اس کے کہ دن و رات میں جب بھی میں نے وضو کیا تو اس کے بعد اللہ نے مجھے جتنی توفیق دی اتنی نماز ضرور پڑھ لی۔

۵۔ تہجد: اس لیے کہ ترمذی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز تہجد کی نماز ہے۔

اور مسلم حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رات کو ایک ایسی گھڑی ہوتی ہے کہ جسے کوئی مسلمان آدمی ایسی حالت میں نہیں پاتا کہ وہ دنیا و آخرت کے امور میں سے کسی خیر کو مانگتا ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے وہ عطا فرما دیتے ہیں اور یہ معاملہ ہر رات کو ہوتا ہے۔

اور ترمذی حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رات

کے قیام کو لازم پکڑو اس لیے کہ یہ نیک وصالح لوگوں کی عادت ہے، اور یہ سب تمہارے رب سے قریب کرنے کا ذریعہ ہے، اور برائیوں کا کفارہ ہے، اور گناہوں سے روکنے والی ہے۔

تہجد کی کم ازکم تعداد دو رکعتیں ہیں۔ اور زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے، نوافل میں سب سے افضل تہجد کی نماز ہے اس لیے کہ اس میں اخلاص زیادہ ہوتا ہے۔

۶۔ **نماز تراویح**: جس کی بیس رکعتیں دس سلاموں کے ساتھ رمضان کی ہر رات کو پڑھی جاتی ہیں، تراویح عشار کی فرض نماز کے بعد جماعت کے ساتھ پڑھی جاتی ہے، اس لیے کہ بیہقی حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: وہ حضرات (صحابہؓ) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں رمضان میں بیس رکعات پڑھا کرتے تھے، اور سو سو آیتیں پڑھتے تھے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں طویل قیام کی وجہ سے عصا (چھڑی) پر ٹیک لگایا کرتے تھے۔

۷۔ **نماز استخارہ**: دو رکعتیں پڑھ کر وہ دعا پڑھی جاتی ہے جسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے اور بخاری نے نقل کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَأَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ اَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي فَاقْدُرْهُ لِي وَيَسِّرْهُ لِي ثُمَّ بَارِكْ لِي فِيهِ وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي فَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاصْرِفْنِي عَنْهُ وَاقْدُرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ رَضِّنِي بِهِ"

اے اللہ میں آپ سے مشورہ کرتا ہوں آپ کے علم محیط کے ذریعہ سے، اور میں آپ کی قدرت عظیمہ سے قدرت طلب کرتا ہوں، اور میں آپ سے آپ کے عظیم فضل کا سوال کرتا ہوں، اس لیے کہ آپ قادر ہیں میں کسی چیز پر قادر نہیں، اور آپ جانتے ہیں میں نہیں جانتا، اور آپ غیب جاننے والے ہیں، اے اللہ اگر آپ یہ جانتے ہیں کہ یہ کام میرے لیے میرے دین اور دنیا اور انجام کار کے لحاظ سے بہتر ہے تو اسے میرے لیے مقدر فرما دیجیے اور اس کو میرے لیے آسان فرما دیجیے، پھر اس میں میرے لیے برکت دے دیجیے، اور اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کام میرے لیے میرے دین و دنیا اور انجام کار کے لحاظ سے برا ہے تو اسے مجھ سے پھیر دیں اور مجھے اس سے پھیر دیں اور جہاں بھی خیر ہو اس کو میرے لیے مقدر فرما دیں، پھر مجھے اس پر راضی کر دیں۔

٭ ٭ ٭

دعا میں جب خط کشیدہ الفاظ هَذَا الْأَمْرَ پر پہنچے تو (دل میں) اس ضرورت کا نام لے لے جس کے لیے استخارہ کر رہا ہے، پھر اس کے بعد جس طرف طبیعت کا انشراح ہو وہ کرے خواہ اس کام کے کرنے کی طرف طبیعت راغب ہو یا اس کے چھوڑنے کی طرف۔

۸۔ **نماز حاجت:** دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں پھر ان کے بعد مندرجہ ذیل مسنون و ماثور دعا پڑھی جاتی ہے:

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، أَسْأَلُكَ مُوجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ، وَالْغَنِيمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ، وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ إِثْمٍ، لَا تَدَعْ لِي ذَنْبًا إِلَّا غَفَرْتَهُ، وَلَا هَمًّا إِلَّا فَرَّجْتَهُ، وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًى إِلَّا قَضَيْتَهَا يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ»۔ جامع ترمذی

نہیں ہے کوئی معبود سوائے حلیم و کریم اللہ کے، پاک ہے اللہ جو کہ رب ہے عظیم عرش کا، تمام تعریفیں ہیں اس اللہ کے لیے جو پروردگار ہے تمام جہان کا، میں آپ سے سوال کرتا ہوں ایسے اعمال کا جو آپ کی رحمت کے موجب ہوں اور آپ کی مغفرت لازم کرنے والے اور ہر نیکی میں سے کچھ حصہ، اور ہر گناہ سے سلامتی و حفاظت کا، آپ میرا کوئی گناہ نہ چھوڑیں مگر یہ کہ اس کو معاف فرمادیں، اور نہ کسی پریشانی کو مگر یہ کہ اسے دور فرمادیں اور نہ کوئی ایسی حاجت جس میں آپ کی رضا ہو مگر یہ کہ آپ ——— اسے پورا فرمادیں اے ارحم الراحمین (تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے)۔

«اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ إِنِّي تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي لِتُقْضَى لِي، اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ»۔

اے اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں اور آپ کی طرف آپ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی رحمت کے ذریعہ متوجہ ہوتا ہوں، اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ کے ذریعہ اپنے رب کی طرف اپنی حاجت و ضرورت میں متوجہ ہوتا ہوں تاکہ میری حاجت پوری ہوجائے، اے اللہ ان کی سفارش میرے لیے قبول فرمالیجیے۔

☆ ☆ ☆

ب۔ نفل روزے:

نفل روزہ کی دلیل وہ روایت ہے جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا کوئی ایسا بندہ نہیں جو اللہ کے راستے میں ایک دن کا بھی روزہ رکھے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس دن کی وجہ سے اس کے چہرے کو جہنم سے ستر سال دور فرمادیتے ہیں

روزے کی بہت سی اقسام وانواع ہیں:

۱۔ **عرفہ (نویں ذوالحجہ) کا روزہ:** اس لیے کہ مسلم حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عرفہ کے دن کا روزہ، مجھے اللہ سے امید ہے کہ اس سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔

۲۔ **عاشوراء (دس محرم) اور نو محرم کا روزہ:** اس لیے کہ مسلم حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ عاشوراء کے دن کا روزہ، اللہ سے مجھے امید ہے کہ اس سے ایک سال قبل و ایک سال بعد کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو نو محرم کا بھی روزہ رکھوں گا۔ یہ بھی درست ہے کہ عاشوراء کے ساتھ گیارہ محرم کا روزہ رکھ لیا جائے جیسا کہ آئندہ مسندِ احمد کی روایت میں آرہا ہے، اور اس ایک اور روزے کے ملانے کی حکمت یہ ہے کہ یہود کی مخالفت ہو جائے، تاکہ امتِ اسلامیہ اپنی عبادت میں دوسروں سے ممتاز رہے۔ امام احمد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: عاشوراء کا روزہ رکھو اور یہود کی مخالفت کرو، اور اس سے ایک روز پہلے کا روزہ رکھو یا اس کے بعد کے دن کا روزہ رکھو۔

۳۔ **شوال کے چھ روزے:** اس لیے کہ مسلم حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے پھر اس کے بعد چھ روزے ماہِ شوال کے رکھے تو یہ ایسا ہے کہ گویا پورے سال بھر کے روزے رکھے۔

۴۔ **ایامِ بیض[1] کے تین روزے:** اس لیے کہ ترمذی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم جب مہینہ میں تین دن کے روزے رکھو تو تیرہ چودہ اور پندرہ تاریخ کے روزے رکھا کرو۔

۵۔ **پیر اور جمعرات کا روزہ:** اس لیے کہ ترمذی روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان دو دنوں کے روزے رکھتے تھے، اور آپ سے جب اس کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: پیر و جمعرات کو اعمال پیش کیے جاتے ہیں تو میں یہ چاہتا ہوں کہ میرے اعمال ایسی حالت میں پیش کیے جائیں کہ میں روزہ دار ہوں۔

---

[1] ایامِ بیض چاند کے ہر مہینہ کی تیرہویں چودھویں اور پندرھویں تاریخ کو کہتے ہیں، ان کو بیض اس لیے کہتے ہیں کہ ان دنوں میں آسمان چاند کی روشنی سے روشن ہوتا ہے۔

۶۔ ایک دن روزہ رکھنا اور ایک دن افطار کرنا: (یعنی روزہ نہ رکھنا) اسے صوم داؤدی کہتے ہیں اس لیے کہ بخاری حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ایک دن روزہ رکھو اور ایک افطار کرو (یعنی روزہ نہ رکھو) یہی حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے اور یہ افضل ترین روزہ ہے۔

اس کے علاوہ اور وہ دن اور مہینے جن میں روزہ رکھنا احادیث سے ثابت ہے، یاد رہے کہ جو شخص نفل روزہ رکھے تو اس کے لیے کسی وجہ سے روزہ افطار کرنا جائز ہے البتہ اس کی قضا رکھنا واجب ہے۔

یہ وہ اہم نوافل ہیں جن کا احادیث مبارکہ سے ثبوت ملتا ہے، اور یہ ان عظیم نیک کاموں میں سے ہیں جو بندہ کو اللہ تعالیٰ سے قریب کرتے ہیں اور اس کے نفس میں تقویٰ کا احساس اور یقین کی طمانینت اور ایمان کی حلاوت راسخ کرتے ہیں۔

اس لیے اے مربی محترم! آپ یہ کوشش کیجیے کہ آپ خود اپنے عمل سے بچوں کے لیے شاندار نمونہ پیش کریں، اور خود نفل نماز و روزے کو اختیار کریں تاکہ وہ آپ سے سیکھیں اور آپ کی اقتدا کریں، اور اپنے عمل کے ساتھ ساتھ ان کی رہنمائی بھی کریں اور پند و موعظت اور نصیحت بھی کریں، اس لیے کہ نوافل کے اجر و ثواب حاصل کرنے اور نوافل کو عمل میں لانے کی دعوت دینے سے آپ دیکھیں گے کہ آپ کے اہل و عیال اور بچے نفل نماز و روزے کے عادی بنیں گے، اور مخصوص اوقات اور مخصوص دنوں میں ان نوافل کو عملی تطبیق دیں گے اور عملی جامہ پہنائیں گے۔

بہذا نوافل کے ساتھ یہ ارتباط بچے کی ایمانی و روحانی شخصیت سازی اور اخلاقی و نفسیاتی تیاری کے بڑے عوامل میں سے ہے بلکہ یہی وہ چیز ہے جو بچے میں اخلاص، تقویٰ، اللہ کے مراقبے کی کیفیت پیدا کرتی ہے اور ہر حالت میں اللہ کی عظمت کے استحضار کا باعث بنتی ہے۔

اے مربی محترم! اگر آپ نے یہ کر لیا تو آپ اس منزلِ مقصود کو پہنچ جائیں گے جو روحانی ربط اور ربانی شخصیت سازی کے لیے مطلوب و مقصود ہے، بلکہ آپ کا بچہ ان لوگوں میں سے بن جائے گا جن کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جاتا ہے اس لیے کہ وہ ہدایت اور دینِ حق اور صراطِ مستقیم پر قائم ہوگا۔

و۔ بچے کا اللہ تعالیٰ جل شانہ کے مراقبہ سے ربط پیدا کرنا:

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((الَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ ۝ وَ تَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ۝)) . الشعراء۔ ۲۱۸ و ۲۱۹

جو آپ کو دیکھتا ہے جب آپ کھڑے ہوتے ہیں اور نمازیوں کے ساتھ آپ کی نشست و برخاست کو دیکھتا ہے۔

اور فرمایا:

«وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنتُمْ». الحدید۔۴ — اور وہ تمہارے ساتھ ہے خواہ تم کہیں بھی ہو۔

اور ارشاد فرمایا:

«إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ». آل عمران۔۵ — اللہ پر چھپی نہیں کوئی چیز زمین میں اور نہ آسمان میں۔

اور اس لیے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام فرماتے ہیں:

«الإحسان أن تعبد الله كأنك تراه فإن لم تكن تراه فإنه يراك». صحیح مسلم — اخلاص یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ اور اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے تو وہ تو تم کو دیکھ ہی رہا ہے۔

اور ارشاد فرمایا:

«اتق الله حيثما كنت، وأتبع السيئة الحسنة تمحها، وخالق الناس بخلق حسن». جامع ترمذی — تم جہاں بھی ہو اللہ سے ڈرو، اور برائی کے بعد اچھائی کرلیا کرو اس سے برائی مٹ جاتی ہے، اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔

اور ارشاد فرمایا:

«الكيس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت، والعاجز من أتبع نفسه هواها وتمنى على الله الأماني». جامع ترمذی — عقلمند وہ ہے جو اپنی نفس کا محاسبہ کرے اور مرنے کے بعد کی تیاری کرے۔ اور عاجز وہ شخص ہے جو اپنی نفس کو خواہشات کے پیچھے لگا دے اور اللہ سے امید و آرزوئیں لگائے بیٹھا رہے۔

قرآن کریم کی آیات اور احادیث نبویہ کے اس مجموعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے مسلمان فرد کی تربیت کا اس بنیاد پر اہتمام کیا ہے کہ اس میں ظاہراً و باطناً اللہ کے مراقبے کی کیفیت پیدا ہو، اور ہر حرکت و سکون میں اپنی نفس کا محاسبہ کرے، اور اقامت و سفر دونوں حالتوں میں اللہ کے ڈر کو محسوس کرے۔

اے مربی محترم! جب آپ اپنے بچے کے ساتھ یہ اسلوب اپنائیں گے، اور اس کی دل کی گہرائیوں میں مراقبہ محاسبہ اور تقویٰ کے بیج بو دیں گے، اور اس کو ہر کام میں اللہ کے مراقبہ اور ہر سوچ بچار میں اپنی نفس کے محاسبہ، اور احساس و شعور میں اللہ کے تقویٰ کو سامنے رکھنے کا عادی بنا دیں گے تو پھر وہ اپنے تمام اعمال و اقوال اور تمام تصرفات میں صرف اللہ رب العالمین کے لیے پورے اخلاص سے کام کرنے کی تربیت پائے گا اور پھر وہ کوئی نیت اور کوئی کام بھی اللہ کی رضا کے علاوہ اور کسی غرض سے نہ کرے گا۔

اس طرح وہ ہر اچھے پاکیزہ شعور کی تربیت پائے گا، بلکہ وہ نفس کے آفات سے بچ جائے گا، پھر نہ وہ حسد کرے گا، نہ کینہ رکھے گا، نہ چغل خوری کرے گا، اور نہ فانی حقیر اشیاء سے فائدہ اٹھائے گا، اور اگر اسے کوئی شیطانی خیال یا نفسِ امارہ کا نفسانی کچوکہ لگے گا تو وہ فوراً یہ یاد کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہے، اس کی باتیں بھی سن رہا ہے، اور اسے دیکھ بھی رہا ہے، اور فوراً وہ صاحبِ بصیرت اور نصیحت حاصل کرنے والا بن جائے گا:

((اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ)) الاعراف۔ ۲۰۱

جن کے دل میں ڈر ہے۔ جہاں ان پر پڑ گیا شیطان کا گزر چونک گئے پھر اسی وقت ان کو سوجھ آجاتی ہے۔

اس سے قبل اس کتاب تربیۃ الاولاد کی قسمِ ثانی کی "ایمانی تربیت کی ذمہ داری" کی بحث میں ہم یہ ذکر کر چکے ہیں کہ اللہ جل شانہ کے مراقبے کا اس طرح سے عادی بنانا یہ سلفِ صالحین کی عادت اور طریقہ تھا، لیجیے ہم آپ کے سامنے اس سے پہلے ذکر کردہ حضرت سہل بن عبداللہ تستری کا واقعہ بیان کیے دیتے ہیں جسے امام غزالی نے "احیاء العلوم" میں لکھا ہے۔ حضرت سہل بن عبداللہ تستری فرماتے ہیں کہ میں تین سال کا تھا اور رات کو جاگ جاتا تھا اور اپنے ماموں محمد بن سوار کو نماز پڑھتے دیکھتا تھا، ایک دن انہوں نے مجھ سے فرمایا: کیا تم اپنے اس اللہ کو یاد نہیں کرتے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے؟! میں نے پوچھا: میں اس کو کس طرح یاد کروں؟ انہوں نے فرمایا: جب تم اپنے بستر پر جاؤ تو زبان ہلائے بغیر دل میں تین مرتبہ یہ کہا کرو:

اَللّٰهُ مَعِىْ . اَللّٰهُ نَاظِرِىْ ، اَللّٰهُ شَاهِدِىْ .

اللہ میرے ساتھ ہے۔ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اللہ میرا مشاہدہ کر رہا ہے۔

میں نے یہ کہنا شروع کر دیا پھر میں نے انہیں یہ بات بتلائی تو انہوں نے فرمایا: اب ہر رات کو سات مرتبہ یہ کلمات کہا کرو، میں نے سات مرتبہ کہنا شروع کر دیے، پھر ان کو بتلایا تو انہوں نے فرمایا: یہی کلمات ہر رات کو گیارہ مرتبہ کہا کرو۔ میں نے گیارہ مرتبہ کہنا شروع کر دیے، اور پھر میرے دل میں ان کی شیرینی اثر کر گئی، جب ایک سال گزر گیا تو میرے ماموں نے مجھ سے فرمایا: میں نے تمہیں جو تعلیم دی ہے اس کو یاد رکھنا اور مرتے دم تک اس پر مداومت کرنا، اس سے تمہیں دنیا و آخرت دونوں میں فائدہ پہنچے گا، میں کئی سال تک اس پر مداومت کرتا رہا تو میں نے اس کی حلاوت اپنے باطن میں محسوس کی، پھر ایک روز میرے ماموں نے مجھ سے کہا اے سہل بتلاؤ جس کے ساتھ اس کا خدا ہر وقت موجود ہو، اور وہ اسے دیکھ رہا ہو، اور اس کا مشاہدہ کر رہا ہو، تو کیا ایسا شخص اس خدا کی نافرمانی کر سکتا ہے؟! اس لیے تم معصیت و گناہوں سے بچتے رہنا۔

اس صحیح رہنمائی اور مستقل مشق اور برحق ربانی تربیت کی وجہ سے حضرت سہل رحمہ اللہ اللہ کے نیک بندے اور بڑے عارف باللہ بن گئے۔

علامہ احمد رفاعی رحمہ اللہ اپنی کتاب "البرہان المؤید" میں لکھتے ہیں کہ خشیتِ خداوندی کی وجہ سے انسان اپنا محاسبہ کرتا ہے اور محاسبہ کی وجہ سے مراقبہ کی توفیق ملتی ہے اور مراقبہ کی بدولت انسان ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول رہتا ہے۔

اس لیے اے مربی محترم آپ یہ کوشش کریں کہ آپ خود بھی اور آپ کے اہل وعیال بیوی بچے اللہ سے ڈریں مراقبہ کریں، اور آپ انہیں اپنے نفس کے محاسبہ کا عادی بنائیں اور ان کی نفوس میں تقویٰ وخشیتِ خداوندی کو جاگزین کردیں، آپ جب یہ کرلیں گے تو پھر آپ اپنے اہل وعیال واولاد کی روحانی تربیت اور ربانی شخصیت سازی میں منزلِ مقصود کو پہنچ چکے ہوں گے بلکہ آپ کا بیٹا ان لوگوں میں سے بنے گا جن کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جاتا ہے اس لیے کہ وہ ہدایت اور دینِ حق اور صراطِ مستقیم پر قائم ہوگا۔

مسلمان کے روحانی ربط اور ایمانی واخلاقی تعمیر کے لیے اسلامی منہج ونظام کے یہ اہم اصول وقواعد ہیں، اور یہ حقیقت ہے کہ اگر شروع ہی سے بچے کا تعلق اللہ تعالیٰ کی عبادت سے قولاً وعملاً، اور قرآن کریم کی تلاوت سے غور وفکر کے لحاظ سے اور مساجد سے بار بار حاضری دینے اور آنے جانے کے لحاظ سے قائم کردیں گے اور اللہ کے ذکر سے مستقل ودائمی ربط ہوگا اور نوافل کو ادا کرتا ہوگا اور اللہ کے لیے مراقبہ کرکے اپنا محاسبہ کرتا ہوگا تو لامحالہ بچہ صاف دل، روشن ضمیر ہوگا اور ایمان واخلاص سے متصف اور ورع وتقویٰ میں معروف اور خشوع وخضوع اور اللہ رب العالمین کی طرف انابت وتوجہ میں ممتاز ہوگا۔

اس لیے تمام مربیوں کو چاہیے کہ اسلام کے روحانی تربیت کے اس نظام کو بچوں میں نافذ کریں، تاکہ وہ لوگوں میں نمایاں وممتاز شخصیت بنیں اور روئے زمین پر چلنے والے فرشتوں کی طرح ثابت ہوں، اس لیے کہ انہوں نے اپنی نفوس میں ایمان وتقویٰ ومراقبہ کے اصول جاگزین کرلیے ہیں، اور اپنے دلوں میں خشیتِ الٰہی اور توکل ومحاسبہ کی بنیادیں راسخ کرلی ہیں، اور میرا خیال یہ ہے کہ یہ اصول وضوابط اور یہ بنیادی قواعد بچے کی اخلاقی اصلاح اور معاشرتی تربیت اور نفسیاتی وعقلی درستگی کے اہم عوامل میں سے ہیں محنت کرنے والوں کو اسی طرح کے طریقہ پر محنت کرنا چاہیے

③ فکری ربط وارتباط[۱]

فکری ربط سے مقصود یہ ہے کہ مسلمان جب عقل وشعور کی منزل میں قدم رکھے تو اس وقت سے لے کر نوجوانی اور بھر پور جوانی اور اس سے پھر کامل مرد بننے تک اس کا تعلق دین وحکومت کے اعتبار سے اسلامی نظام سے ہی ہو، اور اس کے لیے دستور و شریعت قرآن کریم اور منبع احکام اور نظام علوم شرعیہ ہوں، اور اس کا مقتدیٰ وروح اسلامی تاریخ، اور اس کی ترقی وتہذیب اسلامی ثقافت ہو، اور اسلامی دعوت وتبلیغ کا نظام اس کا مطمح نظر اور مقصودِ اصلی ہو۔

عقلی تربیت کی ذمہ داری کی بحث میں ہم بعض وہ حقائق بیان کر چکے ہیں جو مربیوں کو اپنے بچوں کی فکری تعمیر کے سلسلہ میں اختیار کرنا چاہیے، اور اب ہم ان کو مختصراً بعض اور نقاط کے اضافہ کے ساتھ بیان کرتے ہیں، اسلیے کہ ان کا ہماری سابقہ تحریر اور اب جو ہم بیان کریں گے اس کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے۔

وہ حقائق ترتیب وار یہ ہیں:

۱۔ اسلام کا ابدی اور ہر جگہ وہر زمانہ کے لیے صلاحیت رکھنے والا ہونا، اس لیے کہ اسلام ایسے امتیازی امور پر مشتمل ہے جو محیط اور دائمی اور ابدی ہیں۔

۲۔ پہلے زمانے کے والدین جس عزت وقوت اور ترقی کی چوٹی کو پہنچے ہیں وہ صرف اس لیے کہ انہوں نے اس اسلام کے ذریعہ عزت حاصل کی اور قرآن کریم کے نظام کی تطبیق دی اور اس کو نافذ کیا۔

۳۔ اس اسلامی تہذیب سے پردہ ہٹانا جو شروع سے اب تک تمام دنیا کے لیے روشن مینارہ کا کام دے رہی ہے، اور اس کے نور سے مخلوقِ خدا ہدایت حاصل کر رہی ہے اور صدیوں اور طویل زمانے کے گزرنے کے باوجود بھی اس کے چشمۂ فیض بخش سے سیرابی حاصل کر رہے ہیں۔

۴۔ ان سازشوں کو بے نقاب کرنا جو اعداءِ اسلام اسلام کے خلاف کرتے رہتے ہیں:

مکار یہودیت کی سازشیں۔

ظالم وغاصب استعمار کی سازشیں۔

---

[۱] فکری ربط میں تاریخی ارتباط بھی داخل ہے، اور قراءِ کرام کو یہ ارتباط وہاں نمایاں معلوم ہوگا جہاں ہم فکری ارتباط کے سلسلہ میں گفتگو کریں گے اس لیے کہ دونوں میں نہایت گہرا تعلق ہے۔

ملحد شیوعیت (کمیونزم) کی سازشیں۔
کینہ پرور حاسد عیسائیت کی سازشیں۔

ان سازشوں و منصوبوں کا مقصد روئے زمین سے اسلامی عقیدے اور اس کے نام و نشان کا ختم کرنا، اور مسلمان معاشرے میں الحاد کے بیج بونا، اور مسلمان خاندانوں میں آزادی و بے راہ روی کو عام کرنا، اور مسلمان نوجوانوں سے جہاد و مدافعت کی روح ختم کرنا، اور ذاتی اغراض اور شخصی منافع کی خاطر مسلمان ملکوں کے مال سے فائدہ اٹھانا، اور پھر عالم عربی و عالم اسلامی پر قبضہ کرنا ہے تاکہ تمام مسلمان ہمیشہ کے لیے ان کے محکوم و ماتحت اور ان کے ملکوں کا ایسا جز بن جائیں جو کبھی ان سے الگ و جدا نہ ہو سکے۔

۵۔ ہمیشہ یہ بات یاد دلانا کہ امتِ مسلمہ دنیا میں اپنے کھوئے ہوئے مقام و مرتبے اور عزت و کرامت کی چوٹی کو اس وقت تک نہیں پہنچ سکتی جب تک اسلام کو اپنا قانون و نظام، اور قرآنِ کریم کو اپنا دستور و منبعِ احکام نہ بنالے، اور جب تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمانِ مبارک ذیل اپنے سامنے نہ رکھے اور اسے اپنا شعار و بنیادی نقطہ نہ بنالے:

ہم وہ قوم ہیں کہ ہمیں اللہ نے اسلام کے ذریعے عزت عطا فرمائی ہے ہم جب بھی اس کے بغیر عزت تلاش کریں گے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عزت عطا فرمائی تھی تو اللہ ہمیں ذلیل ہی کرے گا۔

اور بعض حضرات کا یہ قول کتنا عمدہ ہے کہ ہم مسلمان تاریخ کے صفحات میں ابوجہل، ابولہب وابی بن خلف کی وجہ سے نہیں لکھے گئے، بلکہ ہم تو رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی وجہ سے صفحاتِ تاریخ کی زینت بنے ہیں، اور ہم نے جو فتوحات حاصل کی ہیں وہ جنگِ بسوس، داحس و غبراء کی بدولت نہیں بلکہ ہم نے فتوحاتِ جنگِ بدر، قادسیہ و یرموک کے ذریعہ حاصل کی ہیں، اور ہم نے دنیا پر سبع معلقات کے ذریعہ حکومت نہیں کی بلکہ ہم نے قرآنِ مجید کے ذریعے حکومت کی ہے، اور ہم نے لوگوں کو لات و عزیٰ نامی بتوں کا پیغام نہیں پہنچایا بلکہ ہم نے لوگوں کو اسلام کا پیغام اور قرآنِ کریم کی بنیادی باتیں پہنچائی ہیں[1]۔

۶۔ ہمیشہ یہ بات یاد دلاتے رہنا کہ یہ پس ماندگی اور اختلافات اور ٹکڑے ٹکڑے اور جماعتیں در جماعتیں ہونا جو اسلامی معاشرہ کو ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک گھیرے ہوئے ہے، اور یہ استعماری یہودی تسلط جو فلسطین و مسجد اقصیٰ پر قائم ہے یہ صرف اس بات کا نتیجہ ہے کہ مسلمان اللہ سے دور ہو گئے ہیں، اور اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے، اور زمینی پیدا کردہ ایسے نظاموں اور مختلف حکومتوں کے ایسے ایجاد کردہ قوانین سے مدد حاصل کرتے ہیں جو نہ آسمانی مذہب کے معترف ہیں اور نہ اخلاقی قدر و قیمت کی ان کے یہاں کوئی حیثیت اور وزن ہے، اور واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل درست فرمایا ہے: اور نہیں حکم کرتے ان کے حکام اللہ کے نازل کردہ قانون

---

[1] ملاحظہ ہو داعی و مبلغ استاذ عصام عطار حفظہ اللہ کا خطبہ۔

کے علاوہ کسی اور سے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ان پر ان کے دشمن کو مسلط کر دیتا ہے اور پھر وہ ان کے ہاتھ میں جو کچھ ہے اسے ختم کر ڈالتے ہیں، اور کوئی قوم ایسی نہیں کہ وہ اللہ کی کتاب اور سنتِ نبوی کو چھوڑ دے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کو باہم دست وگریبان کر دیتے ہیں۔

۷۔ ہمیشہ یہ بات یاد دلاتے رہنا کہ دشمن خواہ کتنی ہی سازشیں اور کافر کیسے ہی منصوبے کیوں نہ بنالیں مگر یہ کہ خوش آئند مستقبل اسلام ہی کا ہوگا، اس لیے کہ ایک صحیح حدیث میں جسے امام احمد وبزار وطیالسی نے روایت کیا ہے یہ آتا ہے کہ: تمہارے دین کی ابتدا نبوت ورحمت سے ہوئی ہے، اور جب تک اللہ تعالیٰ چاہے تم میں یہی کیفیت برقرار رہے گی، پھر اس (نبوت) کو اللہ جل شانہ اٹھالے گا پھر خلافت علی منہاج النبوۃ (نبوت کے طرز پر خلافت) ہوگی، اور جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا یہی کیفیت برقرار رہے گی، پھر اللہ تعالیٰ اسے اٹھالے گا پھر کاٹ کھانے والی بادشاہت ہوگی اور جب تک اللہ تعالیٰ چاہے وہ برقرار رہے گی، پھر اس کو اللہ جلالہ اٹھالے گا اور جبری بادشاہت آجائے گی، اور جب تک اللہ چاہے گا وہ رہے گی، پھر جب اللہ تعالیٰ چاہے گا اسے اٹھالے گا، پھر نبوت کے طرز پر خلافت قائم ہوگی، اس دور میں لوگ نبی کی سنت پر عمل کریں گے اور اسلام روئے زمین پر جڑ پکڑلے گا۔ اور اس دورِ خلافت سے آسمان وزمین کے بسنے والے راضی ہوں گے، آسمان پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں چھوڑے گا مگر یہ کہ اسے برسادے گا، اور زمین اپنی پیداوار وبرکتوں سب کو نکال ڈالے گی۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جبری حکومت کا اب دور آچکا ہے اور اس کی نشانیوں اور علامتوں میں سے یہ بہت سے انقلابات ہیں جو انقلاب لانے والوں کو قوم کی مرضی ورائے اور خواہش کے بغیر مسندِ حکومت تک پہنچا دیتے ہیں، یہ وہ ڈکٹیٹر شپ ہے جس کی ابتدا، کمال اتاترک نے ترکی میں کی پھر اس کے بعد ہر جگہ یہ قصہ چل پڑا، لیکن اسلامی شعور کی بیداری کی علامات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ صورت حال زیادہ دیر تک نہیں چلے گی اور عنقریب وہ دن دوبارہ لوٹ آئے گا جس میں نبوت کے طرز پر خلافت قائم ہوگی، اور لوگوں کی زندگی اسلام کے طریقے کے مطابق ہوگی امید ہے کہ یہ وقت قریب ہی آجائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ[1]

۸۔ اس مہلک ترین نظریہ سے ہمیشہ ڈراتے رہنا جو یہ کہتا ہے کہ جو کچھ ہونا تھا ہوگیا اور ہم تو عاجز ہوچکے ہیں، اس لیے اپنے گھر تک محصور رہو، اس لیے کہ اب جدوجہد، محنت اور جہاد سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا، آپ خود دیکھ لیجیے کہ قرآن کریم ہمیں اس مایوس کرنے اور رکاوٹیں کھڑی کرنے والی جماعت سے درج ذیل الفاظ کے ذریعے ڈرا رہا ہے:

((قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ اللہ تم میں سے ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو مانع

---

[1] ملاحظہ ہو ہماری کتاب "حتی یعلم الشباب" کی بحث "سیاسی جہاد" کا اخیر حصہ۔

لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا ۖ وَلَا يَأْتُونَ الْبَأْسَ إِلَّا قَلِيلًا ۞ أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۖ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۖ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُم بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۚ أُولَٰئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ ۔ »

الاحزاب - ۱۸ و ۱۹

ہوتے ہیں ، اور جو اپنے بھائیوں سے کہتے رہتے ہیں کہ ہمارے پاس آجاؤ ، اور یہ لوگ لڑائی میں تو بس نام ہی کو آتے ہیں تمہارے حق میں بخیل (ہوکر) پھر جب کوئی خطرہ پیش آتا ہے تو آپ ان کو دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھنے لگتے ہیں کہ ان کی آنکھیں چکرائی جاتی ہیں جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو ، پھر جب وہ خطرہ دور ہوجاتا ہے تو تمہیں تیز زبانوں سے طعنہ دیتے ہیں ۔ مال (غنیمت) پر حرص لیے ہوئے ، یہ لوگ ایمان ہی نہیں لائے چنانچہ اللہ نے ان کے اعمال بیکار کر رکھے ہیں ۔

اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمیں اُس جماعت سے خبردار کر رہے ہیں جو سیاسی وجہاد کے میدان میں آگے بڑھنے میں مسلمانوں کے لیے رکاوٹ بنتی ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں ، جو شخص یہ کہتا ہے کہ مسلمان ہلاک ہوگئے تو وہ ان سب میں زیادہ ہلاک ہونے والا ہے ۔

اور لیجیے تاریخ کا مطالعہ کریجیے وہ صحیح بات نقل کرتی ہے ، اور ان مہلک حوادث کا ذکر کرتی ہے جو پچھلے زمانوں میں مسلمانوں کو پہنچے لیکن نتیجہ کیا نکلا ؟

الف ۔ عیسائی جب بہت سے مسلم ممالک اور مسجدِ اقصیٰ پر ایک طویل زمانے تقریباً ایک صدی تک برسرِ اقتدار رہے تو اس وقت کون یہ گمان کرتا تھا کہ مسلمان دوبارہ اپنے پاؤوں پر کھڑے ہو کر برسرِ اقتدار آجائیں گے ؟

کون یہ گمان کرتا تھا کہ یہ ممالک عنقریب عظیم بہادر قائد سلطان صلاح الدین ایوبی کے ذریعہ فیصلہ کن جنگِ حطین میں آزاد ہو جائیں گے ، اور مسلمانوں کو پھر وہ قوت عزت اور مرکزیت نصیب ہوگی ۔ جو تاریخ کو روشن کردے گی ۔

ب ۔ جب مغولیوں اور تاتاریوں نے عالم اسلامی کو ایک جانب سے دوسری جانب تک تباہ وبرباد کردیا اور جانوں مالوں اور عزت کو لوٹا تو کون یہ سوچ سکتا تھا کہ مسلمان دوبارہ عزت حاصل کرلیں گے ؟ تاتاریوں نے ایسی قتل وغارت گری کی تھی کہ کہا جاتا ہے : ہلاکو نے مسلمانوں کی کھوپڑیوں سے ایک بلند وبالا پہاڑ کھڑا کردیا تھا ۔

کون یہ سمجھتا تھا کہ عظیم بہادر "قطز" کے ذریعہ فیصلہ کن "عین جالوت" کی جنگ میں عنقریب اسلامی مملکت آزاد ہوجائے گی اور پھر مسلمانوں کو وہ عزت وعظمت ، بلندی وسیادت حاصل ہوگی جس پر آنے والی قومیں

فخر کریں گی۔

کامیابی کی نیک فال لینا کامیابی کا پیش خیمہ ہوتی ہے، اور ہر قوم و امت میں معنوی قوت ایک ایسا ہی باعث ہے جو قوموں اور جوانوں کو مزید کامیابیوں و فتوحات حاصل کرنے کی جانب ڈھکیلتا ہے[1] اور ہماری اس بات کا سب سے بڑا شاہد خود تاریخ ہے۔

مربی محترم! یہ وہ حقائق ہیں جو آپ کو اپنے اہل و عیال اور بچوں کو صبح و شام سکھانا چاہیے اور ہمیشہ یہ چیزیں ان کے گوش گزار کرتے رہنا چاہیے، تاکہ سب کے سب نیک فال لینے والی متحرک نفوس اور مضبوط و عالی ہمتوں اور راسخ الایمان قلوب کے ساتھ اسلام کی جانب اٹھ کھڑے ہوں۔

میرے بھائی! میں آپ کو یہ خوش خبری دینا چاہتا ہوں کہ اگر آپ نے بچوں کی یہ اسلامی ذہن سازی کردی اور روحانی و فکری ربط قائم کرلیا، اور تاریخی و ثقافتی یاد دہانی سے کام لیا تو آپ سمجھ لیں کہ فکری طور پر بچوں کا اسلام سے ربط یقینی ہوگا اور وہ وجدانی اور شعوری طور پر اللہ کی طرف دعوت دینے والوں کی جماعت میں شامل ہوں گے، اور وہ اسلام کی پیش کردہ شریعت کے سوا کسی نظام کو دستور اور نظام نہ سمجھیں گے، اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے سوا کسی کو امام و مقتدی نہیں بنائیں گے۔ اور وہ کبھی بھی جھوٹے پروپیگنڈوں اور کھوٹی رسوم اور گمراہ کن باتوں اور ملحدانہ و کافرانہ عقائد سے متاثر نہ ہوں گے۔

مربی محترم! یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ آپ ان لوگوں کے لیے جن کی تربیت آپ کے ذمہ ہے ایک ایسا گھریلو کتب خانہ مہیا نہ کردیں جس میں مختلف قسم کی دینی، فکری، تاریخی، ادبی، کہانیوں، قصوں، اور دعوتِ اسلام سے متعلق بڑے بڑے مسلمان مصنفوں اور عالمِ اسلام کے علماء کی کتابیں موجود ہوں، یہ مختلف قسم کی کتابیں اسلام کو اس کی اصلی اور صحیح صاف ستھری شکل میں اس طرح پیش کریں جس طرح اسے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے، اور جس طرح اسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے سمجھا تھا، اور جس طرح اس پر ہمارے سلف صالحین اور ان کے بعد والوں نے عمل کیا تھا۔

مربی محترم! آپ جب بھی کوئی کتاب خریدنا چاہیں تو اس کے خریدنے سے قبل اس دور کے مخلص علماء اور دعوتِ اسلامی سے تعلق رکھنے والے سچے مبلغین سے مشورہ کرلیا کیجیے، تاکہ ایسا نہ ہو کہ آپ کے گھر میں کوئی ایسی کتاب داخل ہو جائے جس کا نام اسلامی ہو اور اسلامی بحوث و جذبہ سے متعلق ہو لیکن اس کا مصنف مستشرقین و اہلِ مغرب کی ان افکار سے متاثر ہو جو وہ اس میدان میں پھیلاتے رہتے ہیں، وہ مصنف ان افکار کو حقائق سمجھ کر لکھ بیٹھے حالانکہ حقیقت میں وہ بالکل جھوٹ کا پلندہ ہوں، اور ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہ ہو، وہ مصنف یہ سمجھ کر ان کو نقل کردے

---

[1] ملاحظہ ہو ہماری کتاب "حتی یعلم الشباب" کی بحث بعنوان "سیاسی جہاد"۔

کہ وہ بہت اچھا کر رہا ہے حالانکہ حقیقتِ حال سے وہ بے خبر ہو جیسے کہ احمد امین، طٰہٰ حسین حسنین ہیکل، خالد محمد خالد محمد فرید وجدی. جلال الدین الکشک وغیرہ اور ان کے علاوہ دسیوں آدمیوں نے کیا ہے۔

مربی محترم! وہ وسائل جو آپ کے بچے کو فکری و وجدانی طور پر اسلام سے مرتبط کرنے والے ہیں، ان میں سے دینی وعظ و تقاریر کا سننا اور ٹھوس قسم کے محاضرات و تقاریر اور بامقصد تاریخی پروگراموں کا دیکھنا بھی ہے۔

- اس لیے اے مربی محترم آپ کو چاہیے کہ آپ جمعہ کی نماز کے لیے مناسب مسجد کا انتخاب کریں، اور آپ کا انتخاب اس وقت تک اچھا نہیں کہلائے گا جب تک کہ خطیب واعظ نہایت مخلص و متقی اور سمجھدار اور اسلام کو پوری طرح سے سمجھنے والا اور جاذب انداز کا مالک اور تہذیب و ثقافت اور زندگی سے تعلق رکھنے والے حوادثات کا پورا علم نہ رکھتا ہو، تاکہ اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جا سکے اور اس سے مستفید ہونے والے حسبِ منشا پورا پھل حاصل کر سکیں۔

- اور اے مربی محترم! آپ کوشش کریں کہ تقاریر و محاضرات سننے کے لیے مناسب جگہ اختیار کریں، اور اس میں آپ اس وقت تک کامیاب نہ ہوں گے جب تک کہ مقرر و خطیب مضبوط اور راسخ اسلامی عقیدے کا مالک اور کامل و مکمل اسلامی اخلاق کا نمونہ نہ ہو تاکہ عظیم اسلام کے بارے میں جو کچھ وہ کہہ رہا ہے اس کا اس سے عقیدۃً، علماً، ثقافۃً اور فکری طور سے ربط ہو۔

- مربی محترم! آپ کو یہ بھی کوشش کرنا چاہیے کہ بامقصد پروگرام کے سننے کے لیے مناسب جہت کا انتخاب کریں، اور یہ اچھا انتخاب اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ جگہ جہاں یہ پروگرام ہو رہا ہے وہ منکرات اور اخلاق باختہ و فحش چیزوں سے دور نہ ہو، اور یہ انتخاب اس وقت تک مفید نہیں ہو سکتا جب تک کہ یہ ڈرامہ و پروگرام تاریخ و بڑے لوگوں کے کارناموں پر مشتمل نہ ہو یا اس جاہلی دور کا واقعی نقشہ نہ کھینچے جس میں مسلمان الٹے سیدھے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں. لیکن اس ڈرامہ وغیرہ کے لیے شرط یہ ہے کہ جو اس کے کرتا دھرتا اور ذمہ دار ہیں وہ متقی بااخلاق، شریف و باکردار ہوں. تاکہ اس پروگرام و ڈرامہ سے مقصدِ اصلی حاصل ہو، اور لوگ اس سے وہ فائدہ اٹھا سکیں جس کے لیے اس پروگرام کو ترتیب دیا گیا ہو۔

بچے کے فکری ارتباط و تعلق اور اس کے ایمانی اور عقیدے کے لحاظ سے تکمیل کے سلسلہ میں یہ وہ اہم وسائل ہیں جو میں اپنے مربی محترم کے لیے پیش کرنا چاہتا ہوں۔

اور بخدا اگر آپ اپنے بچے کے ساتھ اس طریقے کو اپنائیں گے اور اس انداز کو اختیار کریں گے تو بچے میں ایمان کی ایسی قوت اور عقیدہ کی ایسی پختگی پیدا ہوگی جو اس کو جاہلیت کے درپیش تصورات و افکار اور گمراہی و الحاد کے چیلنج اور غلط نظریات کا مقابلہ کرنے کا اہل بنا دے گی بلکہ وہ ان تمام زمینی نظاموں پر غالب آجائے گا جو لوگوں نے ایجاد کیے ہیں، اس لیے کہ اللہ کا دین اس کے تصور و اعتقاد میں ہر عقیدہ و تصور سے بالاتر ہوگا. اور آپ ہی بتلائیے

کہ یقین وایمان رکھنے والوں کے لیے اللہ کے حکم سے بہتر اور کس کا حکم ہو سکتا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کا بچہ ایسا عظیم بن گیا ہے کہ جس کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جاتا ہو۔ اس لیے کہ وہ ہدایت اور دینِ حق اور صراطِ مستقیم پر قائم ہے۔

④ معاشرتی ارتباط

کتاب تربیۃ الاولاد کی قسمِ ثانی کی معاشرتی تربیت کی ذمہ داری کی بحث میں ہم پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ مربیوں پر یہ بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ بچوں کو شروع ہی سے شاندار اسلامی معاشرتی آداب کا پابند بنائیں اور ایسے عظیم ونفیس اصولوں کا عادی بنائیں جن کا سرچشمہ ابدی اسلامی عقیدہ ہے اور جو گہرے برادرانہ شعور سے وجود میں آتے ہیں، تاکہ بچہ اسلامی معاشرے میں حسنِ اخلاق، برادرانہ معاملہ، معاشرتی آداب، عقلی پختگی اور حکیمانہ انسانی تصرفات میں بہترین شکل وصورت میں ظاہر ہو۔

ہم نے ان وسائل کو جو اعلیٰ ترین معاشرتی تربیت کا ذریعہ بنتے ہیں چار امور میں محصور کر دیا ہے،

۱۔ شاندار نفسیاتی اصولوں کو جاگزین کرنا۔
۲۔ دوسروں کے حقوق کا خیال رکھنا۔
۳۔ عمومی معاشرتی آداب کو ملحوظ رکھنا۔
۴۔ معاشرتی دیکھ بھال اور نقد وتنقید۔

مربی محترم! آپ پر یہ بات قطعاً مخفی نہ ہوگی کہ ان وسائل سے بچے کے چال چلن اور اخلاق کی درستگی ہوگی۔ اور اس میں معاشرتی ذمہ داری ادا کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگی، اور اس کی نفسیاتی شخصیت سازی ہوگی تاکہ وہ شاندار معاشرے کی تعمیر اور بہترین مثالی قوم وامت کی تخلیق میں بہترین بنیاد کا کام دے سکے۔ اور عمدہ معاشرے کی عمارت کی بہترین اینٹ ثابت ہو، اصلاحِ معاشرہ اور اس کی تعمیر کے سلسلہ میں اسلام کا یہی اسلوب ہے لیکن اب جبکہ ہم معاشرتی تربیت اور اس کے وسائل پر تفصیلی بحث کر چکے ہیں تو اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ معاشرتی ربط سے کیا مقصود ہے؟ اور معاشرتی طور پر بچے کے ارتباط سے کیا مراد ہے؟ اور اس رابطہ وارتباط کا تربیت سے کیا تعلق ہے؟ ہم اس بحث میں ان تمام سوالوں کا جواب دیں گے۔ اللہ ہی سیدھی راہ دکھانے والا ہے اور اسی سے ہم مدد کے طالب ہیں۔

بچے کے معاشرے سے ارتباط سے ہماری مراد یہ ہے کہ مربی یہ کوشش کرے کہ بچہ جب سے چیزوں کی حقیقت سے واقف ہو جائے تو اس کا تعلق ورابطہ ایسے صاف ستھرے معاشرتی ماحول سے پیدا کر دے جس سے بچہ اپنی نفس

کا تزکیہ، اور قلب کی طہارت، اور ایمان میں مضبوطی، اور عقل کے لیے علم نافع، اور کردار کے لیے اخلاقِ فاضلہ، اور جسم کے لیے قوت وصحت، اور فکر کے لیے اسلامی سوجھ بوجھ، اور دعوت کے لیے جہادِ صادق، اور روح کے لیے ربانی نور، اور دین کے لیے ایمانی حرارت وجذبہ حاصل کرسکے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ معاشرہ میں ایسا اچھا وصالح معاشرہ کون سا ہے جس سے بچہ اچھی اور عمدہ صفات حاصل کرسکے اور جو اس کو ایک سمجھدار نیک صالح مثالی انسان بنادے۔

میرا خیال ہے کہ اگر تین قسم کے تعلق ورابطے پیدا کردیے جائیں تو یہ چیز حاصل ہوسکتی ہے:

۱۔ بچے کا پیرومرشد سے ربط۔

۲۔ بچے کا اچھی صحبت سے ربط۔

۳۔ بچے کا دعوت وتبلیغ اور داعیوں سے ربط۔

① بچے کا پیرومرشد سے ربط وتعلق

کوئی بھی دو آدمی اس سے اختلاف نہیں کریں گے کہ اگر بچے کا تعلق کسی ایسے نیک صالح مخلص پیرومرشد سے قائم کردیا جائے جو اسلام کی حقیقت سے باخبر اور اس کے لیے حمیت وغیرت رکھنے والا، اور اس کی خاطر جہاد کرنے والا، اور اس کی حدود واحکام کو نافذ کرنے والا، اور اس کے احکامات پر عامل اور منہیات سے رکنے والا ہو، اور حق بات کہنے میں اسے کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہ ہو، تو کوئی بھی اس بات سے اختلاف نہیں کرے گا کہ ایسا بچہ ایمانی واخلاقی اعتبار سے کامل ومکمل، اور علمی وعقلی لحاظ سے پختہ، اور جہاد ودعوت کے لحاظ سے پورا پورا تیار ہوگا، اور عمومی طور سے وہ راسخ عقیدے اور کامل اسلام پر تربیت حاصل کرے گا۔

لیکن اگر ہم دائیں بائیں نظر دوڑائیں، اور ان لوگوں کے حالات پر نظر ڈالیں جو نفوس کی تربیت اور اصلاح وارشاد کا بیڑہ اٹھاتے ہیں تو ہمارے سامنے کیا آتا ہے؟

بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان میں کی اکثریت اپنے شاگردوں اور مریدوں کے سامنے اسلام کی مسخ شدہ اور الٹی صورت پیش کرتی ہے، یا پھر وہ اسلام کا صرف ایک مخصوص پہلو پیش کرتے ہیں، اور دوسرے پہلوؤں کو نظر انداز کردیتے ہیں۔

اسلام کا غلط اور خلافِ واقع جو تصور یہ حضرات پیش کرتے ہیں اس کی مثال ان کے درجِ ذیل اقوال ہیں:

★ اسلام میں نظام حکومت کا ذکر نہیں ہے۔
★ سالک و مرید کے لیے سیاست میں دخل دینا جائز نہیں ہے۔
★ اے مرید اگر تم اپنے شیخ کو کسی گناہ میں مبتلا دیکھو تو تمہیں اسے بھی نیکی شمار کرنا چاہیے۔
★ شیخ و پیر نافرمانی و معصیت میں گرفتار نہیں ہو سکتا اس لیے کہ وہ محفوظ و معصوم ہے۔
★ مرید اس وقت تک برائیوں سے پاک صاف اور اچھائیوں سے آراستہ نہیں ہو سکتا، اور اللہ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ اپنے شیخ کے سامنے اپنے ہر جرم و گناہ اور برائی کا اعتراف نہ کرے۔
★ مرید اگر اپنے شیخ کے سامنے ہر چیز حتیٰ کہ دل میں آنے والے برے خیالات کا بھی اقرار نہ کرے تو اس کی بیعت ٹوٹ جائے گی۔

اس کے علاوہ اس قسم کے اور دوسرے خیالات جو شریعت الہیہ کے خلاف اور نظام اسلام کے برعکس ہیں۔ اور ان لوگوں کی مثالوں میں سے جو اسلام کے ایک پہلو کو لے لیتے ہیں اور دوسرے پہلوؤں کو چھوڑ دیتے ہیں چند یہ ہیں:

✿ بعض پیر وغیرہ ایسے ہوتے ہیں جو اپنی پوری توجہ اور سارا زور نفس کی اصلاح اور اس کے تزکیہ پر خرچ کر دیتے ہیں، اور اچھی باتوں کا حکم دینے اور برائیوں سے روکنے اور ظلم و ظالموں کا مقابلہ کرنے کا فریضہ چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

✿ ان میں سے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اسلامی مظہر اور روحانی شخصیت سازی اور عبادت کا تو خوب اہتمام کرتے ہیں لیکن روئے زمین پر اللہ کا حکم قائم کرنے کے لیے عملی میدان اور اسلامی معاشروں کے لیے مفید اعمال کو بالکل چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

✿ ان میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو سارا زور دعوت الی اللہ اور تبلیغ پر خرچ کر ڈالتے ہیں لیکن کسی ایک ایسی تحریک یا نشاط یا عمل سے ان کا قریب یا دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا جو اسلام کی حکومت قائم کرنے کا ذریعہ بنے، اور ان میں سے بعض ایسے ہیں .... اور ان میں سے بعض ایسے ہیں .... یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام ایک ایسی کلی چیز ہے جو تجزی (جز جز ہونے) کو قبول نہیں کرتا، اور اسلام کے تشریعی احکام الگ الگ ہونے اور ٹکڑے ٹکڑے ہونے کو قبول نہیں کرتے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ	تو کیا مانتے ہو بعض کتاب کو اور بعض کو نہیں مانتے۔
فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ	سو جو تم میں یہ کام کرتا ہے اس کی کوئی سزا نہیں مگر
فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى	دنیا کی زندگی میں رسوائی اور قیامت کے دن سخت سے
اَشَدِّ الْعَذَابِ ۰)) . البقرہ - ۸۵	سخت عذاب پہنچائے جائیں۔

اس لیے مرشدِ ربانی اور صحیح پختہ عالم وہ ہے جو اسلام کا پورا کامل و مکمل نمونہ پیش کرے۔ اس کے لیے یہ قطعاً جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ کے دین کے بیان کرنے میں کسی بات کو چھپائے یا حق کہنے میں سکوت اختیار کرے۔ یا برائی کو دیکھ کر چشم پوشی کرے، یا اپنے فریضے کے ادا کرنے میں سستی برتے، یا کسی بات کو اس کی جگہ سے ہٹا کر اس میں تحریف کرے، یا کسی انسان سے ڈرے، یا کسی بادشاہ و سربراہ یا مرتبہ والے کے ساتھ تماشاہ کرے اور اس کا ساتھ دے اور مداہنت کا ثبوت دے یا اللہ کے کسی حق کے سلسلہ میں کوئی بات کہہ سکتا ہو لیکن خاموش رہے، اگر وہ ان میں سے کسی بات کا مرتکب ہوگا تو وہ اللہ کی نازل کردہ آیات بینات اور ہدایت کو چھپانے والا ہوگا، بلکہ وہ ان لوگوں میں سے ہوگا جن کی طرف قیامت کے روز اللہ تعالیٰ نظرِ کرم نہیں فرمائیں گے۔ اور نہ ان کا تزکیہ فرمائیں گے، بلکہ ایسا آدمی ان لوگوں میں سے ہوگا جن پر اللہ اور لعنت کرنے والے لعنت بھیجتے ہیں، اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۙ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ﴿١٥٩﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٠﴾)).

البقرہ - ۱۵۹، ۱۶۰

بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ ہم نے اتارے صاف حکم اور ہدایت کی باتیں اس کے بعد کہ ہم ان کو لوگوں کے واسطے کتاب میں کھول چکے ان پر اللہ لعنت کرتا ہے اور ان پر لعنت کرتے ہیں لعنت کرنے والے، مگر جنہوں نے توبہ کی اور اپنے کام کو درست کیا اور حق بات کو بیان کردیا تو ان کو معاف کرتا ہوں، اور میں بڑا معاف کرنے والا نہایت مہربان ہوں۔

اور فرمایا:

((إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۙ أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٧٤﴾)).

البقرہ - ۱۷۴

بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ اللہ نے کتاب نازل کی اور اس پر تھوڑا سا مول لیتے ہیں وہ اپنے پیٹ کو نہیں بھرتے مگر آگ، اور اللہ ان سے بات نہیں کرے گا قیامت کے دن اور نہ ان کو پاک کرے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس شخص کو جہنم کی آگ سے ڈرایا ہے جو کسی ایسی بات کو چھپائے جس سے دین کا فائدہ پہنچتا ہو، یا دین سے متعلق کسی لازمی حق چیز کو بیان کرنے میں سکوت اختیار کرے اور جہنم بہت برا ٹھکانہ ہے، چنانچہ ابن ماجہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جس شخص نے کوئی ایسا علم چھپایا جس سے اللہ تعالیٰ دین کے معاملے میں فائدہ پہنچاتے ہوں تو قیامت کے روز

اس شخص کو آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔

گذشتہ زمانوں میں جن مخلص مرشدوں اور ربانی علمار نے اصلاح ، تربیت وارشاد اور تزکیۂ نفوس کا بیڑا اٹھایا تھا وہ درحقیقت اسلام کی صحیح اور کامل فہم وسمجھ بوجھ کے مالک تھے ،اور تقویٰ وورع اور اللہ کی کتاب کے بیان کردہ اسلامی طریقے ونظام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنے میں انتہائی عظیم درجہ رکھتے تھے ، بلکہ وہ اپنے معاشرتی طور طریقوں ، اسلامی سمجھ بوجھ ، دعوت وارشاد کی ذمہ داری اور تربیت کے فریضہ میں وہ اسلام کی سچی تصویر پیش کیا کرتے تھے ، بلکہ اگر وہ کسی ایسی برائی کو دیکھ لیتے تھے جس کا بدلنا ضروری ہو تو وہ ہرگز خاموش نہ رہا کرتے تھے ،اور اگر کسی حق کے سلسلہ میں کلام کرنے کو وہ مناسب سمجھتے تھے تو اس سے کبھی چشم پوشی نہ کرتے تھے ، اور جس چیز کے خلاف جہاد کی ضرورت ہوتی اس سے کبھی پیچھے نہ رہتے تھے۔

رہا ان کا شریعت پر عمل کرنا اور قرآنِ کریم وسنتِ نبویہ کو لازم پکڑنا ، تو اس سلسلہ میں ہمیں وہ الفاظ سن لینا چاہیے جو ان ائمۂ ومرشدین اور علماءِ ربانیین کے بڑے حضرات کہہ گئے ہیں :

★ عارف باللہ شیخ عبدالقادر گیلانی رحمہ اللہ اپنی کتاب الفتح الربانی (ص ۔۲۹) پر لکھتے ہیں : ہر وہ چیز اور حقیقت جس کی شریعت شہادت نہ دیتی ہو ، وہ زندقہ ہے ، تم اللہ جل شانہ کی طرف کتاب وسنت کے بازو سے اڑ کر پہنچو ، اللہ کے دربار میں ایسی حالت میں داخل ہو کہ تمہارا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک میں ہو۔
اور وہ فرماتے ہیں : عبادات کا چھوڑنا زندقہ وگمراہی ہے ، اور ممنوع چیزوں کا ارتکاب کرنا گناہ ومعصیت ہے ۔ فرائض کسی بھی حالت وصورت میں ساقط نہیں ہوتے۔

★ حضرت سہل تستری رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ہمارے طریقے کے سات اصول ہیں : اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑنا ، سنتِ نبویہ کی اقتدار و پیروی کرنا ، حلال کھانا ، ایذار رسانی سے بچنا ، گناہوں سے دور رہنا ، ہمیشہ توبہ کرتے رہنا ، اور حقوق کا ادا کرنا[1]

★ اور امام ابوالحسن شاذلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب تمہارا کشف اللہ کی کتاب اور سنتِ نبوی کے ساتھ متعارض ہو تو تم اللہ کی کتاب وسنت کو مضبوطی سے پکڑ لو اور اپنے کشف کو چھوڑ دو ، اور اپنے نفس سے کہہ دو کہ اللہ نے میری

[1] التصوف الاسلامی والامام الشعرانی مؤلفہ عبدالباقی سرور (ص ۔۵۰)۔

حفاظت و عصمت کتاب و سنت میں رکھی ہے نہ کہ کشف و الہام میں اور نہ مشاہدہ میں مگر ان کو کتاب اللہ و سنت پر پیش کرنے کے بعد[1]

★ اور امام ابو سعید خراز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہر وہ باطن جس کا ظاہر اس کے خلاف ہو تو وہ باطل ہے[2]

★ اور ائمہ ربانیین کے شیخ محی الدین بن عربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تمام اہلِ تصوف اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ کے رسول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے بعد اب کوئی چیز نہ حرام کی جائے گی اور نہ حلال کی جائے گی، ہاں اب تو وہ خاص فہم و سمجھ[3] باقی رہ گئی ہے جو قرآن کریم کے سمجھنے کے سلسلہ میں اللہ کے خاص بندوں کو دی جاتی ہے اور اللہ کے علم کا ایسا فیضان جو اللہ تعالیٰ اپنے فرمانبرداروں کو عطا فرما دیتے ہیں، اور ان پر الہام فرماتے ہیں۔ اور اس کے لیے نور مقرر فرما دیتے ہیں[4]

بلکہ ہم ان علماء ربانیین میں ایسے علماء کو بھی پاتے ہیں جو ہمیں ان باطنی قسم کے دعویداروں کے خطرات پر مطلع و آگاہ کرتے ہیں جو اپنے اوپر سے فرائض و واجبات کو ختم کر دیتے ہیں اور شریعت کے احکام کو معطل کر دیتے ہیں۔ اور قرآن و احادیث کی نصوص کی خلافِ واقع تاویل کرتے ہیں اور اپنے کردار و افعال میں اسلام کے طریقے کو چھوڑ دیتے ہیں، بلکہ ہم تو ان علماء ربانیین کو دیکھتے ہیں کہ وہ اس قسم کے شعبدہ بازوں کی صحبت اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے بھی رکتے ہیں۔ اور ان کی گمراہ کن باتوں اور انحراف سے اظہارِ برات کرتے ہیں، اور ان کی باطل آراء و افکار کی تشہیر کرتے ہیں۔

★ حضرت ابو یزید بسطامی رحمہ اللہ اپنے بعض ساتھیوں سے ارشاد فرماتے ہیں کہ ذرا ہمارے ساتھ چلو تاکہ ہم اس شخص کو دیکھ لیں جس نے اپنے آپ کو ولی مشہور کر رکھا ہے، وہ شخص تقویٰ و زہد میں مشہور تھا، لوگ اس کے پاس جایا کرتے تھے، چنانچہ ہم بھی وہاں چلے گئے۔ جب وہ شخص اپنے گھر سے نکلا اور مسجد میں داخل ہوا تو اس نے قبلہ کی طرف منہ کر کے تھوکا، یہ دیکھ کر حضرت ابو یزید وہیں سے واپس ہو گئے اور ان صاحب کو سلام تک نہ کیا اور یہ فرمایا کہ یہ صاحب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبلائے ہوئے آداب میں سے ایک ادب کے بارے میں امین ثابت نہیں ہوئے تو پھر یہ اپنے دعوے کے بارے میں کس طرح امین ہوں گے۔

اور حضرت ابو یزید رحمہ اللہ ہی فرماتے ہیں: اگر تم یہ دیکھو کہ کسی شخص کو بہت سی کرامتیں دے دی گئی ہیں حتیٰ کہ وہ ہوا میں اڑنے بھی لگے تب بھی اس کے بارے میں دھوکے میں نہ پڑو جب تک کہ تم یہ نہ دیکھ لو کہ وہ احکامات و

---

[1] [2] ملاحظہ ہو کتاب التصوف الإسلامی والإمام الشعرانی مولفہ طٰہٰ عبدالباقی سرور (ص ۷۰، ۷۵)۔

[3] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا اور لوگوں کے علاوہ آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خصوصی تعلیمات دی ہیں؛ تو انہوں نے فرمایا: جی نہیں قسم ہے اس ذات کی جس نے دانے کو پھاڑا اور ذی روح کو پیدا کیا، سوائے اپنی کتاب کی اس فہم و سمجھ کے جسے اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کو چاہے عطا کر دیتا ہے۔ اس حدیث کو بخاری و ابو داؤد و نسائی نے روایت کیا ہے [4] ملاحظہ ہو التصوف الإسلامی والإمام الشعرانی مولفہ طٰہٰ عبدالباقی سرور (ص ۷۰، ۷۵)۔

منہیات میں کیسا ہے، اور حدود الٰہیہ کی حفاظت کرتا ہے یا نہیں اور شریعت پر کتنا عامل ہے[1]۔

★ اور حضرت سہل بن عبداللہ تستری فرماتے ہیں تین قسم کے لوگوں کی صحبت سے بچو: غافل جابروں، مداہن قاریوں اور جاہل صوفیوں سے[2]۔

★ اور امام ربانی حضرت جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمارا یہ مذہب کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقید و پابند ہے۔ مخلوق کے لیے تمام راستے بند ہیں سوائے اس کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلے[3]۔

★ اور امام شعرانی اپنی کتاب "الیواقیت والجواہر" میں لکھتے ہیں: جس شخص نے ایک لمحہ کے لیے بھی شریعت کی میزان کو اپنے ہاتھ سے چھوڑ دیا تو وہ ہلاک ہو گیا۔

رہا کلمۂ حق کی سربلندی کے لیے ان کا آواز اٹھانا، اور باطل و منکر کے سامنے سد سکندری بننا، اور اللہ کے راستے میں ان کا مقدس جہاد، تو اس سلسلہ میں بڑے بڑے محقق مصنفین نے ان ربانی مرشدوں کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، اور ان کے بہادری کے مواقف اور جہاد اور دعوت و تبلیغ میں ان کے اثرات، اور اصلاح و تربیت کے لیے ان کے ارشادات و توجیہات کے سلسلہ میں جو کچھ حوالۂ قرطاس کیا ہے اسے بھی سن لیجیے:

✿ عظیم شیخ ابوزہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: .... بقول استاذ فودہ ہمارے اخیر ادوار میں تصوف کا یہی حال تھا۔ تصوف بہت سی خصوصیات کا حامل تھا جس کے نہایت واضح اثرات تھے، چنانچہ مغربی، جنوبی اور وسطی افریقہ کے مسلمان اور ان کا مضبوط ایمان درحقیقت تصوف کے ثمرات و نتائج ہی میں سے تھا۔

اور امام سنوسی کبیر نے جب مسلمانوں کی اصلاح کرنا چاہی تو انہوں نے جو راستہ سب سے پہلے اختیار کیا وہ تصوف کا راستہ اور طریقہ تھا[4] اور ان کا طرز اور نظام بھی فی نفسہ بڑا عجیب و غریب نظام تھا۔ اس لیے کہ انہوں نے

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب "شرح الطریقۃ المحمدیۃ" مؤلفہ شیخ عبدالغنی نابلسی (۱-۱۷۵)۔

[2] شرح الحکم مؤلفہ ابن عجیبۃ (۱-۷۶)

[3] الرسالۃ القشیریۃ (ص-۱۹)۔

[4] تصوف کے معنی ہیں شریعت اسلامیہ کے رکن احسان کو پیدا کرنا جس کا حدیث جبریل علیہ السلام میں تذکرہ آتا ہے جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احسان کے بارے میں دریافت کیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ: احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تو تمہیں دیکھ ہی رہا ہے۔ اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ حقیقی تصوف کی تربیت کا مقصد ہی احسان کے معنی تک پہنچنا ہوتا ہے۔ اکثر علماء یہ کہتے ہیں کہ تصوف صفاء سے مشتق ہے۔ اس لیے کہ صوفی کا باطن دوسروں کی بنسبت زیادہ پاک صاف ہوتا ہے۔ اسی لیے شاعر نے کہا ہے:

بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

پہلے تو لوگوں کو مرید بنایا پھر انہی میں سے کام کے آدمی تیار کیے، اور اس غرض کے لیے مختلف خانقاہیں بنائیں، سب سے پہلی خانقاہ مکہ مکرمہ کے قریب ایک پہاڑ میں بنائی، پھر اپنے خانقاہوں کے ساتھ (لیبیا کے) صحرا میں منتقل ہوگئے، یہ خانقاہیں صحرا کے درمیان ریگستانی میدان تھے اور ان کے مریدین کی محنت و جدوجہد سے وہاں پانی نکلا اور کھیت و باغات و پھلدار درخت اُگ آئے۔

انہوں نے ان کی رہنمائی کی، اور انہیں امورِ جنگ اور تیر اندازی سکھائی حتیٰ کہ انہوں نے بیس سال سے زیادہ عرصہ تک اٹلی والوں کی نیند حرام کردی یہ وہ وقت تھا جب دولتِ عثمانی بھی اہلِ لیبیا کی امداد سے عاجز آچکی تھی۔

ان خانقاہوں سے سنوسی مدافعت جاری رہی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حکومتِ اٹلی کا بستر ابوریا گول کردیا اور سنوسیت ازسرِ نو زندہ کی جانے لگی، ہم یہ چاہتے ہیں کہ وہ اسی طرح زندہ رہے جس طرح اس کی ابتدا ایک قوی ترین فعال صوفیت کے طریقے سے ہوئی تھی [۱]

✿ استاذ صبری عابدین لوار الاسلام کی ایک مجلس میں کہتے ہیں کہ... حقیقت یہ ہے کہ صوفیا حضرات عالم میں اسلام کو پھیلاتے ہیں، اور میں آپ کے سامنے یہ ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ تقریباً پچاس سال قبل شیخ بکری نے ایک کتاب لکھی تھی جس میں انہوں نے مبشرین کا یہ قول نقل کیا تھا کہ ہم افریقہ کے ترقی اور تمدن سے دور دراز صوبوں اور ایشیا کے بعید ترین علاقوں میں جہاں کہیں بھی گئے وہاں ہم نے یہ ہی دیکھا کہ ہم سے پہلے صوفی وہاں پہنچ چکے ہیں اور ہم پر غلبہ حاصل کرچکے ہیں۔

کاش مسلمان یہ سمجھ لیتے کہ تصوف میں روحانی ومادی کیا قوت ہے، اس لیے کہ صوفیا کے لشکر اسلام کے لیے ہمہ وقت مسلح رہتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تخالف الناس فی الصوفی واختلفوا	وکلهم قال قولاً غیر معروف
لوگوں میں صوفی کے بارے میں اختلاف ہوگیا اور سب نے اختلاف کیا	اور ہر ایک نے غیر معروف قول ہی کہا
ولست أمنح هذا الاسم غیر فتی	صافی فصوفی حتی سمی الصوفی
میں یہ لقب سوائے اس نوجوان کے کسی اور کو نہ دوں گا	جس نے صفائی کی کوشش کی اور اسکی صفائی ہوگئی حتیٰ کہ اس کا نام بھی صوفی پڑگیا

اور شاعر کہتے ہیں:

لیس التصوف لبس الصوف ترقعه	ولا بکاؤك إن غنی المغنونا
تصوف اون کے پیوند لگا کر اونی کپڑے پہننے کا نام نہیں ہے	اور نہ گانے والوں کے گانے کو سن کر رونے کا نام ہے
بل التصوف أن تصفو بلا کدر	وتتبع الحق والإسلام والدینا
بلکہ تصوف یہ ہے کہ تم بلا کسی گند کے صاف ستھرے ہوجاؤ	اور حق اور اسلام اور دین کی اتباع کرو

[۱] ملاحظہ ہو مجلہ "لوار الاسلام" کا بارہواں عدد ماہ شعبان ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۹۶۰ء کا پرچہ۔

میں نے حبشہ سوڈان اور اریٹیریا کی حدود پر مسیحی مبلغین کی ایک سویڈش جماعت دیکھی جن کے پہلو میں صوفیوں کی جھونپڑیاں تھیں، جنہوں نے سویڈش مسیحی مبلغوں کو چالیس سال تک قدم نہ جمانے دیا۔ اس لیے میں یہ چاہتا ہوں کہ ہم اُن جماعتوں کی سرکوبی کے لیے باہمی تعاون کریں جو ہمیں دینی اور سیاسی طور پر ایذا پہنچاتی ہیں، اور جو لوگ صوفیاء پر اعتراضات کرتے ہیں وہ صرف شبہات کی حد تک محدود نہیں بلکہ وہ لوگ حقیقت میں شبہات وخدشات میں ہی غرق ہیں۔

✿ اور مبلغِ کبیر شیخ ابوالحسن ندوی اپنی کتاب "رجال الفکر والدعوۃ الاسلامیۃ" میں عالم ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ ان کی مجلس میں تقریباً ستر ہزار افراد حاضر ہوتے تھے۔ اور ان کے ہاتھ پر پانچ ہزار سے زیادہ یہودی وعیسائی مسلمان ہوئے، اور ایک لاکھ سے زیادہ گناہگار قسم کے لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور انہوں نے بیعت اور توبہ کا دروازہ کھول رکھا تھا چنانچہ اس میں داخل ہونے والوں کی صحیح تعداد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، ان لوگوں کے حالات سدھر گئے، اور دینی حالت بہتر ہوگئی، اور شیخ عبدالقادر جیلانی ان کی تربیت اور دیکھ بھال کرتے رہے، اور ان کو ترقی کے منازل طے کراتے رہے اور یہ روحانی شاگرد توبہ، بیعت اور تجدیدِ ایمان کے بعد اپنی ذمہ داریوں اور مسئولیت کا احساس کرنے لگے، اور پھر شیخ جن میں استقامت، کمال اور تربیت واصلاح کی صلاحیت واہلیت دیکھتے تھے انہیں بیعت کی اجازت بھی دے دیا کرتے تھے، چنانچہ ان کے یہ خلفاء اللہ کی دعوت اور مخلوقِ خدا کو خدا سے ملانے اور تربیتِ نفوس اور شرک وبدعت اور جاہلیت ونفاق سے جنگ کرنے کے لیے اطرافِ عالم میں پھیل گئے، جس کی وجہ سے دینی دعوت پھیلی، اور عالمِ اسلام کے اطراف میں ایمانی مراکز اور تصوف کے مدارس اور جہاد کے مراکز اور اخوت وبرادرانہ محبت کی مجالس قائم ہوئیں۔

اور ان کے خلفاء وشاگردوں اور ان کے بعد والے دور میں جو بڑے بڑے مبلغ اور تربیت کرنے والے ان کے اس دعوت اور نفوس کی اصلاح کے طریقے پر چلے ان کا اسلام کی روح اور ایمان کے شعلہ کی حفاظت، اور دعوت واصلاح کی جرأت، اور جہاد کا ولولہ پیدا کرنے، اور شہوات ونفسانیت کی سرکشی کو کنٹرول کرنے میں بہت بڑا ہاتھ ہے۔ اور اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو وہ مادیت جو حکومتوں اور تمدن کے زیرِ اثر رواں دواں تھی وہ اس امت کو ہضم کر جاتی۔ اور اس امت کے افراد کے دلوں سے زندگی اور محبت کی چنگاری بجھ جاتی، اسی طرح ان حضرات کا ان دور دراز کے علاقوں میں اسلام کے پھیلانے میں بھی بہت بڑا ہاتھ ہے جہاں مسلمانوں کے لشکر نہ پہنچ سکے یا ان علاقوں کو اسلامی حکومت کے زیرِ اثر لانے پر قادر نہ ہو سکے، اور سیاہ افریقہ اور انڈونیشیا اور محیطِ ہندی کے جزیروں اور چین وہند میں اسلام پھیل گیا۔

✿ اور ہمارے استاذِ مکرم شیخ محمد راغب الطباخ رحمہ اللہ اپنی کتاب "الثقافۃ الاسلامیۃ" میں لکھتے ہیں کہ امتِ

اسلامیہ میں صوفیاء کے عظیم اعمال اور شاندار کارناموں میں سے یہ بھی ہے کہ بادشاہوں اور حکام نے جب جہاد کا ارادہ کیا تو ان صوفیاء کی اکثریت خواہ صراحۃً اشارہ نہ بھی کریں تب بھی یہ حضرات اپنے متبعین و مریدین کو جہاد میں نکلنے پر ابھارتے تھے۔ اور چونکہ مریدین اپنے پیروں کے بڑے غالی معتقد اور فرمانبردار ہوتے ہیں اس لیے وہ مجاہدوں کی صفوں میں شریک ہونے میں سبقت لے جاتے تھے، اور اس طرح مملکت کے اطراف سے ایک بڑی تعداد اکٹھا ہو جایا کرتی تھی، اور بسا اوقات یہ صوفیاء و پیر حضرات خود بھی لشکر کے ساتھ نکلتے اور لڑتے اور اپنے مریدوں کو ابھارتے تھے جو فتح و نصرت کا سبب بنتا تھا۔

✿ اور عظیم اسلامی مصنف امیر شکیب ارسلان اپنی کتاب "حاضر العالم الاسلامی" میں "افریقہ میں اسلام کی ترقی اور اس کے اسباب" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ: اٹھارویں اور انیسویں صدی میں قادری و شاذلی طریقے کے متبعین میں ترقی کے ایک نئے باب کا اضافہ ہوا اور تیجانی اور سنوسی کے نام سے دو سلسلے وجود میں آئے۔

سلسلۂ قادریہ کے پیروکار مغربی افریقہ میں سنغال سے بنین جو حصہ دریاء نیجر کے ڈیلٹا کے قریب واقع ہے اس تمام خطہ میں دینِ اسلام کے بہادر مبلغ و داعی ہیں۔ اور یہ حضرات نہایت پرسکون انداز سے تجارت و تعلیم کے ذریعہ اسلام کو پھیلا رہے ہیں، چنانچہ یہ حضرات تعلیم و تدریس کے دوران حبشی بچوں کو دینِ اسلام کی تلقین کرتے ہیں اور اپنے شاگردوں میں سے سمجھدار طلبہ کو خانقاہوں کے خرچے پر طرابلس اور قیروان کے مدارس اور فاس کی جامع القرویین اور مصر کی جامعہ ازہر بھیجتے ہیں۔ یہ طلبہ وہاں سے مجاز و سند بن کر نکلتے ہیں اور پھر ان شہروں میں آکر سوڈان میں عیسائی مشنری کی مدافعت و سدِ باب کرتے ہیں۔

قادریہ سلسلہ کے ایک شیخ کے بارے میں لکھتے ہوئے کہا ہے: "اور شیخ عبد القادر جیلانی جو فارس کے شہر جیلان کے تھے وہ بڑے عظیم صوفی و ذکی شخص تھے، ان کے لاتعداد پیروکار پائے جاتے ہیں، ان کا سلسلۂ تصوف اسپانیا تک پہنچ چکا ہے، پھر جب غرناطہ سے عربوں کی حکومت ختم ہوگئی تو اس سلسلہ کا مرکز "فاس" منتقل ہوگیا۔ اور اس سلسلہ کے برکات و انوارات کے سبب بربر والوں میں سے بدعات کا وجود ختم ہوگیا۔ اور انہوں نے اہلسنت والجماعت کے طریقے کو اپنایا جیسا کہ اسی سلسلہ کی وجہ سے پندرہویں صدی میں مغربی افریقہ کے بہت سے حبشیوں نے ہدایت حاصل کی۔"

اور سلسلۂ سنوسیہ کے بارے میں انہوں نے بھی وہی بات لکھی ہے جو شیخ ابو زہرہ نے لکھا ہے کہ اس فرقے نے اجنبی اٹلیوں کے نفوذ کے خلاف اس وقت تک جنگ کی جب تک کہ اللہ نے ان کو فتح نہ دلادی، اس لیے سنوسیہ کے بارے میں ان کے کلام کا تذکرہ نہیں کر رہا تاکہ ایک ہی بات مکرر نہ ہو جائے۔

سلسلۂ شاذلیہ کے سلسلہ میں گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شاذلی سلسلہ کی نسبت شیخ ابو الحسن شاذلی کی طرف ہے۔

جنہوں نے شیخ عبدالسلام بن مشیش سے اور انہوں نے شیخ ابو مدین سے یہ علم حاصل کیا تھا، اور یہ سلسلۂ شاذلیہ ان ابتدائی واساسی سلسلوں میں سے ہے جس نے تصوف کو مغرب میں پہنچایا، اس سلسلہ کا مرکز مراکش میں ہے۔ اس کے مشائخ میں سے سیدی الشیخ العربی الدرقاوی (متوفی ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء) بھی تھے جنہوں نے اپنے مریدوں میں ایسی دینی حمیت و جرأت پیدا کی جس کا دائرہ مغربِ اوسط تک پہنچ گیا۔ اور فرانسیسی فتح کی روک تھام و مدافعت کرنے میں سلسلہ درقاویہ کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔

ہم نے جو کچھ ذکر کیا ہے اس کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ یہ حضرات جن کا تذکرہ ابھی گزرا ہے یہ وہ علماءِ ربانیین اور باصفا صوفیا، اور مخلص اصحابِ طریقت ہیں جنہوں نے پچھلے زمانوں اور صدیوں میں دعوت الی اللہ کی زمام سنبھالی اور اسلام کا پیغام برحق لوگوں تک پہنچایا۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے عبادت اور جہاد کو جمع کیا، اور حقوق اللہ اور حقوق العباد میں ہم آہنگی پیدا کی۔ اور دونوں کا حق ادا کیا، اور یہی وہ ہستیاں ہیں جنہوں نے ظالموں و جابروں کے سامنے حق کی آواز بلند کی اور دھوکہ باز مستعمرین کے سامنے بڑی بہادری سے ڈٹے رہے۔

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے دینِ برحق اسلام کی شریعت کے ساتھ حق کو وابستہ کیا نہ کہ اپنی فانی ذات کے ساتھ۔ انہوں نے شریعت کے احکامات کو بالادستی عطا کی خواہ وہ ان کے حق میں ہوں یا ان کے برخلاف، یہ حضرات اگر غلطی کر بیٹھتے تھے تو اس پر تنقید کو قبول کرتے تھے، اور اگر کوئی کوتاہی ہو جائے تو نصیحت پر کان دھرتے تھے۔ اس لیے کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ بھی انسان اور بشر ہیں، ان سے غلطی بھی ہوتی ہے۔ اور صحیح و درست کام بھی۔ اس لیے کہ عصمت انبیاءِ کرام علیہم السلام کا خاصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے امام مالکؒ پر وہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ ہم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جس نے تردید نہ کی ہو اور جس پر رد نہ کیا گیا ہو سوائے اس قبرِ مبارک والی ہستی کے۔ یہ کہہ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کی جانب اشارہ کیا۔

وہ تاریخی وابدی مواقف جو علماءِ حقانیین اور مخلص اربابِ شریعت نے پیش کیے ہیں عالمِ عصر اور مرشد شیخ سعید نورسی ترکی جن کا لقب بدیع الزمان رحمہ اللہ ہے ان کا موقف بھی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے جب یہ محسوس کیا کہ ان کے بعض طلبہ، شاگرد اور مرید ان کی تعظیم و تقدیس میں حد سے آگے بڑھ گئے ہیں اور حق کو ان کی فانی ذات سے وابستہ سمجھتے ہیں، تو انہوں نے ان کی رہنمائی و ہدایت کی غرض سے یہ نصیحت و وصیت کی فرمایا: یاد رکھو اس بات سے بچنا کہ تم اس حق کو جس کی میں تمہیں دعوت دیتا ہوں اسے میری فانی ذات سے مرتبط سمجھو تمہیں سبقت لے جانا چاہیے اور اسے اس کے مقدس سرچشمہ کتاب اللہ اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے مربوط رکھنا چاہیے۔ اور تم کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ میری حیثیت اس دلال سے زیادہ نہیں جو اللہ جل جلالہ کے ساز و سامان کی طرف رہنمائی کرنے والا ہو اور تم لوگوں کو جان لینا چاہیے کہ میں معصوم نہیں ہوں مجھ سے کبھی گناہ بھی سرزد ہو سکتا ہے اور انحراف بھی ہو سکتا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ ڈر ہے

کہ اس حق کا ظاہر و مظہر بدنما ہو جائے جو آپ لوگوں نے مجھ سے مربط کر رکھا ہے. اس گناہ اور انحراف یا برائیوں کے ارتکاب سے اس حق پر بدنما داغ لگ سکتا ہے، یا میرے گناہ و انحراف کی وجہ سے حق کی خوشکل بگڑے گی اور اس میں خلط ملط ہو گا اس سے لوگ حق سے روگردانی کر سکتے ہیں.

سلف صالحین اور علماء ربانیین کے یادگار مواقف میں سے حضرت عبداللہ بن المبارک کا حضرت فضیل بن عیاض کے سلسلہ میں وہ موقف بھی ہے جو انہوں نے اس وقت اختیار کیا تھا جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ حضرت فضیل حرم مکہ میں عبادت کے لیے گوشہ نشینی کو اختیار کر بیٹھے ہیں اور جہاد فی سبیل اللہ پر سلامتی کو ترجیح دی ہے. تو حضرت عبداللہ بن المبارک نے انہیں اشعار کا ایک قصیدہ لکھ بھیجا جس کے صرف درج ذیل اشعار پر ہم اکتفا کرتے ہیں:

يا عابد الحرمين لو أبصرتنا	لوجدت أنك بالعبادة تلعب
اے حرمین میں عبادت کرنے والے اگر آپ ہمیں دیکھ لیتے	تو یہ سمجھ لیتے کہ آپ عبادت کا مذاق اڑا رہے ہیں
من كان يتعب خيله في باطل	فخيولنا يوم الكريهة تتعب
جو شخص اپنے گھوڑوں کو فضول تھکاتا ہے اسے جان لینا چاہیے کہ	ہمارے گھوڑے جنگ کے دن تھکتے ہیں
أو كان يخضب خده بدموعه	فنحورنا بدمائنا تتخضب
یا وہ جو اپنے رخسار کو اپنے آنسوؤں سے تر کرتا ہے	تو ہمارے سینے ہمارے خون سے رنگے جاتے ہیں
ريح العبير لكم ونحن عبيرنا	رهج السنابك والغبار الأطيب
عبیر کی خوشبو آپ لوگوں کے لیے ہے اور ہماری خوشبو	کھروں کی گرد و غبار اور پاکیزہ مٹی ہے

حضرت فضیل کو جب یہ اشعار پہنچے تو وہ رونے لگے اور انہوں نے فرمایا کہ میرے بھائی نے بالکل سچ کہا اور میرے ساتھ خیر خواہی کی.

حضرت عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ نے حضرت فضیل رحمہ اللہ کو جب یہ اشعار لکھے تھے وہ اس وقت سرزمینِ شام میں جہاد کے لیے تیاری میں مصروف تھے، اللہ ان سے راضی ہو اور ان پر رحم کرے.

عالم و مرشد جب اپنے آپ کو حق کے مطابق ڈھالتا ہے نہ کہ حق کو اپنے مطابق تو ایسے موقع پر وہ کتنا عظیم ہوتا ہے اور جب وہ اپنے طرزِ عمل سے لوگوں کو اسلام کا ایسا محیط و عام منہاج پیش کرتا ہے جو خواہ عقیدہ سے متعلق ہو یا تشریع سے. دین سے متعلق ہو یا حکومت سے، تزکیہ سے متعلق ہو یا جہاد سے، عبادت سے تعلق رکھتا ہو یا سیاست سے، امر بالمعروف اور حق بات کہنے سے تعلق ہو یا نہی عن المنکر سے ایسے موقع پر اس کا نمونۂ عمل کیا عظیم ہوا کرتا ہے.

اس لیے اے مربیِ محترم! آپ کو چاہیے کہ آپ کسی ایسے عالم و مرشدِ ربانی کو تلاش کریں جس میں یہ تمام صفات

مجتمع ہوں، اوراس کی شخصیت میں یہ تمام مفہوم کامل طور سے موجود ہوں، تاکہ جب آپ کے بیٹے کا اس سے تعلق قائم ہو تو وہ اس کو اسلامی تعلیمات کا صحیح اور کامل ومکمل نمونہ پائے۔ اور وہ اس کو صحیح اسلامی تعلیمات کی تلقین کرے، اور اس کے دل ودماغ، روح وافکار کو اسلام کے محیط نظام ومنہج کی طرف راغب کرے۔ اوراس کا تعلق حق اور شریعت اور سلفِ صالحین کے ارشادات سے جوڑے نہ کہ اپنی فانی ذات اور غیر معصوم شخصیت سے۔

مربی محترم! آپ ایسا ہرگز نہ کیجیے گا کہ آپ اپنے بچے کا تعلق ان لوگوں سے قائم کریں جو پیری مریدی کے دعویدار اور تصوف سے نابلد ہیں، جو منافقین کی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں، جو آج کل بہت بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔

★ جو مرشد اپنے آپ کو معصوم سمجھے اور محفوظ ومعصوم ہونے کا دعویٰ کرے وہ جاہل وبددین ہے۔

★ اور جو مرشد اپنے مریدوں سے اس بات کا خواہاں ہو کہ وہ اس کے ارتکاب کردہ گناہوں کو مان لیں اور اس پر نکیر نہ کریں تو وہ جاہل وبددین ہے۔

★ اور وہ مرشد جو اپنے مرید کو اپنی باتوں سے امید ولالچ میں مبتلا کرتا ہے اور اس کو قرآنِ کریم کی تاثیر وہدایت سے دور رکھتا ہے اور سنتِ نبویہ کی تعلیمات سے بے بہرہ رکھتا ہے وہ جاہل وبے وقوف ہے۔

★ اور جو مرشد ایسے علم کو چھپاتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ دین کے معاملہ میں نفع پہنچائے۔ یا کسی ایسے دینی معاملہ میں سکوت اختیار کرتا ہے اور حق بات نہیں کہتا جس کا دین سے ہونا بدیہی طور پر معلوم ہو تو ایسا مرشد جاہل وبے وقوف ہے۔

★ اور ایسا مرشد جو اسلام کو صرف تزکیۂ نفس اور نفسِ انسانی کی اصلاح تک محدود رکھتا ہو اور اسلام کے دوسرے وہ بنیادی احکام جو نظامِ حکومت اور دنیاوی زندگی سے متعلق ہیں انہیں معطل چھوڑ دیتا ہو تو وہ بھی جاہل وبے وقوف ہے۔

★ وہ مرشد جو حکام کے ساتھ منافقت سے پیش آتا ہو اور ان کی تعریف کی تسبیحیں پڑھتا رہتا ہو اور ان کے دسترخوان پر آتا جاتا رہتا ہو وہ بھی جاہل وبے وقوف ہے۔

مربی محترم! اس میں کوئی شک نہیں کہ جب بچے کا تعلق ایسے مجدد ارمقتدیٰ سے ہوگا جس کے اوصاف ہم نے بیان کیے، اور ایسے عالمِ ربانی مرشد سے ہوگا جس کے اوصاف ہم ذکر کر چکے ہیں تو بلاشبہ ایسی صورت میں بچہ تقویٰ اور اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری کی تربیت حاصل کرے گا، اور اللہ جل شانہ کی طرف رجوع اور حق کے بارے میں جری ہونے کا وصف اس میں نمایاں ہوگا، اور وہ محراب میں عبادتِ الٰہی اور میدانِ کارزار میں دشمنوں کی سرکوبی کرے گا اور پھر وہ روئے زمین پر اللہ کے حکم کو قائم کرنے کے لیے ایمانی حرارت، اسلام کی شجاعت، جوانی کی قوت، پختگی وعزم، سمجھ وذکا، اور مسئولیت کے احساس کے ساتھ آگے بڑھے گا، اور اس پر شاعر کا درجِ ذیل شعر صادق ہوگا:

علی قدر أهل العزم تأتی العزائم	وتأتی علی قدر الکرام المکارم
انسانوں کی قوت وعزم کے مطابق ہی ان سے بلند امور صادر ہوتے ہیں	اور شرفاء کے مرتبہ ومنزلت کے اعتبار سے انکے انعامات ہوتے ہیں

وتعظم فی عین الصغیر صغارھا　　وتصغر فی عین العظیم العظائم

اور چھوٹوں کی نظر میں معمولی چیز بھی بڑی بن جاتی ہے　　اور بڑوں کی نظر میں بڑی چیزیں بھی معمولی بن جاتی ہیں

اس تعلیم و تربیت اور شخصیت سازی کی وجہ سے ایسے مرشدِ ربانی کے ہاتھوں سے بچہ ایک شاندار اسلامی مملکت کے قیام کے لیے بہترین اینٹ کا کام دے گا، اور اس کے ذریعہ سے اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کی فتح وجود میں آئے گی، اور قرآن پر عمل کرنے والی مضبوط حکومت قائم ہو جائے گی، اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کے لیے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

۲۔ بچے کو اچھی صحبت اور نیک لوگوں سے وابستہ کرنا

بچے کی ایمانی و نفسیاتی شخصیت سازی اور معاشرتی و اخلاقی تعمیر کے اہم عوامل میں سے یہ بھی ہے کہ بچے کو شروع ہی سے نیک صالح لوگوں کی صحبت مہیا کی جائے، تاکہ بچہ ان سے وہ شاندار روحانیت اور علمِ نافع اور برتر آداب اور شاندار اخلاق حاصل کر سکے جس سے اس کی شخصیت اجاگر ہو۔

مربی کو چاہیے کہ وہ بچے میں مرشدِ ربانی سے تعلق اور نیک صالح افراد کی صحبت سے ارتباط کا پورا خیال رکھے، اس لیے کہ ان دونوں میں تناقض اور غیر ہم آہنگی اور ان دونوں تعلقات میں ایک دوسرے سے دوری بسا اوقات دو نہایت خطرناک حالات سے دوچار کر دیتی ہے:

۱۔ تربیت و رہنمائی میں تعارض و ٹکراؤ۔

۲۔ کردار و چال چلن میں انحراف۔

تربیت و رہنمائی میں تعارض و ٹکراؤ سے مراد یہ ہے کہ وہ بچہ جو کسی سمجھدار مرشدِ ربانی سے تربیت حاصل کرے گا وہ اگر ایسے لوگوں کے ساتھ رہے گا جو اسلامی سوچ بچار اور کامل پختہ ذہن کے مالک نہیں ہیں تو ہو سکتا ہے کہ بچہ ان سے متأثر ہو جائے اور ان کا اثر قبول کرلے اور ان کی طرف مائل ہو جائے، اور ان جیسے کام کرنے لگے، اور ان کے افکار کو قبول کرلے، اس لیے کہ وہ اب تک علم و عقل کی پختگی کے اس درجے کو نہیں پہنچا ہے جو اسے اس قابل بنا دے کہ وہ اس کے ذریعہ سے صحیح اور غلط میں امتیاز کر سکے، اور اس کا اثر یہ ہوگا کہ بچہ دو قسم کے افکار سے متأثر ہوگا، اور دو شخصیتوں سے اخذ کرے گا، ایک کامل و سمجھدار شخصیت اور دوسری جاہل و ناقص شخصیت، اور پھر وہ سخت حیرت و پریشانی اور تکلیف دہ فکری و نفسیاتی جنگ کا شکار ہو جائے گا، اور اسے یہ معلوم نہ ہوگا کہ وہ کس طرف جائے اور نہ یہ معلوم ہوگا کہ کیا کرے؟

اور چال چلن و کردار کے انحراف سے میری مراد یہ ہے کہ بچہ جب مرشد ربانی یا سمجھدار مسلمانوں کی جماعت کو یہ

دیکھے گا کہ وہ اسے ایسا اسلام اور علم دے رہے ہیں جو اس اسلام وعلم سے بالکل مختلف ہے جو اسے اپنے ساتھیوں کی صحبت اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے حاصل ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ بچہ اس تناقض سے متأثر ہوگا اور سوالات وافکار وپریشانی کے جال پھنس جائے گا جو ہوسکتا ہے کہ اسے کردار وعقیدہ میں انحراف تک پہنچادے، جو سراسر ان متناقض اور ایک دوسرے کی ضد صورت حال کا ردِ عمل ہوگا، اس لیے مرشد اور اچھی صحبت کے ساتھ ارتباط میں برابری کا خیال رکھنا بچے کی شخصیت سازی اور اس کی نفسیاتی واخلاقی تیاری کے اہم ترین عوامل میں سے ہے، تاکہ بچہ تناقض اور شخصیت تباہ کرنے اور حیران کن امور اور نفسیاتی جنگ کا شکار نہ ہو۔

اس لیے مربی کو چاہیے کہ اپنے بچے کے لیے ایسے دوستوں کو تلاش کرے جو ان لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے ایسے سمجھدار باکمال مرشدِ ربانی کے ہاتھ سے تربیت حاصل کی ہو جس کے اوصاف اس سے پہلے ذکر ہوچکے ہیں، اور جس کے افکار وخیالات کا ایک حصہ ہم اس سے قبل جان چکے ہیں، اور ایسی صورت میں ربط مضبوط اور تاثیر قوی اور بچے کی شخصیت میں اعلیٰ ترین کمال ہوگا۔

جن امور کا مربی کو خیال رکھنا اور خوب اہتمام کرنا چاہیے، اور ان کو یقینی بنانے کی کوشش کرنا چاہیے ان میں سے یہ بھی ہے کہ بچے کا چار قسم کے ساتھیوں سے تعلق قائم کرنا چاہیے:

۱۔ گھر کی صحبت۔

۲۔ محلہ کی صحبت۔

۳۔ مسجد کے رفقاء۔

۴۔ مدرسہ یا کام کی جگہ کے ساتھی۔

❖ گھر کی صحبت ورفاقت سے مراد ہے بھائیوں اور قرابت داروں کی رفاقت، اس لیے کہ یہ پہلے وہ افراد ہیں جن سے بچہ ملتا اور ان کے ساتھ اکٹھا ہوتا اور ان سے تعلق پیدا کرتا ہے، اور یہی وہ اولین افراد ہیں جن سے بچہ اخذ کرتا اور حاصل کرتا اور ان سے متعلق ہوتا ہے۔ اس لیے مربی کا یہ فریضہ ہے کہ وہ خوب دیکھ بھال اور اچھی طرح سے نظر رکھے، جس کی وجہ سے وہ خواہ قریب ہو یا دور ان لوگوں کے حالات سے باخبر رہے جن سے بچہ ملتا جلتا اور جن کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے خواہ وہ اس کے بہن بھائی ہوں یا دوسرے عزیز رشتہ دار۔

یہ ایک ظاہری بات ہے کہ بچے کا بڑا بھائی اچھائی یا برائی اور خیر وشر میں دوسری تمام اولاد کے لیے ایک نمونہ اور مثال بنتا ہے۔ اس لیے اگر باپ یا ماں بچے یا بچی کو بالکل آزاد وبے لگام چھوڑ دیں گے اور دوسروں سے میل جول اور اٹھنے بیٹھنے میں کوئی گرفت نہ کریں گے تو ایسے بد اخلاق بھائی یا بہن کا باقی بہن بھائیوں کے اخلاق پر بھی برا اثر پڑے گا، اور پھر

مربی یا باپ کے لیے ان کے انحراف و بداخلاقی اور کجی کی اصلاح اور ان کو راہ راست پر لانا اور سیدھے راستے پر لگانا بہت مشکل ہو جائے گا۔

اس مشکل کا عملی حل اور اس کے تدارک کا طریقہ یہ ہے کہ برے اور خراب بھائی اور بداخلاق و نالائق عزیز و رشتہ دار اور دوستوں سے ملاقات و میل جول کے درمیان حائل ہونے کی پوری کوشش کی جائے تاکہ بچے ان سے متاثر نہ ہوں اور ان کے برے اخلاق اور گندے اوصاف کا ان پر کوئی اثر نہ پڑے۔

مربی کو چاہیے کہ وہ خاندان اور عزیزوں میں ایسے بچوں پر نظر رکھے جو پاکبازی، اخلاق و شرافت اور اسلامی سمجھ بوجھ کے مالک ہوں، اور اپنے نوعمر بچوں اور ایسے عزیزوں میں تعلق اور معاشرتی جوڑ پیدا کرنے کے اسباب مہیا کرے تاکہ ان کا باہمی تعلق وارتباط قوی ہو۔ اور وہ بھی ان سے نفسیاتی واخلاقی خوبیاں اور اچھے اوصاف اور اعلیٰ اخلاق حاصل کر سکیں۔

اور اگر قریبی رشتہ داروں میں ایسا نیک صالح رشتہ دار یا قوی الایمان اور بااخلاق لڑکا نہ ملے تو پھر مربی کو خوب احتیاط سے کام لے کر نہایت بردباری اور سوچ سمجھ کے ساتھ اپنے بچوں کو دوسروں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے ملنے جلنے اور تعلق رکھنے سے روکنے کی کوشش کرنا چاہیے بلکہ ایسی صورت میں مربی کو اس نئی پود کا بہت زیادہ اہتمام کرنا چاہیے اور خوب دیکھ بھال و خیر خواہی سے کام لینا چاہیے، جیسا کہ مربی پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ ان کو برے ساتھیوں سے بچانے اور ان میں شعور پیدا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے، اور پھر ساتھ ساتھ ہر مناسب موقعہ پر ان کی صحیح اور ایسی رہنمائی کرتا رہے جو ان کے ایمان کی مضبوطی، اخلاق کی پختگی اور فطرتِ سلیمہ اور پاک صاف اور شفاف قلوب کی حفاظت کا ذریعہ ہو۔

اور اگر بچے کے لیے ایسے رفقاء کی لازمی ضرورت ہو جن کے ساتھ وہ میل جول رکھے، اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے میں اس کے دل کو سکون حاصل ہوتا ہو اور نفس کو راحت ملتی ہو تو پھر مربی کو عزیزوں کے علاوہ اچھے قسم کے ساتھی اس کے لیے تلاش کرنا چاہیے۔ تاکہ وہ ان سے میل جول رکھے اور ان کی صحبت و معیت سے اس کی دل جمعی و غمخواری ہو، اور وہ ان سے اچھے اوصاف اور مکارمِ اخلاق حاصل کرے اور اس طرح سے مربی اپنے بچے کو اچھے ماحول اور مناسب فضا میں منتقل کر سکے گا۔

◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉

✿ محلہ کی صحبت سے میری مراد بچے کا اپنے محلے اور پڑوس کے بچوں سے میل جول ہے، وہ محلہ جس میں وہ رہتا اور وہ گھر جس میں وہ بستا اور بڑھتا پلتا ہے۔

یہ تسلیم شدہ بات ہے کہ خواہ کوئی بھی محلہ ہو قریب کا یا دُور کا۔ پس ماندہ یا ترقی یافتہ، جاہل یا ثقافت کا علمبردار سب میں ایسے بہت سے بچے پائے جاتے ہیں جن میں نہ حیا ہوتی ہے نہ تربیت و اخلاق، وہ بے حیائی کے کام کرتے ہیں اور فحش و گندے کلمات استعمال کرتے ہیں، اور آنے جانے والوں، اور چھوٹوں بڑوں، اور عورت و مرد سب

کے سامنے بہت برے اخلاق وتہذیب کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

یہ بہت خطرناک مرض ہے۔ مربیوں اور مسئولین کو اس کا علاج کرنا چاہیے۔ اور اس کی بیخ کنی کرنے کے لیے تمام لوگوں کو معاونت کرنا چاہیے۔ اور اس سلسلہ میں ہم اخلاقی تربیت کی مسئولیت کے ذیل میں نہایت کافی شافی بحث کر چکے ہیں اس لیے اس کا مطالعہ کر لیجیے وہاں تشفی کا سامان مل جائے گا۔

اس وقت اس مرض کے بارے میں ہم جس طرف توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ مربیوں کی توجہ اس تکلیف دہ اور افسوسناک حالت کی طرف پھیر دیں جس تک ہمارے اکثر بچے بداخلاقی اور تربیت کی خرابی اور عقیدہ کے انحراف میں مبتلا ہو گئے ہیں، تاکہ مربی اپنی جد وجہد ومحنت دگنی کر دے۔ اور بچے کے عقیدے کی اصلاح اور اخلاق کے بنانے میں اپنی مسلسل طاقت خرچ کرے اور بچے کو اس فاسد بھٹی اور گندے ماحول سے بچانے کے لیے جس میں ہمارے اکثر بچے رہتے ہیں مفید ترین اسباب اور وسائل اختیار کرے۔

اکثر علماء تربیت واصلاح کی نظر میں اس کے کامیاب ترین وسائل میں سے یہ ہے کہ بچے کا اچھی صحبت کے ساتھ رابطہ پیدا کیا جائے، اور اس صحبت وتعلق کا کامیاب ترین راستہ وطریقہ یہ ہے کہ محلے یا پڑوس کے کسی صالح ونیک ساتھی سے بچے کا ربط پیدا کر دینا چاہیے جس سے وہ مسجد میں، اور فارغ اوقات ، یا علمی مباحث، یا کھیل کود، یا سیر وتفریح میں ہمیشہ رابطہ رکھے۔

اور واقعہ یہ ہے کہ اگر محلہ کے ایسے اچھے ساتھیوں سے بچے کا تعلق قائم کر دیا جائے تو وہ اس سے محفوظ رہے گا کہ محلہ کے گندے لڑکوں اور بدکردار ساتھیوں اور خراب دوستوں سے میل جول قائم کرے، بلکہ اس کا عقیدہ زیغ وگمراہی سے اور اس کے اخلاق بگڑنے اور بے راہ روی سے بچ جائیں گے۔

اس لیے اے محترم مربی صاحبان آپ یہ کوشش کریں کہ آپ اپنے بچے کا محلے کے شریف ونیک بچوں سے رابطہ قائم کریں، اور ساتھ ساتھ ہمیشہ کڑی نگرانی، دیکھ بھال، اور رہنمائی بھی کرتے ہیں تاکہ آپ کا بچہ نیک صالح مومن بندوں کی فہرست میں شامل ہو۔

✿ مسجد کی صحبت سے میری مراد یہ ہے کہ بچے کا ایسے بچّوں سے رابطہ پیدا کیا جائے جو اس کے ہم عمر ہوں، اور محلہ کی مسجد میں جماعت سے نماز پڑھتے ہوں، جمعہ اور اسباق وغیرہ میں پابندی سے شرکت کرتے ہوں۔

میرا اندازہ یہ ہے کہ جو بچہ خود اپنے طور پر یا اپنے والدین یا مربی کی رہنمائی سے مسجد کا عادی ہو جائے گا وہ ایسا بچہ ہوگا جس کی نفس میں ایمان کی روح، اور اللہ کی فرمانبرداری، اور اسلام کے احکامات ومنہیات کے سامنے گردن جھکانے کی عادت مستحکم ہو جائے گی، اور ایسے ہی بچے سے خیر کی امید رکھی جا سکتی ہے، اور اس کے وجود سے نفع وبھلائی کی آرزو

کی جا سکتی ہے۔

اور اگر ایسے بچے کے لیے جو مسجد جانے کا عادی ہو کوئی ایسا شخص میسر آجائے جو اس کی رہنمائی کرے اور اسے تعلیم دے اور ٹھوس اسلامی بنیادوں اور شاندار اخلاقی اصولوں پر اس کی تربیت کرے اور اس میں فکری سمجھ پیدا کرنے کا کام کرے تو بلاشبہ ایسا بچہ ان لوگوں میں سے ہوگا جن سے اسلام کا قلعہ تعمیر کرنے اور مضبوط ترین حکومت قائم کرنے کی امید رکھی جا سکتی ہے۔

میں جس چیز کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ محلہ والوں کی صحبت اور مسجد کے ساتھیوں کی رفاقت لازم ملزوم ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ محلہ کے ایسے ساتھی کا کیا فائدہ جو نماز نہ پڑھے اور مسجد آنے جانے کا عادی نہ ہو؟ اور جو شخص مسجد آتا جاتا ہو اس کو محلہ کے ایسے ساتھی کے میل جول سے کیا فائدہ پہنچے گا جو ایسے گھروں کا رخ بھی نہ کرتا ہو جہاں اللہ کا ذکر ہوتا ہو؟

اور اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ اپنے بچے کے لیے بہترین ساتھی اور عمدہ دوست منتخب کرے، تاکہ اس کا بچہ ان کے ساتھ اٹھے بیٹھے اور ان سے تعلق قائم کرے تو اسے چاہیے کہ ایسے دوست ان لوگوں میں سے منتخب کرے جو محلہ کی مسجد میں جانے کے عادی ہوں، اس لئے کہ وہی لوگ صحیح فطرت اور حقیقی ایمان اور پاک صاف اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔

یہیں سے مربی کی ذمہ داری شروع ہو جاتی ہے کہ وہ بچے اور اس کے دوستوں اور ساتھیوں پر نظر رکھے کہ وہ جماعت سے نماز پڑھتے اور اسباق و دروس اور ایسی اچھی مجلسوں میں حاضر ہوتے ہیں یا نہیں جو مسجد میں منعقد ہوتی ہیں؟ اور یہ مد نظر رکھے کہ کیا یہ لوگ قرآن کریم کے حلقوں اور اللہ کے گھروں میں علماء و اساتذہ جو قرآن کریم و تجوید کا درس دیتے ہیں اس سے ان کا تعلق ہے یا نہیں؟

مربی کو بچوں کو مسجد آنے جانے کی عادت ڈالنے کی ترغیب دیتے رہنا چاہیے تاکہ نماز کے اوقات میں وہ مسجد کا رخ کریں اور جماعت کے وقت وہ مسجد جانے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جائیں، اور قرآن کریم کے حلقۂ درس اور دینی تعلیمات کی مجالس میں ان کے مقررہ اوقات پر شرکت کرنے کے شوقین و حریص بنیں۔

اس لیے اے مربی محترم! آپ یہ کوشش کیجیے کہ اپنے بچے کو مسجد سے تعلق رکھنے والے ایسے ساتھیوں سے رابطہ رکھنے کا عادی بنائیں جن کا تذکرہ ہم کر چکے ہیں، اور پھر ان پر کڑی نظر بھی رکھیں، اور انہیں ترغیب بھی دیتے رہیں۔ اور ہمت افزائی بھی کرتے رہیں، تاکہ آپ کا بیٹا اللہ کے فضل سے پاکباز مسلمانوں اور اچھے صالحین کی جماعت میں شامل ہو۔
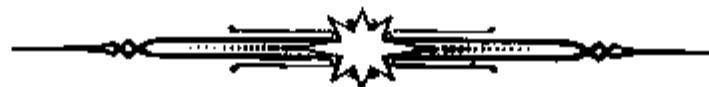
✿ مدرسہ، اسکول یا کارخانے کی رفاقت و صحبت سے میری مراد بچے کا اپنی جماعت کے ساتھیوں اور اسکول میں اپنے

ہم عمروں کے ساتھ رفاقت ہے جہاں وہ پڑھتا ہے اور جس میں وہ داخل ہے، یا وہ کارخانہ جہاں وہ کام کرتا ہے اور وہاں سے کمائی کرتا ہے اور اس کی طرف منسوب ہے۔

مدرسہ کے ساتھیوں سے رفاقت کے سلسلہ میں گفتگو کے ذیل میں میں یہ چاہتا ہوں کہ مربیوں کی توجہ ایک اہم ترین حقیقت کی جانب مبذول کرادوں جس کے سلسلہ میں بحث اور اس پر کلام کرنا بہت ضروری ہے۔

اس حقیقت کا خلاصہ یہ ہے کہ آج کل وہ ممالک اور شہر جہاں گمراہ کن افکار اور ملحدانہ نظریات پھیلے ہوئے اور غیروں کے اصول وضوابط چھائے ہوئے ہیں وہاں مدرسہ و اسکول خطرناک نظریات وافکار اور آراء کا نہایت سرسبز باغ بن گیا ہے جو بہت افسوس کی بات ہے، اور یہ سب کچھ کس کے ہاتھوں سے ہورہا ہے؟

یہ سب کچھ ایسے اساتذہ کے ذریعے ہورہا ہے جنہوں نے اپنے ضمیر کو شیطان کے ہاتھ اور اپنی نفوس کو دوسروں کے ہاتھ بیچ دیا ہے۔

ایسی گمراہ کن نظریاتی جماعتوں کے ذریعے ہورہا ہے جن کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ دین میں شکوک و شبہات پیدا کیے جائیں اور اسلام کے خلاف جنگ کریں۔

ایسی طلبہ تنظیموں کے ذریعے سے جو ان جماعتوں سے احکامات حاصل کرتی ہیں جن کی طرف ان کی نسبت ہے تاکہ طلبہ وطالبات کو گمراہ کرنے اور دوسروں کا غلام بنانے اور شک وشبہ میں گرفتار کرنے کا اپنا فریضہ ادا کرسکیں۔

عورتوں کی ایسی جماعتوں کے ذریعے جن کا اس کے اور کوئی مقصد نہیں کہ وہ اس اسلامی پردے کے سامنے صف بستہ ہوجائیں جو پاکبازی وعفت کا شعار ہے، اور اس اسلامی نظام کا مقابلہ کریں جو عورت کے ساتھ انصاف کرتا ہے۔ اور حقوق سے متعلق اسلام کے ایسے بنیادی قواعد کا مقابلہ کریں جنہوں نے ہر صاحب حق کو اس کا پورا پورا حق دیا، اور یہ جماعتیں عام طور سے کبھی تو عورت کی آزادی کی علمبرداری کا دعویٰ کرتی ہیں، اور کبھی عورت کو مرد کے مساوی قرار دینے کا نام لے کر آگے بڑھتی ہیں۔

یہ تمام زہر اس مسموم فضا کے علاوہ ہے جو مدارس واسکولوں میں مختلف نظریات۔ اور ایک دوسرے کی ضد افکار اور آزادی و بے راہ روی وبیکاری کے دور دورہ کی وجہ سے عام ہے۔ مدرسہ کی فضا میں ہمیں ایسے آدمی بہت کم ملتے ہیں جو صحیح دین اور برحق اسلام اور اچھے اخلاق اور صحیح بنیادی تربیتی اصولوں کی طرف دعوت دینے والے ہوں۔

اس اہم حقیقت کے آشکارا کرنے کے بعد اے مربی محترم! آپ کا فرض یہ ہے کہ آپ اپنے بچے کو اس تاریک وسیاہ فضا اور اس گمراہ کن فاسد ماحول سے بچانے کے لیے پوری جدوجہد صرف کریں اور اپنی کوشش کو دوچند کردیں۔ اور بچوں کو ایسی فضا وماحول سے اسی وقت بچانا ممکن ہوگا جب ان کو مدرسہ میں سمجھدار نیک صالح طلبہ کی صحبت ورفاقت مہیا کی جائے، تاکہ علمی تلقین اور ثقافتی شخصیت سازی خواہ وہ تعلیم کے ابتدائی مرحلہ میں ہو یا اعدادی یا ثانوی یا یونیورسٹی

کی سطح پران تمام مراحل میں آپ کا بچہ ایسے سنجیدہ و نیک طلبہ سے مربوط رہے۔ ایسے طلبہ کا انتخاب بہتر یہ ہے کہ ان لوگوں میں سے ہو جن کے ساتھ بچہ محلہ یا مسجد میں اٹھتا بیٹھتا ہو۔ تاکہ صحبت و رفاقت کا پورا اثر پڑے، اور بچے کے لیے خیر و بھلائی کے نتائج زیادہ بہتر و اچھے ہوں، لیکن اگر ایسے طلبہ نہ پائے جائیں تو سمجھ بوجھ اور عقیدہ کی سلامتی و اخلاق کی درستگی اور عبادات کی ادائیگی خصوصاً نماز کی ادائیگی کی بنیاد پر انتخاب کر لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ شاعر پر رحم کرے فرماتے ہیں :

تمسك إن ظفرت بذيل حر فإن الحر في الدنيا قليل

اگر تم کسی شریف آدمی کا دامن تھام سکو تو تھام لو اس لیے کہ دنیا میں شریف آدمی کم ہی ہوتے ہیں

مدرسہ و اسکول کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے میں یہ چاہتا ہوں کہ میں مربی محترم کی توجہ ایک اور حقیقت کی طرف بھی مبذول کردوں جس کا اہتمام بہت ضروری ہے اور اس طرف توجہ کرنا لازمی ہے، اور وہ ہے لڑکی کو اسکول میں داخل کرنا اور اس کے نفسیاتی وجذباتی تأثر کے حالات ۔

مربی محترم! آپ کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ عورت میں جذباتی مزاج رکھا گیا ہے اور وہ برانگیختہ کرنے والی چیزوں و آرزؤں سے بہت جلد متأثر ہو جاتی ہے۔ اور جدید تمدن کے فتنے اور دنیا کی زیب و زینت اور اس کے دھوکہ دینے والے مظاہر کی جانب بہہ جاتی ہے، اس کی وجہ سے وہ حق سے بہت جلد دور ہو جاتی، اور ماحول کے رنگ میں رنگ جاتی، اور خواہشات کی رو میں بہہ جاتی۔ اور فضاء کے ساتھ ساتھ چلنے لگتی ہے۔ اس میں نہ دین کی طرف سے کوئی رکاوٹ ہوتی ہے نہ ضمیر کی طرف سے کوئی مانع اور نہ عقل کی پختگی ہوتی ہے نہ انجام پر نظر۔

اس لیے آپ کا یہ فریضہ ہے کہ آپ لڑکوں سے زیادہ لڑکیوں کا خیال رکھیں، تاکہ ان کا ایمان متزلزل اور اخلاق خراب نہ ہوں، اور وہ بے حیائی و آوارگی کی تباہ کن گھاٹیوں میں قدم نہ رکھیں، اور وہ لادینی جماعتوں سے وابستہ نہ ہوں جس کی وجہ سے وہ عزیز ترین چیز اسلام و شرافت سے بھی عاری ہو جائیں، اے تربیت کرنے والو! اسلام آپ پر یہ لازم کرتا ہے کہ آپ اپنی بیٹی کے لیے اپنے گھر و مدرسہ میں اچھا ماحول اور صحیح فضاء مہیا کریں تاکہ آپ اسے لغزش سے محفوظ رکھ سکیں اور انحراف سے بچالیں۔

اچھے ماحول کے مہیا کرنے والے وسائل و اسباب میں سے یہ بھی ہے کہ آپ ایسی اچھی نیک پارسا اور دعوتِ دین دینے والی عورتوں سے اس کا جوڑ پیدا کردیں، جن سے وہ ہمیشہ میل جول رکھے۔ اور ان کے پاس آتی جاتی رہے' ان وسائل میں سے یہ بھی کہ آپ اپنی بیٹی کے لیے ایسی نیک صالح سہیلیوں کو مہیا کریں جن سے اس کا رابطہ رہے' اور ان سے اچھی باتیں سیکھے، یہ سہیلیاں خواہ گھر و محلہ میں رشتہ داروں میں سے ہوں یا اسکول کی ساتھی، اس کے ساتھ ساتھ بچی پر ہمیشہ نظر رکھنا چاہیے، اسے وقتاً فوقتاً اپنی نصیحتوں سے آراستہ کرتے رہنا چاہیے تاکہ وہ اپنی اصلیت پر باقی رہے، اور ایمان و استقامت و حق پر قائم رہے، اور اسلام کے بنیادی اصولوں اور روشن تعلیمات پر عمل پیرا رہے، اور اگر باپ یہ سمجھے کہ وہ اپنی بچی کی پاکبازی

و پاکدامنی اور اس کی عصمت کی حفاظت کرنے کے اسباب مہیا کرنے پر قادر نہیں اور اپنی جگر گوشہ کے لیے اچھی فضا و ماحول نہیں پیدا کر سکتا ہے تو ایسے باپ کے لیے یہ شرعاً حرام ہے کہ وہ اس لڑکی کو ان خرابیوں کے مرکز میں داخل کرے اور ان ہلاکت و تباہی کی جگہ پھینک دے تاکہ وہ بچی اپنے عزیز ترین دین اور عزت و عصمت کو گم نہ کر بیٹھے۔

مربی محترم! آپ کو یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ جو اثرات مدرسہ و اسکول کی صحبت سے پڑتے ہیں ۔ ویسے ہی اثرات اسکول و کارخانوں کے ساتھیوں کی صحبت سے بھی پڑتے ہیں، اس لیے کہ یہ نہایت افسوسناک بات ہے کہ اکثر فیکٹریوں و کارخانوں اور اداروں کے کام کرنے والے افراد اخلاق باختہ بے ادب اور بے دین ہوتے ہیں، بلکہ ان مزدوروں میں ان کے درجات کے تفاوت کے اعتبار سے ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو سرخ الحاد اور کافرانہ شیوعیت کے قبول کرنے والوں میں سے ہوتے ہیں۔ ان میں ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو دوسروں کے لیے کام کرنے والی ایسی تنظیموں کی طرف منسوب ہوتے ہیں جن کے نزدیک دین اور ان اخلاقی اقدار کی کوئی حیثیت ، مرتبہ ، وزن نہیں ہوتا جنہیں اسلام لے کر آیا ہے ان کام کرنے والوں میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو جانوروں کی طرح سے آزاد زندگی گزارتے اور اخلاق باختہ حرکات اختیار کرتے ہیں، جن کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ اپنی جنسی خواہشات کو پورا کریں اور سفلی جذبات کو تسکین پہنچائیں، اور ان کا سوائے اس کے اور کوئی مطمع نظر نہیں ہوتا کہ وہ شراب، جوئے اور برائی کی دلدل میں پڑے رہیں، اور فحش ترین گانے سنیں، اور اخلاق باختہ مجالس و ڈراموں میں شرکت کر کے اپنی مردانگی، عزت و شرافت کو بدکردار فاحشہ مغنیہ، یا گری پڑی رقاصہ، یا زانیہ و بے حیا عورت کے قدموں پر قربان کر دیں۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ مزدوروں اور ملازمین میں ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو دین مستقیم و اخلاقِ عالیہ پر قائم اور اس اسلامی نظام کو اپنائے ہوئے ہیں جسے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لے کر تشریف لائے ہیں، لیکن ایسے لوگ دوسرے لوگوں کے مقابلے میں بہت کم ہیں، اور اکثر علاقوں میں ایسے لوگ ان غیر دیندار و بداخلاق جماعتوں کے مقابلے میں تھوڑے سے ہیں جن کی کارخانوں و فیکٹریوں اور عمومی و خصوصی اداروں میں بھرمار ہے، اس لیے اے مربی محترم! اسلام آپ پر یہ لازم کرتا ہے کہ آپ کارخانے و فیکٹری میں اس نیک جماعت اور مومن باکردار افراد کو تلاش کریں تاکہ آپ اپنے بچے کا ان سے تعلق قائم کریں، تاکہ اگر وہ بھول جائے تو یہ یاد دلادیں اور اگر اسے اپنا سبق یاد ہو تو یہ اس کے مددگار بنیں اور اگر اسے غلط راستے اور بری جگہ جاتے دیکھیں تو اسے تباہی سے بچائیں اور اس کا گھیراؤ کرلیں تاکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ استقامت و اخلاق پر قائم رہے۔

اور جب گھر کی دیکھ بھال و راہنمائی کا نیک صحبت کے ساتھ تعاون اور امدادِ باہمی جاری ہوگی تو یہ صحبت خواہ مدرسہ کی ہو یا کارخانے کی، محلہ کی ہو یا مسجد کی تو پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ بچے کے حالات درست اور معاملات ٹھیک ہو جائیں گے۔ اور اس کی اسلامی شخصیت کامل و مکمل ہو جائے گی، اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اپنے عہد و استقامت و اخلاقِ عالیہ پر برقرار

رہے گا۔ اس لیے ابن سینا نے بچے کی تربیت کے سلسلہ میں درج ذیل وصیت کی ہے کہ بچے کے ساتھ اس کے مکتب و مدرسہ میں ایسے بچے ہوں جن کے اخلاق و آداب اچھے اور عادات پسندیدہ ہوں اس لیے کہ بچہ بچے سے بہت زیادہ اخذ کرتا اور اس سے سیکھتا اور مانوس ہوتا ہے۔

اس لیے اے مربی محترم آپ اس بات کی پوری کوشش کریں کہ آپ تربیت کے ان بنیادی اصولوں اور اسلام کے ان اعلیٰ اساسی قواعد پر عمل پیرا ہوں، تاکہ آپ کا بچہ ضائع نہ ہو، اور گمراہی، انحراف اور چھچھورے پن میں مبتلا نہ ہو۔ اور اس کا طریقہ صرف یہ ہے کہ آپ اس کا تعلق ایسے اچھے ساتھیوں سے پیدا کردیں جن کا تذکرہ ہم تفصیل سے کرچکے ہیں۔ تاکہ آپ ہمیشہ صحیح راستے اور بصیرت پر رہیں اور منزلِ مقصود سے باخبر رہیں:

((قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝)) ۔ یوسف ۔ ۱۰۸	آپ کہہ دیجیے کہ یہ میری راہ ہے میں بلاتا ہوں اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر اور جو میرے ساتھ ہے، اور اللہ پاک ہے اور میں شریک بنانے والوں میں سے نہیں ہوں۔

مربی محترم! ہم اخیر میں آپ کے سامنے اسلام کی ان تعلیمات کو پیش کردیتے ہیں جو اس نے برے ساتھیوں اور مفسد و بے دین رفقاء سے اجتناب و دور رہنے کے سلسلہ میں دی ہیں، تاکہ آپ کو یہ معلوم ہوجائے کہ اسلام نے نیک صحبت کے اختیار کرنے کا کتنا اہتمام کیا ہے اور اس کا کس شدت سے حکم دیا اور اس کی تعلیم دی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰي يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ۝ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ۝ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَاۗءَنِيْ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ۝)) ۔ الفرقان ۔ ۲۷ تا ۲۹	اور جس روز ظالم اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھائے گا، کہے گا کاش میں رسول کے ساتھ راہ پر لگ لیتا ہائے میری شامت! کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ یقیناً اس نے نصیحت آئے پیچھے مجھے اس سے بہکا دیا، اور شیطان تو انسان کو امداد کرنے سے جواب دے ہی دیتا ہے۔

نیز ارشاد فرمایا:

((قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ۝)) ۔ ق ۔ ۲۷	(تب) اس کے ساتھ رہنے والا شیطان کہے گا اے ہمارے پروردگار میں نے اسے نہیں بھٹکایا تھا بلکہ یہ خود ہی دور دراز کی گمراہی میں تھا۔

اسی طرح ارشاد فرمایا:

((اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَىِٕذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ)) . الزخرف۔ ۶۷

اس روز (دنیا کے) جگری دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر ہاں متقین (نہیں)۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

((المرء على دين خليله فلينظر أحدكم من يخالل)) .

جامع ترمذی

انسان اپنے دوست کے مذہب پر ہوتا ہے اس لیے تم میں سے ہر شخص کو یہ دیکھ لینا چاہیے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔

نیز فرمایا :

((مثل الجليس الصالح والجليس السوء كمثل حامل المسك ونافخ الكير، فحامل المسك إما أن يحذيك ، أو تشتري منه، أو تجد منه ريحا طيبة . ونافخ الكير إما أن يحرق ثيابك ، أو تجد منه ريحا منتنة)) . بخاری ومسلم

اچھے ساتھی اور برے ساتھی کی مثال مشک والے اور بھٹی والے کی سی ہے۔ مشک والا یا تو تمہیں مشک ہدیۃً دے دے گا۔ یا تم اس سے خرید لوگے۔ یا تم اس کے پاس سے اچھی مہک پاؤگے، اور بھٹی پھونکنے والا یا تو تمہارے کپڑے جلا دے گا یا تم اس سے بدبو پاؤگے۔

* * *

اور فرمایا :

((إياك وقرين السوء فإنك به تعرف)) .

ابن عساکر

تم برے ساتھی سے بچو اس لیے کہ تم اس سے پہچانے جاؤگے۔

اللہ رحم کرے اس شاعر پر جس نے کہا ہے :

عن المرء لا تسأل وسل عن قرينه فكل قرين بالمقارن يقتدي

آدمی کے بارے میں سوال نہ کرو بلکہ اس کے ساتھی کے بارے میں دریافت کرو اس لیے کہ ہر ساتھی اپنے ہم مشرب وہم ذوق کی اقتدا کرتا ہے

۳۔ بچے کا دعوتِ دین اور دین کی دعوت دینے والوں سے ارتباط پیدا کرنا

بچے کی شخصیت مکمل کرنے اور اس کو نفسیاتی ،معاشرتی تیاری اور دینی دعوت دینے کے قابل بنانے کے بنیادی عوامل میں سے یہ ہے کہ بچہ جس وقت سے زندگی کے گورکھ دھندوں کو سمجھنے لگے اور اس کی ذمہ داری جان جائے تو اس وقت سے

اس کا دعوتِ دین اور دین کی دعوت دینے والوں اور اللہ کے کلمہ اور دین کی سربلندی کے لیے حرکت سے رابطہ پیدا کردینا چاہیے جس کا مقصد یہ ہے کہ بچے کی نفس میں دعوت اِلی اللہ اور حق کے بارے میں جرأت اور صبر کی عادت ڈالنے کی روح پیدا ہو اور بڑھتی جائے، تاکہ جب اس میں دعوت کے یہ معانی جاگزین ہوجائیں، اور یہ نفسیاتی صفات گھر کرجائیں تو وہ شیر کی طرح اللہ کے دین کی تبلیغ کرے اور اس سلسلہ میں اسے نہ کسی بھی ملامت کرنے والے کی پرواہ ہو اور نہ دنیاوی پریشانیاں اور زندگی میں پیش آنے والی رکاوٹیں اس کو اس کے عزم سے باز رکھ سکیں۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جب وہ مرشدِ ربانی جن سے بچے کا تعلق و رابطہ ہوگا اس میں وہ صفات پوری طرح موجود ہوں گی جو وعظ و ارشاد میں کام دیتی ہیں یعنی کامل فہم و سمجھ، دور اندیشی، اسلام کے لیے لگن، اور اس کے راستے میں جدوجہد تو اس کا اثر یہ ہوگا کہ بچے میں دعوت و تبلیغ اور جہاد کی روح بڑھے گی، اور مسئولیت کا احساس پیدا ہوگا اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے مستقل جدوجہد کرے گا بلکہ اس سے وہ اس قابل بن جائے گا کہ وہ حق کے لشکر کا سپاہی اور اسلام کی دعوت دینے والوں میں سے ایک داعی بن کر اپنے رب کے پیغام کو بلا کسی کے خوف و جھجک کے دوسروں تک پہنچا دے۔

اور وہ امور جن میں کسی کو بھی شک و شبہ نہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ جب بچے کے لیے دعوت و تبلیغ کے میدان کے لیے تمام اسباب و وسائل مہیا ہوں گے اور اس کے لیے تبلیغی جہاد کے تمام بواعث و ظروف موجود ہوں گے تو بلاشبہ بچہ جب عقل و شعور کی عمر میں قدم رکھے گا، تو اس میں جہاد اور دعوت و تبلیغ اور لوگوں کی رہنمائی اور راہِ راست پر لانے اور بشریت و انسانیت کو تباہی سے بچانے کی روح بیدار ہوگی بلکہ اس کی نفس میں جہاد اور دعوت و تبلیغ کی روح جاگزین ہوجائے گی، اور اچھی طرح گھر کرے گی۔ اور بالآخر یہ اس کی طبیعت، عادت و مزاج بن جائے گی۔

اور یہ بالکل یقینی بات ہے کہ جب بچہ اپنے فارغ اوقات میں دعوت کے کاموں اور تبلیغی میدان میں مشغول ہوگا اور اس سلسلہ میں لوگوں کے ساتھ میل جول، ملاقات و گفتگو کرتا رہے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے اس کا فارغ وقت ایسے کاموں میں مشغول کردیا جس کا فائدہ خود اس کو پہنچے گا، اور اس کے اچھے اثرات امت و معاشرے کے افراد پر پڑیں گے۔ اور ساتھ ہی ساتھ ہم نے بچے میں ایسا معاشرتی و اجتماعی شعور پیدا کردیا ہوگا جو اس کی خداداد صلاحیتوں میں نکھار پیدا کرے گا، اور اس کی شخصیت سازی کرے گا، اور اس کو اس قابل بنادے گا کہ وہ حق کا سپاہی اور دعوت و تبلیغ اور اسلام کا مردِ مجاہد بن سکے۔

لیکن بچے کو داعی و مبلغ بنانے کی کیا تدبیر ہے؟ اور وہ مراحل کیا ہیں جن کو تدریجاً اختیار کرنا چاہیے تاکہ بچہ ممتاز مبلغین کی صف اور بڑے کام کرنے والے لوگوں کے مرتبہ کو پہنچ جائے؟

وہ مراحل میرے خیال کے مطابق درجِ ذیل ہیں:

ا۔ نفسیاتی تیاری

جس کا طریقہ یہ ہے کہ اس دردناک حقیقت کی تصویر کشی کی جائے جس تک عالم اسلامی ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پہنچ چکا ہے، افکار و بنیادی اصولوں کی باہمی جنگ کی تصویر، سیاسی و معاشرتی اختلافات کی تصویر، آزادی و اباحیت کے مرض کی تصویر کشی، صلیبی، یہودی، شیوعی و استعماری سازشوں کی تصویر، اور اس ناامیدی و مایوسی کی تصویر جو بہت سے مسلمانوں پر چھائی ہوئی ہے، اور اس کے علاوہ اس جیسے اور دوسرے تصورات جو عالم اسلام کے کسی معمولی سے مسلمان پر بھی مخفی نہیں ہیں۔

موجودہ حالات اور واقعہ کی یہ تصویر اور جو کچھ ہو رہا ہے اس کو بیان کرنا بچے کو اس بات پر مجبور کر دے گا کہ وہ دعوت کے عملی کام اور تبلیغی جہاد کی ضرورت کو سمجھے، اور اس طرح ہم اسے نفسیاتی طور پر اس قابل بنا دیں گے کہ وہ ایمان و یقین اور قوت و طاقت اور پورے اعتماد کے ساتھ دعوت کے میدان میں آگے بڑھے۔

۲۔ ضرب الامثال کا بیان کرنا

مربی و مرشدِ ربانی کا کام یہ ہے کہ وہ بچے کو یہ باور کرا دے کہ اللہ کی شریعت کی سربلندی اور اسلام کا پرچم بلند کرنے کے لیے دعوتِ کامل اور تبلیغی جہاد نہایت ضروری ہے۔ ضرب الامثال کے دو طریقے ہیں:

ا۔ ضرب الامثال کی ایک قسم تو وہ ہے جو نفس کی ناامیدی و مایوسی کو ختم کر دیتی ہے اور اس کو پرامید بنا دیتی ہے اور نیک فالی کا ذریعہ بنتی ہے۔

۲۔ ضرب الامثال کی دوسری قسم وہ ہے جو مسلمان کو عمل و قربانی اور خواہ کیسی ہی رکاوٹیں کیوں نہ ہوں پھر بھی ثابت قدم رہنے کا درس دیتی ہیں۔

پہلی قسم کے لیے مندرجہ ذیل تاریخی واقعات سے استشہاد کیا جا سکتا ہے:

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد جب لوگوں میں وقتی انتشار پھیلا اور لوگ مختلف جماعتوں میں بٹ گئے، اور کچھ مرتد ہو گئے تو اس وقت کون یہ سمجھتا تھا کہ اسلام کا علم پھر بلند ہو گا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے پہلے مرحلہ میں جاہلی تعصب نے شیطان کے سینگ کی طرح اپنے سینگ نکال لیے اور اہل عرب کے بہت سے افراد اسلام کو چھوڑ بیٹھے، اور بہت سے ان لوگوں نے جو ظاہری طور پر مسلمان ہونے کے دعویدار تھے زکاۃ دینے سے انکار کر دیا، اور بعض نے نماز کو ختم کر دیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد مسلمانوں کی بالکل وہی مثال تھی جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کی کہ وہ ایسے تھے جیسے کہ بکری بارش کی رات میں ہوتی ہے۔ اور مسلمانوں پر انتہائی مایوسی کی کیفیت طاری ہو چکی تھی حتیٰ کہ بعض حضرات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور ان سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول کے خلیفہ آپ تمام عرب سے جنگ کرنے کی قدرت نہیں رکھتے ہیں اس لیے بہتر یہ ہے کہ آپ گھر میں

گوشہ نشین ہو جائیں، دروازہ بند کر کے بیٹھ جائیں، اور مرتے دم تک اپنے رب کی عبادت میں لگے رہیں۔

لیکن اللہ تعالیٰ کے اس نرم دل متحمل مزاج، رونے اور خشوع وخضوع کرنے والے بندے کے دل پر مایوسی کا ذرا بھی گزر نہ ہو، اور وہ اللہ کی رحمت و نصرت سے قطعاً مایوس نہ ہوئے، بلکہ اپنی خلافت کے دور کے اس خطرناک موڑ پر ٹھاٹھیں مارتے ہوتے ہوئے سمندر کی طرح جوشیلے شخص اور دھاڑتے ہوئے شیر کی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یوں گویا ہوئے کہ کیا تم زمانۂ جاہلیت میں نہایت جابر وسخت تھے اور زمانۂ اسلام میں ایسے بے ہمت و کمزور بن جاؤ گے؟ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں ان کے ساتھ جادو کے زور یا شعر وشاعری سے دلجوئی کروں گا؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں!! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے جا چکے، اور وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا، بخدا جب تک میرے ہاتھ میں تلوار ہے میں ان سے جہاد کرتا رہوں گا، بخدا میں ہر اس شخص سے جنگ کروں گا جو نماز اور زکاۃ میں تفریق کرے گا۔ وحی کامل و مکمل ہو چکی ہے، کیا میرے زندہ ہوتے ہوئے دین میں نقص و کمی آسکتی ہے؟ بخدا اگر وہ ایک بکری کے بچے یا اونٹ کی رسی دینے سے بھی انکار کریں گے تو میں اس پر ان سے جنگ کروں گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے حضرت ابوبکر کے سینے کو جنگ کے لیے کھول دیا تھا، اور میں یہ سمجھ گیا کہ وہ بالکل حق بات کہہ رہے ہیں۔

اور اس طرح سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایمان وعزم، اور جہاد و ہمتِ نفس سے اس بات پر قادر ہو گئے کہ سلطنتِ اسلام کو دوبارہ استحکام بخشیں اور اس کے دبدبہ کو مستحکم اور بقاء کو یقینی بنا دیں۔

✿ صلیبی و مسیحی جب اکثر اسلامی ممالک اور مسجدِ اقصیٰ اور اس کے گرد و نواح میں ایک عرصے تک غالب رہے تو اس وقت یہ کون تصور کر سکتا تھا کہ اس جگہ دوبارہ اسلام کو سربلندی حاصل ہوگی۔

کون جانتا تھا کہ یہ ممالک سلطان صلاح الدین ایوبی جیسے بہادر کے ذریعہ فیصلہ کن جنگ حطین میں آزادی حاصل کرلیں گے اور ان کو پھر وہی عزت وشان شوکت اور مقام حاصل ہو جائے گا جو تاریخ کا سنہرا باب بنے گا۔

✿ جب مغولیوں اور تاتاریوں نے عالمِ اسلام کو ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک تباہ و برباد کر دیا۔ اور لوٹ مار اور قتل کا بازار گرم کیا۔ اور بے انتہا خون خرابہ کیا، حتیٰ کہ یہ کہا جاتا تھا کہ ہلاکو نے مسلمانوں کی کھوپڑیوں سے ایک اونچا پہاڑ کھڑا کر دیا تھا۔ ایسے موقعہ پر کون یہ سمجھ سکتا تھا کہ مسلمانوں کو دوبارہ اقتدار نصیب ہوگا۔

کون یہ گمان کر سکتا تھا کہ مملکتِ اسلام عظیم بہادر قطز کے ذریعہ جنگِ عین جالوت میں فتح و آزادی حاصل کرے گی اور مسلمانوں کو ایسی عظمت و فتح نصیب ہوگی جس پر نسلیں فخر کریں گی۔

فتح و کامیابی سے نیک فال لینا کامیابی کا پیش خیمہ ہوتا ہے، اور کسی بھی قوم و امت کی معنوی طاقت ہی ایک ایسی چیز ہے جو اس کے نوجوانوں اور مردوں کو اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ وہ ناامیدی کو امید سے اور شکست کو فتح سے اور کمزوری

وضعف کو طاقت وقوت سے اور ذلت کو عزت سے اور پراگندگی اور تشتت وتفرق کو وحدت سے بدل دیں۔

اے مربی محترم! جب آپ بچے میں امید ونیک فالی کے یہ جذبات اور معانی پیدا کر دیں گے تو لا محالہ وہ دعوت الی اللہ کے میدان کی طرف بڑھے گا بلکہ اس کے لشکر کا ایک فوجی اور اس کے نوجوانوں میں سے ایک طاقتور، بہادر و صابر جوان بن جائے گا۔

دوسری قسم کے لیے مندرجہ ذیل مقتداؤں اور نمونوں سے استشہاد کیا جا سکتا ہے:

- ہمارے سب سے بڑے اور پہلے مقتدا و رہنما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنہوں نے دعوتِ اسلام کے راستے میں مختلف قسم کی تکلیفیں جھیلیں اور طرح طرح کے امتحانات سے گزرے اور مصائب وآلام برداشت کیے، سیرتِ نبویہ پر لکھی جانے والی کتابیں ان امثال وواقعات سے بھری ہوئی ہیں۔

- وہ مقتدی و رہنما جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور اس جماعت کی پہلی فوج ہیں جنہوں نے اللہ کے راستے میں جہاد کا حق ادا کیا، اور مکہ کی زندگی میں دعوت کی محنت میں پہاڑ کی طرح ایمان کے ساتھ داخل ہوئے نہ ان میں کسی قسم کی سستی آئی نہ ضعف وکمزوری بلکہ امتحانات ومصائب نے ان کے ایمان واسلام کو اور بڑھا دیا، یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی وہ حضرات ہیں جن کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

جو شخص کسی کی پیروی واقتدا کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی پیروی کرے، اس لیے کہ یہ حضرات اس امت کے تمام افراد سے زیادہ نیک دل، اور وسیع وگہرے علم والے، اور کم تکلف والے، اور راہِ راست پر زیادہ قائم، اور بہت زیادہ اچھی حالت میں تھے، ان حضرات کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور اپنے دین کے قائم کرنے کے لیے پسند فرمایا تھا، اس لیے ان کے فضل ومرتبہ کو پہچانو اور ان کی پیروی کرو، اس لیے کہ یہ صحیح وسیدھے راستہ پر گامزن وقائم تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی قربانی وثابت قدمی اور صبر کی مثالیں بہت کثیر اور زیادہ ہیں۔

- وہ مقتدی حضرات جو تاریخ کے ابتدائی دور سے آج تک دعوت وتبلیغ کے میدان میں لگے ہوئے ہیں، ان حضرات کے ایسے بڑے بڑے اور شاندار کارنامے اور زندۂ جاوید قربانیاں ہیں جن پر قومیں ہر دور وہر زمانے میں فخر کرتی ہیں جیسے کہ حضرت حسن بصری، عزبن عبدالسلام، منذر بن سعید، امام احمد بن حنبل، ابو غیاث زاہد، حسن بنا اور سید قطب وغیرہ سینکڑوں حضرات جو تحمل کے پہاڑ اور ثابت قدمی میں شیر کی مانند اور صبر وقربانی میں ضرب المثل تھے۔

اس لیے اے مربی محترم! آپ جب دعوت اسلام اور تبلیغ کے سلسلہ میں بچے میں قربانی، صبر وثابت قدمی کے یہ جذبات پیدا کر دیں گے تو بلاشبہ یہ کارنامے بچے کے تصور میں گھر کر جائیں گے اور اس کے نفس ودل میں سرایت کر جائیں گے اور پھر وہ اپنی زندگی میں مقتدی کے لیے راستہ بنا لے گا اور ان حضرات کے نقشِ قدم پر چلے گا اور ان کے راستے کو اپنائے

گا اور ان لوگوں میں سے بن جائے گا جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے درجِ ذیل فرمانِ مبارک میں ذکر فرمایا ہے:

((أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ)). الانعام - ۹۰

یہ وہ لوگ تھے جن کو اللہ نے ہدایت کی سو آپ ان کے طریقہ پر چلیے۔

۳- دعوت الی اللہ کی فضیلت و مرتبہ ظاہر کرنا

اس مرحلہ میں مربی کو چاہیے کہ بچے کے ذہن میں اس عظیم اجر و ثواب کو راسخ کر دے جو دین کی دعوت دینے والے کو دعوتِ دین اور اسلام کے ابدی پیغام کے پہنچانے پر ملتا ہے۔

- بچے کے ذہن میں یہ بات بٹھا دینا چاہیے کہ دین کی دعوت دینے والے لوگ ہی تمام لوگوں سے افضل و برتر و بہتر ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ)). آلِ عمران - ۱۱۰

تم ہو بہتر سب امتوں سے جو بھیجی گئی عالم میں حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

- بچے کے ذہن میں یہ بات راسخ کر دینا چاہیے کہ دین کی دعوت دینے والے ہی دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران ہوں گے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ)). آلِ عمران - ۱۰۴

اور چاہیے کہ تم میں ایک ایسی جماعت رہے جو نیک کام کی طرف بلاتی رہے اور نیک کام کی طرف حکم کرتی رہے اور برائی سے منع کریں اور وہی اپنی مراد کو پہنچے۔

- اور بچے کے ذہن میں یہ بات ڈال دینا چاہیے کہ مرتبہ و مکانت، اور عزت و شرافت اور حسنِ افعال میں دعوت دینے والوں کا کوئی ہم پلہ و نظیر نہیں ہے اس لیے کہ اللہ جل شانہ فرماتے ہیں:

((وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ)). حم السجدہ - ۳۳

اور اس سے بہتر بات کس کی ہے جو (دوسروں کو) اللہ کی طرف بلائے اور (خود) نیک عمل کرے اور کہے کہ میں تو فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

- اور بچے کے ذہن میں یہ بات بٹھا دے کہ تبلیغ اور دعوت کا کام کرنے والوں کو اتنا ہی اجر ملے گا جتنا ان کی اقتداء و پیروی کرنے والوں کو ملتا ہے، لیکن ان پیروی کرنے والے لوگوں کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی، چنانچہ امام مسلم و اصحابِ سنن روایت کرتے ہیں:

((من دعا إلی هدی کان له

جس نے کسی اچھے کام کی طرف دعوت دی تو اس کو

من الأجر مثل أجور من اتبعه لا ينقص ذلك من أجورهم شيئاً»۔

اتنا ہی اجر ملے گا جتنا اجر ان لوگوں کو ملے گا جو اس کی پیروی کرنے والے ہیں اس کی وجہ سے ان لوگوں کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

٭ ٭ ٭

اور اس کے ذہن میں یہ بات ڈال دے کہ دعوت وتبلیغ کرنے والوں کا معاشرہ پر جو اثر پڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے جو لوگوں کو ہدایت دیتے ہیں وہ ان کے لیے اس سب سے بہتر ہے جس پر سورج نکلتا اور غروب ہوتا ہے۔ اس لیے کہ امام بخاری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل فرمانِ مبارک کو روایت کرتے ہیں:

«فوالله لأن يهدي الله بك رجلاً واحداً خير لك من أن تكون لك حمر النعم» وفي رواية: «خير لك مما طلعت عليه الشمس وغربت»۔

بخدا اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعے سے ایک آدمی کو بھی ہدایت دے دے تو یہ تمہارے لیے سُرخ اونٹوں[1] سے زیادہ بہتر ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ تمہارے لیے اس سب سے بہتر ہے جس پر سورج نکلے اور غروب ہو۔

٭ ٭ ٭

مربی محترم! جب آپ بچے کے سامنے دعوت وتبلیغ سے متعلق یہ فضائل وحقائق رکھیں گے اور اس کے ذہن میں انہیں راسخ اور جاگزین کر دیں گے، تو بچہ خوشی خوشی اس میدان میں آگے بڑھے گا، تاکہ اس زبردست شہنشاہ وعظیم ذات سے اجر وثواب حاصل کر سکے جس کے دستِ قدرت میں تمام جہان کی کنجیاں ہیں۔

۴۔ دعوت وتبلیغ کے رہنما اصول کا بیان

اس مرحلہ پر مربی کو چاہیے کہ دعوت وتبلیغ کے سلسلہ کے رہنما اصولوں کو بیان کر دے تاکہ بچہ ان کو اختیار کرے اور ان کے مطابق بغیر اس کے کام کرے کہ اس میں کوئی کجی یا ٹیڑھاپن پیدا ہو تاکہ دوسروں پر اس کا اثر زیادہ پڑے اور وہ اچھے و اعلیٰ قسم کے نتائج حاصل کر سکے۔

وہ اصول مختصراً درجِ ذیل ہیں:

الف۔ جس چیز کی طرف دعوت دے رہا ہے یا جس سے روک رہا ہے اس کے حکم سے واقف ہو:

تاکہ اس کا حکم دینا یا روکنا ہمیشہ شرعی احکام اور اسلام کے بنیادی اصولوں کے مطابق ہو، واقعی اللہ تعالیٰ درج ذیل آیت میں بالکل بجا ارشاد فرماتے ہیں:

[1] سرخ اونٹ اہلِ عرب کے یہاں نہایت قیمتی وقابلِ فخر جانور شمار ہوتے تھے۔

((قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ)). الزمر-۹

آپ کہیے کہ کیا علم والے اور بے علم کہیں برابر بھی ہوتے ہیں۔

ب۔ اس کا فعل ہمیشہ قول کے مطابق ہو:

تاکہ لوگ اس کے طریقے کو قبول کریں اور اس کی دعوت پر لبیک کہیں، اور ایسے لوگ کتنے بدبخت ہوتے ہیں جو ایسی باتیں کہتے ہیں جن پر وہ خود عمل نہیں کرتے، اور ایسے لوگ کتنے بڑے احمق ہوتے ہیں جو دوسروں کو تو اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں لیکن خود اپنے آپ کو بھلا دیتے ہیں خود ان پر عمل پیرا نہیں ہوتے، اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے لوگوں کے بارے میں کتنی شدید بات فرمائی ہے؛

((يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۞ كَبُرَ مَقْتًا عِندَ اللَّهِ أَن تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ)). الصف-۳،۲

اے ایمان والو ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو اللہ کے نزدیک یہ بات بہت ناراضگی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔

اور ارشاد فرمایا؛

((أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ ، أَفَلَا تَعْقِلُونَ)). البقرہ-۴۴

کیا حکم کرتے ہو لوگوں کو نیک کام کا اور اپنے آپ کو بھولتے ہو اور تم تو کتاب پڑھتے ہو پھر سوچتے کیوں نہیں ہو۔

ج۔ جس بات پر نکیر واعتراض کیا جارہا ہے وہ سب کے نزدیک متفق علیہ طور پر بری ہو:

تاکہ لوگ اس کے تعصب کی وجہ سے فکری ونفسیاتی ومعاشرتی کشمکش وپیچ واضطراب میں گرفتار نہ ہوں خصوصاً وہ معاملات جن میں قطعی فیصلہ اجتہاد اور ائمہ کی رائے سے ہوتا ہے۔ اور یہ پہلے سے کہا جاتا ہے کہ جو شخص کسی عالم کی تقلید کرے گا وہ اللہ سے صحیح سالم ملے گا (یعنی گرفت سے بچ جائے گا)۔

د۔ برائی کے بدلنے میں تدریج سے کام لینا چاہیے:

تاکہ انجام کار میں ایسے شدید وسخت نتائج تک نہ پہنچے جو خواب وخیال میں بھی نہ ہوں، اس لیے تدریج سے کام لینا چاہیے نصیحت وخیر خواہی کرے، اللہ سے ڈرائے، دھمکائے، پھر زبانی سختی سے کام لے، پھر بھی اگر اصلاح نہ ہو تو ہاتھ و طاقت وقوت کے ذریعے سے اس برائی کو بدل ڈالے، یہی صحیح طریقہ اور حکمت کا تقاضہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں؛

((وَ مَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا)) البقرۃ۔۲۶۹ — اور جس کو سمجھ ملی اس کو بڑی خوبی ملی

۸۔ نرم مزاج وخوش اخلاق ہونا چاہیے:

تاکہ اپنی نرمی اور خوش اخلاقی سے لوگوں کے دلوں پر قبضہ کر لے اور لوگ اس کی نصیحت واچھی باتوں پر لبیک کہیں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے بالکل سچ فرمایا ہے:

((اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ)) النحل۔۱۲۵ — بلائیے اپنے رب کی راہ پر پکی باتیں سمجھا کر اور اچھی طرح نصیحت سنا کر اور الزام دیجیے ان کو جس طرح بہتر ہو۔

۹۔ تکالیف پر صبر کرنا چاہیے:

تاکہ متکبروں کی سختی وتشدد اور جاہلوں کی حماقت، اور مذاق اڑانے والوں کے مذاق اڑانے سے مایوس وتنگ دل وشکست خوردہ نہ ہو، اس سلسلہ میں وہ نصیحت سنیے جو حضرت لقمانِ حکیم نے اپنے بیٹے کو کی تھی جس کا تذکرہ قرآن کریم نے اس طرح کیا ہے:

((يَا بُنَيَّ أَقِمِ الصَّلَاةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنكَرِ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ)). لقمان۔۱۷ — اے میرے بیٹے نماز کو قائم رکھ، اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر، اور برے کام سے منع کیا کر، اور جو کچھ پیش آئے اس پر صبر کیا کر، بے شک یہ (صبر) ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

مربیِ محترم! دعوتِ اسلام، تبلیغ، اور لوگوں کی خیر وبھلائی کی طرف رہنمائی کرنے کے سلسلہ کے یہ اہم رہنما اصول ہیں[1]۔ اس لیے آپ کو چاہیے کہ جب آپ کا بچہ سنِ شعور کو پہنچ جائے اور ہوش سنبھال لے تو اسی وقت سے بچے کو یہ باتیں سکھائیں اور سمجھائیں تاکہ وہ ان کا عادی بنے، اور تدریجاً ان کو سیکھے، اور ان کے مراحل اور اصولوں کو سمجھے، تاکہ مستقبل میں وہ ایسا مُوفق داعی بن جائے جس کی حکمت وحسنِ تدبیر، وخوش اسلوبی، وحسنِ معاشرت اور لطیف اخلاق اور عظیم تاثیر کی جانب لوگ انگلیوں سے اشارہ کریں۔

۵۔ رہنمائی وتوجیہ سے عملی تطبیق تک

اس اہم مرحلہ میں مربی بچے کے ساتھ معاشرتی زندگی کی تیاری اور دعوت کے لیے اس کو تیار کرنے میں عملی تطبیق کے

---

[1] کتاب تربیۃ الاولاد فی الاسلام (اسلام اور تربیتِ اولاد) کی قسم ثانی کی چھٹی فصل کی "معاشرتی تنقید اور دیکھ بھال" نامی بحث پڑھیے، وہاں آپ کو یہ تمام بنیادی باتیں اور اصول ولائل وشواہد کے ساتھ مفصل موجود ملیں گے۔

پہلو کی طرف منتقل ہوتا ہے۔

اس دعوت کے لیے تیار کرنے کے مرحلہ میں مربی کے لیے بہتر یہ ہوگا کہ وہ اپنے بچے کا کسی مخلص مبلغ و تجربکار داعی سے تعلق قائم کر دے جس سے بچہ رہنمائی حاصل کرے، اور دعوت کے اصول سیکھے، اور اس کی صحبت میں رہ کر لوگوں کو خیر و بھلائی کی طرف دعوت دینے کے عملی پہلو کو دیکھے اور اس کی مشق کرے۔

یہ بات کوئی ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ ابتدائی عمر میں اس طرح کا تعلق قائم کر دینے سے بچے کو دعوت کے لیے پختہ کرنے، اور معاشرے کے لیے تیار کرنے، اور اس کی شخصیت کی نفسیاتی و کردار کے اعتبار سے تکمیل کرنے میں بہت زیادہ اثر پڑتا ہے۔

اس مرحلہ کے بعد پھر ہدایت و اصلاح کے لیے انفرادی ملاقات کی مشق کا مرحلہ آتا ہے، اور یہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ بچہ تن تنہا اکیلے بغیر کسی مرشد کی معیت یا کسی دوسرے کی مرافقت کے عملی طور پر دوسروں کو اچھی باتوں کی طرف دعوت دینے کی مشق نہ کرے۔

لیکن اس سے قبل کہ بچہ کسی انسان کو خیر و بھلائی کی طرف دعوت دینے کا عملی تجربہ کرے بہتر یہ ہے کہ مربی یا داعی بچے کو دعوت و تبلیغ کے اصول اور اس کے مراحل یاد دلا دے، تاکہ وہ خوب باریک بینی و عمدگی سے ان کی تنفیذ کر سکے، اور پھر خود خوشی خوشی نہایت اطمینان و انشراح کے ساتھ دعوت و تبلیغ کے میدان میں کام کرے، کبھی اس دعوت کے میدان میں ایسا ہوگا کہ یہ اپنے مدرسہ یا اسکول کے ایسے ساتھی کو دعوت دے گا جس کی نظر میں عبادت کی کوئی حیثیت نہیں، جو نماز کی مطلق پرواہ نہیں کرتا ہوگا، اور نیک لوگوں کی زندگی قطعاً نہ گزارتا ہوگا۔

ایسے موقعہ پر دعوت و تبلیغ میں بچے کا کمال اس وقت ظاہر ہوگا جب وہ اس ساتھی کو نہایت عمدگی سے نماز کی دعوت دے، اور اس کو فاسد و خراب ماحول سے بچالے، ایسے موقعہ پر اس کی مؤثر شخصیت کا اظہار ہوگا کہ وہ اس ساتھی کو سمجھا دے، اس کی تشفی کرا کر اسے راہِ راست پر لے آئے، اور ایسے موقعہ پر اس کی مؤثر شخصیت کا اظہار ہوگا جب وہ دوسرے کی تشفی کرا کر اپنی بات منوا کر دوسرے کو ہدایت دے سکے، اور ایسی صورتحال میں دعوت و تبلیغ کے میدان میں اس کی مقدرت اور طاقت مجسم ہو کر سامنے آئے گی، اس معنی کہ وہ لوگوں کو کتنا اپنی طرف مائل کرتا ہے اور لوگ اس سے کتنے متاثر ہوتے ہیں، اور دوسروں کو وہ اپنا کتنا گرویدہ بناتا ہے۔ اور جس چیز کی دعوت، اور جس بات کا حکم دے رہا ہے اس میں لوگ کس حد تک اس کی پذیرائی کرتے اور اس کی بات کو قبول کرتے ہیں!!

بچے کے دعوت و تبلیغ کے اس عملی مرحلہ سے فارغ ہونے کے بعد مربی یا مرشد یا داعی کے لیے پھر ایک اور دوسرا مرحلہ آتا ہے، تاکہ وہ بچے سے ان نتائج کے بارے میں دریافت کرے جو اس نے حاصل کیے ہیں، اور جن مراحل سے بچہ گزر چکا ہے ان کا محاسبہ کرے، اور پھر اگر وہ یہ محسوس کرے کہ بچے نے دعوت کے میدان میں صحیح طریقہ اختیار کیا ہے، اور ضروری قواعد کی

پیروی کی ہے۔ اور تمام مراحل پر مرحلہ وار عمل کیا ہے تو بچے کے اس اچھے کارنامے وکارکردگی کی تعریف کرے، اور اس پر اس کی ہمت افزائی سے کام لے اور معاشرے میں دعوت وتبلیغ کے میدان میں اس سے اور نشاط وہمت سے کام کرنے کا مطالبہ کرے۔

اور اگر وہ یہ دیکھے کہ لڑکے نے صحیح انداز سے کام نہیں کیا اور اصول کے مطابق صحیح دعوت نہیں دے سکا تو سیدھے راستے اور صحیح طریقے کی طرف اس کی رہنمائی کرے، لہٰذا ایسے موقعہ پر دعوت وتبلیغ کے نگران اور مربی پر یہ لازم ہے کہ وہ بچے کے ساتھ اس طریقے کو اختیار کرے۔ اور بچہ دعوت وتبلیغ کے جس کام کو بھی کرے اس سے اس کے بارے میں استفسار کرتا رہے اور اس کا محاسبہ کرتا رہے۔ اور پھر جب یہ محسوس کرے کہ وہ اس کام میں منجھ گیا ہے اور کردار واعمال میں پختہ ہو گیا ہے تو اسے جہالت سے لبریز ماحول ومعاشرے میں چھوڑ دے تاکہ وہ نہایت عمدگی اور خوش اسلوبی سے دعوت واصلاح کا کام کر سکے۔ اور دنیا میں اسلام کے بنیادی احکامات کی تبلیغ بلا کسی خوف وخطر کے کر سکے خواہ اس کام میں اس کو طرح طرح کے مصائب وتکالیف وسزاؤں کو کیوں نہ برداشت کرنا پڑے، ایسی صورتحال میں اس کے فخر واعزاز کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی پیروی کر رہا ہے، اور انبیاء علیہم السلام کو اس راستے میں جو تکالیف پیش آئی ہیں یہ بھی ان کی طرح انہیں برداشت کر رہا ہے، اور ان بڑے بڑے مصلحین کے نقش قدم پر چل رہا ہے جنہوں نے اس راستے میں ہر قسم کی مصیبتیں جھیلی ہیں۔ خیر واصلاح کی طرف دعوت دینے والے ہر داعی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہی دستور رہا ہے، آپ اللہ کے اس دستور کو کبھی بدلتا ہوا نہیں پائیں گے اور نہ ہی اللہ کی اس سنت میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی پائیں گے۔

***
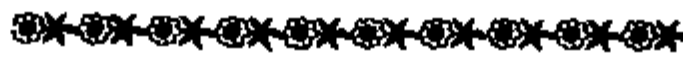
مربی محترم! اگر آپ یہ چاہیں کہ آپ کا بچہ اسلام کے لشکر کا سپاہی اور حق کی دعوت دینے والے داعیوں میں سے بن جائے تو آپ کو چاہیئے کہ آپ اپنے بچے کا ایسے سچے داعیوں اور مخلص مبلغین سے جوڑ قائم کر دیں جن سے آپ کا بچہ ایمان کا عزم ویقین حاصل کرے۔ اور ان کے ذریعے جہاد کی طرف چل پڑے، اور ان کی جدوجہد سے دعوت الی اللہ کے میدان میں کام کرنے لگے۔ تاکہ جب ان کے ہاتھوں وہ کمال کو پہنچ جائے اور دعوت کے میدان میں عملی قدم رکھے تو بلا کسی سستی کاہلی تقصیر وکوتاہی کے لوگوں کو گمراہی سے نکالنے صحیح راستے کی طرف ہدایت دینے کی کوشش اور دعوت وارشاد اور اصلاح وتبلیغ میں زبردست کارنامہ انجام دے سکے، آج دنیا اسلام کو ایسے ہونہاروں کی سخت ضرورت ہے جن کی گھٹی میں بچپن ہی سے دعوتِ اسلامیہ پڑی ہوئی ہو، اور جو بالغ ہونے سے قبل ہی تبلیغی جہاد اور دعوت الی اللہ کے عملی میدان میں بڑھے پلے ہوں تاکہ جب وہ اس عمر کو پہنچیں جس میں اسلام کے ابدی پیغام کے اٹھانے کے قابل ہوں تو دور دراز علاقوں میں پہنچ کر لوگوں کو تہذیب یافتہ اور امتوں کو باعزت بنائیں، اور علم ومعرفت سے آشنا کرائیں، اور حق کی مدد کریں،

اور ہدایت کی طرف دعوت دیں، اور روئے زمین کو عدل وانصاف، امن واستحکام اور سکون وقرار کا گہوارہ بنادیں۔

وہ دعوت وجہاد کے میدان میں بلا کسی خوف وخطر کے آگے بڑھتے جائیں، اور کسی کے خوف وڈر کے بغیر اپنے رب کے پیغام کو پہنچاتے جائیں، تاکہ انجام کار میں اللہ کی شریعت کو نافذ اور اسلامی حکومت کو قائم کرسکیں، اور اس عظیم عزت وبزرگی اور قوت وطاقت کو دوبارہ حاصل کرسکیں جسے ان کے سابقین اولین نے حاصل کیا تھا اور اس وسیع وعریض حکومت کو قائم کرسکیں جس کی سرزمین سے سورج کبھی غروب نہیں ہوتا تھا، اور یہ اللہ جل شانہ کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔

۵ ۔ ورزش وریاضت

معاشرہ کے افراد کی جسمانی تربیت اور صحت کو برقرار رکھنے کے لیے اسلام نے جن اہم اور نفع بخش وسائل کو مقرر کیا ہے ان میں سے یہ بھی ہے کہ موقعہ کی مناسبت اور حالات کے مطابق فارغ وقت کو جہاد کے کاموں، فوجی مشقوں اور ورزش وغیرہ میں مصروف کر دیا جائے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام نے اپنے شاندار بنیادی اصولوں اور عالی ترین تعلیمات کے ذریعہ ایک ہی وقت میں حقیقت اور واقع اور صاف ستھرے کھیل کود کو یکجا کر دیا ہے اور روح کی ضروریات اور جسم کی ضروریات کے درمیان تطبیق پیدا کر دی ہے، اور جسم کی تربیت اور روح کی اصلاح کا پورے طور سے خیال رکھا ہے۔

بچہ جب سے عقل وسمجھ کی عمر کو پہنچے اسی وقت سے اس کی صحت اور جسم دونوں کا خیال رکھنا چاہیے بلکہ مناسب یہ ہے کہ اس کے فارغ اوقات کو ایسے مشاغل سے مصروف کر دیا جائے جن سے اس کو جسمانی صحت حاصل ہو اور اعضاء میں قوت پیدا ہو اور اس کا سارا بدن چست اور چاق وچوبند رہے یہ تین وجہ سے ضروری ہے:

۱۔ اس کو حاصل شدہ بہت سے فارغ وقت کی وجہ سے۔

۲۔ اس کو بہت سی بیماریوں وامراض سے بچانے کے لیے۔

۳۔ بچپن ہی سے اسے ورزش اور جہاد کے کاموں کی مشق کرانے اور عادی بنانے کے لیے۔

مربی محترم اسلام نے ریاضت ورزش اور فوجی تیاری کے سلسلہ میں جو اہتمام کیا ہے اسے ظاہر کرنے کے لیے آپ کے سامنے دینی نصوص اور آیات واحادیث کا ایک مجموعہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ ہر آنکھیں رکھنے والا شخص یہ جان لے کہ اسلام ہی اللہ تعالیٰ کا وہ ابدی دین ہے جو عزت وقوت اور جہاد کے وسائل کی طرف دعوت دیتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

«وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ». الانفال ۶۰

اور ان کی لڑائی کے واسطے تیار کرو جو کچھ جمع کر سکو قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے، کہ اس سے اللہ کے دشمنوں پر دھاک پڑے اور تمہارے دشمنوں پر۔

* امام مسلم اپنی صحیح میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

«المؤمن القوی خیر وأحب إلی اللہ

طاقتور مومن بہتر ہے اور اللہ کو زیادہ محبوب وپسندیدہ

من المؤمن الضعيف)). | ہے کمزور مومن سے۔

* اور طبرانی سندِ جید کے ساتھ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((كل شيئ ليس من ذكر الله فهو لهو أو سهو إلا أربع خصال: مشي الرجل بين الغرضين، وتأديبه فرسه، وملاعبته أهله، وتعليمه السباحة)).

ہر وہ چیز جو اللہ کے ذکر میں سے نہ ہو وہ کھیل کود ہے یا بھول سوائے چار چیزوں کے: تیر اندازی کے لیے انسان کا دو نشانوں کے درمیان چلنا، اور اپنے گھوڑے کو تربیت دینا، اور اپنی بیوی کے ساتھ دل لگی، اور تیرنا سیکھنا۔

* اور امام مسلم اپنی کتاب صحیح میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالی جل شانہ کا فرمانِ مبارک ذیل تلاوت فرمایا:

((وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ)). | اور ان کی لڑائی کے واسطے تیار کرو جو کچھ قوت جمع کر سکو۔

پھر ارشاد فرمایا:

((ألا إن القوة الرمي، ألا إن القوة الرمي، ألا إن القوة الرمي)).

خبردار سن لو کہ قوت تیر اندازی ہے، خبردار سن لو قوت تیر اندازی ہے، خبردار سن لو کہ قوت تیر اندازی ہے۔

* امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے حکام کو لکھا تھا کہ: اللہ کی حمد و ثنا کے بعد (میں یہ لکھنا چاہتا ہوں کہ) اپنے بچوں کو تیر اندازی اور تیرنا اور شہ سواری سکھاؤ۔

اور امام بخاری و مسلم روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشہ کے لوگوں کو یہ اجازت دی تھی کہ وہ آپ کی مسجدِ مبارک میں اپنے نیزوں سے کھیلیں، اور اپنی زوجۂ مطہرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ اجازت دی کہ وہ ان کی نیزہ بازی کو دیکھیں، وہ حبشی اس نیزہ بازی میں مصروف تھے کہ اسی اثناء میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور انہوں نے چھوٹے چھوٹے کنکر اٹھا کر ان کو مارے تو نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: کہ اے عمر ان کو چھوڑ دو۔

* اور امام احمد و بخاری روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ اسلم کے کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے جو بازار کے قریب تیر اندازی کر رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تیر اندازی کرو اس لیے کہ تمہارے جدِ امجد بھی تیر انداز تھے۔ تم تیر اندازی کرو میں بنو فلاں کے ساتھ ہوں، یہ سن کر ایک جماعت تیر اندازی سے رک گئی، تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم تیر اندازی نہیں کر رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: اب ہم بھلا کیسے تیر اندازی کر سکتے ہیں جب کہ آپ تو ان کے ساتھ ہیں!! اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: تم بھی تیر اندازی کرو میں تم سب کے ساتھ ہوں۔

* اور امام احمد و ابو داؤد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوڑنے میں مجھ سے مقابلہ کیا تو میں آپ سے آگے بڑھ گئی، کچھ عرصہ بعد جب میرا جسم ذرا بھاری ہو گیا تو آپ نے مجھ سے پھر مقابلہ کیا اور آپ مجھ سے آگے بڑھ گئے اور فرمایا: یہ اس دن کا بدلہ ہو گیا۔

* اور ابو داؤد حضرت محمد بن علی بن رکانہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکانہ سے کشتی لڑی اور آپ نے ان کو پچھاڑ دیا۔

* اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«ارموا واركبوا وأن ترموا خير من أن تركبوا». تیر اندازی کرو اور شہ سواری بھی، اور تم تیر اندازی کرو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم شہ سواری کرو۔

* اور امام احمد و بخاری رحمہما اللہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس "عضباء" نامی ایک اونٹنی تھی جس سے کوئی آگے نہ بڑھ پاتا تھا، ایک اعرابی (بدو) اپنی ایک نوجوان اونٹنی پر سوار ہو کر آیا، اور اس عضباء اونٹنی سے آگے بڑھ گیا، تو اس سے مسلمانوں کو سخت تکلیف ہوئی اور انہوں نے کہا کہ عضباء تو پیچھے رہ گئی، نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

«إن حقاً على الله أن لا يرفع شيئاً من الدنيا إلا وضعه». اللہ کا دستور یہ ہے کہ وہ دنیا کی جس چیز کو بلندی عطا کرتا ہے اسے گراتا بھی ہے۔

ان احادیث سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اسلام نے ورزش پر مبنی کھیلوں اور جہاد میں معاون ورزش اور مشقوں مثلاً کشتی، دوڑنا، تیرنا، تیر اندازی و شہ سواری کو اس لیے جائز قرار دیا ہے تاکہ مسلمان قوم عزت اور فتح و نصرت اور سیادت کے اسباب کو اختیار کرے، اور انفرادی و اجتماعی طور پر قوت و بہادری و جہاد کے اسباب کی تربیت حاصل کرے تاکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرمانِ مبارک «وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ»[1] کو نافذ کر سکے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ مبارک: «المؤمن القوي خير وأحب إلى الله من المؤمن الضعيف»[2] پر عمل پیرا ہو۔

کوئی بھی دو آدمی اس میں اختلاف نہیں کریں گے کہ جب اسلام کے دشمنوں کو یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ امتِ مسلمہ عسکری و جنگی طور پر تیار، اور جسمانی وصحت کے لحاظ سے توانا، اور ایمانی ونفسیاتی لحاظ سے کامل ہے، اور اس نے حقیقی و واقعی طور پر جہاد کا عزم کر لیا ہے، تو بلاشبہ اسلام کے دشمن اپنی بے جبین و بزدل اور حقیر نفوس کی وجہ سے اس سے پہلے ہی شکست کھا جائیں

---

[1] ترجمہ: اور ان کی لڑائی کے واسطے تیار کرو جو کچھ قوت جمع کر سکو۔

[2] ترجمہ: طاقتور مؤمن اللہ کو زیادہ محبوب اور بہتر ہے کمزور مؤمن سے۔

گے کہ وہ جہاد و جنگ کے مقابلہ میں شکست خوردہ ہوں، یہی چیز آج "مسلم امن" کے نام سے معروف ہے اور یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے درج ذیل فرمانِ مبارک میں مُراد لیا ہے:

«نصرت بالرعب مسيرة شهر». ایک ماہ کے فاصلہ سے ہی رعب کے ذریعے میری مدد کی گئی ہے۔

٭ ٭ ٭

اور سابقہ تفصیل کے مطابق بچہ جب اس جسمانی دیکھ بھال اور جہاد کی تیاری اور ورزشی مشقوں کا زیادہ مستحق ہے تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ لڑکا اس میدان میں بغیر قیود و حدود کے نکل کھڑا ہو، یا اسے کسی دائرہ میں رہ کر حدود کی پابندی کرتے ہوئے ایک نظام کے مطابق چلنا ہوگا؟

حقیقت اور واقعہ یہ ہے کہ ورزش سے بچے کو اس وقت تک مطلوبہ فائدہ نہیں پہنچ سکتا اور اس سے حسبِ منشا نتیجہ اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک وہ اس نظام کے مطابق نہ ہو جو اسلام نے مقرر کیا ہے۔

ہم مربی محترم کے سامنے اس نظام کے اہم امور اور متعین خطوط و حدود پیش کرتے ہیں:

۱۔ توازن پیدا کرنا

یہ قطعاً نامناسب ہے کہ ورزش و ریاضت سے بچے کا تعلق دوسرے فرائض و واجبات کے کھاتے میں ہو اور اس پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور جو کام اس کے ذمہ ہیں ان کو چھوڑ کر ورزش و ریاضت میں لگ جائے، مثلاً بچہ اپنا تمام وقت فٹ بال کھیلنے، کشتی، تیرنے، یا تیر اندازی میں خرچ کر ڈالے اور اللہ نے جو عبادات فرض کی ہیں یا اس پر علم حاصل کرنے کا جو فریضہ لاگو ہوتا ہے، یا اپنے والدین کی اطاعت وحسنِ سلوک کی ذمہ داری ہے، یا اسلام نے جو فریضۂ دعوت و تبلیغ عائد کیا ہے اس سب سے غافل ہو جائے۔

اس لیے ورزش و ریاضت کے ساتھ بچے کا تعلق درمیانہ روی و اعتدال سے ہونا چاہیے تاکہ دوسرے فرائض و واجبات کا حق بھی ادا ہو اور کسی ایک کی وجہ سے دوسرے حق کی حق تلفی نہ ہو، یا ایک ذمہ داری پر دوسری ذمہ داری کو غالب نہ کر دیا جائے۔ یہ اس لیے ضروری ہے تاکہ وہ توازن وعدل قائم کیا جا سکے جس کے اصول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت مقرر کر دیے تھے جب آپ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے ارشاد فرمایا تھا:

«إن لله عليك حقاً، وإن لبدنك اللہ کا تم پر حق ہے، اور تمہارے بدن کا بھی تم پر

عليك حقاً، وإن لأهلك عليك حقاً... حق ہے، اور تمہارے اہل وعیال کا بھی تم پر حق ہے...
فأعط كل ذي حق حقه)) . اس لیے ہر صاحب حق کو اس کا حق دو۔

۲۔ اللہ کی مقررہ کردہ حدود کا خیال رکھنا

جو صاحب بھی بچے کو ریاضت و ورزش کی مشق کرائیں اور اس کو عسکری و فوجی تیاری میں لگائیں ان کو چاہیے کہ مندرجۂ ذیل امور کا خیال رکھیں:

الف۔ ورزش وریاضت کا جو لباس بچے کو پہنایا جائے وہ ناف سے گھٹنے تک ہونا چاہیے جیسا کہ احادیث ذیل میں آتا ہے:

★ دار قطنی حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ:

((ما فوق الركبتين من العورة، وما أسفل من السرة من العورة)). گھٹنوں سے اوپر کا حصہ عورت (قابل ستر) ہے اور ناف سے نیچے کا حصہ عورت (قابل ستر) ہے۔

★ اور حاکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ناف اور گھٹنے کے درمیان (کا حصہ) قابل ستر ہے۔

★ اور ابو داؤد، حاکم اور بزار حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اپنی رانوں کو نہ کھولو، اور نہ کسی زندہ کی ران کو دیکھو نہ کسی مردہ کی۔

★ اور امام بخاری اپنی "تاریخ" میں اور امام احمد و حاکم حضرت محمد بن جحش رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت معمر کے پاس سے گزر ہوا، تو ان کی دونوں رانیں کھلی ہوئی تھیں، آپ نے فرمایا: اے معمر اپنی دونوں رانیں ڈھک لو اس لیے کہ رانیں عورت ہیں (چھپی ہونا چاہییں)۔

★ اور عقبہ بن علقمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: گھٹنہ عورت (شرمگاہ یعنی مستور حصے) میں سے ہے۔

لہٰذا مشق کرانے والے کے لیے یہ قطعاً جائز نہیں ہے کہ وہ لڑکے کو ورزش وریاضت کا ایسا لباس پہنائے جس سے ران ڈھکی ہوئی اور گھٹنہ چھپا ہوا نہ ہو، جیسا کہ ابھی مندرجہ بالا صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے، اور مربی و مشق کرانے والا اگر اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ احکامات و حدود کی پابندی نہیں کرے گا تو وہ گناہگار ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس سے اس حکم عدولی و زیادتی کا حساب لے گا۔

ب۔ ریاضت وورزش ایسی جگہوں پر ہونا چاہیے جو تہمت وفتنے کے مقامات نہ ہوں، اس لیے کہ امام بخاری ومسلم حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

((إن الحلال بين، وإن الحرام بين، وبينهما أمور مشتبهات لا يعلمهن كثير من الناس، فمن اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينه وعرضه، ومن وقع في الشبهات وقع في الحرام...)).

حلال کھلا ہوا اور ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے، اور ان دونوں کے درمیان بہت سی مشتبہ چیزیں ہیں جنہیں بہت سے لوگ نہیں جانتے، لہٰذا جو شخص مشتبہ چیزوں سے بچا اس نے اپنے دین وعزت کو بچالیا اور جو شخص مشتبہ چیزوں میں پڑگیا وہ حرام میں پڑگیا...

اسی مفہوم کے موافق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر یقین رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ ایسی جگہ پر نہ کھڑا ہو جو تہمت واتہام کی ہو۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تم ایسی چیزوں سے بچو جن پر نکیر کرنے میں دل سبقت لے جاتے ہیں خواہ تمہارے پاس اس کا رد اور جواب کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ اس بری چیز کے بہت سے ایسے سننے والے ہوں گے جن کو تم اپنا جواب اور عذر نہ سنا سکو گے۔

اور آپ ہی بتلائیے کہ اس سے بڑھ کر قابلِ اعتراض اور شبہ میں ڈالنے والی کیا بات ہوگی کہ بچہ ورزش وریاضت کے کام آزادی وبے حیائی کے ماحول میں کرے، مثلاً یہ کہ تیرنا ایسے مقامات پر سیکھے جہاں مرد وعورتیں ایک ساتھ تیرتی ہوں، جہاں عریانی وبے حجابی نہایت عام ہو۔ یا کشتی یا مکہ بازی ایسی جگہ پر سیکھے جہاں برے کام ہوتے ہوں اور شراب نوشی عام ہو۔

اس لیے اے مربی محترم! آپ کو چاہیے کہ آپ اپنے بچے کو تہمت کی جگہ سے دور رکھیں تاکہ معاشرے میں اس کی شہرت داغدار اور لوگوں میں اس کی شخصیت مشتبہ نہ ہو۔ اور آزادی وبے راہ روی کے ماحول میں اس کا اخلاق وکردار خراب نہ ہو۔

◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉

ج ۔ ریاضت میں کمال وسبقت لے جانے پر ہمت افزائی ناجائز شرط اور ناجائز امور سے نہ ہو :

اس لیے کہ ابوداؤد وترمذی، نسائی، ابن ماجہ واحمد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

«لا سبق إلا في خف أو حافر أو نصل» . مقابلہ ومسابقت سوائے اونٹوں اور گھوڑوں اور تیراندازی کے کسی میں جائز نہیں۔

⁂ ⁂ ⁂

اس حدیث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مسابقت ومقابلہ دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے :

۱۔ مسابقت جنگ وجہاد کے لیے وسیلہ کے طور پر ہو، مثلاً اونٹوں یا گھوڑوں کی دوڑ یا تیر اندازی ونشانہ بازی وغیرہ دوسرے جدید قسم کے جنگی وسائل۔

۲۔ جیتنے والوں کو جو انعام دیا جائے وہ دونوں مقابلہ کرنے والوں یا دونوں میں سے کسی ایک کی طرف سے نہ ہو بلکہ کسی تیسرے کی طرف سے ہو، لیکن اگر دو مقابلہ کرنے والے یہ طے کرلیں کہ دونوں میں سے جو آگے بڑھے گا وہ دونوں کا مقرر کردہ انعام لے لے گا تو یہ قمار اور جوا بن جائے گا جو حرام وناجائز ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے گھوڑے کو جو جوا بازی یا اس قسم کے مقابلہ کے لیے رکھا جائے اسے "شیطان کے گھوڑے" کا نام دیا ہے، اور اس کی قیمت کو حرام اور اس کے گھاس چارے کو بوجھ، اور اس کی سواری کو گناہ قرار دیا ہے، لیکن اگر انعام کسی تیسرے آدمی یا جماعت کی طرف سے ہو یا حکومت یا وزارت یا مدرسہ یا کسی جمعیت کی طرف سے ہو تو ایسا انعام شرعاً جائز ہے، اس لیے کہ اس میں قمار وجوا نہیں ہوتا چاہے یہ ہمت افزائی جنگی تیاری کے واسطے ہو یا ریاضت میں کمال پیدا کرنے کے لیے، اس کے جواز پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کے درمیان دوڑنے میں مقابلہ کرایا اور سبقت لے جانے والے کو انعام دیا۔

۳۔ حسنِ نیت واخلاص کا پیدا کرنا

بچے کی تربیت اور جسم وصحت بنانے کے ذمہ دار مربی کو چاہیے کہ وہ بچے کے کان میں یہ بات ڈال دے کہ وہ جو جسمانی ورزش وریاضت اور عسکری وجنگی مشقیں کر رہا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ جسمانی طور سے طاقتور اور صحت کے اعتبار شاندار اور فوجی تربیت اور جہاد کی مشقوں کے لحاظ سے کامل ومکمل ہو جائے، تاکہ جب وہ اس عمر کو پہنچ جائے جس میں وہ روزانہ کی ذمہ داریاں اٹھانے کا اہل بن جائے اور روزانہ کے فرائض کو ادا کرسکے اور اسلام کی مدد کرنے میں اپنے فریضے کی آواز پر لبیک کہہ سکے تو اپنی ذمہ داری اور فریضہ کو بغیر کسی کمزوری تقصیر اور کوتاہی کے ادا کرسکے

اس میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں کہ بچے کے کان میں شروع ہی سے یہ آواز ڈال دینا اور اس کی مستقل رہنمائی کرتے رہنا اس کو ہمیشہ نیت خالص کرنے کا عادی بنادے گا اور وہ ہر موقعہ پر اپنے نفس کا محاسبہ کرے گا کہ جو ریاضت اور ورزش وغیرہ وہ کر رہا ہے وہ صرف اس لیے ہے تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل فرمان مبارک پر عمل پیرا ہو سکے ؛

((المومن القوی خیر و أحب إلی اللہ من المومن الضعیف)) .	کمزور مومن سے طاقتور مومن بہتر اور اللہ کو زیادہ محبوب ہے ۔

اور درج ذیل فرمان پر بھی :

((رحم اللہ امرءاً أراھم من نفسہ قوۃ)) .	اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر رحم کرے جو ان (دشمنوں کے سامنے) اپنے آپ کو طاقتور ظاہر کرے ۔

اور وہ جو فوجی مشقیں اور جہاد کی تیاری کر رہا ہے وہ اس لیے ہے تاکہ اللہ تعالیٰ سبحانہ کے مندرجہ ذیل حکم کو نافذ کر سکے ؛

((وَ اَعِدُّوْا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّۃٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْھِبُوْنَ بِہٖ عَدُوَّ اللّٰہِ وَ عَدُوَّکُمْ)) . الانفال ۶۰	اور ان کی لڑائی کے واسطے تیار کرو جو کچھ قوت سے جمع کر سکو اور پلے ہوئے گھوڑوں سے کہ اس سے دھاک پڑے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر ۔

بچے کے جسم کو قوی و طاقتور بنانے کی تربیت اور جہاد کے کارناموں میں نفس کو حصہ لینے کے قابل بنانے کی مشقوں میں ہم بچے کی اس طرح نیت درست کر کے بچے کا رابطہ اسلام سے عقیدہ و فکر کے لحاظ سے، اور جہاد سے قربانی اور دین کے لیے اٹھ کھڑے ہونے کے اعتبار سے، اور روزانہ کے فرائض سے نشاط و چستی کے اعتبار سے تعلق قائم کر دیں گے، اور اس کے ساتھ ساتھ ہم نے اس کو قابل بنا دیا ہو گا کہ وہ اسلام کے فوجیوں میں سے ایک فوجی بن جائے، جو دنیا کے کارنامے انجام دے اور دین کے لیے جہاد کرے، اور اپنے مخلص و دیانتدار جسم میں ایمان و اخلاق اور عزت و نیک فالی اور اس عظیم اسلام کی نصرت کے عظیم مقاصد و معانی پیدا کرلے ۔

اس نیت صالحہ ہی کی بدولت بچہ اپنے دل کی گہرائیوں اور وجدان میں یہ محسوس کرے گا کہ وہ جو مشق و ورزش کر رہا ہے وہ کھیل کود اور فضول چیز نہیں ہے بلکہ وہ ایک عظیم مقصد کی تیاری اور اس کے حصول کے لیے ہے، اور اس اچھے و سچے جذبہ و شعور کی وجہ سے وہ مشق و ریاضت وغیرہ کو اخلاص نیت اور سچے و پکے عزم اور پوری یکجہتی اور نشاط کے ساتھ کرے گا، اور اور اس وقت سے فائدہ اٹھائے گا اور اپنے فارغ وقت کو اس میں صرف کرے گا ۔

اور جب بچے کے دل میں ہم یہ باتیں بٹھا دیں گے، اور یہ ہدایات اس کے کانوں میں دیتے رہیں گے، اور اس کے نفس میں یہ اچھی و شاندار باتیں راسخ کر دیں گے تو بچہ ایک نئی زندگی اور نیا سبق حاصل کرے گا ۔

مربی محترم! آپ کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ بچے میں اخلاص پیدا کرنا اور اس کی نیت کی اصلاح یہ صرف ریاضت وورزش اور جہاد و جنگ کی مشق کے لیے ہی ضروری نہیں ہے بلکہ ۔ زندگی کے تمام امور اور حلال کے دائرہ میں آنے والی تمام وہ اشیاء جو جسم سے تعلق رکھتی ہیں ان سب سے اس کا تعلق ہے۔ لہٰذا کھانا ہو یا پینا، سونا ہو یا جاگنا، جائز و ضابطہ کی تفریح، اور دیگر حلال چیزوں سے استفادہ، اگر بچہ یا کوئی بھی مسلمان یہ امور اللہ کے حکم کی بجاآوری اور حرام سے بچنے اور جسم کو اس غرض سے طاقت بہم پہنچانے کے لیے کرے گا تاکہ ذمہ داریوں اور فرائض کو ادا کر سکے، تو اس نیت صالحہ کی وجہ سے وہ عمل اور وہ کام ایسی عبادت بن جائے گا جس سے مومن کو اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے، اسی بنیاد پر نبی کریم صادق ومصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا ہے کہ انسان کو اس لقمہ پر بھی اجر و ثواب ملتا ہے جو لقمہ انسان اپنی بیوی کے منہ میں اس کو خوش اور مانوس کرنے کے لیے دیتا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بتلایا ہے کہ جو شخص پاکدامنی کی نیت اور نیک صالح اولاد کے حصول کی غرض سے اپنی جنسی خواہش حلال راستے سے پوری کرتا ہے تو اس پر بھی اس کو اجر و ثواب ملتا ہے، اسی بنیاد پر فقہاءِ کرام نے مندرجہ بالا احادیث سے یہ حکم مستنبط کیا ہے کہ اچھی نیت کی وجہ سے عادت بھی عبادت بن جاتی ہے۔

لہٰذا اگر اچھی نیت کا اجر و ثواب کے حصول کے سلسلہ میں اتنا بڑا اثر ہوتا ہے تو پھر اے مربی محترم آپ کو بچے کے دل میں یہ بات پیدا کر دینا چاہیے تاکہ اس کا ہر کام صرف اللہ کی رضا و خوشنودی کے لیے ہو، اور وہ اپنے ربِ عظیم کے دربار میں ہمیشہ اجر و ثواب حاصل کرتا رہے۔

مربیانِ کرام بچے کے عقیدہ کی حفاظت اور اس کے کردار کے صاف ستھرا رکھنے اور اس کی شخصیت کے کمال نکھار اور اس کے افکار و خیالات کے صحیح کرنے اور اس کے جسم و اعضاء کو تقویت پہنچانے کے لیے یہ اہم ذرائع اور تدابیر ہیں، بلکہ ایمانِ کامل اور اخلاقِ فاضلہ اور عقل کی نضج و پختگی اور شخصیت کے نکھار، عقل و سمجھ کی بیداری، اور معاشرہ میں صاف ستھری بے داغ شہرت کا حامل بنانے کے لیے بچے کو شروع ہی سے تربیت دینے کے یہ عظیم اور اہم عوامل ہیں۔ اس لیے اے مربیانِ کرام! آپ یہ کوشش کیجیے کہ یہ تعلق و روابط نہایت اہتمام، درستگی اور اخلاص سے پیدا ہوں، اور آپ خود نہایت عزم و تدبیر اور قوت و ایمان اور جرأت سے ان کی تطبیق دینے کی کوشش کیجیے۔

یاد رکھیے اگر آپ نے ایسا کر لیا تو پھر آپ اپنے جگر گوشوں کو روشن چاند اور چمکدار سورج اور مہک دار پھولوں، اور زمانے کے رخسار پر خوبصورت تل، اور روئے زمین پر چلنے والے فرشتوں کی طرح پائیں گے:

((وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ ۔)). التوبہ - ۱۰۵

اور آپ کہہ دیجیے کہ عمل کیے جاؤ پھر آگے اللہ دیکھ لے گا تمہارے کام کو اور اس کا رسول اور مسلمان۔

۲ - متنبہ وچوکنا کرنے کا قاعدہ :

اب جبکہ ہم ربط وارتباط کے موضوع پر خوب تفصیل سے روشنی ڈال چکے اور بچے کی تربیت اور اس کی شخصیت سازی اور اس کے کردار و چال چلن پر اس کا جو زبردست اثر پڑتا ہے اس کو بیان کر چکے ہیں، تو اب ہم بچے کی تربیت کے بنیادی قاعدوں میں سے دوسرے قاعدے پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں، جو متنبہ وچوکنا کرنے کا قاعدہ ہے۔

اس وقت جس موضوع پر ہم گفتگو کرنا چاہتے ہیں وہ بھی ان دوسرے موضوعات سے کچھ کم اہمیت اور اثر و فائدہ کا حامل نہیں ہے جن پر ہم اس سے پہلے گفتگو کر چکے ہیں، بلکہ یہ تو ان بنیادی عوامل میں سے ہے جو بچے کے ذہن کو گندے افکار اور باطل وگمراہ کن نظریات سے دھو ڈالتا ہے۔ بلکہ اس کی قوت ایمانی وذہنی پختگی سے ایک ایسا مضبوط قلعہ تعمیر کر دیتا ہے جو اس کو گمراہ کرنے والوں کے افکار اور آزادی پسندوں کی بے راہ روی اور اخلاق باختہ لوگوں و بدکرداروں کی صحبت سے بچالیتا ہے۔

اس سے قبل کہ میں ان اہم تنبیہات کے سلسلہ میں گفتگو کروں جن کا حاصل کرنا بچے کے لیے ضروری ہے۔ اے مربی محترم آپ کے لیے مناسب یہ ہے کہ آپ مندرجہ ذیل دو حقیقتوں کو سمجھ لیں :

۱۔ بچے کو ہمیشہ متنبہ وخبردار کرتے رہنا اس کے دل میں شر و فساد کی کراہیت بٹھا دیتا ہے، اور اس کے نفس میں زیغ و ضلال سے نفرت پیدا کر دیتا ہے۔

۲۔ زیغ وضلال، الحاد و آزادی اور بے راہ روی وغیرہ کو کھول کر بیان کر دینا مربی کے لیے مسئولیت کے بار اٹھانے میں عزم وپختگی کو بڑھا دیتا ہے اور بچے کو شر سے دور رہنے اور باطل سے کنارہ کش ہونے کی تعلیم دینے اور رہنمائی کرنے میں ممد ومعاون بنتا ہے۔

ان دو حقائق کو بیان کرنے کے بعد اب ہم اصل موضوع کی طرف لوٹتے ہیں تاکہ اس کے ہر پہلو پر اچھی طرح روشنی ڈال سکیں، اور اللہ ہی مددگار ہے۔ اور اس پر اعتماد و بھروسہ ہے۔

اگر ہم اللہ تعالیٰ کی کتاب اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو غور سے پڑھیں اور ان پر ایک نظر ڈالیں تو ہم یہ محسوس کریں گے کہ شر سے بچانے اور باطل کو کھول کر بیان کرنے کا اسلوب وانداز قرآن کریم کی بہت سی آیات اور بے شمار احادیث میں بالکل عیاں و نمایاں اور صاف صاف نظر آتا ہے۔ ان آیات واحادیث کا کچھ حصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے :

اللہ تعالیٰ سورۂ اسراء میں فرماتے ہیں :

((لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا))۔ بنی اسرائیل۔ ۲۲

اللہ کے ساتھ دوسرا حاکم مت ٹھہرا ایسے نہ پھر بیٹھ رہیں آپ الزام کھا کر بے کس ہو کر

ارشاد فرمایا:

((وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا))۔ بنی اسرائیل۔ ۲۹

اور اپنے ہاتھ کو بندھا ہوا نہ رکھیں اپنی گردن کے ساتھ اور نہ کھول دیں اس کو بالکل کھول دینا پھر آپ بیٹھ رہیں الزام کھائے ہوئے ہارے ہوئے۔

پھر فرمایا:

((وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا))۔ بنی اسرائیل۔ ۳۱

اور اپنی اولاد کو نہ مار ڈالو مفلسی کے خوف سے، ہم روزی دیتے ہیں ان کو اور تم کو، بے شک ان کا مارنا بڑی خطا ہے۔

اور فرمایا:

((وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا)) بنی اسرائیل ۳۲ تا ۳۴

اور زنا کے پاس نہ جاؤ وہ بے حیائی ہے اور بری راہ ہے اور اس جان کو نہ مارو جس کو اللہ نے منع کردیا ہے مگر حق پر، اور جو ظلم سے مارا گیا تو ہم نے اس کے وارث کو زور دیا، سو قتل کرنے میں حد سے نہ نکل جائے، اس کو مدد ملتی ہے۔ اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر جس طرح کہ بہتر ہو جب تک کہ وہ پہنچیں اپنی جوانی کو، اور عہد کو پورا کرو بے شک عہد کی پوچھ ہوگی۔

اور ارشاد فرمایا:

((وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ۝))۔ بنی اسرائیل۔ ۳۶ تا ۳۸

اور آپ اس بات کے پیچھے نہ پڑیں جس کی آپ کو خبر نہیں، بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب کی اس سے پوچھ ہوگی۔ اور زمین پر اتراتے ہوئے مت چلیے، نہ آپ زمین کو پھاڑ ڈالیں گے اور نہ لمبا ہو کر پہاڑوں تک پہنچیں گے۔ یہ جتنی باتیں ہیں اس سب میں آپ کے رب کی بیزاری بری چیز ہے۔

وراس کے علاوہ دوسری اور بہت سی آیاتِ کریمہ جو عقیدہ میں زیغ وکجی، اور اخلاق میں فساد وخرابی، اور معاملہ میں کوتاہی وخامی سے منع کرتی اور ڈراتی ہیں، اور اس طرح کے مضامین پر مشتمل آیات قرآنِ کریم میں بہت کثرت سے پائی جاتی ہیں۔

اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام فرماتے ہیں:

«إياكم والكذب فإن الكذب مجانب للإيمان».
مسندِ احمد، ترمذی، نسائی، ابنِ ماجہ و ابوداود

تم جھوٹ سے بچو اس لیے کہ جھوٹ ایمان کی ضد ہے۔

اور فرمایا:

«إياكم وكثرة الحلف في البيع فإنه ينفق ثم يمحق». صحیح مسلم ومسند احمد

تم خرید وفروخت میں زیادہ قسم کھانے سے بچو اس لیے کہ اس سے سودا تو خوب بکتا ہے لیکن برکت ختم ہوجاتی ہے۔

اور فرمایا:

«إياكم والظن فإن الظن أكذب الحديث، ولا تجسسوا، ولا تحسسوا، ولا تنافسوا، ولا تحاسدوا ولا تباغضوا، ولا تدابروا، وكونوا عباد الله إخواناً، ولا يخطب أحدكم على خطبة أخيه حتى ينكح أو يترك».

صحیح بخاری وصحیح مسلم

تم بدگمانی سے بچو اس لیے کہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے۔ اور تجسس نہ کرو، اور چپکے سے کسی بات کے معلوم کرنے کی کوشش نہ کرو، اور منافست نہ کرو، اور حسد نہ کرو، اور بغض نہ کرو، اور ایک دوسرے سے پیٹھ نہ پھیرو، اور اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن جاؤ، اور تم میں سے کوئی شخص ایسی جگہ پیغامِ نکاح نہ بھیجے جہاں اس کے بھائی نے پیغامِ نکاح بھیجا ہو جب تک کہ وہ یا تو نکاح نہ کرلے یہ وہاں سے بات چیت ختم نہ کردے۔

اور فرمایا:

«إياكم وكثرة الضحك، فإنه يميت القلب ويذهب بنور أهل الجنة» سننِ ابنِ ماجہ

تم زیادہ ہنسنے سے بچو اس لیے کہ اس سے دل مردہ ہوجاتا ہے اور اہلِ جنت کا نور ختم ہوجاتا ہے۔

اور فرمایا:

«إياكم وزي الأعاجم» صحیح ابنِ حبان

تم عجمیوں کا سا لباس پہننے سے بچو۔

اور فرمایا:

«إياك وقرين السوء فإنك به

تم برے ساتھی سے بچو اس لیے کہ اسی کے ذریعہ سے

تعرف))۔ ابن عساکر

تم پہچانے جاؤ گے۔

اور فرمایا:

((إياكم والشح فإنما أهلك من كان قبلكم الشح . أمرهم بالبخل فبخلوا ، وأمرهم بالقطيعة فقطعوا ، وأمرهم بالفجور ففجروا))۔

ابوداؤد وحاکم

تم حرص و بخل سے بچو اس لیے کہ تم سے پہلے لوگوں کو حرص و بخل ہی نے ہلاک کیا ہے اس نے ان کو بخل کا حکم دیا اور انہوں نے بخل سے کام لیا، اس نے انہیں قطع رحمی کا حکم دیا اور انہوں نے قطع رحمی کی، اور اس نے انہیں فسق و فجور کا حکم دیا اور انہوں نے فسق و فجور کو اختیار کیا۔

اور اس کے علاوہ اور دوسری وہ احادیث جو برائی و شر سے روکتی اور فساد سے ڈراتی ہیں۔ اور انسان کو اس طرف متوجہ کرتی ہیں کہ وہ زیغ و ضلال اور بد اخلاقی سے بچے۔ اور اس مضمون والی احادیث کتب احادیث میں بہت کثرت سے پائی جاتی ہیں۔

متنبہ کرنے اور ڈرانے کا طریقہ مربیوں کا ایجاد کردہ کوئی نیا طریقہ نہیں ہے، اور نہ ہی یہ معاشرہ سے تعلق رکھنے والے فلسفیوں کی اختراع ہے، بلکہ یہ تو وہ طریقہ ہے جسے قرآن کریم نے لوگوں کی شخصیت سازی، اور احادیث نبویہ نے معاشرہ کے افراد کی تربیت کے لیے اختیار کیا ہے واقعی اللہ تعالیٰ بالکل بجا ارشاد فرماتے ہیں:

((إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ)) بنی اسرائیل ۹ — یہ قرآن بتلاتا ہے وہ راہ جو سب سے سیدھی راہ ہے۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل درست ارشاد فرمایا ہے کہ:

((.. فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ))۔

کتب سنن وصحیح ابن حبان

.. پس تمہیں چاہیے کہ میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو اختیار کرو اور اسے مضبوطی سے تھام لو۔

اور لیجیے اب ہم مربیوں کے سامنے ڈرانے و متنبہ کرنے کے سلسلہ میں وہ اہم مسائل ذکر کیے دیتے ہیں جو بچے میں شعور پیدا کریں، اور اس کے ذہن کو صاف کریں، اور عقیدے کو مضبوط کریں، اور اس کے اخلاق و کردار کو سنوار دیں تاکہ وہ ان پر عمل پیرا ہوں اور ان کا خیال رکھیں، اور اس کی تلقین و تبلیغ کا اپنے آپ کو مکلف بنائیں۔

اگر انہوں نے ایسا کر لیا تو وہ ان لوگوں کی فہرست میں شامل ہو جائیں گے جنہوں نے تربیت کے میدان میں اپنا فریضہ اور دینی مسئولیت و ذمہ داری کو بہترین طریقے اور عمدگی سے ادا کیا، اور وہ ان لوگوں کی جماعت میں سے بن جائیں گے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی بیویوں بچوں کی طرف سے چین و سکون اور آنکھوں کی ٹھنڈک عطا کی اور انہیں نیک و متقیوں کا امام بنا دیا۔

مربی محترم! لیجیے اب آپ کے سامنے ہم وہ اہم تنبیہات وروکنے والی نصوص پیش کرتے ہیں :

۱۔ ردت (مرتد ہونے) سے ڈرانا اور اس پر تنبیہ

مربی محترم! ردت کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان اپنے اس دین کو چھوڑ دے جو اللہ نے اس کے لیے پسند کیا تھا، اور اس کے بجائے کوئی اور ایسا مذہب یا عقیدہ اختیار کرلے جو دینِ اسلام کے خلاف ہو۔

ارتداد کے بے شمار مظاہر ہیں:

✿ ارتداد کے مظاہر میں سے ایک مظہر یہ ہے کہ ایسے نعرے بلند کیے جائیں جو مسلمان کو اللہ جل شانہ کے معبود ومقصود بنانے سے روک دیں، یا اسلام کو مقصود ومطلوب بنانے کے آڑے آجائیں، اس قسم میں بہت سی حالتیں آجاتی ہیں:

الف ۔ انسان قومیت کے لیے کام کرے اور اسی شعار کو اپنا ہدف ومقصد بنالے، اسی کی طرف دعوت دے، اسی کے لیے دوڑ دھوپ کرے، اسی کے لیے لڑے، اسی کو جاہلی تعصب کہا جاتا ہے جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا اور ڈرایا ہے فرمایا:

((لیس منا من دعا الی عصبیۃ ، ولیس منا من قاتل علی عصبیۃ ، ولیس منا من مات علی عصبیۃ)) ۔ سننِ ابی داؤد	وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو عصبیت کی طرف بلائے۔ اور وہ شخص ہم میں سے نہیں جو تعصب کی خاطر لڑے، اور وہ شخص ہم میں سے نہیں جو تعصب پر مرے۔

ب ۔ وطنیت وقومیت کے نام پر کام کرنا اور اس شعار کو اپنا ہدف ومقصد بنالینا، اس کی دعوت دینا اس کے لیے تگ ودو کرنا، اور اس کی طرف سے مدافعت کرنا، اللہ تعالیٰ نے ایسی قوموں کی مذمت کی ہے جو اپنے وطن سے چمٹ جاتے ہیں چنانچہ ارشاد فرمایا:

((وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا)) ۔ النساء - ۶۶	اور اگر ہم ان پر حکم کرتے کہ اپنی جان کو ہلاک کردیا اپنے گھر کو چھوڑ نکلو تو ایسا نہ کرتے مگر ان میں سے تھوڑے، اور اگر یہ لوگ کریں وہ جو ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو البتہ ان کے حق میں بہتر ہو اور دین میں زیادہ ثابت رکھنے والا ہو۔

ارتداد کا انحصار اس میں ہے کہ مقصد وہدف یہ ہو کہ ان چیزوں کی سربلندی اور تقدس ہو، اور ان کو عبادت کا درجہ دے

دیا جائے، اس میں نہ خدا کا نام ہو نہ اس پر ایمان لانے کا ذکر، نہ اس کی شریعت پر عمل سے کوئی تعلق، لیکن اگر مقصود اللہ کی ذات ہو، اور اس کے احکامات کا نافذ کرنا مطلوب ہو، اور اس میں وطنِ اسلامی کی مصلحت ہو، اور عزت وآبرو، نفس ومال وجان اور دین سے دفاع ہو۔ تو یہ ایسی عبادت ہے جو ایسا کرنے والے اور اس راہ میں لڑنے والے کو اللہ جل شانہ کی رضا وثواب کا مستحق بنا دیتی ہے، اور اگر ایسا آدمی مارا جائے تو وہ اللہ کے راستے میں شہید شمار ہوتا ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

«من قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون دمه فهو شهيد، ومن قتل دون دينه فهو شهيد، ومن قتل دون أهله فهو شهيد».	جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے، اور جو شخص اپنی جان کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے، اور جو شخص اپنے دین کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے، اور جو شخص اپنے اہل وعیال کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے۔
سنن ابی داؤد	

ج۔ انسان صرف انسانیت کے نام پر کام کرے، اور اس کے دل میں اس کا ذرہ بھی خیال نہ گزرے کہ وہ یہ محنت اس لیے کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے انسانیت کے راہ راست پر لانے کی محنت، اور مختلف قوموں سے میل جول، اور مسلمانوں کے ساتھ باہمی تعاون کا حکم دیا ہے، یہ وہ شعار ہے جس کی علمبردار وہ ماسونیت ہے جس کے درپردہ بین الاقوامی یہودیوں کے ہاتھ حرکت کر رہے ہیں۔

مختصراً ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہر وہ آواز اور شعار جسے کوئی مسلمان بلند کرے اور اس سے اس کا مقصد اللہ کی رضا، اس کے دین کی سربلندی، اور اسلام کے جھنڈے کا بلند کرنا نہ ہو تو وہ جاہلیت کی آواز اور شعار ہے۔ لہٰذا جو شخص اس کو بلند کرتا ہے، اور اس کی طرف بلاتا ہے، اور اس کے لیے جدوجہد کرتا، اور اس کی خاطر لڑتا ہے، ایسا شخص مرتد اور دینِ اسلام سے خارج اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کا دشمن ہے خواہ وہ کتنا ہی ایمان کا دعویٰ اور کیسے ہی اسلام کا اظہار کیوں نہ کرے۔

✿ ارتداد کے مظاہر میں سے یہ بھی ہے کہ دوستی، تعلق، محبت اور حاکمیت واطاعت غیر اللہ کی کی جائے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

«وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ» ۔ المائدہ۔۴۴	اور جو کوئی اس کے موافق حکم نہ کرے جو کہ اللہ نے اتارا سو وہی لوگ کافر ہیں۔

اور فرمایا:

«ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا	پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقہ پر کر دیا سو اس

وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ)) الجاثیہ۔۱۸ — پر چلے جائیے اور بے علموں کی خواہشوں کی پیروی نہ کیجیے

اور فرمایا:

((یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤی اَوْلِیَآءَ ۘ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاِنَّہٗ مِنْھُمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ)) المائدہ۔۵۱

اے ایمان والو یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور جو کوئی تم میں سے ان سے دوستی کرے تو وہ انہی میں ہے۔ اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

اور فرمایا:

((یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَکُمْ وَاِخْوَانَکُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْکُفْرَ عَلَی الْاِیْمَانِ ؕ وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ)) التوبہ۔۲۳

اے ایمان والو مت پکڑو اپنے باپوں کو اور بھائیوں کو رفیق اگر وہ کفر کو عزیز رکھیں ایمان سے، اور تم میں سے جو ان کی رفاقت کرے سو وہی لوگ گناہگار ہیں۔

اور امام احمد و ترمذی و ابن جریر حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اسلام لانے سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان کی گردن میں چاندی کی بنی ہوئی صلیب پڑی تھی، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے درج ذیل آیت تلاوت کی:

((اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ)) التوبہ۔۳۱ — ٹھہرالیا اپنے عالموں اور درویشوں کو خدا اللہ کو چھوڑ کر۔

عدی نے کہا کہ لوگوں نے ان کی عبادت تو نہیں کی تھی، تو آپ نے ارشاد فرمایا:

((بلی! إنھم حرموا علیھم الحلال، وأحلوا لھم الحرام فاتبعوھم، فذلك عبادتھم إیاھم)).

کیوں نہیں ان (احبار و راہبوں) نے ان کے اوپر حلال چیزوں کو حرام کردیا اور حرام کو حلال کردیا، اور ان لوگوں نے ان کی بات مانی، یہی ان لوگوں کا ان کی عبادت کرنا ہے۔

✿ ارتداد کے مظاہر میں سے اسلام کے کسی فریضہ کا ناپسند کرنا بھی ہے، مثلاً کوئی کہنے والا یہ کہے کہ میں روزہ کو اس لیے ناپسند کرتا ہوں کہ اس سے امت اقتصادی لحاظ سے پس ماندہ ہوجاتی ہے۔ یا کوئی شخص یہ کہے کہ میں عورت کے لیے حجاب و پردہ کو اس لیے اچھا نہیں سمجھتا کہ یہ پس ماندگی کی علامت ہے یا کوئی شخص یہ کہے میں اسلام کے مالیاتی نظام کو اس لیے برا سمجھتا ہوں کہ اس میں ربا وغیرہ حرام ہے، اللہ تعالیٰ جل شانہ ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

((وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّھُمْ وَاَضَلَّ — اور جو لوگ کافر ہیں ان کے لیے بربادی ہے، اور (اللہ)

اَعۡمَالَهُمۡ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَرِهُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاَحۡبَطَ اَعۡمَالَهُمۡ ۝)) ۔ سورۃ محمد ۹،۸	ان کے اعمال کالعدم کردے گا۔ یہ اس سبب سے کہ انہوں نے اللہ کے اتارے ہوئے (احکام) کو ناگوار جانا اس نے ان کے اعمال کو اکارت کردیا۔

✿ ارتداد کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ دین کی کسی بات کا مذاق اڑایا جائے۔ اسلام کے شعائر میں سے کسی شعار کا استہزاء کیا جائے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((يَحۡذَرُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ اَنۡ تُنَزَّلَ عَلَيۡهِمۡ سُوۡرَةٌ تُنَبِّئُهُمۡ بِمَا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ قُلِ اسۡتَهۡزِءُوۡا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخۡرِجٌ مَّا تَحۡذَرُوۡنَ ۝ وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ لَيَـقُوۡلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوۡضُ وَنَلۡعَبُ ؕ قُلۡ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوۡلِهٖ كُنۡتُمۡ تَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ۝ لَا تَعۡتَذِرُوۡا قَدۡ كَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ ؕ اِنۡ نَّـعۡفُ عَنۡ طَآئِفَةٍ مِّنۡكُمۡ نُـعَذِّبۡ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا مُجۡرِمِيۡنَ ۝)) ۔ التوبہ ۶۴ تا ۶۶	منافق اس بات سے ڈرا کرتے ہیں کہ مسلمانوں پر ایسی سورت نازل ہو کر جتا دے ان کو جو ان کے دل میں ہے آپ کہہ دیجیے کہ ٹھٹے کرتے رہو اللہ اس چیز کو کھول کر رہے گا جس کا تم کو ڈر ہے، اور اگر آپ ان سے پوچھیں تو وہ کہیں گے کہ ہم تو بات چیت کرتے تھے اور دل لگی، آپ کہہ دیجیے کہ کیا تم اللہ سے اور اس کے رسول سے ٹھٹے کرتے تھے، بہانے مت بناؤ تم تو کافر ہو گئے ایمان کا اظہار کرنے کے بعد، اگر ہم تم میں سے بعضوں کو معاف کر دیں گے تو البتہ عذاب بھی دیں گے بعضوں کو اس سبب سے کہ وہ گناہگار تھے۔

✿ ارتداد کے مظاہر میں سے یہ بھی ہے کہ ان چیزوں کو حلال کیا جائے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، اور ان چیزوں کو حرام سمجھا جائے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَا تَصِفُ اَلۡسِنَتُكُمُ الۡكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّـتَفۡتَرُوۡا عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ لَا يُفۡلِحُوۡنَ ؕ مَتَاعٌ قَلِيۡلٌ وَّلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ)) النحل ۱۱۶، ۱۱۷	اور اپنی زبانوں کے جھوٹ بنا لینے سے یہ مت کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر بہتان باندھو بے شک جو اللہ پر بہتان باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا، تھوڑا سا فائدہ اٹھالیں اور ان کے واسطے دردناک عذاب ہے۔

جو شخص ایسا کرے گا تو وہ دین کے لازمی احکامات کا منکر اور اللہ کی حاکمیت و شریعت کا مقابلہ کرنے والا شمار ہوگا، اور مرتد و کافر ہو جائے گا۔

✿ ارتداد کے مظاہر میں سے اسلام کے کچھ حصے پر ایمان لانا اور کچھ کا انکار و کفر کرنا بھی شامل ہے۔ مثلاً یہ کہ کوئی مسلمان یہ ایمان رکھے کہ اسلام عبادت پر مشتمل دین ہے، اور اس سے انکار کرے کہ اسلام نظام و قانون والا دین ہے، یا یہ مان لے کہ

اسلام روحانی، اخلاقی وتربیتی نظام تو پیش کرتا ہے لیکن اسلام کے دوسرے نظام کا انکار کرے مثلاً سیاسی، اقتصادی یامعاشرتی و اجتماعی نظام کا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ)). البقرہ - ۸۵	تو کیا بعض کتاب کو مانتے ہو اور بعض کو نہیں مانتے ہو جو تم میں سے یہ کام کرتا ہے اس کی کوئی سزا نہیں سوائے دنیاوی زندگی میں رسوائی کے، اور قیامت کے دن سخت سے سخت عذاب میں پہنچائے جائیں گے۔

✿ ارتداد کے مظاہر میں سے صرف قرآن کریم پر ایمان لانا اور سنت نبویہ کا انکار بھی ہے، جیسے کہ وہ قادیانی فرقہ جس کی کاشت انگریز نے ہندوستان میں کی تھی، جس کا مقصد شریعت اسلامیہ کی بیخ کنی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں شک پیدا کرنا تھا۔

قرآن کریم نے ہر اس شخص سے ایمان کی نفی کی ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں آپ اور آپ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد آپ کی سنت کو حکم وفیصل نہ بنائے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

((فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا)). النساء - ۶۵	سو قسم ہے آپ کے رب کی وہ اس وقت تک مؤمن نہ ہوں گے جب تک کہ آپ ہی کو منصف نہ جانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے، پھر اپنے جی میں آپ کے فیصلے سے تنگی نہ پائیں اور خوشی سے قبول کریں۔

یہ بات بالکل یقینی طور سے معلوم ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی ہی اطاعت ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ)) النساء - ۸۰	جس نے رسول کا حکم مانا اس نے اللہ کا حکم مانا۔

امام ترمذی، ابوداؤد وابن ماجہ حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

((ألا هل عسى رجل يبلغه الحديث عني وهو متكئ على أريكته فيقول: بيننا وبينكم كتاب الله، فما وجدنا فيه حلالا استحللناه، وما وجدنا فيه حراما	سن لو قریب ہے کہ ایک شخص کو میری حدیث پہنچے گی جو اپنے تخت پر ٹیک لگائے بیٹھا ہوگا اور یہ کہے گا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب فیصل ہے، لہٰذا جو چیز ہم اس میں حلال پائیں گے اسے حلال قرار دیں گے، اور جو چیز ہم اس میں حرام پائیں گے

حرمناه، وإن ماحرم رسول الله صلى الله عليه وسلم كماحرمه الله)). | اسے حرام قرار دیں گے، اور حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے وہ ویسی ہی حرام ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہو۔

❊ ❊ ❊

اور ابو داؤد کی روایت میں ہے:

((ألا إني أوتيت الكتاب ومثله معه)). | سن لو مجھے کتاب اللہ دی گئی ہے اور اس جیسی اس کے ساتھ اور بھی (یعنی سنت واحادیث)۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے واجب ہونے کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا ایک عمومی حکم ہے، فرمایا:

((وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ)). الحشر - ۷ | اور رسول جو کچھ تمہیں دے دیا کریں وہ لے لیا کرو، اور جس سے وہ تمہیں روک دیں رک جایا کرو، اللہ سے ڈرو بے شک اللہ سزا دینے میں بڑا سخت ہے۔

❁ ارتداد کے مظاہر میں سے یہ بھی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال میں سے کسی فعل کا مذاق اڑایا جائے یا اس پر نکیر کی جائے، جیسے کہ وہ لوگ جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ شادیاں کرنے پر اعتراض کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیک وقت نو ازواجِ مطہرات سے شادی کر رکھی تھی[ا]۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ)). الحجرات - ۲ | اے ایمان والو اپنی آوازوں کو پیغمبر کی آواز سے بلند نہ کیا کرو، اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے آپس میں کھل کر بولا کرتے ہو، کہ کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔

آپ بتائیے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آواز کا بلند کرنا ہی ردت کا احتمال رکھتا ہے تو پھر ان باتوں کا کیا ہوگا جو اس سے بھی زیادہ بڑی ہیں؟

❁ ارتداد کے مظاہر میں سے بعض لوگوں کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ قرآن کریم کا ایک باطن ہے جو ظاہر کے بالکل برخلاف ہے اور ایک ظاہر ہے جو باطن کے برخلاف ہے، اور اس باطن کا علم صرف بعض مخصوص لوگوں کو ان کے دعوے کے مطابق الہام سے ہوتا ہے، اس دعویٰ کا مطلب یہ ہے کہ شریعتِ اسلامیہ کی نصوص کو معطل کر کے شریعت کو ہی معطل کر دیا جائے، اس دعویٰ کے بعد پھر کوئی ایسی اصل باقی نہ رہے گی جس کی طرف رجوع کیا جائے، اور نہ عربی لغت کے کوئی ایسے قاعدے جن

ا اس موضوع پر تشفی کن وسیر حاصل بحث کے لیے ہماری کتاب "تعدد الزوجات والحكمة من تعدد أزواج النبي صلى الله عليه وسلم" کا مطالعہ کیجیے وہاں آپ کو اس کثرت سے شادیوں کی حکمت پڑھ کر کافی تسلی ہوگی۔ اور اس موضوع پر کافی سامان یکجا ملے گا۔

کو حکم بنایا جائے، قرآنِ کریم تو صاف ستھری واضح عربی زبان میں نازل ہوا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

«اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ»۔ یوسف-۲
ہم نے اتارا ہے اس کو قرآن عربی زبان کا تاکہ تم سمجھ لو۔

اور فرمایا:

«وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا» الرعد-۳۷
اور اسی طرح ہم نے اتارا یہ کلام حکم عربی زبان میں۔

لہٰذا قرآنِ کریم کی کسی بھی آیت کی ہر وہ تفسیر جس کی بنیاد کوئی اثر و روایت یا لغت عربیہ و عربی زبان کا قاعدہ و اصول اور اقوالِ عرب نہ ہوں تو وہ تفسیر قطعاً باطل ہوگی اور ایسی تفسیر کرنے والا دائرہ ایمان اور اسلام سے خارج شمار ہوگا، حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے گمراہ کن دعوے کرنے والے کفر و گمراہی والحاد کے اعتبار سے سب سے بڑے کج رو اور زائغ ہیں۔

قرآنِ کریم نے اس قسم کے لوگوں کا تذکرہ کیا ہے جو فتنہ انگیزی و گمراہ کرنے کے لیے قرآنِ کریم کے متشابہات کے درپے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

«هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝»۔

آلِ عمران ۷، ۸

وہی ہے جس نے آپ پر کتاب اتاری، اس کی بعض آیتیں محکم ہیں یعنی ان کے معنی واضح ہیں، وہ اصل ہیں کتاب کی، اور دوسری متشابہ ہیں یعنی جن کے معنی معلوم یا معین نہیں، سو جن کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کی پیروی کرتے ہیں گمراہی پھیلانے کی غرض سے اور مطلب معلوم کرنے کی وجہ سے، اور ان کا مطلب کوئی نہیں جانتا اللہ کے سوا، اور مضبوط علم والے کہتے ہیں ہم اس پر یقین لائے سب ہمارے رب کی طرف سے اتری ہیں، اور سمجھانے سے وہی سمجھتے ہیں جن کو عقل ہے، اے رب نہ پھیر لیے ہمارے دلوں کو جبکہ آپ ہدایت دے چکے اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت عنایت فرمائیے سب کچھ دینے والے آپ ہی ہیں۔

آیت میں مذکور "ابتغاء الفتنہ"[۱] (فتنہ کی خاطر) سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان کے دین میں شک و تلبیس میں مبتلا کر کے اور شبہات پیدا کر کے فتنہ میں ڈال دیا جائے۔

اور "ابتغاء تأویلہ" سے مراد یہ ہے کہ کتاب اللہ میں تأویل و تحریف کرنا یعنی ایسی غلط تاویل جو من مانی و اپنی مرضی

[۱] یہ تفسیر شیخ حسنین مخلوف کی "صفوۃ البیان" (۱-۹۶) سے منقول ہے

کے مطابق ہو اور اپنی خواہش کے مطابق تحریف کی جائے اور یہ سمجھا جائے کہ یہی اس کی مراد ہے۔ اہلِ بدعات و ملاحدہ ہر دور میں ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔

✿ ارتداد کے نمونوں میں سے اللہ کی صحیح معرفت کا نہ حاصل کرنا بھی ہے، مثلاً یہ اعتقاد رکھنا کہ (العیاذ باللہ) اللہ تعالیٰ اپنی بعض مخلوق میں حلول کر جاتے ہیں، یا اللہ تعالیٰ کو کسی ایسی صفت کے ساتھ متصف کرنا جو اس کی عظمت و جلال کے منافی ہو۔

لہٰذا جو شخص یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اشخاص میں حلول فرماتے ہیں، یا وہ کائنات میں حلول کیے ہوئے ہیں یا وہ کسی جہت میں محصور ہیں تو ایسا شخص کافر اور دینِ اسلام سے خارج ہو جائے گا، اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

((لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ)). الانعام۔ ۱۰۳	اس کو آنکھیں نہیں پا سکتیں وہ آنکھوں کو پا سکتا ہے، اور نہایت لطیف اور خبردار ہے۔

اور فرمایا:

((لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ)). الشوریٰ۔ ۱۱	کوئی چیز اس کے مثل نہیں اور وہی (ہر بات کا) سننے والا ہے (ہر چیز کا) دیکھنے والا ہے۔

اور فرمایا:

((وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﮯ)). الزخرف۔ ۱۵	اور ان لوگوں نے اللہ کا جزء اللہ کے بندوں میں سے ٹھہرا لیا بے شک انسان کھلا ہوا ناشکرا ہے۔

اور فرمایا:

((لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ)). المائدہ۔ ۱۷	بے شک کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تو وہی مسیح ہے مریم کا بیٹا۔

اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ تین خداؤں میں سے ایک خدا اللہ تعالیٰ بھی ہے تو وہ بھی گمراہ کن گمراہ اور کافر ہے۔

((لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ)). المائدہ۔ ۷۳	بے شک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ تین میں کا ایک ہے۔

اور جو شخص اللہ جل شانہ کی طرف لڑکے کی نسبت کرتا ہے وہ بھی گمراہ و کافر ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ ارشاد فرماتے ہیں:

((وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۞ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـــًٔا اِدًّا ۞ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۞ اَنْ دَعَوْا	اور (یہ لوگ) کہتے ہیں کہ خدائے رحمٰن نے اولاد اختیار کر رکھی ہے۔ تم نے یہ حرکت ایسی سخت کی ہے کہ کچھ بعید نہیں جو اس کے باعث آسمان ٹوٹ پڑیں۔ اور زمین پھٹ

لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا)) ۔ مریم۔ ۸۸ تا ۹۲

جائے اور پہاڑ کانپ کر گر پڑیں اس بات سے کہ یہ لوگ خدائے رحمٰن کی طرف بیٹے کی نسبت کرتے ہیں۔ اور خدائے رحمٰن کے لائق یہ (کسی طرح) نہیں کہ وہ بیٹا اختیار کرے۔

اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو کسی ایسی صفت سے متصف کرتا ہے جو اس کی شان کے لائق نہ ہو تو وہ بھی گمراہ و کافر ہے۔ ارشاد فرمایا:

((لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ)) المائدہ - ۱۸۰

بے شک اللہ نے سنی ان کی بات جنہوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں۔

نیز ارشاد فرمایا:

((وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۭغُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ)) ۔ المائدہ۔ ۶۴

اور یہود کہتے ہیں اللہ کا ہاتھ بند ہو گیا، انہی کے ہاتھ بند ہو جائیں۔ اور لعنت ہے ان کو اس کہنے پر بلکہ اس کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔

اس کے علاوہ ارتداد کے اور دوسرے وہ مظاہر و علامات، جو ان کے حامل و مرتکب افراد کو اسلام سے نکال دیتی ہیں اور کفر و گمراہی، زندقہ والحاد کے دائرے میں داخل کر دیتی ہیں۔

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس زمانے سے ڈرایا ہے جس زمانے میں ارتداد بہت عام ہو گا، اور صبح و شام اس فتنہ کا حملہ و دور دورہ ہو گا، اور ایسی صورت حال میں مومنوں کو اس بات پر ابھارا ہے کہ وہ اعمالِ صالحہ کی طرف سبقت لے جائیں، اور ایمان کے محفوظ قلعہ میں پناہ لیں، تاکہ کفر کی تاریکی میں گرفتار اور ارتداد میں ڈالنے والی کسی چیز سے متاثر نہ ہوں نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام فرماتے ہیں:

((بادروا إلى الأعمال الصالحة فإنه ستكون فتن كقطع الليل المظلم، يمسي الرجل مؤمناً ويصبح كافراً، ويصبح مؤمناً ويمسي كافراً يبيع دينه بعرض من الدنيا قليل)) ۔ طبرانی وابن ماجہ

نیک اعمال کی طرف سبقت لے جاؤ اور جلدی کرو اس لیے کہ عنقریب بہت سے فتنے سیاہ رات کے ٹکڑوں کی طرح سے آئیں گے، جن میں ایک شخص شام کو مومن ہو گا اور صبح کو کافر ہو جائے گا، اور ایک شخص صبح کو مومن ہو گا اور شام کو کافر ہو جائے گا۔ اپنے دین کو دنیا کے تھوڑے سے سامان کے عوض بیچ دے گا۔

اور ارشادِ باری ہے:

((رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ

اے رب نہ پھیر ہمارے دلوں کو جب آپ ہدایت

لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿ آل عمران - ۸

کر چکے۔ اور عنایت کیجیے ہم کو اپنے پاس سے رحمت آپ ہی سب کچھ دینے والے ہیں۔

۲ - الحاد سے ڈرانا

الحاد سے مراد ہے اللہ کی ذات کا انکار کرنا، اور ان شریعتوں کا انکار کرنا جنہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں، اور ان اچھے کاموں وفضائل اور بہترین باتوں کا انکار کرنا جن کی نسبت آسمانی وحی کی طرف ہے، الحاد بھی ارتداد کی ایک قسم ہے بلکہ یہ تو اس سے بھی بدتر و بری چیز ہے جیسا کہ ہم آئندہ بیان کریں گے۔

بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ الحاد ایک ایسا مستقل نظام بن گیا ہے جسے بڑی بڑی حکومتوں نے اپنایا ہوا ہے، اور وہ اس الحاد کو طاقت وقوت کے بل بوتے پر زبردستی وجبر کے ساتھ ان حکومتوں پر تھوپ دیتے ہیں جو ان کے زیر سایہ ہیں۔

ان حکومتوں کے پٹھو وکارندے ہر ملک وحکومت میں موجود ہیں جو نہایت ڈھٹائی سے کھلم کھلا الحاد کی دعوت دیتے ہیں، اور مذاہب وادیان اور نبیوں کا بلا کسی جھجک وشرم وحیاء کے انکار کر دیتے ہیں۔

بلکہ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ یہ ملحد حکومتیں جنہوں نے مارکس ولینن کے عقائد وافکار اپنائے ہوئے ہیں، یہ خصوصی طور سے اپنی ملحدانہ دعوت کا نشانہ ومحور اسلامی حکومتوں اور مسلمان ملکوں کو ہی بناتے ہیں، اس لیے کہ یہ جانتے ہیں کہ اسلام کے بنیادی اصولوں میں تمدنی، ثقافتی، سیاسی اور علمی لحاظ سے کتنی قوتِ مدافعت ہے، اور یہ احکامات کس قدر عام، محیط اور ہر زمانہ وہر جگہ کے ساتھ چلنے کی پوری پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔

ان ممالک کے الحاد کی طرف دعوت دینے کا جو طریقہ ہے اگر ہم اس کا تتبع کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ یہ اپنے ملحدانہ نظریات واصولوں کو پھیلانے میں کس قدر مختلف طریقوں اور طرح طرح کے اسالیب سے کام لیتے ہیں، تاکہ گمراہی وکفر کو عام کیا جا سکے۔

✿ چنانچہ کبھی تو یہ لوگ مارکسیت کو اسلام کا لبادہ اڑھا دیتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلی وہ ہستی تھے جس نے اشتراکیت کی دعوت دی، اور مالدار وغریب میں برابری قائم کی، اور پہلے وہ شخص تھے جنہوں نے شہنشاہیت کا خاتمہ کیا لہٰذا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) مارکسیت کے رسول اور شیوعیت کے نبی ہیں۔

✿ کبھی یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ کمیونزم کے بنیادی اصول اسلام کے بنیادی اصولوں کے منافی وخلاف نہیں، اور ان کا اسلام کی معاشرتی واجتماعی عدالت سے کوئی تعارض نہیں ہے[1]۔

---

[1] باہر سے آنے والے ان اقتصادی نظاموں سے اسلام بالکل مستغنی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے ہماری کتاب "التکافل الاجتماعی" (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر دیکھیں)

- کبھی وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم کمیونسٹ نظام کا اقتصادی نظام اپنالیں اور اپنے دین پر مسلمان بھی برقرار رہیں تو اس سے کیا چیز مانع ہے ؟
- کبھی وہ یہ کہتے ہیں کہ دین ایک الگ چیز ہے اور سیاسی و اقتصادی مذاہب ایک الگ چیز ہیں، اس لیے ہمیں دین کو سیاست سے خلط ملط نہیں کرنا چاہیے یا ہمیں اقتصادی نظاموں اور علمی نظریات کو دین میں داخل نہیں کرنا چاہیے۔
- اور بسا اوقات کھلم کھلا چیلنج دیا جاتا ہے۔ اور کج رؤں اور آزادی پسندوں کی نفوس میں شکوک و شبہات و کفر کی جڑیں بونے کے لیے الحاد کھل کر سامنے آتا ہے مثلاً جیسے ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ اللہ اور مذاہب و ادیان اور جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام اور استعمار اور استحصالی قوتیں اور تمام وہ نظام اور اچھائیاں جو گذشتہ معاشروں پر چھائی ہوئی تھیں یہ سب تاریخ کی نمائش گاہ میں ممی لگی ہوئی گڑیاں ہیں۔

یا یہ کہے کہ کائنات میں کوئی معبود نہیں ہے، اور زندگی مادے کا نام ہے، اور دین قوموں کے لیے افیم ہے اور (العیاذ باللہ) انبیاء چور و جھوٹے ہیں۔

اپنے الحاد کو رائج کرنے اور دوسروں کو گمراہ کرنے کے لیے ان کے جو طریقے ہیں ان میں سے علمی نظریات سے فائدہ اٹھانا، اور جس کو گمراہ کیا جارہا ہے اسے یہ باور کرانا بھی ہے کہ یہ سب ثابت شدہ حقائق ہیں جیسے کہ ان لوگوں کا ڈارون کے نظریہ کا رائج کرنا جس میں انسان کی اصلی حقیقت بتلائی گئی ہے۔ اور سمجھایا گیا ہے کہ زندگی کی ابتدا کہاں سے ہوئی، اور ترقی کرتے کرتے اس بلند مرتبہ تک پہنچی اور اخیر میں انسان کے شکل میں وجود پذیر ہوئی، یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ علم و تحقیق نے اس نظریہ کو غلط قرار دیا ہے۔ اور اس کو بیکار و مہمل باتوں کی ٹوکری میں ڈال دیا ہے[1]

یا جیسے کہ ان کا فرائڈ کے نظریہ کو عام و رائج کرنا جس کا محور اس بات پر ہے کہ ہر چیز کا تعلق جنس اور شہوت سے ہے جو انسان کے کردار کی ہر چیز کی تفسیر جنسی خواہش کے راستے سے کرتا ہے۔ اس عقیدہ کی ترویج کا گھناؤنا مقصد عظیم خالق ذات کا انکار کرنا ہے۔

مختلف اسالیب کے اختیار کرنے میں یہ تفنن اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ ملحدانہ مارکسیت ہر حالت کو اس کے مناسب لباس پہناتی ہے۔ اور ہر جماعت کو اس کے مناسبِ حال تشفی کراتی ہے۔ اور انسانوں کے ہر طبقہ میں اسکے مناسبِ حال جھوٹ و مکاری سے کام لیتی ہے۔ اور پھر جب وہ شخص جس کو دھوکا دیا جارہا ہے اس کے دروازے میں داخل ہوجاتا ہے اور شکاری کے جال میں پھنس جاتا ہے تو پھر مارکسیت کے داعی اس کے سامنے مادی مذاہب اور ملحدانہ عقائد کو مزین و آراستہ کرکے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ سے آگے) فی الاسلام" اور سید قطب کی کتاب " العدالۃ الاجتماعیۃ " جہاں آپ کو اس باب میں تشفی کا پورا سامان ملے گا کہ معاشرہ سے فقر و فاقہ کے ختم کرنے کے لیے اسلام نے کیا وسائل ایجاد و اختیار کیے ہیں۔

[1] ملاحظہ فرمایئے ہماری کتاب "شبہات و ردود" جس میں ہم نے نہایت مدلل طریقے سے ڈارون کے نظریہ کی تردید کی ہے، اور علمی تحقیقی اعتبار سے اس کو باطل ثابت کیا ہے۔

پیش کرتے ہیں، تاکہ اس کو گمراہ کرنے کے اپنے خبیث مقصد کو حاصل کر سکیں۔ اور پھر وہ شخص نہ تو کسی دین کو مانتا ہے، اور نہ خدا کا اعتقاد رکھتا ہے۔ اور نہ زندگی میں کسی کارنامے اور اچھائی کا طلب گار ہوتا ہے، بلکہ وہ اس گمراہ کافر جماعت میں شامل ہو جاتا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ ۞ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللَّهَ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ))

محمد - ۲۳ تا ۲۸

یہی لوگ تو ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے سو انہیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے۔ یہ (سب) اس سبب سے ہو گا کہ یہ اس راہ پر چلے جو طریقہ اللہ کی ناخوشی کا تھا، اور اس کی رضا سے بیزار رہے، سو اللہ نے ان کے اعمال اکارت کر دیے۔

۞ ۞ ۞ ۞

الحاد اگرچہ ردت وارتداد کے مفہوم ہی میں داخل ہے لیکن یہ معاشرے اور اس کے افراد کے حق میں ارتداد کی دوسری اقسام مثلاً یہودیت یا عیسائیت کا اختیار کرنا، یا برہمن بننے سے بھی زیادہ برا اور خطرناک ترین ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ الحاد ملحد کے دل سے مسئولیت کا احساس ختم کر دیتا ہے، اور اس کے دل سے ایمان بالغیب اور شاندار اخلاقی کارناموں کی روح ختم کر دیتا ہے۔ اور اس کو اس بات پر آمادہ کر دیتا ہے کہ وہ اس بے مقصد زندگی میں حیوانوں کی طرح زندگی بسر کرے، نہ تو دین اس کی رہنمائی کرے، اور نہ اس کو جھنجھوڑنے والا ضمیر ہو، اور نہ اللہ کے مواخذہ اور پکڑ کا ڈر ہو، نہ آخرت کے ثواب کی امید ہو، اور نہ اسے اس دن کے عذاب وگرفت کا ڈر ہو جس دن تمام لوگ احکم الحاکمین کے دربار میں کھڑے ہوں گے۔

قرآن کریم نے اس فاسق وفاجر کمینی جماعت کا درج ذیل آیت میں مذاق اڑایا ہے:

((وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ))

الجاثیہ - ۲۴

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ بجز ہماری اس دنیوی حیات کے اور کوئی حیات نہیں، ہم (بس ایک ہی بار) مرتے اور (بس ایک ہی بار) زندگی پاتے اور ہم کو صرف زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے، درآں حالیکہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں، یہ محض اٹکل سے ہانک رہے ہیں۔

اور قرآن کریم نے ان کے اس مذموم اندھے پن اور پست قسم کی حیوانیت اور گھناؤنی آزادی واباحیت پسندی کو کھول کر بیان فرمایا ہے ارشاد ہے:

((وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا

اور ہم نے پیدا کیے دوزخ کے واسطے بہت سے جن اور آدمی، ان کے دل ہیں کہ ان سے سمجھتے نہیں، اور ان کی آنکھیں ہیں کہ ان سے دیکھتے نہیں، اور کان ہیں کہ

﴿وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ﴾ الاعراف-۱۷۹

ان سے سنتے نہیں، وہ ایسے ہیں جیسے چوپائے بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ، وہی لوگ غافل ہیں۔

نیز ارشاد فرمایا:

﴿وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَ يَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَ النَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ﴾ ۔ سورۃ محمد-۱۲

اور جو کافر ہیں وہ عیش کر رہے ہیں اور کھا (پی) رہے ہیں جس طرح چوپائے کھاتے (پیتے) ہیں۔ آگ ہی ان کا ٹھکانا ہے

اور فرمایا:

﴿ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَ يَتَمَتَّعُوْا وَ يُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ﴾ الحجر-۳

چھوڑ دیجیے ان کو کہ کھالیں اور فائدہ اٹھالیں اور امیدیں لگے رہیں سو آئندہ معلوم کر لیں گے۔

دینِ اسلام نے مرتدوں اور ملحدین کے سلسلہ میں نہایت سخت و فیصلہ کن موقف اختیار کیا ہے، اس لیے کہ اسلام نے ان کے کفر پر اصرار اور واضح و صاف صاف دینِ حق سے اعراض کرنے کی سزا تلوار سے گردن اڑانا مقرر کی ہے چنانچہ امام بخاری و احمد رحمہما اللہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((من بدل دينه فاقتلوه))۔

جو شخص اپنا مذہب تبدیل کر دے اس کو قتل کر ڈالو۔

اور امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں:

((لا يحل دم امرئ مسلم إلا بإحدى ثلاث: الثيب الزاني، والنفس بالنفس، والتارك لدينه المفارق للجماعة))۔

کسی مسلمان کا خون بہانا تین باتوں کے علاوہ کسی صورت میں جائز نہیں ہے: شادی شدہ زنا کرے، اور قتل کے بدلے میں قتل کیا جائے گا، اور وہ شخص جو اپنا دین چھوڑ کر (مسلمانوں کی) جماعت سے علیحدہ ہو جائے۔

٭ ٭ ٭ ٭

لیکن مرتد یا ملحد کو اس وقت تک قتل نہیں کیا جائے گا جب تک کہ اسے تین یوم کی مہلت نہ دے دی جائے، ان تین دنوں کے دوران اہلِ علم و اربابِ فہم اس سے مرتد ہونے کے اسباب پر بحث مباحثہ کریں گے، اور اس کے ذہن میں جو شبہات و خیالات ہیں انہیں دور کریں گے، اور دینِ متین اسلام کے زرین اصولوں، اور حقانیت کو اس کے سامنے کھول کھول کر بیان کریں گے، پھر اگر اس کے بعد بھی وہ کفر و الحاد پر مصر رہے اور حق کھل کر سامنے آنے کے باوجود بھی اس کی طرف رجوع نہ کرے تو تلوار سے اس کی گردن اڑا دی جائے گی تاکہ دوسرے لوگوں کے لیے عبرت کا ذریعہ بن جائے۔

اور اگر مرتد و ملحدین طاقت و قوت پیدا کر لیں اور اپنی کوئی تنظیم یا جماعت قائم کر لیں تو مسلمانوں کے حکام اور ذمہ داران پر یہ فرض ہے کہ وہ ان سے اس وقت تک جنگ کریں جب تک کہ وہ دینِ برحق اسلام کی طرف دوبارہ لوٹ کر نہ آجائیں،

اوران سے اس کے علاوہ کوئی اور چیز قطعاً قبول نہ کریں۔ جیسے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرتدوں سے جنگ کی اور اسلام قبول کرنے کے علاوہ کسی اور بات پر رضامند نہ ہوئے، اور جیسے کہ خلیفۂ عباسی مہدی نے اس مقنع نامی شخص سے جنگ کی تھی جس نے خراسان میں خدائی کا دعویٰ کیا تھا اور اپنے متبعین و پیروکاروں پر سے نماز، روزہ، زکاۃ و حج معاف کر دیا تھا، اور لوگوں کے لیے مال و دولت اور عورتیں حلال و جائز کر دی تھیں، یہ ۱۶۹ھ کا واقعہ ہے۔

ملاحدہ و مرتدین کے سلسلہ میں اسلام نے اتنی سخت و شدید سزا تین اسباب کی وجہ سے مقرر کی ہے:

۱۔ تاکہ ابھارنے و آمادہ کرنے والی چیزیں بعض کمزور نفوس کو اپنی طرف راغب نہ کر سکیں، اور اس کے ذریعہ انہیں ارتداد و الحاد پر آمادہ نہ کر سکیں۔

۲۔ تاکہ کوئی منافق یہ سوچ کر اسلام میں داخل نہ ہو کہ وہ پھر دوبارہ اسلام سے خارج ہو جائے گا، اور اس طرح ارتداد و الحاد کی ہمت افزائی ہوگی اور مسلم معاشرے میں فتنہ و آزمائش کا دور دورہ ہو جائے گا۔

۳۔ تاکہ کفر کی عزت و قوت میں اضافہ نہ ہو کہ پھر وہ اسلامی مملکت کے لیے بڑا خطرہ ثابت ہو اور جب موقعہ و مہلت ملے تو مسلمانوں کی بیخ کنی کی خاطر ان کے خلاف جنگ برپا کر دیں۔

الحاد کی حقیقت اور ملحدین جو سازشیں اور جال بچھاتے ہیں اور جس طرح سے اندرونی طور پر مجرمانہ حرکات کرتے ہیں ان کو کھول کر بیان کرنے اور واضح کرنے کے لیے میں اے مربی محترم آپ کے سامنے مندرجہ ذیل تاریخی مثالیں پیش کرتا ہوں، تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ اگر ان ملحدین کو موقعہ مل جائے تو وہ مسلمانوں کے خلاف کیا کچھ کرنا چاہتے ہیں، اور اگر ان مجرموں کے لیے حالات سازگار ہو جائیں تو وہ کیا کچھ کر بیٹھیں گے:

- کمیونسٹ چین اور کمیونسٹ روس نے ۱۶ ملین مسلمانوں کو سال میں ایک ملین کے حساب سے ختم کر ڈالا، اور مسلمانوں کی بیخ کنی کرنے کی یہ تدابیر و سازشیں اب تک جاری ہیں، اور چینی علاقے کے مسلم ترکستان میں چینیوں نے وہ وحشیانہ مظالم کیے ہیں جنہوں نے ماضی کے تاتاریوں کے مظالم پر پردہ ڈال دیا ہے، مسلمانوں کے ایک سربراہ کو لایا گیا اور ایک عام راستے میں اس کے لیے ایک گڑھا کھودا گیا اور مسلمانوں کو طاقت و قوت کے بل بوتے پر اس بات پر مجبور کیا گیا کہ وہ اپنے فضلات (گندگی پیشاب پاخانے) کو لا کر اس مسلمان سربراہ کے اوپر اس گڑھے میں ڈالتے رہیں، یہ حرکت تین دن تک مسلسل جاری رہی اور اس سزا کے دوران اس مسلمان رہنما کی روح اس گڑھے میں پرواز کر گئی۔

- کمیونسٹ ملک یوگوسلاویہ نے بھی اپنے ملک کے مسلمانوں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کیا اور اس ملک میں جب سے کمیونسٹوں کا دور دورہ ہوا ہے اس وقت سے آج تک ایک ملین مسلمانوں کو ختم کیا جا چکا ہے، اور وحشیانہ سزاؤں اور

مسلمانوں کو ختم کرنے کا سلسلہ اب تک جاری ہے، جس کی سب سے وحشیانہ وظالمانہ سزا کی مثالوں میں سے مسلمان مردوں اور عورتوں کا قیمہ کی ان مشینوں میں ڈالنا ہے جو گوشت کو رول کی شکل میں بنا دیتی ہیں تاکہ دوسری جانب سے یہ مسلمان مرد و عورتیں گوشت و ہڈیوں و خون کا مرکب قیمہ بن کر نکلیں۔

✿ جو کچھ یوگوسلاویہ میں ہو رہا ہے وہ سب کچھ کمیونسٹ بلاک کے تمام ممالک میں اب تک ہوتا ہے اور ہو رہا ہے چنانچہ کمیونسٹوں نے عراق کے شہر موصل میں عبدالکریم قاسم کے دور میں جو قتل و غارت کا بازار گرم کیا اس کے بارے میں کتنی مرتبہ ہم نے سن رکھا ہے، اسی طرح دعوتِ اسلام دینے والوں اور مسلمان جماعت کے ساتھ جو کچھ قتل و غارت وغیرہ کا بازار "سحل" کے حوادث میں گرم ہوا وہ بھی ہمارے سامنے ہے۔ ان سے جو کچھ مجرمانہ حرکات اور غدر و خیانت صادر ہوتی ہے اس کے بارے میں حق تعالیٰ کا درج ذیل فرمانِ مبارک بالکل برحق و سچ ہے:

((كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً)) ۔ التوبہ ۔ ۸

کیوں کر صلح رہے اور اگر وہ تم پر قابو پائیں تو نہ لحاظ کریں تمہاری قرابت کا اور نہ عہد کا۔

اور فرمانِ مبارک:

((لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ)) ۔ التوبہ ۔ ۱۰

نہیں لحاظ کرتے کسی مسلمان کے حق قرابت کا اور نہ عہد کا، اور وہی ہیں زیادتی پر۔

اس لیے اے مربی محترم جب آپ نے یہ حقائق جان لیے تو اب آپ کا فریضہ یہ ہے کہ آپ خوب اچھی طرح سے اس بات کی کوشش کریں کہ آپ اپنے بچے کو ارتداد کے خونخوار پنجوں اور الحاد کے دام سے بچائیں، تاکہ آپ کا بچہ راسخ ایمان اور مضبوط اسلام والا بنے، اور شاندار استقامت پر قائم ہو، اور اس کی فطرتِ سلیمہ اور صاف ستھرے دل اور معصوم نفس میں یہ معانی جاگزیں ہو جائیں، اور اگر ایسا ہو گیا تو پھر وہ اللہ کے سوا کسی کو رب بنانے، اور اسلام کے علاوہ کسی مذہب کو دین تسلیم کرنے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو نبی و رسول ماننے اور قرآنِ عظیم کے سوا کسی کو امام و منہاج ماننے پر راضی نہ ہوگا، اور وہ ان لوگوں میں سے بن جائے گا جن کو اللہ نے نعمتِ ایمان اور اسلام کی عزت و کرامت سے قیامت تک کے لیے نواز دیا ہے۔

---

[1] ملاحظہ فرمائیے کتاب "شیوعیت اور اسلام" مؤلفہ مرحوم عباس محمود عقاد، اور استاذ احمد عبدالغفور عطار، اسی طرح تفسیر "ظلال القرآن" کی سورۂ توبہ کی آیت ((كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً)) جہاں آپ کو مسلمان ممالک، اور مسلمانوں کے خلاف شیوعیت اور کمیونسٹوں نے جو سازشیں اور مجرمانہ تدابیر و حرکات کی ہیں ان کے بارے میں دل کو پاش پاش کرنے والی باتیں پڑھنے کو ملیں گی، ساتھ ہی یہ بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ ہم نے کچھ تفصیل "تربیت کے سلسلہ میں مؤثر وسائل" کی فصل میں بیان کر دی ہے، جس سے شیوعیت کی وہ سازشیں جو وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کرتی ہے ان کی وضاحت ہوتی ہے لہٰذا آپ اس کا مطالعہ کر لیجیے۔

۲۔ حرام کھیل کود سے بچانا

اسلام نے اپنی بلند ترین شریعت ونظام اور حکیمانہ بنیادی اصولوں کے ذریعہ مسلمانوں پر ایسے بہت سے کھیل کود اور سامانِ عیش وعشرت کو حرام قرار دے دیا ہے جس کا افراد کے اخلاق اور معاشرے کی اقتصادیات ، دولت ، اور حکومت کے تشخص ، امت کی کرامت ، اور خاندانوں کے وقار ورکھ رکھاؤ پر بُرا اثر پڑتا ہے۔

اب ہم مربیانِ کرام کے سامنے ان حرام وناجائز کھیل کود کی کچھ اقسام بیان کیے دیتے ہیں تاکہ وہ ان کو سمجھیں اور ان سے بچنے اور دور رہنے میں اپنے آپ کو مقتدا ونمونہ ثابت کر دکھائیں ، اللہ ہی سیدھا راستہ دکھانے والا ہے اور اسی سے ہم توفیق ومدد کے طلب گار ہیں :

۱۔ نرد سے کھیلنا

(یہ ایک قسم کا کھیل ہے جسے اردشیر بن بابک شاہِ ایران نے ایجاد کیا تھا :

حرام کھیلوں میں سے نرد سے کھیلنا بھی ہے ، خواہ یہ شرط لگا کر کھیلا جائے یا یونہی دل بہلانے اور وقت پاس کرنے کی خاطر[۱] اس کھیل کے حرام ہونے پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جسے امام مسلم ، احمد وابو داؤد رحمہم اللہ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ نے ارشاد فرمایا :

((من لعب بالنردشیر فکأنما صبغ یدہ فی لحم خنزیر ودمہ)) . — جو شخص نردشیر سے کھیلا اس نے گویا اپنا ہاتھ خنزیر کے گوشت وخون سے رنگ لیا۔

اور امام احمد ، ابوداؤد ، ابن ماجہ ومالک رحمہم اللہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

((من لعب بالنرد فقد عصی اللہ ورسولہ)) . — جو شخص نرد سے کھیلا اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔

---

[۱] اس سلسلہ میں استاذ قرضاوی نے اپنی کتاب " حرام وحلال " میں شوکانی سے بواسطہ ابن المسیبؒ وابن مغفلؓ یہ نقل کیا ہے کہ ان دونوں حضرات نے نرد کے کھیلنے کی اس صورت میں اجازت دی ہے جبکہ جوا بازی نہ ہو ، صاحب کتاب کی یہ نقل غیر معتبر ہے اس لیے کہ شوکانیؒ نے جس صیغہ کے ذریعہ اس قول کو نقل کیا ہے وہ " رُوِیَ " ہے جو ضعف پر دلالت کرتا ہے ، اور جو خود ضعیف ہو ۔ اس کے ذریعہ شریعت کے احکام میں سے کسی حکم کو ثابت نہیں کیا جا سکتا ، ہم نے نرد سے کھیلنے کے حرام ہونے کے سلسلہ میں جو احادیث نقل کی ہیں یہ احادیث ہر اس شخص کے خلاف دلیل محکم ہیں جو اس کے جواز کا قائل ہو ۔ حق کے پہچاننے کا معیار شخصیات نہیں ہوتیں بلکہ شخصیات کو حق کے ذریعہ جانچا جاتا ہے۔

اس کھیل کو حرام کرنے میں حکمت یہ ہے کہ نرد سے کھیلنا خواہ بلا شرط و جوا ہی کیوں نہ ہو تب بھی یہ اس کھیل میں مشغول ہونے والوں کے اوقات کا بڑا حصہ برباد و ضائع کر دیتا ہے۔ اور وقت کی یہ بربادی وضیاع ان کو ان کے بہت سے دینی، تربیتی و دنیوی فرائض سے روک دیتا ہے، اور ساتھ ہی یہ شرط لگا کر کھیلنے کا ذریعہ بھی بنتا ہے جو بالکل قمار و جوا ہے، مسلمان کو اس دنیا میں اس لیے پیدا کیا گیا ہے تاکہ وہ پیغام اور امانت کو پہنچائے، اور اپنے فریضہ کو ادا کرے، کیا اس کے بعد بھی انسان کے پاس اتنا وقت بچتا ہے کہ وہ اس لایعنی کھیل میں مست ہو اور اس حرام و ناجائز لذت سے لطف اندوز ہو؟ واقعی کسی نے بالکل سچ کہا ہے کہ فرائض اوقات سے بہت زیادہ ہیں، اور کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ وقت کی مثال تلوار کی طرح ہے اگر تم اس کو نہ کاٹو گے تو وہ تمہیں کاٹ ڈالے گی۔

اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مسلمان کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ وہ اپنی اس دنیاوی زندگی کو غنیمت جانے اور اس سے خوب فائدہ اٹھائے، اور خیر و اچھائیوں میں لگائے چاہے یہ نفع وخیر اس کے اپنے لیے ہو یا اس کے اہل وعیال کے لیے یا معاشرہ و قوم کے لیے۔

علامہ حاکم رحمہ اللہ صحیح سند سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اغتنم خمساً قبل خمس: حياتك قبل موتك، وصحتك قبل سقمك، وفراغك قبل شغلك، وشبابك قبل هرمك، وغناك قبل فقرك)).

پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے قبل غنیمت سمجھو: اپنی زندگی کو غنیمت سمجھو مرنے سے پہلے، اور اپنی صحت کو بیماری سے قبل، اور اپنی فراغت کو مشغولیت سے پہلے، اور اپنی جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، اور اپنی توانگری و مالداری کو فقر وفاقہ سے پہلے غنیمت سمجھو۔

٭ ٭ ٭

۲۔ گانے بجانے اور موسیقی کا سننا

ناجائز و حرام کھیل کود میں ایسے گانے کا سننا بھی داخل ہے جس میں موسیقی ہو چاہے یہ گانا مباح قسم کا ہی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ اس موسیقی کی حرمت کے سلسلہ میں آئندہ دلائل پیش کیے جارہے ہیں، اسی طرح وہ فحش گانا بھی جو شہوت اور جنسی جذبات کو ابھارنے والا ہو، اور وہ گانا بھی جس میں کسی مخصوص عورت کے اوصاف بیان کیے گیے ہوں اور اس کا نقشہ کھینچا گیا ہو، اور اسی طرح وہ گانے بھی جو کافرانہ رسوم اور گمراہ کن باتوں اور عقائد وغیرہ کی طرف دعوت دینے والے ہوں۔

اس کے حرام ہونے کی دلیل وہ روایت ہے جسے ابنِ عساکر اپنی تاریخ میں اور ابنِ صصری اپنے امالی میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا جو شخص کسی فاحشہ کے گانے کو سننے کے لیے بیٹھے گا:

قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالیں گے۔

اور امام ترمذی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے نقل فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب میری امت پندرہ کام کرے گی۔ تو اس پر آزمائش وابتلاء کا دور دورہ شروع ہوجائے گا:

((إذا كان المغنم دولاً ، والأمانة مغنماً ، والزكاة مغرماً ، وأطاع الرجل زوجته وعق أمه ، وبرصديقه وجفا أباه ، وارتفعت الأصوات في المساجد . وساد القبيلة فاسقهم ، وكان زعيم القوم أرذلهم ، وأكرم الرجل مخافة شره ، وشربت الخمر ، ولبس الحرير ، واتخذت القينات والمعازف ، ولعن آخر هذه الأمة أولها ، فليرتقبوا عند ذلك ريحاً حمراء ، أوخسفاً أومسخاً)) .	جب مالِ غنیمت دولت جمع کرنے کا ذریعہ اور امانت مالِ غنیمت اور زکاۃ بوجھ بن جائے اور انسان بیوی کی اطاعت کرنے لگے اور ماں کی نافرمانی ۔ اور دوست کے ساتھ حسن سلوک اور والد کے ساتھ سختی ۔ اور مسجدوں میں آوازیں بلند ہونے لگیں اور قبیلے کا سردار ان میں کا فاسق شخص بن جائے ۔ اور قوم کا سردار کمترین وحقیر شخص ہوجائے ۔ اور انسان کا اکرام اس سے ڈر کی وجہ سے کیا جانے لگے ۔ اور شراب پی جانے لگے ۔ اور ریشم پہنا جانے لگے ۔ اور مغنیات وگانے بجانے کے آلات عام ہوجائیں ۔ اور اس امت کے اخیر کے لوگ اس امت کے پہلے گزرے ہوئے لوگوں پر لعنت بھیجنے لگیں ۔ تو ایسے موقعہ پر سُرخ آندھی یا زمین میں دھنسنے یا صورتیں مسخ ہونے کا انتظار کرو ۔

٭ ٭ ٭

اور مُسَدَّد وابنِ حبان حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اخیر زمانہ میں میری امت میں سے ایک قوم کی صورتیں مسخ کرکے بندر وخنزیر بنا دیے جائیں گے۔ صحابہ نے عرض کیا ۔ اے اللہ کے رسول کیا وہ لوگ مسلمان ہوں گے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں وہ لا الٰہ الا اللہ اور میرے اللہ کے رسول ہونے کی گواہی دیتے ہوں گے ، اور روزہ رکھتے ہوں گے۔ صحابہ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ان کے ساتھ ایسا کیوں ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہوں نے گانے بجانے کا سامان اور مغنیات اور دف کا استعمال شروع کر دیا ہوگا، اور شراب پینے لگے ہوں گے ۔ وہ رات کو اسی شراب وکباب وکھیل کود میں مست ہوں گے اور وہ صبح ایسی حالت میں کریں گے کہ ان کی صورتیں مسخ کردی گئی ہوں گی۔

اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث ہیں جن سے فحش اور بے ہودہ جنسی جذبات ابھارنے والے گانوں کی حرمت معلوم ہوتی ہے۔

رہا وہ گانا جو حلال ومباح ہے اس کے سلسلہ میں آپ کے سامنے اس تحریر کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے جو شیخ محمد حامد نے اپنے رسالے " حكم الإسلام في الغناء " میں فقہاء سے نقل کیا ہے لکھتے ہیں: اگر کسی مشکل وسخت کام میں ہمت

بڑھانے یا جنگلات و ویران سفروں میں دل کو خوش کرنے کے لیے اشعار وغیرہ پڑھے جائیں تو یہ مباح ہے، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مسجدِ نبوی کی تعمیر اور خندق کے کھودنے کے وقت اشعار پڑھے ہیں، اور اسی طرح وہ اشعار بھی مباح ہیں جن کے ذریعہ سے دیہاتی لوگ اپنے اونٹوں کی حُدی خوانی (یعنی اونٹوں کو چلنے اور دوڑنے پر مست کرنے کے لیے اشعار پڑھا کرتے تھے) اسی طرح وہ اشعار جو فحش گوئی اور شراب و کباب اور اس کی دکانوں کی مدح سرائی سے خالی ہوں، اور کسی مخصوص معین زندہ عورت کے محاسن و اوصاف کا ان میں تذکرہ نہ ہو، اور اسی طرح وہ اشعار جو کسی مسلمان یا ذمی کی مذمت و ہجو سے خالی ہوں تو ایسے اشعار مباح ہیں لیکن اگر ان قیود کا خیال نہ رکھا گیا ہو تو وہ غناء حرام ہے۔

لیکن اگر کسی غیر متعین عورت کے اوصاف و محاسن کا تذکرہ ہو تو یہ جائز ہے جیسے کہ کعب بن زہیر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے درجِ ذیل اشعار پڑھے:

وما سعاد غداة البين إذ رحلوا	إلا أغن غضيض الطرف مكحول
جدائی کی صبح جس دن لوگوں نے کوچ کیا اس دن سعاد (محبوبہ)	نہیں تھی مگر گنگنانے والی ہرنی (نیچے نگاہیں جھکاتے اور) سرگیں چشم والی
تجلو عوارض ذي ظَلْمٍ إذا ابتسمت	كأنه منهل بالراح معلول
وہ جب مسکراتی تو چمک دار دانت چمکا دیتی ہے	گویا کہ وہ (منہ) بار اول پلایا گیا ہے شراب (اور) بار دیگر بھی

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا وہ قصیدہ بھی سنا تھا جس کے شروع میں یہ شعر تھا:

تبلت فؤادك في المنام خريدة	تسقي الضجيع ببارد بسام
خواب میں آپ کے دل کو ایسی دوشیزہ نے چھین لیا	جو اپنے پہلو میں لیٹنے والے کو مسکراتے ہوئے موتی سے دانتوں سے سیراب کرتی ہے

اسی مباح قسم کے غناء میں وہ اشعار بھی داخل ہیں جو عورتیں بچوں کو سلانے کے لیے لوری کے طور پر پڑھتی ہیں اور اسی قسم کے تحت وہ صاف ستھری غزلیں بھی داخل ہیں جو شادی کے موقعہ پر مردوں کی غیر موجودگی میں عورتیں پڑھتی ہیں، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکیوں کو درجِ ذیل اشعار پڑھنے کی اجازت دی تھی:

أتيناكم أتيناكم	فحيانا وحياكم
ہم تمہارے پاس آگئے ہیں، ہم تمہارے پاس آگئے ہیں	اللہ تمہیں اور ہمیں زندہ و تابندہ رکھے
ولولا الحبة السمراء	ما حللنا بواديكم
اگر گندم گوں دانہ نہ ہوتا	تو ہم تمہاری وادی میں قیام نہ کرتے

اسی ذیل میں وہ صاف ستھرے اشعار بھی آتے ہیں جن میں پھولوں، باغوں اور نہروں کی تعریف و توصیف ہو تو اس قسم کے تمام اشعار جائز ہیں بشرطیکہ اس میں کوئی حرام و ممنوع قسم کا آلۂ غناء شامل نہ ہو، ورنہ اگر ایسا ہوا تو وہ حرام ہو جائے

گا خواہ وہ پند و موعظت پر مشتمل کیوں نہ ہوں، لیکن وہ ان ناجائز آلاتِ غناء کی بنا پر ناجائز ہو جائے گا نہ کہ مباح اشعار و غنا کی وجہ سے۔

گانے بجانے کے آلات کا استعمال کرنا اور ان کا سُننا مندرجۂ ذیل ادلہ کی وجہ سے حرام ہے:

* ابھی ابھی کچھ پہلے ہم یہ حدیث بیان کر چکے ہیں کہ جب میری امت پندرہ کام کرلے گی تو اس پر آزمائش و امتحانات نازل ہو جائیں گے.. ان میں سے یہ بھی ہے کہ گانے والیاں اور گانے بجانے کا سامان اختیار کر لیا جائے۔
* اس سے قبل ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ اخیر زمانے میں صورتیں مسخ ہوں گی جس کے اسباب میں سے گانے بجانے کا سامان اور مغنیات و گلوکارائیں بھی ہیں۔
* اور امام احمد بن حنبل، احمد بن منیع اور حارث حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے اور وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

«إن الله عز وجل بعثني رحمة وهدى للعالمين، وأمرني أن أمحق المزامير والمعازف والخمور والأوثان التي تعبد في الجاهلية».

اللہ جل شانہ نے مجھے دو جہان کے لیے رحمت و ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں بانسریوں اور گانے بجانے کے سامان اور شراب اور ان بتوں کو ختم کردوں جو زمانۂ جاہلیت میں پوجے جاتے تھے۔

* اور امام بخاری، احمد و ابن ماجہ وغیرہ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«ليكونن في أمتي أقوام يستحلون الحر والحرير والخمر والمعازف».

میری امت میں ایسی قومیں بھی ہوں گی جو زنا اور ریشم اور شراب اور گانے بجانے کے سامان کو حلال سمجھیں گے۔

اور اس کے علاوہ اور دوسری بہت سی وہ احادیث جن سے گانے بجانے کے آلات کے اپنے پاس رکھنے، ان کے بجانے، اور ان کے سننے کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔

ان چیزوں کو حرام قرار دینے کی حکمت ظاہر ہے کہ:

جو شخص بے ہودہ گانوں کی مجالس، اور عیش و عشرت کے مراکز، اور کھیل کود کی جگہوں، اور ایسے مقامات پر جائے گا جہاں گانے بجانے کا ساز و سامان ہو وہ وہاں جاکر کیا حاصل کرے گا؟

وہ وہاں ایسی فاحشہ عورتیں جنہوں نے زنا وحرامکاری کو اختیار کر رکھا ہے ان کا لچر بے ہودہ فحش ناچ دیکھے گا۔
وہاں اِدھر اُدھر شراب کے جام کا دور دورہ ہوگا۔
وہاں مدہوش ونشہ میں مست لوگوں کے منہ سے چیخ وپکار وبداخلاقی کی باتیں سنے گا۔
وہاں گندے فحش اور شرم وحیاء سے عاری اور بے شرمی ووقاحت سے بھرپور کلمات سنے گا۔
وہاں نہایت قبیح منظر، اور آزادی پسند مردوں عورتوں کا گندہ اختلاط ومیل جول دیکھے گا جہاں بے راہ روی و بے حیائی اور رقص وسرود کا بازار گرم ہوگا اور عزت وشرف کا دامن تار تار ہورہا ہوگا۔
خلاصہ یہ ہے کہ وہ آزادی واباحیت وبے راہ روی کو اس کے نہایت گندے لباس اور برے مظہر وروپ میں پائے گا۔

بقول ہمارے استاذ حامد کے یہ مستعمرین کی سازش اور منصوبہ ہے وہ جن قوموں پر غلبہ حاصل کرتے ہیں انہیں فحش گندے گانوں ، نہایت فحش مناظر، ڈراموں ، شراب وکباب اور عورتوں کے سیلاب میں غرق کر دیتے ہیں تاکہ نہ انہیں اپنی ذمہ داری وفرائض کا احساس ہو اور نہ کسی اچھے کام کے قابل رہیں نہ کسی بھلائی ونیکی کی طرف دعوت دے سکیں۔

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ گذشتہ صدیوں میں مسلمان عزت ومجد کی بلندی اور طاقت وقوت کی چوٹی پر اس لیے پہنچے اور مشرق ومغرب کے اکثر ممالک کے مالک وحاکم صرف اس لیے بنے کہ انہوں نے ان بے ہودگی و بے حیائی کی چیزوں کو اپنے سے دور پھینک دیا تھا جنہیں اسلامی شریعت نے حرام قرار دیا ہے، وہ اس منصب پر اس لیے پہنچے کہ انہوں نے ربانی وخدائی نظام کو قانون وشریعت سمجھا، اس پر عمل کیا اور اس کی عملی تطبیق دی، اور وہ اس مقام پر اس لیے فائز ہوئے کہ انہوں نے وہ حقیقت پسندانہ طرزِ عمل اختیار کیا جو مردوں جوانوں اور چھوٹوں بڑوں سب کی خصوصیت بن گیا تھا، وہ اس عالی ترین مقام پر اس لیے فائز ہوئے کہ انہوں نے موت سے ایسی محبت کی جیسی محبت ان کے دشمن زندگی سے کرتے تھے اور وہ وہاں تک اس لیے پہنچے کہ پوری قوم نے اسلام کی ذمہ داریوں اور فرائض کو محسوس کرلیا تھا، اور حقیقت یہ ہے کہ اس امت کے اخیر کے لوگوں کی اصلاح بھی اسی سے ہوگی جس سے ان کے پہلوں کی اصلاح ہوئی تھی۔

اس لیے اے مربیانِ کرام ! اگر آپ لوگ اپنی قوم اور مسلمانوں کے لیے مدد ونصرت اور اپنے ملک کے لیے علم وترقی چاہتے ہیں تو آپ کے لیے اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے کہ آپ اپنے بچوں میں حقیقت پسندی، خدائی نظام کی پیروی، اور مسئولیت کے احساس اور اللہ کے راستے میں شہادت کی محبت پیدا کیجیے تاکہ آپ اپنی قوم وامت کے لیے عظمت وعزت، بقاء اور وقار دوبارہ واپس لوٹا سکیں، اور یہ اللہ کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔

§§§§§§§§§§§§§§§§§§§

۴۔ سینما تھیٹر اور ٹیلی ویژن کا دیکھنا

کتاب تربیۃ الاولاد کی قسم ثانی میں "اخلاقی تربیت کی ذمہ داری" کی فصل میں ہم یہ بیان کرچکے ہیں کہ اطلاعات و نشریات کے جدید وسائل مثلاً ریڈیو، ٹیلی ویژن، ٹیپ ریکارڈر اور سینما وغیرہ اس زمانے کے وہ ترقی یافتہ آلاتِ جدیدہ ہیں جہاں تک انسانی عقل کی رسائی ہوسکی ہے۔ بلکہ یہ بیسویں صدی کی مادی ترقی کی سب سے بڑی پیداوار ہیں، یہ چیزیں درحقیقت دودھاری ہتھیار ہیں جو اچھائی وخیر اور برائی وشر دونوں کے لیے استعمال کیے جاسکتے ہیں۔

ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں کہ ان ایجادات کو اگر خیر وبھلائی اور علم کی نشر واشاعت، اور اسلامی عقیدہ کی پختگی، اور اچھے اخلاق جاگزین کرنے، اور موجودہ معاشرے کو اپنے اکابرین وتاریخ کے ساتھ مربوط کرنے اور امت کی ان چیزوں کی طرف رہنمائی کے لیے استعمال کیا جائے جو اس کے دین ودنیا کی کامیابی کا ذریعہ ہوں تو پھر اس میں کوئی بھی دو آدمی اختلاف نہیں کریں گے کہ ان کا رکھنا ان کا استعمال کرنا اور دیکھنا جائز ہے[1]، لیکن اگر ان چیزوں کو فساد وانحراف کے راسخ کرنے، اور آزادی و بداخلاقی وبے راہ روی کے پھیلانے، اور موجودہ معاشرے کو اسلامی راستہ کے بجائے کسی اور راستے کی طرف چلانے کے لیے استعمال کیا جائے تو پھر کسی بھی عقل وہوش کے مالک ایسے منصف شخص کو جو اللہ اور قیامت پر یقین رکھتا ہو ان کے استعمال کے حرام ہونے، ان کے رکھنے کے گناہ ہونے، اور سننے کو باعثِ مؤاخذہ ہونے میں ذرا بھی شک نہ ہوگا۔

ہم یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ اگر ہم ٹیلیویژن کے ان پروگراموں کا جائزہ لیں جو ہمارے یہاں عام طور سے دکھائے جاتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اس کے اکثر پروگرام عزت وشرافت کا جنازہ نکالنے والے، اور بے ہودگی وآوارگی وزناکاری کی طرف دعوت دینے والے، اور اباحیت وبے راہ روی اور معاشرتی خرابیوں کی طرف دھکیلنے والے ہیں، اور ٹیلیویژن پر ایسے پروگرام بہت ہی کم دکھائے جاتے ہیں جن کا مقصد علم ہو، اور جو اچھائی وخیر کی طرف متوجہ کرنے والے ہوں، اور قوم کو دین ودنیا کے لحاظ سے فائدہ پہنچانے والے ہوں۔

تمام بحث کے بعد ہم نے یہ نتیجہ نکالا اور حکم بتلایا تھا کہ ٹیلیویژن کا رکھنا، اس کا دیکھنا، اس کے موجودہ پروگراموں کا دیکھنا قطعاً حرام وناجائز اور سب سے بڑا گناہ ہے۔

ٹیلیویژن کے ساتھ حرمت وگناہ ہونے میں سینما گھروں تھیٹروں اور رات کے فحش پروگراموں اور بے حیائی وفسق وفجور کی جگہوں میں جانا بھی شامل ہے جس کی دلیلیں درجِ ذیل ہیں[2]:

۱۔ اسلامی شریعت کے مقاصد میں سے عزت وآبرو اور نسب کی حفاظت بھی ہے، اور اس اعتبار سے کہ ان فلموں

---

[1] علماء کے یہاں احادیث کے مطابق تصویریں بنانا ان کا دیکھنا ناجائز اور گناہ ہے۔

[2] کتاب تربیۃ الاولاد کی قسم ثانی کی "اخلاقی تربیت کی ذمہ داری" کی فصل میں ہم ٹیلیویژن کی حرمت پر دلالت (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ فرمائیں)

ڈراموں، اور کھیل کود کے مراکز میں جو چیزیں عام طور سے دکھائی جاتی ہیں ان کا مقصد عزت وشرف اور کرامت کا ختم کرنا او آبرو اور نسب کی دھجیاں بکھیرنا ہوتا ہے اس لیے وہاں جانا، ان جگہوں کا قصد کرنا، اور وہاں جو کچھ دکھایا جاتا ہے اس کا دیکھنا یہ سب ناجائز وحرام اور گناہ ہے، اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا ذریعہ اور ان کے غضب کو دعوت دینے والا ہے۔

۲۔ امام مالک، ابن ماجہ و دارقطنی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہ ضرر ونقصان اٹھاؤ نہ نقصان پہنچاؤ، اور چونکہ موجودہ دور کی فلمیں، اور رات کے ڈرامے و پروگرام ایسی چیزیں پیش کرتے ہیں جو بے راہ روی، اخلاق باختگی اور آزادی کا سبب بنتی ہیں، اور یہ معاشرہ میں جنسی انارکی اور شہوانی خیالات کے ابھارنے وبھڑکانے کا موجب ہیں، اور زنا وحرامکاری و بے ہودگی کی طرف لے جاتی ہیں، اس لیے مسلمانوں کے لیے ان جگہوں کا قصد کرنا اور جو کچھ وہاں پیش کیا جاتا ہے اس کا مشاہدہ کرنا قطعاً حرام ہے، تاکہ افراد ومعاشرے کے اخلاق محفوظ رہ سکیں اور فساد و بے راہ روی وآزادی کی بیخ کنی ہو۔ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ مبارک پر عمل ہو کہ ((لا ضرر ولا ضرار)) نہ ضرر پہنچاؤ نہ نقصان اٹھاؤ۔

۳۔ یہ ایک ظاہری بات ہے کہ سینماؤں، تھیٹروں اور تفریح کے ان مراکز میں جو کچھ بھی دکھایا جاتا ہے اس کے ساتھ گانے بجانے کے آلات اور فحش قسم کے بے ہودہ گانے اور نیم عریاں فحش رقص وڈانس ضرور ہوتا ہے، اور چونکہ یہ تمام چیزیں حرام ہیں (جیسا کہ اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے) اس لیے ان جگہوں کی طرف جانا، اور وہاں جو حرام وناجائز کھیل کود ہوتا ہے اس کو دیکھنا یہ ناجائز تفریح میں داخل ہے، بلکہ یہ سب سے بڑا گناہ اور قطعاً حرام وناجائز ہے۔

ٹیلیویژن اور سینما وتھیٹر پر کلام وگفتگو کرتے ہوئے میں یہ چاہتا ہوں کہ ہر اس مربی کے سامنے مندرجہ ذیل حقیقت کھول کر بیان کردوں جو اللہ تعالیٰ واس کے رسول پر ایمان رکھتا ہو کہ:

یہود کے منصوبوں میں یہ منصوبہ وسازش بھی داخل ہے کہ غیر یہودی انسانی معاشروں اور قوموں میں اخلاق کی دھجیاں بکھیر دی جائیں، چنانچہ ان کے پروٹوکول میں لکھا ہے کہ:

"ہمیں یہ کوشش کرنا چاہیے کہ ہم ہر جگہ اخلاق کی جڑیں کھوکھلی کردیں، تاکہ ہم بسہولت ان پر غلبہ حاصل کرسکیں" فرائڈ ہم میں سے ہے اور وہ دن دہاڑے کھلے عام جنسی تعلقات کے نمونے پیش کرتا رہے گا تاکہ نوجوانوں کی نظر میں کوئی چیز مقدس باقی نہ رہے، اور ان کا مقصدِ اصلی ہی جنسی جذبات اور خواہشات کا پورا کرنا بن جائے، اور جب وہ اس کو اپنا مقصود بنالیں گے تو پھر ان کی اخلاقی حالت ختم اور تہس نہس ہو جائے گی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ سے آگے) کرنے والی دلیلیں ذکر کر چکے ہیں، اور ہم وہی ادلہ کچھ تصرف کے ساتھ بھی پیش کر رہے ہیں اس لیے کہ ٹیلیویژن اور سینما و تھیٹر آپس میں بہت مشابہت رکھتے ہیں۔

ان کی نظروں میں اخلاق کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے وسائل میں سے ایک وسیلہ یہ بھی ہے کہ نشر واشاعت ریڈیو وٹیلیویژن، اور سینما وتھیٹر، اور یومیہ کے نشریاتی پروگراموں اور ہراس خائن ایجنٹ اور کرایے کے صحافی سے کام لیا جائے جوان کے منصوبہ میں ان کا ہاتھ بٹائے، یہودی اپنی مکاری وعیاری سے اس منصوبے میں کامیاب ہوگئے کہ قوموں کو ثقافت، کھیل کود، اور فنون کے نام پر بے حیائی وبے راہ روی اور اخلاق باختگی کے مراکز کے ذریعے سے تباہ وبرباد کردیں، ملاحظہ فرمایئے یہ لوگ تیرھویں پروٹوکول میں کیا لکھتے ہیں:

غیر یہودی قوموں اور عوام کو ہمارے خلاف کسی نئی راہ اختیار کرنے سے روکنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم ان کو مختلف قسم کے کھیل کود اور لہو ولعب وغیرہ میں مصروف کردیں، اور بہت جلد ہی ہم اخبارات میں لوگوں کو مختلف قسم کے پروگراموں اور منصوبوں میں مقابلہ کی دعوت دیں گے، جن میں ریاضت ودیگر مختلف قسم کے فنون شامل ہوں گے۔ سیر کا یہ جدید قسم کا سامان عوام کے ذہن کو یقینی طور سے ان مسائل سے غافل کردے گا جن میں ہمارا ان سے اختلاف ہے، اور پھر جب آہستہ آہستہ عوام اپنے طور پر غور وفکر کی نعمت سے محروم ہوجائیں گے تو پھر سب کے سب ہمارے ساتھ صرف اس وجہ سے ایک آواز ہوں گے کہ معاشرے میں صرف ہم ہی وہ منفرد افراد ہوں گے جو نئی سوچ بچار کی راہیں کھولنے کے اہل ہوں گے، اور یہ نئے خطوط ہم صرف اپنے ہی مسخر کردہ وسائل کے ذریعے پیش کریں گے، اور ایسے افراد کے ذریعے پیش کریں گے جن کے ہمارا حلیف وساتھی ہونے کا کسی کو وہم وگمان بھی نہ ہوگا، آزادی پسند مثالی لوگوں کا دور اس وقت ختم ہوجائے گا جب ہماری حکومت کو تسلیم کرلیا جائے گا، اور یہ لوگ وقت پڑنے پر ہمارے لیے نہایت قابلِ قدر خدمات انجام دیں گے۔

مربی محترم! کیا آپ نے محسوس کرلیا کہ یہود اپنے پروٹوکول میں کیا کیا منصوبے بنائے بیٹھیں ہیں؟

کیا یہ لوگ لوگوں کی عقلوں کو مسخ کرنے اور اخلاق کو بگاڑنے کے دن ورات درپے نہیں ہیں تاکہ وہ اس کے ذریعہ سے اپنی متوقع حکومت قائم کرسکیں جس کا ان کو انتظار ہے؟

کیا ان کے منصوبوں میں سے یہ نہیں ہے کہ لوگ کھیل کود اور جنس وشہوات اور عیاشی میں مست ہوکر عقلِ سلیم اور غور وفکر اور مفید کارناموں اور وطن کے لیے اخلاص سے کام کرنے سے عاری ہوجائیں؟

مربی محترم! کیا آپ یہ جانتے ہیں کہ جو نوجوان مرد وعورتیں زناکاری، الحاد، بے حیائی وآزادی، شہوات، گندی فلموں، اور رات کو برپا ہونے والی گندی محفلوں اور پروگراموں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں وہ چاہے سمجھیں یا نہ سمجھیں درحقیقت وہ یہود کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنا رہے ہیں؟

مربی محترم! جب آپ یہ سمجھ گئے ہیں تو پھر آپ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ آپ اپنے بچوں کو ان وبائی مقامات اور فتنے کی جگہوں سے دور رکھیں چاہے وہ سینما ہو یا تھیٹر، یا دوسرے کھیل کود کے مراکز، اس لیے کہ اپنی اس

موجودہ شکل میں یہ سب کے سب عقیدہ و اخلاق کو بگاڑنے والے ہیں، بلکہ جیسا آپ نے ابھی پڑھا یہ ان سازشوں و منصوبوں کا جز ہیں جو یہود نے مسلمان افراد اور مسلمان خاندانوں اور مسلمان معاشرے کو خراب کرنے کے لیے تیار کیے ہیں، اس لیے اس کو خوب سمجھ لینا چاہیے اس میں سمجھداروں کے لیے عبرت کا کافی ووافی سامان ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ اگر سینما یا تھیٹر وغیرہ میں ایسے پروگرام پیش کیے جائیں جو قوم کے لیے دینی، اخلاقی اور تاریخی لحاظ سے مفید و نافع ہوں تو پھر وہاں جانے میں کیا قباحت ہے؟

یہ اعتراض مندرجہ ذیل امور کی وجہ سے مردود و ناقابل قبول ہے:

۱۔ ان پروگراموں میں مرد و زن کا باہمی اختلاط ہوتا ہے جو اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔

۲۔ ان پروگراموں میں تاریخی فلموں یا تاریخی ڈراموں میں فتنہ انگیز عریاں عورتیں سامنے آتی ہیں، یا ان میں زمانۂ جاہلیت کے بے ہودہ ڈانس اور فحش گانوں کے نمونے پیش کیے جاتے ہیں۔ اور اسلام نے ہر ایسی چیز کی طرف دیکھنے کو حرام قرار دیا ہے جو جنسی جذبات کو ابھارے اور فتنہ سامانی پیدا کرے۔

۳۔ سینما و تھیٹروں میں عام طور سے ایسے مناظر ہی پیش کیے جاتے ہیں جو گندے، بے ہودہ، فحش اور اخلاق باختہ ہوتے ہیں، اسی لیے یہ مراکز بے راہ روی کی علامت، اور فساد کا عنوان بن گئے ہیں، اور مسلمان کے لیے یہ قطعاً ناجائز ہے کہ وہ مشتبہ جگہوں کا قصد کرے اور تہمت کی جگہ جائے، اس لیے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام فرماتے ہیں جو شخص مشتبہ چیزوں میں پڑ گیا وہ حرام میں پڑ گیا۔

۴۔ یہ مراکز انسان کو اپنی طرف بار بار آنے پر مجبور کر دیتے ہیں، شروع میں پہلی مرتبہ وہاں جاتے ہوئے انسان میں اسلامی حیاء سامنے آجاتی ہے، اور صبر تو درحقیقت وہی ہے جو پہلے صدمہ کے وقت کیا جائے، پھر دوسری اور تیسری مرتبہ جانے میں نہ کوئی رکاوٹ ہوتی ہے اور نہ مانع اور پھر تدریجاً شرم و حیاء ختم ہوجاتی ہے، اور پھر عام طور سے یہ شذوذ و انحراف اور بڑی خرابی تک پہنچا دیتا ہے۔

ہاں اگر کوئی قابلِ اعتماد ایسی دینی جماعت موجود ہو جو کچھ مراکز اور سینماؤں کو مستقل علمی و معاشرتی فلموں اور تاریخی ورہنما ڈراموں کے لیے مخصوص کر دے اور وہاں کسی قسم کی برائی، خرابی، فتنہ سامانی، اور حرام و ممنوع چیز نہ ہو تو پھر مسلمان نوجوانوں کے لیے فائدہ و استفادہ کی خاطر ایسے اہم قیمتی موضوعات پر مشتمل پروگراموں سے فائدہ اٹھانا درست ہوجائے گا[1] لیکن اس کے علاوہ کسی صورت میں ان جگہوں پر جانا بہت بڑا گناہ اور اسلام کی نظر میں سخت حرام ہے۔

کوئی شخص یہ اعتراض کرسکتا ہے کہ نفع بخش امور اور مفید پروگراموں مثلاً قرآنِ کریم کی تلاوت، خبریں اور علم و اصلاح

---

[1] جیسا ہم نے پہلے ذکر کیا ان چیزوں کا دیکھنا ممنوع ہے یہ مؤلف کی اپنی رائے ہے۔

سے متعلق پروگراموں کے لیے ٹیلیویژن استعمال کرنے میں کیا حرج ہے، خصوصاً جبکہ اس میں دوسرے گندے وفحش مناظر نہ دیکھے جائیں ؟

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس دعوی کا حقیقت اور واقع سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے، اس لیے کہ یہ بالکل مشاہدی بات ہے کہ جو شخص بھی ٹیلیویژن رکھتا ہے وہ جب تک الف سے لے کر یا ء تک رات کے سارے پروگرام نہ دیکھ لے اس وقت تک بس نہیں کرتا، اس لیے کہ شیطان۔ اللہ اس کو رسوا کرے۔ انسان کی گھات میں بیٹھا رہتا ہے، اس کے دل میں یہ خیال پیدا کرتا اور اس کو یہ سمجھاتا ہے۔ کہ اس پروگرام یا اس گانے یا اس خبر کے بعد اب مفید پروگرام آنے والا ہے، اور یوں کرتے کرتے ان پروگراموں کا پورا وقت ختم ہوجاتا ہے۔

اور اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ وہ شخص اپنے اوپر پورا کنٹرول رکھتا ہے، اور اس میں زبردست قوت ارادی ہے، اور وہ ایسی قوی شخصیت کا مالک ہے جو اسے ان پروگراموں میں سے مفید و نفع بخش پروگراموں کے منتخب کرنے کی قوت بہم پہنچائے گی، لیکن کیا اس بات کی کوئی ضمانت اور گارنٹی ہے کہ جب وہ گھر میں موجود نہ ہوگا تو اس وقت بھی اس کے بیوی بچے اس پابندی کو ملحوظ خاطر رکھیں گے؟ اس کا یقینی جواب نفی میں ہوگا، پھر سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ کسی پروگرام کے خراب ہونے کا فیصلہ کس طرح ہوگا. ظاہر ہے اس کے دیکھنے کے بعد ہی کوئی فیصلہ کیا جا سکے گا جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس صحیح واچھے پروگراموں کے انتخاب کے لیے اس کی بیٹیوں گھر والوں اور اس کے خاندان کے افراد نے اس کے سامنے اس فحش پروگرام کو دیکھ لیا، لیکن کیا اس کی گارنٹی اور کوئی ضمانت ہے کہ جب وہ ٹیلیویژن بیوی بچوں کے پاس چھوڑ کر جائے گا تو اس کی غیر موجودگی میں یہ لوگ اس وقت بھی اسی اصول پر کار پابند رہیں گے؟ اس کا لازمی جواب نفی میں ہوگا۔

پھر جب اس پروگرام پر گندے اور خراب ہونے کا حکم اس کے دیکھنے کے بعد لگایا جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس خاندان نے یہ گندہ وفحش پروگرام بلا روک ٹوک دیکھ لیا، اور شیطان نے منکر و خرابی کے اچھا بنا کر پیش کرنے اور باطل کو آراستہ کر کے پورا پروگرام دکھانے کے لیے اپنا کام مکمل کر لیا ہے۔

اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جب کوئی غیرت مند باپ ان پروگراموں میں ایسے مناظر دیکھتا ہے جو ادب وحیا کے خلاف ہوتے ہیں، اور بے راہ روی واخلاق باختگی پر مبنی ہوتے ہیں، اور ان کی وجہ سے وہ ٹیلیویژن بند کرنا چاہتا ہے تو اسے کبھی اس کی بیوی اور کبھی بچے یا کوئی دوسرا عزیز اس سے روک دیتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خاندان کے افراد میں آپس میں رسہ کشی اور اختلاف پیدا ہوجاتا ہے، اور پھر اس لڑائی جھگڑے کے نفسیاتی ومعاشرتی جو اثرات پڑتے ہیں وہ ہم شمار نہیں کر سکتے، اور اس کے جو نہایت خطرناک نتائج نکلتے ہیں وہ بھی ناقابل بیان ہیں؟ کتنے ہی گھرانوں میں طلاق واقع ہوجاتی ہے، اور کتنے ہی گھروں میں ان لڑائی جھگڑوں کی وجہ سے بچوں میں طرح طرح کی خرابیاں اور خاندان کے افراد میں عجیب امراض پیدا ہوجاتے ہیں۔

لہذا ہم نے جو کچھ ذکر کیا ہے اس سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ ٹیلیویژن کے پروگراموں میں سے مفید و نافع کے انتخاب کا قصد و ارادہ کرنا تقریباً ناممکن سا ہے، بلکہ حقیقت میں اس کا تحقق ہونا ناممکن ہے، اور اپنے دین وعزت کی حفاظت کرنا مسلمان پر فرض ہے، اسی طرح اپنے خاندان کی تربیت بھی فرض ہے، اور یہ فرض جب ہی پورا ہو سکتا ہے کہ گھر و خاندان کی فضاء سے خطرہ کو دور رکھا جائے، اور آپ خود ہی بتلائیے کہ عزت و آبرو اور اخلاق و شرف کے لیے ٹیلیویژن کے موجودہ پروگراموں سے بڑھ کر اور کیا چیز خطرناک ہو سکتی ہے؟

ایک بات رہ گئی ہے جس پر متنبہ کرنا اور اس کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے :

اور وہ یہ کہ بعض والدین اپنے بچوں کے لیے ٹیلیویژن اس لیے خریدتے ہیں تاکہ انہیں سینما تھیٹر وغیرہ کھیل کود و بے حیائی کے مقامات سے روک سکیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی یہ دلیل نہایت بودھی اور ان کا یہ دعویٰ مندرجہ ذیل امور کی وجہ سے باطل و غلط ہے:

۱۔ کسی برائی کو اس طرح ختم نہیں کیا جا سکتا کہ اس کی جگہ کسی اور برائی کو جگہ دے دی جائے۔

۲۔ ٹیلیویژن رکھنے سے جو خرابی پیدا ہوتی ہے وہ اس منکر و خرابی سے کہیں زیادہ ہے جو ان کھیل کود و بے حیائی کے مقامات پر جانے سے وجود میں آتی ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ٹیلیویژن کا فساد روزانہ اور دائمی جاری رہتا ہے جس کو چھوٹے بڑے، اچھے اور برے، مرد و عورت سب دیکھتے ہیں، لیکن اس کے برخلاف کھیل کود و فحاشی کے مقامات کی برائیاں وقتی اور موسمی ہوتی ہیں جو بے راہ رو لڑکوں اور بد اخلاق و ناپسندیدہ مردوں تک ہی محدود رہتی ہیں۔

۳۔ ٹیلیویژن رکھنے کی وجہ سے بہت سی بڑی بڑی معاشرتی تباہیاں اور ایسی اخلاقی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں جن کا انجام بہت برا ہوتا ہے، جس کا سبب خاندان کے افراد کا پروگرام دیکھنے کے لیے دیر تک جاگنا، اور پڑوسیوں دوستوں مردوں عورتوں کا مستقل اجتماع و اختلاط ایک ایسا المیہ ہے جس کی وجہ سے بہت سی عزتیں لوٹی گئیں، اور خون خرابے ہوئے، اور بہت سی لڑائیوں اور جھگڑوں کی داغ بیل پڑی، جس کا اصل سبب ٹیلیویژن کی لعنت اور باہمی اختلاط ہی ہے۔

جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس کے بعد ان لوگوں کے پاس اور کوئی حجت و دلیل باقی نہیں رہ جاتی جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ گھر میں ٹیلیویژن کا موجود ہونا بچوں کو برائی سے روکتا اور مفاسد سے باز رکھتا ہے۔

یہ اس سب کے علاوہ ہے جو ٹیلیویژن کے صحت پر مضر اثرات پڑتے ہیں، مثلاً نگاہ کا کمزور ہونا، اور دوسرے نفسیاتی نقصانات مثلاً کسی حسین و جمیل ایکٹرس کو دیکھ کر اس پر دل کا آجانا، اور عقل و افکار کا اس میں الجھ کر رہ جانا۔

اور تعلیمی نقصان مثلاً بچوں کا مدرسہ کے کام کاج سے رہ جانا اور اس میں دل نہ لگنا۔
اور فکری نقصانات مثلاً حافظہ کا کمزور ہونا، اور فہم و سمجھ اور غور و فکر کے ملکہ کا ضعیف ہونا۔
اور اقتصادی نقصانات مثلاً اس کے خریدنے کے لیے مال برباد کرنا جبکہ افرادِ خانہ کو اس سے بھی زیادہ ضروری اشیاء درکار ہوں[1]

۴۔ قمار بازی و جوا

اسلام کی نظر میں حرام کھیل کود میں جوے کی تمام اقسام و انواع اور مختلف شکلیں بھی داخل ہیں، جوے سے مراد ہر وہ کھیل ہے جو دو فریقوں کے درمیان ہو اور اس میں ایک فریق نقصان میں جائے اور دوسرا فریق خوش قسمتی یا اتفاق سے نفع اٹھائے۔

اس کے حرام ہونے کی دلیل اللہ تبارک و تعالیٰ کا درجِ ذیل فرمانِ مبارک ہے:

((يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَ	اے ایمان والو یہ جو شراب اور جوا اور بت اور پانسے ہیں
الْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ	یہ سب شیطان کے گندے کام ہیں، سو ان سے بچتے رہو تاکہ
فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطٰنُ	تم نجات پاؤ، شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ تم میں دشمنی
أَنْ يُّوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَ	اور بیر ڈالے بذریعہ شراب اور جوے کے اور تم کو اللہ
الْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ	کی یاد اور نماز سے روکے سو اب بھی تم باز آؤ گے۔
فَهَلْ أَنْتُمْ مُّنْتَهُونَ)) المائدہ - ۹۰ - ۹۱	

اس کے حرام قرار دینے کی حکمت یہ ہے کہ:

- جوا انسان کو اس بات کا عادی بنا دیتا ہے کہ انسان کمائی میں نصیب و اتفاق اور خالی و فارغ امیدوں و آرزوں پر اعتماد و بھروسہ کرے، عملی جدوجہد اور حقیقی محنت اور کمائی کے لیے پسینہ بہانے اور جائز و مشروع اسباب اختیار کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔
- جوا خوش و خرم اور آباد گھروں کو تباہ و برباد کرنے اور بھری ہوئی جیبوں کو خالی کرنے اور مالدار خاندانوں کو محتاج و فقیر بنانے اور باعزت نفوس کو ذلیل کرنے کا سامان ہے، ہم نے کتنی ہی ایسی نفوس کے بارے میں سنا ہے جو عزت کے بعد ذلیل ہوئیں اور کتنے ہی خاندانوں کے بارے میں سنا ہے جو دولت کے بعد فقیر و غریب بن گئے۔
- جوا و قمار دونوں اپنے کھیلنے والوں کے درمیان بغض و عداوت پیدا کرتا ہے، اس لیے کہ وہ ایک دوسرے کا مال غلط طریقے

---

[1] مؤلف نے اپنی کتاب "حکم الاسلام فی وسائل الاعلام" میں جو کچھ لکھا ہے اس کا مطالعہ کر لیجیے، وہاں آپ کو ٹیلیویژن سینما و تھیٹر وغیرہ کے بارے میں اسلام نے جو حکم دیا ہے اس سے متعلق کافی شافی بحث مل جائے گی۔

سے ہضم کر لیتے ہیں اور بغیر حق کے دوسرے کے مال پر قابض ہو جاتے ہیں۔

❖ جوا اللہ کے ذکر و نماز سے روک دیتا ہے اور اپنے کھیلنے والوں کو بدترین اخلاق اور قبیح عادات و اطوار کی جانب ڈھکیل دیتا ہے، امام بیہقی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے لوگوں کے پاس سے گزرے جو نرد سے کھیل رہے تھے تو آپ نے ارشاد فرمایا: غافل دل ہیں جن کے ہاتھ مشغول ہیں اور زبانیں لغو میں مصروف ہیں، یعنی ایسی باتیں کر رہے ہیں جو لغو و جھوٹ ہیں۔

❖ جوا و قمار ایسا بدترین گناہ ہے جو وقت اور محنت کو ہضم کر جاتا ہے، اور سستی و گمنامی کا عادی بناتا ہے، اور لوگوں کو کام کاج اور محنت سے روک دیتا ہے۔

❖ جوا جوے باز کو جرم پر مجبور کرتا ہے۔ اس لیے کہ جو فریقِ قلاش و فقیر ہو جاتا ہے وہ یہ چاہتا ہے کہ جس طریقے سے بھی ہو مال کو حاصل کر لے خواہ اس کے لیے چوری کرنا پڑے یا ڈاکہ ڈالنا پڑے یا رشوت دینا پڑے یا کسی کا مال چھیننا پڑے۔

❖ جوا قلق و بے چینی پیدا کرتا ہے اور بہت سے امراض و بیماریوں کا ذریعہ بنتا ہے، اور اعصاب کو کمزور کرتا، اور حقد و حسد پیدا کرتا ہے اور عام طور سے جرم یا خودکشی یا دیوانہ پن یا لاعلاج بیماری کا ذریعہ بنتا ہے۔

بقول استاذ قرضاوی کے جو شخص ان لوگوں کے بقول "سبز دستر خوان" کا عادی بن جائے تو اس سے یہ بھی مستبعد نہیں کہ وہ اس کی وجہ سے اپنے دین، عزت و آبرو، اور وطن تک کو بیچ ڈالے، تاکہ مال و جنس کے سلسلہ میں اسکی خواہشات پوری ہو سکیں۔

حرام و ناجائز قمار و جوے کے اقسام و انواع میں سے:

❖ انعامی بونڈ کا خریدنا بھی ہے، اس لیے کہ اس قسم کے انعامی ٹکٹ قسمت و اتفاق پر مبنی ہوتے ہیں، اور یہ بھی حرام و ناجائز جوئے کی اقسام میں سے ایک قسم ہے، جس میں قطعاً نرمی نہیں برتنا چاہیے اور نہ اس میں کسی قسم کا تساہل کرنا چاہیے خواہ یہ انعامی ٹکٹ کسی فلاحی ادارے یا انسانی بہبود سے تعلق رکھنے والی جماعت کی طرف سے ہی کیوں نہ ہوں؛ ساتھ ہی یہ بھی ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ زمانۂ جاہلیت میں جو جوا رائج تھا اس کا مقصد بھی کسی کے ساتھ بھلائی یا کوئی اچھا مقصد ہی ہوا کرتا تھا، اس میں نفع حاصل کرنے والا اپنے لیے کچھ نہ لیا کرتا تھا، وہ بھی بہت بڑی حد تک ان انعامی ٹکٹوں کے مشابہ تھا جو آج کل فلاحی ادارے یا انسانی بہبود سے تعلق رکھنے والی تنظیمیں جاری کیا کرتی ہیں۔

اسلام اس قاعدے کو کہ "مقاصد وسائل کے جائز ہونے کا ذریعہ بنتے ہیں" (یعنی اگر مقصد نیک ہو تو اس کے حاصل کرنے کے لیے جو ذریعہ بھی اختیار کیا جائے وہ درست ہے) ان خطرناک اصولوں میں شمار کرتا ہے جنہیں یہودی اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے رواج دیتے ہیں، اسلام کسی اچھی غرض و غایت کو حاصل کرنے کے لیے جس چیز کو مبدأ و بنیاد بناتا ہے وہ ہے شریفانہ وسائل کا اختیار کرنا، چنانچہ کسی بھی انسانی فلاحی کام کے لیے مثلاً اللہ کچھ دینے کو اسلام

اس وقت تک تسلیم نہیں کرتا جب تک کہ اس تک پہنچانے والے وسائل واسباب صاف ستھرے و مہذب وشریفانہ نہ ہوں، لیکن حرام وناجائز جوئے یا ڈاکہ وغیرہ کے ذریعہ سے حاصل کردہ مال کو اسلام قطعاً قبول نہیں کرتا، اور بھلا ایسا پیسہ دینے کی کیا قیمت و منزلت ہوگی جس کے وسائل خیر کے جذبہ اور رحم واحسان اور حسنِ سلوک کے جذبات سے عاری ہوں؟

اور ایسے خرچ کرنے کی کیا حیثیت ہے جو خالص ایمان کے جذبہ اور اسلام کے شیریں منبع سے متاثر نہ ہو؟

اس لیے ہمیں اپنے بچوں کو اخلاص سے خرچ کرنے اور جائز و حلال طریقے پر پیسہ صرف کرنے کا عادی بنانا چاہیے تاکہ وہ خود بخود خیر کے کاموں میں حصہ لیں اور اللہ رب العالمین کے دربار میں اجر و ثواب کے مستحق بنیں۔

❁ ناجائز قمار و جوے میں شرط لگاکر کھیلنا بھی داخل ہے، خواہ یہ شرط لگانا فٹبال کے کھیل میں ہو یا کبوتر بازی یا شطرنج وغیرہ کھیلوں میں۔

اور اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں فریقین میں سے ہر ایک دوسرے کے لیے شرط لگائے، یا ایک فریق دوسرے پر کچھ مال مقرر کردے خواہ اسے نقصان ہو یا فائدہ، تو یہ بھی جوا بن جائے گا، اس لیے کہ اس میں ایک فریق کو فائدہ ہوگا اور دوسرے کو نقصان ــــ اور ایک دوسرے کا ناحق مال کھا جائے گا۔

اس شرط بازی سے وہ کھیل مستثنیٰ ہیں جو جنگی تیاری اور جہاد کے سلسلہ میں ہوں، مثلاً اونٹوں یا گھوڑوں کی ریس لگانا، یا تیر اندازی یا نشانہ بازی وغیرہ اس طرح کی اور وہ چیزیں جو جدید جنگی ساز و سامان سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس لیے کہ اصحاب سنن وامام احمد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا درج ذیل فرمانِ مبارک روایت کرتے ہیں کہ:

«لا سبق إلا في خف أو حافر أو نصل». — مقابلہ جائز نہیں ہے سوائے اونٹوں گھوڑوں کی ریس اور تیر اندازی کے۔

لیکن اس مقابلہ میں بھی یہ شرط ہے کہ جو انعام مقرر کیا جارہا ہے وہ دونوں فریقین کے علاوہ کسی اور کی جانب سے ہو یا ان میں سے صرف کسی ایک کی جانب سے ہو۔

لیکن اگر دونوں مدِمقابل اس طرح اپنی اپنی طرف سے انعام مقرر کریں کہ ان دونوں میں سے جو بھی سبقت لے جائے گا وہ دونوں انعام کا مستحق ہوگا تو یہ ناجائز اور جوا بن جائے گا، اور اس قسم کی گھڑ دوڑ جو شرطیہ اور جوے کے لیے لگائی جاتی ہے اسے شیطان کے گھوڑے سے تعبیر کیا گیا ہے جیساکہ اس سے قبل ہم بیان کرچکے ہیں۔

اس کے برخلاف اگر کھیلنے والوں کے علاوہ کسی تیسرے کی جانب سے انعام مقرر ہو مثلاً حکومت یا وزارت یا مدرسہ والوں کی طرف سے، تو ایسی صورت میں انعام دینا و لینا دونوں شرعاً جائز ہیں۔ اس لیے کہ ایسی صورت میں قمار و جوا نہیں پایا جاتا، اور اس کا مقصد ہمت افزائی کرنا ہوتا ہے۔ یہ ہمت افزائی خواہ جنگی تیاری کے سلسلہ کی ہو مثلاً تیر اندازی وغیرہ، یا جسمانی

ورزش اور اس میں جیتنے سے متعلق ہو مثلاً کشتی یا فٹبال وغیرہ اور اس کے جائز ہونے کی دلیل وہ روایت ہے جسے امام احمد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کی دوڑ میں مقابلہ کرایا اور جیتنے والے کو انعام دیا۔

شریعتِ اسلامیہ نے جس طرح کھیل کود کی مختلف انواع واقسام کو اس لیے حرام قرار دیا ہے کہ روحانیتِ نفس اور اخلاق ومعاشرے پر ان کے برے اثرات پڑتے ہیں، اسی طرح اسلام نے ابناءِ اسلام کی دلجوئی اور ان میں اپنے فرائض و واجبات کے ادا کرنے کے لیے مستعد رہنے کے لیے بہت سے مباح کھیلوں کے دروازے بھی کھول دیے ہیں تاکہ وہ چاق وچوبند بھی رہیں اور طاقتور ومستعد بھی، اور ساتھ ہی ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کے وسائل کی مشق بھی ہو جائے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جس طرح جسم تھک جاتا ہے اس طرح دل بھی تنگ ہو جاتے ہیں اس لیے ان میں نشاط پیدا کرنے کے لیے حکمت ودانائی کی دلچسپ باتیں تلاش کرو۔

نیز وہ فرماتے ہیں: وقفہ وقفہ سے دلوں کو راحت پہنچاتے رہا کرو اس لیے کہ اگر دل پر اکراہ وجبر کیا جائے تو وہ اندھا ہو جاتا ہے۔

اور امام بخاری اپنی کتاب "الادب المفرد" میں روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دل لگی میں ایک دوسرے کو خربوزہ بھی دے مارا کرتے تھے لیکن جب کام کا وقت آتا تو وہ زبردست آدمی بن جاتے تھے۔

اس لیے مسلمان کے لیے اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ کھیلے کودے دل لگی کرے اور دل خوش کرے بشرطیکہ اس کو اپنی عادت ومزاج نہ بنالے، اور صبح وشام اپنا تمام وقت اس میں صرف نہ کرے، اور حقیقت وواقعیت کے بجائے کھیل کود میں مست نہ رہے۔ اور کام کاج کے وقت کو عبث اور لغو وباطل میں نہ گزارے۔

اور کسی نے کتنی شاندار بات کہی ہے کہ مباح کھیل کود کو وقت کا اتنا حصہ ہی دو جتنا حصہ کھانے میں نمک کو دیا جاتا ہے۔

کھیل کود کی وہ اقسام وانواع جنہیں اسلام نے جائز قرار دیا ہے[1]:

الف۔ بھاگنے دوڑنے میں مقابلہ

جائز کھیل کی اقسام میں سے دوڑنا بھی ہے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین دوڑنے میں مقابلہ کیا کرتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر کوئی نکیر نہیں فرمائی، بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اہلیہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

[1] یہ حصہ استاذ یوسف قرضاوی کی کتاب "الحلال والحرام" (ص۔ ۲۱۱) سے کچھ تصرف کے ساتھ لیا گیا ہے۔

ے ساتھ دوڑنے میں مقابلہ ان کو خوش کرنے اور صحابہ کو تعلیم دینے کے لیے کیا کرتے تھے۔

امام احمد و ابو داؤد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ دوڑ لگائی تو میں ان سے جیت گئی، پھر کچھ زمانے کے بعد جب میرا جسم ذرا بھاری ہو گیا تو آپ نے پھر میرے ساتھ دوڑ لگائی اور آپ مجھ سے آگے بڑھ گئے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ جیت اس کا بدلہ ہو گئی یعنی پہلے تم جیتی تھیں اور اب میں جیت گیا۔

ب۔ کُشتی

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رکانہ سے کشتی لڑی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کئی مرتبہ پچھاڑ دیا۔ ایک اور روایت میں یوں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے (جو بہت طاقتور تھے) کشتی کی، انہوں نے کہا کہ اگر آپ جیت گئے تو میں بکری دوں گا ورنہ آپ دیں[1]۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پچھاڑ دیا تو انہوں نے کہا کہ دوبارہ لڑیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں پھر زیر کر دیا، انہوں نے پھر کہا کہ پھر سے لڑیں۔ تو پھر تیسری مرتبہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پچھاڑ دیا تو رکانہ نے کہا: اب میں اپنے گھر والوں سے جا کر کیا کہوں گا؟ کہوں گا کہ ایک بکری کو تو بھیڑیا کھا گیا اور دوسری بھاگ گئی لیکن تیسری کے بارے میں کیا کہوں گا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہم یہ نہیں کر سکتے کہ تمہیں پچھاڑ بھی دیں اور تم پر تاوان وڈنڈ بھی آ جائے اس لیے تم اپنی بکریاں لے لو۔

ج۔ تیر اندازی

جائز کھیلوں کی اقسام میں سے ایک قسم نیزہ بازی اور تیر اندازی بھی ہے۔ اور اس سے قبل ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ان حلقوں میں سے گزرتے تھے جو تیر اندازی کرتے ہوتے تھے تو آپ ان کی ہمت افزائی فرماتے اور ان سے یہ ارشاد فرماتے تھے کہ تم سب تیر اندازی کرتے رہو میں تم سب کے ساتھ ہوں۔

البتہ اس قسم کے کھیل کھیلنے والوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ وہ چوپایوں یا پالتو جانوروں کو تیر اندازی یا اس کی مشق کے لیے نشانہ بنائیں جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں وہ لوگ ایسا کیا کرتے تھے۔

امام بخاری و مسلم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے ایک جماعت کو دیکھا کہ وہ تیر اندازی میں چوپایوں پر نشانہ بازی کر رہے ہیں، تو انہوں نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر پر لعنت بھیجی ہے جو کسی جاندار چیز کو نشانہ بازی کا ذریعہ بنائے۔

اور ابو داؤد و ترمذی روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کو آپس میں لڑانے سے منع کیا ہے۔

---

[1] یہ واقعہ لازمی طور سے جوے کے حرام ہونے سے قبل کا ہے، اور اس موقعہ پر بھی آپ نے دیکھ لیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صاحب کی بکریاں نہیں کو واپس لوٹا دیں اور خود نہ لیں گویا کہ جوے کی حرمت کے لیے پہلے ہی سے ایک یہ تمہید تھی۔

یعنی ایک دوسرے کو اس طرح چھوڑ دیا جائے کہ دونوں میں سے ایک مر جائے یا اس کو نقصان پہنچے جیسا کہ اہلِ عرب زمانہ جاہلیت میں کیا کرتے تھے۔

ان احادیث سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ دینِ اسلام نے حیوانوں کے ساتھ کس طرح نرمی سے پیش آنے کا حکم دیا ہے اور ان کو سزا دینے اور ان کے ساتھ برا سلوک کرنے سے منع کیا ہے۔ بلکہ ہمیں اسلام کے اس حکم کا بھی علم ہے جو اس نے اس مقابلے کے بارے میں دیا ہے جو آج بیلوں کی لڑائی کے نام سے مشہور و معروف ہے۔

د۔ نیزہ بازی

مباح کھیلوں میں سے نیزہ بازی کا کھیل بھی ہے۔ اور اس سے قبل ہم یہ بتلا چکے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ حبشہ کو اپنی مبارک مسجد میں نیزہ بازی کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ اور اپنی اہلیہ مطہرہ۔ حضرت عائشہ کو ان کی اس نیزہ بازی دیکھنے کی بھی اجازت دی تھی۔

یہ نبی کریم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فراخ دلی ہے کہ آپ نے اس جیسے کھیل کی اپنی مبارک مسجد میں اجازت عطا فرمائی۔ تاکہ وہاں دین و دنیا۔ اور عبادت و جہاد دونوں کو جمع فرمادیں۔ اور پھر یہ کہ یہ صرف کھیل ہی نہیں ہے بلکہ یہ ایک ورزش و مشق و تیاری بھی ہے۔

ھ۔ شہسواری

اس سے پہلے ہم ریاضت و ورزش سے ارتباط کی بحث میں اس موضوع پر نہایت کافی روشنی ڈال چکے ہیں، اس لیے اسے ملاحظہ فرمایئے آپ کو تشفی کا پورا سامان وہاں پر مل جائے گا۔

اس کی بنیاد وہ روایت ہے جسے طبرانی سند جید کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ: ہر وہ چیز جس میں اللہ کا ذکر نہ ہو وہ کھیل کود اور بھول ہے سوائے چار چیزوں کے: تیر اندازی کے لیے دونوں نشانوں کے درمیان دوڑنا۔ اور اپنے گھوڑے کی تربیت کرنا۔ اور اپنی بیوی سے دل لگی اور تیرنا سیکھنا۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اپنی اولاد کو تیرنا اور تیر اندازی سکھاؤ اور انہیں اس کا حکم دو کہ وہ گھوڑے کی پشت پر کود کر سوار ہونا سیکھیں۔

و۔ شکار

جائز و مباح اور نفع بخش وہ کھیل جنہیں اسلام نے برقرار رکھا ہے ان میں سے دریائی و بری شکار بھی ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۖ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ	حلال ہوا تمہارے لیے دریا کا شکار اور دریا کا کھانا تمہارے اور سب مسافروں کے فائدہ کے واسطے اور جنگل کا شکار

مَا دُمْتُمْ حُرُمًا)) . مائدہ ۹۶ تم پر حرام ہوا جب تک تم احرام میں رہو۔

رہا یہ مسئلہ کہ شکار کس چیز سے ہو گا تو اس کی دو قسمیں ہیں:

الف ۔ زخمی کرنے والے آلات جیسے کہ تلوار، تیر اور نیزے جس کی طرف درج ذیل آیت میں اشارہ ہے:

((یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَیَبْلُوَنَّکُمُ اللّٰہُ بِشَیْءٍ مِّنَ الصَّیْدِ تَنَالُہٗٓ اَیْدِیْکُمْ وَرِمَاحُکُمْ)) ۔ مائدہ ۔۹۴۔ اے ایمان والو البتہ اللہ تم کو آزمائے گا ایک بات سے اس شکار میں کہ جس پر تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچتے ہیں۔

ب ۔ ایسا زخمی کرنے والا جانور جو سیکھ سکے جیسے کہ کتا و چیتا وغیرہ پھاڑ کھانے والے درندے اور باز، شکرو وغیرہ پھاڑ کھانے والے پرندے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((قُلْ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُکَلِّبِیْنَ تُعَلِّمُوْنَھُنَّ مِمَّا عَلَّمَکُمُ اللّٰہُ)) . المائدہ ۔۴ آپ کہہ دیجیے کہ تمہارے لیے حلال کی گئی ہیں ستھری چیزیں اور جو سدھاؤ شکاری جانور شکار پر دوڑانے کے لیے کہ ان کو سکھاتے ہو اس میں سے جو اللہ نے تم کو سکھایا ہے۔

✣ ✣ ✣ ✣ ✣

شکار سے متعلق عمومی احکامات:

۱۔ شکاری کا شکار سے مقصد اس کا کھانا اور اس سے فائدہ اٹھانا ہو۔ اس لیے کہ نسائی و ابن حبان اپنی صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی چڑیا کو بلا وجہ مار ڈالا تو وہ قیامت کے روز اللہ کے دربار میں شور مچائے گی اور یہ کہے گی: اے رب! فلاں شخص نے مجھے بلا وجہ مار ڈالا تھا کسی مقصد و فائدہ کی خاطر میرا خون نہیں کیا تھا۔

۲۔ شکاری حج یا عمرے کا احرام نہ باندھے ہوئے ہو[1] اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں:

((وَحُرِّمَ عَلَیْکُمْ صَیْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا)). المائدہ ۔۹۶ اور حرام کیا گیا تم پر جنگل کا شکار جب تک تم احرام میں رہو۔

۳۔ شکار نفوذ کرنے اور زخمی کرنے والے آلے سے ہونا چاہیے، دباؤ اور جھٹکے سے مارنے والی چیزیں نہیں ہونا چاہیے اس لیے کہ امام بخاری و مسلم حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور عرض کیا کہ میں اس تیر سے شکار کو مارتا ہوں جس میں پر نہیں ہوتا تو آپ نے فرمایا: اگر تم بے پر کے تیر سے مارو اور وہ تیر شکار کے جسم میں گھس جائے تو اس شکار کو کھالو اور جو تیر اس کو عرض میں لگے تو اس جانور کو مت کھاؤ، جس کا

---

[1] یہ بری و خشکی کے جانوروں کے شکار سے متعلق ہے جیسا کہ خود قرآن کریم کی آیت میں مذکور ہے، لیکن بحری جانوروں کا شکار کرنا جائز ہے خواہ انسان محرم ہو یا غیر محرم اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ((اُحِلَّ لَکُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُہٗ)) تمہارے لیے حلال کر دیا گیا بحری شکار اور اس کا کھانا۔

مطلب یہ ہوا کہ یہ جانور جھٹکا لگنے کی وجہ سے مرا ہے تیر اس میں گھسا نہیں ہے، اور حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جس چیز سے شکار کو مارا جائے اس کا شکار کے جسم میں گھسنا اور نفوذ کرنا معتبر ہے۔ لہٰذا ایسے جانور جن کو پستول بندوق یا رائفل وغیرہ کی گولی سے مارا جائے تو وہ جانور حلال ہوگا اس لیے کہ گولی جسم میں تیر ونیزے سے زیادہ سختی سے نفوذ کرتی ہے[1]۔

۴۔ جب شکار کرنے والے آلے کو پھینکا جائے یا تربیت یافتہ شکاری جانور کو شکار پر چھوڑا جائے تو اس وقت اللہ کا نام لے کر چھوڑنا چاہیے، اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

«وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ»۔ المائدہ۔۴ اور اس پر اللہ کا نام لو۔

لیکن اگر تیر پھینکتے یا جانور شکار پر چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو اکثر فقہاء کے یہاں اس شکار کا کھانا جائز ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کی بھول چوک اور غلطی پر مؤاخذہ کو چھوڑ دیا ہے[2]۔

۵۔ اگر شکار پانی میں گر جائے اور اس کو پانی میں سے مردہ حالت میں نکالا جائے تو اس کا کھانا جائز نہیں ہے اس لیے کہ امام بخاری ومسلم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

«إذا رميت سهمك فإن وجدته قد قتل فكل إلا أن تجده قد وقع في ماء فإنك لا تدري الماء قتله أم سهمك؟»۔

جب تم اپنا تیر پھینکو تو پھر اگر یہ دیکھو کہ اس نے (شکار) کو قتل کر دیا ہے تو اس کو کھالو مگر یہ کہ اس کو پانی میں گرا ہوا پاؤ (تو نہ کھاؤ) اس لیے کہ تمہیں معلوم نہیں ہے کہ اس کو پانی نے مارا ہے یا تمہارے تیر نے۔

ز۔ شطرنج کھیلنا

کھیل کی معروف اقسام میں سے شطرنج کھیلنا بھی ہے، اور صحابہ وتابعین اور فقہاء شطرنج کے معاملے میں دو فرقوں میں بٹ گئے ہیں:

۱۔ ایک فرقہ اس کے حرام ہونے کا قائل ہے اور اس میں حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اور امام مالک وامام ابوحنیفہ وامام احمد رحمہم اللہ شامل ہیں۔

۲۔ دوسری جماعت اس کے جواز کی قائل ہے جس میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور سعید بن المسیب وسعید بن جبیر وابن سیرین اور امام شافعی داخل ہیں۔

جو حضرات اس کے مباح وجائز ہونے کے قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ تمام اشیاء میں اصل اباحت ہے اور اس کے

---

[1] یہ مصنف کی رائے ہے ورنہ ائمہ کرام کے یہاں ایسا جانور حرام ہے۔

[2] فقہاء حنفیہ کے یہاں ایسا جانور مردار شمار ہوگا۔

حرام ہونے کے سلسلہ میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی ہے اور یہ شطرنج نرد سے دو وجہوں سے الگ ہے:

۱۔ نرد کا سارا دارو مدار قسمت پر ہوتا ہے لہٰذا یہ تیروں سے فال لینے کے مشابہ ہے[۱] اور شطرنج کا دارو مدار تجربہ غور وفکر اور تدبیر و تفکیر پر ہوتا ہے لہٰذا یہ تیر اندازی کے مقابلہ کی طرح ہوگئی۔

۲۔ شطرنج میں جنگ اور اس کی تدابیر کی مشق ہوتی ہے، اور نرد میں فضول بے کار کھیل میں بلا کسی مقصد وفائدہ کے وقت ضائع ہوتا ہے۔

جن حضرات نے شطرنج کھیلنے کی اجازت دی ہے انہوں نے اس کو تین شرطوں کے ساتھ مشروط رکھا ہے:

۱۔ شطرنج کھیلنے والا کسی نماز کو اس کے وقت سے مؤخر نہ کرے۔

۲۔ شرط بازی نہ ہو ورنہ یہ قمار وجوا بن جائے گا۔

۳۔ کھیلنے والا اپنی زبان کو فحش گوئی اور گندی باتوں سے بچائے۔

لیکن اگر ان شرطوں میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو پھر اس کا کھیلنا حرام ہو جائے گا۔

مربیٔ محترم! آپ نے "حرام کھیل کود سے بچانا" نامی عنوان کے تحت یہ پڑھ لیا ہوگا کہ اسلام نے کھیل کی بہت سے اقسام کو حرام قرار دیا ہے، اس لیے کہ ان کا معاشرے اور فرد کے اخلاق پر بہت برا اثر پڑتا ہے، اور اس قسم کے کھیل انسان کی نفسیات وکردار پر بہت برے اثرات چھوڑتے ہیں، اس لیے آپ کو چاہیے کہ آپ یہ کوشش کریں کہ اپنے بچوں کو ان سے بچائیں اور ان سے روکیں تاکہ وہ تباہی میں گرفتار نہ ہوں، اور آزادی و بے راہ روی کی دلدل میں نہ پھنسیں، اور آپ نے یہ بھی جان لیا کہ اسلام نے اسلامی معاشرے کے افراد کے لیے بامقصد مباح کھیلوں کے دروازے کھول دیے ہیں، اس لیے کہ انسانی نفوس کی راحت اور نشاط وچستی کو لوٹانے کے سلسلہ میں ان کا بہت اثر ہوتا ہے۔ اور اسی طرح اس کا ایجابی اثر افراد کی فوجی تربیت اور جہاد کی تیاری پر بھی پڑتا ہے، اس لیے اے مربیٔ محترم جہاں تک ہو سکے اپنے بچے کی اس تربیت کی جانب آپ پوری توجہ رکھیں، اور اسے اس قسم کی تیاری و مشق کراتے رہیں تاکہ وہ شجاعت وبہادری میں مثال اور عزت وافتخار اور خودداری میں بہترین نمونہ بنے۔

---

[۱] زمانۂ جاہلیت میں عربوں میں یہ دستور تھا کہ تین تیر لیتے تھے، ایک پر یہ لکھا ہوتا تھا کہ مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے، اور دوسرے پر یہ لکھا ہوتا تھا کہ مجھے میرے رب نے منع کر دیا ہے، اور تیسرے پر کچھ نہیں لکھتے تھے، پھر جب سفر یا جنگ یا شادی وغیرہ کا ارادہ کرتے تھے تو بت خانے جس میں یہ تیر ہوتے تھے وہاں آتے، اور تیروں سے فال لیتے پھر اگر وہ تیر نکل آتا جس میں کرنے کا لکھا ہوتا تھا تو اس کام کو کر لیتے تھے اور اگر وہ تیر نکلتا جس میں منع کیا گیا ہوتا تو اس کام سے رک جایا کرتے تھے، اور اگر بغیر لکھا ہوا تیر نکلتا تو یکے بعد دیگرے دوبارہ سہ بارہ تیر نکالتے رہتے۔

۴- اندھی تقلید سے بچانا

وہ اہم امور جن کا تربیت کرنے والوں کو بہت اہتمام کرنا چاہیے ان میں سے یہ بھی ہے کہ بچے کو بلا سوچے سمجھے اندھی تقلید اور بغیر غور و فکر کے دوسروں کی مشابہت اختیار کرنے سے بچائیں۔

اور اس کی درج ذیل وجوہات ہیں:

- اندھی تقلید روحانی و نفسیاتی شکست اور خود پر اعتماد و بھروسہ نہ ہونے کی دلیل ہے۔ بلکہ انسان اپنی ذات و شخصیت کو اپنے پسندیدہ شخص کی شخصیت میں ختم اور فنا کر دیتا ہے۔
- اس لیے کہ اندھی تقلید عام طور سے لوگوں کو دنیاوی زندگی اور اس کے مظاہر کے فتنہ میں مبتلا کر دیتی ہے جو لازماً غرور و بڑائی میں گرفتار کر دیتا ہے، اس لیے کہ ایسا آدمی اپنے لباس کی شان و شوکت اور ظاہر کی چمک دمک اور فاخرانہ لباس میں مست ہوتا ہے۔
- اس لیے کہ برے اخلاق میں اندھی تقلید انسان کو یقینی طور سے ڈھیلے پن اور آزادی و بے راہ روی کی زندگی تک پہنچا دیتی ہے۔
- اس لیے کہ اندھی تقلید قوموں اور جماعتوں کو یقینی ہلاکت اور لازمی تباہی تک پہنچا دیتی ہے۔ بلکہ ایسی قومیں اپنے وجود کے تمام لازمی اجزاء اور اپنی بقاء و عزت کے اسباب کو کھو بیٹھتی ہیں، اس لیے کہ وہ ناشکری و نافرمانی کے راستے پر چل پڑتی ہیں۔

اس کی تائید فرانسیسی کاتب "اندریا موروا" کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے اپنی کتاب "اسباب انہیار فرنسا" میں لکھا ہے کہ: دوسری عالمی جنگ میں فرانس کے سقوط کے اہم اسباب میں سے فرانسیسی قوم کا اس وجہ سے فاسد و بے کار ہونا بھی ہے کہ اس کے افراد میں برائیاں عام ہو گئی تھیں۔

اس بات نے جنرل ڈیگال کو (جب انہوں نے فرانس کا زمام حکومت سنبھالا) اس بات پر مجبور کیا کہ وہ پیرس کی پولیس کے سربراہ کو یہ آرڈر دیں کہ: میرے ملک میں ان بے حیائی کے اڈوں اور بے راہ روی کے مراکز کو فوراً بند کر دیا جائے۔

- اس لیے کہ اندھی تقلید ان لوگوں کو جو دوسروں کے طریقوں، عادات اور لباس و اخلاق کو اپناتے ہیں اور ان کے پیچھے بہے چلے جاتے ہیں۔ بہت سے دینی فرائض و واجبات اور معاشرتی ذمہ داریوں سے روک دیتی ہے، اور اقتصادی تعمیر اور ثقافتی میدان میں آگے بڑھنے سے مانع بن جاتی ہے۔
- اس لیے کہ اندھی تقلید حافظہ کے کمزور کرنے، اور شخصیت کے تباہ کرنے، اور اخلاق کے بگاڑنے، اور مردانگی ختم کرنے

اور مختلف قسم کی بیماریاں پیدا کرنے، اور عزت و شرافت و پاکدامنی جیسے فضائل کی بیخ کنی کے بڑے عوامل اور تباہ کن بیماریوں میں سے ہے۔ اس لیے کہ اس اندھی تقلید کی وجہ سے جذبات بے لگام اور شہوات و افکار و بے قابو ہو جاتے ہیں۔

ڈاکٹر "الکس کاریل" اپنی کتاب "الانسان ذلک المجہول" میں لکھتے ہیں کہ: جب انسان میں جذبات موجزن ہوتے ہیں تو ایک قسم کا مادہ خون کے ساتھ مل کر دماغ تک پہنچ کر اس کو مدہوش کر دیتا ہے، پھر انسان صحیح سوچ بچار پر قادر نہیں رہتا۔

اور جارج بالوشی "اپنی کتاب" الثورۃ الجنسیہ "میں لکھتے ہیں کہ ۱۹۶۲ء میں کینیڈی نے صاف صاف کہا کہ امریکہ کا مستقبل خطرے میں ہے۔ اس لیے کہ اس کے نوجوان بے راہ روی اور جنسی جذبات میں غرق ہیں۔ وہ ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے جو ان کے کاندھوں پر ڈالی گئی ہیں۔ اور ہر وہ سات جوان جو فوج میں بھرتی ہونے آتے ہیں ان میں سے چھ بھرتی کے قابل اس لیے نہیں ہوتے کہ وہ جنسی کھیلوں میں مست رہے ہیں۔ انہوں نے ان کی نفسیاتی و جسمانی صلاحیت کو ختم کر دیا ہے[1]۔

اس لیے اگر ہم یہ دیکھیں کہ اسلام نے دوسروں کی مشابہت سے روکا اور اندھی تقلید سے منع کیا ہے تو اس میں کچھ تعجب نہیں ہونا چاہیے۔

اس سلسلہ کی بعض اہم نصوص آپ کے سامنے پیش کی جاتی ہیں:

★ امام ترمذی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لیس منا من تشبہ بغیرنا، لا تشبہوا بالیہود ولا بالنصاریٰ».

وہ شخص ہم میں سے نہیں جس نے دوسروں کے ساتھ مشابہت اختیار کی، یہود اور نصاریٰ کے ساتھ مشابہت اختیار مت کرو۔

⁂ ⁂ ⁂

★ اور امام احمد و ابوداؤد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

«من تشبہ بقوم فھو منھم».

جو شخص کسی قوم سے مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہی میں شمار ہوگا۔

⁂ ⁂ ⁂

★ اور امام بخاری، ابوداؤد و ترمذی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسولِ

---

[1] ملاحظہ ہو ہماری کتاب "حتی یعلم الشباب" (ص ۱۴۷)۔

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

((لعن الله المخنثين من الرجال والمترجلات من النساء)) ۔

اللہ کی لعنت ہو ان مردوں پر جو عورتوں سے مشابہت اختیار کرتے ہیں اور ان عورتوں پر جو مردوں سے مشابہت اختیار کرتی ہیں۔

❋ ❋ ❋

★ اور امام بخاری ومسلم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((إن اليهود والنصارى لا يصبغون فخالفوهم)) ۔

اور یہود اور عیسائی (اپنی داڑھی کو) رنگتے نہیں ہیں (خضاب نہیں لگاتے) لہٰذا تم ان کی مخالفت کرو۔

★ اور امام ترمذی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((لا يكن أحدكم إمعةً يقول: أنا مع الناس إن أحسن الناس أحسنت وإن أساء وا أسأت، ولكن وطنوا أنفسكم إن أحسن الناس أن تحسنوا وإن أساء وا أن تحسنوا إساء تهم))۔

تم میں کوئی شخص ہر ایک کی رائے کی پیروی کرنے والا نہ بنے اور نہ یہ کہے کہ میں تو لوگوں کے ساتھ ہوں اگر لوگ اچھا کریں گے تو میں بھی اچھا کروں گا اور اگر لوگ برا کریں گے تو میں بھی برا کروں گا۔ بلکہ اپنے آپ کو قابو میں رکھو اگر لوگ اچھا سلوک کریں تو تم بھی اچھا سلوک کرو اور اگر لوگ برائی کریں تو تم ان کی برائی کا بدلہ اچھائی سے دو۔

❋ ❋ ❋

یہ احادیثِ نبویہ جن امور سے منع کر رہی ہیں وہ سب اس طرف رہنمائی کرتے ہیں کہ انسان اپنے کردار، اخلاق و عادات اور لباس میں ان امور کی وجہ سے جو ہم نے ابھی ابھی ذکر کیے دوسروں کی اندھی تقلید سے بچے۔

لیکن ایسی چیزوں میں تقلید واتباع کرنا جو امتِ اسلامیہ کے لیے علمی طور سے مفید ہوں، اور اس کو مادی وثقافتی لحاظ سے بلند کریں مثلاً علومِ طب وہندسہ وفزکس وغیرہ سے فائدہ اٹھانا اور ایٹم اور جدید جنگی وسائل کے اسرار وغیرہ معلوم کرنا تو یہ سب کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے، اس لیے کہ یہ امور اللہ تعالیٰ کے درجِ ذیل فرمانِ مبارک کے تحت داخل ہیں:

((وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ)) الانفال ۶۰

اور تیار کرو ان کی لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کر سکو قوت سے

اور اسی طرح درجِ ذیل حدیث کا مضمون بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے جسے ترمذی وعسکری نے روایت کیا ہے:

((الحكمة ضالة كل حكيم فإذا وجدها فهو أحق بها)) ۔

حکمت ودانائی کی بات حکیم کی گمشدہ چیز ہے وہ اسے جہاں بھی پائے وہی اس کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔

❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋

ہماری عورتوں میں اندھی تقلید کے خاص خاص مظاھر درج ذیل ہیں:

❁ بہت سی عورتوں کا ایسا لباس زیب تن کر کے نکلنا جو عریانی کی طرح ہو جس میں جسم کھلا ہوا ہو اور نمائش ہو رہی ہو، نبی برحق صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے کہ ایسی عورتیں نہ جنت میں داخل ہوں گی اور نہ اس کی خوشبو سونگھیں گی۔

امام مسلم اپنی کتاب "صحیح" میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((صنفان من أهل النار لم أرهما: قوم معهم سياط كأذناب البقر يضربون بها الناس، ونساء كاسيات عاريات مائلات مميلات[1] رؤوسهن كأسنمة البخت، لا يدخلن الجنة ولا يجدن ريحها، وإن ريحها ليوجد من مسيرة خمسمائة عام)).

دوزخ کی مستحق دو قسمیں ایسی ہیں جن کو میں نے نہیں دیکھا: ایک تو وہ قوم ہے جن کے پاس گائے کی دم کی طرح کے کوڑے ہوں گے جن سے وہ لوگوں کو ماریں گے، اور ایسی عورتیں جو لباس پہن کر بھی ننگی ہوں گی، مائل ہونے والی اور مائل کرنے والی ہوں گی، ان کے سر (کے جوڑے) ایسے ہوں گے جیسے بختی اونٹوں کے کوہان، یہ نہ جنت میں داخل ہوں گی اور نہ اس کی خوشبو پائیں گی، حالانکہ اس کی خوشبو پانچ سو سال کے فاصلہ سے بھی پائی جاتی ہے۔

❁ ❁ ❁

❁ موت وغیرہ مصیبت کے وقت سیاہ لباس کا عیسائیوں[2] کی مشابہت میں پہننا۔

❁ خوشیوں اور شادیوں کے موقعہ پر مغنیات کے گانوں کے سننے اور رقاصاؤں کا ناچ دیکھنے کے لیے جمع ہونا۔

❁ عام حالات اور غصے میں غیر اللہ کے نام کی قسم کھانا۔

❁ غیر محرموں مثلاً دیور، چچازاد بھائیوں وغیرہ کے سامنے بے پردہ کھلے سر جانا۔ ہمارے نوجوانوں میں اندھی تقلید کے مظاہر میں سے سب سے کھلا نمونہ ان کا ہیجڑا پن اور عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا اور ان کی حرکات سکنات کی نقل اتارنا ہے بلکہ ہمارے بعض نوجوان تو یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بال بڑھائے اور کانوں سے نیچے تک بھی رکھے ہیں تو پھر اہل علم ہپیوں کی شکل صورت وغیرہ پر کیوں اعتراض و نکیر کرتے ہیں؟

---

[1] مائلات: یعنی چال میں مٹک کر چلنے والیاں، اور ممیلات یعنی اپنی بے حیائی و ہیجان انگیزی سے مردوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے والیاں۔

[2] ہمارے یہاں کالا لباس شیعوں کا ماتمی لباس ہے۔

ہم اس قسم کے لوگوں سے یہ کہتے ہیں کہ :

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کے طویل رکھنے کی صورت میں یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ لوگوں کے سامنے ننگے سر نکلتے ہوں، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ عمامہ باندھ کر نکلتے تھے جو تاجِ نبوت اور اسلام کا شعار ہے، اللہ رحم کرے اس شاعر پر جس نے درج ذیل شعر کہا ہے :

وجمعت حولك يا رسول صحابة | بعمائم أزهى من التيجان

اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے اپنے اردگرد ان صحابہ کو جمع کرلیا | جو ایسے عمامہ باندھے ہوئے ہوتے تھے جو تاجوں سے زیادہ شاندار ہیں

۲۔ ہیپی ازم آج بے راہ روی کا شعار اور آزادی و بے لگامی کا نشان بن گیا ہے، تو پھر بھلا کیا کوئی بھی عقل مند یہ کہہ سکتا ہے کہ اسلام اپنے نوجوانوں کے لیے یہ پسند کرے گا کہ وہ بے راہ روی اور آزادی پسندوں کی جماعت میں اضافہ کریں اور ان کی جماعت بڑھائیں ؟ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

((من كثر سواد قوم فهو منهم)). جو شخص کسی قوم کی جماعت کی تکثیر کرتا ہے وہ اس میں شمار ہوتا ہے۔

ابو یعلی

۳۔ کیا ہیپی پن اور کاندھوں تک بال بڑھانے میں عورتوں کے ساتھ رسواکن مشابہت نہیں ہوتی ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ تو ایسے مردوں پر لعنت بھیجتے ہیں جو عورتوں سے مشابہت اختیار کریں جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہے جو اس سے قبل گزر چکی ہے۔

۴۔ ہیپی پن اختیار کرنے والا مسلمان اپنے لیے یہ کس طرح پسند کرتا ہے کہ وہ اس ہیپی پن میں اس گندے کیڑے کے مشابہ ہو جائے ــ جسے خنفساء[1] کہا جاتا ہے اور شکل وصورت میں اس جیسا بن جائے حالانکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ تو یہ فرماتے ہیں کہ :

((وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ آدَمَ)). اور ہم نے اولاد آدم کو مکرم بنایا ہے۔

اس لیے اے مربی محترم آپ یہ پوری کوشش کریں کہ آپ اپنے بچوں کے سامنے ان تمام گندے مناظر اور بے حیا شکل وصورتوں اور چھچھوری عادتوں کی برائیوں کو کھول کر رکھ دیں، اس لیے کہ ان کا ذات کے ختم کرنے اور شخصیت کے بگاڑنے، اور عزت وشرافت ووقار کے ختم کرنے میں بہت بڑا ہاتھ اور اثر ہے، اور ساتھ ہی آپ پر یہ بھی لازم ہے کہ جن کی تربیت آپ کے ذمے ہے آپ ان کو یہ باور کرادیں کہ لوگوں میں اندھی تقلید کا مرض ان خطرناک امراض میں سے ہے جو عزت و

---

[1] قاموس میں لکھا ہے کہ خنفس اور خنفساء ایک سیاہ رنگ کا جانور ہے جو چیچڑی سے چھوٹا اور بدبودار ہوتا ہے اور اس کی جمع خنفساء ہے۔

[2] یہ حصہ کتاب "حتی یعلم الشباب" (ص۔ ۱۲۵) سے ماخوذ ہے۔

شرافت کو برباد کرنے اور اخلاق کے بگاڑنے اور فضائل کے نیست و نابود کرنے کے سب سے بڑے اسباب ہیں ممکن ہے آپ کی اس محنت سے آپ کے جگر گوشے صحیح راستے پر چلیں، اور سوچ سمجھ اور عقل و شعور سے کام لیں، اور کسی قسم کی فتنہ انگیزی و حشر سامانی ان کو نہ راستے سے ہٹا سکے اور نہ ان پر اپنا داؤ چلا سکے۔

۵۔ برے ساتھیوں سے بچانا

وہ امور جن میں کوئی بھی دو شخصوں کا اختلاف نہ ہوگا اور دو آدمیوں کی رائے مختلف نہ ہوگی یہ بھی ہے کہ بری صحبت بچے کے نفسیاتی و اخلاقی انحراف و بگاڑ کے بڑے اسباب میں سے ہے، اور خصوصاً اگر بچہ کم سمجھ، بلید ضعیف العقیدہ اور اخلاقی لحاظ سے پست ہو تو بروں کی صحبت اور بدکرداروں کے ساتھ رہنے سے بہت جلدی متاثر ہو جاتا ہے اور بہت تھوڑے سے وقت میں ان کی خسیس عادات اور بری صفات میں رنگ جاتا ہے، بلکہ ان کے ساتھ نہایت تیزی اور مضبوطی سے بدبختی کے راستے چل پڑتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جرم اس کی طبیعت اور انحراف اس کی پختہ عادت بن جاتا ہے اور پھر مربی کے لیے یہ بہت مشکل ہوتا ہے کہ اس کو راہِ راست پر لائے اور گمراہی کے گڑھے اور بدبختی کے جال سے اسے بچائے۔

اس کتاب (تربیۃ الاولاد فی الاسلام) اسلام اور تربیتِ اولاد کی قسمِ اول کی "بچوں میں انحراف کے اسباب" نامی فصل کے ذیل میں ہم یہ بتلا چکے ہیں کہ اسلام نے اپنی تربیتی تعلیمات کے ذریعہ والدین اور مربیوں کی اس جانب توجہ مبذول کرائی ہے کہ وہ اپنے بچوں کی کڑی نگرانی کریں اور خصوصاً جب وہ بالغ ہونے کے قریب کی عمر اور ہوش و سمجھ کی عمر کو پہنچنے والے ہوں، تاکہ انہیں یہ علم رہے کہ ان کے بچے کن کن لوگوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے اور کس قسم کے لوگوں سے میل جول رکھتے ہیں، اسی طرح اسلام نے ان کی اس جانب بھی رہنمائی کی ہے کہ وہ اپنے بچوں کے لیے نیک صالح ساتھیوں کا انتخاب کریں، تاکہ وہ ان سے اچھے اخلاق اور شاندار آداب اور عمدہ عادات سیکھیں۔

اسی طرح اسلام نے ان کو اس جانب بھی متوجہ کیا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو برے ساتھیوں، گندے و بداخلاق رفقاء سے دور رکھیں تاکہ وہ گمراہی کے جال اور انحراف و بے راہ روی کے پھندے میں نہ پھنسیں، ہم نے بہت سی آیاتِ مبارکہ اور احادیثِ نبویہ سے یہ ثابت کیا تھا کہ اچھے رفقاء کا انتخاب کرنا چاہیے اور برے دوستوں سے بچانا چاہیے۔

لہٰذا آپ اس مذکورہ بالا فصل کا مطالعہ کر لیجیے وہاں آپ کو مفصل بحث اور تشفی کا پورا سامان مل جائے گا، اسی طرح اس کتاب کی "دیکھ بھال کے ذریعے تربیت" نامی بحث بھی پڑھ لیجیے جس میں آپ کو بچے کی اخلاقی تربیت اور نفسیاتی شخصیت سازی اور برے ساتھیوں اور گندی صحبت سے بچانے کے سلسلہ میں رہنما اصول ملیں گے، جو والدین و مربیوں کے لیے اس تربیتی ذمہ داری پورا کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوں گے۔

۶۔ برے اخلاق سے بچانا

اس سے قبل اس کتاب "تربیۃ الاولاد فی الاسلام" کی "اخلاقی تربیت کی ذمہ داری" اور "جسمانی تربیت کی ذمہ داری" نامی دونوں فصلوں میں ہم یہ بتلا چکے ہیں کہ بچوں میں کچھ ایسی عام بیماریاں پائی جاتی ہیں جن کا مربیوں کو بہت خیال رکھنا چاہیے، اور بچوں کو ان سے بچانا چاہیے۔ اور اب اے مربی محترم ہم آپ کو وہ یاد دلائے دیتے اور ان کی طرف توجہ مبذول کرائے دیتے ہیں تاکہ آپ تربیت، رہنمائی اور ان کی اصلاح کے سلسلہ میں اپنی وہ ذمہ داری پوری کر سکیں جو ان کو متنبہ کرنے اور دیکھ بھال کے سلسلہ میں آپ پر عائد ہوتی ہے۔

اخلاقی تربیت کی ذمہ داری کے سلسلہ میں ہم درجِ ذیل امراض کا علاج بیان کر چکے ہیں:

الف۔ جھوٹ بولنے کی عادت۔

ب۔ چوری کی عادت۔

ج۔ گالم گلوچ کی عادت۔

د۔ آزادی و بے راہ روی کی عادت۔

جسمانی تربیت کے سلسلہ میں ہم مندرجہ ذیل چیزوں کا علاج بیان کر چکے ہیں:

الف۔ تمباکو نوشی کی عادت۔

ب۔ مشت زنی (جلق) کی عادت۔

ج۔ منشیات و مسکرات کی عادت۔

د۔ زنا و اغلام بازی کی عادت۔

علماءِ تربیت و اخلاق کے یہاں یہ بات طے شدہ ہے کہ مندرجہ بالا عادات بچے کے اخلاقی بگاڑ اور اس کے کردار کے خراب کرنے میں خطرناک کردار ادا کرتی ہیں۔

اس لیے اگر مربی حضرات بچوں کی دیکھ بھال نگرانی اور خیر خواہی میں اپنا کردار ادا نہیں کریں گے تو بچے لامحالہ اسفلِ سافلین میں گر جائیں گے اور تاریک وادیوں میں الٹے سیدھے ہاتھ پاؤں مارتے رہیں گے۔ اور پھر ایسی صورت میں مصلح و مربی کے لیے یہ مشکل ہوگا کہ ان کو راہِ راست پر لا سکے، اور حق و اہلِ حق سے ان کا رابطہ پیدا کر سکے، اور انہیں ہدایت و نور کا راستہ دکھا سکے، بلکہ وہ امن و سکون کے لیے خطرناک ثابت ہوں گے۔ اور معاشرے کی بیخ کنی کے لیے ایسا تباہ کن ذریعہ بن جائیں گے جس کے شر سے لوگ پناہ مانگیں گے۔ اور ان کے جرم اور بدکرداریوں سے تنگ دل ہو جائیں گے۔

اس لیے اے مربی محترم! آپ کو چاہیے کہ آپ اپنی ذمہ داریوں سے متعلق ان ابحاث کو دوبارہ پڑھ لیں، تاکہ آپ ان ذمہ داریوں کو خوب اچھی طرح سے ذہن نشین کرلیں جو مربیوں پر اخلاقی و جسمانی تربیت کے سلسلہ میں عائد

ہوتی ہیں، تاکہ جب آپ اپنے ذہن میں ان نقصانات وآفات کو محفوظ کرلیں گے جو جھوٹ، چوری، گالم گلوچ، آزادی، بے راہ روی سگریٹ نوشی، مشت زنی، منشیات، مخدرات اور زنا ولواطت کی وجہ سے رونما ہوتی ہیں تو پھر آپ اپنے بچوں کو نفسیاتی واخلاقی اور جسمانی بیماریوں سے بچانے کے سلسلہ میں اپنے فریضہ کو پورا کرسکیں گے۔

آپ کو چاہیے کہ اطباء اور اس فن کے ماہرین نے ان مفاسد وخرابیوں کے جو نقصانات بیان کیے ہیں، اور ان کی خطرناکی وآفات بتلائی ہیں اس سلسلہ میں کبھی ان کے اقوال سے استشہاد پیش کریں، اور کبھی علمی مجلات ورسائل سے، اور کبھی اس موضوع سے متعلق کتابوں سے اور کبھی اس سلسلہ میں خبردار کرنے والی نشریات وکتابچوں سے۔

لہٰذا اگر آپ نے وقتاً فوقتاً مستقل طور سے اس طریقے کو اپنا لیا تو اس میں کوئی شک نہیں کہ بچہ تمام ان چیزوں سے بچے گا جو اخلاق کو بگاڑنے والی اور صحت کے لیے نقصان دہ ہوں گی، بلکہ وہ اتنا باشعور وسمجھدار بن جائے گا کہ وہ خود بچنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی اس سے بچائے گا۔

اس لیے اے مربی محترم آپ یہ پوری کوشش کیجیے کہ آپ بچے کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داری مکمل طور سے ادا کریں، تاکہ وہ ہمیشہ نیک صالح اور پارسا ومتقی لوگوں میں شامل رہے، اور ان مؤمن وصالح نمونوں میں سے بن جائے جن کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جاتا ہے۔

۷۔ حرام سے بچانا[1]

متنبہ کرنے اور ہوشیار کرنے کے سلسلہ میں جن اہم امور کا مربیوں کو بہت اہتمام کرنا اور خیال رکھنا چاہیے اور ان پر نظر رکھنی چاہیے یہ بھی ہے کہ حرام سے بچایا جائے، اور اس سلسلہ میں متنبہ کیا جائے، علماء اصول نے حرام کی تعریف یہ کی ہے کہ حرام وہ ہے جس کے ترک کرنے کا شریعت نے سختی سے حکم دیا ہو۔ اور جو اس کو نہ چھوڑے اور اس کا ارتکاب کرے اس کو آخرت کی سزا یا دنیا کی کسی سزا کا مستحق قرار دیا ہو جیسے کسی کو قتل کرنا، زنا کرنا، شراب پینا، جوا کھیلنا، یتیم کے مال کا کھانا اور کم ناپنا تولنا۔

اس لیے جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مربیوں کو یہ حکم دیتے ہوئے دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے بچوں کو شروع ہی سے فرائض کی بجاآوری اور ممنوع چیزوں سے بچنے کا عادی بنائیں اور انہیں حلال وحرام کے احکامات سمجھائیں تاکہ یہ ان کی طبیعت اور مزاج بن جائے تو ہمیں کسی قسم کا کوئی تعجب نہیں ہوتا، ابن جریر وابن المنذر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

«اعملوا بطاعة الله، واتقوا معاصي الله» — اللہ کی طاعت ونیکی پر عمل کرو اور گناہوں واللہ کی نافرمانی

---

[1] اس بحث میں جن بنیادی مراجع پر ہم نے اعتماد کیا ہے ان میں استاذ یوسف قرضاوی حفظہ اللہ کی کتاب "الحلال والحرام" ہے۔

ومروا أولادكم بامتثال الأوامر واجتناب النواهي. فذلك وقاية لهم من النار))۔

سے بچو، اور اپنے بچوں کو احکامات کی بجاآوری اور ممنوع چیزوں سے رکنے کا حکم دو، یہ ان کے لیے آگ سے بچانے کا ذریعہ ہے۔

مربی محترم! آپ کو یہ بھی جان لینا چاہیے کہ حلال وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہو اور حرام وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہو۔ لہٰذا کوئی بھی انسان کسی ایسی چیز کو حرام نہیں کر سکتا جو اللہ نے حلال کی ہو، اور نہ کسی ایسی چیز کو حلال کر سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہو۔ اور جو شخص ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب کرے گا تو وہ حد سے تجاوز اور تشریع کے ربانی حق پر زیادتی کرنے والا شمار ہوگا، اور انسانوں میں سے جو شخص ان کے اس عمل پر راضی ہوگا وہ ان کو اللہ کا شریک گرداننے والوں میں شمار ہوگا، اور دین میں الحاد پھیلانے والا اور اس قرآن کریم کا منکر شمار ہوگا جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے ارشادِ ربانی ہے:

((اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ))۔ الشوریٰ - ۲۱

تو کیا ان کے (تجویز کیے ہوئے) کچھ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے ایسا دین مقرر کر دیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی ہے۔

اور قرآن کریم نے ان اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی مذمت کی ہے جنہوں نے حلال و حرام کرنے کا اختیار اپنے پوپ اور راہبوں کے ہاتھ میں دے دیا تھا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ))۔ التوبہ - ۳۱

ٹھہرا لیا اپنے عالموں اور درویشوں کو خدا اللہ کو چھوڑ کر اور مسیح مریم کے بیٹے کو بھی، اور ان کو حکم یہی ہوا تھا کہ بندگی کریں ایک معبود کی کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا وہ پاک ہے ان کے شریک بتلانے سے۔

اور اس سے قبل ہم امام ترمذی سے یہ روایت نقل کر چکے ہیں کہ حضرت عدی بن حاتم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے (اور وہ عیسائی تھے) اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ آیت سنی تو انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول انہوں نے ان کی عبادت تو نہیں کی تھی؟! آپ نے ارشاد فرمایا: کیوں نہیں! انہوں نے حلال چیزوں کو ان پر حرام کیا اور ان کے لیے حرام چیزوں کو حلال کیا، اور ان لوگوں نے ان کی پیروی کی یہی ان کی عبادت کہلاتا ہے۔

اسی طرح ان مشرکین کی بھی مذمت کی ہے جنہوں نے اللہ کے حکم کے بغیر بعض چیزوں کو حلال گردانا اور بعض کو حرام قرار دیا، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

((قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ)) ۔ یونس - ۵۹

آپ کہہ دیجیے بھلا دیکھو تو اللہ نے جو اتاری تمہارے واسطے روزی پھر تم نے ٹھہرائی اس میں سے کوئی حرام اور کوئی حلال، آپ کہہ دیجیے کیا اللہ نے تم کو حکم دیا یا اللہ پر افتراء کرتے ہو۔

ان تمام تصریحات سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو اس بات کا حق ہے کہ وہ حلال یا حرام کرے اور اس ذات نے اپنی نازل کردہ کتاب میں ہمارے لیے سب کچھ کھول کر بیان کر دیا ہے :

((وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ)) ۔ الانعام - ۱۱۹

اور وہ واضح کر چکا ہے جو کچھ اس نے تم پر حرام کیا ہے مگر جبکہ مجبور ہو جاؤ اس کے کھانے پر۔

اس لیے اے مربی محترم ! اس تفصیل کے بعد جو ہم ذکر کر چکے ہیں آپ کو چاہیے کہ آپ حرام چیزوں کی ان اقسام کو تلاش کریں جن کی حرمت کا حکم اللہ تعالیٰ کی کتاب یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں آچکا ہے، تاکہ آپ ان لوگوں کو متنبہ و خبردار کرنے کا اپنا فریضہ ادا کر سکیں جن کی تربیت و اصلاح اور رہنمائی کی ذمہ داری آپ پر عائد ہوتی ہے، اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ ہمیشہ نصیحت کرتے رہنے کا فائدہ و اثر ہوتا ہے۔ اور ایک ایک قطرہ بھی پتھر میں گڑھا ڈال دیتا ہے اور مستقل خبردار کرنے اور سمجھاتے بجھاتے رہنا بچے کو ایسا انسان بنا دے گا جو اللہ کی حدود کو لازم پکڑے گا۔ اور اس کے احکامات بجالائے گا۔ اور منہیات سے باز رہے گا۔ اور حلال و حرام کے سلسلہ میں نازل شدہ احکامات کی پیروی کرے گا۔ نہ ادھر اُدھر بھٹکے گا نہ گمراہ ہوگا، نہ بدبخت و نامراد۔

مربی محترم ! لیجیے اب میں آپ کے سامنے اہم محرمات (حرام چیزیں) ذکر کیے دیتا ہوں، تاکہ آپ کے لیے نمونہ دیاد دہانی کا ذریعہ بن جائیں۔ اور آپ خبردار کرنے اور رہنمائی کے فریضہ کو حسن و خوبی کامل طور سے ادا کر سکیں :

الف ۔ کھانے پینے کی چیزوں میں حرام اشیاء

۱ ۔ مردار جانور، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جس کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، اور وہ جس کا گلا دبایا گیا ہو، اور وہ جو جھٹکے سے مارا گیا ہو، اور وہ جسے بلندی سے گرا کر مارا گیا ہو، اور وہ جسے سینگ مار کر مارا گیا ہو، اور وہ جسے درندے نے کھایا ہو، اور وہ جو بتوں کے لیے ذبح کیا گیا ہو، یہ سب حرام ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

((حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ

حرام ہوا تم پر مردہ جانور اور خون اور سور کا گوشت اور

الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَ الْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَ الْمُتَرَدِّيَةُ وَ النَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ))۔	جس جانور پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا، اور جو مر گیا ہو گلا گھونٹنے سے، یا چوٹ سے، یا اونچے سے گر کر یا سینگ مارنے سے، اور جس کو کھایا ہو درندے نے مگر جس کو تم نے ذبح کر لیا۔ اور حرام ہے جو ذبح ہوا کسی
المائدہ ۔ ۳	تھان (بت) کے نام پر۔

❁ مردار سے مراد ہر وہ جانور ہے جو اپنی طبعی موت مرا ہو خواہ چرند ہو یا پرند۔

اور اس کے حرام کرنے میں حکمت یہ ہے کہ جو جانور اپنی طبعی موت مرے گا وہ عام طور سے کسی مزمن و پرانے مرض و بیماری یا کسی عارضی بیماری یا کسی زہریلی چیز کے کھانے سے مرا ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ ایسے جانور کا کھانا جسم کو نقصان پہنچائے گا اور صحت کے لیے ضرر رساں ہوگا۔

❁ دم مسفوح (بہتا ہوا خون) جو حیوان سے نکلے خواہ وہ ذبح کرنے کی وجہ سے نکلے یا کسی اور وجہ سے۔

اس کے حرام کرنے کی حکمت یہ ہے کہ خون طبعاً ناپسندیدہ چیز ہے۔ اور اس میں جراثیم جمع ہوتے ہیں، اور نقصان وضرر پہنچانے میں یہ بھی مردار ہی کی طرح ہے۔

❁ خنزیر کا گوشت، اور یہ اسلام کے نقطۂ نظر سے حرمت کے لحاظ سے سب سے بڑھا ہوا ہے اس لیے کہ نجس العین ہے۔ اور منظر کے اعتبار سے بہت مکروہ وناپسندیدہ ہے۔

اس کے حرام کرنے میں حکمت یہ ہے کہ یہ صحت کے لیے نقصان دہ ہے اور عزت وآبرو پر غیرت کو کم کر دیتا ہے۔

اس کا مضر صحت ہونا تو اس طرح ہے کہ جدید علمِ طب نے بھی یہ ثابت کیا ہے کہ اس کا گوشت کھانا ایک منفرد قسم کا مہلک کیڑا پیدا کرتا ہے، اور معدہ و ہضم کے آلات میں اضطراب پیدا کرتا ہے، اس لیے کہ اس کا گوشت بہت مشکل سے ہضم ہوتا ہے، اور کون جانتا ہے کہ آج جو اس کے نقصانات ہم جانتے ہیں کل کی تحقیقاتِ علمیہ اس کے اور کون کون سے مزید نقصانات کی نشاندہی کریں گی۔

رہا اس کا عزت وآبرو پر غیرت کو کم کر دینا تو وہ اس لیے کہ علمِ طب کے ماہرین کا کہنا ہے کہ حیوانات کے گوشت میں ایسے مواد و اجزاء ہوتے ہیں جو کھانے والے میں حیوانی اثرات پیدا کر دیتے ہیں، جیسے ڈاکٹر صبری القبانی "طبیبک" نامی رسالہ کے شمارہ نمبر تیئیس کے صفحہ ۱۸۹ پر لکھتے ہیں کہ:

یہ بات ثابت شدہ ہے کہ حیوانات کے گوشت میں ایسے مواد پائے جاتے ہیں جن کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے کھانے والے میں بھی حیوانی صفات پیدا کر دیتے ہیں، چنانچہ انگریز ٹھنڈی مچھلیاں کھانے کے شوقین ہیں، اسی لیے وہ ٹھنڈے مزاج کے مالک ہیں، اور فرانسیسی سور کا گوشت کھانے کے شوقین ہیں اسی لیے ان کے اخلاق اس حیوان سے

ملتے جلتے ہیں (مراد یہ ہے کہ ان میں بھی غیرت نہیں پائی جاتی) اور دیہات کے رہنے والے عرب اونٹوں کا گوشت کھانے کے عادی ہیں۔ اس لیے ان میں صبر اور کینہ پایا جاتا ہے اور جو شہری بکرے و دنبے کا گوشت کھانے کے عادی ہیں ان کی قیادت و رہنمائی آسان ہوتی ہے۔

اسی طرح کی گفتگو کیلفورنیا یونیورسٹی کے علوم طبیہ کے سربراہ نے کی ہے جسے مجلہ "الہلال" والوں نے نقل کیا ہے۔

- غیر اللہ کے نام پر مذبوحہ جانور یعنی وہ جانور جو اللہ کا نام لے کر ذبح کرنے کے بجائے لات و عزیٰ وغیرہ کسی بت کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔

اس کے حرام کرنے کی علت یہ ہے کہ توحید ربانی کی حفاظت و حمایت ہو، اور شرک و بت پرستی کے تمام آثار کی مخالفت و بیخ کنی ہو جائے۔ اس لیے کہ بقول استاذ قرضاوی جانور کو ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینے کا مطلب گویا یہ ہے کہ اس جانور کا ذبح کرنے والا یہ اعلان کر رہا ہے کہ وہ اس زندہ جانور کے ساتھ جو یہ کام کر رہا ہے اور اس کو ذبح کرنے کے لیے لٹا رہا ہے یہ اللہ کے حکم اور رضامندی سے ہے۔ لہٰذا اگر وہ ذبح کرتے وقت اللہ کے بجائے کسی اور کا نام لے گا تو گویا اس نے اس اجازت کو ختم کر دیا اور وہ اس بات کا مستحق ہو گیا کہ ذبح کیے ہوئے جانور کو اس پر حرام کر دیا جائے۔

مردار کی اقسام وانواع یہ ہیں :

- گلا گھونٹا ہوا جانور یعنی ہر وہ جانور جو کسی بھی طریقے سے گلا گھٹنے کی وجہ سے مرا ہو۔
- جھٹکے سے مارا گیا جانور، اور اس سے وہ جانور مراد ہے کہ جسے جھٹکے یا کسی لکڑی وغیرہ سے مار مار کر ختم کر دیا جائے۔
- اوپر سے گر کر مرنے والا جانور یعنی ہر وہ جانور جو اونچی جگہ سے گر کر مرا ہو۔
- سینگ مارنے کی وجہ سے مرا ہوا جانور یعنی وہ جانور جس کو کسی اور جانور نے سینگ مار مار کر مار ڈالا ہو۔
- درندے کا کھایا ہوا یعنی ہر وہ جانور جس کا کوئی حصہ کسی پھاڑ کھانے والے جانور نے کھایا ہو جس کی وجہ سے یہ مر گیا ہو۔

ان پانچ اقسام کے ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا سوائے اس کے جو تم نے ذبح کیا ہو یعنی ان جانوروں میں سے اگر کوئی جانور ایسی حالت میں مل جائے کہ اس میں زندگی کی رمق باقی ہو اور تم اس کو ذبح کر لو تو تمہارے ذبح کرنے کی وجہ سے حلال ہو جائے گا، بشرطیکہ جس جانور کو ذبح کیا جا رہا ہے اس میں زندگی ہو جس کی علامت یہ ہے کہ خون پھوٹ پڑے اور اس میں حرکت و مدافعت ہو۔

ان اقسام کے جانوروں کے حرام کرنے کی حکمت یہ ہے کہ ان کے کھانے میں انہی اقسام کے نقصانات وضرر کا اندیشہ

ہوتا ہے جن کا تذکرہ مردار جانور کے بارے میں ہو چکا ہے، اور ساتھ ہی ساتھ اس سے اس جانور والے کو بھی اس بات پر سرزنش و سزا دینا مقصود ہے کہ اس نے اس جانور کو یوں کیوں چھوڑ دیا اس لیے کہ اس کو چاہیے تھا کہ اس کی دیکھ بھال اور حفاظت کرتا، اور اسے دم گھٹنے گلا دبانے یا اونچی جگہ سے گر کر ہلاک ہونے یا کسی اور جانور کو اسے سینگ مار مار کر ہلاک کرنے سے بچانا چاہیے تھا، جانوروں کو آپس میں اس طرح لڑانا اور ایک دوسرے کے خلاف بھڑکانا جیسا کہ عام طور سے لوگ کیا کرتے ہیں اور بیلوں یا مینڈھوں وغیرہ کو لڑاتے اور ان کی سینگ بازی کراتے ہیں اور اس میں سے ایک کے ہلاک ہونے تک نوبت پہنچتی ہے ایسا کرنا قطعاً نامناسب و ناجائز ہے، باقی رہا وہ جانور جسے کسی درندے نے پھاڑ کھایا ہو تو اس کی حرمت انسان کی کرامت و اعزاز کے لیے ہے اور اس لیے بھی کہ اسے درندوں وغیرہ کے جھوٹے سے بچایا جائے اور اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ))۔ الاسراء - ۰۷ اور ہم نے عزت دی ہے آدم کی اولاد کو۔

بتوں وغیرہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور، اس زمانے میں لوگ بت یا پتھر کی کوئی مورتی بنا کر کعبہ کے ارد گرد لگا دیتے تھے جو ان کے مصنوعی دیوتا شمار ہوتے تھے، اور زمانۂ جاہلیت میں لوگ ان کے پاس جانوروں کی بھینٹ چڑھایا کرتے تھے، اور اپنے دیوتاؤں اور معبودوں کا قرب حاصل کرنے کے لیے جانور ذبح کرتے تھے، ایسے پتھروں کے لیے یا ایسے مقامات پر ذبح کرنا اس جانور کو حرام کر دیتا ہے، چاہے ذبح کرنے والا غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کرے یا کسی کا نام لیے بغیر ذبح کرے اس لیے کہ اس کا مقصد ہی بتوں کی تعظیم کرنا ہے۔

اس کے حرام قرار دینے میں بھی حکمت وہی ہے جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے جانور کے حرام کرنے میں ہے۔

مردار حرام جانوروں میں سے شریعتِ اسلامیہ نے مچھلی اور ٹڈی کو اور خون سے کلیجی اور تلی کو مستثنیٰ کیا ہے اس لیے کہ امام شافعی، احمد، ابنِ ماجہ، دارقطنی و حاکم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((أحلت لنا ميتتان: السمك والجراد، ودمان: الكبد والطحال))۔ ہمارے لیے دو مردار مچھلی و ٹڈی، اور دو خون کلیجی اور تلی حلال کر دیے گئے ہیں۔

مذکورہ بالا حرام چیزیں جن کا تذکرہ کیا جا چکا ہے وہ سب غیر مجبوری اور عام حالات کے لیے ہے، لیکن مجبوری کی حالت اس سے مختلف ہے ایسی صورت میں اس کا کھانا دو شرطوں سے جائز ہے:

۱۔ مزے لینے اور شکم پروری کے لیے نہ ہو۔

۲۔ ضرورت سے زیادہ نہ کھایا جائے۔ یہی اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس فرمان کا مطلب ہے:

((اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ اس نے تو تم پر یہی حرام کیا ہے مردہ جانور اور خون اور سور

الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ » . البقرہ ۱۷۳

کا گوشت اور جس جانور پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے، پھر جو کوئی بے اختیار ہو جائے، نہ تو نافرمانی کرے اور نہ زیادتی تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ بے شک اللہ ہی بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

اس کی حکمت یہ ہے کہ انسانی زندگی کو بچایا جائے، اور اسے ہلاکت کے منہ میں نہ جانے دیا، اور لوگوں کو مشقت و تنگی سے محفوظ رکھا جائے۔

۲۔ شہری گدھوں اور پھاڑ کھانے والے درندوں اور پنجوں سے پھاڑنے والے پرندوں کے گوشت کی حرمت :

اس لیے کہ امام بخاری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے جنگِ خیبر کے موقعہ پر شہری گدھوں کا گوشت کھانے سے منع کیا تھا۔

اور امام بخاری و مسلم روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر پھاڑ کھانے والے درندے اور پنجوں سے پکڑ کر کھانے والے پرندوں کے کھانے سے منع فرمایا۔

درندوں سے مراد وہ ہیں جو داڑھوں سے پھاڑ کھاتے ہیں جیسے شیر چیتا و بھیڑیا وغیرہ۔

اور ——— پھاڑ کھانے والے پرندوں سے مراد وہ پرندہ ہے جو زخمی کرنے والا ——— ہو جیسے کہ گدھ، باز شکرہ و چیل وغیرہ۔

ان کا حرام ہونا جمہور کا مذہب ہے، لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ یہ جائز لیکن مکروہ ہیں، اور ان حضرات نے ان سے روکنے والی احادیث کا یہ جواب دیا ہے کہ ان کی مراد یہ ہے کہ یہ مکروہ ہیں نہ کہ حرام۔

شریعتِ اسلامیہ میں یہ بات طے شدہ ہے کہ اگر ان جانوروں کو جن کا کھانا حرام ہے شرعی طریقہ سے حلال کر لیا جائے تو اس سے ان کی کھال پاک ہو جاتی ہے اور ذبح کرنے کے بعد دباغت دیے بغیر ہی ان سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔

۳- جو جانور غیر شرعی و غیر اسلامی طریقے سے ذبح کیا گیا ہو مثلاً بجلی کے جھٹکے کے ذریعہ ذبح کیا ہوا یا کسی ملحد یا مجوسی یا بت پرست کے ہاتھ سے ذبح کیے جانور کا حرام ہونا:

شرعی طریقے سے جانور کا ذبح ہونا چند شروط کے ساتھ مقید ہے:

الف۔ جانور کو لٹا کر ذبح کیا جائے یا کھڑے کھڑے اسے کسی ایسے تیز دھار والے آلے سے ذبح کیا جائے جو خون بہا ڈالے اور رگیں کاٹ دے۔

ب۔ ذبح حلق سے کیا جائے جس میں گلے اور کھانے پینے کے جانے والے راستے اور گردن کی دونوں جانب جو دو موٹی رگیں ہیں ان کا کاٹنا شامل ہے۔

لیکن گلا کاٹنے کی شرط اس وقت ختم ہو جاتی ہے جب اس مخصوص جگہ سے جانور کا ذبح کرنا مشکل ہو جائے مثلاً یہ کہ کوئی جانور کنویں میں گر جائے اور اس وجہ سے اس کا ذبح کرنا مشکل ہو جائے، یا اونٹ بدک جائے اور اس کا مالک اس کو پکڑنے پر قادر نہ ہو، یا کوئی حیوان کسی پر حملہ کر دے اور وہ اس سے بچنے کے لیے اسے تیر مار دے، تو ان حالات میں اس حیوان کے ساتھ شکار کا سا معاملہ کیا جائے گا، اور اس کے جسم کے جس حصے پر بھی کسی تیز دھار والے آلے سے زخم لگا سکے لگا دے یہی کافی ہو جائے گا اور اس کا کھانا حلال ہوگا، لیکن اگر یہ پتہ چل جائے کہ وہ جانور زخمی ہوئے بغیر مر گیا ہے تو اس کا کھانا اس جانور کی طرح ناجائز ہوگا جس جانور کو جھٹکے کے ذریعے مارا گیا ہو۔

ج۔ ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اس جانور کو ذبح کیا جائے، اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِن كُنتُم بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ﴾۔ الانعام - ۱۱۸	سو تم کھاؤ اس جانور میں سے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے اگر تم کو اس کے حکموں پر ایمان ہے۔

اور فرمایا:

﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ﴾۔ الانعام - ۱۲۱	اور اس میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اور یہ کھانا گناہ ہے۔

اور امام بخاری وغیرہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((ما أنهر الدم وذكر اسم الله عليه فكلوا))۔	جو چیز خون بہا دے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے تو اسے کھالو۔

اور اگر ذبح کرنے والا اللہ کا نام لینا بھول جائے تو ایسا جانور حلال ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کی بھول چوک خطا کو معاف کر دیا ہے۔

اللہ کا نام لینے میں حکمت یہ ہے کہ یہ واضح ہو جائے کہ ذبح کرنے والا اس جانور کو اس لیے ذبح نہیں کر رہا ہے کہ وہ ان مخلوقات پر تسلط رکھتا ہے بلکہ وہ یہ کام اللہ جل شانہ کی اجازت سے کر رہا ہے، اسی کا نام لے کر ذبح کر رہا ہے، اور اسی کا نام لے کر شکار کر رہا ہے، اور اسی کا نام لے کر کھا رہا ہے۔

د۔ ذبح کرنے والا مسلمان یا اہلِ کتاب (یہودی یا نصرانی) میں سے ہو۔

لیکن اگر ذبح کرنے والا ملحد و بد دین یا پارسی یا بت پرست ہے یا کسی باطنی عقیدے سے تعلق رکھتا ہے مثلاً وہ لوگ جو حضرت علی کو خدا مانتے ہیں، یا وہ لوگ جو فاطمی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں اور حاکم بامر اللہ الفاطمی کو خدا مانتے ہیں، یا وہ لوگ جو آغا خان کی خدائی کے قائل ہیں، ایسے لوگوں کا ذبح کیا ہوا جانور چاروں اماموں اور ان سب حضرات کے یہاں حرام ہے جن کی فقہ و مذاہب پر لوگ عمل پیرا ہیں۔

ذبح کرنے والے کا مسلمان ہونا اس لیے شرط ہے کہ مسلمان اس دینِ برحق کا پیروکار ہے جسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر تشریف لائے ہیں۔

باقی اہلِ کتاب کے ذبیحہ کے حلال ہونے کی وجہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ فرمانِ مبارک ہے:

«اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ» مائدہ۔ ۵	آج حلال ہوئیں تم پر سب ستھری چیزیں اور اہل کتاب کا کھانا تم پر حلال اور تمہارا کھانا ان کو حلال ہے۔

دینِ اسلام نے ملاحدہ و بت پرستوں و باطنی فرقوں کے ساتھ نہایت سخت برتاؤ اختیار کیا ہے اور اہلِ کتاب کے ساتھ نرم برتاؤ، اس لیے کہ اہل کتاب مومنوں اور مسلمانوں سے زیادہ قریب ہیں اس لیے کہ وہ وحی، نبوت اور فی الجملہ دین کے اصولوں کا اعتراف کرتے ہیں، اور اسلام نے ان سے نکاح کا تعلق قائم کرنے اور ان کے مذبوحہ جانور کو حلال قرار دیا ہے، اس لیے کہ اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اختیار کر لیں اور صحیح معنی میں اسلام کو پہچان لیں تو وہ یہ یقین کر لیں گے کہ دینِ حق اسلام ہی ہے اور پھر وہ بخوشی و رضامندی اسلام کو قبول کر لیں گے۔

لیکن اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اہلِ کتاب میں سے کسی نے ذبح کرتے وقت غیر اللہ حضرت عیسیٰ یا حضرت عزیر علیہما السلام کا نام لیا ہے تو پھر اس کا ذبح کیا ہوا جانور حرام ہو جائے گا اس لیے کہ وہ جانور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہے۔

مذبوحہ جانوروں کے سلسلہ میں جو شروط ذکر کی گئی ہیں ان سے یہ معلوم ہوا کہ:

وہ جانور حرام ہے جسے بجلی کے جھٹکے وغیرہ کے ذریعہ سے ذبح کیا گیا ہو اس لیے کہ ایسی صورت میں وہ جانور دم

گھٹ کر مرا ہے، اس کو کسی دھاردار آلے کے ذریعے سے گلا کاٹ کر ذبح نہیں کیا گیا ہے۔

❁ ملحد و بے دین اور پارسی و بت پرستوں اور باطنی فرقوں کا مذبوحہ جانور حرام ہے، اس لیے کہ انہیں غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہے۔

❁ ڈبوں میں پیک برآمد شدہ وہ گوشت حرام ہے جو ایسے ملحد ممالک سے درآمد کیا گیا ہو جو اللہ اور آسمانی مذاہب وادیان کے منکر ہیں۔

❁ اسی طرح ان ڈبوں کا گوشت کھانا بھی حرام ہے جن کے بارے میں یہ بات یقینی طور سے ثابت ہو جائے کہ اس میں جس جانور کا گوشت ہے اس کو غیر اسلامی طریقے سے ذبح کیا گیا ہے مثلاً یہ کہ اس کو گلا گھونٹ کر یا بجلی کے جھٹکے سے مارا گیا ہو۔

❁ اسی طرح ایسے بیرونی گھی بھی حرام ہیں جن کے بارے میں یہ یقین سے ثابت شدہ ہو کہ اس میں موجود گھی میں سور کی چربی یا دودھ شامل ہے۔

لیکن ڈبوں میں درآمد شدہ مچھلی کا کھانا سب کے نزدیک جائز ہے اس لیے کہ احادیث کی کتابوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا درج ذیل فرمان موجود ہے جو آپ نے اس وقت جاری فرمایا تھا جب آپ سے سمندر کے پانی کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

((هو الطهور ماؤه الحل ميتته)). — اس کا پانی پاک اور اس کا مرا ہو جانور حلال ہے۔

اور بخاری و مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کی ایک جماعت کو اللہ کے راستے میں جنگ کرنے کے لیے بھیجا، انہیں سمندر کے پاس ایک بڑی سی مچھلی ملی جو پانی سے باہر آنے کی وجہ سے مرگئی تھی، انہوں نے اس کا گوشت بیس سے زیادہ دن تک کھایا، پھر مدینہ منورہ آئے تو رسولِ اکرم علیہ الصلاۃ والسلام سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

((كلوا رزقاً أخرجه الله لكم، أطعمونا إن كان معكم)). — کھاؤ اللہ نے تمہارے لیے رزق مہیا کیا ہے اور اگر تمہارے پاس موجود ہو تو ہمیں بھی کھلا دو۔

چنانچہ بعض حضرات اس کا بچا ہوا کچھ گوشت لے آئے تو آپ نے اسے نوش فرمایا۔

۴۔ شراب اور دوسری منشیات و مخدرات کا استعمال:

شراب و منشیات کا استعمال متفقہ طور سے حرام ہے، اور ہم اس سے قبل اس کتاب "اسلام اور تربیت اولاد کی قسم ثانی کی "جسمانی تربیت کی ذمہ داری" کی فصل کے تحت تفصیل سے ان تمام نقصانات و مضرات کو ذکر کر چکے ہیں جو

شراب نوشی ومنشیات کے استعمال سے پیدا ہوتے ہیں، اور اسی طرح ہم ان کے استعمال کے بارے میں اسلام کا فیصلہ بھی مفصل ذکر کر چکے ہیں، اور ساتھ میں وہ کامیاب ومفید علاج بھی ذکر کر چکے ہیں جو اسلام نے ان کی بیخ کنی اور خاتمے کے لیے مقرر کیا ہے، اس لیے اے مربی محترم آپ اس فصل کو ملاحظہ فرما لیجیے تاکہ آپ کے ذہن میں ان دو مہلک حرام چیزوں کے نقصانات اور ان کے بارے میں دینِ اسلام کا فیصلہ اور مسلم معاشرے اور آزاد و بے لگام فاسد معاشرے سے ان کی بیخ کنی کا طریقہ بھی آپ کے سامنے آجائے۔

لیکن وہ شراب جو انگور اور کھجور کے علاوہ اور دوسری چیزوں سے بنائی جاتی ہے کیا اس کا پینا درست ہے اس پر کلام کرنا باقی ہے؟

امام مسلم رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شراب کے بارے میں پوچھا گیا جو شہد اور مکئی یا جَو سے بنائی جاتی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم (جن کو جامع کلمات عطا کیے گئے تھے) نے ارشاد فرمایا:

«کل مسکر خمر، وکل خمر حرام». — ہر نشہ آور چیز شراب (کے حکم میں) ہے۔ اور ہر شراب حرام ہے۔

لہٰذا اس حدیث کے اعتبار سے:

ہر وہ مشروب جو پھلوں یا جو یا کسی بھی اور چیز سے بنایا جائے اور وہ نشہ آور ہو اور عقل کو مدہوش کر دے تو وہ شراب کے حکم میں داخل ہوگا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر حضرت عمر نے یہ اعلان فرمایا تھا کہ شراب وہ ہے جو عقل پر پردہ ڈال دے (ملاحظہ ہو بخاری ومسلم)۔

اور جو چیز نشہ آور ہے تو وہ خواہ تھوڑی ہو یا زیادہ سب کی سب حرام ہے اس لیے کہ امام احمد، ابوداؤد اور ترمذی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

«ما أسکر کثیره فقلیله حرام». — جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ پیدا کرے تو اس کی کم مقدار بھی حرام ہے۔

اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے شراب کی تھوڑی یا زیادہ مقدار کے حرام کرنے پر ہی اکتفا نہیں فرمایا بلکہ آپ نے اس کے بیچنے خریدنے اور اس کی تجارت کرنے سے بھی منع فرما دیا خواہ وہ غیر مسلموں کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو، لہٰذا کسی مسلمان کے لیے یہ قطعاً جائز نہیں ہے کہ وہ شراب امپورٹ یا ایکسپورٹ کرے، یا بنائے یا ادھر سے اُدھر منتقل کرے اور لائے لیجائے، اسی لیے حدیث میں آتا ہے:

«لعن الله الخمر وشاربها وساقیها وبائعها ومبتاعها ومعتصرها وحاملها — اللہ کی لعنت ہو شراب پر اور اس کے پینے والے اور پلانے والے اور بیچنے والے اور خریدنے والے اور نچوڑنے

والمحمول إليـه وآكل ثمنها))۔ — والے اور اٹھا کر لے جانے والے اور جس کے پاس اٹھا کر

ابوداؤد وترمذی — لے جائی جائے اور اس کے پیسے وقیمت کے کھانے والے پر۔

اور اسلام نے سدِباب کا جو طریقہ اختیار کیا ہے اس کے تحت مسلمان کے لیے یہ بھی حرام ہے کہ وہ شراب بنانے والے کے ہاتھ انگور فروخت کرے چنانچہ طبرانی اپنی کتاب "معجم اوسط" میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((من حبس العنب أيام القطاف حتى — جس شخص نے انگور توڑنے کے دنوں میں انگور اس لیے

يبيعه من يهودي أو نصراني أو ممن — روک کر رکھے تاکہ کسی یہودی یا عیسائی یا ایسے شخص کے ہاتھ

يتخذه خمرا فقد تقحم النار على بصيرة))۔ — بیچے جو اس سے شراب بنائے تو وہ علی بصیرۃ آگ میں داخل ہوگیا۔

اسی طرح سے اسلام نے مسلمان کو شراب کی محفلوں کے بائیکاٹ اور شراب نوشوں کی صحبت سے بچنے کا حکم دیا ہے چنانچہ امام احمد وترمذی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے جہاں شراب کا دور چل رہا ہو۔

اور خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ وہ شراب نوشوں کو کوڑے مارا کرتے تھے اور ان لوگوں کو بھی جو ان کی شراب نوشی کی مجلس میں حاضر ہوں خواہ انہوں نے ان کے ساتھ شراب نوشی نہ بھی کی ہو، لکھا ہے کہ ان کے سامنے ایسے لوگوں کو پکڑ کر لایا گیا جنہوں نے شراب پی تھی، تو انہوں نے ان کے کوڑے لگانے کا حکم دیا، ان سے کہا گیا کہ ان میں ایک صاحب ایسے بھی ہیں جو روزے دار ہیں، تو انہوں نے فرمایا: اسی سے کوڑے لگانے کی ابتداء کرو، کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا درج ذیل فرمانِ مبارک نہیں سنا ہے:

((وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ — اور تم پر قرآن میں حکم اتار چکا کہ جب سنو اللہ کی آیتوں پر

اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ يُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا — انکار ہوتے اور ہنسی ہوتے تو ان کے ساتھ نہ بیٹھو یہاں

تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ — تک کہ مشغول ہوں کسی دوسری بات میں نہیں تو تم بھی انہی

غَيْرِهٖٓ ۖ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ ۝)). النساء - ۱۴۰ — جیسے ہوگئے۔

اور اس سے قبل اس کتاب "اسلام اور تربیتِ اولاد" کی قسم ثانی کی منشیات ومخدرات کی بحث کے سلسلہ میں ہم یہ ذکر کر چکے ہیں کہ شراب کا دواء کے طور پہ استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہے، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صاحب کو یہی جواب دیا تھا جنہوں نے آپ سے شراب کے بارے میں دریافت کیا تھا تو آپ نے انہیں اس سے منع فرمادیا، ان صاحب نے عرض کیا کہ میں تو اسے دواء استعمال کرتا ہوں، آپ نے ارشاد فرمایا: یہ دواء نہیں ہے بلکہ یہ تو بیماری ہے (ملاحظہ ہو صحیح

مسلم ومسند احمد)۔

مندرجہ بالا حدیث اور اس جیسی دیگر نصوص سے ہم پہلے اس بات پر استدلال کر چکے ہیں کہ صرف شراب کا دوا کے طور پر استعمال کرنا بھی گناہ و ناجائز ہے، جو اسے استعمال کرے گا وہ بھی گناہگار ہوگا اور جو اسے استعمال کرائے گا وہ بھی گناہگار ہوگا۔

لیکن بعض دواؤں میں ان کی حفاظت وغیرہ کے لیے جو ایک مخصوص مقدار میں الکحل وغیرہ ملائی جاتی ہے تو اس کا استعمال مندرجۂ ذیل شروط کے ساتھ جائز ہے:

۱۔ اگر اس دوا کو استعمال نہ کیا جائے تو اس کی وجہ سے صحت پر واقعی خطرناک صورت حال پیش آنے کا ڈر ہو۔

۲۔ اس کے علاوہ کوئی اور حلال وجائز دوا موجود نہ ہو۔

۳۔ اس دوا کو کوئی ماہر تجربہ کار دیندار مسلمان معالج تجویز کرے۔

اور اس آسانی وسہولت پیدا کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے بنیادی احکامات آسانی وسہولت اور مشقت کے دور کرنے اور فائدہ ونفع پہنچانے پر مبنی ہیں جس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کا درج ذیل فرمانِ مبارک ہے:

((فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ)) البقرہ۔۱۷۳

پھر جو کوئی بے اختیار ہو جائے نہ تو نافرمانی کرے اور نہ زیادتی تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔

ب۔ لباس پوشاک اور زیب وزینت اور شکل وصورت میں حرام اشیاء

اسلام کے آسان بنیادی اصولوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے مسلمان کے لیے یہ بات مباح رکھی ہے کہ وہ شکل وصورت اور وضع قطع کے لحاظ سے لوگوں کے سامنے مناسب ہئیت اور شکل وصورت میں پیش ہو، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے لباس وپوشاک اور زیب وزینت کی تمام وہ اشیاء پیدا کی ہیں جس سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے ارشادِ ربانی ہے:

((يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ))۔ الاعراف۔ ۲۶

اے آدم کی اولاد ہم نے تم پر پوشاک اتاری جو ڈھانکے تمہاری شرمگاہیں اور اتارے آرائش کے کپڑے۔

نیز ارشادِ باری ہے:

((يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ)) الاعراف۔۳۱

اے آدم کی اولاد لے لو اپنی آرائش ہر نماز کے وقت۔

لیکن یہ بھی یاد رہے کہ ان مباح زیب وزینت کی اشیاء کے استعمال میں درمیانہ روی واعتدال کے دامن کو نہیں چھوڑنا چاہیئے تاکہ اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرمانِ مبارک پر عمل ہو:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا

اور وہ لوگ جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے

وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا))۔ | ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور اس کے درمیان (ان کا حرچ) اعتدال پر رہتا ہے۔ الفرقان - ۶۷

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل ارشاد پر بھی جسے امام بخاری نے روایت کیا ہے :

((کلوا واشربوا والبسوا وتصدقوا من غیر إسراف ولا مخیلة))۔ | کھاؤ اور پیو اور پہنو اور صدقہ کرو بغیر کسی اسراف اور تکبر کے۔

❁ اسلام نے ظاہر اور شکل وصورت کا جو خیال رکھا ہے اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اسلام نے مسلمان کو نظافت اور صفائی ستھرائی کا حکم دیا ہے اس لیے کہ نظافت ہی پر اچھی زینت کی اساس اور مناسب و اچھے مظہر کی بنیاد ہے :

★ ابن حبان رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: نظافت اختیار کرو اس لیے کہ اسلام صاف ستھرا (دین) ہے۔

★ اور طبرانی روایت کرتے ہیں کہ : نظافت ایمان کی طرف دعوت دیتی ہے اور ایمان اپنے ساتھی کے ساتھ جنت میں ہوگا۔

★ اور ابوداؤد وغیرہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو سفر سے واپس آرہے تھے صفائی و نظافت کا خیال رکھنے اور شکل وصورت اچھی بنانے کا درج ذیل الفاظ میں حکم دیا :

((إنكم قادمون على إخوانكم فأصلحوا رحالكم وأصلحوا لباسكم حتى تكونوا كأنكم شامة في الناس فإن الله لا يحب الفحش ولا التفحش))۔ | تم لوگ اپنے بھائیوں کے پاس جانے والے ہو لہذا کجاووں کو درست کرلو اور اپنے لباس ٹھیک کرلو تاکہ تم لوگوں میں ایسے بن جاؤ جیسے تل اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فحش اور بے حیائی کو پسند نہیں کرتا۔

❁ دینِ اسلام نے مظہر اور شکل وصورت کا جو خیال رکھا ہے اس کی علامت یہ بھی ہے کہ اس نے اجتماع کے مقامات اور جمعہ وعیدین وغیرہ میں نظافت و آراستگی پر ابھارا اور آمادہ کیا ہے :

★ امام نسائی روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے معمولی سے کپڑے پہن رکھے تھے ، آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے پاس کچھ مال ودولت ہے ؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں ! آپ نے پوچھا: کس قسم کا مال ہے ؟ انہوں نے عرض کیا : اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر قسم کا مال عطا فرما رکھا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ : پھر جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال دے رکھا ہے تو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی نعمتوں اور اعزاز کے اثرات تم پر ظاہر ہونا چاہییں۔

❀ اور ابوداؤد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے جس کو اللہ تعالیٰ نے وسعت وفراخی دی ہے تو وہ (روزمرہ) کام کاج کے کپڑوں کے علاوہ اگر ایک جوڑا جمعہ کے لیے بنالے تو اس کا کیا نقصان ہو جائے گا۔

❀ اسلام نے شکل وصورت اور ظاہر کا جو خیال رکھا ہے اس کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اسلام سر اور ڈاڑھی کے بالوں کی اصلاح کا حکم دیتا ہے چنانچہ امام مالک اپنی کتاب "موطأ" میں روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایسی حالت میں حاضر ہوئے کہ ان کے سر اور داڑھی کے بال پراگندہ تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف اشارہ فرمایا (گویا آپ انہیں بالوں کے درست کرنے کا حکم دے رہے ہوں) انہوں نے ایسا ہی کیا (یعنی بال درست کر لیے) پھر دوبارہ حاضر ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا یہ اب اس سے بہتر نہیں ہیں کہ تم میں سے کوئی شخص اس طرح پراگندہ سر آئے گویا کہ وہ شیطان ہے۔

اسلام نے یہ تمام چیزیں نہ صرف مباح وجائز قرار دی ہیں بلکہ ان کو اختیار کرنے کا انسان سے مطالبہ کیا ہے اور جس شخص نے ان کو اپنے اوپر حرام قرار دیا اس پر سخت نکیر کی ہے اور اس سے منع کیا ہے اللہ جل شانہ ارشاد فرماتے ہیں:

((قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ)).	آپ کہہ دیجیے کس نے حرام کیا اللہ کی زینت کو جس نے پیدا کی اپنے بندوں کے واسطے اور کھانے کی ستھری چیزیں۔

اعراف - ۳۲

البتہ دینِ اسلام نے مسلمان پر زیب وزینت، لباس اور ظاہری شکل وصورت کی بعض انواع واقسام کی بعض اہم حکمتوں کی وجہ سے ممانعت کر کے ان کو حرام قرار دیا ہے، اور لیجیے آپ کے سامنے ان حرام چیزوں میں سے اہم اہم ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ مردوں پر سونا اور ریشم کا حرام قرار دینا:

اس لیے کہ امام احمد، ابوداؤد، نسائی وابن ماجہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم کا ایک ٹکڑا اپنے دائیں ہاتھ میں تھاما اور سونے کو بائیں ہاتھ میں پھر ارشاد فرمایا: یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں، اور ابنِ ماجہ میں یہ الفاظ بھی زائد ہیں کہ: ان کی عورتوں کے

لیے حلال ہیں

اور امام مسلم رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو اسے اتار کر پھینک دیا اور فرمایا: تم میں سے ایک شخص آگ کا انگارہ لے کر اپنے ہاتھ میں ڈال لیتا ہے؟! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہاں سے تشریف لے جانے کے بعد کسی نے ان صاحب سے یہ کہا کہ اپنی انگوٹھی اٹھالو اسے کسی کام میں لے لینا، انہوں نے فرمایا: بخدا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پھینک دیا ہے تو اب میں اسے قطعاً نہیں لے سکتا۔

اور امام بخاری حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں چاندی کے برتن میں پینے اور کھانے اور ریشم وریشمی کپڑے پہننے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمادیا ہے، اور امام مسلم رحمہ اللہ حضرت علی اللہ کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمادیا ہے۔

اور جو ریشم حرام ہے اس سے مراد وہ اصلی خالص ریشم ہے جو ریشم کے کیڑے کا بنایا ہوا ہو۔ لیکن مصنوعی ریشم کا پہننا یا اس کا استعمال کرنا حرام نہیں ہے۔

اور اسی طرح وہ کپڑا بھی استعمال کرنا حرام نہیں ہے جو ریشم وغیر ریشم ملا کر بنایا گیا ہو، اور دونوں کا وزن برابر ہو، اسی طرح اگر ریشم سے پھول بوٹے بنائے گئے ہوں یا ریشمی دھاگے سے سیا گیا ہو یا پیوند لگایا گیا ہو یا اسے کسی کپڑے کے اندر بھر دیا گیا ہو تو جب تک وہ اس کپڑے کے برابر وزن کا نہ ہو جائے تو اس کا استعمال جائز ہے۔ اس لیے کہ ابوداؤد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کپڑے سے منع فرمایا ہے جو خالص ریشم سے بنا ہوا ہو، لیکن اگر کسی کپڑے میں ریشم کے پھول بوٹے ہوں یا صرف تانا ریشم ہو تو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے۔

خالص ریشم کا استعمال ضرورت کے موقعہ پر جائز ہے مثلاً خارش وغیرہ کے دور کرنے یا ہلاک کرنے والی سردی یا گرمی سے بچنے کے لیے، یا اگر اس کے علاوہ اور کوئی ساتر کپڑا نہ ہو تو اس سے شرمگاہ چھپانا[1] اس لیے کہ امام بخاری حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر اور حضرت عبدالرحمٰن کو خارش کی وجہ سے ریشم پہننے کی اجازت دی تھی۔

باقی سونا اور ریشم صرف مردوں کے لیے حرام ہے لیکن عورتوں کے لیے سونے اور ریشم کا استعمال و پہننا جائز ہے

---

[1] بعض فقہاء نے خالص ریشم کے استعمال کی حرمت سے قرآنِ کریم کے جزدان اور تسبیح کے دھاگے اور بیت اللہ کے غلاف کو مستثنیٰ کیا ہے۔

جیسا کہ ابھی کچھ پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزرا ہے۔

لیکن مردوں کے لیے چاندی کی انگوٹھی پہننا جائز ہے بشرطیکہ اسراف کی حد تک نہ پہنچے[1] اور اچھا یہ ہے کہ اسے دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں پہنے اس لیے کہ امام بخاری حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں جس میں یوں آتا ہے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی تو لوگوں نے بھی چاندی کی انگوٹھیاں بنوالیں چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر و عمر و عثمان نے وہ انگوٹھی استعمال کی، پھر حضرت عثمان سے وہ انگوٹھی اریس نامی کنویں میں گر گئی۔

مردوں پر سونے و ریشم کے حرام کرنے کی علت یہ ہے کہ مردوں کو اس زنانہ پن سے دور رکھا جائے جو مردوں کی شہامت و مردانگی کے خلاف ہے، اور ساتھ ہی ساتھ اس آسودگی کے خلاف جنگ بھی ہو جائے جو آزادی و بے راہ روی کا ذریعہ بنتی ہے اور انسان کے نفس سے تکبر و بڑائی کی جڑ بھی کاٹ دی جائے، اور ہر جگہ و ہر زمانے میں سکے کے اصلی مرکز سونے کی حفاظت بھی ہو جائے۔

لیکن اس کی حرمت سے عورتوں کو اس لیے مستثنیٰ کیا گیا ہے تاکہ عورت کی نسوانیت کی رعایت ہو۔ اور عورت کی فطرت میں ودیعت رکھے گئے اس کی ملکیت کے جذبے کو بڑھایا جائے۔ اور زیب و زینت سے محبت کے اس کے فطری جذبہ پر لبیک کہی جا سکے، اور ساتھ ہی جب اس کا شوہر اسے شاندار ہیئت اور خوبصورت شکل میں دیکھے تو اس کا اشتیاق اور بڑھ جائے۔

۲۔ عورت کے لیے مرد کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا اور مرد کے لیے عورت کی سی شکل و صورت بنانے کا حرام ہونا:

اس لیے کہ امام بخاری اور اصحابِ سنن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مردوں پر لعنت بھیجی ہے جو عورتوں سے مشابہت اختیار کرتے ہیں اور ایسی عورتوں پر جو مردوں سے مشابہت اختیار کرتی ہیں۔ اور بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مردوں پر لعنت بھیجی ہے جو نسوانیت اختیار کرتے ہیں، اور ایسی عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں۔

اور امام احمد و طبرانی ہذیل کے ایک صاحب سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کا مکان حرم سے باہر کے علاقے میں ہے اور ان کی مسجد حدودِ حرم میں ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ان کے پاس تھا کہ انھوں نے ام سعید بنت ابی جہل کو کمان لٹکائے مردوں کی سی چال چلتے ہوئے دیکھا، تو حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ: یہ کون عورت ہے؟! میں نے عرض کیا: یہ ام سعید بنت ابی جہل ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے ارشاد فرمایا:

---

[1] فقہاءِ حنفیہ اس کے قائل ہیں کہ انگوٹھی کا وزن ایک درہم (جو سوا تین گرام کے برابر ہے) سے زائد نہ ہو۔

((لیس منا من تشبہ بالرجال من النساء ولا من تشبہ بالنساء من الرجال)) .

وہ عورتیں ہم میں سے نہیں جو مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کریں اور نہ وہ مرد جو عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کریں۔

ہمارے نوجوان مردوں اور عورتوں میں ایک دوسرے سے مشابہت اور اندھی تقلید کا مرض بہت عام ہوگیا ہے اس لیے تربیت کرنے والے حضرات کو چاہیے کہ اس مرض کا بہت عمدہ اسلوب سے علاج کریں۔

۳۔ ریاکاری، دکھاوے اور تکبر کے لیے کپڑے پہننے کی حرمت

اس لیے کہ امام احمد، ابوداؤد و نسائی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((من لبس ثوب شهرة ألبسه الله ثوب مذلة يوم القيامة)) .

جو شخص ریاکاری کے لیے لباس پہنے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کو ذلت ورسوائی کا لباس پہنائیں گے۔

ریاکاری و دکھاوے کے کپڑوں سے مراد یہ ہے کہ انسان قیمتی اور شاندار لباس بڑائی کے اظہار اور فخر ومباہات کے لیے پہنے، اور اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں ہے کہ یہ دکھاوا اور فخر ومباہات تکبر واکڑ پیدا کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ متکبر وفخر کرنے والے کو پسند نہیں فرماتے، اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد ہے:

((من جرّ ثوبه خيلاء لم ينظر الله إليه يوم القيامة)).

بخاری ومسلم

جو شخص تکبر کی وجہ سے اپنے لباس کو گھسیٹ کر چلتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرمائیں گے۔

اس لیے مسلمان کو چاہیے کہ اپنے لباس پوشاک کھانے پینے اور گھر کے سازوسامان میں اعتدال ومیانہ روی کی حد سے آگے نہ بڑھے تاکہ اس پر کبر و بڑائی کا تسلط اور اترانے کے جذبے کا غلبہ نہ ہو۔

ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ میں کس قسم کے کپڑے پہنوں؟ انہوں نے فرمایا: جن کی وجہ سے بے وقوف قسم کے لوگ تمہاری تذلیل نہ کریں اور حکماء دسمجھدار برا نہ سمجھیں یعنی ایسے کپڑے نہ ہوں جو حدِ اعتدال سے زیادہ ہوں۔

۴۔ اللہ کی خلقت کو بدلنے کا حرام ہونا

اس لیے کہ امام مسلم رحمہ اللہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الواشمة والمستوشمة، والواشرة والمستوشرة)) .

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گودنے والی اور گدوانے والی اور دانتوں کو باریک کرنے والی اور دانتوں کو باریک کرانے والی پر لعنت بھیجی ہے۔

گودنے میں چہرے اور ہاتھوں کو نیلے رنگ اور قبیح نقش ونگار سے بگاڑ کر رکھ دیا جاتا ہے۔

اور دانتوں کا تیز اور چھوٹا کرنا اور اسی طرح اور وہ آپریشن وغیرہ جو آج کل خوبصورتی کے لیے کیے جاتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے والوں پر لعنت بھیجی ہے۔ اس لیے کہ اس میں انسان کو عذاب دینا اور اللہ کی خلقت میں تغییر وتبدیلی ہوتی ہے۔ اور اللہ کے فیصلہ وتقدیر پر عدم رضامندگی کا اظہار ہوتا ہے، اور قرآن کریم نے اس تغییر وتبدیلی کو شیطانی اثر قرار دیا ہے جس کے ذریعے وہ اپنے پیروکاروں کو گمراہ کرتا ہے:

((وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللهِ)) النساء۔ ۱۱۹ — اور ان کو سکھلاؤں گا کہ بدلیں اللہ کی بنائی ہوئی صورتیں۔

خوبصورتی کے لیے جو عمل جراحی کیے جاتے ہیں ان سے وہ آپریشن وغیرہ مستثنیٰ ہیں جو اس لیے کیے جاتے ہیں جن سے انسان کو حسی یا نفسیاتی درد والم سے بچایا جا سکے مثلاً زائد انگلی یا غدود وغیرہ، یا جن کے کاٹنے کا شریعت نے حکم دیا ہے مثلاً بالوں کا کاٹنا، ناخن تراشنا، زیر ناف کے بال کاٹنا، تاکہ لوگوں سے مشقت دور ہو اور صفائی ستھرائی حاصل ہو اور شکل وصورت بھی اچھی رہے۔

۵۔ داڑھی مونڈنے کا حرام ہونا

اس لیے کہ امام مسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے، مونچھیں کاٹو اور داڑھی بڑھاؤ اور آتش پرستوں کی مخالفت کرو۔

اور ابن اسحاق وابن جریر حضرت یزید بن حبیب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ دو مجوسی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے انہوں نے اپنی داڑھیاں منڈائی ہوئی اور مونچھیں بڑھائی ہوئی تھیں، تو آپ نے ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہ کیا اور ان سے فرمایا: برا ہو تمہارے لیے تمہیں اس بات کا کس نے حکم دیا ہے؛ انہوں نے کہا کہ اس کا حکم ہمارے رب (یعنی کسریٰ) نے دیا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لكن ربي أمرني بإعفاء لحيتي وقص شاربي)). — لیکن میرے رب نے تو مجھے میری داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کاٹنے کا حکم دیا ہے۔

اور امام احمد حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

((احفوا اللحى وجزوا الشوارب ولا تشبهوا باليهود والنصارى)). — داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں مونڈاؤ اور یہود اور نصاریٰ کے ساتھ مشابہت اختیار مت کرو۔

اور امام مسلم، أحمد اور اصحاب سنن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

((عشر من الفطرة، قص الشارب، — دس چیزیں انبیاء علیہ السلام کی سنت ہیں، مونچھوں کا

وإعفاء اللحية، والسواك، واستنشاق الماء،	کاٹنا، داڑھی کا بڑھانا، اور مسواک، اور ناک میں پانی ڈالنا اور
والمضمضة، وقص الأظفار وغسل البراجم،	کلی کرنا، اور ناخن کاٹنا، اور انگلیوں کے جوڑوں کو دھونا، اور
ونتف الإبط، وحلق العانة،	بغل کے بال اکھیڑنا، اور زیرِ ناف کے بال کاٹنا، اور پانی
وانتقاص الماء[1])).	سے استنجا۔

داڑھی کے بارے میں چاروں اماموں کی آراء[2] :

چاروں مذاہب اس پر متفق ہیں کہ داڑھی کا بڑھانا واجب اور اس کا مونڈنا حرام ہے۔

۱۔ حضراتِ حنفیہ کا مذہب: "مرد کے لیے داڑھی منڈانا حرام ہے، اور" نہایہ" میں تصریح کی ہے کہ ایک مشت سے زائد کا کاٹنا واجب ہے، لیکن اگر داڑھی ایک مشت سے کم ہو تو اس کا کاٹنا جیسا کہ بعض مغربی ممالک کے لوگ یا نیم زنانہ قسم کے افراد کرتے ہیں اسے کسی نے جائز قرار نہیں دیا ہے، اور ساری داڑھی کا مونڈنا ہندوستان کے یہودیوں اور عجمی پارسیوں کا فعل ہے" ملاحظہ فرمایئے فتح القدیر۔

۲۔ حضراتِ مالکیہ کا مذہب: " داڑھی کا مونڈنا اسی طرح اس کا کاٹنا اس وقت حرام ہے جب اس سے بدصورتی پیدا ہوتی ہو لیکن اگر داڑھی بڑھ جائے اور اس کے کاٹنے سے بدصورتی نہ پیدا ہوتی ہو تو یہ خلافِ اولیٰ یا مکروہ ہے: ملاحظہ ہو ابوالحسن کی شرح الرسالۃ اور عدوی کا اس کا حاشیہ۔

۳۔ حضراتِ شافعیہ کا مذہب: شرح العباب میں لکھا ہے: فائدہ: شیخین فرماتے ہیں کہ داڑھی کا مونڈنا مکروہ ہے اس پر ابن الرفعہ نے یہ اعتراض کیا ہے، کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے کتاب الام میں اس کے حرام ہونے کی تصریح کی ہے اور ازرعی فرماتے ہیں: صحیح یہ ہے کہ بلا کسی بیماری کے اس کا سب کے سب کا مونڈ دینا حرام ہے، اسی طرح مذکورہ کتاب پر ابن قاسم العبادی کے حاشیہ میں لکھا ہے۔

۴۔ حضراتِ حنابلہ کا مذہب: حنابلہ نے داڑھی کے مونڈنے کے حرام ہونے کی صراحت کی ہے، ان حضرات میں سے بعض نے تو یہ تصریح کی ہے کہ معتمد علیہ قول یہ ہے کہ اس کا مونڈنا حرام ہے اور بعض نے حرمت کی تصریح کی ہے اور " انصاف" کے مؤلف کا اس سے کوئی اختلاف نقل نہیں کیا ہے۔

---

[1] انگلیوں کے جوڑوں کے دھونے سے مراد اوپر اور نیچے دونوں طرف کے جوڑ دھونا ہے" اور زیرِ ناف کے بالوں سے وہ بال مراد ہیں جو شرمگاہ کے اردگرد ہوتے ہیں۔

[2] ملاحظہ فرمایئے استاذِ جلیل شیخ محمد حامد رحمہ اللہ کا رسالہ " حکم اللحیۃ فی الإسلام" اس میں داڑھی مونڈنے کی حرمت پر بہت دلائل پیش کیے گئے ہیں۔

لہذا ان احادیثِ نبویہ اور فقہی نصوص سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ داڑھی کا مونڈنا حرام ہے۔ اور منصف مزاج حقیقت کا متلاشی صریح احادیث اور قوی دلائل کو دیکھ کر اس کے بڑھانے کے واجب ہونے کا ہی قائل ہوگا اور داڑھی منڈوانے والے کے بارے میں سب سے کم اور معمولی ترین بات یہ ہے کہ ایسا شخص ہیجڑا یا عورتوں سے مشابہت اختیار کرنے والا، یا اللہ کی خلقت کو تبدیل کرنے والا، یا دوسروں کی اندھی تقلید کرنے والا ہے۔ ان امور میں سے صرف ایک بات ہی مسلمان کو گناہ میں گرفتار کرنے کے لیے کافی ہے چہ جائیکہ تمام اوصاف اس پر منطبق کیے جائیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے نوجوانوں کو سیدھا راستہ دکھائیں، اور ان کے عقیدے و اسلام کو مضبوط فرمائیں تاکہ وہ ہمیشہ مردانگی اور کمال کے لباس کو اختیار کریں۔

۶۔ سونے چاندی کے برتنوں کا حرام ہونا

اس لیے کہ امام مسلم اپنی صحیح میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص چاندی یا سونے کے برتن میں کھاتا پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ انڈیلتا ہے۔

اور امام بخاری حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا، ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے سے منع فرمایا ہے اور ہمیں ریشم اور ریشمی کپڑے کے پہننے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے اور یہ فرمایا کہ وہ دنیا میں کافروں کے لیے اور ہمارے لیے آخرت میں ہے

ان احادیثِ مبارکہ سے یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ سونے چاندی کے برتن اور خالص ریشم کے بچھونے مسلمانوں کے لیے حرام ہیں ایسا کرنے والا گناہگار ہوگا۔ اور یہ حرمت مرد و عورت دونوں کے لیے ہے۔ اور اس کی حکمت یہ ہے کہ مسلمان شخص کے گھرانے کو مذموم عیش و عشرت کے اسباب اور مبغوض بڑائی و تکبر کے مظاہر سے پاک رکھا جائے۔

۷۔ تصویروں و مورتیوں کی حرمت

✿ اس لیے کہ امام بخاری و مسلم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے:

«إن أشدَّ الناس عذابًا يوم القيامة المصورون». قیامت کے روز سب سے سخت عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا۔

◉ اور امام بخاری و مسلم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

((إن الـذين يصنعون هذه الصور يعذبون يوم القيامة يقال لهم: أحيوا ما صنعتم)).

جو لوگ یہ تصویریں بناتے ہیں ان کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا۔ اور ان سے کہا جائے گا کہ جو تم نے بنایا ہے اس کو زندہ کر کے دکھاؤ۔

اور امام بخاری و مسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر سے واپس تشریف لائے، اور میں نے گھر کی ایک الماری پر ایک ایسا پردہ ڈال رکھا تھا جس میں کچھ تصاویر بنی ہوئی تھیں، جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تو آپ کے چہرے کا رنگ بدل گیا، اور آپ نے فرمایا: اے عائشہ اللہ کے یہاں قیامت کے روز سب سے سخت ترین عذاب ان لوگوں کو دیا جائے گا جو اللہ کی (صفت) خلق میں مشابہت اختیار کرتے ہیں، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ہم نے اس پردے کو کاٹ کر اس سے ایک یا دو تکیے بنالیے

◉ اور امام بخاری و مسلم حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔

◉ اور امام مسلم و ابوداؤد و ترمذی حضرت حیان بن حصین سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: مجھ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں تمہیں اس کام کے لیے نہ بھیجوں جس کے لیے مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا اور وہ یہ ہے کہ تم جس کسی بھی تصویر کو دیکھو اسے مٹا ڈالو، اور جس قبر کو بلند دیکھو اسے برابر کردو۔

یہ احادیث مجموعی حیثیت سے نہایت وضاحت کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ تصاویر و مورتیاں حرام ہیں خواہ وہ مجسمے کی شکل میں ہوں یا نہ ہوں، اور خواہ وہ فوٹوگرافی کے ذریعے ہوں یا بغیر اس کے اور خواہ ان کو تحقیر و تذلیل کے طور پر بنایا گیا ہو یا اعزاز و اکرام کے لیے اس لیے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت خلق کا مقابلہ ہے۔

اس حرمت کی تاکید و تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام بخاری کی روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے بعد اس وقت تک کعبہ میں داخل نہیں ہوئے جب تک اس سے تمام بت اور مورتیاں و تصاویر نکال باہر نہیں کی گئیں، اور ابوداؤد حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بطحاء نامی مقام پر تھے تو آپ نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا کہ وہ کعبہ جاکر وہاں موجود تمام تصاویر کو مٹا ڈالیں، اور آپ وہاں اس وقت تک تشریف نہیں لے گئے جب تک کہ تمام تصاویر مٹا نہ دی گئیں، اور امام بخاری کتاب الحج میں حضرت اسامۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے تو آپ نے وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصویر دیکھی تو آپ نے پانی منگاکر اسے مٹانا شروع کردیا۔

ان تصاویر سے درختوں اور اس چیز کی تصویر مستثنیٰ ہے جس میں جان نہ ہو، اس لیے کہ امام بخاری و مسلم حضرت سعید بن أبی الحسن سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: ایک صاحب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے

پاس آئے اور انہوں نے کہا: میں ایک ایسا شخص ہوں کہ جس کا معاش و روزی ہاتھ کے کام سے ہے اور میں تصاویر بناتا ہوں۔ تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے فرمایا کہ میں تمہیں وہی بات تبلاؤں گا جو میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے ارشاد فرمایا ہے:

((من صور صورۃً فإن اللہ معذبہ حتی ینفخ فیہا الروح ولیس بنافخ فیہا أبدا))۔

جو شخص کوئی تصویر بنائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے اس وقت تک عذاب دے گا جب تک وہ شخص اس میں روح نہ پھونک دے اور وہ شخص اس میں کبھی بھی روح نہیں ڈال سکتا۔

٭ ٭ ٭

یہ سن کر وہ شخص سخت گھبرا گئے تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے فرمایا: تمہیں کیا ہوگیا ہے اگر تم تصویریں بنانا ہی چاہتے ہو تو پھر درختوں اور ایسی چیزوں کی تصاویر بناؤ جو غیر جاندار ہیں۔

تصویروں اور مجسموں سے بچوں کے کھلونے (گڑیاں) مستثنیٰ ہیں[1] اس لیے کہ ان سے نہ تو اپنی عظمت و بڑائی کا اظہار مقصود ہوتا ہے نہ اپنی مالداری کا اظہار، اس لیے کہ امام بخاری و مسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گڑیوں (یعنی وہ کھلونے جو گڑیا کی شکل کے بنے ہوتے ہیں) سے کھیلتی تھی، اور میرے پاس میری سہیلیاں آیا کرتی تھیں تو وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خوف سے چھپ جایا کرتی تھیں، حالانکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے میرے پاس آنے سے خوش ہوا کرتے تھے، میری وہ سہیلیاں میرے ساتھ آکر کھیلا کرتی تھیں۔

ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن حضرت عائشہ سے پوچھا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: یہ میری گڑیاں ہیں، آپ نے پوچھا ان کے درمیان میں جو ہے وہ کیا ہے انہوں نے کہا کہ وہ گھوڑا ہے، آپ نے دریافت فرمایا: اس کے اوپر یہ کیا بنا ہوا ہے؟! انہوں نے عرض کیا: یہ پر ہیں۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ گھوڑے کے پر بھی ہوتے ہیں؟! تو حضرت عائشہ نے فرمایا: کیا آپ نے یہ نہیں سنا کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے پاس ایک گھوڑا تھا جس کے پر تھے؛ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنس دیے یہاں تک کہ آپ کی داڑھیں ظاہر ہوگئیں۔

شوکانی لکھتے ہیں کہ ان احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گڑیوں کی شکل کے کھلونوں سے بچوں کو کھیلنے کی اجازت ہے۔ البتہ امام مالک رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے یہ ناپسند کیا اور مکروہ جانا ہے کہ کوئی شخص اپنی بیٹی کے لیے گڑیاں خریدے۔ اور قاضی عیاض نے کہا ہے کہ چھوٹی بچیوں کو گڑیوں سے کھیلنے کی رخصت دی گئی ہے۔

ایک بات کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے اور وہ یہ کہ تصویر کو بے عزت بنانا اور اس کی شکل وغیرہ بگاڑ دینے

---

[1] بشرطیکہ وہ مجسم تصویر اور آج کل کی بازار میں بکنے والی گڑیوں کی طرح نہ ہوں۔

سے وہ حرام نہیں رہتی اور اس سے انتفاع درست ہوجاتا ہے ۔ اس لیے کہ امام نسائی وابنِ حبان اپنی صحیح میں روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کی اجازت چاہی ، تو آپ نے انہیں اجازت دے دی انہوں نے فرمایا : میں کس طرح داخل ہوجاؤں جبکہ آپ کے گھر کے ایک پردے میں تصاویر بنی ہوئی ہیں ، اس لیے اگر اس پردے کو رکھنا ہی ہے تو ان تصویروں کا سر کاٹ دیں یا اس پردے کو پھاڑ کر تکیہ یا گدا بنالیں۔ رہیں کیمرے وغیرہ کی تصاویر وفوٹو گرافی تو یہ قطعی وصریح نصوص وادلہ کی وجہ سے بالکل ناجائز ہے الا یہ کہ مجبوری و ضرورت ہو جیسے کہ شناختی کارڈ یا پاسپورٹ یا مشکوک لوگوں اور مجرموں کی تصویر کشی ، یا کسی وضاحت وغیرہ کے لیے تصویر کو وسیلہ بنایا جائے تو یہ اس عمومی قاعدہ کے تحت داخل ہے جس میں یہ آتا ہے کہ ضرورت کی وجہ سے ممنوع چیز بھی مباح ہوجاتی ہے ۔

اس جانب اشارہ کرنا بھی ضروری ہے کہ بہت سے وہ گھرانے جو اسلام کے دعوے دار ہیں ان کے گھروں میں بڑی بڑی تصاویر اس دلیل کے تحت آویزاں ہوتی ہیں کہ یہ باپ ، دادا یا خاندان کی یادگار ہیں ۔ اور اس کو جاندار مورتیوں سے مزین کر کے گھر میں اِدھر اُدھر رکھا جاتا ہے ، اور اسی طرح ایسے قالین دیواروں پر لگائے جاتے ہیں جن پر تصویریں بنی ہوتی ہیں ، یہ سب زمانۂ جاہلیت کے کام ہیں بلکہ اس بت پرستی کے آثار ہیں جس کی اسلام نے بیخ کنی کی ہے ۔

اس لیے والدین اور مربیوں کو چاہیے کہ وہ اپنے گھروں کو ان ناجائز وحرام چیزوں سے صاف ستھرا اور ان مہلک چیزوں سے پاک رکھیں ، تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو اور ان لوگوں میں شامل ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے درجِ ذیل آیت میں بیان فرمایا ہے :

((وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا)) .

النساء ۔ ۶۹

اور جو کوئی حکم مانے اللہ کا اور اس کے رسول کا سو وہ ان کے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا کہ وہ نبی اور صدیق اور شہید اور نیک بخت ہیں اور ان کی رفاقت اچھی ہے ۔

ج ۔ زمانۂ جاہلیت کے حرام وناجائز عقیدے

غیب کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے غیب پر مطلع کرتا ہے ۔ ارشادِ ربانی ہے :

((عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ)) الجن ۔ ۲۶ و ۲۷

وہی غیب کا جاننے والا ہے سو وہ (ایسے) غیب پر کسی کو بھی مطلع نہیں کرتا ہاں البتہ کسی برگزیدہ پیمبر کو ۔

لہٰذا جو شخص حقیقی غیب کے جاننے کا دعویٰ کرتا ہے وہ اللہ اور حقیقت اور لوگوں پر جھوٹ باندھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٦٥﴾)). النمل - ۶۵

آپ کہہ دیجیے کہ آسمانوں اور زمین میں جتنی (مخلوق) موجود ہے کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا بجز اللہ کے، اور نہ وہ یہ جانتے ہیں کہ وہ کب (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے۔

لہٰذا غیب کا علم نہ فرشتوں کو ہے اور نہ جنوں اور انسانوں کو سوائے اس کے جو اللہ نے انہیں بتلایا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت سلیمان کے جنوں کے بارے میں بتلاتے ہیں:

((أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿١٤﴾)). سبا - ۱۴

کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت کی مصیبت میں نہ رہتے۔

اس عقیدہ کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے درج ذیل عقیدوں کو ناجائز و حرام قرار دیا ہے:

۱۔ کاہنوں (غیب جاننے کے دعویداروں) کی تصدیق کا ناجائز و حرام ہونا: اس لیے کہ امام مسلم رحمہ اللہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((من أتى عرافاً فسأله عن شيء فصدقه بما قال لم تقبل له صلاة أربعين يوماً)).

جو شخص کسی نجومی کے پاس جا کر اس سے کسی چیز کے بارے میں دریافت کرے اور اس کی بات کی تصدیق کرے تو اس کی چالیس روز کی نماز قبول نہیں ہوتی۔

اور بزار سندِ جید سے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں:

((من أتى كاهناً فصدقه بما قال فقد كفر بما أنزل على محمد صلى الله عليه وسلم)).

جو شخص کسی کاہن کے پاس جائے اور اس کی بات کی تصدیق کرے تو اس نے اس کے ساتھ کفر کیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے۔

ان احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اسلام نے صرف نجومیوں اور اس طرح کے دجالوں پر ہی یہ حکم نہیں لگایا بلکہ گناہ میں ان کے ساتھ ہر اس شخص کو شامل کیا ہے جو ان کے توہمات اور گمراہ کن باتوں میں ان کی تصدیق و تائید کرے۔

۲۔ تیروں سے فال نکالنے کی حرمت: اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں:

((يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَ

اے ایمان والو! یہ جو شراب اور جوا اور بت اور پانسے

الْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ)) المائدہ ۹۰ ۔

بت سب شیطان کے گندے کام ہیں سوان سے بچتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ۔

زمانۂ جاہلیت میں عربوں کے پاس کچھ تیر ہوا کرتے تھے جن میں سے ایک پر یہ لکھا ہوتا تھا کہ مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے، اور دوسرے پر لکھا ہوتا تھا کہ مجھے میرے رب نے منع کیا ہے، اور تیسرا سادہ ہوتا تھا اس پر کچھ لکھا نہیں ہوتا تھا، ان کی عادت یہ تھی کہ وہ جب کہیں سفر کرنا چاہتے، یا جنگ یا شادی بیاہ وغیرہ کرنا چاہتے تو بت خانہ جاتے، جہاں یہ تیر رکھے ہوتے تھے، اور ان تیروں سے فال نکالا کرتے تھے، پھر اگر وہ تیر نکلتا جس میں کرنے کا حکم ہوتا تھا تو اس کام کو کر لیا کرتے تھے، اور اگر وہ تیر نکلتا جس میں منع لکھا ہوتا تو اس کام سے رک جاتے تھے، اور اگر سادہ تیر نکلتا تو پھر دوبارہ سہ بارہ تیر نکالتے جب تک کہ حکم دینے والا یا منع کرنے والا تیر نہ نکل آئے۔

ہمارے آج کل کے اسلامی معاشروں میں اس کے مشابہ لاٹری، نمبر کے ذریعے کوئی چیز نکالنا وغیرہ پائی جاتی ہیں اور یہ سب چیزیں اسی قبیل سے تعلق رکھتی ہیں اور اسلام کی نظر میں یہ سب کی سب منکر و ناپسندیدہ اور حرام ہیں۔

طبرانی سندِ جید سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا :

((لا ينال الدرجات العلى من تكهن أو استقسم أو رجع من سفر تطيرا)) .

وہ شخص بلند درجات کو نہیں پہنچ سکتا جو نجومیوں کے پاس جائے یا تیروں سے فال نکالے یا بدفالی کی وجہ سے سفر سے واپس لوٹ جائے۔

دینِ اسلام نے تیروں سے فال نکالنے کو حرام قرار دیا ہے اور اسے شرک تبلایا ہے، لیکن ساتھ ہی ساتھ اس نے لوگوں کو شرعی طریقے سے استخارہ کرنے کی تعلیم بھی دی ہے، جس کے ذریعہ سے انسان کسی کام کرنے پر اقدام یا اس سے رکنے کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ اور استخارہ کی دعا اور اس کا طریقہ اس سے قبل ہم " روحانی ارتباط و تعلق " کی بحث میں ذکر کر چکے ہیں لہٰذا اسے وہیں دیکھ لیجیے۔

۴۔ <u>سحر و جادو کی حرمت</u> : اس لیے کہ امام بخاری و مسلم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا :

((اجتنبوا السبع الموبقات)) قالوا : يا رسول الله ! وما هي ؟ قال : الشرك بالله ، والسحر ، وقتل النفس التي حرم الله إلا بالحق ، وأكل الربا ، وأكل مال اليتيم ، والتولي يوم الزحف ،

سات تباہ کن و مہلک چیزوں سے بچو، صحابہ نے عرض کیا : اے اللہ کے رسول وہ کیا ہیں ؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا : اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، اور جادو، اور اس نفس کو قتل کرنا جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ، اور سود کھانا، اور یتیم کے مال کا کھانا، اور جنگ کے دن پیٹھ پھیر

و قذف المحصنات الغافلات المؤمنات))۔ | کر بیٹھنا، اور سیدھی سادھی پاک دامن مومن عورتوں پر زنا کی تہمت لگانا۔

٭ ٭ ٭

اور جس طرح دینِ اسلام نے مسلمان پر نجومیوں اور غیب کے علم کے مدعیوں کے پاس جاکر غیب کی باتیں اور پراسرار و پوشیدہ چیزیں پوچھنے کی ممانعت کی ہے اسی طرح اسلام نے یہ بھی حرام قرار دیا ہے کہ انسان مخفی باتوں پر مطلع ہونے یا مشکلات کے حل یا لوگوں کو نقصان پہنچانے کے لیے جادوگروں کے پاس جائے یا جادو کرے، اس لیے کہ بزار سندِ جید سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((لیس منا من تطیر أو تطیر له، أو تکهن أو تکهن له، أو سحر أو سحر له))۔ | وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو بدفالی لے یا اس کے لیے بدفالی لے جائے، یا نجومی بنے یا اس کے لیے علم نجوم سے بات بتلائی جائے، یا جادو کرے یا اس کے لیے جادو کیا جائے۔

اور ابن حبان اپنی صحیح میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((لا یدخل الجنة مدمن خمر ولا مؤمن بسحر ولا قاطع رحم))۔ | جنت میں، شراب نوشی میں لگا رہنے والا، اور جادو پر یقین کرنے والا، اور قطع رحمی کرنے والا داخل نہ ہوگا۔

بعض فقہاءِ کرام نے جادو کو کفر یا کفر تک پہنچانے کا ذریعہ شمار کیا ہے، اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ معاشرے کو ایسے لوگوں کی گندگی سے بچانے کے لیے جادوگر کا قتل کرنا واجب ہے تاکہ امتِ مسلمہ کے عقیدے کو فساد و زیغ اور گمراہی سے بچایا جائے۔

وہ لوگ جو گرہ لگاکر اس پر پھونک کر جادو کرتے ہیں تاکہ میاں بیوی میں جدائی ہو جائے اور لوگوں کو آپس میں لڑائی جھگڑے یا اختلاف میں مبتلا کر دیں، ان کی ان فتنہ سامانیوں اور ان کے شر سے ہمیں بچانے کے لیے قرآنِ کریم نے ان سورتوں کے پڑھنے کا حکم دیا ہے جو اس قسم کے لوگوں کے شر سے بچانے میں حفاظت کا کام دیتی ہیں۔

اسی لیے رات کو سورۃ "قل اعوذ برب الفلق" اور "قل اعوذ برب الناس" پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ ان کا پڑھنے والا جنوں اور گرہوں پر پھونک کر جادو کرنے والوں کے شر سے بچے، چنانچہ امام بخاری و مسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو اپنے بستر پر جاتے تو دونوں ہاتھوں پر سورۂ قل ہو اللہ احد اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھ کر پھونکتے اور پھر اپنے جسم کے جس جس حصے تک ہاتھ پہنچتا اس پر ہاتھ پھیر لیتے، پہلے سر پر پھیرتے پھر چہرے پر پھر جسم کے اگلے حصے پر، آپ اس طرح تین مرتبہ کیا کرتے تھے۔

۴۔ غیر اللہ کے نام کے تعویذ گنڈوں کی حرمت: اس لیے کہ امام احمد و حاکم حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ دس آدمیوں کا ایک قافلہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ان میں سے نو کو آپ نے بیعت

کرلیا اور ایک آدمی کے بیعت کرنے سے رک گئے، لوگوں نے آپ سے اس بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: کہ اس کے بازو پر ایک تعویذ بندھا ہوا ہے، پھر اس شخص نے وہ تعویذ اتار پھینکا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بیعت کرلیا اور فرمایا:

((من علق تميمة فقد أشرك)). جس نے تعویذ لٹکایا اس نے شرک کیا۔

اور امام احمد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

((من علق تميمة فلا أتم الله له، ومن علق ودعة فلا أودع الله له)). جس شخص نے تعویذ لٹکایا تو اللہ اس کا کام پورا نہ فرمائے، اور جس شخص نے کوڑی یا گھونگا لٹکایا تو اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت نہ فرمائے۔

تعویذ سے مراد وہ تعویذ ہیں جو شرکیہ کلمات یا غیر اللہ سے استعانت یا مبہم الفاظ پر مشتمل ہوں، اسی طرح وہ ٹونے گھونگے وکوڑیاں بھی جو چھوٹوں بڑوں وغیرہ کے اس عقیدے کے تحت ڈالی جاتی ہیں کہ بیماری کو شفادیں گی یا نظر بد سے بچائیں گی یا مصیبت وشر کو دفع کریں گی۔

ہم کتنے ہی دجالوں اور عیاروں دھوکہ بازوں کے بارے میں سنتے رہتے ہیں کہ وہ سیدھے سادھے لوگوں کے لیے تعویذ گنڈے لکھتے ہیں، ان میں مختلف قسم کے نقشے ولکیریں کھینچتے ہیں، اور ان پر مختلف قسم کے منتر وکلمات پڑھتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ اس سے جنوں کے شر اور نگاہ لگنے سے حفاظت ہوگی اور یہ تکلیف دہ چیزوں اور شر وغیرہ وغیرہ سے بچائیں گے۔

لیکن اگر تعویذ میں صاف ستھری عربی عبارتیں یا اس کا ترجمہ وغیرہ لکھا جائے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول مشہور دعائیں یا احادیثِ مبارکہ سے قرآنِ کریم کی بعض آیات یا سورتوں کے بارے میں جو ثابت ہے انہیں لکھا جائے مثلاً سورۂ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس وغیرہ تو بعض فقہاء کے یہاں اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح ایسی احادیث یا آیات اور دعاؤں کے پڑھ کر پھونکنے میں بھی کوئی حرج نہیں مثلاً بیمار یا جس پر جن آگیا ہو یا سانپ بچھونے ڈس لیا ہو تو اس پر معوذتین یا سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کرنا یا ہاتھ پر دم کرکے ہاتھ پھیرنا۔

امام نووی اور حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ اگر تین باتوں کا خیال رکھا جائے تو دم کرنا بالاتفاق سب کے یہاں جائز ہے:

۱۔ اللہ کے کلام یا اللہ کے اسماء وصفات کے ذریعے سے ہو۔

۲۔ عربی زبان یا کسی دوسری زبان میں ہو لیکن اس کے معنی ومطلب معلوم ہو۔

۳۔ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ یہ دم کرنا خود اپنے طور پر مؤثر نہیں ہوسکتا بلکہ اثر وفائدہ دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

وہ تعویذ جو ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں وغیرہ کی حفاظت کے لیے سکھائے ہیں وہ ہیں جو امام بخاری حضرت

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن و حسین کی حفاظت کے لیے یہ پڑھا کرتے تھے:

((أعوذ كما بكلمات الله التامة من كل شيطان وهامة، ومن كل عين لامة)).	میں تمہاری حفاظت کی دعا کرتا ہوں اللہ کے ان کلمات کے ذریعہ جو کامل و مکمل ہیں ہر شیطان و موذی جانور سے اور نگاہ بد لگانے والی آنکھ سے۔

۵۔ بدشگونی کی حرمت: اس لیے کہ بزار و طبرانی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((ليس منا من تطير أو تطير له ...)).	وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو بدشگونی لے یا جس کے لیے بدشگونی لی جائے۔

اور ابوداؤد، نسائی و ابن حبان اپنی صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((العيافة والطيرة والطرق من الجبت)).	رمل کی لکیریں کھینچنا اور بدشگونی اور جادو منتر کے طور پر کنکری پھینکنا غیر اللہ کی عبادت ہے۔

عیافة: نام ہے علم رمل کی لکیریں کھینچنے کا، اور یہ بھی جادو کی ایک قسم ہی ہے، جو آج بھی پائی جاتی ہے
طرق: بھی جادو کی ایک قسم ہے جس میں کنکری پھینکی جاتی ہے۔
جبت: سے مراد ہے وہ غیر اللہ جس کی عبادت کی جائے۔

زمانۂ جاہلیت میں اہلِ عرب کووں اُلووں کی آوازوں اور پرندوں کے دائیں سے بائیں جانب گزر جانے سے بدشگونی لیا کرتے تھے، اور یہ چیزیں انہیں دنیا کے بہت سے کاموں سے روک دیا کرتی تھیں، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس سے روک دیا اور یہ واضح فرما دیا کہ کسی فائدہ بخش چیز کے حصول یا نقصان دہ چیز اور اس کے ضرر دور کرنے میں ان کا کوئی اثر نہیں ہوتا بلکہ اثر و تاثیر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت ہی میں ہے۔

ابن عدی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إذا تطيرتم فامضوا وعلى الله فتوكلوا)).	جب تم بدشگونی لو تو وہ کام ضرور کر لیا کرو اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا کرو۔

اور بیہقی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشاد فرمایا:

((من عرض له من هذه الطيرة شيئ فليقل: اللهم لا طير إلا طيرك ولا خير إلا خيرك)).	جس کے دل میں اس بدشگونی سے کوئی اثر پیدا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ یہ کہے: اے اللہ بدشگونی تیرے ہی دست قدرت میں ہے اور خیر بھی آپ ہی کے قبضہ میں ہے

اور حضرت عکرمہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک پرندہ تو مچاتا ہوا اڑ گیا، تو ایک صاحب نے کہا: خیر ہے خیر، حضرت ابن عباس نے فرمایا: نہ خیر ہے نہ شر (یعنی اس کے آواز کرنے پر کوئی چیز متفرع نہیں ہوتی ہے)۔

یہ تمام نصوص یہ واضح کرتی ہیں کہ وقت یا جگہ یا کسی حیوان سے شگون لینا، اسلام سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، اور شریعت میں بدشگونی لینا حرام ہے اور فاعل علی الاطلاق اور حقیقی مؤثر اللہ تعالیٰ ہی ہے، اس لیے مسلمان کو چاہیے کہ اپنی منزلِ مقصود کی طرف رواں دواں رہے اور اپنے مقصد ومطلوب تک پہنچنے میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے اور بدشگونی اسے کسی کام کے کرنے سے نہ روکے، اور نہ کسی بدفالی کی وجہ سے کسی کام سے ہاتھ کھینچے۔

د۔ کمائی وروزگار میں حرام چیزیں

جس وقت اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تھا اس وقت زمانۂ جاہلیت میں اہلِ عرب میں خرید وفروخت اور مالی معاملات اور تجارتی لین دین کی مختلف قسمیں رائج تھیں آپ نے ان میں سے بعض ایسی اقسام پر انہیں برقرار رکھا جو شریعتِ اسلامیہ کے اصول وقواعد اور ان نصوص کے خلاف نہیں تھیں جو دینِ اسلام میں موجود ہیں، اور بعض ایسی قسموں سے روک دیا جو افراد وجماعتوں کی مصلحت کے خلاف تھیں، جن سے بہت سی برائیاں ومفاسد پیدا ہوتے تھے، اور جو برے اثرات چھوڑتی تھیں۔

روزگار وکمائی میں جو اہم اہم حرام چیزیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں وہ ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ حرام چیزوں کی فروخت: اس لیے کہ امام احمد وابوداؤد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

«إن الله إذا حرم شيئًا حرم ثمنه». اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کو حرام قرار دے دیتے ہیں تو اس کی قیمت کو بھی حرام کر دیتے ہیں۔

٭ ٭ ٭ ٭

لہٰذا شراب اور جاندار چیزوں کی مورتیاں اور سور اور گانے بجانے کے سامان کی تمام اقسام اور صلیبوں اور لاٹری کے پرچوں وغیرہ کی خرید وفروخت اسلام کی نظر میں حرام ہے۔

ان چیزوں کے حرام کرنے میں مصلحت وحکمت یہ ہے کہ ان کو ختم کیا جائے ان کا نام نشان مٹایا جائے اور لوگوں کو انکے لین دین سے دور رکھا جائے، اور معاشرے کو ان کے جسمانی ونفسیاتی ومعاشرتی واخلاقی اور اس کے علاوہ اور

دوسرے مضر اثرات و نقصانات سے بچایا جا سکے جو کسی عقل و دانش اور بصیرت و بصارت والے پر مخفی نہیں ہیں۔

۲۔ دھوکہ والی بیع: اس لیے کہ امام مسلم اپنی صحیح میں اور امام احمد و اصحابِ سنن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع حصاۃ[1] اور دھوکہ والی بیع سے منع کیا ہے، اور امام احمد و طبرانی روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لا تشتروا السمك بالماء فإنه غرر)). — مچھلی کو پانی میں ہوتے ہوئے نہ خریدو اس لیے کہ اس میں دھوکہ کا احتمال ہے (اس معنی پر کہ فروخت کرنے والا اسے پکڑ کر خریدار کے حوالہ نہ کر سکے)۔

غرر: کا مطلب یہ ہے کہ ایسی محتمل چیزوں کی فروخت جن کے انجام کا پتہ نہ ہو کہ وہ مل سکتی ہیں یا نہیں؟ جیسے کہ سمندر یا دریا میں موجود مچھلی یا ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے کی بیع، اس لیے کہ ان چیزوں کا پکڑ کر خریدار کے حوالے کرنا فروخت کرنے والے کے قبضہ میں نہیں ہوتا ہے، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بیع کی یہ قسم خریدار و فروخت کرنے والے کے درمیان لڑائی جھگڑے کا ذریعہ بنتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس دھوکہ دہی کی وجہ سے اقتصادی مصالح کو بھی نقصان پہنچتا ہے اور تاجروں اور کاروبار کرنے والوں اور خریداروں میں عدمِ اعتماد کی فضا پیدا ہوتی ہے۔

۳۔ غبن اور قیمت بڑھانے کی بنیاد پر فروخت: اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا ضرر ولا ضرار)). مسند احمد و ابن ماجہ — نہ نقصان اٹھاؤ اور نہ نقصان پہنچاؤ۔

اسلام دراصل یہ چاہتا ہے کہ تجارتی معاملات میں لوگوں کو خود مختار اور آزاد چھوڑ دے تاکہ ضرورت اور حالات کے اعتبار سے اقتصادی زندگی عمدگی سے چلتی رہے، اور کاروباری زندگی میں تجارت رواں دواں رہے، اس لیے جب ایک مرتبہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دام بہت چڑھ گئے اور نرخ بڑھ گئے تو صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ہمارے لیے بھاؤ مقرر کر دیجیے تو اس حریت و آزادی کو برقرار رکھنے کے لیے آپ نے ارشاد فرمایا:

((إن الله هو المسعر القابض الباسط الرازق، وإني لأرجو أن ألقى الله وليس أحد منكم يطالبني بمظلمة في دم ولا مال)). — اللہ تعالیٰ ہی بھاؤ و نرخ مقرر کرنے والا اور روکنے اور کشادگی پیدا کرنے والا اور رزاق ہے اور میں یہ چاہتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملوں کہ تم میں سے کوئی شخص مجھ سے مال یا جان کے بارے میں کسی ظلم و زیادتی کا مطالبہ نہ کرے۔

مسند احمد و ابوداؤد و ترمذی وغیرہ

---

[1] بیعِ حصاۃ کا مطلب یہ ہے کہ خریدار و فروخت کرنے والے دونوں آپس میں یہ طے کر لیں کہ سامنے رکھی ہوئی چیزوں میں سے جس پر بھی کنکری گرے گی وہ خریدار کی ہوگی۔

لیکن اگر بازار میں فرضی عوامل کا عمل دخل ہوجائے اور ضروریاتِ زندگی کی ذخیرہ اندوزی ہونے لگے، اور نرخ وبھاؤ کو لوگ کھلونا بنالیں، اور خاص حالات سے ناجائز فائدہ اٹھانے لگیں تو معاشرے کی ضروریات وحاجت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے نرخ مقرر کرنا اور ان کا کنٹرول کرنا درست ہے تاکہ قوم کے افراد کو ذخیرہ اندوزوں اور موقعہ سے فائدہ اٹھانے والوں سے بچایا جاسکے جیساکہ دوسرے عام اصول اور شرعی قواعد کا فیصلہ ہے مثلاً جیسے کہ یہ قاعدہ ہے کہ فساد کو دور کرنا مصلحت ومنفعت کے حاصل کرنے پر مقدم ہے اور جیسے کہ یہ قاعدہ ہے کہ نہ نقصان دو نہ نقصان اٹھاؤ۔

فقہاءِ حنفیہ نے یہ طے کیا ہے کہ اگر غلہ کا کاروبار کرنے والے بازار میں اپنی حکمرانی چلاتے ہوں اور قیمت میں بہت زیادتی کرتے ہوں، اور قاضی وحاکم بغیر کنٹرول اور نرخ مقرر کیے مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت نہ کرسکتا ہو تو ایسی صورت میں اصحابِ بصیرت اور ذی رائے حضرات کے مشورے سے نرخ مقرر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، ملاحظہ ہو فقہِ حنفی کی کتاب ہدایہ۔

۴۔ <u>ذخیرہ اندوزی کی بنیاد پر فروخت</u>: اس لیے کہ امام احمد وحاکم وابن ابی شیبہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((من احتکر الطعام أربعین لیلةً فقد بریٔ من اللہ وبریٔ اللہ منہ)) ۔ — جو شخص چالیس رات تک غلہ کی ذخیرہ اندوزی کرے گا وہ اللہ سے بری ہوا اور اللہ تعالیٰ اس سے بری ہوا۔

اور امام مسلم رحمہ اللہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((لا یحتکر إلا خاطیٔ)) ۔ — ذخیرہ اندوزی نہیں کرتا مگر خطاوار۔

یہاں خطاوار سے گناہگار شخص مراد ہے اس معنی میں لفظ خاطیٔ اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرمان میں استعمال ہوا ہے:

((إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا كَانُوا خَاطِئِينَ)) ۔ القصص۔ ۸ — بے شک فرعون اور ہامان اور ان کے تابعین (بڑے) خطاکار تھے۔

اور ابن ماجہ وحاکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((الجالب مرزوق والمحتکر ملعون)) ۔ — جو شخص غلہ بازار میں لاتا ہے اس کو رزق دیا جاتا ہے اور جو ذخیرہ اندوزی کرتا ہے وہ ملعون ہے۔

٭ ٭ ٭

ذخیرہ اندوزی کا مطلب یہ ہے کہ تاجر ایسی چیز ذخیرہ کرے جس کی لوگوں کو سخت ضرورت ہو تاکہ مناسب وقت پر حسبِ منشأ دام وصول کرسکے، اس ذخیرہ اندوزی کے ممنوع ہونے میں عمومی طور سے تمام غذائی اجناس شامل ہیں۔

ذخیرہ اندوزی کی ممانعت میں مقامی شخص کا باہر والے کے لیے فروخت کرنا بھی داخل ہے، اس لیے کہ امام مسلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: کوئی مقامی اور شہر کا رہنے والا آدمی

کسی دیہات کے رہنے والے آدمی کے لیے خرید وفروخت نہ کرے. لوگوں کو چھوڑ دو تاکہ بعض بعض کے ذریعے رزق حاصل کر سکیں، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کوئی اجنبی شخص باہر سے یا کسی دیہات سے ایسا سامان لے کر آتا ہے جس کی لوگوں کو ضرورت ہو اور وہ اس دن کے بھاؤ پر بیچنا چاہتا ہو تو وہاں کا کوئی مقامی آدمی اس کے پاس آئے اور اس سے کہے تم اپنا سامان میرے پاس رکھ دو تاکہ میں اسے آرام سے مہنگے داموں پر فروخت کر دوں. اگر وہ دیہات کا آدمی یا باہر کا آدمی خود بیچتا تو سستا بیچتا اور شہر والوں کو فائدہ پہنچتا اور وہ خود بھی فائدہ اٹھاتا.

۵. دھوکہ دہی سے فروخت کرنا: اس لیے کہ امام مسلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صاحب کے پاس سے گزرے جو غلہ فروخت کر رہے تھے، آپ کو غلہ اچھا معلوم ہوا. آپ نے اس ڈھیر کے اندر ہاتھ مارا تو اس میں نمی محسوس ہوئی تو آپ نے فرمایا: اے غلہ والے یہ کیا بات ہے؟! اس نے کہا: یہ بارش سے بھیگ گیا تھا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم نے اس بھیگے ہوئے غلہ کو غلہ کے اوپری حصہ میں کیوں نہیں رکھا تاکہ لوگ اسے دیکھ لیتے؟ جس نے ہمیں (یعنی مسلمانوں کو) دھوکہ دیا وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے.

دھوکہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو اس کی حقیقت کے خلاف اس طرح ظاہر کیا جائے جس کا علم خریدار کو نہ ہو. حاکم وبیہقی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

«لا یحل لأحد أن یبیع بیعًا	کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کوئی چیز فروخت
إلا بین ما فیه، ولا یحل	کرے مگر یہ کہ اس میں جو عیب ہو وہ بیان کر دے اور جو
لمن یعلم ذلك إلا بینه».	یہ عیب جانتا ہو اس کے لیے یہ حلال نہیں کہ وہ عیب کو
	بیان نہ کرے.

٭ ٭ ٭

حرمت میں اس وقت اور شدت آجاتی ہے جب اپنے دھوکہ کی تائید جھوٹی قسم کے ساتھ کرے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاجروں کو عمومی طور سے قسم اٹھانے اور خصوصی طور سے جھوٹی قسم کھانے سے منع کیا ہے. امام بخاری رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: قسم اٹھانا سامان کو تو بکوا دیتا ہے لیکن برکت کو ختم کر دیتا ہے. اور جو شخص باوجود یہ جانتے ہوئے کہ جس بات پر وہ قسم اٹھا رہا ہے وہ جھوٹ ہے پھر بھی قسم اٹھاتا ہے ایسے شخص کو یمین غموس کا قسم اٹھانے والا کہا جاتا ہے، اور یمین غموس گناہ کبیرہ میں سے ہے، اور اس کو غموس اس لیے کہتے ہیں کہ یہ قسم قسم اٹھانے والے کو آگ میں داخل کر دیتی ہے اور اس کا کفارہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ آدمی پکی سچی توبہ کرے.

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ قسم کھانے سے جو منع کیا ہے (خواہ سچی قسم ہی کیوں نہ ہو) وہ اس لیے کہ اس میں ایک تو باہمی معاملہ اور لین دین کرنے والوں کو دھوکہ دہی کا خدشہ ہے، اور دوسرے یہ کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے نام کی عظمت بھی دلوں سے نکل جاتی ہے.

دھوکہ دہی کی اقسام میں سے کم تولنا اور کم ناپنا بھی ہے، اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

((وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝)). المطففين۔ ۱تا۶

بڑی خرابی ہے (ناپ تول میں) کمی کرنے والوں کی کہ جب لوگوں سے ناپ کرلیں پورا ہی لیں اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا دیں۔ کیا انہیں اس کا یقین نہیں کہ وہ زندہ اٹھائے جائیں گے ایک بڑے سخت دن میں جس دن کہ (تمام) لوگ پروردگار کے روبرو کھڑے ہوں گے۔

تطفیف کے معنی ہیں تجارت ولین دین اور خرید وفروخت میں کم ناپنا اور کم تولنا، قرآن کریم نے ہمارے لیے اس قوم کی حالت بیان کی ہے جس نے معاملات میں زیادتی کی، اور ناپ تول میں انصاف سے ہٹ گئے۔ اور لوگوں کو چیزیں کم کرکے دیں، تو اللہ نے ان کے پاس ڈرانے اور ان کو عدل وانصاف وسیدھے راستے پر واپس لانے کے لیے اپنے نبی کو بھیجا۔ یہ لوگ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم تھے جن کو اللہ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام نے دعوتِ حق دی اور ڈراتے ہوئے فرمایا:

((اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ۝ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۝ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝)). الشعراء ۱۸۱-۱۸۳

تم لوگ پورا ناپا کرو اور نقصان پہنچانے والے نہ ہو اور صحیح ترازو سے تولا کرو، اور لوگوں کا نقصان ان کی چیزوں میں نہ کیا کرو۔ اور ملک میں فساد مت مچایا کرو۔

۶۔ <u>چوری وڈاکے کے مال کا خریدنا یا بیچنا</u>: اس لیے کہ بیہقی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((من اشترى سرقةً وهو يعلم أنها سرقة فقد اشترك في إثمها وعارها)).

جس شخص نے کوئی چوری کی چیز خریدی اور اس کو معلوم بھی ہو کہ وہ چیز چوری کی ہے تو وہ خریدار بھی اس گناہ اور عار میں شریک ہوگیا۔

اس قسم کی خرید وفروخت کے حرام کرنے کا مقصد حرام کمائی کے دائرے کو تنگ کرنا اور معاشرہ کے افراد کو جرم ومجرموں کی بیخ کنی کی ذمہ داری اٹھانے میں شریک کرنا ہے۔

۷۔ <u>سود اور جوے کے راستے سے کمانا</u>: اس لیئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو کچھ باقی رہ گیا ہے سود اگر تم کو یقین ہے اللہ کے فرمانے کا پھر اگر نہیں چھوڑتے تو تیار ہو جاؤ اللہ سے اور اس کے رسول

وإن تبتم فلكم رؤوس أموالكم لا تظلمون ولا تظلمون)) . البقرة - ۲۷۸، ۲۷۹

سے لڑنے کو، اور اگر توبہ کرتے ہو تو تمہارے واسطے ہے اصل مال تمہارا نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ کوئی تم پر۔

اور اس لیے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

((لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا وموكله وكاتبه وشاهديه وقال : هم سواء)) . صحیح مسلم و مسند احمد و کتب سنن

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے اس کے کھلانے والے اور اس کے لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت بھیجی ہے اور فرمایا کہ یہ سب گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔

دینِ اسلام نے سود کو جو حرام کیا ہے یہ حرمت ہر قسم کے سودی کاروبار کو شامل ہے خواہ ادھار کا سود[1] ہو یا زیادتی والا[2] خواہ سود مال بڑھانے والا ہو یا مال کم کرنے والا، خواہ سود تھوڑے فائدہ والا ہو یا زیادہ فائدہ والا، سود کی یہ تمام اقسام سود کی حرمت کے اس مندرجہ ذیل فرمانِ الٰہی کے تحت داخل ہیں :

((أحل الله البيع وحرم الربا)) البقرہ - ۲۷۵ اللہ نے سوداگری کو حلال کیا ہے اور حرام کیا ہے سود کو۔

اور اسلام نے مندرجہ ذیل امور کی وجہ سے سود کو حرام قرار دیا ہے :

- اس لیے کہ محنت اور ثمرہ و پھل کے درمیان تقابل و توازن نہیں رہتا، اس لیے کہ سود خور قرض دینے والا نہ جدوجہد و محنت کرتا ہے نہ کوئی کام کاج اور جو کچھ کماتا اور جس نفع کو حاصل کرتا ہے اس میں خسارے کو برداشت نہیں کرتا ہے۔
- معاشرہ کا اقتصادی ڈھانچہ ڈہ جاتا ہے اس لیے کہ قرض دینے والا کام کاج سے ہچکچاتا ہے اور سستی و راحت کا دلدادہ ہو جاتا ہے، اس لیے کہ اسے اپنے نفع و فائدہ کی لالچ ہوتی ہے۔ اور سودی گورکھ دھندے کے ذریعے قرض دار کو دبانا و پھنسانا مقصود ہوتا ہے۔
- معاشرہ کے اخلاق کا جنازہ نکل جاتا ہے۔ اس لیے کہ سودی تعلقات کی وجہ سے معاشرے کے افراد میں باہمی تعاون نہیں ہوتا جس کی وجہ سے معاشرہ خراب ہو جاتا ہے اور اس میں قربانی جانثاری ایثار و محبت کے بجائے انانیت

---

[1] ادھار کے سود کو ربا النسیئۃ اور ربا الاجل کہا جاتا ہے جس سے مراد ہر وہ زیادتی ہے جو قرضدار قرض خواہ کو اصل مال سے زائد کی شکل میں دیتا ہے اس لیے کہ وہ اسے ایک متعین مدت تک کی مہلت دے دیتا ہے

[2] زیادتی والا سود جسے ربا الفضل کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی جنس کے غلے یا نقدی کا ایک دوسرے سے کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ کرنا جیسے مثلاً ایک کلو گندم کا تبادلہ ڈیڑھ کلو گندم سے۔

اور اپنے فائدہ کو دوسروں پر ترجیح دینے کا مرض عام ہو جاتا ہے۔
❖ معاشرہ دو متنازع طبقوں میں بٹ جاتا ہے۔ ایک طبقہ ان لوگوں کا جو اپنے مال و دولت کے بل بوتے پر لوگوں پر حکومت و بڑائی کرتے ہیں۔ اور دوسرا طبقہ کمزور و ناتواں غریبوں کا جن کے خون پسینے کے پیسے کو بلا حق ہضم کر لیا جاتا ہے۔
❖ اسلامی معاشرے و ماحول میں باہر سے درآمد کردہ تباہ کن الحادی نظریات جڑ پکڑنے لگتے ہیں، اس لیے کہ وہ اس تلخ حقیقت سے فائدہ اٹھاتے ہیں جو حرام و ناجائز سودی معاملات کے نتیجہ میں وجود میں آتی ہے۔
ان تمام وجوہ کی وجہ سے اسلام نے سود کو حرام قرار دیا ہے اور اسے کبیرہ گناہوں میں شامل کیا ہے اور اس کے لینے والے کو قیامت تک کے لیے اللہ اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت کا مستحق قرار دیا ہے۔

ربا و سود سے بچنے کے لیے اسلام نے کچھ راستے متعین کیے اور بعض طریقے بتلائے ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ اسلام نے مضاربت کے طور پر شرکت کی اجازت دی ہے، جس میں سرمایہ ایک شخص کا ہوتا ہے اور کام دوسرا آدمی کرتا ہے، اور آپس میں طے شدہ مقدار کے مطابق نفع ان دونوں آدمیوں کے درمیان مشترک ہوتا ہے اور نقصان سرمایہ دار کا ہوتا ہے لیکن کام اور محنت کرنے والا اس خسارہ میں کسی حصہ کا ذمہ دار نہیں ہوتا اس لیے کہ اس نے اپنی جدو جہد اور محنت صرف کر لی ہوتی ہے۔
۲۔ بیع سلم کی اجازت، اس میں نقد کو ادھار کے بدلے بیچا جاتا ہے، لہٰذا جس شخص کو پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ اپنی پیداوار کو موسم و سیزن پر دینے کے وعدہ پر مناسب دام کے بدلے بیچ دیتا ہے۔ جس کی شروط فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔
۳۔ ادھار پر بیچنا، اس میں نقد بیچنے کی بنسبت قیمت بڑھا کر بیچا جاتا ہے۔ اسلام نے لوگوں کی ضروریات کو دیکھتے ہوئے اور انہیں سودی معاملات سے بچانے کے لیے اس قسم کی خرید و فروخت کی اجازت دی ہے۔
۴۔ قرضِ حسنہ دینے والے اداروں کے قائم کرنے پر ابھارنا، خواہ یہ قرض افراد کے پیمانہ پر دیا جائے یا جماعات یا حکومت کے پیمانہ پر، اور اس کا مقصد یہ ہے کہ قوم کے افراد میں ایک دوسرے کا بوجھ برداشت کرنے کی عادت پیدا ہو۔
۵۔ زکاۃ و خیرات کے ادارے قائم کرنا، جن کا کام یہ ہو کہ محتاج قرض داروں، غریبوں، مساکین اور مسافروں کو اتنا روپیہ پیسہ دے دیا جائے جس سے ان کی حاجت پوری ہو اور باہمی امداد ہو سکے اور ان کا معیار بلند ہو۔
یہ وہ اہم ابواب ہیں جو اسلام نے معاشرے کے ہر فرد کے سامنے کھول رکھے ہیں تاکہ اس کی امداد و معاونت

ہو سکے اور اس کی انسانی کرامت وشرف کی حفاظت ہو، اور وہ اپنی ضروریات پوری کر کے اپنے مقصود کو حاصل اور اپنے مصالح کی حفاظت کر سکے، اور اس کی محنت اور جدوجہد مثمر ہو۔
رہا جوا تو اس کی بحث اس کتاب میں حرام کھیل کود کی بحث میں گزر چکی ہے، اس لیے اگر اس سلسلہ میں آپ کافی وشافی بحث دیکھنا چاہیں اور اس کا کامل ومکمل علاج کرنا چاہیں تو اس بحث کو دیکھ لیجیے گا۔

۵۔ جاہلی دور کی ناجائز وحرام عادات

آج کے دور میں زمانۂ جاہلیت کی بہت سی عادات اور ناپسندیدہ خصلتیں مسلمانوں میں سرایت کرگئی ہیں، اور ان کے نفوس اور گھروں میں جاگزین ہوگئی ہیں، بلکہ بعض لوگوں کی نظر میں تو وہ اتباع و پیروی کے لحاظ سے دین کی طرح اور اعتقاد کے لحاظ سے ایمان کی طرح ہوگئی ہیں، اور مزے کی بات یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔

زمانۂ جاہلیت کی چند اہم ایسی عادات وخصلتیں جو مستحکم ہو چکی ہیں:

۱۔ عصبیت کی بنیاد پر مدد کرنا: جس کا مشاہدہ ہم ان معاشروں میں کرتے ہیں جو دینی لحاظ سے پیچھے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی قوم اور قرابت داروں کی ہر صورت میں مدد کرتے ہیں خواہ وہ حق پر ہوں یا باطل پر۔
یہی وہ چیز ہے جس کی وضاحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صاحب کے سامنے کی تھی جنہوں نے آپ سے عصبیت کے بارے میں دریافت کیا تھا، چنانچہ ابوداؤد حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول عصبیت کیا ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا:

((أن تعين قومك على الظلم)). یہ کہ تم ظلم میں اپنی قوم کا ساتھ دو۔

اسی طرح آپ نے ان لوگوں سے بری الذمہ ہونے کا اعلان کیا ہے جو عصبیت میں گرفتار ہوتے ہیں فرمایا:

((ليس منا من دعا إلى عصبية،
وليس منا من قاتل على عصبية،
وليس منا من مات على عصبية)).
سنن ابی داؤد

وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو عصبیت کی طرف بلائے، اور وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو عصبیت کی بنیاد پر جنگ کرے، اور وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو عصبیت کی بنیاد پر مرے۔

جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ((انصر أخاك ظالماً أو مظلوماً)) یعنی اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم کا زمانۂ جاہلیت والے مفہوم کا رخ اسلام کی طرف پھیر دیا چنانچہ امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کے سامنے جو آپ کے اردگرد بیٹھے تھے یہ فرمایا کہ : تم اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو۔ لوگ یہ سن کر دہشت زدہ ہوگئے اور تعجب میں پڑ گئے۔ اور عرض کیا اے اللہ کے رسول : اپنے مظلوم بھائی کی مدد کرنا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن اگر وہ ظالم ہو تو اس کی مدد کرنے کا کیا مطلب ہے تو آپ نے فرمایا :

((تمنعه من الظلم فذلك نصرله)). تم اس کو ظلم سے روک دو یہی اس کی مدد کرنا ہے۔

حق کے ثابت و محقق کرنے اور عدل و انصاف کو ہر صورت میں لازم پکڑنے خواہ اپنے قریبی عزیز یا محبوب ترین فرد ہی کے خلاف کیوں نہ ہو اس سلسلہ میں قرآن کریم نے کتنی عجیب و عظیم بات کہی ہے :

((يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ)) النساء ۱۳۵ اے ایمان والو قائم رہو انصاف پر گواہی دو اللہ کی طرف کی اگرچہ نقصان ہو تمہارا یا ماں باپ کا یا قرابت داروں کا۔

۲۔ حسب نسب پر فخر کرنا : جن لوگوں میں خیر و بھلائی کا کوئی وافر حصہ نہیں ہے ان سے ہم حسب و نسب پر فخر و بڑائی کا دعویٰ اکثر سنتے رہتے ہیں، لیکن آپ ہی بتلایئے کہ اگر ایسے لوگ اسلامی راستہ سے ہٹ جائیں اور گمراہی و تباہی کے راستے کو اختیار کرلیں تو پھر حسب نسب کی کیا قیمت اور قدر و منزلت رہ جاتی ہے کیا اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا ہے :

((فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ)) . المؤمنون ۱۰۱ پھر جب صور پھونکا جائے گا تو اس روز نہ ان کے درمیان رشتے ناطے رہیں گے اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو نہایت سخت الفاظ میں تنبیہ کی ہے جو حسب نسب پر فخر کرتے ہیں ایسے لوگوں کے بارے میں نہایت شدید لہجہ اور تیز زبان استعمال کی ہے چنانچہ ابو داؤد و ترمذی روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا :

((لينتهين أقوام يفتخرون بآبائهم الذين ماتوا، إنما هم فحم جهنم أو ليكونن أهون على الله من الجعل يدهده الخرء بأنفه.. إن الله أذهب عنكم عبية الجاهلية وفخرها بالآباء، إنما هو مؤمن تقي أو فاجر شقي، الناس بنو آدم وآدم خلق من تراب)) .

چاہیے کہ قومیں اپنے ان آباء واجداد پر فخر کرنے سے رک جائیں جو مر چکے ہیں، وہ جہنم کا کوئلہ ہیں، ورنہ (یہ قومیں) اللہ کی نظر میں اس چیچڑی سے زیادہ حقیر و ذلیل بن جائیں گی جو پاخانہ کو اپنی ناک سے ادھر ادھر کرتی ہے۔۔ اللہ تعالیٰ نے تم سے زمانہ جاہلیت کے نخوت و غرور اور آباء واجداد پر فخر کو دور کردیا ہے، بات یہ ہے کہ یا تو انسان نیک متقی مومن ہوگا یا بدبخت و فاجر و فاسق ؛ سب لوگ اولاد آدم ہیں اور حضرت آدم مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔

❊ ❊ ❊

اور ہمیں وہ خطبہ بھی سن لینا چاہیے جو آپ نے حجۃ الوداع میں لوگوں کے بنیادی حقوق کے سلسلہ میں دیا تھا فرمایا :

((یاأیها الناس إن ربکم واحد، وإن أباکم واحد ألا لا فضل لعربي علی عجمي، ولا لعجمي علی عربي، ولا لأحمر علی أسود، ولا لأسود علی أحمر إلا بالتقوی)).

سنن بیہقی

اے لوگو بے شک تمہارا رب ایک ہے۔ اور تمہارا باپ ایک ہے سن لو کسی عربی کو کسی عجمی پر اور نہ کسی عجمی کو عربی پر، اور نہ سرخ رنگ والے کو کالے پر، اور نہ کسی کالے کو سرخ پر فضیلت حاصل ہے سوائے تقویٰ و پرہیزگاری کے۔

۳۔ مرنے والوں پر نوحہ کرنا: جن عادات کی اسلام نے بیخ کنی کی ہے ان میں مُردوں پر نوحہ کرنا بھی شامل ہے چنانچہ غم اور حزن ملال کے اظہار میں غلو کرنا مثلاً چہرے پر تھپڑ مارنا گریبان پھاڑنا، چہرے کو نوچنا، یہ سب زمانۂ جاہلیت کی حرکات اور اس کی موروثی عادات ہیں، جو شخص ایسا کرتا یا اس طرح سے اظہارِ غم کرتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے براءت و بیزاری کا اظہار کیا ہے، چنانچہ امام بخاری حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لیس منا من لطم الخدود وشق الجیوب ودعا بدعوی الجاهلیة)).

وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو چہرے کو پیٹے اور گریبان پھاڑے اور زمانۂ جاہلیت کے نعرے بلند کرے۔

لیکن چیخ و پکار کے بغیر اگر آنسو بہائے جائیں۔ اور جزع فزع کے بغیر اگر دل میں حزن و ملال ہو تو یہ بالکل جائز ہے اس لیے کہ یہ اسلامی آداب اور انسانی و بشری طبیعت کے موافق ہے، چنانچہ امام بخاری حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو کوئی تکلیف ہوگئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبدالرحمٰن بن عوف و سعد بن ابی وقاص و عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کے ہمراہ ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے، جب آپ ان کے پاس گئے تو آپ نے انہیں اپنے گھر کے افراد کے درمیان پایا آپ نے پوچھا کیا رحلت کر گئے ہیں؟ تو انہوں نے کہا: جی نہیں اے اللہ کے رسول، پس کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رونے لگے، جن دوسرے لوگوں نے آپ کو روتے دیکھا وہ بھی رونے لگے، تو آپ نے ارشاد فرمایا: کیا تم لوگ سنتے نہیں ہو؟ اللہ تعالیٰ آنکھوں سے آنسو بہانے دل کے غمگین ہونے پہ عذاب نہیں دیتے ہیں، بلکہ اس (زبان) کی وجہ سے عذاب دیتے ہیں یا رحم فرماتے ہیں، اور مرنے والے کو اس کے گھر بار کے لوگوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے[1]۔

نوحہ پر کلام کے سلسلہ میں درج ذیل امور پر تنبیہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے:

۱۔ کسی مسلمان مرد یا عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ سوگ اور حزن و ملال کے لباس یا شعار کو استعمال کرے اور نئے کپڑے و آراستگی اور زیب و زینت چھوڑ دے، یا غم کے اظہار اور حزن و ملال کے دراز کرنے کے لیے اپنی عادت

---

[1] رونے سے مراد نوحہ کرنا اور بلند آواز سے آہ و بکا کرنا ہے، اور اگر مرنے والا اس طرح سے رونے کی وصیت کرے یا اس پر راضی ہو تو اس رونے کی وجہ سے اسے عذاب دیا جائے گا۔

یا لباس اور ہیئتِ سابقہ کو بدل دے، اس لیے کہ یہ کافروں سے مشابہت اور اندھی تقلید کے قبیل سے ہے، چنانچہ امام ترمذی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لیس منا من تشبه بغیرنا لا تشبهوا بالیهود ولا بالنصاری)).

وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے علاوہ کسی اور کی مشابہت اختیار کرے تم یہود و نصاریٰ کی مشابہت اختیار مت کرو۔

٭ ٭ ٭

اور امام احمد و ابوداؤد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من تشبه بقوم فهو منهم)).

جو شخص کسی قوم سے مشابہت اختیار کرتا ہے تو اس کا شمار اسی قوم میں ہوتا ہے۔

٭ ٭ ٭

۲۔ دوسروں سے مشابہت اور اندھی تقلید میں میت کی نعش یا قبر پر پھولوں کی چادر چڑھانا بھی داخل ہے، اس لیے کہ یہ کام نہ صرف یہ کہ کافروں کا عمل ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس میں ناحق مال کو ضائع کرنا بھی داخل ہے۔ لیکن اگر قبر پر پھولوں کی چادر رکھے بجائے پھولدار درخت یا کوئی پودا لگا دیا جائے اور غیروں سے اس میں کسی قسم کی مشابہت نہ ہو تو ایسا کرنا درست ہے سنتِ نبوی سے اس کی اباحت وتائید معلوم ہوتی ہے، چنانچہ امام مسلم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ: سن لو ان دونوں کو عذاب دیا جا رہا ہے، لیکن ان کو کسی بڑی چیز کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جا رہا ہے، ان میں سے ایک آدمی تو چغل خوری کیا کرتا تھا اور دوسرا آدمی پیشاب (کی چھینٹوں) سے نہیں بچا کرتا تھا، راوی کہتے ہیں کہ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کی ایک سرسبز ٹہنی منگائی اور اس کے دو ٹکڑے کرکے ہر ایک کو ایک قبر میں گاڑ دیا اور دوسرا دوسری قبر میں پھر فرمایا: ممکن ہے اللہ تعالیٰ ان سے اس وقت تک کے لیے عذابِ قبر میں تخفیف فرما دے جب تک یہ دونوں ٹہنیاں سوکھ نہ جائیں۔

۳۔ دوسرے سے مشابہت واندھی تقلید میں مرنے والے کی تصویر کا نعش پر رکھنا یا اس کا تعزیت وسوگ والے گھر کے صدر مقام پر رکھنا بھی داخل ہے، اس لیے کہ اس کام میں دوسروں (غیر مسلموں) کی صرف اندھی تقلید ہی نہیں ہے بلکہ اس میں حرام کا ارتکاب بھی ہے اس لیے کہ بلا ضرورت تصویر بنوانا اسلامی نقطۂ نظر سے ناجائز وحرام ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

۴۔ دوسروں سے مشابہت واندھی تقلید میں میت کی نعش کے پاس یا تعزیت والے گھر میں غمناک موسیقی وگانا بجانا بھی داخل ہے۔ اس لیے کہ اس فعل میں کافروں کے ساتھ نہایت قبیح وناپسندیدہ مشابہت ہی نہیں ہوتی بلکہ یہ چیز

شریعتِ مطہرہ کی نظر میں ناجائز وحرام کاموں میں سے ہے جیساکہ ان احادیث سے ثابت ہو چکا ہے جو گانے بجانے کے سازوسامان اوراس کے سننے سنانے کے بارے میں اس سے قبل گزر چکی ہیں۔ یہ گانا بجانا خواہ خوشی کے موقعہ پر ہو یا غم وحزن کے دونوں صورتوں میں ناجائز وحرام ہے۔

۵۔ تعزیت کے موقعہ پر۔ ناپسند ومنکر کاموں میں سے سگریٹ نوشی اور دوسروں میں اس کی تقسیم بھی شامل ہے، خصوصاً قرآنِ کریم کی تلاوت کے موقعہ پر، اسلام کی نظر میں یہ نہایت قبیح وشنیع فعل ہے۔ اس لیے کہ اس میں ایک جانب تو حرام چیز کا ارتکاب ہوتا ہے اور دوسری جانب قرآنِ کریم کی بے حرمتی ہوتی ہے۔

۶۔ میت کے دفن کرنے کے بعد جو منکرات رائج ہیں ان میں قبروں کا پکا بنانا اوران پر عمارت وقبے کا تعمیر کرنا بھی داخل ہے، اس لیے کہ امام مسلم رحمہ اللہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو پکا بنانے اوران پر بیٹھنے اوران پر تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اور یہ بات یقینی طور سے نہایت افسوسناک ہے کہ آج کل بعض لوگ قبر پر عمارت بنانے اوراس کے مزین و آراستہ کرنے میں ایک دوسرے سے مقابلہ وفخر کرتے ہیں، لیکن اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ یہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طریقے کے چھوڑنے اور مخالفت کرنے والے ہیں جو آپ نے قبر کے پکا بنانے اوراس کی تزیین کے سلسلہ میں دیا ہے اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ جب آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا تو آپ نے ان کی قبر مسطح (پھیلی ہوئی) بنائی اور اس پر کنکر ڈال کر اس پر پانی سے چھڑکاؤ کیا۔

یہ بھی مسنون ہے کہ قبر کے پاس کوئی علامت لگادی جائے تاکہ انسان جب قبر پر جانا چاہے تو قبر پہچان سکے جیسے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے سرہانے ایک پتھر رکھ کر فرمایا تھا کہ میں اسے اپنے بھائی کی قبر کی پہچان کے لیے رکھ رہا ہوں۔

ورثاء جس وقت اپنے مرنے والوں کو دفن کرتے ہیں اگر وہ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے طریقے کو اختیار کرلیں تو یہ لوگ اللہ کی حدود پر کس قدر قائم رہنے والے ہوں گے۔

اور ایسے ورثاء کس قدر نیک صالح ہوں گے جو اپنے مرحوم کو ثواب پہنچانے اوراس کی خیر وبھلائی وغیرہ کے لیے قبر کی تعمیر وتزیین میں خرچ ہونے والی رقم کسی مسجد ومدرسہ کی تعمیر یا شفاخانہ قائم کرنے کے سلسلہ میں خرچ کرڈالیں، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

((اذا مات ابن آدم انقطع عمله إلا من ثلاث: صدقة جارية. أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعو له)).

جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل ختم ہوجاتا ہے سوائے تین چیزوں کے (کہ ان کا اجر وثواب ملتا رہتا ہے) صدقہ جاریہ، یا ایسا علم جس سے نفع اٹھایا جائے، یا نیک صالح

لڑکا جو اس کے لیے دعا کرتا رہے۔   الأدب المفرد للبخاری وغیرہ

۴۔ ان کے علاوہ کچھ عادات اور بھی ہیں جنہیں اسلام نے حرام قرار دیا ہے:

❁ زمانۂ جاہلیت کی ان عادات واطوار میں سے جو ہمارے بعض معاشروں میں رچ بس گئی ہیں یہ بھی ہے کہ خوشی و مختلف ومناسبات میں لوگ مغنیوں اور مغنیاؤں اور رقاصاؤں کی مجالس برپا کرتے اور ان میں شریک ہوتے ہیں، اور اس کے علاوہ مزید اور وہ برائیاں اور خرابیاں جوان محفلوں میں پائی جاتی ہیں مثلاً شراب کے جاموں کا دَور، اور بے ہودہ گانوں وسازوں کا بجانا اور نشہ میں دھت مست وسرشار لوگوں کی اِدھر اُدھر سے بے حجابانہ شرمستیاں وہنسی مذاق، اور ناسمجھوں و بے وقوفوں کا بندوقوں وپستولوں سے ہوائی فائرنگ کرنا۔

ان گندی مجالس اور فحش محفلوں اور گناہ سے پُر جاہلی عادات کی اتباع کی لعنت میں کتنے لوگ مارے جاچکے ہیں اور کتنے ہی زخمی ہوچکے ہیں اور کتنے ہی فتنے وخرابیاں پیدا ہوچکی ہیں اور کتنے ہی خاندانوں میں خون خرابہ ہوچکا ہے۔

اس وقت ہم یہ ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ غناء وموسیقی، رقص وسرود اور گانے باجے، شراب اور مرد وزن کے اختلاط کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر دوبارہ پھر سے پیش کریں، اس لیے کہ اس کتاب کے بہت سے مقامات پر ہم ان مباحث پر روشنی ڈال چکے ہیں، اور ان کا حکم صاف الفاظ میں بیان کرچکے ہیں۔ لہٰذا اگر آپ ان برائیوں اور خرابیوں کی حرمت کی دلیلیں اور حکمت معلوم کرنا چاہیں تو ان ابحاث کا مطالعہ کرلیں۔

❁ بعض معاشروں میں زمانۂ جاہلیت کی جن عادات کا تذکرہ ہم سنتے رہتے ہیں ان میں سے بچے کا اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف منسوب کرنا بھی داخل ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل کو ان گندے منکرات میں شمار کیا ہے جو اللہ اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت کے مستوجب ہیں، چنانچہ امام بخاری ومسلم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((من ادعی إلی غیر أبیه أو انتمی إلی غیر موالیه فعلیه لعنة الله والملائکة والناس أجمعین لا یقبل الله منه صرفاً ولا عدلاً)).	جو شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنی نسبت کرے یا اپنے مولیٰ کے بجائے کسی اور کی طرف منسوب ہو تو اس پر اللہ اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے نہ فرض کو قبول کرے گا نہ نفل کو (نہ توبہ قبول ہوگی نہ اس سے فدیہ قبول کیا جائے گا)۔

اور امام بخاری ومسلم حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((من ادعى إلى غير أبيه وهو يعلم أنه غير أبيه فالجنة عليه حرام)) ۔

جو شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف یہ جانتے ہوئے اپنے کو منسوب کرے کہ وہ اس کا باپ نہیں ہے تو ایسے شخص پر جنت حرام ہے۔

اور اس سے مصنوعی طریقے سے حاملہ بنانے کی حرمت بھی متفرع و معلوم ہوتی ہے، جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ کسی اجنبی مرد کا مادۂ منویہ کسی ایسی عورت کے رحم میں منتقل کر دیا جاتا ہے جو اس مرد کے لیے حرام ہوتی ہے، تاکہ وہ عورت بچہ پیدا کر سکے، یہ نہایت قبیح جرم ہے جو زنا کے ساتھ ایک ہی دائرے میں شامل ہے۔ اور اس میں بھی زنا کی طرح ایک ایسے ناجائز و حرام طریقے اور کیفیت سے بچہ پیدا کیا جاتا ہے جو آسمانی شریعتوں میں ناپسندیدہ اور شاندار اخلاقی معیار سے گرا ہوا ہے۔

لیکن کسی بچے کو اس لیے لے پالک یا متبنیٰ بنانا کہ اس کی تربیت دیکھ بھال اور امداد ہو جائے، مثلاً کوئی یتیم یا لاوارث بچہ تو یہ شرعاً جائز ہے۔ بشرطیکہ وہ شخص اس کی نسبت اپنی طرف نہ کرے اور اس کے لیے بیٹے والے احکام اور نسب والے تعلقات لازم نہ کرے، اور اس طرح کی تربیت و دیکھ بھال کا اجر و ثواب جنت ہی ہے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :

((أنا وكافل اليتيم في الجنة هكذا . وأشار بالسبابة والوسطى وفرج بينهما)) ۔

میں اور یتیم کا پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے اور آپ نے شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ کیا اور ان دونوں انگلیوں کے درمیان ذرا سا فاصلہ کیا۔

÷ ÷ ÷ ÷

جو شخص ایسے یتیم یا لاوارث بچے کی کفالت و پرورش کر رہا ہے اس کو یہ اختیار ہے کہ وہ اس بچے کو اپنی زندگی میں جتنا مال چاہے دے دے اور اپنے مرنے کے بعد اپنے مال میں سے ایک تہائی کی حدود میں اس کے لئے وصیت کر جائے۔

❁ بہت سے علاقوں اور دیہاتوں میں زمانۂ جاہلیت کی جو عادات اور طور طریقے رائج ہیں ان میں سے لڑکی کے مہر کا کھا جانا اور اس کو میراث سے محروم کرنا بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عورت کے لیے مہر میں ایسا ہی حق رکھا ہے جس طرح اس کے لیے میراث میں حق رکھا ہے اس لیے نہ کسی باپ، نہ کسی بھائی، اور نہ کسی شوہر یا کسی اور انسان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ عورت کو اس کے حقِ میراث سے محروم کر دے یا اس سے اس کا حقِ مہر چھین لے۔

عورت کا حقِ میراث قرآنِ کریم سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

((لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ

مردوں کا بھی حصہ ہے اس میں جو چھوڑ مریں ماں باپ

والْاَقْرَبُوْنَ ۔ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ	اور قرابت والے اور عورتوں کا بھی حصہ ہے اس میں جو
الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ،	چھوڑ مریں ماں باپ اور قرابت والے تھوڑا ہو یا بہت ہو حصہ
نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝))۔ النساء۔۔ ۷	مقرر کیا ہوا ہے۔

اور اس کے حق مہر کا ثابت ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی کتاب میں موجود و ثابت ہے ارشاد ربانی ہے :

((وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ	اور اگر بدلنا چاہو ایک عورت کی جگہ دوسری عورت کو اور
اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا ۔	دے چکے ہو ایک کو بہت سا مال تو مت پھیر لو اس میں سے
اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ وَكَيْفَ	کچھ، کیا اس کو ناحق اور صریح گناہ سے لینا چاہتے ہو۔ اور
تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ	کیونکر اس کو لے سکتے ہو اور پہنچ چکا ہے تم میں کا ایک
وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا))۔ النساء۔۔ ۲۰ و ۲۱	دوسرے تک اور وہ عورتیں تم سے پختہ عہد لے چکیں۔

لہٰذا جو شخص بھی میراث یا مہر کے سلسلہ میں اللہ کی شریعت و فیصلہ کے خلاف کرے گا وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا اور اس نے اس حق سے روگردانی کی جو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں بیان کر دیا ہے۔ اور ایسا شخص ایسے روز اللہ کی وعید اور انتقام کا مستحق بن گیا ہے جس روز نہ مال فائدہ پہنچائے گا نہ اولاد سوائے اس کے جو اللہ کے دربار میں قلب سلیم لے کر حاضر ہو۔ اس لیے عقلمندوں کو عقل و ہوش سے کام لینا چاہیے۔

یہ ان اہم اہم محرمات کا تذکرہ تھا جنہیں اسلام نے حرام قرار دیا ہے اور ان سے ڈرایا ہے اور ان کے ارتکاب کرنے والے کے عذاب کی وعید ذکر کی ہے۔

اس لیے اے مربی محترم ! آپ کو چاہیے کہ آپ خود بھی ان سے بچیں اور دوسروں کو ان سے بچنے والا بنانے کیلیے اپنا اسوۂ حسنہ اور نمونہ چھوڑیں، اور اپنے آپ کو اس میں مثال بنائیں، اور ساتھ ہی ساتھ جن لوگوں کی تربیت کی ذمہ داری آپ پر عائد ہوتی ہے آپ انہیں ان گندگیوں کے جال میں نہ پھنسنے دیں۔ اور ان خرابیوں کی دلدل اور ان تباہ کن چیزوں سے انہیں بچائیں۔

اگر آپ نے ایسا کر لیا تو اللہ تعالیٰ آپ کو جزاء خیر دے گا اور آپ کے اجر و ثواب کو قیامت کے روز کے لیے ذخیرہ بنائے گا۔ اور آپ کی طاعات و نیکیوں کو قبول کرے گا، آپ کی دعا کو شرف قبولیت بخشے گا اور ہر غم و پریشانی میں آپ کا مددگار اور تنگی میں آپ کے لیے اس سے نکلنے کا راستہ پیدا کرے گا۔ اور قیامت کے روز اپنے اولیاء و منتخب بندوں اور فرشتوں نبیوں اور صدیقین و شہداء کے ساتھ آپ کا حشر کرے گا جن کی رفاقت بہت ہی عمدہ و اچھی ہے۔

لیجیے ان لوگوں کے بارے میں نبی اکرم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک سن لیجیے جن کا کھانا حرام، پینا حرام اور لباس حرام ہوتا ہے، تاکہ ان کے اللہ سے دور اور ان کے غضب کے مستحق ہونے کا کچھ حال آپ کو بھی معلوم ہو جائے،

امام مسلم رحمہ اللہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إن الله طيب لا يقبل إلا طيباً ، وإن الله أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين ، فقال تعالى: ((يا أيها الرسل كلوا من الطيبات واعملوا صالحاً)) [1] وقال تعالى: ((يا أيها الذين آمنوا كلوا من طيبات ما رزقناكم)) [2].

اللہ تعالیٰ طیب ہے اور پاک صاف طیب کو ہی قبول فرماتا ہے، اور اللہ نے مؤمنوں کو وہی حکم دیا ہے جو اپنے رسولوں کو دیا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیغمبرو! نفیس چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ایمان والو کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو روزی دی ہم نے تم کو۔

پھر آپ نے یہ بیان فرمایا کہ ایک شخص لمبے لمبے سفر کرتا ہے پراگندہ بال و غبار آلود ہوتا ہے آسمان کی طرف دونوں ہاتھ پھیلا پھیلا کر اے میرے رب اے میرے پروردگار کہہ کر دعا مانگتا ہے، اور اس کا کھانا حرام کا ہوتا ہے اور پینا حرام سے ہوتا ہے اور اس کا لباس حرام کا ہوتا ہے اور اس کو حرام و ناجائز کی غذا ملی ہوتی ہے تو پھر بھلا اس کی دعا کیوں کر قبول ہو۔

اور بیہقی و ابونعیم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((كل جسد نبت من سحت فالنار أولى به)).

جو جسم بھی ناجائز و حرام سے بڑھے گا اس کے لیے آگ زیادہ مناسب ہے۔

اے مربی محترم! اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ فرمائے کہ ہم ان لوگوں میں سے بنیں جو جہنم کے عذاب کے مستحق ہیں اور جو دعا مانگتے ہیں لیکن ان کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ اللہ ہی بہترین وہ ذات ہے جس سے امید رکھی جا سکے، اور وہی سزاوار ہے اس کا کہ دعا کو قبول فرمائے۔

مربیان محترم! یہ وہ اہم اصول و قواعد ہیں جو دینِ اسلام میں بچے کی تربیت کے لیے مقرر کیے گئے ہیں، اور آپ نے خود ملاحظہ کر لیا ہوگا کہ یہ تمام اصول دو بنیادی قاعدوں پر مبنی ہیں:

پہلا قاعدہ - ارتباط و ربط کا قاعدہ۔

دوسرا قاعدہ - بچانے اور متنبہ کرنے کا قاعدہ۔

اور اس سے قبل آپ یہ پڑھ چکے ہیں کہ ان قواعد میں سے ہر قاعدے کے تحت بہت سے فروعی قواعد مندرج ہیں

---

[1] المؤمنون - ۵۱

[2] البقرہ - ۱۷۲

جو بچے کے توازن اور اس کی روحانی و ایمانی و نفسیاتی تعمیر اور اخلاقی و معاشرتی و علمی شخصیت سازی میں بہت بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔

❁ آپ نے وہ باتیں پڑھ لیں جو ربط و ارتباط کے قاعدہ سے متفرع ہوئی ہیں، آپ بتلائیے کہ آپ نے کیا محسوس کیا؟

کیا آپ نے یہ محسوس نہیں کیا کہ اعتقادی ربط وہ بہترین ذریعہ ہے جس سے آپ بچے کے عقیدہ کو زیغ و الحاد سے بچا سکتے ہیں؟

اور روحانی ربط وہ بہترین وسیلہ ہے جس سے آپ بچے کی نفس و اخلاق کو بے راہ روی و آزادی سے بچا سکتے ہیں۔

اور فکری تعلق و ربط وہ بہترین طریقہ ہے جس کے ذریعہ آپ ہر باطل مفہوم اور درآمد شدہ دستوروں کے بارے میں اس کے تصور کو درست کر سکتے ہیں۔

اور معاشرتی ربط وہ بہترین ذریعہ ہے جس سے آپ بچے کی شخصیت کو برباد و ضائع ہونے اور مہمل بننے سے بچا سکتے ہیں۔

اور ورزش و ریاضت کا ربط وہ بہترین ذریعہ ہے جس سے آپ بچے کے جسم کو ضعف و کمزوری ڈھیلے پن اور فضول و بے مقصد کھیل کود سے بچا سکیں گے۔

❁ اور آپ نے وہ جزئیات پڑھ لیں جو بچانے اور متنبہ کرنے کے قاعدہ سے متفرع ہوتی ہیں، تو اب تبلائیے کہ آپ نے کیا محسوس کیا؟

کیا آپ نے یہ نہیں دیکھا کہ بچے کو ارتداد سے بچانا و ڈرانا اسے گمراہی اور کفر کی وادیوں میں پھسلنے سے دور نہیں رکھتا؟

اور الحاد سے چوکنا کرنا بچے کو ذاتِ الٰہی اور آسمانی دینوں سے ناآشنا ہونے سے بچاتا ہے۔

اور حرام کھیلوں سے بچانا بچے کو شہوات و لذات کی دلدل میں پھنسنے اور خواہشاتِ نفسانی کے دام میں گرفتار ہونے سے بچاتا ہے۔

اور اندھی تقلید سے چوکنا کرنا بچے کی شخصیت کو تباہ ہونے اور انسانی کرامت کے برباد ہونے سے بچاتا ہے۔

اور برے ساتھیوں سے بچانا بچے کو نفسیاتی انحراف اور اخلاقی بگاڑ سے روکتا ہے۔

اور برے اخلاق سے چوکنا کرنا بچے کو بے حیائی کی کیچڑ میں پھنسنے اور گندگی کے جوہڑ میں پڑنے سے بچاتا ہے۔

اور حرام سے بچانا بچے کو جہنم کے عذاب اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور بیماریوں اور امراض کا نشانہ بننے سے بچاتا ہے۔

لہذا اگر بات اسی طرح ہے تو آپ کو چاہیے کہ آپ اپنی سی پوری کوشش کریں اور اچھی طرح سے محنت کریں اور اپنے بس میں جو بھی ہو اسے بروئے کار لائیں تاکہ آپ ارتباط و ربط کے قاعدہ کو ایک ایک کر کے نافذ کر سکیں، اور متنبہ کرنے اور بچانے کے بنیادی اصولوں میں سے ایک ایک اصول پر عمل کرا سکیں، اسی میں بچے کی اصلاح، اور اس کے عقیدے کی پختگی اور اخلاق کی درستگی، اور اس کے جسم کی تقویت اور عقل کی پختگی اور اس کی شخصیت کی بہترین و عظیم تعمیر ہے۔

جن امور کی میں نصیحت کرتا ہوں اور جن کی طرف توجہ مبذول کراتا ہوں یہ ہے کہ ربط و متنبہ و چوکنا کرنے کے اصول ایسے اصول ہیں جن کو ایک دوسرے کے ساتھ شانہ بشانہ چلتے رہنا چاہیے اور یہ اس وقت ہوگا جب مربی تربیت و شخصیت سازی و دیکھ بھال کے فریضہ کو ادا کرے گا، اس لیے ان دونوں میں کسی ایک کا دوسرے سے جدا ہونا کبھی بچے کو فکری یا اخلاقی یا نفسیاتی انحراف تک پہنچا سکتا ہے۔

ہم نے کتنے ہی ایسے بچوں کے بارے میں سنا ہے جن کا رابطہ اللہ تعالیٰ کے گھروں سے قائم ہوگیا جن کا تعلق مربی و شیخ سے جڑ گیا، جن کا اچھی صحبت سے رابطہ پیدا ہوگیا لیکن پھر بھی وہ باطل فکری اعتقادات میں گرفتار ہوگئے، مثلاً یہ عقیدہ کہ اسلام صرف ایمانی قضیوں اور دینی شرعی مسائل میں محصور ہے، اسلام نے حکومت کے معاملات اور سیاسی نظاموں اور زندگی کے دستور و منہج سے کوئی تعرض نہیں کیا۔

یا وہ خطرناک قسم کے اخلاقی انحراف میں پھنس گئے مثلاً یہ دعویٰ کرنا کہ بیئر حلال ہے اور موجودہ صورتحال میں ٹیلیویژن کا رکھنا جائز ہے، اور معمولی سے سود کا معاملہ حرام نہیں ہے، اور فحش گانوں کا سننا مباح ہے۔

یا وہ صحیح تربیت اور اچھی رہنمائی نہ ملنے کی وجہ سے نفسیاتی و عصبی امراض میں گرفتار ہوگئے، مثلاً یہ کہ انہیں ہمیشہ گوشہ نشینی، گمنامی اور گھر میں رہنے، اور عبادت گاہوں میں محصور رہنے کی تلقین کی گئی۔

اس لیے مربی کو چاہیے کہ وہ ربط و ارتباط اور متنبہ و چوکنا کرنے کے درمیان توازن رکھے، اور منفی اور مثبت دونوں پہلوؤں کو جمع رکھے، اور بچے کی تمام حرکات و سکنات پر نظر رکھے تاکہ اگر وہ یہ دیکھے کہ وہ راہِ راست سے ہٹ رہا ہے تو اس کو راہِ راست پر لائے، اور اگر اس کے عقیدہ میں کسی قسم کا زیغ یا کجی دیکھے تو اسے نورِ حق کے ذریعہ صاحبِ بصیرت بنا دے، اور اس کے دل کو ایمان کے نور سے منور و روشن کر دے، اور اگر اخلاق میں کسی قسم کی خرابی محسوس کرے تو اسے اس کے انجامِ بد اور خراب نتیجہ سے چوکنا کرے، اور اس کو مضبوط رابطے سے باندھے رکھے اور شاندار طریقے سے اس کی رہنمائی کرتا رہے۔

تربیت کرنے والوں کو ان بنیادوں پر چلنا چاہیے اور عمل و جد و جہد کرنے والوں کو ان اصول و قواعد پر عمل پیرا ہونا چاہیئے۔

تیسری فصل

۳ ۔ تربیت سے متعلق چند ضروری تجاویز

اخیر میں میں تربیت کرنے والے حضرات کے سامنے تربیت سے متعلق کچھ ایسی تجاویز پیش کرنا چاہتا ہوں جو نہایت ضروری ہیں اور جن سے استغنا نہیں برتا جا سکتا، اور جو ان ابحاث سے کچھ کم اہمیت نہیں رکھتیں جو ہم اس سے قبل پچھلی فصلوں میں لکھ چکے ہیں، جو "مربیوں کی ذمہ داریوں اور فرائض" اور "تربیت کے مؤثر وسائل" اور "بچے کی تربیت کے بنیادی قواعد" کے موضوع سے متعلق ہیں۔ ان تجاویز کو لکھ ہم تربیت کے وسائل کا ہر پہلو سے احاطہ کر لیں گے اور ساتھ ہی ساتھ ہم تربیت کرنے والوں کے سامنے بچے کی اخلاقی وفکری ونفسیاتی تیاری اور جسمانی وکردار ومعاشرتی شخصیت سازی کے لیے نئے آفاق کھول دیے ہوں گے تاکہ وہ اپنے مذہب ودین اور امت وقوم کے لیے نیک صالح انسان اور خاندان اور معاشرے کے لیے نفع بخش عضو بن جائے۔

<u>میرا خیال ہے کہ یہ تجاویز مندرجہ ذیل امور میں منحصر ہیں :</u>

۱ ۔ بچے کو اچھے وعمدہ روزگار کا شوق دلانا۔
۲ ۔ بچے کی فطری صلاحیتوں کا خیال رکھنا۔
۳ ۔ بچے کو کھیل کود وغیرہ کے لیے موقعہ فراہم کرنا۔
۴ ۔ گھر، مسجد اور مدرسہ میں باہمی تعاون پیدا کرنا۔
۵ ۔ مربی وبچے کے درمیان رابطہ کا قوی ومضبوط کرنا۔
۶ ۔ دن ورات تربیتی نظام کے مطابق چلنا۔

۷۔ بچے کے لیے نفع بخش ثقافتی وسائل مہیا کرنا۔

۸۔ بچے میں ہمیشہ مطالعہ میں مشغول رہنے کا شوق پیدا کرنا۔

۹۔ بچے کو دینِ اسلام کی ذمہ داریوں کے ہمیشہ محسوس کرنے کا عادی بنانا۔

۱۰۔ بچے میں جہاد کی روح کا عمیق وگہرا کرنا۔

اگر خدا نے چاہا تو اس فصلِ ثالث میں مذکورہ بالا ان تجاویز میں سے ہر تجویز میں مکمل بحث کی جائے گی، اور اللہ تعالیٰ ہی سیدھی راہ دکھانے والا ہے اور ہم اسی سے توفیق و مدد طلب کرتے ہیں۔

۱۔ بچے کو اچھے روزگار کا شوق دلانا بچے کے سلسلہ میں مربی پر جو اہم ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان میں سے اہم ترین ذمہ داری یہ ہے کہ بچے کو آزاد و خود مختار کام پر ابھارا جائے، خواہ یہ کام صنعت و حرفت سے متعلق ہو یا زراعت و کاشتکاری سے، یا تجارت و کاروبار سے۔

انبیاءِ کرام علیہم الصلاۃ والسلام بھی آزاد واپنے پسندیدہ خود مختار کام کیا کرتے تھے، اور بعض ہنر و صناعت میں مہارت حاصل کرتے تھے، اور اس طرح سے ان مقدس ہستیوں نے امتوں اور قوموں کے لیے آزاد ہنر اور کسبِ حلال میں ایک شاندار نمونہ چھوڑا ہے۔

چنانچہ یہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں جنہوں نے کشتی بنانا سیکھا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں کشتی بنانے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا:

((وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ ۝ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّن قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ ۚ قَالَ إِن تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ)). ہود۔ ۳۷، ۳۸

اور بنائیے کشتی ہمارے روبرو اور ہمارے حکم سے، اور نہ بات کیجیے مجھ سے ظالموں کے حق میں، بے شک یہ غرق ہوں گے، اور وہ کشتی بناتے تھے اور جب ان پر گزرتے ان کی قوم کے سرداران سے ہنسی کرتے، انہوں نے کہا اگر تم ہم سے ہنستے ہو تو ہم ہنستے ہیں تم سے جیسے تم ہنستے ہو۔

اور پھر حضرت نوح علیہ السلام اور جوان کے ہاتھ پر ایمان لائے وہ نجات پا گئے۔

اور یہ حضرت داؤد علیہ السلام لوہے کے کام اور جنگ میں کام آنے والی زرہوں کے بنانے کے ماہر تھے ارشادِ ربانی ہے:

((وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُم مِّن بَأْسِكُمْ ۖ فَهَلْ أَنتُمْ

اور ہم نے انہیں زرہ کی صنعت تمہارے (نفع کے) لیے سکھلا دی تھی تاکہ وہ تم کو تمہاری لڑائی میں بچائے، سو کیا

﴿شَكِرُونَ﴾ الانبیاء — تم شکر ادا کرو گے۔

نیز ارشاد فرمایا:

﴿وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ أَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ سبا - ۱۰ و ۱۱

اور داؤد کے واسطے ہم نے لوہے کو نرم کر دیا کہ تم پوری زرہیں بناؤ اور ان کے جوڑ میں (مناسب) اندازہ رکھو اور تم سب نیک کام کرو، میں خوب دیکھ رہا ہوں جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو۔

اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں جنہوں نے آٹھ سال تک بکریاں چرانے کے لیے اپنے آپ کو حضرت شعیب علیہ السلام کے حوالے کیا تھا تاکہ وہ ان سے اپنی ایک صاحبزادی کا نکاح کر دیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَىٰ أَن تَأْجُرَنِي ثَمَانِيَ حِجَجٍ ۖ فَإِنْ أَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِندِكَ ۖ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ ۚ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ قَالَ ذَٰلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ ۖ أَيَّمَا الْأَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۖ وَاللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ۝﴾ القصص - ۲۷ و ۲۸

وہ بولے میں چاہتا ہوں کہ میں اپنی دو بیٹیوں میں سے ایک تمہارے نکاح میں دے دوں اس شرط پر کہ تم آٹھ سال میری نوکری کرو اور اگر تم دس سال پورے کر دو تو یہ تمہاری طرف سے (احسان) ہے، اور میں تم پر کوئی سختی نہیں چاہتا، تم ان شاء اللہ مجھ کو خوش معاملہ پاؤ گے (موسیٰ نے) کہا تو یہ بات میرے اور آپ کے درمیان ہو گئی ہے۔ میں ان دونوں میں سے جو مدت بھی پوری کر دوں مجھ پر کوئی جبر نہ ہوگا، اور ہم جو کچھ کہہ (سن) رہے ہیں اللہ اس کا گواہ ہے۔

اور یہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعثت (نبوت) سے قبل بکریاں چرایا کرتے اور تجارت کیا کرتے تھے اور آپ خود فرماتے ہیں کہ میں چند قیراط کے بدلے اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا (جیسا کہ امام بخاری نے روایت کیا ہے) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تجارت کے لیے دو مرتبہ شام تشریف لے گئے تھے، پہلی مرتبہ اپنے چچا ابوطالب کے ہمراہ جس وقت آپ کی عمر صرف بارہ سال تھی، اور دوسری مرتبہ آپ کو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے غلام میسرۃ کے ساتھ بھیجا تھا، اس وقت آپ کی عمر مبارک پچیس سال تھی، اور آپ نے خوب کامیاب و بہترین تجارت کی تھی۔

لہٰذا جو ادلہ و شواہد ہم نے ذکر کیے ہیں ان سے یہ کھل کر ظاہر ہوتا ہے کہ پیشہ و حرفت اور صناعت کو سیکھنا اور کام کاج اور تجارت کرنا کمائی کا بہترین ذریعہ اور حلال چیزوں میں سے عظیم ترین چیز ہے، اس لیے کہ یہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا پیشہ اور رسولوں علیہم الصلاۃ والسلام کا کام ہے۔

دین اسلام نے اپنے محیط بنیادی اصولوں اور کامل و مکمل تشریع و نظام کے ذریعہ کام کاج کو مقدس قرار دیا اور مزدوروں کا اکرام کیا ہے، اور انسان کے اپنے ہاتھ کی محنت سے کمانے کو افضل ترین عبادت اور مبارک ترین عمل

قرار دیا ہے۔

ذیل میں اس موضوع سے متعلق قرآنِ کریم کی چند نصوص اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چند احادیث پیش کی جاتی ہیں :

((هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ)). الملک - ۱۵

وہ وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے لیے مسخر کر دیا سو تم اس کے راستوں میں چلو پھرو۔ اور اللہ کی (دی ہوئی) روزی میں سے کھاؤ (پیو) اور اسی کے پاس زندہ ہو کر جانا ہے۔

اور فرمایا:

((فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ)). الجمعہ - ۱۰

پھر جب نماز پوری ہو چکے تو زمین پر چلو پھرو اور اللہ کی روزی تلاش کرو۔

❁ اور امام احمد رحمہ اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((إن أفضل الكسب كسب الرجل من يده)). بہترین کمائی انسان کی اپنے ہاتھ کی کمائی ہے۔

❁ اور امام طبرانی وابنِ عدی وترمذی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((إن الله يحب العبد المحترف)). اللہ تعالیٰ ایسے بندے کو پسند کرتا ہے جو پیشہ و حرفت والا ہو۔

❁ اور امام بخاری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص رسی لے کر لکڑی کاٹ کر اپنی پیٹھ پر رکھ کر لائے یہ اس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے خواہ وہ اسے دیں یا اسے منع کر دیں۔

❁ اور امام بخاری واحمد وابنِ ماجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: کسی شخص نے کوئی بھی روزی اس سے بہتر نہیں کھائی کہ وہ اپنے ہاتھ سے کام کاج کر کے کما کر کھائے، اور اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی محنت کی کمائی سے کھایا کرتے تھے۔

❁ اور طبرانی وبیہقی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((كسب الحلال فريضة بعد الفريضة)). دوسرے فرائض کی طرح حلال کمانا بھی ایک فرض ہے۔

اور لیجیے سلفِ صالحین نے بے کاری اور بے کار لوگوں اور کام کاج میں مشغول نہ رہنے والوں کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے وہ بھی سن لیجیے :

❁ ابن الجوزی روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ایک ایسی قوم سے ملے جو کچھ کام کاج نہ کرتے تھے، تو انہوں نے ان سے فرمایا: تم لوگ کیا ہو؟! انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو متوکلین ہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا: تم جھوٹ کہتے ہو، متوکل تو درحقیقت وہ شخص ہے جو اپنا غلہ زمین میں ڈال کر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے، اور فرمایا: تم میں سے کوئی شخص کام کاج سے ہاتھ کھینچ کر بیٹھ کر یہ دعا نہ کرے کہ اے اللہ مجھے رزق عطا فرما دے، حالانکہ وہ جانتا ہے کہ آسمان سے سونا چاندی نہیں برسا کرتے، اور حضرت عمرؓ ہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے غرباء وفقراء کو اس بات سے روکا کہ وہ کام کاج چھوڑ کر لوگوں کے صدقات وخیرات پر تکیہ کر کے بیٹھ جائیں، چنانچہ فرمایا: اے غرباء وفقراء کی جماعت! اچھائیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جاؤ اور مسلمانوں پر بوجھ نہ بنو۔

❁ اور سعید بن منصور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا میں یہ بات قطعاً ناپسند رکھتا ہوں کہ کسی شخص کو بالکل فارغ دیکھوں نہ وہ دنیا کے کام کاج میں مشغول ہو اور نہ آخرت کے۔

❁ اور اللہ تعالیٰ امام شافعی پر رحم فرمائے وہ فرماتے ہیں :

لنقل الصخر من قلل الجبال	أحب إلىّ من منن الرجال
پہاڑوں کی چوٹی سے ٹیلوں کا منتقل کرنا	لوگوں کا احسان مند ہونے سے مجھے زیادہ محبوب وپسند ہے
يقول الناس كسب فيه عار	فقلت العار في ذل السؤال
لوگ کہتے ہیں کہ کمائی دھندہ میں عار وذلت ہوتی ہے	تو میں کہتا ہوں کہ عار وشرمندگی تو مانگنے وسوال کرنے کی ذلت ہے

ہم نے جو نصوص پیش کی ہیں ان سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اسلام نے اپنے ہاتھ کے کام کاج کا بہت اہتمام کیا ہے۔ اور صنعت وحرفت کی تعلیم پر توجہ دی ہے، اور کاہلی وبے کاری پر عار دلایا ہے، اور محنت مزدوری وکام کاج پر ابھارا ہے۔

اور یہ کام ابتدائی عمر میں ہو سکتا ہے جس میں تعلیم زیادہ اچھی ہوتی ہے اور کام میں نبوغ وآگے بڑھنا زیادہ قوی وظاہر ہوتا ہے۔ اس لیے مربی پر یہ لازم ہے کہ بچہ جب ابتدائی تعلیم حاصل کرلے لکھنا پڑھنا اور قرآنِ کریم پڑھنا اور دیگر شرعی و تاریخی وماحول وکائنات سے متعلق وہ علوم سیکھ لے جن کا سیکھنا ضروری ہے تو پھر مربی کو چاہیے کہ بچے کو نو عمری ہی میں بعض صنعت وحرفت سکھادے تاکہ اپنی زندگی کے لیے کمائی کر سکے، اور اپنے دست وبازو کی محنت اور پیشانی کے پسینہ سے روزی ورزق کما سکے۔

ورآیئے اب ابن سینا کا وہ قول سن لیں جو انھوں نے بچے کو صناعت سے متعلق امور کی تعلیم اور محنت ومشقت کے کام کاج سکھانے کے بارے میں فرمایا ہے کہ: بچہ جب قرآن کریم پڑھ کر فارغ ہو اور لغت کے بنیادی اصول یاد کرلے تو پھر یہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ کیا کام کاج کر سکتا ہے، اس کے مطابق اس کی رہنمائی کرنا چاہیے، چنانچہ اگر وہ کتابت پسند کرتا ہو تو لغت کی تعلیم کے ساتھ رسائل، تقاریر، لوگوں کی بات چیت وگفتگو وغیرہ بھی پڑھانا چاہیے، اور حساب کی مشق کرانا چاہیے اور اس کو عدالتوں میں لے جائیں۔ اور اس کی خوش خطی کا خیال رکھنا چاہیے، اور اگر کوئی اور کام کرنا ہو تو اس کو اس نوعیت کے کام میں مشق کرانا چاہیے۔

چنانچہ قرآن کریم کا پڑھنا، اور اصول لغت کا جاننا یہ اسلامی نظام تعلیم میں بنیادی اساسی مواد میں سے تھے، پھر جب بچہ ان دونوں سے فارغ ہو جاتا تھا تو اس کے بارے میں غور کیا جاتا اور یہ دیکھا جاتا کہ وہ کس کام کی طرف مائل ہے اور پھر اس کے اختیار کرنے کے لیے اس کی رہنمائی کی جاتی تھی تاکہ وہ اس میں کمال پیدا کرے۔

رزق وروزی کے کمانے کے لیے مسلمانوں نے پیشہ وحرفت کی طرف جو توجہ کی ہے اس کے ظاہر کرنے کے لیے ہم درج ذیل قصہ ذکر کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتابت کے پیشہ کو اختیار کیا کرتے تھے: جب امام غزالی کے والد کے انتقال کا وقت قریب آیا تو انھوں نے غزالی اور ان کے بھائی احمد کے بارے میں اپنے ایک خیر خواہ محب و دوست کو وصیت کی اور فرمایا: مجھے اس بات کا بہت افسوس ہے کہ میں کتابت نہ سیکھ سکا اور میں یہ چاہتا ہوں کہ جو چیز مجھ سے چھوٹ گئی تھی اس کا تدارک میں اپنے ان دو بیٹوں محمد اور احمد سے کر دوں لہٰذا آپ ان دونوں کو کتابت سکھا دیں۔ اور اگر آپ ان کو یہ کام سکھانے میں میرا چھوڑا ہوا سارا مال بھی خرچ کر دیں تب بھی آپ پر کوئی ملامت نہیں ہوگی۔

جب ان کا انتقال ہو گیا تو ان صاحب نے ان دونوں بچوں کو تعلیم دلانا شروع کی۔ یہاں تک کہ وہ تھوڑا سا پس ماندہ کیا ہوا مال ختم ہو گیا جو ان کے والد نے ان دونوں کے لیے چھوڑا تھا، اور ان صاحب کے لیے یہ مشکل ہو گیا کہ وہ ان کے کھانے پینے کا بندوبست کر سکیں، تو انھوں نے ان دونوں سے کہا: تم دونوں یہ بات جان لو کہ میں نے تم دونوں پر وہ سارا مال خرچ کر دیا ہے جو تمہارے لیے چھوڑا گیا تھا، میں عبادت میں مصروف رہنے والا ایک غریب آدمی ہوں، میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے جس سے میں تم دونوں کی خدمت کر سکوں، اس لیے میرے خیال میں اب تم دونوں کے لیے مناسب یہ ہے کہ تم دونوں کسی مدرسہ میں طالب علم بن کر داخل ہو جاؤ تاکہ زندگی کے لیے ضروری روزی حاصل کر سکو۔

چنانچہ ان دونوں لڑکوں نے یہی کیا، اور یہی چیز ان کی خوش بختی اور ترقی وبلندی کا ذریعہ بن گئی، امام غزالی یہ قصہ بیان کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے غیر اللہ کے لیے علم حاصل کیا لیکن اس نے اس سے انکار کیا کہ وہ اللہ کے سوا کسی ور کے لیے ہو جائے۔

مناسب یہ ہے کہ ہم بچوں کی دونوں قسموں کے درمیان صنعت وحرفت کی تعلیم دینے میں فرق کریں:

۱۔ وہ بچے جو تعلیم میں فوقیت لے جاتے ہوں، ایسے بچے عام طور سے ذکی وہوشیار ہوتے ہیں، ایسے بچے اگر اپنی تعلیم کو تعلیم کی آخری منزل تک پہنچانا چاہتے ہوں تو ان کو اس میں مصروف چھوڑ دینا چاہیے، بشرطیکہ چھٹیوں اور مختلف فرصت کے موقعوں پر اپنے ذوق وپسند کے کام کاج اور صنعت وحرفت سیکھتے رہیں، اس لیے کہ انہیں کیا معلوم ہے کہ آئندہ کی زندگی میں کیا کیا حوادث اور پریشانیاں آتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ رحم کرے اس شخص پر جس نے یہ جملہ کہا ہے کہ اپنے ہاتھ کا ہنر فقر وغربت سے بچانے کا ذریعہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ راضی ہو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے جنہوں نے فرمایا: میں ایک شخص کو دیکھتا ہوں تو وہ مجھے بہت اچھا معلوم ہوتا ہے، پھر میں پوچھتا ہوں کہ کیا وہ کوئی کام کاج کرتا ہے تو اگر لوگ یہ کہتے ہیں کہ نہیں تو وہ شخص میری نظر سے گر جاتا ہے۔

۲۔ وہ بچے جو تعلیم کے میدان میں پیچھے ہیں، یہ بچے عام طور سے ذکاوت میں درمیانہ درجے کے ہوتے ہیں یا غبی ہوتے ہیں اس لیے ایسے بچوں کو دین ودنیا سے متعلق ضروری تعلیم دینے کے بعد یہ ضروری ہے کہ جب ان کا استاذ یا مربی یا والدان کی کوتاہی اور پیچھے رہ جانے کو محسوس کرے تو فوراً انہیں کام کاج اور صنعت وحرفت کی طرف متوجہ کرے، ایسے حالات میں یہ بات غلط ہوتی ہے کہ سرپرست ان کی تعلیم کو جاری رکھے جب کہ اسے پتہ ہو کہ وہ غبی ہے تعلیم جاری نہیں رکھ سکتا اور ناسمجھ ہے۔

کتنے ہی ایسے بچے ہیں جن کے بارے میں ہم سنتے ہیں کہ وہ جوانی کی عمر کو پہنچ گئے اور انہوں نے نہ تو تعلیم حاصل کی اور نہ کوئی صنعت وحرفت سیکھی، جس میں سارا دخل باپ یا مربی کی کوتاہ نظری کا ہوتا ہے کہ وہ بچے کو اس مقام پر نہیں رکھتے جس کا وہ اہل ہے۔ اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایسا آدمی دنیاوی زندگی میں مہمل بن جاتا ہے۔ لوگوں سے سوال کرتا اور مانگتا ہے تاکہ ان کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کر کے صدقات وخیرات حاصل کر سکے، یا پھر وہ مجرمانہ زندگی میں قدم رکھ لیتا ہے تاکہ لوگوں کا مال چھینے اور ان کے امن واستقرار کو غارت کر دے، بہر حال ان دونوں ہی حالتوں میں کرامت کی بربادی اور شخصیت کی ذلت ورسوائی اور عام ماحول کی فضا خراب ہو جاتی ہے۔

اس لیے والدین اور تربیت کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ اس بات کا خوب خیال رکھیں تاکہ وہ یہ جان سکیں کہ اپنے بچوں کو دنیاوی زندگی کے لیے کس طرح تیار کر سکتے ہیں، اور اپنے بچوں کو بڑی بڑی ذمہ داریوں اور اہم فرائض کے متحمل ہونے کا کس طرح اہل بنا سکتے ہیں۔

رہی عورت تو جب وہ جوان ہو تو اس کو ایسے کام کاج سکھانا چاہیے جو اس کے دائرے اور شخصیت کے مطابق ومناسب ہوں، مثلاً جیسے اس کو آگے چل کر ماں یا بیوی بننا ہے تو اسے بچے کی تربیت کے اصول اور گھر کی ذمہ داریوں سے متعلق امور، اور سینا پرونا وغیرہ ایسی چیزیں سکھانا چاہیے جن کی اس کو ضرورت پڑے گی۔

لیکن اسلام نے اس کے علاوہ دیگر اور ذمہ داریوں اور کاموں سے عورت کو معاف رکھا ہے۔

❁ یا تو اس لیے کہ یہ کام و ذمہ داریاں اس کی جسمانی ساخت اور نسوانی طبیعت کے موافق نہیں ہیں مثلاً یہ کہ وہ جنگ سے متعلق امور کی مشق کرے یا یہ کہ وہ تعمیر یا لوہار کا کام کرے۔

❁ اور یا اس لیے کہ یہ کام کاج اور ذمہ داریاں اس کی اس فطری ذمہ داری و فریضہ سے متعارض ہیں جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے مثلاً یہ کہ وہ کارخانہ کی مزدور ہو یا کسی دفتر وغیرہ کی ملازم ہو حالانکہ اس کا شوہر اور بچے اور گھر ہو۔

❁ اور یا اس لیے کہ یہ کام و ذمہ داریاں ایسی ہیں جن پر بڑی بڑی معاشرتی خرابیاں مترتب ہوتی ہوں مثلاً وہ عورت ایسے ماحول یا پیشے سے متعلق ہو جہاں مردوں اور عورتوں کا باہمی اختلاط ہوتا ہو۔

جو لوگ پختہ عقول کے مالک اور اصحاب بصیرت ہیں ان کی نظر میں عورت کو جو ان چیزوں سے معاف رکھا گیا ہے ان میں عورت کا احترام مد نظر ہے، اور اس کی نسوانیت کی حفاظت، اور اس کے مقام و مرتبہ کو بلند کرنا مقصود ہے۔

ورنہ آپ ہی بتلایئے کہ کون شخص اس بات کو پسند کرے گا کہ عورت ایسے کاموں میں مشغول ہو جو اسے ان فرائض سے روک دیں جن کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے؟

اور ہم میں سے کون یہ پسند کرتا ہے کہ عورت کو ایسے مشکل و سخت کاموں میں لگا دیا جائے جن سے اس کے جسم کو نقصان پہنچے اور وہ اپنی نسوانیت ختم کر بیٹھے اور اس کو بہت سی بیماریاں اور امراض لگ جائیں؟

اور ہم میں سے کون شخص یہ پسند کرے گا کہ عورت ایسی مخلوط ملازمتوں کو اختیار کرے جو اس کی عزت آبرو کے ملوث ہونے اور عزت و شرافت کے خراب ہونے کا ذریعہ بنیں؟

اور کیا عورت کے لیے اس کی عزت و آبرو سے بڑھ کر کوئی اور قیمتی چیز ہے؟

لہٰذا ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ اپنے ہاتھ کا کام کاج اور محنت مزدوری حلال ترین کمائی کے ذریعوں اور اعلیٰ ترین اعمال میں سے ہے، لہٰذا ہمیں اپنی اولاد کو اس طرف متوجہ کرنا چاہیے اور ان کو اسی پر بھروسہ کرنے کا عادی بنانا چاہیے، تاکہ وہ اپنی عزت و کرامت کی حفاظت کر سکیں اور اپنی شخصیت کو محفوظ رکھ سکیں، اور دنیاوی زندگی میں روزی کما سکیں۔

۲- **بچے کی فطری صلاحیتوں کا خیال رکھنا** تربیت کرنے والوں کو جن اہم امور کا اچھی طرح سے ادراک کرنا چاہیے اور ان کا خوب خیال رکھنا چاہیے اور ان کی طرف پوری توجہ کرنا چاہیے ان میں یہ بھی داخل ہے کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ بچہ کس پیشے کی طرف مائل ہے اور کیا کام اسکے مناسب ہے، اور زندگی کی کن آرزوؤں اور مقاصد کا وہ خواہاں ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بچے مزاج، ذکاوت، طاقت اور رکھ رکھاؤ کے اعتبار سے آپس میں ایک دوسرے

سے مختلف ہوتے ہیں، لہٰذا سمجھدار مربی اور حکیم باپ وہ ہے جو بچے کو اس جگہ رکھے جو اس کے مزاج کے موافق ہو اور جس ماحول میں اس کا رکھنا مناسب ہو اس میں اس کو لے جائے۔

لہٰذا بچہ اگر ذکی قسم کا ہو اور اسے پڑھائی جاری رکھنے اور تعلیم مکمل کرنے کا پورا ذوق شوق ہو تو مربی کو چاہیے کہ اس کے لیے ایسے اسباب مہیا کر دے جن سے وہ اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ سکے اور اپنی خواہش و تمنا پوری کر سکے۔

اور بچہ اگر ذکاوت و سمجھداری کے اعتبار سے متوسط قسم کا ہو اور اس کی طبیعت کسی قسم کے پیشہ یا صنعت و حرفت کے سیکھنے کی طرف مائل ہو تو مربی کو چاہیے کہ اس کے لیے ایسے امور مہیا کر دے جن کے ذریعہ وہ اپنے مقصود کو پہنچ سکے۔

اور اگر بچہ غبی و نا سمجھ ہو تو مربی کو چاہیے کہ اسے کسی ایسے کام میں لگا دے جو اس کی سمجھ کے مطابق اور اس کی اہلیت و مزاج کے موافق ہو یہی مطلب ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس فرمان کا جسے امام مسلم و ابو داؤد نے اس طرح روایت کیا ہے کہ ہمیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ ہم ہر شخص کو اس کا مقام دیں۔

حتیٰ کہ وہ تعلیم و تدریس جس کی طرف بچہ اپنی طبیعت کے اعتبار سے مائل ہوتا ہے اور فطرت و مزاج کے اعتبار سے اسے پسند کرتا ہے اس میں بھی مزاج، طبیعت، اور رغبت و میلان کا اختلاف ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا جو طبعاً ادب، شعر و انشاء پردازی کی طرف مائل ہوگا وہ انجینئرنگ، طب اور ریاضی میں کمال حاصل نہیں کر سکتا، اور جو شخص انجینئرنگ یا فنون اور طب کی طرف مائل ہوگا وہ شعر و ادب میں برتری حاصل نہیں کر سکتا۔

یہ بات کوئی ایسی آسان نہیں ہے کہ بچہ ہر اس علم و مضمون میں برتری و تفوق حاصل کر لے جسے وہ پڑھ اور حاصل کر رہا ہے لیکن یہ بالکل آسان ہے کہ بچہ ان مضامین میں تفوق حاصل کر لے جنہیں وہ پسند کرتا ہے اور جن کی طرف وہ مائل ہے، لیکن جو مضامین اسے ناپسند ہیں اور جن سے اسے نفرت ہے ان میں برتری حاصل کر لے یا کمال پیدا کر سے یہ ناممکن ہے۔

واقعی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل بجا و درست ارشاد فرمایا ہے جیسا کہ طبرانی حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

((اعملوا فکل میسر لما خلق له)). کوشش و عمل کرتے رہو اس لیے کہ ہر شخص کو اس کی توفیق ملتی ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

٭ ٭ ٭

بچہ کی رغبت و میلان کا خیال رکھنے اور اس کے مناسب حال برتاؤ کرنے کے سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ہدایات کو دیکھتے ہوئے تربیت اسلامی کے علماء (جن کے سربراہ ابنِ سینا ہیں) نے بچے کے لیے ہنر، فن یا تعلیم کے انتخاب کے وقت اس کے جذبات و فطری صلاحیتوں اور طبعی طاقت کا خیال رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اور ابنِ سینا نے تو صاف کہا ہے کہ بچے کے جذبات و احساسات کو خوب سمجھ لینا چاہیے، اور انہی کو اس کے کسی جانب لگانے اور اس میں کمال پیدا کرانے کے لیے بنیاد بنانا چاہیے چنانچہ وہ کہتے ہیں:

ہر وہ کام جس کا بچہ قصد و ارادہ کرے وہ اس کے لیے اس کے موافق و ممکن نہیں ہو سکتا، بلکہ اس کے لیے آسان و ممکن وہی کام ہو گا جو اس کی طبیعت و مزاج کے موافق و مناسب ہو، اور اگر بالفرض علوم اور صنعت و حرفت مرضی و طلب کے تابع ہوتے اور اس میں مزاج و مناسبت کا کوئی دخل نہ ہوتا تو پھر کوئی شخص بھی علم و ادب سے بے بہرہ اور ہنر و پیشہ سے عاری نہ ہوتا، اس لیے اب جبکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ تمام لوگ اعلیٰ ترین علم اور اونچے سے اونچا پیشہ و حرفت اختیار کرنا چاہتے ہیں اور بعض اوقات انسان کی طبیعت تمام علوم و صناعات و حرفوں سے متنفر ہو جاتی ہے اور کسی سے طبیعت جوڑ نہیں کھاتی تو اس لیے بچے کے ذمہ دار و نگران کو چاہیے کہ وہ جب کسی قسم کے علم یا صنعت و حرفت کا انتخاب کرنا چاہے تو سب سے پہلے بچے کی طبیعت کو سمجھے، اس کے مزاج کا اندازہ کرے۔ اور اس کی عقل و سمجھ کا امتحان لے، پھر ان سب کے مطابق اس کے لیے کوئی صنعت و حرفت پسند کرے[1]

اور شیخ عبدالرحمٰن بن الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ نے بچے کی فطری صلاحیتوں کی اہمیت واضح کرتے اور کسی کام کی طرف اس کی رہنمائی کرتے وقت ان کا خیال رکھنے کا بہت اہتمام کیا ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ: ریاضت و مجاہدہ سمجھدار شخص ہی پہ کارگر ہو سکتا ہے لیکن گدھے کو ریاضت کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی ہے، اور درندہ کو اگرچہ بچپن ہی سے تربیت دی جائے تب بھی وہ چیر پھاڑ کو نہیں چھوڑ سکتا[2]

اس کا مطلب یہ ہوا کہ بچے کی ثقافتی میدان میں شخصیت سازی اور علمی اعتبار سے تیاری میں اس کی کامیابی و ناکامی میں اس کی ذکاوت اور غباوت اور بے وقوفی کا بڑا ہاتھ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ رحم کرے اس شاعر پر جس نے درج ذیل شعر کہا ہے:

إذا ما المرءُ لم يولد لبيبًا   فليس بنافع قدم الولادة

اگر انسان عقلمند پیدا نہ ہوا ہو   تو اس کو بہت پہلے پیدا ہونا فائدہ نہیں پہنچا سکتا

اس لیے مربی کو چاہیے کہ وہ بچے کی نفسیات پہچاننے اور اس کی غباوت و سمجھداری کا اندازہ کرنے اور علم و ہنر میں سے جس طرف اس کی طبیعت مائل ہے اس کے پہچاننے کے لیے کسی وسیلہ کو نہ چھوڑے۔

اور مربی یہ کر سکتا ہے کہ وہ بچے کے لیے زندگی کا وہ راستہ کھول دے جو اس کے فائدے کا ہو اور اس کی رغبت و طبیعت کے مطابق ہو، خواہ وہ علمی کمال سے متعلق ہو، یا صنعت و حرفت کے میدان میں ترقی سے۔ اور ان میں سے جو راستہ بھی اختیار کیا جائے گا اس سے لوگوں کا فائدہ اور ملک کی ترقی ہو گی۔

مربی اور خصوصاً باپ کو چاہیے کہ وہ بچے اور اس کی ان خواہشات کے درمیان رکاوٹ نہ بنے جو وہ دنیا کی زندگی میں حاصل کرنا چاہتا ہو بشرطیکہ وہ خواہشات ایسی ہوں جن میں بچے کا فائدہ ہو اور ان سے نفع کی توقع ہو۔

---

[1] ملاحظہ ہو محمد عطیہ الابراشی کی کتاب "التربیۃ الاسلامیۃ وفلاسفتہا" ص۔ ۱۹۷۔

[2] حوالہ بالا۔

لہٰذا اگر بچہ علم حاصل کرنا چاہتا ہے اور وہ ذکی وسمجھدار ہے تو مربی کو چاہیے کہ وہ بچے اور اس کی اس خواہش کے درمیان رکاوٹ نہ بنے، خواہ اس سلسلہ میں باپ ومربی کو کتنا ہی خرچہ واخراجات کرنا پڑیں، اور ان شاء اللہ وہ جلد ہی اس کا پھل وثمرہ حاصل کرلے گا جب وہ اپنے بچے کو عظیم مفکروں ودانشوروں اور بڑے کامل علماء کی صف میں دیکھے گا۔
اور اگر وہ بچہ کسی ہنر وصنعت کی طرف راغب ہو یا تجارت کرنا چاہتا ہو۔ تو مربی ووالد کو چاہیے کہ وہ اس کی اس آرزو وخواہش کے درمیان رکاوٹ نہ بنے، تاکہ وہ بچہ اپنے کام میں ماہر اور اپنے پیشے میں تجربہ کار، اور اپنی صنعت وحرفت میں درجۂ کمال کو پہنچے، اسی میں اقتصادی ترقی اور عمل وپیداوار کے میدان میں امت کے لیے قابلِ رشک ترقی مضمر ہے، لیکن باپ اگر بچے کے راستے اور زندگی میں جو امیدیں وآرزوئیں وہ رکھتا ہے اور جو مقصود حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے درمیان پتھر کی طرح حائل بن جائے گا تو بچہ نفسیاتی طور پر متصادم اور جسمانی طور پر متاثر ہوگا۔ اور اس طریقہ کو اختیار کرنے کی وجہ سے بسا اوقات باپ اور بیٹے میں ٹکراؤ اور جھگڑا پیدا ہوجاتا ہے، اور انجام یہ ہوتا ہے کہ دونوں کے درمیان قطعِ تعلق ہوجاتا ہے، نافرمانی اور روگردانی شروع ہوجاتی ہے، جس کا سبب وہ باپ ہوتا ہے جو موقعہ محل کو نہیں سمجھتا اور ان نتائج پر نظر نہیں رکھتا، واقعی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل بجا ودرست فرمایا ہے جیسے ابو الشیخ کتاب الثواب میں روایت کرتے ہیں:

((رحم اللہ والداً أعان ولدہ علی برہ)).	اللہ تعالیٰ ایسے والد پر رحم کرے جو نیک کام میں اپنے بیٹے کی مدد واعانت کرے۔

۳- بچے کو کھیل کود وتفریح کا موقعہ دینا اسلام ایک واقعی وحقیقی زندہ مذہب ہے، جو لوگوں کے ساتھ اس بنیاد پر معاملہ کرتا ہے کہ وہ انسان ہیں، ان کے کچھ قلبی شوق، اور نفسیاتی خواہشات، اور انسانی طبیعت ہوتی ہے، اس لیے اسلام نے ان پر یہ فرض نہیں کیا کہ وہ ذکر اللہ کے علاوہ کوئی بات ہی نہ کریں، اور خاموشی وفکر میں مصروف ہوں، اور عبرت ونصیحت کے لیے ہر وقت غور وفکر ہو، اور تمام فارغ وقت عبادت میں صرف ہو، بلکہ دینِ اسلام نے فطرتِ انسانی کے تقاضوں، خوشی وسرور، کھیل کود، مذاق ومزاح ہر ایک کو تسلیم کیا ہے، بشرطیکہ یہ چیزیں ان حدود کے دائرے میں ہوں جو اللہ نے مقرر کی ہیں، اور اسلامی آداب کے دائرے میں رہیں۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں روحانی بلندی وکمال اس درجہ کو پہنچ گیا تھا کہ وہ یہ سمجھنے لگے کہ ہمیشہ عبادت میں لگے رہنا اور دائمی اللہ کے مراقبہ کا استحضار ہی ان کی طبیعت وعادت بنا چاہیے، اور انہیں دنیا کی خوشیاں اور لذتیں وآسائشیں پسِ پشت ڈال دینا چاہئیں، اور انہیں نہ کبھی خوش ہونا چاہیے نہ سرشار، نہ کھیل کود میں مصروف، بلکہ انہوں نے یہ سمجھا کہ ان کا تمام وقت اور فارغ اوقات صرف آخرت کے امور میں صرف ہونا چاہئیں، اور ان

کی دنیا کی زندگی میں مباح کھیل کود اور اعتدال کے ساتھ ہنسی خوشی کا کوئی حصہ بھی نہ ہونا چاہیے۔

لیجیے ہم آپ کو حضرت حنظلہ اسیدی رضی اللہ عنہ کی حدیث سناتے ہیں جس میں انہوں نے اپنے بارے میں ذکر کیا ہے (جیسا کہ اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے):

حضرت حنظلہ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ملے اور انہوں نے مجھ سے پوچھا: اے حنظلہ تمہارا کیا حال ہے؟ میں نے کہا: حنظلہ تو منافق ہو گیا ہے، حضرت ابوبکر نے فرمایا: سبحان اللہ تم کیا کہہ رہے ہو!؟ حضرت حنظلہ نے فرمایا کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتے ہیں اور آپ ہمیں جنت و دوزخ یاد دلاتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، لیکن پھر جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے نکل کر اپنے بیوی بچوں اور زمینوں میں لگ جاتے ہیں تو بہت سی وہ باتیں بھول جاتے ہیں، حضرت ابوبکر نے فرمایا: بخدا یہ تو میں بھی محسوس کرتا ہوں، حضرت حنظلہ کہتے ہیں کہ پھر میں اور حضرت ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول حنظلہ منافق ہو گیا ہے، تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: اور وہ کیوں؟!

میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ہم جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور آپ ہمارے سامنے جنت و دوزخ کا تذکرہ کرتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا ہم اپنی آنکھوں سے ان کا مشاہدہ کر رہے ہیں، پھر جب ہم آپ کے پاس سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں، اور اپنے بیوی بچوں و زمینوں میں مشغول ہو جاتے ہیں تو بہت سی باتیں بھول جاتے ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم ہمیشہ اسی کیفیت پر برقرار رہتے جس پر میرے پاس ہوتے ہو اور ذکر میں لگے رہتے تو فرشتے تم سے تمہارے بچھونوں اور راستوں میں ملاقات کرتے، لیکن اے حنظلہ وقفہ وقفہ سے۔ اور یہ کلمہ آپ نے تین مرتبہ دہرایا۔

ہم نے دیکھ لیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حنظلہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کو کس طرح بیوی بچوں کے ساتھ ملاطفت و دل لگی وغیرہ پر برقرار رکھا، اس لیے کہ یہ بات انسانی مزاج اور بشری طبیعت کے موافق ہے۔

ہمارے سامنے کچھ ایسے وسائل بھی ہیں جنہیں شریعت اور اسلام نے جسمانی تیاری اور جنگی مشق وغیرہ کے سلسلہ میں مشروع و جائز قرار دیا ہے جن سے ہر صاحب عقل و شعور اور بصیرت و بصارت والے کے سامنے یہ بات کھل کر آجاتی ہے کہ اسلام ایک ایسا واقعی و حقیقی دین ہے جو مسلمان کے لیے صاف ستھرا جائز کھیل کود اور مباح لہو و لعب کو برقرار رکھتا ہے بشرطیکہ اس میں دین اسلام کی مصلحت مضر ہو اور وہ اہل و عیال کے ساتھ دل لگی و ملاطفت کے حدود کے دائرے میں ہو۔

ان وسائل میں سے وہ ہے جسے طبرانی سند جید کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں

کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((کل شئ لیس من ذکر اللہ فھو لھو أو سھو	ہر وہ چیز جس میں اللہ کا ذکر نہ ہو وہ کھیل کود اور بھول ہے
إلا أربع خصال: مشی الرجل بین الغرضین،	سوائے چار چیزوں کے: انسان کا تیر اندازی کے لیے دونوں
وتادیبه فرسه، وملاعبته أهله،	نشانوں کے درمیان چلنا، اور اپنے گھوڑے کو مشق کرانا،
وتعلیمه السباحة)).	اور اپنی بیوی کے ساتھ دل لگی، اور تیرنا سیکھنا۔

اور اس کتاب کی مختلف مباحث اور مختلف مقامات پر ان وسائل میں سے بہت سے وسائل ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، اس لیے وہاں پڑھ لیجیے تاکہ آپ کو اس دین کی سماحت اور اسلام کی عظمت پتہ چل جائے۔

لہذا جب صاف ستھرا کھیل، اور نفس کے بوجھ کو ختم کرنا، اور جسمانی تیاری و ورزش مسلمان کے لیے لازمی امور میں سے ہے تو پھر ان چیزوں کا بچے کے لیے جبکہ وہ چھوٹا ہو لازم ہونا اور زیادہ اولیٰ ہے جس کی دو وجہیں ہیں:

۱۔ بچے میں سیکھنے کی صلاحیت بڑے ہونے کی بنسبت بچپن میں زیادہ ہوتی ہے چنانچہ بیہقی و طبرانی درج ذیل حدیث روایت کرتے ہیں:

((العلم فی الصغر کالنقش فی الحجر)).	بچپن میں تعلیم حاصل کرنا ایسا ہے جیسا کہ پتھر پر نقش کرنا۔

۲۔ بچہ جب چھوٹا ہو تو اس کو کھیل کود، مستیوں اور سیر تفریح کا اس سے زیادہ شوق ہوتا ہے جو اسے بڑے ہونے کے بعد ہوتا ہے، اس لیے کہ ترمذی نوادر الاصول میں درج ذیل حدیث روایت کرتے ہیں:

((عرامة الصبی فی صغره زیادة فی عقله فی کبره)).	بچے کا بچپن میں کھیل کود اور چاق و چوبند ہونا بڑے ہو کر اس کے عقلمند ہونے کی دلیل ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو ہر چیز میں بہترین نمونہ و مقتدیٰ ہیں وہ خود بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بچوں سے دل لگی فرمایا کرتے تھے، اور ان کی تفریح کا سامان بہم پہنچاتے، اور ان کو خوش کرتے، اور ان کے ساتھ مزاح فرماتے، اور ان سے مانوس ہوتے، اور صاف ستھرے اچھے کھیل اور مباح تفریح پر ان کی ہمت افزائی فرماتے تھے، جس کے چند نمونے ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

۱۔ امام احمد سندِ جید کے ساتھ حضرت عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ اور عبیداللہ اور کثیر بن العباس رضی اللہ عنہم کو صف بنا کر کھڑا کر کے فرماتے تھے کہ تم میں سے جو میرے پاس سب سے پہلے پہنچے گا اسے فلاں فلاں چیز ملے گی، راوی کہتے ہیں کہ سب ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھتے اور آپ کی کمر و سینے پر گر پڑتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں چومتے اور سینے سے لگا لیتے۔

۲۔ اور ابویعلی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا میں نے حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاندھے پر دیکھا تو میں نے عرض کیا تم بڑی شاندار سواری پر سوار ہو۔ تو نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: یہ دونوں شہسوار بھی تو بہت اچھے ہیں۔

۳۔ طبرانی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا تو ہمیں کھانے کے لیے بلایا گیا، راستے میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بچوں کے ساتھ کھیلتا ہوا دیکھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور لوگوں سے آگے بڑھے اور اپنے دونوں ہاتھ (ان کو پکڑنے کے لیے) پھیلا لیے، تو وہ اِدھر اُدھر بھاگنے لگے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ دل لگی کرتے رہے حتیٰ کہ آپ نے انہیں پکڑ لیا اور اپنا ایک ہاتھ ان کی ٹھوڑی پر رکھا اور دوسرا ان کے سر اور کانوں کے درمیان اور پھر انہیں گلے سے لگا کر چوم لیا پھر فرمایا: حسین مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں، اللہ اس شخص سے محبت کرے جس نے حسین سے محبت کی، حسن اور حسین دونوں اولاد کی اولاد ہیں (یعنی نواسے ہیں)۔

۴۔ اور طبرانی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ہاتھوں اور پاؤں کے بل چل رہے تھے اور آپ کی کمر پر حضرت حسن و حسین سوار تھے، اور آپ یہ فرما رہے تھے: بہترین اونٹ تمہارا اونٹ ہے اور بہترین جوڑا تم دونوں کا جوڑا ہے۔

۵۔ امام مسلم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق کے اعتبار سے لوگوں میں سب سے اچھے تھے، ایک روز آپ نے مجھے کسی کام سے بھیجا، تو میں نے کہا: بخدا میں نہیں جاؤں گا، اور میرے دل میں یہ تھا کہ میں اس کام کے لیے جاؤں گا جس کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے، چنانچہ میں آپ کے پاس سے نکلا یہاں تک کہ میرا گزر ایسے لڑکوں کے پاس سے ہوا جو بازار میں کھیل رہے تھے، اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے سے میری گدی پکڑ لی، جب میں نے آپ کی طرف دیکھا تو آپ ہنس رہے تھے، پھر آپ نے ارشاد فرمایا: اے انیس کیا تم وہاں ہو آئے جہاں میں نے تمہیں بھیجا تھا؟ میں نے عرض کیا! جی ہاں اے اللہ کے رسول میں ابھی جا رہا ہوں، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بخدا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نو سال تک خدمت کی ہے لیکن مجھے یاد نہیں کہ آپ نے کسی ایسے کام کو جو میں نے کیا ہو یہ فرمایا ہو: تم نے ایسا ایسا کیوں کیا؟ اور جس کام کو میں نے نہیں کیا اس کو آپ نے یہ فرمایا ہو: تم نے ایسا ایسا کیوں نہیں کیا؟

۶۔ امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اپنے بچوں کو تیرنا اور تیر اندازی سکھاؤ اور انہیں حکم دو کہ وہ گھوڑوں کی پشت پر اچھلنا و سوار ہونا سیکھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بچوں کے ساتھ دل لگی، اور ان کے بوجھ کو ختم کرنے کی تدبیریں، اور ان کے ساتھ ملاطفت و نرمی کو دیکھتے ہوئے تربیت اسلامی کے علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ بچے کو اسباق و کام کاج سے فارغ ہونے کے بعد کھیل کود اور سیر و تفریح

کی ضرورت ہے۔

اور لیجیے یہ عبارت بھی ملاحظہ فرمالیجیے جو امام غزالی نے "احیاء العلوم" میں اس سلسلہ میں تحریر کی ہے لکھتے ہیں کہ بچے کو مکتب و مدرسہ سے واپس آنے کے بعد ایسے اچھے کھیل کود کی اجازت دے دینا چاہیے جس کے ذریعہ مکتب و مدرسہ کی تکان اتر جائے۔ لیکن اس حد تک کہ وہ کھیل کود میں اتنا مشغول نہ ہو کہ اس میں بھی چُور چُور ہو جائے۔ اس لیے کہ بچے کو کھیل سے روکنا اور اس کو ہمیشہ تعلیم میں مشغول رہنے پر مجبور کرنا بچے کے دل کو مردہ اور ذکاوت کو ماند اور زندگی کو بے مزہ کر دیتا ہے اور پھر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ تعلیم سے ہی چھٹکارا پانے کی کوشش میں مصروف ہو جاتا ہے۔

علامہ عبدری نے بھی وہی کہا ہے جو امام غزالی نے فرمایا ہے کہ اسباق سے فراغت یا کام سے فارغ ہونے کے بعد بچے کو کھیل کود اور طبیعت ہلکی پھلکی کرنے کا سامان بہم پہنچانا ضروری ہے۔

یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ اس کھیل کود کی حکمت یہ ہے کہ بچہ جو تکان، تنگ دلی اور بوجھ محسوس کرتا ہے اسے ختم کر دیا جائے، اور اس میں نشاط و چستی اور ذہن کی صفائی پھر لوٹ آئے، اور اس کا جسم بیماریوں و آفتوں سے محفوظ ہو جائے

لیکن مربی کو چاہیے کہ بچوں کے کھیل میں دو اہم امور کا خیال رکھے:

۱۔ کھیل ضرورت سے زائد بوجھ اور مشقت میں مبتلا کرنے والا نہ ہو، اس لیے کہ اس سے بدن کو نقصان پہنچتا ہے اور جسم کمزور ہو جاتا ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ نہ نقصان پہنچاؤ نہ نقصان اٹھاؤ۔

۲۔ یہ کھیل کود دوسرے ایسے فرائض یا کاموں کے اوقات میں نہ ہو جو وقت ان ذمہ داریوں یا کاموں کے لیے مخصوص ہو۔ اس لیے کہ اس سے وقت ضائع ہوتا ہے اور مطلوبہ فائدہ ختم ہو جاتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

((احرص علی ما ینفعك و استعن باللہ ولا تعجز)). صحیح مسلم	ایسے کاموں میں لگو جو تمہیں فائدہ پہنچائیں۔ اور اللہ تعالی سے مدد طلب کرو۔ اور عاجز نہ ہو۔

۴۔ گھر اور مسجد و مدرسہ میں باہمی تعاون پیدا کرنا | بچے کی علمی و روحانی و جسمانی شخصیت سازی کے مؤثر عوامل میں سے یہ بھی ہے کہ گھر مدرسہ اور مسجد میں قوی رابطہ و تعاون پیدا کیا جائے۔

❖ یہ بات ظاہر ہے کہ گھر کی ذمہ داری پہلے نمبر پر جسمانی تربیت پر مرکوز ہوتی ہے، اس لیے کہ جو شخص اپنے بچوں کے حقوق ضائع کرتا ہے اور اہل و عیال کی معیشت کا خیال نہیں رکھتا وہ سخت گناہگار ہوگا، اور ابوداؤد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((کفی بالمرء إثمًا أن یضیع من یقوت)).	انسان کے گناہگار ہونے کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ وہ جن کا ذمہ دار ہے انہیں ضائع کر دے۔

اور مسلم کی روایت میں ہے کہ :

((کفی بالمرء إثماً أن یحبس عمن یملك قوته)) .

انسان کے گناہگار ہونے کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ وہ جن کا کفیل ہے ان کی طرف سے ہاتھ کھینچ لے۔

❁ یہ بات طے شدہ ہے کہ دینِ اسلام میں مسجد کا پیغام پہلے درجہ میں روحانی تربیت میں مرکوز ہے اس لیے کہ جماعت کی نماز اور قرآنِ کریم کی تلاوت کے ایسے ربانی فیوض اور اللہ کی ایسی رحمتیں ہیں جو نہ ختم ہونے والی ہیں نہ منقطع ہوسکتی ہیں، امام بخاری ومسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

((صلاة الرجل فی جماعة تضعف علی صلاته فی بیته وفی سوقه خمساً وعشرین ضعفاً، وذلك أنه إذا توضأ فأحسن الوضوء، ثم خرج إلی المسجد لا یخرجه إلا الصلاة لم یخط خطوة إلا رفعت له بها درجة، وحطت عنه بها خطیئة، فإذا صلی لم تزل الملائكة تصلی علیه مادام فی مصلاه مالم یحدث تقول: اللّٰهم ارحمه اللّٰهم ارحمه، ولا یزال فی صلاة ما انتظر الصلاة)).

انسان کا جماعت سے نماز پڑھنا اس نماز سے جو گھر میں پڑھی جائے یا بازار میں پڑھی جائے پچیس گنا زیادہ اَجر دلاتا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انسان وضو کرتا ہے اور اچھی طرح سے وضو کر کے مسجد کی جانب چلتا ہے اور اس کا مقصد نماز ہی ہو تو وہ کوئی قدم نہیں اٹھاتا مگر یہ کہ اس کا ایک درجہ بلند کر دیا جاتا ہے اور اس کی ایک غلطی کو معاف کر دیا جاتا ہے، پھر جب وہ نماز پڑھتا ہے تو فرشتے اس کے لئے اس وقت تک دعا کرتے رہتے ہیں جب تک وہ اپنی نماز کی جگہ پر ہوتا ہے اور بے وضو نہیں ہوتا، فرشتے کہتے ہیں اے اللہ اس پر رحم کر، اے اللہ اس پر رحم کر اور انسان جب تک نماز کا انتظار کرتا ہے نماز ہی کے حکم میں رہتا ہے۔

❁ اور امام مسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

((وما اجتمع قوم فی بیت من بیوت الله یتلون كتاب الله ویتدارسونه بینهم إلا نزلت علیهم السكینة وغشیتهم الرحمة وحفتهم الملائكة وذكرهم الله فیمن عنده)).

اور نہیں جمع ہوتی کوئی قوم اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں، تلاوت کریں اللہ کی کتاب کی اور اسے آپس میں پڑھیں مگر یہ کہ ان پر سکینت نازل ہوتی ہے۔ اور رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو یاد کرتا ہے ان فرشتوں کے سامنے جو اس کے پاس ہیں۔

❁ ❁ ❁

❁ اور وہ امور جن میں کسی بھی دو آدمیوں کا اختلاف نہیں ہوگا ان میں سے یہ بھی ہے کہ مدرسہ کی سب سے پہلی ذمہ داری یہ ہوتی

ہے کہ علمی تربیت ہو۔ اس لیے کہ شخصیت سازی اور انسان کی کرامت وعزت کے بلند کرنے میں علم کا بہت بڑا ہاتھ ہوتا ہے اسی لیے دینِ اسلام کی نظر میں علم کی بہت فضیلت ہے :

علم کے فضائل میں سے یہ ہے کہ :

((من خرج فی طلب العلم فھو فی سبیل اللہ حتی یرجع)) . جامع ترمذی	جو شخص علم طلب کرنے کے راستے میں نکلتا ہے تو وہ جب تک واپس نہ لوٹے اللہ ہی کے راستے میں رہتا ہے۔

اور اس کے فضائل میں سے یہ ہے کہ :

((من سلك طریقاً یلتمس فیہ علماً سھل اللہ لہ طریقاً إلی الجنۃ)). صحیح مسلم	جو شخص کسی ایسے راستے پر چلتا ہے جس میں وہ علم کی تلاش میں ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرما دیتے ہیں۔

اور اس کے فضائل میں سے یہ ہے کہ اس کے اس علم کی طلب کی خوشی میں فرشتے طالبِ علم کے لیے اپنے پر بچھاتے ہیں اور عالم کے لئے وہ مخلوق مغفرت کی دعا کرتی ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے حتیٰ کہ پانی کی مچھلیاں بھی ، (ملاحظہ ہو ابوداؤد وترمذی)۔

اور اس کے فضائل میں سے یہ ہے کہ :

((فضل العالم علی العابد کفضل القمر علی سائر الکواکب)). سننِ ابی داؤد وترمذی	عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے کہ چاند کی فضیلت دوسرے تمام ستاروں پر۔

ہم جب یہ کہتے ہیں کہ گھر اور مسجد ومدرسہ میں باہمی تعاون ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بچے کی شخصیت کامل ومکمل ہوگئی ہے۔ اور وہ روحانی وجسمانی وعقلی اور نفسیاتی طور پر مکمل ہو چکا ہے، بلکہ وہ اپنی قوم کی ترقی اور دین کی سربلندی کے لیے عضو فعال بن گیا ہے۔

لیکن یہ باہمی تعاون وتعلق مکمل طریقے سے اس وقت تک تام نہیں ہو سکتا جب تک دو بنیادی شرطیں متحقق نہ ہوں :

۱۔ کہ مدرسہ وگھر کی توجیہات ورہنمائی میں آپس میں ایک دوسرے سے تعارض واختلاف نہ ہو۔

۲۔ کہ یہ تعاون اس لیے ہو تاکہ اسلامی شخصیت کی تعمیر میں توازن وکمال پیدا ہو۔ لہٰذا اگر ان مذکورہ بالا دو شرطوں کے ضمن میں باہمی تعاون ہوگا تو بچہ روحانی وجسمانی طور سے کامل ومکمل اور عقلی ونفسیاتی طور پر کمال کو پہنچا ہوا ہوگا، بلکہ وہ ایک متوازن اور معتدل ایسا انسان بن جائے گا جسے دیکھ کر لوگ متعجب ہوں گے بلکہ اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جائے گا۔

مدرسہ کے ساتھ تعاون کے میدان میں میں یہ چاہتا ہوں کہ والدین و مربیوں کے سامنے درج ذیل حقائق پیش کر دوں:

الف - ہمارے مدارس و جامعات کے اکثر معلمین و اساتذہ صحیح تربیت کے بارے میں اس کے سوا اور کچھ نہیں جانتے کہ وہ دوسروں کے اخلاق و کردار کی نقالی اور اہل یورپ کی عادات و اطوار کی نقل اتارنے کا نام ہے، اور مشرق یا مغرب سے اس کے بنیادی نظریات و عقائد و افکار کی بھیک مانگنا ہے۔ اور آپ ان لوگوں کو خود دیکھ لیجیے کہ یہ مسلمانوں کے بچوں کو مغربی طرز کے پیچ دار طریقے اور ملحدانہ منحرف نظام سکھاتے اور ان کی تربیت دیتے ہیں، اس لیے کہ ان کے گندے جذبات اور کھوکھلے دل اور فارغ عقول گندے اور بے حیا یورپ اور کافر شیوعیت (کمیونزم) کے دلدادہ اور مادہ اور اس کے چمکدار ظاہر کی محبت میں غرق ہیں۔

ب - مدارس کی وہ کتابیں جو طلبہ اسکولوں و کالجوں میں پڑھتے ہیں وہ فریب و دھوکہ بازی، تشکیک اور مذاہب وادیان پر طعن و تشنیع، اور کفر و الحاد کی دعوت سے بھری پڑی ہیں۔ مثال کے طور پر ان میں سے بعض ہم آپ کے سامنے بیان کرتے ہیں، شام کی ثانویہ کی ڈگری کی معاشرتی علوم کی کتاب میں لکھا ہے کہ ہر وہ پروگرام جس کا مقصد دینی اساس پر سیاسی تنظیم بنانا ہو وہ بے وقوفی کا پروگرام ہے۔ اور سائنس کی کتاب میں ڈارون کے نظریہ[1] کو علمی حقیقت بنا کر پیش کیا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ خالق و مالک کی ذات میں شک و شبہ پیدا کیا جا سکے، حالانکہ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ تحقیق و علم نے اس نظریہ کو باطل ثابت کر کے ردی کی ٹوکری کی نذر کر دیا ہے اور ادب کی کتاب میں اسلامی پردہ کو نشانہ بنایا گیا ہے اور یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ پردہ پس ماندگی اور رجعیت ہے۔ اسی طرح اسلامی تاریخ کو بھی نشانہ بنایا گیا ہے اور یہ بتلایا گیا ہے کہ اسلامی تاریخ لوٹ مار، جبر و استبداد اور آزادی و بے راہ روی کی تاریخ ہے[2]۔

ج - طالب علم مدارس میں جو مضامین پڑھتا ہے ان میں دوسرے علمی و ادبی مضامین کے مقابلہ میں دینی تعلیم بہت کم مقدار میں ہوتی ہے۔ اس لیے اگر حالت یہ ہو تو مسلمان کے لیے یہ ہرگز ممکن نہیں کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت میں کمال پیدا کرے۔ اور نہ یہ ممکن ہے کہ وہ شریعت کے احکام پر مطلع ہو، اور نہ یہ کہ وہ سیرت و تاریخ کے حقائق کا احاطہ کرے۔ کیونکہ ہر مدرسہ اس کو یہ معلومات بہم نہیں پہنچاتا۔ اس لیے طالب علم جب مدرسہ و اسکول سے نکلتا ہے تو اس کی ثقافت محدود ہوتی ہے اور وہ اسلام کے نظام اور قرآن کے علوم اور اپنے آباء و اجداد کی تاریخ سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے۔

---

[1] اس نظریہ کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان اصل میں ایک زندہ جرثومہ تھا پھر ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف ترقی کرتا رہا یہاں تک کہ بندر بن گیا اور پھر اس سے ترقی کر کے انسان بن گیا، ملاحظہ فرمایئے کتاب "شبہات و ردود" اس میں اس نظریہ کی علمی طور سے تردید کی گئی ہے اور علمی بحث و مناقشہ و تحقیقاتی مطالعہ سے اس کو باطل و لغو قرار دیا گیا ہے۔

[2] ملاحظہ فرمایئے ہماری کتاب "إلی ورثة الأنبیاء" (ص - ۴۲)۔

اس لیے اگر مربی گھر میں صحیح طریقے سے تربیت کی ذمہ داری پوری نہ کرے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بچے کا عقیدہ خراب ہو جاتا ہے اور اخلاق بگڑ جاتے ہیں، پھر نہ اس بچے کی اصلاح رہنمائی و توجیہات سے ہوتی ہے اور نہ کوئی اصلاح کی ترکیب اس کی کجی و ٹیڑھے پن کو دور کر پاتی ہے۔

لہٰذا اس سب کا خلاصہ یہ نکلا کہ اگر بچہ مسجد میں روحانی اور مدرسہ میں علمی و اعتقادی اور ثقافتی تربیت و تعلیم حاصل کر رہا ہو تو گھر میں باپ سب سے پہلے بچے کی جسمانی و اخلاقی تربیت کا ذمہ دار ہے، لیکن اگر وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ بچہ مدرسہ و اسکول میں اسلامی عقیدے کے بنیادی اصولوں کی تربیت حاصل نہیں کر رہا۔ اور دینی تعلیم سے فائدہ نہیں اٹھا رہا ہے تو باپ کو چاہیے کہ ہر نوعیت سے اپنی پوری ذمہ داری پورے کرے اور بچے کی عقیدہ، عبادت، اخلاق و دین اور ہر اس چیز کے اعتبار سے تربیت کرے جس کا اسلام سے تعلق ہو بلکہ اس کو چاہیے کہ اپنی جدوجہد کو دوچند کر دے، اور اپنے تمام وقت کو ہر اس چیز میں صرف کرے جو بچے کے لیے عظیم فائدے اور بڑی خیر کا ذریعہ ہو، جیسا کہ باپ کو چاہیے کہ بچے کا تعلق مسجد اور عالم ربانی اور اچھے ساتھیوں اور سمجھدار قسم کے دعوت و تبلیغ کرنے والے افراد سے قائم کر دے، اور اس طرح کرنے سے باپ یا مربی نے بچے کو راسخ اسلامی عقیدہ اور شاندار اسلامی اخلاق کی چار دیواری سے گھیر لیا ہوگا۔ اور پھر نہ وہ کسی زیغ سے متأثر ہو گا نہ الحاد سے۔ اور نہ آزادی و بے راہ روی کے پیچھے دوڑے گا۔

---

۵ - مربی اور بچے کے درمیان رابطہ کو مضبوط کرنا علماءِ نفس و تربیت و معاشرت کے یہاں تربیت کے متفق علیہ قواعد و اصولوں میں سے بچے اور مربی کے درمیان رابطہ و تعلق کا مضبوط و قوی کرنا بھی ہے تاکہ تربیتی اثرات اچھے طریقے سے پڑ سکیں اور خوب عمدگی سے علمی و نفسیاتی و اخلاقی تکمیل و تعمیر ہو سکے۔

روشن ضمیر اور اصحابِ عقل و بصیرت کے یہاں یہ بات طے شدہ ہے کہ اگر بچے و مربی یا طالبِ علم و استاذ کے درمیان بعد و نفرت ہوگی تو ایسی صورت میں نہ طالبِ علم کچھ حاصل کر سکے گا اور نہ اس کی تربیت ہو سکے گی۔ اس لیے والدین و مربیوں پر واجب ہے کہ وہ ایسے ایجابی ذرائع و وسائل تلاش کریں جن سے بچے ان سے محبت کرنے لگیں، اور ان کا باہمی تعلق قوی ہو، اور آپس میں تعاون کی فضا قائم ہو، اور وہ شفقت محسوس کریں۔

❀ ان وسائل میں سے یہ ہے کہ مربی بچے سے مسکراہٹ و انبساط سے ملے، اس لیے کہ امام ترمذی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے درج ذیل حدیث روایت کرتے ہیں:

«تبسمك في وجه أخيك صدقة». تمہارا اپنے بھائی کے سامنے مسکرانا صدقہ ہے۔

❀ اور ان وسائل میں سے یہ بھی ہے کہ بچہ اگر اچھا کام کرے یا پڑھائی میں سبقت لے جائے تو ہدیہ و انعام دے کر اس کی ہمت افزائی کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ طبرانی اپنی کتاب "معجم اوسط" میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے

ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((تهادوا تحابوا)). آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دو اور باہمی محبت پیدا کرو۔

ان ذرائع میں سے یہ بھی ہے کہ بچہ کو یہ محسوس کرا دیا جائے کہ اس کا اہتمام کیا جا رہا ہے اور اس سے محبت و شفقت برتی جا رہی ہے۔ اس لیے کہ بیہقی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث مرفوع نقل کرتے ہیں:

((من أصبح لا يهتم بالمسلمين فليس منهم)). جو شخص مسلمانوں کا خیال نہ رکھے وہ ان میں سے نہیں ہے۔

اور ان وسائل میں سے بچے کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آنا اور ملاطفت و نرمی کرنا بھی ہے اس لیے کہ ترمذی ونسائی وحاکم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ثقہ راویوں سے یہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((أكمل المؤمنين إيماناً أحسنهم خلقاً وألطفهم بأهله)). مومنوں میں سب سے زیادہ کامل ایمان والا وہ شخص ہے جو ان سب سے زیادہ اچھے اخلاق کا مالک اور اپنے گھر والوں کے ساتھ نرم ہو۔

اور ان وسائل میں سے مربی کا بچے کی خواہش کا پورا کرنا بھی ہے تاکہ وہ اس کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا برتاؤ کرے اس لیے کہ ابوالشیخ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((رحم الله والداً أعان ولده على بره)). اللہ تعالیٰ ایسے باپ پر رحم فرمائے جو اپنے ساتھ نیک سلوک کرنے پر اپنے بیٹے کی امداد کرے۔ (یعنی بچے کے ساتھ ایسا برتاؤ کرے جس سے وہ اس کے ساتھ حسن سلوک پر مجبور ہو جائے)۔

ان وسائل میں سے یہ بھی ہے کہ مربی بچے کے ساتھ گھل مل جائے، اس سے ہنسی مذاق کرے اور اس کے ساتھ بچہ بن جائے۔ اس لیے کہ طبرانی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ دونوں ہاتھوں پاؤں کے بل چل رہے تھے اور آپ کی پشت مبارک پر حضرت حسن و حسین سوار تھے اور آپ فرما رہے تھے کہ بہترین اونٹ تم دونوں کا اونٹ اور بہترین ایک ساتھ سوار ہونے والے ساتھی تم دونوں ہو۔

مربی اول اور تمام لوگوں کے لیے بہترین نمونہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام، ساتھیوں اور تمام وہ لوگ جو اہل وعیال و بچوں میں سے آپ سے متعلق تھے آپ ان سب کے ساتھ ان مثبت وسائل کے تطبیق دینے میں شاندار مثال ونمونۂ کامل تھے۔

چنانچہ سکھلانے کے سلسلہ میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نہیں دیکھا یا یہ فرمایا کہ میں نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بھی کوئی بات کرتے نہیں سنا مگر یہ کہ آپ مسکرائے۔

اور ترمذی حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں جب سے اسلام لایا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کبھی حجاب نہیں فرمایا اور آپ نے مجھے جب دیکھا ہمیشہ مسکرا دیے۔

اور ہدیہ دینے کے سلسلہ میں یہ آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرمایا کرتے تھے اور اس کا بدل بھی دیا کرتے تھے۔

بچوں پر رحم اور ان کا خیال رکھنے اور ان کے اوپر شفقت کرنے کے اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو یہ آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے سروں پر ہاتھ پھیرتے تھے، اور ان کو چوم لیا کرتے تھے، بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کے بیٹوں حسن و حسین کو چوما، اس وقت آپ کی خدمت میں اقرع بن حابس تمیمی رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہوئے تھے، اقرع نے کہا: میرے دس بچے ہیں میں نے کبھی بھی ان میں سے کسی کو نہیں چوما۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا پھر فرمایا: کہ جو شخص رحم نہیں کھاتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

اور طبرانی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ مبارک میں جب درخت کا پہلا پھل لایا جاتا تھا تو اس مجلس میں جو بچہ موجود ہوتا تھا آپ وہ پھل اسے دے دیا کرتے تھے۔

اور بخاری و مسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نماز شروع کرتا ہوں اور میرا ارادہ ہوتا ہے کہ طویل نماز پڑھاؤں لیکن میں بچے کے رونے کی آواز سن کر نماز مختصر کر دیتا ہوں اس لیے کہ مجھے پتہ ہے کہ اس کی ماں کو اس کا کتنا دکھ ہوگا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ اخلاق اور اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ ملاطفت و نرمی کا پہلو اگر دیکھیں تو اس موضوع پر بے شمار احادیث ملتی ہیں:

❖ بخاری و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال تک خدمت کی ہے لیکن آپ نے مجھے کبھی اف تک نہیں فرمایا، اور اگر میں نے کبھی کوئی کام کیا تو اس کو یہ نہ فرمایا کہ ایسا کیوں کیا؟ اور اگر میں نے کبھی کوئی کام نہ کیا تو یہ نہ پوچھا کہ ایسا کیوں نہیں کیا؟ اور ابو نعیم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ حضرت انس فرماتے ہیں: مجھے کبھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے برا بھلا نہیں کہا، اور نہ کبھی مارا اور نہ جھڑکا اور نہ ناک بھوں چڑھائی اور نہ کبھی ایسا ہوا کہ آپ نے مجھے کسی کام کا حکم دیا ہو اور میں نے اس میں سستی کی ہو اور آپ نے اس پر مجھے سزا دی ہو اور اگر آپ کے گھر والوں میں سے کسی نے مجھے ملامت بھی کی تو آپ نے فرمایا: چھوڑ دو بات یہ ہے کہ جب کسی چیز کا ہونا اللہ کے یہاں

مقدر کر دیا جائے تو ہو کر ہی رہتی ہے۔

❁ اور ابنِ سعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے پوچھا گیا: رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں ہوتے تھے تو کیا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: آپ نہایت نرم مزاج، خوش اخلاق، مسکرانے والے تھے، آپ نے اپنے ساتھیوں اور صحابہ کے سامنے کبھی پاؤں دراز نہیں کیے، یہ آپ کے عظیم ادب اور کمال وقار کی علامت تھی، صلی اللہ علیہ وسلم۔

❁ اور ترمذی، ابنِ ماجہ اور بخاری "الادب المفرد" میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں: انہوں نے فرمایا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ مبارک میں حاضری کی اجازت چاہی تو آپ نے ان کی آواز پہچان لی اور فرمایا: خوش آمدید طیب (اچھے) اور مطیب (پاکیزہ) کے لیے۔

❁ امام احمد حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص سے ملتے تو فرماتے: فلانے تم کیسے ہو؟ وہ کہتے الحمدللہ خیریت سے ہوں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرماتے: اللہ تعالیٰ تمہیں خیریت ہی کے ساتھ رکھے۔

❁ اور طبرانی حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنایا گیا تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا: آپ نے پوچھا کیسے آنا ہوا؟ میں نے کہا: میں اسلام لانے کیلئے حاضر ہوا ہوں۔ تو آپ نے اپنی چادر میری طرف ڈال دی اور فرمایا: جب تمہارے پاس کسی قوم کا شریف شخص آئے تو اس کا اکرام کیا کرو۔

❁ اور امام مسلم حضرت سماک بن حرب سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا کرتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا: جی ہاں! بہت زیادہ بیٹھا کرتا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ سے اس وقت تک نہیں اٹھتے تھے جب تک کہ سورج نہ نکل آئے پھر جب سورج نکل آتا تھا تو آپ کھڑے ہو جایا کرتے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم باتیں کیا کرتے تھے، اور زمانۂ جاہلیت کے دور کی باتیں بھی کرتے تھے اور ہنسا کرتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف مسکرا دیا کرتے تھے۔

❁ بخاری و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ اٹھتے بیٹھتے اور مزاح فرمایا کرتے حتیٰ کہ میرے ایک بھائی سے یہ فرمایا کرتے تھے: اے ابو عمیر نغیر پرندے کا کیا ہوا؟ ان کے پاس ایک پرندہ نغیر تھا جس سے وہ کھیلا کرتے تھے وہ پرندہ مرگیا، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ ہوا اور آپ نے ان سے فرمایا اے ابو عمیر نغیر کا کیا ہوا؟

یہ وہ مثبت وسائل جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ اختیار کرتے تھے، اور لوگوں حتیٰ کہ چھوٹوں اور بچوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرتے تھے، آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ سے سچی پکی مخلصانہ محبت کی،

اور آپ کے ہاتھ پر ایمان لاکر اپنی نفوس کو قربان کیا، اور اللہ کے راستے میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا، اور آپ کی محبت میں اپنی جان کی بازی لگائی۔ اور وہ ویسے ہی بن گئے جیسے ان کے اوصاف اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بیان فرمائے ہیں فرمایا:

((ولا یرغبوا بأنفسهم عن نفسه)). التوبہ۔۱۲۰ — اور نہ یہ کہ اپنی جانوں کو ان کی جان سے عزیز رکھیں۔

اور یہ حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی کو بھی ترجیح نہیں دیتے تھے۔

❁ ان حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اس سچی پکی مخلصانہ محبت کی تاکید حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس قول سے ہوتی ہے جو انہوں نے اس وقت فرمایا جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ حضرات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیسی محبت تھی؟ انہوں نے فرمایا: رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اپنے مالوں، اولاد، والدین، ماؤں سب سے زیادہ محبوب تھے اور پیاس کے وقت ٹھنڈے پانی سے جو محبت ہوتی ہے آپ ہمیں اس سے بھی زیادہ محبوب تھے۔

❁ اس محبت کی تاکید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو بیہقی و ابن اسحاق روایت کرتے ہیں کہ ایک انصاری عورت کے والد بھائی اور شوہر شہید کردیے گیے۔ یہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگِ احد میں شریک تھے۔ جب ان صاحبہ کو یہ اطلاع دی گئی تو انہوں نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس حال میں ہیں؛ یعنی آپ کی خیریت وعافیت دریافت کی، انہیں بتلایا گیا کہ الحمدللہ وہ ٹھیک ہیں اور ویسے ہی ہیں جیسا آپ چاہتی ہیں۔ توانہوں نے فرمایا: مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرادو تاکہ میں آپ کو دیکھ لوں۔ اور پھر جب انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کرلیا تو کہا: آپ کے ہوتے ہوئے ہر مصیبت آسان ہے۔

❁ ان کی اس بے لوث محبت کی تاکید اس سے بھی ہوتی ہے کہ وہ حضرات دنیا وآخرت میں آپ کی جدائی برداشت نہیں کرسکتے تھے، چنانچہ طبرانی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب (حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ مراد ہیں) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول آپ مجھے میرے اہل وعیال اور مال ودولت سب سے زیادہ عزیز ہیں۔ اور میں جب آپ کو یاد کرتا ہوں تو اس وقت تک چین نہیں آتا جب تک آپ کی خدمت میں حاضری نہ دے لوں، پھر مجھے اپنا اور آپ کا اس دنیا سے کوچ کرجانا یاد آیا تو میں نے یہ یقین کرلیا کہ آپ تو جنت میں انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ بلند درجات میں ہوں گے اور اگر میں داخل بھی ہوا تب بھی آپ کو وہاں دیکھ نہ سکوں گا اس پر اللہ تعالیٰ نے درجِ ذیل آیتِ کریمہ نازل فرمائی:

((وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ
اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ
وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا)) النساء۔۶۹

اور جو کوئی حکم مانے اللہ کا اور اس کے رسول کا سو وہ ان کے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا کہ وہ نبی اور صدیق اور شہید اور نیک بخت ہیں اور ان کی رفاقت اچھی ہے۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صاحب کو بلا کر یہ آیت پڑھ کر سنائی۔

❁ ان کی اس محبت دسرشاری کی تاکید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ سے ان کے رونے سے بھی ہوتی ہے چنانچہ ابن سعد عاصم بن محمد سے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو کبھی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کرتے ہوئے نہیں سنا مگر یہ کہ ان کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آگئے اور رونے لگے۔

اور ابن سعد ہی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: کوئی رات ایسی نہیں گزرتی جس میں اپنے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا نہ ہوں اور پھر وہ رونے لگتے۔

اور ابن عساکر سند جید کے ساتھ (جیسا کہ حافظ زرقانی نے تصریح کی ہے) حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب وہ (شام کے قریب ایک جگہ) بداری میں ٹھہرے تو خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی (یہ واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کا ہے) اور دیکھا کہ آپ فرمارہے ہیں: اے بلال یہ کیسی سنگدلی ہے؟ کیا تمہارے لئے اب بھی وہ وقت قریب نہیں آیا کہ تم میری زیارت کرو؟ حضرت بلال نہایت خوف زدہ غم کی حالت میں بیدار ہوئے اور اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر مدینہ منورہ کے ارادہ سے چل پڑے، اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک پر حاضری دی تو رونے لگے اور اس پر چہرہ رگڑنے لگے۔

سامنے سے حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما آگئے تو حضرت بلال ان سے بغل گیر ہو کر انہیں چومنے لگے، ان دونوں نے ان سے کہا: ہمارا دل چاہتا ہے کہ ہم آپ کی وہ اذان سنیں جو آپ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مسجد نبوی میں دیا کرتے تھے، چنانچہ وہ مسجد کی چھت پر چڑھ کر اپنی سابقہ اس جگہ پر کھڑے ہو گئے جہاں پر پہلے کھڑے ہوا کرتے تھے، اور پھر جب اللہ اکبر اللہ اکبر کہا تو مدینہ منورہ لرز گیا۔ اور پھر جب أشهد أن لا إله إلا الله کہا تو مدینہ میں اور ہلچل مچ گئی، پھر جب أشهد أن محمداً رسول الله کہا تو عورتیں گھروں سے باہر نکل آئیں اور لوگ یہ کہنے لگے: کیا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دوبارہ مبعوث کر دیا گیا ہے؟ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے موقعہ پر جتنے لوگ رو رہے تھے اس کے بعد اس دن سے زیادہ رونے والے مرد وعورتیں نہیں دیکھی گئیں۔ اس کی وجہ ہی صرف یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان سن کر ان حضرات کے لیے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ ہو گئی تھی۔

❁ ان کی اس بے پناہ محبت کی تاکید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی آہ وبکا کی وجہ سے شور بلند ہو گیا۔

واقدی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا اس درمیان کہ ہم بیٹھے ہوئے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سانحۂ ارتحال پر آنسو بہا رہے تھے اور رات بھر نہ سو سکے، اس وقت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھروں میں ہی موجود تھے، اور ہم آپ کو آپ کے پلنگ پر دیکھ کر تسلی حاصل کر رہے تھے۔ کہ ہم نے سحری کے وقت کلہاڑی وپھاوڑوں کی آواز سنی جن سے زمین کھودی جارہی تھی، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہماری چیخ نکل گئی اور تمام اہلِ مدینہ

چلانے لگے، اور سارا مدینہ منورہ بیک آواز گونج اٹھا، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فجر کی اذان دی اور رونے لگے، اس سے ہمارا غم اور بڑھ گیا، لوگوں نے قبر تک پہنچنے کی کوشش کی تو ان کو روک دیا گیا تاکہ دفن کے وقت قبرِ مبارک پر زیادہ ہجوم نہ ہو جائے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کتنی عظیم مصیبت تھی، اس حادثہ جانکاہ کے بعد ہم پر جب کوئی مصیبت آن پڑی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حادثہ، فاجعہ کو یاد کر کے آسان ہو گئی۔ شاعر ابو العتاہیہ اسی معنی کو اپنے اشعار میں اس انداز سے بیان کرتے ہیں:

اصبر لکل مصیبة وتجلد	واعلم بأن المرء غیر مخلد
ہر مصیبت پر صبر کرو اور جواں مرد بن جاؤ	اور یہ بات سمجھ لو کہ انسان کو دوام حاصل نہیں ہے
أوما ترى أن المصائب جمة	وترى المنية للعباد برصد
کیا تم نہیں دیکھتے کہ مصائب بہت زیادہ ہیں	اور تم دیکھتے ہی ہو کہ موت بندوں کی گھات میں بیٹھی ہے
من لم یصب ممن ترى بمصیبة	هذا سبیل لست فیه بأوحد
جن کو تم دیکھ رہے ہو ان میں کون ایسا ہے جسے کوئی مصیبت نہیں پہنچی ہو	یہ ایک ایسا راستہ ہے جس میں تم اکیلے نہیں ہو
فإذا ذكرت محمداً ومصابه	فاذكر مصابك بالنبي محمد
تم جب محمد اور اس کے سانحۂ ارتحال کو یاد کرو	تو نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سانحہ ارتحال کو یاد کر لیا کرو

لہٰذا ہم نے ابھی جو مثبت وسائل بیان کیے جن کی جانب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رہنمائی کی ہے تاکہ لوگوں کی الفت و محبت حاصل ہو اور ان سے مودت و دوستی کے اسباب مستحکم ہوں، اور ان کے اہتمام و خیال رکھنے کو وہ محسوس کر لیں، اور ان کے ساتھ باہمی تعاون کی روح پیدا ہو، ان سے ہر آنکھیں رکھنے والے کے سامنے یہ بات کھل کر آجاتی ہے کہ اسلامی شخصیت کی تکمیل و تعمیر اور اعلیٰ فضائل پر ان کی تربیت اور ان میں اچھے اخلاق پیدا کرنے کی اساس و بنیاد یہ ہے کہ مربی اور بچے میں محبت بھائی چارگی اور ایک دوسرے کو سمجھنے کے اسباب کو مضبوط کیا جائے، تاکہ ان کے درمیان وہ فائدہ متحقق ہو جس کی امید ہے، اور اچھا اثر پڑے، اور مربی اپنی محنت کا پھل حاصل کر سکے، اور اپنی کھیتی کو لہلہاتے دیکھ سکے اور بچے کو صالحین و منتخب نیک بندوں کی صف اور متقین و ابرار کے دائرے میں دیکھ سکے۔

اس لیے اے مربی محترم اگر آپ یہ چاہیں کہ آپ کا بیٹا آپ کی بات پر لبیک کہے، اور آپ کی نصیحت اور باتوں کو کان لگا کر سنے تو آپ کو چاہیے کہ آپ اسلام کی ان ہدایات کے مطابق عمل کریں جو اس نے بچے کو اپنے سے مانوس کرنے اور لگاؤ پیدا کرنے کے سلسلہ میں دی ہیں، اور آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کریں اور جو طریقہ آپ نے اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اختیار کیا تھا اور جو حسنِ معاشرت آپ نے اپنے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والوں کے ساتھ

اختیار کی تھی آپ بھی اسے اختیار کریں، اگر آپ نے ایسا کر لیا تو آپ نے تربیت کا صحیح اور بہترین راستہ اختیار کر لیا ہوگا اور پھر آپ اپنے بچے کے دل کے مالک ہو جائیں گے، اور آپ کی محبت اس کے دل میں سرایت کر جائے گی، وہ آپ کا گرویدہ ہو جائے گا، اور آپ اسے جو نصیحت کریں گے وہ اسے قبول کرے گا، اور آپ کی کوششیں مثمر و نفع بخش ہوں گی۔

٦ - دن رات تربیتی نظام کے مطابق چلنا | مربی کو جن فرائض و واجبات کا بہت اہتمام کرنا چاہیے اور جن کے لیے بہت تگ و دو کرنا ضروری ہے ان میں سے یہ بھی ہے کہ وہ بچے کو شب و روز طے شدہ تربیتی نظام کے مطابق چلائے تاکہ وہ اس کا عادی بن جائے، اور تدریجاً اس پر عمل کرتا رہے، اور مستقبل میں اس کو اپنے اوپر نافذ کرنے کو ایک مانوس و عادی چیز سمجھے، اس لیے کہ یہ چیزیں اس میں سرایت کر چکی ہوں گی، اور اس کے شعور و دل میں بیٹھ چکی ہوں گی۔

مربی محترم! اس نظام کی تفصیلات عین اسلامی ہدایات کے مطابق آپ کے سامنے پیش کی جا رہی ہیں، تاکہ آپ اس کو جان لیں اور اس کے مطابق عمل کر سکیں:

الف - صبح کے وقت مربی کو درج ذیل نظام اپنانا چاہیے:

❖ یہ کتنی اچھی بات ہوگی کہ جب آپ خود اور آپ کا بیٹا نیند سے بیدار ہو تو اللہ کا نام لے جس کا طریقہ یہ ہے کہ ماثور و منقول دعا پڑھی جائے جو یہ ہے:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ أَحْیَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَیْهِ النُّشُوْرُ». صحیح بخاری و مسلم

تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے موت کے بعد ہمیں زندگی بخشی اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

«لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَسْتَغْفِرُكَ لِذَنْبِیْ، وَأَسْأَلُكَ رَحْمَتَكَ، اَللّٰهُمَّ زِدْنِیْ عِلْمًا، وَلَا تُزِغْ قَلْبِیْ بَعْدَ إِذْ هَدَیْتَنِیْ، وَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً، إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ». سنن ابی داؤد

نہیں ہے اللہ کے سوا کوئی معبود اے اللہ آپ ہی کے لیے پاکی ہے اور آپ ہی کی لیے سب تعریفیں ہیں، میں آپ سے اپنے گناہوں کی مغفرت مانگتا ہوں، اور آپ سے آپ کی رحمت کا طلب گار ہوں۔ اے اللہ میرے علم کو بڑھا دیجئے اور میرے دل کو ہدایت کے بعد کجی و زیغ میں مبتلا نہ فرمایئے اور مجھے اپنے پاس سے رحمت عطا فرمایئے، بے شک آپ ہی بہت زیادہ دینے والے ہیں۔

❖ پھر اگر بچہ بیت الخلاء جانا چاہے تو آپ کو چاہیے کہ آپ اسے بیت الخلاء میں داخل ہونے اور استنجاء کے آداب سکھائیں:

❁ آپ اسے یہ تبلائیے کہ داخل ہوتے ہوئے پہلے بایاں پاؤں آگے بڑھائے اور نکلتے وقت پہلے دایاں پاؤں باہر نکالے اس لیے کہ حدیث میں آتا ہے کہ اچھے کام کے لیے پہلے دایاں پاؤں آگے بڑھانا چاہیے اور جو دوسرے قسم کے کام ہوں ان کے لیے پہلے بایاں پاؤں بڑھانا چاہیے۔

❁ آپ بچے کو یہ بتلائیں کہ جب وہ بیت الخلاء میں داخل ہونا چاہے تو مسنون دعا پڑھے جو یہ ہے:

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ)). اے اللہ میں آپ کے ذریعہ سے مذکر و مؤنث شیاطین سے پناہ مانگتا ہوں۔

صحیح بخاری و مسلم وغیرہ

❁ آپ اسے یہ سکھائیں کہ وہ ایسی جگہوں پر اپنے ساتھ کوئی ایسی چیز نہ لے جائے جس میں اللہ کا نام یا ذکر ہو اس لیے کہ سنن کی کتابوں میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء جاتے تو اپنی انگوٹھی اتار لیا کرتے تھے، اس پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا (حاکم نے اسی طرح روایت کیا ہے)۔

❁ آپ اسے یہ تعلیم دیں کہ اگر کھلی جگہ یا جنگل وغیرہ میں قضاء حاجت کے لیے جانا پڑے تو لوگوں کی نگاہ سے دور چلا جائے، اس لیے کہ ابوداؤد حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ضرورت کے لیے جانے کا ارادہ فرماتے تو اتنی دور چلے جاتے کہ کوئی آپ کو نہ دیکھ سکے۔

❁ آپ اسے یہ بتلائیں کہ قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کر کے قضاء حاجت نہ کرے، اس لیے کہ بخاری و مسلم حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: جب تم قضاء حاجت کے لیے جاؤ تو نہ قبلہ کی طرف منہ کرو نہ پیٹھ کرو، لیکن مشرق یا مغرب کو منہ کر لیا کرو (یہ اہل مدینہ کے لیے حکم ہے جن کا قبلہ مغرب میں نہیں ہے جن علاقوں میں قبلہ کا رخ مغرب میں ہے انہیں مغرب یا مشرق کی جانب نہ منہ کرنا چاہیے نہ پیٹھ)۔

❁ آپ اسے یہ تعلیم دیں کہ وہ سایہ دار جگہ اور راستے اور لوگوں کی نشست گاہ میں ضرورت سے فارغ نہ ہو، اس لیے کہ امام مسلم و احمد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایسے دو کاموں سے بچو جو لعنت کا ذریعہ ہیں، پوچھا گیا کہ لعنت کا ذریعہ کون سے کام ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا وہ شخص جو لوگوں کے راستے میں ضرورت سے فارغ ہو یا سایہ دار جگہ میں۔

❁ آپ اسے یہ تعلیم دیں کہ قضاء حاجت کے وقت بالکل بات نہ کرے، اس لیے کہ مسلم وغیرہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرے، اس وقت آپ پیشاب کر رہے تھے ان صاحب نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے ان کے سلام کا جواب نہیں دیا۔

❁ آپ اسے یہ تبلائیں کہ پیشاب سے اچھی طرح صفائی حاصل کیا کرے اور نجاست و گندگی سے بچے تا کہ اس کے کپڑے یا بدن پر نجاست نہ لگے، اس لیے کہ عام طور سے عذابِ قبر پیشاب سے نہ بچنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس لیے کہ

دارقطنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پیشاب سے بچو اس لیے کہ عام طور سے عذاب اسی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

❖ اور اس کو یہ تبلائیں کہ دائیں ہاتھ سے استنجا نہ کرے، اس لیے کہ بخاری و مسلم میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص پیشاب کرے تو اپنے عضو مخصوص کو دائیں ہاتھ سے نہ پکڑے اور نہ دائیں ہاتھ سے استنجاء کرے اور نہ (پانی کے) برتن میں سانس لے۔

❖ اور اسے یہ تبلائیں کہ استنجاء کے موقعہ پر ڈھیلے (یا ٹیشو یا ٹوائلٹ پیپر جاذب کاغذ) اور پانی دونوں کا استعمال کرے اس لیے کہ دونوں کو استنجاء میں جمع کرنا زیادہ اچھا ہے۔ اس لیے کہ بزار، ابن ماجہ و حاکم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قباء والوں سے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے طہارت حاصل کرنے کے سلسلہ میں تمہاری تعریف کی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے کہا: ہم جب استنجاء کرتے ہیں تو ڈھیلے اور پانی دونوں کو استعمال کرتے ہیں۔

❖ آپ اسے یہ تبلائیں کہ جب وہ بیت الخلاء سے نکلے تو پہلے اپنا دایاں پاؤں وہاں سے باہر نکالے پھر یہ دعا پڑھے:

((غُفْرَانَكَ)). سنن ابی داؤد و ترمذی — اے اللہ میں آپ کی مغفرت کا طلب گار ہوں۔

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَذْهَبَ عَنِّي الْأَذَى وَعَافَانِيْ)). سنن ابن ماجہ — تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھ سے تکلیف دہ چیز کو دور کیا اور مجھے عافیت بخشی۔

ایک اور روایت میں درج ذیل دعا بھی آتی ہے:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَذَاقَنِيْ لَذَّتَهُ وَأَبْقَى فِيَّ قُوَّتَهُ وَدَفَعَ عَنِّيْ أَذَاهُ)). — تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے جس نے مجھے اس کی لذت چکھائی اور اس کی قوت مجھ میں باقی رکھی، اور اس کی گندگی و تکلیف مجھ سے دور کردی۔

❖ اس کو یہ سکھائیں کہ جب وہ بیت الخلاء سے نکلے تو پانی اور صابن سے اپنے دونوں ہاتھ دھوئے، اس لیے کہ نسائی حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ آپ قضاء حاجت کے لیے تشریف لے گئے، حاجت پوری کی پھر فرمایا: اے جریر پانی لے آؤ، میں پانی لے کر حاضر ہوا تو آپ نے استنجاء کیا اور پھر اپنا ہاتھ زمین پر رگڑا، آج مٹی میں ہاتھ رگڑنے کے بجائے صابن سے صفائی ہوجاتی ہے۔

● پھر اس کو وضو کرنا سکھائیں:

❖ اس کو وضو کی فضیلت بتلائیں اور یہ کہ اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں، اس لیے کہ مسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ

عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب مسلمان بندہ وضوء کرتا ہے اور اپنے چہرے کو دھوتا ہے تو پانی یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ اس کے چہرے کے وہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں جن کی طرف اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوتا ہے۔ اور جب وہ اپنے دونوں پاؤں دھوتا ہے تو پانی یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ اس کے وہ گناہ دھل جاتے ہیں جن کی طرف وہ پاؤں سے چل کر گیا تھا، یہاں تک کہ وہ گناہوں سے پاک صاف ہو کر نکلتا ہے۔

❁ اس کو وضوء سے فارغ ہونے کے بعد کی مسنون دعا سکھائیں:

«أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ».

صحیح مسلم و مسند احمد

میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لا شریک لہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

«اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِينَ وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِينَ».

جامع ترمذی

اے اللہ مجھے ان لوگوں میں سے بنا دے جو بہت زیادہ توبہ کرنے والے ہیں، اور مجھے پاکی حاصل کرنے والوں میں سے بنا۔

«سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ».

سنن نسائی

اے اللہ آپ کے لیے پاکی ہے اور تمام تعریفیں ہیں، میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں میں آپ ہی سے مغفرت کا طلب گار ہوں، اور آپ ہی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

❁ اسے یہ سکھائیں کہ ہر وضوء کرنے کے بعد دو رکعت نفل پڑھے اس لیے کہ مسلم و احمد حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں جو وضوء کرے اور اچھی طرح سے کرے پھر کھڑے ہو کر دو رکعتیں پڑھے اور ان میں دل و جسم کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہو مگر یہ کہ جنت اس کے لیے واجب ہو جاتی ہے[1]

❁ پھر آپ اس کو یہ بتلائیں کہ رات کو جتنی نماز پڑھ سکتا ہو پڑھ لیا کرے:

اس لیے کہ مسلم و ابو داؤد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص رات کو اٹھ جائے تو نماز کی ابتداء دو ہلکی پھلکی رکعتوں سے کرنا چاہیئے۔

اور نمازِ تہجد پڑھنے سے قبل تہجد کی دعا پڑھ لے اس لیے کہ بخاری و مسلم حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے

---

[1] مربیٔ محترم! وضوء کا طریقہ و آداب جاننے کے لیے آپ فقہ کی کسی بھی کتاب کی طرف رجوع کر سکتے ہیں اور اس سے فائدہ و استفادہ کر سکتے ہیں، لیکن میں آپ کو مسواک کی سنت یاد دلاتا ہوں اس لیے کہ اس کے بارے میں سو سے زیادہ حدیثیں ملتی ہیں۔

روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو تہجد کے لیے اٹھتے تو یہ فرماتے:

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ مَلِكُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ حَقٌّ، وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ، وَقَوْلُكَ حَقٌّ، وَالنَّارُ حَقٌّ، وَالنَّبِيُّوْنَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ، وَالسَّاعَةُ حَقٌّ، اَللّٰهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ، فَاغْفِرْ لِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ))۔

اے اللہ اے ہمارے رب تمام تعریفیں آپ ہی کے لیے ہیں، آپ آسمانوں اور زمینوں اور جو ان میں ہے سب کے تھام رکھنے والے ہیں اور آپ ہی کے لیے تمام تعریفیں ہیں، آپ آسمانوں و زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کے روشن کرنے والے ہیں اور تمام تعریفیں آپ ہی کیلئے ہیں۔ آپ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے اس کے بادشاہ ہیں تمام تعریفیں آپ ہی کے لیے ہیں، آپ ہی حق ہیں، اور آپ کا وعدہ برحق ہے۔ آپ کی ملاقات حق ہے اور آپ کا فرمان برحق ہے، اور دوزخ حق ہے، اور تمام نبی برحق ہیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق ہیں، اور قیامت کی گھڑی برحق ہے، اے اللہ میں آپ ہی کے لیے اسلام لایا اور آپ ہی پر ایمان لایا اور آپ پر ہی توکل و اعتماد کیا اور آپ ہی کی طرف رجوع کرتا ہوں اور آپ ہی کی مدد سے مخاصمت کرتا ہوں اور آپ ہی سے فیصلہ کراتا ہوں، آپ میرے اگلے پچھلے سب گناہ معاف فرما دیجیے اور پوشیدہ کیے ہوئے بھی اور کھلم کھلا کیے ہوئے بھی، آپ ہی آگے بڑھانے والے ہیں، اور آپ ہی پیچھے کرنے والے ہیں، آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور آپ کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔

❋ ❋ ❋

صلاۃ اللیل (رات کی نماز) کے لیے رکعات کی کوئی مخصوص تعداد متعین نہیں ہے جتنی سہولت وطاقت ہو اتنی نماز پڑھنا چاہیے۔ نماز دو دو رکعت کرکے پڑھے (خواہ چار چار پڑھے) اس لیے کہ بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رات کی نماز دو دو رکعات ہے، پھر جب صبح ہونے کا ڈر ہو تو ایک رکعت کے ذریعہ (پچھلی دو رکعتوں کو) وتر بنا لو۔

❁ تہجد کی نماز کے فضائل میں سے یہ ہے کہ یہ جنت لے جانے کا ذریعہ ہے۔ اس لیے کہ ترمذی حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے لوگوں! سلام کو عام کرو ———— اور

کھانا کھلایا کرو، اور رات کو ایسی حالت میں نماز پڑھو کہ لوگ سو رہے ہوں اور جنت میں عافیت و سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔

❁ اس کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ رات کو نماز پڑھنے والا اللہ تعالیٰ کے دربار میں ذاکرین میں سے لکھا جاتا ہے، اس لیے کہ ابوداؤد حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جب انسان رات کو اپنے گھر والوں کو جگائے اور دونوں دو رکعت پڑھ لیں تو دونوں ذکر کرنے والوں میں لکھے جاتے ہیں۔

❁ اور اس کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ یہ اللہ کے قریب کرنے والی اور گناہوں کا کفارہ ہے۔ اس لیے کہ امام ترمذی حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہیں چاہیے کہ رات کے قیام (تہجد کی نماز) کو لازم پکڑو، اس لیے کہ یہ تم سے پہلے گزرنے والے صالحین کی عادت ہے اور تمہارے رب تک تقرب کا ذریعہ اور برائیوں کے لیے کفارہ اور گناہوں سے روکنے والی ہے۔

۞ پھر اس کو یہ بتلاؤ کہ وہ فجر کی نماز مسجد جاکر پڑھا کرے:

❁ اسے اذان کے بعد کی دعا سکھاؤ اس لیے کہ امام مسلم وابوداؤد وغیرہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ نے فرمایا: جب تم مؤذن کو اذان دیتے سنو تو وہی الفاظ دہراؤ جو مؤذن کہہ رہا ہے[1] پھر مجھ پر درود بھیجو، اس لیے کہ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، پھر میرے لیے اللہ تعالیٰ سے "وسیلہ" مانگو، اس لیے کہ یہ ایک ایسا مرتبہ ہے جو اللہ کے کسی خاص بندہ کے لیے ہی مناسب ہے، اور مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں گا۔ لہٰذا جو میرے لیے "وسیلہ" طلب کرے گا اس کے لیے میری سفارش واجب ہوگی۔

اذان کے بعد انہی الفاظ میں دعا مانگنا چاہیے جو صحیح سند سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں، چنانچہ امام بخاری وغیرہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اذان سن کر یہ کلمات کہے تو اس کے لیے قیامت کے روز میری شفاعت واجب ہو جاتی ہے:

((اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ	اے اللہ اے پروردگار اس کامل و مکمل دعوت اور قائم و دائم
وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيْلَةَ	نماز کے، عطا فرمایئے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وسیلہ اور فضیلت
وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَنِ الَّذِيْ	اور ان کو بھیج دیجئے اس مقام محمود میں جس کا آپ نے ان سے
وَعَدْتَهُ)).	وعدہ فرمایا ہے۔

---

[1] یعنی جو الفاظ مؤذن کہہ رہا ہے وہی الفاظ دہراؤ سوائے اس کے کہ جب مؤذن حي على الصلاة اور حي على الفلاح کہے تو اس وقت سننے والا لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہے گا جیسا کہ امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

اس کے سامنے مسجد میں جاکر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت بیان کیجیے اس لیے کہ ابوداؤد وترمذی حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا :

((بشر المشائین فی الظلم إلی المساجد بالنور التام یوم القیامۃ)). — جو لوگ رات کی تاریکیوں میں مسجد کی طرف چل کر جاتے ہیں انہیں قیامت کے روز کامل و مکمل نور کی بشارت دے دیجیے۔

اور امام مسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنے گھر میں وضوء کرکے اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر کی جانب اللہ کے فرائض میں سے کسی فریضے کو ادا کرنے کے لیے جاتا ہے تو اس کے ہر قدم میں سے ایک قدم ایک گناہ معاف کرادیتا ہے اور دوسرا ایک درجہ بلند کرتا ہے۔

اور بخاری ومسلم حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جماعت کی نماز پر اکیلے نماز پڑھنے سے ستائیس درجہ زیادہ ثواب ملتا ہے۔

❁ بچے کو نماز سے فارغ ہونے کے بعد تسبیحات پڑھنا اور دعا کرنا سکھائیں اس لیے کہ امام مسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا جو شخص ہر نماز کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، اور تینتیس مرتبہ الحمد للہ، اور تینتیس مرتبہ اللہ اکبر پڑھے تو یہ ننانوے ہوگئے اور سو پورا کرنے کے لیے ایک مرتبہ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ پڑھ لے تو اس کے تمام گناہ معاف کردیے جاتے ہیں خواہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔

فجر اور مغرب کی نماز کے بعد جن دعاؤں کا پڑھنا مذکور ہے وہ یہ ہیں :

((لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ)). عشر مرات

جامع ترمذی

اللہ وحدہ لاشریک لہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ حکومت وملک اسی کے لیے ہے۔ اور اسی کے لیے تمام تعریفیں ہیں۔ وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یہ کلمات دس مرتبہ پڑھے جائیں گے۔

((اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ)) سبع مرات۔ ابوداؤد — اے اللہ مجھے دوزخ کی آگ سے محفوظ فرما۔ سات مرتبہ

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْۤ اَسْاَلُکَ الْجَنَّۃَ)) ثمانی مرات — اے اللہ میں آپ سے جنت کا سوال کرتا ہوں۔ آٹھ مرتبہ

وہ دعائیں جو ہر نماز کے بعد ثابت ہیں :

((اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ)). صحیح مسلم وغیرہ

اے اللہ آپ سلام ہیں اور آپ ہی سلامتی دینے والے ہیں۔ اے ذوالجلال والاکرام آپ برکت والے ہیں۔

((اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ)).

ابوداؤد ونسائی

اے اللہ میری مدد فرمایئے اپنے ذکر اور شکر ادا کرنے اور بہترین عبادت کرنے پر۔

((رَبِّ قِنِي عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ)). صحیح مسلم

اے میرے رب مجھے اپنے عذاب سے اس روز بچا لیجیے جس روز آپ اپنے بندوں کو اٹھائیں گے۔

آیۃ الکرسی کا پڑھنا پھر قل ہو اللہ احد اور معوذتین یعنی قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس کا پڑھنا اور سُبْحَانَ اللّٰهِ والحمد للہ واللہ اکبر کا تینتیس تینتیس تینتیس مرتبہ پڑھنا (صحیح مسلم) اور سو پورا کرنے کے لیے ایک مرتبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ کا پڑھنا (صحیح مسلم) اور اس کے علاوہ دوسری اور مسنون دعائیں۔

❖ اس کو یہ بتلائیے کہ صبح فجر اور عصر کی نماز پڑھنے کے بعد نوافل پڑھنا مکروہ و ممنوع ہے۔ اس لیے کہ بخاری و مسلم حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: صبح کی نماز پڑھنے کے بعد کوئی نماز نہیں جب تک سورج نہ نکل آئے۔ اور عصر کی نماز کے بعد کوئی نماز نہیں جب تک کہ سورج ڈوب نہ جائے۔

❖ آپ اس کو یہ بتلائیں کہ سورج نکلنے اور زوال اور سورج غروب[1] ہونے کے وقت کوئی سی بھی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ مسلم وغیرہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: تین گھڑیاں ایسی ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھنے سے منع فرمایا کرتے تھے، اور یہ کہ ہم اس میں اپنے مردوں کو دفن کریں (نماز جنازہ مراد ہے) ایک اس وقت جبکہ سورج نکلنا شروع ہو جب تک کہ بلند نہ ہو جائے، اور اس وقت جب زوال کا وقت ہو جب تک کہ زوال نہ ہو جائے اور اس وقت جب سورج غروب ہونے لگے جب تک کہ غروب نہ ہو جائے۔

پھر اس کو صبح کے وقت پڑھے جانے والے ذکر بتلائیے:

اس لیے کہ ذکر کا حکم وارد ہوا ہے اور اس پر ابھارا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ)). البقرہ۔ ۱۵۲

سو تم مجھ کو یاد رکھو میں تم کو یاد رکھوں گا۔

نیز ارشاد فرمایا:

((وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ)). الاعراف۔ ۲۰۵

اور یاد کرتے رہیے اپنے رب کو اپنے دل میں گڑگڑاتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے اور ایسی آواز سے جو کہ پکار کر بولنے سے کم ہو صبح کے وقت اور شام کے وقت اور بے خبر مت رہیے

نیز فرمایا:

((يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا)). الاحزاب۔ ۴۱ و ۴۲

اے ایمان والو اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہو۔

---

[1] سورج نکلنے اور زوال اور غروب کا اندازہ تقریباً آدھ گھنٹہ ہے۔

❁ اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((کلمتان خفیفتان علی اللسان، ثقیلتان فی المیزان، حبیبتان إلی الرحمن، سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم)) صحیح بخاری وصحیح مسلم

دو کلمے ہیں جو زبان پر بہت ہلکے اور میزان (ترازو) میں بہت بھاری ہیں۔ اور اللہ (رحمٰن) کو محبوب ہیں «سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ»۔

❁ اور بخاری ومسلم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ: اس شخص کی مثال جو اپنے رب کو یاد کرتا ہو اور اس کی مثال جو اپنے رب کو یاد نہیں کرتا ہو زندہ اور مردہ کی سی ہے۔

❁ اور امام مسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ایک صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول مجھے گذشتہ رات بچھو کے کاٹنے سے سخت تکلیف پہنچی، تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم رات کو یہ پڑھ لیتے:

((أَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ))۔

کہ میں اللہ تعالیٰ کے کامل ومکمل کلمات کے ذریعے پناہ مانگتا ہوں ہر اس چیز کے شر سے جسے اس نے پیدا کیا ہے۔

تو وہ تم کو کچھ نقصان نہ پہنچاتا۔

❁ اور ابوداؤد وترمذی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ صبح کے وقت درج ذیل کلمات پڑھا کرتے تھے:

((اَللّٰھُمَّ بِکَ أَصْبَحْنَا وَبِکَ أَمْسَیْنَا وَبِکَ نَحْیَیٰ وَبِکَ نَمُوْتُ وَإِلَیْکَ النُّشُوْرُ)) داؤد اسی قال: ((اَللّٰھُمَّ بِکَ أَمْسَیْنَا وَبِکَ نَحْیَیٰ وَبِکَ نَمُوْتُ وَإِلَیْکَ الْمَصِیْرُ))[1]۔

اے اللہ آپ ہی کے نام سے ہم نے صبح کی اور آپ ہی کے نام سے شام کی، اور آپ ہی کے فضل سے ہم زندگی حاصل کرتے ہیں، اور آپ ہی کے حکم سے ہم مریں گے، اور آپ ہی طرف لوٹ کر جانا ہے اور جب شام کرتے تو فرماتے: اے اللہ ہم آپ ہی کے نام سے شام کرتے ہیں اور آپ ہی کے فضل سے زندہ ہیں۔ اور آپکے حکم ہی سے مریں گے اور آپ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

❁ ❁ ❁

پھر اس کو جتنا ہو سکے قرآن کریم کی تلاوت کا حکم دیں:

اس لیے کہ قرآن کریم کی تلاوت کی فضیلت کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں:

❁ امام مسلم حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] حسن بنا کی کتاب "المأثورات" ملاحظہ فرمایئے جس میں دعاؤں اور صبح وشام کے مستند اذکار کا صحیح احادیث سے اچھا مجموعہ جمع کر دیا گیا ہے۔

سے سنا آپ نے یہ فرمایا:

((اقرءوا القرآن فإنه يأتي يوم القيامة شفيعاً لأصحابه)). — قرآن کریم پڑھو اس لیے کہ وہ قیامت کے روز اپنے پڑھنے والوں کے لیے سفارشی بن کر آئے گا۔

❁ اور امام بخاری حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((خيركم من تعلم القرآن وعلمه)). — تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن کریم سیکھے اور سکھائے۔

❁ اور امام ترمذی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من قرأ حرفاً من كتاب الله فله حسنة، والحسنة بعشر أمثالها لا أقول، الٓمٓ حرف ولكن ألف حرف ولام حرف وميم حرف)). — جو شخص اللہ کی کتاب کا ایک حرف بھی پڑھتا ہے تو اسے ایک نیکی ملتی ہے اور ایک نیکی کا دس نیکیوں کے برابر ثواب ملتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔

❁ ❁ ❁

آپ خود بھی تلاوت کو نہ چھوڑیے اور نہ اپنے بچے کو چھوڑنے دیجیے خواہ روزانہ چند آیتوں کی ہی تلاوت کیوں نہ ہو۔ اور بہترین عمل وہ ہے جس پر مداومت کی جائے خواہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔

● پھر اس کے ساتھ ریاضت وورزش کی مشقیں شروع کیجیے:

تاکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے درج ذیل فرمانِ مبارک پر عمل ہو جائے:

((وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ)). الانفال۔۶۰ — اور تیار کرو ان کی لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کر سکو قوت سے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا درج ذیل فرمان پورا ہو:

((المؤمن القوي خير وأحب إلى الله من المؤمن الضعيف وفي كل خير)). — طاقتور مؤمن بہتر اور اللہ کو زیادہ پسندیدہ ہے کمزور مؤمن سے اور دونوں میں بھلائی وخیر ہے۔

اور نشاط پیدا کرنے والے وہ نمونے اور خوش کن مواقف اور شخصیت ومردم سازی کے وہ بنیادی اصول جن کی نشاندہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے اور اس دنیا میں ان کی عملی تطبیق کر کے بتائی ہے تاکہ یہ مربیوں کے لیے مشعل راہ ونمونہ بن جائیں اور ان کے سلسلہ میں ابھی کچھ پہلے گفتگو ہو چکی ہے۔

یہ مشقیں ورزش وریاضت کی تمام اقسام کو شامل ہیں مثلاً دوڑنا، چھلانگ لگانا، کشتی کرنا بوجھ اٹھانا وغیرہ وغیرہ۔

مربی جب ان لوگوں کے لیے جن کی تربیت کی ذمہ داری اس پر ہے عبادت اور جہاد، اور روحانی تقویت، اور قوت وطاقت کے وسائل کی تیاری اور حقیقت وواقع اور مزاج ودل لگی، اور دین ودنیا اور آخرت سب کو جمع کر دیتا ہے تو کتنا عظیم وزبردست مربی ہوتا ہے۔

اور انسانوں اور اللہ کی نظر میں ایسا مربی کتنا عظیم ہوتا ہے جو اپنے قول وفعل اور ہدایات ورہنمائی کے ذریعہ اسلام کے حقیقی وواقعی دین ہونے اور جگر گوشوں اور دل کے سکون کا ذریعہ یعنی بچوں کے لیے اس کے اچھے معاملہ کو ظاہر کرتا ہے۔

پھر اس کے ساتھ ثقافتی مطالعہ شروع کیجیے:

تاکہ اللہ تعالیٰ کے فرمانِ مبارک ذیل پر عمل ہو:

((وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْماً))۔ طٰہٰ ۔ ۱۱۴ — ور آپ کہیے کہ اے میرے پروردگار بڑھادے میرے علم کو۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ مبارک متحقق ہو:

((ومن سلك طريقاً يلتمس فيه علماً سهّل الله له طريقاً إلى الجنة))۔ صحیح مسلم — جو شخص کسی ایسے راستے پر چلتا ہو جس میں وہ علم کا طالب ہو تو اللہ اس کے لیے جنت کا ایک راستہ آسان فرما دیتے ہیں۔

پھر بچہ اگر طالبِ علم ہو تو مطالعہ مدرسہ کی کتابوں کی نوعیت کا ہونا چاہیے، چنانچہ صبح کے ابتدائی حصوں میں اس کو وہ اسباق یاد کرانا چاہیے جو اس کے ذمہ لگائے گئے ہیں۔ اور جو بحثیں مطالعہ کی ہیں ان کا مطالعہ کرایا جائے، اور اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ اسباق کے مطالعہ کے ساتھ ثقافتِ عامہ سے متعلق کتب کا بھی اسے مطالعہ کرایا جائے، تاکہ بچے کی عقل پختہ ہو اور ثقافت کے میدان میں تکمیل کو پہنچے۔

اور اگر بچہ کام کاج کرتا ہو تو پھر اسے ثقافت وتہذیب سے متعلق مطالعہ کرانا چاہیے، اور صبح کے ابتدائی حصول میں اسے ایسی کتابوں کے مطالعے میں مصروف کرنا چاہیے جو اسے علم کے حقائق اور ہنر کے فنون سے روشناس کرا سکیں، تاکہ وہ عقل کی پختگی اور ثقافتی سوجھ بوجھ اور علمی حیثیت سے ایک مناسب معیار تک پہنچ سکے۔

اور اگر مربی کے پاس اپنے بچے کی علمی تکمیل اور تعلیمی وثقافتی تیاری کے لیے وقت نہ ہو اور وہ خود اس کی تعلیم واصلاح ورہنمائی کے لیے وقت نہ دے سکے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ دوسرے اساتذہ یا بڑے بچوں سے یہ کام لے لے۔

پھر اس کو اشراق وچاشت کی نماز کی تعلیم دیں:

اس لیے کہ اشراق وچاشت کی نماز کے فضائل بہت سی صحیح احادیث میں وارد ہوئے ہیں:

❁ امام بخاری و مسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا مجھے میرے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین باتوں کی وصیت کی ہے: ایک تو ہر مہینہ میں تین دن روزہ رکھنے کی، دوسرے چاشت کی دو رکعات نماز پڑھنے کی، اور تیسرے اس کی کہ میں سونے سے قبل وتر پڑھ لیا کروں۔

❁ اور امام مسلم و احمد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کے وقت چار رکعات پڑھا کرتے تھے اور جتنی اللہ توفیق دیتا اس سے بڑھا دیا کرتے تھے۔

جمہورِ فقہاء کے یہاں نماز چاشت کی کم از کم دو رکعات اور زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعات ہیں، اور اس کا وقت سورج نکلنے کے تقریباً آدھ گھنٹے کے قریب سے شروع ہو کر ظہر کی نماز سے تقریباً پون گھنٹے قبل تک رہتا ہے۔

پھر اس کو ناشتہ کے آداب بتلائیں:

مربی کو چاہیے کہ کھانے پینے کے ان آداب کا اہتمام کرے جو ہم اس کتاب تربیۃ الاولاد کی قسمِ ثانی میں "کھانے پینے کے آداب" نامی عنوان کے تحت ذکر کر چکے ہیں۔

بچوں کو ان آداب کی تعلیم دینا چاہیے تاکہ وہ کھانا کھاتے اور پانی وغیرہ پیتے وقت ان کے عادی بنیں، اور یہ ان کی فطرت و عادت بن جائیں، اس لیے اے مربی محترم! آپ مذکورہ بالا عنوان والی بحث کا مطالعہ کر لیجیے تاکہ جب اپنے اہل و عیال اور بچوں کے ساتھ آپ کھانا کھانے بیٹھیں تو مرحلہ وار ان آداب کو نافذ کر سکیں۔

پھر اس کو گھر سے نکلنے کے آداب سے روشناس کرائیں:

❁ آپ اس کو یہ بتلائیں کہ وہ اپنے کپڑے اور لباس کو پہننے میں پہلے دائیں سے ابتدا کرے اور اتارتے وقت پہلے بائیں سے اتارے اس لیے کہ مسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص جوتا پہنے تو ابتداء دائیں سے کرے اور جب جوتا اتارے تو پہلے بائیں پاؤں کا اتارے۔

❁ آپ اس کو گھر سے نکلنے کی دعا سکھائیں اس لیے کہ ترمذی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب انسان اپنے گھر سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھتا ہے:

((بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ)).	اللہ کا نام لے کر نکل رہا ہوں اور اللہ پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی برائی سے روک سکتا ہے اور نہ نیک کام کی توفیق دے سکتا ہے۔

❁ ❁ ❁

تو اس سے کہا جاتا ہے کہ:

((حسبك هديت وكفيت ووقيت وتنحى عنه الشيطان)) .

تمہارے لیے یہ کافی ہے اور تمہیں ہدایت دی گئی اور تمہاری کفایت کی گئی (اور تم) بچا لیے گئے اور اس سے شیطان کو دور کر دیا جاتا ہے۔

٭ ٭

اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کے گھر سے نکلتے تھے تو یہ فرماتے تھے :

((بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ أَنْ نَزِلَّ أَوْ نَضِلَّ أَوْ نَظْلِمَ أَوْ نُظْلَمَ أَوْ نَجْهَلَ أَوْ يُجْهَلَ عَلَيْنَا)).

اللہ کا نام لے کر نکل رہا ہوں اور اللہ پر ہی بھروسہ کرتا ہوں اے اللہ ہم آپ کے ذریعہ سے پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ ہم (راہِ راست سے) پھسل جائیں یا گمراہ ہو جائیں یا ہم ظلم کریں یا ہم پر ظلم کیا جائے یا ہم جہالت کا کام کریں یا ہم پر زیادتی کی جائے۔

٭ ٭ ٭

پھر اس کو راستے کے آداب سکھائیں :

❖ آپ اس کو یہ بتلائیں کہ وہ آرام سے چلے اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

((وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَّإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا)) .

الفرقان ۔ ۶۳

اور (خدائے) رحمٰن کے (خاص) بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں، اور جب ان سے جہالت والے لوگ بات چیت کرتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں خیر۔

❖ آپ اس کو یہ بتلائیں کہ وہ اپنے آپ کو اجنبی عورتوں کو دیکھنے سے بچائے، نگاہ پست رکھے اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں :

((قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ..... وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ)) .

النور ۔ ۳۰ و ۳۱

آپ ایمان والوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں ... اور آپ کہہ دیجیے ایمان والیوں سے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت رکھیں۔

❖ آپ اس کو سلام کے آداب سکھائیں کہ وہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہہ کر سلام کیا کرے، اور سلام کے جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا کرے۔

مربی محترم! آدابِ سلام کی بحث پر مطلع ہونے کے لیے آپ اس کتاب کی قسمِ ثانی میں "سلام کے آداب" نامی بحث

کا مطالعہ کر لیجیے تاکہ آپ بچے کی اس کی طرف رہنمائی کر سکیں اور اسے اس کا عادی بنا سکیں۔

سلام کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ ہر کس و ناکس کو سلام کرنا چاہیے خواہ پہلے سے واقفیت ہو یا نہ ہو اس لیے کہ امام بخاری و مسلم حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: اسلام میں سب سے بہتر کیا چیز ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا یہ کہ تم کھانا کھلاؤ، اور سلام کرو اس کو بھی جس کو تم جانتے ہو اور اس کو بھی جس کو تم نہیں جانتے۔

❁ اس کو یہ سکھائیے کہ جب وہ اپنے مسلمان بھائی سے ملے تو اس سے مصافحہ کرے اس لیے کہ ابوداؤد و ترمذی صحیح سند سے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

جب دو مسلمان ملتے ہیں اور ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں اور اللہ کی حمد و ثنا بیان کرتے ہیں اللہ سے مغفرت کے طلبگار ہوتے ہیں تو ان دونوں کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔

اور ایک روایت میں یہ آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی دو مسلمان ایسے نہیں کہ وہ ایک دوسرے سے مل کر مصافحہ کریں مگر یہ کہ ان کے جدا ہونے سے قبل ان کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔

❁ آپ اس کو یہ بتلائیں کہ وہ خطرہ کی جگہ پر احتیاط سے چلے اور وہ اس طرح کہ گاڑیوں سے دور رہے اور سڑک پر چلنے سے بچے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ مبارک ہے:

((وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ)) البقرہ۔ ۱۹۵ — اور نہ ڈالو اپنی جان کو ہلاکت میں۔

❁ آپ اس کو یہ سمجھائیں کہ زمین پر کوئی ایسی چیز نہ پھینکے جس سے لوگوں کو ایذاء و تکلیف پہنچے، مثلاً ایسی چیزیں جن سے انسان کے پھسلنے کا ڈر ہو۔ اس لیے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشادِ مبارک ہے: نہ ضرر اٹھاؤ نہ ضرر پہنچاؤ۔ اسی طرح آپ کو چاہیے کہ آپ اسے یہ بھی تعلیم دیں کہ وہ راستہ سے ایسی چیزوں کو ہٹا دیا کرے جو چلنے والوں کو نقصان پہنچانے والی ہوں مثلاً پتھر و تکلیف پہنچا سکنے والی چیزیں۔ اس لیے کہ امام بخاری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ایمان کے ستر سے کچھ اوپر شعبے ہیں جن میں سب سے اعلیٰ لا الٰہ الا اللہ کا کہنا ہے اور سب سے کم تر (یا آسان ترین) راستہ سے تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا ہے۔

❁ آپ اس کو راستے کے دوسرے عمومی آداب سکھائیں۔ اس لیے کہ بخاری و مسلم حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: راستوں میں بیٹھنے سے بچو، تو انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول راستوں میں بیٹھ کر ہم باتیں کرتے ہیں اس کے علاوہ ہمارے پاس کوئی اور چارۂ کار نہیں، تو نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: اگر تم بیٹھنے پر مصر ہی ہو تو راستے کو اس کا حق ادا کرو، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول راستے کا حق کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نگاہ کا جھکائے رکھنا۔ اور تکلیف پہنچانے سے بچنا، اور سلام کا جواب دینا،

اور اچھی باتوں کا حکم دینا، اور بری باتوں سے روکنا۔

❁ اسے یہ سکھائیں کہ اگر وہ مدرسے یا کارخانے جائے تو اپنے ساتھی کے حق کو ادا کرے یعنی اس سے جب ملے تو اسے سلام کرے۔ اور اگر وہ بیمار ہو جائے تو اس کی بیمار پرسی کرے۔ اور جب اس کو چھینک آجائے تو اس پر یرحمک اللہ کہے اور مختلف مناسبتوں پر اس سے ملاقات کرے، اور تنگی و سختی میں اس کی اعانت کرے، اور جب وہ دعوت دے تو اس پر لبیک کہے۔

ان حقوق کی تفصیل ہم اس کتاب کی قسم ثانی کی "ساتھی کے حقوق" کی بحث میں درج کر چکے ہیں اس کا مطالعہ کر لیجیے وہاں آپ کو مدلل و مفصل بحث مل جائے گی۔

❁ اس کو یہ بتلائیں کہ وہ استاذ کے حقوق ادا کرے خواہ وہ مدرسہ کا مدرس ہو یا کام کاج کا استاد ہو، دونوں سے تواضع وعاجزی سے پیش آئے، اور ان کو عزت واحترام کی نظر سے دیکھے، اور اپنے اوپر اس کے احسان کو فراموش نہ کرے۔ اور اگر وہ کسی وجہ سے غصہ ہو جائے تو اس کی باتوں پر صبر کرے، اور اس کے سامنے باادب بیٹھے، اور اس کے پاس اجازت طلب کر کے جائے، اور جب وہ بات کرے تو کان لگا کر اس کی طرف متوجہ ہو۔

ان حقوق کی مفصل بحث اس کتاب کی اس بحث میں کر چکے ہیں جس کا ابھی تذکرہ گزرا ہے لہٰذا وہاں شواہد وادلہ سے آراستہ مکمل و مفصل بحث ملاحظہ کر لیجیے۔

اور اخیر میں اس کے جانے سے قبل آپ اس کو یہ وصیت کریں کہ اللہ سے ڈرے، اور تقویٰ اختیار کرے، اور کھلم کھلا بھی اور مخفی بھی دونوں حالتوں میں اسکے حاضر وناظر ہونے کو نہ بھولے، اور نمازوں کو ان کے اوقات پر ادا کرے، اور نیک اور دیندار لوگوں کے ساتھ ہی اٹھنا بیٹھنا اختیار کرے، اور ایسی کوئی بات نہ کرے جس سے اس کی بے ادبی یا بداخلاقی کا مظاہرہ ہوتا ہو یا جو اس کے وقار کے خلاف ہو۔

ب۔ اور شام کو مربی اس نظام کی اتباع کرے:

❁ یہ کوشش کیجیے کہ مغرب وعشاء کی نماز مسجد میں ادا ہو:

اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو نماز جماعت سے پڑھی جائے وہ اس نماز سے ستائیس درجہ زیادہ ثواب والی ہے جو اکیلے پڑھی جائے (بخاری ومسلم)۔

❁ آپ یہ کوشش کریں کہ آپ کے بچے نماز کے اوقات میں اچھے اور صاف ستھرے کپڑے پہنیں اس لیے کہ ارشاد ربانی ہے:

((خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ)) الاعراف - ۳۱   لے لو اپنی آرائش ہر نماز کے وقت۔

❁ اس کی کوشش کیجیے کہ جب مسجد جانا ہو تو لہسن اور پیاز نہ کھائیں، تاکہ لوگوں کو ایذاء اور تکلیف نہ پہنچے اس لیے کہ امام بخاری ومسلم حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے لہسن یا پیاز

کھائی ہو تو وہ ہماری مسجد سے دور رہے۔

❁ اس بات کی کوشش کیجیے کہ آپ مسجد اور ہر جگہ صاف ستھرے ہو کر خوش پوشاکی کے ساتھ جائیں۔ اس لیے کہ ترمذی حضرت سعید بن المسیب سے اور وہ حضرت عامر بن سعد سے وہ اپنے والد حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ طیب ہے اور طیب کو پسند کرتا ہے، اور نظیف ہے اور صفائی ستھرائی کو پسند کرتا ہے، کریم ہے اور کرم کو پسند کرتا ہے، سخی ہے سخاوت کو پسند کرتا ہے، لہٰذا اپنے گھروں کو صاف ستھرا رکھو اور یہود کے ساتھ مشابہت اختیار نہ کرو۔

لیکن اگر بالفرض عورت مسجد جانا چاہے تو اسے خوشبو نہیں لگانا چاہیے۔ اس لیے کہ مسلم کی حدیث میں آتا ہے کہ جب تم میں سے کوئی عورت مسجد جائے تو اسے چاہیے کہ وہ خوشبو نہ لگائے۔ تاکہ مردوں میں فتنہ کا احتمال پیدا نہ ہو۔

❁ آپ یہ کوشش کیجیے کہ مسجد میں سکون و وقار سے داخل ہوں، اس لیے کہ امام بخاری و مسلم حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا اس دوران کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ آپ نے لوگوں کے شور کی آواز سنی، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا: تمہیں کیا ہو گیا تھا؟! انہوں نے کہا کہ نماز نکلی جا رہی تھی، تو آپ نے فرمایا: آئندہ ایسا نہ کرنا، جب تم نماز کے لیے آؤ تو سکون کو اختیار کرو، جتنی رکعات مل جائیں وہ پڑھ لو اور جو چھوٹ جائیں ان کو پورا کر لو۔

❁ جب نماز کے لیے نکلو تو درج ذیل دعا پڑھ لیا کرو اس لیے کہ امام احمد، ابن ماجہ اور ابن خزیمہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: جو شخص اپنے گھر سے نماز کے لیے نکلتے ہوئے یہ پڑھے۔

«اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِينَ عَلَيْكَ، وَبِحَقِّ خُرُوجِي إِلَيْكَ، إِنَّكَ تَعْلَمُ أَنَّهُ لَمْ يُخْرِجْنِي أَشَرٌ وَلَا بَطَرٌ وَلَا سُمْعَةٌ وَلَا رِيَاءٌ، خَرَجْتُ هَرَبًا وَفِرَارًا مِنْ ذُنُوبِي إِلَيْكَ، خَرَجْتُ رَجَاءَ رَحْمَتِكَ وَشَفَقَةً مِنْ عَذَابِكَ، خَرَجْتُ اتِّقَاءَ سَخَطِكَ وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِكَ، أَسْأَلُكَ أَنْ تُنْقِذَنِي مِنَ النَّارِ بِرَحْمَتِكَ» ۔

اے اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں اس حق کے طفیل جو سائلوں کا آپ پر ہے اور میرے آپ کی طرف جانے کے حق کے طفیل، آپ جانتے ہیں کہ مجھے نہ تو تکبر نے نکالا ہے نہ اترانے نے، اور نہ دکھاوے اور ریاکاری نے۔ میں اپنے گناہوں سے بھاگ کر اور جان چھڑانے کے لیے آپ کی طرف نکلا ہوں۔ میں آپ کی رحمت کی امید اور عذاب کے ڈر سے نکلا ہوں، میں آپ کی ناراضگی کے ڈر سے اور رضا وخوشنودی کے حصول کے لیے نکلا ہوں۔ میں آپ سے یہ سوال کرتا ہوں، کہ آپ مجھے محض اپنے فضل و کرم سے دوزخ کی آگ سے بچالیں۔

اور امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا، وَفِيْ لِسَانِيْ نُوْرًا، وَاجْعَلْ فِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا، وَاجْعَلْ فِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا، وَاجْعَلْ مِنْ خَلْفِيْ نُوْرًا، وَمِنْ أَمَامِيْ نُوْرًا، وَاجْعَلْ مِنْ فَوْقِيْ نُوْرًا، وَمِنْ تَحْتِيْ نُوْرًا، اَللّٰهُمَّ أَعْطِنِيْ نُوْرًا)) ۔	اے میرے اللہ میرے دل میں نور پیدا کر دیجئے اور میری زبان میں نور پیدا کر دیجیے، اور میرے کانوں میں نور پیدا کر دیجئے ــــ اور میری آنکھوں میں نور پیدا کر دیجیے، اور میرے پیچھے بھی نور کر دیجیے، اور میرے آگے بھی نور کر دیجئے، اور میرے اوپر بھی نور کر دیجیے اور میرے نیچے بھی نور مقرر کر دیجئے اے اللہ مجھے نور عطا فرما دیجئے۔

❁ پھر جب مسجد پہنچ جائیں تو مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے دائیں پاؤں کو آگے بڑھائیں اور یہ دعا پڑھیں:

((اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ))	میں عظیم اللہ اور اس کے کریم وجہ اور قدیم سلطنت کے ذریعہ شیطان مردود سے پناہ مانگتا ہوں۔
((اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ))	اے اللہ درود وسلام بھیجیے ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر۔
((رَبِّ اغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ)) ۔	اے میرے رب میرے گناہ معاف فرما دیجیے اور میرے لیے رحمت کے دروازے کھول دیجیے۔

اس لیے کہ ابوداؤد و مسلم و نسائی و ترمذی میں احادیث میں ایسا ہی آتا ہے۔

❁ بیٹھنے سے قبل دو رکعات تحیۃ المسجد پڑھنے کا اہتمام کیجیے اس لیے کہ بخاری و مسلم حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں آئے تو اسے چاہیے کہ بیٹھنے سے قبل دو رکعتیں پڑھے۔

❁ جماعت کی نماز سے فارغ ہو کر اپنے بچوں کے ساتھ وہ دعائیں اور وظائف پڑھیں جو پہلے ذکر کیے جا چکے ہیں

❁ پھر جب آپ مسجد سے باہر نکلنے لگیں تو پہلے بایاں پاؤں باہر نکالیں اور درج ذیل دعا پڑھیں:

((اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ))	اے اللہ درود وسلام بھیجیے ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر۔
((رَبِّ اغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ ، وَافْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ فَضْلِكَ)) ۔	اے میرے رب میرے گناہ معاف فرما دیجیے اور میرے لیے اپنے فضل کے دروازے کھول دیجیے۔

اس لیے آپ کوشش کریں کہ یہ دعائیں اور اذکار اپنے بچوں کو سکھائیں اور ان سے قبل آپ اپنے اوپر ان کی تطبیق کریں اور خود عمل کریں۔

❖ آپ یہ کوشش کریں کہ بچے مدرسہ کے لکھنے پڑھنے کے کام صحیح طریقے سے پورے کریں اور اچھی طرح سے اسباق یاد کریں، اور مسائل حل کریں، اور اسباق سمجھیں، اور آپ ان کو یہ بھی نصیحت کریں کہ وہ اپنے کام کاج عمدگی سے کریں، اور اپنی تعلیم کو شاندار طریقے سے پورا کریں تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ درج ذیل فرمانِ مبارک پورا ہو جسے بیہقی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إن الله يحب إذا عمل أحدكم عملاً أن يتقنه)). — اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی شخص کوئی کام کرے تو اسے عمدگی و پختگی سے کرے۔

اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ بچے کے سامنے علم اور طلبِ علم سے متعلق قرآنی آیات اور احادیثِ نبویہ اور ترغیبی اقوال وقتاً فوقتاً ہمیشہ ذکر کیے جاتے رہیں۔ قرآنی آیات درج ذیل ہیں۔

((هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ)) الزمر-۹ — کیا علم والے اور بے علم کہیں برابر ہو سکتے ہیں۔

اور ارشاد فرمایا:

((يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ)). المجادلہ-۱۱ — اللہ تم میں ایمان والوں کے اور ان کے جنہیں علم عطا ہوا ہے درجے بلند کرے گا۔

نیز فرمایا:

((وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا)). طٰہٰ-۱۱۴ — اور آپ کہیے کہ اے میرے پروردگار بڑھا دے میرے علم کو۔

اور فرمایا:

((إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ)) فاطر-۲۸ — اللہ سے ڈرتے تو بس وہی بندے ہیں جو علم والے ہیں۔

اور اس سلسلہ کی احادیثِ مبارکہ درجِ ذیل ہیں:

امام ترمذی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے۔ سوائے اللہ کے ذکر کے اور جو اس سے متعلق ہو اور عالم اور طالبعلم۔

اور امام ترمذی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے نکلتا ہے وہ جب تک واپس نہ لوٹے اللہ کے راستے ہی میں شمار ہوتا ہے۔

اور ترمذی حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عالم کو عابد پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسی کہ مجھے تم میں سے ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی پر، اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اور آسمانوں اور زمین والے حتیٰ کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں بھی اس شخص کے لیے دعا کرتی ہیں جو لوگوں کو خیر کی تعلیم دے۔

● بچے کو خیر خواہی اور نصیحت کے کلمات کہتے رہنا:

شلاً مربی بچے سے کہے کہ دیکھو انسان کا مرتبہ علم سے بڑھتا ہے۔ اور علم لوگوں کو عظیم اور بڑے لوگوں کی صف میں کھڑا کر دیتا ہے، اور علم سے انسان لوگوں کی نظر میں محترم اور معاشرے میں باعزت بنتا ہے۔

اور جہالت، عزت و کرامت کی بیخ کنی کرتی ہے، اور جہل جاہلوں کو بے وزن بناتا ہے، ایسے لوگوں کی علماء و پڑھے لکھے لوگوں اور اصحاب دانش و فکر و اصلاح کے یہاں کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ رحم کرے امام شافعی پر جو فرماتے ہیں کہ جو دنیا حاصل کرنا چاہے اسے چاہیے کہ علم حاصل کرے، اور جو آخرت کا طلب گار ہو اسے بھی علم حاصل کرنا چاہیے اور جو دین و دنیا دونوں کا طالب ہو تو اسے بھی علم ہی حاصل کرنا چاہیے، اور اللہ تعالیٰ حضرت علی ــــــ سے راضی ہو وہ فرماتے ہیں:

فقم بعلم ولا تبغ بہ بدلاً	الناس موتی وأہل العلم أحیاء
علم کے حصول کیلئے کھڑے ہو جاؤ اور اس کا بدل نہ تلاش کرو	لوگ سارے کے سارے مردہ ہیں اور علم والے زندہ ہیں

اور اس کے علاوہ اس قسم کی خیر خواہی و ہمت افزائی کی اور زریں باتیں جو علم پر ابھاریں اور شوق دلائیں اور اس کا اللہ کے یہاں جو مرتبہ اور لوگوں کی نظروں میں جو درجہ ہے اسے ظاہر کریں۔

بچے کو علم اور علماء کی فضیلت بتلانے کے سلسلہ میں مربی کو وسائل کی کمی کی شکایت نہ ہوگی خواہ ان وسائل کا تعلق وعظ سے ہو، یا واقعات پیش کرنے سے، یا ضرب المثل کے بیان کرنے سے، یا اشعار و اقوال سلفِ صالحین سے استشہاد کرنے سے، ہر ایک قسم کے بے شمار وسائل موجود ہیں۔

❁ آپ یہ کوشش کریں کہ رات کی مجلس میں اپنے بچوں کو اخلاق سے متعلق کوئی فضیلت یا معاشرت سے متعلق کوئی شاندار بات یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی معجزہ، یا تاریخی قصہ یا علمی مضمون بتلائیں، تاکہ آپ کی اولاد آپ کی رہنمائی سے مستفید ہو، اور آپ کے وعظ و نصیحت سے متاثر ہو۔

اس سلسلہ میں ہم آپ کے سامنے ایک مثال پیش کرتے ہیں:

مسلمانوں میں جب کوئی ایسا دن آئے جس میں کوئی عظیم واقعہ رونما ہو چکا ہو جیسے مثلاً اسراء و معراج والی رات تو آپ کو چاہیے کہ آپ اس روز اپنے گھر کے لوگوں کو جمع کر کے ان کے سامنے مندرجہ ذیل حقائق بیان کریں:

۱ - اسراء و معراج کا واقعہ ایک یادگار ابدی معجزہ ہے:

جس سے اللہ تعالیٰ نے ایک نہایت مشکل وقت اور کٹھن گھڑی اور تکلیف دہ ایسے موقعہ پر جب کافروں نے آپ کو سخت سے سخت سزا دینے کی تدبیریں شروع کر دی تھیں، اور آپ کے پیغام دعوت کا مقابلہ اور آپ کے ساتھیوں

اور صحابہ کو سزا دینا شروع کردی تھی، ایسے موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے اسراء و معراج کے ذریعہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اکرام و اعزاز کیا۔

ہجرت سے ایک سال قبل اسراء و معراج کا واقعہ ہوا تھا۔ یا یوں کہیے کہ یہ عزت و اکرام کا معاملہ پیش آیا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں و زمینوں کے ملکوت کا دیدار کرانے کے لیے یہ سفرِ مبارک پیش آیا تھا۔

۲- اسراء و معراج کے معنی کیا ہیں؟

اسراء سے مراد یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ مکرمہ سے بیت المقدس کی جانب رات کو چند لمحات میں پہنچنا۔
اور معراج سے یہ مراد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چند لمحات میں ساتویں آسمان تک پہنچ جانا۔
اسراء و معراج دونوں روح و جسم دونوں کے ساتھ ہوئے تھے، تاکہ ہمارے عظیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ بھی ان بے شمار معجزوں کے ساتھ لکھا جائے جو آپ کے سچے نبی ہونے کے ٹھوس ادلہ اور آپ کی رسالت کی سچائی پر کھلی ہوئی دلیلیں ہیں۔

۳- اس مبارک سفر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مناظر دیکھے ان میں سے اہم اہم مناظر کیا تھے؟

طبرانی، بخاری، بیہقی اور بزار روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کا ایک ایسی قوم پر گزر ہوا جو کاشت کررہے تھے اور اسی روز کھیتی کاٹ لیا کرتے تھے، جب بھی وہ کھیتی کاٹتے وہ دوبارہ پہلے کی طرح ہوجاتی تھی، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا: یہ کیا قصہ ہے؟! انہوں نے فرمایا: یہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے ہیں جن کیلئے ایک نیکی سات سو گنہ بڑھادی جاتی ہے۔ اور وہ جو کچھ بھی خرچ کرتے ہیں تو اللہ ان کو اس کا بدل دے دیتا ہے اور وہ بہترین رزاق ہے۔

پھر اس کے بعد آپ کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے سروں کو چٹانوں سے کچلا جارہا تھا، جیسے ہی ان کے سر کو کچلا جاتا وہ دوبارہ ویسا ہی ہوجاتا جیسا پہلے تھا اور ان کے ساتھ اس معاملہ میں کوئی نرمی نہیں برتی جارہی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: اے جبریل یہ کیا ہے؟! انہوں نے فرمایا: یہ وہ لوگ جن کے سر فرض نمازوں کے پڑھنے سے بوجھل ہوگئے یعنی انہوں نے نماز سے اعراض کیا۔

پھر آپ کا گزر ایک ایسی قوم کے پاس سے ہوا جن کے جسم کے اگلے حصوں پر بھی پیوند تھے اور پچھلے حصے پر بھی وہ اس طرح چر رہے تھے جس طرح چوپایے چرتے ہیں وہ کانٹوں والے جھاڑ اور زقوم اور جہنم کے گرم پتھر کھارہے تھے، آپ نے پوچھا

یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مال و دولت کی زکاۃ نہیں دیا کرتے تھے، اللہ نے ان پر مطلق ظلم نہیں کیا ہے اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

پھر آپ کا گزر ایک ایسی قوم پر سے ہوا جن کے سامنے پکا ہوا گوشت ایک ہانڈی میں اور کچا خراب گوشت ایک دوسری ہانڈی میں رکھا تھا، اور وہ لوگ وہ خراب اور کچا گوشت کھانے لگے اور پکا ہوا چھوڑ دیا، تو آپ نے پوچھا اے جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟! انہوں نے جواب دیا: یہ آپ کی امت کا وہ شخص ہے جس کے پاس ایک اچھی حلال عورت نکاح میں ہوتی ہے لیکن وہ کسی فاحشہ عورت کے پاس جاکر صبح تک رات گزارتا ہے، اور عورت کا شوہر ہوتا ہے اور وہ اس کے بجائے کسی دوسرے بدکردار شخص کے پاس جاکر صبح تک رات گزارتی ہے۔

پھر آپ کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کی زبانیں اور ہونٹ لوہے کی قینچیوں سے کاٹے جارہے تھے۔ اور جب بھی ان کو کاٹا جاتا وہ دوبارہ ویسے ہی ٹھیک ٹھاک ہوجاتے، ان کے ساتھ اس سلسلہ میں کوئی نرمی نہیں برتی جاتی تھی، آپ نے پوچھا اے جبرئیل، یہ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ فتنہ انگیز تقریر کرنے والے لوگ ہیں۔

ایک اور قوم کے پاس سے گزر ہوا جن کے ہونٹ اونٹ کے ہونٹوں کی طرح تھے، اور وہ انگارے کھارہے تھے جو ان کے نیچے سے نکلتے جارہے تھے آپ نے حضرت جبرئیل سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال ظلماً کھاجاتے تھے۔

ایک قوم کے پاس سے گزرے جن کے پہلو کا گوشت کاٹ کر ان کو کھلایا جارہا تھا، آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟! انہوں نے کہا: یہ دوسروں کا مذاق اڑانے والے اور عیب نکالنے والے ہیں۔

اور اس کے علاوہ اور دوسرے وہ مناظر جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسراء و معراج کی رات مشاہدہ کرائے گئے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح روایات میں یہ وارد ہوا ہے کہ آپ اس مبارک سفر میں نبیوں اور رسولوں سے ملے تھے سب نے آپ کو سلام کیا اور خوش آمدید کہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کے ساتھ مل کر مسجدِ اقصیٰ میں جماعت سے نماز پڑھی تھی۔

ان واقعات و مناظر کو بیان کرکے مربی یہ کرسکتا ہے کہ ان سے نماز کی اہمیت کو ثابت کرے۔ اور جو لوگ نماز کے بارے میں سستی کرتے ہیں ان کے انجام بد اور ان کو جو سزا و عذاب ہوگا اور ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا اسے واضح کرے اور نماز اسراء و معراج کی رات کو اس لیے فرض کی گئی ہے تاکہ وہ مسلمان کی روح کو خشوع و خضوع کے لمحات میں آسمان پر لے جائے، اور پھر وہ وہاں اللہ کے دربار سے زندگی کا عزم، اور جہاد کی روح، اور تقویٰ کا شعور و احساس حاصل کرے۔ اور اس کے ذریعہ سے مسلمان زندگی کے ڈھیلے پن اور نفسِ امارہ کے وساوس اور فانی دنیا کی طمع و لالچ سے بچ جائے۔

جیسا کہ مربی سے یہ بھی کرسکتا ہے کہ زنا اور دوسروں کا ناجائز طریقے سے مال کھانے، اور غیبت و چغل خوری، اور

دوسروں کا مذاق اڑانے سے بچائے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ہر اس برائی پر کچھ روشنی ڈالے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس مبارک سفر سے واپس آنے کے بعد مختلف مناظر دیکھ کر بیان کی تھیں، تاکہ ان برائیوں کا انجام بد جان لینے کے بعد بچے ان برائیوں اور گناہوں سے بچیں۔

۴۔ مسجدِ حرام کا مسجدِ اقصیٰ سے کیا تعلق ہے؟

ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی رحمہ اللہ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں "مسجدِ حرام کا مسجدِ اقصیٰ سے تعلق ایک محترم و مشرف جگہ کا دوسری محترم و مشرف جگہ سے ہے چنانچہ مکہ مکرمہ کے رہنے والے تمام روئے زمین کے سکان سے معزز و مشرف ہیں۔ اس لیے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے کعبہ کے محافظ اور رکھوالے ہیں، اور مسجدِ اقصیٰ اللہ کے پیغامِ رسالت کا مرکز اور جائے نزول اور تاریخ کے ایک طویل حصے تک انبیاء کا مرکز و محور ہے۔ لہٰذا یہ ضروری تھا کہ آزادی کی سواری ان دو مبارک جگہوں سے چلے، اور ایمان کے لشکر ان دونوں مسجدوں سے روانہ ہوں تاکہ گمراہ عالم اس سے ہدایت حاصل کرے اور حیران و پریشان انسانیت نورِ ایمان اور اسلام کے پیغام سے منور ہو۔ اسراء کے اس واقعہ کے بعد چند سال نہایت عجلت سے گزر گئے۔ اور پھر مسلمانوں نے ہادی و فاتح بن کر بیت المقدس کے دروازوں کو کھٹکھٹایا، اور پھر وہ بیت المقدس سے مشرق و مغرب اور جنوب و شمال میں پھیل گئے تاکہ شام و عراق اور مصر کو ایک ایسی مملکت میں شامل کرلیں جہاں سے لشکر کے لشکر دنیا کے اطراف میں فاتح بن کر ان کو آزادی دلائیں۔

اسراء کے اس یادگار معجزے و قصے کی خبر کی یہ ابتدا ہے، اور یہ اس کے گہرے عمیق و عظیم مقصد کی پہلی واقعی و حقیقی و سیاسی تفسیر ہے، پھر تاریخ جلدی گزر جاتی ہے اور پھر صلیبیوں کے لشکر بیت المقدس کے دروازے کھٹکھٹاتے ہیں اور پھر خون کی ندیاں بیت المقدس کی سڑکوں اور مسجدِ اقصیٰ میں بہہ جاتی ہیں، اور پھر یہ جگہ تقریباً سو سال کے لیے عیسائیوں کا دار الحکومت بن جاتی ہے۔ پھر جلد ہی تاریخ کروٹ لیتی ہے اور سلطان صلاح الدین ایوبی دوبارہ بیت المقدس کے دروازے کھٹکھٹاتے ہیں، اور اس کو ظالم صلیبیت سے آزاد کرا لیتے ہیں لیکن نہ وہاں خونریزی ہوتی ہے اور نہ آبرو لوٹی جاتی ہے اور نہ عہد و پیمان کو توڑا جاتا ہے، اور پھر بیت المقدس و فلسطین سارا کا سارا مسلمانوں کے ماتحت آجاتا ہے۔ اور کنیسے وگرجے مسلمانوں کے پاس امانت بن جاتے ہیں جو ان کی دیکھ بھال و حفاظت کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ پہلی عالمی جنگ میں وہاں حلیفوں کے لشکر داخل ہوجاتے ہیں۔ اور انگریز قائد "النبی" اپنا مشہور جملہ کہتا ہے کہ آج سے صلیبی جنگیں ختم ہوگئی ہیں وہ یہ جملہ یہ سمجھ کر کہتا ہے کہ انہوں نے بیت المقدس کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے ہمیشہ کے لیے چھین لیا ہے۔ اور انگریز فلسطین سے نکلنے سے انکار کرتے ہیں مگر ایسی صورت میں کہ اپنے بعد اپنے جیسے کمینے اسرائیل کو اپنی جگہ چھوڑ کر جائیں۔ آج آپ دیکھ لیں کہ بڑی حکومتیں یہودیوں کی مدد کررہی ہیں۔ اور خطرناک جنگیں لڑ رہی ہیں۔ تاکہ وہ منصوبہ پورا ہوجائے

جس کا خواب اسرائیل دیکھ رہا تھا، یہاں تک کہ وہ دردناک صورتحال اور گھڑی ۱۹۶۷ء کی جنگ میں آہی گئی اور مسجدِ اقصیٰ ارضِ اسراء و معراج کا شہر تروتازہ شکار کی شکل میں یہود کے قبضہ میں آگیا، اسرائیل اور ہمارے درمیان خونریز جنگ اب تک جاری ہے۔ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ آئندہ ایام میں اس جنگ کا کیا نتیجہ نکلے گا اور یہودیوں کے توسیعی منصوبوں کا کیا انجام ہوگا؟

لہٰذا کیا اسراء کے واقعہ کا راز ہم نے جان لیا؟ اور کیا اب ہم نے وہ عظیم مقصود سمجھ لیا جس پر یہ عظیم معجزہ و واقعہ مشتمل ہے؟))۔

۵۔ فلسطین اور مقبوضہ مسجد کے سلسلہ میں مسلمانوں پر کیا فریضہ عائد ہوتا ہے؟

درحقیقت یہ ایک نہایت مشکل و سخت فریضہ ہے، بلکہ اللہ کے دربار، تاریخ، آئندہ آنے والی اور موجودہ قوموں کے سامنے یہ ایک بڑی ذمہ داری ہے۔

اس اسراء کے واقعے کے ذریعہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم مسلمانوں کی گردنوں میں ایک عظیم امانت ڈال دی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم مسجدِ اقصیٰ اور اس کے اردگرد کو غدار یہودیت کے پنجوں اور کینہ پرور صہیونیت کے دام سے آزاد کرائیں۔ اور سرزمینِ فلسطین کی ہم اس طرح حفاظت کریں گویا کہ وہ ہمارے عظیم اسلامی وطن کا ایک ایسا جزء ہے جو کبھی جدا نہیں ہوسکتا، اور ہم مدافعت جاری رکھیں اور خون بہاتے رہیں اور جانوں کی بازی لگاتے رہیں تاکہ سرزمین اسراء و معراج کے ایک ایک بالشت حصہ کو لٹیروں، ڈاکوؤں اور سرکشوں وظالموں کے پنجوں سے آزاد کرالیں۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ صلح کے ہر ایسے حل کو ٹھکرادیں جس سے قضیۂ فلسطین کے تصفیہ اور اسرائیل کے ساتھ صلح کے پروگرام کی بو آتی ہو خواہ یہ حل کھلم کھلا ہو یا درپردہ، اور خواہ یہ حل براہِ راست بات چیت کے ذریعے ہو یا جنیوا کانفرنس کے ذریعے۔

مسلمانوں پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ ہر اس شخص کو اپنے دین و وطن اور قوم کے ساتھ خیانت کرنے والا سمجھیں جو قضیۂ فلسطین کے ختم کرنے اور اس سے دستبردار ہونے کے درپے ہو۔ بلکہ ایسا شخص قیامت تک اللہ اور لوگوں اور تاریخ کی لعنت کا مستحق ہوگا۔ اس لیے کہ اس نے اپنے اور اپنے ملک کیلئے خوشی سے ذلت کو پسند کیا ہے اور اپنے گناہگار ہاتھوں سے خیانت کی دستاویز پر دستخط کیے ہیں۔

اور اگر آج کوئی ایسا شخص پایا جائے جو اسرائیل کے ساتھ صلح کی دعوت دے تو مسلمان قوموں کو چاہیے کہ خوابِ غفلت سے بیدار ہوجائیں تاکہ غدر و خیانت کے تخت کو ختم کردیں، اور پھر وہ خود مقدس سرزمین کی آزادی کے لیے اسلام کے جھنڈے تلے اللہ اکبر کو شعار بنا کر چل پڑیں۔

(اسرائیل ختم نہیں ہو گا اور فلسطین آزاد نہیں ہوگا مگر ایسے سچے پکے رکوع و سجدہ کرنے والے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے مؤمنوں کے ذریعے جو اللہ کی حدود کی حفاظت کرتے ہوں، ایسے مسلمانوں کے ذریعے جو میدانِ جنگ میں پاک صاف و با وضو ہو کر داخل ہوتے ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے سامنے نہ کوئی ٹھہر سکتا ہے اور نہ کوئی قوت ان کا مقابلہ کر سکتی ہے یہ وہ لوگ ہیں جن میں اعلان کرنے والے نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ اے جنت کی ہوا تو چل پڑ اور اے اللہ کی مدد تو قریب ہو جا، اے حاملینِ قرآن قرآن کریم پر عمل کر کے اسے زینت بخشو۔

یہ وہ لوگ ہیں جو اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ اگر لوگوں کی سرپرستی اور سارے عالم کی مدد و نصرت اور حکومتوں کی مساعدت و امداد سے بھی محروم ہو جائیں تب بھی اللہ جل شانہ ان کے ساتھ ہے۔ اللہ کارسازی کافی ہے اور وہی مددگار ہے اسی کی نصرت کافی و افی ہے، اور وہ یہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ کے لشکر ان کے ساتھ ہیں۔ اور اللہ کے لشکروں کی تعداد اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا، یہی وہ لوگ جن کے ذریعہ فلسطین آزاد ہوگا اور سرزمینِ اسلام سے یہودی جرثومہ کو اکھاڑ پھینکا جائے گا ان لوگوں کا مقصد سوائے اللہ کے کلمہ کے بلند کرنے کے اور کچھ نہ ہوگا اور ان کا عنوان صرف اور صرف اسلام ہی ہوگا۔ ان کا شعار یہ ہوگا کہ عبودیت صرف اللہ کے لیے ہے اور ان کا نعرہ صرف اللہ اکبر ہوگا[1])۔

لہٰذا فلسطین کی آزادی کی جو کوشش بھی ان معانی اور اس شعار سے خالی ہوگی بخدا اس کے نتیجہ میں سوائے رسوائی، شکست اور ہزیمت کے اور کچھ نہ ہوگا، نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں:

((لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين	میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے
على الحق لا يضرهم من خالفهم حتى يأتي	گی ان کو نقصان نہیں پہنچائے گا وہ جو ان کی مخالفت کرے گا
أمر الله)) . بخاری و مسلم	یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے۔

ہم اللہ سے امید رکھتے ہیں کہ اللہ اسلام کی سربلندی کے لیے ایسی مؤمن جماعتوں کو پیدا کر دے گا، جو اس طائفہ سے تعلق رکھتی ہوں جن کو اللہ نے اپنے دین کی نصرت اور کلمۂ حق کی سربلندی اور اپنے راستے میں جہاد کے لیے منتخب فرمایا ہے۔

پس اے وہ شخص جس نے اپنے آپ کو اللہ کے لیے خاص کیا ہے، اور اے وہ شخص جس نے اپنی دنیا کو آخرت کے بدلے میں فروخت کر دیا ہے اور اے وہ شخص جس نے اپنی جان کو اس دن کے لیے سستا کر دیا ہے جس روز پکارنے والا یہ پکارے کہ جہاد کے لیے آجاؤ اے جنت کی خوشبو مہکو، اے اللہ کی مدد قریب آجا۔

مربی کو چاہیے کہ مناسب حالات میں اور جب بھی موقعہ ملے ہمیشہ ارضِ مقدس کی آزادی کے لیے جہاد فی سبیل اللہ کے مسائل کو بچوں کے ذہن نشین کرتا رہے تاکہ بچوں کے نفس میں جہاد کی محبت بیٹھ جائے۔ اور مسجدِ اقصیٰ کو یہودی چنگل

---

[1] ملاحظہ فرمائیے استاذ قرضاوی کی کتاب "درس النکبۃ"۔

سے آزاد کرانے اور فلسطین کو دھوکہ باز یہودیت کے ناپاک قدموں سے آزاد کرانے کی اپنی اور قوم کی ذمہ داری ان کے دل میں راسخ ہو جائے، ہمیشہ متوجہ کرتے رہنے کا بہت اثر پڑتا ہے اور مستقل ٹپکنے والا ایک ایک قطرہ بھی پتھر میں سوراخ کر دیتا ہے۔

اور اس طرح سے مربی روزانہ شام کو اپنے بچوں کو ایسے امور کی طرف متوجہ کر سکے گا جو ان کی اخلاقی اصلاح کے مناسب اور جوان کے معاشرتی واقع سے مرتبط اور ان کی فکری و تاریخی ذہن سازی سے تعلق رکھتے ہوں۔

اور اس سلسلہ میں تفسیر و حدیث کی جدید و قدیم کتب سے استفادہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ مربی کو ان کتابوں سے بھی مدد لینا چاہیے جنہوں نے نفوس کے تزکیہ اور سیرت و تاریخ کے واقعات اور اسلام کے متنوع نظاموں سے[1] بحث کی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ سیدھا راستہ دکھانا اللہ ہی کا کام ہے۔

❀ خاندان اور گھر کی فضا میں انبساط و سرور پیدا کرنے کی کوشش کیجیے:

❀ جس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ بچوں میں بامقصد علمی و ثقافتی مقابلے کرائیں جن کا مقصد ذہن کی تیزی اور بلند ہمتی اور ثقافتی لحاظ سے پختگی اور خاندان و گھر کی فضا میں خوشی کی لہر دوڑانا ہو۔

❀ اور شاندار نکات اور پیارے لطیفے اور مزے دار کہانیاں سنائیں۔ جن کا مقصد نشاط کی تجدید اور نفوس سے آزردگی و پژمردگی و تنگ دلی کو ختم کرنا ہو۔

❀ اور ورزش، کھیل کود، اور ادبی گفت و شنید، اور معاشرتی و تاریخی ڈرامے جن کا مقصد خون کی گردش کو تیز کرنا اور خلاقی بنیادوں کی پختگی اور فکری ذہن سازی ہو۔

مربی محترم! اس سے قبل آپ پڑھ چکے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام سے کس طرح مزاح فرماتے تھے، اور بچوں سے کس طرح دل لگی کرتے تھے، اور آپ نے بامقصد مباح کھیل کو کس طرح برقرار رکھا ہے۔ اس لیے آپ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو نبی رحمت و نبی ہدایت تھے ان کی اقتدا کریں تاکہ آپ بھی گھر میں خوشی و سرور پیدا کر دیں۔ اور اپنے بچوں کی نفوس میں خوشی کی لہر دوڑا دیں۔

❀ آپ یہ کوشش کیجیے کہ سب کے سب رات کو جلدی سو جایا کریں۔ اس لیے کہ رات کو دیر سے سونا صحت کے لیے

---

[1] میری تجویز کے مطابق تفسیر کی کتابیں یہ ہیں: تفسیر ابن کثیر اور ظلال القرآن سید قطب کی۔
اور حدیث کی کتب میں ترغیب و ترہیب منذری کی اور ریاض الصالحین نووی کی۔
اور تزکیۂ نفس سے متعلق امام غزالی کی احیاء العلوم اور ابن قدامہ مقدسی کی مختصر منہاج القاصدین اور محاسبی کی رسالۃ المسترشدین۔
اور اسلامی نظام و سیرت میں استاذ بوطی و غزالی کی فقہ السیرۃ اور استاذ طبارۃ کی روح الدین الاسلامی اور ڈاکٹر صبحی صالح کی النظم الاسلامیۃ۔

مضر ہے، اور اعصاب کو نقصان پہنچاتا ہے، اور صبح سویرے کی برکتوں کا قاتل ہے، اور فجر کی نماز فوت ہونے کا ذریعہ ہے اور اٹھنے پر بدن کے ڈھیلے ڈھالے اور سست کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور جلدی سونا اور جلدی اٹھنا یہ دونوں دین کی علامت ہیں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اور تعلیم ہے۔

جلدی سونا اسلام کی نشانی و علامت اس لیے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز سے قبل سونے اور عشاء کے بعد بات چیت میں مشغول ہونے کو ناپسند کیا ہے۔ اس لیے کہ امام بخاری حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء سے قبل سونے اور عشاء کی نماز کے بعد بات چیت کرنے (قصہ کہانیوں) کو ناپسند فرماتے تھے۔

لیکن اگر عشاء کی نماز کے بعد بات چیت کسی فائدہ مند کام کے لیے ہو یا اچھی تربیت دینے یا مفید تعلیم کی خاطر ہو تو یہ جائز ہے۔ اس لیے کہ امام بخاری و احمد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس رات رات بھر مسلمانوں کے معاملات میں سے کسی معاملہ پر بات چیت کرتے تھے اور میں ان کے ساتھ ہوتا تھا۔

رہی عشاء کی نماز کے بعد گھر والوں کے ساتھ بات چیت تو یہ مطلقاً جائز ہے اس لیے کہ امام مسلم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا میں نے ایک رات حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر گزاری تاکہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز و عبادت کا مشاہدہ کر سکوں اس رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی انہی کے یہاں تھے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں کے ساتھ کچھ دیر تک بات چیت کی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہو گئے ...))۔

لیکن بے کار باتوں، غیبت اور گناہ میں رات گزارنا جیسا کہ آج کل لوگ غیبتوں اور ٹیلیویژن کے فحش و گناہ سے پر مناظر دیکھ کر رات گزارتے ہیں تو یہ متفقہ طور سے بالکل حرام ہے۔

رہا یہ کہ صبح سویرے اٹھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات میں سے ہے تو وہ اس لیے کہ طبرانی اپنی کتاب "معجم اوسط" میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((بورك لأمتي في بكورها)). میری امت کے لیے ان کے دن کے ابتدائی حصے میں برکت رکھ دی گئی ہے۔

٭ ٭ ٭ ٭

وہ اہم امور جن کا مربی کے لیے جاننا ضروری ہے ان میں سے یہ بھی ہے کہ جسم کو نیند اور راحت کا مناسب حصہ ملنا چاہیے تاکہ وہ زندگی کے فرائض اور ذمہ داریوں کے بار کو برداشت کر سکے۔

اور خاص طور سے بچے کے بارے میں اس کی صحت اور نیند کا بہت خیال رکھنا چاہیے، اس لیے کہ وہ اس زمانے

میں جسمانی وعقلی ونفسیاتی نمو وبڑھوتری کی عمر سے گزر رہا ہوتا ہے۔ اس لیے دن ورات میں کم ازکم اس کو آٹھ گھنٹے سونا چاہیے ورنہ اس کا جسم کمزور ولاغر ہوجائے گا۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی نماز کے بعد قیلولہ کے لیے لیٹ جاتے تھے تاکہ رات کے جس حصے میں آرام نہ کرسکے اس کی تلافی ہوجائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے امت کے لیے یہ ایک شاندار رہنمائی ہے تاکہ وہ صحیح الجسم اور قوی الہمۃ اور چاق وچوبند اور چست رہے۔

❖ آپ یہ کوشش کیجیے کہ بچے سونے سے قبل اپنے ماں باپ کے ہاتھ چومیں[1] اور مسنون دعا پڑھ کر سوئیں اور سوتے وقت تہجد اور فجر کی نماز کے لیے اٹھنے کی نیت کرکے سوئیں، تاکہ وہ اپنا روز کا برنامج وپروگرام ازسرِ نو شروع کرسکیں۔

سنت یہ ہے کہ جب آپ بستر پر جائیں تو اسے کسی چیز سے جھاڑ لیں تاکہ اگر کوئی موذی وتکلیف دہ کیڑا مکوڑا ہو تو آپ اس کا نشانہ بننے سے بچ جائیں پھر باوضو ہوکر اپنی دائیں کروٹ پر لیٹیں اور یہ کہیں:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَانَا وَآوَانَا فَكَمْ مِمَّنْ لَا كَافِيَ لَهُ وَلَا مُؤْوِيَ)). صحیح مسلم وغیرہ	تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور کفایت کی اور ٹھکانہ دیا، اس لیے کہ بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کا نہ کوئی کفایت کرنے والا ہے نہ ٹھکانہ دینے والا۔

پھر آیۃ الکرسی پڑھیے اور اپنے دونوں ہاتھوں پر پھونکیے، پھر قل ھو اللہ احد اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھ کر ہاتھوں پر پھونکیے، پھر جسم کے جس حصے پر پھیر سکیں پھیر لیں اس طرح تین مرتبہ کیجیے (صحیح بخاری ومسلم)۔

پھر تینتیس مرتبہ سبحان اللہ پڑھیے، اور تینتیس مرتبہ الحمدللہ، اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر پڑھیے (صحیح مسلم)۔

پھر آپ اپنا دایاں ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ کر یہ کہیے:

((اَللّٰهُمَّ قِنِیْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ)). ثلاث مرات (جامع ترمذی)	اے اللہ مجھے اپنے عذاب سے اس روز بچا لیجیے گا جس روز آپ اپنے بندوں کو اٹھائیں گے۔ تین مرتبہ اسے پڑھیں

اور اخیر میں پھر یہ دعا پڑھیے:

((بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ أَحْيَىٰ وَأَمُوْتُ)). صحیح بخاری ومسلم	اے اللہ میں آپ کے نام سے زندہ ہوتا ہوں اور مرتا ہوں
((بِاسْمِكَ رَبِّيْ وَضَعْتُ جَنْبِيْ وَبِكَ أَرْفَعُهُ إِنْ أَمْسَكْتَ نَفْسِيْ فَارْحَمْهَا وَإِنْ أَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهِ	اے میرے رب میں نے آپ کا نام لے کر اپنے پہلو کو رکھا ہے۔ اور آپ کا نام لے کر ہی اسے اٹھاؤں گا، اگر آپ اس کو روک لیں تو اس پر رحم فرمائیے گا اور اگر آپ اس کو واپس

[1] بڑوں کے ہاتھ چومنے کی بحث اس کتاب کی قسم ثانی میں پڑھ لیجیے تاکہ آپ کو بڑوں کے ہاتھ چومنے کے جائز ہونے کی دلیل معلوم ہوجائے۔

«عِبَادَکَ الصَّالِحِیْنَ» ۔

صحیح بخاری ومسلم

بھیجیں تو آپ اس کی اس طرح حفاظت فرمایئے گا جس طرح آپ اپنے نیک بندوں کی حفاظت فرماتے ہیں۔

«اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمَاوَاتِ وَرَبَّ الْاَرْضِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ، وَرَبَّ کُلِّ شَیْئٍ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰی، مُنْزِلَ التَّوْرَاۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ، اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ کُلِّ دَابَّۃٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِھَا» ۔ صحیح مسلم وغیرہ

اے اللہ آسمانوں اور زمین کے رب اور عظیم عرش کے رب اور ہر چیز کے رب، دانہ اور گٹھلی کے پھاڑنے والے تورات اور انجیل کے نازل کرنے والے میں آپ کے ذریعہ سے پناہ مانگتا ہوں ہر اس چوپایہ کے شر سے جس کی پیشانی کو آپ پکڑنے والے ہیں۔

«اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَیْسَ قَبْلَکَ شَیْئٌ، وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَیْسَ بَعْدَکَ شَیْئٌ، وَاَنْتَ الظَّاھِرُ فَلَیْسَ فَوْقَکَ شَیْئٌ، وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَیْسَ دُوْنَکَ شَیْئٌ، اِقْضِ عَنَّا الدَّیْنَ وَاَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ» ۔ صحیح مسلم وغیرہ

اے اللہ آپ ہی اوّل ہیں آپ سے پہلے کوئی چیز نہیں تھی اور آپ ہی آخر ہیں آپ کے بعد کوئی چیز نہیں رہے گی۔ اور آپ ہی ظاہر و غالب ہیں آپ سے اوپر کوئی نہیں، اور آپ ہی باطن ہیں آپ سے ورے کوئی چیز نہیں ہے آپ ہمارے قرضہ کو ادا کر دیں اور ہمیں فقر و فاقہ سے بچالیں۔

* * *

«اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْلَمْتُ نَفْسِیْ اِلَیْکَ، وَوَجَّھْتُ وَجْھِیْ اِلَیْکَ، وَفَوَّضْتُ اَمْرِیْ اِلَیْکَ، وَاَلْجَأْتُ ظَھْرِیْ اِلَیْکَ رَغْبَةً وَّرَھْبَةً اِلَیْکَ، لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَأَ مِنْکَ اِلَّا اِلَیْکَ، اٰمَنْتُ بِکِتَابِکَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ، وَبِنَبِیِّکَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ» ۔

صحیح بخاری ومسلم

اے اللہ میں نے اپنی نفس کو آپ کے سپرد کر دیا ہے اور میں نے اپنے چہرے کو آپ کی طرف متوجہ کر دیا ہے اور اپنے معاملہ کو آپ کے سپرد کر دیا ہے، اور میں نے اپنی پشت آپ کی طرف جھکا دی ہے، آپ کی طرف رغبت اور آپ سے خوف کی وجہ سے، آپ کے سوا نہ کوئی ملجأ ہے نہ نجات دینے والا، میں آپ کی اس کتاب پر ایمان لایا ہوں جو آپ نے نازل فرمائی ہے او اس نبی پر جن کو آپ نے بھیجا ہے۔

پھر یہ نیت کر کے سو جائیں کہ تہجد اور فجر کی نماز کے لیے اٹھنا ہے، اور آپ دیکھ لیجیے گا کہ خدا نے چاہا تو آپ کی آنکھ ضرور کھل جائے گی۔ اور اگر آپ کو بے خوابی ہو جائے اور نیند نہ آئے تو آپ مندرجہ ذیل دعا پڑھیں ان شاء اللہ آپ کو نیند آجائے گی۔ امام ترمذی حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: حضرت خالد بن ولید مخزومی رضی اللہ عنہ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول میں رات کو بے خوابی

کی وجہ سے سو نہیں پاتا ہوں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ جب تم اپنے بستر پر جاؤ تو یہ دعا پڑھا کرو:

((اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَمَا أَظَلَّتْ، وَرَبَّ الْأَرَضِيْنَ وَمَا أَقَلَّتْ، وَرَبَّ الشَّيَاطِيْنِ وَمَا أَضَلَّتْ، كُنْ لِّيْ جَارًا مِّنْ شَرِّ خَلْقِكَ كُلِّهِمْ جَمِيْعًا أَنْ يَّفْرُطَ عَلَيَّ أَحَدٌ أَوْ يَبْغِيْ عَلَيَّ، عَزَّ جَارُكَ وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ)).

اے اللہ اے ساتوں آسمانوں اور جن پر وہ سایہ فگن ہیں ان کے رب، اور اے زمینوں اور جن کو انہوں نے اٹھا رکھا ہے ان کے رب، اور شیطانوں اور جن کو انہوں نے گمراہ کیا ہے ان کے رب، اپنی تمام مخلوق کے شر سے بچانے کے لیے میرے محافظ بن جائیے کہ مجھ پر ان میں سے کوئی زیادتی یا بغاوت کرے، آپ کا پڑوسی عزت والا ہوا، اور آپ بڑی حمد وثناء والے ہیں اور آپ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

۞ ۞ ۞ ۞

مربی محترم! آپ نے مشاہدہ کر لیا کہ دن ورات کے اس تربیتی نظام نے ذکر وعبادت اور آدابِ اسلامی کو جمع کر لیا ہے، اور ریاضت وثقافت اور کھیل کود سب کو ملا دیا ہے، اور رہنمائی وتربیت کے مخصوص پہلوؤں کا بہت اہتمام کیا ہے۔

لہٰذا اگر آپ اس پر مداومت کریں گے اور اس کی عملی تطبیق دیتے رہیں گے تو پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی اولاد طہارت وحسن اخلاق پر نشوونما پائے گی، اور تدریجاً ایمان وتقویٰ کی سیڑھی پر چڑھتی رہے گی، اور آپ کا بچہ ایک ایسا کامل ومکمل متوازن انسان بن جائے گا جو اللہ سے ظاہراً بھی ڈرے گا اور پوشیدہ بھی۔ اور رہن سہن اور اٹھنے بیٹھنے میں اللہ کو حاضر وناظر سمجھے گا، اور اقامت وسفر دونوں حالتوں میں اسلامی آداب وقواعد کا التزام کرے گا۔ بلکہ اپنے ان بچوں کے لیے جو اس کے ساتھ اور اردگرد ہیں تقویٰ وپرہیزگاری میں ایک اچھا نمونہ اور معاملات اور عملی تطبیق میں اسوۂ حسنہ بنے گا۔

اس لیے اے مربی محترم آپ کوشش کیجیے کہ بلا کسی تنگ دلی اور سستی وکاہلی کے آپ ان پر عمل پیرا ہوں تاکہ آپ اپنے بچے کو نیک ومتقیوں کی فہرست وصف میں کھڑا دیکھیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔

لیکن آپ کو چاہیے کہ آپ اس نظام میں مندرجہ ذیل امور کا خیال رکھیں:

۱۔ آپ اپنے بچے کی صبح وشام اور دیگر اوقات میں رہنمائی کرنے میں ان چیزوں کی تطبیق دینے کی کوشش کریں جو "بچے کی تربیت کے مؤثر وسائل" اور "معاشرتی واجتماعی تربیت کی ذمہ داری" کی فصلوں میں مذکور ہیں۔

۲۔ یہ تربیتی نظام ان بچوں کے لیے مناسب ہے جو شعور کی عمر کو پہنچ چکے ہوں یا اس سے کچھ زیادہ عمر کے ہوں لیکن جو بچے دس سال کی عمر سے کم کے ہوں تو مربی کو چاہیے کہ ان کے ساتھ تربیت کا دوسرا نظام اختیار کرے جس کا خلاصہ

دو چیزوں میں ہے:

الف ۔ ان کو اسلامی عقائد کی بنیادی باتیں اور عبادت کے ارکان خصوصاً نماز کی تعلیم دیں۔

ب ۔ اسلامی اخلاق کے بنیادی اصول کی ان کو تلقین کریں کہ وہ سچائی ، امانت ، اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کو اختیار کریں ، اور یہ بتلائیں کہ بات چیت کرنے میں اچھے الفاظ کے پابند رہیں ، ساتھ ہی آپ ان کو جھوٹ ، خیانت ، نافرمانی اور گالم گلوچ سے بچنے کی تنبیہ کریں۔

بچوں کی تربیت کا یہ دوسرا نظام بنیادی طور پر اس اصول کے ساتھ ملتا ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ ذیل فرمانِ مبارک میں مقرر کیا ہے:

((أمرنا معاشر الأنبياء أن نحدث الناس على قدر عقولهم)) ۔ مسند دیلمی

ہم انبیاء کی جماعت کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق گفتگو کریں۔

۳ ۔ روزانہ کے نظام میں ایک حصہ اس کے لیے بھی مخصوص کریں کہ اس میں آپ ان سے یہ دریافت کریں کہ وہ کیا پڑھ اور سیکھ رہے ہیں ۔ پھر اگر آپ یہ دیکھیں کہ جو تعلیم و تربیت وہ مدرسے میں حاصل کر رہے ہیں وہ اسلامی عقیدے اور اسلامی آداب و اخلاق کے خلاف ہے ، تو پھر آپ کو چاہیے کہ ان کے افکار و خیالات کی اصلاح کریں ، اور انہیں برے اور گمراہ اساتذہ و معلمین سے بچائیں ، اور جو لوگ اسلام کے خلاف زہر اگل رہے ہیں اور فاضلانہ تربیت دینے میں خیانت کے مرتکب ہو رہے ہیں اور بچوں کو گمراہی والحاد کے جال میں پھانس رہے ہیں ان کے خلاف مناسب کاروائی کریں۔

۴ ۔ آپ ہمیشہ اپنے بچوں کو اخوت و محبت اور تعاون و ایثار کے بنیادی اصولوں سے روشناس کرتے رہیں ، تاکہ جب وہ بڑے ہوں تو آپس میں محبت و رحم ان کی عادت و طبیعت بن جائے اور والدین کی فرمانبرداری اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک خوشی و رضامندی سے کرنے لگیں ، بلکہ باہمی الفت و محبت اور حسنِ سلوک میں ان کو آپ اعلیٰ ترین مثال پائیں۔

۵ ۔ آپ جب بھی مناسب موقعہ پائیں تو ان کو تفریح کے لیے کسی باغ یا سمندر کے کنارے لے جائیں اور آپ اس تربیتی حق میں ہرگز بھی کوتاہی نہ کریں ، تاکہ ان کے جسم چاق و چوبند اور نفوس پُر نشاط رہیں ، اور ریاضت و ورزش اور تیرنا اور کھیل وغیرہ جو ان سے رہ گیا ہے اس کا تدارک کرلیں۔

۶ ۔ جن دنوں کے روزے رکھنا شرعاً مسنون ہیں ان دنوں کے روزے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ رکھیں ، تاکہ جب افطار کے لیے آپ اور وہ ایک دستر خوان پر بیٹھیں تو وہ آپ سے بشاشت و خندہ پیشانی و نرم مزاجی کا مشاہدہ کریں ، تاکہ آپ کے اس اچھے نمونہ اور اعلیٰ اخلاق اور بہترین اسلوب کو دیکھ کر وہ بھی اس کے عادی بنیں۔

۷ ۔ اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کہ آپ اپنے بچوں کے ساتھ تحفہ و ہدایا کا طریقہ اختیار کریں ۔ اور وہ مال یا ضرورت کی جن چیزوں کی فرمائش کریں آپ اسے پورا کریں ، اور اللہ تعالیٰ ایسے باپ پر رحم کرے جو اپنی اولاد کے حسنِ سلوک کرنے پر

ان کی اعانت و امداد کرے، اور آپ پر یہ بات قطعاً مخفی نہ ہوگی کہ عبادت پر التزام، اور محنت کرے یا امتحان میں کامیابی پر ہدیہ و تحفہ وغیرہ سے ہمت افزائی کرنے کا بچہ پر بہت اثر پڑتا ہے۔

یہ وہ اہم تجاویز ہیں جو میری رائے میں ون ورات کے تربیتی نظام میں آپ کو مدِنظر رکھنا چاہییں، اس لیے اے مربی محترم! آپ کو ان کی تطبیق کی کوشش کرنا چاہیے، تاکہ آپ بچوں کی اس طرح سے تربیت کرسکیں، جس کا اسلام آپ سے مطالبہ کرتا ہے۔ اور وہ آپ کی ذمہ داری بھی ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

اے اللہ ہمیں ان لوگوں میں سے بنا دیجیے جو بات سنتے ہیں اور اس میں سے اچھی باتوں پر عمل کرتے ہیں اور ہمیں اپنے پاس سے عظیم سلطنت و نصرت، اور مضبوط عزم اور قوی ارادہ عطا فرمائیے آپ ہی بہترین امید گاہ ہیں۔

۷۔ نفع بخش علم و ثقافت کے اسباب و وسائل مہیا کرنا | مربیوں پر اپنے بچوں اور زیرِ تربیت افراد کی تعلیم و تربیت کی جو ذمہ داری تعلیمی فرائض کے ذیل میں آتی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مربیوں پر یہ فریضہ بھی عائد ہوتا ہے کہ وہ ان کے لیے مختلف قسم کے لیے تعلیمی و ثقافتی وسائل مہیا کریں تاکہ بچہ پختہ عقل کا مالک اور دنیاوی زندگی میں علم و فکر کے لحاظ سے کامل و مکمل شخصیت بنے۔

میرے خیال میں یہ وسائل مندرجہ ذیل امور میں مرکوز ہیں:

۱۔ بچوں کے لیے ایک الگ کتب خانہ مرتب کرنا جس میں مندرجہ ذیل قسم کی کتب موجود ہوں:

الف۔ گھر کے ہر فرد و بچہ کے لیے کہ ایک خوبصورت واضح کلمات و اعراب والا الگ الگ قرآن کریم کا ہونا۔

ب۔ چھوٹی سورتوں کی ایسی تفسیر ہو جو سنِ شعور کی عمر کے بچوں کے ذہن و فہم کے مطابق ہو۔

ج۔ قرآن کریم کی ایسی تفسیر جو سنِ شعور سے بڑی عمر کے لڑکوں کے ذہن و فہم کے مطابق ہو۔

د۔ احادیث مبارکہ سے متعلق ایسی کتابیں جو بچوں کی عمر، علم و فہم کے معیار کے مطابق ہوں۔

ھ۔ فقہ اور خصوصاً عبادات سے متعلق ایسی کتابیں جو بچوں کی عمر، سمجھ و علم کے معیار کے مطابق ہوں۔

و۔ اسلامی عقیدہ سے متعلق ایسی کتابیں جو موضوع کو قصہ یا سوال جواب کے انداز پر حل کریں۔

ز۔ سیرتِ نبویہ اور تاریخ سے متعلق ایسی کتابیں جن میں اس موضوع پر پیارے انداز اور آسان سی واضح زبان میں قلم اٹھایا گیا ہو۔

ح۔ ایسی فکر انگیز عمومی کتابیں جو بچوں کی عقل و فہم کے مناسب و مطابق ہوں جن میں یہ ظاہر کیا گیا ہو کہ اسلام ایک جامع و مکمل اور پوری زندگی پر محیط نظام ہے۔ اور ان اعتراضات و شبہات کو دور کیا گیا ہو جو اسلام کے دشمن اسلام کے خلاف

سکھاتے ہیں۔

ط ۔ علمی، تاریخی، ادبی وطبی ایسی کتابیں جو بچوں کی سمجھ کے مطابق ہوں اوران کے معیار، علم اور عمر کے دائرے سے باہر نہ ہوں۔

مربیٔ محترم! آپ کے سامنے نمونہ کے لیے بعض وہ کتابیں ذکر کی جاتی ہیں جو آپ کے بچوں کے لیے آپ کے گھر میں موجود ہونا چاہییں، تاکہ آپ ان کو خرید سکیں۔ اور بچوں کے مستقبل کے لیے ذخیرہ و مدد گار ثابت ہوں، ہر کتاب کے ساتھ جس عمر کے بچے کے لیے وہ مناسب ہے اس کا بھی تذکرہ کر دیا گیا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی سیدھی راہ دکھانے والا ہے:

۱۔ مسلمان نسل کے لیے کتابوں کا ایک مجموعہ جسے استاذ یوسف العظم نے مرتب کیا ہے جس کے تحت یہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں:

۱۔ براعم الإسلام (اسلام کے شگوفے) قسم اول عقیدہ سے متعلق۔
۲۔ براعم الإسلام قسمِ ثانی زندگی سے متعلق۔
۳۔ اناشید وأغاريد للجيل المسلم (مسلمان معاشرے کے لیے اشعار ونظمیں)۔
۴۔ أدعية وآداب للجيل المسلم (مسلمان معاشرے کے لیے دعائیں اور آداب)۔
۵۔ مشاهد وآيات للجيل المسلم (مسلم معاشرہ کے لیے مناظر وآیات)۔

عمر: ۷ سے ۱۲ سال تک

۲۔ مكتبة الطفل الدينية (۳۰) قصہ مؤلفہ استاذ محمد عطية الأبراشي مکتبہ مصر
عمر: ۷ سے ۱۲ سال تک

۳۔ سلسلة العرب في أوربا مؤلفہ استاذ عبدالحميد جودت السحار مکتبہ مصر
عمر: ۱۲ سے ۱۶ سال تک

۴۔ سلسلہ قصص الأنبياء عليهم السلام مؤلفہ استاذ عبدالحميد جودت السحار۔ مکتبہ مصر
عمر: ۱۲ سے ۱۶ سال تک

۵۔ سلسلہ (الخلفاء الراشدون) مؤلفہ استاذ عبدالحميد جودت السحار مکتبہ مصر
عمر: ۱۲ سے ۱۶ سال تک

۶۔ مجموعہ السيرة النبوية مؤلفہ استاذ عبدالحميد جودت السحار مکتبہ مصر
عمر: ۱۲ سے ۱۶ سال تک

۷۔ سلسلہ (الفدائیون فی الإسلام) مؤلفہ استاذ محمد علی قطب دارالوراقۃ حمص
عمر: ۱۲ سے ۱۶ سال تک
۸۔ سلسلہ مسلمات خالدات مؤلفہ استاذ محمد علی قطب المکتبۃ العصریہ بیروت، صیدا
عمر: ۱۲ سے ۱۶ سال تک
۹۔ سلسلہ غزوات النبی صلی اللہ علیہ وسلم مؤلفہ استاذ محمد علی قطب المکتبۃ العصریہ بیروت صیدا
عمر: ۱۲ سے ۱۶ سال تک
۱۰۔ سلسلہ القصص الدینی مؤلفہ ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی طبع حلب
عمر: ۱۲ سے ۱۶ سال تک
۱۱۔ مجموعہ أمہات المؤمنین ۱۶ عدد مؤلفہ استاذ محمد احمد برانق دارالمعارف مصر
عمر: ۱۲ سے سولہ سال تک کی لڑکیوں کے لیے
۱۲۔ مجموعہ قصص النبیین مؤلفہ استاذ ابوالحسن الندوی مؤسستہ الرسالۃ
عمر: ۱۲ سے سولہ سال تک
۱۳۔ قصص القرآن الکریم مؤلفہ استاذ محمد کامل الحسن المحامی المکتب العالمی للطباعۃ والنشر
عمر: ۱۲ سے سولہ سال تک
۱۴۔ سلسلہ أعلام المسلمین مختلف مؤلفین کا تحریر کردہ مکتبۃ المنار الاسلامیہ الکویت
عمر: ۱۲ سے ۱۶ سال تک
۱۵۔ سلسلہ الأبطال ۸۰ عدد مؤلفہ استاد محمد علی قطب ومحمد عمر الداعوق المکتبۃ العربیہ بیروت
عمر: ۱۲ سے ۱۶ سال تک
۱۶۔ اناشید البراعم المؤمنۃ مؤلفہ شاعر محمود أبوالوفا مؤسستہ الأقصی عمان
عمر: ۱۰ سال سے ۱۴ سال تک
۱۷۔ الخالدون مؤلفہ استاذ محمد علی قطب التجاریۃ المتحدۃ بیروت
عمر: ۱۵ سال اور اس سے زیادہ
۱۸۔ أبطال و معارک مؤلفہ استاذ عبدالوھاب قاسم وأحمد الدعاس مکتبۃ البرہان حمص
عمر: ۱۵ سال اور اس سے زیادہ

۱۹ ۔ السلسلۃ الجامعۃ المختارۃ مؤلفہ استاذ محمد نبہان خباز مکتبۃ الغزالی حماہ
مجموعہ احسن القصص عمر: ۱۵ سال اور اس سے زیادہ

۲ ۔ مجموعہ احسن القصص مؤلفہ استاذ علی فکری دارالکتب العالمیۃ بیروت
عمر: ۱۵ سال اور اس سے زیادہ

۲ ۔ سلسلہ قصص اسلامیۃ مؤلفہ استاذ عبدالرحمٰن البنا مکتبہ المنار الإسلامیہ الکویت
عمر: ۱۵ سال اور اس سے زیادہ

۲۲ . مجموعہ السیرۃ النبویہ (الکبیرۃ) مؤلفہ استاذ عبدالحمید جودت السحار مکتبہ مصر
عمر: ۱۵ سال اور اس سے زیادہ

۲۳ ۔ قصص فی التاریخ مؤلفہ استاذ محمد حسن حمصی دارالرشید دمشق
عمر: ۱۵ سال او. اس سے زیادہ

۲۴ ۔ قصص الأستاذ نجیب الکیلانی دارالنفائس بیروت
عمر: ۱۵ سال اور اس سے زیادہ

۲۵ ۔ مجموعہ سیر إسلامیہ مؤلفہ استاذ محمد علی دولۃ دارالقلم دمشق بیروت
عمر: ۱۵ سال اور اس سے زیادہ

۲۶ ۔ مشاہیر قادۃ الاسلام مؤلفہ استاذ بسام العلی دارالنفائس بیروت
عمر: ۱۵ سال اور اس سے زیادہ

۲۷ ۔ قصص و حکایات مؤلفہ استاذ محمد علی دولۃ دارالقلم دمشق بیروت
عمر: ۱۵ سال و اس سے زیادہ

۲۸ ۔ نشید نا مؤلفہ البوالجود و فرقتہ دارالسلام حلب

ذہنی تربیت کرنے والی کتب درج ذیل ہیں:

۱ ۔ سلسلہ "من ھدی الإسلام" مختلف قسم کی توجیہی و تربیتی ابحاث جن کے مؤلف مرشد شیخ احمد عزالدین البیانونی ہیں۔ مکتبۃ الہدیٰ حلب حول القلعۃ
عمر: ۱۵ سال و اس سے زیادہ

۲ ۔ سلسلہ "العقائد" و "العبادات" للمرحوم المرشد الشیخ احمد عزالدین البیانونی مکتبۃ الہدیٰ حلب حول القلعۃ
عمر: ۱۵ سال و اس سے زیادہ

۳۔ سلسلہ "أبحاث في القمة" مختلف قسم کی دینی ابحاث جن کے لکھنے والے مختلف حضرات ہیں جن کے سربراہ ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی ہیں۔ مکتبہ الفارابی دمشق
عمر: ۱۵ سال و اس سے زیادہ

۴۔ سلسلہ "کتب قیمۃ" مختلف قسم کی اسلامی دینی و مذہبی ابحاث، مختلف اہلِ قلم کے شہ پارے
دارالقلم دمشق بیروت عمر: ۱۵ سال و اس سے زیادہ

۵۔ سلسلہ "بحوث اسلامیۃ ہامۃ" مختلف اہلِ علم حضرات کے قلم سے جن کے سربراہ اس کتاب کے مؤلف ہیں دارالسلام حلب عمر: ۱۵ سال و اس سے زیادہ

مجموعی طور سے اسلامی نظام سے بحث کرنے والے مشہور مؤلفین و اہلِ قلم درج ذیل ہیں:

۱۔ مجموعہ رسائل الشہید حسن البنا۔
۲۔ الاستاذ سید قطبؒ
۳۔ الاستاذ محمد قطب۔
۴۔ الاستاذ ابوالحسن الندوی۔
۵۔ الاستاذ علی الطنطاوی۔
۶۔ الاستاذ فتحی یکن۔
۷۔ الاستاد سعید حوی۔
۸۔ الدکتور محمد سعید رمضان البوطی۔
۹۔ الاستاذ یوسف العظم۔
۱۰۔ الاستاذ متولی شعراوی۔

مربی محترم! آپ اس سلسلہ میں سمجھدار اہلِ علم اور دعوت و اصلاح کے مخلص علمبرداروں سے بھی رہنمائی حاصل کرسکتے ہیں، تاکہ وہ ان کتب کی طرف نشاندہی کریں جو بچے کی عقل و سمجھ اور عمر و علم کے مناسب ہوں اور ساتھ ہی اسلام نے زندگی، عالم، اور انسان سے متعلق جو نظریہ پیش کیا ہے وہ کتب اس سے متصادم بھی نہ ہوں۔

ایک اور بات کی طرف اشارہ کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اسلامی کتب خانہ ان فکری و توجیہی اور تعلیمی کتب سے خالی ہے جو بچپن کے چھ سال سے بارہ سال تک کی عمر کے بچوں کے مناسب ہوں، اور مجھے اب تک اس عمر کے بچوں کے لیے کوئی لکھنے والا معلوم نہیں ہے سوائے استاذ یوسف عظم کے جنہوں نے سلسلہ "براعم الاسلام" کو نہایت آسان اسلوب اور سہل زبان میں پیش کیا ہے۔

میں مسلمان اربابِ قلم کو قلم تیز کرنے اور ہمت بلند کرنے کی دعوت دیتا ہوں تاکہ وہ اسلامی کتب خانے کو ایسی علمی فکری اور رہنما کتابوں سے بھر دیں جو بچوں کے سامنے اسلام کے عالم، زندگی، اور انسان سے متعلق کامل نقطۂ نظر کو واضح کریں اور اسلام کے محیط عظیم نظام کا صحیح اسلامی تصور پیش کریں۔

۲ - ہفتہ واری یا ماہواری رسالوں کا خریدار بننا :

اس پرچے و رسالے کی درج ذیل خصوصیات ہونا چاہییں :

الف - وہ پرچہ اپنے اسلامی نقطۂ نظر اور علمی بحث میں معروف ہو۔

ب - اس کی تحریرات سے زیغ و انحراف نہ جھلکتا ہو۔

ج - وہ ایسے موضوعات پر کلام کرتا ہو جو عورتوں و مردوں کے معیار کے مختلف ہونے کے باوجود دونوں سے تعلق رکھتے ہوں۔

د - اس میں ایسی تصویریں شائع نہ ہوتی ہوں جو اخلاق و شرافت کے منافی ہوں۔

ھ - اس میں ایسے مضامین نہ چھپتے ہوں جن میں اسلام کے خلاف دسیسہ کاری کی گئی ہو۔

اس لیے اگر کسی پرچے کو اس معیار کا پائیں تو اسے گھر لا سکتے اور بچوں اور بچیوں کو پڑھنے کے لیے دے سکتے ہیں۔

اس قسم کے مفید رسالوں میں سے چند درج ذیل ہیں:

"الحضارۃ" شام کا، اور "المجتمع" اور "الوعی الاسلامی" کویت کے، اور "البعث الاسلامی" انڈیا کا، اور "الدعوۃ" اور "الاعتصام" اور "الازہر" مصر کے۔ اور اس جیسے دوسرے اور پرچے جو عالمِ اسلامی میں شائع ہوتے رہتے ہیں (جیسے اُردو میں پاکستان کے ماہنامہ بینات، البلاغ، الحق، الفاروق وغیرہ)۔

۳ - تخیلاتی مناظر اور فلموں کے ذریعہ فائدہ اٹھانا:[1]

ثقافتی و تعلیمی ان مفید وسائل و اسباب میں سے جو بچے کے معیار کو بڑھاتے اور اس کی ثقافت کو مستحکم کرتے ہیں مربی کا گھر میں تخیلاتی مناظر وغیرہ پر مشتمل ایسی فلمیں دکھانا شامل ہے جن میں علمی حقائق اور تاریخی کارناموں اور جغرافیائی مواقع اور تربیتی راہ نما اصول پیش کیے گئے ہوں۔

❖ بچہ جب خود اپنی آنکھوں سے علمی و تاریخی حقائق کا حقیقی روپ میں متحرک اور واضح صورتوں کی شکل میں مشاہدہ کرتا ہے تو اس وقت وہ کتنا خوش اور متنبہ و بیدار اور پر از کیف و نشاط ہوتا ہے۔

---

[1] یہ صاحب کتاب کی رائے ہے ورنہ محققین سینما، تھیٹر، وی سی آر وغیرہ سب کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ گناہ ہر صورت میں گناہ ہی رہتا ہے خواہ اس سے مقصد کچھ بھی ہو

❁ تعلیمی بحث بچے کے ذہن میں اس صورت میں کس قدر راسخ ہو جاتی ہے جب وہ مثلاً حج کے مناسک کو حقیقی روپ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے کہ اس عبادت کو شروع سے اخیر تک اس طرح سے ان ان مقامات پر ادا کیا جائیگا اور اس طرح ان مناسکِ حج میں سے ہر عبادت کو وہ اس طرح مشاہدہ کر لیتا ہے گویا کہ وہ وہیں موجود ہے اور یہ تصویر نہیں بلکہ ایک واقعی حقیقت ہے۔

❁ بچہ اس وقت کس قدر خوش ہوتا ہے جب وہ فلم کے ذریعہ اسلامی حکومتوں اور ممالک کا مشاہدہ کرتا ہے جس سے ان ممالک کے لیے اس کے ایمانی جذبات جوش میں آتے ہیں اور اس کا صاف ستھرا دل ان کی طرف مشتاق ہوتا ہے اس لیے کہ ان ممالک اور اس بچے کے درمیان عقیدہ کا اتحاد اور اسلامی اخوت کا رابطہ ہے۔

❁ بچہ جب علمی حقائق کو ٹیلیویژن کی اسکرین پر اس طرح حقیقی روپ میں دیکھتا ہے گویا کہ وہ اس کے سامنے ہو رہا ہو تو اس وقت وہ اس کو کس قدر محفوظ کر لیتا ہے۔

اور میرا خیال ہے کہ یہ وسیلہ ان مفید و بڑے وسائل میں سے ایک ہے جو بچے کی تعلیمی و ثقافتی معیار کو بلند کرتا ہے اور ان کو بچے کے ذہن میں راسخ کر دیتا ہے اور اس کے دل میں ان کی محبت پیدا کر دیتا ہے۔

اس لیے مربی کو چاہیے کہ ان کی تیاری وحصول کی مستقل کوشش کرتا رہے خواہ ان کو خرید لے یا کرایہ پر لے لے یا عاریۃً لے کر اس سے استفادہ کرے۔

ایک بات کی طرف توجہ دینا بہت ضروری ہے کہ جو لوگ اسلامی موضوعات پر کام کر رہے ہیں انہیں چاہیے کہ وہ اس بات کی پوری کوشش کریں کہ ایک ایسی کمپنی وجود میں آئے جو ایسی علمی و تاریخی و جغرافیائی و تربیتی فلمیں تیار کرے جو بچوں کی عمر و عقل کے مناسب ہوں، تاکہ وہ ہر گھر اور محلے و شہر میں پہنچیں اور ہاتھوں ہاتھ لی جائیں، اور یہ بات کوئی ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ ان فلموں کا بچے کی تعلیم اور خاندان کی ترقی و ثقافت اور معاشرے کی اصلاح میں بہت بڑا ہاتھ ہے۔

(مترجم کہتا ہے کہ ہمارے علماء وفقہاء کی اس بارے میں قطعی رائے یہ ہے کہ تصاویر دیکھنا اور بنانا دونوں ناجائز اور گناہ ہیں اس لیے ان کو خواہ کسی بھی مقصد کے لیے استعمال کیا جائے یہ گناہ گناہ ہی رہے گا ((وإثمها أكبر من نفعها)) ان کا نقصان فائدے سے زیادہ ہے، آج کسی بھی معاشرے میں چلے جائیے فلمیں، ڈرامے اور وی سی آر سوائے سفلی جذبات کی تسکین، اور نوجوانوں کو بگاڑنے، اخلاق خراب کرنے کے اور کسی کام نہیں آتے۔ لوگ دن رات اس پر فلمی اور مخربِ اخلاق مناظر سے اپنے شہوانی جذبات کی تسکین کا سامان بہم پہنچاتے ہیں۔ آج خاندان کے خاندان اور علاقے کے علاقے اس ناسور کی وجہ سے دم بلب ہیں، اس لیے الخیر فیما اختارہ اللہ، صاحبِ شریعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کو حرام قرار دے دیا ہے وہ حرام ہی رہے گی۔ جیسا کہ مختلف مقامات پر اس موضوع پر صاحبِ کتاب خود لکھ چکے ہیں)۔
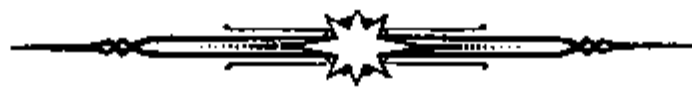
۴۔ وضاحت کرنے والے وسائل سے استفادہ کرنا:

بچے کی تعلیم و ترقی میں فائدہ بخش وسائل میں سے مربی کا ان وضاحت کنندہ وسائل کا اختیار کرنا بھی شامل ہے جو طالبعلم کے لیے ہر شکل دقیق چیز کو واضح کردیں اور مشکل کو آسان کردیں اور اس کے سامنے ہر راستہ آسان ہوجائے۔

میرا خیال یہ ہے کہ یہ وسائل مندرجہ ذیل امور کے ساتھ خاص ہیں:

الف۔ جغرافیائی نقشے وگلوب وغیرہ جو بچے کے سامنے خصوصی طور سے عالم اسلامی کو اور عمومی طور سے پورے عالم کو واضح کردیں۔

ب۔ اسلامی ممالک کے نقشہ جات جو بچے کے سامنے ان علاقوں کی آبادیاں، مساجد وکارخانیں اور دیگر عمومی چیزیں واضح کرسکیں۔

ج۔ ایسے نقشے جو سابقہ تاریخ اور گذشتہ صدیوں کی اسلامی ثقافت وترقی کو بچے کے سامنے کھول کر رکھ دیں، تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے ترقی وتمدن وعلوم کے میدان کے وہ کارنامے دیکھ لے جو اس کے عظیم آباء واجداد نے انجام دیے تھے۔

د۔ ایسے نقشے جو بچے کے سامنے اس راستے کو ظاہر کردیں جو ہر دور اور ہر زمانے میں اسلامی فتوحات اور اسلام کی سربلندی اور اس کی حکومت کی وسعت کا ذریعہ بنا ہے۔

ھ۔ وہ نقشے جو بچے کے سامنے ان جنگی وسائل کو ظاہر کریں جو ان کے آباء واجداد نے اپنی سابقہ فتوحات اور پے درپے جہاد اور جنگوں میں اختیار کیے تھے۔

و۔ دوسرے اور ایسے نقشے جو بچے کے سامنے علم وادب اور تاریخ کی حقیقت کھول کر رکھ دیں۔

اور اس کے علاوہ دوسرے اور نقشے جو بچے کی تعلیم میں ممد ومعاون ثابت ہوں اور اس کی ثقافت کو بلند کریں اور اس کے ذہن میں معلومات راسخ کرسکیں۔

اس لیے تربیت کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ ان کے حاصل کرنے کی کوشش کریں اور ہمیشہ ان کی تلاش میں مصروف رہیں تاکہ وہ اپنی اولاد کو عقلی وعلمی پختگی کے مرتبہ پر فائز دیکھیں اور اسلامی محیط ثقافت سے آراستہ پائیں۔

۵۔ وقتاً فوقتاً عجائب گھروں کا معائنہ:

وہ اہم امور جن کی ہم مربیوں کو نصیحت کرتے اور ان پر ابھارتے ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ وہ آثارِ قدیمہ دیادگار مقامات کا مختلف پروگراموں کے تحت معائنہ جاری رکھیں، یہ معائنہ خواہ مربی کے اپنے شہر میں ہو یا کسی اور اسلامی ملک

ہیں، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان عجائب گھروں کی یہ زیارت بچے کے سامنے علم و معرفت اور حضارت و ترقی اور تاریخی ثقافت کے نئے آفاق کھول دے گی، اور ساتھ ہی بچے کا رابطہ حقیقی عظمت کے ان روابط سے بھی قائم ہو جائے گا جس کے ستونوں کو ان عظیم بہادروں نے مضبوط کیا تھا جن کا تاریخ میں زریں حروف میں تذکرہ ہے اور ہر طبقے و ہر دور میں ان کی عزت و احترام اور مکانت و منزلت ہے، جیسا کہ ان سے بچے میں اس بات کا عزم کرنے کے نفسیاتی و قلبی احساسات پیدا ہوں گے کہ وہ اسلامی رفعت و منزلت کی تعمیر اور اسلامی دولت و حکومت کے قیام اور ترقی کی بنیادوں کو راسخ کرنے کی اسی طرح کوشش کرے جس طرح اسلام کے گذشتہ روشن و شاندار ادوار میں ہمارے عظیم و بہادر آباء و اجداد نے کی تھی، اور یہ کام اللہ کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔

اس لیے اے مربی محترم آپ کو چاہیے کہ آپ بچوں کو آثارِ قدیمہ و عجائب گھر دکھانے میں ہمت و عزم سے کام لیں اور اس کے لیے وقت نکالیں تاکہ ان میں سربلندی و ترقی کرنے کی جرأت و خواہش پیدا ہو، اور ان میں عزت و قوت اور ترقی کی حقیقت جاگزین ہو، اللہ رحم کرے اس شاعر پر جس نے مندرجہ ذیل شعر کہا ہے:

تلك آثارنا تدل علينا	فانظروا بعدنا إلى الآثار
یہ ہمارے وہ آثار ہیں جو ہم پر دلالت کرتے ہیں	اس لیے ہمارے جانے کے بعد ان آثار کو دیکھ لینا

۶ - جب بھی فرصت ملے عمومی کتب خانوں کا معائنہ کرنا:

وہ تعلیمی و ثقافتی وسائل جو مربیوں کے اہتمام کو چاہتے ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ بچوں کو عمومی کتب خانے دکھانے لے جانا چاہیے جب بھی فرصت اور موقعہ ملے اور حالات سازگار ہوں، چاہے یہ کتب خانے قدیم ہوں یا جدید، اور اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ بچوں کو کتابوں کو عاریۃً لینے یا مستقل خریدنے کی کیفیت و طریقہ معلوم ہوگا۔

اور اس کا ثمرہ یہ بھی نکلے گا کہ بچے میں ادبی جرأت پیدا ہوگی اور وہ عمومی مقامات اور علم و ثقافت کے اداروں میں جانے کے اصول سے بھی واقف ہو جائے گا۔

یہ اس کے علاوہ ہے جو کتب خانوں کی زیارت سے علمی و ثقافتی فائدہ حاصل ہوتا ہے، اور امتِ اسلامیہ نے علمی و فکری میدان میں جو کارنامے چھوڑے ہیں ان پر انسان مطلع ہوتا ہے اور دنیا اور زندگی اور انسان سے متعلق اسلام کا کلی نقطۂ نظر معلوم ہوتا ہے، اور تاریخ کے دفاتر اور گذشتہ ادوار میں امتِ اسلامیہ جس علمی و ثقافتی ترقی سے گزری ہے اس کے سلسلہ میں نئے نئے آفاق کھلتے ہیں۔

اس لیے اے مربی محترم! آپ اپنے بچوں کے ساتھ عمومی کتب خانوں کی زیارت کرتے رہا کریں تاکہ ان میں یہ اوصاف پیدا ہوں اور ان کی نفوس میں یہ قابلِ قدر کارنامے جاگزین ہوں۔

لیکن اگر آپ کے اوقات میں اِدھر اُدھر کتب خانوں کی زیارت کے جانے کے لیے گنجائش نہ ہو یا حالات اس کے مناسب نہ ہوں تو آپ اپنے بچے کو یہ اجازت دے دیں کہ وہ اصحابِ علم وفضل کے ساتھ رہیں تاکہ وہ ان سے ان مقامات میں جانے کے اصول سیکھیں اور ان کے دیکھنے اور ان سے استفادہ کرنے کے فن سے واقف ہوں۔

مربی محترم! بچے کی تعلیمی وثقافتی شخصیت سازی اور اس کی علمی وفکری تیاری کے یہ فائدہ بخش اہم علمی وثقافتی وسائل ہیں۔ اس لیے آپ ان کو مہیا کرنے کی کوشش کریں تاکہ یہ چیزیں ہمیشہ آپ کے بچوں اہل وعیال کی دسترس میں رہیں، اور آپ مستقبلِ قریب میں اپنے جگر گوشوں کو پختہ عقل والا اور وسیع الظرف، اور ثقافت میں روبترقی اور علوم ومعارف میں پختہ پائیں۔ اور ساتھ ہی عقیدہ وافکار کے اعتبار سے ان کا رابطہ اسلام سے ہو اور جذبات وروح کے لحاظ سے اسلامی تاریخ سے اور رہنمائی اور شان وشوکت کے اعتبار سے اسلامی حضارت وثقافت سے، اور معرفت وتہذیب کے اعتبار سے جدید نفع بخش علوم سے تعلق ہو۔

۸۔ بچے کو مطالعہ کرتے رہنے کا شوق دلانا اسلام نے جس شعار کو بلند کیا ہے یعنی ((وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا)) اور کہہ دیجیے کہ اے میرے رب میرے علم کو بڑھا دیجیے اور ((هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ)) کیا وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں وہ اور وہ لوگ جو علم نہیں رکھتے برابر ہو سکتے ہیں، اس کی وجہ سے۔

اور والدین اور مربیوں کے ذمے اسلام نے فکری سوجھ بوجھ اور پختگی پیدا کرنے کی جو امانت اور ذمہ داری لگائی ہے اس کو محسوس کرتے ہوئے ہر اس شخص پر جس کو بچے کا معاملہ فکری اور علمی وثقافتی اعتبار سے اس کی شخصیت سازی کے بارے میں متفکر کرتا ہے۔ اس پر یہ واجب ہے کہ وہ بچے کو اس وقت سے ہی جب وہ ہوش اور سمجھ کی عمر کو پہنچ جائے یہ بتلادے کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو دین ودنیا دونوں سے تعلق رکھتا ہے۔ اور یہ بتلادے کہ قرآنِ عظیم ایک کامل ومکمل نظام اور قانونِ شریعت ہے، اور اسلامی تاریخ عزت وکرامت کا ذریعہ اور مقتدا ورہنما ہے اور اسلامی ثقافت محیط اور متنوع اور کامل ومکمل ہے۔

اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک سوچ سمجھ کر اچھا خاصا ایسا مطالعہ نہ کیا جائے جو مندرجہ ذیل امور پر مشتمل ومحیط ہو:

- فکر انگیز کتب کا مطالعہ کرنا جو بچے کے سامنے دینِ اسلام کے ابدی ہونے کو واضح کرے، اس لیے کہ یہ دین ایسے امور وقواعد پر مشتمل ہے جو محیط اور نو بنو اور ابدی ہیں۔
- تاریخی کتب کا مطالعہ جو بچے کے سامنے اسلام کی گذشتہ ادوار کی عزت ومکانت اور مسلمانوں کے سابقہ مقام ومرتبہ کو بیان کرے۔

❀ ایسی کتابوں کا مطالعہ جو فکری جنگ سے تعلق رکھتی ہوں، اور بچے کے سامنے ان سازشوں اور جالوں کو کھول کر بیان کردیں جو اسلام کے دشمن اسلام کے خلاف تیار کرتے رہتے ہیں خواہ یہ منصوبے مکار یہودیت کی طرف سے ہوں یا ملحد شیوعیت کی جانب سے، یا کینہ پرور صلیبیت کی طرف سے ہوں۔

❀ ترقی سے متعلق کتابوں کا مطالعہ جو بچے کے سامنے اسلام کی اس زبردست ترقی سے پردہ ہٹادے جو گذشتہ زمانے اور تاریخ کے سابقہ ادوار میں مسلمانوں کے آباء واجداد نے حاصل کی تھی۔

اس لیے ہمارے سلفِ صالح اس بات کا بہت خیال رکھا کرتے تھے کہ اپنے بچوں کو فکری وتاریخی وثقافتی اعتبار سے مضبوط ٹھوس بنیاد فراہم کریں، اور اس سے قبل عقلی تربیت کی ذمہ داری کی بحث میں ہم وہ اقوال نقل کرچکے ہیں جو اسلامی تربیت کے ماہرین نے اس باب میں کہے ہیں کہ بچے کو قرآن کریم کی اور احادیث اور سیرت اور صالحین کی حکایا اور اچھے اشعار اور جنگوں اور جہاد کی تاریخ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کی تعلیم دینا نہایت ضروری ہے اور یہ صرف اس بات کی تاکید ہی ہے کہ اسلام نے نوعمری ہی سے بچوں کے والدین اور مربیوں سب پر تعلیم اور فکری ذہن سازی اور راسخ اسلامی عقیدے کے بیج بونے کی ذمہ داری ڈالی ہے، اور ان کو یہ حکم دیا ہے کہ بچوں کی زندگی کے ہر مرحلہ پر اس کا خیال رکھیں۔

لیکن اس تک پہنچنے اور اس کو حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ اس کا طریقہ یہ ہے کہ رہنمائی و دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ غور وفکر کے ساتھ مطالعہ جاری رکھا جائے۔

اور بچہ مطالعہ اس وقت تک نہیں کرے گا اور اس کی رغبت اس کو اس وقت تک نہیں ہوگی جب تک ایسے اسباب اختیار نہ کیے جائیں جو مطالعہ کو بچہ کے نزدیک محبوب چیز نہ بنادیں، اور اس میں اس کا شوق نہ پیدا کردیں۔

میرا خیال یہ ہے کہ یہ شوق مندرجہ ذیل نقاط میں منحصر ہے:

❀ ہم اس کے سامنے علم اور جہل میں موازنہ کریں اور علماء اور جاہلوں میں جو فرق ہے وہ بیان کریں یہ موازنہ کرنا اور دونوں کے فضل وفرق کو بیان کرنا مطمئن کرنے اور دلیل وحجت قائم کرنے کے سلسلہ قرآنِ کریم کا طریقہ ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

«قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ» الزمر - ۹

آپ کہیے کہ کیا علم والے اور بے علم کہیں برابر بھی ہوتے ہیں۔

آپ ہی سوچیے کہ جب بچے کے سامنے علماء کا عظیم مرتبہ اور اعزاز اور جاہلوں کی محرومی وبدنصیبی کھل کر سامنے آجائے گی تو وہ کتنا مطمئن اور مطالعہ و پڑھنے پڑھانے کا کس قدر اہتمام کرے گا؟

اور جب وہ علم طلب کرنے والے کی بلند حیثیت اور مکانت اور اللہ کے یہاں اس کو جو عظیم اجر و ثواب[1] اور لوگوں کی نظر میں درجہ ملتا ہے اسے سنے گا تو اس کو علم حاصل کرنے کا کس قدر شوق پیدا ہوگا؟

❁ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ علم دلوں کو جہالت سے نکال کر زندگی بخشتا ہے۔ اور تاریکی میں نگاہوں کے لیے چراغ ہے۔ اور ضعف سے بچانے کے لیے بدن کی قوت ہے، یہ علم انسان کو نیک صالح لوگوں کے درجہ پر پہنچا دیتا ہے، اور دنیا و آخرت میں درجات عالیہ کے حصول کا ذریعہ ہے، اور علم میں غور و فکر روزہ کے برابر اجر و ثواب دلاتا ہے، اور اس کا مذاکرہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کے برابر ثواب دلاتا ہے۔ اسی علم کے ذریعہ صلہ رحمی کی جاتی ہے، اور اسی کے ذریعہ حلال و حرام کو پہچانا جاتا ہے، علم امام ہے اور عمل اس کا مقتدی ہے۔ علم نیک بختوں ہی کو دیا جاتا ہے اور اس سے بدبخت محروم کر دیے جاتے ہیں۔[2]

❁ اور علامہ نصیر الدین طوسی اپنے رسالہ "آداب المتعلمین" میں لکھتے ہیں کہ:

"علم کی شرافت و مکانت کسی شخص پر مخفی نہیں ہے۔ اس لیے کہ علم ہی انسانیت کا خصوصی طرۂ امتیاز ہے، اس لیے کہ علم کے علاوہ دوسری تمام چیزوں میں انسان کے ساتھ دوسرے حیوان بھی شریک ہیں، مثلاً بہادری، طاقت و قوت اور شفقت و محبت وغیرہ، اسی علم کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں پر حضرت آدم کی فضیلت ظاہر فرمائی اور انہیں ان کو سجدہ کرنے کا حکم دیا، اور اگر اس علم کے مقتضی پر عمل کیا جائے تو یہ علم ہی ابدی سعادت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔"[3]

❁ اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر علم دنیا میں کسی صورت میں متشکل ہوتا تو اس کی صورت سورج چاند اور ستاروں و آسمان سے زیادہ خوبصورت ہوتی۔[4]

❁ <u>بچوں میں مقابلے کرانا</u>: بعض مقابلے جلدی پڑھنے سے متعلق ہوں اور بعض مقررہ وقت میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں کتب کے مطالعہ سے، پھر اس میں ان کا امتحان لیا جائے اور جو پوزیشن حاصل کر لیں ان کی ہمت افزائی ہو اور سبقت کا شوق دلانے کے لیے انہیں گرانقدر اور خصوصی انعامات دیے جائیں، بچے کے اکرام اور اچھے کام اور عمدہ اخلاق کے اظہار پر اس کی ہمت افزائی ہی وہ طریقہ ہے جس پر امام غزالی نے بھی ابھارا ہے اور اس کی رغبت دلائی ہے چنانچہ وہ "احیاء العلوم" کے تیسرے جزء میں لکھتے ہیں کہ بچے سے جب کوئی اچھا کارنامہ یا عمدہ اخلاق ظاہر ہوں تو مناسب یہ ہے کہ اس پر اس کو شاباش دی جائے، اور اس کو ایسا انعام دیا جائے جس سے وہ خوش ہو جائے، اور اچھے اخلاق اور

---

[1] اس کتاب میں بہت سے مواقع پر ہم علم اور علماء کی فضیلت بیان کر چکے ہیں۔

[2] یہ تینوں اقوال محاسبی کی کتاب رسالۃ المسترشدین سے لیے گئے ہیں جو استاذ شیخ عبدالفتاح ابو غدہ کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔

[3] حوالۂ بالا۔

[4] مندرجہ بالا حوالہ۔

عمدہ افعال پر اس کو ابھارنے کے لیے لوگوں کے سامنے اس کی تعریف بھی کر دینا چاہیے۔

بچے کا اکرام و انعام، ہدیہ یا اچھے الفاظ سے اسے نوازنا اور اس طرح سے اس کی ہمت افزائی کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ مبارک کے موافق ہے جس میں آپ نے ارشاد فرمایا:

((تهادوا تحابوا)) ۔ معجم طبرانی — آپس میں ہدیہ دو اور محبت پیدا کرو۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل فرمان کے بھی مطابق ہے جسے ابو داؤد ونسائی نے ان الفاظ میں روایت کیا ہے:

((من أسدى إليكم معروفاً فكافئوه فإن لم تستطيعوا فادعوا له)) ۔ — جو شخص تمہارے ساتھ احسان کرے اس کا بدلہ دے دیا کرو اور اگر مکافاۃ نہ کر سکو تو اس کے لیے دعا ہی کر لیا کرو۔

اور اس کے ساتھ بھی موافق ہے جسے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کے درمیان ریس کرائی اور سبقت لے جانے والے کو انعام دیا (ملاحظہ ہو مسند احمد)۔

❖ بچے کو یہ سمجھا دینا اور باور کرانا کہ وہ جو کچھ علمِ نافع پڑھ رہا اور مفید چیزیں سیکھ رہا ہے اگر یہ سب اچھی نیت اور نیک ارادے سے ہو تو اس کو عبادت گزاروں اور طویل نماز پڑھنے والوں کا سا اجر ملتا ہے، اس لیے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں:

((إنما الأعمال بالنيات، وإنما لكل امرئ ما نوى)) ۔ بخاری ومسلم — تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملتا ہے جو اس نے نیت کی ہو۔

اس حدیث سے فقہاءِ کرام نے یہ حکم نکالا ہے کہ اچھی نیت کی وجہ سے عادت بھی عبادت بن جاتی ہے۔

اور اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں کہ جب بچے کو یہ معلوم ہوگا کہ اسے مطالعہ کرنے پر اجر ملے گا اور علم حاصل کرنے اور ثقافت وتہذیب سے آراستہ ہونے پر اللہ جل شانہ اس کو جزاءِ خیر عطا فرمائیں گے تو وہ بلا کسی سستی و کاہلی کے کلی طور پر پڑھنے پڑھانے میں مشغول رہے گا۔

❖ پرسکون، راحت بخش، صاف ستھری فضاء پیدا کرنا یعنی روشنی کافی ہو اور مناظر خوش کن ہوں اور سکون مکمل ہو اور سردیوں میں سردی سے بچانے کا مناسب بندوبست ہو اور گرمیوں میں گرمی سے بچانے کا مناسب انتظام ہو، یہ سب چیزیں مطالعہ پر متوجہ کرنے اور اس کا شوق دلانے اور اس کی محبت پیدا کرنے کا ذریعہ بنتی ہیں۔

❖ بچے کے لیے مختلف قسم کی کتابیں مہیا کرنا خواہ یہ کتابیں گھر کے کتب خانے میں موجود ہوں یا مدرسے یا مسجد کے کتب خانے میں یا عام لائبریریوں میں۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جب بچہ اپنے سامنے اپنی پسندیدہ مطلوبہ کتاب پائے گا خواہ وہ کتاب قصہ کہانی کی ہو یا شعر وشاعری کی یا تاریخ کی، یا اخلاق کی، تو وہ شوق سے اس کا مطالعہ کرے گا اور اس کتب خانہ کی طرف خوشی خوشی جائے گا۔

❀ اور اخیر میں یہ بات بھی پیچھے کے ذہن نشین کرا دینا کہ وقت تلوار کی طرح ہے اور فرائض و ذمہ داریاں وقت سے بہت زیادہ ہیں، اور انسان جو نہیں جانتا وہ اس سے زیادہ ہے جسے وہ جانتا ہے، اور دین اسلام مسلمان کو یہ حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے فارغ وقت کو کام میں لگائے، اس لیے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام فرماتے ہیں کہ تم ایسی چیزوں کے حریص رہو جو تمہیں فائدہ پہنچائیں اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو اور عاجز مت بنو (صحیح مسلم)۔
جیسا کہ آپ نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ دنیا کی عزت اور آخرت کی کامیابی و نجات کو حاصل کرنے کے لیے فرصت کو غنیمت جانا جائے چنانچہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام فرماتے ہیں: پانچ چیزوں کو پانچ سے پہلے غنیمت جانو: اپنی زندگی کو موت سے پہلے، اور صحت کو بیماری سے پہلے، اور فراغت کو مشغول ہونے سے قبل، اور جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، اور مالداری کو فقر سے پہلے (ملاحظہ ہو مستدرک حاکم بسند صحیح)۔

اور اخیر میں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مطالعے سے مطلوبہ فوائد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتے جب تک کہ درجِ ذیل طریقے اختیار نہ کیے جائیں:

۱۔ مطالعہ سے قبل نفسیاتی تیاری اور وہ اس طرح کہ نیت کا استحضار رہے کہ وہ مطالعہ اس لیے کر رہا ہے تاکہ ثقافتی و علمی طور پر کامل و مکمل بن جائے، اور دعوت و تبلیغ کا فریضہ ادا کر سکے، اور اسلام کا پیغام پہنچا سکے، اور اپنی امت و ملک کو فائدہ پہنچا سکے۔

۲۔ مطالعہ کے دوران ذہن کو مرکوز رکھا جائے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ انسان جو کچھ بھی پڑھے اس وقت ذہن اور عقل و فہم کو حاضر رکھے تاکہ جو کچھ پڑھے اسے مکمل طور سے یاد رکھ سکے اور صحیح معنوں میں سمجھ بھی سکے۔

۳۔ اہم عبارات اور بنیادی باتوں کے نیچے پنسل سے لکیر کھینچ دینا چاہیے تاکہ جب اس بحث کو دوبارہ دیکھے تو یہ معانی اس کے ذہن میں راسخ ہو جائیں اور یہ بنیادی باتیں اس کے دل میں بیٹھ جائیں۔

۴۔ اساسی و بنیادی عناصر کو پنسل سے صفحہ کے ایک کنارے پر لکھ دینا چاہیے تاکہ ان عناصر کو اچھی طرح سے یاد رکھا جا سکے۔

۵۔ موضوع کے اہم عنوانات یا پسندیدہ ابحاث کے افکار کو ڈائری یا الگ کاپی میں کتاب کے نام اور صفحہ کے ساتھ نوٹ کر لینا چاہیے۔ تاکہ اگر دوبارہ ضرورت پڑے تو آسانی سے اصل مرجع کی طرف رجوع کر سکے۔

۶۔ نوٹس اور یادداشتوں کے لکھنے کے لیے ایک الگ کاپی یا بڑا رجسٹر رکھنا چاہیے تاکہ احادیثِ مبارکہ، ادبی لطائف

اور حکیمانہ اشعار، تاریخی واقعات، علمی حقائق، دینی مسائل و فتاویٰ میں سے جو چیز پڑھنے والے کو بھلی معلوم ہو وہ اس میں لکھ لے۔

بلاشبہ یہ کاپی اور تذکرہ مختلف اوقات اور مختلف زمانوں میں بہت سی کتابوں سے منتخب کردہ نچوڑ ہوگا جو آئندہ علمی یا عملی زندگی میں بہترین مددگار ثابت ہوگا۔

اس لیے اے مربی محترم! آپ یہ کوشش کریں کہ آپ کے بچے اس کے عادی بنیں اور آپ ان کی رہنمائی اس جانب کرتے رہیں تاکہ آئندہ چل کر وہ عمل کرنے والے افراد اور تہذیب و تمدن سے آراستہ عناصر اور سمجھدار پختہ عقل قوم میں شمار ہوں جو اللہ کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔

۹۔ بچے کو اسلام کی ذمہ داریاں محسوس کرانا | جن چیزوں کا اہتمام کرنے کو ہم اہم اور لازمی سمجھتے ہیں اور تربیت کرنے والوں کی توجہ اس طرف مبذول کراتے ہیں، ان میں سے یہ بھی ہے کہ بچے کو مندرجہ ذیل حقائق سکھانے و سمجھانے کی ہمیشہ کوشش جاری رکھنا چاہیے:

الف۔ (وہ مؤمن جماعت جس کی تربیت دارارقم میں ہوئی تھی اور جس کے ذریعہ دینِ اسلام کو نصرت و فتح حاصل ہوئی وہ چند نوجوانوں کی جماعت تھی، چنانچہ بعثت کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چالیس سال تھی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ سے تین سال چھوٹے تھے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عمر ستائیس سال تھی، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چھوٹے تھے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے چھوٹے تھے، اور یہی حال حضرت عبداللہ ابن مسعود، عبدالرحمٰن بن عوف، الأرقم بن الأرقم، سعید بن زید، مصعب بن عمیر، بلال بن رباح اور عمار بن یاسر اور ان کے علاوہ دسیوں دوسروں تھا بلکہ ان کے علاوہ سینکڑوں دوسرے اور بھی تھے اور سب کے سب نوجوان تھے[۱])۔

ب۔ یہ نوجوان ہی وہ لوگ تھے جنہوں نے اس دعوت کے بوجھ کو اپنے کاندھوں پر اٹھایا تھا، اور یہی وہ لوگ تھے جنہیں اللہ کے راستے میں بہت دردناک سزائیں، تکالیف اور عذاب دیے گئے اور یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنی راتوں کو دن سے ملادیا، حتیٰ کہ انہوں نے اپنی ان کوششوں سے اسلام کو پھلنے پھولنے اور جگہ بنانے کا موقعہ فراہم کیا، اور اس دین کو فتح و نصرت سے ہمکنار کیا، اور مسلمانوں کی حکومت و سلطنت صرف ایک رات و دن ہی میں قائم نہیں ہوئی تھی، اور نہ ان کی قیادت و حکومت ذراسی دیر میں مستحکم ہوگئی تھی اور نہ ان کے سامنے دو بڑی عظیم حکومتوں میں فارس و روم نے فوراً گردن جھکائی تھی، اور نہ ان کا سایہ مشرق میں سندھ کے شہروں اور شمال میں بلادِ خزر و ارمینیہ و روس کے شہروں تک منتقل میں پہنچا، اور نہ ان کے عدل و انصاف میں شام، مصر، برقہ، طرابلس و باقی افریقہ آناً فاناً داخل ہوگئے تھے، یہ سب کچھ ایک

---

[۱] ڈاکٹر مصطفےٰ سباعی مرحوم کی کتاب "السیرۃ النبویہ" (ص ۸۲)۔

دن ورات میں نہیں ہوا بلکہ یہ پینتیس سال کے عرصے میں ہوا تھا۔

بنو امیہ کے زمانے میں ان کی سلطنت اور پھیلی اور ان کا تسلط و عملداری سندھ کے علاقے اور ہند کے بڑے حصہ تک پہنچ گیا اور ترکستان بھی ان کے ماتحت آگیا، اور مشرق میں چین کی حدود تک اور مغرب میں اندلس تک پہنچ گئے اور پھر جب مسلمانوں کے ایک حکمران خلیفہ ہارون الرشید نے پوری دنیا کے لیے عالم اسلامی کی وسعت کی تصویر کشی کرنا چاہی تو سوائے اس کے اور کوئی جملہ نہیں پایا کہ انہوں نے بادل کے ایک ٹکڑے سے جو بغیر برسے ان کے پاس سے گزر گیا تھا مخاطب ہو کر کہا: تم جہاں چاہو جاکر برس لو اس لیے کہ تمہارا ٹیکس ہمارے پاس ہی لایا جائے گا۔[۱]

ج۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی جماعت کا یہ پہلا قافلہ اور ان کے بعد آنے والے وہ حضرات تابعین جو ان کے نقشِ قدم پر چلے یہ سب کے سب عزت وعظمت اور بزرگی کی چوٹی پر دو عظیم باتوں کی وجہ سے پہنچے تھے:

۱۔ انہوں نے اسلام کو عقیدہ وافکار، قول وعمل اور تحقیق وتطبیق ہر اعتبار سے مضبوطی سے تھاما، اور اس کا بدلہ انہیں زبردست امداد، فتح مبین اور دین اور خدا کے دشمنوں پر شاندار کامیابی کی شکل میں ملا اس کے بغیر نہ فتح ونصرت ممکن ہے اور نہ یہ کہ عزت وسیادت کی لگام کو اپنے ہاتھوں سے تھام لیں، تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مصر کے فتح ہونے میں تاخیر محسوس کی تو حضرت عمرو بن العاص کو (جو اس لشکر کے قائدِ عمومی تھے) ایک خط لکھا جس میں تحریر فرمایا:

حمد وثنا کے بعد، کہنا یہ ہے کہ آپ لوگوں کو مصر فتح کرنے میں جو دیر لگ رہی ہے اس سے مجھے بہت تعجب ہے، آپ لوگ ان سے دو سال سے لڑ رہے ہیں۔ اس کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ تم لوگوں نے کچھ نئی چیزیں ایجاد کرلی ہیں۔ اور دنیا سے ویسی ہی محبت کرنا شروع کردی ہے جیسی محبت تمہارے دشمن کرتے ہیں اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی مدد نہیں فرماتے مگر ان کی نیت کے سچے ہونے پر۔

اور اللہ تعالیٰ خلیفۂ عادل پر رحم کرے فرمایا کرتے تھے کہ ہم تو وہ قوم ہیں جسے اللہ نے اسلام کی برکت سے عزت دی ہے لہٰذا ہم جب بھی اس چیز کو چھوڑ کر عزت چاہیں گے جس کے ذریعہ اللہ نے ہمیں عزت دی تھی تو اللہ ہمیں ذلیل کردے گا (مستدرک حاکم)۔

۲۔ ان حضرات نے اپنی قربانیوں، جد وجہد، بہادری وشجاعت اور صبر کی طاقت کے ذریعے اسلام کے پیغام کو ساری دنیا میں پہنچایا۔ حتیٰ کہ ان کی فتوحات کا دائرہ مغرب کے اخیر تک پہنچ گیا۔ اور حضرت عقبہ بن نافع محیط اطلسی (سیاہ سمندر) کے کنارے پر کھڑے ہوئے اور انہوں نے پانی میں گھس کر کہا: اے اللہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب اگر یہ سمندر نہ ہوتا تو آپ کے کلمہ کی سربلندی کے لیے ساری دنیا فتح کرلیتا۔ اے اللہ آپ گواہ رہیے گا۔

ان کی فتوحات مشرق کے اخیر تک پہنچ گئیں، اور حضرت قتیبہ باہلی سرزمینِ چین میں داخل ہوگئے تو ان کے ایک ساتھی

---

[۱] ملاحظہ فرمایئے ہماری کتاب "حتیٰ یعلم الشباب" (ص۔ ۹۰۱)۔

نے ازراہِ شفقت انہیں متنبہ کرتے ہوئے کہا: اے قتیبہ آپ تو ترکیوں کے شہر میں گھس گئے اور حادثاتِ زمانہ کے دوش پر آتے جاتے رہتے ہیں. تو حضرت قتیبہ نے ایمان سے سرشار ہو کر ان کو جواب دیا، اللہ کی مدد و نصرت پر کامل یقین کی وجہ سے آگے بڑھا ہوں، اور جب وقت آجائے گا تو تیاری و احتیاط کچھ فائدہ نہیں پہنچائے گی، جو صاحب ان کو ڈرا رہے اور متنبہ کر رہے تھے جب انہوں نے ان کے عزم اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے پختہ ارادے کو دیکھا تو انہوں نے ان سے کہا: اے قتیبہ تم جہاں جانا چاہتے ہو چلے جاؤ اس لیے کہ یہ ایسا زبردست پختہ عزم ہے جسے اللہ کے علاوہ اور کوئی نہیں روک سکتا، اس قوتِ ایمانی اور عزمِ راسخ کے بغیر نہ روئے زمین کے ایک بالشت کا مالک بننا ممکن ہے اور نہ یہ ممکن ہے کہ عالم میں اللہ کے دین کی نشر و اشاعت ہو۔

د۔ آج کل کے ہم مسلمان اگر اپنے آباء اجداد کے اس نظام و طرز کو اختیار کر لیں جو انہوں نے اسلام کو مضبوطی سے تھامنے کے سلسلہ میں اختیار کیا تھا، اور قربانی و جہاد اور صبر و تحمل ثابت قدمی و جوانمردی کے سلسلہ میں اپنے سلفِ صالح کے نقشِ قدم پر چلیں تو ان شاء اللہ ہمارے ہاتھوں بھی اسلام کو عزت نصیب ہوگی، اور ہم اپنے دست و بازو سے مسلمان حکومت قائم کر لیں گے اور اللہ کی مدد و تائید سے عزت و عظمت اور دوام دوبارہ حاصل کر لیں گے، اور ہم پھر سے وہ بہترین امت بن جائیں گے جو لوگوں کے فائدہ کے لیے بھیجی گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم بھی انسان ہیں اور ہمارے سلف بھی انسان تھے اور اللہ تعالیٰ نے مردوں کے عزم کی تعریف کی ہے چنانچہ فرمایا:

﴿رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا﴾۔ الاحزاب - ۲۳	کچھ ایسے لوگ بھی ہیں کہ انہوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اس میں سچے اترے سو ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے، اور کچھ ان میں کے راستہ دیکھ رہے ہیں اور انہوں نے ذرا فرق نہیں آنے دیا۔

اور فرمایا:

﴿رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ﴾۔ النور - ۳۷	ایسے لوگ جنہیں نہ تجارت غفلت میں ڈال دیتی ہے نہ (خرید و) فروخت اللہ کی یاد سے اور نماز پڑھنے سے اور زکاۃ دینے سے، وہ ڈرتے رہتے ہیں ایسے دن سے جس میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی۔

آج کے مسلم معاشرے کو اس سے کیا نقصان پہنچے گا کہ وہ ظاہری اعتبار سے مرد بن جائیں اور معنوی اعتبار سے پہاڑ، اللہ رحم کرے شاعرِ اسلام محمد اقبال پر کہتے ہیں:

من ذا الذی رفع السیوف لیرفع اسمك	فوق هامات النجوم منارًا
کون ہے وہ جس نے آپ کا نام بلند کرنے کے لیے تلواریں	ستاروں کے سروں پر ستارہ بنا کر بلند کر دیں
کانوا جبالاً فی الجبال وربما	ساروا علی موج البحار بحارًا
وہ پہاڑوں میں پہاڑ بن جاتے تھے اور بسا اوقات	وہ سمندروں کی موجوں پر سمندر بن کر چلے

۵۔ آج تمام عالم سرکش مادیت کی تاریکی میں سرگرداں ہے۔ اور آزادی و بے راہ روی کی کیچڑ میں الٹے سیدھے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ اور ظلم و استبداد کے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے۔ اور افکار و آراء کی تاریکیوں میں پھڑپھڑا رہا ہے، اور یہ دیکھیے بڑی حکومتیں انسانی حضارت کو پھاڑ کھانے کے لیے اپنے وحشی پنجے گاڑ رہی ہیں، اور اپنی بغاوت و سرکشی اور وحشی پن سے انسانی قدر و قیمت اور شاندار کارناموں اور انبیاء و رسل کے پیغاموں کا گلا گھونٹ رہی ہیں۔ اور انسان کو غلام بنانے اور اس کو اس کی سرزمین سے نکالنے اور اس کے ملک کے منافع و فوائد حاصل کرنے اور اس کو اسکے بیوی بچوں، جوانوں بوڑھوں کے ساتھ ملک بدر کرنے کے لیے حملے کر رہی ہیں۔

ان حوادث و آفات اور پریشانیوں اور تباہیوں سے عالم اسلام کو کون بچائے گا؟ کون ہے جو انسانیت کو اس فکری انحطاط اور اخلاقی بے راہ روی سے بچائے؟ کون ہے جو امن پسندوں کو سرکش مہلک دشمن سے بچائے؟ یا اس سے زیادہ واضح الفاظ میں یہ کہیے کہ بچانے والی کشتی کون سی ہے؟ اور مصیبت سے امان کا کیا راستہ ہے؟

میری رائے میں اور اسی طرح بہت سے علماء، فلاسفہ و مفکرین کی رائے میں وہ روحانی اقدار اور معاشرتی و سیاسی نظام جو دینِ اسلام نے پیش کیا ہے یہی اس لائق ہے کہ تمام عالم کے لیے فکر و اصلاح اور بنیاد کی فراہمی میں امامت کا فریضہ انجام دے سکے تاکہ انسانیت زیغ و ضلال کی تباہی اور فساد و بے راہ روی کی ہلاکت آفرینیوں سے بچے۔

الیاس ابوشبکہ اپنی کتاب "روابط الفکر والروح بین العرب والفرنجۃ" میں لکھتے ہیں کہ: عربی تمدن و حضارت کا زوال اسپانیا و یورپ کے لیے ایک نحوست تھا، اس لیے کہ اندلس نے سعادت و نیک بختی عربوں کے سایہ میں ہی حاصل کی تھی، اور پھر جب عرب چلے گئے تو وہاں بجائے مال و دولت، حسن و جمال اور ترو تازگی کے تباہی و بربادی چھاگئی۔

انگریز فلسفی برنارڈ شا اپنا مشہور جملہ کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مذہب بہت عزت و احترام کا مستحق تھا، اس لیے کہ اس میں حیران کن قوت پائی جاتی ہے۔ یہی ایک ایسا منفرد دین ہے جس میں زندگی کے مختلف اطوار کو ہضم کرنے کا ملکہ موجود ہے۔ میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بشریت و انسانیت کا نجات دہندہ کا لقب دیا جائے۔ اور اگر ان جیسا کوئی آدمی آج کے موجودہ عالم کی قیادت کی ذمہ داری سنبھال لے تو وہ اس دور کی تمام مشکلات حل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

اور انگریز مؤرخ ویلز اپنی کتاب "ملامح تاریخ الانسانیۃ" میں لکھتے ہیں کہ یورپ اپنے دفتری و تجارتی قوانین کے

بڑے حصے کے اعتبار سے ایک اسلامی شہر ہے۔

لہٰذا آج کے دور کے لوگ اس بات کے مسئول ہیں کہ بشریت وانسانیت کو سرکش مادیت کی تاریکی اور تاریک اباحیت وآزادی کی موجوں اور تباہ کن جنگوں کی آندھیوں سے بچانے کے لیے اپنی اہم مسئولیت اور اپنا ترقی یافتہ کردار ادا کریں اور یہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ ساری دنیا میں از سرِ نو اسلام کا ابدی پیغام نہ پہنچایا جائے تاکہ خوشحالی، امن واستقرار تمام روئے زمین پر چھا جائے، اور انسانیت ایمان کے نور اور قرآنِ کریم کی شریعت سے منور ہوجائے۔

یہ شریعتِ اسلام ربانیت، عالمیت، عام وسب کو شامل ہونا، جود وعطا اور ابدی ہونے کے ساتھ متصف ہے۔

ربانیت سے اس لیے متصف ہے کہ یہ حکیم وحمید ذات باری تعالیٰ کی نازل کردہ ہے۔

عالمیت سے اس لیے متصف ہے کہ تمام افرادِ انسان کی شریعت وقانون ہے۔

سب کو عام وشامل اس لیے ہے کہ یہ زندگی کے تمام نظاموں کو پیش کرتی اور ان کے لیے محیط ہے۔

جود وعطا سے اس لیے متصف ہے کہ یہ تمام انسانوں کی ضروریات ہر دور میں اور ہر جگہ پوری کرتی ہے[۱]

ابدی اس لیے ہے کہ اس کی اصل اور طبیعت میں نمو وترقی ہے اور یہ قیامت تک باقی رہے گی۔

اور مسلمانوں کے فخر وشرف اور دوام کے لیے یہ بات کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں قرآنِ پاک میں ارشاد فرماتے ہیں:

((كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ)) آل عمران ۱۱۰

تم ہو بہتر سب امتوں سے جو بھیجی گئی عالم میں حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے۔

اس لیے اس امت کو اللہ کے حکم کے مطابق اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہونا چاہیئے تاکہ یہ دنیا کے سامنے اپنے بہادر عظیم آباء واجداد کے اخلاق، اور جوانمردجری وبہادر قائدین کے عزم کے ساتھ باہر نکل کر آئے اور جنگِ بدر، قادسیہ، یرموک اور حطین کی فتوحات اور اسلام کے پیغام اور قرآنِ کریم کے بنیادی اصولوں کو لے کر میدان میں آئے۔

لہٰذا مربیوں کو چاہیئے کہ اپنے بچوں اور طلبہ کی نفوس میں یہ حقائق جاگزین کریں، اور ان کو یہ حقائق ومعانی ہر وقت سمجھائیں تاکہ وہ مکمل طریقے سے اپنی ذمہ داری محسوس کریں اور مطلوبہ طریقے سے اپنے فریضے کو ادا کرسکیں۔

اگر انہوں نے ایسا کر لیا تو عنقریب وہ اپنی اولاد کو ایسے سچے پکے داعی اور اسلام کے مخلص سپاہی پائیں گے جو اللہ کے سوا کسی سے خوف وڈر محسوس نہ کریں گے۔ اور اپنے رب کی دعوت کی تبلیغ کرتے ہوں گے، اور اس کے راستے میں ہر قسم کی تکلیف

---

[۱] ملاحظہ کیجیے ہماری کتاب "حتی یعلم الشباب" اور اس میں القرآن دستورنا کی بحث پڑھ لیجیے جہاں آپ کو اسلامی شریعت کی خصوصیات ومزایا کے سلسلہ میں کافی ووافی بحث مل جائے گی۔

پریشانی اور مصیبت کو برداشت کریں گے، اور اللہ نے چاہا تو انجام کار میں عظیم فتح اور شاندار عزت اور مطلوبہ کرامت کو حاصل کرلیں گے اور یہ سب اللہ کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔

۱۰۔ بچے کے نفس میں جہاد کی روح کو جاگزین کرنا: وہ عظیم مسائل اور اہم امور جن کا مربی کو بہت اہتمام کرنا چاہیے اور ان کی طرف اپنی پوری توجہ مرکوز رکھنا چاہیے ان میں سے بچے کے نفس میں جہاد کی روح کو عمیق کرنا اور عزم و صبر کے معانی اس کی فکر و قلب اور احساسات میں راسخ کرنا بھی ہے اور خاص کر اس ہمارے دور میں جس میں اسلامی ممالک سے اسلام کا حکم ختم ہوگیا ہے، اور اسلامی عزت کا سورج اس دنیا سے غروب ہوگیا ہے، اور سرداری سرکشوں کے قبضے میں آگئی ہے، اور اسلامی ممالک میں حکومت کی باگ ڈور ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آگئی ہے جن کا اس کے سوا اور کوئی مقصد اور غرض نہیں ہے کہ وہ اسلام اور خدا کے دشمنوں کی سازشوں کو کامیاب بنائیں، چاہے یہ منصوبے کمیونسٹوں کے ہوں یا سوشلسٹوں کے، خواہ یہودیوں کے ہوں یا عیسائیوں کے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ خلافتِ اسلامیہ کو ختم کردیا گیا اور سرکش مادیت کی موجوں اور اباحیت و آزادی و بے راہ روی کی آندھیوں کے جھکڑوں اور گمراہ کن عقائد اور ملحدانہ فکری جنگ کی لہروں نے معاشروں کے معاشروں کو اکھاڑ پھینکا، اور اسلامی ممالک ہر شخص کے لیے لقمۂ تر اور ہر کس و ناکس کے لیے مطمحِ نظر بن گئے ہیں۔

اس لیے مربیوں کو چاہیے کہ اپنے بچوں کو صبر و ہمت سے کام لینے کی تلقین کریں اور ان کی نفوس میں جہاد کی روح راسخ کردیں، تاکہ وہ اپنی جدوجہد اور جہاد کے ذریعے اسلام کی عزت اور مسلمان کی عظمت دوبارہ واپس لے سکیں۔

لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ جہاد کی وہ روح بچوں کی نفوس میں جاگزین کرنے اور اس کے معانی ان کے جوارح و اعضاء اور ماحول میں راسخ کرنے کے وہ مراحل کیا ہیں جنہیں مربیوں کو اپنے بچوں کے ساتھ اختیار کرنا چاہیے؟

میرے خیال میں اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل نقاط مفید ہوں گے:

۱۔ بچے کو ہمیشہ یہ احساس دلانا کہ اسلامی شان و شوکت اور اسلامی عظمت اس وقت تک متحقق نہیں ہوسکتی جب تک جہاد اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے کوشش و محنت نہ ہو۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ	اے ایمان والو جو کوئی تم میں پھرے گا اپنے دین سے
دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ	تو اللہ عنقریب لائے گا ایسی قوم کو اللہ ان کو چاہتا ہے
وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ	اور وہ اس کو چاہتے ہیں، نرم دل ہیں مسلمانوں پر زبردست
عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ	ہیں کافروں پر، لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور ڈرتے

اللّٰہِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَآئِمٍ ؕ)) المائدہ۔۵۴ — نہیں کسی کے الزام سے۔

۲۔ بچے کو ہمیشہ یہ بات باور کرانا کہ جہاد فی سبیل اللہ کی مختلف قسمیں ہیں:

❖ مالی جہاد: جس کا طریقہ یہ ہے کہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے مال خرچ کیا جائے یہی وہ حساس رگ ہے ہر اس جہاد کے لیے جو امت مسلمہ زندگی میں کرتی ہے خواہ یہ جہاد تبلیغی ہو یا تعلیمی، اور خواہ یہ سیاسی جہاد ہو یا جنگی۔ ارشاد ہے:

((اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّۃَ ؕ)) التوبہ۔۱۱۱ — اللہ نے خرید لی مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کا مال اس قیمت پر کہ ان کے لیے جنت ہے۔

اور فرمایا:

((اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ؕ)) التوبہ۔۴۱ — نکلو ہلکے اور بوجھل اور لڑو اپنے مال سے اور جان سے اللہ کی راہ میں۔

ترمذی و نسائی درج ذیل حدیث روایت کرتے ہیں:

((من انفق نفقۃ فی سبیل اللہ کتبت لہ بسبعمائۃ ضعف))۔ — جو شخص اللہ کے راستے میں کوئی چیز خرچ کرتا ہے تو اس کو سات سو گنا ثواب ملتا ہے۔

اور بخاری و مسلم وغیرہ روایت کرتے ہیں:

((من جهز غازیا فی سبیل اللہ فقد غزا، ومن خلف غازیا فی اهلہ فقد غزا))۔ — جو شخص کسی غازی کو اللہ کے راستے کے لیے ساز و سامان سے تیار کرتا ہے تو گویا اس نے خود جنگ کی، اور جو شخص کسی غازی کے گھربار کی دیکھ بھال کرتا ہے تو گویا اس نے خود جنگ کی۔

❖ تبلیغی جہاد: اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ زبان سے اسلام کی تبلیغ کی جائے اور کافروں، منافقوں، ملحدوں اور منحرف لوگوں پر یہ حجت و دلیل قائم کی جائے کہ دعوت اسلام حق ہے۔

((وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ۘ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوۃَ وَیُطِیْعُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَیَرْحَمُهُمُ اللّٰہُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝)) التوبہ۔۷۱ — اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کی مددگار ہیں سکھلاتے ہیں نیک بات اور منع کرتے ہیں بری بات سے اور قائم رکھتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکاۃ اور حکم پر چلتے ہیں اللہ کے اور اس کے رسول کے۔ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ رحم کرے گا بے شک اللہ زبردست ہے حکمت والا۔

اور فرمایا:

((اَلَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَ یَخْشَوْنَهٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِیْبًا﴿۳۹﴾)). الاحزاب۔۳۹

(یہ وہ لوگ ہیں) جو اللہ کے پیامات پہنچایا کرتے تھے اور اس سے ڈرتے تھے اور بجز اللہ کے کسی سے نہیں ڈرتے تھے اور اللہ حساب کے لیے کافی ہے۔

نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں:

((نضر الله امرأ سمع منی شیئاً فبلغه کما سمعه فرب مبلغ أوعی من سامع)).

ترمذی و مسند احمد و ابن حبان

اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ (خوش و خرم) رکھے جو مجھ سے کوئی بات سنے اور اسے ویسے ہی پہنچا دے جیسے اس نے سنی اس لیے کہ بہت سے وہ لوگ جن تک وہ بات پہنچائی جائے وہ سننے والے سے زیادہ حفاظت کرنے والے ہوتے ہیں۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من دعا إلی هدی کان له من الأجر مثل أجور من اتبعه لا ینقص ذلك من أجورهم شیئاً)).

صحیح مسلم و اصحاب سنن

جو شخص کسی ہدایت (اچھی بات) کی طرف بلاتا ہے اسے اتنا ہی اجر ملتا ہے جتنا ان لوگوں کو ملتا ہے جو اس کی پیروی و اتباع کرتے ہیں اور اس سے ان کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔

❁ تعلیمی جہاد: اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اسلامی معاشروں کو علمی و ثقافتی و فکری اعتبار سے تیار کرنے کی پوری کوشش کی جائے، اور دنیا اور زندگی اور انسان سے متعلق اسلام کا صحیح کلی تصور پیش کیا جائے:

((وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِیَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّیَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ وَلِیُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْۤا اِلَیْهِمْ)). التوبہ۔۱۲۲

اور مسلمان ایسے تو نہیں کہ سارے کوچ کریں سو کیوں نہ نکلا ان کے ہر فرقے میں سے ان کا ایک حصہ، تاکہ سمجھ پیدا کریں دین میں اور تاکہ اپنی قوم کو خبر پہنچائیں جب لوٹ کر آئیں ان کی طرف۔

اور طبرانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((تناصحوا فی العلم فإن خیانة أحدکم فی علمه أشد من خیانته فی ماله وإن الله مسائلکم)).

علم کے بارے میں خیر خواہی و نصیحت کرتے رہا کرو اس لیے کہ تم میں سے کسی شخص کی اپنے علم میں خیانت کرنا مال میں خیانت سے زیادہ بری چیز ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تم سے سوال کرے گا

٭ ٭ ٭ ٭

اور ابوداؤد و ترمذی درج ذیل حدیث روایت کرتے ہیں:

((من سئل عن علم فکتمه ألجم بلجام

جس شخص سے کسی علم کے بارے میں پوچھا گیا اور اس نے

من نار یوم القیامة))۔ | اسے چھپایا تو اسے قیامت کے روز آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔

٭ ٭ ٭ ٭

❁ سیاسی جہاد : اور وہ اس طرح کہ اسلام کے بنیادی اصولوں کی اساس اور عمومی محیط قواعد کے مطابق اسلامی حکومت قائم کرنے کی پوری کوشش کی جائے تاکہ نظام حکومت میں حاکمیت صرف اور صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کی ہو:

((وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ، فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ، وَ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ، وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ))۔

المائدہ ۔۴۹ و ۵۰

اور یہ فرمایا کہ حکم کیجیے ان میں اس کے موافق جو کہ اللہ نے اتارا اور مت چلیے ان کی خوشی پر اور بچتے رہیے ان سے کہ آپ کو بہکا نہ دیں کسی ایسے حکم سے جو اللہ نے آپ پر اتارا پھر اگر نہ مانیں تو آپ جان لیجیے کہ اللہ نے یہی چاہا ہے کہ ان کو پہنچائے کچھ سزا ان کے گناہوں کی اور لوگوں میں بہت ہیں نافرمان ، اب کیا کفر کے وقت کا حکم چاہتے ہیں اور اللہ سے بہتر حکم کرنے والا کون ہے یقین کرنے والوں کے واسطے۔

اور امام مسلم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھ سے قبل اللہ نے کسی امت میں کسی نبی کو نہیں بھیجا مگر یہ کہ اس کے کچھ ساتھی وحواری اس کی امت میں سے ہوا کرتے تھے، جو اس کی سنت پر عمل کرتے تھے، اور اس کے حکم کی اقتدا کرتے تھے، پھر ان کے بعد ایسے ناخلف لوگ آجاتے تھے جو ایسی باتیں کہتے تھے جو خود نہیں کرتے اور ایسے کام کرتے تھے جن کا ان کو حکم نہیں دیا گیا لہٰذا جو شخص ان کے ساتھ ہاتھ سے جہاد کرے گا وہ بھی مؤمن ہے اور جو ان کے ساتھ زبان سے جہاد کرے گا وہ بھی مؤمن ہے اور جو ان کے ساتھ دل سے جہاد کرے گا وہ بھی مؤمن ہے، اور اس کے بعد ایمان کا رائی کے برابر بھی کوئی حصہ نہیں ہے۔

❁ جنگی جہاد : اور وہ اس طرح کہ ہر انسان ایسے سرکش کے سامنے اپنی پوری جدوجہد صرف کرے جو اللہ جل شانہ کے کسی حکم اور اس کی دعوت وپیغام کے زمین میں پھیلانے کے درمیان دشوار گزار گھاٹی بن کر کھڑا ہو جائے۔ خواہ اس قسم کے طاغوت وسرکش دارالاسلام میں ہوں، یا دار الکفر و دار الحرب میں

((وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ))۔ الانفال ۔۳۹

اور ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ نہ رہے فساد اور ہو جائے حکم سب اللہ کا۔

نیز ارشاد فرمایا:

((قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا

لڑو ان لوگوں سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور نہ آخرت

بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ))۔ التوبہ ۔ ۲۹

کے دن پر اور نہ حرام جانتے ہیں اس کو جس کو اللہ نے اور اس کے رسول نے حرام کیا، اور نہ قبول کرتے ہیں دین سچا ان لوگوں میں سے جو کہ اہل کتاب ہیں یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں اپنے ہاتھ سے ذلیل ہو کر۔

اسی بات کو حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے اس موقعہ پر ذکر کیا تھا جب مسلمانوں کا اہلِ فارس سے مقابلہ تھا تو انہوں نے فارس کے قائد رستم سے کہا: اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس لیے بھیجا ہے، تاکہ ہم لوگوں کو بندوں کی عبادت سے اللہ کی عبادت کی طرف، اور دنیا کی تنگی سے فراخی کی طرف، اور مذاہب وادیان کے ظلم سے اسلام کے عدل وانصاف کی طرف نکالیں۔

مربی جب بچے کو جہاد کا یہ مفہوم محسوس کرادے گا۔ اور اس کی اقسام وانواع اور اس سے متفرع ہونے والی اقسام بتلا دے گا تو پھر بچہ مکمل عزم وقوت کے ساتھ جہاد کی طرف بڑھے گا، اس لیے کہ جہاد دعوت کے ہر عمل کو محیط ہے بشرطیکہ نیت اللہ کے کلمہ کو بلند کرنا اور روئے زمین پر اس کے دین کو پھیلانا ہو[1]۔

۳۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے بچوں کے بہادری کے کارنامے ومواقف بچوں کے سامنے ہمیشہ بیان کرتے رہنا تاکہ وہ ان کی اقتدا کریں اور ان کے طرز وطریقے کے مطابق چلیں اور ییچے ان میں سے بعض آپ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں:

الف ۔ جب مسلمان جنگِ احد کے لیے نکلے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے جسے چھوٹا سمجھا اسے واپس کر دیا، جن حضرات کو واپس کیا گیا ان میں حضرت رافع بن خدیج وحضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہما بھی تھے پھر آپ نے حضرت رافع کو اس لیے اجازت دے دی کہ ان کے بارے میں آپ کو یہ تبلایا گیا کہ یہ اچھے تیر انداز ہیں، یہ دیکھ کر حضرت سمرہ رونے لگے اور اپنے سوتیلے باپ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رافع کو تو اجازت دے دی ہے اور مجھے واپس کر دیا ہے حالانکہ میں تو ان کو پچھاڑ دیتا ہوں، یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے ان دونوں کو کشتی کرنے کا حکم دیا، اور حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ غالب آگئے تو آپ نے ان کو بھی اجازت دے دی۔

ب ۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کرنا چاہی تو دونوں حضرات غارِ ثور میں تین دن تک مقیم رہے۔ اور حضرت ابوبکر کی صاحبزادیوں حضرت عائشہ وحضرت اسماء رضی اللہ عنہما نے دونوں حضرات کے لیے زادِ راہ تیار کیا، اور حضرت اسماء نے اپنے ازار بند کے دو ٹکڑے کر کے ایک سے کھانے کے تھیلے کے منہ کو باندھ دیا، اسی لیے ان کا نام "ذات النطاقین" یعنی دو ازار بند والی پڑگیا، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ مکہ کی خبریں ان دونوں حضرات تک پہنچاتے تھے، چنانچہ وہ قریش کے جس منصوبے یا خطرناک پروگرام کو سنتے وہ

---

[1] مربی محترم! ہماری کتاب "حتی یعلم الشباب" ملاحظہ فرمایئے، وہاں آپ کو جہاد کے مفہوم اور اس کی مختلف اقسام وانواع پر وافی شافی بحث ملے گی۔

یاد رکھ کر رات کو ان دونوں حضرات کو بتلادیا کرتے تھے۔ اور یہ رات کو ان حضرات کے ساتھ رہتے بھی تھے اور سحر کے وقت یہاں سے واپس ہوجاتے تھے۔ اور صبح مکے کے قریش کے ساتھ کرتے اور یہ ظاہر کرتے گویا کہ انہوں نے رات مکہ میں ہی گزاری ہے۔ اور یہ بات یاد رہے کہ حضرت عائشہ وحضرت عبداللہ اس وقت نابالغ تھے۔

ج۔ کتبِ تاریخ میں مذکور ہے کہ ایک مؤمن لڑکا اپنے والد سے یہ درخواست کرتا تھا کہ وہ اسے اطرافِ عالم میں جانے اور دوڑ دھوپ کی اجازت دے دیں تاکہ وہ عزت وکرامت کی چوٹی پر پہنچ جانے سے

اقذف السرج على المـ ـهر وقرطه اللجاما
زین گھوڑے پر کس دیجیے اور اس کو لگام لگا دیجیے

ثم صبّ الدرع في رأ ـسي وناولني الحساما
پھر میرے سر پر زرہ ڈال دیجیے اور مجھے تلوار دے دیجیے

فمتى أطلب إن لم أطلب الرزق غلاما
اگر میں نے آج نوعمری میں روزی کمانے کی کوشش نہ کی تو پھر میں کب کوشش کروں گا

ساجوب الأرض أبغيـ ـه حلالاً لا حراما
میں زمین کو قطع کروں گا رزقِ حلال کی تلاش میں نہ کہ حرام کے لیے

فلعل الظعن ينفي الفـ ـقر أو يدني الحماما
ممکن ہے سفر کرنا فقر وفاقہ کو دور کردے یا پھر موت کو قریب کردے

اور اس قسم کی مزید اور مثالیں جو صاحب دیکھنا چاہیں انہیں چاہیے کہ اس کتاب کی قسمِ ثانی کی "خوف کی عادت" کی بحث ملاحظہ فرمالیں وہاں کافی شافی بحث مل جائے گی۔

۴۔ بچے کو سورۂ انفال، سورۂ توبہ اور سورۂ احزاب یاد کرانا اور اس کے علاوہ جہاد کے متعلق قرآنِ کریم کی دوسری اور آیات اور ان کا شانِ نزول اور ان کے معانی کی شرح، اور شجاعت کے ان مواقف کا بیان کرنا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جنگ بدر وخندق وحنین وغیرہ میں اختیار کیے تھے، اس لیے کہ واقعتہً یہ ایسے موقف ہیں جو احساسات وشعور حرکت میں لے آئیں گے اور اس کو ایسا جری وبہادر وآگے کی طرف بڑھنے والا انسان بنادیں گے جو اعلاءِ کلمۃ اللہ کے سلسلہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرے گا بلکہ کلیتہً جہاد کی طرف متوجہ ہوگا۔ اور اللہ کے راستے میں شہادت کی اسی طرح تمنا کرے گا جس طرح اس کی تمنا اسکے آباء واجداد اس سے قبل کرچکے ہیں۔ اور ان سے قبل اس کی تمنا اس اُمتِ محمدیہ کے پہلے قافلہ والے کرچکے ہیں، جو مفصل طریقے سے تاریخ کے صفحات میں مرقوم ہے[1]۔

---

[1] مربی کو میں یہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنے بچوں کے سامنے مولانا یوسف کاندھلوی کی "حیاۃ الصحابہ" اور نثار کی کتاب "شہداء الاسلام فی عصر النبوۃ" پڑھا کرے۔

۵۔ بچے میں قضاء وقدر کے عقیدہ کو راسخ کرنا تاکہ اس کو جو مصیبت پہونچے وہ یہ یقینِ کامل رکھے کہ وہ اس سے دور نہیں ہو سکتی تھی اور جو چیز اس کو نہ مل سکی وہ اسے قطعاً حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔ اور اگر ساری اُمت بھی مل کر اس کو کچھ فائدہ پہنچانا چاہے تب بھی اتنا ہی فائدہ پہنچا سکتی ہے۔ جو اللہ نے اس کے لیے لکھ رکھا ہے۔ اور اگر سب کے سب لوگ مل کر اس کو کچھ نقصان پہنچانا چاہیں تو اس کو صرف اتنا ہی نقصان پہونچا سکتے ہیں جو اللہ نے اس کے لیے لکھ رکھا ہے۔ اور بات یہ ہے کہ جب ان کا وقت مقررہ آجائے گا تو وہ نہ ایک گھڑی آگے ہوگا نہ پیچھے۔ اور صرف اللہ سبحانہ ہی زندہ کرنے اور مارنے والے اور عزت وذلت دینے والے اور نفع ونقصان پہنچانے والے اور گرانے اور اُٹھانے والے ہیں۔ انہی کے دستِ قدرت میں ہر چیز کی کنجی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہیں۔

ان معانی کے سلسلے میں سلف صالحین نے جو اشعار کہے ہیں ان سے استشہاد کرنے میں کوئی حرج نہیں معلوم ہوتا۔

أی یومیَّ من الموت أفر — یوم لا یقدر أم یوم قدر
میں اپنی موت کے کون سے دو دنوں سے بھاگتا ہوں — اس دن سے جو مقرر نہیں کیا گیا یا اس دن سے جو مقرر کر دیا گیا ہے

یوم لا یقدر لا أرهبه — ومن المقدور لا ینجو الحذر
جس دن موت مقرر نہیں ہے اس سے میں ڈرتا نہیں ہوں — اور جو دن مقرر ہے اس سے احتیاط کرنا بچا نہیں سکتا

إذا غامرت فی شرف مروم — فلا تقنع بما دون النجوم
جب تم علو عزت وشرف حاصل کرنے کے لیے چھلانگ لگا دو — تو پھر ستاروں سے کم پر اکتفا نہ کرنا

فطعم الموت فی أمر حقیر — کطعم الموت فی أمر عظیم
موت کا مزہ حقیر ومعمولی کام میں — ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ موت کا مزہ عظیم امر میں

أقول لها وقد طارت شعاعاً — من الأبطال ویحك لن تراعی
میں اپنے نفس کو جب وہ بہادروں کے خوف سے گھبرانے لگتا ہے — کہتا ہوں تجھ پر افسوس ہے مت ڈر اور مت گھبرا

فإنك لو سألت بقاء یوم — علی الأجل الذی لك لن تطاعی
اس لیے کہ تو اگر اپنے مقرر وقت سے ایک دن — زیادہ زندہ رہنے کا سوال کرے گا تو تیری بات نہیں مانی جائے گی

فصبراً فی مجال الموت صبراً — فما نیل الخلود بمستطاع
لہٰذا موت کے میدان میں بار بار صبر سے کام لے — کیونکہ ہمیشہ کی زندگی کسی کے بس کی بات نہیں

اے مربیانِ کرام! بچے میں جہاد کی روح راسخ وعمیق کرنے کے اہم نقاط و مراحل یہ تھے، اس لیے آپ ان کو اصیار کریں اور اپنے بچوں کو ان کی تلقین کریں تاکہ وہ جب جوانی کی عمر کو پہنچیں اور جہاد کے لیے پکارنے والا پکارے تو وہ عزت وکرامت کے میدان میں بہادری و بے باکی سے مجاہد بن کر نکلیں، اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں، اور پھر وہ ہر وقت مسلح و تیار رہیں گے اور جہاد اور اعلاءِ کلمۃ اللہ سے قطعاً پیچھے نہ رہیں گے، جب تک کہ وہ یہ نہ دیکھ لیں کہ اسلام کا جھنڈا سربلند ہوگیا ہے۔ اور فتح کا جھنڈا لہرانے لگا ہے، اور اس روز مومن اللہ کی مدد و نصرت سے خوش ہوں گے۔ اللہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور وہ غالب اور رحم کرنے والا ہے۔

خاتمہ

اس کتاب "اسلام اور تربیتِ اولاد" میں اس سے قبل ہم نے جو تفصیلی بحث کی ہے، اس سے بلا کسی شک و شبہ کے آپ کے سامنے نہایت واضح طور سے یہ بات آگئی ہوگی کہ دینِ اسلام کا بچے کی ایمانی و اخلاقی تیاری اور نفسیاتی و عقلی تعمیر اور جسمانی و معاشرتی تربیت کے سلسلہ میں اپنا کامل و مکمل منہج و نظام اور ممتاز طریقہ اور منفرد اسلوب ہے۔ تاکہ وہ بچہ مستقبل میں ایک متوازن قسم کا صحیح، نیک صالح انسان بنے، جو ایک عظیم عقیدہ، اخلاق و پیغام کا مالک ہو، اور ذمہ داریوں کو سنبھالے اور ان کا بوجھ اٹھائے، اور آخر کار اصل مقصد و غایت یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کی کامیابی اور دوزخ سے نجات کو حاصل کرلے۔

علماءِ اخلاق و اجتماع اور تربیت و تعلیم کے افراد کا اس پر تقریباً اجماع و اتفاق ہے کہ مربی خواہ معلم ہو یا باپ یا ماں یا پیر مرشد جب وہ اپنی پوری کوشش صرف کرے گا اور اس ربانی نظام کو نافذ کرنے کا پورا اہتمام کرے گا جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔ اور اس نظام کی تطبیق کی کوشش کرے گا جس کے اصول و فروع شریعتِ اسلام سے لیے گئے ہیں، تو یہ یقینی بات ہے کہ بچہ ایمان و تقویٰ میں نشو و نما پائے گا۔ اور فضیلت و اخلاق میں تدریجاً آگے بڑھتا رہے گا، اور معاشرے کے سامنے اس بہترین شکل و صورت میں آئے گا جس میں پختہ عقل، کامل اخلاق، و متوازن کردار اور اچھے معاملے والا اور بہترین سیرت اور اچھے رہن سہن کا مالک انسان ظاہر ہوتا ہو۔

لیکن بعض مربی و والدین اپنے بچوں کے انحراف یا ان کی سرکشی و نافرمانی کی جو شکایت کرتے ہیں تو اس کا اصل سبب خود وہی ہیں۔

آپ بتلائیے کہ بچے کی حالت ایسی صورت میں کب درست ہوسکتی ہے جب باپ اس کو گندے اور برے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھنے کی اجازت دیتا ہو؟

اور بچے کا ایمان کس طرح سالم رہ سکتا ہے جب باپ بچے کو کسی ملحد تنظیم یا لادینی جماعتوں کے ساتھ وابستہ دیکھ کر تسامح کرلیتا ہو؟

اور عمومی طور سے بچہ کیسے صحیح اور سیدھا ہوسکتا ہے جب کہ مربی نے اسلام کے تربیتی اور شخصیت ساز نظام اور بچوں کی ذہن سازی کے نظام پر عمل نہ کیا ہو؟

اور حضرت عمر نے اس وقت کتنا اچھا کیا جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ ایک باپ نے اپنے بچے کے حق کو پورا نہیں کیا اس معنی کر کہ اس کی ماں کا صحیح انتخاب نہیں کیا، نہ اس کا اچھا نام رکھا نہ اسے قرآن کریم کی تعلیم دی، تو حضرت عمر نے ان صاحب سے فرمایا: تم میرے پاس اپنے بیٹے کے نافرمان ہونے کی شکایت لائے ہو، حالانکہ تم نے اس کی نافرمانی اس وقت کی تھی جب اس نے تمہاری نافرمانی نہیں کی تھی، اور تم نے اس کے ساتھ اس وقت برا سلوک کیا تھا جب اس نے تمہارے ساتھ برا سلوک نہیں کیا تھا۔

لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے باپ کو ہی بچے کے انحراف و نافرمانی کا اصل ذمہ دار ٹھہرایا، اس لیے کہ اس نے اپنے بچے کی صحیح تربیت نہیں کی، لیکن بعض والدین جو یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے بچوں کی تربیت و ادب سکھانے کی پوری کوشش کر لی لیکن ان کی اولاد پھر بھی نافرمان و خراب نکلی، یہ فضول و بے کار دعوی ہے، اس لیے کہ اگر ہم اس کا سبب تلاش کریں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ اصل سبب والدین خود ہی ہیں، یا تو اس لیے کہ انہوں نے اپنے بچوں کو صحیح نمونہ فراہم نہیں کیا اور ان کو خراب و غلط نمونہ دیا، اور یا اس لیے کہ انہوں نے اسلام کا تربیتی نظام اختیار نہیں کیا، یا انہوں نے کوئی ایسا حق چھوڑ دیا جو اسلام نے ان پر لازم اور فرض کیا تھا۔

اسی طرز کا وہ واقعہ ہے جو ادب کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک دیہاتی نے اپنے بچوں کی نافرمانی کی شکایت کی اور اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں پایا کہ ان کی مذمت درج ذیل اشعار سے کرے ؎

إن بنيّ كلهم كالكلب	أبرهم أولاهم بسبي
میری اولاد سب کی سب کتے کی طرح ہے	ان میں سب سے فرمانبردار وہ ہے جو مجھے سب سے زیادہ گالی دیتا ہے
لم يغن عنهم أدبي وضربي	ولا اتساعي لهم ورحبي
میرے انہیں تعلیم اور ادب دینے اور مارنے نے کچھ فائدہ نہ پہنچایا	اور نہ ان کے ساتھ نرم برتاؤ اور وسعتِ ظرفی نے
فليتني مت بغير عقب	أو ليتني كنت عقيم الصلب
پس کاش کہ میں بغیر اولاد کے مر جاتا	یا کاش میں بانجھ ہوتا

اور کسی کو کیا معلوم ہے ہو سکتا ہے کہ وہ اعرابی خود اپنے والد کی نافرمانی کرتا ہو جس کا انتقام اللہ نے اس سے اس طرح لیا کہ اس کی اولاد نے اس کی نافرمانی کی؟ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

((البر لا يبلى والذنب لا ينسى والديان	نیکی پرانی نہیں ہوتی اور گناہ بھلایا نہیں جاتا اور بدلہ لینے
لا يموت، فكن كما شئت فكما تدين	والی ذات مرے گی نہیں، لہٰذا تم جیسے چاہے بن جاؤ
تدان)). ابونعیم و دیلمی و ابن عدی	تم جیسا کرو گے تمہارے ساتھ بھی ویسا ہی کیا جائے گا۔

اور طبرانی و حاکم حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا تبروا آباءكم تبركم أبناؤكم، وعفوا تعف نساؤكم))۔

تم اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو تمہاری اولاد تمہارے ساتھ حسنِ سلوک کرے گی اور تم پاک دامن رہو تو تمہاری عورتیں بھی پاک دامن رہیں گی۔

* * *

کبھی اس قاعدہ کے خلاف بھی ہوجاتا ہے اور مربی اپنی پوری کوشش صرف کرتا ہے اور اسلامی تربیت کے تمام طریقے اختیار کرتا ہے لیکن پھر بھی اولاد بگڑجاتی اور منحرف ہوجاتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ سبحانہٗ نے ہمیں حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کے بارے میں بتلایا ہے کہ اس نے ہدایت اور نبوی تربیت کے قبول کرنے سے انکار کیا، اور بڑا بنا تکبر کیا، اور کافروں کا ساتھی بن گیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ اسے بھی پکڑ کر غرق کردیا اور سارے کے سارے کافر ڈبو دیے گئے۔

ایسی صورت میں مربی اللہ کے دربار میں معذور سمجھا جائے گا اس لیے کہ اس نے اپنی تمام ذمہ داری پوری کردی اور اپنے مفوضہ واجبات و فرائض ادا کردیے۔

اور اخیر میں اے مربی محترم! آپ اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیجیے کہ آپ اپنے بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں اس اسلامی طریقے اور نظام پر عمل پیرا ہوں گے، اور ہمت سے کام لیجیے، اور ہر ہر مرحلہ اور ہر ہر پہلو میں اپنے فریضہ کو ہر اعتبار سے نہایت چابکدستی سے ادا کیجیے، آپ نے اگر ایسا کرلیا تو آپ دیکھیں گے ــــــــــــــــ

ــــــــ کہ آپ کی اولاد اصلاح کے سورج، اور ہدایت کے چاند، اور روئے زمین پر چلنے والے فرشتے ہوں گے، بلکہ ان کی نفوس کی صفائی اور دلوں کی طہارت اور اچھے اخلاق اور عمدہ معاملہ اور بردباری اور اچھی معاشرت کی وجہ سے ان کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جائے گا۔

اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر یہ قوم اسلام کو عقیدہ و عمل میں لازم پکڑلے اور اس کی تعلیمات پر احکام و نظام کے اعتبار سے عمل پیرا ہوجائے تو وہ پہلے زمانے کے لوگوں کی طرح عزت و بزرگی و بلندی کی راہ پر گامزن ہوگی۔ اور عالم میں ایک ایسی ٹھوس اور مضبوط حکومت قائم کرے گی جو عزت و عظمت میں دوسری بڑی حکومتوں کا مقابلہ کرے گی بلکہ دوسری تمام قومیں اس کی ہیبت اور عظیم سلطنت کی وجہ سے اس کے سامنے گردن جھکا دیں گی اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ بھی بعید نہیں ہے۔

اے مربی محترم! بات یہ ہے کہ اس امت کے اخیر دور کے لوگ بھی اس چیز سے ٹھیک ہوسکتے ہیں جس سے اس امت کے پہلے لوگ ٹھیک ہوئے تھے، چنانچہ اگر پہلے حضرات اسلامی نظام کو نافذ کرکے اور اس کی عملی تطبیق سے کامیاب ہوئے تھے اور سیادت و فتح و نصرت کی چوٹی پر پہنچ گئے تھے تو اسی طرح اس امت کے اخیر کے لوگ بھی اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتے جب تک اسلامی نظام کو نافذ نہ کریں اس کی عملی تطبیق نہ کریں، یہی ان کے لیے سیادت و قیادت، فتح و نصرت کا راستہ ہے۔

اللہ تعالیٰ رحم فرمائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر فرماتے ہیں:

ہم ایک ایسی قوم ہیں کہ جسے اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعہ عزت بخشی ہے ہم جب بھی اس کو چھوڑ کر عزت چاہیں گے جس کے ذریعہ اللہ نے ہمیں عزت بخشی ہے تو اللہ ہمیں ذلیل ہی کرے گا (مستدرک حاکم)۔

اور بالکل سچ فرمایا ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے:

((... ولاحکم اُمراؤھم بغیر ما انزل اللہ إلا سلط علیھم عدوھم فاستنقذوا بعض مافی أیدیھم ، وما عطلوا کتاب اللہ وسنۃ نبیہ إلا جعل اللہ بأسھم بینھم))۔	اور فیصلہ نہیں کیا ان کے امراء نے اللہ کے نازل کردہ (قرآن وسنت) کو چھوڑ کر مگر یہ کہ اللہ نے ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط کر دیا، اور انہوں نے ان کے پاس جو تھوڑا بہت تھا وہ چھین لیا، اور نہیں معطل کیا لوگوں نے اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت کو مگر یہ کہ اللہ نے ان کو آپس میں لڑا دیا۔
بیہقی وحاکم	

سیادت ونصرت تک پہنچنے کا ذریعہ یہ ہے کہ ہم اپنی اصلاح سے ابتدا کریں، پھر اپنے خاندان کی اصلاح کریں، اور خاندان کے افراد کی اصلاح اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک ہم اپنے بچوں اور بچیوں کی تربیت کے لیے اسلامی نظام وطریقے کو نہ اپنائیں، اس لیے کہ فرد کی اصلاح خاندان کی اصلاح کا ایک قدرتی وطبعی ذریعہ ہے، اور پھر اس کا اثر یہ ہوگا کہ معاشرے کی اصلاح ہو جائے گی اور پھر اسلامی معاشروں میں مسلمان مخلصین ومجاہدین کی ایک مضبوط جماعت تیار ہو جائے گی جن کے ذریعے اسلامی حکومت قائم ہوگی، اور ان کے مضبوط عزائم سے مسلمانوں کو عزت وشوکت نصیب ہوگی۔

اے والدین اور اے تربیت کرنے والو یہ ہے بچوں کی تربیت کا اسلامی نظام اور ان کی اصلاح وہدایت کا صحیح راستہ، لہٰذا آپ اپنی ذمہ داریاں پوری کیجیے، اور اپنے فرائض ادا کیجیے تاکہ مسلمان معاشرے میں آپ کی اولاد اور خاندانوں کی اصلاح متحقق ہو سکے، اور امتِ محمدیہ میں جہاد وفتح کے لشکر تیار ہوں، اور وہ پورے عالم کو گمراہی، جاہلیت اور مادیت سے بچانے اور حق کے نور اور اسلام کے پیغام کی جانب ہدایت دینے میں اپنا کردار ادا کر سکیں:

((وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ، وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ)) التوبۃ ۱۰۵	اور آپ کہہ دیجیے کہ عمل کیے جاؤ پھر آگے اللہ دیکھ لے گا تمہارے کام کو اور اس کا رسول اور مسلمان، اور تم جلد لوٹا دیے جاؤ گے اس کے پاس جو تمام چھپی اور کھلی چیزوں سے واقف ہے پھر وہ جتا دے گا تم کو جو کچھ تم کرتے تھے۔

قرائِ کرام سے یہ درخواست ہے کہ مصنف (ومترجم) کو دعاؤں میں یاد رکھیں، شاید اللہ جل شانہ
ہمارے میں دعا ہی کام آجائے۔

اور اللہ تعالیٰ میرے والد حاجی سعید علوان (اور مترجم کے والد حکیم محمد مختار حسن رحمہ اللہ) پر رحم کرے جن سے علم اور دعوت وتبلیغ کے میدان میں لگائے ہوئے پودوں میں سے ایک پودا میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت سے ڈھانپ لے، اور ان کو اپنی وسیع جنت میں جگہ عطا فرمائے، اور ہمیں ان کے ساتھ انبیاء وصدیقین وشہداء وصالحین کے مجمع میں اپنے یہاں یکجا فرمائے۔ ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی عمدہ واچھی رفاقت ہے۔ وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ أجمعین۔

فرغت من ترجمته صبيحة يوم الخميس ٧-٥-١٤٠٧ھ الموافق ٨-١-١٩٨٧ء ساعة تسعة
لنصف مدار التصنيف، والحمد لله أولاً وآخراً والصلاة والسلام على حبيبه ونجيه وصفيه دائماً أبداً سرمداً۔

اہم مراجع ومصادر

نام کتاب	مصنّف
۱ ۔ قرآنِ کریم	
۲ ۔ المرشد لآیات القرآن الکریم	محمد فارس برکات
۳ ۔ الجامع لأحکام القرآن الکریم	ابوعبداللہ محمد القرطبی
۴ ۔ تفسیر ابن کثیر	ابوالفداء اسماعیل بن کثیر
۵ ۔ فی ظلال القرآن الکریم	سیّد قطب
۶ ۔ تفسیر آیات الأحکام	شیخ محمد علی الصابونی
۷ ۔ تفسیر آیات الأحکام	محمد علی السایس
۸ أحکام القرآن الکریم	ابوبکر الجصاص
۹ ۔ أحکام القرآن الکریم	ابوبکر محمد المعروف بابن العربی
۱۰ ۔ صفوۃ البیان فی تفسیر القرآن	محمد حسنین مخلوف
۱۱ ۔ الترغیب والترہیب	عبدالعظیم المنذری
۱۲ ۔ فیض القدیر	علامہ مناوی
۱۳ ۔ نیل الأوطار	محمد شوکانی
۱۴ ۔ سبل السلام	صنعانی
۱۵ ۔ فتح الباری فی	حافظ ابن حجر العسقلانی
۱۶ ۔ ریاض الصالحین	مام نووی
۱۷ ۔ کشف الخفاء	سماعیل عجلونی
۱۸ ۔ حیاۃ الصحابہ	محمد یوسف کاندھلوی تحقیق محمد علی دولۃ
۱۹ ۔ صفوۃ الصفوۃ	ابن الجوزی تحقیق الدکتور قلعہ جی والفاخوری

نام کتاب	مصنف
۲۰ ۔ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)	عبداللہ سراج الدین
۲۱ ۔ فقہ السیرۃ	ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی
۲۲ ۔ السیرۃ النبویۃ	ڈاکٹر مصطفی سباعی
۲۳ ۔ شرح فتح القدیر	کمال الدین ابن الہمام الحنفی
۲۴ ۔ بدائع الصنائع	علاء الدین الکاسانی
۲۵ ۔ المغنی	ابن قدامۃ تحقیق محمود عبدالوہاب فاید
۲۶ ۔ حاشیہ ردالمحتار علی الدرالمختار	علامہ ابن عابدین
۲۷ ۔ الفقہ علی المذاہب الاربعۃ	عبدالرحمٰن الجزیری
۲۸ ۔ فتح باب العنایۃ	علی القاری تحقیق الشیخ عبدالفتاح أبوغدہ
۲۹ ۔ إحیاء علوم الدین	حجۃ الاسلام الغزالی
۳۰ ۔ رسالۃ المسترشدین	محاسبی تحقیق الشیخ أبوغدہ
۳۱ ۔ مختصر منہاج القاصدین	حمد بن قدامۃ المقدسی
۳۲ ۔ کتاب الزہد والرقائق	عبداللہ بن مبارک
۳۳ ۔ تحفۃ المودود بأحکام المولود	محمد بن قیم الجوزیہ
۳۴ ۔ آداب المتعلمین	احمد عبدالغفور العطار
۳۵ ۔ التربیۃ الاسلامیۃ	قابسی ڈاکٹر أحمد فؤاد الاہوائی
۳۶ ۔ التربیۃ والتعلیم فی الإسلام	ڈاکٹر محمد اسعد طلس
۳۷ ۔ التربیۃ الإسلامیۃ	محمد عطیۃ الابراش
۳۸ ۔ التربیۃ الإسلامیۃ وفلاسفتہا	
۳۹ ۔ وسائل التربیۃ الإسلامیۃ	ڈاکٹر محمد امین المصری
۴۰ أسس التربیۃ الإسلامیۃ	عبدالرحمٰن النحلاوی
۴۱ ۔ مبادئ علم الأخلاق	ڈاکٹر محمد عبداللہ دراز
۴۲ ۔ الحلال والحرام	ڈاکٹر یوسف القرضاوی
۴۳ ۔ الإیمان والحیاۃ ۔	ڈاکٹر یوسف القرضاوی

نام کتاب	مصنف
۴۴ ۔ دروس النکبۃ الثانیۃ	ڈاکٹر یوسف القرضاوی
۴۵ ۔ المجتمع المتکافل فی الإسلام	ڈاکٹر عبدالعزیز الخیاط
۴۶ ۔ عمل المسلم فی الیوم واللیلۃ	محمد طارق محمد صالح
۴۷ ۔ حدیث الإسلام	محمد مصطفٰی ابی العلاء
۴۸ ۔ العدالۃ الاجتماعیۃ	مرحوم سید قطب
۴۹ ۔ الإسلام والسلام العالمی	سید قطب
۵۰ ۔ أخلاقنا الاجتماعیۃ	ڈاکٹر مصطفٰی سباعی
۵۱ ۔ عظماؤنا فی التاریخ	″
۵۲ ۔ ھکذا علمتنی الحیاۃ	
۵۳ ۔ کیف تدعو إلی الإسلام	فتحی یکن
۵۴ ۔ مشکلات الدعوۃ والداعیۃ	″
۵۵ ۔ محاضرۃ ”الرسول المعلم“	شیخ ابوغدہ
۵۶ ۔ الشیوعیۃ والإسلام	عقاد وعطار
۵۷ ۔ المشکلات النفسیۃ	ڈاکٹر نبیہ الغبرہ
۵۸ ۔ مکائد یہودیۃ	عبدالرحمٰن حبنکہ
۵۹ ۔ خلق المسلم	محمد الغزالی
۶۰ ۔ الإسلام ۲ أجزاء	سعید حوّی
۶۱ ۔ اللہ	
۶۲ ۔ الرسول ۲ جزء	
۶۳ ۔ جند اللہ ثقافۃ	
۶۴ ۔ خطر التبرج والاختلاط	عبدالباقی رمضون
۶۵ ۔ حکم الإسلام فی النظر	محمد ادیب کلکل
۶۶ ۔ تحفۃ العروس	محمود مہدی استانبولی
۶۷ ۔ ماذا عن المرأۃ ؟	ڈاکٹر نورالدین عتر

نام کتاب	مصنف
۶۸۔ المرأة المسلمة	وہبی سلیمان الغاوجی
۶۹۔ شریعة الإسلام	ڈاکٹر یوسف القرضاوی
۷۰۔ دراسات إسلامیة	سید قطب
۷۱۔ التکافل الاجتماعی فی الإسلام	عبد اللہ علوان
۷۲۔ تعدد الزوجات فی الإسلام	〃 〃
۷۳۔ شبہات وردود	〃 〃
۷۴۔ حتی یعلم الشباب	〃 〃
۷۵۔ حکم الإسلام فی وسائل الإعلام	〃 〃
۷۶۔ عقبات الزواج	〃 〃
۷۷۔ إلی کل أب غیور	〃 〃
۷۸۔ إلی ورثة الأنبیاء	〃 〃

اوران کے علاوہ اور دوسرے مراجع جو اس کتاب کے مختلف صفحات پر درج ہیں۔